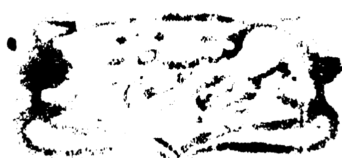
البلاغ

البلاغ پریس کلکتہ



قیمت فی پرچہ پانچ آنہ

الهلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلیے	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہي	سات روپیہ
قیمت فی پرچہ	پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " منیجر الہلال " کے نام کی جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہیں انکے لفافہ پر " ایڈیٹر " کا نام ہونا چاہیے -

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا -

(۳) [illegible] خط و کتابت میں [illegible] خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع ہر وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي ہے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچہ نہ پہنچے تو [illegible] اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں - ورنہ بصورت دیگر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا -

(٦) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسري جگہ جاتے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے ' مقامي ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لیے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرالیں -

(۷) مني آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا [illegible] ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر ' اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے [illegible] بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولي [illegible] خط و کتابت [illegible] کا بار پڑیگا -

سیر فی الارض

أولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبة الذین من قبلھم؟
(۳۰-۸)

سیاحانِ عالم کے مشاہدات و تاثرات

ایک مصری سیاح کے تاثرات

ٹیونس اور البانیہ

ٹیونس

اگر الجزائر فرانس کا محکوم ہے تو ٹیونس بھی فرانس کے جولانِ حکومت سے پامال ہو چکا ہے۔ جو فرانسیسی یہاں ہیں وہی فرانسیسی وہاں بھی ہیں۔ محکومی اور ماتحتی، موت کی طرح سخت اور سُست رفتار ہے۔ ایک خفیہ زہر ہے۔ دوسرا علانیہ ہے۔ لہذا کچھ عجب نہیں اگر دونوں ملکوں کی زندگی باہم مشابہ ہو۔ بلکہ پہلی نظر میں تو دونوں کی زندگی ایک ہی طرح کی معلوم بھی ہوتی ہے۔ لیکن میرے خیال میں باوجود اس گہری مشابہت کے دونوں میں بڑا فرق ہے۔ ایک بیماری سو برس کی پرانی ہے، دوسرے کی ۴۰ برس سے بھی کم کی ہے۔ ٹیونس میں جدید زندگی کے مبادیات موجود ہیں، اور امیدوں کے لئے بھی ویسی مایوسیاں نہیں ہیں جیسی الجزائر اور مراکش میں محسوس ہوتی ہیں۔

ٹیونس کی بیداری ٹیونسی قوم کی سعی وہمت کا نتیجہ ہے۔ شمالی افریقہ میں ظلم کی یکسانیت سے مظلومیت کی حالت یکساں نہیں ہو جا سکتی تھی۔ مراکش، الجزائر، ٹیونس، ریف، ان تمام مقامات میں یورپین استعمار یکساں قوت وخصائل کے ساتھ نمودار ہوا لیکن ان تمام مختلف مقامات کی جماعتی حالت واستعداد یکساں نہ تھی۔

ٹیونس کی بیداری کے اور بھی متعدد اسباب ہیں۔ بعض قوی ہیں بعض ضعیف ہیں۔ بعض اچھے ہیں، بعض بُرے ہیں۔ بعض غذا نافع کے حکم میں داخل ہیں۔ بعض سم قاتل کا حکم رکھتے ہیں۔ کبھی بُرائی سے بھی بھلائی پیدا ہو جاتی ہے۔ کبھی زہر سے بھی شفا حاصل ہوتی ہے۔ جب خدا کسی قوم کی بھلائی چاہتا ہے تو ہر چیز اُس کی خدمتگزار ہو جاتی ہے۔ ہر راہ اُسے منزلِ مقصود کی طرف پہونچاتی ہے۔ لیکن جب کسی قوم کی تباہی کے دن آجاتے ہیں تو ہر چیز اُسے نقصان پہنچاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے ٹیونس پر خدا کی مہر وعنایت ہے۔ اسی لئے اُس کے سامنے بھلائی اور ترقی کی راہیں کھلتی چلی جاتی ہیں۔

ٹیونس میں مدرسے ہیں اور قوم میں علم ونور پھیلا رہے ہیں۔ ٹیونس میں عربی اخبارات ہیں، اور اگرچہ بہت پست اور بے بضاعت ہیں، لیکن بہرحال ملک کی بیداری کا سرچشمہ ہیں۔ ٹیونس میں ایک کرسی بھی ہے، جسے "تخت شاہی" کہتے ہیں۔ اُس پر ایک ٹیونسی مورت بھی دکھی رہتی ہے، جسے بادشاہ یا وہاں کی اصطلاح میں "بائی" کہتے ہیں۔ اُس کے سر پر ایک غلاف بھی چڑھا ہے۔ اُسے "تاج" کہکر پکارتے ہیں۔ "بائی" کی عیش وعشرت بالکل ویسی ہی ہے جیسی مشرقی بادشاہوں کی ہوا کرتی تھی۔ بہت سے ابن الوقت اس کے محل کا اُسی طرح طواف کرتے ہیں جس طرح مومن کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔ اُس کے دروازوں اور چوکھٹوں کو چومتے ہیں اور اجر وثواب کی اُمیدیں رکھتے ہیں!

ٹیونس میں نوجوان بھی ہیں۔ قریب ہے کہ اُن کی آنکھیں کھل جائیں اور "زندگی" کا جلوہ دیکھ لیں۔ ٹیونس میں ترقی کا جذبہ بھی موجود ہے اگر محکومی کی بندشیں ذرا بھی ڈھیلی ہو جائیں تو قریب ہے کہ خوب پھلے اور پھولے۔ مگر موجودہ قید وبند بھی اُسے روک نہیں سکتی۔ یہ جذبہ، سنگ چقماق کی طبیعت رکھتا ہے۔ جتنا رگڑا جاتا ہے، اُتنا ہی چمکتا اور مشتعل ہوتا ہے!

ٹیونس کی بیداری کا ایک سبب، اجنبی تسلط وجبر بھی ہے۔ ٹیونس خوابِ خرگوش میں پڑا سو رہا تھا۔ اجنبی توپوں نے گرجکر اُسے بیدار کر دیا اور اس طرح بیدار کیا کہ پھر اُس کی آنکھیں بند نہ ہوئیں۔ اجنبی تسلط ذی استعداد قوموں کے لئے تازیانۂ عبرت ہوتا ہے، اور نالائق قوموں کے لئے پیامِ ہلاکت!

ٹیونس کی بیداری میں تقلید وجمود اور قدامت پرستی کے عناصر کو بھی بڑا دخل ہے۔ ٹھیک اُسی طرح، جس طرح یہ عناصر مصر کی موجودہ بیداری کا ایک سبب بن گئے ہیں۔

اس دنیا میں شرِ محض کا وجود نہیں۔ تقلید وجمود اور قدامت پرستی میں کتنا ہی بڑا شر کیوں نہ ہو، لیکن اسمیں نفع بھی موجود ہے۔ کسی قوم کے لئے مناسب نہیں کہ اپنا ماضی بالکل بھلا دے۔ ماضی اور قدیم کا صالح جوہر ہمیشہ قوم میں موجود رہنا چاہئے، ورنہ قوم اپنی قومیت کی اساسی روح سے محروم ہو جائے گی۔ یہ قدامت پرست طبقہ اپنے اندر ماضی اور قدیم کی نقش محفوظ رکھتا اور قوم کو اُس کے اصلی خط وخال دکھلاتا رہتا ہے۔ یہ طبقہ کتنا ہی مضر ہو مگر اس سے یہ فائدہ ضرور ہے کہ ماضی اور قدیم کی یاد فراموش ہونے نہیں پاتی، اور تغیر طلب قوتوں کی بے اعتدالیاں اعتدال کی حالت پیدا کر لیتی ہیں۔

اے مطلعین! اس مخلوق پر رحم کھاؤ، جس کا نام [illegible] قدامت پرست" ہے۔ یہ تمھاری نظروں میں ایک پرانی نقش ہی کیوں [illegible] ہے تمھارے ہی ماضی کی نقش! اس کی حفاظت کرو۔ ا[illegible] در کرنے میں جلدی نہ کرو۔ اگر یہ نابود ہو گئی، تو قدامت کی نقش کے ساتھ قدامت کی روح بھی نابود ہو جائے گی!

احمد زوغو کی مملکت "البانیہ"

البانیہ میں سفر بہت تکلیف دہ ہے۔ سمندر سے سفر کی صورت یہ ہے کہ یوگوسلاوی جہاز ہر ہفتہ یونان جاتے ہوئے البانی ساحلوں پر بھی رکتے ہیں۔ یہی راستہ میں نے اختیار کیا۔ یوگو[illegible] بندرگاہ [illegible]گیز سے سوار ہوا اور البانی ساحل دیرازو میں [illegible]ا۔

میرے ساتھی مسافر ایک ہاتھ کی انگلیوں پر [illegible] سکتے تھے۔ جہاز کا کپتان کرواتی نسل کا مقدونی [illegible] ساتھ دیر تک باتیں کیا کرتا۔ ایک دن مجھے ایک [illegible] کر کہنے لگا:

"دیکھو! البانیہ قریب آگیا۔ [illegible] مگر زبان کسی [illegible] بھی نہ کھولنا۔ جاسوسوں [illegible]شیار رہنا۔ البانی پولیس تمھیں زیادہ تنگ نہیں کرے گی [illegible] کہ اندھیری رات میں دو گولیاں [illegible] جائیں۔ تمھارا کام تمام [illegible] جائے گا مگر قیامت [illegible] نہیں چلے گا کہ یہ گولیاں کہاں سے آئی تھیں؟"

ہمارا جہاز پہلے [illegible] میں رکا۔ پھر خوبصورت [illegible] میں ٹھیرا۔ صبح ۶ بجے ہم بندرگاہ دورازو کے سامنے [illegible] سے سخت تکلیف دہ سفر کے بعد بالآخر ٹیرانا پہنچ گئے، جو البانیہ کا پایۂ تخت ہے۔

یہ شہر ترکی قصبات کا منظر پیش کرتا ہے۔ تنگ گھومی ہوئی سڑکیں، ان پر چھوٹی چھوٹی دکانیں، دکانوں میں دکاندار اپنے کاموں میں ٹھیک اُسی طریقہ پر مشغول جیسے صدیوں پہلے اُن کے آباء واجداد تھے۔ کہیں ترکی ٹوپیاں بن رہی ہیں۔ کہیں لکڑی کا سامان طیار ہو رہا ہے۔ کہیں [illegible] ظروف بنائے جا رہے ہیں۔ کہیں کمہار بیٹھا اپنا آنواں [illegible] ترکاری والے بھی دکان لگائے بیٹھے ہیں۔ [illegible] موچی جوتے گانٹھ رہے ہیں۔ پھر ان سب کا [illegible] بڑے آواز سنائی نہیں دیتی۔ تاہم پورے اطمینان [illegible] ہو کر شہر کے قدرتی مناظر نہایت دلفریب ہیں۔ مساجد [illegible] نے فضا میں بلند ہو کر منظر اور بھی زیادہ دلچسپ بنا دیا ہے!

شہر کے سامنے ایک وسیع میدان ہے۔ اسمیں ایک چھوٹی سی عمارت کھڑی ہے اور سینما کی عمارت معلوم ہوتی ہے، حالانکہ وہ دراصل ملک کی پارلیمنٹ ہے۔

پارلیمنٹ کے پچھواڑے فوجی بارکیں ہیں۔ حال ہی میں تعمیر ہوئی ہیں اور شہر کی شب وروز نگرانی کرتی ہیں۔

میں نے اپنا اسباب شہر کے سب سے بڑے ہوٹل میں رکھا۔ اس ہوٹل کا نام "بین الاقوامی" ہوٹل ہے۔ لیکن وہ ترکی ہے اور اُس کی ہر چیز بھی ترکی ہے۔ ہوٹل، میدان کے سامنے ہے۔ میدان میں موٹر کاروں کا ہجوم رہتا ہے۔ یہ تمام موٹریں بہت پرانی اور جنگِ عظیم کی میراث ہیں۔

عورتیں صاف پانی بھرنے کے لئے چشموں پر جوق جوق جاتی ہیں۔ مگر کیا مجال کہ اُن کے جسم کا کوئی حصہ نظر آجائے۔ سر سے پاؤں تک کپڑوں میں لپٹی ہوئی، حتیٰ کہ منہ بھی چھپائے ہوئے، صرف ایک طرف کی آنکھ کھلی ہوتی ہے۔ [illegible] آنکھ غضب کی

سیر فی الارض

أولم يسيروا في الارض فلينظروا كيف كان عاقبة الذين من قبلهم؟

(۳۰-۸)

سیاحان عالم کے مشاہدات و تاثرات

ایک مصری سیاح کے تاثرات

ٹیونس اور البانیہ

ٹیونس

اگر الجزائر فرانس کا محکوم ہے تو ٹیونس بھی فرانس کے جولان حکومت سے پامال ہو چکا ہے۔ جو فرانسیسی یہاں ہیں وہی فرانسیسی وہاں بھی ہیں۔ محکومی اور ماتحتی، موت کی طرح سخت اور سُست رفتار ہے۔ ایک خفیہ زہر ہے۔ دوسرا علانیہ ہے۔ لہذا کچھ عجب نہیں اگر دونوں ملکوں کی زندگی باہم مشابہ ہو۔ بلکہ پہلی نظر میں تو دونوں کی زندگی ایک ہی طرح کی معلوم بھی ہوتی ہے۔ لیکن میرے خیال میں باوجود اس گہری مشابہت کے دونوں میں بڑا فرق ہے۔ ایک بیماری سو برس کی پرانی ہے، دوسرے کی ۴۰ برس سے بھی کم کی ہے۔ ٹیونس میں جدید زندگی کے مبادیات موجود ہیں، اور امیدوں کے لئے بھی ویسی مایوسیاں نہیں ہیں جیسی الجزائر اور مراکش میں محسوس ہوتی ہیں۔

ٹیونس کی بیداری ٹیونسی قوم کی سعی و ہمت کا نتیجہ ہے۔ شمالی افریقہ میں ظلم کی یکسانیت سے مظلومیت کی حالت یکساں نہیں ہو جا سکتی تھی۔ مراکش، الجزائر، ٹیونس، ریف، ان تمام مقامات میں یوروپین استعمار یکساں قوت و خصائل کے ساتھ نمودار ہوا، لیکن ان تمام مختلف مقامات کی جماعتی حالت و استعداد یکساں نہ تھی۔

ٹیونس کی بیداری کے اور بھی متعدد اسباب ہیں۔ بعض قوی ہیں بعض ضعیف ہیں۔ بعض اچھے ہیں، بعض بُرے ہیں۔ بعض غذا نافع کے حکم میں داخل ہیں۔ بعض سم قاتل کا حکم رکھتے ہیں۔ کبھی بُرائی سے بھی بھلائی پیدا ہو جاتی ہے۔ کبھی زہر سے بھی شفا حاصل ہوتی ہے۔ جب خدا کسی قوم کی بھلائی چاہتا ہے تو ہر چیز اُس کی خدمتگزار ہو جاتی ہے۔ ہر راہ اُسے منزل مقصود کی طرف پہونچاتی ہے۔ لیکن جب کسی قوم کی تباہی کے دن آجاتے ہیں تو ہر چیز اُسے نقصان پہنچاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے ٹیونس پر خدا کی مہر و عنایت ہے۔ اسی لئے اُس کے سامنے بھلائی اور ترقی کی راہیں کھلتی چلی جاتی ہیں۔

ٹیونس میں مدرسے ہیں اور قوم میں علم و نور پھیلا رہے ہیں۔ ٹیونس میں عربی اخبارات ہیں، اور اگرچہ بہت پست اور بے بضاعت ہیں، لیکن بہرحال ملک کی بیداری کا سرچشمہ ہیں۔ ٹیونس میں ایک کرسی بھی ہے، جسے "تخت شاہی" کہتے ہیں۔ اُس پر ایک ٹیونسی مورت بھی رکھی رہتی ہے، جسے بادشاہ یا وہاں کی اصطلاح میں "بائی" کہتے ہیں۔ اُس کے سر پر ایک غلاف بھی چڑھا ہے۔ اُسے "تاج" کہکر پکارتے ہیں۔ "بائی" کی عیش و عشرت بالکل ویسی ہی ہے جیسی مشرقی بادشاہوں کی ہوا کرتی تھی۔ بہت سے ابن الوقت اس کے محل کا اُسی طرح طواف کرتے ہیں جس طرح مومن کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔ اُس کے دروازوں اور چوکھٹوں کو چومتے ہیں اور اجر و ثواب کی اُمیدیں رکھتے ہیں!

ٹیونس میں نوجوان بھی ہیں۔ قریب ہے کہ اُن کی آنکھیں کھل جائیں اور "زندگی" کا جلوہ دیکھ لیں۔ ٹیونس میں ترقی کا جذبہ بھی موجود ہے اگر محکومی کی بندشیں ذرا بھی ڈھیلی ہو جائیں تو قریب ہے کہ خوب پھلے اور پھولے۔ مگر موجودہ قید و بند بھی اُسے روک نہیں سکتی۔ یہ جذبہ، سنگ چقماق کی طبیعت رکھتا ہے۔ جتنا رگڑا جاتا ہے، اُتنا ہی چمکتا اور مشتعل ہوتا ہے!

ٹیونس کی بیداری کا ایک سبب، اجنبی تسلط و جبر بھی ہے۔ ٹیونس خواب خرگوش میں پڑا سو رہا تھا۔ اجنبی توپوں نے گرجکر اُسے بیدار کردیا اور اس طرح بیدار کیا کہ پھر اُس کی آنکھیں بند نہ ہوئیں۔ اجنبی تسلط ذی استعداد قوموں کے لئے تازیانۂ عبرت ہوتا ہے، اور نالائق قوموں کے لئے پیام ہلاکت!

ٹیونس کی بیداری میں تقلید و جمود اور قدامت پرستی کے عناصر کو بھی بڑا دخل ہے۔ ٹھیک اُسی طرح، جس طرح یہ عناصر مصر کی موجودہ بیداری کا ایک سبب بن گئے ہیں۔

اس دنیا میں شر محض کا وجود نہیں۔ تقلید و جمود اور قدامت پرستی میں کتنا ہی بڑا شر کیوں نہ ہو، لیکن اسمیں نفع بھی موجود ہے۔ کسی قوم کے لئے مناسب نہیں کہ اپنا ماضی بالکل بھلا دے۔ ماضی اور قدیم کا صالح جوہر ہمیشہ قوم میں موجود رہنا چاہئے، ورنہ قوم اپنی قومیت کی اساسی روح سے محروم ہو جائے گی۔ یہ قدامت پرست طبقہ اپنے اندر ماضی اور قدیم کی نعش محفوظ رکھتا اور قوم کو اُس کے اصلی خط و خال دکھلاتا رہتا ہے۔ یہ طبقہ کتنا ہی مضر ہو مگر اس سے یہ فائدہ ضرور ہے کہ ماضی اور قدیم کی یاد فراموش ہونے نہیں پاتی، اور تغیر طلب قوتوں کی بے اعتدالیاں اعتدال کی حالت پیدا کر لیتی ہیں۔

اے مصلحین! اس مخلوق پر رحم کھاؤ، جس کا نام "قدامت پرست" ہے۔ یہ تمھاری نظروں میں ایک پرانی نعش ہی کیوں نہ ہو مگر ہے تمھارے ہی ماضی کی نعش! اس کی حفاظت کرو۔ اسے نابود کرنے میں جلدی نہ کرو۔ اگر یہ نابود ہو گئی، تو قدامت کی نعش کے ساتھ قدامت کی روح بھی نابود ہو جائے گی!

احمد زوغو کی مملکت "البانیہ"

البانیہ میں سفر بہت تکلیف دہ ہے۔ سمندر سے سفر کی صورت یہ ہے کہ یوگوسلاوی جہاز ہر ہفتہ یونان جاتے ہوئے البانی ساحل پر بھی رُکتے ہیں۔ یہی راستہ میں نے اختیار کیا۔ یوگوسلاوی بندرگاہ [illegible] سے سوار ہوا اور البانی ساحل دیرآزو میں اُتر پڑا۔

میرے ساتھی مسافر ایک ہاتھ کی اُنگلیوں پر گنے جا سکتے تھے۔ جہاز کا کپتان کرواتی نسل کا معتقد دین [illegible] ساتھ دیر تک باتیں کیا کرتا۔ ایک دن مجھے ایک [illegible] میں لیجا کر کہنے لگا:

"دیکھو! البانیہ قریب آگیا۔ [illegible] مگر زبان کسی وقت بھی نہ کھولنا۔ جاسوسوں [illegible] ہوشیار رہنا۔ البانی پولیس تمھیں زیادہ تنگ نہیں کرے گی [illegible] کہ اندھیری رات میں دو گولیاں ہوا میں [illegible] تمھارا سینہ توڑ جائیں۔ تمھارا کام تمام ہو جائے گا مگر قیامت تک پتہ نہیں چلے گا کہ یہ گولیاں کہاں سے آئی تھیں؟"

ہمارا جہاز پہلے [illegible] میں رُکا۔ پھر خوبصورت خلیج [illegible] میں ٹھہرا۔ صبح ۶ بجے ہم بندرگاہ دورازو کے سامنے تھے۔ یہاں سے سخت تکلیف دہ سفر کے بعد بالآخر ٹیرانا پہنچ گئے، جو البانیہ کا پایۂ تخت ہے۔

یہ شہر، ترکی قصبات کا منظر پیش کرتا ہے۔ تنگ گھومی ہوئی سڑکیں، اُن پر چھوٹی چھوٹی دکانیں، دکانوں میں دکاندار اپنے کاموں میں ٹھیک اُسی طریقہ پر مشغول جیسے صدیوں پہلے اُنکے آبا و اجداد تھے۔ کہیں ترکی ٹوپیاں بن رہی ہیں۔ کہیں لکڑی کا سامان طیار ہو رہا ہے۔ کہیں تانبے کے ظروف بنائے جا رہے ہیں۔ کہیں کمہار بیٹھا اپنا آنواں [illegible] ہے۔ ساتھ ہی ترکاری والے بھی دکان لگائے بیٹھے ہیں۔ [illegible] موچی جوتے گانٹھ رہے ہیں۔ پھر ان سب [illegible] بڑے آواز سنائی نہیں دیتی۔ تاہم پورے اطمینان [illegible] ہے کہ شہر کے قدرتی مناظر نہایت دلفریب ہیں۔ مساجد کے میناروں نے فضا میں بلند ہو کر منظر اور بھی زیادہ دلچسپ بنا دیا ہے!

شہر کے سامنے ایک وسیع میدان ہے۔ اسمیں ایک چھوٹی سی عمارت کھڑی ہے اور سینما کی عمارت معلوم ہوتی ہے، حالانکہ وہ دراصل ملک کی پارلیمنٹ ہے۔

پارلیمنٹ کے پچھواڑے فوجکی بارکیں ہیں۔ حال ہی میں تعمیر ہوئی ہیں اور شہر کی شب و روز نگرانی کرتی ہیں۔

میں نے اپنا اسباب شہر کے سب سے بڑے ہوٹل میں رکھا اس ہوٹل کا نام "بین الاقوامی" ہوٹل ہے۔ لیکن وہ ترکی ہے اور اُس کی ہر چیز بھی ترکی ہے۔ ہوٹل، میدان کے سامنے ہے۔ میدان میں موٹر کاروں کا ہجوم رہتا ہے۔ یہ تمام موٹریں بہت پُرانی اور جنگ عظیم کی میراث ہیں۔

عورتیں صاف پانی بھرنے کے لئے چشموں پر جوق جوق جاتی ہیں۔ مگر کیا مجال کہ اُن کے جسم کا کوئی حصہ نظر آجائے۔ سر سے پاؤں تک کپڑوں میں لپٹی ہوئی، حتی کہ منہ بھی چھپائے ہوئے، صرف ایک طرف کی آنکھ کھلی ہوتی ہے۔ آہ کہ آنکھ، غضب کی

آنکھ! ایک دن میں نے چند عورتوں کی تصویر اُتارنا چاہی۔ اُن کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ اُنھوں نے مجھے گھونسے دکھاکر دھمکانا اور مغلظ گالیاں دینا شروع کردیا!

رات کو شہر میں بڑی چہل پہل ہوتی ہے۔ پوری آبادی معلوم ہوتا ہے، باہر نکل آئی۔ امرا، سکون و وقار سے چلتے ہیں۔ ہر ایک کے آگے پیچھے حبشی خواجہ سرا تلواریں لئے ہوتے ہیں۔ ہر کوئی اپنی جگہ پر البانیہ کا بادشاہ معلوم ہوتا ہے۔ اس وقت عورتیں بھی چہل قدمی کرتی نظر آتی ہیں۔ بڑی بڑی سیاہ چادریں اوڑھے ہوتی ہیں۔ اُنکی سب سے زیادہ مرغوب خارجی آرائش یہ ہے کہ رات کو بھی چھتریاں لگائے رہیں!

پورا ملک مسلح ہے۔ ایک آدمی بھی نہتا دکھائی نہیں دیتا۔ اِس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر طرف امن امان قائم ہے۔ ہر کوئی اپنی جان کو ڈرتا ہے، اور کسی پر زیادتی نہیں کرتا۔ میں تیرانا میں دو ہفتے رہا مگر میں نے ایک دن بھی بازاروں میں جھگڑا فساد نہیں دیکھا۔

البانیہ کے باشندے عموماً بڑے دیانت دار ہوتے ہیں۔ چوری کی بھی کوئی واردات نہیں سنی جاتی۔ مکانوں کے دروازے عموماً شب [illegible] کھلے [illegible] قفل لگانے کا رواج تقریباً مفقود ہے۔

ایک اجنبی کے لئے [illegible] بازار میں خرید و فروخت بہت مشکل ہے۔ تمام یورپ اور امریکہ کے طلائی، [illegible] اور نکل کے سکے چلتے ہیں۔ آدمی جب تک ان تمام سکوں سے واقف نہ ہو جو بے شمار قسم کے ہیں، لین دین نہیں کر سکتا۔ مگر [illegible] کھٹکے بازار میں جا سکتے ہو۔ جو چاہو خریدو۔ دکاندار جو سکے بھی [illegible] اپنے گنے لے لو۔ ناممکن ہے تمھیں کبھی دھوکہ دیا جائے۔ ایک [illegible] میں نے نوٹ خریدے دکاندار نے میرے نوٹ کی ریزگاری دے دی [illegible] امریکن، اور صربی (سردین) سکے ملے جلے [illegible] بغیر گنے جیب میں رکھ لی اور روانہ ہو گیا۔ ابھی [illegible] ہی چلا تھا کہ پیچھے سے آواز آئی مڑ کے دیکھا تو تین چار آدمی بے تحاشا دوڑتے چلے آرہے ہیں [illegible] ہاتھ ہلاتے ہیں۔ میں رک گیا۔ کیا دیکھتا ہوں [illegible] ہانپ رہا ہے:

"جناب [illegible] ت سے آنکھیں نیچی کر کے کہا۔ مجھ سے [illegible] بڑا ہی بیوقوف ہوں۔ بازار میں بیٹھنے [illegible] آپ کو کم رقم دی ہے۔ یہ لیجئے آپکے دام ہیں۔ مع [illegible]

لیکن پر امن البانیہ کے سر پر اب جنگ کا بھوت چڑھ رہا ہے۔ تیرانا اس وقت فوج سے لبریز ہے۔ شب و روز جنگی قواعد اور جنگی مظاہرے ہو رہے ہیں۔ تمام فوجی بارکیں سپاہیوں سے پر ہیں، حتی کہ اکثر مسجدیں بھی سپاہیوں کے لئے خالی کر دی گئی ہیں۔

مگر یہ جنگی طیاریاں کیوں ہیں؟ "یوگو سلاویا کی طرف سے اندیشہ ہے" یہ جواب دیا جاتا ہے۔ مگر یہ پوری حقیقت نہیں ہے۔ پوری حقیقت کچھ اور ہی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ احمد زوغو کو اپنی شخصیت بڑھانے کی فکر ہے۔ ٹرکی کے مصطفیٰ کمال، اٹلی کے موسولینی، اسپین کے پرائمو ڈی ریورا کی طرح احمد زوغو بھی البانیہ کا مطلق العنان ڈکٹیٹر ہے۔ مگر وہ اس منصب پر قانع نہیں۔ وہ البانیہ کا نپولین بننا چاہتا ہے۔ تاج شاہی کے لئے اُس کا سر مضطرب ہے۔ وہ چاہتا ہے، تلوار کی نوک سے ایک طلائی تاج اٹھائے اور اپنے سر پر رکھ لے!

احمد زوغو کا خاص باڈی گارڈ بہت ہی خوفناک ہے۔ تین ہزار زبردست سپاہی اُس کی شب روز حفاظت کرتے ہیں۔ اُسکے محل کے سامنے ایک مکان میں اُس کی ماں رہتی ہے۔ روزانہ اُسکی م

بصائر و حکم

انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں

حسین بن علی علیہما السلام

۲

آپکی حسرت اور اصحاب کی وفاداری!

فوج کی واپسی کے بعد رات کو آپنے اپنے ساتھی جمع کئے اور خطبہ دیا:

"خدا کی حمد و ستائش کرتا ہوں، رنج و راحت ہر حال میں اُس کا شکر گزار ہوں۔ الٰہی! تیرا شکر کہ تو نے ہمارے گھر کو نبوت سے مشرف کیا، قرآن کا فہم عطا کیا۔ دین میں سمجھ بخشی، اور ہمیں دیکھنے سننے اور عبرت پکڑنے کی قوتوں سے سرفراز کیا۔ اما بعد۔ لوگو! میں نہیں جانتا آج روئے زمین پر میرے ساتھیوں سے افضل اور بہتر بھی لوگ موجود ہیں، یا میرے اہل بیت سے زیادہ ہمدرد اور غمگسار اہل بیت کسی کے ساتھ ہیں۔ اے لوگو، تم سب کو اللہ میری طرف سے جزاء خیر دے! میں سمجھتا ہوں کل میرا ان کا فیصلہ ہو جائے گا۔ غور و فکر کے بعد میری رائے یہ ہے کہ تم سب خاموشی سے نکل جاؤ۔ رات کا وقت ہے۔ میرے اہل بیت کا ہاتھ پکڑ لو اور تاریکی میں ادہر اُدہر چلے جاؤ۔ میں خوشی سے تمھیں رخصت کرتا ہوں۔ میری طرف سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ یہ لوگ صرف مجھے چاہتے ہیں میری جان لے کر تم سے غافل ہو جائیں گے"

یہ سنکر آپ کے اہل بیت بہت رنجیدہ اور بےچین ہوئے حضرت عباس نے کہا "یہ کیوں؟ کیا اس لئے کہ ہم آپکے بعد زندہ رہیں؟ خدا ہمیں وہ دن نہ دکھائے!"

حضرت نے مسلم بن عقیل کے رشتہ داروں سے کہا "اے اولاد عقیل! مسلم کا قتل کافی ہے۔ تم چلے جاؤ۔ میں نے تمھیں اجازت دی" وہ کہنے لگے "لوگ کیا کہیں گے؟ یہی کہینگے کہ ہم اپنے شیخ، سردار، اور عم زادوں کو چھوڑ کر بھاگ آئے۔ ہم نے اُن کے ساتھ نہ کوئی تیر پھینکا، نہ نیزہ چلایا، نہ تلوار گھمائی۔ نہیں واللہ یہ ہرگز نہ ہوگا۔ ہم تو آپ پر اپنی جان، مال، آل اولاد سب کچھ قربان کر دیں گے۔ آپکے ساتھ ہو کر لڑیں گے۔ جو آپ پر گزرے گی وہی ہم پر بھی گزرے گی۔ آپکے بعد خدا ہمیں زندہ نہ رکھے!"

آپکے ساتھی بھی کھڑے ہو گئے۔ مسلم بن عوسجہ اسدی نے کہا: "کیا ہم آپ کو چھوڑ دیں گے؟ حالانکہ اب تک آپکا حق ادا نہیں کر سکے ہیں۔ واللہ نہیں، ہرگز نہیں۔ میں اپنا نیزہ ان دشمنوں کے سینے میں توڑ دوں گا۔ جب تک قبضہ ہاتھ میں رہیگا، تلوار چلاتا رہوں گا۔ نہتا ہو جاؤں گا تو پتھر پھینکوں گا۔ یہاں تک کہ موت میرا خاتمہ کر دے!"

سعد بن عبداللہ الحنفی نے کہا "واللہ ہم آپ کو اُس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک خدا جان نہ لے کہ ہم نے رسول اللہ کا حق محفوظ رکھا۔ واللہ اگر مجھے معلوم ہو کہ میں قتل ہوں گا، جلایا جاؤں گا، آگ میں بھونا جاؤں گا، پھر میری خاک ہوا میں اُڑا دی جائے گی۔ اور ایک مرتبہ نہیں، ۷۰ مرتبہ مجھ سے یہی سلوک کیا جائے گا۔ پھر بھی میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ آپکی حمایت میں فنا ہو جاؤں"

زہیر بن القین نے کہا "بخدا اگر میں ایک ہزار مرتبہ بھی آرے سے چیرا جاؤں تو بھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں۔ خوشا نصیب! اگر میرے قتل سے آپ کی اور آپکے اہل بیت کے ان نونہالوں کی جانیں بچ جائیں!" (ابن جریر، کامل، شرح نہج البلاغہ وغیرہا)

حضرت زینب کی بےچینی اور آپکا توصیہ صبر

حضرت زین العابدین سے روایت ہے کہ جس رات کی صبح میرے والد شہید ہوئے ہیں، میں بیٹھا تھا اور میری پھوپھی زینب میری تیمارداری کر رہی تھیں۔ اچانک میرے والد نے خیمہ میں اپنے ساتھیوں کو طلب کیا۔ اُس وقت خیمے میں ابوذر غفاری کے غلام حوی تلوار صاف کر رہے تھے اور میرے والد یہ شعر پڑھ رہے تھے:

یادہر اف لک من خلیل ۔ کم لک بالاشراق والاصیل!

اے زمانہ! تیرا برا ہو، تو کیسا بیوفا دوست ہے! صبح اور شام تیرے ہاتھوں

من صاحب او طالب قتیل ۔ والدہر لا یقنع بالبدیل!

کتنے مارے جاتے ہیں؟ زمانہ کسی کی رعایت نہیں کرتا۔ کسی سے عوض قبول نہیں کرتا۔

وانما الامر الی الجلیل ۔ وکل حی سالک السبیل!

اور سارا معاملہ، اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ ہر زندہ موت کی راہ پر چلا جا رہا ہے!

تین چار مرتبہ آپنے یہی شعر دہرائے۔ میرا دل بھر آیا۔ آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ مگر میں نے آنسو روک لئے۔ میں سمجھ گیا مصیبت ٹلنے والی نہیں۔ میری پھوپھی نے یہ شعر سنے، وہ بے قابو ہو گئیں بے اختیار دوڑتی ہوئی آئیں اور شیون و فریاد کرنے لگیں۔

حضرت امام نے یہ حالت دیکھی تو فرمایا۔ "اے بہن یہ کیا حال ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ نفس شیطانی کی بے صبریاں ہمارے ایمان و استقامت پر غالب آجائیں" انھوں نے روتے ہوئے کہا:

"کیونکر اس حالت پر صبر کیا جاسکے کہ آپ اپنے ہاتھوں قتل ہو رہے ہیں؟" آپنے کہا "مشیت کا ایسا ہی فیصلہ ہے" اسپر ان کی بیقراریاں اور زیادہ بڑھ گئیں اور شدت غم سے بے حال ہوگئیں۔ یہ حالت دیکھ کر آپنے ایک طولانی تقریر صبر و استقامت پر فرمائی۔ آپنے کہا "بہن! خدا سے ڈر، خدا کی تعزیت سے تسلّی حاصل کر۔ موت دنیا میں ہر زندگی کے لئے ہے۔ آسمان والے بھی ہمیشہ جیتے نہ رہیں گے۔ ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ پھر موت کے خیال سے اس قدر رنج و بے قراری کیوں ہو؟ دیکھ، ہمارے لئے، اور ہر مسلمان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اُسوۂ حسنہ ہے، یہ نمونہ ہمیں کیا سکھلاتا ہے؟ یہی ہمیں ہر حال میں صبر و ثبات اور توکل و رضا کی تعلیم دیتا ہے۔ چاہئے کہ کسی حال میں بھی اس سے منحرف نہ ہوں" (الیعقوبی وابن جریر)

پوری رات عبادت و تلاوت میں گزاری

پوری رات آپنے اور آپکے ساتھیوں نے نماز، استغفار اور دعا و تضرع میں گزاری۔ راوی کہتا ہے دشمن کے سوار رات بھر ہمارے لشکر کے گرد چکر لگاتے رہے۔ حضرت حسین بلند آواز سے یہ آیت پڑھ رہے تھے "ولا یحسبن الذین کفروا انما نملی لھم خیر لانفسھم انما نملی لھم لیزدادوا اثما ولھم عذاب مھین۔ ماکان اللہ لیذر المؤمنین علی ما انتم علیہ حتی یمیز الخبیث من الطیب[1]"، دشمن کے ایک سوار نے یہ آیت سنی تو چلا کر کہنے لگا "قسم رب کعبہ کی، ہم ہی طیب ہیں، اور تم سے الگ کر دیئے گئے ہیں!"

عشرہ کی صبح

جمعہ یا سنیچر کے دن دسویں محرم کو نماز فجر کے بعد عمر بن سعد اپنی فوج لے کر نکلا۔ حضرت حسین نے بھی اپنے اصحاب کی صفیں قائم کیں اُن کے ساتھ صرف ۳۲ سوار، ۴۰ پیدل، کل ۷۲ آدمی تھے۔ میمنہ پر زہیر بن القین کو مقرر کیا۔ میسرہ، حبیب بن مظاہر کے سپرد کیا۔ علم اپنے بھائی عباس بن علی کے ہاتھ میں دیا۔ خیموں کے پیچھے خندق کھود کر اُس میں بہت سا ایندھن ڈھیر کر دیا گیا تھا اور آگ جلا دی تھی تاکہ دشمن پیچھے سے حملہ آور نہ ہوسکے۔

شمر کی یاوہ گوئی

فوج سے شمر بن ذی الجوشن گھوڑا دوڑاتا نکلا۔ آپ کے لشکر کے گرد پھرا اور آگ دیکھ کر چلایا "اے حسین! قیامت سے پہلے ہی تو نے آگ قبول کرلی؟" حضرت نے جواب دیا "اے چرواہے کے لڑکے! تو ہی آگ کا زیادہ مستحق ہے!" مسلم بن عوسجہ نے عرض کیا "مجھے اجازت دیجئے اسے تیر مار کر ہلاک کر ڈالوں۔ کیونکہ بالکل زد پر ہے" حضرت نے منع کیا "نہیں۔ میں لڑائی میں پہل نہیں کروں گا" (ایضاً)

دعا کے لئے ہاتھ اُٹھا دیئے!

دشمن کا رسالہ آگے بڑھتے دیکھ کر آپنے دعا کے لئے ہاتھ اُٹھا دیئے "الٰہی! ہر مصیبت میں تو ہی میرا بھروسہ ہے! ہر سختی میں تو ہی میرا پشت پناہ ہے! کتنی مصیبتیں پڑیں، دل کمزور ہوگیا، تدبیر نے جواب دے دیا، دوست نے بیوفائی کی، دشمن نے خوشیاں منائیں، مگر میں نے صرف تجھی سے التجا کی اور تو نے ہی میری دستگیری کی! تو ہی ہر نعمت کا مالک ہے۔ تو ہی احسان والا ہے۔ آج بھی تجھی سے التجا کی جاتی ہے!" (شرح نہج البلاغہ)

دشمن کے سامنے خطبہ

جب دشمن قریب آگیا تو آپنے اونٹنی طلب کی۔ سوار ہوئے۔ قرآن سامنے رکھا، اور دشمن کی صفوں کے سامنے کھڑے ہو کر بلند آواز سے یہ خطبہ دیا:

"لوگو! میری بات سنو۔ جلدی نہ کرو۔ مجھے نصیحت کر لینے دو۔ اپنا عذر بیان کرنے دو۔ اپنی آمد کی وجہ کہنے دو۔ اگر میرا عذر معقول ہو، اور تم اسے قبول کر سکو، اور میرے ساتھ انصاف کرو، تو یہ تمھارے لئے خوش نصیبی کا باعث ہوگا اور تم میری مخالفت سے باز آجاؤ گے لیکن اگر سننے کے بعد بھی تم میرا عذر قبول نہ کرو اور انصاف کرنے سے انکار کر دو؛ تو پھر مجھے کسی بات سے بھی انکار نہیں ہے۔ تم اور تمھارے سارے ساتھی ایکا کر لو، مجھ پر ٹوٹ پڑو، مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو۔ میرا اعتماد ہر حال میں صرف پروردگار عالم پر ہے اور وہ نیکو کاروں کا حامی ہے"

آپ کی اہل بیت نے یہ کلام سنا تو شدت تأثر سے بے اختیار ہوگئیں اور خیمہ سے آہ و بکا کی صدا بلند ہوئی۔ آپنے اپنے بھائی عباس اور اپنے فرزند علی کو بھیجا تاکہ انھیں خاموش کرائیں۔ اور کہا "ابھی انھیں بہت رونا باقی ہے" پھر بے اختیار پکار اُٹھے "خدا عباس کی عمر دراز کرے" یعنی حضرت عبداللہ ابن عباس کی۔ راوی کہتا ہے یہ جملہ اس لئے آپکی زبان سے نکل گیا کہ مدینہ میں عبداللہ ابن عباس نے عورتوں کو ساتھ لیجانے سے منع کیا تھا۔ مگر آپنے اسپر توجہ نہ کی تھی۔ اب ان کا جزع و فزع دیکھا تو عبداللہ بن عباس کی بات یاد آگئی۔ پھر آپنے ازسرنو تقریر شروع کی:

"لوگو! میرا حسب نسب یاد کرو۔ سوچو میں کون ہوں؟ پھر اپنے گریبانوں میں منہ ڈالو اور اپنے ضمیر کا محاسبہ کرو۔ خوب غور کرو کیا تمھارے لئے میرا قتل کرنا اور میری حرمت کا رشتہ توڑنا روا ہے؟ کیا میں تمھارے نبی کی لڑکی کا بیٹا، اُس کے عم زاد کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا سید الشہداء حمزہ میرے باپ کے چچا نہیں تھے؟ کیا ذوالجناحین جعفر الطیار میرے چچا نہیں ہیں؟ کیا تم نے رسول اللہ کا یہ مشہور قول نہیں سنا کہ آپ میرے اور میرے بھائی کے حق میں فرماتے تھے "سیدا شباب اہل الجنۃ"؟ (جنت میں نوعمروں کے سردار) اگر میرا یہ بیان سچا ہے، اور ضرور سچا ہے کیونکہ واللہ میں ہوش سنبھالنے کے بعد سے لے کر آجتک کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ تو بتلاؤ، کیا تمھیں برہنہ تلواروں سے میرا استقبال کرنا چاہئے؟ اگر تم میری بات یقین نہیں کرتے تو تم میں ایسے لوگ موجود ہیں جن سے تصدیق کر لے سکتے ہو۔ جابر بن عبداللہ انصاری سے پوچھو۔ ابو سعید خدری سے پوچھو۔ سہل بن سعد ساعدی سے پوچھو۔ زید بن ارقم سے پوچھو، انس بن مالک سے پوچھو۔ وہ تمھیں بتائیں گے کہ اُنھوں نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں رسول اللہ صلعم کو یہ فرماتے سنا ہے یا نہیں؟ کیا یہ بات بھی تمھیں میرا خون بہانے سے نہیں روک سکتی؟ واللہ اس وقت روئے زمین پر بجز میرے کسی نبی کی لڑکی کا بیٹا موجود نہیں۔ میں تمھارے نبی کا بلا واسطہ نواسہ ہوں! کیا تم مجھے اس لئے ہلاک کرنا چاہتے ہو کہ میں نے کسی کی جان لی ہے؟ کسی کا خون بہایا ہے؟ کسی کا مال چھینا ہے؟ کہو کیا بات ہے؟ آخر میرا قصور کیا ہے؟"

کوفہ والوں کا جواب

آپنے بار بار پوچھا مگر کسی نے جواب نہیں دیا۔ آخر آپنے بڑے بڑے کوفیوں کو نام لے لے کر پکارنا شروع کیا "اے شبث بن ربعی! اے حجار بن ابجر! اے قیس بن الاشعث! اے یزید بن الحارث! کیا تم نے مجھے نہیں لکھا تھا کہ "پھل پک گئے، زمین سرسبز ہوگئی، نہریں اُبل پڑیں، آپ اگر آئیں گے تو اپنی فوج جرار کے پاس آئیں گے۔ جلد آئیے" اسپر اُن لوگوں کی زبانیں کھلیں، اور انھوں نے کہا "ہرگز نہیں، ہم نے تو نہیں لکھا تھا" آپ چلا اُٹھے "سبحان اللہ! یہ کیا جھوٹ ہے واللہ، تم ہی نے لکھا تھا!" اس کے بعد آپنے پھر پکار کر کہا: "اے لوگو! چونکہ تم اب مجھے ناپسند کرتے ہو اس لئے بہتر ہے کہ مجھے چھوڑ دو، میں یہاں سے واپس چلا جاتا ہوں"

ذلت منظور نہیں

یہ سُنکر قیس بن الاشعث نے کہا "کیا یہ بہتر نہیں کہ آپ اپنے آپ کو اپنے عم زادوں کے حوالہ کر دیں؟ وہ وہی برتاؤ کرینگے جو آپ کو پسند ہے۔ آپ کو اُن سے کوئی گزند نہیں پہنچے گا"

آپنے جواب دیا "تم سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہو۔ اے شخص کیا تو یہ چاہتا ہے کہ بنی ہاشم تجھ سے مسلم بن عقیل کے سوا ایک اور خون کا بھی مطالبہ کریں؟ نہیں! واللہ، میں ذلت کے ساتھ اپنے آپ کو کبھی اُن کے حوالے نہیں کروں گا" (ابن جریر)

یہ کہہ کر آپنے اونٹنی بٹھا دی۔ عقبہ بن سمعان کو حکم دیا کہ اُسکی کونچیں باندھ دے اور دیکھا کہ دشمن کے لشکر نے آپکی طرف حرکت شروع کر دی ہے۔

زہیر کا کوفہ والوں سے خطاب

زہیر بن القین اپنا گھوڑا بڑھا کر لشکر کے سامنے پہنچے اور چلائے "اے اہل کوفہ! عذاب الٰہی سے ڈرو! ہر مسلمان پر اپنے بھائی کو نصیحت کرنا فرض ہے۔ دیکھو، اُسوقت تک ہم سب بھائی بھائی ہیں، ایک ہی دین اور ایک ہی طریقہ پر قائم ہیں جب تک تلواریں نیام سے نہیں نکلتیں۔ تم ہماری نصیحت اور خیر خواہی کے ہر طرح حقدار ہو۔ لیکن تلوار کے درمیان آتے ہی باہمی حرمت ٹوٹ جائیگی اور ہم تم الگ الگ دو گروہ ہو جائیں گے۔ دیکھو خدا نے ہمارا اور تمھارا اپنے نبی کی اولاد کے بارے میں امتحان لینا چاہا ہے۔ ہم تمھیں اہل بیت کی نصرت کی طرف بلاتے اور سرکش عبیداللہ بن زیاد کی مخالفت پر دعوت دیتے ہیں۔ یقین کرو، ان حاکموں سے کبھی تمھیں کوئی بھلائی حاصل نہ ہوگی۔ یہ تمھاری آنکھیں پھوڑیں گے، تمھارے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے، تمھارے چہرے بگاڑینگے، تمھیں درختوں کے تنوں پر پھانسی دیں گے، اور نیکو کاروں کو چن چن کر قتل کرینگے۔ بلکہ وہ تو کب کا کر بھی چکے ہیں۔ ابھی حجر بن عدی، ہانی بن عروہ وغیرہ کے واقعات اتنے پرانے نہیں ہوئے ہیں کہ تمھیں یاد نہ رہے ہوں"

کوفیوں نے یہ تقریر سُنی تو زہیر کو بُرا بھلا کہنے لگے اور ابن زیاد کی تعریفیں کرنے لگے۔ "بخدا ہم اُسوقت تک نہیں ٹلیں گے جبتک حسین اور اُن کے ساتھیوں کو قتل نہ کرلیں یا انھیں امیر کے روبرو حاضر نہ کردیں" یہ اُن کا جواب تھا۔

زہیر نے جواب دیا "خیر، اگر فاطمہ کا بیٹا سمیّہ کے چھوکرے (یعنی ابن زیاد) سے کہیں زیادہ تمھاری حمایت و نصرت کا مستحق ہے تو کم ازکم اولاد رسول کا اتنا پاس تو کرو کہ اُسے قتل نہ کرو۔ انھیں اُن کے عم زاد یزید بن معاویہ کو چھوڑ دو تاکہ آپس میں اپنا معاملہ طے کرلیں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یزید کو خوش کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ تم حسین کا خون بہاؤ" (ابن جریر و شرح نہج البلاغہ)

حُر بن یزید کی موافقت

عدی بن حرملہ سے روایت ہے کہ ابن سعد نے جب فوج کو حرکت دی تو حُر بن یزید نے کہا "خدا آپ کو سنوارے: کیا آپ اس شخص سے واقعی لڑائی کرینگے؟" ابن سعد نے جواب دیا "ہاں واللہ لڑائی! ایسی لڑائی جس میں کم سے کم یہ ہوگا کہ سر کٹیں گے اور ہاتھ، شانوں سے اُڑ جائیں گے" حُر نے کہا "کیا اُن تین شرطوں

---

[1] دشمن یہ خیال نہ کریں کہ ہماری ڈھیل اُن کے لئے بھلائی ہے۔ ہم صرف اس لئے ڈھیل دے رہے ہیں کہ اُن کا جرم اور زیادہ ہو جائے۔ خدا مومنین کو اسی حالت میں چھوڑ رکھنے والا نہیں ہے۔ وہ پاک کو ناپاک سے الگ کرے گا۔

میں سے کوئی ایک بھی قابل قبول نہیں جو آپنے پیش کی ہیں؟" ابن سعد نے کہا "بخدا اگر مجھے اختیار ہوتا تو ضرور منظور کرلیتا۔ مگر کیا کروں؟ تمھارا حاکم منظور نہیں کرتا"

حُر بن یزید یہ سُنکر اپنی جگہ پر لوٹ آیا۔ اس کے قریب خود اُس کے قبیلہ کا بھی ایک شخص کھڑا تھا۔ اس کا نام قرۃ بن قیس تھا۔ حُر نے اُس سے کہا "تم نے اپنے گھوڑے کو پانی پلا لیا؟" بعد میں قرہ کہا کرتا تھا حُر کے اس سوال ہی سے میں سمجھ گیا تھا کہ وہ لڑائی میں شریک ہونا نہیں چاہتا اور مجھے ٹالنا چاہتا ہے تاکہ اُس کی شکایت حاکم سے نہ کردوں "میں نے گھوڑے کو پانی نہیں پلایا ہے میں ابھی جاتا ہوں" یہ کہکر میں دوسری طرف روانہ ہوگیا۔ میرے الگ ہوتے ہی حُر نے امام حسین کی طرف آہستہ آہستہ بڑھنا شروع کیا۔

اس کے قبیلہ کے ایک شخص مہاجر بن اوس نے کہا "کیا تم حسین پر حملہ کرنا چاہتے ہو؟" حُر خاموش ہوگیا۔ مہاجر کو شک ہوا۔ کہنے لگا:

"تمھاری خاموشی مشتبہ ہے۔ میں نے کبھی کسی جنگ میں تمھاری یہ حالت نہیں دیکھی۔ اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ کوفہ میں سب سے بڑا بہادر کون ہے؟ تو تمھارے نام کے سوا کوئی نام میری زبان پر نہیں آسکتا۔ پھر یہ تم اس وقت کیا کر رہے ہو؟"

حُر نے سنجیدگی سے جواب دیا:

"بخدا میں جنت یا دوزخ کا انتخاب کر رہا ہوں۔ واللہ میں نے جنت منتخب کرلی اگرچہ مجھے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالا جائے"

یہ کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر لشکر حسین میں پہنچ گیا!

حضرت حسین کی خدمت میں پہنچکر کہا "ابن رسول اللہ! میں ہی وہ بدبخت ہوں جسنے آپ کو لوٹنے سے روکا، راستہ بھر آپکا پیچھا کیا، اور اس جگہ اترنے پر مجبور کیا۔ خدا کی قسم، میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ یہ لوگ آپ کی شرطیں منظور نہیں کریں گے اور آپکے معاملہ میں اس حد تک پہنچ جائیں گے۔ واللہ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ وہ ایسا کرینگے تو ہرگز اس حرکت کا مرتکب ہوتا۔ میں اپنے قصوروں پر نادم ہوکر توبہ کے لئے آپکے پاس آیا ہوں۔ میں آپ کے قدموں پر قتل ہوجانا چاہتا ہوں۔ کیا آپکے خیال میں یہ میری توبہ کے لئے کافی ہوگا؟"

حضرت نے شفقت سے فرمایا "ہاں، خدا تیری توبہ قبول کرے تجھے بخش دے۔ تیرا نام کیا ہے؟" اُسنے کہا "حُر بن یزید" فرمایا "تو حُر (یعنی آزاد) ہی ہے جیسا کہ تیری ماں نے تیرا نام رکھ دیا ہے۔ تو دُنیا اور آخرت میں انشاء اللہ حُر ہے"

کوفیوں سے حُر کا خطاب

پھر حُر، دشمن کی صفوں کے سامنے پہونچا اور کہا "اے لوگو! حسین کی پیش کی ہوئی شرطوں میں سے کوئی شرط منظور کیوں نہیں کرلیتے۔ تاکہ خدا تمھیں اس امتحان سے بچالے؟" لوگوں نے جواب دیا "یہ ہمارے سردار عمر بن سعد موجود ہیں، جواب دیں گے" عمر نے کہا "میری دلی خواہش تھی کہ اُن کی شرطیں منظور کرسکتا"

اس کے بعد حُر نے نہایت جوش و خروش سے تقریر کی اور اہل کوفہ کو ان کی بدعہدی و غدر پر شرم و غیرت دلائی۔ لیکن اُس کے جواب میں اُنھوں نے تیر برسانا شروع کردیا۔ ناچار خیمہ کی طرف لوٹ آیا۔

جنگ کا آغاز

اس واقعہ کے بعد عمر بن سعد نے اپنی کمان اُٹھائی اور لشکر حسین کی طرف یہ کہہ کر تیر پھینکا "گواہ رہو، سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے" پھر تیر باری شروع ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد زیاد بن ابیہ اور عبید اللہ بن زیاد کے غلام یسار اور سالم میدان میں نکلے اور مبارز طلب کی۔ قدیم طریق جنگ میں مبارزت کا طریقہ یہ تھا کہ فریقین کے لشکر سے ایک ایک جنگ آزما نکلتا اور پھر دونوں باہمدگر پیکار کرتے۔ لشکر حسین سے حبیب بن مظاہر اور بُریر بن حضیر نکلنے لگے، مگر حضرت حسین نے اُنھیں منع کیا۔ عبد اللہ بن عمیر الکلبی نے کھڑے ہوکر عرض کیا: "مجھے اجازت دیجئے"، یہ شخص اپنی بیوی کے ساتھ حضرت کی حمایت کے لئے کوفہ سے چلکر آیا تھا۔ سیاہ رنگ، تنومند، کشادہ سینہ تھا، آپنے اُس کی صورت دیکھ کر فرمایا "بیشک یہ مرد میدان ہے" اور اجازت دی۔ عبد اللہ نے چند پھیروں میں دونوں حریف زیر کرکے قتل کرڈالے اُس کی بیوی ام وہب ہاتھ میں لاٹھی لئے کھڑی تھی اور جنگ کی ترغیب دیتی جاتی تھی۔ پھر یکایک اُسے اس قدر جوش آیا کہ میدان جنگ کی طرف بڑھنے لگی۔ حضرت حسین یہ دیکھ کر بہت متأثر ہوئے۔ فرمایا "اہل بیت کی طرف سے خدا تمھیں جزائے خیر دے لیکن عورتوں کے ذمہ لڑائی نہیں ہے"

گھٹنے ٹیک کر نیزے سیدھے کردئے

اس کے بعد ابن سعد کے میمنہ نے حملہ کیا۔ جب بالکل قریب پہنچ گئے تو حضرت کے رفقاء زمین پر گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہوگئے اور نیزے سیدھے کردئے۔ نیزوں کے مُنہ پر گھوڑے بڑھ نہ سکے اور لوٹنے لگے حضرت کی فوج نے اس موقعہ سے فائدہ اُٹھایا اور تیر مار کر کئی آدمی قتل اور زخمی کرڈالے۔

عام حملہ

اب باقاعدہ جنگ جاری ہوگئی۔ طرفین سے ایک ایک دو دو جوان مرد نکلتے تھے اور تلوار کے جوہر دکھاتے تھے۔ حضرت حسین کے طرفداروں کا پلہ بھاری تھا۔ جو سامنے آتا تھا مارا جاتا تھا۔ میمنہ کے سپہ سالار عمرو بن الحجاج نے یہ حالت دیکھی تو پکار اُٹھا "بیوقوفو! پہلے جان لو کن سے لڑ رہے ہو؟ یہ لوگ جان پر کھیلے ہوئے ہیں۔ تم اسی طرح ایک ایک کرکے قتل ہوتے جاؤ گے۔ ایسا نہ کرو۔ یہ مٹھی بھر ہیں۔ پتھروں سے انھیں مار سکتے ہو" عمر بن سعد نے یہ رائے پسند کی اور حکم دیا کہ مبارزت موقوف کی جائے اور عام حملہ شروع ہو۔ چنانچہ میمنہ آگے بڑھا اور کشت و خون شروع ہوگیا۔ ایک گھڑی بعد لڑائی رُکی تو نظر آیا کہ حسینی فوج کے نامور بہادر مسلم بن عوسجہ خاک و خون میں پڑے ہیں۔ حضرت حسین دوڑ کر لاش پر پہنچے۔ ابھی سانس باقی تھی۔ آہ سرد بھر کر فرمایا "مسلم! تجھ پر خدا کی رحمت! منهم من قضى نحبه و منهم من ينتظر وما بدلوا تبديلا!" مسلم بن عوسجہ اس جنگ میں آپکی جانب سے پہلے شہید تھے (ابن جریر، کامل)

گھوڑے بیکار ہوگئے

میمنہ کے بعد میسرہ نے یورش کی۔ شمر بن ذی الجوشن اس کا سپہ سالار تھا۔ حملہ بہت ہی سخت تھا۔ مگر حسینی میسرے نے بڑی ہی بہادری سے مقابلہ کیا۔ اس بازو میں صرف ۳۲ سوار تھے۔ جس طرف ٹوٹ پڑتے تھے، صفیں اُلٹ جاتی تھیں۔ آخر طاقتور دشمن نے محسوس کرلیا کہ کامیابی ناممکن ہے۔ چنانچہ فوراً نئی کمک طلب کی بہت سے سپاہی اور پانسو تیر انداز مدد کو پہنچ گئے۔ انھوں نے آتے ہی تیر برسانا شروع کردئے۔ تھوڑی دیر میں حسینی فوج کے تمام گھوڑے بیکار ہوگئے اور سواروں کو پیدل ہوجانا پڑا۔

حُر کی شجاعت

ایوب بن مشرح روایت کرتا ہے کہ حُر بن یزید کا گھوڑا خود میں نے زخمی کیا تھا۔ میں نے اُسے تیروں سے چھلنی کرڈالا۔ حُر بن یزید زمین پر کود پڑے۔ تلوار ہاتھ میں تھی۔ بالکل شیر ببر معلوم ہوتے تھے۔ تلوار ہر طرف متحرک تھی اور یہ شعر زبان پر تھا:

ان تعقروا بی فانا ابن الحر　　اشجع من ذی لبد ہزبر

اگر تم نے میرا گھوڑا بیکار کردیا تو کیا ہوا؟ میں شریف کا بیٹا ہوں، خوفناک شیر سے بھی زیادہ بہادر ہوں!

خیمے جلادئے

لڑائی اپنی پوری ہولناکی سے جاری تھی۔ اب دوپہر ہوگئی مگر کوفی فوج غلبہ حاصل نہ کرسکی۔ وجہ یہ تھی کہ حسینی فوج نے تمام خیمے ایک جگہ کردئے تھے اور دشمن صرف ایک ہی رُخ سے حملہ کرسکتا تھا۔ عمر بن سعد نے یہ دیکھا تو خیمے اکھاڑ ڈالنے کے لئے آدمی بھیجے۔ حسینی فوج کے صرف ۴-۵ آدمی یہاں مقابلہ کے لئے کافی ثابت ہوئے۔ خیموں کی آڑ سے دشمن کے آدمی قتل کرنے لگے۔ جب یہ صورت بھی ناکام رہی تو عمر بن سعد نے خیمے جلا ڈالنے کا حکم دیا۔ سپاہی آگ لے کر دوڑے۔ حسینی فوج نے یہ دیکھا تو مضطرب ہوئی۔ مگر حضرت حسین نے فرمایا "کچھ پرواہ نہیں۔ جلانے دو۔ یہ ہمارے لئے اور بھی زیادہ بہتر ہے۔ اب وہ پیچھے سے حملہ نہیں کرسکیں گے" اور ہوا بھی یہی۔

ام وہب کا قتل

اسی اثنا میں زہیر بن القین نے شمر پر زبردست حملہ کیا اور اُس کی فوج کے قدم اُکھاڑ دئے۔ مگر کب تک؟ ذرا دیر کے بعد پھر دشمن کا ہجوم ہوگیا۔ اب حسینی لشکر کی بےبسی صاف ظاہر تھی۔ بہت سے لوگ قتل ہوچکے تھے۔ کئی نامی سردار مارے جاچکے تھے حتی کہ عبد اللہ بن عمیر کلبی بھی، جس کا ذکر اوپر گزرچکا، قتل ہوچکا تھا۔ اُس کی بہادر بیوی ام وہب بھی شہید ہوچکی تھی۔ یہ میدان جنگ میں بیٹھی اپنے مقتول شوہر کے چہرے سے مٹی صاف کررہی تھی اور یہ کہتی جاتی تھی "تجھے جنت مبارک ہو!" شمر نے اسے دیکھا اور قتل کرڈالا۔ (ابن جریر۔ شرح نہج البلاغہ)

نماز پڑھنے نہیں دی

ابو ثمامہ عمرو بن عبد اللہ صائدی نے اپنی بےبسی کی حالت محسوس کی اور حضرت حسین سے عرض کیا "دشمن اب آپ سے بالکل قریب آگیا [illegible]۔ واللہ آپ اُسوقت تک قتل ہونے نہیں پائیں گے، جب تک میں قتل نہ ہوجاؤں لیکن میری آرزو ہے کہ اپنے رب سے نماز پڑھ کرملوں جس کا وقت آگیا ہے" یہ سُنکر حضرت نے سر اُٹھایا اور فرمایا "دشمنوں سے کہو ہمیں نماز کی مہلت دیں" مگر دشمن نے درخواست منظور نہیں کی اور لڑائی جاری رہی۔

حبیب اور حُر کی شہادت

یہ وقت بہت سخت تھا۔ دشمن نے اپنی پوری قوت لگادی تھی۔ غضب یہ ہوا کہ حسینی میسرہ کے سپہ سالار حبیب بن مظاہر بھی قتل ہوگئے۔ گویا فوج کی کمر ٹوٹ گئی۔ حبیب کے بعد ہی حُر بن یزید کی باری تھی۔ وہ جوش سے یہ شعر پڑھتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس پڑے:

آلیت لا اُقتل حتی اَقتلا　　ولن اُصاب الیوم الا مقبلا

میں نے قسم کھائی ہے کہ قتل نہیں ہونگا جب تک قتل نہ کرلوں، اور مرونگا تو اسی حال میں مرونگا کہ آگے بڑھ رہا ہونگا!

اضربهم بالسیف ضربا مفصلا　　لا ناکلا عنهم ولا مهللا

انہیں تلوار کی کاری ضربوں سے ماروں گا، نہ بھاگوں گا نہ ڈرونگا!

زہیر کی شہادت

چند لمحے کی بات تھی۔ حُر زخموں سے چور ہوکر گرے اور جان بحق تسلیم ہوگئے۔ اب ظہر کا وقت ختم ہو رہا تھا۔ حضرت نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ صلوۃ الخوف پڑھی۔ نماز کے بعد دشمن کا دباؤ اور بھی زیادہ ہوگیا۔ اس موقعہ پر آپکے میمنہ کے سپہ سالار زہیر بن القین نے میدان اپنے ہاتھ میں لے لیا اور شعر پڑھتے ہوئے دشمن

پر ٹوٹ پڑے:

انا زہیر و انا ابن القین — اذودہم بالسیف عن حسین

میں زہیر ہوں، ابن القین ہوں۔ اپنی تلوار کی نوک سے اُنھیں حسینؑ سے دُور کر دونگا

صفیں درہم برہم کر ڈالیں۔ پھر لوٹے اور حضرت حسینؑ کے شانے پر ہاتھ مار کر جوش سے یہ شعر پڑھے:

اقدم ہدیت ہادیا مہدیا — فالیوم تلقی جدک النبیا

بڑھ، خدانے تجھے ہدایت دی، آج تو اپنے نانا نبی سے ملاقات کریگا

وحسنا والمرتضیٰ علیا — وذا الجناحین الفتی الکمیا

اور حسنؑ سے اور علی مرتضیٰ سے، اور بہادر جوان جعفر طیار سے

واسد اللہ الشہید الحیا

اور زندہ شہید اسد اللہ حمزہؓ سے!

پھر دشمن کی طرف لوٹے اور قتل کرتے رہے یہاں تک کہ قتل ہوگئے!

غفاری بھائیوں کی بہادری

اب آپ کے ساتھیوں نے دیکھا کہ دشمن کو روکنا ناممکن ہے۔ چنانچہ اُنھوں طے کیا کہ آپکے سامنے ایک ایک کرکے قتل ہوجائیں۔ چنانچہ دو غفاری بھائی آگے بڑھے اور لڑنے لگے۔ یہ شعر اُن کی زبان پر جاری تھے:

قد علمت حقا بنو غفار — وخندف بعد بنی نزار

بنی غفار اور قبائل نزار نے اچھی طرح جان لیا ہے

لنضربن معشر الفجار — بکل عضب صارم بتار

کہ ہم بے پناہ شمشیر آبدار سے فاجروں کے ٹکڑے اُڑا دیں گے

یا قوم ذودوا عن بنی الاحرار — بالمشرفی والقنا الخطار

اے قوم! تلواروں اور نیزوں سے شریفوں کی حمایت کرو!

جابری لڑکوں کی فداکاری

انکے بعد دو جابری لڑکے سامنے آئے۔ دونوں بھائی تھے۔ زار قطار رو رہے تھے۔ حضرت نے اُنھیں دیکھا تو فرمانے لگے "اے میرے بھائی کے فرزندو! کیوں روتے ہو؟ واللہ مجھے یقین ہے ابھی چند لمحے بعد تمھاری آنکھیں ٹھنڈی ہوجائیں گی" اُنھوں نے گریہ سے ٹوٹی ہوئی آواز میں عرض کیا "ہم اپنی جان پر نہیں روتے۔ ہم آپ پر روتے ہیں۔ دشمن نے آپ کو گھیر لیا ہے اور ہم آپکے کچھ بھی کام نہیں آسکتے" پھر دونوں نے بڑی ہی شجاعت سے لڑنا شروع کیا۔ بار بار چلاتے تھے "السلام علیک یا ابن رسول اللہ!" آپ جواب دیتے تھے "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ!" اور وہ دشمن پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ آخر دونوں شہید ہوگئے۔

حنظلہ بن اسعد کی شہادت

انکے بعد حنظلہ بن اسعد، حضرت کے سامنے آکر کھڑے ہوئے اور بآواز بلند دشمن سے مخاطب ہوئے "اے قوم! میں ڈرتا ہوں عاد و ثمود کی طرح تمھیں بھی روز بد نہ دیکھنا پڑے! میں ڈرتا ہوں تم برباد نہ ہوجاؤ! اے قوم! حسینؑ کو قتل نہ کرو، ایسا نہ ہو خدا تم پر عذاب نازل کردے!" بالآخر یہ بھی شہید ہوگئے۔

علی اکبر کی شہادت

غرضکہ یکے بعد دیگرے تمام اصحاب قتل ہوگئے۔ اب بنی ہاشم اور خاندان نبوت کی باری تھی۔ سب سے پہلے آپکے صاحبزادے علی اکبر میدان میں آئے اور دشمن پر حملہ کیا اُن کا رجز یہ تھا:

انا علی بن حسین بن علی — نحن و رب البیت اولیٰ بالنبی

میں علی بن حسین بن علی ہوں۔ قسم رب کعبہ کی ہم نبی کے قرب کے زیادہ حقدار ہیں

تاللہ لا یحکم فینا ابن الدعی

قسم خدا کی نامعلوم باپ کے لڑکے کا بیٹا ہم پر حکومت نہیں کرسکیگا!

بڑی شجاعت سے لڑے۔ آخر مرّہ بن منقذ العبدی کی تلوار سے شہید ہوگئے۔ ایک راوی کہتا ہے میں نے دیکھا کہ خیمہ سے ایک عورت تیزی سے نکلی۔ اتنی حسین تھی جیسے اُٹھتا ہوا سورج! وہ چلا رہی تھی "آہ! بھائی! آہ! بھتیجے!" میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا "زینب بنت فاطمہ بنت رسول اللہ صلعم!" لیکن حضرت حسینؑ نے اُن کا ہاتھ پکڑ لیا اور خیمے میں پہونچا آئے۔ پھر علی کی نعش اُٹھائی اور خیمے کے سامنے لاکر رکھ دی۔ (ایضاً)

ایک جوان رعنا

اِن کے بعد اہل بیت اور بنی ہاشم کے دوسرے جانفروش قتل ہوتے رہے یہاں تک کہ میدان میں ایک جوان رعنا نمودار ہوا وہ کرتہ پہنے، تہ بند باندھے، اور پاؤں میں نعل پہنے تھا۔ بائیں نعل کی ڈوری ٹوٹی ہوئی تھی۔ وہ اس قدر حسین تھا کہ اُس کا چہرہ چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا تھا۔ شیر کی طرح بپھرتا آیا اور دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ عمرو بن سعد ازدی نے اُس کے سر پر تلوار ماری۔ نوجوان چلایا "ہائے چچا!" اور زمین پر گر پڑا۔ آواز سنتے ہی حضرت حسینؑ بھوکے باز کی طرح ٹوٹے اور غضبناک شیر کی طرح قاتل پر لپکے۔ بے پناہ تلوار کا وار کیا۔ قاتل نے ہاتھ اُٹھا دیا مگر ہاتھ کہنی سے کٹ کر اُڑ چکا تھا۔ زخم کھا کر قاتل نے پکارنا شروع کیا۔ فوج اُسے بچانے کے لئے ٹوٹ پڑی۔ مگر گھبراہٹ میں بچانے کی جگہ اُسے روند ڈالا۔ راوی کہتا ہے: جب غبار چھٹ گیا تو کیا دیکھتا ہوں حضرت حسینؑ لڑکے کے سرہانے کھڑے ہیں۔ وہ ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ اور آپ فرمارہے ہیں "اُن کے لئے ہلاکت جنھوں نے تجھے قتل کیا ہے! قیامت کے دن تیرے نانا کو یہ کیا جواب دیں گے؟ بخدا تیرے چچا کے لئے یہ سخت حسرت کا مقام ہے کہ تو اُسے پکارے اور وہ جواب نہ دے، یا جواب دے مگر تجھے اُس کی آواز سے نفع نہ پہونچا سکے! افسوس تیرے چچا کے دشمن بہت ہوگئے اور دوست باقی نہ رہے!" پھر لاش اپنی گود میں اُٹھالی۔ لڑکے کا سینہ آپکے سینہ سے ملا ہوا تھا اور پاؤں زمین پر رگڑتے جاتے تھے۔ اِس حال سے آپ اُسے لائے اور علی اکبر کی لاش کے پہلو میں لٹا دیا۔ راوی کہتا ہے میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون ہے؟ جواب ملا "قاسم بن حسن بن علی بن ابی طالبؑ!"

مولود تازہ کی شہادت

حضرت حسین پھر اپنی جگہ پر کھڑے ہوگئے۔ عین اُس وقت آپکے یہاں لڑکا پیدا ہوا۔ وہ آپکے پاس لایا گیا۔ آپنے اُسے گود میں رکھا اور اُس کے کان میں اذان دینے لگے۔ اچانک ایک تیر آیا اور بچہ کے حلق میں پیوست ہوگیا۔ بچہ کی روح اُسی وقت پرواز کرگئی۔ آپنے تیر اُس کے حلق سے کھینچکر نکالا، خون سے چلو بھرا اور اُس کے جسم پر ملنے اور فرمانے لگے "واللہ تو خدا کی نظر میں حضرت صالح کی اونٹنی سے زیادہ عزیز ہے اور محمد خدا کی نظر میں صالح سے زیادہ افضل ہیں! الٰہی! اگر تونے ہم سے اپنی نصرت روک لی ہے تو وہی کر جس میں بہتری ہو!" (یعقوبی وابن جریر وغیرہما)

بنی ہاشم کے مقتول

اسی طرح ایک ایک کرکے اکثر بنی ہاشم اور اہل بیت شہید ہوگئے۔ اِن میں سے ذیل کے نام مورخین نے محفوظ رکھے ہیں:

(۱) محمد بن ابی سعید بن عقیل (۲) عبداللہ بن مسلم بن عقیل (۳) عبداللہ بن عقیل (۴) عبدالرحمٰن بن عقیل (۵) جعفر بن عقیل (۶) محمد بن عبداللہ بن جعفر (۷) عون بن عبداللہ بن جعفر (۸) عباس بن علی (۹) عبداللہ بن علی (۱۰) عثمان بن علی (۱۱) محمد بن علی (۱۲) ابوبکر بن علی (۱۳) ابوبکر بن الحسن (۱۴) عبداللہ بن الحسن (۱۵) قاسم بن الحسن (۱۶) علی بن الحسین (۱۷) عبداللہ بن الحسین۔

ایک بچے کی شجاعت

اِن سب کے بعد اب خود آپ کی باری تھی۔ آپ میدان میں تنہا کھڑے تھے۔ دشمن یلغار کرکے آتے تھے مگر کسی کو وار کرنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ اِس قتل کا گناہ دوسرے کے سر جائے لیکن شمر بن ذی الجوشن نے لوگوں کو برانگیختہ کرنا شروع کیا۔ ہر طرف سے آپ کو گھیر لیا گیا۔ اہل بیت کے خیمے میں عورتیں اور چند کم عمر لڑکے رہ گئے تھے۔ اندر سے ایک لڑکے نے آپ کو اِس طرح گھرا دیکھا تو جوش سے بے خود ہوگیا اور خیمہ کی لکڑی لے کر دوڑ پڑا۔ راوی کہتا ہے اس کے کانوں میں دُر پڑے ہل رہے تھے۔ یہ گھبرایا ہوا دائیں بائیں دیکھتا ہوا چلا۔ حضرت زینب کی نظر پڑ گئی دوڑ کر پکڑ لیا۔ حضرت حسینؑ نے بھی دیکھ لیا اور بہن سے کہا "روکے رہو۔ آنے نہ پائے" مگر لڑکے نے زور کرکے اپنے آپ کو چھڑا لیا اور حضرت کے پہلو میں پہنچ گیا عین اسی وقت بحر بن کعب نے آپ پر تلوار اُٹھائی لڑکے نے فوراً ڈانٹ بتائی "او خبیث! میرے چچا کو قتل کریگا" سنگدل حملہ آور نے اپنی بلند تلوار لڑکے پر چھوڑ دی۔ اُسنے ہاتھ پر روکی۔ ہاتھ کٹ گیا۔ ذراسی کھال لگی رہ گئی۔ بچہ تکلیف سے چلایا۔ حضرت نے اُسے سینے سے چمٹا لیا اور فرمایا "صبر کر۔ اسے ثواب خداوندی کا ذریعہ بنا۔ اللہ تعالیٰ تجھے بھی تیرے صالح بزرگوں تک پہونچا دے گا۔ رسول اللہ صلعم، علی بن ابی طالب، حمزہ، جعفر اور حسن بن علی تک!"

حضرت حسین کی شجاعت

اب آپ پر ہر طرف سے نرغہ شروع ہوا۔ آپنے بھی تلوار چلانا شروع کی۔ پیدل فوج پر ٹوٹ پڑے اور تن تنہا اُس کے قدم اُکھاڑ دیئے عبداللہ بن عمار، جو خود اِس جنگ میں شریک تھا، روایت کرتا ہے کہ میں نے نیزے سے حضرت حسینؑ پر حملہ کیا اور اُن کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اگر میں چاہتا تو قتل کرسکتا تھا مگر یہ خیال کرکے ہٹ گیا کہ یہ گناہ اپنے سر کیوں لوں۔ میں نے دیکھا دائیں بائیں ہر طرف سے اُن پر حملے ہو رہے تھے، لیکن وہ جس طرف مڑ جاتے تھے دشمن کو بھگا دیتے تھے۔ وہ اُس وقت کرتہ پہنے اور عمامہ باندھے تھے۔ واللہ میں نے کبھی کسی شکستہ دل کو جس کا گھر کا گھر خود اُس کی آنکھوں کے سامنے قتل ہوگیا ہو، ایسا شجاع، ثابت قدم، مطمئن، اور جری نہیں دیکھا۔ حالت یہ تھی کہ دائیں بائیں سے دشمن اِس طرح بھاگ کھڑے ہوتے تھے جس طرح شیر کو دیکھ کر بکریاں بھاگ جاتی ہیں۔ دیر تک یہی حالت رہی۔ اسی اثنا میں آپ کی بہن زینب بنت فاطمہ (علیہما السلام) خیمہ سے باہر نکلیں اُنکے کانوں میں بالیاں پڑی تھیں۔ وہ چلاتی تھیں "کاش آسمان زمین پر ٹوٹ پڑے!" یہ وہ موقعہ تھا جبکہ عمر بن سعد حضرت حسینؑ سے بالکل قریب ہوگیا تھا۔ زینب نے پکار کر کہا "اے عمر کیا ابوعبداللہ تمھاری آنکھوں کے سامنے قتل ہوجائیں گے؟" عمر نے منہ پھیر لیا مگر اُس کے رخسار اور داڑھی پر آنسوؤں کی لڑیاں بہنے لگیں۔

آپکے حلق میں تیر پیوست ہوگیا

لڑائی کے دوران میں آپکو بہت سخت پیاس لگی۔ آپ پانی پینے فرات کی طرف چلے۔ مگر دشمن کب جانے دیتا تھا؟ اچانک ایک تیر آیا اور آپکے حلق میں پیوست ہوگیا۔ آپنے تیر کھینچ لیا پھر اپنے ہاتھ منہ کی طرف اُٹھائے تو دونوں چلو خون سے بھر گئے آپنے خون آسمان کی طرف اچھالا اور خدا کا شکر ادا کیا "الٰہی! میرا شکوہ تجھی سے ہے۔ دیکھ تیرے رسول کے نواسے سے کیا برتاؤ ہو رہا ہے!"

تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست!

شمر کو سرزنش

پھر آپ اپنے خیمے کی طرف لوٹنے لگے تو شمر اور اُس کے ساتھیوں

نے یہاں بھی تعرض کیا۔ حضرت نے محسوس کیا کہ ان کی نیت خراب ہے۔ خیمہ لوٹنا چاہتے ہیں۔ فرمایا "اگر تم میں دین نہیں اور تم روز آخرت سے ڈرتے نہیں، تو کم سے کم دنیاوی شرافت پر تو قائم رہو۔ میرے خیمے کو اپنے جاہلوں اور اوباشوں سے محفوظ رکھو" شمر نے جواب دیا "اچھا ایسا ہی کیا جائے گا۔ اور آپ کا خیمہ محفوظ رہے گا"

آخری تنبیہ

اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ راوی کہتا ہے کہ دشمن اگر چاہتا تو آپ کو بہت پہلے قتل کر ڈالتا۔ مگر یہ گناہ کوئی بھی اپنے سر لینا نہیں چاہتا تھا۔ آخر شمر بن ذی الجوشن چلایا "تمہارا برا ہو کیا انتظار کر رہے ہو؟ کیوں کام تمام نہیں کرتے؟" اب ہر طرف سے نرغہ ہوا آپنے پکار کر کہا "کیا میرے قتل پر ایک دوسرے کو ابھارتے ہو؟ واللہ میرے بعد کسی بندے کے قتل پر بھی خدا اتنا ناخوش نہیں ہوگا جتنا میرے قتل پر ناخوش ہوگا"

شہادت!

مگر اب وقت آچکا تھا۔ زرعہ بن شریک تمیمی نے آپکے بائیں ہاتھ کو زخمی کیا۔ پھر شانے پر تلوار ماری۔ آپ کمزوری سے لڑکھڑائے۔ لوگ ہیبت سے پیچھے ہٹے۔ مگر سنان بن انس نخعی نے بڑھ کر نیزہ مارا اور آپ زمین پر گر پڑے۔ اُسنے ایک شخص سے کہا "سر کاٹ لے" وہ سر کاٹنے کے لئے لپکا مگر جرأت نہ ہوئی۔ سنان بن انس نے دانت پیس کر کہا "خدا تیرے ہاتھ شل کر ڈالے!" پھر جوش سے اُترا۔ آپکو ذبح کیا اور سر، تن سے جدا کر لیا!

جعفر بن محمد بن علی سے مروی ہے کہ قتل کے بعد دیکھا گیا کہ آپکے جسم پر نیزے کے ۳۳ زخم اور تلوار کے ۴۳ گھاؤ تھے!

قاتل

سنان بن انس قاتل کے دماغ میں کسی قدر فتور تھا۔ قتل کے وقت اُس کی عجیب حالت تھی۔ جو شخص بھی حضرت کی نعش کے قریب آتا، وہ اُس پر حملہ آور ہوتا تھا۔ وہ ڈرتا تھا کوئی دوسرا اُن کا سر کاٹ نہ لے جائے۔ قاتل نے سر کاٹ کر خولی بن یزید اصبحی کے حوالہ کیا اور خود عمر بن سعد کے پاس دوڑا گیا۔ خیمہ کے سامنے کھڑا ہو کر چلایا:

اوقر رکابی فضۃ وذہبا ۔۔۔ انا قتلت الملک المحجبا

مجھے چاندی سونے سے لاددو، میں نے بڑا بادشاہ مارا ہے!

قتلت خیر الناس اما وابا ۔۔۔ وخیرہم اذ ینسبون نسبا

میں نے اسے قتل کیا ہے جسکے ماں باپ سب سے افضل ہیں اور جو اپنے نسب میں سب سے اچھا ہے!

عمر بن سعد نے اُسے اندر بلا لیا۔ بہت خفا ہوا۔ کہنے لگا "واللہ تو مجنون ہے!" پھر اپنی لکڑی سے اُسے مار کر کہا "پاگل! ایسی بات کہتا ہے۔ بخدا اگر عبید اللہ بن زیاد سنتا تو تجھے ابھی مروا ڈالتا!" (ابن جریر)

لوٹ کھسوٹ

قتل کے بعد کوفیوں نے آپکے بدن کے کپڑے تک اُتار لئے پھر آپکے خیمے کی طرف بڑھے۔ زین العابدین بستر پر بیمار پڑے تھے۔ شمر اپنے چند سپاہیوں کے ساتھ پہونچا اور کہنے لگا "اسے بھی کیوں نہ قتل کر ڈالیں؟" لیکن اس کے بعض ساتھیوں نے مخالفت کی کہا "کیا بچوں کو بھی مار ڈالوگے؟" اسی اثنا میں عمر بن سعد بھی آگیا اور حکم دیا "کوئی عورتوں کے خیمے میں نہ گھسے۔ اس بیمار کو کوئی نہ چھیڑے۔ جس کسی نے خیمہ کا کوئی اسباب لوٹا ہو واپس کردے" زین العابدین نے یہ سنکر اپنی بیمار آواز سے کہا "عمر بن سعد! خدا تجھے جزا خیر دے! تیری زبان نے ہمیں بچالیا" ۴

نعش روند ڈالی

عمر بن سعد کو حکم تھا کہ حسین کی نعش گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالے۔ اب اسکا وقت آیا۔ اُسنے پکار کر کہا "اس کام کے لئے کون طیار ہے؟" دس آدمی طیار ہوئے اور گھوڑے دوڑا کر جسم مبارک روند ڈالا!

چوں بگذرد نظری خونیں کفن بہ حشر ۔۔۔ خلقے فغاں کنند کہ ایں دادخواہ کیست؟

اس جنگ میں حضرت حسین کے ۷۲ آدمی مارے گئے اور کوفی فوج کے ۸۸ مقتول ہوئے (ابن جریر۔ کامل۔ یعقوبی) (باقی)

افسانہ

محبت اور قربانی
یا
انتقام اور سزا؟

وکٹر ہیوگو کا "بشپ" اور تاریخ اسلام کا "بغدادی"

درس وفا اگر بود زمزمۂ محبتے
جمعہ بہ مکتب آورد طفل گریز پائے را!

(دوسرا حصہ)

ہجرۃ کی تیسری صدی قریب الاختتام ہے۔ بغداد کے تخت خلافت پر المعتضد باللہ عباسی متمکن ہے۔ معتصم کے زمانے سے دار الخلافہ کا شاہی اور فوجی مستقر سامرہ میں منتقل ہو گیا ہے۔ پھر بھی سرزمین بابل کے اس نئے بابل میں پندرہ لاکھ انسان بستے ہیں۔ ایران کے اصطخر، مصر کے ریمسس، اور یورپ کے روم کی جگہ اب دنیا کا تمدنی مرکز بغداد ہے۔

***

دنیا کی اس ترقی یافتہ مخلوق کا جسے "انسان" کہتے ہیں کچھ عجیب حال ہے۔ یہ جتنا کم ہوتا ہے، اُتنا ہی نیک اور خوش ہوتا ہے۔ اور جتنا زیادہ بڑھتا ہے، اُتنی ہی نیکی اور خوشی اس سے دور ہونے لگتی ہے۔ اُس کا کم ہونا خود اُس کے لئے اور خدا کی زمین کے لئے برکت ہے۔ یہ جب چھوٹی چھوٹی بستیوں میں گھانس پھونس کے چھپر ڈالکر رہتا ہے، تو کیسا نیک، کیسا خوش، اور کس درجہ حلیم ہوتا ہے؟ محبت اور رحمت اُس میں اپنا آشیانہ بناتی ہے اور روح کی پاکیزگی کا نور اُس کے جھونپڑوں کو روشن کرتا ہے۔ لیکن جونہی یہ جھونپڑوں سے باہر نکلتا ہے، اُس کی بڑی بڑی بھیڑیں ایک خاص رقبہ میں اکٹھی ہو جاتی ہیں، تو اُس کی حالت میں کیسا عجیب انقلاب ہو جاتا ہے؟ ایک طرف تجارت بازاروں میں آتی ہے، صنعت و حرفت کا خزانے کھولتی ہے، دولت سر بفلک عمارتیں بناتی ہے، حکومت و اقتدار شان و شکوہ کے سامان آراستہ کرتی ہے۔ لیکن دوسری طرف نیکی رخصت ہو جاتی ہے، محبت اور فیاضی کا سراغ نہیں ملتا، اور امن و راحت کی جگہ انسانی مصیبتوں اور شقاوتوں کا ایک لازوال دور شروع ہو جاتا ہے۔ وہی انسان کی بستی جو پہلے نیکی و محبت کی دنیا اور راحت و برکت کی بہشت تھی، اب افلاس و مصیبت کا مقتل اور جرموں اور بدیوں کی دوزخ بن جاتی ہے۔ وہی انسان جو جھونپڑوں کے اندر محبت و فیاضی کی گرم جوشی تھا، اب شہر کے سر بفلک محلوں کے اندر بے مہری و خود غرضی کا پتھر ہوتا ہے۔ جب وہ اپنے عالیشان مکانوں میں عیش و نعمت کے دسترخوان پر بیٹھتا ہے، تو اس کے کتنے ہی ہم جنس سڑکوں پر بھوک سے ایڑیاں رگڑتے ہیں! جب وہ عیش و راحت کے ایوانوں میں حسن و جمال کی محفلیں آراستہ کرتا ہے، تو اُس کے ہمسایہ میں یتیموں کے آنسو نہیں تھمتے اور کتنی ہی بیوائیں ہوتی ہیں جن کے بدنصیب سروں پر چادر کا ایک تار بھی نہیں ہوتا! زندگی کی قدرتی یکسانی کی جگہ اب زندگی کی مصنوعی مگر بے رحم تفاوتیں ہر گوشے میں نمایاں ہو جاتی ہیں!۔

پھر جب انسانی بے مہری اور خود غرضی کے لازمی نتائج ظاہر ہونے لگتے ہیں، کمزوری، افلاس، اور بے نوائی سے مجبور ہو کر بدبخت انسان جرم کی طرف قدم اُٹھاتا ہے، تو اچانک دنیا کی زبان کا سب سے زیادہ بے معنی لفظ وجود میں آجاتا ہے۔ یہ "قانون" اور "انصاف" ہے۔ اب بڑی بڑی شاندار عمارتیں تعمیر کی جاتی ہیں اور اُن کے دروازہ پر لکھا جاتا ہے "انصاف کا گھر"۔ انصاف کے اس "مقدس گھر" میں کیا ہوتا ہے؟ یہ ہوتا ہے کہ وہی انسان جسنے اپنی بے رحمی و تغافل سے مفلس کو چوری پر اور نیک انسانوں کو بداطوار بنجانے پر مجبور کر دیا تھا، قانون کا پر ہیبت جبّہ پہنکر آتا ہے، اور فرشتوں کا سا معصوم اور راہبوں کا سا سنجیدہ چہرہ بناکر

حکم دیتا ہے کہ مجرم کو سزا دی جائے۔

کیوں؟

اس لئے کہ اُسنے چوری کی ہے۔

اُس بدبخت نے چوری کیوں کی؟

اس لئے کہ وہ انسان ہے، اور انسان بھوک کا عذاب برداشت نہیں کرسکتا۔ اس لئے کہ وہ شوہر ہے، اور شوہر اپنی بیوی کو بھوک سے ایڑیاں رگڑتے دیکھ نہیں سکتا۔ اس لئے کہ وہ باپ ہے، اور باپ کی طاقت سے باہر ہے کہ اپنے بچوں کے اُن آنسوؤں کا نظارہ کرسکے جو بھوک کی اذیت سے اُن کے معصوم چہروں پر بہہ رہے ہوں!

پھر اگر بدقسمت انسان قیدخانہ اور تازیانے کی سزائیں جھیل کر بھی اس قابل نہیں ہوجاتا کہ بغیر غذا کے زندہ رہ سکے، تو "مقدس انصاف" اصلاح اور انسانیت کا آخری قدم اُٹھاتا ہے، اور کہتا ہے اسے سولی کے تختے پر لٹکا دو! یہ گویا انسان کے پاس اُس کے ابنارِ جنس کی مصیبتوں اور شقاوتوں کا آخری علاج ہے!

یہ ہے انسان کی شہری اور متمدن زندگی کا اخلاق! وہ خود ہی انسان کو بُرائی پر مجبور کرتا ہے اور خود ہی سزا بھی دیتا ہے۔ پھر ظلم اور بے رحمی کے اس تسلسل کو "انصاف" کے نام سے تعبیر کرتا ہے۔ اُس "انصاف" کے نام سے، جو دنیا کی سب سے زیادہ مشہور مگر سب سے زیادہ غیرموجود حقیقت ہے!

⁂

چوتھی صدی ہجری کا بغداد دنیا کا سب سے بڑا شہر اور انسانی تمدن کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ انسانی آبادی و تمدن کے یہ تمام لازمی نتائج موجود ہوتے۔ گندگی میں مکھیاں اور دلدل میں مچھر اس تیزی سے پیدا نہیں ہوتے جس تیزی سے شہروں کی آب و ہوا جرم اور مجرموں کو پیدا کرتی ہے! بغداد کے قیدخانے مجرموں سے بھرے ہوئے تھے۔ پھر بھی اسکی آبادیوں میں مجرموں کی کوئی کمی نہ تھی!

⁂

بغداد میں آج کل جس طرح حضرت شیخ جُنید بغدادیؒ کی بزرگی و درویشی کی شہرت ہے، اُسی طرح ابن ساباط کی چوری اور عیاری بھی مشہور ہے۔ پہلی شہرت نیکی کی ہے۔ دوسری بدی کی۔ دُنیا میں بدی، نیکی کی ہر چیز کی طرح، اُس کی شہرت کا بھی مقابلہ کرنا چاہتی ہے اگرچہ نہیں کرسکتی۔

دس برس سے ابن ساباط مدائن کے محبس میں قید ہے۔ اُس کے خوفناک حملوں سے لوگ محفوظ ہوگئے ہیں۔ تاہم اُسکی عیاریوں اور بے باکیوں کے افسانے لوگ بھولے نہیں۔ وہ جب کبھی کسی بڑی چوری کا حال سنتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں "یہ دوسرا ابن ساباط ہے" اس دس برس کے اندر کتنے ہی نئے ابن ساباط پیدا ہوگئے مگر پرانے ابن ساباط کی شہرت کا کوئی مقابلہ نہ کرسکا۔ بغداد والوں کی بول چال میں وہ جرائم کا شیطان اور بُرائیوں کا عفریت تھا!

ابن ساباط کے خاندانی حالات عوام کو بہت کم معلوم ہیں۔ جب وہ پہلی مرتبہ سوق التجارین میں چوری کرتا ہوا گرفتار ہوا تو کوتوالی میں اس کے حالات کی تفتیش کی گئی۔ معلوم ہوا یہ بغداد کا باشندہ نہیں ہے۔ اس کے ماں باپ طوس سے ایک قافلہ کے ساتھ آرہے تھے۔ راہ میں بیمار پڑے اور مرگئے۔ قافلہ والوں کو رحم آیا اور اپنے ساتھ بغداد پہونچا دیا۔ یہ اب سے دو برس پیشتر کی بات ہے۔ یہ دو برس اسنے کہاں اور کیونکر بسر کئے؟ اسکا حال کچھ معلوم نہ ہوسکا۔ گرفتاری کے وقت اُس کی عمر پندرہ سولہ برس کی تھی۔ کوتوالی کے چبوترے پر لٹا کر تازیانے مارے گئے اور چھوڑ دیا گیا۔

اس پہلی سزا نے اُس کی طبیعت پر کچھ عجیب طرح کا اثر ڈالا۔ وہ اب تک ایک ڈرا سہما کم سن لڑکا تھا۔ اب اچانک ایک دلیر اور بے باک مجرم کی روح اُس کے اندر پیدا ہوگئی۔ گویا اُس کی تمام شقاوتیں اپنے ظہور کے لئے تازیانے کی ضرب کی منتظر تھیں۔ مجرمانہ اعمال کے تمام بھید اور گناہوں کے تمام مخفی طریقے جو کبھی اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں گزرے تھے، اب اس طرح اُس پر کھل گئے گویا ایک تجربہ کار اور مشاق مجرم کا دماغ اُس کے سر میں اُتار دیا گیا۔ تھوڑے ہی دنوں کے اندر وہ ایک پکا عیار اور ایک چھٹا ہوا جرائم پیشہ انسان تھا!

اب وہ چھوٹی چھوٹی چوریاں نہیں کرتا تھا۔ پہلی مرتبہ جب اُسنے چوری کی تھی، تو دو دن کی بھوک اُسے نان بائی کی دکان پر لے گئی تھی۔ لیکن اب وہ بھوک سے بے بس ہوکر نہیں بلکہ جرم کے ذوق سے وارفتہ ہوکر چوری کرتا تھا۔ اس لئے اُس کی نگاہیں نان بائی کی روٹیوں پر نہیں بلکہ صرافوں کی تھیلیوں اور سوداگروں کے ذخیروں پر پڑتی تھیں۔ دن ہو یا رات، بازار کی منڈی ہو یا امیر کا دیوانخانہ، ہر وقت اور ہر جگہ اُس کی کارستانیاں جاری رہتیں۔ اُس کے اندر ایک فاتح کا جوش تھا، سپہ سالار کا سا عزم تھا، سپاہی کی مردانگی تھی، مدبر کی سی دانشمندی تھی؛ لیکن دنیا نے اُس کے لئے یہی پسند کیا کہ وہ بغداد کے بازاروں کا چور ہو۔ اس لئے اُس کی فطرت کے تمام جوہر اسی راہ میں نمایاں ہونے لگے۔ افسوس، فطرت کس فیاضی سے بخشتی ہے، مگر انسان کس بے دردی سے برباد کرتا ہے!

⁂

کچھ دنوں کے بعد جب ابن ساباط کی دراز دستیاں حد سے بڑھ گئیں تو حکومت کو خصوصیت کے ساتھ توجہ ہوئی۔ آخر ایک دن گرفتار کرلیا گیا۔ اب یہ ایک کم سن لڑکا نہ تھا۔ شہر کا سب سے بڑا چور تھا۔ عدالت نے فیصلہ کیا کہ ایک ہاتھ کاٹ ڈالا جائے۔ فوراً تعمیل ہوئی، اور جلاد نے ایک ہی ضرب میں اس کا پہنچا الگ کردیا۔

ابن ساباط کے ہاتھ کا کٹنا، کٹنا نہ تھا، بلکہ سیکڑوں نئے ہاتھوں کو اُس کے شانے سے جوڑ دینا تھا۔ معلوم ہوتا ہے، دنیا کے سارے شیطان اور عفریت اس واقعہ کے انتظار میں تھے۔ جونہی اُس کا ہاتھ کٹا، اُنھوں نے اپنے سیکڑوں ہاتھ اُس کے حوالے کردیئے۔ اب اُسنے عراق کے تمام چور اور عیار جمع کرکے اپنا اچھا خاصہ جتھا بنالیا اور فوجی ساز و سامان کے ساتھ لوٹ مار شروع کردی۔ تھوڑے ہی عرصہ کے اندر اُس کے دلیرانہ حملوں نے تمام عراق میں تہلکہ مچا دیا۔ وہ قافلوں پر حملے کرتا، دیہاتوں میں ڈاکے ڈالتا، محل سراؤں میں نقب لگاتا، سرکاری خزانے لوٹ لیتا؛ اور پھر یہ سب کچھ اس ہوشیاری اور فرزانگی کے ساتھ کرتا کہ اُس پر یا اُسکے ساتھیوں پر کوئی آنچ نہ آتی۔ ہر موقعہ پر صاف بچکر نکل جاتا۔ لوگ جب اُس کے مجرمانہ کارنامے سنتے تو دہشت و حیرت سے مبہوت رہجاتے۔ "یہ ڈاکو نہیں ہے جرم کی ایک خبیث روح ہے۔ وہ انسان کو لوٹ لیتی ہے مگر انسان اُسے چھو نہیں سکتا!" یہ بغداد والوں کا متفقہ فیصلہ تھا!

⁂

مگر ظاہر ہے، یہ حالت کب تک جاری رہ سکتی تھی؟ آخر وہ وقت آگیا کہ ابن ساباط تیسری مرتبہ قانون کے پنجے میں گرفتار ہوجائے۔ ایک موقعہ پر جب اُسنے اپنے تمام ساتھیوں کو بحفاظت نکال دیا تھا اور خود نکل بھاگنے کی طیاری کر رہا تھا، حکومت کے سپاہی پہنچ گئے اور گرفتار کرلیا۔

اس مرتبہ وہ ایک رہزن اور ڈاکو کی حیثیت میں گرفتار ہوا تھا۔ اس کی سزا قتل تھی۔ ابن ساباط نے جب دیکھا کہ جلاد کی تلوار سر پر چمک رہی ہے تو اس کے مجرمانہ خصائل نے اچانک ایک دوسرا رنگ اختیار کرلیا۔ وہ طیار ہوگیا کہ اپنے بچاؤ کے لئے اپنے ساتھیوں کی جانیں قربان کردے۔ اُسنے عدالت سے کہا۔ اگر اُسے قتل کی سزا نہ دی جائے تو وہ اپنے جتھے کے تمام چور گرفتار کرادے گا۔ عدالت نے منظور کرلیا۔ اس طرح ابن ساباط خود تو قتل سے بچ گیا، لیکن اُس کے سَو سے زیادہ ساتھی اُس کی نشان دہی پر موت کے گھاٹ اُتار دیئے گئے! ان سَو چوروں میں ایک بھی ایسا نہ تھا جسنے قتل ہونے سے پہلے ابن ساباط کے نام پر لعنت نہ بھیجی ہو۔ بدعہدی اور بے وفائی ایسی بُرائی ہے جسے بُرے بھی سب سے بڑی بُرائی سمجھتے ہیں۔ ابن ساباط نے اپنے اس طرزِ عمل سے ثابت کردیا کہ وہ جرم سے بھی بڑھ کر بُرائی کا کوئی ایک درجہ رکھتا تھا!

⁂

بہرحال اب ابن ساباط مدائن کے قیدخانہ میں زندگی کے دن پورے کر رہا ہے۔ اُس کی آخری گرفتاری پر دس برس گزر چکے ہیں۔ دس برس کا زمانہ اس کے لئے کم مدت نہیں ہے کہ ایک مجرم کی سیاہ کاریاں بھلا دی جائیں، لیکن ابن ساباط جیسے مجرم کے کارنامے مدتوں تک نہیں بھلائے جاسکتے۔ دس برس گزرنے پر بھی اُس کے دلیرانہ جرائم کا ذکر بچہ بچہ کی زبان پر ہے۔ لوگوں کو یہ بات تو کبھی بھولے سے بھی یاد نہیں آتی کہ ابن ساباط ہے کہاں اور کس حالت میں؟ کیونکہ یہ معلوم کرنے کی اُنھیں ضرورت بھی نہیں ہے۔ البتہ وہ اُس کے دلیرانہ کارنامے بھولنا نہیں چاہتے، کیونکہ اس تذکرہ میں اُن کے لئے لطف اور دلچسپی ہے۔ اُنہیں ابن ساباط کی نہیں، اپنی دلچسپیوں کی فکر ہے!

⁂

انسان کی بے مہریوں کی طرح اُس کی دلچسپیوں کا بھی کیسا عجیب حال ہے؟ وہ عجیب عجیب اور غیرمعمولی باتیں دیکھ کر خوش ہوتا ہے، لیکن اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ اس کی دلچسپی کا یہ تماشا کیسی کیسی مصیبتوں اور شقاوتوں کی پیدائش کے بعد ظہور میں آسکا ہے؟ اگر ایک چور دلیری کے ساتھ چوری کرتا ہے تو یہ اُس کے لئے بڑی ہی دلچسپی کا واقعہ ہے۔ وہ اُس کی صورت دیکھنے کے لئے بیقرار ہوجاتا ہے۔ وہ گھنٹوں اسپر رائے زنی کرتا ہے اور وہ تمام اخبار خرید لیتا ہے جن میں اُس کی تصویر چھپی ہو یا اُس کا تذکرہ کیا گیا ہو۔ لیکن اس واقعہ میں چور کے لئے کیسی شقاوت ہے؟ اور جس مسکین کا مال چوری گیا ہے اُس کے لئے کیسی مصیبت ہے؟ اس کے سوچنے کی وہ کبھی زحمت گوارا نہیں کرتا!

اگر ایک مکان میں آگ لگ جائے تو انسان کے لئے یہ بڑا ہی دلچسپ نظارہ ہوتا ہے۔ سارا شہر امنڈ آتا ہے۔ جس کسی کو دیکھو بے تحاشا دوڑا جاتا ہے لوگ اس نظارہ کے شوق میں اپنا کھانا پینا تک بھول جاتے ہیں اگرچند زندہ انسانوں کے جھلسے ہوئے چہرے آگ کے شعلوں کے اندر نمودار ہوجائیں اور اُن کی چیخیں اتنی بلند ہوں کہ دیکھنے والوں کے کانوں تک پہنچ سکیں، تو پھر اس نظارہ کی دلچسپی انتہائی حد تک پہنچ جاتی ہے، تماشائی جوشِ نظارہ میں مجنوں ہوکر ایک دوسرے پر گرنے لگتے ہیں۔ لیکن انسانی دلچسپی کے اس جہنمی منظر میں اُس مکان اور اُسکے مکینوں کے لئے کیسی ہلاکت اور تباہی ہے؟ اور جان و مال کی کیسی ہلناک

برباد ہونے کے بعد آگ اور موت کی یہ ہولناک دلچسپی جو دیکھ آسکتی ہو
اس بات کے سوچنے کی نہ تو لوگوں کو فرصت ملتی ہو۔ نہ وہ سوچنا
چاہتے ہیں!

اگر انسان کے اندر یہ جنس ہو، ایک بدبخت مخلوق سولی
کے تختہ پر لٹکا دیا جائے، تو ان تمام نظاروں میں سے جن کے دیکھنے
کا انسان شائق ہو سکتا ہو، [illegible] دلکش نظارہ ہوتا ہو۔
اتنا دلکش نظارہ کہ [illegible] لٹکتی ہوئی نعش دیکھتا رہتا
[illegible] ہوتی۔ لوگ درختوں پر چڑھ جاتے ہیں،
ایک دوسرے [illegible] بغیر [illegible] کر نکل جانا چاہتے ہیں
کیوں؟ [illegible] کہ اپنے ایک [illegible] کو جانکنی میں تڑپتے اور پھر
ہوا میں جھولتے دیکھنے کی لذت حاصل کر لیں! [illegible] جس
انسان کے پھانسی پانے سے انسانی نظارہ کا یہ سب سے زیادہ دلکش
تماشا وجود میں آیا، وہ خود اسپر کیا گزری؟ اور کیوں وہ اس منحوس
اور شرمناک موت کا مستحق ٹھہرا؟ سینکڑوں ہزاروں تماشائیوں میں
سے ایک کا ذہن بھی اس غیر ضروری اور غیر دلچسپ پہلو کی طرف نہیں
جاتا!

تیسرا حصہ

گرمیوں کا موسم ہو۔ آدھی رات گزر چکی ہو۔ مہینہ کی آخری تاریخ
ہیں۔ بغداد کے آسمان پر ستاروں کی مجلس شبینہ آراستہ ہو مگر چاند
کے برآمد ہونے میں ابھی دیر ہو۔ شہر بغداد کے پار کرخ کی تمام آبادی
نیند کی خاموشی اور رات کی تاریکی میں گم ہو۔

اچانک تاریکی میں ایک متحرک تاریکی نمایاں ہوئی۔ سیاہ
لبادہ میں ایک لپٹا ہوا آدمی خاموشی اور آہستگی کے ساتھ جا رہا
ہے۔ وہ ایک گلی سے مڑکر دوسری گلی میں پہنچا، اور ایک مکان کے
سائبان کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ اب اس نے سانس لی۔ گویا یہ مدتوں کی
بند سانس تھی جسے اب آزادی سے ابھرنے کی مہلت ملی ہو۔ پھر
اس نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی "یقیناً تین پہر رات گزر چکی ہو"
وہ اپنے دل میں کہنے لگا "مگر کیا بدنصیبی ہو کہ جس طرف رُخ کیا، ناکامی
ہی ہوئی۔ کیا پوری رات اسی طرح ختم ہو جائے گی؟"

یہ خوفناک ابن ساباط ہو جو دس برس کی طول طویل زندگی
قیدخانہ میں بسر کرکے اب کسی طرح نکل بھاگا ہو، اور نکلنے کے
ساتھ ہی اپنا قدیم پیشہ از سر نو شروع کر رہا ہو۔ یہ اس کی نئی مجرمانہ
زندگی کی پہلی رات ہو، اس نئے وقت کے بے نتیجہ ضائع جانے
پر اس کا بے صبر دل پیچ و تاب کھا رہا ہو۔

اس نے ہر طرف کی آہٹ لی۔ زمین سے کان لگا کر دور دور
کی صداؤں کا جائزہ لیا، اور مطمئن ہو کر آگے بڑھا۔ کچھ دور چلکر
اس نے دیکھا ایک احاطہ کی دیوار دور تک چلی گئی ہو اور وسط میں بہت
بڑا پھاٹک ہو۔ کرخ کے اس علاقہ میں زیادہ تر امرا کے باغ
تھے، یا سوداگروں کے گودام تھے۔ اس نے خیال کیا یہ احاطہ یا تو
کسی امیر کا باغ ہو، یا کسی سوداگر کا گودام۔ وہ پھاٹک کے پاس
پہونچکر رک گیا اور سوچنے لگا، اندر کیونکر جائے؟ اس نے آہستگی
سے دروازہ پر ہاتھ رکھا، لیکن اسے نہایت تعجب ہوا کہ دروازہ
اندر سے بند نہیں تھا صرف بھڑا ہوا تھا۔ ایک سکنڈ کے اندر ابن
ساباط کے قدم احاطہ کے اندر پہنچ گئے۔

اس نے دہلیز سے قدم آگے بڑھایا تو ایک وسیع احاطہ نظر آیا
اس کے مختلف گوشوں میں چھوٹے چھوٹے حجرے بنے تھے، اور
وسط میں ایک نسبتہً بڑی عمارت تھی۔ یہ درمیانی عمارت کی طرف
بڑھا۔ عجیب بات ہو کہ اس کا دروازہ بھی اندر سے بند نہ تھا، چھوتے
ہی کھل گیا۔ گویا وہ کسی کی آمد کا منتظر تھا۔ یہ ایک ایسی بے باکی
کے ساتھ جو صرف مشاق مجرموں ہی کے قدموں میں ہو سکتی ہو، اندر چلا
گیا۔ اندر جاکر دیکھا تو ایک وسیع ایوان (ہال) تھا۔ لیکن سامان راحت
و زینت میں سے کوئی چیز بھی نہ تھی۔ قیمتی اشیا کا نام و نشان نہ تھا۔
صرف ایک کھجور کے پتوں کی پرانی چٹائی بچھی تھی، اور ایک طرف چمڑے کا
ایک تکیہ پڑا تھا۔ البتہ ایک گوشہ میں پشمینہ کے موٹے کپڑے کے بہت
سے تھان اس طرح بے ترتیب پڑے تھے۔ گویا کسی نے جلدی میں پھینک
دیئے ہیں اور ان کے قریب ہی بھیڑ کی کھال کی چند ٹوپیاں بھی پڑی
تھیں۔ اس نے مکان کی موجودات کا یہ پورا جائزہ کچھ تو اپنی اندھیری
میں دیکھنے والی آنکھوں سے لے لیا تھا اور کچھ اپنے ہاتھ سے ٹٹول
ٹٹول کر۔ لیکن اس کا ہاتھ ایک ہی تھا۔ یہ بغداد والوں کی بول چال
میں "ایک ہاتھ کا شیطان" تھا جو اب پھر قید و بند کی زنجیریں توڑ کر
آزاد ہو گیا ہو!

دس برس کی قید کے بعد آج ابن ساباط کو پہلی مرتبہ موقعہ ملا
تھا کہ اپنے دلپسند کام کی جستجو میں آزادی کے ساتھ نکلے۔ جب اس نے
دیکھا، اس مکان میں کامیابی کے آثار نظر نہیں آتے، اور یہ پہلا قدم
بیکار ثابت ہوگا، تو اس کے تیز اور بے لگام جذبات سخت مشتعل ہو
گئے۔ وہ دل ہی دل میں اس مکان کے رہنے والوں کو گالیاں دینے
لگا۔ جو اپنے مکان میں رکھنے کے لئے قیمتی اشیا فراہم نہ کر سکے۔ بلکہ
مفلس کیا افلاس خود اس کے لئے اس قدر درد انگیز نہیں ہوتا جس
قدر اس چوکے ہوئے چور کے لئے جو رات کے پچھلے پہر مال و دولت تلاش کرتا ہوا
پہنچا ہو۔ اسمیں شک نہیں پشمینہ کے بہت سے تھان یہاں موجود
تھے، اور وہ کتنے ہی موٹے اور ادنیٰ قسم کے کیوں نہ ہوں مگر پھر بھی اپنی قیمت
رکھتے تھے، لیکن مشکل یہ تھی کہ ابن ساباط تنہا تھا۔ اور صرف تنہا ہی
نہیں تھا بلکہ دو ہاتھوں کی جگہ صرف ایک ہاتھ رکھتا تھا۔ وہ ہزار ہمت
کرتا، مگر اتنا بڑا بوجھ اس کے سنبھالے سنبھل نہیں سکتا تھا۔ وہ
تھانوں کی موجودگی پر معترض نہ تھا۔ ان کے وزن کی گرانی اور اپنی
مجبوری پر متاسف تھا۔ اتنی وزنی چیز چرا کر لیجانا آسان نہ تھا!

"ایک ہزار لعنت کرخ اور اس کے تمام باشندوں پر" وہ
اندر ہی اندر بڑبڑانے لگا "نہیں معلوم یہ کون احمق ہو جسنے یہ ملعون
تھان جمع کر رکھے ہیں؟ شاید کوئی تاجر ہو۔ لیکن یہ عجیب طرح کا
تاجر ہو جسے بغداد میں تجارت کرنے کے لئے اور کوئی چیز نہیں ملی۔
اتنا بڑا مکان بنا کر اس میں گدھوں اور خچروں کی جھول بنانے کا
سامان جمع کر دیا" اس نے اپنے ایک ہی ہاتھ سے ایک تھان کی ٹٹول
ٹٹول کر پیمائش کی "بھلا یہ ملعون بوجھ کس طرح اٹھایا جا سکتا ہو؟
ایک تھان کے اٹھانے کے لئے کم از کم دس گدھے ساتھ لانے چاہئیں"

لیکن بہرحال کچھ نہ کچھ کرنا ضروری تھا۔ رات جا رہی تھی، اور
اب وقت نہ تھا کہ دوسری جگہ تاکی جاتی۔ اس نے جلدی سے ایک
تھان کھولا اور اسے فرش پر بچھا دیا۔ پھر کوشش کی زیادہ سے زیادہ
تھان جو اٹھائے جا سکتے ہیں اٹھا لے۔ مشکل یہ تھی کہ مال کم قیمت
مگر بہت زیادہ وزنی تھا۔ کم لیتا ہو تو بیکار ہو۔ زیادہ لیتا ہو تو لیجا
نہیں سکتا۔ عجب طرح کی کشمکش میں گرفتار تھا۔ بہرحال کسی نہ
کسی طرح یہ مرحلہ طے ہوا، لیکن اب دوسری مشکل پیش آئی۔ صوف
کا کپڑا بے حد موٹا تھا۔ اسے مڑوڑ کر گرہ لگانا آسان نہ تھا۔ دونوں
ہاتھوں سے بھی یہ کام مشکل تھا چہ جائے کہ ایک ہاتھ سے؟ بلاشبہ
اس کے پاس ہاتھ کی طرح پاؤں ایک نہ تھا۔ دو تھے۔ لیکن وہ
بھاگنے میں مدد دے سکتے تھے صوف کی گٹھری باندھنے کے لئے سود مند
نہ تھے۔ اس نے بہت سی تجویزیں سوچیں، طرح طرح کے تجربے کئے
دانتوں سے کام لیا۔ کٹی ہوئی کہنی سے سرا دبایا۔ لیکن کسی طرح
بھی گٹھری میں گرہ نہ لگ سکی، وقت کی مصیبتوں میں تاریکی کی شدت
نے اور زیادہ اضافہ کر دیا تھا۔

اندرونی جذبات کے ہیجان اور بیرونی فعل کی بے سود محنت
نے ابن ساباط کو بہت جلد تھکا دیا۔ وقت کی کمی، عمل کا قدرتی
خوف، مال کی گرانی، محنت کی شدت، اور فائدہ کی قلت! اس
کے دماغ کے لئے تمام مخالف تاثرات جمع ہو گئے تھے۔

* * *

اچانک وہ چونک اٹھا۔ اس کی تیز قوت سماعت نے کسی کے
قدموں کی نرم آہٹ محسوس کی۔ ایک لمحہ تک خاموشی رہی۔ پھر
ایسا محسوس ہوا، جیسے کوئی آدمی دروازہ کے پاس کھڑا ہو۔ ابن
ساباط گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا، مگر قبل اس کے کہ وہ کوئی حرکت کر سکے،
دروازہ کھلا! اور روشنی نمایاں ہوئی۔ خوف اور دہشت سے اس کا
خون منجمد ہو گیا۔ جہاں کھڑا تھا، وہیں قدم گڑ گئے۔ نظر اٹھا کر دیکھا
تو سامنے ایک شخص کھڑا ہو۔ اس کے ایک ہاتھ میں شمعدان ہو، اور
اسے اس طرح اونچا کر رکھا ہو کہ کمرے کے تمام حصے روشن ہو گئے
ہیں۔

* * *

اس شخص کی وضع قطع سے اس کی شخصیت کا اندازہ کرنا مشکل
تھا۔ ملگجے رنگ کی ایک لمبی عبا اس کے جسم پر تھی جسے کمر کے پاس
ایک موٹی رسی لپیٹ کر جسم پر چست کر لیا تھا۔ سر پر سیاہ قلنسوہ (اونچی
دیوار کی ٹوپی) تھی، اور اس قدر کشادہ تھی کہ اس کے کنارے ابروؤں
کے قریب تک پہنچ گئے تھے۔ جسم نہایت نحیف تھا۔ اتنا نحیف کہ
صوف کی موٹی عبا پہننے پر بھی اندر کی ابھری ہوئی ہڈیاں صاف
دکھائی دے رہی تھیں، اور قد کی درازی نے جسمیں کمر کے پاس
خفیف سی خمیدگی پیدا ہو گئی تھی، یہ نحافت اور زیادہ نمایاں کر دی
تھی۔ لیکن یہ عجیب بات تھی کہ جسم کی اس غیر معمولی نحافت کا
کوئی اثر اس کے چہرہ پر نظر نہیں آتا تھا۔ اتنا کمزور جسم رکھنے پر
بھی اس کا چہرہ کچھ عجیب طرح کی تاثیر و گیرائی رکھتا تھا۔ ایسا
معلوم ہوتا تھا جیسے ہڈیوں کے ایک ڈھانچے پر ایک شاندار اور
دلاویز چہرہ جوڑ دیا گیا ہو۔ رنگت زرد تھی، رخسار بے گوشت تھے،
جسمانی تنومندی کا نام و نشان نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی چہرہ کی مجموعی
ہیئت میں کوئی ایسی شاندار چیز تھی کہ دیکھنے والا محسوس کرتا
تھا، ایک نہایت طاقتور چہرہ اس کے سامنے ہو۔ خصوصاً اس
کی نگاہیں ایسی روشن، ایسی مطمئن، ایسی ساکن تھیں، کہ معلوم ہوتا
تھا، دنیا کی ساری راحت اور سکون انہی دو حلقوں کے اندر سما
گئی ہو!

چند لمحوں تک یہ شخص شمع اونچی کئے ابن ساباط کو دیکھتا رہا
پھر اس طرح آگے بڑھا، گویا اسے جو کچھ سمجھنا تھا، سمجھ چکا ہو۔ اس
کے چہرہ پر ہلکا سا زیر لب تبسم تھا۔ ایسا دلاویز اور شیریں تبسم جس
کی موجودگی انسانی روح کے سارے اضطراب اور خوف دور کر
دے سکتی ہو۔ اس نے شمعدان ایک طرف رکھ دیا، اور ایک ایسی ادا
میں جو شفقت و ہمدردی میں ڈوبی ہوئی تھی، ابن ساباط سے کہا:

"میرے دوست! تم پر خدا کی سلامتی ہو۔ جو کام تم کرنا چاہتے
ہو، یہ بغیر روشنی اور ایک رفیق کے انجام نہیں پا سکتا۔ دیکھو، یہ
شمع روشن ہو اور میں تمہاری رفاقت کے لئے موجود ہوں۔
روشنی میں ہم دونوں اطمینان اور سہولت کے ساتھ یہ کام انجام
دے لیں گے"

وہ ایک لمحہ کے لئے رکا۔ جیسے کچھ سوچنے لگا ہو پھر اس نے
کہا: "مگر میں دیکھتا ہوں تم بہت تھک گئے ہو۔ تمہاری پیشانی پسینہ
سے تر ہو رہی ہو۔ یہ گرم موسم، بند کمرہ، تاریکی اور تاریکی میں ایسی

سخت محنت؛ افسوس، انسان کو اپنے رزق کے لئے کیسی کیسی زحمتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں! دیکھو، یہ چٹائی بچھی ہی۔ یہ چمڑے کا تکیہ ہے میں اسے دیوار کے ساتھ لگا دیتا ہوں" اُسنے تکیہ دیوار کے ساتھ لگاکر رکھ دیا "بس ٹھیک ہی۔ اب تم اطمینان کے ساتھ ٹیک لگاکر یہاں بیٹھ جاؤ اور اچھی طرح سستالو۔ اتنی دیر میں میں تمھارا ادھورا کام پورا کئے دیتا ہوں"

اُسنے یہ کہا، اور ابن ساباط کے کاندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھ کر اُسے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ پھر جب اُس کی نظر دوبارہ اُس کی عرق آلود پیشانی پر پڑی، تو اُسنے اپنی کمر سے رومال کھولا اور اس کی پیشانی کا پسینہ پونچھ ڈالا۔ جب وہ پسینہ پونچھ رہا تھا تو اُس کی آنکھوں میں باپ کی سی شفقت اور ہاتھوں میں بھائی کی سی محبت کام کر رہی تھی!

صورت حال کے یہ تمام تغیرات اس تیزی سے ظہور میں آئے کہ ابن ساباط کا دماغ مختل ہوکر رہ گیا۔ وہ کچھ سمجھ نہ سکا کہ معاملہ کیا ہے؟ ایک مدہوش اور بے ارادہ آدمی کی طرح اُسنے اجنبی کے اشارہ کی تعمیل کی اور چٹائی پر بیٹھ گیا۔

اب اُسنے دیکھا کہ واقعی اجنبی نے کام شروع کردیا ہی۔ اُسنے پہلے وہ گٹھری کھولی جو ابن ساباط نے باندھنی چاہی تھی مگر نہیں بندھ سکی تھی۔ پھر دو تھان کھولکر بچھا دئے اور جس قدر بھی تھان موجود تھے، اُن سب کو دو حصوں میں منقسم کردیا۔ ایک حصہ میں زیادہ تھے۔ ایک میں کم۔ پھر دونوں کی الگ الگ دو گٹھریاں باندھ لیں۔ یہ تمام کام اُسنے اس اطمینان اور سکون کے ساتھ کیا، گویا اُسی کے لئے کوئی انوکھی بات نہ تھی۔

پھر اچانک اُسے کچھ خیال آیا۔ اُسنے اپنی عبا اُتار ڈالی، اور اسے بھی گٹھری کے اندر رکھ دیا۔

اب وہ اُٹھا اور ابن ساباط کے قریب گیا:

"میرے دوست، تمھارے چہرے کی پژمردگی سے معلوم ہوتا ہی کہ تم صرف تھکے ہوئے ہی نہیں ہو بلکہ بھوکے بھی ہو۔ بہتر ہوگا کہ چلنے سے پہلے دودھ کا ایک پیالہ پی لو۔ اگر تم چند لمحے انتظار کرسکو تو میں دودھ لے آؤں" اُسنے کہا، جبکہ اُس کے پرشکوہ چہرہ پر بدستور مسکراہٹ کی دلآویزی موجود تھی۔ ممکن نہ تھا کہ اس مسکراہٹ سے انسانی قلب کے تمام اضطراب محو نہ ہوجائیں!

قبل اس کے کہ ابن ساباط جواب دے، وہ تیزی کے ساتھ لوٹا، اور باہر نکل گیا۔

* * *

اب ابن ساباط تنہا تھا۔ لیکن تنہا ہونے پر بھی اس کے قدموں میں حرکت نہ ہوئی۔ اجنبی کے طرز عمل میں کوئی بات ایسی نہ تھی جس سے اس کے اندر خوف پیدا ہوتا۔ وہ صرف متحیر اور مبہوت تھا!

اجنبی کی ہستی اور اُس کا طور طریقہ ایسا عجیب و غریب تھا کہ جب تک وہ موجود رہا، ابن ساباط کو تحیر و تاثر نے سوچنے سمجھنے کی مہلت ہی نہ دی۔ اجنبی کی شخصیت کی تاثیر سے اس کی دماغی شخصیت مغلوب ہوگئی تھی۔ لیکن اب وہ تنہا ہوا، تو آہستہ آہستہ اُس کا دماغ اپنی اصلی حالت پر واپس آنے لگا۔ یہاں تک کہ تمام دماغی خصائل پوری طرح اُبھر آئے، اور وہ اُسی روشنی میں معاملات کو دیکھنے لگا جس روشنی میں دیکھنے کا ہمیشہ سے عادی تھا۔

وہ جب اجنبی کا متبسم چہرہ اور دلنواز صدائیں یاد کرتا، تو شک اور خوف کی جگہ اُس کے اندر ایک ایسا ناقابل فہم جذبہ پیدا ہوجاتا جو آج تک اُسے کبھی محسوس نہیں ہوا تھا۔ لیکن پھر جب وہ سوچتا کہ اس تمام معاملہ کا مطلب کیا ہی؟ اور یہ شخص ہی کون؟ تو اس کی عقل حیران رہجاتی اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اُسنے اپنے دل میں کہا "یہ تو قطعی ہی کہ یہ شخص اس مکان کا مالک نہیں ہی۔ مکان کے مالک کبھی چوروں کا اس طرح استقبال نہیں کیا کرتے۔
...... مگر پھر یہ شخص ہی کون؟ ......"

اچانک ایک نیا خیال اُس کے اندر پیدا ہوا۔ وہ ہنسا "استغفر اللہ میں بھی کیا احمق ہوں۔ یہ بھی کوئی سوچنے اور حیران ہونے کی بات تھی؟ معاملہ بالکل صاف ہی۔ تعجب ہی مجھے پہلے کیوں خیال نہیں ہوا؟ یقیناً یہ بھی کوئی میرا ہی ہم پیشہ آدمی ہی، اور اسی نواح میں رہتا ہی۔ اتفاقات نے آج ہم دونوں چوروں کو ایک ہی مکان میں جمع کردیا۔ چونکہ یہ اسی نواح کا آدمی ہی، اس لئے اس مکان کے تمام حالات سے واقف ہوگا۔ اُسے معلوم ہوگا کہ آج مکان رہنے والوں سے خالی ہی اور باطمینان کام کرنے کا موقعہ ہی۔ اسی لئے وہ روشنی کا سامان ساتھ لے کر آیا۔ لیکن جب دیکھا کہ میں پہلے سے پہنچا ہوا ہوں تو آمادہ ہوگیا کہ میرا ساتھ دے کر ایک حصہ کا حقدار بنجائے ....."

* * *

وہ ابھی سوچ رہا تھا کہ دروازہ کھلا، اور اجنبی ایک لکڑی کا بڑا پیالہ ہاتھ میں لئے نمودار ہوگیا

"یہ لو، میں تمھارے لئے دودھ لے آیا ہوں۔ اسے پی لو۔ یہ بھوک اور پیاس، دونوں کے لئے مفید ہوگا" اُسنے کہا اور پیالہ ابن ساباط کو پکڑا دیا۔ ابن ساباط واقعی بھوکا پیاسا تھا بلا تأمل منہ کو لگا لیا اور ایک ہی مرتبہ میں ختم کر دیا۔

اب اُسے معاملہ کی فکر ہوئی۔ اتنی دیر کے وقفہ نے اس کی طبیعت بحال کردی تھی

"دیکھو، اگرچہ میں تم سے پہلے یہاں پہنچ چکا تھا اور [illegible] لگا چکا تھا، اور اس لئے ہم لوگوں کے قاعدہ کے موجب تمھارا کوئی حق نہیں، لیکن تمھاری ہشیاری اور مستعدی دیکھ لینے کے بعد مجھے کوئی تأمل نہیں کہ تمھیں بھی اس مال میں شریک کرلوں۔ اگر تم پسند کروگے تو ہمیشہ کے لئے تم سے معاملہ کرلوں گا۔ لیکن دیکھو، میں کہے دیتا ہوں کہ آج جو کچھ بھی یہاں سے لے جائیں گے، اُس میں تم برابر کا حصہ نہیں پاسکتے، کیونکہ دراصل آج کا کام میرا ہی کام تھا" اُسنے صاف آواز میں کہا۔ اُس کی آواز میں اب تاثر نہیں بلکہ تحکم تھا۔

اجنبی مسکرایا۔ اُسنے ابن ساباط پر ایک ایسی نظر ڈالی جو اگرچہ شفقت و مہر سے خالی نہ تھی، لیکن اس کے علاوہ بھی اُس میں کوئی چیز تھی۔ لیکن ابن ساباط سمجھ نہ سکا۔ اُسنے خیال کیا۔ شاید یہ شخص اس طریق تقسیم پر قانع نہیں ہی۔ اچانک اُس کی آنکھوں میں اُس کی خوفناک مجرمانہ درندگی چمک اٹھی۔ وہ غصہ سے مضطرب ہوکر کھڑا ہوگیا:

"بے وقوف، چپ کیوں ہی؟ یہ نہ سمجھنا کہ دودھ کا ایک پیالہ پلاکر اور چکنی چپڑی باتیں کرکے تم مجھے احمق بنا لوگے۔ تم نہیں جانتے میں کون ہوں۔ مجھے کوئی احمق نہیں بنا سکتا۔ میں ساری دنیا کو احمق بنا چکا ہوں۔ بولو۔ اس پر راضی ہو یا نہیں؟ اگر نہیں ہو تو ....."

لیکن ابھی اُس کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ اجنبی کے لب متحرک ہوئے۔ اب بھی اُس کے لبوں سے اُس کی مسکراہٹ نہیں ہٹی تھی:

"میرے عزیز دوست! کیوں بلاوجہ اپنی طبیعت آزردہ کرتے ہو؟ آؤ یہ کام جلد نپٹالیں جو ہمارے سامنے ہی۔ دیکھو، میں نے دو گٹھریاں باندھ لی ہیں۔ ایک چھوٹی ہی۔ ایک بڑی ہی۔ تمھارا ایک ہاتھ ہی اس لئے تم زیادہ بوجھ نہیں سنبھال سکتے۔ لیکن میں دونوں ہاتھوں سے سنبھال لوں گا۔ چھوٹی گٹھری تم اُٹھالو۔ بڑی میں اُٹھا لیتا ہوں۔ باقی رہا میرا حصہ جس کے خیال سے تمھیں اتنی آزردگی ہوئی ہی، تو میں بھی نہیں چاہتا۔ اسوقت اُس کا فیصلہ کراؤں۔ تم نے کہا ہی کہ تم ہمیشہ کے لئے مجھ سے معاملہ کرسکتے ہو۔ مجھے بھی ایسا ہی معاملہ پسند ہی۔ میں چاہتا ہوں تم ہمیشہ کے لئے مجھ سے معاملہ کرلو"

"ہاں، اگر یہ بات ہی تو پھر سب کچھ ٹھیک ہی۔ تمھیں ابھی معلوم نہیں میں کون ہوں؟ پورے ملک میں تمھیں مجھ سے بہتر کوئی ساتھی نہیں مل سکتا" اُسنے بڑی گٹھری کے اُٹھانے میں اجنبی کو مدد دیتے ہوئے کہا۔

یہ گٹھری اس قدر بھاری تھی کہ ابن ساباط اپنی حیرانی نہ چھپا سکا۔ وہ اگرچہ اپنے نئے رفیق کی زیادہ جرأت افزائی کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ پھر بھی اُس کی زبان سے بے اختیار نکل گیا

"دوست، تم دیکھنے میں تو بڑے دبلے پتلے ہو لیکن بوجھ اُٹھانے میں بڑے مضبوط نکلے" ساتھ ہی اُسنے اپنے دل میں کہا "یہ جتنا مضبوط ہی، اُتنا عقلمند نہیں ہی ورنہ اپنے حصے سے دست بردار نہ ہوجاتا۔ اگر آج یہ احمق نہ ملجاتا تو مجھے سارا مال چھوڑکر صرف ایک دو تھانوں پر قناعت کرلینی پڑتی"

اب ابن ساباط نے اپنی گٹھری اُٹھائی جو بہت ہلکی تھی، اور دونوں باہر نکلے۔ اجنبی کی پیٹھ جسمیں پہلے سے خم موجود تھا، اب گٹھری کے بوجھ سے بالکل ہی جھک گئی تھی۔ رات کی تاریکی میں اتنا بھاری بوجھ اٹھاکر چلنا نہایت دشوار تھا۔ لیکن ابن ساباط کو اندر [illegible] جلدی تھی۔ وہ بار بار خوفناک انداز سے گھبراکر تیز چلتا۔ اور چونکہ خود اُس کا بوجھ بہت ہلکا تھا، اس لئے وہ تیز چلنے میں کسی طرح کی دشواری محسوس نہیں کرتا تھا۔ اجنبی [illegible] کی پوری کوشش کرتا، لیکن اتنا بھاری بوجھ اُٹھاکر تیز چلنا انسانی طاقت سے باہر تھا۔ اس لئے پوری کوشش کرنے پر بھی زیادہ تیز نہیں چل سکتا تھا۔ کئی مرتبہ ٹھوکریں لگیں، بار ہا بوجھ گرتے گرتے رہ گیا۔ ایک مرتبہ اتنی سخت چوٹ کھائی کہ قریب تھا گرجائے۔ پھر بھی اُسنے رکنے یا سستانے کا نام نہیں لیا۔ [illegible] اپنے ساتھی کے ساتھ بڑھتا ہی رہا۔

لیکن ابن ساباط اسپر بھی خوش نہ تھا۔ اُسنے پہلے تو ایک دو مرتبہ تیز چلنے کا حکم دیا۔ پھر بے تأمل گالیوں پر اتر آیا۔ ہر لمحہ کے بعد ایک سخت گالی دیتا اور کہتا تیز چلو۔ اتنے میں جسر (پل) آیا۔ یہاں چڑھائی تھی۔ جسم کمزور اور تھکا ہوا، بوجھ بیحد بھاری! اجنبی سنبھل نہ سکا اور بے اختیار گر پڑا۔ ابھی وہ اُٹھنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ اوپر سے ایک سخت لات پڑی۔ یہ ابن ساباط کی لات تھی۔ اُسنے غضبناک ہوکر کہا "کتے کے بیٹے! اگر اتنا بوجھ سنبھال نہیں سکتا تھا تو لاد کر لایا کیوں؟" اجنبی ہانپتا ہوا اُٹھا۔ اُس کے چہرہ پر درد و شکایت کی بجائے شرمندگی کے آثار پائے جاتے تھے۔ اُسنے فوراً گٹھری اُٹھاکر پیٹھ پر رکھی اور پھر روانہ ہوگیا۔

* * *

اب یہ دونوں شہر کے کنارے، ایک ایسے حصہ میں پہنچ گئے جو بہت ہی کم آباد تھا۔ یہاں ایک ناتمام عمارت کا پرانا اور شکستہ احاطہ تھا۔ ابن ساباط اس احاطہ کے ایک جانب پہنچکر رک گیا

السحر الحلال فی مجلدات الہلال

گاہ گاہے باز خوان این دفتر پارینہ را
تا نہ خواہی داشتن گر داغہاے سینہ را

اردو صحافت کي تاريخ ميں الہلال هي وہ رسالہ هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصيات ميں ايک انقلاب آفريں دعوت تهي- اس نے ملک کے سياسي' علمي' ادبي' اور ديني افکار و عقائد پر جو انقلاب انگيز اثرات ڈالے' قريب هے کہ مستقبل هند کا مورخ ان پر بحث کريگا اور ان کے اندر وہ عناصر و مباديات ڈهونڈهيگا جن سے هندوستان کي سنہ ١٩١٩ کے بعد کي اجتماعي ذهنيت ظہور پذير هوئي۔

الہلال اگرچہ ايک هفتہ وار مصور رسالہ تها' ليکن چونکہ وہ اردو صحافت کي مختلف شاخوں ميں اجتہاد نظر و فکر کي نئي روح پيدا کرني چاهتا تها' اس لئے اس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعہ تها- اس کے هر نمبر ميں مختلف ابواب' مذهب' سياست' ادبيات' علوم و فنون' اور معلومات عامہ کے هوتے تهے- اور اسکا هر باب اپني مجتہدانہ خصوصيات کے لحاظ سے اپني نظير آپ هوتا تها- پهر اس کي ظاهري خوبياں اردو صحافت ميں اعلى طباعت و ترتيب کا پہلا نمونہ تهيں- اردو کا وہ پہلا هفتہ وار رسالہ تها' جس ميں هاف ٹون تصاوير کے اندراج کا انتظام کيا گيا' اور ٹائپ ميں چهپنے کي وجہ سے بہت سي ايسي خوبياں پيدا هوئيں جو پتهر کي چهپائي ميں ممکن نہيں- اس کي جلديں جديد اردو علم ادب کے علمي' مذهبي' سياسي' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بہترين مجموعہ هيں- ان کي مقبوليت و قدر کا اندازہ اس سے هوسکتا هے کہ سنہ ١٩١٨ ميں بعض شايقين علم و ادب نے اس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپيہ ميں خريد کيا - اور حال ميں ايک صاحب نے اس کي پہلي جلد مکمل (جو دفتر ميں بهي موجود نہيں) ساڑهے چارسو روپيہ ميں حيدرآباد سے خريدي هے- جن لوگوں نے اس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هيں وہ بڑي سے بڑي قيمت پر بهي علحدہ کرنے کيلئے تيار نہيں- پچهلے دنوں "البلاغ پريس" کا جب تمام اسباب نئے مکان ميں منتقل کيا گيا تو ايک ذخيرہ الہلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا' هم نے کوشش کي کہ شايقين علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلديں مرتب کي جاسکتي هيں مرتب کرلي جائيں اور جن جلدوں کي تکميل ميں ايک دو پرچوں کي کمي هو انهيں دوبارہ چهپوا ليا جائے-

چنانچہ الحمدللہ يہ کوشش ايک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلديں پوري مکمل هوگئي هيں- هم اس اعلان کے ذريعہ شايقين علم و ادب کو آخري موقعہ ديتے هيں کہ اس قيمتي ذخيرہ کے حاصل کرنے ميں جلدي کريں' چونکہ جلدوں کي ايک بہت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف انہيں درخواستوں کي تعميل هوسکے گي جو سب سے پہلے پہونچيں گي- هر جلد مجلد هے اور ابتدا ميں تمام مضامين کي انڈکس بہ ترتيب حروف تہجي لگادي گئي هے-

الہلال مکمل جلد دوم ١٠ روپيہ الہلال مکمل جلد سوم ١٠ روپيہ
" " " چہارم ١٠ روپيہ " " " پنجم ١٠ روپيہ

جلد "البلاغ" (جب دوسري مرتبہ الہلال اس نام سے شائع هوا) قيمت ٨ روپيہ

علاوہ جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هيں جن ميں سے هر پرچہ اپنے مضامين کے لحاظ سے ايک مستقل مجموعہ علم و ادب هے- قيمت في پرچہ ٨ - آنہ - محصول ڈاک و پيکنگ اس کے علاوہ هے-

منيجر "البلاغ پريس"

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA.
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

لَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ — القرآن الحكيم

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۷ — کلکتہ : جمعه ۲۹ ـ محرم ۱۳۴۶ هجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 29, July 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

ضروری هی که هم اسکا اب فیصله کرلین

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعة نہین رکھتی ـ طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین که حروف کی چھپائی اختیار کی جای ـ پتھر کی چھپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نہین کر سکتی ـ

هندی اور هندوستان کی تمام زبانون نی، نیز عربی، فارسی، ترکی، تینون سامی زبانون نی حروف کی چھپائی اختیار کرلی هی اور انکی طباعة یورپ کی طباعة کا مقابله کر رهی هی ـ کیون اردو زبان بھی ایسا نه کری جو اسی رسم الخط مین لکھی جاتی هی ؟

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین، وہ هین جن مین **الهلال** چھپتا هی ـ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گئی هین ـ آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کرلین ـ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ـ

هماری رای مین بہترین حروف یہی هین ـ اگر فارسی اور ترکی کیلیی یه نا موزون نہین تو اردو کیلیی کیون نا موزون هون ؟

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی ـ یاد رکھیی ـ طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اهم مسئله هی ـ ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ـ

الهلال

شیخ خلیل بکری

جو نپولین کے زمانہ میں نقیب السادات مصر تھے -



درج کیے جاتے تھے - یہ دنیا میں عربی زبان کا سب سے پہلا اخبار تھا - اس کی تحریر سید مذکور کے ذمہ تھی - اس طرح واقعات و حوادث کی کتابت و تدوین کا انہیں ایسا مستند موقعہ مل گیا جو دوسروں کو حاصل نہ تھا - سنہ وفات ۱۲۳۰ ھ ہے -

(دو شامی مورخ)

لیکن مصر سے باہر دو مشرقی قلم اور بھی تھے جو اس عہد کے حوادث و سوانح ضبط کتابت میں لا رہے تھے : نقولا ترک ' اور امیر حیدر شہاب -

پہلا مصنف لبنان کے ایک مسیحی خاندان سے تعلق رکھتا تھا جو قسطنطنیہ سے آکر وہاں مقیم ہوگیا تھا - اس نے نپولین کی زندگی ہی میں نپولین کی تاریخ عربی زبان میں لکھی تھی جس کا پہلا حصہ مع فرانسیسی ترجمہ کے سنہ ۱۸۳۹ ع میں پیرس سے شائع ہوا - اس حصہ میں فرانسیسیوں کے مصر سے اخراج تک کے واقعات درج ہیں - اس کتاب کی قدر و قیمت بہت بڑھ جاتی ہے جب خیال کیا جائے ' کہ یہ مشرق کی سب سے پہلی کتاب ہے جو نپولین کے حالات میں لکھی گئی ' اور اس وقت لکھی گئی جب خود یورپ میں بھی اس کی کوئی بڑی تاریخ نہیں لکھی گئی تھی - نپولین کے حملۂ شام کے واقعات کا بڑا حصہ مصنف کے چشم دید واقعات میں سے ہے - اس نے سنہ ۱۲۴۴ - مطابق سنہ ۱۸۲۸ - میں انتقال کیا -

امیر حیدر لبنان کے خاندان " شہاب " کا ایک صاحب علم و قلم امیر تھا - اس نے کئی کتابیں شام و لبنان کی تاریخ میں لکھی ہیں جن میں نپولین کے حملۂ مصر و شام کے حوادث بھی آگئے ہیں - ان میں سے غرر الحسان اور نزهة الزمان خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں - امیر موصوف کا سال وفات سنہ ۱۲۵۱ - مطابق ۱۸۳۵ ع ہے -

(علماء مصر کی تصویریں)

فرانسیسیوں نے مصری دیوان کے تمام ارکان کی تصویریں کھینچ لی تھیں - اور بطور عجائب شرق کے اپنے ساتھ فرانس لے گئے تھے - جبرتی نے یہ تصویریں دیکھی ہیں ' اور ان کی صناعیوں پر تعجب ظاہر کیا ہے - مستشرق مارسل نے جسے نپولین عربی طباعت کے اهتمام کے لیے اپنے ساتھ لایا تھا ' اپنی کتاب " معلومات مصر " میں یہ تمام تصویریں درج کردی ہیں - ہم ان میں سے شیخ شرقاوی ' شیخ بکری ' اور شیخ سلیمان فیومی کی تصویریں اس تحریر کے ساتھ شائع کردیتے ہیں - ان سے اس عہد کے علماء و مشائخ مصر کی وضع و قطع اور شکل و شمائل نظروں کے سامنے آجائیگی - مصر و شام میں تاریخ اسلام کے ازمنۂ وسطی سے لیکر بارہویں صدی تک ' معاشرتی زندگی تقریباً یکساں رہی ہے - اس لیے یہ تصویریں اگرچہ صرف ڈیڑہ سو برس پیشتر کی ہیں ' لیکن ان کی وضع و قطع سے تقریباً چارسو برس پیشتر تک کی وضع و قطع کا اندازہ کر لیا جاسکتا ہے - ساتویں ' آٹھویں ' اور نویں صدی ہجری کے علماء مصر شام ' مثلاً امام ذہبی ' امام مزی ابن دقیق العید ' تقی الدین سبکی ' حافظ برزالی ' حافظ ابن حجر عسقلانی ' حافظ سخاوی ' جلال الدین سیوطی ' وغیرهم کا لباس اور وضع و قطع تقریباً ایسی ہی ہوگی ' جیسی شرقاوی اور فیومی کی ہے - شیخ بکری کی زندگی چونکہ امراء کی سی زندگی تھی ' اس لیے وہ سمور کا جبہ پہنے ہیں اور ہاتھ میں مصری شبقہ یعنی تمباکو کا پائپ ہے -

(عربی مورخین کی شہادت)

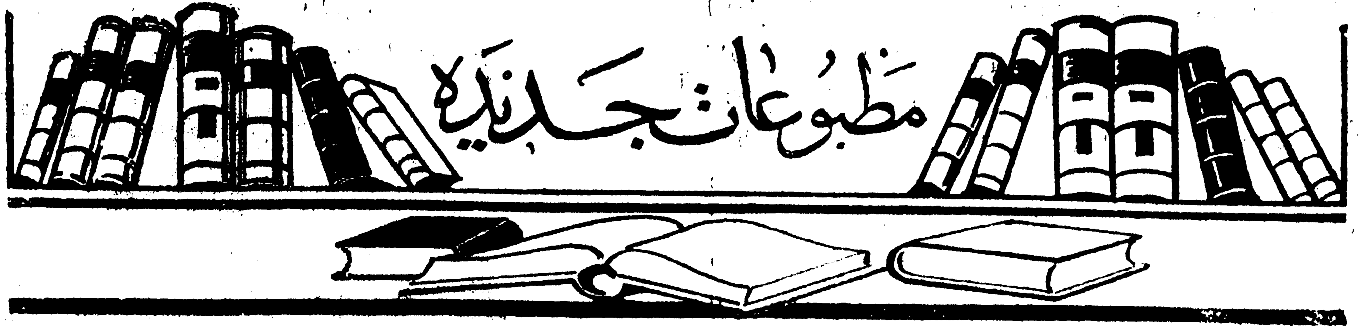
اب دیکھنا چاہیے کہ نپولین کے اظہار و عدم اظہار اسلام کے بارے میں ان مورخین کی شہادت کیا ہے ؟ اس بارے میں سب سے زیادہ معتبر شہادت انہی لوگوں کی ہوسکتی ہے - ان میں سے چند مورخ تو خود ان لوگوں میں سے ہیں ' جن کے سامنے نپولین کے اظہارات ہوئے ہونگے - مثلاً شیخ مہدی شیخ الازہر ' اور شیخ شرقاوی رئیس الدیوان - اور بعض ایسے ہیں جو اپنے چشم دید حالات قلمبند کر رہے ہیں اور اس بارے میں کوئی خاص مورخانہ تعصب نہیں رکھتے - مثلاً شیخ جبرتی اور سید اسماعیل خشاب -

ان کی شہادت یہ ہے کہ نپولین نے نہ صرف اپنے تئیں اسلام کا دوست ظاہر کیا تھا ' بلکہ مسلمان ہونے کا بھی دعوی کیا تھا - وہ اسلامی لباس پہنکر علما و مشائخ سے ملتا ' مسجد میں جاتا ' اور نماز جمعہ میں شریک ہوتا - چنانچہ اس نے اپنی تصویر بھی اس لباس میں اتروائی تھی جو آجتک موجود ہے ' اور جسے پروفیسر مارسل نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے - مزید تفصیل آئندہ نمبر میں ملیگی -



شیخ سلیمان فیومی

جو اس عہد کے مشاهیر علماء مصر میں سے تھے



پان يورپين تحريک اور امن عالم

ايک جرمن مدبر کي تجويزيں

اسوقت جبکه جنيوا ميں اسلحه کي تخفيف و تحديد کے مسئله پر بحثيں هو رهي هيں ' ايک نئي کتاب کے مضامين يقيناً دلچسپي کے ساتهه پڑهے جائينگے جو حال ميں شائع هوي هے ' اور " پان يورپين تحريک " يعني وحدة اقوام يورپ کي تحريک کے ايک جرمن داعي کاونٹ رچرڈ کوڈنہو کيلرگي Richard Caudenhove Kalergi کے قلم سے نکلي هے -

اس کتاب ميں مصنف نے پہلے امن عالم کي ضرورت پر بہت موثر پيرايه ميں نظر ڈالي هے - پهر ثابت کيا هے که اسکا تنها ذريعه يهي هے که " يورپين طاقتوں کي روز افزوں هتيار بندي موقوف کردي جاے " ليکن " هتيار بندي " سے مقصود کيا هے ؟ صرف لوهے اور آگ کے هتيار ؟ مصنف اس سے انکار کرتا هے - وه کہتا هے " صرف لوهے کے هتياروں سے نہتا کردينا کچهه مفيد نه هوگا - يورپ کو اُس کے سياسي ' اخلاقي ' اور اقتصادي حربوں سے بهي نہتا کردينا چاهئے - اسکے بغير هتيار بندي کي مخالف تحريک بے فائده هے - جبتک بغض و حسد کے چهالے قوموں کے دلوں ميں موجود رهينگے ' اُس وقت تک دنيا ميں امن و امان قائم نہيں هو سکتا "

اسکے بعد مصنف لکهتا هے : " يورپ کي سلامتي کي دو هي صورتيں ممکن هيں : مختلف قوموں کے ما بين عدل قائم هو جاے ' اور جنگ اور جنگ کے اسباب روکنے کے ليے سلطنتيں اپني قوت استعمال کرنے پر متفق هو جائيں "

آگے چلکر مصنف نے مختلف مغربي طاقتوں کي موجوده جنگ جويانه حالت پر نظر ڈالي هے :

" وارسليز کے معاهده نے جرمني کو نہتا کر دينے کا فيصله کرديا هے - ليکن يه کہاں کي عقلمندي هے که جرمني کو اُسکے مسلح پڑوسيوں کے درميان نہتا کر کے چهوڑ ديا جاے ؟ يورپ کے امن و امان کے کي بنيادي شرط يه هے که تمام سلطنتيں ايک ساتهه اور ايک هي قسم کا قدم اٹهائيں - يا تو سب مسلح هو جائيں ' يا سب هتيار رکهديں - بعض کا هتيار بند رهنا اور بعض کا هتيار رکهدينا ' امن کا نہيں جنگ کا موجب هے "

" يورپين سواحل کي سلامتي کي سب سے زياده آسان اور عملي صورت يه هے که برطانيا اپنے جنگي بيڑے کے ذريعه حفاظت کي ذمه داري لے لے - ورنه هر سلطنت اپني بحري قوت بڑها کر جنگ کا ايک اور خطره پيدا کردے - اگر برطانيا اس پر راضي هو جائے که اپنا جنگي بيڑا يورپ کي ضرورتوں کيليے وقف کرديگي تو بلا شک دنيا کا امن و امان يقيني هو جايگا - ليکن برطانيا يه اُسي وقت منظور کر سکتي هے جب تمام دول يورپ طے کر ليں که اپني مجموعي بحري قوت ' برطانيا کي بحري قوت سے کم کر دينگي "

" ترکي کو مستثنی کر دينے کے بعد روس هي ايک ايسي سلطنت هے جسکي سرحديں خشکي ميں يورپ سے ملتي هيں - روسي سرحديں بہت وسيع هيں اور بے شمار مشکلات کا سبب بني هوئي هيں - روس کا اپنے تمام پڑوسيوں سے جهگڑا هے - سب سے زياده اهم اُسکے سياسي اور اجتماعي جهگڑے هيں - پهر روس کي آبادي بهي بہت بڑي هے - جنگي طيارياں بهي عظيم هيں - اس سے بهي زياده خطرناک بات يه هے که اُس کي اصلي غرض تمام دنيا ميں انقلاب پيدا کرنا هے - روسي مدبر جيرت انگيز مستعدي سے انقلاب کي تخم ريزي کر رهے هيں - جو شخص يه خيال کرتا هے که روس اپنے مقاصد کي اشاعت امن و آشتي سے کرني چاهتا هے ' وه سخت فريب خورده هے - روس جنگ کو اپنے مقاصد کي کاميابي کا ايک هي ذريعه سمجهتا هے "

" روس سے مفاهمت کي صرف يهي ايک صورت هے که يورپ اُس کي سرحدوں کا احترام کرے اور وه يورپ کي سرحدوں کا "

" يورپ کو کسي حال ميں بهي روس پر حمله کا اراده نہيں کرنا چاهيے - نه اُس کے اندروني معاملات ميں کسي قسم کي مداخلت کرني چاهيے "

" يورپ کي داخلي سلامتي اُس وقت تک نا ممکن هے جب تک اُس کے موجوده سياسي نظام ميں کامل تبديلي نه هوجائے - يورپ کي حفاظت کے ليے کوئي نه کوئي نظام ضرور مرتب هونا چاهيے "

" يورپ سے اچانک هتيار رکها لينا نا ممکن هے - اِس معامله ميں پيش قدمي اُن سلطنتوں کو کرني چاهيے جو اِس کي زياده ضرورت محسوس کرتي هيں - جب يه سلطنتيں باهم ايک رائے پر متفق هو جائيں گي ' تو دوسري سلطنتيں بهي اُن کي پيروي پر مجبور هو جائيں گي - جنگي قوت کے اعتبار سے يورپ کي نو سلطنتيں زياده اهم هيں - اگر يه آپس ميں متحد الخيال هو جائيں تو تمام دول يورپ کو سر جهکا دينا پڑيگا جن کي تعداد اِس وقت ۲۵ - هے - مجلس اقوام يا دول عظمي ميں سے کسي ايک کو اِس مقصد کے ليے کانفرنس بلاني چاهيے - کانفرنس ميں حسب ذيل امور طے کرنے چاهئيں :

(۱) تمام دول يورپ پخته عهد کر ليں که اُن ميں سے کوئي کسي پر اعلان جنگ نه کرے گي -

(۲) هر باهمي نزاع مابين الاقوامي پنچائت کے سامنے فيصله کے ليے پيش کيا جايگا -

(۳) غير يورپين حملوں کے مقابله ميں تمام يورپ متحد هو جائيگا -

(۴) اگر اس معاهده پر دستخط کرنے والي ايک سلطنت ' دوسري پر حمله کرے گي ' تو تمام دول مل کر اُسے سزا ديں گي -

(۵) غير يورپين سلطنتوں سے دول يورپ نے جتنے معاهدے کر رکهے هيں ' سب منسوخ کر ديے جائيں "

ادبیات

تین ہزار سال پہلے کی شاعری

قدیم مصری شاعری

مصر، دنیا کے قدیم ترین تمدن کا مرکز ہو۔ یونان اور روم جبکہ جہل کی ظلمتوں میں لپٹے پڑے تھے، تو مصر میں علم و حکمت کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔

دنیا "توت آنخ آمون" کے نام سے واقف ہو چکی ہو حال ہی میں اس کا مقبرہ اور صحیح و سالم جثہ برآمد ہوا ہو۔ ہم اسی بادشاہ کے ایک عزیز بادشاہ کے زمانہ کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا نام "آمی نوتب" چہارم تھا۔ یہ "توت آنخ آمون" کا بہنوئی تھا، اور ۱۳۷۵ قبل مسیح میں مصر کے تخت پر حکمراں تھا۔

قدیم شاہان مصر میں اس بادشاہ کو خاص امتیاز حاصل ہو۔ اس کے عہد میں مصر کا تمدن اپنے پورے عروج تک پہنچا۔ مصر نے صرف مادی ترقی ہی نہیں کی تھی معنوی ترقی کے بھی کئی مرحلے طے کئے تھے۔ اس سے پہلے مصریوں میں طرح طرح کے توہمات عام تھے۔ عام اعتقاد تھا کہ مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ زندگی صرف اسی طرح مل سکتی ہو کہ اُس کی قبر پر شیطانوں کی تصویریں بنائی جائیں۔ میزوں پر کھانا پینا رکھا جائے۔ ننھی ننھی مورتیں اُس کے کفن میں بطور تعویزوں کے لٹکا دی جائیں۔ خیال تھا یہ سب چیزیں "کا" کو زندہ کر دیتی ہیں، اور "کا" زندہ ہو کر مُردے میں ازسر نو روح پھونک دیتا ہو۔ قدیم مصری زبان میں "کا" وہی چیز ہے جسے آجکل ہمزاد کہا جاتا ہو۔ اُن کا بھی عقیدہ تھا کہ ہمزاد ہمیشہ انسان کے ساتھ رہتا ہو۔ صرف موت اُسے جدا کر دیتی ہے۔ لیکن اگر مذکورۂ بالا چیزیں قبر میں مہیا کر دی جائیں تو ہمزاد کا تعلق مُردے سے باقی رہتا ہو اور کبھی نہ کبھی اُس کی دوبارہ زندگی کا باعث ہوتا ہو۔

"آمی نوتب چہارم" نے یہ تمام متوہمانہ عقائد باطل کر دیئے۔ اسی قدر نہیں بلکہ مصر کے تمام دینی عقائد بھی بدل ڈالے۔ ایک نیا مذہب ایجاد کیا۔ اور اُس کی بُنیاد آفتاب پرستی پر رکھی۔ پہلے مصریوں کا معبودِ اعظم "آمون" تھا۔ اس بادشاہ نے اُسے منسوخ کر کے "اخناتن" کی عبادت جاری کی۔ "اخناتن" دو مصری لفظوں سے مرکب ہو "اخنا" اور "آتن"۔ "اخنا" کے معنی ہیں روشنی اور نور۔ "آتن" کا اطلاق سورج پر ہوتا تھا لیس "اخناتن" کے معنی ہوئے "سورج کی روشنی"۔

اس بادشاہ کے عہد کے بہت سے آثار اور مقبرے برآمد ہوئے ہیں۔ ان مقبروں میں مذکورۂ بالا خرافات کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ ان میں نہ تو شیطانوں کی تصویریں ہیں، نہ چھوٹی چھوٹی مورتیں۔ نہ کھانے کے میز ہیں۔ ان میں جو کچھ ہو وہ بادشاہ اور ملکہ کے جلسوں اور جشنوں کی تصویریں ہیں، یا مصر کی روزمرہ کی زندگی کے مرقع ہیں۔ علمار مصریات کا خیال ہو کہ یہ آثار سب سے زیادہ قیمتی ہیں۔ کیونکہ یہ اُس عہد کی زندگی ہمارے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔

قدیم مصری نظم

اُسی عہد کے ایک قبرستان میں بہت سے اشعار کندہ ملے ہیں۔ یہ پڑھ لئے گئے ہیں۔ ان کا ترجمہ بھی ہو گیا ہو۔ یہ درحقیقت معبودِ اعظم "آتن" (آفتاب) کی تعریف و ستائش کے قصیدے ہیں لیکن یہ اس سے بھی بڑھ کر کچھ ہیں۔ یہ تین ہزار سال پہلے کی ترقی یافتہ انسانی ذہنیت دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ شعر، انسانی جذبات و قلبی کیفیات کا آئینہ ہوتا ہو۔ اس مصری شعر کے اندر موجودہ انسانیت، اپنی قدیم شکل دیکھ سکتی ہو۔ ذیل میں اُس کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

"آتن" کا جلال!

کیا دلفریب ہو تیرا ظہور افق آسمان میں!
اے روپہلے طباق! اے سرچشمۂ حیات!
ہر صبح ہم تجھے آسمان کے پورب میں دیکھتے ہیں
تو پوری زمین اپنے حسن سے معمور کر دیتا ہو!
تو ہی خوبصورت ہو، عظیم ہو، روشن ہو، زمین پر بلند ہو!
تیری شعاعیں تمام زمینوں کو اپنے دامنوں میں لئے ہوئے ہیں!
ہاں، تمام زمینوں کو لئے ہوئے، جنھیں تو ہی نے بنایا ہو!
اور تو ہی نے اُن پر انسانوں کو آباد کیا ہو!
ہاں، انسانوں کو، جنھیں تو ہی نے پیدا کیا ہو!
وہ انسان، جنھیں تو نے محبت کے بندھن سے جوڑ دیا!
کہتے ہیں، تو دُور ہو، بہت دُور ہو!
مگر تو دُور کہاں ہو؟ تیری شعاعیں تو زمین پر پھیلی ہوئی ہیں!
اے بلند تر! کیا دن کی تابناکی تیرا ہی ایک جلوۂ نورانی نہیں ہو؟

رات

اے بادشاہ! جب تو آسمان کے پچھم میں لیٹ جاتا ہو
تو سارے جہان پر موت کی تاریکی چھا جاتی ہو!
آدمی اپنے گھروں میں سو جاتے ہیں
منہ لپیٹے، بے حرکت، صرف سانس چلتی ہو!
کوئی کسی کو نہیں دیکھتا۔ آنکھیں بند ہوتی ہیں
اُنکے سرہانے چور کھڑا ہوتا ہو، مگر اُنھیں خبر نہیں!
شیر کچھار سے نکلتے ہیں، سانپ ڈنگنا شروع کرتے ہیں!
کیا ملکۂ ظلمت کی فرمانروائی نہیں؟
کیا دُنیا رعب سے سناٹے میں نہیں ہو؟
ہاں سب کا بنانے والا افق کی محل سرا میں محوِ خواب ہو!

دن اور انسان

یہ کیسی ہماہمی ہو؟
زمین مسرت سے کیوں اچھل رہی ہو؟
دیکھو بادشاہ کی سواری افق میں نمودار ہو گئی!
تو نے کائنات روشن کر دی!
تاریکی کا پتہ نہیں!
تو آسمان پر مگر تیری شعاعیں زمین پر!
یہ ہمارے بادشاہ کا جلال ہو!
آدمی خوشی سے اپنے پیروں پر کھڑے ہو گئے
تو نمودار ہوا اور زندگی کا آغاز ہوا!
سب نہا دھو کر گئے۔
سب کے ہاتھ مشرق کی طرف اُٹھ گئے۔
ہاں مشرق کی طرف، تیری راجدھانی کی طرف!
تیری بندگی کے بعد دُنیا کے کام شروع ہوئے!

دن اور حیوان و نبات

چوپائے چراگاہوں میں پہنچ گئے۔
درخت اور پودے کھلکھلانے لگے
چڑیاں بھی گھونسلوں سے اُڑ گئیں
پر اُٹھائے، تیری تسبیح کرتی ہوئیں!
ہر پرند اُڑ رہا ہے!
ہر کوئی تیری روشنی میں زندگی پا رہا ہو!

دن اور پانی

کشتیاں آنے جانے لگیں
اپنے مستول ہوا میں اُڑاتی ہوئیں!
سب راہیں تیرے نور سے روشن ہو گئیں!
مچھلیاں سطح پر دوڑ آئیں!
اے نور! وہ تیرے سجدے میں گر پڑیں!
تیری شعاعوں نے موجیں توڑ دیں!
سمندر کی تہ پر بچھ گئیں!

انسان کی پیدائش

تو ہی نے عورت سے انسان کو پیدا کیا!
تو ہی نے مرد میں زندگی کا تخم رکھا!
ماں کے پیٹ میں بچے کو زندگی تجھی سے ملی!
وہ نہ روتا ہو نہ گھبراتا ہو
رحم مادر میں پڑا سوتا ہو!
تیرا دستِ شفقت اُس پر دھرا ہو!
ماں کے پیٹ سے نکلتا ہو اور نور دیکھتا ہو!
تو اُس کا معصوم منہ کھول دیتا ہو!
تب وہ بولتا ہو!
پھر تو ہی اُس کی ضرورتیں پوری کرتا ہو
اے بادشاہوں کے بادشاہ! تیرا نام بڑا ہو!

حیوان کی پیدائش

مرغی کا انڈا!
اُس کے اندر بچہ!
یہ تیری ہی قدرت ہو!
زندگی، یہ تیری ہی صنعت ہو۔
تو ہی نے انڈے میں سانس ڈالی۔
دیکھو، بچہ باہر نکل آیا!

پُوری قوت سے چِلّاتا ہی،
خالق کی ستائش کرتا ہی!
اپنے پنجوں پر دَوڑتا پھرتا ہی!

دُنیا کی پَیدائش

تیری صنعتیں کیسی عجیب ہیں؟
ہماری عقل سے بھی بالا ہیں!
اے ایک اکیلے معبودا
تیری جیسی قوت کِس میں ہی؟
تونے زمین پَیدا کی جس طرح پَیدا کرنا چاہا!
تیرے اکیلے ہاتھوں نے زمین بنائی!
تونے آدمی اور چھوٹے بڑے حیوان پیدا کئے!
تمام زمین کی مخلوق، پَیروں سے چلنے والی!
تمام آسمان کی مخلوق، پَروں سے اُڑنے والی!
تونے سرزمین شام پیدا کی، نوبیا پیدا کیا!
توہی نے مصر کی سرزمین بھی پیدا کی!
ہر انسان کو اُس کی جگہ پر بسایا!
اُس کی زندگی کا سامان مہیا کردیا!

اُسے دَولت دی،
اُسپر مَوت لکھی،
سَب کی شکلیں الگ الگ،
سَب کی زبانیں جُدا جُدا،
کوئی کالا، کوئی گورا،
اے سب کے مالک! یہ سب تیرا ہی جلوہ ہی!

دَریائے نِیل

تونے دوسرے عالم میں نیل پیدا کیا،
اپنی پسند کے مطابق اُسے جاری کیا،
سب نے اُس سے اپنی زندگی پائی،
اے پروردگار! کمزوروں کے مددگار!
اے زمین کے ہر گھر کے مالک!
اے روزِ روشن کے آفتاب!
توہی نے سب کو پَیدا کیا،
توہی پہاڑوں پر موسلا دھار مینھ برساتا ہی،
پانی موجیں مارتا زمین پر بہتا ہی!
سب ملکوں میں آدمی اپنے کھیت سینچتے ہیں،
اے ابدیت کے مالک! تیرے کارنامے کیسے شاندار ہیں!
سب جانور بھی تیرے ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں
لیکن مصر کا نیل دوسری دُنیا سے آتا ہی!
تیری شعاعیں اُسپر پڑتی ہیں!
سبزہ لہلہا اُٹھتا ہی!
باغ جھومنے لگتے ہیں!
تیرا نور زندگی ہی!
تجھی سے کائنات باقی ہی!



بصائر و حکم

انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیرِ عالم اپنے اوقاتِ وفات میں

حُسین بن علی علیہما السّلام

۳

حضرتُ زینبؓ نے پامال لاش دیکھی

دوسرے دن عمر بن سعد نے میدان جنگ سے کوچ کیا۔ اہل بیت کی خاتونوں اور بچوں کو ساتھ لے کر کوفہ روانہ ہوگیا۔ قرہ بن قیس (جو شاہد عینی ہی) روایت کرتا ہی کہ ان عورتوں نے جب حضرت حسین اور اُن کے لڑکوں اور عزیزوں کی پامال لاشیں دیکھیں تو ضبط نہ کرسکیں اور آہ و فریاد کی صدائیں بلند ہوگئیں۔ میں گھوڑا دَوڑا کر اُنکے قریب پہونچا۔ میں نے کبھی اتنی حسین عورتیں نہیں دیکھی تھیں۔ مجھے زینب بنت فاطمہ (علیہما السلام) کا یہ بَین کسی طرح بھی نہیں بھُولتا "اے محمد! تجھ پر آسمان کے فرشتوں کا دَرود وسلام! یہ دیکھ حسین ریگستان میں پڑا ہے! خاک و خون سے آلودہ ہی! تمام بدن ٹکڑے ٹکڑے ہی! تیری بیٹیاں قیدی ہیں! تیری اولاد مقتول ہی! ہَوا اُن پر خاک ڈال رہی ہی!" راوی کہتا ہی دوست دشمن کوئی نہ تھا جو اُنکے بَین سے رونے نہ لگا ہو۔

(ابن جریر)

۷۲ سَر!

پھر تمام مقتولوں کے سَر کاٹے گئے۔ کُل ۷۲ سر تھے۔ شمر بن ذی الجوشن قیس بن الاشعث، عمرو بن الحجاج، عزرہ بن قیس، یہ تمام سر عبید اللہ بن زیاد کے پاس لے گئے۔

حضرت کا سَر ابن زیاد کے سامنے

حمید بن مسلم (جو خولی بن یزید کے ساتھ حضرت حسین کا سَر کوفہ میں لایا تھا) روایت کرتا ہی کہ حسین کا سَر ابن زیاد کے رُوبرو رکھا گیا۔ مجلس حاضرین سے لبریز تھی۔ ابن زیاد کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ چھڑی آپکے لبوں پر مارنے لگا۔ جب اُسنے بار بار یہی حرکت کی تو زید بن ارقم صحابی چِلّا اُٹھے: "ان لبوں سے اپنی چھڑی ہٹالے۔ قسم خدا کی، میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا ہی کہ رسول اللہ اپنے ہونٹ ان ہونٹوں پر رکھتے تھے اور ان کا بوسہ لیتے تھے" یہ کہکر وہ زار قطار رونے لگے۔ ابن زیاد خفا ہوگیا "خدا تیری آنکھوں کو رُلائے! واللہ اگر تو بڈّھا ہوکر سٹھیا نہ گیا ہوتا تو ابھی تیری گردن ماردیتا!" زید بن ارقم یہ کہتے ہوئے مجلس سے چلے گئے "اے عرب آج کے بعد سے تم غلام ہو! تم نے ابن فاطمہ کو قتل کیا۔ ابن مرجانہ (یعنی عبید اللہ) کو حاکم بنایا۔ وہ تمھارے نیک انسان قتل کرتا اور تمھارے شریروں کو غلام بناتا ہی۔ تم نے ذلت پسند کرلی۔ خدا اُنھیں مارے جو ذلت قبول کرتے ہیں!" (بعض روایات میں یہ واقعہ خود یزید کی طرف منسوب ہی مگر صحیح یہی ہی کہ ابن زیاد نے چھڑی ماری تھی)

ابن زیاد اور حضرت زینب

راوی کہتا ہی جب اہل بیت کی خاتونیں اور بچے عبید اللہ کے سامنے پہنچے تو حضرت زینب نے نہایت ہی حقیر لباس پہنا ہوا تھا۔ وہ پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ اُن کی کنیزیں اُنھیں اپنے بیچ میں لئے تھیں۔ عبید اللہ نے پوچھا "یہ کون بیٹھی ہی؟" اُنھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تین مرتبہ یہی سوال کیا مگر وہ خاموش رہیں۔ آخر اُن کی ایک کنیز نے کہا "یہ زینب بنت فاطمہ ہیں!" عبید اللہ شماتت کی راہ سے چِلّایا "اُس خدا کی ستائش جسنے تم لوگوں کو رُسوا اور ہلاک کیا، اور تمھارے نام کو بٹہ لگایا!" اسپر حضرت زینب نے جواب دیا "ہزار ستائش اُس خدا کے لئے جسنے ہمیں محمد صلعم سے عزت بخشی، اور ہمیں پاک کیا، نہ کہ جیسا تو کہتا ہی۔ فاسق رُسوا ہوتے ہیں۔ فاجروں کے نام کو بٹہ لگتا ہی!" ابن زیاد نے کہا "تونے دیکھا خدانے تیرے خاندان سے کیا سلوک کیا؟" حضرت زینب بولیں "اُن کی قسمت میں قتل کی مَوت لکھی تھی اس لئے وہ مقتل میں پہنچ گئے۔ عنقریب خدا تجھے اور اُنھیں ایک جگہ جمع کریگا اور تم باہم اُس کے حضور سوال وجواب کرلوگے!" ابن زیاد غضبناک ہوا۔ اُس کا غصہ دیکھ کر عمرو بن حریث نے کہا "خدا امیر کو سنوارے! یہ تو محض ایک عورت ہی۔ عورتوں کی بات کا خیال نہیں کرنا چاہئے"

پھر کچھ دیر بعد ابن زیاد نے کہا "خدانے تیرے سرکش سردار اور تیرے اہل بیت کے نافرمان باغیوں کی طرف سے میرا دل ٹھنڈا کردیا!" اسپر حضرت زینب اپنے تئیں سنبھال نہ سکیں۔ بے اختیار رو پڑیں۔ اُنھوں نے کہا: "واللہ تونے میرے سردار کو قتل کرڈالا! میرا خاندان مٹا ڈالا! میری شاخیں کاٹ دیں! میری جڑ اکھاڑ دی! اگر اِس سے تیرا دل ٹھنڈا ہوسکتا ہی تو ٹھنڈا ہوجائے!" ابن زیاد نے مُسکرا کر کہا "یہ شجاعت ہی! تیرا باپ بھی شاعر اور شجاع تھا!" زینب نے کہا "عورت کو شجاعت سے کیا سروکار؟ میری مصیبت نے مجھے شجاعت سے غافل کردیا ہی۔ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں، یہ تو دل کی آگ ہی!"

ابن زیاد اور امام زین العابدین

اِس گفتگو سے فارغ ہوکر ابن زیاد کی نظر زین العابدین علی بن الحسین پر پڑی۔ یہ بیمار تھے۔ ابن زیاد نے ان سے اُن کا نام پوچھا۔ اُنھوں

---

[1] بعض روایتوں میں ہی کہ حضرت انس نے یہ کہا تھا (منہاج السنہ)

نے کہا "علی بن الحسین" ابن زیاد نے تعجب سے کہا "کیا اللہ نے علی بن الحسین کو قتل نہیں کرڈالا؟" زین العابدین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ابن زیاد نے کہا "بولتا کیوں نہیں؟" اُنھوں نے جواب دیا "میرے ایک اور بھائی کا نام بھی علی تھا۔ لوگوں نے اُسے مارڈالا" ابن زیاد نے کہا "لوگوں نے نہیں، خدا نے مارا ہی!" اسپرزین العابدین نے یہ آیت پڑہی "اللہ یتوفی الانفس حین موتھا۔ وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ[1]!"

اسپر ابن زیاد چلایا "خدا تجھے مارے! تو بھی اُنھی میں سے ہی" پھر اُسکے بعد ابن زیاد نے چاہا، انہیں بھی قتل کرڈالے لیکن زینب بیقرار ہوکر چیخ اُٹھیں "میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں اگر تو مؤمن ہی اور اس لڑکے کو ضرور ہی قتل کرنا چاہتا ہی تو مجھے اِسی کے ساتھ مارڈال!" امام زین العابدین نے بلند آواز سے کہا "اے ابن زیاد! اگر تو اِن عورتوں سے اپنا ذرا بھی رشتہ سمجھتا ہی تو میرے بعد اُن کے ساتھ کسی متقی آدمی کو بھیجنا جو اسلامی معاشرت کے اصول پر اِن سے برتاؤ کرے" ابن زیاد دیر تک زینب کو دیکھتا رہا۔ پھر لوگوں سے مخاطب ہوکر کہنے لگا "رشتہ بھی کیسی عجیب چیز ہی؟ واللہ مجھے یقین ہی کہ یہ سچے دل سے لڑکے کے ساتھ قتل ہونا چاہتی ہی۔ اچھا، لڑکے کو چھوڑدو یہ بھی اپنے خاندان کی عورتوں کے ساتھ جائے" (ابن جریر کامل۔ وغیرہ)

ابن عفیف کا قتل

اس واقعہ کے بعد ابن زیاد نے جامع مسجد میں شہر والوں کو جمع کیا اور خطبہ دیتے ہوئے اُس خدا کی تعریف کی "جسنے حق کو ظاہر کیا، حق والوں کو فتحیاب کیا، امیرالمؤمنین یزید بن معاویہ اور اُن کی جماعت غالب ہوئی اور کذاب ابن کذاب حسین بن علی اور اُس کے ساتھیوں کو ہلاک کرڈالا...!" یہ سنکر عبداللہ بن عفیف ازدی (جو حضرت علی کے مشہور صحابی ہیں اور جنگ جمل وصفین میں زخمی ہوکر اپنی دونوں آنکھیں کھوچکے تھے) کھڑے ہوگئے اور چلائے "خدا کی قسم اے ابن مرجانہ! کذاب ابن کذاب تو تو ہی نہ کہ حسین بن علی" ابن زیاد نے یہ سنکر اُنھیں قتل کروادیا۔

یزید کے سامنے

اس کے بعد ابن زیاد نے حضرت حسین کا سر بانس پر نصب کرکے زحر بن قیس کے ہاتھ یزید کے پاس بھیجدیا۔ غاز بن ربیعہ کہتا ہی جس وقت زحر بن قیس پہونچا، میں یزید کے پاس بیٹھا تھا۔ یزید نے اُس سے سوال کیا "کیا خبر ہی؟" قاصد نے جواب دیا "فتح ونصرت کی بشارت لایا ہوں! حسین بن علی اپنے اٹھارہ اہل بیت اور ۶۰ حمایتوں کے ساتھ ہم تک پہنچے۔ ہم نے اُنھیں بڑھ کر روکا اور مطالبہ کیا کہ اپنے آپکو ہمارے حوالہ کردیں ورنہ لڑائی لڑیں۔ اُنھوں نے اطاعت پر لڑائی کو ترجیح دی چنانچہ ہمنے طلوع آفتاب کے ساتھ ہی اُن پر حملہ بول دیا۔ جب تلواریں اُنکے سروں پر پڑنے لگیں تو اس طرح ہر طرف بھاگنے اور جھاڑیوں اور گڑھوں میں چھپنے لگے جس طرح کبوتر، باز سے بھاگتے اور چھپتے ہیں۔ بھر ہمنے اُن سب کا قلع قمع کردیا۔ اسوقت اُنکے لاشے برہنہ پڑے ہیں۔ اُنکے کپڑے خون میں ترتبر ہیں۔ اُن کے رخسار غبار سے میلے ہورہے ہیں، اُن کے جسم دہوپ کی شدت اور ہوا کی تیزی سے خشک ہورہے ہیں۔ گِدوں کی خوراک بن گئے ہیں!"

یزید رونے لگا

راوی کہتا ہی یزید نے یہ سُنا تو اُس کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔ کہنے لگا "بغیر قتل حسین کے بھی میں تمھاری اطاعت سے خوش ہوسکتا تھا۔ ابن سمیہ (یعنی ابن زیاد) پر خدا کی لعنت! واللہ اگر میں وہاں ہوتا تو حسین سے ضرور درگذر کرجاتا۔ خدا حسین کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے!" قاصد کو یزید نے کوئی انعام نہیں دیا! (ابن جریر۔ کامل تاریخ کبیر ذہبی)

یزید کا تأثر

یزید کے غلام قاسم بن عبدالرحمن سے روایت ہی کہ جب حضرت حسین اور اُن کے اہل بیت کے سر یزید کے سامنے رکھے گئے تو اُسنے یہ شعر پڑہا:

یفلقن ہاما من رجال اعزۃ ... علینا وہم کانوا اعق واظلما

تلواریں ایسوں کے سر پھاڑتی ہیں جو ہمیں عزیز ہیں، حالانکہ دراصل وہی حق فراموش کرنے والے ظالم تھے۔

پھر کہا "واللہ اے حسین! اگر میں واں ہوتا تو تجھے ہرگز قتل نہ کرتا!"

اہل بیت دمشق میں

حضرت حسین کے سر کے بعد ابن زیاد نے اہل بیت کو بھی دمشق روانہ کردیا۔ شمر بن ذی الجوشن اور محفز بن ثعلبہ اس قافلے کے سردار تھے۔ امام زین العابدین راستہ بھر خاموش رہے۔ کسی سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ یزید کے دروازے پر پہنچکر محفز بن ثعلبہ چلایا "میں امیرالمؤمنین کے پاس فاجر کمینوں کو لایا ہوں!" یزید یہ سنکر خفا ہوا۔ کہنے لگا "محفز کی ماں سے زیادہ کمینہ اور شریر بچہ کسی عورت نے پیدا نہیں کیا!"

یزید اور امام زین العابدین

پھر یزید نے شام کے سرداروں کو اپنی مجلس میں بلایا۔ اہل بیت کو بھی بٹھایا اور امام زین العابدین سے مخاطب ہوا "اے علی! تمھارے ہی باپ نے میرا رشتہ کاٹا، میرا حق بھلایا، میری حکومت چھیننا چاہی اسپر خدا نے اُس کے ساتھ وہ کیا جو تم دیکھ چکے ہو"

امام زین العابدین نے جواب میں یہ آیت پڑہی: "ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرأھا ان ذلک علی اللہ یسیر لکیلا تأسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما آتاکم واللہ لا یحب کل مختال فخور[1]" یہ جواب یزید کو ناگوار ہوا۔ اُسنے چاہا اپنے بیٹے خالد سے جواب دلوائے۔ مگر خالد کے سمجھ میں کچھ نہ آیا تب یزید نے خالد سے کہا "کہتا کیوں نہیں" "ما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفو عن کثیر[2]"

پھر یزید دوسرے بچوں اور عورتوں کی طرف متوجہ ہوا۔ اُنھیں اپنے قریب بُلاکر بٹھایا۔ اُن کی ہیئت خراب ہورہی تھی۔ دیکھکر متاسف ہوا اور کہنے لگا "خدا ابن مرجانہ کا بُرا کرے! اگر تم سے اُس کا کوئی رشتہ ہوتا تو تمھارے ساتھ ایسا سلوک نہ کرتا، نہ اس حال سے تمھیں میرے پاس بھیجتا"

حضرت زینب کی بیباکانہ گفتگو

حضرت فاطمہ بنت علی سے مروی ہی کہ جب ہم یزید کے سامنے بٹھائے گئے تو اُسنے ہمپر ترس ظاہر کیا۔ ہمیں کچھ دینے کا حکم دیا۔ بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ اسی اثنا میں ایک سرخ رنگ کا شامی کھڑا ہوا اور کہنے لگا "امیرالمؤمنین! یہ لڑکی مجھے عنایت کردیجئے" اور میری طرف اشارہ کیا۔ اُسوقت میں کمسن اور خوبصورت تھی۔ میں خوف سے کانپنے لگی اور اپنی بہن زینب کی چادر پکڑلی۔ وہ مجھ سے بڑی بھی تھیں، زیادہ سمجھدار تھیں، جانتی تھیں یہ بات ہونہیں سکتی۔ اُنھوں نے چلا کر کہا "تو کمینہ ہی۔ نہ تجھے اِس کا اختیار ہی نہ اسے (یزید کو) اسکا حق ہی!" اس جرأت پر یزید کو غصہ آگیا۔ کہنے لگا "تو جھوٹ بکتی ہی واللہ مجھے یہ حق حاصل ہی۔ اگر چاہوں تو ابھی کرسکتا ہوں" زینب

---

[1] خدا ہی موت کے وقت جانیں لیتا ہی۔ کوئی بھی بغیر اس کی اذن کے مر نہیں سکتا۔

[1] تمھاری کوئی مصیبت بھی نہیں جو پہلے سے لکھی نہ ہو۔ یہ خدا کے لئے بالکل آسان ہی۔ یہ اِس لئے کہ نقصان پر تم افسوس کرو اور فائدہ پر مغرور نہ ہو۔ خدا مغروروں اور فخر کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہی۔ [2] جو مصیبت بھی آتی ہی خود تمھارے اپنے ہاتھوں آتی ہی۔ اور بہت سی غلطیاں تو خدا معاف کردیتا ہی۔

نے کہا "ہرگز نہیں! خدا نے تمھیں یہ حق ہرگز نہیں دیا۔ یہ بات دوسری ہو کہ تم ہماری ملت سے نکل جاؤ اور ہمارا دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیا کر لو" یزید اور بھی زیادہ خفا ہوا۔ کہنے لگا "دین سے تیرا باپ اور تیرا بھائی نکل چکا ہو!" زینب نے بلا تأمل جواب دیا "اللہ کے دین ہی، میرے باپ کے دین سے، میرے بھائی کے دین سے، میرے نانا کے دین سے تو نے، تیرے باپ نے، تیرے دادا نے ہدایت پائی ہو!" یزید چلایا "اے دشمن خدا! تو جھوٹی ہو!" زینب بولیں "تو زبردستی حاکم بن بیٹھا ہو۔ ظلم سے گالیاں دیتا ہو۔ اپنی قوت سے مخلوق کو دباتا ہو!"

حضرت فاطمہ بنت علی کہتی ہیں یہ گفتگو سنکر شاید یزید شرمندہ ہو گیا۔ کیونکہ پھر کچھ نہ بولا۔ مگر وہ شامی پھر کھڑا ہوا اور وہی بات کہی۔ اس پر یزید نے غضبناک آواز میں اُسے ڈانٹ بتائی "دُور ہو کمبخت! خدا تجھے موت کا تحفہ بخشے!"

یزید کا مشورہ کرنا

دیر تک خاموشی رہی۔ پھر یزید شامی رؤسا و اُمرا کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا "ان لوگوں کے بارے میں کیا مشورہ دیتے ہو؟" بعضوں نے سخت کلامی کے ساتھ بدسلوکی کا مشورہ دیا مگر نعمان بن بشیر نے کہا "انکے ساتھ وہی کیجیے جو رسول اللہ صلعم انھیں اس حال میں دیکھ کر کرتے" حضرت فاطمہ بنت حسین نے یہ سنکر کہا "اے یزید! یہ رسول اللہ کی لڑکیاں ہیں!" اس نسبت کے ذکر سے یزید کی طبیعت بھی متاثر ہوگئی۔ وہ اور درباری اپنے آنسو نہ روک سکے۔ بالآخر یزید نے حکم دیا کہ انکے قیام کے لئے علیحدہ مکان کا انتظام کر دیا جائے۔

یزید کی بیوی کا غم

اس اثنا میں واقعہ کی خبر یزید کے گھر میں عورتوں کو بھی معلوم ہوگئی۔ ہند بنت عبداللہ یزید کی بیوی نے منہ پر نقاب ڈالا اور باہر آکر یزید سے کہا "امیر المومنین! کیا حسین بن فاطمہ بنت رسول اللہ کا سر آیا ہو؟" یزید نے کہا "ہاں! تم خوب رو، بین کرو، رسول اللہ کے نواسے اور قریش کے اصیل پر ماتم کرو۔ ابن زیاد نے بہت جلدی کی قتل کر ڈالا، خدا اُسے بھی قتل کرے!"

"حسین کی اجتہادی غلطی!"

اس کے بعد یزید نے حاضرین مجلس سے کہا "تم جانتے ہو یہ سب کس بات کا نتیجہ ہو؟ یہ حسین کے اجتہادی غلطی کا نتیجہ ہو۔ اُنھوں نے سوچا میرے باپ یزید کے باپ سے افضل ہیں۔ میری ماں یزید کی ماں سے افضل ہو۔ میرے نانا یزید کے نانا سے افضل ہیں، اور میں خود بھی یزید سے افضل ہوں، اس لئے حکومت کا بھی یزید سے زیادہ مستحق ہوں۔ حالانکہ اُن کا یہ سمجھنا کہ اُن کے والد میرے والد سے افضل تھے صحیح نہیں۔ علی اور معاویہ نے باہم جھگڑا کیا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ کس کے حق میں فیصلہ ہوا؟ رہا اُن کا یہ کہنا کہ اُن کی ماں میری ماں سے افضل تھی، تو بلاشبہ یہ ٹھیک ہو۔ فاطمہ بنت رسول اللہ میری ماں سے کہیں افضل ہیں۔ اسی طرح اُن کا یہ کہنا کہ اُن کے نانا، میرے نانا سے افضل تھے تو قسم خدا کی، کوئی بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والا رسول اللہ سے افضل بلکہ رسول اللہ کے برابر کسی انسان کو نہیں سمجھتا۔ حسین کے اجتہاد نے غلطی کی۔ وہ یہ آیت بالکل بھول گئے: قل اللھم مالک الملک، تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء، بیدک الخیر، انک علی کل شیء قدیر" (ایضاً)

پھر اہل بیت کی خواتین، یزید کے محل میں پہونچائی گئیں۔ خاندان معاویہ کی عورتوں نے انھیں اس حال میں دیکھا تو بے اختیار رونے پیٹنے لگیں۔

یزید کی سعی تلافی

پھر یزید آیا تو فاطمہ بنت حسین نے اُس سے کہا "اے یزید! کیا رسول اللہ کی لڑکیاں کنیزیں ہوگئیں؟" یزید نے جواب دیا "اے میرے بھائی کی بیٹی! ایسا کیوں ہونے لگا؟" فاطمہ نے کہا "بخدا ہمارے کان میں ایک بالی بھی نہیں چھوڑی گئی" یزید نے کہا "تم لوگوں کا جتنا گیا ہو، اُس سے کہیں زیادہ میں تمھیں دوں گا" چنانچہ جسنے اپنا جتنا نقصان بتایا، اُس سے دوگنا تگنا دیدیا گیا۔

یزید کا دستور تھا روز صبح شام کے کھانے میں علی بن حسین کو اپنے ساتھ شریک کیا کرتا۔ ایک دن حضرت حسن کے کمسن بچے عمرو کو بھی بلایا اور ہنسی سے کہنے لگا "تو اس سے لڑیگا؟" اور اپنے لڑکے خالد کی طرف اشارہ کیا۔ عمرو بن حسن نے اپنے بچپنے کے بھولے پن میں جواب دیا "یوں نہیں۔ ایک چھری مجھے دو، اور ایک چھری اسے دو، پھر ہماری لڑائی دیکھو!" یزید کھلکھلا کر ہنس پڑا اور عمرو بن حسن کو گود میں اُٹھا کر سینے سے چمٹا لیا اور کہا "سانپ کا بچہ بھی سانپ ہی ہوتا ہو!"

یزید کی "زود پشیمانی"

یزید نے اہل بیت کو کچھ دن اپنا مہمان رکھا۔ اپنی مجلسوں میں اُن کا ذکر کرتا اور بار بار کہتا "کیا حرج تھا اگر میں خود تھوڑی سی تکلیف گوارا کر لیتا حسین کو اپنے گھر میں اپنے ساتھ رکھتا۔ اُن کے مطالبہ پر غور کرتا، اگرچہ اس کی وجہ سے میری قوت میں کچھ کمی ہی کیوں نہ پڑ جاتی۔ لیکن اس سے رسول اللہ صلعم کے حق اور رشتہ داری کی تو حفاظت ہوتی۔ خدا کی لعنت ابن مرجانہ (یعنی ابن زیاد) پر جسنے حسین کو لڑائی پر مجبور کیا۔ حسین نے کہا تھا میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیں گے یا مسلمانوں کی سرحدوں پر جا کر جہاد میں مصروف ہوجائیں گے۔ مگر ابن زیاد نے اُن کی کوئی بات بھی نہیں مانی۔ اور قتل کر ڈالا۔ اُن کے قتل نے تمام مسلمانوں میں مجھے مبغوض بنا دیا۔ خدا کی لعنت ابن مرجانہ پر! خدا کا غضب ابن مرجانہ پر!"

اہل بیت کو رخصت کرنا

پھر جب اہل بیت کو مدینہ بھیجنے لگا تو امام زین العابدین سے ایک مرتبہ اور کہا "ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت! واللہ اگر میں حسین کیساتھ ہوتا اور وہ میرے سامنے اپنی کوئی شرط بھی پیش کرتے تو میں اُسے ضرور منظور کر لیتا۔ میں اُن کی جان ہر ممکن ذریعہ سے بچاتا اگرچہ ایسا کرنے میں خود میرے کسی بیٹے کی جان چلی جاتی۔ لیکن خدا کو وہی منظور تھا جو ہوچکا۔ دیکھو، مجھ سے برابر خط کتابت کرتے رہنا، جو ضرورت بھی پیش آئے، مجھے خبر دینا" بعد میں حضرت سکینہ برابر کہا کرتی تھیں "میں نے کبھی کوئی ناشکر انسان یزید سے زیادہ اچھا سلوک کرنے والا نہیں دیکھا!"

اہل بیت کی فیاضی

یزید نے اہل بیت کو اپنے ایک معتبر آدمی اور فوج کی حفاظت میں رخصت کر دیا۔ اس شخص نے راستہ بھر ان مصیبت زدوں سے اچھا برتاؤ کیا۔ جب یہ منزل مقصود پر پہنچ گئے تو حضرت زینب بنت علی اور حضرت فاطمہ بنت حسین نے اپنی چوڑیاں اور کنگن اُسے بھیجے اور کہا "یہ تمھاری نیکی کا بدلہ ہو۔ ہمارے پاس کچھ نہیں ہو کہ تمھیں دیں" اُس شخص نے زیور واپس کر دئیے اور کہلایا "واللہ میرا یہ برتاؤ کسی دنیاوی طمع سے نہیں تھا۔ رسول اللہ صلعم کے خیال سے تھا!"

مدینہ میں ماتم

اہل بیت کے آنے سے بہت پہلے مدینہ میں یہ جانگسل خبر پہنچ چکی تھی۔ بنی ہاشم کی خاتونوں نے سنا تو گھروں سے چلاتی ہوئی نکل پڑیں۔ حضرت عقیل بن ابی طالب کی صاحبزادی آگے آگے تھیں اور یہ شعر پڑھتی جاتی تھیں:

ماذا تقولون ان قال النبی لکم ... ماذا فعلتم وانتم آخر الامم؟

کیا کہو گے جب نبی تم سے سوال کریں گے کہ اے وہ جو سب سے آخری امت ہو!

بعترتی وباھلی بعد مفتقدی ... منھم اساری ومنھم ضرجوا بدم

تم نے میری اولاد اور خاندان سے میرے بعد یہ کیا سلوک کیا کہ ان میں سے بعض قیدی ہیں اور بعض خون میں نہائے پڑے ہیں!

مرثیہ

حضرت حسین کی شہادت پر بہت سے لوگوں نے مرثئے کہے۔ سلیمان بن قتہ کا مرثیہ بہت زیادہ مشہور ہوا۔

مررت علی ابیات آل محمد ... فلم ارھا کعھدھا یوم حلت

میں خاندان محمد کے گھروں کی طرف سے گزرا مگر وہ کبھی ویسے نہ تھے جیسے اُس دن جب ان کی حرمت توڑی گئی!

فلا یبعد اللہ الدیار واھلھا ... وان اصبحت من اھلھا قد تخلت

خدا ان مکانوں اور مکینوں کو دُور نہ کرے! اگرچہ وہ اب اپنے مکینوں سے خالی پڑے ہیں!

وان قتیل الطف من آل ھاشم ... اذل رقاب المسلمین فذلت!

کربلا میں ہاشمی مقتول کے قتل نے مسلمانوں کی گردنیں ذلیل کر ڈالیں!

وکانوا رجاء ثم صاروا رزیۃ ... لقد عظمت تلک الرزایا وجلت!

ان مقتولوں سے دنیا کی اُمیدیں وابستہ تھیں مگر وہ مصیبت بن گئے۔ آہ! یہ مصیبت کتنی بڑی اور کتنی سخت ہو!

الم تر ان الارض اضحت مریضۃ ... لفقد حسین والبلاد اقشعرت

کیا تم نہیں دیکھتے کہ زمین حسین کے فراق میں بیمار ہو اور دُنیا کانپ رہی ہو؟

وقد اعولت تبکی السماء لفقدہ ... وانجمھا ناحت علیہ وصلت

آسمان بھی اُس کی جدائی پر روتا ہو۔ ستارے بھی ماتم کرتے اور سلام بھیجتے ہیں!

بریدِ فرنگ

مکتوب امریکہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم واشنگٹن کے قلم سے)

آمریکہ میں تمدنی اور صناعی ترقی کے افراط کا ردِّ فعل۔ آمریکہ کی عورتیں زندگی سے بیزار ہو رہی ہیں اس لئے کہ زندگی کی نسوانی مسرتیں ناپید ہو گئی ہیں!

آمریکہ عجائب و غرائب کی دنیا ہے، تجارت، صنعت و حرفت، دولت، علم کی ایسی فراوانی ہے کہ اُس کا تصور بھی بیرونی دنیا کے لئے مشکل ہوگا۔ دنیا کا عام خیال یہ ہے کہ دولت اور مادی طاقت حاصل ہو جائے تو دنیوی زندگی کی تمام راحتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ پھر کیا آمریکہ میں...... زندگی کی راحتیں حاصل ہیں؟ کیا آمریکن مسرتِ حیات کی جستجو سے فارغ ہو گئے ہیں؟

مجھے بغیر کسی تأمل کے جواب دینا ہے کہ نہیں!

قوموں کی اجتماعی زندگی کا مرکزی نقطہ عورت ہے۔ اسی کی زندگی سے ہم سوسائٹی کی اجتماعی حالت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ عورت، انسانی سوسائٹی کی نبض ہے۔ قومی مزاج کا پورا حال، اس نبض پر انگلی رکھنے سے آشکارا ہو جاتا ہے۔ عورت، قوموں کی سعادت و شقاوت کا آئینہ ہے وہ پوری قوم کو اپنے وجود میں پیش کرتی ہے!

آمریکہ کی موجودہ اجتماعی زندگی کے سکون یا اضطراب کا اندازہ کرنے کے لئے ہمیں سب سے پہلے "آمریکن عورت کی دماغی سیرۃ پر نظر ڈالنی چاہئے۔

چند دن ہوئے مڈل وسٹ میں ایک کمیٹی گئی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اُن اسباب کی تحقیق کرے جنھوں نے تیس سال سے ۴۵ سال کی عمر والی شادی شدہ عورتوں کو اپنی موجودہ زندگی سے بیزار کر رکھا ہے اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ ۹۳ صفحوں میں شائع کی ہے۔ تمام اسباب و حالات پر بحث کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ "آمریکن عورت، علم کے ہاتھوں پریشان ہے!"

اس اجمال کی مختصر تشریح حسب ذیل ہے:

امریکن دلہن

شہروں کو چھوڑ کر قصبوں کا بھی یہ حال ہے کہ آمریکن دلہن اپنے نئے گھر میں پہنچتی ہے تو علم و فضل سے آراستہ ہوتی ہے۔ وہ اچھی طرح اُن علمی و صناعی آلات کے استعمال سے واقف ہوتی ہے جن سے اُسے اپنا گھر چلانا ہے آمریکہ کی گھریلو زندگی میں بھی کلیں داخل ہو گئی ہیں۔ بہت کم کام عورت کو اپنے ہاتھ سے کرنا پڑتا ہے۔ تمام کام آلات سے لئے جاتے ہیں جن میں ایک طرف تو محنت کم ہوتی ہے دوسری طرف وقت بھی بہت بچتا ہے۔ گھر میں روز کے مشکل کام، گھر کی صفائی، برتنوں کی دھلائی کھانا پکانا، کپڑے دھونا ہیں۔ لیکن ان کاموں میں عورت کو بہت کم محنت کرنا پڑتی ہے۔ مشینیں اور آلات اُس کی خدمت کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ عورت جلد ان سے فارغ ہو جاتی ہے۔ اگر گھر میں بچے نہیں ہیں تو ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہتی ہے۔

وہ سوچتی ہے "اب میں کیا کروں؟" اُسے اخبار کا خیال آتا ہے اخبار پڑھنے لگتی ہے، پھر رسالے دیکھتی ہے۔ پھر کتابیں مطالعہ کرتی ہے۔ مگر کب تک؟ تھک جاتی ہے۔ اب سوچتی ہے "کیا کروں؟" اس سوال کا اُسے کوئی جواب نہیں ملتا۔ جماہیاں لیتی ہے۔ اونگھنے لگتی ہے۔ سو جاتی ہے۔ مگر جاگتے ہی پھر یہی بھیانک سوال اُس کے سامنے آموجود ہوتا ہے اور وہ کوئی جواب نہیں پاتی!

"آہ! میری مسرت!" وہ ٹھنڈی سانس لے کر کہتی ہے "میری شادی تو ہو گئی، مگر میری مسرت کہاں ہے؟" وہ اپنے شوہر کا خیال کرتی ہے۔ شوہر اُس کی نظر کے سامنے کہاں ہے؟ وہ تو اپنے دفتر میں بیٹھا ہے اور اپنی بیوی کی طرف سے بالکل غافل تجارتی حساب میں مستغرق ہے! عورت سوچتی ہے "میرے شوہر کو کبھی مجھ سے محبت تھی؟ ممکن ہے کبھی ہو، مگر اب تو اُسے محبت پر غور کرنے کی مہلت ہی کہاں ہے؟ اب اُس کی تجارتی زندگی نے کامیابی کا مُنہ دیکھ لیا ہے۔ اب تو اُسے بیوی کی جگہ "ڈالر" (امریکن سکہ) سے محبت ہے۔ ہفتہ کے ۶ دن تجارت میں منہمک رہتا ہے۔ گھر میں آتا ضرور ہے۔ مگر اس قدر متفکر، اس قدر پراگندہ خاطر، اس قدر خستہ، کہ اُسے اپنی "قدیم محبوبہ" سے ملاطفت کا خیال بھی نہیں ہوتا۔ اُس کا جسم گھر میں ہوتا ہے، دماغ دفتر میں۔ باتیں بیوی سے کرتا ہے، خیال حساب میں ہوتا ہے۔ بیوی ضبط کرتی ہے اور ضبط کرتی ہے۔ بے صبری سے اتوار کا انتظار کرتی ہے۔ لو اتوار بھی آگیا! مگر شوہر اس کے پہلو میں نظر نہیں آتا۔ آج اتوار ہے، وہ میدان میں "گلوو" یا "فٹ بال" کھیل رہا ہے۔ ہفتہ کے ۶ دن سخت دماغی کام کیا ہے۔ آج اپنی "تندرستی" کا حق ادا کر رہا ہے!" مگر اُس کی بدنصیب بیوی کا حق؟ بیوی کا حق تو "ڈالر" "تجارت" اور "تندرستی" کی چکی میں پڑ کر پس گیا!

بیوی کا دل گھر سے اُچاٹ ہو جاتا ہے۔ میدانوں، تماشہ گاہوں اور کلب گھروں کی راہ لیتی ہے۔ مگر بالکل عبث۔ گھر میں تسلی نہیں ملی۔ دوسری جگہ کب مل سکتی ہے؟

علم حقائق اشیاء

آمریکہ کی سب سے زیادہ قابل فخر درسگاہیں، مشترک زنانہ مردانہ یونی ورسٹیاں ہیں۔ لیکن امریکن عورت کی خانگی شقاوت کی بنیادیں بھی یہیں ملتی ہیں۔ یہاں عورت اپنی زندگی کے بہترین تین چار سال گذارتی ہے۔ وہ کیا سیکھتی ہے؟ اعلیٰ دقیق علوم: فلسفہ، علم النفس، علم الحیاۃ وغیرہ وغیرہ جو اُسکی جنسی زندگی میں ہرگز کوئی کام نہیں دیتے۔ ایک دن میں نے ایک خوبصورت دوشیزہ سے سوال کیا "تم یہ علوم کیوں پڑھتی ہو؟" اُسنے فوراً جواب دیا "حقائق اشیاء معلوم کرنے کے لئے!" لیکن اب "حقائق اشیاء" کا یہ قیمتی علم بلائے جان ہو گیا ہے!

آمریکہ کے تمام جوان مرد اور عورتیں اسی حقائق اشیاء کے جنون میں مبتلا ہیں۔ پھر یہ حقائق "علمی اصول" پر معلوم ہونے چاہئیں! وہ زندگی کی ہر بات "علمی مسئلہ" کی شکل میں دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں اور ہر علمی مسئلہ، محل بحث و نظر ہے! محبت، شادی، اولاد، محنت خانہ داری، کھیل، یہ سب اپنی جگہ پر "حقائق" ہیں، "علمی مسائل" ہیں۔ علم الحیاۃ اور علم الاقتصاد کے اصول پر انھیں حل ہونا چاہئے! پھر وہ حل بھی ایسا ہو جو ہر اعتبار سے علمی و منطقی ہو! یہی سبب ہے کہ آمریکہ میں جرأت کی مثالیں کم ملتی ہیں۔ آمریکن نوجوان اُسی کام میں جرأت دکھاتا ہے، جسمیں جرأت کرنا اقتصادی حیثیت سے مفید ہو۔ آمریکہ کی یہ مشترک یونیورسٹیاں اس لئے وجود میں آئی ہیں کہ "مرد اور عورت کی تفریق باطل ہو جائے" یہ قول ایک یونیورسٹی کی خاتون پرنسپل کا ہے۔ ایک مشہور فرنچ پروفیسر کے سامنے میں نے یہ قول نقل کیا، تو وہ چلا اُٹھا "اُف، ناقابل تصور سنگدلی ہے!"

زندگی کے قدرتی جذبات کی لطافت کی جگہ اب ایک سراپا صناعی اور آلاتی زندگی ہے جسمیں آمریکہ کا ہر فرد مبتلا ہو گیا ہے!

ناول اور افسانے

میں نے بہت سی یونی ورسٹیوں کے کتب خانوں کی سیر کی۔ مجھے یہ دیکھکر سخت حیرت ہوئی کہ اُن کی فہرستیں ناولوں اور افسانوں سے تقریباً خالی ہیں۔ اقتصادیات، طبیعیات، فلسفہ، نفسیات غرضکہ دقیق علوم کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ آمریکن نوجوان زیادہ زیادہ تر یہی خشک کتابیں پڑھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رقیق جذبات اُن میں بہت کم ہو گئے ہیں۔ مادی اور فلسفی ہو کر رہ گئے ہیں۔ روح اور قلب کی قوتیں دب گئی ہیں۔

مہارت فنی کا غلو

پھر آمریکہ کی خانگی زندگی کو تلخ بنانے والی ایک چیز اور بھی ہے۔ مرد کی تعلیم عام طور پر کسی ایک خاص علم و فن ہی کی ہوتی ہے تاکہ کسی ایک پیشہ میں درجۂ اختصاص حاصل ہو جائے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اگر اُسکی بیوی بھی اُس خاص فن میں ماہر نہیں ہوتی جسمیں اُس کے شوہر نے مہارت حاصل کی ہے، تو دونوں کی زندگی میں بے لطفی بلکہ تلخی پیدا ہو جاتی ہے۔ شوہر کا دماغی رجحان اور بیوی کا دماغی رجحان باہم مختلف ہو جاتا ہے۔ دونوں اپنی صحبتوں کے لئے کوئی دلچسپ موضوع بحث نہیں پاتے۔ رسمی گفتگو کے بعد اپنے اپنے خیالات میں غرق ہو جاتے ہیں۔ اُسوقت عورت کو محسوس ہوتا ہے کہ اُسنے جو تعلیم یونی ورسٹی میں حاصل کی تھی، بے فائدہ نکلی۔ وہ افسوس کرتا [illegible] ہے۔ مگر افسوس کرنے سے خانگی مسرت حاصل نہیں ہو سکتی!

قبل از وقت شادی

ان مشترک تعلیم گاہوں نے ایک اور سخت مضرت بھی پیدا کر دی ہے۔ نوجوان مرد اور عورتیں ایک ساتھ تعلیم حاصل کرتے ہیں، اور اُن میں بتدریج دوستی پیدا ہو جاتی ہے۔ دوستی محبت کی شکل اختیار کرتی ہے۔ اور محبت کا نتیجہ شادی ہوتا ہے۔ یہ کچھ بُرا نہ تھا، اگر ایسی عمر میں ہوتا جو پختہ کاری کی عمر ہے۔ لیکن حالت یہ ہے کہ اکثر شادیاں ۱۹ اور ۲۱ برس کی عمر میں ہو جاتی ہیں، اور اس نئے سخت مشکلات کا پیش خیمہ بنجاتی ہیں۔ مرد اور عورت دونوں عملی زندگی کی ازدواجی ذمہ داریوں سے بے خبر ہوتے ہیں۔ بلکہ دونوں ہنوز طالب العلم ہوتے ہیں۔ گھر میں چار چار بچے کھیلتے ہوتے ہیں مگر اُن کے ماں اور باپ دونوں یونیورسٹی کے کمروں میں اساتذہ کے سامنے بیٹھے ہوتے ہیں! اس صورتِ حال سے جو پریشانیاں پیدا ہو سکتی ہیں، محتاج بیان نہیں۔ لیکن تعجب ہے آمریکہ کے عقلاء اس کا سدّباب نہیں کرتے بلکہ

ایسے پسند کرتے ہیں اور اس کی ہمت افزائی کرنے میں بھی مضائقہ نہیں کرتے۔ امریکہ کے بوڑھوں میں یہ مقولہ عام ہے" نوجوانوں کو چھوڑ دو کہ ساتھ بڑھیں لکھیں، ساتھ پڑھیں لکھیں، بچپن ہی سے باہم محبت کریں اور اپنی نسل بڑھتے دیکھیں!"

امریکن عورت کی روزمرہ کی زندگی

مردوں کی طرح عورتوں کی زندگی بھی روپیہ کمانے اور خرچ کرنے میں بسر ہوتی ہے۔ بازاروں میں کپڑے کی اکثر بڑی دوکانوں پر جلی حروف میں یہ عبارت لکھی نظر آئے گی " یہاں عورتوں کو کپڑے سینے کی مفت تعلیم دیجاتی ہے" جا بجا سائن بورڈوں پر یہ الفاظ پڑھو گے " یہاں علم تدبیر منزل (خانہ داری) پر لکچر مفت سنائے جاتے ہیں"۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ امریکن عورت بالکل بے کار نہیں رہتی وہ اپنی خانگی زندگی میں تو ضرور بدنصیب ہوتی ہے، مگر برابر علمی و صنعتی ترقی کر رہی ہے۔ لیکن دراصل اسی ترقی نے اُسے مسرت سے محروم بھی کر رکھا ہے۔

امریکن عورت، بہت مسرف ہوتی ہے۔ اس کا ثبوت ہر روز بازار میں دیکھا جا سکتا ہے۔ دوکانیں عورتوں سے لبریز رہتی ہیں۔ دوکانداروں کا اپنے اعلانوں میں خطاب عموماً عورتوں ہی سے ہوتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں مردوں کو خرید و فروخت کی مہلت نہیں۔ مرد روپیہ کمانا جانتے ہیں، خرچ کرنا نہیں جانتے۔ عورتیں اُن کی ہفتہ بھر یا مہینہ بھر کی آمدنی پر قابض ہو جاتی ہیں اور بازاروں میں آ کر بے دریغ خرچ کر ڈالتی ہیں۔ عورتوں کے اسراف کا اندازہ صرف اتنی بات سے کیا جا سکتا ہے کہ گزشتہ دس سال کے اندر منھ پر ملنے والے روغنوں کی فروخت میں فی صدی دو ہزار کا اضافہ ہو گیا ہے!

زنانہ کلب

امریکہ کے زنانہ کلب، دنیا میں اپنی نظیر آپ ہی ہیں۔ بڑے ہی شاندار، خوبصورت، اور جدید ترین سامان سے آراستہ ہوتے ہیں۔ عورت چونکہ گھر میں شوہر کو نہیں پاتی، اور دلچسپی سے محروم ہوتی ہے، اس لئے اپنا زیادہ وقت کلب ہی میں گزارتی ہے۔ عام دستور یہ ہے کہ عورت اپنے شوہر کو موٹر میں بٹھا کر اس کے دفتر میں چھوڑ آتی ہے اور باقی پورا دن کلب میں صرف کرتی ہے۔ شام کو پھر موٹر میں بیٹھی ہوئی شوہر کو دفتر سے لے آتی ہے۔ دونوں رات کا کھانا عموماً ہوٹل میں کھاتے ہیں اور رات گھر آ کر سو رہتے ہیں!

سب سے زیادہ زنانہ کلب مڈل ویسٹ میں ہیں۔ یہ کلب بہت ہی آراستہ اور مفید ہیں۔ لیکن اُن کا عیب بھی بہت بڑا ہے کہ عورت سے غور و فکر کی قوت سلب کر لیتے ہیں اور اس کے دماغ میں اس قدر معلومات ٹھونس دیتے ہیں کہ وہ اُنھیں ہضم نہیں کر سکتی اور دماغی بدہضمی میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ دن بھر کلب گھروں میں علمی تقریریں ہوتی رہتی ہیں۔ ایک دن میں نے شکاگو کے ایک زنانہ کلب میں چار مختلف مضمونوں پر لکچر سُنے۔ مضمون یہ تھے:

(۱) مرد کا کام اپنے گھر میں

(۲) غذا کی تاثیر جسم انسانی پر

(۳) موجودہ ادبیات اور خوارق عادات

(۴) سحر و ساحری کی حقیقت۔

میں نے بڑے غور سے لکچر سُنے تھے۔ آخر میں سوچنے لگا میں نے کیا سُنا تھا؟ باوجود سخت کوشش کے میں اس کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ کیونکہ دماغ مختل ہو چکا تھا۔ صرف دو باتیں حافظہ میں محفوظ رہ گئی تھیں۔ ایک یہ کہ دوپہر کو کھانا نہیں کھانا چاہئے۔ دوسرے یہ کہ دنیا کی موجودہ اقتصادی حالت ایسی ہو گئی ہے کہ انسان، دولت جمع کرنے کا آلہ بن گیا ہے۔ صرف ایک دن میں میرا یہ حال ہوا لیکن اُن ...

بریدِ شرق

مکتوبِ انگورہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم انگورہ کے قلم سے)

شورائے دولت۔ ترکی ڈاکٹر کی تحقیقات۔ وزیر خارجیہ کی تصریحات۔ ترکی پارلیمنٹ۔ ترکی عورت اور حق انتخاب۔ برطانیہ کی سازشیں۔ ترکی اور افغانستان۔

شورائے دولت

" مجلس شورائے دولت " کے نام سے ترکی پارلیمنٹ نے ایک مجلس کا قیام منظور کر لیا ہے۔ اُس کی صدارت کے لئے مشہور ترکی قانوندان نصرت بک منتخب ہوئے ہیں۔ اس مجلس کا کام یہ ہوگا کہ حکومت کی تمام وزارتوں اور محکموں کو ضرورت کے وقت مشورہ دے، نیز اُن جھگڑوں کا تصفیہ کرے جو مختلف محکموں میں پیدا ہو جایا کرتے ہیں۔

ترکی ڈاکٹر کی تحقیقات

مشہور ترکی ڈاکٹر حسن رشاد بک کے متعلق اخبارات نے یہ خبر شایع کی ہے کہ اُنھوں نے آتشک کا حکمی علاج دریافت کر لیا ہے۔ اُن کا دعویٰ ہے کہ اُن کی دوا کا صرف ایک انجکشن ہمیشہ کے لئے اس خبیث بیماری کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ ترکی حکومت ڈاکٹر موصوف کو اپنے خرچ سے یورپ بھیج رہی ہے تاکہ وہاں ماہرین فن کے سامنے اپنے تجربے دکھائیں۔

وزیر خارجیہ کی تصریحات

ڈاکٹر توفیق رشدی بک ترکی وزیر خارجیہ نے اس ہفتہ اخباری نمایندوں کے سامنے حسب ذیل تصریحیں کی ہیں:

" اس وقت ترکی کے تعلقات متمدن دنیا کے جملہ ملکوں سے دوستانہ ہیں۔ اس وقت دنیا کی کسی سلطنت سے بھی ہمارا کوئی اختلاف نہیں۔ پچھلے دنوں جو افسوسناک حادثے بعض سلطنتوں کے مابین واقع ہوئے ہیں، اُنھوں نے ہمارے مسلک پر کوئی اثر نہیں ڈالا۔ ہمارے مسلک کی بُنیاد اس عقیدے پر ہے کہ دنیا کا امن و امان ہمارے ملک کے لئے مفید ہے۔ یہی باعث ہے کہ ہم حکومتوں کے درمیان پھوٹ ڈال کر خود نفع نہیں اُٹھاتے۔ کیونکہ یہ ہمارے مقصد امن کے خلاف ہے۔

" بلقانی ریاستوں سے بھی ہمارے تعلقات دوستانہ ہیں۔ ہم اُنھیں اور بھی مضبوط کرنے کی کوشش میں ہیں۔ روس سے ہمارے علائق خاص طور پر بہت ہی اچھے ہیں۔ روس نے کبھی ہمارے داخلی معاملات میں مداخلت نہیں کی۔ وہ ہمیشہ ہمارا دوست رہا اور اس وقت بھی دوست ہے۔

" چین کی موجودہ تحریک آزادی سے ہمیں پوری دلچسپی ہے۔ ہم اس عظیم الشان مشرقی قوم کی آزادی کے دل سے متمنی ہیں۔ مصر سے ہمیں جو دلی تعلق ہے وہ کسی شرح و تفصیل کا محتاج نہیں"۔

ترکی مجلس کا نیا انتخاب

موجودہ ترکی مجلس (پارلیمنٹ) کی مدت ختم ہو گئی۔ اب نئے انتخابات کا وقت ہے۔ قانون کی رُو سے اس مجلس کی عمر ۱ ماہ اپریل تک تھی۔ مگر اُسے دو مہینے اور بڑھا لئے۔ اب وہ دو مہینے بھی گزر چکے ہیں۔ نئے انتخابات ۱ ماہ جولائی میں شروع ہونگے۔ باخبر لوگ جانتے ہیں کہ انتخابات کا نتیجہ کیا ہوگا؟ تمام ملک کو غازی مصطفٰے کمال پاشا اور اُن کی جماعت پر پورا اعتماد ہے۔ لہذا آیندہ مجلس میں ہمیں تقریباً انہی ممبروں کا انتظار کرنا چاہئے جو موجودہ مجلس کے ارکان تھے۔

ترکی عورت اور حق انتخاب

نئے انتخابات کے پیش آ جانے کی وجہ سے اس کا غوغا بہت بڑھ گیا ہے۔ حقوق طلب خواتین بڑی سختی سے مقابلہ کی تیاریاں کر رہی ...

... عورتوں کا کیا حال ہوگا جن کی ساری زندگی انہی کلب گھروں اور اُن کے لکچروں میں گزرتی ہے؟

بچوں کی ماں

امریکہ میں بیشمار انجمنیں اس غرض سے موجود ہیں کہ ماؤں کے لئے مفت مشورے مہیا کریں۔ اِن میں ہمیشہ لکچروں کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور ماؤں کو بتایا جاتا ہے کہ وہ کون کون کتابیں پڑھیں؟ کس قسم کا کھانا کھائیں؟ کیا سوچیں؟ کیا دیکھیں؟ غرضکہ ہر معاملہ میں باقاعدہ علمی مشورہ دیا جاتا ہے۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ امریکہ میں جس طرح سب معاملات اصول و قواعد کے ماتحت رکھے گئے ہیں، اُسی طرح نسوانیت بھی علمی اصول پر " منطبق " کی جا رہی ہے۔ یہی حد سے زیادہ " علمی انطباق " انسانیت اور مرد و عورت کی جنسیت کی فطرۃ کا خاتمہ ہے!

دنیا میں امریکہ کی نوجوان عورتوں سے منظم تر کوئی چیز موجود نہیں۔ وہ اُلھڑ نہیں ہوتی۔ اپنے شوہر کی طرح کسی نہ کسی علم یا ہنر میں ماہر ہوتی ہے۔ اپنے گھر کو مرتب و منظم رکھ سکتی ہے۔ امریکن عورت انگلستان کی عورت سے کہیں زیادہ منظم اور سلیقہ مند ہوتی ہے۔

امریکن ماں اپنے بچوں سے بیحد محبت کرتی ہے۔ ہندوستان کی طرح امریکہ میں بھی اولاد اپنے ماں باپ کی ملکیت سمجھی جاتی ہے۔ گھروں میں بچوں کے لئے علحدہ کمرے نہیں ہوتے۔ پورا گھر بچوں کے لئے کھلا ہوتا ہے اور وہ دن بھر اودھم مچائے رہتے ہیں۔ اسی طرح دائیاں اور کھلائیاں رکھنے کا بھی رواج کم ہے۔ خود ماں ہی دائی ہوتی ہے۔ ماں اپنے بچوں میں کسی کی مداخلت گوارا نہیں کرتی۔ وہ اُن کا مستقبل اپنے مستقبل سے وابستہ سمجھتی ہے۔ اُن پر وہ تمام تعلیم و تربیت کے اصول منطبق کرتی ہے جو کلب گھروں میں سُنتی اور کتابوں میں پڑھتی ہے!

لیکن اس کے باوجود بھی اُس کی زندگی بڑی حد تک مسرت سے خالی ہوتی ہے، کیونکہ، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا، علم کی فراوانی اور تجارت کی افزونی نے اُس پر ازدواجی مسرتوں کا دائرہ تنگ کر رکھا ہے۔ امریکہ کی عورت، علم اور مادی ترقی سے اب نالاں ہے! چونکہ*

* امریکہ کی عورت خوش نہیں ہے اس لئے باوجود بیشمار دولت رکھنے کے امریکہ بھی خوش نہیں ہے۔ وہ تمدن کی شدت سے اکتا گیا ہے۔ وہ پیچھے کی طرف دیکھ رہا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ موجودہ صورت حال کا آئندہ ردعمل (ری ایکشن) کیا ہوگا؟

ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہو ابھی یہ منزل دُور ہو۔ کم سے کم آئندہ انتخابات میں اُس کی کوئی اُمید نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ اِس ہفتہ حکومت انگورہ نے اعلان کر دیا ہو کہ عورتوں کو حق انتخاب بالفعل نہیں دیا جا سکتا۔ وجہ یہ بتائی ہو کہ اُنھوں نے ابھی کافی ترقی نہیں کی ہو۔

برطانیہ کی سازشیں

یونانی اخبارات کی اِس خبر نے ترکی اخبارات کو سخت مشتعل کر دیا ہو کہ "برطانیہ نے حکومت یونان سے خواہش کی ہو کہ روس کے خلاف تمام دول بلقان کی ایک خفیہ کانفرنس منعقد کرے مگر اُس میں ٹرکی کو شریک نہ ہونے دے"۔ ترکی اخبارات کی رائے میں یہ تجویز ٹرکی کے لئے ایک مبارزت ہو۔ انگورہ کا سربرآوردہ اخبار "جمہوریت" اپنی پچھلی اشاعت میں یُوں اظہار خیال کرتا ہو:

"اگر یہ خبر صحیح ہو تو اِس کے صاف معنی یہ ہیں کہ برطانیہ روس کے ساتھ ٹرکی کی مخالفت پر بھی تُلا ہوا ہو۔ اگر اِس تجویز سے برطانیہ کا مقصود یہ ہو کہ ٹرکی کو دھمکا کر روس سے الگ کر لے، تو ہم صاف لفظوں میں اسکی تعمیل سے انکار کرتے ہیں۔ اب وہ زمانے گئے جب ٹرکی ایسی دھمکیوں سے مرعوب ہو جایا کرتا تھا۔ گزشتہ تین صدی کے تجربوں نے ہمیں خوب سکھا دیا ہو کہ ہمیں صرف اپنی قوت پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ اور ہم صرف اپنی قوت ہی پر اعتماد رکھتے ہیں۔ ہمارے پاس اتنی قوت موجود ہو جو ہمیں ہر مشکل سے بچا سکتی ہو۔ روس سے ہماری دوستی، زندگی اور موت کا معاملہ ہو۔ روس کو ہماری دوستی کی ضرورت ہو۔ ہمیں روس کی دوستی کی ضرورت ہو۔ ہم روس سے ہرگز علحدہ نہیں ہو سکتے"

ٹرکی اور افغانستان

باخبر حلقوں میں خیال کیا جاتا ہو کہ برطانیہ عنقریب افغانستان سے چھیڑ چھاڑ شروع کرے گا۔ روسی خطرے نے برطانیہ کو بدحواس کر دیا ہو۔ وہ دیکھتا ہو روس کے تعلقات افغانستان سے بہت گہرے ہیں۔ افغانستان، ہندوستان کا پڑوسی ہو، لہذا روسی افغانی دوستی، ہندوستان کے لئے خطرناک ہو۔ اور چونکہ اِس دوستی میں ہندوستان کے لئے خطرہ ہو اِس لئے یا تو افغانستان کو روس سے توڑ لینا چاہئے، یا برطانیہ سے دست بگریباں ہونے کے لئے طیار ہو جانا چاہئے۔

یہ ہو برطانیہ کا نقطۂ نظر، اور اسی بنا پر وہ بہت جلد افغانستان سے نئی معاملت شروع کرنی چاہتا ہو۔ ہمیں جہاں تک حالات کا علم ہو ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ برطانیہ کو افغانستان کے روس سے الگ کرنے میں ویسی ہی ناکامی ہوگی، جیسی ٹرکی کے معاملہ میں ہو چکی ہو۔ افغانستان، روس سے علحدہ نہیں ہو سکتا۔ اُسے خوب معلوم ہو کہ برطانیہ اُسے ہرگز کوئی نفع نہیں پہونچائے گا۔ لیکن روس اُسے بے شمار نفع پہونچا رہا ہو۔

یہی باعث ہو کہ پچھلے چند ماہ سے افغانستان کے مدبر ماسکو اور انگورہ کا دَورہ کر رہے ہیں۔ فی الحال انگورہ میں مشہور افغانی مدبر محمود خاں طرزی موجود ہیں۔ سرکاری طور پر اُن کی آمد صرف سیر و سیاحت کی غرض سے بتائی گئی ہو۔ خود اُنھوں نے بھی اخبار "حاکمیت ملت" کے نامہ نگار سے یہی بیان کیا ہو۔ لیکن اُن کے یہ الفاظ خاص معنی رکھتے ہیں: "افغانستان کی دلی آرزو ہو کہ ٹرکی سے اُسکے تعلقات اور بھی زیادہ مضبوط ہو جائیں"



مقالات

مُحَرَّمُ الحرام سنہ ۱۳۴۶ ہجری

نئے ہجری سنہ کا آغاز!

تذکارِ ہجرۃ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

۲

واقعۂ ہجرۃ کا اختصاص

پچھلی تحریر میں یہ حقیقت واضح ہو چکی ہو کہ حضرۃ عمرؓ اور مجمع صحابہ نے ایک نئے سنہ کی ضرورت اِس لئے محسوس کی کہ قومی زندگی کے قیام و تکمیل کے لئے قومی سنہ کی ضرورت تھی، اور اسلام کی تعلیم و تربیت نے اُن کی قومی ذہنیت کا جو مزاج پیدا کر دیا تھا، اُس کا مقتضی یہی تھا کہ اِس ضرورت کی کھٹک طبیعتوں میں پیدا ہوتی۔ لیکن اب اِس کے بعد معاملہ کا سب سے زیادہ ضروری سوال سامنے آتا ہو۔ سوال یہ ہو کہ قومی سنہ کا مبدء قرار دینے کے لئے سامنے کی جتنی چیزیں بھی ہو سکتی تھیں، اُن میں سے کوئی چیز بھی اختیار نہیں کی گئی، اور ایک دُور کی چیز جو بہ ظاہر اِس غرض کے لئے کوئی مناسبت نہیں رکھتی، اُن کے سامنے آگئی، اور اُسی پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ آخر اِس کی علت کیا ہو؟

مسلمانوں کا قومی سنہ قرار دینے کے لئے قدرتی طور پر جو چیزیں سامنے کی تھیں، وہ اسلام کا ظہور تھا۔ داعی اسلام کی پیدائش تھی نزول وحی کی ابتدا تھی۔ بدر کی تاریخی فتح تھی۔ مکہ کا فتحمندانہ داخلہ تھا۔ حجۃ الوداع کا اجتماع تھا جو اسلام کی ظاہری اور معنوی تکمیل و فتح کا آخری اعلان تھا۔ لیکن اِن تمام واقعات میں سے کوئی واقعہ بھی اختیار نہیں کیا گیا۔ ہجرۃ مدینہ کی طرف نظر گئی جو نہ تو کسی پیدائش کا جشن ہو، نہ کسی ظہور کی شوکت۔ نہ کسی جنگ کی فتح ہو، نہ کسی غلبہ و تسلط کا شادیانہ۔ بلکہ اُس زمانہ کی یاد تازہ کرتا ہو جب آغاز اسلام کی بے سروسامانیاں اور ناکامیاں اِس حد تک پہنچ گئی تھیں کہ داعی اسلام کے لئے اپنے وطن میں زندگی بسر کرنا بھی ناممکن ہو گیا تھا۔ بیچارگی اور مظلومیت کی انتہا تھی کہ اپنا وطن، اپنا گھر، اپنے عزیز و اقارب، اور اپنا سب کچھ چھوڑ کر، صرف ایک رفیق غمگسار کے ساتھ، رات کی تاریکی میں، رہسپار دشت غربت ہوا تھا!

یہ بھی ظاہر ہے کہ اِس قسم کے معاملات میں قدرتی طور پر دوسری قوموں کے نمونے سامنے آیا کرتے ہیں۔ حضرۃ عمرؓ اور صحابہ کے سامنے بھی یہ نمونے موجود تھے۔ لیکن وہ اُن کی تقلید پر آمادہ نہ ہو سکے اور اُنھوں بالکل ایک دوسری ہی راہ اختیار کی۔

دُنیا کے قومی سنین

قومی سنہ، دراصل قوم کی پیدائش اور عروج و اقبال کی تاریخ ہوتا ہو۔ اِس کے ذریعہ قومیں اپنی تاریخ کا سب سے زیادہ اہم اور بنیادی واقعہ یاد رکھنا چاہتی ہیں۔ اُس کا دَور ہر بارہ مہینے کے بعد ختم ہوتا اور از سرِ نو شروع ہوتا ہو، اور اِس طرح سال نو کی مسرتوں کے ساتھ اُس کی تاریخی روایات کی شادمانیاں بھی تازہ ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہو کہ دُنیا میں جس قدر سنہ رائج ہوئے، سب کی بُنیاد کسی ایسے واقعہ پر نظر آتی ہو جس سے کسی قومی فتح و اقبال کا آغاز ہوا ہو۔ چونکہ اِس طرح کا آغاز عموماً کسی بڑے انسان کی پیدائش سے ہوا ہو، یا کسی بڑے بادشاہ کی تخت نشینی سے، یا کسی بڑی جنگ کی فتح اور کسی نئی سرزمین کے قبضہ و تسلط سے۔ اِس لئے دنیا کے اکثر سنوں کی ابتدا مشاہیر و اکابر کی پیدائش اور تخت نشینی ہی سے ہوتی ہو۔ بیرونی نے آثار الباقیہ نامی کتاب صرف سنین و تواریخ کے موضوع پر لکھی ہو، اور اِس درجہ کی لکھی ہو کہ آج بھی اِس سے بہتر کتاب نہیں لکھی جا سکتی۔ وہ دُنیا کے تمام سنین کا استقصا کر کے لکھتا ہو "قوموں کا طریقہ اِس بارے میں یہ رہا ہو کہ بانیانِ حکومت و مذاہب کی پیدائش، پادشاہوں کی تخت نشینی، انبیاء کی بعثت، ملکوں کی فتح و تسخیر، سلطنت کے انقلاب و انتقال، اور حوادث عظیمۂ ارضیہ سے تواریخ و سنین کی ابتدا کیا کرتے ہیں"

قدیم سنوں میں بابلی، یہودی، رومی، مسیحی، ہندوستانی، اور ایرانی سنین سب سے زیادہ مشہور و مستعمل رہے ہیں، اِن سب کی ابتدا کسی ایسے ہی واقعہ سے ہوئی ہو۔ بابلی سنہ کی بنیاد بخت نصر اول کی پیدائش پر رکھی گئی تھی کیونکہ اُس کے ظہور سے بابل کی عظمت کا آغاز ہوا۔ یہودیوں نے پہلے مصر سے خروج کے واقعہ پر سنہ کی بُنیاد رکھی تھی۔ کیونکہ اسی واقعہ سے اُن کا قومی آزادی کا دَور شروع ہوتا تھا۔ پھر جب فلسطین میں یہودی حکومت قائم ہو گئی تو حضرت سلیمانؑ کی تخت نشینی سے بھی سنہ کا حساب کرنے لگے۔ پھر ہیکل کی بربادی کے بعد جب دوبارہ تعمیر کا واقعہ ظہور میں آیا، تو چونکہ اِس سے یہودیوں کے اجتماع و وطن کا نیا دَور شروع ہوتا تھا اِس لئے اِس کی یاد آوری کے جذبہ نے تاریخ و سنہ کی صورت اختیار کر لی۔ رومیوں کا سب سے زیادہ مشہور سنہ اسکندری سنہ ہو جو سکندر فاتح کی پیدائش سے شروع ہوتا ہو۔ پھر آگسٹس کی پیدائش سے نیا سنہ شروع ہوا جسکی فتحمندیوں نے رومی عظمت کا نیا دَور شروع کر دیا تھا۔ مسیحی

سنہ کا تو نام ہی میلادی سنہ ہے۔ یعنے اس کی ابتدا حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے واقعہ پر رکھی ہے۔

ہندوستان میں جہاں ہر گروہ کے لئے الگ الگ زبان اور الگ الگ پیشہ قرار دیا گیا تھا، وہاں مختلف حلقوں کے لئے مختلف سنہ بھی قرار پا گئے تھے۔ جوتشیوں نے اپنے حساب کے لئے خاص جوتشی سنہ قرار دیا تھا۔ عوام اپنی یادداشت کے لئے الگ سنہ رکھتے تھے۔ حکومتوں اور بادشاہوں کے سنہ اُن کے لئے مخصوص تھے، مگر ان سب کی بنیاد کسی نہ کسی ایسے ہی واقعہ پر تھی۔ آخری سنہ جو سب سے زیادہ مشہور ہوا اور آجتک مستعمل ہے، بکرماجیتی سنہ ہے، اور یہ راجہ بکرماجیت کی پیدائش سے شروع ہوتا ہے۔ ایرانیوں میں بھی جس قدر سنہ رائج ہوئے، سب کی ابتدا پیدائش، تخت نشینی، اور کسی ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں انتقال حکومت کا واقعہ ہے۔ اس رسم کی کہ ہر بادشاہ پچھلا سنہ منسوخ کرکے اپنی تخت نشینی کا نیا سنہ جاری کرے اور اُسے سنہ جلوس کہا جائے، ایرانیوں ہی نے بنیاد ڈالی۔ مسلمانوں اور ایرانیوں میں جب جنگ ہوئی ہے، تو ایران کا سرکاری سنہ یزدگرد آخری فرمانروائے ایران کا سنہ جلوس تھا۔

حضرۃ عمر کا تردد

اُن روایات سے جو پچھلی تحریریں درج ہو چکی ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کو بھی ابتدا میں یہی خیال ہوا تھا کہ آں حضرت (صلعم) کی پیدائش یا بعثت کے وقت سے سنہ کی ابتدا کی جائے۔ سعید بن مسیب اور یعقوبی کی روایت میں ہے کہ آپنے جب حضرت علی سے مشورہ کیا تو اُن کی رائے یہ ہوئی کہ واقعہ ہجرت سے ابتدا کرنی چاہئے۔ یہ بات آپکے دل میں اُتر گئی اور صحابہ بھی اس سے متفق ہوگئے۔ ابن مہران کی روایت میں ہے کہ مبدء تاریخ کے بارے میں حسب معمول صحابہ نے مشورہ کیا تھا۔ مختلف رائیں لوگوں نے دیں۔ بالآخر سب اس پر متفق ہوگئے کہ واقعہ ہجرۃ سے ابتدا کی جائے: فاتفقوا علی ان یکون المبدء من الہجرۃ۔ ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ پر اچھی طرح غور و فکر کیا گیا تھا، اور ہر طرح کی رائیں ظاہر ہوئی تھیں۔ چونکہ سامنے کی صاف بات یہی تھی کہ آنحضرت کی ولادت یا بعثت سے تاریخ شروع کی جائے جو ظہور اسلام کی اصلی بنیاد ہے، اس لئے حضرت عمر کا خیال ابتدا میں اسی طرف گیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کوئی بات اسمیں ایسی تھی کہ آپ کی طبیعت کو اسپر انشراح نہیں ہوتا تھا۔ متردد تھے۔ بات قرینہ کی تھی لیکن دلمیں بیٹھتی نہ تھی۔ بالآخر مزید مشورہ کیا، اور حضرت علی علیہ السلام نے رائے دی کہ واقعہ ہجرت سے ابتدا کرلی جائے۔ یہ رائے اتنی بہتر اور جچی تلی تھی، کہ فوراً حضرت عمر کے دل میں اُتر گئی، اور تمام اکابر صحابہ بھی اسپر متفق ہوگئے۔ گویا ایک بھولی ہوئی بات تھی جو سب کے حافظہ میں تازہ ہوگئی۔ اب معلوم کرنا چاہئے کہ واقعہ ہجرۃ کی وہ کونسی مناسبت تھی جسنے حضرت علی کو کہ مدینۂ علم نبوت کے باب اور حکمت و سنت رسالت کے محرم اسرار تھے، اس طرف توجہ دلائی؟ اور پھر وہ کونسی ایسی مشہور و معلوم خصوصیت تھی، جس کی وجہ سے اتنی دور کی بات تمام اکابر صحابہ کے فہم میں فوراً در آئی، اور اس طرح تسلیم کرلی گئی جیسے ایک مسلم اور طے شدہ بات ہو؟

واقعۂ ہجرۃ صحابہ کے نظر میں

ہاں، آج ہمارے لئے کہ اسلام کے صدر اول کا دماغ اور روح، دونوں کھو چکے ہیں، یہ بات کتنی ہی تعجب انگیز ہو، مگر صحابہ کرام کے لئے جو اسلام کے بخشے ہوئے دل اور اُس کے بنائے ہوئے دماغ، دونوں کے مالک تھے، یہ بات اتنی صاف، اتنی کھلی ہوئی، اور اس طرح جانی بوجھی ہوئی تھی کہ اُس کی طرف صرف ایک اشارہ کردینا ہی کافی تھا۔ داعی اسلام کے تزکیہ و تربیت اور درس کتاب و حکمت نے اُن کے اندر ایک ایسا صالح مزاج پیدا کردیا تھا، کہ کوئی بات خواہ کتنی ہی سامنے کی اور مقبول و معمول کیوں نہ ہو، لیکن اگر حقیقت اور دانائی کی گہرائیوں سے ذرا بھی ہٹی ہوئی ہوتی تھی، تو فوراً اُن کی طبیعت میں کھٹک پیدا ہو جاتی تھی، اور پھر جمتی تھی تو اُسی وقت جب اصلی اور کامل چیز سامنے آجاتی تھی۔ تم اُن لوگوں کی نیکیاں اور پاکیاں ہمیشہ یاد رکھتے ہو، لیکن تم نے اُن کے علم اور دانائی کی گہرائیاں بھلا دی ہیں، حالانکہ صرف اُن کے دل ہی زیادہ نیک نہ تھے بلکہ اُن کی دانائی و حکمت بھی سب سے زیادہ گہری تھی جیسا کہ خود اُنہی میں سے ایک حقیقت شناس انسان نے کہا تھا: اولٰئک اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ کانوا افضل ہذہ الامۃ: ابرّہا قلوبًا، واعمقہا علمًا، واقلہا تکلفا، اختارہم اللہ لصحبۃ نبیہ ولاقامۃ دینہ (عن عبداللہ ابن مسعود۔ رواہ الدارمی)

اس بارے میں قوموں کا طریقہ اُن کے سامنے آیا، اور خود اُنھیں بھی یہ بات صاف دکھائی دی کہ داعی اسلام کی پیدائش یا بعثت کو اپنی قومی تاریخ کی بنیاد ٹھہرائیں، لیکن چونکہ یہ بات اُس معیار نظر سے ہٹی ہوئی تھی جو اس طرح کے معاملات میں اسلام نے قائم کیا تھا، اس لئے نہایت واضح اور نمایاں ہونے پر بھی اُن کی طبیعت کو مطمئن نہ کرسکی۔ وہ ایسا محسوس کرنے لگے کہ کوئی دوسری بات ہونی چاہئے۔ وہ دوسری بات کیا تھی؟ ہجرت مدینہ کا واقعہ۔ جونہی یہ بات سامنے آئی، سب کے دلوں نے قبول کرلی۔ تاریخ کا یہ مبدء دنیا کی تمام تاریخوں اور قومی یادگاروں کے خلاف تھا۔ صرف خلاف ہی نہ تھا۔ بلکہ صریح اُلٹا تھا۔ دنیا کی تمام قومیں فتح و اقبال سے اپنی تاریخ شروع کرتی ہیں۔ انھوں نے بیچارگی و درماندگی کے واقعہ سے اپنی تاریخ شروع کی۔ دُنیا کی تمام قوموں نے چاہا اپنے ظہور کی سب سے بڑی فتح یاد رکھیں۔ اُنھوں نے چاہا اپنی تاریخ ظہور کی سب سے بڑی بے سروسامانی یاد رکھیں۔ دنیا کی تمام قوموں کا فیصلہ یہ تھا کہ اُن کی قومی تاریخ اُسوقت سے شروع ہوئی، جب اُن کی تاریخ کا سب سے بڑا انسان پیدا ہوا، اور اُسنے جنگ و قتال کے میدانوں میں فتح حاصل کی۔ لیکن ان کا فیصلہ یہ تھا کہ قومی تاریخ کی ابتدا اُس دن سے ہوئی، جب بڑے انسان کی نہیں بلکہ سب سے بڑے عمل کی پیدائش ہوئی؛ اور جنگ کے میدانوں میں نہیں بلکہ صبر و استقامت کے میدانوں میں فتح حاصل ہوئی۔ دُنیا کی تمام قوموں کا یقین تھا کہ اُن کی طاقت و شوکت کی بنیاد اُسوقت پڑی، جب اُنھوں نے ملکوں اور سلطنتوں پر قبضہ کرلیا۔ ان کا یقین یہ تھا کہ طاقت و شوکت کا دروازہ اُسدن کھلا، جب ملکوں پر اُنھوں نے قبضہ نہیں کیا، بلکہ اپنا ملک و وطن بھی ترک کردیا۔ بلاشبہ اُن کی یہ سمجھ دنیا کی ساری قوموں سے اُلٹی سمجھ تھی، لیکن اُس سمجھ سے عین مطابق تھی جو اسلام کی تربیت نے اُنکے اندر پیدا کردی تھی، وہ اپنی اجتماعی زندگی کی تعمیر قوموں کی تقلید سے نہیں بلکہ اسلام کی روح فکر و عمل سے کرنی چاہتے تھے۔

مصیبت یہ ہے کہ دنیا معنی سے زیادہ لفظ کی اور روح سے زیادہ جسم کی پرستار ہے۔ وہ پھل ڈھونڈھتی ہے لیکن تخم کی جستجو نہیں کرتی۔ وہ منارہ و محراب کی بلندیاں اور خوشنمائیاں دیکھتی ہے، لیکن زیر زمین بنیادوں کے لئے نگاہ نہیں رکھتی۔ صحابہ کرام نے جب پیدائش و بعثت کے واقعات عظیمہ ترک کرکے ہجرۃ کا واقعہ انتخاب کیا، تو اُن کی نظر بھی پیدائش و ظہور، فتح و اقبال اور جشن و کامرانی ہی پر تھی۔ وہ کچھ ناکامی و نامرادی کے طلب گار نہ تھے۔ البتہ وہ فتح و اقبال کی صورت اور برگ و بار نہیں دیکھتے تھے حقیقت اور تخم و اساس پر نظر رکھتے تھے۔ اُن پر یہ حقیقت کھل چکی تھی کہ اسلام کی پیدائش و ظہور اور فتح و اقبال کی اصلی بنیاد اُن واقعات میں نہیں ہے جو بظاہر نظر آتے ہیں۔ ہجرت مدینہ اور اُس کے اعمال و حقائق میں ہیں۔ اس لئے جو اہمیت دُنیا کی نگاہیں پیدائش، بعثت، بدر، اور فتح مکہ کو دیتی تھیں، وہ اُن کی نظروں میں ہجرۃ مدینہ کو حاصل تھی۔

ہجرۃ نبوی کی حقیقت

لیکن واقعۂ ہجرۃ کیا تھا؟ وہ ایک ہی واقعہ نہ تھا۔ بے شما اعمال و وقائع کا مجموعہ تھا۔ ایک لمحہ کے لئے اُس کی حقیقت پر بھی غور کر لینا چاہئے۔

اسلام کے ظہور کی تاریخ در اصل دو بڑے اور اصولی عہدوں میں منقسم ہے۔ ایک عہد، مکہ کی زندگی اور اعمال کا ہے۔ دوسرا، مدینہ کے قیام اور اعمال کا۔ پہلا آنحضرت (صلعم) کی بعثت سے شروع ہوتا ہے اور ہجرۃ پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی ابتدا غار حراء کے اعتکاف سے ہوتی ہے اور تکمیل غار ثور کے انزوا پر۔ دوسرا ہجرۃ سے شروع ہوتا ہے اور حجۃ الوداع پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی ابتدا مدینہ کی فتح سے ہوئی، اور تکمیل مکہ کی فتح پر۔

دنیا کی نظروں میں اسلام کے ظہور و اقبال کا اصلی دور، دوسرا دور تھا۔ کیونکہ اسی دور میں اسلام کی پہلی غربت ختم ہوئی اور ظاہری طاقت و حشمت کا سروسامان شروع ہوا۔ بدر کی جنگی فتح ہتیاروں کی پہلی فتح تھی۔ مکہ کی فتح، عرب کی فتح کا اعلان عام تھا۔ لیکن خود اسلام کی نظروں میں اُس کی زندگی کا اصلی دور، دوسرا نہیں، پہلا تھا۔ وہ دیکھتا تھا کہ اُس کی ساری قوتوں کی بنیادیں دوسرے میں نہیں پہلے دور میں اُستوار ہوئی ہیں۔ بلاشبہ بدر کے ہتیاروں نے اپنی غیر مسخر طاقت کا دنیا میں اعلان کردیا۔ لیکن جو ہاتھ ان ہتیاروں کے قبضوں پر جمے تھے، اُن کی طاقتیں کس میدان میں طیار ہوئی تھیں؟ بلاشبہ مکہ کی فتح عرب کی فیصلہ کن فتح تھی، لیکن اگر مدینہ کی فتح ظہور میں نہ آتی، تو مکہ کی فتح کی راہ کیونکر کھلتی؟ یہ سچ ہے کہ مکہ ہتیاروں سے فتح ہوا، لیکن مدینہ ہتیاروں سے نہیں بلکہ ہجرت اور اُس کے دور کے اعمال سے فتح ہوا تھا۔ پس دوسرے دور میں جسم کتنا ہی طاقتور ہوگیا ہو، لیکن اُس کی روح پہلے ہی دور میں ڈھونڈھنی چاہئے!

پہلا دور تخم تھا۔ دوسرا اُس کے برگ و بار تھے۔ پہلا دور بنیاد تھی دوسرا ستون و محراب تھا۔ پہلا نشو و نما کا عہد تھا۔ دوسرا ظہور و انفجار کا۔ پہلا معنی و حقیقت تھا۔ دوسرا صورت و اظہار۔ پہلا روح تھا۔ دوسرا جسم۔ پہلے نے پیدا کیا، درست کیا، اور مستعد کر دیا۔ دوسرے نے قدم اُٹھایا، آگے بڑھا، اور فتح و تسخیر کا اعلان کردیا۔ دوسرے کا ظہور کتنا ہی شاندار ہو، لیکن اولین بنیاد و استعداد کی عظمت پہلے ہی کو حاصل ہے!

استعداد داخلی و خارجی

وجود اور زندگی کے ہر گوشہ کے لئے خدا کا قانون وجود ایک ہی ہے۔ تم اُس کے کتنے ہی مختلف نام رکھ دو مگر وہ خود ایک سے زیادہ نہیں ہے۔ اب ایک لمحہ کے لئے ٹھیرو، اور غور کرو کہ تخلیق و تکمیل وجود کے لئے خدا کا قانون حیات کیا؟

فرد کی طرح جماعت کا بھی وجود ہے۔ عالم صورت کی طرح عالم معنی بھی اپنی ہستی رکھتا ہے، لیکن کوئی چیز ہو، تخلیق و تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ یکے بعد دیگرے دو مختلف دوروں سے گزرے۔ پہلا دور "استعداد داخلی" کا ہے۔ دوسرا "استعداد خارجی" کا۔ ضروری ہے کہ پہلے اندر کی استعداد وجود میں آئے، اور ضروری ہے کہ

اندر کی استعداد کی تکمیل کے ساتھ ہی باہر کی استعداد بھی اسکے اندر پیدا ہو جائے۔

اس حقیقت کی وضاحت کے لئے مثال کی ضرورت ہے۔ خدا کی رحمت و ربوبیت نے تمام کائنات ہستی کو بخشش کا خزانہ اور فیضان عام کی بارش بنا رکھا ہے۔ زندگی اور وجود کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے، اُن میں سے ہر چیز موجود ہے، اور اُس کی موجودگی صرف اس لئے ہے تاکہ استعداد کو ڈھونڈھے، صلاحیت کو پالے، اور انفعال کو فعل سے اور انجذاب کو جذب سے مالا مال کر دے۔ سورج روز آسمان پر چمکتا ہے۔ ستارے ہمیشہ زمین کی طرف جھانکتے ہیں۔ ہوائیں یکساں سرگرمی و سرگرمجوشی سے چلتی ہیں، بادلوں کی رفتار میں کبھی رکاوٹ نہیں پڑتی۔ سورج کی کرنیں سمندروں کو کھینچنے اور پانی کے ذخیرے جمع کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کرتیں۔ زمین کی سطح اپنے سارے خزانے لئے ہوئے موجود ہے۔ خاک کے ذرّوں میں سے ہر ذرہ اپنا خاصہ اور اپنی تاثیر رکھتا ہے۔ موسموں کی تبدیلی اور لیل و نہار کی گردش بھی اپنے مقصد اور حکمت سے باہر نہیں۔ یہ، اور اسی طرح کی تمام اَن گنت اور بیحد و حساب چیزیں:

وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا (۱۴ : ۳۴) اور اگر تم خدا کی نعمتیں اور بخشائشیں شمار کرنی چاہو

تو وہ اتنی ہیں کہ کبھی تمہارا اندازہ احاطہ نہیں کر سکتا!

قوتوں کا خزانہ اور بخشائشوں اور ربوبیتوں کا فیضان عام ہیں اور اپنی مجموعی صورت میں کائنات ہستی کی وہ "خارجی استعداد" ہے جو وجود کے لئے خلق و تسویہ کا سامان مہیا کرتی اور ہمیشہ اُس کے انتظار میں چشم براہ رہتی ہے۔ لیکن خارج کی اس استعداد سے صرف وہی اشیاء فائدہ اُٹھا سکتی اور اپنے حصہ کی بخشش پا سکتی ہیں جن کے اندر خود اُن کے "اندر کی استعداد" وجود میں آگئی ہے۔ یہ اندرونی استعداد باہر کے کارخانۂ استعداد کی تاثیر کے لئے بمنزلۂ انفعال ہے۔ جب تک انفعال کا لب سوال وا نہ ہوگا، فعل و تاثیر کا جواد فیضان، حرکت میں نہیں آ سکتا!

دہقان ایک بیج اُٹھاتا ہے اور زمین کے حوالے کر دیتا ہے۔ اب دیکھو، اس ایک بیج کے بارآور ہونے کے لئے قدرت الٰہی نے کس طرح اپنا تمام کارخانۂ ہستی مہیا کر دیا ہے؟ سورج منتظر ہے کہ اپنی گرمی اس کے لئے وقف کر دے، بادل طیار ہیں کہ اپنے ذخیروں کا منہ کھول دے۔ زمین مستعد ہے کہ اپنی آغوش اُس کے لئے وا کر دے؛ لیکن اس تمام کارخانۂ بخشش سے وہ جبھی فائدہ اُٹھا سکتا ہے جبکہ خود اُسکے اندر کی استعداد صحیح و صالح ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے، تو پھر یہ تمام کارخانۂ بخشش و نوال اُس کے لئے بیکار ہوگا۔ سورج اپنا دہکتا ہوا تنور رکھ کر بھی اسے گرم نہ کر سکے گا، بادل اگر اپنا تمام ذخیرۂ آب ختم کر ڈالے، جب بھی اُسے زندگی کی رطوبت کا ایک قطرہ نہیں ملیگا!

پھر ایک صالح بیج جب زمین میں اپنی جگہ بنا لیتا ہے، تو اُس کے اندر کی استعداد ظاہر ہوتی ہے اور اندر ہی اندر پکنے اور بڑھنے لگتی ہے۔ اُسوقت وہ ایک چھوٹا سا وجود ہوتا ہے جس کے اندر باریک ذرّوں اور ریشوں کے سوا کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ لیکن انہیں ذرّوں اور ریشوں کے اندر اُس کی آنے والی ہستی کی ساری بڑائیاں اور عظمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ کہا جا سکتا ہے ایک عظیم اور تناور درخت کی ساری ٹہنیاں اور پتے، اور اس کے ہزاروں پھول اور پھل انہیں ذرّوں اور باریک ریشوں کے اندر موجود ہوتے ہیں۔ وہ بتدریج نشوونما پاتا ہے، اور یکے بعد دیگرے تخلیق و تسویہ کے مختلف درجوں سے گزرتا ہے۔ پھر جب یہ سب کچھ ہو چکتا ہے، تو وہ وقت آ جاتا ہے جب زمین کی سطح چاک ہوتی ہے اور اُس کی پہلی شاخ باہر نکلتی ہے۔ چنانچہ وہ اُبھرتا ہے، اور کائنات فطرۃ کے جس کارخانۂ فیضان سے زمین کے اندر اکتساب فیض کر رہا تھا، اب اُس سے زمین کی سطح پر بخشش و نوال حاصل کرنے لگتا ہے۔ اُسوقت تم دیکھتے ہو کہ عالم نباتات کا یہ جوان نوخاستہ سرد قد کھڑا ہے، اور کارخانۂ فطرۃ کے ہر سامان سے زندگی اور قوت کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اب تم اُس کی ہستی کا اعتراف کرتے ہو، لیکن تم بھول جاتے ہو کہ باہر کی استعداد اُس کے لئے جو کچھ بہم پہنچا رہی ہے یہ دراصل اُسی استعداد کا جواب اور نتیجہ ہے جو زمین کے اندر اُس کی داخلی طبیعت نے پیدا کر لی تھی!

عالم حیوانات میں دیکھو تو یہ حقیقت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے۔ حیوان اور انسان کا وجود جو عالم ہستی میں قدم رکھتا ہے اور بچپن سے لے کر بڑھاپے تک کی منزلیں طے کرتا ہے، دراصل یہ وہی وجود ہے جو پہلے خود اپنی ہستی کے اندر تخلیق و تکمیل کی منزلیں طے کر چکا ہے۔ اگر اُس کی داخلی استعداد کا دَور صحت اور قوت کے ساتھ ختم نہ ہوتا، تو اس کی خارجی استعداد کا یہ دَور وجود ہی میں نہ آتا۔ وہ پہلے شکم مادر میں جنین کا ابتدائی مادہ تھا۔ پھر اندر ہی اندر بڑھنے اور پھیلنے لگا، بہ تدریج تخلیق و تسویہ کی مختلف منزلیں وجود میں آئیں۔ پہلے چھوٹے چھوٹے کیڑے تھے جنہوں نے ایک جونک کی سی شکل اختیار کر لی۔ پھر یہ جونک بڑھتے بڑھتے گوشت کا ایک لتھڑا بنگئی، لتھڑے میں ہڈیوں کا ڈھانچہ بننا شروع ہوا، اور ڈھانچے پر گوشت پوست کا غلاف چڑھ گیا، پھر گوشت اور ہڈیوں کا یہی مجموعہ نظم و تناسب کے ایک ایسے سانچے میں ڈھل گیا، کہ شکل و ہیئت کی تمام رعنائیاں اور خال و خط کی ساری دلآویزیاں مکمل ہو گئیں۔ پھر جب اندر ہی اندر تکمیل و تسویہ کے یہ تمام مراتب طے ہو گئے، تو یہ وجود اس قابل ہوا کہ شکم مادر سے باہر قدم نکالے۔ اور تم نے دیکھا کہ خلقت اور ہستی کا ایک زندہ اور مستعد وجود تمہارے سامنے ہے: ثم انشاناہ خلقاً آخر، فتبارک اللہ احسن الخالقین! (۲۳ : ۱۴)

بہر حال دنیا میں ہر چیز کی تخلیق و تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ اس میں کارخانۂ فیضان فطرۃ سے اکتساب فیض کی صحیح استعداد پیدا ہو۔ اور اس استعداد کے ظہور کا پہلا محل اندرونی ہے دوسرا بیرونی۔ جب تک کوئی چیز اپنے اس پہلے دَور میں صحیح استعداد پیدا نہیں کر لے گی، دوسرے دَور کی استعداد پیدا نہیں کر سکتی۔ خارج کے نشوونما کے لئے داخل کا نشوونما، بمنزلہ سبب و علت ہے۔ جب تک سبب موجود نہ ہوگا، نتائج ظہور میں نہیں آئیں گے۔

جماعت کی داخلی استعداد

فرد اور جماعت دونوں کا ایک ہی حال ہے۔ یہ افراد و اشیا کی مثالیں تھیں۔ انہی کو جماعتوں اور قوموں پر بھی منطبق کرو۔ اشیاء و افراد کی طرح "جماعت" بھی پیدا ہوا کرتی ہے۔ اس کی تخلیق، نشوونما، اور ترقی و تکمیل کے لئے بعینہ وہی قوانین ہیں، جو اشیاء و افراد کے لئے ہیں۔ جس طرح فطرۃ الٰہی کی ربوبیت نے مخلوقات کی زندگی اور نشوونما کے لئے اپنی بخشائشوں کے بادل زمین پر پھیلا دئے ہیں، ہر شئے زندگی دینے والی، ہر شے پرورش کرنے والی، اور ہر شئے وجود و کمال تک پہنچانے والی ہے، ٹھیک اُسی طرح "جماعت" اور "اُمت" کے ظہور و نشوونما کے لئے بھی ہر طرح کی بخشائشوں اور ہر طرح کی فیض رسانیوں کا سامان مہیا کر دیا ہے۔ ربوبیت اُس کے ظہور کا انتظار کرتی اور بخشائش فطرۃ اُس کے قدم اُٹھانے کی راہ تکتی ہے۔ لیکن جس طرح افراد و اشیاء کے لئے فطرۃ کا تمام سامان فیض صرف اُسی حالت میں مفید ہو سکتا ہے جبکہ خود ان کے اندر صحیح و صالح استعداد موجود ہو۔ اسی طرح "جماعت" کا مولود بھی وقت کے فیضان اور قومی و مرزبومی احوال کی بخشائشوں سے اُسی حالت میں فائدہ اُٹھا سکتا ہے، جبکہ خود اُس کے اندر اکتساب انفعال کی صحیح استعداد موجود ہو۔ پھر جس طرح اس استعداد کی تکمیل کے پہلا مرحلہ داخلی ہے، دوسرا خارجی، اسی طرح جماعتوں اور قوموں کی مزاجی استعداد کے لئے بھی پہلا مرحلہ داخلی ہے۔ دوسرا خارجی۔ کوئی جماعت، کوئی قوم، انسان کی کوئی ہیئت اجتماعیہ، کشمکش حیات کی کامیابیاں حاصل نہیں کر سکتی، اگر پہلے ایک تخم اور جنین کی طرح اپنی داخلی استعداد کی منزل طے نہیں کر لیتی۔ اسکی داخلی تخلیق و تکمیل کا بھی ایک معین وقت اور وقت کی معین مقدار ہے، اگر ایک جماعت وجود و کمال کا پورا درجہ حاصل کرنا چاہتی ہے، تو ناگزیر ہے کہ پہلے داخلی استعداد کی تکمیل کا وقت بسر کر لے۔ اُس کے بعد خارج کے اعمال و فتوح کا دروازہ خود بخود اُس پر کھل جائے گا۔ کیونکہ خارج کی تمام کامرانیاں اُس کی داخلی استعداد کی تکمیل کا نتیجہ و ثمرہ ہوتی ہیں۔

جس طرح اشیاء و افراد کے جسم کی داخلی استعداد کا دارومدار اُن کے اندر ہی اندر نشوونما پانے اور اندر ہی اندر پکنے پر ہے، اسی طرح فرد اور جماعت کی دماغی اور اخلاقی استعداد کا دارومدار اُن کی ابتدائی تعلیم و تربیت پر ہے جسے قرآن حکیم نے اپنی اصطلاح میں "تزکیہ" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ "تزکیۂ اخلاق و نفس" سے مقصود یہ ہے کہ ایک جماعت کو بہ حیثیت ایک جماعت کے جس طرح کے ذہن و مزاج کی ضرورت ہے، وہ اس کے ایک ایک فرد کے اندر پیدا کر دیا جائے، اور اس رسوخ و نفوذ کے ساتھ پیدا کر دیا جائے گویا ایک آہنی کالبد لیکر ان میں سے ہر فرد کا دل و دماغ اُس میں ڈھال دیا گیا ہے۔ جس طرح عالم اجسام میں جسم کی بہتر خلقت اور بہتر نشوونما طاقت و برتری کا موجب ہوتی ہے، اُسی طرح قوموں اور جماعتوں کے لئے اُن کے افراد کا اخلاق اور اخلاق کی بہتر قسم اور بہتر نشوونما جماعتی طاقت اور برتری کا باعث ہوتی ہے۔ یہی اخلاق "جماعت" کی زندگی کی اصلی استعداد ہے۔ اسی استعداد سے وہ سب کچھ پاتی ہیں، اور بغیر اس استعداد کے کچھ بھی نہیں کر سکتیں۔ تزکیۂ نفوس کا عمل یہی استعداد پیدا کرتا ہے۔ اسی کی تولید و تکمیل، جماعتوں اور قوموں کی "داخلی استعداد" ہے۔

"جماعت" کی داخلی استعداد کے لئے جس ذہنی و اخلاقی تربیت کی ضرورت ہوتی ہے، وہ اگرچہ فرداً فرداً ہر فرد جماعت سے تعلق رکھتی ہے، لیکن اُس کا سارا زور، جماعتی ذہن و اخلاق کی طرف ہوتا ہے۔ یعنی وہ جماعت کے لئے ذہن و اخلاق کا ایک خاص مزاج پیدا کر دینا چاہتی ہے۔ چونکہ یہ مزاج پیدا نہیں ہو سکتا، جب تک جماعت کا ہر فرد اپنا انفرادی ذہن و اخلاق معدوم کر کے جماعتی مزاج پیدا نہ کر لے، اس لئے وہ ذہن و عمل کا ایک خاص سانچا ڈھال لیتی ہے اور پھر تمام افراد کا ذہن و اخلاق اُسی میں ڈھالنا شروع کر دیتی ہے۔ یہاں تک کہ تمام افراد کی ذہنی و اخلاقی خصوصیات ایک ہی انداز اور روش کی ہو جاتی ہیں، اور اپنے بیشمار انفرادی اختلافات رکھنے پر بھی ذہن و اخلاق کی طبیعت میں یک قلم تماثل اور تشابہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اُن کی خواہشیں یکساں نہیں ہو سکتیں اور یکساں نہیں ہوتیں۔ اُن کی طبیعتوں کی عام روش ایک طرح کی نہیں ہو سکتی اور ایک طرح کی نہیں ہوتی۔ وہ اپنی سمجھ میں اپنی رائے میں، اپنی زندگی و معیشت کے تمام معاملات میں ایک نہیں ہو جا سکتے اور ایک نہیں ہو جاتے؛ لیکن وہ ذہن و عمل کی اُن ساری باتوں میں جو جماعتی زندگی کی بنیادیں اور اخلاق و سیرۃ کی فضیلت کا مبدا ہیں، اس طرح یکساں اور ایک نگاہ و عمل ہو جاتے ہیں، کہ معلوم ہوتا ہے، سب کے اندر ایک ہی دماغ کام کر رہا ہے اور سب کے

اندر ایک ہی روح بول رہی ہے!

یہ موقعہ نہیں ہے کہ اطناب سے کام لیا جائے، ورنہ ضرورت تھی کہ اُن اخلاق و خصائص میں سے ایک ایک چیز کی شرح و تفصیل کی جاتی، اور واضح کیا جاتا کہ قرآن و سنتہ نے جماعتی طبیعت کے کیا کیا بنیادی اوصاف تبلائے ہیں، اور اُس کی داخلی استعداد کے ارکان و مبانی کیا کیا ہیں؟

بہرحال اشیاء و افراد کی طرح جماعات و اقوام میں بھی زندگی کی اصلی سرچشمگی اُن کی داخلی استعداد میں پنہاں ہوتی ہے۔ نہ کہ خارجی اعمال میں۔ کیونکہ خارج کے اعمال اس سے زیادہ نہیں ہیں کہ داخلی استعداد کے لازمی نتائج و ثمرات ہیں۔

پہلا دَور داخلی استعداد کا دَور تھا

ظہور اسلام کا پہلا دَور جو بعثت سے شروع ہو کر ہجرۃ پر ختم ہوا اور جس کا نقطۂ تکمیل ہجرۃ کا معاملہ تھا، دراصل جماعت کی داخلی استعداد کا دَور تھا۔ اور اس لئے ظہور اسلام کی تمام فتح مندیوں اور کامرانیوں کا مبدء یہی دَور تھا۔ نہ کہ مدنی زندگی کا دوسرا دَور بلاشبہ دُنیا کی ظاہر بیں نگاہوں میں یہ دَور مصیبتوں کا دَور اور بے چارگیوں اور درماندگیوں کا تسلسل تھا، لیکن بہ باطن امت مسلمہ کی ہر آنے والی فتحمندی اسی کی مصیبتوں اور کلفتوں کے اندر نشوو نما پا رہی تھی۔ یہی مصیبتیں تھیں جو "جماعت" کے ذہن و اخلاق کے لئے تعلیم و تربیت کا مدرسہ اور تزکیۂ نفوس و ارواح کا امتحان گاہ تھیں۔ بدر کی فتحمند اسی کے اندر سبق لے رہے تھے۔ فتح مکہ کے کامران اسی کے اندر بن اور ڈھل رہے تھے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ یرموک اور قادسیہ کی پیدایش بھی اسی کے آزمایشوں اور خود فروشیوں میں ہو رہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے اُس جہاد کو تو صرف جہاد کہا جو مدنی زندگی میں اسلحۂ جنگ سے کرنا پڑا تھا۔ لیکن نفس و اخلاق کے تزکیۂ و تربیت کا جو جہاد اس پہلے دَور میں ہو رہا تھا، اسے "جہاد کبیر" سے تعبیر کیا۔ کیونکہ فی الحقیقت بڑا جہاد یہی جہاد تھا: فلا تطع الکافرین وجاہدھم بہ جہاداً کبیرا (۲۵: ۵۳)

بالاتفاق سورۂ فرقان کی ہے۔ مکی زندگی میں جس بڑے جہاد کا حکم دیا گیا تھا، ظاہر ہے کہ وہ قتال کا جہاد نہ تھا۔ صبر و استقامت اور عزم و ثبات کا جہاد تھا اور انہی اوصاف میں جماعت کی داخلی استعداد کی اصلی بنیادیں تھیں

ہجرۃ تکمیل کار کا اعلان تھی

ہجرۃ کا واقعہ اس دَور کی مصیبتوں کی انتہا تھا، اس لئے اُس کی برکتوں اور سعادتوں کی بھی آخری تکمیل تھا۔ صحابۂ کرام اس حقیقت سے بے خبر نہ تھے۔ اور کیونکر بے خبر ہو سکتے تھے جبکہ اُن کی داعی تربیت کی اصلی روح اسی معالمہ میں مضمر تھی؟ پس جب یہ سوال سامنے آیا کہ اسلامی سنہ کی ابتدا کس واقعہ سے کی جائے؟ تو انھیں کسی ایسے واقعہ کی جستجو ہوئی جو امت کے قیام و اقبال کا اصلی سرچشمہ ہو۔ آنحضرۃ کی پیدایش کا واقعہ یقیناً سب سے بڑا واقعہ تھا لیکن اُس کے تذکار میں شخصیت سامنے آتی تھی۔ شخصیت کا عمل سامنے نہیں آتا تھا۔ بعثت کا واقعہ بھی سب سے بڑا واقعہ تھا، لیکن وہ معالمہ کی ابتدا تھی، انتہا و تکمیل نہ تھی۔ بدر کی جنگ اور مکہ کی فتح، عظیم واقعات تھے لیکن وہ اسلام کی فتح و اقبال کی بنیاد نہ تھے۔ کسی دوسری بنیاد کے نتائج و ثمرات تھے۔ یہ تمام ... واقعات انکے سامنے آئے، لیکن ان میں سے کسی پر بھی طبیعتیں مطمئن نہ ہو سکیں۔ بالآخر جب ہجرۃ کا واقعہ سامنے آگیا، تو سب کے دلوں نے قبول کر لیا، کیونکہ انھیں یاد آگیا، اسلام کے ظہور و عروج کا مبدء حقیقی اسی واقعہ میں پوشیدہ ہے، اور اس لئے یہی واقعہ ہے جسے اسلامی تاریخ کا مبدء بننا چاہیئے۔

ہجرۃ مدینہ کی فتح تھی

اور پھر یہ حقیقت کس درجہ واضح ہو جاتی ہے جب اس پہلو پر نظر ڈالی جائے کہ ظہور اسلام کی تمام فتحمندیوں میں سب سے پہلی فتح مدینہ کی فتح تھی اور اُس کی تکمیل ہجرۃ ہی کے واقعہ سے ہوئی تھی۔ تعبیر مدینہ کے ساتھ "فتح" کا لفظ سنکر تعجب ہوا ہوگا کیونکہ تم صرف اسی فتح کے شناسا ہو جو جنگ کے میدانوں میں حاصل کی جاتی ہے۔ لیکن تمھیں معلوم نہیں کہ میدان جنگ کی فتح سے بھی بڑھ کر دلوں کی آبادیوں اور روحوں کی اقلیموں کی فتح ہے، اور اسی فتح سے میدان جنگ جنگ کی فتحمندیاں بھی حاصل ہوتی ہیں۔ عین اُسوقت جبکہ اسلام کا داعی اپنے وطن اور اہل وطن کی شقاوتوں سے مایوس ہو گیا تھا۔ باشندگان یثرب کی ایک جماعت پہنچتی ہے، اور رات کی تاریکی میں پوشیدہ ہو کر اپنی روح کا ایمان اور دل کی اطاعت پیش کرتی ہے۔ اُسوقت دنیوی جاہ و جلال کا نام و نشان نہیں ہوتا سیف و سنان کی ہیبت و جبروت کا وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔ سر تا سر غربت ادبی کی بے سروسامانیاں اور عہد مصائب و محن کی درماندگیاں ہوتی ہیں۔ بایں ہمہ یثرب کی پوری آبادی اُس کے سامنے جھک جاتی ہے، اور ایمان کے ایسے جوش اور عشق و اطاعت کی ایسی خود فروشیوں کے ساتھ اُس کے استقبال کے لئے طیار ہو جاتی ہے جو تاریخ عالم کے کسی بڑے سے بڑے فاتح اور شہنشاہ کو بھی میسر نہ آئی ہوگی۔ قیس بن صرمہ انصاری نے کیسے سچے اور دلنشیں لفظوں میں اہل مدینہ کے جوش و خروش ایمانی کی تصویر کھینچی ہے؟ وکان عبد اللہ ابن عباس یختلف الیہ و یتحفظ منہ ہذہ الابیات:

ثوی فی قریش بضع عشرۃ حجۃ — یذکر لو یلقی حبیباً مواتیا

ویعرض فی اہل المواسم نفسہ — فلم یر من یؤوی ولم یر داعیا

فلما اتانا واستقرت بہ النوی — واصبح مسروراً بطیبۃ راضیا

واصبح لایخشی ظلامۃ ظالم — بعید ولایخشی من الناس باغیا

بذلنا لہ الاموال من جل مالنا — والفنا عند الوغی والتاسیا

نعادی الذی عادی من الناس کلہم — جمیعًا، وان کان الحبیب مصافیا

ونعلم ان اللہ لارب غیرہ — وان کتاب اللہ اصبح ہادیا!

دلوں اور روحوں کی اس فتح و تسخیر سے بڑھکر بھی اور کوئی فتح ہو سکتی تھی؟ لیکن یہ فتح کیونکر ہوئی؟ دورِ ہجرۃ کے آلام و محن میں اس کا آغاز ہوا، اور ہجرۃ نے اس فتح کی تکمیل کر دی!

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے واقعہ ہجرۃ کا ذکر اس طریقہ پر کیا ہے، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بے سروسامانی و غربت کے اس عمل ہی میں فتح و نصرت الہٰی کی سب سے بڑی معنویت پوشیدہ تھی:

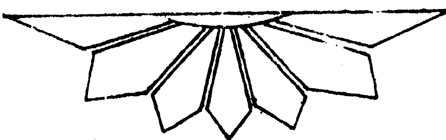
ثانی اثنین اذ ہما فی الغار، اذ یقول لصاحبہ: لاتحزن ان اللہ معنا! فانزل اللہ سکینتہ علیہ وایدہ بجنود لم تروھا، وجعل کلمۃ الذین کفروا السفلیٰ و کلمۃ اللہ ہی العلیا، واللہ عزیز حکیم (۹: ۴۰)

غار کے دو ساتھیوں میں سے جب ایک نے دوسرے سے کہا۔ غم و رنج نہ کرو یقیناً خدا ہمارے ساتھ ہے، اور اُسکی مشیت و حکمت ہمارے لئے فتح و نصرت کی راہ باز کرنے والی ہے پھر ایسا ہوا کہ خدا نے اپنی تسکین و طمانیت آپ پر اُتار دی اور فتح و نصرت کے ایسے لشکروں سے اسکی مدد کی جنھیں دنیا کی ظاہر بیں اور حقیقت ناآشنا آنکھیں نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اُن سرکشوں کی بات جو انکار کرتے تھے، ہمیشہ کے لئے پست ہو گئی، اور کلمۂ حق ہی کو سربلندی اور کامیابی حاصل ہوئی۔ ھ

ھ یہ آیت سورۂ براۃ کی ہے۔ سورۂ براۃ بالاتفاق اُسوقت نازل ہوئی ہے جب اسلام کی ظاہری فتحمندیاں تکمیل تک پہنچ چکی تھیں اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی تمام فتح مندیوں کے ظہور کے بعد بھی اگر ضرورت تھی تو واقعۂ ہجرۃ کی معنوی فتحمندی یاد دلائی جائے۔

فہرست

تصاویر



السحر الحلال فی مجلدات الہلال

گاہ گاہے باز خواں این دفتر پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

اردو صحافت كي تاريخ ميں الہلال هي وہ رسالہ هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصيات ميں ايک انقلاب آفريں دعوت تهي- اُس نے ملک کے سياسي ' علمي ' ادبي ' اور ديني افكار و عقائد پر جو انقلاب انگيز اثرات ڈالے ' قريب هے كه مستقبل هند كا مورخ اُن پر بحث كريگا اور اُن کے اندر وہ عناصر و مباديات ڈهونڈهيگا جن سے هندوستان كي سنہ ١٩١٩ کے بعد كي اجتماعي ذهنيت ظہور پذير هوئي -

الہلال اگرچہ ايک هفتہ وار مصور رسالہ تها ' ليكن چونكہ وہ اردو صحافت كي مختلف شاخوں ميں اجتہاد نظر و فكر كي نئي روح پيدا كرني چاهتا تها ' اِس لئے اُس كا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق كا مجموعہ تها- اُس کے هر نمبر ميں مختلف ابواب ' مذهب ' سياست ' ادبيات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامہ کے هوتے تهے- اور اُسكا هر باب اپني مجتہدانہ خصوصيات کے لحاظ سے اپني نظير آپ هوتا تها- پهر اس كي ظاهري خوبياں اُردو صحافت ميں اعلى طباعت و ترتيب كا پہلا نمونہ تهيں- اردو كا وہ پہلا هفتہ وار رسالہ تها ' جس ميں هاف ٹون تصاوير کے اندراج كا انتظام كيا گيا ' اور ٹائپ ميں چهپنے كي وجہ سے بہت سي ايسي خوبياں پيدا هوئيں جو پتهر كي چهپائي ميں ممكن نہيں- اِس كي جلديں جديد اُردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سياسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث كا بہترين مجموعہ هيں- اِن كي مقبوليت و قدر كا اندازہ اِس سے هوسكتا هے كه سنہ ١٩١٨ ميں بعض شايقين علم و ادب نے اِس كي تمام جلدوں كا مكمل ست سات سو روپيہ ميں خريد كيا- اور حال ميں ايک صاحب نے اِس كي پہلي جلد مكمل (جو دفتر ميں بهي موجود نہيں) ساڑهے چارسو روپيہ ميں حيدرآباد سے خريدي هے- جن لوگوں نے اِس کے پرچے بحفاظت جمع كئے هيں وہ بڑي سے بڑي قيمت پر بهي علحدہ كرنے كيليے تيار نہيں- پچهلے دنوں " البلاغ پريس " كا جب تمام اسٹاک نئے مكان ميں منتقل كيا گيا تو ايک ذخيرہ الہلال کے پرچوں كا بهي محفوظ ملا ' هم نے كوشش كي كه شايقين علم و ادب کے لئے جس قدر مكمل جلديں مرتب كي جاسكتي هيں مرتب كرلي جائيں اور جن جلدوں كي تكميل ميں ايک دو پرچوں كي كمي هو انہيں دوبارہ چهپوا ليا جاے -

چنانچہ الحمدللہ يہ كوشش ايک حد تک مشكور هوئي اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں كي جلديں پوري مكمل هوگئي هيں - هم اِس اعلان کے ذريعہ شايقين علم و ادب كو آخري موقعہ ديتے هيں كه اِس قيمتي ذخيرہ کے حاصل كرنے ميں جلدي كريں ' چونكہ جلدوں كي ايک بہت هي محدود تعداد مرتب هوسكي هے اس لئے صرف اُنہيں درخواستوں كي تعميل هوسكے گي جو سب سے پہلے پہونچيں گي- هر جلد مجلد هے اور ابتدا ميں تمام مضامين كي انڈكس بہ ترتيب حروف تہجي لگادي گئي هے -

الہلال مكمل جلد دوم ١٠ روپيہ   الہلال مكمل جلد سوم ١٠ روپيہ
" " " چہارم ١٠ روپيہ   " " " پنجم ١٠ روپيہ

جلد " البلاغ " (جب دوسري مرتبہ الہلال اِس نام سے شائع هوا) قيمت ٨ روپيہ

علاوہ جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هيں جن ميں سے هر پرچہ اپنے مضامين کے لحاظ سے ايک مستقل مجموعہ علم و ادب هے- قيمت في پرچہ ٨ - آنہ - محصول ڈاک و پيكنگ اِس کے علاوہ هے -

منيجر " البلاغ پريس "

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA.
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

الہلال

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت فی پرچہ پانچ آنہ

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين
القرآن الكريم

الهلال

ایک ہفتہ وار مصوّر رسالہ

جلد ۱ کلکته : جمعه ٦ ـ صفر ١٣٤٦ هجری نمبر ۸

Calcutta : Friday, 5, August 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نهین ؟

ضروری هی که هم اسکا اب فیصله کرلین

آج کوئی زبان ترقی نهین کر سکتی اگر وه اپنا ترقی یافته طریق طباعة نهین رکهتی ۔

طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نهین که حروف کی چهپائی اختیار کی جای ۔ پتهر کی چهپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبهی ترقی نهین کر سکتی ۔

هندی اور هندوستان کی تمام زبانون نی، نیز عربی، فارسی، ترکی، تینون سامی زبانون نی حروف کی چهپائی اختیار کرلی هی اور انکی طباعة یورپ کی طباعة کا مقابله کر رهی هی ۔ کیون اردو زبان بهی ایسا نه کری جو اسی رسم الخط مین لکهی جاتی هی ؟

اردو کی سب سی بهتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وه هین جن مین الهلال چهپتا هی ـ اور عربی کا بهترین خط نسخ وه هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گئی هین ـ آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کرلین ـ لیکن پتهر کی چهپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ـ

هماری رای مین بهترین حروف یهی هین ـ اگر فارسی اور ترکی کیلیی یه نا موزون نهین تو اردو کیلیی کیون نا موزون هون ؟

براه عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی ـ یاد رکهیی ـ طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیاده اهم مسئله هی ـ ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ـ

الهلال

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنين

الہلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

جلد ۱ نمبر ۸

کلکتہ : جمعہ ٦ - صفر ۱۳۴٦ ہجری

Calcutta : Friday, 5, August 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

ضروری هی که هم اسکا اب فیصله کرلین

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعة نہین رکھتی ۔

طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔ پتھر کی چھپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

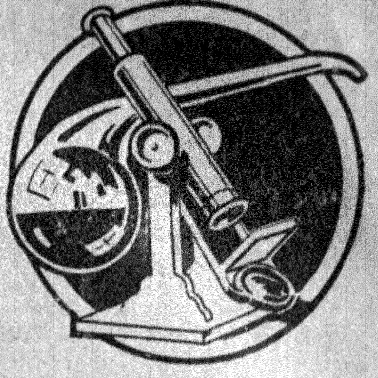
هندی اور هندوستان کی تمام زبانون نی، نیز عربی، فارسی، ترکی، تینوں سامی زبانوں نی حروف کی چھپائی اختیار کرلی هی اور انکی طباعة یورپ کی طباعة کا مقابلہ کر رهی هی ۔ کیون اردو زبان بهی ایسا نہ کری جو اسی رسم الخط مین لکھی جاتی هی ؟

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وہ هین جن مین الہلال چھپتا هی ۔ اور عربی کا بہترین خط "نسخ وہ هی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی هین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کرلین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

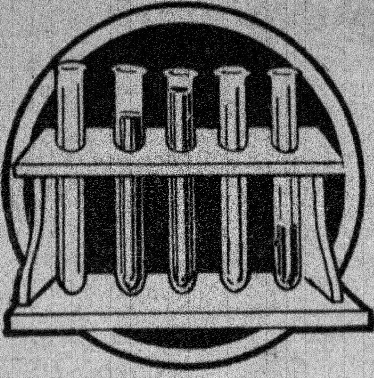
همارى راى مین بہترین حروف یہی هین ۔ اگر فارسی اور ترکی کیلیی یہ نا موزون نہین تو اردو کیلیی کیون نا موزون هون ؟

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی ۔ یاد رکھیی ۔ طباعة کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اهم مسئلہ هی ۔ ضروری هی کہ اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ۔

الہلال



مذاکرۂ علمیّہ



نظریۂ ارتقا کا گم شدہ حلقہ

کیا حلقۂ مفقودہ مل گیا ہے ؟



انسان کا دماغ — گوریلا کا دماغ

نظریۂ ارتقا کے "حلقۂ مفقودہ" سے مقصود وہ ذهني حیوان ہے ' جسکي نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ انسان کي موجودہ شکل اور هیئت کے ارتقا سے پہلے زمین پر موجود تھا - وہ انسان میں ' جو سلسلۂ ارتقا کي آخري کڑي ہے ' اور ترقي یافتہ جانوروں میں ' جو هئیت انساني سے بہت زیادہ قرب رکھتے هیں ' درمیاني برزخ تھا -

اس نظریہ کے قائلین کا خیال ہے کہ بندر کي ترقي یافتہ قسمیں مثلاً گوریلا ' اس قسم کي مخلوق هیں جنکي ظاهري هیئت ' جسماني بناوٹ ' تشریحي نظام ' اور اعضاء معنوي کے وظائف و خواص ' انسان سے بہت زیادہ قریب اور ملتے جلتے هیں - لیکن اسدرجہ قرب اور تماثل نہیں ہے کہ اُسکے بعد هي انسان کا وجود آجاے - ضروري ہے کہ درمیان میں کوئي ایک یا ایک سے زیادہ کڑیاں رهي هوں اور وهاں "جانور" کي سرحد ختم هوئي هو اور "انسان" کي حدود کا آغاز هوا هو - چونکہ علم الحیوانات کي موجودہ اور مدون معلومات میں کوئي ایسا مخلوق موجود نہیں ہے ' اسلیے اُنھیں اِسکي جستجو هوئي ' اور اِسکا نام "حلقۂ مفقودہ" یعني گم شدہ حلقہ قرار پا گیا - علماء علم الحیوانات نصف صدي سے اس گم شدہ حلقہ کي جستجو میں هیں - آثار قدیمہ اور علم طبقات الارض کي تحقیقات کے سلسلہ میں بارها اس طرح کي چیزیں دستیاب هوئیں کہ خیال هوا ' گم شدہ حلقہ کا سراغ ملگیا ہے ' لیکن پھر مطالعۂ و تفحص سے اس خیال کي تصدیق نہو سکي -

لیکن سنہ ۱۹۲۰ - سے بعض نئے انکشافات پے درپے هو رہے هیں ' اور انھوں نے ایک نیا مواد بحث پیدا کر دیا ہے - اگرچہ ان میں بھي کوئي چیز ایسي نہیں ہے جسے علمي وثوق کے ساتھہ "حلقۂ مفقودہ" قرار دیا جا سکے - تاهم علماء حیوانات و تشریح کا خیال ہے کہ قرائن و آثار بہت حد تک تشفي بخش هیں ' اور بہت ممکن ہے کہ انکي بحث و فحص سے گم شدہ حلقہ کا مسئلہ حل هو جاے -

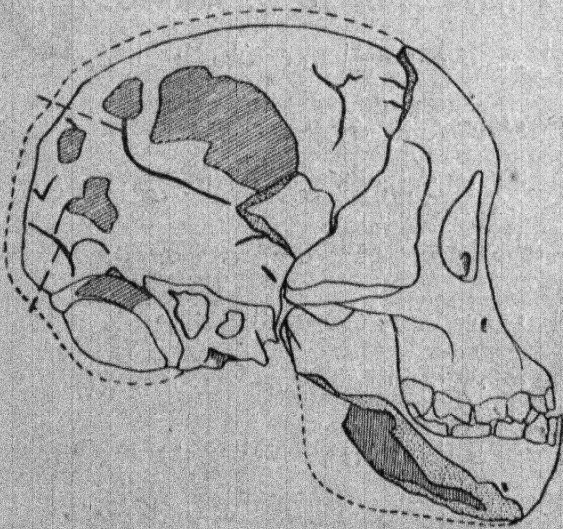
حال میں امریکہ کے بعض علماء حیوانات نے اس قسم کا مواد یک جا کرکے اُن کي نوعیت پر نہایت دلچسپ نظر ڈالي ہے - هم اُس کا مختصر خلاصہ قارئین الہلال کي معلومات کے لیے درج کردیتے هیں -

یہ امریکن پروفیسر (جس کا نام ڈاکٹر وهائٹ ہے) لکھتا ہے :

" گزشتہ دس سال کے اندر جو انکشافات هوئے هیں ' وہ سلسلۂ بحث کا نہایت قیمتي سرمایہ هیں - علم کي احتیاط کا مقتضی یہي ہے کہ اظہار وثوق میں جلدي نہ کي جائے - لیکن اگر ایسا نہ هوتا ' تو یہ انکشافات اپني موجودہ حالت میں بھي اتنے واضح هیں ' کہ کہا جا سکتا تھا ' گم شدہ حلقوں کا سراغ مل گیا ہے -

اس وقت سب سے زیادہ قوي قرائن رکھنے والے آثار پانچ هیں :

(۱) انسان هڈل برگ : یہ ایک کھوپڑي ہے جو جرمني کے مندرجۂ بالا مقام میں ملي تھي - تشریحي تحقیقات کے بعد ثابت هوگیا ہے کہ یہ نہ تو موجودہ انسان کي کھوپڑي هوسکتي ہے ' نہ کسي جانور کي - یہ ضرور ایک تیسري اور درمیاني قسم ہے -



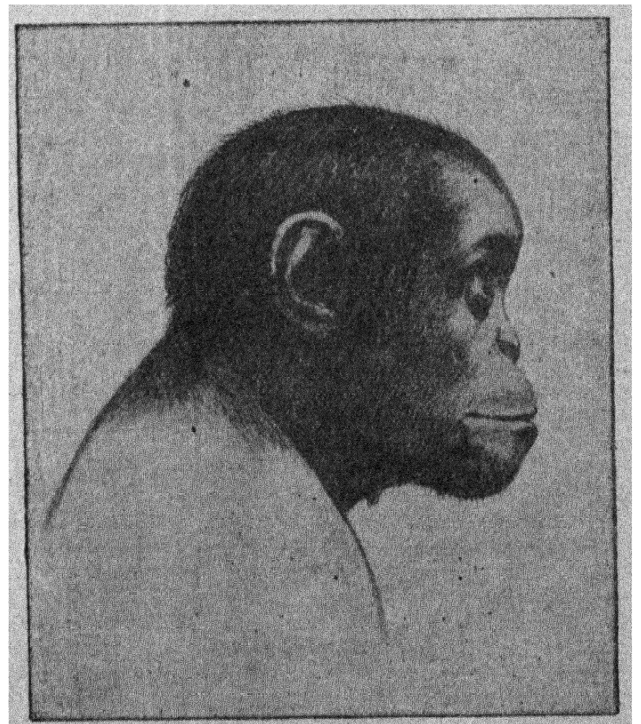
وہ کھوپڑي جو ٹرنگس میں ملي ہے ' اور جسکي نسبت خیال کیا گیا ہے کہ گم شدہ حلقہ کي کھوپڑي ہے

(۲) روڈسیا کا انکشاف : سنه ۱۹۲۱ ع میں ایک سیاح کو جنوبي افریقه میں ایک کھوپڑي ملي - یه بھي پہلي کھوپڑي کي طرح ایک تیسري تشریحي حالت رکھتي ھے - علماء تشریح و وظائف اعضاء کي تحقیق میں یه غالباً ابتدائي قسم کے وحشي انسان کي کھوپڑي ھے -

(۳) جاوا کا انکشاف : جاوا کي ایک غار سے بھي ایک قیمتي کھوپڑي ملي ھے جسکي نسبت دو مختلف رائیں قائم کي گئي ھیں - ایک جماعت کا خیال ھے ' یه گم شده حلقه کي خبر دیتي ھے - دوسري جماعت کا خیال ھے ' یه بندر ھي کي کوئي زیاده اونچي قسم ھے - وہ کہتے ھیں ' اس کھوپڑي میں پیشاني کا بیحد اُبھار اور رخسار کي هڈیوں کي نوعیت ' گم شده حلقه کي نوعیت سے مختلف ھے -

(۴) سب سے زیاده قیمتي انکشاف " وحشي انسان " کا انکشاف ھے جسکے جسم کي هڈیاں اور سر کي کھوپڑیاں بکثرت جمع ھوگئي ھیں - اسکا جسم اور چہره بالکل موجوده انسانوں کا سا تھا - لیکن اسکے جسم پر بکثرت بال تھے - ایسے بال جیسے بندر کے جسم پر ھوتے ھیں - بعض قدیم سیاحوں نے اسٹریلیا ' امریکه ' اور جزائر جنوب میں ایسے زنده انسان دیکھے بھي ھیں -

(۵) آخري انکشاف پروفیسر ڈارٹ کا مشہور انکشاف ھے جو سنه ۱۹۲۵ - میں ھوا - پروفیسر موصوف کو ٹانگس میں ایک بالکل نئي قسم کي کھوپڑي ملي ھے جو پچاس قدم سے زیاده زمین کے اندر مدفون تھي - یه کھوپڑي تمام پچھلے آثار سے کہیں زیاده گم شده حلقه کا اذعان پیدا کرتي ھے - اسکے تمام حصے موجوده انسان کي کھوپڑي جیسے ھیں - البته منهه کا نچلا حصه بہت زیاده باھر نکلا ھوا ھے ' اور یه بات علم وظائف اعضاء میں طے پاچکي ھے که انساني چہرے کا نچلا حصه ابتدا میں ایسا ھي اُبھرا ھوا تھا - پھر یه تدریج گھٹتے گھٹتے موجوده تناسب تک پہنچ گیا -



ٹونگس سے جو کھوپڑي ملي ھے ' زندگي میں وہ ایسا چہره رکھتي ھوگي ' جیسا اس تصویر میں دکھلایا گیا ھے -

ریڈیم

خزانۂ فطرۃ کا سب سے زیاده کمیاب جوھر !

حال میں اخبارات نے یه خبر شایع کي تھي که " ریڈیم کا بازار گرگیا ھے اور ایک اونس ریڈیم کي قیمت ۳۳٬۰۰۰٬۰۰۰ ڈالر کي جگه اچانک ۲۵٬۰۰۰٬۰۰۰ ڈالر ھوگئي ھے - اِس کمي کي وجه یه ھے که بلجیم کانگو (افریقه) کے علاقه " کاتنکا " میں ریڈیم کي ایک بہت بڑي مقدار نظر آئي ھے - زیکوسلاویا کي تانبے کي بعض قدیم کانوں میں بھي ریڈیم پایا گیا ھے - اگر یه تمام ریڈیم حاصل کر لیا گیا تو قیمت میں اَور بھي کمي ھوجائے گي "

لیکن اِس خبر سے لوگوں کو غلط فہمي ھوسکتي ھے - ممکن ھے کوئي خیال کر بیٹھے که جب ریڈیم کے بھاؤ میں اس طرح اُتار چڑھاؤ ھو رھا ھے تو ھر دولت مند آدمي کیلیے اسکي زیاده سے زیاده مقدار خرید لینا ممکن ھے - مثلاً امریکه کا ھنري فورڈ جیسا کروڑ پتي اگر چاھے ' تو بآساني آده سیر ریڈیم خرید لے - اپنے بینک نوٹوں کا بیگ بغل میں دبائے ' اور بازار جاکر جب چاھے ریڈیم لے آئے -

لیکن یه صحیح نہیں ھے - ھنري فورڈ کي تمام دولت بھي آده سیر ریڈیم خرید نہیں سکتي - امریکا کے دوسرے قارون راکفلر اور مللو بھي اگر اپنے خزانے جمع کر دیں ' اور امریکا ' فرانس ' انگلستان ' بلکه سارے عالم کي سلطنتیں بھي اپنے جمله خزانے پیش کردیں ' جب بھي آده سیر ریڈیم حاصل نہیں کیا جاسکتا !

یه عجیب بات ھے - مگر واقعه ھے - کیوں ؟ اس لیے که گزشته اٹھائیس برس میں ' یعني جب سے ریڈیم دریافت ھوا ھے ' دنیا اُس کي اِتني مقدار حاصل ھي نہیں کر سکي ھے ' جسے ترازو میں آده سیر کے باٹ سے تول سکیں - اِس وقت تک وہ صرف آده پاؤ کي مقدار میں حاصل ھوسکا ھے !

جن خوش نصیبوں کے قبضه میں ریڈیم ھے ' یا جنھیں اُس کي ضرورت پڑتي ھے - مثلاً سائنس داں اور ڈاکٹر ' وہ اُس کے ایک ایک ذره کي قدر کرتے اور زیاده سے زیاده قیمت پر خریدنا چاھتے ھیں - ریڈیم کي خرید و فروخت اونس کے حساب سے نہیں ھوتي ' ٹن کے حساب کا تو وھم بھي نہیں کیا جا سکتا - کیونکه ریڈیم سونے سے بھي کہیں زیاده قیمتي ھے - اُس کي قیمت سونے سے ایک لاکھ گنا زیاده ھے - ریڈیم کي خرید و فروخت رتیوں کے حساب سے ھوتي ھے - اِس وقت تک ریڈیم کي سب سے بڑي مقدار جو ایک جگهه سے دوسري جگهه منتقل ھوئي ھے ' صرف دو گرام ھے - اور معلوم ھے که ایک گرام ' اونس کا تیسواں حصه ھوتا ھے - یه مقدار بھي فروخت نہیں ھوئي ھے بلکه حکومت زیکوسلاویا نے انگلستان کو علمي تحقیقات کے لیے عاریتاً دیدي ھے -

اِس کي کوئي امید نہیں که کانگو میں ریڈیم کي کان اُس کي موجوده مقدار میں غیر معمولي اضافه کردے گي - خیال کیا جاتا ھے که اِس وقت اُس کي جتني مقدار دنیا کے ھاتهه میں موجود ھے ' اُس سے صرف ۲۵ گنا زیاده ریڈیم کانگو کي کان سے حاصل کیا جاسکتا ھے - لیکن اُس کا نکالنا بجائے خود ایک نہایت مشکل اور بڑے خرچ کا کام ھے - اِس کان کي ھر ۵۰۰ ٹن وزني چٹان میں سے زیاده سے زیاده ایک گرام ریڈیم نکلے گا - وہ بھي خالص نہیں بلکه " کلورل " اور دوسرے مواد سے ملا ھوا - اِن مواد سے اُسے علحده کرنے

کے لیے کم از کم ۵۰۰ ٹن دوسرے کیمیاوي اجزاء درکار ہونگے - ۱٬۰۰۰ ٹن پتھر کا کوئلہ خرچ ہوگا - ۱۰٬۰۰۰ ٹن مقطر پانی لگے گا - ایک مہینہ تک ۱۵۰ - مزدور کام کریں گے - پانچ ہفتے ماہرین کیمیا کي ایک پوري جماعت کو صرف کرنا ہونگے - پھر اس کے بعد مزید چار مہینے اسے کار آمد بنانے میں لگیں گے - ان تمام کوششوں، محنتوں اور کثیر مصارف کے بعد ، شاید ایک گرام ریڈیم دستیاب ہو سکے - اگر کانگو کي پوري کان سے فایدہ اٹھایا جائے ، تو بھي زیادہ سے زیادہ نصف اونس ریڈیم ملنے کي امید ہے - اس کے معني یہ ہوے کہ اس تمام دنیا کي موجودہ مقدار میں یعني تقریباً دو چھٹانک میں صرف تیس گرام کا اور اضافہ ہو جائیگا !

(ریڈیم کي نوعیت)

آخر ریڈیم ہے کیا چیز جس کي جستجو میں سارا عالم سرگرداں ہورہا ہے ، اور جس کي مدح و ثنا میں دنیا کے تمام علماء رطب اللسان ہیں ؟

ماہر کیمیا سے پوچھو - وہ بڑے جوش سے جواب دے گا " ریڈیم اگرچہ لوہے ، تانبے ، توتیے کي طرح ایک دھات ہے ، مگر سب دھاتوں سے زیادہ وزني ہے ، حتی کہ سیسے سے بھي زیادہ - سب دھاتوں سے زیادہ قیمتي ہے ، حتی کہ سونے چاندي بلکہ لعل اور الماس سے بھي زیادہ - ریڈیم ، نیچر کے خزانے کا سب سے زیادہ بیش قیمت جواہر ہے - یہي وہ پارس ہے جس کے عشق میں قدیم فلاسفہ اور حکماء دیوانے ہو رہے تھے ، اور سمجھتے تھے ، اس کے ذریعہ ہر دھات سونا بن جا سکتي ہے ! "

ڈاکٹر کے پاس جاؤ - اسے بھي قصیدہ خواں پاؤگے - وہ کہے گا " یہي وہ اکسیر حیات ہے جس کي مدتوں سے تلاش تھي - یہ عنقریب دنیا کي جملہ بیماریوں کا تریاق بننے والا ہے "

سائنس داں سے سوال کرو - فوراً بول اٹھے گا " یہ سب سے زیادہ عجیب چیز ہے جو دنیا نے دیکھي ہے - یہ اسي کے خواص کي برکت ہے کہ ذراتي ترکیب (ایٹم) کا نظریہ قائم ہوسکا ہے جو عنقریب تمام علوم میں عظیم الشان اور حیرت انگیز انقلاب پیدا کردیگا "

عالم طبقات الارض (جیالوجي) سے مخاطب ہو - وہ فوراً کہے گا " ریڈیم آتش فشاں پہاڑوں اور زمین کي اندروني حرارت کا بہترین مفسر ہے "

عالم فلکیات سے دریافت کرو - وہ کہیگا " ریڈیم ، آفتاب اور ستاروں کے نور حرارت کا سر چشمہ اور اُن کي قوت کا راز ہے "

علم الحیاۃ (بیالوجي) کا ماہر تو یہانتک کہدیگا " شاید ریڈیم ہي زندگي کا اصلي منبع ہے "

علم ہندسہ کا عالم کہیگا " اگر ریڈیم کي کافي مقدار حاصل ہوجائے تو اتني عظیم الشان قوت انسان کے قبضہ میں آجائے جس کا اسوقت تصور بھي مشکل ہے - ایسے حیرت انگیز آلات ایجاد ہو جائیں جنکے مقابلہ میں موجودہ آلات بالکل ہیچ ہیں - وہ آلات ایسے محیر العقول کام کر سکینگے جن کا عشر عشیر بھي حال کے آلات سے ممکن نہیں - پھر صنعت و حرفت میں بھي بالکل کایا پلٹ ہو جایگي - ابھي ریڈیم کي جتني قابل مقدار موجود ہے ، وہي بے شمار فوائد پہنچا رہي ہے - اسکا ایک ادنی کرشمہ یہ ہے کہ اس سے ایک ایسا روغن ایجاد ہوگیا ہے جو گھڑي کي سوئیاں ، بحري اور ہوائي جہازوں کے آلات ، اور برقي کنجیاں ، اندھیري راتوں میں روشن رکھتا ہے - قیمتي جواہرات اس سے طیار ہو جاتے ہیں - اگر کچھ مدت کے لیے سفید (بے رنگ) یاقوت ، ریڈیم کے زیر اثر رکھدیا جائے ، تو ہمیشہ کے لیے زمرد بن جاتا ہے - نقلي اور مصنوعي نہیں - حقیقي ، بیش قیمت زمرد ! "

اس عجیب و غریب اور نادر چیز " ریڈیم " کا خاصہ کیا ہے ؟ مختصر جواب یہ ہے کہ " شعاعي قوت " - شعاعي قوت کے کیا معني ہیں ؟ ٹھیک وہي جو ان دو لفظوں سے سمجھے جاتے ہیں - یعني شعاعوں کي شکل میں قوت - مزید تفصیل آگے آتي ہے -

(ریڈیم کا انکشاف)

حیرت انگیز ریڈیم کا انکشاف اس طرح ہوا کہ سنہ ۱۸۹۵ ع میں مشہور فرنچ سائنس داں ہنري بکریل اپني علمي تحقیقات میں مصروف تھا - فوسفورسي روشني کے تجربے کر رہا تھا - اچانک اسنے دیکھا ، ایک خاص عنصر " اورانیم " کے اجزاء فوٹو گرافي کي تختي پر تاریکي میں اثر ڈال رہے ہیں - حتی کہ اگر سیاہ کاغذ سے چھپا دیا جاے ، جب بھي انکا اثر پہنچ جاتا ہے - اس پر اسے بڑي حیرت ہوئي مگر ریڈیم کي طرف رہنمائي نہ ہوسکي - البتہ علمي دنیا نے یہ تسلیم کر لیا کہ اورانیم میں شعاعي قوت موجود ہے ، اور اس سے کام لیا جانے لگا - چنانچہ اسوقت سے شیشہ اور چیني کے ظروف رنگنے میں اکسائڈ اورانیم برابر استعمال ہونے لگا ہے -

اسکے بعد ایک نوجوان پولش خاتون میڈم کیوري نے اورانیم کے مخفي خواص کي پیرس میں تحقیقات شروع کي - اسنے بہت جلد معلوم کر لیا کہ یہ شعاعي قوت والا مادہ ، خود اورانیم نہیں ہے ، بلکہ کوئي اور عنصر ہے اور اکسائڈ اورانیم سے ملا ہوا ہے - یہ دیکھکر اسنے یہ مادہ تحلیل کرنا اور مختلف قسم کے تیزابوں سے بار بار دھونا اور صاف کرنا شروع کیا - اب اسکي حیرت و مسرت بے حساب تھي - کیونکہ تحلیل کے بعد جو مادہ باقي رہگیا تھا ، اسکي شعاعي قوت برابر بڑھتي چلي جا رہي تھي - اسکے بعد وہ الکٹرسکوپ کي مدد سے تین اونس ایک نیا عنصر حاصل کر لینے میں کامیاب ہوگئي - یہ عنصر اورانیم سے بھي ساتھہ گنا زیادہ سخت تھا - فوراً اس مادہ کے چند کیمیاوي خواص بھي دریافت ہوگئے - اسنے بڑے فخر و مباہات سے اپنے عظیم انکشاف کا اعلان کر دیا ، اور اپنے وطن کے نام پر اسکا نام " پولونیم " رکھا - یہ " پولونیم " ریڈیم کے انکشاف کي طرف عملي قدم تھا - تین سال کي مزید تحقیقات کے بعد اسي خاتون نے اعلان کیا کہ اکسائڈ اورانیم میں شعاعي قوت کا اصلي سر چشمہ اسنے دریافت کر لیا ہے - اسي سر چشمہ کا نام بالاخر " ریڈیم " پڑا - اور آہستہ آہستہ اسکے مزید خواص معلوم کیے گیے -

اسکے بعد سر ارنسٹ آرتھر فورڈ نے دریافت کیا کہ ریڈیم کي شعاعیں تین قسم کي ہیں - چنانچہ یوناني ابجد کے تین ابتدائي حرفوں پر انکے نام رکھ گئے - پہلي شعاع کا نام " الفا " دوسري کا " بیٹا " تیسري کا " گاما "

(ریڈیم کے خواص)

پھر تحقیقات سے ثابت ہوا کہ پہلي شعاع " الفا " مثبت کہربائي لہروں کا مجموعہ ہے - وہ اس قدر تیز رفتار ہے کہ ہر سکنڈ میں ۲۰٬۰۰۰ میل حرکت کرتي ہے - یعني توپ کے گولے سے بھي ۴۰٬۰۰۰ مرتبہ زیادہ تیز رفتار ہے - لیکن یہ شعاع ، نفوذ و سریان کي زیادہ قوت نہیں رکھتي - شیشے کي نہایت رقیق تختي حائل کر کے اسے روک دیا جا سکتا ہے -

برخلاف اسکے شعاع "بیٹا" اُس سے دس گنی زیادہ تیز ہے' یعني ہر سکنڈ میں ۰۰۰'۰۰'۲ میل کي سرعت رکھتي ہے - گویا آفتاب کے نور کي طرح تیز رفتار ہے - تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ یہ شعاع جلد میں نصف انچ تک گہري اتر جاتي ہے' اور شیشہ' الومینم' اور سیسے کي پتلي چادریں کو بھي توڑ کر ۱/۱۲- انچ گہرائي تک چلي جاتي ہے !

تیسري شعاع "گاما" شعاع ایکس (ایکس راز) سے بہت مشابہ ہے - فرق صرف یہ ہے کہ اسکي مثبت لہر X (ایکس) سے طول میں کم ہے - لیکن یہ شعاع نفوذ و سیلان کي بہت بڑي قوت رکھتي ہے - سیسے کي بارہ انچ موٹي تختي کو بھي توڑ کر نکل جاتي ہے !

اِس سے بھي زیادہ حیرت انگیز تحقیق یہ ہے کہ "شعاع الفا" پھوٹنے کے بعد نامعلوم طریقہ پر اپنے اندر دو منفي کہربائي لہریں جمع کر لیتي ہے' اور یہ لہریں بالاخر ہیلیم (Helium) کے ذرے بن جاتي ہیں - اسکے معني یہ ہوے کہ ریڈیم سے ہمیشہ ایک اور مادے کا فوارہ بھي چھوٹتا رہتا ہے - یہ مادہ ریڈیم سے مختلف ہے - اتنا مختلف' جتنا کوئي مادہ کسي دوسرے مادہ سے مختلف ہو سکتا ہے -

(سورج اور ریڈیم)

درحقیقت یہ عجیب بات ہے کہ خود ریڈیم کے اندر ہیلیم بالکل موجودہ نہیں ہے - تاہم کسي مخفي سبب سے اسکے ذرے ریڈیم سے برابر بہتے رہتے ہیں !

یہي بات دیکھکر علماء کا خیال اِس سب سے زیادہ حیرت انگیز حقیقت کي طرف منتقل ہوا کہ کائنات کا قیام دراصل صرف کہرباء یا بجلي کي قوت پر ہے - اِسي سے کائنات کے اُس سب سے زیادہ مخفي اور عجیب راز کي تحقیقات کا دروازہ کھلا جسکا تصور بھي کبھي انسان نہیں کرسکتا تھا - یعني آفتاب کي روشني' حرارت' اور قوت کے سرچشمے کا انکشاف ہوا -

آفتاب میں ہیلیم کا وجود' زمین میں اسکے وجود کي تحقیق سے پہلے ہي معلوم کر لیا گیا تھا - اسپکٹرسکوپ کے ذریعہ پتہ چل گیا تھا کہ آفتاب کے ہالے میں ہیلیم کي بہت بڑي مقدار موجود ہے - وہ عظیم الشان ہالہ جو سورج کے گرد حلقہ بنائے قائم ہے اور خلا میں لاکھوں میل تک اپني آتشیں زبانیں پھیلائے ہوے ہے !

ریڈیم کا طلسم یہ سوال پیدا کرتا ہے کہ آفتاب کے آتشي ہالے میں ہیلیم کا وجود کیا اِس بات کي دلیل نہیں ہے کہ خود آفتاب کے اندر بھي ریڈیم سے لبریز خزانے موجود ہیں ؟ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آفتاب کا تمام نور' حرارت' اور قوت' اِسي ریڈیم کا کرشمہ ہو؟

اگر ایک گرام ریڈیم سے اِتني حرارت پیدا ہوتي ہے کہ ۳/۴ گھنٹہ میں ایک گرام یخ کو پگھلا کر کھولا دیتي ہے' تو آفتاب میں ریڈیم کا خزانہ کتني سخت حرارت پیدا کرتا ہوگا ؟

اِس کا اندازہ کرنے کیلیے اس قدر جان لینا ضروري ہے کہ آفتاب کا وزن :

۱۰۰۰۰۰۰۰'۰۰۰۰۰۰۰۰'۰۰۰۰۰۰۰۰'۰۰۰۰۰ - ٹن ہے - یعني زمین سے ۰۰۰'۳۲'۳ گنا وزني ہے - ظاہر ہے' اتنے بڑے کرہ میں کتنا بڑا خزانہ ریڈیم کا موجود ہوگا جو آفتاب کي اِس محیر العقول روشني' گرمي' اور قوت کا منبع ہے !

سائنس نے یہ بات دریافت کرلي ہے کہ آفتاب کي حرارت' اسکے احتراق (جلنے) کا نتیجہ نہیں ہے - یہي حال ریڈیم کا بھي ہے - اسکي حرارت' احتراق کي وجہ سے نہیں ہے - بلا شبہ کچھہ احتراق بھي ہوتا ہے مگر اِس قدر کم' کہ نہ ہونے کے برابر ہے - پھر یہ بھي ثابت ہوگیا ہے کہ ریڈیم کي قوي النفوذ شعاع "گاما" سورج کي شعاعوں سے بہت مشابہ ہے - پس کیا یہ ممکن نہیں کہ آفتاب کي یہ شعاعیں جو ہم تک ۰۰۰'۰۰'۳۰'۹ میل مسافت طے کرکے منظم شکل میں پہنچتي ہیں' دراصل ریڈیم کي "گاما" شعاعیں ہي ہوں؟ بہت ممکن ہے' کہ ایسا ہي ہو - دنیا بھر کے سائنس داں اِس وقت اِس اہم مسئلہ پر غور و بحث کر رہے ہیں -

ٹھیک اِسي معقول اور علمي طریقہ پر زمین کے اندروني گرم مادوں' مثلاً آتش فشاں لاوا اور کھولتے اور گرم معدني چشموں وغیرہ کا اصلي سبب بھي ریڈیم ہي قرار دیا جا رہا ہے - تحقیقات کا سلسلہ جاري ہے - ممکن ہے چند سال بعد اِس باب میں علم کوئي قطعي رائے قائم کر سکے' اور وہ حقائق اچانک دنیا کے سامنے آجائیں' جو ابتک قدرت کے سربستہ راز سمجھے جاتے تھے -

پھر یہ بھي ایک عجیب بات ہے' جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا کہ ریڈیم اگرچہ مسلسل حرارت و قوت پیدا کرتا رہتا ہے' مگر خود اسکے جوہر میں کوئي نمایاں کمي واقع نہیں ہوتي - اِس کا اندازہ اِس سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک گرام ریڈیم سال بھر میں ۰۰۰'۶۰'۱۱ - وزن حرارت پیدا کرتا ہے - یہ حرارت تقریباً تیرہ سیر منجمد برف کو پگھلا کر کھولا دے سکتي ہے - مگر اِس سے خود ریڈیم میں صرف ۱/۲۵۰۰ - کي کمي لاحق ہوتي ہے جو بہ منزلۂ عدم ہے - تاہم کمي ضرور ہے' اور ایک بہت بڑي مدت کے بعد وہ اِس بیش قیمت جوہر کو حقیر دھات کي شکل میں تبدیل کردے سکتي ہے - علماء کا خیال ہے' ریڈیم اپني خصوصیات سے محروم ہونے کے بعد سیسہ ہو جاتا ہے - لیکن اس تبدیلي کے لیے کم سے کم ۴۶۰'۳ - برس کا زمانہ گذرنا چاہیے - اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ مثلاً جو ریڈیم زمین میں ۱۵۰۰ - برس قبل از مسیح سے موجود ہے' وہ ابتک ریڈیم ہي ہے - سیسہ نہیں ہوا ہے !

اِس سے بھي زیادہ عجیب بات یہہ ہے کہ ریڈیم ایک بالکل مختلف مادے سے کیمیاوي طریق پر تبدیل ہوکر اپني شکل میں آتا ہے - اِس تبدیلي کا تصور قدیم حکماء کو بھي ہوگیا تھا - وہ اپني عقل کے زور سے خیال کرتے تھے کہ تمام دھاتیں سونے کي شکل میں تبدیل کي جا سکتي ہیں اور ان دھاتوں سے اکسیر حیات طیار ہو سکتي ہے -

ریڈیم کي تکوین' علماء کي نظر میں نہایت ہي حیرت انگیز معما ہے - تحقیقات سے ثابت ہوگیا ہے کہ ریڈیم کا مورث اعلی یا اصل اورانیم ہے - اِس اورانیم میں تین بڑي تبدیلیاں ہوتي ہیں - علماء نے اِن تبدیلیوں کے تین نام رکھے ہیں : اورانیم س ۱ - اورانیم س ۲ - اورانیم س ۳ - آخر الذکر تبدیلي کے بعد اورانیم' یونیم ہو جاتا ہے' پھر یونیم ترقي کرکے ریڈیم ہو جاتا ہے - ریڈیم میں تنزل ہوتا ہے تو وہ پہلے پولونیم ہوتا ہے' پھر سیسہ بن جاتا ہے - اورانیم اور سیسہ کے مابین اصلي ذرے ۱۶ - ہیں - پوري تبدیلي کے لیے کم از کم ۰۰۰'۰۰'۰۰'۶ سال درکار ہوتے ہیں -

اگر ریڈیم بگڑکر سیسه هوجاتا هے تو یهاں قدرتي طور پر سوال پیدا هوتا هے که کیا شروع هي سے زمین مین ریڈیم کي بهت بڑي کمیت موجود تهي ؟ اور کیا تمام موجوده سیسا اصل میں ریڈیم هي تها ؟ بهت ممکن هے ایسا هي هو' اگر ایسا هي هے تو پهر زمین شروع میں اپني موجوده حالت سے بالکل مختلف هوگي- شروع میں زمین ایک ننها سا آتشیں کره تهي یا خود افتاب کا ایک چهوٹا سا جزء -

عام طور پر علماء کا یهي خیال هے که زمین اصل میں ایک آتشي کره تهي اور افتاب یا کسي دوسرے عظیم کره سے کٹ کر جدا هوئي هے یه زندگي سے بالکل خالي تهي- پهر بتدریج سرد هونے کے بعد زندگي کے تخم سے آباد هوئي' اور ذي روح کا مسکن بن گئي- زندگي کے یه تخم' اثیهر میں پڑے بهه رهے تهے - اگر واقعه یهي هے تو سوال پیدا هوتا هے' کیا یه ممکن نهیں که زندگي کے یه تخم اصل میں ریڈیم هي کے گیس هوں ؟ بهت ممکن هے ایسا هي هو - کیونکه سائنس نے قطعي طور پر ثابت کردیا هے که شعاعي قوت کا زندگي کے حقیقي عناصر سے گهرا تعلق هے - دلیل اسکي یه هے که بعض بیج ریڈیم کي شعاعوں کے زیر اثر آتے هي فوراً کونپلیں پیدا کردیتے هیں' اور پهر غیر معمولي سرعت و قوت سے بڑهنے لگتے هیں !

لیکن علماء کا پخته خیال هے که ریڈیم کي' اس کي اصلي اور بے میل شکل میں زیاده کمیت' زمین کي سطح پر کبهي موجود نه تهي - یه اسلیے که اسکے کیمیاوي خواص اسے تقریباً نا ممکن ثابت کر رهے هیں - وه همیشه دوسرے مواد سے مرکب ملتا هے - خالص ریڈیم کا حصول بهت هي مشکل هے - اگر حاصل هو بهي جاے تو اسکا اصلي حالت میں محفوظ رکهنا اور بهي مشکل هوگا - کیونکه وه هوا سے جلد متاثر هوجاتا هے - یهي وجه هے که ریڈیم کي عام تجارت اسکے مختلف نمکوں : برومائد' کلورائد' کاربونیٹ' سلفیٹ کي شکل میں هوتي هے -

(طبي فوائد)

روشني کے روغنوں کے علاوه ریڈیم سے طب میں بهي بڑے بڑے کام لیے جا رهے هیں - طب میں اسکے استعمال کي طرف سب سے پهلے سنه ١٩٠١ - میں پیئر کوري نامي طبیب کو رهنمائي هوئي - یه شخص ریڈیم کي دریافت کرنے والي مادام کوري کا شوهر هے لیکن ریڈیم کے علاج کا اصلي موجد هنري ڈومینیسي هے - سنه ١٩٠٦ - میں اسنے دریافت کیا که اگر سیسه کي تهیلي میں ریڈیم کي شعاعیں دو مربعه جهاں کي جائیں' تو وه جسم کے ان ریشوں کو زائل کردیتي هیں جو سرطاني مادون سے آلوده هوتے هیں - مگر تندرست ریشوں پر ان کا کوئي برا اثر نهیں پڑتا -

اس وقت سے ریڈیم مختلف امراض کے علاج میں استعمال هونے لگا - مثلاً سرطان' طرح طرح کے ورم' نقرس' عصبي درد' عرق النساء' ریڑهه کا درد' ذیابیطس' خون کي کمي' هیضه' ٹیفوڈ وغیره - خیال کیا جاتا هے که ریڈیم' ایکس ریز کے جلے هوے زخم اچهے کر دیتا هے - ٹیفوڈ' هیضه اور بسهوري کے جراثیم قتل کر ڈالتا هے - معده کو درست کرتا هے - اشتها پیدا کرتا هے' اور ان تمام کیمیاوي تبدیلیوں میں مساعد هوتا هے جو انساني جسم میں برابر جاري رهتي هیں -

(ریڈیم کے مضر اثرات)

لیکن جهاں ریڈیم کے بے شمار فوائد هیں' اسکي مضرتیں بهي هیں- مدت تک ریڈیم کے زیر اثر رهنا سخت نقصان کا موجب هوتا هے-

جو لوگ ریڈیم کے علاج میں مشغول رهتے هیں' وه اپني حفاظت سیسے کي صدریاں پهنکر کرتے هیں - تاهم انکي صحت کو آخر کار سخت نقصان پهنچتا هے - ریڈیم کي شعاعیں براه راست کوئي تکلیف نهیں پهنچاتیں - لیکن اهسته آهسته خون کے سفید اور سرخ ذرے بگاڑ دیتي هیں - خون کا دباؤ هلکا کردیتي هیں - اکثر خون میں کمي بهي پیدا هوجاتي هے - ناخون بد صورت اور انکے گرد کي کهال کهري اور موٹي هوجاتي هے - چهره اور هاتهوں کي جلد میں بهي التهاب پیدا هو جاتا هے -

ریڈیم کي ابهي جتني مقدار حاصل هوئي هے' وه تمام مریضوں کے علاج کیلیے بالکل نا کافي هے - تا هم اسے نهایت هوشیاري سے استعمال کیا گیا هے' اور ایسے طریقے ایجاد کیے گئے هیں که اسکا نفع زیاده سے زیاده عام هو سکے - ریڈیم کي شعاعي قوت کا گیس چهوٹي چهوٹي نلیوں میں اس طرح بند کیا گیا هے' که اس سے علاج میں کام لیا جا سکے- هر نلي ١٨ - ٢٠ - روپیه میں فروخت هوتي هے اور زیاده سے زیاده چار دن تک کام دیتي هے - یه نلي بیمار کے جسم میں اسي طرح داخل کردي جاتي هے' جس طرح انجکشن کي سوئي داخل کي جاتي هے -

اس وقت کوئي شخص بهي پیشین گوئي نهیں کرسکتا که ریڈیم کے آئنده فوائد اور کیا کیا دریافت هونگے ؟ اور ان کن طریقوں پر اسے استعمال کیا جا سکے گا ؟ امید کي جاتي هے که سائنس کوئي ایسا طریقه ایجاد کر سکے' جس سے ریڈیم کے حصول میں آساني هو جاے' اور علماء طبقات الارض کا یه نظریه ایک دن صحیح ثابت هو جاے که هماري زمین کے شکم میں سراسر ریڈیم هي بهرا پڑا هے - اگر کبهي یه نظریه صحیح ثابت هوگیا تو کون اندازه کرسکتا هے که انسان کو کتني قوت' کتني حرارت' اور کسقدر روشني حاصل هو جائیگي ؟

مغرب کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتین

" دنیا میں هر شخص کا ایک کام هوتا هے - میرا کام یهي هے که میں تلخ مگر مفید سچائي عوام پر ظاهر کردوں - جهانتک میري استطاعت میں تها ' میں نے انسانیت ' شرافت ' اور روا داري کي دعوت دي هے - اگر دنیا نے نهیں سنا ' تو یه میرا قصور نهیں هے - میں نے اپنے لیے ایک قاعده بنا لیا هے میں عالمگیر سچائیوں کا ساتهه دونگا - میں کسي پر الزام نهیں لگاتا ' کسي کي تضحیک نهیں کرتا ' کسي معین شخص پر حمله نهیں کرتا - میرا حمله انسانوں پر هے - میں کسي خاص فعل کو برا نهیں کهتا - میں شر کو برا کهتا هوں " (روسو)

انقلاب فرانس کے ارکان ثلاثه

جان جاک روسو

یه سلسله شروع کرتے هوے گذشته نمبر میں هم نے والتیر کے مختصر حالات درج کیے تے ' اور لکها تها که آینده نمبروں میں اسکے اجتماعي اصول و مبادیات پر ایک مقاله شائع کیا جائیگا - پهر اس پر نقد و تبصره کیا جایگا - لیکن پهر همیں خیال هوا که اس ترتیب کي جگهه یه ترتیب بهتر هوگي که پہلے ان تینوں ارکان انقلاب کے مختصر حالات و افکار شائع کر دیے جائیں - پهر انکے اصول و مبادیات کا خلاصه دیدیا جاے - اس کے بعد به یک دفعه ان پر نقد و تبصره کیا جاے - چنانچه آج روسو پر ایک مختصر تحریر شائع کي جاتي هے - یه غالباً دو نمبروں میں ختم هو جایگي - اسکے بعد فرانسیسي انسایکلو پیڈیا اور اسکے مصنفین کے حالات و افکار پر نظر ڈالي جائیگي ' اور اسکي اشاعت کے بعد نقد و تبصره کا سلسله شروع هوگا - حال میں ایک نهایت قیمتي مجموعه روسو کے تمام مکاتبات کا بهي پیرس سے شائع هو رها هے - تین جلدیں گذشته سال شائع هو چکي تهیں - چوتهي جلد پچهلي ڈاک سے هندوستان پهنچي هے - یه مجموعه اسقدر دلچسپ اور گوناگوں معلومات سے لبریز هے که ضرورت هے ' کم از کم ایک دو تحریریں روسو کے مکاتیب پر بهي لکهي جائیں - اگر یه لکهي جا سکیں تو یه بهي اسي سلسله کي ایک کڑي هو جائیگي -

انقلاب فرانس کے دماغي ارکان در اصل از منۂ وسطی (میڈل ایجز) کے کلیسائي اور شاهي استبداد کا رد فعل تے - اسلیے ناگزیر تها که پچهلے افراط کے مقابله میں ایک نئي تفریط پیدا هو جاے - والتیر ' روسو ' اور ڈیدرو ' ذهن و عقل کي اسي تفریط کي مخلوق هیں - انکي ذهني روح تعمیر سے نهیں بلکه تخریب کے هیجان سے پیدا هوئي - وه اثبات کے نهیں ' نفي کے واعظ تے - مسیحي کلیسا کے جمود اور شاهي نظام کے استبداد نے " اثبات " اور " اعتقاد " کا جو غلو پیدا کردیا تها ' اس نے اس رد فعل میں " نفي " اور " شک " کا اغراق پیدا کردیا - یه بلا شبه اس زمانے کي طبیعت کا قدرتي مقتضی تها - پچهلي " تعمیر " کي درستگي کیلیے ایک نئي " تخریب " کي ضرورت تهي - انهوں نے کلیسائي اور شاهي جمود کا بت توڑ دیا - لیکن جیسا کہ قاعده هے ' اس بت شکني میں وه خود بهي ایک نیا بت کده بنا گئے ، اور اسکے لیے پهر دنیا کو ایک نئے بت شکن کا انتظار هے !

بهر حال انقلاب فرانس کے مبادیات پر یه جدید نقد و نظر ' اس سلسله کي اصلي چیز هوگي - یه میرے قلم سے نکلي هے ' اور میرے قید خانه کے مسودات میں سے هے - (ابو الکلام)

ایک مرتبه ایک مجلس میں انگریزي عالم ادب کا غیر معمولي انسان اور انقلاب فرانس کا سب سے بهتر وقائع نگار ' کارلائل موجود تها - لوگ حکما کي خیالي نقشه آرائیوں پر بحث کر رہے تے - ایک شخص نے کها " اجتماع و معاشرت کے انقلابات کے نقشے ایک خوش دل کن تخیل سے زیاده نهیں هیں " جونهي اس رائے زني کي بهنک کارلائل کے کانوں میں پڑي ' اس نے مجمع کو مخاطب کرکے کها :

" حضرات کچهه عرصه گزرا ' اس دنیا میں ایک شخص تها - روسو - اس نے ایک کتاب لکهي تهي - جب یه کتاب شائع هوئي تو بهت سے آدمیوں نے اس کي هنسي اڑائي - لیکن جب اس کا دوسرا ایڈیشن شائع هوا ' تو اس کي جلد باندهنے کے لیے انهي لوگوں کے جسم کا چمڑا استعمال کیا گیا تها ' جنهوں نے اس کي هنسي اڑائي تهي ! "

یه هے یورپ کے اٹھارهویں صدي کي عجیب و غریب شخصیت جان جاک روسو - اور یه هے اُس کي انقلاب انگیز اور عالم افگن تعلیمات کا ساحرانه نفوذ' جس کي طرف کارلائل نے ان ضرب المثل بن جانے والے لفظوں میں اشارہ کیا تھا !

نپولین کہا کرتا تھا " انقلاب فرانس کچھه نه تھا مگر روسو " ایک اور موقعه پر اُس نے کہا " روسو هي انقلاب کا باپ تھا " بلاشبه روسو انقلاب فرانس کا باپ تھا ' لیکن وہ اس سے بھي بڑھکر تھا - اُس نے صرف فرانس هي میں نہیں بلکه اپنے پورے عہد کي عقلي و اجتماعي زندگي میں انقلاب پیدا کر دیا - اس کے مبادیات و اصول کو لوگ صحیح سمجھیں یا غلط ' لیکن عملي دنیا کا فیصله یهي هوا کہ دنیا آنکھه بند کرکے اُس کي رهنمائي پر چل پڑي' اور اُس کے سوا دوسروں کي رهنمائي قبول کرنے سے انکار کر دیا - اٹھارهویں صدي سے لیکر اس وقت تک دنیا کے قوموں کي حکومتوں میں ' ان کي سوسایٹي اور معاشرت میں ' اُن کے عقلي اعمال و عقائد میں ' ان کے علم و فن کے کار و بار میں ' ایک بہت بڑي زندہ حقیقت روسو اور روسو کے اصول و مبادي هیں !

(مختصر حالات زندگي)

سنه ١٧١٢ ع میں روسو جنیوا میں پیدا هوا تھا - اُس کا باپ آیزک روسو ایک غریب آدمي تھا ' مگر سست ' ناکارہ ' اور بد اخلاق - گھڑیوں کي مرمت کرتا اور عورتوں کو ناچنا سکھا کر پیٹ پالتا - لیکن اُس کي ماں بہت هي شریف عورت تھي - اُس کي شرم و حیا اور شریفانه نسواني جذبات کا تمام سوانح نگاروں نے اعتراف کیا هے - روسو میں اپنے ماں اور باپ' دونوں کے اخلاق جمع هوگئے تھے - البته بعد میں اُس نے بہت کچھه اصلاح کرلي تھي -

روسو کي ابتدائي تعلیم نہایت ناقص تھي - اُسے بچپن هي سے افسانے اور خیالي قصے پڑھنے کا شوق هوگیا تھا - لیکن اُس کے تمام سوانح نگار تسلیم کرتے هیں که یه مطالعه اُس کے عجیب ذهن کے لیے مضر نہیں بلکه مفید ثابت هوا -

روسو ابھي پوري طرح جوان بھي نہیں هوا تھا که اپني روزي کمانے پر مجبور هوگیا - اُس کے والد نے اُسے دستکاري کا پیشه اختیار کرنے پر مجبور کیا مگر اس میں کامیابي نہیں هوئي - کئي مقامات میں اُس نے نوکري کي مگر اپني تنگ مزاجي اور خاص قسم کي طبیعت کي وجه سے کہیں جم نه سکا - نه وہ اپنے کسي آقا کو خوش کرسکتا تھا - نه اُس کا کوئي آقا اُسے مطمئن کردینے کي قابلیت رکھتا تھا !

اپني زندگي کا یه زمانه اُس نے سخت مصائب میں گزارا - تنگ دستي همیشه اُس کي رفیق رهي - بے اطمینانی نے کبھي ساتھه نه چھوڑا - صحبت نہایت خراب تھي - سوسائٹي کا سب سے زیادہ بدترین طبقه اُس کے حصے میں آیا تھا -

(ترقي و شهرت کا پہلا موقعه)

٣٩ - سال اِس طرح گزر گئے - اب تک وہ بالکل گم نام تھا - لیکن قدرت کي نظر عنایت اُس پر شروع هي سے تھي - وہ اُسے اپنے مدرسهٔ مصائب میں طیار کر رهي تھي -

سنه ١٧٤٩ ع میں اچانک اُس کے اقبال کا ستارا طلوع هوا - فرانس کے ایک علمي مجمع (اکاڈیمي) نے ایک موضوع مقرر کیا ' اور اهل علم کو اُس پر بحث کي دعوت دي - مقابله سخت تھا - منتخب علماء میدان میں اتر پڑے تھے - تاهم روسو نے همت کي اور مضمون لکھا - اُس کا مضمون سب سے بہتر ثابت هوا - مجمع علمي نے اِس گمنام " عالم " کي قابلیت کا اعتراف کیا - اور اُسے مقابله کا انعام دیکر همت افزائي کي - اِس طرح دنیا نے پہلي مرتبه سنا که روسو' فرانس میں ایک بڑا عالم هے !

(حکومت اور کلیسا کا متعدد حمله)

اب روسو پر شهرت کا دروازہ کھل گیا - بڑي تیز گامي سے وہ آگے بڑھا ' اور تھوڑے هي عرصه کے اندر اپنے عہد کا سب سے بڑا عالم تسلیم کر لیا گیا -

مگر کیا اِس شهرت و عزت سے اُس کي زندگي کي مصائب دور هوگئیں ؟ نہیں ' اور زیادہ هوگئیں - پہلے وہ صرف تنگ دستي کا شکار تھا ' اب وہ حکومت اور کلیسا کي دشمني کا بھي شکار هوگیا - جوں هي اُس کي تصانیف سوشل کنٹریکٹ ' هلواز ' اور امیل نامي شائع هوئیں ' حکومت اور کلیسا کے ایوانوں میں تہلکه مچ گیا - دونوں نے بیک وقت اُس پر یورش کردي ' اور انتقام لینے کیلیے اپنے تمام هتیار سنبھال لیے !

فرانس ... بھکشر
فرار ... حکومت
مگر ... کرسکا اُسے
هوئي ... طریقه پہنچا
اس ... ه سات نه
استق ... محصول دیکھکر
کرتا ... ایک کے
اتلي ... س نقبال
سے ... هوا - وہ
کرچکا ... حنچنے
اسے ... صادر
لیکن ... لي -
کا جا ... سکیگا -
صیبت
چھپتا

تھا - وهیں دشمن کا هاتھه دراز هوجاتا تھا : ضاقت علیهم الارض بما رحبت و ضاقت علیهم انفسهم کے عالم میں مبتلا تھا - ابھي یه مصیبت بڑھتي هي جاتي تھي که ایک دوسري مصیبت بھي شروع هوگئي - یعني طرح طرح کے جسماني امراض و آلام نے آگھیرا - آخر اسي حالت میں ' که دنیا اپني ساري وسعت کے ساتھه اُس پر تنگ هوچکي تھي ' سنه ١٧٧٨ ع میں انتقال کیا ' اور گوشهٔ قبر میں پناہ لي !

اِن مصائب نے روسو کے دل و دماغ پر کیا اثر ڈالا ؟ کیا وہ اِن سے مرعوب هوگیا تھا ؟ کیا اپنے عقائد و افکار سے دست بردار هوگیا تھا ؟ کیا اُسنے اپنے بے پناہ دشمن کے سامنے هتیار ڈالدیے تھے ؟

اگر وہ ایسا کرتا تو یقیناً عیش کي زندگي بسر کرتا - مگر صرف زندگي هي بسر کرتا - زندگي کي عظمت حاصل نه کر سکتا - اپني موت کے ساتھه هي مرجاتا - اُسکي ساري عظمت ' اُسکي دماغي قابلیتوں سے زیادہ ' اُسکے دل کي مضبوطي میں هے - بلا شبه وہ اپنا جسم کونے کونے میں چھپاتا پھرا' مگر اُسکا قلم بے پناہ شمشیر بنکر همیشه دشمن کا قلع قمع کرتا رها - اُسکي بلیغ ترین کتابیں ' اِسي

آخري عهد مصائب كي يادگار هيں - أنميں سب سے بلند درجه أسكے " مكالمات " اور " اعترافات " كو حاصل هے - إن سے بهي بڑهكر أسكي وه تحريريں هيں ' جو أسنے پيرس کے أسقف (لاٹ پادري) اور جنيوا كي حكومت کے جواب ميں لكهي تهيں -

(روسو اور كليسا كا معركه)

' إس جنگ ميں كون فتحمند رها : روسو يا أسكے دشمن ؟

إسكا جواب مدت هوئي خود زمانه دے چكا هے ! زندگي ميں أسكے ليے دنيا چار بالشت زمين كا گوشه بهي مهيا نه كر سكي ' ليكن اسكے مرنے کے بعد يورپ كا تمام بر اعظم اپنے ذهن و فكر كا صرف ايك هي حكمراں ركهتا تها ' اور وه يهي معتوب عالم " روسو " تها !

ليكن آج هميں روسو كي زندگي پر تبصره كرنا نہيں هے - روسو كي زندگي پر تبصره رسائل کے مقالات ميں نہيں ' ضخيم كتابوں ميں هو سكتا هے - آج هم صرف أسكي فكري اور قلمي معركه آرائيوں ميں سے ايك خاص معركه دكهانا چاهتے هيں - يهي اسكے قلم کے معرکے هيں جو تهوڑے عرصے کے اندر انقلاب فرانس کے خونيں معركوں كي شكل ميں مبدل هو گئے - يه معركه أس ميں اور پيرس کے أسقف کے درميان واقع هوا تها - بلكه يوں كهنا چاهيے ' علم و عقل کے نئے ظهور اور مسيحي كليسا کے قديم جهل و جمود ميں هوا تها - هم اختصار پر مجبور هيں -

(أسقف كا بيان)

أسقف نے اپنا بيان إس انسوس کے ساتهه شروع كيا هے كه فرانس ميں كفر اور الحاد پهيلتا جاتا هے - پهر يه ثابت كيا هے كه يه صورت حال ' قرب قيامت كي علامت هے جيسا كه پولس رسول نے پيشين گوئي كي هے - پهر اس مقدس مگر هولناك تمهيد کے بعد وه روسو پر پے در پے حملے شروع كر ديتا هے :

" يهي وه الحاد هے جسے ايك شخص (يعني روسو) نے اپني كتاب " اميل " Emilius ميں پيش كيا هے - إس شخص نے گناه ميں نشو و نما پائي هے - يه ايك ايسي زبان بولتا هے جو فلاسفه كي زبان هے - مگر وه خود فلسفه سے تهي دست هے - يه ايك ايسا ذهن هے جس ميں معلومات بے ترتيبي سے تهونس دیے گئے هيں - مگر وه هنوز تاريك هے ' اور صرف اپني تاريكي هي پر قانع نہيں هے بلكه دوسرے دلوں ميں بهي تاريكي اتار رها هے - يه ايك ايسي طبيعت هے جو عجيب و غريب افكار كي دلداده اور مجهول راستوں كي شيفته هے - إس ميں اخلاق كا افلاس اور فكر كي ثروت ' دونوں بيك وقت جمع هو گئي هيں - ايك طرف أسے متقدمين کے اصول سے شغف هے ' دوسري طرف عقلي بدعتوں كي ايجاد كا جنون هے - وه خلوت پسند بهي هے اور شهرت پسند بهي - علم كي محبت كا بهي دعوى ركهتا هے اور علم كي عداوت كا بهي علم اٹهائے هے - انجيل کے كمال كا بهي اعتراف كرتا هے اور أسے جڑ سے اكهاڑ پهينكنے كي بهي كوشش كرتا هے - فضيلت كي ايسي خوبصورت تصويريں اتارتا هے كه بے اختيار تحسين و آفرين كا نعره بلند هو جاتا هے - مگر پهر فوراً هي فسق و فجور کے پهاوڑوں سے اپني بنائي هوئي شاندار عمارت گرا بهي ديتا هے - يه نوع انساني كا معلم بنكر سامنے آيا هے ' مگر الحاد اور گمراهي کے سوا كچهه نہيں ركهتا - يه ضلالت كا امام هے - فساد كا مرشد هے - شيطان كا پيام بر هے - تاريكي كا رهبر هے - اور اس سے بهي كچهه زياده هے - وه اپني كتاب ميں انسان كو حيوان کے درجه ميں ركهتا هے - ايك أور رساله ميں نفس پرستي كي تبليغ كرتا هے - پهر تربيت كي كتاب لكهتا هے - مگر سراسر الحاد كي دعوت ديتا هے ! "

آگے چلكر أسقف نے روسو كي كتاب " تربيت " پر اعتراض كيے هيں اور اس پر زور ديا هے كه يه " دعوت الحاد " هے - يه كتاب آج همارے هاتهوں ميں موجود هے - اسميں جس " الحاد " كي دعوت دی گئي هے وه صرف يه هے ' كه وه كهتا هے : " بچه كي دماغي تربيت و تعليم ايسي هوني چاهيے كه وه خود إس قابل هو جائے كه دين حق كي معرفت پيدا كرسكے ' اور اسے تقليد و رسوم كي بنا پر نہيں بلكه فهم و بصيرت کے ساتهه منتخب كرے - هميں اس بات سے احتراز كرنا چاهيے كه أسے كوئي ايسي دماغي جكڑ بندي كي تعليم ديں جس سے أس ميں دماغي بصيرت اور مجتهدانه فكر كي قوت پيدا نه هوسكے اور دل و دماغ كسي جابرانه تاثير سے منفعل هو جائيں - هميں اس سے بهي احتراز كرنا چاهيے كه اسكے دماغ ميں كوئي ايسي بات أتار ديں ' جسے وه خود اپني عقل سے معلوم نہيں كر سكتا "

إس پر اسقف نے اعتراض كرتے هوئے لكها هے : " هميں إس نظريه پر كوئي اعتراض نہيں هے - ليكن سوال يه هے كه كيا بچه كو گمراه هو جانے كيليے چهوڑ دينا چاهيے ؟ اگر ايسا نہيں كرنا چاهيے بلكه أسے هميشه فطرة كي سچي راه پر ركهنا چاهيے ' تو وه سچا طريقه كيا هے ؟ كتاب تربيت كا مولف بند بند لفظوں ميں الحاد كي طرف دعوت ديتا هے - ليكن هم فطرت کے سچے طريقے يعني مسيحيت كو پيش كرتے هيں - در حقيقت دين مسيحي فطرتي دين هے - فطرت هميشه إسي كي طرف رهنمائي كرتي هے - عقل انساني بجز انجيل کے راسته کے كوئي دوسري راه قبول هي نہيں كر سكتي - يه اس ليے كه انجيل كا دين ' فطرت اور عقل كا دين هے ! "

روسو أسقف كي تمام تشريحات برداشت كر لے سكتا تها ' ليكن يقيناً اس بات كي برداشت أسكي طاقت سے باهر هو گي كه " مسيحيت فطرة كي سچائي هے " اور وه " فطرة اور عقل کے دين كي طرف رهنمائي كرتي هے " ياد ركهنا چاهيے كه يه پر جوش أسقف اور اسكے تمام هم مشرب جس " مسيحيت " اور " انجيل " پر عامل تهے اور أسكي دعوت دے رهے تهے ' وه " كليسا " اور " پوپ " كي " مسيحيت " تهي - نه كه مسيحيت كي پہلے عهد كي ساده اور بے ميل مسيحيت - امريكن مصنف ڈريپر کے لفظوں ميں " اٹهارويں صدي کے تمام اجتماعي انقلابات غير ضروري هو جاتے ' اگر كليسا اور پوپ كي نمايندگي كي جگه مسيحيت اور مذهب كي كوئي دوسري نمايندگي وجود ميں آ سكتي "

در اصل ازمنهٔ وسطى سے مسيحيت كا جو جهل پرور اور مستبد مزاج پيدا هو گيا تها ' اسكا قدرتي رد فعل والٹير اور روسو كا انكار اور كفر تها !

اسكے بعد اسقف كهتا هے " اگر دين مسيحي هي وه سچا طريقه هے جسكے سوا فطرت انساني كوئي دوسري راه تصور هي نہيں كرسكتي - تو پهر روسو كا ديني تعليم و تربيت پر نكته چيني كرنا بجز اسكے كوئي معني نہيں ركهتا كه وه مخلوق كو هدايت سے هٹا كر ضلالت كي طرف بلا رها هے ! "

روسو نے كها تها " هر بچه جو اپنے بچپنے ميں خدا پر ايمان ركهتا هے ' ايك طرح كا بت پرست هے ' اور خدا كو انسان كي

صورت میں یقین کرتا ہے - عقل انسانی اِس عمر میں' خدا کا منزہ اور مطلق تصور کرهي نہیں سکتي !"

اسقف کا اِس پر اعتراض یہ ہے " اگر بچہ بت پرست ہوتا تو کئي خداؤں کا قائل ہوتا - اگر اسکے تفکر میں تجسم ہوتا (یعني خدا کو انسان کي صورت دیتا) تو پروردگار کا جسم بناتا - حالانکہ مسیحي بچوں کا کبھي ایسا اعتقاد نہیں ہوتا - وہ صحیح معنوں میں موحد ہوتے ہیں - مولف (روسو) نے یہ کہکر در اصل مسیحیت کو بت پرستي قرار دیا ہے !"

روسو نے لکھا تھا " میں جانتا ہوں کہ نظام عالم کو ایک قادر وحکیم ارادہ چلا رہا ہے - میں یہ دیکھتا یا محسوس کرتا ہوں' اور اسکي معرفت میري زندگي کیلیے ضروري ہے - لیکن یہ عالم کب سے اور کس طرح ہے ؟ اشیاء کي اصل ایک ہے یا متعدد ہیں ؟ اُنکي طبیعت کیا ہے ؟ یہ میں نہیں جانتا ' ور نہ مجھے جاننے کي ضرورت ہے ... یہي باعث ہے کہ میں یہ حقیر مسائل نظر انداز کر جاتا ہوں - ممکن ہے یہ میري عقل کو مشغول کر لیں' مگر مجھے کوئي فائدہ نہیں پہنچا سکتے - پھر یہ مسائل میري عقل سے بالا تر بھي ہیں ...."

اِس پر اسقف اعتراض کرتا ہے " بے باک مصنف کا اِس قول سے کیا مقصود ہے ؟ وہ جانتا ہے کہ کائنات کا نظام ایک قادر و حکیم ارادہ کے ماتحت ہے - وہ اعتراف کرتا ہے کہ اِس حقیقت کا علم اسکے لیے ضروري ہے - لیکن باوجود اِسکے کہتا ہے ' نہیں معلوم اشیاء کي اصل ایک ہے یا ایک سے زیادہ ہے ؟ پھر دعوی کرتا ہے کہ مجھے اِس نقطہ کے معلوم کرنے کي کوئي ضرورت نہیں - مصنف ' در اصل خدا کي وحدانیت پر شک رکھتا ہے - اِس علم کے بعد کہ کائنات ایک قادر و حکیم ارادہ کے تصرف و اختیار میں ہے ' کیا یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اشیاء کي اصل ایک ہے یا کئي ہیں ؟ کیا یہ ممکن ہے کہ پہلي حقیقت کا علم ضروري ہو اور دوسري کي معرفت غیر ضروري قرار پائے ؟ کیا یہ صریح تناقض اور الحاد نہیں ہے ؟ وہ کہتا ہے میں خدا کي طبیعت و حقیقت سے باخبر ہوں ' لیکن ساتھہ ھي یہ دعوی بھي کرتا ہے کہ یہ موجود حقیقي ' علم ' قدرت ' ارادہ ' اور حکمت رکھتا ہے ! اِس سے تو معلوم ہوا کہ وحدانیت اُسکے خیال میں ایک " حقیر سا مسئلہ " ہے' اور کسي طرح بھي اُسکي عقل میں نہیں آسکتا - لیکن معلوم ہوتا ہے' متعدد خداؤں کا تصور اُسکي عقل کے نزدیک معقول ہے - بھلا اِس حماقت سے بڑھ کر بھي کوئي حماقت ہو سکتي ہے ؟"

روسو' معجزات کو اِس معني میں تسلیم نہیں کرتا کہ وہ خارق عادت ہیں - معجزات پر گفتگو کرتے ہوئے اُسنے لکھا ہے " یا للعجب ! ہمیشہ آدمیوں ھي کي گواہیاں ! آدمي ' اپنے ھي جیسے آدمیوں سے سنتے ہیں اور دوسرے آدمیوں کو سناتے ہیں ! میرے اور خدا کے درمیان آدمیوں کے کتنے اَن گنت واسطے قائم ہوگئے ہیں !"

اِس پر اسقف لکھتا ہے " اگر آدمیوں کي گواہي معتبر نہیں ہے تو پھر ہم پوچھتے ہیں مؤلف نے اسپارٹا ' ایتھنز ' اور روم کو کیونکر جانا جنکي عظمت کا وہ ہمیشہ راگ گایا کرتا ہے ؟ اِن قدیم جمہوریتوں اور مؤلف کے مابین آدمیوں کے کتنے بہت سے واسطے موجود ہیں ؟ وہ اِن واسطوں پر شک نہیں کرتا - لیکن مسیحي معجزات کي روایت میں وہ کوئي واسطہ منظور کرنا نہیں چاہتا - در اصل اُسکے اعتراض کي اصلي علت' الحاد ہے - وہ خدا ھي کو نہیں مانتا !"

اسقف کا بیان بہت طویل ہے - اِس مضمون میں اُسکا پورا خلاصہ بھي ممکن نہیں - لیکن آپکا آخري اعتراض ضرور نقل کر دینا چاہیے - روسو نے بادشاہوں کے وجود پر سختي سے حملہ کیا ہے - اُسقف اسکے جواب میں لکھتا ہے :

" یہ بھي مؤلف کا الحاد ھي ہے جس سے متاثر ہوکر وہ بادشاہوں کے وجود پر نکتہ چیني کرتا ہے - بادشاہوں کو برباد کرکے وہ ایسے قواعد جاري کرنا چاہتا ہے' جنکا نتیجہ بجز بد امني اور طوائف الملکي کے اور کچھہ نہیں ہوگا - مصنف کے مذہب اور دین حق میں کتنا تضاد ہے ؟ مصنف بد اخلاقي اور بد امني کي تعلیم دیتا ہے - لیکن دین حق خشیت الہي اور بادشاہ کي اطاعت کا حکم دیتا ہے - دین کا حکم یہ ہے کہ ہر آدمي اپنے آقا کي فرمانبرداري کرے - دین کہتا ہے پادشاہي' خدا کي قوت ہے - اُسکا پاک سایہ ہے - اور اُسي نے زمین پر نازل کي ہے - جو اِس کا مخالف ہے ' وہ خود خدا کا باغي ہے - اُس پر خدا کي ابدي لعنت ہو !"

اس طرح اُسقف نے اپنا رسالہ قرب قیامت کي ہولناکي سے شروع کرکے " ابدي لعنت " کي پیشکش پر ختم کر دیا ہے !

یہ روسو کے سب سے بڑے کلیسائي مناظر کا حملہ تھا - اب دیکھنا چاہیے ' روسو نے اسکا دفاع کیونکر کیا ہے ؟ روسو کے سخت سے سخت نکتہ چیں بھي تسلیم کرتے ہیں کہ اُسکا جواب اُسکي مناظرانہ قوت بیانیہ کا بے نظیر ثبوت تھا -

ہم آیندہ اشاعت میں اسکا خلاصہ درج کرینگے -

عالم شرق و اسلام

مکتوب شام

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم دمشق کے قلم سے)

دروزي جہاد آزادي کا خاتمہ

میں یہ مکتوب اِس حال میں لکھہ رہا ہوں کہ ہاتھہ میں رعشہ ہے' آنکھوں میں آنسو ہیں' دل میں حسرت و الم ہے - میں ھي نہیں' اِس وقت شام میں کون ہے جو خون کے آنسو نہیں رو رہا ہے ؟ دمشق کے آسمان پر اندھیرا چھا گیا ہے - اور شام کے مرغزار مایوسي کي خزاں سے مرجھا گئے ہیں - اسلیے کہ آزادي کي امیدیں ملتوي ہوگئیں - تین سال ہوئے شام کے ابطال وطن نے آزادي کا علم بلند کیا تھا - آج وہ علم گر گیا ہے - اِس لیے پورا ملک اور اُسکي قومي غیرت' سر نگوں ہے !

ملک شام خصوصاً دمشق نے اپني سرزمین پر تاریخ کے عظیم ترین واقعات مشاہدہ کیے ہیں - دروز کا جہاد آزادي بھي ایک ایسا ھي عظیم واقعہ ہے - مشرق کي تاریخ میں ہمیشہ یہ زریں حروف میں ثبت رہے گا - جبل دروز' جو اِس جہاد کا مرکز تھا' صرف پچاس ساٹھہ ہزار کي آبادي رکھتا ہے - یہي آبادي' دروزیوں کي مرکزي آبادي ہے - اور یہي دروز ہیں جنھوں نے فرانس جیسي عظیم الشان سلطنت کے قدم' شام سے اُکھاڑ دیے تھے ! ابتدائي

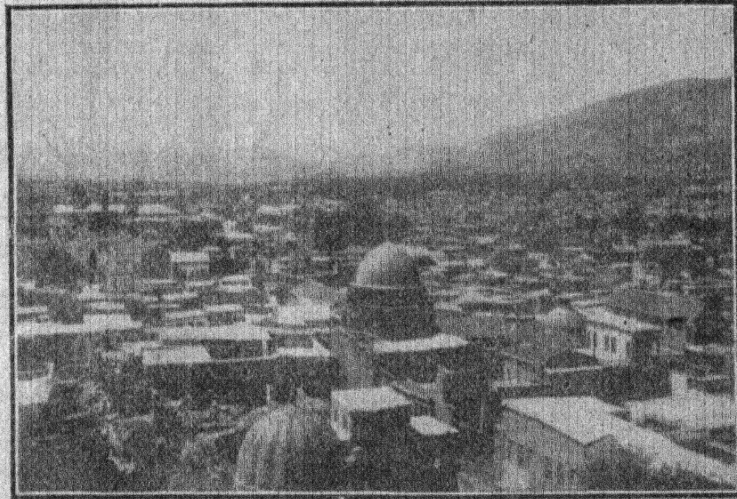
معرکوں کے بعد انکی ہیبت فرانسیسی فوجوں پر اس قدر بیٹھہ گئی تھی کہ انکا نام سنتے ہی میدان سے بھاگ جاتی تھیں - پچھلے دو سال برابر دروزیوں کا پلہ بھاری رہا، واقعات ثابت کر رہے تھے کہ فرانس کو بہت جلد سر جھکانا پڑیگا - بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دو مرتبہ فرانس نے اندر ہی اندر سر جھکا دینے کا فیصلہ بھی کر لیا تھا -

مگر افسوس، نتیجہ بالکل برخلاف نکلا - فرانس نے وہی طریقہ اختیار کیا جو ایسے موقعہ پر ہمیشہ طاقتور حریف اختیار کیا کرتا ہے - اس نے جنگ کو طول دینا شروع کر دیا - یہ طوالت بے سر و سامان دروزیوں کیلیے نا قابل تحمل تھی - وہ دنیا کی اول درجہ کی سلطنت کے مقابلہ میں تنہا تھے - خود انکے وطن کی دوسری جماعتیں بھی انکے ساتھہ شریک نہ تھیں - جنگ نے زراعت، تجارت، اور ہر طرح کے وسائل معیشت سے انہیں محروم کر دیا تھا - بہت دنوں تک جمے رہے - لیکن آخر کب تک قدرتی موانع سے جنگ کرتے؟ بے بس ہوکر ترک جنگ پر آمادہ ہوگئے - اب پورا ملک پھر فرانس کے رحم پر ہے، اسوقت تک کیلیے، کہ مجاهدین وطن تازہ دم ہوکر کوئی دوسرا قدم اٹھا سکیں -

یہ واقعہ تمام مشرق کیلیے ایک نیا تازیانۂ عبرت ہے - اسنے ایک مرتبہ پھر یہ حقیقت ظاہر کردی کہ تمام دول یورپ کس طرح مشرق کے غلام بنانے اور غلام رکھنے پر متفق ہوگئی ہیں - آنمیں باہم کتنی ہی منافست و رقابت کیوں نہ ہو، مگر مشرقی قوموں کا سر کچلنے میں وہ اپنی تمام رقابتیں بھول جاتی ہیں - اتنا ہی نہیں بلکہ ایک دوسری کی امداد و اعانت پر بھی آمادہ ہو جاتی ہیں - شامی جہاد آزادی، اس کی تازہ مثال ہے - جاننے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ فرانس نہیں ہے جسنے آج وطن پرستاران شام کو نیچا دکھایا ہے - بلکہ وہ برطانیا ہے جسکی اخلاقی و مادی امداد و اعانت نے فرانس کو فتحمند کیا ہے - فرانس تو اپنا پورا زور لگا کر تھک چکا تھا - وہ پایۂ تخت دمشق کی بھی حفاظت نہیں کر سکتا تھا - روز دروز آتے تھے اور پوری آزادی سے دمشق کی سڑکوں پر حملے کرتے تھے - حالانکہ یہاں فرانس کا جنگی مرکز قائم تھا - لیکن یہ اس وقت کی بات ہے، جب فرانس اس جہاد کے مقابلہ میں اکیلا تھا - برطانیا کی اعانت اسے حاصل نہ تھی - یہ واقعہ ہے کہ اس نے گھبرا کر دو مرتبہ ارادہ کر لیا تھا کہ شامیوں کے مطالبات منظور کرلے، اور اپنے ظالمانہ مطامع سے باز آجاے -

برطانیہ اس معاملہ میں کیونکر شریک ہوا؟ مختصر تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب دروزیوں کو فرانس کے مقابلہ میں نمایاں کامیابیاں ہونے لگیں تو فلسطین، شرق اردن، اور عراق میں بھی اس کی صداے بازگشت بلند ہونے لگی - شرق اردن کے تیور سب سے زیادہ خراب تھے - بلکہ جابجا شورش بھی شروع ہوگئی تھی - برطانیا نے دیکھا کہ اگر اس علاقہ میں آگ لگ گئی تو فلسطین اور عراق تک اس کے شرارے پہنچ جائینگے، اور پوری عربی قوم میں حریت طلبی کی نئی سرگرمی پیدا ہوجائیگی - برطانیا نے خیال کیا، یہ تمام بے چینی صرف اس وجہ سے ہے کہ دروزیوں کی کامیابیوں نے عربوں کے دل بڑھا دیے ہیں اور فرانس کی پیہم شکستوں سے خود برطانیا کا رعب و داب بھی بے اثر ہوتا جاتا ہے - وہ فرانس کی پیٹھ ٹھوکنے کیلیے طیار ہوگئی - فلسطین کے برطانوی حکام نے علانیہ فرانس کی طرف امداد کا ہاتھہ بڑھایا، اور اپنی جنگی قوت سے دروزیوں پر دباؤ ڈالنے لگے -

بد قسمتی سے جغرافیائی اور جنگی حالات نے دروزیوں کو شرق اردن کا سخت محتاج بنا دیا تھا - ان پر تمام دروازے بند تھے - صرف شرق اردن کا دروازہ کھلا تھا - یہیں وہ پناہ لیتے تھے - یہیں تازہ دم ہوتے تھے - اور اسی راستہ سے انہیں باہر کی مدد بھی مل جاتی تھی - برطانیا کے مخالف ہوتے ہی یہ دروازہ بھی انپر بند ہوگیا - اتنا ہی نہیں بلکہ انہیں سرحدوں پر پریشان بھی کیا جانے لگا - اب دروزیوں کو دو سلطنتوں سے بہ یک وقت مقابلہ کرنا پڑا : فرانس اور برطانیا - یہ بھی انہوں نے کیا - اور پورے بارہ مہینے تک میدان میں جمے رہے - مگر کبتک جمے رہتے؟ سامان جنگ ختم ہوگیا - رسد بند ہوگئی - اب بجز بیٹھہ جانے کے کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہا تھا - چنانچہ اس ہفتہ بے بس ہوکر بیٹھہ جانے کا فیصلہ کرلینا پڑا! انا للہ و انا الیہ راجعون!



شام کے پایۂ تخت دمشق کا ایک منظر عام

یقیناً تاریخ عرب و اسلام شریف حسین اور اسکے بیٹوں کو کبھی معاف نہیں کریگی، جنکی بدولت یہ تمام مصائب بلاد عربیہ پر نازل ہوے - شام، فلسطین، شرق اردن، عراق، یہ تمام ممالک برطانیا اور فرانس کے قبضہ میں صرف اسی خاندان کی خیانت اور طماعی سے گئے - اس شامی جہاد آزادی کی ناکامی میں بھی شریف حسین کے منجھلے لڑکے امیر عبداللہ کا بہت بڑا حصہ ہے - یہ بے حمیت برطانیا کے ٹکڑوں پر شرق اردن میں پڑا ہے - اور برطانی ملک گیری کی بنیادیں اپنی عزت فروشی سے مضبوط کر رہا ہے - اس نے دروز سے بڑی ہی بے دردی اور بے حمیتی کا سلوک کیا - وہ جب پناہ کی امیدیں لیکر اسکی سر زمین میں پہنچے، تو اس نے انہیں فوراً نکل جانے کا حکم دیا - انہوں نے پہاڑوں اور ریگستانوں میں جاکر پناہ لی - مگر اسنے وہاں بھی انکا تعاقب کیا، اور ایک ایک کرکے سب کو فرانس کے حوالہ کر دیا!

انکی سب سے آخری جماعت، علاقۂ ازرق میں پناہ گزیں تھی - اسکی تعداد دو ہزار تھی - امیر عبداللہ کو معلوم ہوا تو اسنے وہاں ایک طاقتور فوج بھیجدی - جنگی قانون کا اعلان کردیا، اور انہیں مجبور کردیا کہ اپنے آپ کو فرانس کے حوالہ کردیں - چنانچہ تمام لوگوں نے مجبور ہوکر اپنے تئیں فرانس کے حوالہ کر دیا - حوالہ کرنے والوں میں خود خاندان اطرش کے لوگ بھی تھے، مثلاً متعب بک اطرش، علی بک اطرش، عبدالغفار اطرش، وغیرہم -

(سلطان پاشا اطرش)

لیکن جہاد آزادی کے علم بردار سلطان پاشا اطرش نے ہتیار ڈالنے سے انکار کر دیا - دمشق میں اُنکے بعض دوستوں کے پاس میں نے اُنکا ایک تار پڑھا ہے - اُسمیں وہ لکھتے ہیں :

"میں نے ہتیار رکھنے سے انکار کر دیا ہے - کیونکہ مرد ہتیار نہیں رکھا کرتے - میں صحراء کی طرف اپنے خاندان کے ساتھہ جا رہا ہوں کیونکہ برطانی حکام اور امیر عبداللہ نے مجھے علاقۂ ازرق میں رہنے نہیں دیا !"

مجھے معتبر ذرایع سے معلوم ہوا ہے کہ انگریزوں نے سلطان پاشا اطرش سے کہا تھا کہ "فلسطین چلے آئیں ' ہم امن دینگے" اِس سے اُنکی غرض یہ تھی کہ فرانس پر دباؤ رکھنے اور اپنی مطلب براریوں کے لیے اُنھیں نظر بند کرکے رکھہ چھوڑیں - مگر سلطان پاشا نے انکار کر دیا :

"میں نے قسم کھائی ہے کہ کسی ایسے ملک میں ہرگز نہیں رہونگا جس پر اجنبی علم لہراتا ہو !"

یہہ اُنکا قطعی جواب تھا !

پھر آخر سلطان پاشا کہاں پناہ لینگے ؟ یہ سوال تھا جو برطانی ' فرانسیسی ' اور عربی حلقوں میں گشت لگا رہا تھا - مگر اسکا جواب بہت جلد مل گیا اور ایسا ملا کہ سب کو حیرت ہوگئی - لوگوں کو اچانک معلوم ہوا کہ سلطان پاشا اطرش اور اُنکے ۴۵ رفیق" سلطان ابن سعود کے مہمان ہوکر حجاز جا رہے ہیں' اور پانچ سو سے زیادہ دروزی جو ابتک مسلح ہیں اور ہتیار نہ رکھنے کا فیصلہ کر چکے ہیں ' وہ بھی عنقریب اسی طرف روانہ ہونے والے ہیں -

لوگوں کو حیرت اِس وجہ سے ہوئی کہ نجدی از حد متعصب مشہور ہیں - اس صورت میں وہ دروزیوں کے سردار کا کیونکر استقبال کرسکتے ہیں جو اسلام کے تمام فرقوں میں سب سے زیادہ عام اسلامی رسوم و عوائد سے دور ہیں ؟ لیکن واقعہ یہ ہے کہ سلطان ابن سعود نے ایک مرتبہ پھر اپنی اور اپنی قوم کی بے تعصبی اور عربی حمیت کا ثبوت دنیا کے سامنے پیش کردیا - اُنھوں نے جونہی سنا کہ دروزی مجاہدین پر عرصۂ زمین تنگ ہے ' فوراً دعوت دی اور اپنے جوار حمایت میں پناہ دینے کا اعلان کردیا - اُن کے طرز عمل نے صرف یہی ثابت نہیں کردیا کہ وہ اپنے عقائد میں حد درجہ بے تعصب ہیں ' حتی کہ دروز جیسے عقائد رکھنے والوں کو بھی اپنا مہمان بنا لیتے ہیں' بلکہ یہ بھی ثابت کردیا کہ وہ فرانس اور برطانیا ' دونوں سے بے خوف ہیں اور اداء فرض اسلامی و عربی کی راہ میں ان کی کوئی پروا نہیں کرتے - میں یہ بات بھی آپ کے علم میں لانی چاہتا ہوں کہ مجاہدین شام اور سلطان ابن سعود کے درمیان راہ و رسم پیدا کرنے کے لیے بعض ہندوستانی زعماء نے جو سعی مشکور کی تھی' اس کا یہاں ہر شخص کو اعتراف ہے - یقیناً آپ کے لیے اس کی ضرورت نہ ہوگی کہ مزید تشریح کی جائے -

سب سے زیادہ تعجب لوگوں کو اِس پر ہوا کہ سلطان پاشا اطرش ' دومۃ الجندل میں قیام کرینگے - " دومۃ الجندل " کے لفظ میں عربی تاریخ و روایت کے جو جذبات پوشیدہ ہیں ' ان سے آپ بے خبر نہ ہونگے - جغرافیائی حیثیت سے اس مقام کی جو اہمیت ہے ' وہ بھی آپسے پوشیدہ نہ ہوگی - یہ وہی مقام ہے جسے آج کل "جوف" کہتے ہیں - یہ نجد ' حجاز ' اور شرق اردن کی سرحدوں پر واقع ہے ' اور جنگی نقطۂ نظر سے تینوں ملکوں کے لیے اہم ترین مقام ہے - سلطان پاشا کا یہاں قیام یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ شام کی سیاست سے بالکل الگ نہیں ہوگئے ہیں' اور اُن کے دلوں کی امیدیں اب تک زندگی کی آرزوئیں رکھتی ہیں !

(امن کے مظاہرے)

دروزیوں کے ہتیار رکھدینے کے بعد ہی ہر طرف حکومت نے امن کے مظاہرے کرنا شروع کردیے ہیں - دمشق کے اندر جتنے مورچے اور جنگی چوکیاں تہیں ' سب اٹھا لی گئی ہیں - فوجی قانون کی عدالت بھی اٹھہ گئی ہے - جنگی قوانین بھی امروز فردا میں اٹھا دیے جائینگے - حکومت کی طرف سے کئی نئی سڑکیں جاری کرنے کا اعلان ہوا ہے - کئی نئی عمارتوں کی تعمیر بھی شروع ہوگئی ہے - اِن تمام باتوں سے حکومت کا مقصد یہ دکھلانا ہے کہ اب ملک حالت امن میں ہے' اور اُس کی قوت تمام مخالفوں پر غالب آگئی ہے -

ہاں' اِن کے جسموں پر تو غالب آگئی ہے' لیکن دلوں پر جو زخم لگ چکے ہیں ' وہ ایسے نہیں ہیں جو صدیوں سے پہلے مندمل ہو سکیں !

(ہائی کمشنر کی مہر سکوت)

اب تک ہائی کمشنر موسیو بونسو ' بالکل خاموش تہے ' اور اپنا انداز کچھہ اس طرح کا بنا رکھا تھا ' گویا وہ ملک کو کچھہ دینے اور اُس کے مطالبات منظور کرنے والے ہیں - مگر دروزیوں کے ہتیار رکھتے ہی اُن کی مہر سکوت بھی ٹوٹ گئی - اُنھوں نے ایک اخبار کے نامہ نگار سے شام کے مستقبل کے متعلق یہ عجیب تصریح کی ہے :

" اخبارات مجھے ملامت کر رہے ہیں کہ میں خاموش ہوں - مجھے بولنے کا اصرار کیوں ہے ؟ کیا یہ چاہا جاتا ہے کہ میں کوئی ایسا وعدہ کرلوں جسے بعد میں پورا نہ کروں ؟ میں عمل پسند کرتا ہوں - قول پسند نہیں کرتا "

اخبار کے نمائندے نے بہت اصرار سے پوچھا " آخر شام کے مطالبات کب منظور کیے جائینگے ؟ کچھہ تو کہیے ؟ " ہائی کمشنر نے جواب دیا " آپ مجھسے یہ خواہش کیوں کرتے ہیں کہ دو دن کے اندر آسمان طیار کردوں ؟ "

ہمیں اس جواب کی معقولیت سے انکار نہیں - دو دن کے اندر موسیو بونسو کا آسمان جبھی بن سکتا ہے' جب بنانے والے نوک شمشیر سے بنا ڈالنے کا عزم کرلیں - اگر ایسا نہیں ہے تو یقیناً دو صدیاں" بھی اس کے لیے کافی نہیں - شام نے مجبور ہوکر تلوار اٹھائی اور اپنا آسمان سیاست تعمیر کرنا شروع کردیا ' مگر افسوس ہے کہ یہ مرحلہ پہلے قدم میں طے ہونے والا نہ تھا - ان کی شمشیریں جن سے وہ آلۂ تعمیر کا کام لے رہے تہے ' ٹوٹ گئیں - اب دنیا کو انتظار کرنا چاہیے کہ یہ ٹوٹی ہوئی شمشیریں پھر ڈھالی جائیں ' اور از سر نو شام کی قسمت کا آسمان تعمیر کیا جا سکے !

نہیں کہا جاسکتا یہ وقت کب آئیگا ؟ مگر یقین رکھیے اِس وقت کی آمد میں ہمیں کوئی شک نہیں ہے - اگر شام کی تمام آبادی سے قطع نظر بھی کرلی جائے ' جب بھی صرف دروزی قبائل ہی کا گروہ ایک ایسا گروہ ہے جو اِس طرح کی ہزار ناکامیابیوں اور بربادیوں کے بعد بھی جنگ آزادی سے باز نہیں آسکتا - آج وہ تھک کر بیٹھہ گئے ہیں ' تو کسی دوسرے دن اٹھہ بھی سکتے ہیں - اس سفر میں وقفۂ و سکون کے بغیر چارہ نہیں - یہ ضروری ہے کہ جونہی اُنھیں دوسرا موقعہ ملا ان میں سے ہر متنفس کا سر اُس کی ہتھیلیوں پر آجائیگا - اور وہ پھر دنیا کو اپنے جہاد آزادی سے متعجب کردینگے !

بصائر و حکم

انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں

عمرو بن العاص

حضرت عمرو بن العاص (رض) کی شجاعت، تدبر، فتوحات سے تاریخ کے صفحات لبریز ہیں۔ مصر کی فتح سراسر انہی کے تدبر و قیادت کا نتیجہ تھی۔ خلافت اموی کے قیام میں انہی کی سیاست کارفرما تھی۔ اپنے عہد کی سیاست میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ مورخین نے اتفاق کیا ہے کہ عرب کی سیاست تین سروں میں جمع ہو گئی تھی: عمرو بن العاص، معاویہ بن ابی سفیان، زیاد بن ابیہ۔ اتفاق سے یہ تینوں سر ملکر ایک ہو گئے۔ انھوں نے سیاسی حکمت عملیوں سے اسلامی سیاست کا دھارا اس طرف پھیر دیا جدہر وہ پھیرنا چاہتے تھے۔ حضرت علی علیہ السلام اور خلافت راشدہ کے نظام کو صرف امیر معاویہ کی سیاست نے شکست نہیں دی تھی۔ اس میں سب سے زیادہ کارفرما دماغ عمرو بن العاص کا تھا۔

ایک ایسے سیاسی مدبر نے موت کا کس طرح خیر مقدم کیا تھا؟ ذیل کی سطروں میں اس کی تفصیل ملے گی:

ایک عجیب سوال

جب بیماری نے خطرناک صورت اختیار کر لی اور عرب کے اس دانشمند کو زندگی کی کوئی امید باقی نہ رہی، تو اُسنے اپنی فوج خاصہ کے افسر اور سپاہی طلب کئے۔

لیٹے لیٹے اُن سے سوال کیا "میں تمھارا کیسا ساتھی تھا؟"

"سبحان اللہ! آپ نہایت ہی مہربان آقا تھے۔ دل کھول کر دیتے تھے۔ ہمیں خوش رکھتے تھے۔ یہ کرتے تھے۔ وہ کرتے تھے۔۔۔"

وہ بڑی سرگرمی اور جوش سے جواب دینے لگے۔

ابن عاص نے یہ سنکر سنجیدگی سے کہا "میں یہ سب کچھ صرف اس لئے کرتا تھا کہ تم مجھے موت سے بچاؤ گے کیونکہ تم سپاہی تھے اور میدان جنگ میں اپنے سردار کے لئے سپر تھے۔ لیکن یہ دیکھو، موت سامنے کھڑی ہے اور میرا کام تمام کر دینا چاہتی ہے۔ آگے بڑھو اور اُسے مجھ سے دور کر دو!"

سب ایک دوسرے کا حیرت سے منہ تکنے لگے۔ پریشان تھے، کیا جواب دیں؟

"اے ابو عبداللہ!" دیر کے بعد اُنھوں نے کہا "واللہ ہم آپکی زبان سے ایسی فضول بات سننے کے ہرگز متوقع نہ تھے۔ آپ جانتے ہیں کہ موت کے مقابلہ میں ہم آپکے کچھ بھی کام نہیں آسکتے۔"

انھوں نے آہ سرد بھری "واللہ میں یہ حقیقت خوب جانتا ہوں" اُنھوں نے حسرت سے کہا "واقعی تم مجھے موت سے ہرگز نہیں بچا سکتے۔ لیکن اے کاش! یہ بات پہلے سے سوچ لیتا! اے کاش! تم میں سے کوئی ایک آدمی بھی اپنی حفاظت کے لئے نہ رکھا ہوتا۔ ابن ابی طالب (حضرت علی) کا بھلا ہو۔ کیا ہی خوب کہہ گیا ہے: آدمی کی سب سے بڑی محافظ خود اُس کی اپنی موت ہے!" (طبقات ابن سعد)

دیوار کی طرف منہ کرکے رونے لگے

راوی کہتا ہے ہم عمرو بن العاص کی عیادت کو حاضر ہوئے۔ وہ موت کی سختیوں میں مبتلا تھے۔ اچانک دیوار کی طرف منہ پھیر لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ اُنکے بیٹے عبداللہ نے کہا "آپ کیوں روتے ہیں؟ کیا رسول اللہ آپ کو یہ یہ بشارتیں نہیں دے چکے ہیں؟" اُنھوں نے بشارتیں سنائیں۔ لیکن ابن عاص نے روتے ہوئے سر سے اشارہ کیا۔ پھر ہماری طرف منہ پھیرا اور کہنے لگے:

زندگی کے تین دور

"میرے پاس سب سے افضل دولت "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی شہادت ہے۔

"مجھ پر تین حالتیں گزری ہیں:

"ایک وقت وہ تھا کہ رسول اللہ سے زیادہ میں کسی کی اپنے دل میں دشمنی نہیں رکھتا تھا۔ میری سب سے بڑی تمنا یہی تھی کہ کسی طرح قابو پاکر آپ کو قتل کر ڈالوں۔ اگر میں اس حالت میں مرجاتا تو یقیناً جہنمی مرتا"

"پھر ایک وقت آیا جب خدانے میرے دلمیں اسلام ڈال دیا۔ میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! ہاتھ بڑھایئے، میں بیعت کرتا ہوں۔ آپنے دست مبارک دراز کیا۔ مگر پھر میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ فرمایا "عمرو! تجھے کیا ہوا؟" میں نے کہا "ایک شرط چاہتا ہوں" فرمایا "کونسی شرط؟" میں نے عرض کیا "یہ شرط کہ میری بخشش ہو جائے" اسپر ارشاد ہوا "اے عمرو! کیا تجھے معلوم نہیں کہ اسلام اپنے سے پہلے کے تمام گناہ مٹا دیتا ہے؟ ہجرت بھی مٹا دیتی ہے؟ حج بھی مٹا دیتا ہے؟" (یہ ابن العاص کی مشہور روایت ہے جسے شیخین نے بھی روایت کیا ہے)

"اُس وقت میں نے اپنا یہ حال دیکھا کہ نہ تو رسول اللہ سے زیادہ مجھے کوئی دوسرا انسان محبوب تھا، اور نہ رسول اللہ سے زیادہ کسی کی عزت میری نگاہ میں تھی۔ میں سچ کہتا ہوں، اگر کوئی مجھ سے آپ کا حلیہ پوچھے، تو میں بتا نہیں سکتا۔ کیونکہ انتہائی عظمت و ہیبت کی وجہ سے میں آپ کو نظر بھر کے دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ اس حالت میں مرجاتا تو میرے جنتی ہونے کی پوری امید تھی!"

"پھر ایک زمانہ آیا جس میں بہتوں بہت سے اونچ نیچ کام کئے۔ میں نہیں جانتا اب میرا کیا حال ہوگا؟"

مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا

"جب میں مرُوں تو میرے ساتھ رونے والیاں نہ جائیں، نہ آگ جائے۔ دفن کے وقت مجھ پر مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا۔ میری قبر سے فارغ ہوکر اُسوقت تک مجھ سے قریب رہنا، جب تک اونٹ ذبح کرکے اُن کا گوشت تقسیم نہ ہو جائے۔ کیونکہ تمھاری موجودگی سے مجھے انس حاصل ہوگا پھر میں جان لوں گا کہ اپنے پروردگار کے قاصدوں کو کیا جواب دوں؟" (طبقات ابن سعد)

بگڑتا زیادہ ہوں، بنتا کم ہوں!

ہوش حواس آخر وقت تک قائم تھے۔ معاویہ بن خدیج عیادت کو گئے۔ تو دیکھا نزع کی حالت ہے۔ پوچھا کیا حال ہے؟ آپنے جواب دیا "پگھل رہا ہوں۔ بگڑتا زیادہ ہوں، بنتا کم ہوں۔ اس صورت میں بوڑھے کا بچنا کیونکر ممکن ہے؟" (عقد الفرید ابن عبد ربہ)

حضرت ابن عباس سے سوال جواب

حضرت عبداللہ بن عباس عیادت کو آئے۔ سلام کیا۔ طبیعت پوچھی۔ کہنے لگے "میں نے اپنی دنیا کم بنائی مگر اپنا دین زیادہ بگاڑ لیا۔ اگر میں نے اُسے بگاڑا ہوتا جسے سنوارا ہے، اور اُسے سنوارا ہوتا جسے بگاڑا، تو یقیناً بازی لیجاتا۔ اگر مجھے اختیار ملے تو ضرور اس کی آرزو کروں۔ اگر بھاگنے سے بچ سکوں تو ضرور بھاگ جاؤں۔ اس وقت تو میں منجنیق کی طرح آسمان اور زمین کے درمیان معلق ہو رہا ہوں۔ نہ اپنے ہاتھوں کے زور سے اوپر چڑھ سکتا ہوں، نہ پیروں کی قوت سے نیچے اُتر سکتا ہوں۔ اے میرے بھتیجے! مجھے کوئی ایسی نصیحت کر جس سے فائدہ اُٹھاؤں"

ابن عباس نے جواب دیا "آہ! اے ابو عبداللہ! اب نصیحت کا وقت کہاں؟ آپ کا بھتیجا تو خود بوڑھا ہوکر آپ کا بھائی بن گیا ہے۔ اگر آپ رونے کے لئے کہیں تو میں رونے کو حاضر ہوں۔ جو مقیم ہے وہ سفر کا کیونکر یقین کر سکتا ہے؟"

عمرو بن العاص یہ جواب سنکر بہت افسردہ ہوئے اور کہنے لگے "اُف! کیسی سخت گھڑی ہے! کچھ اوپر اسّی برس کا سن! اے ابن عباس تو مجھے پروردگار کی رحمت سے مایوس کرتا ہے؟ الٰہی! یہ ابن عباس ہے جو مجھے تیری رحمت سے ناامید کر رہا ہے! الٰہی! مجھے خوب تکلیف دے، یہاں تک کہ تیرا غصہ دور ہو جائے اور تیری رضامندی لوٹ آئے"!

ابن عباس نے کہا "ہیہات! ابو عبداللہ! آپنے جو چیزیں لی تھیں وہ تو نئی تھیں اور اب دے رہے ہیں وہ چیز جو پرانی ہے! یہ کیسے ممکن ہے؟"

اسپر وہ آزردہ خاطر ہو گئے: "ابن عباس! مجھے کیوں پریشان کرتا ہے؟ جو بات کہتا ہوں، اُسے کاٹ دیتا ہے!" (استیعاب)

موت کی کیفیت

عمرو بن العاص زندگی میں اکثر کہا کرتے تھے "مجھے اُن لوگوں پر تعجب ہے جن کے موت کے وقت حواس درست ہوتے ہیں مگر موت کی حقیقت بیان نہیں کرتے" لوگوں کو یہ بات یاد تھی جب وہ خود اس منزل میں پہونچے، تو حضرت عبداللہ بن عباس نے یہ مقولہ یاد دلایا (ایک روایت میں ہے کہ خود اُنکے بیٹے نے سوال کیا تھا) عمرو بن العاص نے ٹھنڈی سانس لی: "جان من!" اُنھوں نے جواب دیا "موت کی صفت بیان نہیں ہو سکتی۔ جو ناقابل بیان ہے۔ لیکن میں اسوقت صرف ایک اشارہ کر سکتا ہوں مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا آسمان، زمین پر ٹوٹ پڑا اور میں

گے؟" میں نے سوال کیا۔
سب لاجواب ہوکر میرا مُنہ تکنے لگے۔ ایک نے کہا "پھر تمھاری کیا رائے ہے؟" میں نے کہا:
"ایک سخت اور نتیجہ خیز حرکت کی ضرورت ہے!"
"مگر ہمارا کیا حشر ہوگا؟ یہ برطانوی توپیں دیکھ رہے ہو!" وزیرِ داخلہ نے آہستہ سے کہا۔
"تم وہاں چلے آؤ جہاں میں جا رہا ہوں!" یہ میرا آخری جواب تھا۔
اب میں سلطان وحید الدین سے رخصت ہونے کے لئے قصر یلدز میں پہونچا۔ سلطان نے اپنے کمرے میں مجھ سے باتیں شروع کیں۔ کمرے کی کھڑکیاں کھلی تھیں۔ باسفورس کی نیلگوں سطح سامنے تھی۔ برطانوی بیڑے لنگر انداز تھے۔ اُن کی توپوں کے دہانے خاص سلطان کے محل کی طرف تھے۔ ہم دونوں کی نظریں ایک ساتھ اُٹھیں اور انگریزی آہن پوشوں (ڈریڈ ناٹوں) پر پڑیں۔ سلطان اپنی خیانت سے واقف تھا۔ ہماری نظریں سمندر سے اُٹھ کر کمرے میں واپس آئیں، اور ایک دوسرے سے مل گئیں۔ مگر سلطان نے اپنی نظریں فوراً نیچی کرلیں۔ ریاکاری سے کہا "مصطفیٰ! یہ دیکھتے ہو! میرا دل خون ہوتا ہے! افسوس عظیم ترکی قوم اب اس حالت کو پہنچ گئی کہ اُس کا سلطان، دشمنوں کے ہاتھ میں قید ہے! اُس کی زندگی اُنکی توپوں کے رحم پر ہے! تم اناطولیہ جا رہے ہو۔ میری دعا ہے خدا تمھارا رفیق و مساعد ہو۔ ترکی قوم سے کہنا کہ اُس کا سلطان اس حال میں ہے!"
ایک لمحہ خاموش رہکر سلطان نے پھر کہا "تمھارے کارنامے اب اس کتاب میں چلے گئے ہیں!" یہ کہکر اُنھوں نے اپنے سامنے رکھی ہوئی ایک کتاب پر زور سے ہاتھ مارا۔ پھر کہنے لگے "ہاں، اب تمھارے کارنامے تاریخ کے حوالے ہوگئے ہیں۔ اب تم اُنھیں بھول جاؤ اور نئے کارنامے کر دکھاؤ کہ سلطنت تباہی سے نکلے!"
اس جملہ سے سلطان کا مطلب یہ تھا کہ میں اناطولیہ جاکر اتحادیوں کے مخالف خیالات کا خاتمہ کر ڈالوں۔ میں اُن کی غرض سمجھ گیا:-
"اعلیٰ حضرت! یقین کریں میں کسی ایسے کام کی انجام دہی میں کبھی کوتاہی نہیں کروں گا جس سے ملک کو نجات حاصل ہو!"
میں نے یہ کہا اور سلطان کو تسکین ہوگئی۔ دونوں کی زبانوں پر بات ایک ہی تھی، لیکن دونوں کے مقصد میں کتنا عظیم بُعد تھا؟
قصر سے میں نہایت متاثر نکلا اور "شیشلی" میں اپنے مکان پہونچا۔ یہاں مجھے ایک دوست نے خبر پہنچائی کہ "اتحادی طاقتوں نے سازش کی ہے کہ تمھارے جہاز کی روانگی میں دیر ہوجائے تاکہ آبدوز کشتیاں بھی سفر کے لئے طیار ہوجائیں اور بیچ سمندر میں تمھارا جہاز غرق کردیں۔"
یہ سنتے ہی میں فوراً موٹر پر تیزی سے ساحل کی طرف روانہ ہوگیا کیونکہ اب ایک منٹ کی دیر بھی خطرناک تھی۔ میں نے جہاز پر پہنچتے ہی کپتان کو روانگی کا حکم دیا۔ لیکن جہاز روانہ نہ ہوا۔ بار بار میرے سوال کرنے پر کپتان نے کہا: "محکمۂ جہازرانی کے ماہر اسوقت جہاز کے کل پُرزے معائنہ کر رہے ہیں۔ اُن کا حکم ہے، جبتک وہ اجازت نہ دیں جہاز نہ چلے۔" اب مجھے یقین ہوگیا کہ واقعی سازش کی گئی ہے۔ میں نے بڑی سختی سے کپتان کو حکم دیا "ان ماہروں سے کہدو۔ فوراً جہاز سے نکل جائیں۔ اگر وہ نہ مانیں تو تم اُن کی پرواہ نہ کرو، جہاز کا لنگر اُٹھادو۔"
کپتان کو مجبوراً یہی کرنا پڑا۔ کچھ دُور آگے چلکر میں نے کپتان کو حقیقت حال سے واقف کیا۔ وہ بہت گھبرایا اور کہنے لگا "میرا جہاز بہت پُرانا اور سُست رفتار ہے۔ جنگی جہازوں سے بھاگ نہ سکے گا۔"
میں نے کہا "کوئی پروا نہیں۔ ساحل کے قریب قریب چلو، اگر جہاز غرق ہوگا تو میں خشکی تک جان بچاکے جاسکوں گا"
چنانچہ میری حسبِ ہدایت جہاز کنارے کنارے چلا۔ یہاں تک کہ میں منزلِ مقصود تک پہنچ گیا۔
بعد میں معلوم ہوا کہ انگریزوں کے جنگی جہاز میرے پیچھے چلے تھے۔ مگر خوش قسمتی سے میں بہت آگے نکل گیا تھا۔ اور سمندر میں طوفان شروع ہوگیا تھا جسنے انگریزی جہازوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اصل یہ ہے کہ اُس حکیم کارساز کا فیصلہ ہوچکا تھا کہ میرے ناچیز ارادے کامیاب ہوں۔ اس لئے دشمنوں کی کوئی تدبیر میری راہ روک نہ سکی!"

غازی کا ورود

بہرحال تالیوں اور نعروں کے شور میں غازی ممدوح کا قدیم شاہی محل "طولما باغچہ" پہونچا۔ ایک طرف پُرجوش باشندوں کا شور تھا، دوسری طرف تمام قلعوں اور جنگی نقطوں سے توپوں کی سلامی داغی جا رہی تھی!
"طولما باغچہ" میں غازی نے آرام نہیں کیا۔ فوراً فوجی اور ملکی افسروں کو ملاقات کے لئے طلب کرلیا۔ اُس کے بعد ملاقات کے ایوان میں پہنچے۔ یہاں شہر کے ...۸ نمائندے سلام کے لئے جمع تھے۔
میں نے ایک مرتبہ یہ شاہی ایوان اب سے پہلے بھی دیکھا تھا۔ یہ وقت سلطانوں کا تھا۔ اسمیں پُرشکوہ تخت شاہی رکھا تھا۔ اُسکے گرد زرکش لباسوں، چمکیلے تمغوں، مطلا تلواروں سے آراستہ، وزراء و اُمراء کھڑے تھے۔ اور شاہی ہیبت و جلال کا ایک عجیب منظر پیدا ہوگیا تھا!
آج پھر مجھے اس کی زیارت کا موقعہ ملا۔ لیکن آج وہ ہر قسم کی چمک دَمک سے خالی تھا۔ بالکل سادہ تھا۔ کسی قسم کا کوئی تکلف نظر نہیں آتا تھا۔ صرف شہر کے نمائندے جمع تھے۔ آزادی سے چلتے پھرتے تھے۔ اور مساویانہ رُوح میں اپنے رئیسِ حکومت سے مصافحہ کر رہے تھے۔ بلاشبہ پچھلی شوکت و جبروت اب مفقود ہوگئی ہے لیکن سادگی اور حقیقت نے اس سے کہیں زیادہ حقیقی تاثیرِ عظمت پیدا کردی ہے!
یہیں آستانہ کی مجلس بلدیہ (میونسپلٹی) کا سپاس نامہ پیش ہوا۔ غازی نے جواب میں ایک برجستہ تقریر کی۔ اُن کی آواز حسبِ عادت بہت صاف، بلند، اور مضبوط تھی۔ پورا ایوان گونج رہا تھا۔ تقریر کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

غازی کی تقریر

"میں خوش نصیب ہوں کہ آج آپکے واسطہ سے آستانہ، اُسکے باشندوں، اُس کی انجمنوں، اور اُس کی تمام جماعتوں کو سلام کر رہا ہوں سچ یہ ہے کہ میں اُن شاندار مظاہرات سے ازحد متأثر ہوا ہوں جن کے ذریعہ میرے ہموطنوں نے مجھ سے اپنی محبت کا اظہار کیا ہے۔ آپ میری جانب سے بہت بہت شکریہ قبول کیجئے۔
"آج پورے ۸ سال کے بعد میں نے آستانہ کی صورت دیکھی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے کہ حسرت اور فراق کی گھڑیاں بہت سخت، دراز، اور تلخ ہوتی ہیں، تو آپ آسانی سے اندازہ کرسکتے ہیں کہ میں نے آستانہ کی جدائی میں یہ آٹھ برس کیونکر گذارے ہونگے؟"
"آستانہ، جو دو عظیم دنیاؤں کے مابین واقع ہے، ترکی وطن کی زینت، ترکی تاریخ کی دولت، ترکی قوم کی آنکھ کا تارا ہے۔ تمام ابنائے وطن کے دلوں میں اُس کی محبت جڑ پکڑے ہوئے ہے۔ ایک مرتبہ جب منحوس حوادث نے یہ شہر گھیر لیا تھا، تو نہ صرف تمام ترکوں کے بلکہ تمام مشرق کے دل زخمی ہوگئے تھے۔ اُن میں ایک میں بھی تھا اور اپنے پہلو میں خونچکاں دل لئے پھرتا تھا"
"لیکن آج ہم دیکھتے ہیں، تاریک راتوں نے نورانی آفتاب کی شعاعیں پیدا کردیں۔ رات کب کی ختم ہوچکی ہے، اور ہماری تاریخ کا نیا دن طلوع ہوچکا ہے!"
"مضطرب اور روتے ہوئے آستانہ کو میں نے ۸ سال پہلے اس حال میں چھوڑا تھا کہ میرا دل زخموں سے چُور تھا، اور ایک شخص بھی مجھے خدا حافظ کہنے کے لئے نہیں آیا تھا۔ لیکن آج میں آستانہ آیا ہوں، تو اُس کا خندۂ مسرت اور قہقہۂ انبساط میرے سامنے ہے۔ اُسکا حسن اب دوبالا ہوگیا ہے۔ میرا دل بھی مطمئن ہے، میں اسوقت اپنے آپ کو استانبولیوں کی محبت بھری گود میں پاتا ہوں۔
"گزشتہ ۸ سال، یعنی ہماری ہیئت اجتماعیہ کا عہدِ جدید، بغاوتوں، انقلابوں، اور اُن کے نتایج سے لبریز ہے۔ ہماری قوم نے سیاسی، اجتماعی، تمدنی ترقی کے لئے اس عہد میں جو قابلیت ظاہر کی ہے، وہ بلاشبہ عظیم قابلیت ہے۔ ہمپر فرض ہے کہ پوری ہوشیاری اور پورے عزم سے اس قابلیت کو برابر ترقی دیتے رہیں۔ وطن کی تعمیر اور قوم کی ترقی، بہت ہی عظیم غیرت اور بہت ہی عظیم جہاد کا مطالبہ کرتی ہے۔ اسوقت ہمارا ایک عظیم ترین کام یہ ہے کہ مفید اور ضرور علم و فن کے ذریعہ قوم کے جذبات اور ضمیر کی تربیت کریں تاکہ وہ جلد سے جلد حقیقی تمدن اور حقیقی سعادت تک پہنچ جائے۔"
"میں آپ سے اے عزیزانِ آستانہ! یہ کہتا ہوں، اس محل میں مہمان ہوں۔ اب سے ۸ برس پہلے خیال کیا جاتا تھا کہ اسمیں ایک ایسی شخصیت رہتی ہے جسے ولیوں کی قوت حاصل ہے! آج یہ محل اس شخص سے خالی ہے جسے "ظل اللہ فی الارض" (زمین پر خدا کا سایہ) کہتے تھے۔ آج یہ محل، قوم کی ملکیت ہے، جو سایہ نہیں بلکہ محسوس حقیقت ہے۔ اسوقت میرا وجود اس محل میں صرف اس لئے ہے کہ میں بھی قوم کا ایک فرد اور اپنی قوم کا مہمان ہوں..."
اس تقریر کے بعد غازی نے ایک ایک کرکے تمام حاضرین سے مصافحہ کیا۔ پھر محل کے باغ میں فوجی قواعد دیکھی۔ یہاں تک کہ رات ہوگئی۔
خیال کیا جاتا ہے کہ موصوف اسی اثنا میں تھریس کا بھی دورہ کریں گے۔ یہ افواہ بھی گشت کر رہی ہے کہ صوفیا اور بلگراڈ بھی جائیں گے تاکہ بلغاریہ اور یوگو سلاویا سے عہدنامے سرانجام دیں۔

جامع الشواہد
طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شایع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رُو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کیجاسکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کسطرح اپنی عبادتگاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھولدیا ہے۔
۱۹ء میں جسقدر نسخے چھپے تھے، مدرسہ اسلامیہ رانچی کو دیدئے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہوگئے۔ اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہے قیمت ۱۲ار۔ (مینیجر الہلال) کلکتہ

خواطر و سوانح

"میری صحیفہ نگاری کی زندگی کا ایک لمحہ"

(مشہور فرانسیسی اخبار نویس، فرانسس ڈلیزی کے قلم سے)

قارئین الہلال ابھی بھولے نہ ہونگے کہ ہم نے الہلال کے پہلے اور دوسرے نمبر میں ایک فرانسیسی کتاب کا ذکر کیا تھا جسمیں فرانس کے تیس بڑے بڑے اخبار نویسوں نے اپنی صحافتی زندگی کے اہم واقعات لکھے ہیں۔ اسی کتاب میں فرانسس ڈلیزی نے الجزائر اور ٹیونس کے متعلق ایک نہایت دلچسپ اور عبرت انگیز سانحہ قلمبند کیا ہے۔ یہ اسوقت کی بات ہے جب فرانس میں یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ ٹیونس کا باقاعدہ الحاق دفتر مستعمرات سے کردیا جائے یا اسے قائم و جاری حالت میں رہنے دیا جائے؟ فاصبًا تسلط دونوں حالتوں میں تھا لیکن پہلی حالت صاف اور کھلی تھی، دوسری میں منافقانہ پردہ پوشی تھی۔ اسی اثنا میں پیرس کی ایک مقتدر سیاسی جماعت نے ایک سیاسی ضیافت کا انتظام کیا اور اسمیں ملک کے بڑے بڑے اخبارات کے ایڈیٹر بھی مدعو کئے گئے۔ مقالہ نگار بھی انہی لوگوں میں سے ہے اور اُس کی سرگزشت حوالۂ قلم کرتا ہے۔ اس مختصر سی سرگزشت میں یورپ کے سیاسی اور سرمایہ دارانہ اخلاق کا جیسا مکمل نقشہ دکھلایا گیا ہے، شاید ایک بہت بڑی کتاب سے بھی اُتنی وضاحت نہ ہوسکے۔ طرز بیان کی تعریضی ظرافت نے سرگزشت کی دلچسپی اور زیادہ بڑھا دی ہے:

فرانس کی مشرقی حکمت عملی کے راز

میں نے ابھی اخبار نویسی کے پیشہ میں قدم رکھا ہی تھا کہ سنہ ۱۹۰۴ء میں مجھے اُس ضیافت (ڈنر) میں شرکت کا اتفاق ہوا جو "انجمن تمدن" ہر ماہ ملک کے مدبروں کو جمع کرنے کے لئے دیا کرتی تھی۔

گرانڈ ہوٹل کے بڑے ہال میں تقریبًا ۱۵۰ آدمی جمع تھے۔ ہال کی دیواروں کی آرائش نظر فریب تھی۔ وسط میں خوبصورت گول میز تھا۔ گرد قیمتی کرسیاں بچھی تھیں۔ حاضرین میں لیون اور بورڈو کے سرمایہ دار، لیل اور نانسی کے کارخانہ دار، مارسیلز کی جہازراں کمپنیوں کے مالک، مجلس (سینٹ) کے سربرآوردہ ممبر، ماوراء البحر نوآبادیوں کے نمائندے، اور چند مشاہیر اخبار نویس شامل تھے۔

قسم قسم کے لذیذ کھانے اور نفیس شرابیں ہماری منتظر تھیں۔ دلفریب جاموں میں جب معطر شمپین انڈیلی گئی، اور بلبلے سطح پر جوش مار کر ابھرے، تو ہم اخبار نویسوں کا جوش، حد جنون تک پہنچ گیا۔ ہم بیچین تھے کہ فرانسیسی پرچم سمندر پار کے تمام ملکوں پر لہراتا دیکھیں!

کھانے کے بعد رئیس مجلس مسیو آٹین نے اعلان کیا "ہم ایک اہم مسئلہ پر غور کرنا چاہتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ ٹیونس کو نوآبادیوں کی وزارت کے ماتحت کردیا جائے یا ابھی اسمیں توقف کیا جائے؟"

شروع میں ہم اخبار نویسوں نے خیال کیا۔ اس مسئلہ پر کوئی سخت بحث نہیں ہوگی۔ چنانچہ بددلی کے ساتھ ہمنے اپنی جیبوں سے یادداشت کی کاپیاں نکال لیں۔

ایک سابق وزیر اُٹھا اور تقریر شروع:

"ٹیونس، اب تک فرانس کے زیر حمایہ (پروٹیکشن) ہے اس لئے قانون کی نظر میں وہ محکوم نہیں ہے۔ ایک اجنبی ملک کی حیثیت رکھتا ہے۔ اُس کا تعلق براہ راست وزارت خارجیہ سے ہے۔ اُس کا دستور حکومت الگ ہے۔ اُس کا جنگی خانہ مستقل ہے۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ الجزائر میں رہنے والے فرانسیسیوں کے ساتھ ہم ایک خاص قسم کا برتاؤ کرتے ہیں، اور ٹیونس کے فرانسیسیوں کے ساتھ دوسری قسم کا۔ یہ صورت اُسوقت جائز ہوسکتی تھی جب فرانسیسی نوجوانوں نے ٹیونس کی سرزمین پر قدم رکھا تھا۔ لیکن اب جبکہ ہمنے پورا تسلط حاصل کرلیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس ملک کا وہ امتیاز باقی رکھا جائے جس کا وہ مستحق نہیں ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ فرانس سے ٹیونس کا کامل لحاق ہوجائے"

وزیر کی تقریر پر حاضرین کی ایک جماعت نے بڑے جوش سے تالیاں بجائیں۔ ہم سمجھے بحث ختم ہوگئی۔ مگر اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ ایک اور سابق وزیر کھڑا ہوگیا:

"مجھے اس گمراہ کن تجویز سے قطعی اختلاف ہے" اُسنے شانے ہلا کر کہا۔ "فرانس نے بورڈو کے معاہدہ میں وعدہ کیا ہے کہ ٹیونس کے بائی (بادشاہ) کی حکومت باقی رکھے گا۔ فرانس نے یہی عہد تمام دنیا سے بھی کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی خلاف ورزی سخت سیاسی مشکلات کا موجب ہوگی۔ ملک کی دیسی آبادی میں شورش پیدا ہوجائیگی، اور فرانس کی پیشانی پر بدعہدی کا سیاہ دھبا لگ جائے گا"

اس تقریر پر بھی تالیاں بجیں، دونوں تقریروں کا لب لہجہ ویسا ہی شاندار تھا جیسا مجلس (پارلیمنٹ) کی تقریروں کا ہوتا ہے۔ دونوں تقریروں میں تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد "فرانس کی عظمت" "ٹیونس کی مصلحت" "تہذیب کی خدمت" "خدمت اقوام کا فرض" اور اس قسم کے تمام پامال جملے آتے تھے اور حاضرین تحسین و آفرین کی صدائیں بلند کرتے تھے۔ ہم غریب اخبار نویس کسی شمار قطار میں نہ تھے۔ لوگوں کو تالیاں بجاتے دیکھتے تو خود بھی بے تحاشا تالیاں بجانے لگتے!

اب گرم مباحثہ شروع ہوگیا۔ سرمایہ داروں، کارخانہ داروں، تاجروں، کمپنیوں کے مالکوں نے بھی تقریریں شروع کردیں۔

ایک مقرر نے کہا "یہ کیوں نہیں کہتے کہ تم ٹیونس کی کانیں تباہ کرنی چاہتے ہو؟"

"اور تم الجزائر کی کانوں کے دشمن ہو" دوسرے مقرر نے بغیر کسی تامل کے جواب دیا!

"اور تم بدمعاش ہو!" ایک تاجر جوش میں بیخود ہوکر چلایا۔

"لیکن تم ڈاکو ہو، بے حیا بدزبان!" ایک طرف سے آواز بلند ہوئی۔

"شریرو!" ایک تاجر نے غصہ سے کانپتے ہوئے کہا "فرانس کے کیوپوا تمھاری چوری، کھلا ہوا راز ہے۔ تم مارسیلز میں روسی گیہوں منگاتے ہو مگر چنگی سے بچنے کے لئے اُسے پہلے ٹیونس بھیجتے ہو پھر وہاں سے فرانس میں داخل کرتے ہو تاکہ ٹیونس کی کم چنگی سے فائدہ اُٹھا سکو!"

"یہ کون گدھا بول رہا ہے؟" ایک شخص نے پوری بے پروائی سے پکار کر کہا۔

"تم گدھوں کے جد امجد ہو" برجستہ جواب تھا!

اب مجھ پر یہ راز کھلا کہ ٹیونس کا معاملہ، نہ تو فرانس کی عظمت سے تعلق رکھتا ہے نہ تہذیب و تمدن کی خدمت سے۔ محض سرمایہ داری کا سوال ہے۔ الجزائر کے فرانسیسی اور اُنکے حمایتی ٹیونس کو نوآبادیوں کی وزارت کے ماتحت اس لئے کردینا چاہتے ہیں تاکہ وہاں کے فرانسیسی اُن سے زیادہ فائدہ نہ اُٹھا سکیں۔

"تم ٹیونس کی دولت کھا کے پھول گئے ہو!" ایک مقرر نے کہا۔

"حاسدو! شیطان کے بھائیو! ہم تمھیں پیروں سے روند ڈالیں گے" ٹیونس کے ایک فرانسیسی کا جواب تھا جبکہ وہ جوش سے کھڑا ہوگیا تھا!

غرضکہ کوئی گالی نہ تھی جو استعمال نہ کی گئی ہو۔ کوئی الزام نہ تھا جو ایک نے دوسرے پر نہ لگایا ہو۔ اب شراب، سروں پر خوب چڑھ چکی تھی۔ آنکھیں لال تھیں۔ گھونسے تن رہے تھے۔ خطرناک ارادوں نے ہر چہرہ پر ہولناکی کا غازہ مل دیا تھا۔ آخر ایک آواز بلند ہوئی "مسیو اٹین! مسیو اٹین!"

مسیو اٹین اپنی کرسی سے اُٹھے۔ اب ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ اسوقت بھی میری آنکھوں میں اس چوڑے سینہ والے سیاسی مدبر کی تصویر پھر رہی ہے۔ اُسکی آنکھیں نہایت متحرک اور تیز تھیں چہرہ سے از حد مکار معلوم ہوتا تھا۔

"میرے ٹیونسی دوستو!" مقرر نے داہنی طرف مُنہ کرکے کہا "تم یقینًا میرے اخلاص سے انکار نہیں کرسکتے آج سے تیس برس پہلے میں ہی وہ پہلا شخص تھا جسنے فرانس کو ٹیونس کی فتح پر آمادہ کیا تھا۔ میں نے ہی تحریک کی تھی کہ اُس "نیم وحشی" ملک میں تمدن و تہذیب کی روشنی پھیلائی جائے ..."

جملہ حاضرین نے پُرجوش تالیاں بجائیں۔

"اور اے میرے الجزائری دوستو!" مقرر نے بائیں طرف رُخ کرکے کہا "تم بھی میری خیرخواہی اور دوستی سے بخوبی واقف ہو الجزائر سے میری محبت کسی دلیل کی محتاج نہیں۔ الجزائر ہی میرا وطن ہے کیونکہ میں اسی خوبصورت ملک میں پیدا ہوا تھا۔ الجزائر کی محبت مرتے دم تک میرے دل میں باقی رہیگی"

بائیں رُخ سے پُرجوش تالیوں کا شور بلند ہوا!

غرضکہ اس چالاک مقرر نے کچھ ایسی شیریں زبانی سے گفتگو شروع کی کہ دونوں فریق خوش ہوگئے اور اس فرانس کے سب سے بڑے مکار انسان کے اخلاص پر ایمان لے آئے!

"عزیزو!" مقرر نے اپنی آواز کو حد درجہ موثر بنا کر کہا "جب میں تمھیں باہم اس طرح لڑتے جھگڑتے دیکھتا ہوں، تو میرا دل سینہ میں بیٹھنے لگتا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ الجزائر اور ٹیونس بغیر ایک دوسرے پر حسد کئے ترقی کریں؟ میں [illegible] کرتا ہوں کہ [illegible] خیالات دور کردیں [illegible] ایک طرف رکھئے!

"یہ دیکھئے امراکشی [illegible] آپکے سامنے موجود ہے

السحر الحلال
فی
مجلدات الہلال

گاہ گاہے باز خوان این دفتر پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

اردو صحافت کي تاريخ ميں الهلال هي وہ رسالہ هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصيات ميں ايک انقلاب آفرين دعوت تهي- اُس نے ملک کے سياسي ' علمي ' ادبي ' اور ديني افکار و عقائد پر جو انقلاب انگيز اثرات ڈالے ' قريب هے کہ مستقبل هند کا مورخ اُن پر بحث کريگا اور اُن کے اندر وہ عناصر و مباديات ڈهونڈهيگا جن سے هندوستان کي سنہ ۱۹۱۹ کے بعد کي اجتماعي دهنيت ظہور پذير هوئي ۔

الهلال اگرچہ ايک هفتہ وار مصور رسالہ تها ' ليکن چونکہ وہ اردو صحافت کي مختلف شاخوں ميں اجتہاد نظر و فکر کي نئي روح پيدا کرني چاهتا تها ' اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعہ تها- اُس کے هر نمبر ميں مختلف ابواب ' مذهب ' سياست ' ادبيات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامہ کے هوتے تهے- اور اُسکا هر باب اپني مجتهدانہ خصوصيات کے لحاظ سے اپني نظير آپ هوتا تها- پهر اس کي ظاهري خوبياں اُردو صحافت ميں اعلى طباعت و ترتيب کا پہلا نمونہ تهيں- اردو کا وہ پہلا هفتہ وار رسالہ تها ' جس ميں هاف ٹون تصاوير کے اندراج کا انتظام کيا گيا ' اور ٹائپ ميں چهپنے کي وجہ سے بہت سي ايسي خوبياں پيدا هوئيں جو پتهر کي چهپائي ميں ممکن نہيں- اِس کي جلديں جديد اُردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سياسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بہترين مجموعہ هيں- اِن کي مقبوليت و قدر کا اندازہ اِس سے هوسکتا هے کہ سنہ ۱۹۱۸ ميں بعض شايقين علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپيہ ميں خريد ليا - اور حال ميں ايک صاحب نے اِس کي پہلي جلد مکمل (جو دفتر ميں بهي موجود نہيں) ساڑهے چارسو روپيہ ميں حيدرآباد سے خريدي هے- جن لوگوں نے اس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هيں وہ بڑي سے بڑي قيمت پر بهي علحدہ کرنے کيليے تيار نہيں- پچهلے دنوں " البلاغ پريس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان ميں منتقل کيا گيا تو ايک ذخيرہ الهلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا ' هم نے کوشش کي کہ شايقين علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلديں مرتب کي جاسکتي هيں مرتب کرلي جائيں اور جن جلدوں کي تکميل ميں ايک دو پرچوں کي کمي هو انهيں دوبارہ چهپوا ليا جائے -

چنانچہ الحمدللہ يہ کوشش ايک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلديں پوري مکمل هوگئي هيں - هم اِس اعلان کے ذريعہ شايقين علم و ادب کو آخري موقعہ ديتے هيں کہ اِس قيمتي ذخيرہ کے حاصل کرنے ميں جلدي کريں ' چونکہ جلدوں کي ايک بہت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف اُنهيں درخواستوں کي تعميل هوسکے گي جو سب سے پہلے پہونچيں گي- هر جلد مجلد هے اور ابتدا ميں تمام مضامين کي انڈکس بہ ترتيب حروف تہجي لگادي گئي هے ۔

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپيہ الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپيہ
" " " چهارم ۱۰ روپيہ " " " پنجم ۱۰ روپيہ

جلد " البلاغ" (جب دوسري مرتبہ الهلال اِس نام سے شائع هوا) قيمت ۸ روپيہ

علاوہ جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هيں جن ميں سے هر پرچہ اپنے مضامين کے لحاظ سے ايک مستقل مجموعہ علم و ادب هے- قيمت في پرچہ ۸ - آنہ - محصول ڈاک و پيکنگ اِس کے علاوہ هے ۔

مينجر " البلاغ پريس "

Printed and Published by

Masud Hasan Zuberi at The Al-Balagh Press, 11, Ballygunge Circular Road, Calcutta

Editor : Maulana Abu-al-Kalam Azad.

الہلال

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت فی پرچہ پانچ آنہ

ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین (القرآن الحکیم)

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۹ — کلکته : جمعه ۱۳ . صفر ۱۳۴۶ هجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 12, August 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نهین ؟

آج کوئی زبان ترقی نهین کر سکتی اگر وه اپنا ترقی یافته طریق طباعة نهین رکهتی .
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نهین که حروف کی چهپائی اختیار کی جای .
پتهر کی چهپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبهی ترقی نهین کر سکتی .

اردو کی سب سی بهتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وه هین جن مین الهلال چهپتا هی . اور عربی کا بهترین خط نسخ وه هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گئی هین . آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین . لیکن پتهر کی چهپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین .

براه عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی . یاد رکهیی . طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیاده اهم مسئله هی . ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین . **الهلال**

قارئین الهلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۵۶۱ مراسلات وصول هوی هین . تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین	۵۶	اردو حروف کی حق مین	۱۸۲
موجوده مشترك طباعة کی حق مین	۱۰۵	حروف کی حق مین بشرطیکه	
پتهر کی چهپائی کی حق مین	۱۷۸	نستعلیق هوں	۴۰

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بهی متفق ظاهر کیا هی .

آراء کی دیکهنی سی معلوم هوا که اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نهین هی . اور ابهی شرح وبیان کی ضرورت هی . آینده اس باری مین مولانا به تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی ... اب ضرورت هی که بقیه حضرات بهی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بهیج دین . **الهلال**

افسانـــه

حقیقت کہاں هی ؟

یونانی علم الاصنام کا ایک افسانۂ حکمت

قدیم یونان کے مرکز ایتھنس ' فلسفہ کے گہوارے اور حکمت کے سر چشمے پر ' رات کي خاموشي چھا گئي تھي -

رات نے اپني سیاہ قناتیں تان دیں - محو خواب شہر کي لمبي سانسوں کے سوا کوئي آواز سنائي نہیں دیتي - اتنے میں چاند نکل آیا - روپہلي چاندني کوہ و دشت پر پھیل گئي - مندروں کي سنہري برجیاں چمک اٹھیں - زیتون اور خرمے کے درخت بے ساختہ کھلکھلا اٹھے !

شہروں کي ملکہ ایتھنس سو رهي هے - دروازوں پر چوکیدار اونگھہ رهے هیں - لیکن ' صرف ایک نوجوان هے جو اب تک جاگ رها هے !

دیوکلس حسن ' ذهانت ' دولت کے خزانوں کا مالک هے - اکادیمي میں حکمت کا طالب علم هے - اپنا پورا دن' اور رات کے بھي بہت سے گھنٹے ' علم و حکمت کے پہلو میں گزارتا هے - صحبت و معاشرت سے بیزار هے - ایک پورے حکیم کي طرح پورا خلوت پسند هے - تفکرات کے سمندر میں شب و روز غواصي ؛ بس یہي اُس کا مشغلہ هے -



ایتھنس ' یعني حکمت کي دیوي کا مرمري خوبصورت بت اکادیمي کے صحن میں نصب تھا - دیوکلس سب طالب علموں سے زیادہ ' حکمت کے اس خاموش مجسمہ کے پاس جاتا اور همیشہ اُس کے تصور میں غرق رهتا - اُس کي دل کي مناجاتوں کا قبلہ بھي تھا - اُس کے دماغ کے استغراق کا مرکز اِسي میں تھا - وہ اس کي دلفریب صورت پر غور کرتا - وہ اُس کے جمال معني و حقیقت کي جستجو میں محو هوجاتا - وہ اُس سے حکمت کي وحي اور علم کا پیام رباني طلب کرتا - وہ حکمت کي جستجو میں حکمت کے مجسمہ کا عاشق تھا !

***

آج رات دیوکلس پھر دیوي کے سامنے دست بستہ کھڑا هے -

رات ڈھل گئي ' مگر وہ بے حس و حرکت کھڑا هے - اچانک اُس نے سر اٹھایا اور بت کے قدموں پر گر پڑا - بوسوں پر بوسے لیے - آنسوؤں سے اُس کے پاؤں دھونے لگا :

" اے علم و حکمت کے مظہر محبوب ! رحم ' رحم ' مجھے ایک نظر دیکھہ لے ! ایک مرتبہ کے لیے میري التجائیں سن لے ! "

وہ دیر تک آنکھوں کے آنسوؤں اور زبان کي دعاؤں سے مناجات کرتا رها - پھر اُس نے نظر اٹھائي - چاند نے اپني شعاعیں جمع کرکے دیوي کے چہرے کي رعنائي بے حساب کردي تھي !

هوا چلتے چلتے رک گئي - پتوں کا شور تھم گیا - پہلے سے زیادہ سکون طاري هوگیا - نوجوان کا دل تنگ هوا - اُس نے لمبي آہ بھري ' اور آہ کے ساتھہ هي آنسوؤں کي لڑیاں رخساروں پر پھیل گئیں :

" مقدس دیوي ! " دیوکلس نے جوش سے چلا کر کہا " تیرے هي قدموں پر میرا سر دهرا هے - تیري هي عبادت پر میري روح جھکي هے - تو نے میرے دل کو حکمت کے عشق سے معمور کر دیا - تونے کمال کا لازوال شوق پیدا کردیا - تو نے حقیقت کي جستجو کي آگ سلگا دي - یہ آگ اب جلائے ڈالتي هے - یا تو همیشہ کے لیے اِسے ٹھنڈا کردے ' یا حقیقت کا جمال پنہاں ایک مرتبہ دکھادے - هاں ' حقیقت ' مقدس ' عظیم حقیقت ' اِس مہیب کائنات کي حقیقت ' اس هولناک ازلیت و ابدیت کي حقیقت ' هر وجود کي روح ' مجرد حقیقت ' عریاں حقیقت - وہ حقیقت ' جس کي جستجو میں تمام فلاسفہ سرگرداں رهے ' اور حکیموں کو بستر خواب پر کبھي نیند نہ آئي - حکمت کي پاک دیوي ! حقیقت کا چہرہ میري آنکھوں کے سامنے بے نقاب کردے - میں اسے جاننا اور دیکھنا چاهتا هوں - میں اُسے سارے پردوں اور نقابوں کے اندر سے دیکھنا چاهتا هوں - میں اس کي پرستش پر دل بد چکا هوں - میں اُس کي راہ میں اپني زندگي اور زندگي کي تمام مسرتیں ' اپني دولت ' عزت ' حسن ' شباب ' محبت ' سب کچھہ قربان کردونگا "

دیوکلس نے یہ کہا اور گردن اٹھا کر دیوي کا منہ دیکھا - وہ بدستور خاموش اور بے حس و حرکت تھي - نوجوان نے اپني پیشاني پھر اُس کے مرمري قدموں پر رکھدي اور گڑگڑانے لگا - اُس کي روح ' اُس کي آنکھیں ' اُس کي زبان ' تینوں ' دیوي کے قدموں پر تھے - روح آتش شوق سے جل رهي تھي - آنکھیں جوشش عشق میں بہہ رهي تھیں - زبان ولولۂ مناجات سے وارفتہ تھي !

***

اچانک درختوں کے پتے هلے ' ڈالیوں میں جنبش هوئي ' نسیم کے جھونکے چلے - هوا میں ایک آواز گونجي : " دیوکلس !" " دیوکلس !"

نوجوان چونک اُٹھا - اِدھر اُدھر گھبراھٹ سے دیکھنے لگا - سمجھا' اُسکے ھم مدرسہ پکار رھے ھیں - مگر وھاں کوئی انسان بھی نظر نہ آیا -

" دیوکلس !" — " دیوکلس !" نوجوان تمثالی نے نگاہ اٹھا کر بت کو دیکھا - کیا دیکھتا ھے کہ سچ مچ کو اُسکے ھونٹ هل رھے ھیں ! ... اچانک سنگ مرمر کے ھاتھہ میں جنبش ھوئی ......

دیوی نے اپنا ھاتھہ دیوکلس کے کندھے پر رکھہ دیا ...... بجلی کی ایک طاقتور لہر اُسکے بدن میں دوڑ گئی - بید کی طرح تھر تھرانے لگا - خوف کی شدت سے اُسکے حواس معطل ھوگئے ......

لیکن آواز ابتک آ رھی تھی " دیوکلس ! " " دیوکلس !"

" دیوکلس ! تونے مجھے پکارا - لے' میں آگئی - تیری مناجات میں نے سن لی - بول ' کیا مانگتا ھے ؟"

دھشت سے نوجوان کی سانس رک گئی - بے اختیار زمین پر گر پڑا - قریب تھا' بیہوش ھو جائے - جب کچھہ عرصہ کے بعد اُسکے ھوش حواس واپس آئے گئے - تو اُس نے خوفزدہ نظروں سے دیوی کو دیکھا :

" ھاں مقدس دیوی !" اُسنے کانپتی ھوئی آواز سے کہا " میں ھی تیرے حضور زار نالی کر رھا تھا - مجھے " حقیقت " کی جستجو ھے - میں " حقیقت " کو دیکھنا چاھتا ھوں - میں اُسے بے نقاب دیکھنا چاھتا ھوں ... "

" تو حقیقت کی کھوج میں ھے !" دیوی نے اپنی پر رعب آواز میں کہا " حقیقت خود یہی " وجود " ھے - حقیقت کہاں نہیں ھے ؟ لیکن ھاں ' بے پردہ ' بے نقاب حقیقت ' کبھی کوئی کائناتی نگاہ نہ دیکھہ سکی - کسی نے اسکے دیکھنے کی جرأت بھی نہیں کی - بے نقاب حقیقت انسان کی حد نگاہ سے باھر ھے - تاھم اگر تیری یہی ضد ھے تو سمجھہ لے' تجھے بڑی قیمت ادا کرنی پڑیگی ' ایسی بڑی ' جسکی شاید تجھے قدرت نہیں - تجھے دولت ' عظمت' حسن — سب سے دست بردار ھوجانا پڑیگا - تجھے زندگی کا بھی آرزومند نہ ھونا چاھیے - دیوتاؤں نے " حقیقت " سے بڑھکر کوئی دولت کائنات کی اولاد کو نہیں دی ھے "

" میں ان سب سے ھمیشہ کیلیے بخوشی دست بردار ھوتا ھوں " دیوکلس نے خوش ھوکر کہا " میں سورج بھی چھوڑنے پر طیار ھوں "

دیوی نے اپنا سر جھکا لیا - ھر طرف خاموشی پھیل گئی - درخت " زفس " کی اس باعظمت لڑکی کی تعظیم میں جھک گئے !

دیوی نے پھر سر اٹھایا :

" بہتر " اُسنے آدمیوں کی طرح لفظوں میں کہا " تجھے حقیقت دکھادی جائیگی - لیکن ایک ھی مرتبہ میں تو اُسے نہیں دیکھہ سکتا - میں ھر سال ایک دفعہ تجھے وھاں لیجایا کرونگی - تو اُسکے چھپانے والے پردوں میں سے ' ھر مرتبہ ' ایک پردہ چاک کرسکے گا ... تو زندگی کے لباس میں رھے گا ' یہانتک کہ حقیقت عریاں اپنی آنکھوں سے دیکھہ لے "

***

نوجوان کا چہرہ مسرت امید سے دمکنے لگا - وہ خاموش رھا کہ دیکھے اب دیوی کیا کرتی ھے - اچانک وہ حیرت سے دم بخود ھوگیا - دیوی نے اپنی سنگ مرمر کی چادر اتار دی - دیوکلس کی آنکھیں دختر زفس کے حسن وجلال سے چکا چوند ھوگئیں - چشم زدن میں بت نور کا پتلہ بن گیا - ... اب اُس میں حرکت ھوئی - ... اُسنے نوجوان کو گود میں اٹھا لیا - لامتناھی فضا میں پرواز شروع کردی - ایک نامعلوم خطہ میں جا پہنچی - دیوکلس نے دیکھا ' ایک سر بفلک پہاڑ پر وہ کھڑا ھے ...

یہاں ' پہاڑ پر ' نوجوان نے کالی بدلیوں کے اندر ایک پر اسرار سی دیکھی - جوش شناخت میں اسکی روح اُسکے حلقہ ھائے چشم میں سمٹ آئی مگر وہ اسکے خال و خد نہ دیکھہ سکا !

" یہی حقیقت ھے " دیوی نے اپنی انگلی سے اشارہ کرکے کہا " یہی اپنی دھندلی شعاعیں زمین پر ڈالتی ھے اور فلسفی اور حکیم اُن میں نور حق کا سایہ ڈھونڈھتے ھیں - اگر یہ شعاعیں نہ ھوتیں تو دنیا تاریک رات کی طرح اندھیری ھوجاتی - انسان کی نگاہ حقیقت کو اِنھی شعاعوں میں دیکھہ سکتی ھے - تم دیکھہ رھے ھو ' وہ اس قدر ھلکی ' ایسی دھندلی شعاعیں ھیں ؟ حقیقت بے حد روشن ھے - اتنی روشن کہ سورج کی روشنی سے بھی تم اسکا قیاس نہیں کرسکتے - مگر وہ ان پردوں کے اندر چھپی ھوئی ھے - صرف اسکا سایہ ھی نظر آسکتا ھے - آگے بڑھ ' اور اسکا ایک پردہ چاک کر ڈال "

دیوکلس نے دیوی کے حکم کی تعمیل کی -

ھاتھہ لگتے ھی پردہ سفید پرند بن گیا تھوڑی دیر نوجوان کے سر پر منڈلایا - پھر سیدھا آسمان کی طرف اُڑ گیا !

دیوکلس نے اب دیکھا - حقیقت کی شعاعیں پہلے سے زیادہ صاف اور روشن ھیں !

دیوی اُسے پھر زمین پر اُڑا لائی - وہ اپنی اکاڈیمی میں گیا ' اور دیوی اپنا مرمری جامہ پہنکر پھر بت بن گئی !

***

دیوکلس نے دیوی سے اپنا وعدہ پورا کیا - آرام و راحت سے منھہ موڑ لیا' خلوت میں بیٹھا ' اور غور و فکر میں بتمام مستغرق ھوگیا -

اب وہ انسانوں کے کسی مجمع میں نظر نہیں آتا تھا - ایتھنس کے تمام میلے اس سے خالی ھوگئے تھے -

دوسرے سال اپنے مقررہ وقت پر وہ پھر سنگ مرمر کے بت کے سامنے سر بسجود تھا - دیوی نے حرکت کی' اور پہلی مرتبہ کی طرح اُسے غیر معلوم پہاڑ پر اڑا لے گئی - اب اُسنے حقیقت کا دوسرا پردہ چاک کردیا - اس مرتبہ روشنی اور بھی زیادہ تیز ھوگئی - پھر وہ زمین پر واپس آ گیا - اُسکی زھد و خلوت پسندی اب اور زیادہ گہری ھو گئی تھی -

***

اُسکے رفیق اِس تبدیلی پر متعجب تھے - اُنھوں نے اُسے بہت بہت پھسلایا ' مگر وہ اپنے گوشۂ انزوا سے باھر نہ نکلا -

ایتھنس کی بعض حسین نو سیزہ لڑکیوں سے اُسکی ملاقات تھی - ایک فتنہ گر حسن اُس سے محبت بھی کرتی تھی - اُسکی یہ حالت دیکھکر ایک دن اُسکے پاس گئی :

" دیوکلس ! کیا بات ھے ؟" نو سیزہ نے مسکرا کر کہا " تم مجھہ سے بیزار کیوں ھوگئے ؟ یہ دیکھو ' میری آنکھیں ستاروں کی طرح چمکتی ھیں - میرے بال شعاعوں سے بھی زیادہ چمکیلے ھیں میرا جسم کیسا دلفریب ھے ؟ میں نے تمہارے سوال محبت کا جواب دیا تھا' مگر اب میں خود تم سے جواب محبت کی سائل ھوں - مجھے دیکھو ' میری محبت کی تحقیر نہ کرو - خود دیوتا بھی محبت سے انکار نہیں کرتے "

دیوکلس نے دوشیزہ پر ایک سرد نظر ڈالی اور کہا :

" محبت میرے دل سے اُسی طرح اڑ گئی ہے جس طرح دوسرا پردہ اڑ گیا تھا " اُسنے یہ کہا اور ایک طرف کو چلدیا !

دوشیزہ حیرت سے اُسے دیکھتی رہی - بھلا یہ رمزوہ کیونکر سمجھہ سکتی تھی ؟ اُسنے خیال کیا ' دیوکلس دیوانہ ہوگیا ہے -

***

ایک سال بعد دیوکلس نے تیسرا پردہ چاک کیا - اُسکی نظر اور بھی زیادہ تیز ہوگئی - اسکا نفس ناطقہ زیادہ شائستہ اور بلند مرتبت ہوگیا !

اب فلسفہ کے حلقوں سے بھی وہ الگ ہوگیا - اگر کبھی اتفاق سے وہ عوام کے سامنے بولتا تو لوگوں کے کان اُسکے لیے وقف ہو جاتے - انسانی دلوں کے لیے اُسکی آواز میں ایک ایسی تاثیر تھی کہ یونان کے صنمہاے حکمت میں کسی بڑے سے بڑے حکیم کی آواز کو بھی نہ ملی ہوگی - پورے ایتھنس نے جمع ہوکر فیصلہ کردیا کہ دیوکلس ' استاد عظیم افلاطون اور دوسرے تمام حکیموں سے بازی لیگیا - اُس سے منتیں کی گئیں کہ فلسفہ کی امامت قبول کرلے مگر اسنے بے پروائی سے انکار کردیا -

اسی زمانہ میں ایسا ہوا کہ ایتھنس پر دشمنوں نے حملہ کردیا - دیوکلس وطن کی مدافعت میں پیش پیش تھا - بے نظیر شجاعت سے لڑا - آخر زخموں سے چور چور لوٹا - ایتھنس کو فتح ہوئی - بہادروں کو فورم میں پھولوں کے تاج تقسیم کیے گیے - سب سے بڑا تاج دیوکلس کے واسطے طیار ہوا تھا - مگر عین وقت پر جب اُسے پکارا گیا ' تو وہ موجود نہ تھا !

***

برسوں پر برس گذرتے چلے گیے - ہر برس دیوکلس حقیقت کا ایک پردہ چاک کر آتا تھا - ابھی وہ جوان تھا مگر اسکا سر سفید ہوگیا - کمر جھک گئی - آنکھیں دھنس گئیں - قوی کمزور پڑ گیے - اِسپر بھی وہ خوش تھا ' کیونکہ وہ عنقریب " حقیقت " کا مشاہدہ کرنے والا تھا ' اُس حقیقت کا بے پردہ بے نقاب مشاہدہ ' جسے کبھی کسی بشر نے نہیں دیکھا !

***

آخر فیصلہ کی رات آگئی - آج " حقیقت " پر سے آخری پردہ بھی اٹھہ جایگا - آج بے نقاب حقیقت اسکے سامنے ہوگی !

دیوی ' دیوکلس کو حسب عادت اڑالے گئی - اور حسب معمول حقیقت ' کے سایہ کے سامنے کھڑا کردیا :

" دیکھہ ' حقیقت کس قدر تاباں ہے ! پچھلے برسوں میں جتنے پردے تونے چاک کیے ' وہ اسکے چہرے کے پردے نہ تھے - تیری ہی غفلت کے پردے تھے جو تونے اپنی آنکھوں پر ڈال لیے تھے - تونے ایک ایک کرکے تمام غفلتیں دور کردیں - آج آخری پردے کی باری ہے - اسکے بعد تو روز روحقیقت کا جلوہ دیکھہ لیگا - اگر تو اپنے کیے پر پشیمان ہے ' یا تیرے دل میں ذرا بھی خوف موجود ہے ' تو اب بھی وقت ہے - لوٹ جا' اور باقی زندگی چین سے گزار "

دیوکلس' جوش طلب سے دیوانہ ہوکر چلایا :

" اِسی منزل کی طلب میں تو میں نے ساری عمر گزاردی - اب میں " حقیقت " سے کس طرح منھہ موڑ سکتا ہوں ؟ میں آخری پردہ بھی چاک کرونگا - میں حقیقت کو ضرور بے نقاب دیکھونگا "

اُسنے یہ کہا اور آگے بڑھا - اُسکا دل دھڑکنے لگا - ہاتھہ کانپنے لگا - وہ اپنی بزدلی پر شرمندہ ہو رہا تھا مگر عمل کی ہیبت و دہشت سے بے بس تھا - اس نے دانت بھینچے ' آنکھیں بند کیں ' دل کڑا کے آگے بڑھا ' ہاتھہ بڑھایا ' اور آخری پردہ بھی کھینچ لیا ......

اُف ' ہولناکی !

پردہ ہٹتے ہی روشنی غائب ہوگئی ـــــ گھٹا ٹوپ اندھیری چھاگئی ... کچھہ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا !

دیوکلس نے اتنے زور سے چیخ ماری کہ قریب تھا ' اسکا سینہ شق ہوجاے :

" حقیقت کہاں ہے ؟ حقیقت کہاں ہے ؟ اے دیوی ! حقیقت کہاں ہے ؟ مجھے تو کچھہ سوجھائی نہیں دیتا - وہ ' جو آخری پردے کے پیچھے تھی ' کہاں چلی گئی ؟ ساری دنیا تاریک ہو رہی ہے ... "

" تیری آنکھیں پھوٹ گئیں ! " حکمت کی دیوی نے وقار سے کہا " اے کائنات کے بیٹے ' تیری آخری غفلت بھی اڑگئی ! بے نقاب حقیقت کوئی بھی نہیں دیکھہ سکتا - اگر دیکھہ سکتا ہے تو اُسے پردوں ہی میں لپٹا دیکھہ سکتا ہے - کوئی دس پردوں کے اندر سے دیکھتا ہے - کوئی اِس سے کم میں دیکھتا ہے - کوئی اِس سے بھی زیادہ میں - مگر حقیقت عریاں کا مشاہدہ ناممکن ہے ... تونے دیکھنا چاہا ' تو تونے دیکھہ لیا کہ تو کیا دیکھہ سکتا ہے ! ... "

دیوکلس نے یہ سنا اور منھہ کے بھل زمین پر گر پڑا - اب اُسکے جسم میں روح موجود نہ تھی ... شاید " حقیقت " کی جستجو میں اُسنے دوسری دنیا کی راہ لی تھی ... "

منجمد سطح اور اُسکے اوپر کی فضا اپنا بوجھہ اُس پر ڈالے ہوئے ہے - زمین پر اِس وقت جس طرح کے آتش فشاں پہاڑ نظر آتے ہیں ایسے ہی پہاڑ اُن قدیم زمانوں میں بھی موجود تھے جو زمین کی عمر کا ابتدائی زمانہ تھا - اصطلاح طبقات الارض میں یہ دور " عہد ارضی " کہلاتا ہے -

گرم چشموں کا وجود اِس بات کی قطعی دلیل ہے کہ زمین کا باطن ایک عظیم مشتعل کرہ ہے - چونکہ جزء ہمیشہ کل کے ماتحت ہوتا ہے اس لیے عملاً تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ زمین کی یہ پتلی پپڑی یا چھلکا بھی ایک زمانہ میں اپنے کل کی طرح مشتعل ہوگا - زمین اپنی تاریخ کے کسی قدیم دور میں آتشی کرہ تھی -

چاند کو بھی اگر دوربین سے ہم دیکھیں تو اُس میں آتش فشانوں کے نمایاں نشان پائینگے - اِس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ چاند پر بھی تقریباً ویسے ہی تاریخی انقلاب طاری ہو چکے ہیں جیسے زمین پر گزر چکے ہیں -

(کانت اور لاپلاس کا نظریہ)

اِس طرح کے مشاہدات پر غور کرنے کے بعد جرمن فلاسفر کانت اور اس کے بعد فرنچ ریاضی داں لاپلاس نے یہ نظریہ قائم کیا کہ شروع میں پورا نظام شمسی نہایت ہی گرم گیس کا کتلہ تھا - یہ کتلہ کسی نا معلوم محرک کے ذریعہ خود اپنے گرد گھومنے لگا - اِس حرکت نے حلقے پیدا کیے - پھر ان کے مرکز میں کثافت و انجماد پیدا ہوگیا ' اور اِس کیفیت کے بعد یہی مرکز آفتاب بن گیا - پھر گردشی حرکت کی وجہ سے اُن حلقوں کے اندر بھی حلقے پیدا ہونے لگے - اِن ثانوی حلقوں میں سے ہر حلقے کے مرکز میں کثافت و انجماد کی کیفیت پیدا ہوئی اور ایک نیا کواکب ناری بن گیا - پھر اس مرکز سے محیط حلقوں میں بھی کثافت و انجماد کا عمل شروع ہوا اور بتدریج ایک یا کئی چاند پیدا ہوگئے - مگر یہ بھی اُس وقت آتشیں تھے - بتدریج ٹھنڈے ہوکر موجودہ شکل میں آئے ہیں - بعض کواکب کے گرد اب تک اُس تاریخی عہد کے حلقے موجود ہیں - چنانچہ دوربین میں زحل کے گرد علاوہ اُس کے دس چاندوں کے ' تین تہیں رکھنے والا گیسی حلقہ بھی دکھائی دیتا ہے -

خاص زمین کے متعلق مذکورہ بالا علماء کا نظریہ یہ ہے کہ وہ بتدریج ٹھنڈی ہونا شروع ہوئی ' یہانتک کہ اُس کی سطح جم گئی - جب زمین کی حرارت ۳۵۰ درجہ پر پہنچی تو اُس پر پارے کی موسلا دھار بارش ہوئی - جب حرارت اور کم ہوئی اور ۱۰۰ درجہ پر آئی ' تو کھولتے ہوئے پانی کی بارش شروع ہوگئی - مگر چونکہ زمین اور اُس کی فضا کی حرارت ہنوز بہت زیادہ تھی ' اِس لیے پانی جمع نہ ہوسکا اور بھاپ بنکر اڑ گیا - پھر جب حرارت ۱۰۰ درجہ سے بھی کم ہوگئی ' تو اُس وقت بارش کا پانی جمع ہوا اور سمندروں کی تکوین ہوئی - اُس زمانہ کے سمندروں کا رقبہ موجودہ سمندروں سے بہت زیادہ تھا - کیونکہ اُس وقت زمین کا داخلی حصہ بہ سبب شدت حرارت کے پانی سے خالی تھا - اور اُسکی موجودہ سلوٹیں وجود میں نہیں آئی تھیں جنھوں نے بعد میں پہاڑ اور سمندر کی گہرائیاں بنائیں - سمندر کے متعلق یہ خیال محض نظریہ نہیں ہے بلکہ علماء طبقات الارض کا مشاہدہ ہے -

(کائنات حیات)

اب زندہ کائنات کی بحث سامنے آتی ہے - ظاہر ہے بہت شدید حرارت میں زندگی موجود نہیں ہوسکتی - اس لیے لازمی طور پر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ زمین اپنے اولین زمانوں میں زندگی سے خالی تھی - یہ تسلیم کرنے کے معنی یہ ہوئے کہ ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ زمین پر زندگی ہمیشہ سے موجود نہیں تھی - بعد میں اُسکا آغاز ہوا -

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ زندگی یا اولین ذی روح کائنات کا آغاز کن مواد سے ہوا ؟ کیا اُن جمے ہوے معدنی مواد سے جو شدید حرارت کی وجہ سے اولین سمندروں میں پانی کی طرح بہہ رہے تھے ' اور گرمی کے کم ہونے پر جم گئے ؟ اگر یہ مان لیا جائے تو بحث ختم ہوجاتی ہے -

(دو مذہب)

لیکن بعض موانع ایسے موجود ہیں کہ اِس بات کا فوراً تسلیم کرلینا ممکن نہیں - اس کا فیصلہ اِس مسئلہ کے فیصلہ پر موقوف ہے کہ غیر ذی روح اشیا سے ذی روح اشیا پیدا ہوسکتی ہیں یا نہیں ؟ اس بارے میں جمہور اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ نہیں ہوسکتیں یا کم از کم نہیں ہوتی ہیں ' لیکن تولد ذاتی کے قائل اسکے خلاف ہیں -

مذہب جمہور کی بنیاد واضح ہے - وہ کہتے ہیں اس طرح کی کوئی تخلیق علمی طریقہ پر ثابت نہیں ہوئی ہے - ایک زمانہ میں عوام کا یہ خیال خواص میں بھی پھیلا ہوا تھا کہ بہت سے جانور مٹی ' پانی ' اور مختلف غیر ذی روح مواد سے پیدا ہو جاتے ہیں - مثلاً وہ سمجھتے تھے ' حشرات الارض مٹی اور پانی سے پیدا ہو جاتے ہیں - مکھیاں اور مچھر گندگی اور کیچڑ سے پیدا ہوکر اڑنے لگتے ہیں - مینڈک کے بچے بارش کے ساتھہ ہی زمین سے اُٹھنے لگتے ہیں - یا پنیر اور اسی طرح کی چیزوں میں خود بخود کیڑے رینگنے لگتے ہیں - لیکن اب تحقیقات سے ثابت ہوگیا کہ یہ تمام جاندار غیر جاندار مادے سے پیدا نہیں ہوتے - بلکہ جاندار مخلوق ہی سے جان حاصل کرتے ہیں - ان سب کی پیدایش مختلف قسم کے کیڑوں اور مکھیوں کے انڈے سے ہوتی ہے جن میں سے بعض چشم غیر مسلح سے اور بعض خورد بینوں سے دیکھے جاسکتے ہیں - پنیر کے کیڑوں پر ایک زمانہ میں بہت زور دیا جاتا تھا - مگر ثابت ہوگیا کہ وہ خاص قسم کی مکھی کے انڈوں سے پیدا ہوتے ہیں ' اور اگر انکی حفاظت کی جاے تو وہ بڑے ہوکر مکھی کی شکل اختیار کرلینگے - یہ بات سترھویں صدی کے وسط ہی میں پایۂ تحقیق تک پہنچ گئی تھی کہ مٹی وغیرہ سے جانداروں کی پیدایش کا خیال غلط ہے -

لیکن دوسرا مذہب اُن لوگوں کا ہے جو " تولد ذاتی " کے قائل ہیں - خوردبین کی ایجاد نے انہیں تقویت دی - اُنھوں نے اعلان کیا کہ ایک خاص طرح کے جاندار ' مردہ پتیوں کے رس جیسے سیال مادوں میں پیدا ہو جاتے ہیں - لیکن میلن اڈورز اور شوان وغیرہ علماء علم الحیات نے اس سے انکار کیا - وہ کہتے ہیں اگر ہم ان سیال مادوں کو آگ پر رکھکر کھولائیں اور اُن جراثیم سے آلودہ نہ ہونے دیں جو ہوا میں موجود ہیں ' تو ان میں کبھی یہ جاندار پیدا نہ ہونگے - یہ بھی در اصل ہوا کے جراثیم کی پیداوار ہیں -

مذہب " تولد ذاتی " کے ماننے والوں نے جراثیم (خوردبینی کیڑوں) کی نسبت بھی دعوا کیا تھا کہ یہ اُن قابل حیات اور معدنی مواد سے پیدا ہوتے ہیں جو سیال مادوں اور بیمار جسموں میں موجود ہیں - لیکن پاسٹیور نے اسکی تغلیط کی - اس نے ثابت کیا کہ اس میں بھی وہی غلطی ہے جو بڑے جانوروں کی پیدایش کے سطحی معائنہ میں ہوئی تھی - یہ جراثیم بھی ہوا کے جراثیم

(پادریوں کا چنگل)

" مرمر کے اسنے جلادوں کے پنجہ سے رهائي حاصل کي تهي - مگر وائے بدنصیبي ' فوراً قسیسوں کے چنگل نے اُسے آ دبوچا ! میں یہ اس لیے نہیں کہتا کہ مجھے اِس پر کوئي تعجب ہے - لیکن بلا شبهہ یہ عجیب ہے کہ ایسا شریف و نجیب انسان اور پیرس کا اُسقف اعظم ' جو صرف شریف النسب هي نہیں بلکہ شریف النفس بهي ہے ' کیونکر اپني جماعت کي بزدلي میں شریک هوگیا ؟ حالانکہ اُسے ایسي دنائت سے بلند هونا چاهیے تها - ایک مذهبي پیشوا هونے کي حیثیت سے اُسکا فرض تها کہ مظلوم پر ترس کهائے ' نہ یہ کہ اُلٹا مظلوم کے کچلنے پر کمربستہ هو جائے - وہ مظلوم ' جو پہلے هي سے زمانہ کے هاتهوں کچلا جاچکا ہے "

" اِس اسقف اعظم کے تمام حاشیہ بردار اِس ناکردہ گناہ کے مٹادالنے پر تل گئے هیں - وہ یقین کرتے هیں کہ هم اُسے ضرور بالضرور مٹادینگے - حقیر سے حقیر واعظ اور ادنی سے ادنی مجاور بهي کوشش کر رها ہے کہ اِس خود ساختہ دشمن کے گلا گهونٹنے کا فخر صرف اُسي کو حاصل هو' اور اِسکے سر پر فیصلہ کن ضرب اُسي کے پاؤں کي ٹهوکر سے لگے !

(اُسقف نے کیوں فتوی شائع کیا ؟)

" اے میرے سردار ! کون شک کرسکتا ہے کہ اگر پیرس کي مجلس حکومت نے میرے خلاف حکم صادر نہ کیا هوتا ' تو آپکو میري کتاب سے بغض کم هوتا ؟ بلاشبہ بعض لوگ یہي خیال ظاهر کرتے هیں - مگر آپ کا حق پسند دل اِسے هرگز تسلیم نہیں کرسکتا ' کیونکہ یہ خلاف واقعہ ہے - اے میرے آقا ! مجهے بتایئے آپنے اسسے پہلے میرا رد کرنے کي زحمت کیوں گوارا نہیں کي ؟ میں نے آپکے منصب کے خلاف رسالہ شائع کیا ' میں نے دي لامبرٹ کے نام خطوط چهاپے ' کئي کتابیں لکهیں ' مگر آپکے قلم کو کبهي جنبش نہ هوئي ! حالانکہ میري اِن کتابوں میں بالکل ویسے هي خیالات موجود تهے ' جیسے کتاب التربیت میں ظاهر کیے گئے هیں - کیا آپنے میري یہ کتابیں نہیں پڑهي تهیں ؟ حالانکہ اگر نہ پڑهي هوتیں تو اپنے اِس رد میں اُن پر بحث نہ کرسکتے - کیا آپ کي یہ خاموشي آپکے دیني فرائض کے خلاف نہ تهي ؟ حالانکہ بقول آپکے اِن کتابوں میں بهي الحاد کي دعوت دي گئي ہے - کیا یہ حقیر مؤلف اُس وقت کم خطا کار تها ' اور اب زیادہ هوگیا ہے ؟ حالانکہ آپ اُسے پیدائشي خطا کار قرار دیتے هیں - آخر کیا بات تهي جو اِتني مدت تک زبان مبارک نہ هلي ؟ یہ وجہ تو نہ تهي کہ اُس وقت آپکے دشمن کم تهے ' اور میں بهي خائنوں سے گهرا هوا نہ تها ؟ اُس وقت عوام میں میري کتابیں مقبول هوچکي تهیں اور آپ عوام کے غصے سے ڈرتے تهے ؟ لیکن اب ' جبکہ حالات میں تبدیلي پیدا هوئي - میرے دشمنوں نے ایکا کرکے مجهہ پر یورش کردي ' مجهے ملحد اور باغي مشهور کیا ' حکومت نے بهي هتیار سنبهال لیے ' اور آپکے دشمنوں نے بهي کہنا شروع کر دیا کہ پیشوائے اعظم هوکر آپ اِس ملحد کے خلاف کچهہ نہیں کہتے ' گویا اپني خاموشي سے اُسکي حمایت کر رهے هیں ' تو آپ اپنے منصب کي حفاظت کے خیال سے اُٹهے ' اور اپنے دشمنوں کا منهہ بند کرنے کیلیے میرے خلاف فتوی شائع کردیا - اے میرے آقا ! کیا اسي سبب نے آپکو میرے خلاف برانگیختہ کیا ؟ اگر ایسا هي ہے تو بلاشبہ میرے دماغ کو شدت تحیر سے سکتہ هو جانا چاهیے ! "

اِس تمهید کے بعد روسو ' اُسقف کے بیان کا رد شروع کرتا ہے -

(صفات الهي)

اُسقف نے لکها تها :

" روسو کہتا ہے - میں خدا کي حقیقت سے بے خبر هوں ' لیکن ساتهہ هي یہ دعوی بهي کرتا ہے کہ یہ موجود حقیقي علم ' قدرت ' ارادہ ' اور حکمت رکهتا ہے !"

روسو جواب دیتا ہے : " خدا کي صفت ' علم ہے - لیکن اسکا علم کیا ہے ؟ انسان کا علم تو اُسکي قوت تفکر میں ہے ' لیکن علم اقدس کسي تفکر و تأمل کا محتاج نہیں - اُسکي تفکیر کے لیے نہ تو مقدمات هیں ' نہ نتائج هیں ' نہ فرض و قیاسات هیں - اُسکا علم ازلي ہے - جو تها ' جو ہے ' جو هوگا ' سب اُس پر آشکارا ہے - تمام حقائق اُسکے سامنے ذرۂ ریگ سے بهي چهوٹے هیں - تمام دنیا اُسکي نظر میں قطرۂ آب سے بهي محدود ہے ' تمام اگلے پچهلے زمانے اُسکے نزدیک لمح بصر سے بهي مختصر هیں "

" باقي رهي قدرت الهي ' تو قدرت الهي کا یہ حال ہے کہ انسان کو اپني قوت عمل کے لیے وسائل عمل کي ضرورت هوتي ہے - لیکن خدا کو کسي وسیلے کي ضرورت نہیں - قوت الهي خود اپني قوت سے عمل کرتي ہے - خدا قادر ہے ' کیونکہ وہ ارادہ رکهتا ہے - اور اُسکا ارادہ هي اُسکي قدرت ہے !"

" خدا ' لاریب خیر ہے - انسان کا خیر یہ ہے کہ کہ اپنے بني نوع سے محبت کرے - لیکن خدا کا خیر اُسکا وہ نظام ہے جس سے وہ کائنات کو سنبهالے اور تمام اجزاء کو باهم جوڑے هوئے ہے -

" خدا لاریب عادل ہے - عدل الهي بهي اُسکے خیر هي کا ایک نتیجہ ہے - انسان کا ظلم ' خود انسان کا اپنا عمل ہے ' خدا کا عمل نہیں ہے - روح کا اضطراب ' جس کي وجہ سے فلاسفہ قدرت الهي کے منکر هو جاتے هیں ' میري نظر میں اِس لا متناهي قدرت کو اور زیادہ واضح کرنے والا ہے - انسان کا عدل یہ ہے کہ هر حقدار کو اُسکا حق دیدے - خدا کا عدل یہ ہے کہ هر ایک سے اپني نعمتوں اور بخششوں کا حساب لے !"

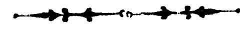
(حقیقت الهي)

" یہہ صفات میں نے عقل کي منطق کي راہ سے معلوم کي هیں - لیکن میرے دماغ میں اُنکا مفهوم مرتب و مفصل نہیں ہے - میں اُنهیں تسلیم کرتا اور انپر اصرار کرتا هوں ' مگر اُنکي پوري حقیقت کا احاطہ نہیں کر سکتا - عقل اِسکا احاطہ کر هي نہیں سکتي - اِسکے معني دوسرے لفظوں میں یہ هوے کہ میں حقیقت سے لا علم هوں - اور اسلیے میري حیثیت یہ نہیں ہے کہ میں جانتا هوں اور اصرار کرتا هوں - میں اپنے دل سے بے فائدہ کہتا هوں " یہي خدا ہے " میں بے فائدہ اُسکا شعور کرنا چاهتا هوں - میں بے فائدہ اپنے ذهن میں اُسکا تصور کرتا هوں - " بے فائدہ " اس لیے کہ اِس سے خدا کي حقیقت پر ذرہ بهي روشني نہیں پڑتي - میں هرگز معلوم نہیں کر سکتا ' خدا ایسا کیوں ہے ؟ اُس میں یہ صفات کیونکر قائم و موجود هیں ؟

" میں اُسکي حقیقت جاننے کي جتني زیادہ کوشش کرتا هوں اُتني هي اُسکي حقیقت پوشیدہ هوتي جاتي ہے - میري یہ عقل کي بے بسي مجهہ میں اُسکا اعتقاد و ایمان اور بهي زیادہ مستحکم کر دیتي ہے - میں جس قدر اُس کا تصور کم کر سکتا هوں ' اُسي قدر اُس سے زیادہ وابستہ هوتا اور اُتنا هي اُسکي عبادت پر جهکتا جاتا هوں - بالاخر اُس کے رو برو گر پڑتا هوں اور کہتا هوں " میرا وجود تجهي سے ہے اے خالق کائنات ! میں جس قدر زیادہ تجهہ میں غور کرتا هوں ' تو اُتنا هي زیادہ میرا نفس بلند کرتا جاتا ہے ' مگر تیري حقیقت برابر مجهہ سے مستور هي رهتي ہے ! تجهہ میں میرا فنا هو جانا ' میري عقل کا سب سے بڑا کارنامہ ہے ! تیري عظمت نے میري عقل مبهوت کردي ہے ' مگر میري نا تواني کو بهي قوت سے بدل دیا ہے !"



حکمت اور شعر کے مختارات



حکماء و شعراء مغرب کے بعض افکار و خواطر

(حسن)

حسن خدا کی مخلوق پر اُس کا مہر ہے — بیٹنشر'

حسن بغیر نزاکت کے ایسا ہے' جیسے بے نمک کھانا — امرسن -

ارسطو سے پوچھا گیا " حسن کیا ہے ؟ " اُس نے جواب دیا " یہ سوال اندھوں سے کرنا چاہیے " — بیکن

حسن ' جہاں بھی ہوتا ہے ' سراہا جاتا ہے — گوئٹے

حسن ' ایک جال ہے ' جس سے قدرت عقلوں کا شکار کرتی ہے — لیگس -

عورت کا اپنے حسن پر غرور اُس کی طرف سے اقرار ہے کہ اُس کے پاس حسن کے سوا کوئی چیز قابل نظر نہیں — میڈ موزیل دی لسپیناس

خوبصورت عورت آنکھ کے لیے جنت ہے ' قلب کے لیے دوزخ ہے ' جیب کے لیے ویرانی ہے -

خوبصورت ' بد صورت سے اُسی طرح بچے' جس طرح ذہین ' غبی سے بچتا ہے — پوپ

تمہاری یہی کیا کم فتح مندی ہے کہ تم خوبصورت ہو؟ — ہوگز

جب ہم میں اِس قدر صلاحیت پیدا ہو جائیگی کہ ہم خدا کے ہر عمل میں حسن و جمال محسوس کرنے لگیں گے' تو اُس وقت ہم دعوی کرسکیں گے کہ ہم اُس کی حقیقت سے واقف ہو گئے ہیں — رسکن

حسن ' تمام نوع انسانی کے لیے سعادت ہے - ہر مخلوق اُس کے زیر اثر آکر بھول جاتی ہے کہ وہ محدود ہے — شیلر

حسن سے محروم عورت' زندگی کی نصف لذت سے محروم ہوتی ہے — مدیم دی مونتارین

حسن بہت ہی کم عمر چیز ہے — دی لنکلر

اِس یقین سے زیادہ عورت کے لیے کسی بات کا یقین مشکل نہیں کہ وہ اپنے حسن سے محروم ہوگئی ہے — روشبراون

کبھی عورت خوبصورت ہوتی ہے ' مگر اُس کا حسن اُس وقت تک نہیں کھلتا ' جب تک اُس کا دل محبت کے لیے نہیں کھل جاتا — لا بروئیر

حسن ' قدرت کا عورت کو سب سے پہلا عطیہ ہے ' اور یہی سب سے پہلے اُس سے چھن بھی جاتا ہے — میرہ -

عورت اپنے محبوب کی جدائی گوارا کرسکتی ہے مگر اپنے حسن کی جدائی گوارا نہیں کرسکتی — روشبراون

مرد کو شادی کے معاملہ میں اعلی حسن سے پرہیز کرنا چاہیے - کیونکہ حسن قبضہ میں آتے ہی گھٹ جاتا ہے' مگر اُس کی مصیبتیں زندگی بھر باقی رہتی ہیں — روسو

جس عورت میں بجز حسن کے اور کوئی جوہر نہیں ہوتا ' اُس کی مثال روغنی روٹی کی سی ہے - یہ گرم اچھی معلوم ہوتی ہے اور سرد ہونے ہی اپنا سارا ذائقہ کھودیتی ہے — سیجور

(عورت)

تمدن اچھی عورتوں کے اقتدار کا نام ہے — امرسن

عورت کی شیرینی گلاب کی طرح جلد ختم ہو جاتی ہے — گوئٹے

زندگی کی سب سے لذیذ شیرینی ' بیوی کا اپنے شوہر کو مخلصانہ سلام ہے — ولز

عورت کی انانیت اپنے اندر دو انانیتیں رکھتی ہے — مدیم دی استائل

خدا کی انسان پر سب سے قیمتی بخشش ' عورت ہے - گویا کاش ' عورت تنہا میرا ہی حصہ ہوتی ! — اربیدس

عورت انسان اور فرشتہ کے بین بین ایک مخلوق ہے — بلزاک

عورت اُس شخص کو حقیر سمجھتی ہے جو اُس سے محبت نہیں کرتا ہے' مگر وہ خود اُس سے محبت نہیں کرتی — ایلز بیتھ استودرت

**

انسان اپنے نفس کو اُسی وقت سمجھ سکتا ہے جب وہ مصیبت میں پڑتا ہے — الفرد دی موسیہ

شک ' ہمیشہ امید کے پیچھے لگا رہتا ہے — بلزاک -

ترقی لنگڑی چال چلتی ہے — سانت بو

نا مکمل تعزیت سے رنج زیادہ ہوجاتا ہے — روسو

عظمت ' طمع ' فوج ' جنگی جہاز ' تاج ' تخت ! یہ انسان کے کھلونے ہیں جب وہ بڑا ہوجاتا ہے — وکٹر ہیوگو

میری تمام مصائب کی علت یہ ہے کہ میں لوگوں سے حسن ظن رکھتا تھا — روسو

(ذہانت)

ذہانت کیا ہے ؟ یہ محض سمجھنے کی صلاحیت ہی کا نام نہیں ہے - کیونکہ حیوان بھی سمجھ رکھتا ہے مگر ہم اُسے ذہین نہیں کہہ سکتے - سپاہی اپنی ڈیوٹی سمجھتا اور پوری کرتا ہے مگر ذہین نہیں کہلاتا - بندر کی ذہانت ' محض ایک بے نتیجہ عقلی اضطراب ہے - جو بچہ اپنی حرکتوں سے تمہیں ہنساتا ہے ' ذہین نہیں ہے - کیونکہ اُس میں بندر کی جبلت آگئی ہے - جو عورت بہت سی اشیاء کا علم رکھتی ہے ' ذہین نہیں ہے - کیونکہ معمولی باتیں اُس کے دماغ کو پراگندہ کر ڈالتی ہیں - کیا حساب داں ذہین ہوتا ہے ؟ شاعر کی نظر میں حساب داں مالیخولیا کا مریض ہے ! کیا شاعر' ذہین ہوتا ہے ؟ ریاضی داں شاعر کو سراسر بیوقوف سمجھتا ہے ! ماہر مالیات کی نظر میں ناول نویس ' دز پاؤں کا احمق حیوان ہے ! جو آدمی ' دور از کار نظریے بناتا ہے' کیا ذہین ہے ؟ کیا ہمیشہ خاموش رہنے والا ذہین ہے ؟ کیا اپنی عینک کے شیشوں سے' سرد اور بے اثر نظروں سے تمہیں دیکھنے والا ذہین ہے ؟ نہیں !

ذہانت کی تعریف ناممکن ہے — لا مارتین

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دست طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں، تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W.1.

جو

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور

جسے ملک معظم برطانیہ اور انکے کتبخانۂ قصر کے لئے کتابیں بہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں و ملحقہ ممالک میں شایع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی، دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجے کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجے کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں سے

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شایع ہوا کرتی ہے

برید فرنگ

رُوس کا نفس پرست شاہی راہب

راسپوٹین

خاندان زار کی تاریخ کا آخری صفحہ

زمن حذر نہ کنی گر لباس دیں دارم
نہفتہ کافرم وبت در آستیں دارم!

انیسویں صدی کا سب سے زیادہ ہولناک مگر عبرت انگیز واقعہ رُوس کے خاندان شاہی کی بربادی ہی۔ خود زار، زارینہ، ولی عہد، تمام شاہزادے، تقریبًا پورا خاندان گولی مار کر قتل کر ڈالا گیا! یہ واقعہ فرانس کے لوئی شانزدہم اور اُس کے خاندان کے قتل سے بھی دہشتناک ہی! رُوس کے خاندان شاہی کی بربادی اور انقلاب سلطنت پر بکثرت کتابیں لکھی جا چکی ہیں، اور اُن تمام اسباب پر شرح وبسط سے بحث کی جا چکی ہی جو اِن عظیم تغیرات وحوادث کا موجب ہوئے۔ اِن اسباب میں سب سے بڑا اور سب سے عجیب سبب وہ ہی، جو بیسویں صدی کی متمدن دنیا کے لئے سخت حیرت انگیز ہو رہا ہی۔ یعنی رُوس کے حکمران اور اُس کی ملکہ کی مذہبی توہم پرستی، زود اعتقادی، اور علم وعقل سے محرومی ہی! یہ بات ثابت ہو چکی ہی کہ اِن تمام تباہیوں کی اصلی علت ایک راہب تھا، جسکے دام تزویر میں زارینا اور زار پھنس گئے تھے۔

مشہور روسی شاہزادہ پرنس یوسوپوف کا روزنامچہ پچھلے دنوں شائع ہوا ہی۔ اِس سے اِس معاملہ پر اور بھی زیادہ گہری روشنی پڑتی ہی۔ اِس بارے میں پرنس کے بیانات بہت اہم ہیں کیونکہ وہ تمام واقعات کا شاہد عینی تھا۔ صرف شاہد عینی ہی نہیں بلکہ راہب راسپوٹین کا قاتل بھی وہی ہی۔

اِس روزنامچہ پر ابھی دنیا نے پُوری طرح رائے زنی نہیں کی تھی، کہ اِس سلسلہ کے ایک دوسرے راز کا انکشاف ہو گیا۔ یعنے یکایک دنیا کے ہاتھوں میں ایک نئی کتاب پہنچ گئی جو خود اِسی راہب کی لڑکی صوفیا کے قلم سے نکلی ہی اور اُس کی یادداشتوں کا مجموعہ ہی۔ اِس نئے بیان نے معاملہ کا ایک دوسرا رُخ واضح کر دیا، اور دنیا اِس نئے انکشاف سے انگشت بدنداں ہو کر رہ گئی!

پچھلے دنوں اِن دونوں کتابوں کا مختصر خلاصہ ہندوستان کے انگریزی اخبارات میں شائع ہوا تھا، لیکن ہمیں جستجو تھی کہ زیادہ تفصیل کے ساتھ حالات روشنی میں آئیں۔ خصوصًا پرنس کی بیان کردہ تفصیلات معلوم ہوں جسنے ملکہ کے اصلی خطوط بھی شائع کر دیئے ہیں۔ اب یہ تمام ذخیرہ ہمارے سامنے ہی۔ ہم پہلے پرنس کے روزنامچہ کی ایک پوری فصل درج کرتے ہیں، جس سے اِس عجیب وغریب راہب کے حالات واعمال پر پوری روشنی پڑے گی:

راسپوٹین کون تھا؟

راسپوٹین، جس سے زارینا کی عقیدت، پرستش کی حد تک پہنچ گئی تھی، سائبیریا کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا تھا۔ اِس کا باپ اپنے عہد کا مشہور قزاق تھا، راسپوٹین نے ہوش سنبھالتے ہی باپ کا پیشہ اختیار کر لیا اور قرب وجوار کے علاقے تاخت وتاراج کرنے لگا۔ یہ بڑا ماہر ڈاکو تھا۔ گھوڑے چُرانے میں اُسے خاص کمال تھا۔ بار بار گرفتار ہوا مگر حیرت انگیز طور پر ہمیشہ بچ نکلتا رہا۔ ایک مرتبہ اُسے پولیس نے بُری طرح زدوکوب بھی کیا تھا۔ چنانچہ اُس کے زخم کا نشان عمر بھر اُس کے سر میں نمایاں رہا۔

راہب کیسے بنا؟

ایک مرتبہ اتفاق سے اُس کا گزر ایک پُرانی خانقاہ میں ہوا۔ یہ خانقاہ دراصل خطاکار راہبوں کے قید کرنے کا محبس تھا۔ راسپوٹین کی ملاقات وہاں چند راہبوں سے ہوئی۔ وہ بلا کا ذہین تھا اُسنے دیکھا راہبوں کی زندگی، دنیا کمانے کے لئے بہترین زندگی ہی۔ قزاقانہ طرز معیشت نے اُسے جسمانی تکالیف برداشت کرنے کا خوگر بنا دیا تھا۔ اُسنے خیال کیا "میں بڑی آسانی سے راہب بن سکتا ہوں" چنانچہ وہ برابر اِن راہبوں سے ملتا جلتا رہا۔ اُن سے انجیل پڑھی۔ عبادت وریاضت کے طریقے معلوم کئے۔ وہ بہت جلد مسیحی مذہب اور رہبانیت کا عالم بن گیا۔

اب اُسنے سخت مجاہدے اور ریاضتیں شروع کر دیں۔ تھوڑے ہی دنوں میں اُس کی شہرت قرب وجوار میں پھیل گئی۔ لوگ اِس قزاق کو "ولی اللہ" سمجھنے لگے۔ اسی زمانہ میں سینٹ پیٹرز برگ (لینن گراڈ) کے ایک بشپ نے اُسے دیکھا، اِس کے زہد وتقشف اور مجاہدہ وریاضت سے نہایت متاثر ہوا۔ اپنے ساتھ پایۂ تخت لے گیا اور محل شاہی میں داخل کر دیا۔

زارینا کی عقیدت

زارینا (ملکۂ روس) اُسے دیکھتے ہی معتقد ہو گئی۔ راسپوٹین نے بھی یہ بات محسوس کر لی۔ اپنا اثر اور زیادہ پختہ اور وسیع کرنے لگا۔ حتیٰ کہ زار پر بھی اُس کا جادو چل گیا۔ شہنشاہ اور ملکہ انتہائی خشوع وخضوع کے ساتھ اُس کے آگے اپنے گھٹنوں پر جھکتے تھے۔

اور اُسے "مسیح ثانی" تصور کرتے تھے۔ وہ جب چاہتا بلا اجازت محل میں داخل ہو جاتا۔ زار اور زارینا کو طلب کر لیا کرتا۔ محل میں اُسے بالکل ویسی ہی آزادی حاصل تھی جیسی خود زار کو۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ راسپوٹین کی شان میں ایک لفظ بھی منہ سے نکال سکتا۔ ملکہ کو از حد غلو تھا اُسنے اپنے آپ کو بالکل اس دجّال کے حوالہ کر دیا تھا"

ملکہ کی مجنونانہ عقیدت کا ثبوت اُس کے اُن خطوں سے بھی ملتا ہی جو دسمبر ۱۹۱۶ء یعنی انقلاب حکومت سے صرف تین مہینے پہلے اُسنے زار کو لکھے تھے۔ پرنس یوسوپوف نے یہ خطوط اپنے روزنامچہ میں نقل کر دئیے ہیں۔ اِن سے روس کے خاندان شاہی کی ذہنیت پر عجیب روشنی پڑتی ہی۔ صاف معلوم ہو جاتا ہی کہ زار کس درجہ کمزور دل و دماغ کا آدمی تھا، اور زارینہ کس درجہ پست خیال مگر ساتھ ہی اپنے شوہر پر کس قدر حاوی تھی؟ ذیل میں صرف چند خط بطور نمونے کے ملاحظہ ہوں:

زارینہ کے خطوط

ایک خط میں زارینہ "بردوٹوف" کو وزیر داخلیہ بنانے کی سفارش کرتی ہی۔ یہ شخص راسپوٹین کا پروردہ تھا۔ راسپوٹین چاہتا تھا اسے وزیر داخلیہ بنا کر پس پردہ تمام ملک پر حکومت کرے۔ زارینہ اپنے شوہر کو لکھتی ہی:

"بردوٹوف کو وزیر بنا دو۔ مخالفوں کی مخالفت کی ذرا بھی پرواہ نہ کرو، ورنہ وہ جری ہو جائیں گے اور برابر یوں ہی دباتے رہیں گے وہ سمجھیں گے تم اُن سے ڈر گئے ہو۔ وزیر اعظم اور ڈوما (پارلیمنٹ) کے صدر کی کیا حقیقت ہی؟ یہ ذلیل آدمی ہیں۔ کیونکہ "مقدس باپ" (یعنی راسپوٹین) نے اُن کی بابت یہی خیال ظاہر کیا ہی۔ بردوٹوف کو میری خاطر وزیر بنا دو۔ کیونکہ وہ تم پر، تمھارے بچوں پر، اور روس پر جان دیتا ہی۔ ایک بڑے پادری نے مجھ سے کہا ہی" وہ سلطنت کبھی برباد نہیں ہو سکتی، جس کی حفاظت پر ولی ہوتے ہیں!" یہ قول بالکل صحیح ہی۔ لہذا ہمیں چاہئے کہ اپنے ولی (راسپوٹین) پر بھروسہ کریں، اُس کی اطاعت کریں، اُس کی نصیحتوں پر عمل کریں۔ ہمارے ولی کی یہی نصیحت ہی کہ بردوٹوف وزیر بنا دیا جائے۔ لہذا اسکے قبول کرنے میں تامل نہ کرو۔ یہ نہ سمجھنا کہ ہمارے ولی سے کوئی بات بھی مخفی رہتی ہی۔ مسیح نے اُسے سب کچھ دکھا دیا ہی۔ وہ جب کوئی دعا کرتا ہی، پوری ہو جاتی ہی۔ جس بات کو اچھا کہدیتا ہی، اچھی ہو جاتی ہی۔ جسے بُرا کہدیتا ہی، وہ بُرا ہی ثابت ہوتا ہی۔ ہم سے تم سے بہت غلطیاں ہو جاتی ہیں، مگر ہمارے اس مقدس مرشد سے کبھی غلطی نہیں ہوتی۔ اُس سے غلطی ہو ہی نہیں سکتی ...!"

ایک دوسرے خط میں لکھتی ہی:

"ڈوما (پارلیمنٹ) فوراً توڑ دو۔ مخالفوں کی کوشش ہی کہ اس وقت ڈوما کے جلسے برابر جاری رہیں، تاکہ فساد کی راہیں بند نہ ہوں۔ وزیر اعظم نے یہ کہکر تمھیں دھوکا دیا ہی کہ اگر ڈوما توڑ دی جائے گی تو اُسکے ممبر ملک میں پھیل کر رعایا کو بھڑکائیں گے۔ یہ وزیر اعظم کا کھلا دھوکا ہی۔ کیونکہ ہمارے مرشد کا قول ہی: اگر یہ لوگ رعایا سے جا کر بدگوئی کریں گے تو کوئی بھی ان کا یقین نہ کرے گا۔ اِن کی ساری قوت، اِن کے ایک جگہ جمع رہنے میں ہی۔ لہذا ڈوما توڑ کر اِن شریروں کو منتشر کر دو"

ایک دوسرے خط کا مضمون یہ ہی:

"معاملہ خوب سوچ لو۔ یقین کرو ہمارے مرشد کی نصیحت میں تمھارے لئے سراسر بھلائی ہی ... پیارے! میری دلی آرزو ہی کہ تم ڈوما توڑ دو۔ یہ لوگ اندر اندر سازش کر رہے ہیں اور تم سے آکر چکنی چپڑی باتیں بناتے ہیں۔ تم اپنی نیکی کی وجہ سے ان کی باتوں میں آجاتے ہو۔ یقین کرو، ہمارے مرشد نے جو کچھ کہدیا ہی، وہی ٹھیک ہی۔ اُسکی نصیحت پر چلکر ہم کامیاب ہو سکتے ہیں ..."

ایک اور خط میں حسب ذیل پرجوش الفاظ ملتے ہیں:

"یہ لوگ تمھیں بیوقوف بنا رہے ہیں۔ تمھارا مذاق اُڑاتے ہیں تم اتنے کمزور کیوں ہو گئے ہو؟ اٹھو، پیٹر اعظم بنجاؤ۔ اِن بدمعاشوں کو لات مار کر گرا دو۔ مجھے تمھاری کمزوری دیکھ کر سخت صدمہ ہوتا ہی ہمت باندھو اور ڈوما کو توڑ دو۔ اِن تمام بغاوت پسندوں کو ایک ایک کر کے سائبیریا جلا وطن کر دو۔ ہم اس وقت جنگ میں ہیں۔ اندرونی بغاوت، میدان جنگ کی شکست سے بھی زیادہ مہلک ہو گی۔ تمھارا خیال وہ کیوں نہیں ہی جو میرا ہی؟ میں نہیں سمجھ سکتی ایسا کیوں ہی؟ بلاشبہ میں ایک عورت ہوں۔ لیکن عقل و ضمیر رکھتی ہوں۔ میں جانتی ہوں، روس کی نجات اُسی میں ہی جو ہمارے مرشد کا حکم ہی۔ تمھیں یاد نہیں فرانسیسی مدبر مسیو فلپ نے کیا کہا تھا؟ اُسنے کہا تھا: روس کو حکومت خود اختیاری دینا، روس کو برباد کر ڈالے گا اور خود زار کو بھی! یہی ہر سچے روسی کا بھی خیال ہی۔ میں جانتی ہوں، تمھیں میری اس سخت کلامی سے تکلیف ہو گی۔ مگر میں اسپر مجبور ہو گئی ہوں۔ روس کی ملکہ، زار کی بیوی، اور ولی عہد کی ماں ہونے کی حیثیت سے میرا فرض ہی کہ اپنے خیالات تم تک پہونچا دیا کروں نیز اپنے مرشد کی نصیحتوں سے بھی تمھیں خبردار کرتی رہوں ...!"

پانچویں خط میں بھی "مرشد" کے احکام کی تعمیل پر پورا زور دیا گیا ہی:

"میری زندگی کا سب سے بڑا ارمان یہ ہی کہ تمھیں دشمن کے سامنے اس طرح سربلند دیکھوں، جس طرح شیر، لومڑیوں کے سامنے ہوتا ہی تم اِن جمہوریت پسند کمینوں کے ساتھ کیوں مٹھتے ہو؟ طاقتور حاکم کیوں نہیں بنجاتے؟ اگر تم اکڑ جاؤ گے تو یہ سب بزدل سر جھکا دینگے۔ یاد رکھو، تمھاری اور روس کی نجات صرف اسمیں ہی کہ اس مرشد کامل کے حکموں کی تعمیل کرتے رہو ...!"

مقدس نفس پرستی!

یہ حال ملکہ کی عقیدت کا تھا، حالانکہ اس راہب کی بنج کی زندگی ناقابل بیان حد تک فاسقانہ تھی۔ اُسوقت روس میں "کلیسٹزم" کا بہت زور تھا۔ "کلیسٹیزم" باقاعدہ نفس پرستی کا دوسرا نام ہی۔ اس مذہب کے متبعین کا عقیدہ تھا کہ قوا ر شہوانی، خدا کا ایک عظیم عطیہ ہیں۔ اس بخشش کا شکریہ اسی طرح ادا کیا جا سکتا ہی کہ اُن سے انسان دل کھولکر متمتع ہو، اور ہرگز اُنکے استعمال میں بخل نہ کرے۔ چنانچہ یہ لوگ فسق و فجور میں اس درجہ بے روک تھے کہ کسی طرح بھی قلم اُس کی طرف اشارہ نہیں کر سکتا۔ تفصیلات ناگفتہ بہ ہیں۔ راسپوٹین بھی اسی گروہ میں شامل تھا۔ قصر شاہی میں زہد و تقشف ظاہر کرتا، اور باہر آکر شراب خواری اور ہر طرح کے فسق و فجور میں منہمک ہو جاتا!

زمن حذر نہ کنی گر لباس دیں دارم
نہفتہ کافرم و بت در آستیں دارم!

راہب سے پرنس کا تعارف

آگے چلکر پرنس یوسوپوف لکھتا ہی:

"راہب راسپوٹین سے میری پہلی ملاقات ۱۹۰۹ء میں یعنی جنگ عمومی سے ۵ سال پہلے ہوئی تھی۔ میرے دوست ج ... کی لڑکی مس م ... روس کی حسین ترین دوشیزہ تھی۔ پہلی ہی نظر میں انسان اُسکے معصوم حسن و جمال اور قلب کی طہارت کا قائل ہو جاتا تھا۔ میرے بھائی کو اُس سے عشق تھا۔ وہ بھی اُس کی محبت میں سرشار تھی۔ لیکن بدقسمتی سے وہ بھی راسپوٹین کے جال میں پھنس گئی۔ اپنے دل کی نیکی اور حد سے زیادہ تقوی کی وجہ سے یقین کرتی تھی کہ وہ، ولی اللہ اور قدیس ہے

راہب نے بھی یہ بات محسوس کرلی تھی، اور اُس کی فاسقانہ طبیعت ہرگز گوارا نہیں کرسکتی تھی کہ ایسی حسین لڑکی اُس کے دائرہ عقیدت سے نکل جائے۔ چنانچہ ہر ممکن تدبیر سے اپنا اثر بڑہاتا اور دوشیزہ کو اپنے سے زیادہ سے زیادہ قریب کرتا جاتا تھا"

"مس موصوفہ نے مجھے اپنے والد کے محل میں راسپوٹین سے ملاقات کے لئے دعوت دی۔ وہ اُس کے بارے میں اس طرح گفتگو کرتی تھی جس طرح پیغمبروں کے بارے میں کی جاتی ہے۔ لیکن مجھے اُس سے طبعًا نفرت تھی۔ اُسے میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا، تاہم میرا دل اُس کی کراہت سے لبریز تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ ایوان میں داخل ہوا، تو مجھے اپنا احساس چھپانے کے لئے جدوجہد کرنی پڑی۔ اُسنے سب سے مصافحہ کیا اور سب کا بوسہ لیا، حتی کہ مس م... کا بھی۔ میں نے بھی مصافحہ کیا مگر اپنا بوسہ لینے نہیں دیا (روس میں قاعدہ ہے کہ بزرگ چھوٹوں کا بوسہ لیا کرتے ہیں) میں نے دیکھا کہ مس کا بوسہ لیتے وقت اُس کی آنکھیں غیر معمولی طور پر چمکنے لگی تھیں۔ میں سمجھ گیا کہ اُس کے اندر بہیمیت پوری طرح کام کر رہی ہے۔

میں نے اُس کے خط وخال پر نظر غائر ڈالی۔ درمیانہ قد تھا۔ مضبوط کاٹھی تھی۔ سر بڑا، بال لمبے اور داڑھی گھنی تھی۔ سر کا ایک حصہ بالوں سے بالکل خالی تھا۔ یہ اُسی زخم کا نشان تھا جو قزاقی کے زمانہ میں لگا تھا۔ اُس وقت اُس کی عمر ۴۰ سال کی ہوگی۔ لمبا اَدہ کوٹ اور بہت ڈھیلے پائنچوں کا پائجامہ پہنے تھا۔ اُس کا چہرہ بالکل روسی کسانوں کا سا تھا۔ بیضوی شکل کا، مگر ہر طرح کے تناسب سے محروم وہ یقینًا نہایت بدصورت آدمی تھا۔ جیسے کہ تمام بدنفس انسان ہوا کرتے ہیں"

"اُس کی حرکات وسکنات متکبرانہ تھیں۔ حاکمانہ شان رکھتی تھیں یہ صرف اس لئے کہ اُسے حاضرین پر اپنے اثر کا یقین تھا۔ سب لوگ اُسے انتہائی عقیدت کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ وہ خود بھی اُنھیں متجسسانہ نظروں سے دیکھتا۔ وہ اُنکے خیالات معلوم کرنے کی کوشش میں تھا۔ لیکن مس م... پر اُس کی نظریں بالکل دوسرا انداز رکھتی تھیں وہ اُسے پُرہوس نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ ہر لحہ میری نفرت بڑہتی جاتی تھی اور صاف نظر آتا تھا کہ ولیوں کے اس لباس میں ایک خبیث نفس ملفوف ہے"

"چائے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر میرے قریب آگیا اور رازدارانہ انداز سے کہنے لگا "تمھاری دوست مس م... کس قدر حسین ہے! کوشش کرو کہ تمھاری رفیق زندگی بنجائے، صرف جسم ہی سے نہیں بلکہ رُوح سے بھی۔ تمھارے بارے میں اُسنے مجھ سے بارہا گفتگو کی ہے۔ وہ تمھاری طرف بہت مائل ہے۔ مجھے یقین ہے، شادی کے بعد تم دونوں حقیقی مسرت وسعادت پاؤگے!"

اس ملاقات سے چند دن بعد مس م... نے مجھ سے کہا "راسپوٹین تم سے از حد حسن ظن رکھتا ہے اور دوبارہ ملاقات کرنی چاہتا ہے"

راہب اور زار کی والدہ

"اُسوقت کوئی بھی اُس خطرے سے واقف نہ تھا جو روس کے شاہی خاندان کو اس پُراسرار راہب کی وجہ سے لاحق ہوگیا تھا۔ یہی سبب تھا کہ قصر شاہی میں اُس کی بڑی آؤبھگت ہوتی تھی۔ زار کے تمام مقرب اُس کا اثر واقتدار دیکھ کر اُس کی خوشامد میں لگے رہتے۔ لیکن مجھے اور میری ماں کو اُس سے سخت نفرت تھی۔ ہم محسوس کرنے لگے تھے کہ ایک نہ ایک دن زار کو اس راہب کے ہاتھوں روزِ بد دیکھنا پڑے گا۔ چنانچہ میری ماں نے زارینہ کو کئی مرتبہ متنبہ کیا اور اس دجال کے دُور کردینے پر زور دیا۔ خاندان شاہی کے چند اور لوگوں کا بھی یہی خیال تھا۔ اُنھوں نے بھی میری ماں سے اتفاق کیا۔ حتی کہ خود زار کی والدہ نے بھی راہب کی بہت مخالفت کی۔ مگر زارینہ کچھ اس طرح اس "مقدس مرشد" کے دام میں پھنس گئی تھی کہ اُس کی مخالفت میں ایک لفظ بھی سُن لینا گوارا نہیں کرتی تھی"!

جنگ عظیم

۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم کا آغاز ہوا۔ ہم سب خوف سے کانپ اُٹھے کیونکہ جانتے تھے، اب اس راہب سے کیسے کیسے خطرے پیدا ہوسکتے ہیں۔ مصیبت یہ تھی کہ زار اور زارینہ نے اپنے دوستوں سے بے اعتنائی برتی اور سراسر راہب کے ہو رہے۔ جب کبھی ہم لوگوں نے اُس کے خلاف منت التجائیں کرنی چاہیں، تو ملکہ نے صاف صاف کہدیا:

"میں اپنے روبرو راسپوٹین کی شان میں ایک حرف بھی کہنے کی اجازت نہ دوں گی!"

راہب کی تصویر

"جنرل ڈاہنکو نائب وزیر داخلیہ، راسپوٹین کی حقیقت سے واقف تھا۔ اُسنے بڑی کوشش سے "کلیسٹیزم" والوں کے ایک جلسہ کا مرقع حاصل کیا۔ اس مرقع میں راسپوٹین ناگفتہ بہ فسق وفجور کی حالت میں نظر آتا تھا۔ جنرل نے تصویر، زارینہ کے سامنے رکھدی۔ مگر زارینہ کی عقیدت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ وہ اُلٹی جنرل پر خفا ہوئی۔ تصویر جعلی قرار دی گئی، اور جن جن لوگوں پر راسپوٹین نے جعل بنا کا شبہ کیا، اُنھیں سخت سزائیں ملیں"!

راہب جرمن جاسوس تھا

جنگ میں روسی فوجیں جس طرح برباد ہوئیں، اُس کی داستان بہت ہی دردناک ہے۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ ان تمام مصائب کی اصلی علت راسپوٹین ہی کی ذات اور اُس کی خیانت تھی۔ وہ دراصل، جرمن جاسوس بن گیا تھا۔ روسی فوجوں کی نقل وحرکت کی خبریں جرمنی اور آسٹریا کے جنگی دفاتر کو روز بھیجا کرتا تھا۔ یہ بات زیادہ مدت تک چھپ نہیں سکتی تھی۔ بہت جلد تمام ملک اس عظیم مکار کی حقیقت سے واقف ہوگیا، اور محل شاہی سے اُس کی علحدگی پر زور دیئے لگا مگر جوں جوں اُس کی مخالفت بڑہتی گئی، زارینہ کی عقیدت بھی بڑہتی گئی۔ آخر اُس کا اقتدار یہاں تک بڑہ گیا کہ سپہ سالاروں کا عزل ونصب اور میدان جنگ کے نقشوں کی تجویز بھی اُسی کی رائے سے ہونے لگی۔ وہ خود اپنی رائے سے کچھ نہیں کرتا تھا۔ جرمن افسر اُسے وقتًا فوقتًا لکھتے رہتے تھے کہ فلاں روسی افسر کو معزول کرادینا چاہئے فلاں مقام ہمارے لئے مُضر ہے۔ وہاں سے فوج ہٹا دینی چاہیئے۔ یہ اُنکے احکام کے مطابق یہاں رائے ظاہر کردیتا، اور زار اسکی فورًا تعمیل کرتا۔ نہ کرتا تو زور ڈالنے کے لئے ملکہ موجود تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ روس کی تمام فوجیں گاجر مولی کی طرح کٹنے لگیں۔ وہ جس طرف رُخ کرتیں، دیکھتیں جرمن فوج پہلے سے اُن کی ہلاکت کا سامان طیار کئے موجود ہے۔

بااین ہمہ زار اور ملکہ کا تمام اعتماد اسی "مرشد" پر تھا۔ وہ کہتے تھے اس جنگ میں ہم فوج سے نہیں بلکہ اپنے مرشد کی توجہ اور برکت سے فتح پائیں گے"!

راہب کی لڑکی کا بیان

یہ تو پرنس یوسوپوف کا بیان تھا۔ اب خود راسپوٹین کی لڑکی کا بیان سُنئے۔ وصاحب البیت ادری بما فیہ۔ اس لڑکی کا نام صوفیہ راسپوٹین، ہے۔ ابتک دنیا اس کے وجود سے بے خبر تھی۔ لیکن حال ہی میں یہ ظاہر ہوئی، اور ایک مختصر کتاب میں اپنی یادداشتیں جمع کرکے چھاپ دیں۔ یہ اپنے باپ اور زارینہ کے تعلقات پر ایک بالکل مختلف قسم کی روشنی ڈالتی ہے۔ اُس کے بیان نے یورپ کے اخبارات میں تہلکہ مچادیا ہے۔ وہ لکھتی ہے:

عقیدت نہیں عشق تھا!

"زارینہ کا تعلق میرے باپ سے دینی عقیدت کے رنگ میں شروع ہوا۔ مگر بہت جلد عقیدت نے محبت کی شکل اختیار کرلی، اور بتدریج محبت، عشق کے درجہ تک پہنچ گئی۔ اُسنے کئی بار میرے والد سے کہا "میں، زار سے بیزار ہوگئی ہوں، وہ ایک دوسری عورت سے وابستہ ہے۔ میں اُس سے طلاق لے لوں گی، بشرطیکہ تم مجھ سے شادی کرلو!" میرا باپ نادان نہ تھا۔ وہ جانتا تھا، یہ واقعہ کیسے ہولناک نتائج پیدا کرے گا؟ چنانچہ وہ زارینہ کو ایسا کرنے سے ہمیشہ روکتا تھا"

اس کے بعد صوفیہ لکھتی ہے

"یہ کوئی فرضی بات نہیں ہے۔ اس کا ثبوت خود زارینہ کے روزنامچے میں موجود ہے، جو اسوقت بالشویک حکومت کے قبضہ میں ہے۔ زارینہ، خود مجھ سے بھی بہت محبت کرتی تھی اور اکثر کہا کرتی تھی "میں بہت جلد تمھارے گھر میں آجاؤں گی۔ اُس وقت میں تمھاری ماں اور تم میری لڑکی ہوجاؤ گی!"

صوفیہ نے اپنے روس سے بچ نکلنے کی داستان بھی لکھی ہے۔ وہ کہتی ہے

"جب میرا باپ قتل ہوگیا تو میرے پاس دو ہزار نقرئی روبل (روسی سکہ) موجود تھے۔ میں نے سپاہیوں کو یہ رقم رشوت میں دی اور جان لے کر بھاگ نکلی"

راسپوٹین کی اخلاقی سیرۃ، ملکہ کی اُس سے بعید وغایت وابستگی اور وہ تمام حالات جو اس سلسلے میں سامنے آتے ہیں، اگر بغور دیکھے جائیں، تو صوفیہ کا بیان قرین صواب معلوم ہوتا ہے۔ البتہ یہ ضروری نہیں ہے کہ اس صورت میں بدنصیب ملکہ کو "مرشد" کی مذہبی عقیدت سے خالی تصور کرلیا جائے۔ اس دنیا میں مذہبی عقیدت جب جہل وتوہم پرستی سے ملجاتی ہے تو اُس کے عجائب وخوارق کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ بارہا یہ بات دیکھی گئی ہے کہ لوگ مذہبی عقیدت کے ساتھ ہر طرح کے اخلاقی اور مذہبی معاصی کے بھی مرتکب ہوتے ہیں، اور نہ صرف اس سے مذہبی عقیدت متاثر نہیں ہوتی، بلکہ معاصی وفسوق پر بھی مذہب کے پُراسرار تقدس کا پردہ پڑجاتا ہے۔ ہمیں اس میں کوئی تعجب نہ ہوگا اگر ثابت ہوجائے کہ یہ بدبخت ملکہ اپنے اس "مرشد" کی ناجائز خواہشوں کا شکار بھی اور اسپر بھی اُسے اپنا مرشد اور "مقدس ولی" یقین کرتی تھی۔ جب جواز وعدم جواز کا معیار حقیقت کی جگہ عقیدت ہوجاتی ہے، تو پھر کوئی چیز بھی ناجائز نہیں ہوسکتی۔ مذہب وتقدس کی ریاکاری کی تاریخ اس طرح کے واقعات کی ایک مسلسل داستان ہے اور ابتک دنیا اُس میں برابر اضافہ کئے جاتی ہے۔

بریدِ شرق

نوجوان ٹرکی پر ایک نظر

کچھ عرصہ سے بعض متاجرائد مصر نے ایک خاص نمائندہ ٹرکی بھیجا ہے تاکہ وہاں کی موجودہ اجتماعی زندگی کا مطالعہ کرے۔ اس کی بکثرت تحریریں مصر کے اخبارات میں شایع ہو رہی ہیں، اور اہم فوائد پر مشتمل ہیں۔ ذیل میں ہم بعض تحریروں کا خلاصہ درج کرتے ہیں:

انگورہ

ترکی جمہوریت کی جنم بھومی "انگورہ" ہنوز ایک قصبہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اُسے شہر کہنا ایک حد تک غلط ہوگا۔ مکان عموماً پست، یک منزلہ اور قدیم طرز کے ہیں۔ سڑکیں بھی تنگ ہیں۔ ہوٹل نہایت معمولی درجے کے ہیں۔ شہری زندگی کے لوازم کم دستیاب ہوتے ہیں معیشت بہت گراں ہے۔ متوسط زندگی بسر کرنے کے لئے ڈیڑھ پونڈ سے بھی زیادہ صرف ہو جاتے ہیں۔ ہوٹلوں کا کرایہ بہت زیادہ ہے۔ دس بارہ روپیہ روز دینا پڑتے ہیں، مگر پھر بھی آرام نہیں ملتا۔ وجہ یہ ہے کہ انگورہ بڑے شہروں سے دور ہے اور ضروریات زندگی بہ آسانی نہیں مہیا کیجا سکتیں۔

سوال ہو سکتا ہے کہ پھر ترکی مدبروں نے آستانہ اور دوسرے آباد شہر چھوڑ کر یہی گاؤں اپنا پایۂ تخت کیوں قرار دیا؟ اس کا جواب خود ترک مدبر بار بار دے چکے ہیں۔ وہ کہتے ہیں "اناطولیہ، اس ملک کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ سلاطین آل عثمان نے اناطولیہ کی طرف سے ہمیشہ غفلت و اعراض کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ترکی قومیت برباد ہوگئی۔ ترکی قومیت کی بربادی، خود سلطنت کی بربادی تھی۔ اب ہم اپنے اصلی ملک کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ اب ہماری تمام اُمیدیں صرف اسی میں مرکوز ہیں، لہذا ہم نے قلب کو مرکز بنایا ہے تاکہ یہیں سے نئی قومیت کی روح ملک کی رگ رگ میں دوڑا دیں" علاوہ بریں وہ اس پہلو پر بھی توجہ دلاتے ہیں کہ "اب ہم یورپ کے اثر سے دور رہنا چاہتے ہیں یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی اگر ہم اس دور افتادہ مقام میں اپنی حکومت قائم نہ کرتے"

سوال ہو سکتا ہے کہ اگر یہی بات ہے تو پایۂ تخت کو شہر کی صورت کیوں نہیں دیتے؟ اس کا جواب ترک مدبروں نے یہ دیا ہے کہ "ہمارا ملک جنگوں نے برباد کر ڈالا ہے۔ ہماری قوم کا دل و دماغ صدیوں کے ظلم و جور سے تباہ ہو چکا ہے۔ ہم پہلے اپنے ملک کی اقتصادی، تجارتی، ذہنی، حالت درست کریں گے۔ قوم کو قوم بنائیں گے۔ اسکے بعد ہمیں شہروں کی آراستگی کا خیال کرنا چاہیے"!

انگورہ کو پایۂ تخت قرار دینے میں ترک مدبروں کی ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ وہ شہروں کے عیش و نشاط اور لہو و لعب سے دور رہنا اور شب و روز محنت اور کام کرنا چاہتے ہیں۔ قسطنطنیہ میں جبتک حکومت کا مرکز رہا، کبھی اس مستعدی سے کام نہیں ہوا جیسا اب انگورہ میں ہو رہا ہے۔

لیکن یہ بات نہیں ہے کہ ترکوں نے انگورہ کو بالکل اُسکی سابق حالت ہی میں چھوڑ دیا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ اُسے ترقی دے رہے ہیں۔ انگورہ کے اطراف میں ایک نئے شہر کی بنیادیں پڑ گئی ہیں۔ اپنے وقت پر وہ مکمل ہو جائے گا۔ فی الحال انگورہ کی آبادی زیادہ سے زیادہ ۵۰ ہزار ہے۔

انگورہ کے مناظر پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ لیکن جس منظر نے میرے دل پر سب سے زیادہ اثر کیا، وہ ترک افسروں اور سپاہیوں کا وقار اور خاموشی سے سڑکوں پر سے گزرنا تھا۔ میں جب اُنھیں دیکھتا تھا تو بے اختیار قلب اُن کی عظمت کے سامنے جھک جاتا تھا۔ میں سوچتا تھا "یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے خونریز جنگیں سر کیں اور تمام یورپ کو مغلوب کر کے اپنی قوم کا گرا ہوا جھنڈا از سر نو بلند کر دیا!" ترکی افسر اور سپاہی ہمیشہ سے اپنی سنجیدگی اور وقار میں مشہور ہیں۔ مگر اب اتنی طویل جنگوں کے بعد اُن کی کچھ عجیب حالت ہو گئی ہے۔ وہ رعب و جلال ہے کہ اُس کی نظیر دنیا کی کسی فوج میں نہیں ملتی۔

مجلس وطنی کی عمارت

انگورہ کی سب سے زیادہ شاندار عمارت، مجلس وطنی یا ترکی پارلیمنٹ کی عمارت ہے۔ یہ دو منزلہ عمارت ہے۔ اوپر کے طبقہ میں صدر مجلس کا دفتر ہے۔ نیچے کے کمروں میں مجلس کے مختلف شعبوں کے دفتر ہیں۔ بائیں پہلو میں ایک وسیع ایوان ہے۔ ۲۵ میٹر لمبا اور ۱۲ میٹر چوڑا۔ یہی پارلیمنٹ کے جمع ہونے کی جگہ ہے۔ اسمیں ترکی قالینوں کا فرش ہے۔ صدر میں ڈیڑھ میٹر بلند چبوترہ ہے۔ چبوترے کے وسط میں صدر مجلس کی جگہ ہے۔ اسکے دونوں پہلوؤں پر نصف میٹر نیچے کاتبوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے اس سے ذرا اور نیچے ایک اور چبوترہ ہے۔ اور اسی پر کھڑے ہو کر مقرر تقریریں کرتے ہیں۔ اس کے سامنے ایک کٹہرا ہے جسمیں سرکاری رپورٹر بیٹھتے ہیں۔ اس کے بعد ممبروں کے بیٹھنے کی جگہیں ہیں۔ ہر نشست میں دو اور کبھی تین آدمی بیٹھتے ہیں۔ یہ تمام نشستیں باہم قریب قریب ہیں، کیونکہ ایوان باوجود اپنی وسعت کے ناکافی ہے۔ ایوان کی سطح سے تین میٹر بلندی پر پیچھے تماشائیوں کی جگہ ہے۔ اسی کے داہنے پہلو پر ایک مرتب و مطلا نشست ہے جس کے لئے ایک خاص دروازہ بنا دیا گیا ہے۔ یہ نشست غازی مصطفےٰ کمال پاشا کی ہے۔ وہ جب چاہتے ہیں، اسمیں بیٹھ کر جلسے کی کارروائی دیکھا کرتے ہیں۔ ایوان کے صدر میں مجلس کے دائیں بائیں سفرار دول کی نشستیں ہیں۔ مجلس کے جلسے عموماً عصر کے بعد شروع ہوتے ہیں۔

مجلس وطنی

ترکی انقلاب کا سب سے عجیب کارنامہ یہی مجلس ہے۔ اس میں بیک وقت دو متضاد چیزیں جمع ہو گئی ہیں: شخصی تفویض اور جمہوری روح۔ یہ مجلس اپنے اندر ایسے عجیب اصول و قواعد اور غیر معمولی روایات رکھتی ہے جس کی نظیر دنیا کی کسی پارلیمنٹ کی تاریخ میں موجود نہیں۔ اس اجمال کی تفصیل حسب ذیل ہے:

موجودہ مجلس وطنی کا نام ترکی زبان میں "بویوک ملت مجلسی" ہے۔ یہ اُس مجلس قومی کی پیداوار ہے جو جنوری ۱۹۲۱ء میں قائم ہوئی تھی۔ اسی نے اپنے حوصلہ مندانہ اقدامات سے ٹرکی کی تاریخ بدل دی۔ اسی نے قدیم نظام سلطنت توڑا، اور جمہوریت قائم کی (۲۳ اکتوبر ۱۹۲۳ء میں) اسی نے خلافت سے دست برداری کا اعلان کیا (۱۹۲۴ء) اسی نے دستور اساسی بنایا (۲۰ اپریل ۱۹۲۴ء) یہی وہ دستور اساسی ہے جسپر موجودہ مجلس وطنی قائم ہوئی ہے۔

ٹرکی میں جملہ قوتیں اور اختیارات صرف مجلس وطنی ہی کو حاصل ہیں۔ اس کے ہم پلہ کوئی دوسری قوت موجود نہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ترکی دستور حکومت صرف ایک ہی مجلس پر قائم ہے۔ حالانکہ دُنیا کے دوسرے دستوری ملکوں میں عموماً دو مجلسیں ہوتی ہیں: مجلس عوام اور مجلس خواص۔

ترکی مجلس وطنی کو دُنیا کی دوسری پارلیمنٹوں سے یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ وہ تقسیم اختیارات کا نظریہ تسلیم نہیں کرتی۔ یہی باعث ہے کہ تینوں قسم کے اختیارات اور قوتیں، یعنی تشریعی (قانون سازی) عاملہ تنفیذی، اور عدالتی، تنہا اُسی میں جمع ہیں۔ اس صورت حال کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ ٹرکی میں وزارتی مسئولیت کا وجود نہیں ہے، بلکہ سرے سے اُس معنی میں کوئی وزارت اور تنفیذی قوت موجود ہی نہیں ہے، جس معنی میں دُنیا کے دوسرے دستوری ملکوں میں ان کا وجود تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ اس لئے کہ تنفیذی قوت، خود مجلس وطنی ہی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ اپنے ارکان کی ایک جماعت کے ذریعہ یہ قوت استعمال میں لاتی ہے۔ ارکان کی اس جماعت کو صدر جمہوریت یا صدر مجلس منتخب کرتا ہے اور معلوم ہے، صدر جمہوریت اور صدر مجلس دونوں کا انتخاب خود مجلس کرتی ہے۔ پھر ان ارکان کے انتخاب کی لازمی شرط یہ بھی ہے کہ مجلس اُنھیں منظور کر لے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ صدر جمہوریت یا صدر مجلس کے انتخاب کردہ ارکان بھی درحقیقت مجلس ہی کے منتخب کردہ ہوتے ہیں۔ یہی ارکان، وزراء ہیں جنھیں ترکی اصطلاح میں "وکیل" کہتے ہیں۔ یعنی وہ تنفیذی قوت کے اجراء میں مجلس کے وکیل یا نائب ہیں۔ انہی وکلاء کی مجلس، حکومت کی مجلس کیبنٹ ہے۔

اس صورت حال کا ایک لازمی نتیجہ یہ بھی ہے کہ قانون اساسی کی رو سے مجلس وطنی کسی حال میں بھی توڑی یا برخواست نہیں کی جا سکتی اگر کبھی مجلس وکلاء اور مجلس وطنی میں اختلاف پیدا ہو جائے تو آخر الذکر نہیں، ہمیشہ اول الذکر ہی کو مستعفی ہونا پڑے گا!

اسی طرح عدالتی قوت بھی مجلس وطن ہی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اسکے استعمال کا حق عدالتوں کو بخشتی ہے۔ گویا عدالتیں بذات خود کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ وہ بھی مجلس وطنی کے محض "وکیل" ہیں۔

مجلس وطنی اور صدر جمہوریت

صدر جمہوریت ہی مجلس وطنی کا صدر ہوتا ہے۔ وہ جب چاہے مجلس کے جلسوں کی صدارت کرے۔ اُس کی عدم موجودگی میں اُس کا نائب صدارت کرتا ہے۔ صدر جمہوریت کے اختیارات یہ ہیں کہ مجلس وکلاء کا انتخاب وہی کرتا ہے (جس کی تصدیق کے لئے مجلس وطنی کی منظوری ضروری ہے) سفراء کے کاغذات وہی قبول کرتا ہے۔ مجلس وطنی کے جملہ قوانین اُسی کے نام سے شایع ہوتے ہیں۔ مجلس کے سالانہ افتتاح کے موقعہ پر یکم جنوری کو وہی افتتاحی تقریر کرتا ہے۔ مجرموں کو معافی دینے کا بھی اُسے حق ہے، مگر بہت محدود۔ لیکن جنگ و صلح کا اعلان اور معاہدوں کا انعقاد اُس کے اختیارات سے بالکل باہر ہے۔ یہ کام صرف مجلس وطنی کے ہیں۔ صدر جمہوریت مجلس کے سامنے جواب دہ نہیں ہے۔ مجلس اُس سے صرف اُسی وقت باز پرس کر سکتی ہے جب وہ ملکی خیانت کا مرتکب ہو۔ اُس کی صدارت کی مدت ۴ سال ہے۔ یہی مدت، مجلس وطنی کی طبیعی عمر ہے۔ اس کے

اختتام پر مجلس کے انتخاب کے ساتھ صدر جمہوریت کا بھی انتخاب ہوتا ہے۔ پُرانا صدر دوبارہ صدر ہو سکتا ہے بشرطیکہ مجلس وطنی کے انتخاب میں کامیاب ہو جائے۔

خاص روایات

مجلس وطنی کی بعض روایات بالکل انوکھی ہیں مثلاً یہ کہ وہ کسی حال میں بھی برخواست نہیں کی جا سکتی، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ پھر وہ سال کے بارہ مہینوں میں کبھی چھٹی نہیں لیتی۔ ہمیشہ اُس کے جلسے منعقد ہوتے ہیں۔ حالانکہ دُنیا کی دوسری پارلیمنٹیں عام طور پر کسی ایک موسم میں بند رہتی ہیں۔ لیکن خود مجلس کو اختیار ہے کہ جب چاہے اپنے آپکو منتشر کر دے۔ اس صورت میں انتخابات از سر نو جاری ہونگے۔ اسی طرح اگر مجلس کبھی چھٹی لے لے تو اُس کے دوبارہ اجتماع کے لئے صدر جمہوریت یا مجلس وکلاء (وزراء) کی دعوت کی ضرورت نہیں۔ وہ خود ہی بلا کسی کی دعوت یا حکم کے جمع بھی ہو جاتی ہے۔ جب کبھی مجلس چھٹی پر ہو یا ٹوٹ جائے تو اُس کے دوبارہ اجتماع یا انتخاب سے پہلے حکومت نہ کوئی قانون جاری کر سکتی ہے نہ کوئی اور نئی کارروائی کر سکتی ہے۔ حالانکہ دیگر ملکوں میں طریقہ یہ ہے کہ ایسی صورتوں میں حکومت ضروری قانون جاری کر دیا کرتی ہے اور بعد میں پارلیمنٹ کی منظوری حاصل کر لیتی ہے۔

دینی امور

لیکن ملک میں صرف ایک شعبہ ایسا موجود ہے جس پر مجلس وطنی کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ وہ شعبہ دینیات کا ہے۔ یہ اس لئے کہ ٹرکی میں سیاست اور دین کو بالکل الگ کر دیا گیا ہے۔ دینی امور کی انجام دہی کے لئے ایک مستقل شعبہ بنا دیا گیا ہے۔ اس شعبہ کے صدر کا رتبہ، وکیل یا وزیر کا رتبہ ہے۔ یہ صدر مجلس کے سامنے جواب دہ نہیں ہے۔ رئیس الوکلاء یا وزیر اعظم اُس سے جواب طلب کر سکتا ہے۔ اور وہی مجلس وطنی کو اس شعبہ کے حالات سے مطلع کرتا ہے۔

مجلس وطنی تمام معاملات پر اپنے ارادہ و اختیار سے بحث کرتی ہے اُس میں دوسری پارلیمنٹوں کی طرح پارلیمنٹری کیٹیاں موجود نہیں ہیں۔ مجلس وکلاء ضروری مسائل مجلس وطنی کے سامنے پیش کرتی ہے اور وہ براہ راست اُس پر بحث کرتی ہے۔

"محاکم استقلال"

ٹرکی کے "محاکم استقلال" کا نام تمام عالم میں مشہور ہو چکا ہے۔ یہ بھی مجلس وطنی کی ایک غیر معمولی عدالتی قوت کا نام ہے۔ محاکم استقلال سے مقصود وہ خاص عدالتیں ہیں جو جمہوریت پر خطرے کے وقت وسیع اختیارات کے ساتھ قائم کر دی جاتی ہیں۔ یہ ایک طرح کی جنگی عدالت کہی جا سکتی ہے۔ یہ فوراً فیصلہ کرتی ہے۔ لیکن اُس کے فیصلہ کی تنفیذ بغیر مجلس وطنی کی منظوری کے نہیں ہو سکتی۔ جب یہ عدالتیں قائم ہو جاتی ہیں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ملک حالت امن و سلامتی میں نہیں ہے۔

مخالف پارٹیاں

مجلس وطنی میں مخالف پارٹیاں موجود نہیں ہیں۔ اُس میں صرف ایک ہی پارٹی ہے اور وہ جمہوریت یا مصطفےٰ کمال پاشا کی پارٹی ہے مجلس وطنی کے کل ممبروں کی تعداد ۲۸۸ ہے۔ اسمیں کمالی پارٹی کے آدمی ۲۷۰ ہیں۔ یعنی کل ۱۸ ممبر اس پارٹی سے باہر ہیں۔ ظاہر ہے اتنی قلیل جماعت کو مخالف پارٹی نہیں کہہ سکتے۔

مجلس کا الاؤنس

مجلس وطنی کے ممبروں کو ماہوار الاؤنس نہیں ملتا۔ بلکہ انتخاب میں کامیابی کے دن پورے پارلیمنٹری سال کے لئے یک مُشت ملتا ہے۔ ہر ممبر کو ۵ سو ترکی پونڈ یعنی تقریباً ساڑھے ۵ سو انگریزی پونڈ الاؤنس ملتا ہے۔

صدر جمہوریت کا سالانہ الاؤنس تیرہ ہزار ترکی پونڈ ہے۔ اُس کے قیام اور سرکاری جلسوں کے مصارف اس کے علاوہ ہیں۔ اُسے تین موٹریں بھی دی جاتی ہیں۔ ایک اُس کی ذات خاص کے لئے ہوتی ہے اور دو، اُس کے وزراء کے لئے۔ ہر وکیل یا وزیر کو سالانہ ۷ سو ترکی پونڈ ملتے ہیں۔ مجلس وطنی کے مصارف کا آخری بجٹ ۹۶۱۴۴ ایپونڈ ترکی تھا۔

"تورک اوجاغی"

"تورک اجاغی" کا نام مدت سے اخبارات کے صفحوں پر گشت کر رہا ہے۔ مگر کم آدمی اس کی حقیقت سے واقف ہیں "تورک اوجاغی" کے معنی ہیں ترکی وطن۔ یہ دراصل ایک عظیم الشان انجمن ہے سنہ ۱۹۱۲ء میں قائم ہوئی تھی اور اس کا مقصد یہ تھا کہ ترکی قوم میں قومیت و وطنیت کے جذبات برانگیختہ کئے جائیں۔ اُسے ذہنی و دماغی ترقی کے لئے طیار کیا جائے، اور ملک کو اجنبی مداخلت و تسلط سے بچایا جائے۔ جنگ سے پہلے اسے بہت اہمیت و قوت حاصل تھی۔ عام طور پر نوجوان ترک اُس کے حامی تھے۔ حکومت کے اکثر عہدے دار اُسی کے ارکان اور ممبر تھے۔ جنگ عمومی نے اسے عارضی طور پر کمزور کر دیا تھا۔ مگر جنگ کے شکست پر ختم ہوتے ہی پھر اُسنے قوت حاصل کر لی اور پچھلے جہاد آزادی میں ۔۔۔۔ بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دئیے۔ یہ جہاد کامیابی پر ختم ہوا اور انجمن کا ایک اساسی مقصد بھی پُورا ہو گیا۔ اس لئے اُس کے پروگرام میں ترمیم کی ضرورت محسوس کی گئی۔ چنانچہ سنہ ۱۹۲۳ء میں اُس کی عام کانفرنس انگورہ میں منعقد ہوئی اور پروگرام میں تغیر و تبدل کیا گیا ۔۔۔۔ اُس کے موجودہ پروگرام میں یہ تین دفعات بہت اہم ہیں۔

(۱) جمہوری افکار کی اشاعت۔

(۲) جدید تمدن کو مقبول بنانا۔

(۳) مساوات کی تعلیم و تبلیغ۔

جنگ آزادی کے بعد سے اس انجمن کا صدر دفتر قسطنطنیہ کے بجائے انگورہ میں منتقل ہو گیا ہے۔ سنہ ۱۹۲۶ء میں اُس کی سالانہ کانفرنس کا افتتاح خود غازی مصطفےٰ کمال پاشا نے کیا تھا۔ اسوقت سے اُسے بہت زیادہ اہمیت و مقبولیت حاصل ہو گئی ہے۔

اس انجمن کی ۲۷۴ شاخیں ہیں اور تمام ملک میں پھیلی ہوئی ہیں مرکزی انجمن کی انتظامی مجلس ۱۲ ارکان سے مرکب ہوتی ہے۔ شاخوں کی انتظامی مجلسوں میں سے ۷ رکن ہوتے ہیں۔ ہر شاخ کو پُوری آزادی ہے کہ مقامی حالات و مصالح کی رعایت سے اپنا الگ پروگرام بنالے چنانچہ بعض علاقوں میں یہ انجمن صرف وبائی امراض کے خلاف جدّ و جہد کرتی ہے۔ بعض میں بچوں کی تربیت اُسنے اپنے ذمّہ لے لی ہے۔ بعض میں عورتوں کی ترقی اُس کا مقصد ہے۔

اس انجمن میں مرد اور عورتیں یکساں طور پر شریک ہیں۔ چنانچہ قسطنطنیہ کی انجمن کی صدر ایک عورت ہی ہے۔ یہ خاتون نہایت تعلیم یافتہ اور معزز ہے۔ اس کا نام نفیسہ خانم ہے۔ انجمن کی صدارت کے ساتھ ساتھ وہ ایک ثانوی مدرسہ (سکنڈری اسکول) کی مہتمم بھی ہے۔

ٹرکی میں "خلق فرقہ سی" کے بعد سب سے زیادہ طاقتور انجمن یہی ہے اور بہت مفید کام کر رہی ہے۔



مکتوب قسطنطنیہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

غازی مصطفےٰ کمال پاشا کے سفر آستانہ کی تفصیل گزشتہ ہفتہ لکھ چکا ہوں لیکن جس جوش و خروش کا اظہار باشندگان شہر نے اُنکے استقبال کے موقعہ پر کیا اور جس کا سلسلہ آجتک جاری ہے، اُس کی تصویر قلم سے کھینچنا آسان نہیں ہے۔ میں نے گزشتہ ۱۵ سال میں یہاں بڑے بڑے تاریخی مظاہرے دیکھے۔ ان میں ہر مظاہرے کے متعلق یہی خیال ہوتا تھا کہ اس سے بڑے مظاہرے کا ہونا مشکل ہے۔ لیکن مجھے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ جو کچھ میں نے اس موقعہ پر دیکھا، اسکے مقابلے میں پچھلے تمام مظاہرے بے حقیقت ہیں!

غازی بروسہ میں

پرسوں غازی ممدوح شہر بروسہ تشریف لے گئے جہاں عصمت پاشا تبدیل آب و ہوا کے لئے مقیم ہیں۔ اُن کی ملاقات کے بعد غازی اُسی دن رات کو واپس چلے گئے۔ اس سفر میں اُن کے ساتھ وزیر خارجہ توفیق رشدی بک اور وزیر عدالت محمود اسعد بک وغیرہ بھی تھے۔

افغانستان اور ٹرکی

۴ دن پہلے یہاں ہز اکسلنسی محمود طرزی خاں وزیر خارجیہ افغانستان ترکی وزیر خارجیہ توفیق رشدی بک کے ساتھ وارد ہوئے۔ آمد کی غرض غازی مصطفےٰ کمال پاشا سے ملاقات کرنا تھی۔ چنانچہ ملاقات ہوگئی اور ممدوح یورپ روانہ ہوگئے۔

سیاسی حلقوں میں اس ملاقات کو اہمیت دیجاتی ہے۔ کیونکہ جیسا کہ اپنے پچھلے مکتوب میں عرض کر چکا ہوں اسوقت روسی انگریزی نزاع نے افغانستان کے لئے خطرہ پیدا کر دیا ہے اور وہ برطانیہ کی تعدی سے بچنے کے لئے ابھی سے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔

بیزنطینی آثار

تاریخ پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ روم کی عظمت کے زوال کے بعد ایک زمانہ میں قسطنطنیہ نے کتنا عروج حاصل کر لیا تھا؟ یونان اور روم کا تمام علم و فن سمٹ کر اسی عروس البلاد میں جمع ہو گیا تھا۔ پھر یہ بھی معلوم ہے کہ یونان اور روم کے عہد عظمت میں گھوڑ دوڑ کے میدانوں کو کتنی اہمیت تھی۔ اُنکی آرائش کا کیسا اہتمام کیا جاتا تھا؟ ان میں کامیابی حاصل کرنے والوں کی کتنی تعظیم و تکریم ہوتی تھی؟ اُس عہد میں یہ چیز اس قدر اہمیت رکھتی تھی کہ ہومر کو بھی اس کا ذکر کرنا پڑا۔ عام طور پر یہ میدان کسی بلند ٹیکرے پر بنائے جاتے تھے۔ تقریباً ۴۰۰ میٹر لمبے اور ۲۰۰ میٹر چوڑے ہوتے تھے۔ ان کا نام "ہپڈ روم" تھا۔ قسطنطنیہ میں بھی ایک "ہپڈ روم" تھا اور از حد وسیع اور شاندار تھا۔ قسطنطنیہ کے شہنشاہوں نے اس کی آراستگی پر صدیوں محنت کی یہاں تک کہ وہ دنیا بھر میں مشہور ہو گیا تھا اور دور دور سے سیاح اُسے دیکھنے کے لئے آتے تھے۔

تحقیقات سے پتہ چلا کہ یہ "ہپڈ روم" ٹھیک استنبول کے قلب میں اُس میدان کے اندر واقع تھا، جس کے ایک طرف اب جامع سلطان احمد ہے، اور دوسری طرف جامع ایا صوفیہ ہے۔ حکومت عثمانیہ نے اس میدان میں تنقیب (کھدائی) کی اجازت دینے سے ہمیشہ انکار کر دیا تھا لیکن جمہوری حکومت نے اجازت دے دی۔ چنانچہ پروفیسر اسٹیلی کاسن کی ماتحتی میں ماہرین آثار کی ایک جماعت کھدائی میں مشغول ہے۔ اسوقت تک جتنے آثار برآمد ہو چکے ہیں اور آئندہ جتنے نکلیں گے، وہ سب ترکی حکومت کی ملک ہونگے۔

بصائر و حکم

انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں!

حجاج بن یوسف الثقفی

خلافت اموی کے حکام میں حجاج ابن یوسف سے زیادہ کسی شخص کو شہرت حاصل نہیں ہوئی، مگر یہ شہرت عدل و فیض رسانی کی نہیں تھی۔ سیاست و قہر کی تھی۔ تاریخ اسلام میں حجاج کا قہر ضرب المثل ہو گیا ہے!

یزید بن معاویہ کی وفات کے بعد اموی سلطنت کی بنیادیں ہل گئی تھیں۔ وہ حجاج ہی تھا جسنے اپنی بے پناہ تلوار اور بے روک سفاکی سے از سر نو اس گرتی ہوئی عمارت کو مستحکم کر دی۔

بنی امیہ کے لئے [illegible] خطرہ حضرت عبد اللہ بن الزبیر سے تھا۔ ان کی حکومت کا مرکز مکہ [illegible] تھا اور اس کا دائرہ شام کی سرحدوں تک پہنچ گیا [illegible] حجاج بن یوسف نے یہ خطرہ ہمیشہ کے لئے دور کر دیا۔ مکہ کا محاصرہ کیا [illegible] منجنیقیں لگا دیں، اور حضرت عبد اللہ بن الزبیر کو نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کر ڈالا۔

عراق شروع سے [illegible] کا مرکز تھا۔ یہاں کی سیاسی بے چینی کسی طرح ختم نہ ہوتی تھی۔ [illegible] والیان پر والی آتے تھے، اور سب بے بس ہو کر لوٹ جاتے تھے۔ لیکن حجاج بن یوسف کی تلوار نے اپنی ایک ہی ضرب میں عراق کی [illegible] سرکشی ختم کر ڈالی۔ خود اس عہد کے لوگوں کو اس پر تعجب تھا۔ [illegible] سلام کہا کرتے تھے "کوفہ کی خودداری اور نخوت اب کیا ہو گئی؟ انھوں نے امیر المومنین علی کو قتل کیا، حسین بن رسول کا سر کاٹا۔ [illegible] صاحب جبروت ہلاک کر دیا، مگر اس بد صورت ملعون (حجاج) کے سامنے بالکل ذلیل ہو کر رہ گئے! کوفہ میں لاکھ عرب موجود تھے۔ مگر یہ خبیث ۱۲ سوار لے کر آیا اور سب کو غلام بنا ڈالا!"

حجاج کا عراق میں پہلا خطبہ ادب عربی کی اتنی مشہور چیز ہے کہ صرف اشارہ کر دینا کافی ہوگا: أما والله، انی لا حمل الشر بحمله، وأحذوه بنعله، وأجزيه بمثله، وانی لاری ابصاراً طامحة، وأعناقاً متطاولة، ورؤساً قد اينعت وحان قطافها، وكأني انظر الى الدماء بين العمائم واللحى تترقرق! حجاج کی تلوار جس درجہ سفاک تھی، اتنی ہی اس کی زبان بھی بلیغ تھی۔ اس کا یہ خطبہ خطیبانہ بلاغت کا بے نظیر نمونہ ہے "میں دیکھتا ہوں کہ نظریں اٹھی ہوئی ہیں، گردنیں اونچی ہو رہی ہیں، سروں کی فصل پک چکی ہے، اور کٹائی کا وقت آگیا ہے! میری نظریں وہ خون دیکھ رہی ہیں جو پگڑیوں اور داڑھیوں کے درمیان بہہ رہا ہے!"

حجاج نے جیسا کہا تھا، ویسا ہی کر دکھایا۔

بیان کیا گیا ہے کہ جنگوں کے علاوہ حالت امن میں اسنے ایک لاکھ ۲۰ ہزار آدمی قتل کئے تھے (عقد الفرید۔ البیان والتبیین وغیرہ) بڑے بڑے اخیار و ابرار مثلاً سعید بن جبیر وغیرہ کی گردنیں اڑا دیں۔ مدینہ میں بے شمار صحابہ کے ہاتھوں پر سیسے کی مہریں لگا دیں، حضرت عبد اللہ بن الزبیر اور حضرت عبد اللہ بن عمر جیسے جلیل القدر صحابیوں کو قتل کیا، موجودہ زمانے کی استعماری سیاست کی طرح اس کا بھی اصول یہ تھا "حکومت کے قیام کے لئے ہر بات جائز ہے" اور "حکومتیں رحم و عدل سے نہیں بلکہ قہر و تعزیر سے قائم ہوتی ہیں"!

اس عہد کے عرفاء و صلحاء، حجاج کو خدا کا قہر و عذاب خیال کرتے تھے۔ حضرت حسن بصری کہا کرتے تھے "حجاج، اللہ کا عذاب ہے۔ اسے اپنے ہاتھوں کے زور سے دور کرنے کی کوشش نہ کرو، بلکہ خدا سے تضرع و زاری کرو۔ کیونکہ اسنے فرمایا ہے "ولقد اخذناهم بالعذاب فما استكانوا لربهم وما يتضرعون"

یہی سبب ہے کہ جوں ہی اس کی موت کی خبر سنی گئی حضرت حسن اور عمر بن عبد العزیز سجدے میں گر پڑے۔ "اس امت کا فرعون مر گیا!" بے اختیار ان کی زبانوں سے نکل گیا!

اب دیکھنا یہ ہے اس جابر و قہرمان انسان نے موت کا مقابلہ کیونکر کیا؟ جس گھاٹ ہزاروں مخلوق کو اپنے ہاتھوں اتار چکا تھا، خود اسمیں کیسے اترا؟

بیماری

عراق پر ۲۰ برس حکومت کرنے کے بعد ۵۴ سال کی عمر میں حجاج بیمار ہوا۔ اس کے معدے میں بے شمار کیڑے پیدا ہو گئے تھے۔ اور جسم کو ایسی سخت سردی لگ گئی تھی کہ آگ کی بہت سی انگیٹھیاں بدن سے لگا کر رکھدی جاتی تھیں پھر بھی سردی میں کوئی کمی نہیں ہوتی تھی!

موت پر خطبہ!

جب زندگی سے نا امیدی ہو گئی تو حجاج نے گھر والوں سے کہا "مجھے بٹھا دو اور لوگوں کو جمع کرو"۔ لوگ آئے تو اسنے حسب عادت ایک بلیغ تقریر کی۔ موت اور اسکی سختیوں کا ذکر کیا، قبر اور اس کی تنہائی کا بیان کیا، دنیا اور اس کی بے ثباتی یاد کی، آخرت اور اسکی ہولناکیوں کی تشریح کی، اپنے گناہوں اور ظلموں کا اعتراف کیا پھر یہ شعر اس کی زبان پر جاری ہو گئے:

ان ذنبی وزن السموات والارض   وظنی بخالقی ان یحابی

میرے گناہ آسمان اور زمین کے برابر بھاری ہیں، مگر مجھے اپنے خالق سے امید ہے کہ رعایت کرے گا۔

فلئن من بالرضاء فهو ظنی   ولئن مر بالکتاب عذابی

اگر وہ اپنی رضامندی کا احسان مجھ پر کرے تو یہی میری امید ہے۔ لیکن اگر وہ عدل کرکے میرے عذاب کا حکم دے۔

لم یکن ذاک منه ظلما   وهل يظلم رب يرجى لحسن مآب؟

تو یہ اس کی طرف سے ہرگز ظلم نہیں ہوگا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ رب ظلم کرے جس سے صرف بھلائی ہی کی توقع کی جاتی ہے؟

پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ موقعہ اس قدر عبرت انگیز تھا کہ مجلس میں کوئی بھی اپنے آنسو روک نہ سکا!

خلیفہ کے نام خط

اس کے بعد اسنے اپنا کاتب طلب کیا اور خلیفہ ولید بن عبد الملک کو حسب ذیل خط لکھوایا:

"اما بعد، میں تمھاری بکریاں چراتا تھا۔ ایک خیر خواہ گلہ بان کی طرح اپنے آقا کے گلے کی حفاظت کرتا تھا۔ اچانک شیر آیا، گلہ بان کو طمانچہ مارا، اور چراگاہ خراب کر ڈالی۔ آج تیرے غلام پر وہ مصیبت نازل ہوئی ہے جو ایوب صابر پر نازل ہوئی تھی۔ مجھے امید ہے کہ جبار و قہار اس طرح اپنے بندے کی خطائیں بخشنا اور گناہ دھونا چاہتا ہے!"

پھر خط کے آخر میں یہ شعر لکھنے کا حکم دیا:

اذا ما لقيت الله عنی راضياً   فان شفاء النفس فيما هنالك

اگر میں نے خدا کو اپنے سے راضی پایا تو بس میری مراد پوری ہو گئی

فحسبی بقاء الله من کل میت   وحسبی حياة الله من کل هالك

سب مر جائیں مگر خدا کا باقی رہنا میرے لئے کافی ہے! سب ہلاک ہو جائیں مگر خدا کی زندگی میرے لئے کافی ہے!

لقد ذاق هذا الموت من کان قبلنا   ونحن نذوق الموت من بعد ذلك

ہم سے پہلے یہ موت چکھ چکے ہیں، ہم بھی انکے بعد موت چکھیں گے!

فان مت فاذکرنی بذکر محبب   فقد کان جمانی رضاك مسالكی

اگر میں مر جاؤں تو مجھے محبت سے یاد رکھنا، کیونکہ تمھاری خوشنودی کے لئے میری راہیں بے شمار تھیں۔

والا، ففی دبر الصلوة بدعوة   يلقى بها المسجون فی نار مالك

یہ نہیں تو کم سے کم ہر نماز کے بعد دعا میں یاد رکھنا کہ جس سے جہنم کے قیدی کو کچھ نفع پہونچے۔

عليك سلام الله حياً وميتاً   ومن بعد ما تحيا عتيقاً لمالك

تجھ پر ہر حال میں اللہ کی سلامتی ہو، جیتے جی، میرے پیچھے، اور جب دوبارہ زندہ کئے جاؤ!

سکرات موت کے شدائد

حضرت حسن بصری عیادت کو آئے تو حجاج نے ان سے اپنی تکلیفوں کا شکوہ کیا۔ حسن نے کہا "میں تجھے منع نہیں کرتا تھا کہ نیکو کاروں کو نہ ستا، مگر افسوس تو نے نہیں سنا" حجاج نے خفا ہو کر جواب دیا "میں تجھ سے یہ نہیں کہتا کہ اس مصیبت کے دور ہونے کی دعا کر۔ میں تجھ سے یہ دعا چاہتا ہوں کہ خدا جلد میری روح قبض کرلے اور اب زیادہ عذاب نہ دے!"

اسی اثنا میں ابو منذر یعلی بن مخلد مزاج پرسی کو پہنچے۔

"حجاج! موت کے سکرات اور سختیوں میں تیرا کیا حال ہے؟" انھوں نے سوال کیا۔

"اے یعلی!"، حجاج نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا "کیا پوچھتے ہو؟ شدید مصیبت! سخت تکلیف! نا قابل بیان الم! نا قابل برداشت درد! سفر دراز! توشہ قلیل! آہ! میری ہلاکت! آہ! میری ہلاکت! اگر اس جبار و قہار نے مجھ پر رحم نہ کھایا!"

ابو منذر کی بے لاگ تقریر

ابو منذر نے کہا "اے حجاج! خدا اپنے انھیں بندوں پر رحم کھاتا ہے جو رحم دل اور نیک نفس ہوتے ہیں۔ اس کی مخلوق سے بھلائی کرتے ہیں، محبت کرتے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو فرعون ہامان کا ساتھی تھا۔ کیونکہ تیری سیرت بگڑی ہوئی تھی۔ تو نے اپنی

ملت ترک کردي تهي - راه حق سے کٹ گیا تها - صالحین کے طور طریقه سے دور هوگیا تها - تونے نیک انسان قتل کرکے اُن کي جماعت فنا کرڈالي - تابعین کي جڑیں کاٹ کر اُن کا پاک درخت اکهاڑ پهینکا - افسوس تو نے خالق کي نافرماني میں مخلوق کي اطاعت کي - تو نے خون کي ندیاں بهادیں - جانیں لیں - آبروئیں برباد کیں - کبر و جبر کي روش اختیار کي - تونے نه اپنا دین هي بچایا ' نه دنیا هي پائي - تو نے خاندان مروان کو عزت دي ' مگر اپنا نفس ذلیل کیا - اُن کا گهر آباد کیا ' مگر اپنا گهر ویران کرلیا - آج تیرے لیے نه نجات هے نه داد فریاد - کیونکه تو آج کے دن اور اس کے بعد سے غافل تها - تو اس امت کے لیے مصیبت اور قہر تها - الله کا هزار هزار شکر که اُسنے تیري موت سے امت کو راحت بخشي ' اور تجهے مغلوب کرکے اُسکي آرزو پوري کردي ! "

(حجاج کي عجیب رحمت طلبي !)

رازي کہتا هے - حجاج یه سن کر مبہوت هوگیا - دیر تک سناٹے میں رها - پهر اُس نے ٹهنڈي سانس لي ' آنکهوں میں آنسو ڈبڈبا آئے ' اور آسمان کي طرف نظر اُٹها کر کہا :

" الهي ! مجهے بخش دے ' کیونکه لوگ کہتے هیں که تو مجهے نهیں بخشے گا ! " پهر یه شعر پڑها :

رب ان العباد قد ایاسوني   و رجائي لک الغداة عظیم !

الهي ! بندوں نے مجهے نا امید کرڈالا ' حالانکه میں تجهه سے بڑي هي امید رکهتا هوں !

یه کہکر اُسنے آنکهیں بند کرلیں -

اسمیں شک نهیں ' رحمت الهي کي بے کنار وسعت دیکهتے هوئے اُسکا یه انداز طلب ایک عجیب تاثیر رکهتا هے اور اس باب میں بے نظیر مقوله هے - یهي وجه هے که جب حضرت حسن بصري سے حجاج کا یه قول بیان کیا گیا تو وہ پہلے تو متعجب هوے " کیا واقعي اُسنے یه کہا ؟ " کہا گیا " هاں اُسنے ایسا هي کہا هے " فرمایا " تو شاید ! " (یعني شاید اب بخشش هو جائے)

اطلاع

اس نمبر کے تمام فارم طیار هوچکے تهے - صرف آخري چو صفحه باقي تها که ایک حادثه کي وجه سے خوشنویس اپنے وطن چلے گئے ' اور اُن کي جگه جس خوشنویس سے کتابت کا انتظام کیا گیا ' وہ بهي بروقت کام نه کرسکے - نتیجه یه نکلا که اُن تمام مضامین کي کتابت رهگئي جو آخري چو صفحه میں دیے جاتے هیں - ممکن تها که یه تمام حصه کمپوز کراکے شامل کردیا جاتا ' لیکن اسکي وجه سے ایک دن کي تاخیر هوجاتي - چونکه اب هم سب سے زیاده ضروري بات رساله کي بروقت اشاعت سمجهتے هیں - اسلیے یهي مناسب نظر آیا که یه نمبر ۲۲ صفحه هي کا شائع کردیا جائے ' مگر اشاعت میں تاخیر نہو - انشاء الله اسکي تلافي آینده اشاعت میں هوجائیگي - اب خوشنویسوں کا بهي ایسا انتظام کرلیا گیا هے که آینده رکاوٹ پیش نه آے - منیجر

مراسلــه

لکهنو سے ایک انگریزي روزانه کا اجراء

ایسوسی ایٹڈ کمپني

هندوستان میں صوبه جات متحده آگره و اوده کا جو اهم درجه هے وہ محتاج توضیح نهیں - مگر صوبۂ مذا کے مسلمانوں کي انتهائي بد نصیبي هے که اس زمانه میں جب که اُن کو قدم قدم پر ایک حقیقي رهنما و همدرد وکیل کي ضرورت هے ' اُن کے پاس ایک بهي روزانه انگریزي اخبار نهیں هے -

اله آباد اور علي گڑه سے دو انگریزي اخباروں کے نکالنے کي کوشش هوئي مگر اول الذکر محض تجارتي اغراض لیکر دنیا میں آیا تها اور مؤخر الذکر اگرچه اسلام کے تعلیمي مرکز سے جاري هوا ' مگر اس میں بد قسمتي سے شخصي عنصر اس درجه غالب تها که وہ ترقي نه کرسکا - دونوں جس بے سروساماني کي حالت میں آئے تهے اسي طرح رخصت هوگئے - اُن کي موت نے افسوس ناک نتائج پیدا کردیے - یعني مسلمانوں کو اپنے روزانه انگریزي اخبارات سے بد ظني پیدا هوگئي - جس کے باعث معقول انگریزي روزانه اخبار اب تک نهیں نکل سکا - چنانچه اسي وجه سے اور کچهه اسي سبب سے که جناب آنریبل سید رضا علي صاحب پبلک سروس کمیشن کے ممبر هوگئے هیں - انگریزي روزانه اخبار کي وہ اسکیم جو وسط سنه ۱۹۲۶ع میں لکهنو میں طیار هوئي تهي عملي جامه نه پہن سکي - لیکن اس ایک برس کي مدت سیاسي نقطۂ نظر سے نہایت اهم ثابت هوئي - اور موجوده اور آنے والي پیچیدگیوں نے قوم کے رهنماؤں کو مجبور کیا که وہ آنریبل سر مهاراجه صاحب بهادر محمودآباد کي سرکردگي میں معقول سرمایه اور بهترین اسٹاف کے ساتهه مسلمانوں کا انگریزي روزانه اخبار لکهنؤ سے جاري کریں - یه اسکیم نہایت شاندار هے جو نه صرف مسلمانوں کے لیے ایک زبردست روزانه انگریزي اخبار اور بهترین پریس کي حامل هوگي ' بلکه مسلمانوں کي ذاتي منفعت کا بهي معقول ذریعه ثابت هوگي -

ایک کمپني قائم کي گئي هے جس کے ڈائرکٹر حسب ذیل هیں :

سر مهاراجه صاحب بهادر والي محمود آباد - سر سید علي امام صاحب بیرسٹر ایٹ لا - پٹنه - راجه صاحب ننپاره ضلع بهرائچ - آنریبل راجه نواب علي خاں صاحب تعلقه دار ممبر کونسل آف اسٹیٹ مولوي محمد نسیم صاحب بي - اے - ایڈوکیٹ لکهنؤ -

کمپني مذکور کي اسکیم نہایت تجربه کار اور واقف کار اصحاب نے طیار کي هے - [illegible] ایک اعلی درجه کے پریس اور انگریزي اخبار کے اجراء کا منصوبه [illegible] هے - پریس انگریزي اور اُردو هر قسم کا بهترین کام کریگا - پریس اور اخبار کے انتظامات صرف معتبر اور آزموده کار هاتهوں میں رهینگے - چنانچه ایڈیٹوریل اور انتظامي خدمات کے لیے بهترین اشخاص منتخب لیے گئے هیں - اور اسکیم میں کثیر منافع کا پہلو رکها گیا هے تاکه جو لوگ کمپني کے حصص خریدیں اُن کو منافع کي [illegible] میں معقول مالي فائده پهونچتا رهے -

کمپني کے متعلق پراسپکٹس انگریزي اور اُردو میں چهپ رهے هیں - حصوں کے خریداري کے فارم بهي طیار هیں - مسٹر حسن عابد جعفري بار ایٹ لا سے محمود آباد هاؤس قیصر باغ لکهنو کے پته پر مل سکتے هیں - اور اُنهي سے تمام مزید حالات بهي معلوم هو سکتے هیں -

خاکســاران

آل نبي - محمد یعقوب - تصدق احمد خاں - وغیره

MASUD HASAN ZUBERI Printed and Published by MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA

EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

مطبوعات الهلال بك ایجنسی

معارف ابن تیمیه و ابن قیم

دینی علوم کی بیش بہا جواہر ریزی

اس سلسلہ میں ہم نے اماموں کی ان نادر و عالی درجہ کی بلند پایہ عربی تصانیف کے اردو تراجم کا سلسلہ شروع کیا ہے جن کا مطالعہ اصلاح عقائد اسلام اور اصلاحات و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروری و ناگزیر ہے۔ امید ہے کہ "سلسلۂ تراجم" ... ہندوستان کی دماغی اصلاح کا کام دے

اسوۂ حسنہ — امام ابن قیم کی فن سیرت میں مشہور آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصہ کا اردو ترجمہ ... جلد ۲ روپے ...
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

نجد و حجاز ... مصری کی ... کا اردو ترجمہ ... روپیہ

الفۂ اسلام ... ترجمہ ... (زیر طبع)

خلاف الامہ ... فی العبادات (زیر طبع)

صبح سعادت ... ماہانہ رسالہ ... کے خریدار ... اردو، عربی، فارسی، انگریزی اور دوسری زبانوں کی ... علم اور اعلیٰ مطبوعات سے متعلق بہترین تازہ معلومات ... کا اہتمام ... اسلامیہ ... کے حالات درج کیے جاتے ہیں۔ فی پرچہ ۸ آنہ سالانہ ۳ روپیہ پیشگی۔

منیجر الهلال بك ایجنسی

(حلقه نمبر ۲٤ شیرانواله دروازه لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

السحر الحلال
فی
مجلدات الهلال

گاہ گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را

اردو صحافت کی تاریخ میں الهلال کی وہ زمانہ ہے جو اپنی تمام ظاہری اور باطنی خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تھی۔

الهلال اگرچہ ایک ہفتہ وار مصور رسالہ تھا، لیکن ... اردو صحافت کی ... [illegible]

[illegible]

[illegible]

... نئے ... جدید ... کی ... اس لئے صرف انہی ... کی ... ہر جلد مجلد ہے اور ابتدا میں تمام مضامین کی انڈکس بہ ترتیب حروف تہجی لگادی گئی ہے۔

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیہ الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیہ
" " " چہارم ۱۰ روپیہ " " " پنجم ۱۰ روپیہ

جلد "البلاغ" (جب دوسری مرتبہ الهلال اس نام سے شائع ہوا) قیمت ۸ روپیہ

علاوہ جلد اول کے ہر جلد کے متفرق پرچے بھی موجود ہیں جن میں سے ہر پرچہ اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعہ علم و ادب ہے۔ قیمت فی پرچہ ۸ آنہ محصول ڈاک و پیکنگ اس کے علاوہ ہے۔

منیجر "البلاغ پریس"

الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - بالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شائع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلیے	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی	سات روپیہ
قیمت فی پرچہ	پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر "مینیجر الہلال" کے نام سے کی جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لفافہ پر "ایڈیٹر" کا نام ہونا چاہیے -

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع اوپر وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے -

(۵) اگر کسی ہفتہ کا پرچہ کسی وجہ سے نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے دوبارہ نہیں بھیجا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ہفتہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جا رہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرائیے ' مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرالیں

(۷) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دوسرے دفتری فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين (القرآن الكريم)

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱۰ — کلکتہ : جمعہ ۲۰ ـ صفر ۱۳۴۶ ھجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 19, August 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعة نہین رکھتی ۔
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔
پتھر کی چھپائی مین محدود رھکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی ھین ، وہ ھین جن مین الھلال چھپتا ھی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ھی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ھین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاھین پسند کر لین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ھمین اطلاع دیجیی ۔ یاد رکھیی ۔ طباعة کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اھم مسئلہ ھی ۔ ضروری ھی کہ اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ۔
الھلال

قاریین الھلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۵۸۳ مراسلات وصول ھوی ھین ۔ تقسیم آراء حسب ذیل ھی :

عربی حروف کی حق مین	۶۰	اردو حروف کی حق مین	۱۹۰
موجودہ مشترك طباعة کی حق مین	۱۱۱	حروف کی حق مین بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۱۷۹	نستعلیق ھون	۴۳

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاھر کیا ھی ۔

آراء کی دیکھنی سی معلوم ھوا کہ اس باری مین بعض اھم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین ھی۔ اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت ھی۔ آیندہ اس باری مین مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاھر کرینگی مگر ضرورت ھی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین ۔ **الھلال**

مغرب کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتین

انقلاب فرانس کے ارکان ثلاثه

جـــان جـــاک روسو

اُسقف کا جواب

(۳)

(وحدانیت یا تعدد ؟)

اُسقف نے لکھا تھا "... وحدانیت اُسکے (روسو) خیال میں ایک حقیر مسئله ہے اور کسی طرح بھی اُسکی عقل میں نہیں آسکتا - لیکن متعدد خداؤں کا تصور اُسکی عقل کے نزدیک معقول ہے ... "

روسو جواب دیتا ہے :

" متعدد خداؤں کا کس نے ذکر کیا ؟ اے میرے آقا اسقف ! تجھه پر میرا صبر پڑے ! میں نے یه کب کہا ؟ بے شک تمہاری دلی آرزو یہی ھوگی که میں اِس درجه احمق ھوتا' اور اِس طرح کی احمقانه گفتگو کرتا - لیکن اگر میں ایسا احمق ھوتا تو تمہیں میرے " عالمانه رد " لکھنے کا یه فخر بھی حاصل نه ھوتا ! "

" بلا شبه میں نہیں جانتا کائنات کیوں بنی ہے ' اور کیونکر بنی ہے ؟ میرے سوا جو لوگ معرفت کے مدعی ھیں ' وہ بھی اِس باب میں مجھه سے زیادہ علم نہیں رکھتے - لیکن میں صاف دیکھتا ھوں که اِس تمام حرکت کا محرک ایک ھی وجود ہے - تمام کائنات ایک ھی رخ رکھتی ' اور ایک ھی قسم کے مقاصد پورے کر رھی ہے - یه اِس حقیقت کی روشن دلیل ہے که کوئی ایک بلند تر ارادہ کارفرما ہے ' اور کوئی ایک ھی بالاتر قوت عمل پیرا ہے - اِس ارادے اور اِس قوت کو میں ایک ھی ذات سے منسوب کرتا ھوں ' کیونکه وہ دونوں باھم متفق ھیں ' اور ان دونوں کو ایک ھی ذات کا خاصه سمجھنا ' دو ذاتوں کی طرف منسوب کرنے سے زیادہ معقول ہے - تعدد ' صرف اُسی وقت تسلیم کیا جاسکتا ہے جب اُسکا کوئی ثبوت موجود ھو - لیکن کائنات میں کوئی اِس قسم کا ثبوت موجود نہیں - یه خیال سراسر وھم ہے که خیر کا خالق اور شر کا خالق ایک نہیں ھوسکتا - جس چیز کو ھم شر سمجھتے ھیں ' وہ علی الاطلاق شر ہے ھی نہیں - شر مطلق سے مجھے انکار ہے - یه اعتباری شر بھی خیر سے برسر پیکار نہیں ہے ' بلکه نظام عالم کی تکمیل میں خیر کا ممد و معاون ہے ۔"

(روسو کا عقیدہ)

اسکے بعد روسو اپنی کتاب اور اپنے شخصی عقیدے کی طرف متوجه ھوتا ہے :

" اب میں وہ سبب بیان کرتا ھوں جس نے مجھے یه کتاب شائع کرنے پر مجبور کیا - اِس تمام شور و غوغا کے باوجود بھی میں اس کتاب کو اپنے عہد کی بہترین کتاب یقین کرتا ھوں - آگ کے شعلے ' حکومتوں کے فیصلے ' مذھبی پیشواؤں کے فتوے ' مجھے ھرگز مرعوب نہیں کرسکتے - وہ میرے لب و لہجه میں ھرگز کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرسکتے - نه تو لاھوتی ' ایمان کی ریاکارانه تلقین کرکے مجھے جھوٹا بناسکتے ھیں ' نه فلاسفه مجھے منافقت کا طعنه دیکر الحاد پر آمادہ کرسکتے ھیں - میں برابر اپنے دین کا اعلان کرونگا ' کیونکه میں دین رکھتا ھوں - میں ببانگ دھل اُسے شہرت دونگا ' کیونکه مجھه میں اعلان و اشتہار کی شجاعت موجود ہے - آہ ! میں نے کتنی تمنائیں کیں که سب لوگوں میں اتنی ھی شجاعت ھوتی ! اگر سب میں اتنی شجاعت ھوتی ' تو انسانیت کو کتنا نفع پہنچتا ؟

(" حضرت مسیح کا شاگرد ")

" اے میرے آقا ! میں مسیحی ھوں - میں اخلاص کے ساتھه انجیلی مذھب کا مسیحی ھوں - ھاں میں مسیحی ھوں ' لیکن پادریوں کا شاگرد نہیں ھوں ' بلکه خود مسیح (علیه السلام) کا شاگرد ھوں - میرا استاد ' کتابوں کی عبارتوں پر بحث نہیں کرتا تھا ' لیکن عمل پر نظر رکھتا اور عمل ھی پر زور دیتا تھا - اُس نے ھمیں جس ایمان کی تلقین کی ہے ' اُس کے قواعد و اصول بہت زیادہ اور پیچ در پیچ نہیں ھیں - صرف گنتی کی چند موٹی موٹی باتیں ھیں - لیکن اُس نے جس نیکی کی تعلیم دی ہے ' اُس کی شاخیں بے شمار اور اُسکی راھیں بے حساب ھیں - اُسنے ھمارے ایمان میں موشگافیاں نہیں کی ھیں ' لیکن عمل صالح کی پورے شرح و بسط سے تفسیر کی ہے - اُس نے ایمان کیلیے صرف دو تین موٹی موٹی باتیں ضروری ٹہرائی ھیں ' لیکن عمل کی نیکی کیلیے کوئی گنتی نہیں بتائی ہے ' کیونکه عملی نیکیاں اَن گنت ھیں - اُس نے جہاں کہیں انبیاء کے نمونوں پر زور دیا ہے ' وھاں ایمان سے زیادہ اُن کے اعمال بتائے ھیں - اُس نے اپنی اور تمام نبیوں کی تعلیم کا لب لباب اِس ایک جمله میں بیان کر دیا " اپنے بھائی سے محبت کرنا ' پورا دین ہے ! "

(دوستوں اور دشمنوں کو دعوت)

اِسکے بعد لکھتا ہے :

" مجھے ھمیشه خلوت کی پر مسرت زندگی حاصل نہیں رھی - لوگوں سے ملنے جلنے پر بھی مجبور ھوتا رھا ھوں - میری ھر طبقه کے لوگوں سے ملاقات ہے - میں نے مختلف سیاسی اور دینی جماعتوں کے لوگ دیکھے ھیں - میں مومنوں سے بھی ملا ھوں اور ملحدوں سے بھی - میں نے حکماء بھی دیکھے ھیں ' جہلاء بھی - متعصب بھی دیکھے ھیں ' غیر متعصب بھی - سنجیدہ بھی میری صحبت میں بیٹھے ھیں ' اور مسخرے بھی - میرے دوست بھی بہت ھیں اور دشمن بھی - میں دنیا میں تمام آدمیوں کو ' جنھوں نے مجھے کبھی دیکھا یا جانا ہے ' گلا پھاڑ پھاڑ کر پکارتا اور دعوت دیتا ھوں - وہ سامنے آئیں ' اور میرے عقیدے کی بابت جو کچھه جانتے ھوں ' برملا کہه ڈالیں ! وہ جرأت سے بڑھیں ' اور بتائیں ' کبھی ' کسی حال میں بھی اُنھوں نے میرے عقیدے میں کوئی تبدیلی دیکھی یا محسوس کی ؟ قہوہ خانے کی صحبتوں ' کھانے کی میز کی نشستوں ' بے تکلفی کی ملاقاتوں ' سنجیدہ یا مذاح کی گفتگوؤں ' غرضکه کبھی

کسی موقعہ پر بھی اُنھوں نے میری زبان سے کوئی ایسا لفظ سنا جو اُس سے مختلف تھا، جسکا میں اپنی کتابوں میں اعلان و اشتہار کرتا رہا ہوں؟ وہ صاف صاف کہیں، اُنکی دلیلیں، اُنکی نکتہ چینیاں، اُنکا تمسخر، کبھی میرے عقیدے میں کوئی تزلزل پیدا کر سکا ہے؟ وہ بتائیں، کبھی، ایک لمحہ کیلیے، اُنھوں نے محسوس کیا کہ میں کوئی ایسا عقیدہ یا خیال رکھتا ہوں جو علی الاعلان دنیا کے سامنے ظاہر نہیں کرتا؟ ہاں، میں اپنے تمام دوستوں اور تمام دشمنوں کو ایک ساتھہ دعوت دیتا ہوں - دوستوں کو دوستی کا واسطہ دیتا ہوں - دشمنوں کو دشمنی کی قسم دیتا ہوں - بے رو رعایت، بے خوف و خطر، مردانہ وار میدان میں آئیں، اور جو کچھہ بھی میری نسبت کہہ سکتے ہوں، بے کھٹکے کہہ ڈالیں! میں اپنے دوستوں اور دشمنوں، دونوں کی شرافت و دیانت پر بغیر کسی پس و پیش کے بھروسہ کرتا ہوں - میں اپنی پوری شرافت اُنکے سامنے رکھ دیتا ہوں - میں ہرگز کسی سے بحث اور حجت نہیں کرونگا - جو کچھہ بھی وہ کہہ دینگے، بے چون و چرا تسلیم کر لونگا!"

(انبیاء کرام کی عظمت)

" میں اُن تمام انسانوں کی عزت کرتا ہوں جنھوں نے مذاہب وادیان قائم کیے ہیں - وہ سب عظیم کمال اور اعلی فضائل کے مالک تھے - اُنکی عظمت و فضیلت ہمیشہ محترم و مسلم رہے گی - سب کا دعوی تھا کہ وہ خدا کے پیغام بر ہیں - ممکن ہے وہ حقیقت میں پیغمبر ہوں یا نہ ہوں - سب لوگ کوئی ایک دعوی تسلیم نہیں کرلے سکتے - دلائل یکساں طور پر سب کی دسترس میں نہیں ہیں - لیکن اگر وہ فی الواقع پیغمبر نہ بھی ہوں، جب بھی اِس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کذاب اور دجال ہوں - کون کہہ سکتا ہے کہ الاھیات میں مسلسل تفکر اور فضائل کا غیر مقید عشق انسانی روح کو کس حد تک پہنچا دے سکتا ہے؟ منطقی کو کیا حق ہے کہ مداخلت کرکے یہ معاملہ عامیانہ سطح پر لے آئے؟ غیر متناہی بلندی پر پہنچنے کے بعد ہمارا سر چکرا جاتا ہے، اور ہماری نظریں اشیاء کو اُنکی حقیقی شکل میں دیکھنے سے قاصر ہو جاتی ہیں"

(معجزات)

معجزات پر روسو نے لکھا تھا " یا للعجب! ہمیشہ آدمیوں ھی کی گواہیاں! آدمی، اپنے ھی جیسے آدمیوں سے سنتے ہیں اور دوسرے آدمیوں کو سناتے ہیں! میرے اور خدا کے درمیان آدمیوں کے کتنے اَن گنت واسطے قائم ہوگئے ہیں؟"

اِس پر اُسقف نے اعتراض کیا تھا " اگر آدمیوں کی گواھی معتبر نہیں تو ہم پوچھتے ہیں - مؤلف نے اسپارٹا، ایتھنز، اور روم کو کیونکر جانا ... ؟"

روسو جواب دیتا ہے :

" اگر معاملہ اِس درجہ اہم نہ ہوتا، یا میں اے آقا، آپکا اِس درجہ احترام نہ کرتا ہوتا، تو آپ دیکھتے، آپ کے اِس طریق استدلال نے میرے لیے اپنے ناظرین کو ہنسانے کی کیسی عمدہ فرصت مہیا کردی تھی - لیکن حاشا و کلا! میں ہرگز اُس لہجہ سے دست بردار نہیں ہونگا جو اِس موضوع بحث کے لیے ضروری ہے، اور اُس شخص کے مرتبہ کے لائق ہے جس سے تخاطب کی عزت حاصل کرنے پر مجبور ہوگیا ہوں - میرے لیے اِس قدر کافی ہے کہ آپ کی غلطی ظاہر کردوں"

" میں نہایت عاجزی سے جناب والا کو یاد دلاتا ہوں - بے شک، یہ بالکل معقول ہے کہ انسانی معاملات انسانی شہادتوں سے طے کیے جائیں، کیونکہ اُن کے ثابت ہونے کا اِس کے سوا کوئی طریقہ موجود نہیں - بلا شبہ میں نے اسپارٹا اور ایتھنز کو آدمیوں ھی کی شہادتوں سے جانا - لیکن میں بہ ادب دریافت کرتا ہوں کہ میرے اور خدا کے درمیان اِن واسطوں کی کیا ضرورت ہے؟ کیا ضرور ہے کہ یہ واسطے مجھہ سے اتنے دور ہوں کہ خود اُن کے جاننے کے لیے، مجھے اور بہت سے انسانی واسطے تلاش کرنے پڑیں؟ کیا یہ معقول ہے کہ خدا، جان جاک روسو سے گفتگو کرنے کے لیے ہمیشہ ایک موسی (علیہ السلام) کو ڈھونڈھتا پھرے؟"

" پھر یہ بھی نہیں بھولنا چاھیے کہ اسپارٹا پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے - اگر کوئی اُس پر ایمان نہ لائے تو لعنت کا مستحق نہیں ہو جائیگا - اسپارٹا کے وجود پر شک کرنے کی وجہ سے ہرگز کوئی دوزخ کا کندا نہیں بن جا سکتا - لیکن اگر ایک شخص دینی تعلیمات کی تصدیق نہیں کریگا تو اسکے لیے ابدی عذاب ہے - جس بات کے نہ ماننے کی اتنی بڑی سزا ہو، ضروری ہے کہ اسکے ماننے کے ذرائع و دلائل بھی اسی مناسبت سے قطعی اور واضح ہوں"

" کوئی بات بھی جو ہماری چشم دید نہیں ہے، بغیر معقول دلیل کے ثابت نہیں ہو سکتی - اور ہر بڑی سے بڑی روایت بھی صدق و کذب کی محتمل ہے ......"

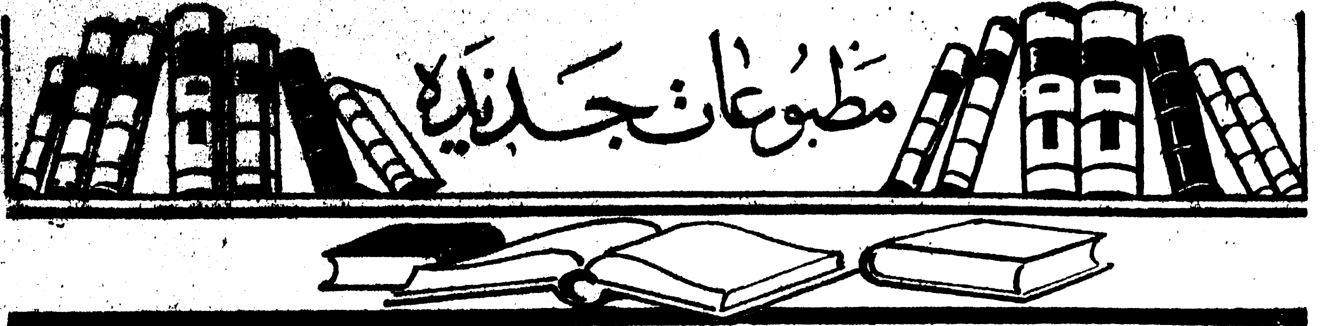
" اگر معجزات خود میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہوتے، جب بھی میں اِس غیر معقول طریق ایمان سے انکار کر دیتا - سحر کی تصدیق میرے لیے اِس سے کہیں آسان ہے کہ خدا کے کلمہ کی غیر معقول طریقہ پر تصدیق کروں"

(موجودہ مسیحیت)

اِسکے بعد روسو موجودہ مسیحی دین پر اظہار خیال کرتا ہے :

" اُسقفوں اور پادریوں نے مسیحیت کو اُسکی اصلی روح سے محروم کردیا ہے - اب یہ سوال نہیں کیا جاتا کہ ایک مومن فرائض و واجبات کہاں تک انجام دیتا ہے؟ اور نیکی میں اُسکی دوڑ کہانتک ہے؟ سوال صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ کس فرقہ کے خرافات (جنھیں غلط طور پر " عقائد " کا نام دیدیا گیا ہے) مانتا ہے؟ وہ کیتھولک ہے یا پروٹسٹنٹ؟ تم سے یہ کوئی نہیں پوچھیگا کہ خدا سے ڈرتے بھی ہو یا نہیں؟ لیکن ہر کوئی اِس بات پر تمہاری جان لینے کیلیے طیار ہوجائیگا کہ تم فلاں ولی کی کرامت کے قائل بھی ہو یا نہیں؟ دین اپنی اصلی شکل میں صاف، سادہ، ستھرا تھا - اُسے اِن جبہ پوشوں نے خرافات و خزعبلات اور غیر مفہوم قیل و قال کا غیر مرتب مجموعہ بنا دیا ہے - اگر تم اِس تمام کثافت سے جو آج کل دین کے نام سے موسوم ہے، از سر تا پا آلودہ ہو، تو بس، تم مومن کامل ہو - اب تمہیں کسی نیکی کی ضرورت باقی نہیں رہی - سیدھے آسمان کی بادشاہت (جنت) میں داخل ہوجاؤگے!"

" انسانی جماعت کو دین سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے، جبکہ دین اتنی پست سطح پر آجاے؟ اِس صورت میں دین کا مقصد کیا رہ جاتا ہے؟ صرف یہ کہ انسانوں میں بغض و عداوت کی تخم ریزی کرے، اور خونریز میدانوں کا سامان بہم پہنچائے! بلا شبہ جب دین اِس حالت میں آجاے تو اُسکے وجود سے اُسکا عدم کہیں زیادہ بہتر ہے - ہمیں کوشش کرنی چاھیے



وہ دین کو اس پستی سے نکالیں - انسانیت کے ہم پر حقوق هیں - یہی حقوق همیں مجبور کرتے هیں که دین کو خرافات سے پاک کرکے اصلي صورت میں پیش کردیں - تمهاري یه سزائیں، دھمکیاں ' پھانسیاں ' اور آگ کے شعلے همیں هرگز مرعوب نہیں کرسکتے "

(عهد جدید کي پیشین گوئي)

" جب لوگوں کی آنکھوں پر سے پردہ اٹھیگا اور حقیقت نظر آئیگي تو بلاشک و شبه وہ موجودہ دین کو حقارت کے ساتھه ٹھکرا دینگے - کیونکه یه حقیقي دین نہیں ہے - وہ سب سے پہلا کام یہ کرینگے کہ اِن خود غرض اور ریاکار پیشواؤں کے احترام سے انکار کردیں - وہ ان سے کہینگے : تم هي نے همارا دین بگاڑا ' اور تم هي هماري شقاوت کا سبب هو - جب وہ مبارک زمانه آئیگا تو اُس کا سب سے زیادہ مبارک عمل یہي هوگا "

(خاتمه)

اپنا جواب روسو اس عبارت پر ختم کرتا ہے :

" اے اُسقف اعظم ! تم اور تمہارے گروہ کے لیے باتیں بنانا بہت آسان ہے - تم لوگ اپنے حقوق کے سوا دوسروں کے حقوق نہیں جانتے - تمهیں صرف وهي قانون معلوم هیں جن سے غیروں کو جکڑتے هو - خود اپنے نفس کے مقید کرنے والے قانون تمهاري کتاب میں نہیں لکھے گئے - تم صرف اتنے هي پر قانع نہیں هو که عدالت و انصاف سے بالاتر رهو ' بلکه انساني عواطف و جذبات کا بھي اپنے تئیں پابند نہیں سمجھتے - تم کمزور پر تکبر سے ظلم کرتے هو ' اور تم سے کوئي باز پرس نہیں کرتا - لوگوں کي توهین تمهارے لیے ویسي هي آسان ہے ' جیسي انکے لئے تمهاري سنگ دلي سہل ہے - تم همیں اِس طرح روندتے هو جس طرح خاک روندي جاتي ہے - تم کبھي همیں آگ میں جلاتے هو ' کبھي سولي پر چڑھاتے هو ' کبھي صرف توهین و تذلیل پر اکتفا کرلیتے هو - تمهارے قهر و غضب کیلیے ضروري نہیں که هم سے کوئي خطا بھي سرزد هوئي هو - اگر تمهاري مصلحت کا اقتضا یہي ہے تو پھر اثبات جرم کے لیے کسي بات کي ضرورت نہیں - اور همیں شکایت کرنے کي بھي اجازت نہیں - اگر هم اِسکي جرات کریں که اپني براءت اور تمهاري غلطي ظاهر کریں ' تو هم گستاخي کے مجرم قرار دیے جاتے هیں ! "

(اسقف سے آخري خطاب)

" اے میرے آقا ! آپ نے مجھه پر علانیه طعن و تشنیع کي - بلکه مجھے گالیاں بھي دے ڈالیں - اگر میري طرح آپ بھي کوئي معمولي آدمي هوتے اور میں اپني کتاب کے ساتھه آپ کو عدالت کے سامنے لے جا سکتا ' تو آپ دیکھه لیتے که عدالت کا فیصله آپ کے حق میں اُتنا هي سخت هوتا ' جتنا سخت یه گناہ هوا ہے - لیکن آپ ایک ایسي جماعت میں سے هیں ' جو منصف و عادل هونے سے همیشه کے لیے مستثنیٰ کردي گئي ہے - رها میں ' تو میں ایک معمولی بے حقیقت آدمي هوں - مجھے اتنا اور کہنے کي اجازت دیجیے که آپ دیني پیشوا هیں - انجیل کے عالم هیں - آپ کا فرض ہے که مخلوق کو اُس کے فرائض کي تعلیم دیں - لیکن یه تعلیم خود اپنے نفس سے شروع هوني چاهیے - آپ کو ایک لمحه کے لیے سوچنا تها که میرے معامله میں آپ کا فرض کیا تها ؟ اور کہانتک تها ؟ میں نے اپنا فرض ادا کردیا - اب کچھه کہنے کو باقي نہیں رها ' اِس لیے چپ هوجاتا هوں ! "

استحضار و مخاطبات ارواح

(عالم ارواح اور سر کونن ڈائل کے نئے مباحث)

قارئین الهلال اس سے بے خبر نه هونگے که اُنیسویں صدي کے وسط میں استحضار و مخاطبات ارواح (روحوں کے آنے اور مختلف محسوس ذرائع سے سوال و جواب کرنے) کا جو مذهب امریکه میں ظاهر هوا تها ' وہ برابر نشوؤ نما پاتا رها ' اور اِس وقت یورپ اور امریکه میں اُس کے معتقدوں کي ایک بہت بڑي جماعت موجود ہے - اس جماعت میں هر درجه اور هر طبقه کے آدمي پائے جاتے هیں - فلسفۂ و حکمت کے ماهر ' علوم و فنون کے اساتذہ ' علمي و صناعي انکشافات و اختراعات کے مشاهیر ' ادب و کتابت کے مسلم ارکان ' عام اهل قلم و نظر ؛ کوئي حلقه ایسا نہیں ہے جہانتک اس اعتقاد کے اثرات نه پہونچ چکے هوں - اسکے اصول و قواعد مدون هو چکے هیں ' بے شمار کتابیں لکھي جا چکي هیں ' تحقیقات و تجارب کے با قاعدہ مجامع کام کر رهے هیں ' پچاس سے زیادہ اخبارات و رسائل صرف اسي موضوع پر شائع هو رهے هیں ' ایک مکمل مذهب علمي کي شکل میں قواعد و مبادیات مرتب هو گئے هیں ' اور معامله نے اس حد تک اهمیت حاصل کرلي ہے که وقت کے بعض اکابر اهل علم نے اپنے درس و نظر کے لیے صرف یہي موضوع منتخب کر لیا ہے !

اُنیسویں صدي کے اواخر کے علماء میں سے پروفیسر رسل ویلز نے جو ناموس نشو و ارتقا کے اکتشاف میں ڈارون کا معاصر و شریک تها ' صاف صاف لفظوں میں اسکا اعتراف کیا تها ' اور اسے عصر حاضر کے خوارق سے تعبیر کیا تها - پروفیسر ولیم کروکس نے جو انگلستان کا سب سے بڑا عالم کیمیا تسلیم کیا گیا ہے ' اور جس نے سب سے پہلے مادہ کے اشعاع کي حقیقت معلوم کي اور برق کے لیے وہ نیا آله ایجاد کیا جو اُسي کے نام سے مشهور ہے ' کئي ماہ کي تحقیقات و امتحان کے بعد یه راے قائم کي تهي که " مخاطبات ارواح کے مشاهدات نا قابل انکار هیں " ڈاکٹر میرس (Muers) اور رچرڈ هاڈسن کیمبرج یونیورسٹي میں علم النفس کے مسلم اساتذہ تهے - ان دونوں نے بھي بغیر کسي جھجھک کے اپنے اعتراف کا اعلان کردیا تها - پروفیسر


سر کونن ڈائل

لومبروزو (Lombroso) جو اٹلي کا مشہور ماہر طبیعییات ہے اور جس نے باسٹیور کے بعد جرائیم کے علم کي تدوین کي ' نہ صرف اس کا معترف ہوا بلکہ اس موضوع پر ایک رسالہ بھي لکھکر شائع کیا - کیمیل فلا ماریاں (Camille Flammarian) آنیسویں صدي کے علماء فلکییات میں نہایت سر برآوردہ عالم تھا - غالباً چار پانچ سال پہلے اُس کا انتقال ہوا ہے - یہ نہ صرف اِسکا معترف تھا بلکہ نہایت پر جوش معتقد تھا - اُسکي آخري دو کتابیں اسي موضوع پر ہیں اور یورپ کي تمام زبانوں میں شائع ہو چکي ہیں - پروفیسر هکسلي ' ڈاکٹر لوئس ' سر جان کاکس ' پروفیسر پارکس ' پروفسر ژولنر ' ڈاکٹر ویبر ' ولیم لیو پولڈ وغیرهم ؛ جو انیسویں صدي کے دائرۂ علم و نظر کے مسلم ارکان تھے ' کم و بیش اس کا اعتراف کرچکے ہیں -

امریکہ کے مشاہیر علم و نظر میں چارلس نارٹن اور ولیم ڈاسن جو شکاگو یونیورسٹي (امریکہ) میں علم النفس (سائکوا لوجي) کے استاد تھے ' اسکي تصدیق و حمایت میں برابر مقالات و رسائل شائع کرتے رہے - انگلستان کے عام مشاہیر سیاست و ادب میں مسٹر بالفور اور مسٹر اسٹیڈ (سابق محرر ریویو آف ریویوز) کا نام بھي اسکے معتقدین کي فہرست میں مشہور ہو چکا ہے - مسٹر اسٹیڈ نے تو روحاني سوال و جواب کا ایک باقاعدہ دفتر کھول دیا تھا - اُنکے عالم ارواح کے دوستوں میں سب سے زیادہ مشہور دوست اسکاٹ لینڈ کي " مارگریٹ " تھي - اُنکا بیان تھا کہ وہ مارگریٹ کے ذریعہ عالم ارواح کي تمام ضروري شخصیتوں سے نامہ و پیام کرلیا کرتے ہیں !

موجودہ عہد کے مشاہیر اہل علم میں چارلس الیٹ ' ولیم جیمس ' جیمس هیزلوب ' اور سر آلیور لاج Oliver Lodge خصوصیت کے ساتھہ قابل ذکر ہیں - چارلس الیٹ اور ولیم جیمس هارورڈ یونیورسٹي (امریکہ) میں علم النفس کے استاد ہیں ' جیمس هیزلوب کولمبیا یونیورسٹي (امریکہ) میں علوم عقلیہ کے مستند ماہر تسلیم کیے جاتے ہیں ' اور سر آلیور لاج کي علمي شہرت محتاج بیان نہیں - یہ تمام علماء اس مذہب پر علمي تیقن کے ساتھہ اعتقاد رکھتے ہیں اور اُسکي اشاعت و تبلیغ انکي تحریر و تقریر کا موضوع بحث ہے - سر آلیور لاج کا لڑکا پچھلي عالمگیر جنگ میں قتل ہوگیا تھا - اُن کا بیان ہے کہ مرنے کے بعد ہي اُس کي روح نے اِنہیں مخاطب کیا ' اور اب بھي وہ جب چاہیں ' اُسے بلا سکتے ہیں اور اس سے سوال و جواب کر سکتے ہیں !

(سر کونن ڈائل)

لیکن موجودہ زمانے کے مغربي روحانیین میں شاید ہي کسي اہل قلم نے اس تبلیغي جوش و سرگرمي کے ساتھہ اس مذہب کا اعتقاد ظاہر کیا ہوگا ' جیسا کہ کچھہ عرصہ سے انگلستان کے مشہور فسانہ نویس سر کونن ڈائل Conan Doyle کي شخصیت میں ظاہر ہوا ہے - عالمگیر جنگ یورپ کے بعد سے لیکر اِس وقت تک ' بمشکل کوئي مہینہ ایسا گزرا ہے ' جس میں سر ڈائل کي کوئي نہ کوئي تحریر و تقریر اس موضوع پر شائع نہ ہوئي ہو - حال میں انگلستان کي انجمن روحانیین نے ایک نہایت دلچسپ مجموعہ بارہ مقالات کا شائع کیا ہے - اِن میں سے آٹھہ مقالات سر ڈائل کے لکھے ہوے ہیں - یہ کتاب پچھلي ڈاک سے ہمیں وصول ہوئي ہے اور اس موضوع پر افکار و تاثرات کا ایک دلچسپ مجموعہ ہے -

موجودہ انگریزي علم ادب میں سر کونن ڈائل کا نام اُن کے مخصوص مذہب افسانہ نویسي کي وجہ سے اس قدر مشہور ہوچکا ہے کہ شاید ہي کوي افسانہ نویس اس قدر مشہور ہوا ہو - انہوں نے فن سراغ رساني کي افسانہ نویسي میں ایک نئے مذہب (اسکول) کي بنیاد ڈالي اور " شرلاک ہومز " کے نام سے اُس کے حیرت انگیز کارنامے قلمبند کیے - اُن کے قلم سے اگرچہ مختلف معاشرتي اور نفسیاتي مواضیع پر بہت سے افسانے نکل چکے ہیں ' لیکن انکي شہرت کي اصلي تاریخ شرلاک ہومز کے کارناموں ہي سے شروع ہوي - ان افسانوں کي مقبولیت کا اندازہ صرف اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ شرلاک ہومز کا جو فرضي مکان نمبر ۱۰ - بیکر اسٹریٹ لنڈن میں دکھایا گیا تھا ' وہ ہزاروں لاکھوں انسانوں کے دماغ میں ایک حقیقي شے کي طرح موثر ہو چکا ہے ' اور جب کبھي سیاحان عالم پہلي مرتبہ لنڈن جاتے ہیں تو یہ جاننے پر بھي کہ " شرلاک ہومز " محض ایک فرضي سراغ رساں سیرۃ (کیریکٹر) ہے ' اپني طبیعت کو اس جذبہ سے نہیں روک سکتے کہ ایک مرتبہ بیکر اسٹریٹ جاکر کسي ایسے مکان کي زیارت کرلیں جسکا نمبر دس ہو !

احمد ریاض بے " عبد الحمید ثاني و دور سلطنتي " (یعني سلطان عبد الحمید ثاني اور اسکے عہد حکومت کي تاریخ) میں لکھتا ہے کہ سلطان موصوف شرلاک ہومز کے کارناموں کے اسقدر شائق تھے کہ حکم تھا ' جونہي کوئي نیا افسانہ شائع ہو ' فوراً ترکي میں ترجمہ کرکے پیش کردیا جاے - ایک خاص شخص ادیب بے اس کام پر مامور تھا - آخري زار روس کي نسبت بھي بیان کیا گیا ہے کہ وہ کہتا تھا " مجھے کتابوں کي قسم میں سے کوئي چیز بھي دل پسند نہیں ہے - الا شرلاک ہومز "


روح کا تمثل ایک سفید دھویں کي شکل میں جیسا کہ اس مذہب کے معتقدین کا خیال ہے

یہي شرلاک ہومز کا مصنف اب دنیا میں عالم ارواح کا سب سے زیادہ پرجوش و سرگرم نقیب اور داعي ہے !

(سر کونن ڈائل کے مقالات)

جس نئي کتاب کا ہم نے ابھي ذکر کیا ہے ' اسکے آٹھہ مقالات دراصل سر کونن ڈائل کے روحاني اعتقاد کي پیدایش و تکمیل کي مسلسل داستاں ہیں - پہلے مقالہ میں اُس نے بتلایا ہے کہ کس

طرح پہلے پہل اُسے مذہب مخاطبات ارواح کي طرف توجہ ہوي ' اور کس طرح ایک جاحد منکر کي جگہ وہ مصدق معتقد بن گیا - دوسرے میں اپنے متعدد تجربے اور مشاہدے بیان کیے ہیں - تیسرے اور چوتھے میں منکرین کے وجوہ انکار پر بحث کي ہے - پانچویں سے لیکر آٹھویں مقالہ تک کا موضوع عالم مادي و روحي کے علائق ہیں اور اس ضمن میں اُن امکانات کي نہایت دلنشیں تصویر کھینچي ہے جو بیان کردہ علائق کي ترقي سے دنیا کي معنوي زندگي میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دینگے !

(سرکونن ڈائل کا بیان)

پہلے مقالہ کا خلاصہ حسب ذیل ہے :

" سنہ ۱۸۸۶ - سے پہلے میں جنوبي افریقہ میں طبابت کرتا تھا - اُس وقت میرے عقائد کا یہ حال تھا کہ اُن لوگوں پر ھنستا تھا جو روح کے مصطلحہ وجود پر یقین رکھتے ہیں - میں خیال کرتا تھا کہ اِس سے زیادہ بے عقلي اور وھم پرستي کي اور کوئي بات نہیں ہوسکتي -

میں بھي آج کل کے تمام جدید تربیت یافتوں کي طرح سائنس پر ایمان رکھتا تھا - میرا مذہب ' مذہب مادي تھا - میرا اعتقاد تھا کہ روح ' بجز اسکے کچھہ نہیں کہ جسم کے وظائف و ترکیب ھي کا ایک نتیجہ ہے ' اور عقل کا مرکز دماغ میں ہے - میرا یقین تھا کہ دوائیں انساني طبیعت میں تبدیلي پیدا کر سکتي ہیں - اور اُسے نیک اور بد بناسکتي ہیں - اُس وقت کبھي میرے ذھن میں یہ موٹي سي بات نہیں آئي کہ ایک ماھر موسیقي ھمیشہ ماھر موسیقي ھي رھیگا اگرچہ اُسکي بانسري ٹوٹ جائے - زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ وہ اپنا ھنر ظاھر نہ کر سکے گا ' لیکن اُسکا کمال اُس میں بدستور موجود رھیگا -

سب سے پہلے جس کتاب نے میرے خیالات میں تبدیلي پیدا کي اور مجھے الحاد و مادیت سے نکالا ' وہ " میرز " کي کتاب " شخصیت انساني " ہے - یہ کتاب اس لائق ہے کہ اُن کتابوں میں سے شمار کي جائے جنھوں نے انساني افکار کا بہاؤ ایک طرف سے دوسري طرف پھیر دیا ہے - مثلاً ڈارون کي کتاب اصلیت انواع اور بیکن کي کتاب منطق جدید -

اِس کتاب کے مطالعہ کے بعد میں نے انتقال فکري کے تجربے شروع کیے - میرے ایک دوست مسٹر پال کو بھي اِس موضوع سے بڑي دلچسپي تھي - میں اُنکے پیچھے بیٹھہ جاتا اور کاغذ پر بعض نقشے بناتا - مجھے ہر مرتبہ یہ دیکھکر حیرت ھو جاتي تھي کہ وہ میرے بنائے ہوئے نقشے بعینہ اپنے کاغذ پر اتار لیتے تھے ' حالانکہ وہ میرا کاغذ نہیں دیکھتے تھے - پھر میں نے یہ تجربہ بھي کیا کہ وہ دوسرے مکان میں بیٹھا کریں - لیکن پھر بھي میں نے دیکھا وہ نقشوں کي بالکل صحیح نقل اتار لیتے تھے !

اُس وقت مجھے یقین ہوا کہ عقل کو دماغ کا ویسا فعل سمجھنا صحیح نہیں ہو سکتا جس طرح ھم صفرہ کو جگر کا فعل سمجھتے ہیں -

اسکے بعد میں نے تھیاسوفي کا مطالعہ شروع کیا - میں نے دیکھا کہ اِس تحریک کي علم بردار اور رھنما مدام بلیوتسکي ذھین مگر مکار عورت ہے - لیکن اِس دروغ گو عورت کي موجودگي سے اِس تحریک پر حرف نہیں آسکتا - یہ ایک صحیح تحریک ہے - یہ ضرور ترقي کریگي - مگر اُسي وقت ' جب اسکے ارکان وہ چولا اتار دینگے جو اِس عورت نے اسے پہنا رکھا ہے ' اور اِس تحریک کے حقیقي سر چشموں تک پہنچینگے جو مشرق کي سر زمین پر موجود ہیں -

پھر میں نے وہ تمام کتابیں پڑھیں جو علماء عقلیات نے مذہب کے خلاف لکھي ہیں - لیکن مجھے کوئي تشفي نہیں ہوئي - کیونکہ وہ کبھي ایجابي بات کہتے ھي نہیں - اُنکے پاس جو کچھہ ہے ' سلبي اور انکاري ہے -

مدت تک دنیا کي دوسري مشغولیتوں اور مسلسل سفر میں رھنے کے بعد پھر مجھے اِس اھم موضوع کے لیے مہلت ملي - بتدریج مجھہ میں یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ ھماري اس زندگي کے علاوہ کوئي اور مخفي زندگي بھي ضرور موجود ہے ' اور وہ شاید ھماري زندگي سے زیادہ لطیف اور خوشگوار ہے -

سنہ ۱۸۹۲ یا سنہ ۹۳ میں انجمن علوم نفسیہ نے مجھے اور ڈاکٹر اسکاٹ اور مسٹر بوڈمر کو ایک مکان کي تحقیقات کیلیے بھیجا - اِس مکان کے متعلق مشہور تھا کہ اُس میں روحیں رھتي ہیں اور شور و ھنگامہ برپا کیا کرتي ہیں -

ھم دو رات اِس مکان میں رہے - پہلي رات کوئي واقعہ نہیں ہوا - دوسري رات ڈاکٹر اسکاٹ مایوس ہوکر چلے گئے - صرف میں اور مسٹر بوڈمر رہ گئے - ھم نے ہر طرح کے دھوکے سے بچنے کا پورا انتظام کرلیا تھا - زینہ پر تار بچھا دیے تھے تاکہ ادنی سي حرکت کا بھي ھمیں علم ہو جائے -

ٹھیک آدھي رات کو ھم نے اچانک سخت شور سنا - ایسا معلوم ہوا ' گویا کوئي میز کو موٹي لاٹھي سے پیٹ رہا ہے - ھم نے فوراً دروازہ کھولا اور باورچي خانہ کے طرف دوڑ پڑے جہاں سے آواز آرھي تھي - مگر ھمیں سخت حیرت ہوئي - باورچي خانے کا دروازہ اور کھڑکیاں بالکل بند تھیں - زینہ پر بچھے ہوے تار بھي اپني جگھہ سے نہیں ھٹے تھے !

اِسکے بعد رات بھر ھم نے کوئي آواز نہیں سني -

اِس واقعہ کے چند سال بعد یہ مکان جل گیا - اُسکا باغ کھودا گیا تو زمین سے دس برس کے ایک لڑکے کي ھڈیاں نکلیں - یہ رات کا شور در حقیقت اِسي لڑکے کي روح کا شور تھا - وہ اِسي گھر میں قتل ہوا تھا اور اُسکي روح اس میں رھنے والوں کو پریشان کیا کرتي تھي -

اِس سلسلہ میں یہ نظریہ بہت سے لوگوں کے سامنے ہے کہ اگر کسي جوان آدمي کي زندگي کسي غیر طبیعي اچانک حادثہ سے تلف ہو جائے ' تو اُسکي روح کي حیثیت موت کے بعد بھي باقي رھتي ہے اور عجیب عجیب صورتوں میں ظاھر ہوتي ہے "

کانن ڈائل نے آخر میں لکھا ہے " اِس قسم کے بے شمار واقعات مشاھدہ کرنے کے بعد میں نے اِس علم کا وسیع مطالعہ کیا - یہانتک کہ اب مجھے اِس پر پورا یقین ہوگیا ہے - میرا اعتقاد ہے کہ روحوں سے گفتگو کي جاسکتي ہے "

اس کے بعد کے مقالات میں وہ تجربے اور مشاھدے بہ تفصیل بیان کیے ہیں جو سالہا سال تک وہ " اپنے اذعان و تشفي کیلیے " جمع کرتا رہا - پھر اُن اعتراضات اور شکوک کے جوابات دیے ہیں جو اُن کے خیال میں منکرین مذہب استحضار کے " بنیادي " اعتراضات ہیں -

اردو طباعت کا مسئله اور افکار و آراء

(تصویر کا دوسرا رخ)

یه اس تصویر کا ایک خاص رخ تها جو سرکونن ڈائل اور آن کے هم مشرب دیکهه رهے هیں ' لیکن اِس کا دوسرا رخ بهي هے ' اور اگر اُس پر نظر ڈالي جاے تو یه معامله اسقدر سہل و آسان نہیں رهتا که سرکونن ڈائل کي طرح کسي غیر آباد مکان میں بهوتوں اور روحوں کے " موتي لاٹهي سے میز ٹهونکنے " کا شور سنکر فیصله کر دیا جاے !

جهانتک اس مذهب کے مخالفین و منکرین کا تعلق هے ' دور حاضر کي تین جماعتیں همارے سامنے آتي هیں :

(۱) عام علماء مادیئین جنهوں نے اس معامله کو اس درجه اهمیت هي نہیں دي که اس پر توجه کي جاے -

(۲) ایک بڑي تعداد اُن علماء مادیئین کي جنهوں نے اسپر بحث کي هے ' اور اس نتیجه پر پہنچے هیں که علمي اصول پر " اثبات " کے حد تک یه معامله نہیں پہنچا هے -

(۳) بعض اهل علم جنهوں نے خصوصیت کے ساتهه اس مذهب کا مطالعه کیا اور عرصه تک تحقیقات میں مشغول رهے ' اور بالاخر اس نتیجه پر پہنچے که استحضار ارواح کا معامله اس سے زیاده اهمیت نہیں رکهتا که یا تو کمزور طبائع کا انفعالي تاثر هے ' یا خوش اعتقادي کا ذهني فریب ' یا چند ایسے شعبده گروں کي شعبده گري جو جدید علم کیمیا اور فنون عجیبه کي مدد سے زیاده بهتر اور محفوظ قسم کا شعبده دکهلا سکتے هیں -

صحیح راے قائم کرنے کیلیے ضروري هے که معتقدین ' متوقفین ' اور منکرین ' تینوں کے مباحث و دلائل پر نظر ڈالي جاے - هم آینده کسي موقع پر شرح و بسط کے ساتهه اس موضوع پر اپنے مطالعۂ و نظر کے نتائج شائع کرینگے -

اردو ٹائپ

ایک مراسلة

آپ نے ۲۹ جولائي کے " الہلال " میں پہلے صفحه پر اردو ٹائپ کے متعلق ایک اعلان شایع کیا هے اور اس بارے میں رائیں طلب فرمائي هیں - اپني رائے آپ نے یه دي هے که جس ٹائپ میں الہلال چهپتا هے یعني جو ٹائپ صفحه ۳ سے استعمال کیا گیا هے وه اعلان مذکور کے ٹائپ سے بهتر هے - مجهے بهي اس سے اتفاق هے - لیکن اس ٹائپ میں بهي اصلاح اور ترمیم کي گنجایش اور ضرورت هے - یه مان کر که اردو کي لیے ٹائپ کي اشد ضرورت هے اس بارے میں اپني رائے عرض کرتا هوں -

سب سے اول ایک اصول کي بات بتانا ضروري هے - چونکه اب یه سوال اٹهایا گیا هے اسلیے نہایت ضروري هے که پنجاب اور یو - پي - کے تعلیمي محکموں سے سب سے پہلے استصواب کیا جائے - پنجاب کي نسبت مجهے زیاده واقفیت هے - یہاں تعلیمي اور سرکاري مطبوعات کي کتابت کے خاص قاعدے وضع کئے جاچکے هیں جن پر برسوں سے عمل هو رها هے -

بهتر تو یه هوتا که آپ اپنے اعلان کے ساتهه تمام حروف تهجي اور علامات وغیره کي ساري شکلیں جو آپ کے مجوزه ٹائپ میں هیں دیدیتے تاکه رائے دینے والوں کو آساني هوتي - خیر' سردست جو کچهه میري سمجهه میں آیا عرض کیا جاتا هے -

" مد " کي علامت آپ کے ٹائپ میں صرف خفیف سي فتحه کي علامت کي شکل میں پائي جاتي هے - جیسي صفحه ۳ کالم اول کي اخیر سطر میں " آخر " پر موجود هے - یه علامت زیاده واضح اور نستعلیق کے الف ممدوده کي سي هوني چاهیے - اعلان مذکور یعني صفحه اول میں جو علامت " آج " پر لگائي گئي هے کیوں نه اسي کو اختیار کیا جائے ؟ وه بهت صاف اور واضح هے -

تشدید کي علامت اس ٹائپ میں نہیں پائي جاتي - یه اضافه هوني چاهیے -

جزم کي علامت بهي اس ٹائپ میں نہیں پائي جاتي - یه بهي اضافه هوني چاهیے -

شین معجمه اس ٹائپ سے غایب معلوم هوتا هے - سین مہمله پر نقطے لگا کر کام چلایا گیا هے - اسے کیوں خارج کیا جائے ؟

آجکل کتابت اور املا کا مسلمه قاعده یه هے که صرف هائے مخلوط التلفظ دو چشمي لکهي جاتي هے - مگر آپ کے ٹائپ میں اس کا لحاظ نہیں - اِس کے بنانے والے ذوق کے " کتابت والے " کے هم مشرب معلوم هوتے هیں جن سے شیخ مرحوم کو یه شکایت تهي :

هائے رے حسرت دیدار میري هائے کو بهي
لکهتے هیں هائے دو چشمي سے کتابت والے

"هے" کو کیوں هے لکها جائے ؟ یه ضرور هے که اس کلمه کو هائے هوز سے لکهیں تو نیچے ایک شوشه بڑهانا پڑیگا کیونکه یه حرف جب

لفظ کے شروع میں آئے تو شوشہ لابد ہے۔ درمیان اور آخر میں نہیں - معلوم یہ ہوتا ہے کہ عربی کے املا میں چونکہ ہائے ہوز کا دوچشمی شکل میں استعمال بہت تھا بلکہ وہ ہمیشہ دوچشمی ہی لکھی جاتی ہے جبکہ وہ آخر کلمہ نہو' اسی کا اتباع اردو ٹائپ میں کیا گیا۔ اردو کے مروجہ قاعدۂ املا کے مطابق تو آپ کے جریدہ کا نام ہی غلط لکھا ہوا ہے - لوح کو تو جانے دیجیے کیونکہ وہاں "الہلال" خط نسخ میں ہے اور اس لیے ہائے دوچشمی ہے - لیکن ہر صفحہ پر جو جریدہ کا نام درج ہے وہ تو نسخ نہیں بلکہ اردو خط میں ہے - مگر یہاں بھی ہائے دوچشمی ہی استعمال کی گئی ہے۔ یہ قاعدہ مذکور کے مطابق غلط ہے - آپ کے ٹائپ میں ہائے ہوز جہاں دوچشمی نہیں وہاں عجیب مروڑ والی شکل اختیار کرتی ہے۔ جیسے صفحہ ۳ کالم ۲ میں "چہرے" اور "نہیں" کا چہرہ بگاڑا گیا ہے - حالانکہ یہی ہائے ہوز اسی کالم میں مضمون "علم الآثار مصر" کی اول سطر میں "پہلے" کی شکل میں بہت خوب اور صحیح لکھی گئی ہے - متشابہ موقعوں پر ہائے ہوز کو اس "پہلے" کی شکل میں ہی کیوں نہ لکھا جائے ؟

نون غنہ جب لفظ کے آخر میں آیا ہے اوس میں نقطہ نہیں دیا گیا - یہ بالکل درست ہے۔ لیکن یہی نون غنہ جب کلمہ کے بیچ میں واقع ہو تو کسطرح لکھا جائیگا ؟ اس وقت کے املا میں اس پر الٹا جزم لگاتے ہیں - مگر جزم آپ کے یہاں ہے ہی نہیں -

میں نہیں کہہ سکتا کہ کسرۂ اضافت کا وجود آپ کے ٹائپ میں ہے کہ نہیں -

کشش اکثر قاعدۂ نستعلیق قدیم و املاے جدید کے خلاف پائی جاتی ہے - جیسے مضمون مذکور کی چوتھی اور پانچویں سطروں میں "رکھتے" اور "کردیتے" میں "ی" سے پہلے واقع ہوئی ہے -

املاے قدیم اور جدید دونوں کا مسلمہ اصول ہے کہ حروف کے امتزاج میں کوئی شوشہ فالتو نہیں ہوتا - مثلاً "بنتا" میں تین شوشے یا دندانے ہونگے - اگر آپ ایک اور دندانہ بڑھا دیں تو املا کی غلطی کے علاوہ قاری کو زحمت ہوگی۔ اسی مضمون کی گیارھویں سطر میں "ایجاد" کا لفظ آیا ہے - اس میں "ی" اور جیم کے درمیان ایک دندانہ یا شوشہ ٹائپ میں پیدا کردیا ہے جو نہونا چاہیے - اگر یہ کمپوزیٹر کا تصرف نہیں تو اسکی اصلاح ہونی چاہیے -

کوئی وجہ نہیں کہ ہاے ہوز آخر کلمہ ' نسخ میں لکھی جائے ' جیسی کہ "آثار عتیقہ" میں لکھی ہے۔ "ہ" کی شکل آپ کے ٹائپ میں "نہ" ہے جو نستعلیق نہیں - یہ کیوں ؟

"یا" آخر کلمہ کی تین صورتیں ہوتی ہیں : یاے معروف - یاے مجہول - یاے مفتوح - آپ کے ٹائپ میں صرف دو موجود ہیں - یاے معروف گول لکھی گئی ہے - یہ ٹھیک - لیکن یاے مجہول و مفتوح دونوں لمبی ہیں - یہ ٹھیک نہیں - جب یا کی ایک اور شکل ہمارے پاس موجود ہے - یعنی نصف دایرہ یا کٹی ہوئی ' تو کیوں نہ اسے بھی استعمال کیا جائے ' تا کہ یاے مفتوح و یاے مجہول باہم متمیز ہو جائیں ؟

اردو ٹائپ چونکہ کہیں کہیں موجود ہے ' اس لیے ہمکو یہ موقع میسر ہے کہ اس کی اصلاح و ترمیم کرکے اپنا ایک مکمل ہندوستانی قومی ٹائپ بنائیں جو لیتھو کی جگہ لے - اور کیا پبلک اور کیا سررشتۂ تعلیم' دونوں اسے قبول کرلیں - آپ کے ٹائپ میں "یا" آخر کلمہ کے نیچے بھی دو نقطے دیے جاتے ہیں - مگر آپ کے اخبار کے اسی نمبر کے اُس حصہ میں جو کاتب کا لکھا ہوا ہے ' ایسی "ی" کے نیچے نقطے نہیں دیے گئے - یہ دو عملی کیا معنی ؟ ان دو نقطوں کی ضرورت کیا ہے ؟ کاتب کا وقت اور پریس کی سیاہی فضول کیوں خرچ ہو ؟ جرمنی کا اردو ٹائپ بھی اسی اسراف کا مرتکب ہے - دیوان غالب جو وہاں سے ٹائپ میں چھپ کر آیا ہے' اوس میں چند ایسی بد عنوانیاں نظر آئیں جو شاید آپ کے ٹائپ میں نہیں ہیں - اس کتاب کا صفحہ ۱۲۱ ملاحظہ فرمائیں - اِس کے آخر میں ایک نا مکمل غزل ہے :

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہو:

زباں کوئی نہو

"کوئی" کا لفظ چار جگہ تو ردیف کا جز بنکر آیا ہے اور دو جگہ مصرعوں کے متن میں - پانچ جگہہ تو اس حرف کی شکل اور شان یکساں ہے ' لیکن ایک جگہ اُن سے نرالی شان میں لکھا گیا ہے :

"پڑیئے" گر بیمار تو کوئی نہو بیمار دار

سمجھہ میں نہیں آتا کہ ایک ہی لفظ اور ایک ہی تحریر اور ایک ہی معنی میں دو شکلیں کیونکر اختیار کر سکتا ہے ؟ یہ بد عنوانی نہ ہونی چاہیے - اسی غزل کے مطلع کے دوسرے مصرع میں "ہم سخن" کا لفظ آیا ہے - لفظ "سخن" میں "س" اس انداز سے "خ" کے ساتھہ ملایا گیا ہے جس طرح حرف شناس بچے لکھا کرتے ہیں - حروف کی ملاوٹ کا یہ طریق پسندیدہ نہیں -

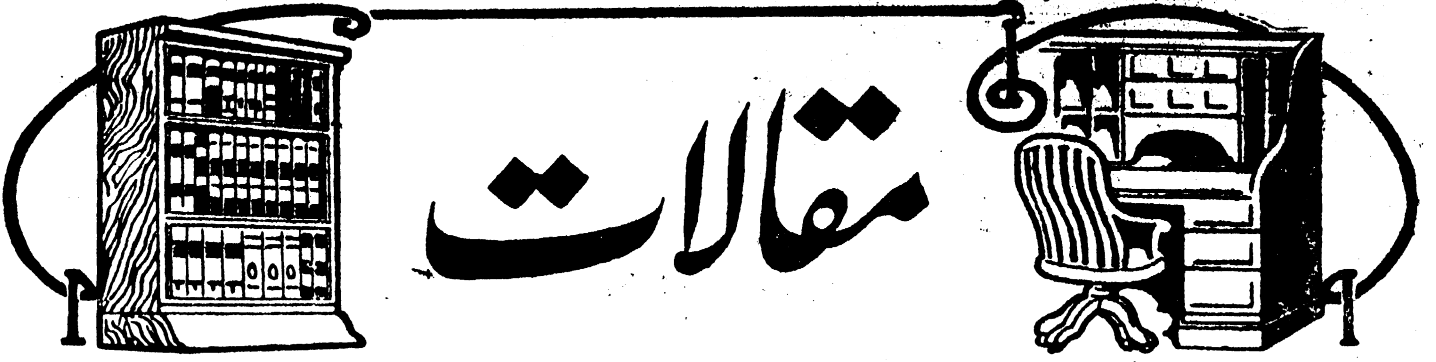
اردو ٹائپ کی وکالت کرتے ہوئے مطمح نظر صرف یہی نہ ہونا چاہیے کہ ارباب صحافت کو کاتبوں کی ناز برداری سے نجات ملے' اور اخبار و جرائد جلد اور ایک ہی خط میں چھپ جائیں - بلکہ آپ کا فرض ہے کہ اسے ایک قسم کا قومی ادارہ تصور فرمائیں - اور آج کل کے مروجہ طرز املا پر کچھہ ترقی کریں - نہ یہ کہ اس کی ضروریات بھی پوری نہوں - مبتدیوں کے لیے اردو کا قاعدہ بھی چھپیگا اور علما کی تصانیف عالیہ بھی - اس لیے یہ ایسا ہونا چاہیے کہ انشا کی تمام ضروریات اس سے پوری ہو جائیں ' اور یہ فن املا کا کماحقہ نمایندہ بنکر کتابت کا نعم البدل ثابت ہو -

اور مولانا ! اس کا بھی خیال رکھیے کہ آج کل انسانی مصروفیت کے ہر شق میں جمالیت کا بڑا زور اور رسوخ ہے - جو ٹائپ تجویز ہو' وہ خط نستعلیق کے برابر تو دیدہ زیب ہونا چاہیے - یہ کیا ہوا کہ بچوں کے کتکھنے یا کیڑے مکوڑے کاغذ پر چھاپ کر پیش کردیے - میں کوئی وجہ نہیں دیکھتا کہ ٹائپ وضع کرتے وقت خوبصورتی کا خون کیا جائے - کیا وجہ ہے کہ نستعلیق کی نقل نہ کی جائے ؟ کیوں اسے اول جلول بنایا جائے ؟ آپ کے ٹائپ میں تمام دائرے بد نما اور چپٹے ہیں - کیوں نہ گول ہوں ؟ اخر اِس میں کون سی دقت حایل ہے ؟

میں دیکھتا ہوں کہ آپکے ٹائپ میں بڑی سرخیاں نسخ میں ہیں۔ یعنی اردو ٹائپ کے ساتھہ ایک مطبع کو نسخ کا ٹائپ بھی رکھنا پڑیگا - یہ دو عملی بد عملی کا حکم رکھتی ہے۔ خفی و جلی کے کئی درجے قائم کرکے تمام و کمال ٹائپ نستعلیق میں ہونا چاہیے -

میں پھر عرض کرونگا کہ سب سے پہلے آپ یہ کیجیے کہ ٹائپ رایٹر کے "کی بورڈ" کی طرح آپ کے ٹائپ میں جو جو چیزیں ہیں' اُن سب کا نمونہ ایک صفحہ پر چھپوا کر شایع فرمائیے تاکہ پتہ چلے اس میں کیا کچھہ ہے اور کیا نہیں ہے -

ٹائپ سے متعلق ایک اقتصادی پہلو بھی ہے جسے نظر انداز نہیں کر سکتے - یعنی یہ بھی دیکھنا ہے کہ کاغذ اور اس کے ساتھہ



ادب عربي اور جديد مصري مباحث

ليلیٰ مجنون

ايك مصري اهل قلم كي نظري تحقيقات

بلاد اسلاميه كے ادبي و علمي مباحث و افكار كي صدائيں بهت كم هندوستان تك پهنچتي هيں - اول تو يهاں ايسے علمي مجامع كا وجود هي نهيں جو مشرقي و اسلامي ممالك كے علمي مجامع و محافل سے تعارف ركهتے هوں - ثانياً ' عربي كے ادبي و علمي مباحث كے ذوق سے نه صرف نئي تعليم يافته جماعتيں بلكه قديم جماعتيں بهي تقريباً محروم هيں - اس ليے نه تو ان واديوں كي انهيں خبر هے - نه وهاں كي صداؤں كيليے كوئي ذوق اور دلچسپي ركهتي هيں -

هم چاهتے ' هيں گاه گاه الهلال كے صفحات پر وهاں كے بعض اهم عصري مباحث كے نمونے شايع كرتے رهيں -

كچهه عرصه سے مصر ميں ادب و شعر عربي كي دو متقابل جماعتيں پيدا هوگئي هيں ' اور ان ميں بحث و مناظره كا معركه گرم هے - ايك جماعت متجددين مفرطين كي هے جنهيں اردو اخبارات كي اصطلاح ميں ادبي " انتها پسند " (اكسٹريمسٹ يا ريڈيكل) كهنا چاهيے - دوسري جماعت ادبي محافظين كي هے ' جنهيں سياسي جماعتوں كي تقسيم ميں قدامت پسند (كنسرويٹو) وغيره الفاظ سے ياد كيا جاتا هے - ادب و شعر كي ان دو انتهائي جانبوں نے افراط و تفريط كے عجيب عجيب زاويے پيدا كرديے هيں - ان دونوں انتهائي جماعتوں كے درميان بعض اصحاب اقتصاد و اعتدال بهي هيں ' ليكن بهت كم - كيونكه جماعت كا ذهني مزاج فكر و عمل كے هر گوشے ميں ' اعتدال سے مالوف نهيں هوتا - افراط و تفريط هي كي طرف مائل رهتا هے -

سياست كي طرح ادب و شعر ميں بهي ان دو مذهبوں كا ظهور ' هر ملك كے علمي اور فكري عهد كے ذهني خواص ميں سے هے - انيسويں صدي كے اوائل ميں جب يورپ كي ادبيات كا آخري انقلاب ظهور ميں آيا ' تو اس وقت بهي طريق مدرسيه (Classic) اور طريق رومانيه (Romantic) كے متبعين ميں كشمكش پيدا هوئي اور انتهائي اطراف نماياں هوگئے - البته يورپ كي زبانوں اور عربي زبان كي نوعيت ميں يه اصولي فرق هے كه انهاريوں صدي ميں جب رومانيه طريقه كے متجددين پيدا هوئے تهے ' تو اس وقت يورپ كا مدرسي علم ادب كوئي ايسي ترقي يافته حالت نهيں ركهتا تها كه هر گوشه ميں ترقي و توسع كا محتاج نه هو - وه زياده سے زياده دو صديوں كي ابتدائي ادبي ترقي كا نتيجه تها جو حروب صليبيه كے بعد سے يورپ ميں شروع هوئي تهي - اور پهر جو كچهه بهي تها ' صرف ادب كي ايك خاص شاخ ميں محدود تها -

يعني شعر قصصي اور قصص تمثيليه ميں - ليكن عربي علم ادب كي حالت اس سے بالكل مختلف هے - اس پر نشو و ترقي كي تيره صدياں گزر چكي هيں - وه تمدن و علوم كي تمام حالتيں ' اور اساليب بيان و تعبير افكار كے تمام دور طے كر چكي هے - اس ليے اسكي عصري احتياج بهت حد تك محدود هے ' اور نئے نئے اساليب و مذاهب كے اخذ و اختيار ميں بهت زياده احتياط و توسط كي ضرورت هے - مغربي اساليب بيان كي كورانه تقليد اور ابداع و تجدد كے افراط و غلو كي جگه چاهيے كه مجتهدانه نظر و اعتبار سے كام ليا جائے ' اور عربي ادب و شعر كي خصوصيات كمال و جمال كے تحفظ كے ساتهه قديم راهوں ميں نئي نئي راهوں كي داغ بيل ڈالي جائے -

بهر حال سياست و معاشرت كي طرح ادب و شعر ميں بهي دو متقابل جماعتيں پيدا هوگئي هيں - ادبي تجدد و انقلاب كي اس حركت كا سب سے بڑا قائد ڈاكٹر طه حسين استاذ جامعهٔ مصريه هے - ڈاكٹر موصوف كي شخصيت ميں مصر كے موجوده عهد كي ايك غير معمولي ذهانت نماياں هوئي هے - وه پيدايشي نابينا هے - اس كا دماغ حواس خمسه ميں سے ايك سب سے بڑے حاسهٔ علم سے محروم تها - ليكن باوجود اسكے اس نے جامع ازهر ميں علوم عربيه كي تحصيل كي اور يورپ كي متعدد زبانوں ميں بهي درجهٔ رسوخ و نظر حاصل كرليا - وه ابهي جامع ازهر ميں مشغول تعليم تها كه جامعهٔ مصريه اسكي حيرت انگيز ابوالعلائي ذهانت كي شهرت سے متاثر هوئي اور اپنے صرف سے پيرس اور روم بهجواديا تاكه مغربي لغات و علوم كي تحصيل سے بهي فارغ هوجاے - كئي سال وهاں بسر كرنے كے بعد جب قاهره واپس آيا تو اسي جامعه ميں استاذ (پروفيسر) مقرر هوگيا -

پچهلے دنوں ڈاكٹر موصوف نے عهد مولدين كے شعراء پر ايك سلسلهٔ مقالات شروع كيا تها ' جس نے مصر كے ادبي حلقوں ميں موافق و مخالف آراء كے پرجوش مباحثے پيدا كرديے - ان مقالات ميں وه اوائل عهد بنو اميه كے بعض شعراء غزليئين كے وجود سے انكار كرتا هے ' اور انكے وجود كو محض قصصي اور شعري وجود قرار ديتا هے جيسا كه بعض مستشرقين يورپ كا بهي خيال هے - هم آج ان مقالات كا ايك حصه ' حذف و اختصار كے بعد شائع كرتے هيں - اس كا تعلق " ليلىٰ مجنوں " كے مشهور قصه سے هے - يه سوال كه كيا في الحقيقت قيس عامري اور ليلىٰ كے معاشقه كا قصه حقيقي هے ؟ پہلے بهي اٹهه چكا هے - چنانچه ابوالفرج اصفهاني نے كتاب الاغاني ميں ان لوگوں كي رائيں نقل كي هيں جنهيں ان شخصيتوں كي حقيقت ميں شبه تها ' ليكن هم خيال كرتے هيں اس ادعا اور وثوق كے ساتهه غالباً كبهي انكار نهيں كيا گيا جيسا انكار ڈاكٹر موصوف كر رهے -

هم بالفعل اس باب ميں اپني رائے ظاهر نهيں كرينگے كيونكه اسكے ليے شرح و تفصيل كي ضرورت هے - صرف ڈاكٹر موصوف اور ان كے ناقدين كے مباحث كا خلاصهٔ هديهٔ قارئين كر دينگے - ڈاكٹر موصوف كي تحرير كا ترجمه حسب ذيل هے :

مطبوعات الہلال بک ایجنسی

معارف ابن تیمیہ و ابن قیم

دینی علوم کے بیش بہا جواہر ریزے

اس سلسلہ میں ہم نے [illegible] درجہ کی بلند پایہ عربی تصانیف کے اردو تراجم کا سلسلہ شروع کیا ہے ' جنکا مطالعہ اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروری و ناگزیر ہے - امید کہ یہ "سلسلۂ تراجم" اس عہد ہندوستان کی دماغی اصلاح کا کام دے :

أسوۂ حسنہ — امام ابن قیم کی فن سیرت میں شہرہ آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصہ کا اردو ترجمہ - بلا جلد ۲ روپے مجلد اڑھائی روپیہ -

کتاب الوسیلہ — لفظ "وسیلہ" کی بحث کے علاوہ امام ابن تیمیہ نے اسلام کے اصل الاصول "توحید" کی مبسوط بحث کی ہے - بلا جلد اڑھائی روپیہ ' مجلد سوا تین روپیہ -

اصحاب صفہ — انکی تعداد ' ذریعہ معاش ' طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے ہیں دس آنے -

تفسیر سورۃ الکوثر — امام ابن تیمیہ کے مخصوص انداز تفسیر کا اردو ترجمہ - چار آنے -

العروۃ الوثقی — خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ کا فرق بدلائل بیان کیا ہے - چھہ آنے -

سیرت امام ابن تیمیہ — حضرت امام کے ضروری حالات زندگی نہایت خوش اسلوبی سے بیان کیے ہیں - نو آنے

نجد و حجاز — علامہ سید محمد رشید رضا مصری کی تازہ [illegible] کا اردو ترجمہ - سوا روپیہ -

ائمہ اسلام — ترجمہ رفع الملام عن ائمۃ الاعلام (زیر طبع)

خلاف الامہ — فی العبادات (زیر طبع)

صبح سعادت — یہ ایک علمی ' اسلامی ' اور [illegible] رسالہ ہے جس کے خریدار کو ہم نے [illegible] کوشش سے [illegible] عربی ' فارسی ' انگریزی ' اور دوسری زبانوں کی [illegible] اور اعلی مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بہم پہنچانے کا اہتمام کیا ہے - اسکے علاوہ ائمہ و اسلام و بزرگان دین کے حالات ' لطائف افسانے ' نظمیں اور ممالک اسلامیہ کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے ہوئے حالات درج کیے جاتے ہیں - فی پرچہ ۸ آنہ سالانہ ۲ روپیہ پیشگی -

منیجر الہلال بک ایجنسی

(حلقہ نمبر ۲۴ شیرانوالہ دروازہ لاہور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

السحر الحلال فی مجلدات الہلال

گاہ گاہے باز خوان این دفتر پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

اردو صحافت کی تاریخ میں الہلال ہی وہ رسالہ ہے جو اپنی تمام ظاہری اور باطنی خصوصیات میں ایک انقلاب انگیز دعوت تھی -

الہلال اگرچہ ایک ہفتہ وار مصور رسالہ تھا ' لیکن چونکہ وہ اردو صحافت کی مختلف شاخوں میں اجتہاد نظر و فکر کی نئی روح پیدا کرنی چاہتا تھا ' اس لئے اس کا ہر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعہ تھا - اس کے ہر نمبر میں مختلف ابواب ' مذہب ' سیاست ' ادبیات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامہ کے ہوتے تھے - اور اسکا ہر باب اپنی مخصوصانہ خصوصیات کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہوتا تھا - پھر اس کی ظاہری خوبی اردو صحافت میں اعلی طباعت و ترتیب کا پہلا نمونہ تھیں - اردو کا وہ پہلا ہفتہ وار رسالہ تھا جس میں ہاف ٹون تصویروں کے اندراج کا اہتمام کیا گیا اور ٹائپ میں چھپنے کی وجہ سے بہت سی ایسی خوبیاں پیدا ہوگئیں جو پتھر کی چھپائی میں ممکن نہیں - اس کی جس قدر جلدیں ہیں وہ علم ادب کے علمی ' مذہبی ' سیاسی ' اور [illegible] مباحث کا بیش بہا مجموعہ ہیں - ان کی مقبولیت [illegible] کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۸ میں بعض شائقین علم و ادب نے اس کی تمام جلدوں کا مکمل سٹ سات سو روپیہ میں خریدا [illegible] ایک صاحب نے اس کی پہلی جلد [illegible] ([illegible] موجود نہیں) ساڑھے چار سو روپیہ میں [illegible] اس کے پرچے بمشکلات جمع [illegible] علیحدہ کرکے [illegible] تیار نہیں [illegible] مکان [illegible] الہلال کے پرچوں کا بھی محفوظ ملا ' [illegible] علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں [illegible] اور جن جلدوں کی [illegible] ہو انہیں دوبارہ چھپوا لیا جائے

[illegible] ایک حد تک مشکور ہوئی اور اب علاوہ [illegible] جلدیں پوری مکمل ہوگئی ہیں - ہم اس [illegible] علم و ادب کو آخری موقعہ دیتے ہیں کہ [illegible] حاصل کرنے میں جلدی کریں ' چونکہ جلدوں کی [illegible] محدود تعداد مرتب ہوسکی ہے اس لئے صرف [illegible] کی تعمیل ہوسکے گی جو سب سے پہلے پہونچیں گی - ہر جلد مجلد ہے اور ابتدا میں تمام مضامین کی انڈکس [illegible] لگادی گئی ہے -

الہلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیہ	الہلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیہ
" " " چہارم ۱۰ روپیہ	" " " پنجم ۱۰ روپیہ

جلد "البلاغ" (جب دوسری مرتبہ الہلال اس نام سے شائع ہوا) قیمت ۸ روپیہ

علاوہ جلد اول کے ہر جلد کے متفرق پرچے بھی موجود ہیں جن میں سے ہر پرچہ اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعہ علم و ادب ہے - قیمت فی پرچہ ۸ - آنہ - محصول ڈاک و پیکنگ اس کے علاوہ ہے -

منیجر "البلاغ پریس"

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR : MAULANA ABU AL-KALAM AZAD.

الہلال

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت فی پرچہ پانچ آنہ

لَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (القرآن الحكيم)

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱۱ — کلکته : جمعه ۲۷ . صفر ۱۳۴٦ هجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 26, August 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعة نہین رکھتی .
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای .
پتھر کی چھپائی مین محدود رھکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نہین کر سکتی .

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی ہین ، وہ ہین جن مین الہلال چھپتا ہی . اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گی ہین . آپ ان دونون مین سی جسی چاہین پسند کر لین . لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین .

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ہمین اطلاع دیجیی . یاد رکھیی . طباعة کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اہم مسئلہ ہی . ضروری ہی کہ اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین .

الہلال

قاریین الہلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ٦۵۷ مراسلات وصول ہوی ہین . تقسیم آراء حسب ذیل ہی :

عربی حروف کی حق مین ۸۴	اردو حروف کی حق مین ۲۱۰
موجودہ مشترك طباعة کی حق مین ۱۲۱	حروف کی حق مین بشرطیکہ
پتھر کی چھپائی کی حق مین ۱۸٦	نستعلیق ہون ۵٦

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہی .

آراء کی دیکھنی سی معلوم ہوا کہ اس باری مین بعض اہم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین ہی. اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت ہی. آیندہ اس باری مین مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر کرینگی مگر ضرورت ہی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین .

الہلال



لیلی مجنون

از ڈاکٹر طاهه حسین

(۲)

قیس کے بارے میں عام راوي تو صرف اختلاف بیان هي پر قانع هیں لیکن ثقه راویوں کو انکار یا شک میں تامل نہیں ھے - میں تمام اقوال پیش کرکے تحریر کو طول دینا نہیں چاهتا - آغاني کي پهلي اور درسري جلد میں کافي ذخیرہ موجود ھے ' اور بآساني دیکها جا سکتا ھے -

بعض راویوں کا انکار تو اِس درجه تک بڑھ گیا تها که وہ کہتے تهے :

" بني عامر (مجنوں کے قبیله) کے دل اِس قدر ٹهوس هیں که ان میں اِتني زیادہ محبت هو هي نہیں سکتي - هاں بے عقل باشندگان یمن سے یه بعید نہیں - لیکن بني نزار اِس سے کوسوں درر هیں "

ایک آور راوي تصریح کرتا ھے :

" میں قبیلۂ عامر کے ایک ایک خاندان میں پهرا اور سب سے مجنوں کے متعلق سوال کیا - مگر کسي نے بهي اُس کي واقفیت کا اظہار نہیں کیا - بلکه سخت انکار کیا "

ایک دوسرے راوي کا بیان ھے :

" میں نے بني عامر کے ایک بدوي سے مجنوں کا حال پوچها - اُس نے بہت سے عامري مجنونوں کے نام بتائے اور اُن کے اشعار سنائے مگر قیس بن ملوح کے وجود سے برابر انکار کرتا رها "

پهر اُن راویوں پر نظر ڈالو جو اس مجنوں کے واقعات کے راوي هیں - وہ خود آپس میں سخت اختلاف رکهتے هیں ' حتی که اُس کے نام تک پر متفق نہیں - کوئي قیس بتاتا ھے - کوئي مهدي کہتا ھے - کوئي اقرع قرار دیتا ھے - کوئي بحتري پر زور دیتا ھے - پهر اُس کے حسب و نسب کے بارے میں اختلاف شروع هوجاتا ھے - پهر خود اُس کا جنون بهي سب تسلیم نہیں کرتے - کوئي کہتا ھے ' وہ بالکل دیوانه تها - کوئي اُسے عاقل گردانتا ھے - اصمعي کا قول ھے " وہ مجنون نہیں تها - صرف ابو حیه نمیري کي طرح تهوڑي سي سنک تهي " اِس کے بعد یه بحث شروع هوتي ھے ' آخر وہ مجنوں کیسے مشہور هوا ؟ بعض کہتے هیں " وہ پہلے هي سے دیوانه تها " بعض اِس کے خلاف هیں اور یه وجه بیان کرتے هیں که " اُس نے ایک شعر میں اپنے آپ کو مجنوں کہا تها - اِس لیے اُس کا یه لقب پڑگیا جیسا که بہت سے شعراء کا حال ھے - مثلاً نابغه " اختلاف ابهي ختم نہیں هوتا ' بلکه جنون کے سبب تک پہنچتا ھے - کچهه لوگ کہتے هیں " محبت نے اُسے دیوانه بنا دیا تها " بعض کہتے هیں " در اصل اُس نے اپنے ایک شعر میں خدا کي مشیئت پر اعتراض کیا تها ' اس لیے خدا نے اُس پر اپنا قهر نازل کیا ' اور دیوانه هوگیا " وہ شعر یه ھے : (اور کیا بے نظیر شعر ھے !)

قضاها لغیري و ابتلاني بحبها
فهلا بشیئ غیر لیلی ابتلانیا ؟

(خدا نے میري محبوبه کو تو دوسرے کے لیے کردیا - لیکن مجهے اُس کي محبت میں مبتلا کردیا - کیا یه نہیں هو سکتا تها که لیلی کے سوا مجهے کسي دوسري مصیبت میں مبتلا کر دیا جاتا ؟)

بعض راوي اِس کا رد کرتے هیں - اُن کا بیان ھے که خدا کا قهر جنون کي شکل میں نہیں بلکه برص کي شکل میں اُترا تها - غرضکه جتنے منهه اُتني هي باتیں هیں - ایسي صورت میں کون یقین کر سکتا ھے که مجنوں جیسا کوئي مشہور شخص دنیا میں کبهي موجود تها ؟

بلا شبه یه اعتراض پیدا هوتا ھے که اگر مجنوں موجود نه تها تو یه پورا قصه کہاں سے آگیا ؟ اس کا جواب خود ادب اور شعر کے راویوں نے دیدیا ھے - ابن کلبي لکهتا ھے :

" بني امیه کا ایک نوجوان اپني چچیري بہن پر عاشق هوگیا تها - جوش عشق میں اُس نے اشعار کہے - پهر ڈرا ' مبادا راز کهل جائے اور طرفین کي رسوائي هو - لہذا اُس نے اس راز داري کے لیے مجنوں کا نام اختراع کرلیا اور اپنے اشعار اُس کي طرف منسوب کردیے "

پهر هم یه بهي جانتے هیں که اُس زمانه میں شعر و ادب کے ایسے راوي موجود تهے جنکا کام محض لوگوں کا دل بہلانا اور گرمي صحبت کے لیے داستانسرائي کرني تهي - وہ اشعار و حکایات بناتے تهے اور بصرہ ' کوفه ' بغداد وغیرہ بڑے بڑے شہروں میں پهیلا دیتے تهے - جس طرح آج کل کے بعض اخبار نویس لندن اور پیرس میں طرح طرح کے افسانے مشہور کردیا کرتے هیں - یه معمولي لوگ نه تهے - اِن میں ایسے لوگ بهي داخل تهے جنهیں آج کل ثقه راوي یقین کیا جاتا ھے - اِنهوں نے اشعار و حوادث گهڑنے میں غیر معمولي مہارت حاصل کي تهي - وہ صاحب علم و فکر تهے - اس لیے اُس زمانه میں بهي عوام اُنهیں صادق و معتبر سمجهتے تهے اور ان کي روایت بغیر شک و شبه کے قبول کر لیتے تهے - اس طرح کے راویوں میں سے دو راویوں کے نام میں یہاں پیش کرونگا - " حماد راویه " اور " خلف احمر " اِن دونوں شخصوں نے بے شمار مصنوعي واقعات و اشعار بنائے هیں - یه دونوں عربي زبان کے ماهر اور بدوي قبائل سے بهي بہتر عربیت کے اسرار و دقائق جاننے والے تهے - دونوں اپنے دین میں متهم اور لہو و لعب کے دلدادہ تهے - بعض هم عصر شعراء انکے شریک حال هوگئے تهے - اسلیے ان کے راز جانتے تهے اور انکي صداقت میں شبه کرتے تهے -

یه حال صرف رواۃ ادب و شعر هي کا نہیں ھے - اهل علم جانتے هیں که انساب ' سیر ' اور فتوح و غزوات کے بہت سے راوي بهي ایسے هي تهے - سیرت ابن هشام اٹهاکر دیکهو - اس میں ایک بڑا ذخیرہ اشعار کا پاؤگے - لیکن خود ابن هشام روایت کے بعد تصریح کرتا جاتا ھے " فن شعر کے اکثر عالم اس قصیدہ سے انکار کرتے هیں "

اصل یہ ہے کہ عرب ' روم ' ایران ' اور یونان ؛ باہم بہت حد تک مشابہ ہیں - رومیوں نے یونان پر جنگی فتح حاصل کی تھی مگر یونان نے رومیوں پر ادبی فتح پالی - یہی حال عربوں کا ہوا - اُنھوں نے ایران کو اپنے قومی جوش سے مسخر کیا ' مگر خود ایرانی ادب و ذہنیت سے مغلوب ہوگئے - اس ادبی فتح کے جلوے روم اور بغداد میں یکساں طور پر نظر آتے ہیں - یونان اور ایران ' دونوں نے یہ کیا کہ روم اور عرب کے تمدن پر دست درازی کی اور قطع و برید کرکے اسے مسخ کرڈالا - یہی صورت حال انساب اور تاریخ و سیر میں بھی پیش آئی ہے -

ان وجوہ کی بنا پر ہمیں پورا حق ہے کہ اپنے ثقہ راویوں کی روایت پر بھی شبہہ کریں - اور جب وہ مجنوں جیسے قصہ میں اس قدر باہم مختلف ہوں تو اور بھی زیادہ شک و احتیاط کریں -

ہمارے پاس بحث و تحقیق کا ایک طریقہ اور بھی ہے - لیکن وہ محض ایک فنی طریقہ ہے - تاریخ سے تعلق نہیں رکھتا - مجنوں کے اشعار میں ہم اس طریقہ سے کام لے سکتے ہیں - شعر ہمیں خود بتادے گا کہ یا تو وہ بتکلف بنایا گیا ہے ' اس لیے محبت کا سچا جذبہ پیش نہیں کرتا - یا مختلف شاعروں کا کلام ہے اور راویوں نے سہواً یا عمداً اسے مجنوں کی طرف منسوب کر دیا ہے -

جاحظ نے بالکل ٹھیک کہا ہے :

” کوئی شعر نہیں جس میں لیلی کا ذکر ہو اور لوگوں نے قیس بن ملوح (مجنوں) کی طرف منسوب نہ کر دیا ہو - اور کوئی شعر نہیں جس میں لبنی کا ذکر ہو اور قیس بن ذریح کے سر تھوپ نہ دیا گیا ہو - یہ واقعہ ہے کہ مجنوں کی طرف بہت سے شعر منسوب کر دیے گئے ہیں ' حالانکہ خود مجنوں کو اُنسے کوئی تعلق نہیں - یہ شعر اُن شاعروں کے ہیں جو نہ تو مجنوں تھے ' اور نہ محبت نے اُنکا وہ حال کر دیا تھا جو مجنوں کا تھا “

شاعر کی تحقیق کس طریقہ پر کرنی چاہیے ؟ خود شاعر کی شخصیت سب سے پہلی چیز ہے - یہ اس لیے کہ شاعر اپنے شعر میں اپنی شخصیت ضرور رکھتا ہے - اگر شاعر ' کامل ہے تو اُسکا دیوان اُسکی نفسیت اور جذبات کا آئینہ اور اُسکی پوری شخصیت کا مظہر ہوتا ہے - اُس کی مختلف نظموں میں ایک ہی روح ' ایک ہی نفسیت ' ایک ہی قوت کار فرما نظر آئیگی - بلا شبہ تمام اشعار یکساں نہ ہونگے - لطافت و رونق اور رقت و جودت میں کمی بیشی ہوگی - لیکن شاعر کی شخصیت سب میں نمایاں ہوگی ' اور وحدت شعری اس درجہ واضح ہوگی کہ ذوق سلیم فوراً فیصلہ کردیگا کہ یہ شعر فلاں کا ہے یا یہ شعر فلاں شاعر کے اسلوب پر ہے - ہمارے خیال میں یہ طرق تحقیق نا قابل شک اور فنون ادب میں یکساں طور پر قابل عمل ہے - خصوصاً شعر غنائی (گانے کے اشعار) میں اُسکی اہمیت غیر معمولی ہے - کیونکہ شعر کی یہ صنف ' نفس کا شفاف آئینہ اور جذبات کا سچا مظہر ہوتا ہے -

اس اصول کی بنا پر کیا ہم مجنوں کے اشعار میں اُس کی کوئی نمایاں شخصیت دیکھ سکتے ہیں ؟ میرا دعوی ہے کہ نہیں - اِس دعوے کے ثبوت میں بحث دراز کرنی نہیں چاہتا - میری تحقیقات کا خلاصہ مختصر لفظوں میں یہ ہے کہ مجنوں کی طرف جتنے اشعار منسوب کیے گئے ہیں ' وہ :

(۱) یا تو مشہور شعراء کے ہیں اور راویوں نے غلطی سے مجنوں کی طرف منسوب کر دیے ہیں -

(۲) یا مجہول شعراء کے ہیں اور لیلی کا ذکر دیکھکر لوگوں نے مجنوں کے سمجھہ لیے ہیں -

(۳) یا خود راویوں نے جان بوجھہ کر بنائے ہیں -

(۴) یا مغنیوں نے اپنی گرم بازاری کے لیے گڑھے ہیں اور مجنوں کے سر تھوپ دیے ہیں -

میں نے بڑی کوشش کی ' مگر ان اشعار میں کسی مشترک شخصیت کی روح نہ دیکھہ سکا -

مجنوں کے بارے میں اپنی رائے ایک اور طریقہ سے بھی ہم ثابت کر سکتے ہیں - وہ یہ کہ راوی اُس تعلق کی نوعیت بیان کرنے میں بھی بہت مختلف ہیں جو قیس بن ملوح (مجنوں) اور لیلی کے درمیان تھا -

بعض کہتے ہیں لیلی مجنوں میں بچپنے ہی سے تعارف ہوگیا تھا - دونوں بکریاں چرایا کرتے تھے - آہستہ آہستہ دل کو تعلق ہوا - یہاں تک کہ بچپنے کے اُنس نے جوانی میں عشق کی صورت اختیار کرلی - جوان ہونے پر لیلی قیس سے چھپا دی گئی تھی - اِس صدمہ نے اُسے مجنوں بنا دیا -

بعض یہ قصہ تسلیم نہیں کرتے - اُن کا دعوی ہے کہ دونوں میں بچپن سے تعارف نہیں ہوا - بلکہ اتفاق سے ایک سفر میں ملاقات ہوگئی - ایک سفر میں قیس نے چند نازنینیں دیکھیں - سلام کیا - اُنھوں نے جواب دیا اور بات چیت کے لیے بٹھا لیا - قیس سواری سے اُترا - امرء القیس کی طرح اپنی اونٹنی ذبح کرڈالی اور گوشت بھون بھون کر اُنھیں کھلانے لگا - یہاں تک کہ شام ہوگئی - شام کو ایک اور نوجوان وارد ہوا - سب لڑکیاں قیس کو چھوڑ کر اُس کی ہو رہیں - اِس پر قیس خفا ہوکر چلا گیا اور جوش میں اشعار کہے - دوسرے دن صبح پھر اُدھر گیا تو لڑکیاں موجود نہ تھیں - صرف لیلی موجود تھی - اُس نے قیس کو بلایا - قیس نے کل کی طرح پھر اپنی اونٹنی ذبح کی اور محبت کا اظہار کیا - ابتدا میں لیلی نے بے رخی دکھائی - قیس بہت غمگین ہوا - لیکن پھر لیلی کو ترس آگیا - اپنی محبت کا بھی اعتراف کرلیا -

بعض اِسے بھی تسلیم نہیں کرتے - وہ کہتے ہیں - قیس عورتوں کے صحبت کا دلدادہ تھا - لیلی ایک سرو قامت ' خوش اندام ' خوش رفتار ' نازک بدن دوشیزہ تھی - قبیلہ کے نوجوان اُس کے ہاں بیٹھتے اُٹھتے تھے - قیس نے سنا تو وہ بھی آنے جانے لگا - آخر کار دام محبت میں گرفتار ہوگیا !

اسی قسم کی اور روایتیں بھی ہیں - اِنسے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لیلی کی شخصیت بھی قیس سے کچھہ کم ما بہ النزاع نہیں ہے - ایک روایت میں اُسے بکریاں چرانے والی لڑکی بنایا ہے - دوسری میں بدوی دوشیزہ ' جو نوجوانوں کو روکتی اور اُن سے گفتگو کرنا پسند کرتی ہے - تیسری میں اُس وضع کی ایک مہذب اور نستعلیق خاتون ' جیسی بڑے بڑے اسلامی شہروں میں ہوا کرتی تھیں - کیا صرف یہی ایک اختلاف ' لیلی کی شخصیت مشتبہ کر دینے کے لیے کافی نہیں ہے ' جیسا کہ پہلا اختلاف مجنوں کی شخصیت پوری طرح مشکوک کر دیتا ہے ؟

مجنوں کے قصہ میں اور بھی اندرونی شہادتیں ایسی موجود ہیں جو میری رائے کی تائید کرتی ہیں - مثلاً یہ روایت کہ لیلی

کے باپ نے قیس کو اپني لڑکي دینے سے انکار کردیا - سبب یه بتایا که قیس اُس کي لڑکي پر عاشق ہے اور عشق طشت از بام هوچکا ہے - بعینه یهي واقعه هم دوسرے عشقیه قصوں میں بهي پاتے هیں - یه گویا اُس عهد کے عشقیه قصوں کا ایک مقبول عام انداز بیان تها - راویوں کا بیان یه ہے که عربوں میں یه رسم تهي که وه عاشق سے لڑکي کا بیاه نهیں کرتے تهے - میں نهیں جانتا یه بیان صحیح ہے یا غلط؟ عرب جاهلیة کا دستور تو اِس کے برعکس تها - گمان غالب یه ہے که راویوں نے یه دستور محض اپنے دل سے ایجاد کیا ہے تا که عشقیه قصوں میں عشاق کي محرومیوں کي ایک معقول وجه هاتهه آجاے -

یه واقعه بهي کچهه کم مضحکه انگیز نهیں که خلیفهٔ وقت نے اعلان کر دیا تها که اگر قیس، پرده میں بیٹهنے کے بعد بهي لیلیٰ سے تعرض کرے تو قتل کر ڈالا جائے - پہلے واقعه کي طرح یه واقعه بهي اکثر عشقیه قصوں میں دهرایا گیا ہے - هم بجا طور پر سوال کر سکتے هیں که کیا خلفاء کیلیے بجز اِسکے کوئی کام باقي نهیں رها
تها که بدوي عاشقوں کے معاملات محبد
کرتے رهیں؟ کبهي اُنکے قتل کا حکم دیں - کد
آخر وه کون سي شرعي بنیاد تهي جسر
کے احکام صادر کرتے تهے؟ کیا شریعت مید
برا جرم ہے که اُس کي تعزیر قتل ہے؟

اِسي طرح یه واقعه بهي ایک پر لطف
عشق میں وحشي هوگیا تها - اِیسا وحشي
کهیں جي نهیں لگتا تها - هرنوں سے موانس
و روز کا ساتهه تها - داستان گو کي مبالغه پ
نه تها - وه ایک قدم اور آگے بڑهتا ہے، ا
دن وه (راوي) قیس کي جستجو میں اُ
جسکے نیچے قیس هرنوں کے ساتهه بسید
پهنچا که نه تو قیس کو اُسکي خبر هوئي
هرنوں کو - پہلے یه سراغ رساں راوي چپکے سے
پهر اُترتا ہے اور قیس سے سوال و جواب شرو
سنتے هي بهاگ گئے - قریب تها که قیس بهِ
نے فوراً لیلیٰ کا نام لے لیا - علي بابا -
" لیلي " کے لفظ نے فوراً اپنا طلسمي اثر ا
دور هوگئي - اب وه آدمیت سے باتیں کرنے لگا - لیکن پهر اچانک ایک نازک بدن هرني نظر آگئي اور اُس کا جوش جنوں از سرنو تازه هوگیا !

یه سب راویوں کا تخیل و تصنع ہے - هم اِسے هرگز واقعه نهیں سمجهه سکتے - یه مبالغه کي ایک خاص قسم ہے - داستان گو جب معقول گفتگو کرنے سے عاجز هو جاتے هیں تو بے سر و پا باتیں شروع کر دیتے هیں - اکثر قدیم عشقیه قصوں میں یهي چیز نظر آتي ہے - دنیا کي سب سے پراني قصصي نظم الیڈ کا بهي یهي حال ہے - یوناني شعر و ادب کے مغربي نقادوں نے اِسي اسلوب پر الیڈ کي بهي تنقید کي ہے - اُسکے غیر معقول رکیک، اور مبالغه آمیز اشعار، کم زور شعراء کا الحاقي کلام قرار دیا ہے - اور معقول و دلچسپ اشعار کو ماهر شاعروں کا تخیل بتایا ہے - (یعنے اُن مغربي نقادوں نے جنهوں نے هومر کے حقیقي وجود سے انکار کیا ہے)

میرے خیال میں اِس تفصیل کے بعد اگر مجنوں کے ساتهه بهت رعایت کي جائے اور اُسے محض خیالي شخص نه قرار دیا جائے، جب بهي اُسکے مشکوک و مشتبه هونے میں تو کلام نهیں هوسکتا - بلا شبه بحث کا خاتمه شک و انکار پر ناپسندیده ہے - لیکن همیں علم و حقیقت کي خاطر کبهي کبهي اس پر مجبور هوجانا پڑتا ہے -

همارے سامنے متعدد عشقیه عربي قصے موجود هیں - یه قصے کئي باتوں میں باهم مشترک هیں اور کئي باتوں میں مختلف هیں - مثلاً یه چیز سب میں یکساں طور پر موجود ہے که ان تمام قصوں کے ابطال عشق (هیروز) بدوي هیں - سب کي محبت یکساں طور پر انتهائي قسم کي ہے - محبت نے سب کو یکساں طور پر بڑي بڑي تکلیفیں دیں - سب کي محبت پاک تهي - سب نے تقریباً ایک هي طرح اپنے جذبات کا اپنے اشعار میں اظهار کیا ہے - سب کے اشعار رقیق اور تقریباً ایک هي درجه کے هیں - سب کے واقعات، مصائب، طرز عمل، اور خلفاء و حکام کي مداخلت کي نوعیت بهي یکساں ہے - اختلاف صرف اُن کے ناموں میں ہے، اُن کے قبائل میں ہے، یا
میں انهوں نے پرورش پائي تهي -
مجنوں) کے انکار اور قیس بن ذریح
نک کرنے کے بعد همیں اُن کي جگه
ي چیزیں قائم کرني چاهئیں، ورنه بحث
لب کے بعد اثبات و ایجاب ناگزیر ہے - میري
، قیس بن ذریح، جمیل بن معمر، اور عروه
لفظوں میں صرف ایک چیز ثابت و موجود
کے قصص عشقیه کا فن اور مذهب (اسکول)
، عهد اموي میں ظاهر هوچکا تها، یا کم سے
دیں پڑچکي تهیں - آهسته آهسته اِس میں
هاں تک که ایک مستقل فن بن کر موجوده
سي کے قریب قریب پهنچ گیا -
شاف کے بعد مجهے اس کي کوئي پروا نهیں
شخصیت تاریخي ہے یا غیر تاریخي؟ میرے
موجود هیں: قصهٔ قیس بن ملوح، قصهٔ
میل بن معمر ... وغیره - اب میري بحث
جنهیں متمدن تخیل نے پیدا کیا ہے، نه
اشخاص تلاش کرنے چاهئیں جنهوں نے
یه قصے بنائے - [illegible] وه عشاق جن کے حالات یه قصے بیان کرتے هیں - مجهے قصه نویسوں کي اختراعي قابلیت اور نظم و نثر میں اُن کي مهارت فني سے بحث کرني ہے - مجهے اُس ادبي فن پر غور کرنا چاهیے جو ادب و علوم کي دوسري شاخوں کي طرح، اسلام سے پہلے عرب میں نا پید تها، اور اسلامي تمدن کے گهواره میں پیدا هوگیا -

بلا شبه میں جانتا هوں، اِس بحث کي راه میں سخت موانع در پیش هیں - یهي ایک مانع کیا کم ہے که ان قصوں کے مصنفوں کے نام معلوم نهیں - تاهم همیں چاهیے که ادب عربي کي خصوصیات و کمالات کي تحقیق و کشف کے لیے اس دشوار گزار وادي میں قدم اٹهائیں، اور اِن قصوں کا ادبي تجزیه و تحلیل کرکے اُن کا عیب و هنر الگ الگ دکهادیں - همیں چاهیے که عهد اموي کے اُن ادبي، اخلاقي، سیاسي، اجتماعي، اسباب کا سراغ لگائیں جنهوں نے ان قصوں کے لیے پہلے پهل زمین طیار کي، اور پهر ان اسباب کي بهي جستجو کریں جنسے عهد عباسي میں یه تمام عمارتیں منهدم هوگئیں -

قسطنطنیه میں : سنه ١٨٧٠



پیرس میں : سنه ١٨٨٣



مشرق کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں

قائدین فکر :

سید جمال الدین اسد آبادی

" تقریباً دو ماہ گزرے ہیں کہ ایک شخص سید جمال الدین نامی سے میری ملاقات ہوئی - اس شخص کی شخصیت کا میرے دماغ پر جو اثر پڑا ' وہ ایسا ہے جو بہت کم شخصیتیں مجھ پر ڈال سکی ہیں - یہ اثر بہت قوی اور گہرا تھا ' اور اسی کا نتیجہ ہے کہ مجھے خیال ہوا ' سوربون یونیورسٹی کے خطبات کا موضوع یہ قرار دوں کہ " اسلام اور اُس کا علم سے علاقہ " سید جمال الدین کی ذہنیت ایک ایسی ذہنیت ہے جو رسمی اسلام کے موثرات کی پوری طرح مقاومت کرسکتی ہے - میں جب اِس شخص سے باتیں کر رہا تھا ' تو اُس کے افکار کی آزادی ' طبیعت کی فضیلت ' اور اظہار حقیقت کی جرأت دیکھکر مجھے خیال ہوا ' میں اِس وقت اُن مشاہیر عالم میں سے کسی ایک کو مخاطب کر رہا ہوں جو دنیا کے گزشتہ علمی زمانوں میں گزر چکے ہیں اور جن سے تاریخ کے ذریعہ ہم نے واقفیت حاصل کی ہے - میں گویا ابن سینا ' ابن رشد ' یا اُن حکماء عظام میں سے کسی حکیم کو اپنے سامنے دیکھہ رہا تھا جنھوں نے فکر انسانی کو جہل و اوہام کے قیود سے نجات دلانے کیلیے تاریخ عالم کی پانچ صدیوں تک اپنی شجاعانہ جد وجہد جاری رکھی تھی " ! (فیلسوف رینان)

(سید جمال الدین)

انیسویں صدی کی تاریخ مشرق نے اصلاح و تجدد کی جس قدر شخصیتیں پیدا کی ہیں ' اُن میں کوئی شخصیت بھی وقت کی علم پیداوار سے اس قدر مختلف اور اپنی طبعی ذہانت اور غیر اکتسابی قوتوں میں غیر معمولی نہیں ہے ' جس قدر سید جمال الدین کی شخصیت ہے -



کلکتہ میں : سنه ١٨٧٩

بغیر کسی تامل کے کہا جا سکتا ہے کہ مشرق جدید کے رجال تاریخ اور قائدین فکر کی صف میں اُس کی شخصیت کئی اعتبار سے اپنا سہیم و شریک نہیں رکھتی !

وہ ایک گمنام اور مجہول ماحول میں پیدا ہوا - ایسے مجہول ماحول میں کہ آج تک یہ بات بھی قطعی طور پر معلوم نہ ہوسکی کہ وہ فی الحقیقت باشندہ کہاں کا تھا ؟ اسعدآباد کا جو ہرات کے قریب اور افغانستان میں واقع ہے ' یا اسدآباد کا جو ہمدان کے قریب اور ایران میں واقع ہے ؟

اُس کے وطن کی طرح اُس کی ابتدائی زندگی کے حالات پر بھی ظن و تخمین کے پردے پڑے ہوئے ہیں - تاہم یہ قطعی ہے کہ تعلیم و تربیت کا اسے کوئی موقع ایسا نہیں ملا تھا جو کسی اعتبار سے بھی ممتاز اور قابل ذکر ہو - انیسویں صدی کے کامل تنزل یافتہ افغانستان اور پنجاب کے علماء اپنے گھروں اور مسجدوں میں علوم رسمیہ کی جیسی کچھہ تعلیم دیا کرتے تھے ' زیادہ سے زیادہ تعلیم جو اُس نے حاصل کی تھی ' وہ وہی تھی - جن اُستادوں سے اُس نے تعلیم حاصل کی ' وہ بھی یقیناً معمولی درجہ کے تھے - اُن میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کی علمی شخصیت قابل ذکر ہو -

٣٠ - برس کی عمر میں مصر کا پہلا سفر : سنه ١٨٦٩

دنیا کے نئے تمدنی انقلاب اور نئے علوم سے آشنا ہونے کا بھی اُسے کوئی خاص موقع حاصل نہیں ہوا تھا - اُس کا ابتدائی زمانہ زیادہ تر افغانستان میں بسر ہوا ' یا ایک روایت کے مطابق ایران میں ' اور یہ دونوں مقامات اُس وقت مغربی تمدن و علوم کی تعلیم و تعلم کا کوئی سامان نہیں رکھتے تھے -



بصرہ میں بہ لباس عربی سنه ١٨٨٩

خوار بچه چهوڑ گیا - جب بچه جوان هوا اور اپني ماں سے اپنے باپ کا حال سنا تو سخت غضب ناک هوا اور تمهارے ملک پر ٹوٹ پڑا - اُس نے بے حساب مخلوق قتل کی - جب غصه ٹهنڈا هوا تو اُس نے مغلوبوں کو اس وضع کے اختیار کرنے پر مجبور کردیا جو آج کل تمهاري وضع هے ! " راوي کا اِس قصه سے مقصود یه تها که همارې وضع ذلت کي وضع هے ' اور اُنهي کے ایک بادشاہ نے همیں اُس کے اختیار کرنے پر مجبور کیا هے ! میں نے یه افسانه سن کر اُن کے بادشاہ کا شکریه ادا کیا که معامله اِتنے هي پر ختم هوگیا اور اُس " فاتح " نے همیں هندو بننے اور هندو رسم و رواج اختیار کرنے پر مجبور نهیں کیا !

(۴) مسلمانوں کا حمله — منافرت کي بڑي وجه ' هندوستان پر مسلمانوں کا حمله هے - یمین الدوله سلطان محمود غزنوي کي جنگوں نے انهیں بهت هي سخت نقصان پهنچایا - اُن کي آبادیاں برباد هوگئیں - انهیں منتشر و پراگنده کردیا گیا - اُن کي صرف سلطنت هي نهیں گئي ' بلکه مفتوحه علاقوں سے اُن کے علوم و فنون بهي مٹ گئے ' اور ایسے دور دراز خطوں میں جلا وطن هوگئے ' جهاں تک رسائي مشکل هے - مثلاً کشمیر اور بانارسي (بنارس) وغیره - (بنارس کو دور اس لیے کہا هے که یه پنجاب اور وسط هند سے دور ' مشرق کي طرف هٹا هوا هے)

یهي دیني اور سیاسي اسباب هیں جن کي بنا پر هندؤں میں مسلمانوں اور تمام اجنبیوں سے سخت نفرت و عداوت پیدا هوگئي هے -

(۵) پهر اُنکے اخلاق میں ایک اور بات بهي راسخ هوگئي هے اور کسي طرح نکل نهیں سکتي - یه اُن کے انتهائي علمي و ذهني تنزل کا نتیجه هے - وه یقین کرتے هیں که دنیا صرف اُنهي کي دنیا هے - انسان صرف اُنهي کي سرزمین پر موجود هیں - بادشاہ صرف اُنهي کے بادشاہ هیں - دین صرف اُنهي کا دین هے - اور علم صرف اُنهي کا علم هے - یهي وجه هے که نهایت مغرور اور بر خود غلط هوگئے هیں - اگر اُنسے علماء عرب و عجم کا ذکر کیاجاتا هے تو مخاطب کو جاهل خیال کرتے اور اُسکي تصدیق پر هرگز آماده نهیں هوتے هیں - حالانکه اگر وه سیر و سیاحت کے عادي هوتے اور اپنے پهاڑي حدود طے کرکے غیر قوموں سے ملتے ' تو یه جاهلانه و طفلانه خیال اُنمیں پیدا نه هوتا -

لیکن یاد رهے که اُن کے پیش روؤں کا یه حال نه تها - اُنکا مشهور فاضل " براهمهر " برهمنوں کي تعظیم کے بیان میں کهتا هے " جب یونانیوں نے باوجود ناپاک هونے کے علوم و فنون میں کمال حاصل کیا اور سب پر بازي لے گئے ' تو اُنکي بهي تعظیم واجب هوگئي - اُن کا درجه بهي برهمن کا درجه هوگیا " !

خود میري حالت یه هوئي که مدت تک اُنکے منجموں کے سامنے زانوے شاگردي ته کرتا رها - کیونکه میں اُنکي زبان اور اُنکے طریقوں سے بے خبر تها - لیکن جب کچهه اُن کي زبان میں دخل پیدا هوگیا تو میں اُنهیں اپنے یهاں کے علوم کي بنا پر اشیاء کي علتوں اور حساب و ریاضي کے براهین سمجهانے لگا - اسپر وه سخت متعجب هوتے اور استفاده میں باهم پیش قدمي کرنے لگے - بڑي حیرت سے پوچهتے تهے : " هندوستان کے کن کن علماء کو تم نے دیکها هے ؟ کن کن سے فائده اُٹهایا هے ؟ " کیونکه اُنکے خیال میں علم ' هندوستان کے سوا کهیں هے هي نهیں - جب میں نے اُن سے کها که میں پهلي مرتبه اُن سے ملا هوں اور جو کچهه کهه رها هوں ' یه دنیا کے دوسرے حصوں کے علوم هیں ' تو وه اور زیاده متعجب هوے ' اور بعضوں نے تو مجهے جادوگر سمجهنا شروع کر دیا "



قدیم یونانی ادب کا ایک نمونه

(بلیٹس کا گیت)

(فرانسیسي ترجمے سے اردو میں منتقل کیا گیا)

(میري سهیلي کي شادي)

راستے میں ایک گلاب کے پهول بکهرے پڑے هیں - شمعیں بهي ٹمٹما رهي هیں ... ...

یه میري سهیلي " ملیسا " کي شادي کي رات کا واقعه هے - میں اپني ماں کے ساتهه گهر لوٹي - اس وقت میرے سر میں خیالات کا هجوم تها :

" آج میري سهیلي کو جو بات نصیب هوئي هے ' کل مجهے بهي نصیب هوگي " میں خیال کرنے لگي " میں بهي ایسے هي شاندار جلوس میں نکلوں گي - میري راه بهي پهولوں سے لدي هوگي ' زیتون کي شاخیں اُسپر سایه کیے هونگي ' بانسریاں بجتي هونگي ' اور میري سهیلیوں کي میٹهي آوازیں سریلي بانسریوں میں مل جائنگي - میں بهي ایک دن اپنے بر کے پهلو میں " ملیسا " کي طرح نگاهیں نیچي کیے بیٹهونگي - مجهپر وه عجیب راز کهل جائینگے جو یه موقعه اپنے دامن میں چهپائے هوئے هے ... اسکے بعد ؟ ...... یه که میں اپنے بچوں کو اپني دوده بهري چهاتیوں سے لگاؤں گي -

(راز)

... دوسرے دن میں اپني سهیلي سے ملنے گئي - اُنهیں ملتے هي دونوں کے رخسار سرخ هوگئے - وه مجهے اپنے کمرے میں لے گئي اب هم بالکل اکیلے تهے - مجهے اس سے بهت سي باتیں کهني تهیں - مگر اُسکي صورت دیکهتے هي کچهه یاد نه رها !

میري سهیلي جیسي همیشه سے تهي ' ویسي هي اب بهي هے - کوئي فرق اس میں نظر نهیں آیا - لیکن یه عجیب بات هے که میں اُس سے کچهه مرعوب سي تهي - میں اُس سے آنکه نهیں ملا سکتي تهي -

اچانک میرا ڈر دور هوگیا - میں اُسکے زانو پر بیٹهه گئي - اُسکے کان میں سب باتیں کهدیں - اُس نے بهي اپنا سر میرے سر پر رکهدیا اور پورا راز کهه ڈالا !

(بانسري)

" لیکاسي " نے خوبصورت بانسري مجهے هدیه دي - وه مجهے بانسري بجانا سکهانے لگا ......

میرے دل میں اُس وقت کوئی عجیب اور نا معلوم اثر پیدا هو رہا تھا - لیکاسی نے بانسری میرے هاتھ سے نرمی کے ساتھ لے لی اور بہت هی دھیمی آواز میں ایک راگ سنایا - میرا دل زور سے دھڑکنے لگا - ......

همارے پاس کہنے کو کوئی بات نہ تھی - هم باری باری بانسری بجا کر دل بہلاتے رہے -

هم بالکل بے خودی کے عالم میں تھے - اچانک مینڈک چلانے لگے - اب هم چونکے - رات قریب آ پہنچی -

مجھے بہت دیر هوگئی ہے - لیکن میں اپنی ماں کو یقین دلانے کی کوشش کرونگی کہ میں اِس وقت تک اپنی کھوئی هوی بکری ڈھونڈھ رهی تھی !

(جھونپڑا)

میرا چھوٹا سا جھونپڑا ' جہاں همارا نرم بستر رکھا ہے ؟ مجھے سب سے زیادہ پسند ہے - وہ مجھے اس لیے پسند ہے کہ هم نے اسی میں اپنی سب سے اچھی راتیں بسر کی هیں !

همارا بستر ' درختوں کے پتوں اور پھولوں سے بنا ہے - وہ بھی مجھے بہت محبوب ہے ' کیونکہ وہ هم دونوں کو جمع کرتا ہے !

میں کبھی کبھی بہت غمگین هو جاتی هوں - لیکن جب محبت کے پہلو میں هوتی هوں ؛ تو اپنے آپ کو بھی بھول جاتی هوں - مجھپر ایک طرح کی غشی سی طاری هو جاتی ہے -

(قسم)

" اُس " نے کہا :

" جب دریا کا پانی اُبل کر برف آلود پہاڑوں کی چوٹیاں چھپادے "

" جب انسان' سمندر کی موجوں پر گیہوں اور جو بوکر کاٹنے لگے "

" جب سورج کی روشنی ' تاریکی هوجائے "

" جب چاند گر کر چور چور هو جائے "

" تو اُس وقت میرے لیے بھی روا هوگا کہ تجھسے منھہ موڑلوں ' اور تجھے بھی حق هوگا کہ مجھے بالکل بھلا دے ! اے بلیٹس ! اے میری محبت ! "

(رات)

جب رات آجاتی ہے اور اندھیرا پھیل جاتا ہے' تو میں خاموشی کے ساتھ گھر سے نکل جاتی هوں - هرے بھرے میدانوں میں پہنچتی هوں - میرا شوهر وهاں بے خبر پڑا سوتا ہے

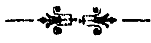
کبھی میں گھنٹوں کھڑی اُسے دیکھتی رهتی هوں - بالکل چپ ' سناٹے میں ...... میں اُسے اپنے قریب تنہا دیکھکر خوش هوتی هوں - پھر میں اپنا منہ اُسکے منہ سے قریب کرتی هوں - کیوں ؟ اسلیے کہ اُسکی سانس لے لوں !

اُس وقت ستاروں کی چمکیلی آنکھوں کے سوا همیں کوئی نہیں دیکھتا !

صبح هو جاتی ہے

" اتنی جلدی روشنی لوٹ آئی ! " میں اپنے دل سے کہتی هوں کس جگہ روشنی نہیں پہنچ سکتی ؟ اس غار میں سورج کی شعاع کبھی دکھائی نہیں دیتی ؟ مجھے اُسی تلاش ہے - تاکہ همارا استغراق محبت کبھی ختم نہ هو ... همیشہ کیلیے ! سورج کی کرنیں همیں پریشان کرنے نہ پائیں -

اقتباسات



ترازکی اور بد مستی

کون ہے جس نے مشہور روسی رهنما اور لینن کے بعد سب سے زیادہ حیرت انگیز روسی انسان " ترازکی " کا نام نہیں سنا ؟ یہ شخص جس نے اپنی انتظامی اور جنگی قابلیتوں کا لوها دشمن تک سے منوا لیا ہے ' انقلاب روس سے پہلے امریکہ میں ایک معمولی درجہ کا بے وقعت اخبار نویس تھا اور شہر بوسٹن میں غریبانہ زندگی بسر کرتا تھا - اُسی زمانہ کا یہ واقعہ اب اخباروں میں شایع هوا ہے کہ ایک دن ترازکی کو شہر کے کوتوال نے اِس جرم میں گرفتار کرلیا کہ وہ سڑکوں پر بدمست پھر رہا تھا - چنانچہ ۲۴ گھنٹہ قید میں رکھا گیا -

اُس وقت کوتوال کو کیا معلوم تھا کہ اُسکا یہی قیدی عنقریب دنیا کے مشہور انسانوں میں شمار کیا جائیگا ؟ (السیاسہ)

(هنسی)

مشہور فرانسیسی مصنف زیبلے کہتا ہے :

" هنسی ' انسان کا ایک امتیازی وصف ہے "

یہ قول بالکل صحیح ہے - بہت سے قدیم فلاسفہ بھی یہی کہہ چکے هیں - هنسی اور مسکراهٹ ' دو الگ الگ چیزیں هیں - هنسی کی بھی کئی قسمیں هیں : گونجنے والی هنسی ' خشک هنسی ' کھوکھلی هنسی ...

هنسی کا خاصہ انسان میں بے فائدہ نہیں ہے - هنسی میں بہت سے جسمانی فوائد هیں - دل کھولکر هنسنے کے بعد انسان کو سانس لینے میں بہت آرام محسوس هوتا ہے - کیونکہ جس طرح دوڑنے کے بعد پھیپھڑونکی هوا صاف هوجاتی ہے ' اُسی طرح هنسنے کے بعد اسکی حالت هوتی ہے - پھر هنسی کا اعضاء هضم یعنی معدہ و جگر وغیرہ پر بھی بہت اچھا اثر پڑتا ہے - پیٹ بھر کے کھانے کے بعد هنسی غیر معمولی سرعت سے کھانا هضم هونے میں مدد دیتی ہے - اسی لئے دستر خوان پر هنسنے هنسانے والی باتیں کرنا مستحسن ہے' اور اسی لیے تنہا بیٹھہ کر کھانا ناپسند کیا جاتا ہے ' کیونکہ اس کا نتیجہ بسا اوقات یہ هوتا ہے کہ انسان ضعف معدہ یا دائمی قبض میں مبتلا هو جاتا ہے - لقمہ منھہ میں لیکر هنسنا نہیں چاهیے ' ورنہ آلات تنفس میں لقمہ کے اجزاء اٹک جانے کا اندیشہ ہے - اگر کبھی ایسی صورت پیش آ جائے تو پیٹھہ پر زور سے گھونسا نہیں مارنا چاهیے ' کیونکہ یہ سخت خطرناک ہے -

هنسی پورے نظام عصبی کے لیے مفید ہے - جب انسان هر خوشی کے موقعہ پر هنسنے کا عادی هو جاتا ہے تو اُسے هر مرتبہ هنسنے میں خوشی حاصل هونے لگتی ہے - البتہ بلا وجہ هنسنا حماقت ہے -

لیکن آخر هم هنستے کیوں هیں ؟ جو باتیں ایک شخص کو هنساتی هیں ' بسا اوقات دوسرے کو نہیں هنساتیں - اس کا جواب مشکل ہے !

(سنڈے ریویو)



جامع الشواہد

طبع ثانی

مولنا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شایع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھی۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رُو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کیجا سکتی ہی؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہی؟

۱۹۱۹ء میں جسقدر نسخے چھپے تھے، مدرسہ اسلامیہ رانچی کو دے دئے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہوگئے۔ اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہی۔ ۱۲ (مینیجر الہلال کلکتہ)

بریدِ فرنگ

ریاست ہائے متحدہ امریکہ

بین الاقوامی سیاست سے علحدگی

۲ دسمبر ۱۸۲۳ء میں یعنی ایسے ایک سو چار برس پہلے ولایات متحدہ آمریکہ کے پانچویں صدر جیمس مونرو نے آمریکہ کی مجلس حکومت (سینٹ) کے سامنے ایک تقریر کی تھی۔ یہ تقریر بعد میں تاریخی تقریر بن گئی اور اسنے عظیم الشان سیاسی نتایج پیدا کئے۔ اس تقریر میں پریسیڈنٹ نے امریکہ کی خارجی حکمت عملی کے لئے ایک اصول پیش کیا تھا جو بعد میں "مذہب مونرو" کے نام سے مشہور ہوا۔ اس اصول کا منشا یہ تھا کہ "آمریکہ کو اپنے معاملات خود ہی طے کرنے چاہئیں اور کسی بیرونی سلطنت کو اُن میں مداخلت کا موقعہ نہیں دینا چاہئے"۔ مقصود اس سے یہ تھا کہ براعظم امریکہ تمام دوسرے براعظموں سے الگ تھلگ رہ کر اپنے لئے ایک مخصوص اور مستقل سیاسی دنیا پیدا کرلے۔

چونکہ ولایات متحدہ آمریکہ اپنے براعظم میں سب سے زیادہ آباد، بالدار اور طاقتور جمہوریت ہے، اس لئے دوسرے براعظموں سے الگ تھلگ ہوجانے کی وجہ سے اُسے آمریکہ کے تمام دوسری جمہوریتوں پر ایک طرح کی فوقیت یا وصایت (منڈیٹ) حاصل ہوگئی ہے اور اسی اصول پر عمل کرتے ہوئے متعدد موقعوں پر وہ دوسری جمہوریتوں کے معاملات میں مداخلت بھی کرچکی ہے۔ چنانچہ ۱۸۶۷ء میں جب فرانس اور مکسیکو میں نزاع ہوئی، اور پھر جب ۱۸۹۸ء میں اسپین اور کوبا کا معاملہ پیش آیا، تو ولایات متحدہ نے اسی اصل کی بنا پر عملاً مداخلت کی۔ مونرو سے پہلے صدر واشنگٹن نے بھی اپنے ہموطنوں کو یہی نصیحت کی تھی کہ یورپی سلطنتوں سے اس طرح کے معاہدات نہ کریں جن سے امریکہ کی بین الاقوامی سیاست سے علحدگی کی حالت میں خلل پیدا ہونے کا امکان ہو۔

یہی وہ قاعدہ تھا جس کی بنا پر عالمگیر جنگ کے بعد مجلس صلح کے موقعہ پر آمریکہ میں سخت اختلاف آراء پیدا ہوگیا۔ ڈاکٹر ولسن اور اُنکے ہم خیالوں کی رائے تھی کہ اب آمریکہ کو گوشۂ تنہائی سے نکلکر دنیا کی بین الاقوامی سیاست میں حصہ لینا چاہئے۔ لیکن مذکورہ بالا قاعدہ کے معتقد اس کے مخالف تھے۔ وہ کہتے تھے آمریکہ کو بدستور بین الاقوامی سیاست سے علحدہ رہنا چاہئے۔ بالآخر دوسری جماعت ہی فتح حاصل ہوئی کیونکہ آمریکہ کی عام رائے اُنہی کے حق میں تھی ڈاکٹر ولسن کو اپنی شکست کا اعتراف کرلینا پڑا۔

بلاشبہ اس اختلاف میں ڈاکٹر ولسن کو شکست ہوئی اور پرانا قاعدہ بدستور برقرار رہا۔ لیکن یہ سوال بہرحال ہمیشہ معرض بحث میں رہے گا کہ آخر آمریکہ کب تک دنیا کے سیاست سے علحدہ رہیگا؟ بلکہ یوں کہنا چاہئے حوادث کا سیلاب اُسے کبتک اُسکی جگہ پر چھوڑے رکھے گا؟ ظاہر ہے، جنگ کے بعد دنیا کے سیاسی اور اقتصادی حالات میں انقلاب عظیم ہوگیا ہے، آمریکہ کی تجارت بھی بیحد وسیع ہوگئی ہے، ایسی حالت میں کیونکر ممکن ہے کہ مذہب مونرو کے حامی زیادہ عرصہ تک اپنی استقامت رائے قائم رکھ سکیں،

امریکی صدر جمہوریت

ولایات متحدہ آمریکہ کا نظام حکومت، انگلستان اور فرانس وغیرہ ممالک کے نظام سے بہت مختلف ہے۔ دنیا میں کسی صدر جمہوریت کو اتنے اختیارات حاصل نہیں ہیں جتنے آمریکی صدر جمہوریت کو ہیں۔ بادشاہ انگلستان اور صدر جمہوریۂ فرانس قریب قریب جملہ اختیارات سے محروم ہیں۔ لیکن آمریکہ کے صدر کے ہاتھ میں وسیع اختیارات ہوتے ہیں خصوصاً جنگ یا دوسرے نازک موقعوں پر اُسے تقریباً مطلق العنان حاکم کی حیثیت از روئے قانون حاصل ہوجاتی ہے۔

دنیا کی دوسری حکومتوں کی طرح آمریکہ میں وزیر اعظم کا عہدہ نہیں ہے۔ صدر جمہوریت ہی اپنے مددگاروں کی مجلس کا رئیس ہوتا ہے لیکن ان مددگاروں کو مجلس حکومت (سینٹ) اور مجلس خواص میں بیٹھنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ صدر آمریکہ اور صدر فرانس میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ آخر الذکر کا انتخاب، عوام اور خواص کی دونوں مجلسیں یکجا ہوکر کرتی ہیں۔ لیکن امریکی صدر کا انتخاب اس طرح ہوتا ہے کہ ہر ریاست خاص اس غرض کے لئے اپنے نمائندے مقرر کردیتی ہے۔ یہ نمائندے اپنی اپنی ریاستوں کے صدر مقام میں جمع ہوتے ہیں اور صدر جمہوریت کے لئے کسی شخص کا انتخاب کرتے ہیں۔ تمام ولایتوں کے سربمہر اصوات (ووٹس) پایۂ تخت واشنگٹن بھیجدئے جاتے ہیں۔ پھر واشنگٹن کی دونوں مجلسیں جمع ہوکر ان اصوات کا شمار کرتی ہیں اور ۴ سال کے لئے صدر جمہوریت کا اعلان کردیتی ہیں۔

صدر جمہوریت آمریکہ کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ اُس کی عمر کم سے کم ۳۵ سال کی ہو، اُسنے کم سے کم ۱۴ برس آمریکہ میں گذارے ہوں اور اس ملک کا مستقل باشندہ ہو۔ صدر جمہوریۂ فرانس کے برخلاف آمریکہ کے صدر کا ایک نائب بھی ہوتا ہے۔ اور اپنی مدت کے دوران میں صدر کے فوت ہوجانے، یا مستعفی ہوجانے یا اپنے فرائض نہ ادا کرسکنے کی حالت میں نائب صدر اُس کی جگہ کام کرتا ہے اور صدر کا نیا انتخاب نہیں ہوتا۔ صدر کی موجودگی میں نائب صدر کا کام صرف اس قدر ہوتا ہے کہ وہ مجلس خواص کی صدارت کرتا ہے۔

ولایات متحدہ

جمہوریہ آمریکہ ۴۸ ریاستوں سے مرکب ہے ہر ریاست میں دو مجلسیں ہیں انکا کام اندرون ریاست میں قانون بنانا اور حکومت کرنا ہے لیکن تمام ریاستوں کے مشترک اور عام معاملات نیز خارجی سیاست، جمہوریت کے مرکزی مقام واشنگٹن کی دونوں مجلسوں کے ہاتھ میں ہوتے ہیں مجلس عوام کے ممبروں کی تعداد ۴۳۵ ہوتی ہے جو ہر دو برس میں ایک مرتبہ منتخب ہوتے ہیں۔ مجلس خواص میں ۹۶ ممبر ہوتے ہیں۔ یعنی ہر ریاست کی طرف سے عام اس سے کہ اُس کی آبادی کم ہو یا زیادہ، دو دو نمائندے ہوتے ہیں۔ ان کی مدت ۶ سال ہوتی ہے مگر ہر دو سال بعد ان میں سے ایک تہائی کا انتخاب ازسرنو ہوا کرتا ہے اور اس طرح ۶ سال کے اندر نئی مجلس پیدا ہوجاتی ہے۔ مجلس خواص صدر جمہوریت کے ساتھ معاہدے منظور کرنے میں شریک ہوتی ہے۔ بغیر اُس کی منظوری کے کوئی معاہدہ جائز نہیں ہوسکتا۔

آمریکہ کے بیرونی مقبوضات

ایک طرف جمہوریۂ آمریکہ، دول یورپ کو آمریکہ کے معاملات میں مداخلت کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ دوسری طرف خود بھی ملک گیری کی حکمت عملی پر عمل پیرا ہے اور براعظم امریکہ کے باہر بھی نوآبادیاں رکھتی ہے!

(۱) جزیرۂ کوبا کا شمار اگرچہ ماتحت ممالک میں نہیں ہے لیکن عملاً آمریکہ ہی کی اُسپر حکومت ہے۔ اس جزیرہ کی آبادی ۲۹،۰۰،۰۰۰ ہے

(۲) الاسکا ایک وسیع علاقہ ہے مگر آبادی ۵۵،۰۰۰ سے زیادہ نہیں ہے۔ اسمیں شکار کے جانور اور قیمتی کانیں بہت ہیں۔

(۳) پورٹریکو۔ اس کی آبادی ۱۲،۳۰،۰۰۰ ہے، یہاں قہوہ، تمباکو اور شکر کی پیداوار بہت ہے۔

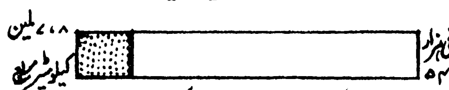
(۴) جزائر ہاوائی۔ آبادی ۲۵۵،۰۰۰۔ اکثر باشندے زرد رنگ کے ہیں، قہوہ، چاول، اور کیلا بہت پیدا ہوتا ہے۔

(۵) جزائر فلپائن وسیع علاقہ ہے۔ آبادی ایک کرور ہے۔

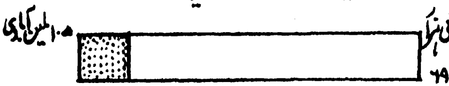
امریکہ اور باقی دنیا کا مقابلہ

ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا کہ کرۂ ارض میں مختلف حیثیتوں سے آمریکہ کا درجہ کیا ہے:

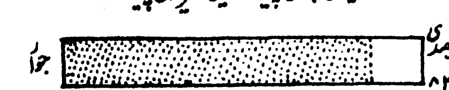
دنیا کے مجموعی رقبہ میں امریکہ کا رقبہ



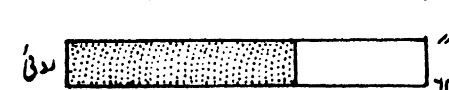
دنیا کی مجموعی آبادی میں آمریکہ کی آبادی

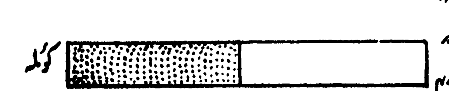


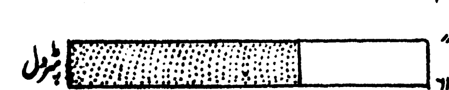
دنیا کی مجموعی پیداوار میں آمریکہ کی پیداوار

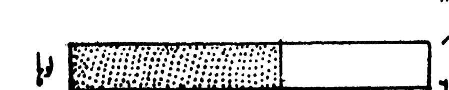
















آمریکہ کے بڑے بڑے قرضے دول یورپ پر علاوہ سود کے حسب ذیل ہیں

انگلستان پر	۴۴۶	ملین (ایک ملین ۱۰ لاکھ)	ڈالر (تقریباً ۳ روپیہ)
فرانس	"	۳۸۴۴	"	"
اٹلی	"	۱۹۳۲	"	"
بلجیم	"	۴۳۷	"	"
روس	"	۲۳۲	"	"
پولینڈ	"	۱۴۳	"	"
جوگوسلاویا	"	۱۰۶	"	"

امریکہ میں الحاد کی مقبولیت

الحادی انجمنوں کی دعوت و تبلیغ

اسوقت آمریکہ میں سب سے زیادہ طاقتور اور مقبول دعوت، الحاد اور ترک ادیان کی دعوت ہے۔ ملحدانہ خیالات دنیا میں قدیم زمانوں سے موجود ہیں اور دنیا کے نئے علمی دور نے مذہبی عقائد کا قدیم رسوخ متزلزل کردیا ہے، تاہم اسوقت تک کسی ملک میں بھی الحاد عوام میں مقبولیت حاصل نہ کرسکا، اور عامۃ الناس کا میلان مذہب ہی کی طرف رہا مگر اب آمریکہ میں الحاد ایک عام پسند دعوت کی حیثیت اختیار کررہا ہے اور روز بروز اُس کی جماعتیں زیادہ قوت و رواج حاصل کررہی ہیں۔ آمریکہ کے کالج اور یونیورسٹیاں اس دعوت کی اشاعت و تبلیغ کا سب سے بڑا میدان ہیں۔ انہی میدانوں میں قوم کے دل و دماغ طیار ہوتے ہیں، اور اگر یہ الحاد کی اشاعت و تبلیغ کا مرکز بن گئے ہیں، تو ظاہر ہے کہ آمریکی دل و دماغ کا سانچا اب مذہب کا نہیں بلکہ الحاد کا سانچا ہے!

مشہور امریکی اخبار "ورلڈ"، نے اس ملحدانہ تحریک کی تحقیقات کے لئے اپنا ایک خاص نمائندہ مقرر کیا تھا۔ اسنے ۱۸ مہینے دورہ کرکے اپنا مفصل بیان شائع کردیا ہے۔ ہم اس بیان کے بعض اہم نقاط پر نظر ڈالیں گے۔

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ دہریت عام کرنے کے لئے ایک نہایت طاقتور انجمن موجود ہے۔ یہ انجمن اسوقت تک ۲۰ کالجوں اور تین یونیورسٹیوں میں اپنی باقاعدہ شاخیں قائم کرچکی ہے۔ نیز آمریکی جنگی بیڑہ کے افسروں اور سپاہیوں میں بھی اُسنے بہت اثر پیدا کرلیا ہے۔ آمریکہ کے بیشمار اساتذہ انجمن کے ممبر ہیں اور اُس کے مقاصد پھیلا رہے ہیں۔

سب سے پہلے جس یونیورسٹی نے علانیہ الحاد کو اپنا مذہب قرار دیا، وہ صوبہ نیویارک کی روچیسٹر یونیورسٹی ہے۔ اسنے باضابطہ طور پر انجمن الحاد کی رکنیت قبول کرلی ہے اور اپنے دائرے میں اُس کی شاخ قائم کردی ہے۔ اس شاخ کا نام عجیب ہے "ملعون ارواح والوں کی انجمن" اس نام نے بڑی مقبولیت حاصل کی۔ اب تمام الحادی مدارس کے طالب علموں نے یہی نام اختیار کرلیا ہے۔ اسی قسم کے کئی اور نام بھی مختلف شاخوں نے تجویز کئے ہیں۔ مثلاً نیویارک کی ایک الحادی کمیٹی کا نام ہے "اُن لوگوں کی انجمن جن کا کوئی خدا نہیں ہے" فیلاڈلفیا کی ایک انجمن کا نام "سیاہ بھیڑوں کی انجمن" ہے۔ ایک اور شاخ "شیطان کے فرشتوں" کے نام سے مشہور ہے۔ ایک انجمن "دائرۂ کفار" کہلاتی ہے۔ ایک دوسری جماعت اپنے آپ کو "ملعون روحوں کی جماعت" کہتی ہے، اور اس کے صدر کا لقب "اعلیٰ حضرت شیطنت پناہ!" ہے!

انجمن الحاد حسب ذیل اصول کی تبلیغ کرتی ہے:

۱۔ عقل کے سوا کوئی خدا نہیں۔
۲۔ آسمانی کتابوں میں جتنے قصے مذکور ہیں، محض بے بنیاد افسانے ہیں۔
۳۔ جنت، دوزخ کا کوئی وجود نہیں۔
۴۔ دین، طبیعت سے ماوراء امور کی پرستش کا نام ہے، اور ایسے امور کا کوئی وجود نہیں۔ اس لئے اُسے مٹا دینا چاہیے۔
۵۔ کلیسا کا نظام، دنیا کے لئے خطرہ ہے۔

حکومت سے اُس کے مطالبے حسب ذیل ہیں:

۱۔ تمام گرجوں پر بلاکسی امتیاز کے محصول مقرر کرنا چاہیے۔
۲۔ سرکاری عہدوں پر اور مجلس خواص اور مجلس عوام میں جتنے بھی پادری ہیں، سب نکال دئے جائیں۔
۳۔ مذہبی انجمنوں کو کوئی مالی مدد نہ دی جائے۔
۴۔ تمام مدارس میں دینی تعلیم ممنوع قرار دی جائے۔
۵۔ ہر قسم کے دینی رسوم اور تہوار موقوف کردئے جائیں۔
۶۔ تورات و انجیل کی قسم ناجائز قرار دی جائے۔
۷۔ اتوار کو مذہبی دن تسلیم نہ کیا جائے۔
۸۔ وہ تمام دینی فرائض و شعائر منسوخ کردئے جائیں، جنھیں دینی فضائل و حسنات خیال کیا جاتا ہے۔ اُن کی جگہ صحیح آداب اور آزادی و مساوات کے اصول عام کئے جائیں۔
۹۔ امریکی سکے پر سے یہ عبارت محو کردی جائے "خدا پر میرا توکل ہے"

اخبار "ورلڈ" کے خاص نمائندے نے اپنی تحقیقات کے دوران میں ان لوگوں سے ملاقاتیں کیں جو اس دعوت کے رہنما ہیں۔ انجمن الحاد کے ناظم مسٹر ہوپوڈ نے اپنی گفتگو میں کہا:

"ہم جانتے ہیں کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طالب علموں میں ایک بہت بڑی جماعت ہے جو الحاد قبول کرچکی ہے مگر خوف سے اعلان نہیں کرتی۔ خاموشی اور سکون سے اپنے دائرے میں اُس کی تبلیغ و اشاعت کررہی ہے"

ایک اور بڑے ملحد نے کہا

"خدا پر ایمان، اب ایک فرسودہ عقیدہ ہے اور موجودہ متمدن روح کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ جن کتابوں کو آسمانی کتابیں خیال کیا جاتا ہے خرافات و قصص سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ اگر ہم ان کتابوں پر عمل کرینگے تو اپنے ہاتھوں اپنی قدر کھودیں گے اور اپنی خوشی سے پاگلوں کے زمرے میں داخل ہوجائینگے۔ مزید برآں، ان نام نہاد آسمانی کتابوں میں ایسے فحش قصے درج ہیں جنھیں کوئی با اخلاق آدمی پڑھنا گوارا نہیں کرسکتا (موجودہ تورات کے بعض مضامین کی طرف اشارہ ہے) موجودہ علم، دین کی بیخ کنی کررہا ہے۔ علماء وقت، جدید ترین علمی افکار کی اشاعت کرکے تحریک الحاد کی عظیم خدمت انجام دے رہے ہیں۔ انجمن الحاد نے حال میں چند سوالات شائع کئے تھے۔ انکے جوابوں سے معلوم ہوا کہ ۷۰ فیصدی علماء عصر، ملحد ہیں، یا کم از کم لاادری ہیں۔ اُن کی تعلیم کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ خدا، روح، اور ابدیت کے اعتقاد سے انکار کیا جائے"

انڈیانا یونیورسٹی سے ایک رسالہ "واگا بونڈ" نام شائع ہوتا ہے یہ اس درسگاہ کے ملحد طالب علموں کا ترجمان افکار ہے۔ اسکے محرر نے پچھلی اشاعت میں اپنے دستخط سے ایک مضمون "میں ملحد کیوں ہوں؟" کی سرخی سے شائع کیا ہے۔ اسمیں وہ لکھتا ہے:

"خدا کا عقیدہ بھی فیشن کا حکم رکھتا ہے۔ آج ایک عقیدہ مقبول ہوتا ہے، کل دوسرا اُس کی جگہ لے لیتا ہے۔ ایک زمانہ میں "زفس" کا نام یونان میں آدمیوں کے دل ہلا ڈالتا تھا۔ یہ یونان کا سب سے بڑا معبود تھا۔ اسی طرح "جوبیٹر" (مشتری) کے سامنے رومانیوں کے سر ہیبت و اجلال سے خم ہوجاتے تھے لیکن آج دنیا ان ناموں پر ہنستی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے کہ تاریخ اپنا اعادہ کرتی رہتی ہے تو ہمیں یقین کرنا چاہیے کہ وہ زمانہ دور نہیں جب "یہواہ" (عبرانی میں خدا کا نام) بھی اپنی تمام عظمت کھوکر مضحکہ بن جائے گا!"

یہ تحریک صرف مردوں ہی میں نہیں بلکہ عورتوں میں بھی عام ہورہی ہے۔ متعدد الحادی انجمنوں کی صدر، عورتیں ہیں۔ چنانچہ مینوپولیا کی انجمن کی صدر مس کرسٹن واکر ہے۔ اس کی عمر ۱۸ برس کی ہے۔ تین سال پہلے بہت سخت مذہبی تھی، لیکن اب سرگرم ملحد ہے۔ اسی طرح مغربی صوبوں میں ایک سترہ برس کی دوشیزہ اس تحریک کی قائد ہے۔ اس کا نام کوئن سلور ہے۔ اسی نام سے وہ ایک رسالہ بھی نکالتی ہے۔ یہ رسالہ الحاد کی تبلیغ میں بہت پیش پیش ہے۔ اس کا قول ہے "جو شخص بھی خدا پر یقین رکھتا ہے، ضرور ہے کہ اُس کے عقلی قوا میں خلل ہو!"

آمریکہ کے سیاسی مدبر اس الحادی طوفان سے سخت خائف ہیں اور اس کی مقاومت کی تدبیروں پر غور کررہے ہیں۔

ترکی قالین

ترکی کے قالین دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ پچھلے چند سال سے یونانی تاجروں نے یہ پروپیگنڈا جاری کررکھا ہے کہ قالین بافی کی صنعت ٹرکی کے یونانیوں کے ہاتھ میں تھی وہ جب سے جلا وطن کردئے گئے ہیں، یہ صنعت بھی ٹرکی سے یونان میں چلی گئی ہے۔ اس پروپیگنڈا نے بالآخر ترکی حکومت کی توجہ اپنی طرف منعطف کی۔ چنانچہ اُسنے اس بارے میں ایک بیان شائع کیا ہے۔

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ علاقہ سمرنا میں (جو اس صنعت کا مرکز ہے) جنگ سے پہلے ۲۹۰۸ کارخانے قالین سازی کے تھے۔ اُن میں ۲۰۵۲۰ ترک، اور ۲۷۵۰ یونانی اور ارمنی کاریگر کام کرتے تھے۔ یعنی اُسوقت بھی ترک کاریگروں کی تعداد یونانیوں اور ارمنوں کی تعداد سے تقریباً نگنی تھی۔

ان دونوں قوموں کے اخراج کے بعد اس صنعت کا کیا حال ہوا؟ کیا وہ باقی نہیں رہی جیسا کہ یونانی کہتے ہیں؟

نہیں۔ کیونکہ اس سرکاری بیان میں مذکور ہے کہ باوجود جنگ کی بربادیوں کے یہ صنعت برابر ترقی کرتی رہی۔ سنہ ۱۹۲۶ء میں ۱۱۳۰۵ کارخانے تھے جن میں اسوقت ۳۰۹۴۰ ترک کاریگر کام کررہے ہیں جنگ سے پہلے ۹۹۰۶۸۰ ہاتھ مربع قالین ہر سال بنتے تھے لیکن سنہ ۱۹۲۶ء میں اُن کی مقدار ۱۱۸۴۹۲۴ ہاتھ مربع تک پہنچ گئی۔ اس سے ٹرکی کی صنعتی ترقی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

خدیو عباس کے مقدمہ کا فیصلہ

قسطنطنیہ میں کسی شخص کو بھی شبہ نہ تھا کہ خدیو عباس اپنے مقدمہ میں کامیاب ہونگے۔ لیکن افسوس ہے کہ عدالت کا فیصلہ اُنکے خلاف صادر ہوا: "موجودہ عدالت کو اس دعوے پر غور کرنے کا کوئی حق نہیں ہے"، ججوں کا متفقہ فیصلہ یہ ہے۔ یعنی عدالت نے انگریزی وکیل کی منطق تسلیم کرلی، اور اپنے آپ کو ایسے مقدمات کے فیصلہ کا مختار نہیں سمجھا۔ عدالت نے مدعی سے مدعا علیہ کو ۵۰۰ ترکی پونڈ مصارف مقدمہ بھی دلائے ہیں!

اس فیصلہ پر ٹرکی کے اخبارات سخت برہم ہیں اور اسے صریح ناانصافی پر محمول کررہے ہیں۔ اس فیصلہ نے ایک نئی تحریک پیدا کردی ہے، اخبارات زور دے رہے ہیں کہ اس قسم کی مخلوط عدالتیں آئندہ قطعی

بصائر و حکم

انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں!

امیر معاویہ بن ابی سفیان

امیر معاویہؓ بن ابی سفیان کی شخصیت تعارف سے بے نیاز ہے عرب کا عزم، حزم، عقل، تدبر، پُورے تناسب سے اِس دماغ میں جمع ہوگیا تھا۔ عربی کتب ادب و تاریخ اُن کی تدبر و سیاست کے واقعات سے لبریز ہیں۔ تقریبًا پُوری زندگی امارت و حکومت میں بسر ہوئی۔ اور ہمیشہ اُن کی سیاست کامیاب رہی وہ اُس عہد کے ایک پُورے سیاسی آدمی تھے۔

ایک عجیب عزم

جب مرض نے خطرناک صورت اختیار کرلی اور لوگوں میں اُنکی موت کے چرچے ہونے لگے، تو امیر معاویہؓ کو فتنہ و فساد کا اندیشہ پیدا ہوا۔ ولی عہد، یزید، (جسے جبرًا بزور شمشیر ولی عہد منوایا گیا تھا) دارالخلافہ سے دُور تھا اور ابتری پیدا ہوجانے کا قوی احتمال تھا۔ اُنھوں نے فورًا اپنے تیمارداروں سے کہا:

"میری آنکھوں میں خوب سُرمہ لگادو۔ سر میں تیل ڈالو"

حکم کی تعمیل کی گئی، سرمہ اور روغن نے بیمار چہرے میں تازگی پیدا کردی۔

پھر اُنھوں نے حکم دیا:

"میرا بچھونا اونچا کردو۔ مجھے بٹھادو۔ میرے پیچھے تکئے لگادو"

اِس حکم کی بھی تعمیل کی گئی۔

پھر کہا:

"لوگوں کو حاضری کی اجازت دو۔ سب آئیں اور کھڑے کھڑے سلام کرکے رخصت ہوجائیں۔ کوئی بیٹھنے نہ پائے"

لوگ اندر آنا شروع ہوئے۔ جب وہ سلام کرکے باہر جاتے تو آپس میں کہتے "کون کہتا ہے خلیفہ مر رہے ہیں؟ وہ تو نہایت ترو تازہ اور تندرست ہیں!"

جب سب لوگ چلے گئے تو امیر معاویہ نے یہ شعر پڑھا:

وتجلدی للشامتین اریھم ۔۔۔ انی لریب الدھر لا اتضعضع

شماتت کرنے والوں کے سامنے اپنی کمزوری ظاہر ہونے نہیں دیتا میں اُنھیں ہمیشہ یہی دکھاتا ہوں کہ زمانہ کی مصائب مجھے مغلوب نہیں کرسکتیں۔ (طبری ج ٦)

دُنیا کی بے ثباتی

دورانِ علالت میں قریش کی ایک جماعت، عیادت کو آئی۔ امیر معاویہ نے اس کے سامنے دُنیا کی بے ثباتی کا نقشہ اِن لفظوں میں کھینچا: "دنیا! آہ دنیا! اِس کے سوا کچھ نہیں جسے ہم اچھی طرح دیکھ چکے ہیں اور جس کا خوب تجربہ کرچکے ہیں۔ خدا کی قسم، ہم اپنی جوانی کے عالم میں دُنیا کی بہار کی طرف دَوڑے، اور اُس کے سب مزے لُوٹے مگر ہمنے دیکھ لیا کہ دنیا نے جلد پلٹا کھایا۔ بالکل کایا پلٹ کردی۔ ایک ایک کرکے تمام گرہیں کھول ڈالیں۔ پھر کیا ہوا؟ دُنیا نے ہم سے بیوفائی کی۔ ہماری جوانی چھین لی۔ ہمیں بوڑھا بنادیا۔ آہ، یہ دُنیا کتنی خراب جگہ ہے؟ یہ دُنیا کیسا بُرا مقام ہے؟"

(احیاء علوم الدین جلد ۴)

آخری خطبہ

امیر معاویہ نے اپنی بیماری میں آخری خطبہ یہ دیا:

"اے لوگو! میں اُس کھیتی کی بالی ہوں جو کٹ چکی ہے۔ مجھے تم پر حکومت ملی تھی۔ میرے بعد جتنے حاکم آئیں گے، مجھ سے بُرے ہونگے ٹھیک اُسی طرح، جیسے اگلے حکام مجھ سے اچھے تھے۔

(احیاء ج ۴)

حسرت

جب وقت آخر ہوا تو کہا، مجھے بٹھادو۔ چنانچہ بٹھادیئے گئے۔ دیر تک ذکر الٰہی میں مصروف رہے۔ پھر رونے لگے اور کہا:

"معاویہ! اپنے رب کو اب یاد کرتا ہے جبکہ بڑھاپے نے کسی کام کا نہیں رکھا اور جسم کی چولیں ڈھیلی ہوگئیں۔ اُسوقت کیوں نہ یہ خیال آیا جب شباب کی ڈالی ترو تازہ اور ہری بھری تھی؟

پھر چلّا کر روئے اور دعا کی:

"اے رب! سخت دل، گنہگار، بوڑھے پر رحم کر! الٰہی! اُس کی ٹھوکریں معاف کردے! اُس کے گناہ بخش دے! اپنے وسیع حلم کو اُس شخص کے شامل حال کر جسنے تیرے سوا کسی سے اُمید نہیں کی، تیرے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کیا!"

(احیاء ج ۴)

بیٹیوں سے خطاب

تیمارداری اُن کی دونوں لڑکیاں کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ اُنہیں کروٹ بدلانے لگیں تو اُنھیں بغور دیکھ کر کہا: تم ایک ڈانواں ڈول وجود کو کروٹیں بدلوا رہی ہو۔ اُسنے دُنیا بھر کے خزانے جمع کرلئے لیکن کاش وہ دوزخ میں نہ ڈالا جائے۔ پھر یہ شعر پڑھا:

لقد سعیت لکم من سعی ذی نصب ۔۔۔ وقد کفیتکم التطواف والرحلا

میں نے تمھارے لئے بہت سخت محنت سے کوشش کی اور تمھیں دربدر ٹھوکریں کھانے سے بے پرواہ کردیا۔ (طبری)

اپنی فیاضی کی یاد

وفات سے کچھ پہلے اشہب بن رمیلہ کے یہ شعر پڑھے جو اُسنے قیام کی مدح میں کہے تھے:

اذا مت، مات الجود وانقطع الندی ۔۔۔ من الناس الا من قلیل مصرد

تیری موت کے ساتھ سخاوت اور فیاضی بھی مرجائیگی۔

وردت اکف السائلین وامسکوا ۔۔۔ من الدین والدنیا بخلف مجدد

سائلوں کے ہاتھ لوٹا دیئے جائینگے اور دین اور دُنیا کی محرومیاں اُن کے انتظار میں ہوں گی۔

یہ سُن کر اُن کی لڑکیاں چلا اُٹھیں "ہرگز نہیں، امیر المومنین! خدا آپ کو سلامت رکھے!"

اُنھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف یہ شعر پڑھ دیا:

واذا المنیۃ انشبت اظفارھا ۔۔۔ الفیت کل تمیمۃ لا تنفع

جب موت اپنے ناخن گاڑدیتی ہے تو کوئی تعویذ بھی نفع نہیں پہنچاتا

نصیحت

پھر بیہوش ہوگئے۔ تھوڑی دیر بعد آنکھ کھولی اور اپنے عزیزوں کو پاس دیکھ کر کہا:

"اللہ عزوجل سے ڈرتے رہنا۔ کیونکہ جو ڈرتا ہے، خدا اُس کی حفاظت کرتا ہے۔ اُس شخص کے لئے کوئی پناہ نہیں جو خدا سے بے خوف ہے"

(طبری)

یزید کی آمد

امیر معاویہؓ کی نازک حالت سے، قاصد کے ذریعہ، ولی عہد (یزید) کو مطلع کیا گیا۔ وہ فورًا روانہ ہوا۔ پہنچتے پہنچتے حالت اور بھی ابتر ہو چکی تھی۔ یزید جب پہونچا تو سکرات موت کی حالت شروع ہوچکی تھی اسنے باپ کو پکارا مگر وہ بول نہ سکے۔ یزید رونے لگا اور یہ شعر پڑھے:

لو عاش حی علی الدنیا لعاش اما ۔۔۔ م الناس لا عاجز ولا وکل

اگر کوئی آدمی بھی دنیا میں ہمیشہ زندہ رہتا تو بلاشک آدمیوں کا امام زندہ رہتا، وہ نہ عاجز ہے، نہ کمزور ہے۔

الحول القلب والاریب ولن ۔۔۔ یدفع وقت المنیۃ الحیل

وہ بڑا ہی عاقل و مدبر و فہیم ہے۔ لیکن موت کے وقت کوئی تدبیر بھی کام نہیں آتی۔

یزید سے خطاب

معاویہ نے یہ سُنکر آنکھیں کھول دیں اور کہا:

"اے فرزند! مجھے جس بات پر خدا سے سب سے زیادہ خوف ہے، وہ تجھ سے میرا برتاؤ ہے۔ جان پدر! ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلعم کے ساتھ سفر میں تھا۔ جب آپ ضروریات سے فارغ ہوتے یا وضو کرتے تو میں دست مبارک پر پانی ڈالتا۔ آپنے میرا کُرتا دیکھا، وہ مونڈھے پر سے پھٹ گیا تھا۔ فرمایا "معاویہ! تجھے کُرتا پہنا دوں؟" میں نے عرض کیا "میں آپ پر قربان! ضرور" چنانچہ آپنے کرتا عنایت کردیا مگر میں نے ایک مرتبہ سے زیادہ نہیں پہنا۔ وہ اب تک میرے پاس موجود ہے۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بال ترشوائے۔ میں نے تھوڑے سے بال اور کترے ہوئے ناخن اُٹھالئے تھے۔ وہ بھی آجتک میرے پاس شیشی میں رکھے ہیں۔ دیکھ، جب مرجاؤں تو غسل کے بعد یہ بال اور ناخن میری آنکھوں کے حلقوں اور نتھنوں میں رکھ دینا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کُرتا بچھاکر مجھے اُسپر لٹانا اور کفن پہنانا۔ اگر مجھے کسی چیز سے نفع پہنچ سکتا ہے تو وہ یہی ہے"

(استیعاب - عقد الفرید)

سکرات موت

سکرات کے عالم میں یہ شعر زبان پر جاری تھا:

فہل من خالد اما ہلکنا ۔۔۔ وہل بالموت یا للناس عار

اگر ہم مرجائینگے تو کیا کوئی بھی ہمیشہ زندہ رہیگا۔ کیا موت کسی کے لئے کوئی عیب ہی؟

(استیعاب)

وفات

مین وفات کے وقت یہ شعر پڑھے:

الالیتنی لم اُغن فی الملک ساعۃ ولم اکُ فی اللذات اُعشی النواظر

کاش میں نے کبھی سلطنت نہ کی ہوتی! کاش لذتیں حاصل کرنے میں میں اندھا نہ ہوتا!

وکنت کذی طِمرَین عاش ببلغۃ لیالی حتی زار ضنک المقابر

کاش میں اُس فقیر کی طرح ہوتا جو تھوڑے پر زندہ رہتا ہی!

(عقد الفرید)

یزید کا مرثیہ

یزید نے مرثیہ کے یہ شعر کہے تھے:

جاء البرید بقرطاس یخب بہ فاوجس القلب من قرطاسہ فزعا

قاصد خط لئے دوڑا ہوا آیا، تو قلب خوف زدہ ہوگیا۔

قلنا لک الویل ماذا فی کتابکم قالوا الخلیفۃ امسی مثبتا وجعا

ہم نے کہا تیری ہلاکت! خط میں کیا ہی؟ کہنے لگا خلیفہ سخت بیماری اور تکلیف میں ہی۔

فمادت الارض او کادت تمید بنا کأن اغبر من ارکانہا انقلعا

قریب تھا زمین ہمیں لیکر جھک جاتی۔ گویا اُس کا کوئی ستون اکھڑ گیا ہی

اودی ابن ہند واودی المجد یتبعہ کانا جمیعا فظلا یسریان معا

ہند کا لڑکا (معاویہ) مرگیا اور عزت بھی مرگئی۔ دونوں ہمیشہ ساتھ رہتے تھے اب بھی دونوں ساتھ چلے جارہے ہیں۔

لا یرفع الناس ما اوہی وان جہدوا ان یرفعوہ ولا یوہون ما رفعا

جو گر رہا ہے اُسے آدمی لاکھ کوشش کریں اُٹھا نہیں سکتے اور جو اُٹھ رہا ہے اُسے لاکھ چاہیں گرا نہیں سکتے۔

اغر ابلج یستسقی الغمام بہ لو قارع الناس عن احلامہم قرعا

مبارک وخوبصورت جس کے واسطے سے باران رحمت طلب کیا جاتا ہی۔ اگر لوگوں کی عقلوں کا امتحان ہو تو وہ سب پر بازی لے جائیگا۔

(استیعاب۔ طبری)

یزید کا خطبہ

تین دن یزید گھر سے نہیں نکلا۔ پھر مسجد میں آیا اور حسب ذیل خطبہ دیا:

"تمام ستائش اُس خدا کے لئے ہی جو اپنی مشیت کے مطابق عمل کرتا ہے۔ جسے چاہتا ہی، دیتا ہے۔ جسے چاہتا ہی محروم کردیتا ہی کسی کو عزت دیتا ہی، کسی کو ذلت دیتا ہی۔ لوگو! معاویہ، خدا کی رسیوں میں سے ایک رسی تھا۔ جب تک خدانے چاہا اُسے دراز کیا پھر اُسے اپنی مشیت سے کاٹ ڈالا۔ معاویہ اپنے پیش روں سے کم تر اور بعد والوں سے بہتر تھا۔ میں اُسے پاک ثابت کرنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ اب وہ اپنے رب کے پاس پہنچ گیا ہی! اگر اُس سے درگزر کرے تو یہ اُس کی رحمت ہی اگر اُسے عذاب دے تو یہ اُس کے گناہ کا عذاب ہوگا۔ میں اُس کے بعد برسر حکومت آیا ہوں۔ نہ سرکش ہوں نہ کمزور ہوں۔ جلد بازی نہ کرو۔ اگر خدا کوئی بات ناپسند کرتا ہی، بدل ڈالتا ہی۔ اگر پسند کرتا ہی تو آسان کردیتا ہی"



برید شرق

مکتوب آستانہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

ایشیائے کوچک اور یورپ کا اتصال۔ ٹرکی میں اشاعت اسلام۔ ۲۳ جولائی کی عید۔ ترکی موسیقی یا مغربی موسیقی؟۔ غازی مصطفے کمال کا سفر آدنہ۔ درہ دانیال کی قلعہ بندی

ایشیا اور یورپ کا اتصال

غازی مصطفے کمال پاشا کا سفر آستانہ، محض تفریح کے لئے نہ تھا بلکہ وہ برابر اہم مسائل کے حل میں مصروف رہی۔ ایک ضروری مسئلہ یہ بھی تھا کہ یورپین ٹرکی کو ایشیائے کوچک سے متصل کردیا جائے۔ چنانچہ اس بارے میں دو تجویزیں زیر غور ہیں۔ ایک یہ کہ باسفورس پر ایک عظیم معلق پُل تعمیر کیا جائے۔ یہ پُل اُسی طرح کا ہوگا جیسا بروکلین کا پُل ہی، جو اس جزیرے کو نیویارک سے متصل کرتا ہی۔ دوسری تجویز یہ ہی کہ باسفورس کے نیچے سرنگ کھودی جائے اور اُس میں تیلی ریلوے جاری ہو۔ مبصرین کا رجحان اسی آخری تجویز کی طرف ہی۔ ترکی میزانیہ میں اس غرض کے لئے ایک رقم موجود ہی۔ مگر وہ ناکافی ہے۔ خیال کیا جاتا ہی کسی جرمن کمپنی کو اس کا ٹھیکہ دیا جائے گا۔ جب یہ پُل یا زمیں دوز ریل جاری ہوجائے گی تو ایشیائے کوچک سے یورپین ٹرکی بالکل متصل ہوجائے گا اور نقل وحرکت میں بڑی سہولت ہوجائے گی۔

ٹرکی میں اشاعت اسلام

ادہر کچھ مدت سے اُن لوگوں کے لئے دقتیں پیش آرہی تھیں، جو دین اسلام قبول کرنا چاہتے تھے، کیونکہ جدید قانون مدنی کے اعلان کے بعد وہ قواعد منسوخ ہوگئے ہیں جو اس بارے میں پہلے جاری تھی۔ پہلے دستور یہ تھا کہ جب کوئی غیر مسلم اسلام قبول کرنا چاہتا تھا تو حاکم کے سامنے درخواست پیش کرتا تھا۔ حاکم اُس کے اصلی دین کے پیشوا کو طلب کرتا، اور پیشوائے دین اپنے اس ہم مذہب کو جس قدر سمجھا بجھا سکتا تھا، سمجھاتا بجھاتا۔ اگر وہ اُس کی نصیحت قبول کرلیتا، تو اپنے سابق دین پر برقرار رہتا۔ ورنہ مسلمان قاضی کو بلایا جاتا اور وہ اُسے کلمۂ اسلام کی تلقین کرکے مسلمان بنالیتا۔

لیکن اب جدید قانون نے یہ سب رسمیں موقوف کردی ہیں۔ اب اسلام لانے کے لئے صرف اس قدر کرنا پڑتا ہی کہ مفتی کے سامنے اپنی درخواست پیش کردیتا ہی اور وہ اسلام کے اصول وتعلیمات واضح کرکے اُسے مسلمان بنالیتا ہی۔

یہاں کے اخبارات کا بیان ہی کہ نومسلموں کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی ہی۔

۲۳ رجولائی کی عید

تمام ترکی قوم نے ۲۳ رجولائی کو بڑے جوش وخروش سے عید منائی۔ یہ عید در اصل اُس تاریخی دن کی یادگار ہی جسمیں قوم نے سلطان عبدالحمید کی مطلق العنان حکومت کو "دستورہ" یا "مشروطیت" (کانسٹیٹیوشن) پر مجبور کیا تھا۔ یہ واقعہ ۲۳ رجولائی ۱۹۰۸ء میں پیش آیا تھا۔ اگرچہ اب اعلان جمہوریت کے بعد یہ دستور بھی منسوخ ہوگیا ہی، لیکن چونکہ یہ دن، دور جدید کا سنگ بنیاد ہی، اس لئے ترکی قوم اُبتک اُسے ایک قومی ووطنی عید کی طرح مناتی ہی۔

ترکی موسیقی یا مغربی موسیقی؟

یہاں ایک مدت سے یہ بحث چھڑی ہوئی تھی کہ ترکی موسیقی باقی رہے یا اُس کی جگہ مغربی موسیقی قبول کرلی جائے؟ یورپین موسیقی کے حامی کہتے تھے کہ ترکی موسیقی، ناقص ہی۔ اتنی ناقص کہ ۵ آدمی بھی ایک ساتھ ہوکر کوئی راگ پوری طرح ادا نہیں کرسکتے۔ ترکی موسیقی کے حامی کہتے تھے کہ بلاشبہ ترکی موسیقی میں ترقی کی بہت گنجائش ہی مگر وہ ناقص نہیں ہی۔ اس بحث نے بالآخر مقابلہ کی صورت اختیار کرلی اور کل ترکی موسیقی کے ۱۲۰ ماہر اپنا فن دکھانے کے لئے جمع ہوئے۔

آپکے قارئین غالباً اس واقعہ سے واقف ہونگے کہ ایک زمانہ میں ترکی موسیقی ترقی یافتہ موسیقی تھی۔ ترک اس فن کے اُستاد تسلیم کئے جاتے تھے۔ اُنھوں نے اس میں بہت سی ایجادیں کی تھیں اب تک اُن کی بعض ایجادیں مغربی موسیقی میں موجود ہیں۔ یہی باعث ہے کہ وہ اب تک اپنی موسیقی پر ناز کرتے اور اس سے دست بردار ہونے پر طیار نہیں ہیں (یورپ کے مورخین نے اعتراف کیا ہی کہ موجودہ قسم کا فوجی باجہ اور فوجی راگ سب سے پہلے ترکوں ہی نے ایجاد کیا۔ الہلال)

چنانچہ کل کے یادگار جلسے میں بے شمار مخلوق جمع تھی۔ جلسہ کا افتتاح، موسیقی کے مشہور پروفیسر، رؤف یکتابک نے اپنی تقریر سے کیا۔ اُنھوں نے کہا:

"ترکی موسیقی کو یورپین موسیقی پر نمایاں امتیاز حاصل ہی لیکن چونکہ ہمارے مخالف اس فن شریف سے بے بہرہ ہیں اس لئے میں فنی دلائل کی جگہ شہرۂ آفاق فرانسیسی ماہر فن، سن سانس کا قول پیش کرتا ہوں۔ اس اُستاد نے لکھا ہی "جس موسیقی کو ہم حقارت کے ساتھ مشرقی موسیقی کہتے ہیں، وہ مغربی موسیقی سے بہت بلند اور ممتاز ہی!"

اس کے بعد ۱۲۰ ترکی اُستادوں نے اپنے اسلاف مثلاً بکر اِبلیلی سید نوح، شیخ ذکائی وغیرہ کے راگ ایک ساتھ گائے، اور اس

خوبی سے ادا کئے کہ سب کو تسلیم کرلینا پڑا کہ ترکی موسیقی، عظیم صلاحیت رکھتی ہے۔

غازی مصطفےٰ کمال کا سفر ادرنہ

مشہور ترکی تاریخی شہر ادرنہ کے ایک وفد نے آکر غازی مصطفےٰ کمال پاشا کو اپنے شہر میں آنے کی دعوت دی۔ موصوف نے دعوت منظور کرلی۔ خیال کیا جاتا ہے اس سلسلہ میں وہ تھریس کے اہم شہروں کا بھی معائنہ کریں گے۔

درہ دانیال کی قلعہ بندی

اخبارات کا بیان ہے کہ مصطفےٰ کمال پاشا نے آستانہ میں پہنچ کر جنگی اور ملکی افسروں اور ماہروں کے ساتھ اُن تدابیر پر بھی غور کیا ہے جن سے مستقبل میں قسطنطنیہ کی حفاظت بھی ہوجائے اور وہ آزاد تجارتی بندرگاہ بھی باقی رہے۔ چنانچہ طے پایا ہے کہ امریکہ سے ایک قرض حاصل کیا جائے اور اس روپیہ سے درہ دانیال، اور باسفورس کی پورے طور پر قلعہ بندی کردی جائے۔ ناظرین کو معلوم ہے کہ معاہدہ لوزان میں اس بارے میں بعض پابندیاں موجود ہیں۔ مگر اب بظاہر ترک اُن پابندیوں کی پرواہ کرنا نہیں چاہتے۔

اطلاع ضروری

الہلال میں لاہور کی "الہلال بک ایجنسی" کا اشتہار شائع ہو رہا ہے۔ اور اُس کا پتہ صاف درج ہے لیکن بعض حضرات صرف الہلال کا نام دیکھ کر درخواست الہلال کے دفتر میں بھیجدیتے ہیں اور بلاضرورت خط وکتابت کرنی پڑتی ہے۔

اس "الہلال بک ایجنسی" سے رسالہ الہلال کلکتہ کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ لاہور کی ایک بک ایجنسی ہے۔ اور اسی کا پورا پتہ اُس کے اشتہار کے نیچے درج ہے۔

مکتوب حجاز

اصلاح و ترقی کا اعلان اور عالم امید و بیم!

ذیل میں ہم اپنے مقالہ نگار مقیم جدہ کا مکتوب ترجمہ و اختصار کے بعد درج کرتے ہیں۔ انھوں نے وعدہ کیا ہے کہ آیندہ مسلسل مقالات بھیجتے رہیں گے۔ مقالہ نگار نے جس احتیاط اور اعتدال نظر کے ساتھ حالات حجاز پر نظر ڈالی ہے، ہم اُس کا اعتراف کرتے ہیں، مگر ہمیں خوف ہے کہ بحالت موجودہ اُنھوں نے حکومت کی بیان کردہ "اصلاحات" سے جو امیدیں قائم کی ہیں وہ قبل از وقت ثابت ہوں گی اس راہ میں سب سے پہلی چیز اہل، کارداں، اور مخلص کارکنوں کا وجود ہے اور جہاں تک ہماری معلومات ہے، ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ حکومت حجاز اُن سے یکقلم تہی دست ہے۔ خود مقالہ نگار بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔

ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا

امید و بیم

حجاز کی موجودہ حالت، ہر اعتبار سے، امید و بیم کے متضاد اثرات کی ایک مرکب تصویر ہے!

ایک طرف امید کی شعاعیں چمکنا شروع ہوگئی ہیں تاکہ صدیوں کی تاریکی کا مقابلہ کریں۔ دوسری طرف مایوسی کی ظلمت اتنی شدید و وسیع ہے کہ نہیں کہا جاسکتا مستقبل قریب میں ہمیں روشنی کی تابناکی کا انتظار کرنا چاہئے، یا ظلمت کے احاطہ و فتح مندی کا؟

ایک طرف سلطان ابن سعود کی شخصیت اور اُس کی سطوت و طاقت کا ظہور ہے جسنے تھوڑے ہی عرصہ کے اندر ملک میں امن قائم کردیا، تمام سرکش جماعتیں قابو میں آگئیں، نظم و اصلاح کے لئے زمین طیار ہوگئی، اور اگر حکومت کے مزاج میں صلاحیت اور اعضاء حکومت میں کاردانی ہو، تو بہت جلد سرزمین حجاز کا ایک نیا دور شروع ہوسکتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی دوسری طرف نظر اُٹھائیے تو حکومت کا مزاج غیر صالح، کارداں اشخاص تقریباً ناپید، اصحاب اغراض کا ہر طرف سے ہجوم، مخلص و مغرض میں امتیاز مسدود، اور اہل و غیر اہل کے لئے کوئی معیار نہیں ہے۔ سلطان صحرائے نکلکر حجاز آئے ہیں اور آتے ہی ایک منظم و متمدن حکومت کی از سر نو تخلیق کی مہم پیش آگئی ہے۔ ارادے پیدا ہوتے ہیں، مگر وجود میں نہیں آسکتے۔ ہمت اُٹھتی ہے، مگر قدم نہیں اُٹھا سکتی۔ کام اہم اور مشکلات سے لبریز ہے۔ ضرورت صلاحیت، صبر، استقامت، اور انتظار کی ہے، لیکن اوپر سے لے کر نیچے تک ہر وجود نفع عاجل کا شیفتہ ہے، اور اس لئے کوئی صحیح اور دیرپا قدم اُٹھ نہیں سکتا۔

اصلاحات کا اعلان

لیکن حال میں مجلس شوریٰ کے قیام اور بعض ارکان حکومت کے تغیر و تبدل سے طلبگاران اصلاح کو جو نئی اُمیدیں دلائی گئی ہیں وہ ضرور قابل توجہ ہیں، اور ضروری ہے کہ اُن کا اعتراف کیا جائے ممکن ہے کہ اُن کی موجودہ صورت و حالت آپکی نظروں میں زیادہ وقعت حاصل نہ کرسکے، لیکن اہل حجاز کے لئے جو صدیوں سے "اصلاح" اور "قانون و ادارہ" کے معانی سے ناآشنا ہوچکے ہیں، یہ یقیناً ایک اُمید افزا اقدام ہے۔

سلطان کی تقریریں

مجلس شوریٰ کے افتتاح کے لئے "جیاد" میں ایک شاندار جلسہ ہوا تھا۔ سلطان نے اس موقعہ پر دو تقریریں کیں: ایک عام حاضرین کو مخاطب کرکے۔ دوسری مجلس شوریٰ کے ممبروں کے سامنے۔ پہلی تقریر کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

"میں مکہ کے باشندوں کو اس اجتماع کا مقصد بتانا چاہتا ہوں۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ یہاں کے باشندے ہم سے (یعنے اہل نجد سے) زیادہ سے زیادہ اختلاط رکھیں اور زیادہ سے زیادہ میل جول بڑھائیں اس اختلاط کے فوائد بے شمار ہیں۔ یہی فائدہ کیا کم ہے کہ ہم میں باہم محبت و اخوت مستحکم ہوگی اور اُن سازشیوں کی تمام کوششیں ایگاں جائیں گی جو ہمارے تعلقات خراب کرنے کے لئے ہر وقت مستعد رہتے ہیں۔

"راعی اور رعیت کی دُوری اور بے تعلقی، خود غرضوں کے لئے میدان کشادہ کردیتی ہے۔ وہ بڑی آسانی سے حق کو باطل اور باطل کو حق کی صورت میں پیش کرنے کا موقعہ پاجاتے ہیں۔ اگر راعی اور رعیت میں نزدیکی نہیں ہے تو ظاہر ہے، ہر خود غرض جب چاہے، حکام کو گمراہ کردے سکتا ہے۔ حاکم ہرگز حقیقت حال سے واقف نہیں ہوسکتا اور بلاقصد رعایا کے لئے مصیبت پیدا کردے سکتا ہے۔ لیکن اگر حاکم و محکوم میں تعارف و تقارب کے رشتے موجود ہوں، تو خود غرض لوگ حکام کو دھوکا دینے سے ڈرینگے۔ مبادا اُن کی بدنیتی اور دروغگوئی طشت از بام ہوجائے"

"آج کے اجتماع سے یہی غرض ہے کہ ہمارے اور باشندوں کے درمیان زیادہ سے زیادہ قربت و اختلاط قائم ہوجائے۔ ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہمارے اور عام مخلوق کے درمیان ہرگز کوئی پردہ نہیں ہے۔ ہمارے محل کا دروازہ ہمیشہ ہر انسان کے لئے کھلا ہوا ہے۔ نیز ہم بحمد اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے تمام عہدہ داروں کو رعایا سے حسن سلوک کی وصیت کرتے رہتے ہیں۔"

"بلاشبہ، عام مخلوق سے دُوری، نفس و جسم کے لئے آرام و راحت کا موجب ہے۔ لیکن دین اور شرافت کا تقاضہ اس سے منع کرتا ہے۔ دین، مخلوق سے دُوری کی اجازت نہیں دیتا۔ شرافت، مخلوق سے بے پرواہی روا نہیں رکھتی۔ کیونکہ اختلاط اور تعارف میں ہزاروں مصلحتیں اور نیکیاں ہیں۔ یقین کرو ہم اپنی پوری قوت سے اصلاح حال کی کوشش کررہے ہیں۔ سال رواں میں انشاءاللہ ہم بہت سی نئی اصلاحات بھی جاری کرینگے۔ ہماری نظر کے سامنے ہر لمحہ یہ فرمان ربانی موجود ہے "قل اعملوا فسیری اللہ عملکم" (عمل کرو، خدا تمھارا عمل دیکھے گا) ابن آدم اگر نیکی کرتا ہے، تو اپنے فرض سے سبکدوش ہوجاتا ہے۔ نتائج و ثمرات کی بخشش صرف اللہ ہی کے ہاتھ ہے!"

"یہ بالکل یقینی ہے کہ حکام کی درستگی، رعایا کی درستگی ہے بنابریں ہمارا فرض ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہمیشہ اُس خیر و صلاح کی جستجو میں لگے رہیں جس سے ایک طرف مسلمانوں کی درستگی ہو، دوسری طرف ہمیں خدا کی رضامندی حاصل ہو۔"

"ہم نے بعض عہدے دار معزول کردئیے ہیں۔ یہ اس لئے نہیں کہ اُنھوں نے کوئی خطا کی تھی، بلکہ اس لئے کہ اُن سے بہتر آدمی مل گئے تھے۔ میں معزول عہدے داروں کا شکرگزار ہوں کہ اُنھوں نے اپنے فرائض ایمانداری سے انجام دئیے تھے۔"

"ہم نے آپ ہی کے آدمیوں کی ایک مجلس بنادی ہے کہ حکومت کے مختلف انتظامی محکموں کی دیکھ بھال کریں، اُنکے نظام پر نظر ڈالیں ہم نے تمامتر ذمہ داری اس مجلس کے کاندھوں پر ڈال دی ہے کیونکہ اہل مکہ اپنے مصالح ہم سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ یہ مجلس اپنے فرائض، بحسن و خوبی انجام دے گی۔

"ہم نے مجلس شوریٰ کے معاملہ پر خوب غور کیا۔ چونکہ یہ مجلس ازحد اہم اور باشندوں کے لئے غائت درجہ ضروری و مفید ہے اس لئے

ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ اُس کے ارکان کا انتخاب، تمام باشندوں کی طرف سے ہو۔ لیکن وقت کی تنگی اور باشندوں کے اشغال کی کثرت مانع آئی۔ مجبوراً ہمنے یہ کیا کہ ہر محلے سے معزز آدمیوں کی ایک ایک جماعت طلب کی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ صرف یہی لوگ معزز اور نیک ہیں۔ کیونکہ تمام مسلمان جسم واحد کی مانند ہیں۔ ہمنے تمھیں اسی غرض سے طلب کیا ہے کہ جدید مجلس شوریٰ کے لئے ارکان کا انتخاب کرو۔ انسان پر فرض ہے کہ ایسے معاملات میں اپنے قلب کا فرمانبردار نہ بنے، کیونکہ قلب ہمیشہ ہوا و ہوس کی طرف مائل ہوجاتا ہے۔ تمھیں عقل و تدبر سے کام لینا چاہیے اور تجربہ کار اور قابل لوگوں کو منتخب کرنا چاہیے۔ کیونکہ اگر یہ مجلس صحیح بنیادوں پر قائم ہوجائے گی تو ملک اُس سے بڑے بڑے فوائد حاصل کرسکے گا۔ تم وہی لوگ منتخب کرو جنھیں مخلص اور باشندوں کے حقوق کی حفاظت کرنے والا یقین کرتے ہو۔ یہ اس لئے کہ حکومت تو اپنے حقوق کسی نہ کسی طرح حاصل ہی کرلیتی ہے۔ لیکن باشندوں کے حقوق تلف ہوسکتے ہیں۔ لہذا ایسے لوگوں کا انتخاب ہونا چاہیے جو تمھارے حقوق کے تحفظ کی قابلیت و جرأت رکھتے ہوں۔ یہ لوگ تمھارے نمائندے اور وکیل ہونگے۔ والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ"

سُلطان کی دوسری تقریر

سُلطان نے دوسری تقریر مجلس شوریٰ کے ارکان کے سامنے کی۔ اُس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

"حضرات ارکان مجلس! میں آپ کو سلام کرتا اور اُس اعتماد پر آپکو مبارکباد دیتا ہوں جس کا آپکے ابنائے ملک نے آپ کو اہل سمجھا اور آپ کو اس مجلس کے لئے منتخب کیا۔ مجلس شوریٰ درحقیقت اُن بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہے جن پر قانونی حکومتیں قائم ہوا کرتی ہیں۔ یہی وہ شوریٰ ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس قول میں وارد ہے "وامرہم شوریٰ بینہم" میں یہ دیکھ کر نہایت مسرور ہوں کہ آپ اس مجلس میں شریک ہوکر ملک کی خدمت اور حدود شرعیہ کے قیام و حفاظت کی کوششوں میں حکومت کا ہاتھ بٹانے آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری گردن پر ایک بڑی امانت رکھ دی ہے۔ ہم اس بوجھ کے اُٹھانے میں اپنے تئیں اہل فضل و حمیت کی امداد و اعانت کا محتاج پاتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ہم نے شہر کے روسا و اکابر کو اس مجلس کے لئے دعوت دی اور اُنھوں نے آپ کو اپنے اعتماد کا اہل سمجھکر منتخب کرلیا۔ اب ہم نے اپنی ذمہ داری اُٹھاکر آپکے کاندھوں پر رکھدی ہے۔ میں بصد عجز و زاری اللہ بزرگ و برتر سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو ملک اور اہل ملک کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ اپنے فرائض کی انجام دہی کے اثنا میں دیکھ لیں گے کہ حکومت اصلاحات کے جاری کرنے میں پوری طرح سنجیدہ اور مستعد ہے۔ یقیناً آپنے اس کا آغاز اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لیا ہوگا۔ ہمنے تفتیش و اصلاح کی ایک علحدہ مجلس بنادی ہے جس کا کام یہ ہے کہ حکومت کے تمام محکموں کی جانچ کرے، اور اُن صورتوں پر غور کرے جن سے اُن کی اصلاح و درستگی ہوسکتی ہے۔ یہ کمیٹی اپنے عمل کا ایک مرحلہ طے کرچکی ہے، لیکن ابھی اُسے بہت کچھ کرنا باقی ہے۔

عنقریب آپکی مجلس میں بڑی بڑی تجویزیں پیش ہوں گی۔ حکومت کے محکموں کے میزانیہ بھی پیش ہونگے۔ آپ اُن پر غور کرینگے اور اپنے فیصلے صادر کریں گے۔ ملک کو سب سے زیادہ ضرورت پانی کی ہے۔ آپکے سامنے جدید قسم کے کنوئیں کھودنے کی تجویز آئے گی۔ اسی طرح اور بہت سے مفید کام آپ کو کرنا ہونگے۔ مثلاً جدہ اور مکہ کے مابین عمدہ سڑکوں کا اجراء، مکہ کی بعض سڑکوں کی توسیع، ڈاک اور تار کے صیغہ کی اصلاح۔ اس محکمہ نے وہ تمام طیاریاں مکمل کرلی ہیں جو بین الاقوامی ڈاکخانوں کے ضمن میں شامل ہونے کے بعد اب اُسے عمل میں لانی ہیں۔

نیز تعلیم کی اشاعت کا مسئلہ بھی بہت اہم ہے۔ آپکو اس پر غور کرنا اور تمام ملک کے لئے ایک ہی تعلیمی لائحہ (پروگرام) بنانا ہے۔ حکومت چاہتی ہے تعلیم تمام ملک میں عام ہوجائے۔ کوئی قریہ بلکہ کوئی قبیلہ بھی اس سے محروم نہ رہنے پائے۔ نیز حفظان صحت، حجاج کے آرام و راحت، مطوفوں کی تنظیم، اور اسی طرح کے تمام اہم کام آپکے سامنے ہیں اور آپکی توجہ کے منتظر ہیں۔ آخر میں میں اس مجلس کے افتتاح کا اعلان کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے التجا کرتا ہوں کہ ہمارے تمام کاموں کو کامیاب کرے۔ والسلام علیکم"

مجلس شوریٰ کا نظام

مجلس شوریٰ کا نظام بالاختصار حسب ذیل ہے:

دفعہ (۱) یہ مجلس ۸ ارکان سے مرکب ہوگی۔

دفعہ (۲) مجلس شوریٰ کا صدر نائب السلطنت ہوگا۔

دفعہ (۳) ارکان مجلس کا انتخاب حسب ذیل اصول پر ہوگا:

(۱) ۴ رکن، اہل فضل و تجربہ کے مشورے سے منتخب ہونگے۔

(۲) باقی ۴ رکن حکومت اپنی رائے سے نامزد کرے گی۔ ان میں دو رکن نجدی ہونگے۔

دفعہ (۴) مجلس شوریٰ کی رکنیت کی مدت دو سال ہوگی۔ لیکن نصف ارکان ہر سال بدلجایا کرینگے (عام اس سے کہ منتخب ہوں یا نامزد کئے ہوئے) پرانے ارکان کا دوبارہ انتخاب بھی ہوسکتا ہے۔

دفعہ (۵) مجلس شوریٰ کے رکن بننے کے لئے حسب ذیل شرطیں ہیں:

(الف) اسکی عمر ۲۵ سال سے کم نہ ہو۔

(ب) تجربہ کار اور معاملات کا سمجھنے والا ہو۔

(ج) سزایافتہ اور دیوالیہ نہ ہو۔

(د) نیک چلن ہو۔

دفعہ (۶) حسب ذیل امور مجلس شوریٰ کے سامنے حکومت کی جانب سے پیش ہونگے:

(۱) حکومت کے مختلف محکموں اور بلدیہ (میونسپلٹی) اور سرزبیدہ کے میزانیہ (بجٹ)

(۲) اقتصادی و عمرانی لوائح پر عمل کرنے کی اجازت۔

(۳) تجارتی امتیازات اور اقتصادی و مالی تجاویز۔

(۴) نظارت نافعہ (پبلک ورکس) کے لئے کسی جائداد کی ضبطی۔

(۵) نئے قوانین اور انتظامات۔

(۶) میزانیہ میں اگر سال کے اندر مزید اضافہ کی ضرورت ہو۔

(۷) اگر کسی محکمہ کو ۱۰۰ پونڈ سے زیادہ کسی خرچ کی ضرورت پیش آجائے۔

(۸) اجنبی ملازموں کی تقرری۔

(۹) حکومت کے محکمے اگر کمپنیوں یا تاجروں سے دو سو پونڈ سے زیادہ کی خرید و فروخت کریں۔

دفعہ (۷) مجلس دو قسموں پر تقسیم ہوگی۔ ہر قسم اُن معاملات پر غور و بحث کرے گی جو اُس کا ناظم پیش کریگا۔ پھر دونوں ایک دوسرے کو اپنے فیصلے سے آگاہ کرینگی اور اپنے کاغذات کا مبادلہ کریں گی تاکہ دونوں کو غور و بحث کا موقعہ ملے۔ اس کے بعد مجلس کے کسی عام جلسے میں دونوں کا فیصلہ منظوری کے لئے پیش کیا جائے گا۔

دفعہ (۸) مجلس کا نصاب (کورم) چار ارکان اور صدر کی موجودگی سے پورا ہوجائے گا اور تجویزیں مجلس کی ۲ ثلث اصوات (ووٹس) سے پاس ہوں گی۔

دفعہ (۹) مجلس ہر ہفتہ دو مرتبہ منعقد ہوگی۔ لیکن صدر کی دعوت پر اس سے زیادہ مرتبہ بھی جمع ہوسکتی ہے۔

دفعہ (۱۰) مجلس کو حق ہے کہ قوانین کی تطبیق میں اگر حکومت سے کوئی غلطی واقع ہوجائے، تو اُسے تنبیہ کردے۔

دفعہ (۱۱) اگر حکومت کوئی لائحہ پیش کرے اور مجلس اُسے رد کردے یا اُسمیں ترمیم ضروری سمجھے، اور حکومت مجلس کا فیصلہ منظور نہ کرے، تو ایسی صورت میں نائب السلطنت کو حق ہوگا کہ لائحہ کو مزید توضیح و تشریح کے ساتھ دوبارہ مجلس کے سامنے پیش کرے۔ اگر مجلس اب بھی اسے منظور نہ کرے، تو پھر آخری فیصلہ خود سلطان المعظم کرینگے۔

مجلس کو حق ہے کہ اپنے صدر کے ذریعہ ہر اُس تجویز کے بارے میں سلطان سے رجوع کرے جسپر ایک ماہ گزر چکا ہو اور کوئی شاہی حکم جاری نہ ہوا ہو۔

مجلس کے ارکان

مجلس شوریٰ کے لئے حسب ذیل ارکان منتخب ہوئے ہیں:

(۱) شیخ یوسف قطان۔

(۲) شیخ احمد سبحی۔

(۳) شیخ صالح شطا۔

(۴) شیخ عبداللہ زوادی۔

(۵) شیخ محمد بن یحییٰ بن عقیل۔

(۶) شیخ عبداللہ ابراہیم جفالی۔

(۷) شیخ عبدالعزیز بن زید۔

(۸) شیخ عبدالوہاب عطار۔

ایک اُمید افزا واقعہ

کچھ مدت ہوئی، بعض اہل مکہ نے سلطان ابن سعود کے پاس بھیجنے کے لئے ایک محضر طیار کیا تھا اور اُس میں محکمہ حفظان صحت کی شکایتیں لکھی تھیں۔ یہ محضر ایک شخص حسن سلیمان کو دیا گیا تاکہ سلطان تک پہنچادے۔ اُس زمانہ میں نائب السلطنت امیر فیصل مکہ میں موجود نہ تھے۔ اُن کی غیر موجودگی میں اُن کے مشیر خاص شریف حسین عدنان اور شیخ عبدالعزیز عتیقی، حکومت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ اس محضر کا حال ان دونوں کو معلوم ہوا تو انھوں نے شخص مذکور کو طلب کیا اور حکم دیا کہ محضر انکے حوالہ کردے۔ اُسنے انکار کیا۔ اسپر شریف حسن عدنان نے غصہ میں آکر اُسے دو گھنٹے کے لئے قید کردیا۔

شخص مذکور نے رہا ہوتے ہی حکومت کے ان دونوں بڑے عہدے داروں پر (جو گورنر کے قائم مقام تھے) مقدمہ دائر کردیا۔ نالش میں حسب ذیل الزام لگائے تھے:

(۱) اُنھوں نے سلطان المعظم کی توہین کی کیونکہ وہ محضر لے لینا چاہا جو سلطان کی خدمت میں پیش ہونے والا تھا۔

(۲) اُنھوں نے مدعی کو سلطان تک پہنچنے سے روکنا چاہا۔

(۳) اُنھوں نے بغیر کسی قانونی موجب کے مدعی کو قید کیا۔

(۴) اُنھوں نے سرکاری محکمہ کے خلاف شکایتوں کی تحقیقات نہیں کی۔

سلطان نے دعویٰ مع کاغذات مجلس تفتیش کے حوالے کردئے اور حسب ذیل دو سوالوں کے جواب طلب کئے:

(۱) کیا مدعا علیہما کو اس کارروائی کا حق تھا جو اُنھوں نے کی؟

(۲) کیا اُنھیں ایسی کارروائیاں کرنے کے لئے چھوڑ دینا چاہیے؟

مجلس تفتیش نے پوری طرح تحقیقات کی، مدعی، مدعا علیہما اور گواہوں کے بیانات سُنے، اور بالآخر سلطان کے سوالوں کے یہ جواب بھیجے:

(۱) اُنھیں اس کارروائی کا ہرگز حق نہ تھا۔

(۲) اُنھیں بغیر سزا کے نہیں چھوڑنا چاہیے۔

نیز مجلس نے یہ قانون بھی بنایا کہ جو عہدہ دار بھی خلاف انصاف و قانون کام کرے گا، یا کسی کے حق پر دست درازی کرے گا، اُسے سرکاری خدمت سے بلا توقف الگ کردیا جائے گا۔

مجلس کا فیصلہ معلوم کرکے سلطان نے دونوں عہدے داروں کو فوراً برخاست کردیا اور [illegible] سرکاری خدمت سے برطرف کردیا۔

سیر فی الارض

اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ
(۳۰ : ۸)

سیّاحانِ عالم کے مُشاہدات و تاثّرات

ایک مصری سیّاح نجد میں

حال میں ایک مصری سیاح نے نجد کی سیاحت کی ہے۔ اُس کے مشاہدات کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

صحرائی سفر کا آغاز

صحرا میں سفر کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ میں وہاں کے راستوں، سواریوں اور باشندوں کے طرز معیشت سے بالکل ناواقف تھا۔ میرے اس سفر کا آغاز، شرق اردن کے پائے تخت، عمان سے ہوا۔ میں نے ایک موٹر کرایہ پر لی اور صحرا میں داخل ہوگیا۔ راستے میں کہیں درخت، گھانس، پانی، اور جاندار مخلوق نظر نہیں آئی۔ ہاں کبھی کبھی اونٹوں کے قافلے چلتے دکھائی دیتے تھے۔ اب سے پہلے یہ راستہ نہایت خطرناک تھا۔ بغیر کافی جنگی قوت کے کسی کا بھی جان و مال محفوظ نہ تھا۔ مگر اب بالکل امن و امان ہے۔ کامل ایک دن کے سفر کے بعد میں "قریات الملح" میں پہنچ گیا۔

قریات الملح

اسی مقام سے سلطان ابن سعود کی سلطنت شروع ہوتی ہے۔ میں نے پہنچتے ہی وہاں کے بعض شیوخ قبائل سے اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ پائے تخت نجد، ریاض، جانے کا عزم ہے۔ اُنھوں نے نہایت خوش اخلاقی سے میرا خیر مقدم کیا اور میرے لئے فوراً ۵ اونٹ مہیا کر دیئے۔ ایک میری سواری کے واسطے تھا اور ۴ میرے خدمتگاروں کے لئے۔ یہ خدمتگار بھی انہی شیوخ نے محض اپنی مہربانی سے میری خدمت کے لئے ساتھ کر دیئے تھے۔ اتفاق سے ۵۰ اونٹوں کا ایک اور قافلہ بھی ریاض جا رہا تھا۔ میں بھی اسی میں شامل ہوگیا۔

یہاں یہ سُنکر میرے ہوش اُڑ گئے کہ مجھے بہت طول طویل سفر کرنا پڑے گا۔ یعنی قریات الملح سے جوف تک ۹ دن۔ جوف سے حائل تک ۱۰ دن۔ حائل سے بریدہ تک ۸ دن۔ بریدہ سے ریاض تک ۸ دن یعنی پایۂ تخت تک پہنچنے کے لئے مسلسل ۳۵ دن صحرا میں چلنا پڑے گا۔ پھر راستہ میں ۲۵ دن آرام کے لئے مزید چاہئیں۔ گویا پورے دو مہینے اس بیابانی دنیا میں بسر کرنے ہونگے!

"قریات الملح" جہاں سے ہمارا سفر اونٹ پر شروع ہوا، ایک چھوٹا سا گاؤں ہے اور نجد کو شرق اردن سے جُدا کرتا ہے۔ یہ جبل الدروز سے ڈیڑھ دن کے فاصلہ پر ہے۔ اس کا حاکم اعلیٰ، ایک نجدی افسر ہے اور احکام شریعت کے بموجب حکومت کرتا ہے۔ اس کی آبادی ۶۰۰ سے زیادہ نہیں ہوگی۔ یہاں کی معیشت، گیہوں کی زراعت، نخلستان، اور اونٹوں اور مویشیوں کی پرورش ہے۔ یہاں نمک بھی بنتا ہے، اور صحرائی مسافروں کے ہاتھ اچھی قیمت پر بکجاتا ہے۔ محصول، زکوۃ کے نام سے وصول کیا جاتا ہے۔ زکوۃ کا نصاب یہ ہے کہ سالانہ ہر ۶ اونٹ پر، ۷ مجیدی، ہر ۱۰ اونٹنیوں پر ۱۱۱ قرش مصری (ایک قرش ۲۰ کا ہوتا ہے) ہر سو بکریوں پر دو بکریاں وصول کی جاتی ہیں۔ یہاں جرائم اور فواحش کا نام تک سننے میں نہیں آتا۔ حاکم کو "امیر" کہتے ہیں۔

امیر قریات الملح نے اپنے چبوترے پر (جو اس کی بیٹھک یا دربار عام کی جگہ ہے) میرا استقبال کیا۔ میرے لئے قہوہ حاضر کیا گیا۔ امیر نے بہت اصرار کیا کہ چند دن اُس کا مہمان رہوں۔ مگر مجھے سفر کی جلدی تھی دوسرے دن وہ مجھے اپنے ہمراہ قبیلۂ بنی صخر میں لے گیا۔ یہ قبیلہ اس گاؤں سے ۱۵ کیلومیٹر کے فاصلہ پر پشمی خیموں کے اندر زندگی بسر کرتا ہے۔ اپنی شجاعت، جرأت، اور غارت گری میں اس قدر مشہور ہے کہ تمام عرب اُس کے نام سے تھراتا ہے۔

صحرا کی زندگی

آگے بڑھنے سے پہلے مجھے صحرا کی زندگی کے متعلق چند تمہیدی کلمے کہدینے چاہئیں۔ سفر شروع کرنے سے پہلے ہی مجھے معلوم ہوگیا تھا کہ نجد میں سیاحت کے لئے ضروری ہے کہ چہرے پر داڑھی موجود ہو۔ چنانچہ میں نے اپنی داڑھی کی پرورش شروع کر دی تھی۔ نجد کی سرحد میں داخل ہوتے ہوئے میری داڑھی کافی حد تک دراز ہو چکی تھی۔ میں نے بدوی لباس بھی خرید لیا تھا۔ لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ سر بھی منڈانا پڑے گا۔ قریات الملح میں مجھے اس کی خبر ہوئی۔ میں نے اپنا سر نجدی اُستروں کے رحم پر چھوڑ دیا۔ چند لمحوں کے اندر کھوپڑی صاف تھی۔ میں نے آئینہ دیکھا تو اپنی صورت پہچان نہ سکا۔ لمبی داڑھی، مونچھیں صاف، سر گھٹا ہوا۔ ایک عجیب شکل نکل آئی!

مجھے پہلی ہی منزل میں معلوم ہوگیا کہ یہ سفر کس قدر تکلیف دہ ہوگا۔ شہری زندگی بسر کرنے والوں کے لئے اس سے بڑھ کر عذاب کیا ہوگا کہ وہ صابون تک نہ پائیں۔ صحرا میں صابون، نایاب ہے بہت قیمت پر بکتا ہے۔ خود صحرائی عربوں کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ اپنے کپڑے کبھی نہیں دھوتے۔ کھانے کے بعد ہاتھ بھی نہیں دھوتے۔ اُن کا عام مقولہ ہے "عربوں کا صابون، اُن کی داڑھی ہے!" یہاں کی زندگی میں پہلی مرتبہ مجھے داڑھی کا فائدہ معلوم ہوا۔ یقیناً داڑھی، صحرا میں بہت مفید چیز ہے۔ رومال کی پوری قائم مقامی کرتی ہے۔ کھانے کے بعد ہاتھ منہ اسی مقدس رومال سے پونچھ لئے جاتے ہیں!

قریات الملح سے جوف تک ہمیں ۹ دن چلنا تھا۔ اس تمام راستے میں ہمیں صرف ۳ کنوئیں ملے۔ آگے کے لئے ہم نے پانی بھر لیا۔ میں نے عجیب بات یہ دیکھی کہ اونٹوں نے ۹ دن کی مدت میں صرف ایک مرتبہ پانی پیا۔ میرے ساتھی مسافروں نے بتایا کہ جاڑے میں اونٹ پندرہ پندرہ دن بغیر پانی پئے چلتے رہتے ہیں۔ میرے یہ ساتھی، صحرائی بدو تھے۔ میں نے اُنھیں نہایت خوش اخلاق پایا۔ اُن کے اخلاق کا ایک ثبوت یہ ہے کہ اگرچہ اُنھیں مصر اور اُس کے بادشاہ سے کوئی طمع یا خوف نہیں، لیکن چونکہ وہ جانتے تھے کہ میں مصری ہوں، اس لئے راستے بھر بلند آواز سے مصر اور اُس کے بادشاہ کے لئے دعائیں مانگتے رہے۔ اُنکے اس طرز عمل نے مجھ پر بہت اثر کیا۔ میں نے محسوس کیا کہ اسلام نے کتنی مختلف قوموں کو ایک رشتہ میں منسلک کر کے بھائی بھائی بنا دیا ہے!

یہ بدو اگرچہ اپنی فطری سادگی پر قائم ہیں، تاہم اُنکے اقوال اور حرکات و سکنات، اُن کی غیر معمولی ذہانت کا پتہ دیتے ہیں۔ یہ لوگ فضول گوئی سے پرہیز کرتے ہیں۔ سیاسی اختلافات سے بھی گریز کرتے ہیں۔ راستہ بھر میں نے کبھی نہیں سُنا کہ اُنھوں نے نجد یا حجاز کی سیاست پر ایک لفظ بھی کہا ہو۔ جب کبھی میں نے کوئی ذکر چھیڑا تو وہ یہ کہکر پہلو بچا لیجاتے تھے "حکومت، خدا کی ہے اور پھر عبدالعزیز بن سعود کی"۔ اُن کی گفتگو کا اصلی موضوع، عرب کی شجاعت، سخاوت اور دینی فضائل و مکارم تھا۔ عربی شعر اگرچہ صحرا ہی میں پیدا ہوا، مگر چونکہ نجدی ہمیشہ ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں، اس لئے شعر و شاعری کو زیادہ پسند نہیں کرتے۔ اُن کی دینی روح سمجھنے کے لئے یہ واقعہ کافی ہے کہ راستے میں ہمیں ایک مقام ملا۔ اس کا نام "حنظلہ" ہے۔ یہ دراصل وسط صحرا میں ریگ کی جگہ مٹی کا ٹیلہ ہے۔ اسکی مٹی اتنی چکنی ہے کہ اونٹ کا پاؤں اُس پر جم نہیں سکتا اور انسان کے لئے بھی اُس پر چڑھنا بہت مشکل ہے۔ بدوؤں میں عام طور پر مشہور ہے کہ اس ٹیلے کے نیچے سونے کا خزانہ مدفون ہے۔ لیکن چونکہ ساتھ ہی یہ بھی مشہور ہے کہ قوم لوط اسی مقام پر آباد تھی اور یہیں برباد ہوئی، اس لئے اُن کی دینی روح کسی طرح گوارا نہیں کرتی کہ یہ مقام جا کر دیکھیں جہاں عذاب الٰہی نازل ہو چکا ہے۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ صدیوں سے اس ٹیلے کو کسی انسانی قدم نے نہیں چھوا!

آٹھویں دن ہم ایک مقام پر پہونچے جسے "فرجیہ" کہتے ہیں۔ مجھے سخت حیرت ہوئی۔ کیونکہ اسکے گرد کے پہاڑ برف سے ڈھکے تھے اور نیچے ہر طرف سبزہ زار تھا۔ صحرا میں ایسا منظر میرے لئے بالکل خلاف توقع تھا۔ یہ جگہ سوئٹزرلینڈ کے مناظر پیش کرتی تھی۔ بلکہ اس کے منظر میں صحرا کی مہیب خاموشی نے ایک عجیب جلال و جمال کا مرکب منظر پیدا کر دیا تھا!

"جوف"

نویں دن ہم جوف پہنچ گئے۔ حاکم جوف عبداللہ محمد بن عقیل نے جوں ہی سنا، اپنے آدمی استقبال کے لئے بھیجدیئے اور بذات خود بھی قصبہ کے پھاٹک پر آکر خیر مقدم کیا۔

"جوف" ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ چاروں طرف پہاڑ ہیں۔ یہاں کی کھجور، عرب بھر میں مشہور ہے۔ گیہوں، جو، اور بعض ترکاریوں کی بھی کاشت ہوتی ہے۔ انگور، شفتالو، اخروٹ، نارنگی، لیموں، اور خربوزہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ باشندے تجارت پیشہ بھی ہیں اور دستکار بھی۔ کھال کی دباغت یہاں اچھی ہوتی ہے۔ اونی کپڑوں کی وجہ سے بھی اسے بہت شہرت حاصل ہے۔ نجد کی مشہور عبا "عبی الجوف" یہیں تیار ہوتی ہے۔ اونٹ اور بھیڑ بکری کی تجارت کی بھی یہ ایک بڑی منڈی ہے۔ اس کے صحرا میں شتر مرغ، ہرن، اور گورخر بکثرت موجود ہیں۔ شتر مرغ کا گوشت عرب بہت پسند کرتے ہیں۔ میری دعوتوں میں بھی یہ کھانا

برابر موجود ہوتا تھا۔

ایک واقعہ

حاکم جوف امیر عبداللہ بن عقیل کی بابت مجھے ایک بات مزید کہدینی چاہئے۔ یہ حاکم، دوسرے عرب حکام کے برخلاف ذی علم اور وسیع المعلومات ہے۔ شریعتِ حقہ کے مطابق حکومت کرتا ہے۔ اس کے علاقے میں جرائم بالکل ناپید ہیں۔ مثال کے طور پر ایک چشم دید واقعہ لکھتا ہوں:

ایک دن میں امیر موصوف کی مجلس میں موجود تھا کہ ایک شخص نے آکر کہا "میں حائل سے آرہا ہوں۔ جوف سے ۳ دن کے فاصلے پر ایک بھری ہوئی بوری میں نے پڑی دیکھی ہے" حاکم نے سوال کیا "اُس بوری میں کیا ہے؟" شخص مذکور نے جواب دیا کہ "مجھے نہیں معلوم" اس واقعہ کے دوسرے دن ایک اور شخص نے یہی خبر پہنچائی۔ حاکم نے اُس سے بھی یہی سوال کیا۔ اُسنے کہا "اسمیں قہوہ ہے" حاکم نے پوچھا "تو نے کیوں کر جانا؟" اُسنے کہا "اپنی لاٹھی سے دباکر" امیر حاکم نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اسے ۵۰ بید لگا دو۔ مجھے اس سزا پر بہت تعجب ہوا اور امیر سے استفسار کیا۔ اسنے جواب دیا "بوری دیکھنا جرم نہیں ہے، لیکن اسنے یہ جستجو کیوں کی کہ اُس میں کیا ہے؟ اسے اس کا کوئی حق نہ تھا۔ کیونکہ بوری اس کی نہ تھی" اس کے بعد امیر نے مجھے بتایا کہ اہل نجد، عموماً نہایت دیانت دار اور پرہیزگار ہیں اگر راستے میں سونا بھی پڑا ہو تو کبھی اُن کی نیت نہیں بدلے گی!

جوف کا دار الحکومت، ایک قلعہ نما عظیم محل میں واقع ہے۔ اس کا نام "قصر مارد" ہے۔ یہودیوں نے اپنے عروج کے زمانے میں تعمیر کیا تھا باشندوں کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے ۴۰ سال پہلے یہ بنا تھا۔

جوف کے باشندے باوجود غریب ہونے کے بڑے مہمان نواز ہیں۔ مہمان کی خدمت و خاطر فرض عین سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ خوب تندرست ہیں۔ میں نے کوئی شخص بھی کمزور، اور دُبلا نہیں دیکھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا، پوری آبادی میں ایک انسان بھی بیمار نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ یہاں کی آب و ہوا نہایت عمدہ ہے، پیداوار کافی ہے اور باشندے طبیعی اور سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔

امیر عبد اللہ نے مجھ سے یہ بھی بیان کیا کہ انگریز اور امریکن سیاحوں نے بار بار کوشش کی کہ علمی اور جغرافیائی تحقیقات کے بہانہ سے آگے بڑھیں۔ مگر سلطان ابن سعود نے اجازت نہیں دی۔ وہ جانتے ہیں کہ اسی قسم کے حیلوں سے اُنھوں نے مشرقی ملکوں میں اپنے قدم جمائے۔ ایک مرتبہ ایک انگریز مسٹر آتشر بہت سی موٹریں اور روپیہ لے کر آیا اور یہ ظاہر کیا کہ جوف کی مٹی بہت عمدہ ہے اس لئے وہ مٹی کے برتن بنانے کا کارخانہ قائم کرے گا۔ مگر سلطان نے قیام کی اجازت نہیں دی۔ ایک اور یورپین نے کہا کہ خود پائے تخت ریاض میں پٹرول کے زمین دوز چشمے موجود ہیں۔ میں انھیں نکال دے سکتا ہوں۔ مگر سلطان نے اسے بھی منظور نہیں کیا۔ حالانکہ نجد کے باشندوں کو پٹرول کی بہت ضرورت ہے۔ سلطان کی دلی آرزو ہے کہ خالص اسلامی علمی جماعتیں نجد میں آئیں اور یہاں کی قیمتی کانیں نکالیں کیونکہ وہ یورپین کمپنیوں "تاجروں" اور "علمی محققوں" کی آمد و رفت سے ڈرتے ہیں۔



خواطر و سوانح

زندگی پر آخری نظر

ایک کروڑپتی نے خودکشی کرتے وقت کیا محسوس کیا؟

مسٹر جیمس وہائٹ، لندن کا مشہور کروڑپتی تھا لیکن ایک ناگہانی خسارہ نے اُسے دیوالیہ کر دیا۔ گزشتہ ماہ اُسنے زندگی سے بیزار ہو کر خودکشی کر لی۔ لیکن مرنے سے پہلے ذیل کی تحریر لکھ کر اپنی میز پر رکھدی تھی:

"میں اسوقت ابدیت و خلود کے دروازہ پر کھڑا ہوں اور دنیا کے نام اپنا آخری پیام لکھ رہا ہوں۔ میں نے زندگی پر اُس نقطۂ نظر سے نگاہ ڈالی ہے، جو ایک مرنے والے انسان ہی کا نقطۂ نگاہ ہو سکتا ہے!

***

"میرے فنا پذیر عقیدے میں دُنیا کا قدیم عالمگیر تمدن ۴ اگست ۱۹۱۴ء (یعنی جنگ عمومی کے آغاز کی طرف اشارہ کرتا ہے) میں مر گیا۔ اس کے بعد سے ابتک جدید عالمگیر تمدن کی پیدائش نہیں ہوئی ہے۔

***

"میں نے بادشاہوں کی میزبانی کی۔ امیروں کو بے تکلفانہ اُنکے سادہ ناموں سے پکارا۔ میری ملکیت میں شاندار جہاز تھا جسپر میں نے پورے کرۂ ارضی کی سیر کی۔ میرے اصطبل میں اصیل گھوڑوں کی صفیں بندھی تھیں۔ میں تھیٹروں کا بھی مالک تھا۔ بڑی بڑی اخبار جاری کرنے والی کمپنیوں میں بھی میرے حصے تھے۔ میں نے عظیم الشان تجارتی کاروبار کئے۔ میرا رأس المال پندرہ کروڑ پونڈ (۲۵ کروڑ روپیہ) تک پہنچگیا تھا۔ میں نے صرف ایک دن کے اندر ...،۵۰۰، پونڈ نفع کمایا تھا۔ اِن حالات میں، میں امید کرتا ہوں کہ سب لوگ مجھ سے اتفاق کرینگے کہ مجھے زندگی کے بارے میں اظہار رائے کا حق حاصل ہے۔

***

"مجھ پر زندگی کے گرم اور سرد، ہر طرح کے موسم گزر چکے ہیں۔ میں نے فاقہ کشی کی مصیبت کا مزہ بھی چکھا ہے، اور میں نے دولت کی سرگرانی بھی محسوس کی ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تین دن کے بھوکے کا احساس کیا ہوتا ہے؟ اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ دولت کی فراوانی دل و دماغ پر کیا اثر ڈالتی ہے؟ مجھ پر وہ وقت گزر چکا ہے جب میری کوئی آرزو بھی ایسی نہ تھی جو میری قدرت سے باہر ہو۔ میں نے وہ دن بھی دیکھے ہیں جب ہزاروں انسان اپنے پیٹ کی روٹی کے لئے میرا ہاتھ تکتے تھے!

***

"گھوڑ دوڑ کے ایک دور میں میں نے ...،۱۰۰، پونڈ جیتے تھے لیکن ایک وقت وہ بھی تھا جب تاش کی ایک بازی میں میری جیت صرف ایک شلنگ تھی! دولتمندی کے لاکھ اور غربت کے ایک شلنگ، دونوں کی جیت کے الگ الگ اثر میرے دل نے محسوس کئے۔ ایک مرتبہ سنہ ۱۹۱۵ء میں لندن سے ڈیل تک کی ۵۰ میل کی مسافت، میں نے اپنے پیروں سے طے کی تھی، کیونکہ میرے پاس ریل کا کرایہ نہ تھا۔ پھر ایک وقت وہ بھی دیکھا جب پوری ٹرین صرف میرے لئے روانہ ہوتی تھی تاکہ مجھے مانچسٹر پہنچا دیا کرے!

***

"میری زندگی کے اِن آخری لمحوں میں میرا حافظہ، زندگی کے تمام انقلابات ایک ایک کر کے میری آنکھوں کے سامنے سے گزار رہا ہے۔ اسوقت میں اس قابل ہوں کہ زندگی پر ایک منصفانہ فیصلہ کی نظر ڈال سکوں!

***

"زندگی کے متعلق میرا آخری عزم فیصلہ یہ ہے کہ وہ ایک عظیم انسانی کڑھائی ہے جو طمع، شہوت، اور طاقت کے مہیب آتشین اوون پر پک رہی ہے۔ تمام بلند، دقیق، شریف جذبات ناپید ہو چکے ہیں۔ اُن کی جگہ خبیث، غاصبانہ، پر شور عناصر نے لے لی ہے۔ قوت اور مال کی خواہش اس قدر زبردست ہو گئی ہے کہ بالشویزم کے سوا کوئی دوسری قوت اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

***

"زندگی کے تمام دن باہم مشابہ ہیں، اُکتا ڈالنے والے ہیں، تھکا ڈالنے والے ہیں۔ ایک ہی قسم کے چہرے، ایک ہی قسم کے مزاج، ایک ہی قسم کے دل، ایک ہی قسم کی چیزیں! ہر نیا دن ویسا ہی بُرا جیسا پچھلا دن تھا! ہر نفس طمع و ہوس سے اُسی طرح لبریز جس طرح دنیا کا ہر باشندہ! زیادہ مال کی مجنونانہ طلب! زیادہ عیش کی غرض پرستانہ خواہش! مگر کام بہت کم، نیکی اور بھی کم! انسانوں کی بھیڑ مال جمع کرنے پر ٹوٹ پڑی ہے۔ کسی کو خودداری کا خیال نہیں۔ کسی کو شرافت کی پروا نہیں۔ ایک حساس آدمی کے لئے یہ منظر موت سے کم نہیں!

***

"اسٹیج پر دولت کا کوئی دیوتا نمودار ہوتا ہے۔ خوشامدیوں، چاپلوسوں، ابن الوقتوں کی بھیڑیں اُس پر ٹوٹ پڑتی ہیں، وہ کھلاتا پلاتا ہے۔ جلسے کرتا ہے، لہو و لعب کے تمام سامان مہیا کرتا ہے۔ اُسکی بڑی تعریفیں ہونے لگتی ہیں۔ اُس کی دوستی کا لاکھوں دَم بھرنے لگتے ہیں۔ اُسے ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ اس زمین پر مجھ سے بڑا، مجھ سے زیادہ خوش نصیب کوئی انسان نہیں۔ میں خدا کا پسندیدہ اور اس کی مخلوق کی آنکھ کا تارہ ہوں!

"لیکن ادھر اُس کا سونا چاندی ختم ہوا، اُدھر دُنیا کی نظریں بھی پھر گئیں۔ اب نہ دوست دوست ہیں نہ عزیز عزیز۔ حسرت اور ندامت، صرف یہ دو مکروہ رفیق زندگی بھر کی رفاقت کے لئے اُسکے پہلو میں

مطبوعات الهلال بك ایجنسی

معارف ابن تیمیه و ابن قیم

دینی علوم کے بیش بہا جواہر ریزے

اس سلسله میں هم نے امامین کی ان نادر و اعلی درجه کی بلند پایه عربی تصانیف کے اُردو تراجم کا سلسله شروع کیا هے ' جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروری و ناگزیر هے - امید که یه " سلسلهٔ تراجم " بد نصیب هندوستان کی دماغی اصلاح کا کام دے :

اُسوۂ حسنه ــــ امام ابن قیم کی فن سیرت میں شهره آفاق کتاب " زاد المعاد " کے خلاصه کا اُردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد اڑھائی روپیه -

کتاب الوسیله ــــ لفظ " وسیله " کی بحث کے علاوه امام ابن تیمیه نے اسلام کے اصل الاصول " توحید " کی مبسوط بحث کی هے - بلا جلد اڑھائی روپیه ' مجلد سوا تین روپیه -

اصحاب صفه ــــ انکی تعداد ' ذریعه معاش ' طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے هیں دس آنے -

تفسیر سورة الکوثر ــــ امام ابن تیمیه کے مخصوص انداز تفسیر کا اُردو ترجمه - چار آنے -

العروة الوثقی ــــ خالق و مخلوق کے درمیان واسطه کا فرق بدلائل بیان کیا هے - چهه آنے -

سیرت امام ابن تیمیه ــــ حضرت امام کے ضروری حالات زندگی نہایت خوش اسلوبی سے بیان کیے هیں - نو آنے

نجد و حجاز ــــ علامه سید محمد رشید رضاء مصری کی تازه کتاب کا اُردو ترجمه - سوا روپیه -

آئمه اسلام ــــ ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - باره آنے

خلاف الامه ــــ فی العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت ــــ یه ایک علمی ' اسلامی ' سه ماهی رساله هے جس کے خریدار کو هم نے کمال کوشش و کاوش سے اُردو ' عربی ' فارسی ' انگریزی ' اور دوسری زبانوں کی تمام اهم اور اعلی مطبوعات کے متعلق بهترین تازه معلومات بهم پہنچانے کا اهتمام کیا هے - اسکے علاوه آئمه و اسلام و بزرگان دین کے حالات ' لطائف افسانه ' نظمیں اور ممالک اسلامیه کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے هوے حالات درج کیے جاتے هیں - فی پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپیه پیشگی -

منیجر الهلال بك ایجنسی

(حلقه نمبر ۲۴ شیرانواله دروازه لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

السحر الحلال فی مجلدات الهلال

گاه گاهے بازخوان این دفتر پارینه را

تازه خواهی داشتن گر داغهائے سینه را

اردو صحافت کی تاریخ میں الهلال هی وه رساله هے جو اپنی تمام ظاهری اور باطنی خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تهی -

الهلال اگرچه ایک هفته وار مصور رساله تها ' لیکن چونکه وه اردو صحافت کی مختلف شاخوں میں اجتهاد نظر و فکر کی نئی روح پیدا کرنی چاهتا تها ' اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعه تها - اُس کے هر نمبر میں مختلف ابواب ' مذهب ' سیاست ' ادبیات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه کے هوتے تهے - اور اسکا هر باب اپنی مجتهدانه خصوصیات کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ هوتا تها - پهر اس کی ظاهری خوبیاں اُردو صحافت میں اعلی طباعت و ترتیب کا پهلا نمونه تهیں - اردو کا وه پهلا هفته وار رساله تها ' جس میں هاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا ' اور ٹائپ میں چهپنے کی وجه سے بهت سی ایسی خوبیاں پیدا هوئیں جو پتهر کی چهپائی میں ممکن نهیں - اِس کی جلدیں جدید اُردو علم ادب کے علمی ' مذهبی ' سیاسی ' اور اجتماعی مواد و مباحث کا بهترین مجموعه هیں - ان کی مقبولیت و قدر کا اندازه اِس سے هوسکتا هے که سنه ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اِس کی تمام جلدوں کا مکمل سٹ سات سو روپیه میں خرید لیا - اور حال میں ایک صاحب نے اِس کی پهلی جلد مکمل (جو دفتر میں بهی موجود نهیں) ساڑهے چارسو روپیه میں حیدرآباد سے خریدی هے - جن لوگوں نے اس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هیں وه بڑی سے بڑی قیمت پر بهی علحده کرنے کیلیے تیار نهیں - پچهلے دنوں " البلاغ پریس " کا جب تمام اسٹاف نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیره الهلال کے پرچوں کا بهی محفوظ ملا ' هم نے کوشش کی که شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کی جاسکتی هیں مرتب کرلی جائیں اور جن جلدوں کی تکمیل میں ایک دو پرچوں کی کمی هو انهیں دوباره چهپوا لیا جاے -

چنانچه الحمدلله یه کوشش ایک حد تک مشکور هوئی اور اب علاوه متفرق پرچوں کے چند سالوں کی جلدیں پوری مکمل هوگئی هیں - هم اِس اعلان کے ذریعه شایقین علم و ادب کو آخری موقعه دیتے هیں که اِس قیمتی ذخیره کے حاصل کرنے میں جلدی کریں ' چونکه جلدوں کی ایک بهت هی محدود تعداد مرتب هوسکی هے اس لئے صرف اُنهیں درخواستوں کی تعمیل هوسکے گی جو سب سے پهلے پهونچیں گی - هر جلد مجلد هے اور ابتدا میں تمام مضامین کی انڈکس به ترتیب حروف تهجی لگادی گئی هے -

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیه   الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیه

" " چهارم ۱۰ روپیه   " " پنجم ۱۰ روپیه

جلد " البلاغ " (جب دوسری مرتبه الهلال اِس نام سے شائع هوا) قیمت ۸ روپیه

علاوه جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهی موجود هیں جن میں سے هر پرچه اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعه علم و ادب هے - قیمت فی پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پیکنگ اِس کے علاوه هے -

منیجر " البلاغ پریس "

دنیا کي بہترین کتابوں کیلئے بہترین رهنما:

ٹائمز اف لنڈن کا ادبي ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کي تمام کتابوں پر هفته وار دلچسپ اور وقیع تبصرہ کرتا ہے -

اسکا معتدل نقد علمي حلقوں میں مسلم ہے -

اس میں چند صفحات رنت کے جاري اور زیر بحث ادبي فوائد پر بهي هوتے هیں جنکي اهمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز لنڈن کا هفته وار ادبي ضمیمہ آپکے لئے مہیا کرے - لیکن اگر آپ چاهیں تو

The Publisher :
Printing House Square
London, E. C 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے هیں

دنیا کے هر معلم اور ماهر فن تعلیم کیلئے

ضروري ہے کہ

ٹائمز اف لنڈن کا تعلیمي ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاهتے هیں کہ فن تعلیم کے تمام نظري اور عملي تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رهیں ' تو آپکو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاهیے -

یہ هر هفتہ اس موضوع پر تمام اهم خبریں اور مباحث جمع کردیتا ہے - ماهرین فن اور مشاهیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب هوتے هیں -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے -

ورنہ

The Publisher,
Printing House Square
London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے هیں -

کیا آپ تجارت کرني چاهتے هیں ؟

اگر آپ چاهتے هیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتي تعلقات قائم کریں ' نفع بخش ایجنسیاں لیں ' هندوستان سے خام پیدا وار بهیجیں ' نئي نئي ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں ' تهوڑي سي محنت اور تهوڑا سا سرمایہ لیکر ایک وقیع کار و بار شروع کردیں ' تو آپ کو ابتدا میں بہت سي باتیں معلوم کرني چاهئیں - اس طرح کي تجارت کے گر اور بهید سیکهنے چاهئیں - هندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹهیوں کے حالات اور اصول معاملت معلوم کرنے چاهئیں - بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں هوسکتے -

اگر آپ چاهتے هیں کہ بہت تهوڑا سا وقت خرچ کرکے یہ ساري باتیں با قاعدہ علمي اصول پر معلوم کرلیں ' تو آپکو چاهیے کہ هم سے خط و کتابت کریں - هم یہ کام بہ حیثیت ایک ماهر فن کے کر رہے هیں - خط و کتابت کے بعد هي آپکو معلوم هو جائیگا کہ آپکے مقصد کیلئے هم کس درجہ مفید هیں ؟

همارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتي حلقوں سے هیں -

M. R. MARSDEN & CO.
Post Box 708.
Clive Street, Calcutta.

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

هر طرح کي مشینیں جو گرم ملکوں کے میووں کو خشک کرنے اور پهلوں کو محفوظ رکهنے کیلئے ضروري هیں ' اس کارخانے میں طیار کي جاتي هیں - تمام دنیا میں اس قسم کي مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے - مندرجۂ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے -

یاد رکهیے

میووں ' ترکاریوں ' اور هر طرح کے زرعي مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو " نئے سسٹم " کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے - اس " نئے سسٹم " کے مطابق کام کرنے والي مشینیں صرف اسي کارخانہ سے مل سکتي هیں -

Printed and Published by
Masud Hasan Zuberi at The Al-Balagh Press, 11, Ballygunge Circular Road, Calcutta
Editor : Maulana Abu-al-Kalam Azad.

الہلال

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت فی پرچہ پانچ آنہ

الهلال

ہر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع ہوتا ہے

قیمت سالانه مع محصول	- -	باره روپیه
ہندوستان سے باہر کیلیے	-	سوله روپیه
قیمت شش ماہي	- -	سات روپیه
قیمت في پرچه	- - -	پانچ آنه

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " منیجر الہلال " کے نام سے ہي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لفافه پر " ایڈیٹر " کا نام ہونا چاہیے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه ہوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي ہے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفته کے اندر اطلاع دیں - ورنه بصورت تلخیر بغیر قیمت کے روانه نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جارہے ہیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیاده عرصه تک کے لیے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک ہفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(۷) مني آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

تھے - چند ماہ بعد جب خدیو توفیق پاشا کی وطن فروشی اور سلطان عبد الحمید کی مذبذب اور متزلزل حکمت عملی کی کمزوری سے " تل الکبیر " کے معرکہ کے بعد انگریزی فوج مصر میں داخل ہوگئی ' تو عربی پاشا اور محمود بارودی پر مقدمہ چلایا گیا ' اور شیخ محمد عبدہ بھی ان کے ساتھہ گرفتار کرلیے گئے - اِن کا جرم یہ بتلایا گیا تھا کہ انہوں نے وقائع مصریہ میں ایسے مقالات لکھے تھے جن میں ایک کی حمایت کی گئی تھی - غالباً سعد زغلول بھی اُن کے تعلق کی وجہ سے مبتلائے محن ہوے لیکن بعد کو رہا کردیے گئے - فی الحقیقت شیخ کے تعلق و تلمذ کے سوا اِن کا تحریک میں کوئی حصہ نہ تھا -

اسی زمانہ میں اِنہیں نئی تعلیم کا شوق ہوا - پہلے فرانسیسی زبان کی تحصیل کی - پھر قانون کا مطالعہ کیا - اور سنہ ۱۸۸۹ میں وکالت شروع کردی - اُن کی غیر معمولی ذہانت اور طبعی استعداد کے ثبوت میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ جب انھوں نے مصر کی اعلیٰ عدالتوں میں وکالت کرنی چاہی ' تو سرکاری محکمہ نے اجازت دینے سے انکار کر دیا - کیونکہ نہ تو اُنھوں نے باقاعدہ سرکاری مدارس میں تعلیم حاصل کی تھی ' نہ یورپ کے مدارس قانون کی کوئی سند رکھتے تھے - لیکن انھوں نے اپنے استحقاق و اہلیت پر اصرار کیا ' اور کہا " اگر اس معاملہ کا دار و مدار استعداد اور اہلیت پر ہے نہ کہ سند کے ایک پرزہ پر ' تو قانون کا سخت سے سخت امتحان لے لیا جاے - اگر میں یورپ کے سند یافتہ محامیوں سے (مصر میں قانون کے بیرسٹر کو محامی کہتے ہیں) بہتر ثابت ہوں تو میری درخواست منظور کی جاے " یہ واقعہ ہے کہ امتحان لیا گیا ' اور اُن کی قانونی استعداد بہتر سے بہتر معیار پر بھی پوری اُتری !

فقدناه ، والامال ترجو حياته
وفى الليلة الظلماء يفتقد البدر !



فقید الشرق ' احمد سعد زغلول

انکی غیر معمولی استعداد نے بہت جلد ترقی مناصب کی راہ اُن پر کھول دی - پہلے بعض قانونی مناصب پر مامور ہوے - پھر سنہ ۱۹۰۶ میں اس درجہ شہرت حاصل کرلی کہ وزیر تعلیم ہوگئے -

اسی زمانہ میں مصری مجلس تشریع (لیجس لیٹو اسمبلی) کے نظام میں وسعت ہوئی ' اور نئے نئے طریقہ رائج ہوے - یہ ہر موقعہ پر سرکاری مناصب کیلیے ایک اول درجہ کے امیدوار تسلیم کیے جاتے تھے - سنہ ۱۹۱۱ میں مجلس تشریع نے انہیں اپنا رئیس منتخب کیا ' جس پر وہ (غالباً) سنہ ۱۹۱۴ تک قائم رہے -

(سعد زغلول کا سیاسی مسلک)

سعد زغلول کی تعلیمی اور سیاسی ' دونوں زندگیوں کی ابتدا شیخ محمد عبدہ کی تعلیم و تاثیر سے ہوی تھی ' اسلیے وہ اپنی زندگی کے آخری سالوں تک (یعنے سنہ ۱۹۱۸ تک جبکہ التواء

جنگ کے بعد انہوں نے مصر کے کامل استقلال کا مطالبہ کیا ہے) اسی مسلک پر گامزن رہے جو واقعۂ عربی کے بعد خود شیخ محمد عبدہ نے اختیار کر لیا تھا - ہمیشہ اُنکا شمار شیخ کی جماعت کے مخصوص افراد میں رہا - وہ اُن تمام لوگوں میں جنھیں شیخ کی فیض صحبت نے پیدا کیا تھا ' نمایاں اور ممتاز تھے -

شیخ محمد عبدہ مرحوم کا یہ حال تھا کہ وہ فطرۃ کی بہترین دماغی بخششیں لیکر پیدا ہوئے ' لیکن جامع ازہر کی تعلیمی فضا سے کوئی بلند تر تعلیمی فضا حاصل نہ کرسکے - اسی اثنا میں سید جمال الدین مرحوم قاہرہ پہنچے ' اور اُن کے فیض صحبت سے شیخ کے تمام فطری جوہر اُبھر آئے -

سید موصوف کی دعوت اگرچہ تعلیمی اور دینی اصلاح پر مشتمل تھی ' لیکن اُس کا محوری مرکز سیاسی انقلاب تھا ' کیونکہ وہ یقین کرتے تھے کہ اسلام کی دینی روح ' سیاسی روح سے الگ نہیں ہے - انھوں نے مصر میں بھی انقلابی دعوت کی تخم ریزی کی - اُس وقت مصر اسماعیل پاشا کی مسرفانہ اور عیش پرستانہ زندگی سے تباہ ہورہا تھا - اغیار و اجانب کی مداخلتوں کے نئے نئے دروازے کھل رہے تھے ' طالبین اصلاح کی تمام امیدیں ولی عہد مصر توفیق پاشا سے وابستہ تھیں - سید جمال الدین نے توفیق تک رسائی حاصل کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا ' کہ پہلے خود قاہرہ کے فری میسن لاج میں داخل ہوئے ' پھر کوشش کرکے توفیق کو بھی اس کا گرینڈ ماسٹر منتخب کرالیا ' اور اس طرح فری میسن کا مخفی اور محفوظ جماعتی دائرہ اپنے اور اُس کے گرد کھینچ لیا - توفیق پاشا سید موصوف کے اصلاحی خیالات سے پوری طرح متاثر ہوا ' اور عہد و اثق کیا کہ با اقتدار ہوتے ہی اصلاح و انقلاب حال کے لیے پوری طرح کوشش کریگا - لیکن جب کچھہ عرصہ کے بعد وہ خدیو مصر ہوا ' اور سید جمال الدین اُن عہود و مواثیق کے ایفا کے طالب ہوئے ' تو پہلے تو لیت و لعل شروع کیا - پھر صاف انکار کردیا ' اور کوشش کی کہ جمال الدین مصر سے نکل جائیں -

سید جمال الدین یہ حالت دیکھکر نہایت متاثر ہوے - اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ جو افراد قوم اور ملک کی نجات کی راہ میں حائل ہوں ' اُنہیں راہ سے ہٹا دینا جرم نہیں ہے بلکہ انسانیت کی خدمت ہے - چنانچہ اُنھوں نے توفیق پاشا کے قتل کی کوششیں شروع کر دیں - اور اس کام کے لیے قرعۂ فال اُن کے نوجوان تلمیذ محمد عبدہ کے نام نکلا - شیخ نے اس واقعہ کے بیس برس بعد ایک خط میں جو مسٹر بلنٹ کے نام لکھا تھا ' اقرار کیا ہے کہ توفیق کو قتل کردینے کیلیے وہ طیار ہوگئے تھے - توفیق پاشا قاہرہ سے اسکندریہ جا رہا تھا ' یہ پستول لیکر سڑک پر کھڑے ہوگئے - مگر جب حملہ کا وقت آیا تو

افسانہ

ماں کی محبت

(مشہور روسی افسانہ نگار "ماکسم گورگی" کے ایک اخلاقی افسانہ کا ترجمہ)

امیر تیمور گورگانی، درہ "کا نہول" میں، جو گلاب و یاسمن کے سُرخ و سفید پھولوں سے ایک حسین ابر پارے سے چھپا ہوا تھا، عیش و نشاط اور ناؤ نوش میں مشغول تھا ــــ سمرقندی شاعروں نے اس درہ کو "پرواز گل" کے نام سے موسوم کیا تھا ــــ اس عجیب مقام سے شہر کے تمام آسمان شکوہ، مینار، اور مساجد و معابد کے سبز گنبد بخوبی نظر آتے تھے ــــ درہ کی لمبائی کے گرد، پندرہ ہزار رنگین قناتیں، بڑے بڑے پنکھوں کی طرح، زمین پر قائم تھیں، اور اُن پر دیبا و پرنیاں کی رنگین جھنڈیاں ــــ ایسا معلوم ہوتا تھا، جاندار پھول ہواؤں میں تیر رہے ہیں!

تیمور کا خیمہ، ان قناتوں اور چھولداریوں کے درمیان ایک خوبصورت ملکہ کی طرح نظر آتا تھا جو اپنی خواصوں کنیزوں کے حلقہ میں کھڑی ہو ــــ اُس کے خیمہ کی قنات، زمین کا مربع حصہ گھیرے ہوئے تھی جس کے چاروں حصے تقریباً سو قدم طویل ــ اور تین نیزوں کے برابر بلند تھے۔ خیمہ بارہ طلائی ستونوں پر قائم تھا جو درمیانی حصے کے نیچے نصب تھے اور اس غرض سے کہ کہیں یہ رنگ و بو کا ارضی ابر آسمان کی طرف نہ اُڑ جائے، پانسو سرخ ریشمین طنابوں کے ساتھ محکم کر دیا گیا تھا۔ خیمہ کے چاروں گوشوں میں ایک ایک چاندی کا بنا ہوا شاہین، جو صنعت کا نفیس ترین نمونہ تھا، بٹھایا گیا تھا ــــ خیمہ کے بیچ میں پانچواں شاہین، خود تیمور تھا ــــ وہ شہنشاہ جو نہیں جانتا تھا مغلوب ہونا کسے کہتے ہیں؟؟

تیمور کا لباس بہت کشادہ تھا، جو آبی رنگ کی دیبا سے تیار کیا گیا تھا، اسپر پانچ ہزار سے زیادہ مروارید کے دانے ٹکے تھے۔ سر پر سفید اور شکستہ کلاہ جس کے نیچے سے اُس کے سپید و سیاہ بال باہر نکل رہے تھے ــــ اُس کی آنکھوں سے، جو چاروں طرف نگراں تھیں، جوش کا خون اُبل رہا تھا!

اُس کی آنکھیں چھوٹی اور تنگ تھیں مگر ہر چیز دیکھ رہی تھیں، دیکھ سکتی تھیں ــــ اُن سے زہر کی سی سردی اور خنکی ٹپک رہی تھی۔!

شہنشاہ کے کانوں میں سراندیپ کے عقیق کے دو گوشوارے تھے، رنگ میں حسین و جمیل ہونٹوں سے ملتے جلتے!!

خیمہ میں نہایت نفیس اور قیمتی قالین بچھے تھے جن پر عیش و عشرت کا سامان مہیا تھا۔ ایک طرف...... مغنیوں اور سازندوں کا ہجوم تھا ــــ تیمور کے قریب، اُس کے عزیز و اقربا، دوسرے بادشاہ، خوانین، اور فوجی افسر بیٹھے تھے ــــ سب سے زیادہ نزدیک، اُس کے دربار کا شاعر "کرمانی" ــــ اپنے کیف معنوی میں مخمور نظر آتا تھا!

یہ وہی کرمانی ہے جس سے ایک دن، تیمور کی اس طرح گفتگو ہوئی تھی:

"کرمانی! اگر مجھے فروخت کیا جائے تو تم کتنے میں خرید و گے؟" تیمور نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"پچیس سپاہیوں کے معاوضے میں!" کرمانی کا جواب تھا۔

"یہ تو صرف میرے زرّیں پٹکے کی قیمت ہے"! تیمور نے غضبناک ہو کر کہا۔

"میں نے بھی تو اسی پٹکے کی قیمت لگائی ہے ورنہ خود آپکی ذات کے لئے تو کوئی ایک روپیہ بھی نہ دے گا"!!

کرمانی نے بیباکی سے جواب دیا۔

کیسا زبردست اور جابر شہنشاہ! ــــ کس قدر دہشت انگیز!! ــــ کس درجہ ہولناک!!! ــــ اور کرمانی کی یہ بیخوف گفتگو!!

کیا اس حق گو شاعر کی شہرت، تیمور کی شہرت سے زیادہ بلند ہونے کا حق نہیں رکھتی؟؟

یکایک ــــ اس بزم نوشانوش کے ترنم اور خوشگوار ہنگاموں میں، ایک آواز ــــ جس طرح بادلوں سے بجلی کوند جاتی ہے ــــ "یلدیرم بایزید" کے مغلوب کرنے والے کے کانوں میں آئی ــــ!

یہ آواز ــــ ایک عورت کی آواز تھی، جو ایک غضبناک شیرنی کی آواز کی طرح سُنائی دی!!

تیمور کے انتقام جُو اور زخمی دل کو، جو اُس کے فرزند دلبند کے ضائع ہو جانے کے سبب سے تمام دُنیا اور دنیا والوں کے خلاف غیظ و غضب سے لبریز ہو گیا تھا ــــ یہ آواز ایک آشنا سی آواز معلوم ہوئی! جام عشرت، اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اُسکے لبوں پر ایک اضطراری لہر دوڑ گئی۔ یہ لہر کہہ رہی تھی" یہ دلخراش آواز کہاں سے آئی"؟

حکم کی تعمیل "بندگان دولت" کی گھبراہٹ نے کی جو چاروں طرف دوڑ گئے تھے ــــ شہنشاہ کو جواب ملا" یہ ایک دیوانی عورت کی آواز ہے جو کسی طرح یہاں تک پہنچ گئی ہے۔ شکل و صورت سے فقیرنی معلوم ہوتی ہے۔ عربی میں گفتگو کرتی ہے اور" فرمانروائے بحر و بر کی آستاں بوسی کی خواہشمند ہے"!

"فوراً حاضر کی جائے"!!

تیمور نے حکم دیا اور ــــ عورت خیمہ میں داخل ہوئی ــــ برہنہ پا! پھٹے ہوئے کپڑے! سینہ چھپانے کے لئے اپنی زلفیں بکھیرے ہوئے! چہرہ کا رنگ اُڑا ہوا ــــ بغیر کسی کپکپاہٹ کے، جو ایسے باجاہ ــ و جلال اور ہیبتناک شہنشاہ کی موجودگی کا ادنیٰ سا خراج تھا ــــ اُسنے دونوں ہاتھ شہنشاہ کی طرف پھیلا دیئے اور بیباکانہ ــــ خود فراموشانہ لہجہ میں گویا ہوئی:

"کیا تو ہی وہ فرمانروا ہے جسنے سلطان بایزید کو مغلوب کیا؟"

"ہاں میں ہی ہوں ــــ میں نے ہی بایزید کو اور بایزید ایسے کئی بادشاہوں کو مغلوب کیا ہے! بتا تو کیا چاہتی ہے"؟

تیمور نے جواب دیا۔

"سُن لے امیر! تو جو کچھ بھی ہے اور جس حیثیت میں بھی ہے پھر بھی ایک آدمی ہے! لیکن میں ــــ آہ، میں ایک ماں ہوں! تو موت اور ہلاکت کی خدمت کرتا ہے، میں زندگی اور سلامتی کی خدمت کرتی ہوں ــــ تو انسان کو ہلاک کرتا ہے۔ میری گود میں اُس کی پرورش ہوتی ہے۔ مجھے بتلایا گیا ہے کہ تیرے عقیدے میں انصاف کرنا، توانائی میں داخل ہے، مگر مجھے یقین نہیں آتا، اور نہیں آئے گا، جب تک تو میری فریاد کو ــــ میری داد کو نہیں پہونچیگا۔"

عورت نے کمال تمکین و وقار کے لہجہ میں کہا" اس لئے کہ میں ایک ماں ہوں! ایک دُکھیاری ماں!!"

تیمور نے عورت کی بیخوفی اور بے پروائی کو حیرت سے دیکھا اسکو بیٹھنے کی اجازت دی "میں سُن رہا ہوں تم اصل واقعہ سناؤ!"

عورت، شہنشاہ کے سامنے چار زانو ہو بیٹھی اور کہنے لگی

"امیر! میں سالرنو کی رہنے والی ہوں ــــ تو نے ہرگز اس جگہ کا نام نہ سنا ہوگا کیونکہ وہ دُور ہے ــــ یہاں سے بہت ہی دُور!..... میرا باپ اور شوہر ماہی گیر تھے، ایک دن بحری قزاقوں نے چھاپا مارا اور" ــــ اُسنے روتے ہوئے کہا "دونوں قتل کر ڈالے۔ میرے" ــــ اُس کی ہچکی بندھ گئی تھی ــــ "میرے لخت جگر کو جو نہایت خوبصورت تھا ــــ"

تیمور کے منہ سے آہ نکل گئی۔ اسنے دل ہی دل میں کہا "خوبصورت!..... میرے لڑکے جہانگیر کی طرح! آہ"

عورت نے اپنا قصہ جاری رکھتے ہوئے اور آنکھوں سے سیلاب درد بہاتے ہوئے کہا "بے رحم قزاق میرا لڑکا پکڑ لے گئے، آج چار سال! ــــ آہ، پورے چار سال گزرے کہ میں اُس کی تلاش میں دیوانہ وار چاروں طرف پھرتی ہوں مگر کہیں پتہ نشان نہیں ملتا ــــ امیر! میں سمجھتی ہوں میرا لڑکا تیرے پاس ہے، کیونکہ بایزید کے لشکر نے اُن بحری قزاقوں کو گرفتار کر لیا تھا اور تو نے بایزید کو شکست دے کر اُس کا سب کچھ چھین لیا ــــ ضرور ہے کہ میرا لڑکا تیرے پاس ہوگا اور اس لئے میں چاہتی ہوں تو اُسے میرے سپرد کر دے!"

حاضرین دربار، عورت کی باتوں پر ہنس پڑے" یہ دیوانی ہو گئی ہے"۔

شاعر کرمانی نے کہا" ہاں یہ دیوانی ہے مگر ایک ماں کی طرح!"

تیمور نے دریافت کیا" بڑھیا تو کس طرح اس قدر دُور دراز راستوں سے اس جگہ آ پہونچی؟ تو نے ایسے ایسے پہاڑ اور جنگل کیونکر طے کئے؟ راستہ میں وحشی لٹیروں اور ڈاکوؤں کے ہاتھوں سے کس طرح بچی؟"

آہ، ماں کی محبت!! ــــ!! ماں کی ہمیں پرستش کرنی چاہیئے! دُنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو ماں کی محبت کے راستہ میں حائل اور مانع ہو سکے! انسان کے تمام کامل صفات حسنات ــــ سب ماں کے دودھ کی چھاؤں میں پرورش پاتے ہیں ــــ!! پھول، آفتاب کے بغیر پیدا نہیں ہوتا! نیک بختی، محبت کے بغیر نصیب نہیں ہوتی! محبت، عورت کے بغیر ممکن

افسانہ

ماں کی محبت

(مشہور روسی افسانہ نگار "ماکسم گورکی" کے ایک اخلاقی افسانہ کا ترجمہ)

امیر تیمور گورکانی، "وَدہ" کا نہول" میں، جو گلاب و یاسمن کے سُرخ و سفید پھولوں کے ایک حسین ابر پارے سے چھپا ہوا تھا، عیش و نشاط اور نائو نوش میں مشغول تھا ـــــ سمرقندی شاعروں نے اس دہ کو "پردازِ گل" کے نام سے موسوم کیا تھا ـــــ اس عجیب مقام سے شہر کے تمام آسمان شکوہ، مینار، اور مساجد و معابد کے سبز گنبد بخوبی نظر آتے تھے ـــــ وَدہ کی لمبائی کے گرد، پندرہ ہزار رنگین قناتیں، بڑے بڑے پنکھوں کی طرح، زمین پر قائم تھیں، اور اُن پر دیبا و پرنیان کی رنگین جھنڈیاں ـــــ ایسا معلوم ہوتا تھا، جا نما ر پھول ہوا میں تیرتے ہیں!

تیمور کا خیمہ، ان قناتوں اور جھولداریوں کے درمیان ایک خوبصورت ملکہ کی طرح نظر آتا تھا جو اپنی خواصوں کنیزوں کے حلقہ میں بیٹھی ہو ـــــ اُس کے خیمہ کی قنات، زمین کا مربع حصہ گھیرے ہوئے تھی جس کے چاروں حصے تقریباً سو قدم طویل۔ اور تین نیزوں کے برابر بلند تھے۔ خیمہ بارہ طلائی ستونوں پر قائم تھا جو درمیانی حصے کے نیچے نصب تھے اور اس غرض سے کہ کہیں یہ رنگ و بو کا ارضی ابر آسمان کی طرف نہ اُڑ جائے، پانسو سرخ ریشمی طنابوں کے ساتھ محکم کر دیا گیا تھا۔ خیمہ کے چاروں گوشوں میں ایک ایک چاندی کا بنا ہوا شاہین، جو صنعت کا نفیس ترین نمونہ تھا، بٹھایا گیا تھا ـــــ خیمہ کے بیچ میں پانچواں شاہین، خود تیمور تھا ـــــ وہ شہنشاہ جو نہیں جانتا تھا مغلوب ہونا کیسے کہتے ہیں؟؟

تیمور کا لباس بہت کشادہ تھا، جو آبی رنگ کی دیبا سے تیار کیا گیا تھا، اس پر پانچ ہزار سے زیادہ مروارید کے دانے ٹکے تھے۔ سر پر سفید اور شکستہ کلاہ جس کے نیچے سے اُس کے سپید و سیاہ بال باہر نکل رہے تھے ـــــ اُس کی آنکھوں سے، جو چاروں طرف نگراں تھیں، جوش کا خون اُبل رہا تھا!

اُس کی آنکھیں چھوٹی اور تنگ تھیں مگر ہر چیز دیکھ رہی تھیں دیکھ سکتی تھیں ـــــ اُن سے [illegible] سردی اور خشکی ٹپک رہی تھی!

شہنشاہ کے کانوں میں سرا نیپ کے عشق کے مد گو شعرا کے نغمے [illegible] ہونٹوں سے نکلتے تھے!!

[illegible] حضرت [illegible] ان بیٹا تھا۔ ایک طرف ... [illegible] کا ہم تھا ـــــ تیمور کے قریب [illegible]

میں محو نظر آتا تھا!

یہ دیتا کرآنی تھا جس سے ایک دن، تیمور کی اس طرح گفتگو ہوئی تھی،

"کرانی! اگر مجھے فروخت کیا جائے تو تم کتنے میں خرید و گے؟" تیمور نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"پچیس سپاہیوں کے معاوضے میں!" کرآنی کا جواب تھا۔

"یہ تو صرف میرے زرّیں پٹکے کی قیمت ہے"! تیمور نے غضبناک ہو کر کہا۔

"میں نے بھی تو اسی پٹکے کی قیمت لگائی ہے ورنہ خود آپکی ذات کے لئے تو کوئی ایک روپیہ بھی نہ دے گا"!!

کرآنی نے بیباکی سے جواب دیا۔

کیسا زبردست اور جابر شہنشاہ! ـــــ کس قدر دہشت انگیز!! ـــــ کس درجہ ہولناک!!! ـــــ اور کرآنی کی یہ بیخوف گفتگو!! کیا اس حق گو شاعر کی شہرت، تیمور کی شہرت سے زیادہ بلند ہونے کا حق نہیں رکھتی؟؟

یکایک ـــــ اس بزم نوشا نوش کے ترنم اور خوشگوار ہنگاموں میں، ایک آواز ـــــ جس طرح بادلوں سے بجلی کوندجاتی ہے ـــــ "یلدیرم بایزید" کے مغلوب کرنے والے کے کانوں میں آئی ـــــ!

یہ آواز ـــــ ایک عورت کی آواز تھی، جو ایک غضبناک شیرنی کی آواز کی طرح سنائی دی!!

تیمور کے انتقام جُو اور زخمی دل کو، جو اُس کے فرزند دلبند کے ضائع ہو جانے کے سبب سے تمام دُنیا اور دنیا والوں کے خلاف، غیظ و غضب سے لبریز ہو گیا تھا ـــــ یہ آواز ایک آشناسی آواز معلوم ہوئی! جام عشرت، اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اُسکے لبوں پر ایک اضطراری لرزش دوڑ گئی۔ یہ لرز کہہ رہی تھی "یہ دلخراش آواز کہاں سے آئی"؟

حکم کی تعمیل "بندگان دولت" کی گھبراہٹ نے کی جو چاروں طرف دوڑ گئے تھے ـــــ شہنشاہ کو جواب ملا "یہ ایک دیوانی عورت کی آواز ہے جو کسی طرح یہاں تک پہنچ گئی ہے۔ شکل و صورت سے فقیرنی معلوم ہوتی ہے۔ عربی میں گفتگو کرتی ہے اور "فرمانروائے گردوں" کی آستان بوسی کی خواہشمند ہے"!

"فوراً حاضر کی جائے"!!

تیمور نے حکم دیا اور ـــــ عورت خیمہ میں داخل ہوئی ـــــ برہنہ پا [illegible] اپنی زلفیں بکھیرے [illegible]

خراج تھا ـــــ اُسنے دونوں ہاتھ شہنشاہ کی طرف پھیلا دئے اور بیباکانہ ـــــ خود فراموشانہ لہجہ میں گویا ہوئی،

"کیا تو ہی وہ فرمانروا ہے جسنے سلطان بایزید کو مغلوب کیا ہے"؟

"ہاں میں ہی ہوں ـــــ میں نے ہی بایزید کو اور بایزید ایسے کئی بادشاہوں کو مغلوب کیا ہے! بتا تو کیا چاہتی ہے"؟

تیمور نے جواب دیا۔

"سُن لے امیر! تو جو کچھ بھی ہو اور جس حیثیت میں بھی ہو پھر بھی ایک آدمی ہے! لیکن میں ـــــ آہ، میں ایک ماں ہوں! تو موت اور ہلاکت کی خدمت کرتا ہے، میں زندگی اور سلامتی کی خدمت کرتی ہوں ـــــ تو انسان کو ہلاک کرتا ہے۔ میری گود میں انکی پرورش ہوتی ہے۔ مجھے بتلایا گیا ہے کہ تیرے عقیدے میں انصاف کرنا، توانائی میں داخل ہے، مگر مجھے یقین نہیں آتا، اور نہ کروں گا جب تک تو میری فریاد کو ـــــ میری داد کو نہیں پہنچیگا"!

عورت نے کمال تمکین و وقار کے لہجہ میں کہا "اس لئے کہ میں ایک ماں ہوں! ایک دُکھیاری ماں!!"

تیمور نے عورت کی بیخوفی اور بے پروائی کو حیرت سے دیکھا اسکو بیٹھنے کی اجازت دی "میں سُن رہا ہوں تم اصل واقعہ بتاؤ!"

عورت، شہنشاہ کے سامنے چار زانو ہو بیٹھی اور کہنے لگی "امیر! میں سالرمو کی رہنے والی ہوں ـــــ تو نے ہرگز اس جگہ کا نام نہ سُنا ہوگا کیونکہ وہ دُور ہے ـــــ یہاں سے بہت ہی دُور! ..... میرا باپ اور شوہر ماہی گیر تھے، ایک دن بحری قزاقوں نے چھاپا مارا اور" ـــــ اُسنے رکتے ہوئے کہا "دونوں قتل کر ڈالے۔ میرے" ـــــ اُس [illegible] تھی ـــــ "میرے لخت جگر کو جو نہایت خوبصورت تھا" ـــــ

تیمور کے منہ سے آہ نکل گئی۔ اسنے دل ہی دل میں کہا "خوبصورت! ..... میرے لڑکے جہانگیر کی طرح! آہ"!

عورت نے اپنا قصہ جاری رکھتے ہوئے اور آنکھوں سے سیلاب درد بہاتے ہوئے کہا "بے رحم قزاق میرا لڑکا پکڑ لے گئے، آج چار سال! ـــــ آہ، پورے چار سال گزرے کہ میں اُس کی تلاش میں دیوانہ وار چاروں طرف پھرتی ہوں مگر کہیں پتہ نشان نہیں ملتا ـــــ امیر! میں سمجھتی ہوں میرا لڑکا تیرے پاس ہے، کیونکہ بایزید کے لشکر نے اُن بحری قزاقوں کو گرفتار کر لیا تھا اور تو نے بایزید کو شکست دے کر اُس کا سب کچھ چھین لیا ـــــ ضرور ہے کہ میرا لڑکا تیرے پاس ہوگا اور اس لئے میں چاہتی ہوں تو اُسے میرے سپرد کر دے"!

حاضرین دربار، عورت کی باتوں پر ہنس پڑے "یہ دیوانی ہو گئی ہے"۔

شاعر کرآنی نے کہا "ہاں یہ دیوانی ہے مگر ایک ماں کی طرح!"

تیمور نے دریافت کیا "بڑھیا تو کس طرح اتنی دُور دراز راستوں سے اس جگہ آ پہنچی؟ تو نے ایسے ایسے پہاڑ اور جنگل کیونکر طے کئے؟ راستہ میں وحشی لٹیروں اور ڈاکوؤں کے ہاتھوں سے کس طرح بچی"؟

آہ، ماں کی محبت!! ـــــ !! ماں کی ہمیں پرستش کرنی چاہئے! دُنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو ماں کی محبت کے راستہ میں حائل اور مانع ہو سکے!! انسان کے تمام کمال [illegible] حسنات ـــــ سب ماں کے دُودھ کی چھاتیوں سے پرورش پاتے ہیں ـــــ!! پھول، آفتاب کے بغیر پیدا نہیں ہوتا [illegible] محبت کے بغیر نصیب نہیں ہوتی! محبت [illegible]

نہیں ـــــ اور شاعر اور سپاہی ـــــ کوئی بھی ماں کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتا ــــ!

مظلوم عورت نے کہا "تیمور! میرا لڑکا مجھے دلادے!"

شاعر کرمانی بولا " ماؤں کی ہمیں پرستش کرنی چاہیے اس لئے کہ وہ ہمارے لئے بڑے بڑے آدمی پیدا کرتی ہیں، اور آدمیوں کو بلند رتبہ پر پہنچاتی ہیں ــــ ارسطو، فردسی، اور ــــ اسی طرح سعدی اپنی شہد آمیز شیریں زبانی کے ساتھ ــــ عمر خیام اپنی شراب کی سی زہر آلود رباعیوں کے ساتھ ــــ سکندر، ہومر، اور بہرام گور ــــ یہ سب عورت کے، ایک ماں کے بچے ہیں!"

تیمور اُس عورت کی باتوں سے کسی گہری فکر میں چلا گیا - پھر سر اُٹھاکر ــــ اسنے حکم دیا کہ تین سو شہسوار فوراً اُس لڑکے کی تلاش میں روانہ ہوجائیں، جو شخص ڈھونڈھکر لائے گا اُسے انعام دیا جائے گا ــــ" پھر اُسنے آہ بھر کر کہا ــــ میں سمجھ گیا یہ عورت اس قدر بے پروا اور بے خوف کیوں ہی؟ ــــ چونکہ وہ ماں ہی! ــــ ایک محبت کرنے والی ماں!! اور کوئی ماں نہیں ہوتی جو محبت نہ کرتی ہو!! لڑکے کے کھو جانے سے اُس کے دل میں آگ سی بھڑک رہی ہی ــــ ایسی آگ! جو برسوں تک، قرنوں تک، شرارے چھڑک سکتی ہی"

تیمور کے حکم جاری کرنے پر کرمانی کی شاعرانہ اور دردآشنا رُوح وجد میں آگئی - اُسنے فی البدیہہ یہ اشعار موزوں کرلئے:

ماں

یہ کون نغمہ ہی ساری دنیا کے نغماے طربِ نمیرں؟
جو آسماں کے ستاروں، بانوں کے پھولوں کا عکس بن رہا ہی
کوئی بتائے بھلا وہ کیا ہی!

زمانہ کے اہل ذوق میں سے ہر ایک کا یہ خیال ہوگا
کہ وہ محبت ہی جس سے یہ خاکداں نغمہ سنجو رہا ہی!
حریم ہستی مہک رہا ہے!

وہ چیز جو آفتاب سے نشاط آرزو بہشت سی کبھی
ہزار درجہ زیادہ اچھی ہی، خوبصورت اور خوشنما ہی
کوئی بتائے بھلا وہ کیا ہی؟؟

سنا ہے شگوں میں ہیں بیٹھے ہیں مسکراتے ہوئے ستارا
میں جانتا ہوں کہ چشم محبوب سارے پھولوں سے خوشنما ہی!
شراب گوں ہی شراب زا ہی!

میں جانتا ہوں کہ اُس کا اک ہلکا ہلکا سا نازنیں تبسم
دل شکستہ کے حق میں کس درجہ مہر انگیز و مہرزا ہی!
لب تکلم کا معجزہ ہی!

کرشمہ آرائی ہائے احساس حسن کے باوجود اب تک
نہ کہہ سکا کوئی شاعر آخر، وہ نغمۂ دل پذیر کیا ہی؟
جو سب سے بہتر ہی دلربا ہی!!

مگر میں کہتا ہوں اب کہ وہ نغمہ ــــ آہ وہ دلگداز نغمہ!
جو ساری دنیا کے سارے رنگیں ترانوں کا اصل مبتدا ہی!
جو قلب فطرت کا آئینہ ہی!

وہ نغمہ ــــ وہ کائنات کا ــــ کائنات کا سحر کار دل ہی!!
وہ دل کہ جس کا جہان والوں نے پیار سے نام ماں رکھا ہی!!
وہی محبت کی ابتدا ہے!!
وہی محبت کی انتہا ہے!!

مترجمہ اختر شیرانی - لاہور

اقتباس و تراجم

پروپاگنڈا

علم اجتماع نے ثابت کردیا ہو کہ نوع انسانی کی ترقی درحقیقت اُن تغیرات اور تدریجی انقلابات سے وابستہ ہو جو مختلف تمدنی موثرات کے ماتحت افراد، جماعات، اور اقوام کی زندگیوں میں واقع ہوتے ہیں - تمدن کی تاریخ در اصل اُن تدریجی تبدیلیوں کی تاریخ ہو جو تاریخ کے مسلسل زمانوں میں قوموں کی زندگی میں واقع ہوتی رہی ہیں -

افراد چونکہ نطرۃً اپنے اسلاف کی تقلید کی طرف مائل ہوتے ہیں اور موروثی عقائد و عادات کے دلدادہ ہوتے ہیں، اس لئے وہ ہر اُس جدت کی مخالفت کرتے ہیں جو موروثی قدامت کو شکست کرنے والی یا اُسمیں تبدیلی کرنے والی ہوتی ہو - افراد اگر "جدید" کو قبول بھی کرتے ہیں تو طویل جدوجہد اور اپنے قدیم عقائد و خیالات کے مطابق اسمیں بہت کچھ ترمیم اور تبدیلی کے بعد یہ افراد کی جبلت و طبعیت ہو جس سے وہ مجبور ہیں - اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ ہو کہ افراد و جماعت کی زندگی میں تبدیلی بہت آہستہ سرایت کرتی ہو اور انسانی تاریخ میں انقلاب، چیونٹی کی چال چلکر بہت عرصہ بعد رونما ہوتا ہو - لیکن کبھی اس تدریجی اور آہستہ رفتار پر ایسے غیر معمولی حالات طاری ہوجاتے ہیں کہ افراد و جماعت کی ذہنیت اُن سے کلیتہً متاثر ہوجاتی ہو - طبیعتیں بے خود ہوجاتی ہیں - قدامت کا عشق دُور ہو جاتا ہو اور جدت سے نفرت زائل ہوجاتی ہو - اس ناگہانی تغیر کا نتیجہ یہ ہوتا ہو کہ جماعت تھوڑی ہی مُدت میں جست کرکے وہ اُن مراحل کو طے کر ڈالتی ہیں جو عام حالات میں کہیں صدیوں کے سفر کے بعد طے کرتی -

اُن غیر معمولی مؤثرات و عوامل میں، جو تمدن کی رفتار پر گہرا اثر ڈالتے اور اُسے سرعت بخشتے ہیں، ایک بڑا موثر سبب "جنگ" ہے - گزشتہ عالمگیر جنگ اس کا سب سے بڑا ثبوت ہو - یہ جنگ اگر دنیا کی سب سے بڑی نہیں تو بہت ہی بڑی جنگوں میں سے ایک نہایت ہی ہولناک جنگ ضرور تھی - لیکن باوجود اُن تمام مصائب و آلام کے اعترات کے جو اس جنگ سے پیدا ہوئے، ہمیں اُس نہایت ہی تیز تبدیلی کو بھی تسلیم کرنا چاہیے جو اس جنگ نے معاشرو اجتماع کی ہر شاخ میں اچانک پیدا کردی ہو - پھر اس تبدیلی سے افراد و جماعات کی زندگی کے ہر شعبہ میں جو عظیم انقلابات طاری ہوئے ہیں اُنھیں بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے حقیقت یہ ہو کہ گذشتہ دس بارہ سال میں انسانیت نے ترقی کے جتنے مرحلے طے کئے ہیں، عام حالات میں وہ صدیوں کی جدوجہد سے بھی طے نہ ہوتے - ان تیز انقلابات و تغیرات نے افراد اور جماعتوں کی ذہنیت پر عظیم اثر ڈالا ہو اور اُسے ایک ایسے قالب میں ڈھال دیا ہو جو سراسر حیرت انگیز ہے حتیٰ کہ چشم بینا دیکھ سکتی ہو کہ آخری چند سال کی دَوڑ کے بعد اب انسانیت اُس نقطہ پر پہنچ گئی ہو جس سے ماضی قریب کو کوئی علاقہ باقی نہیں رہا - انسانیت نے اپنے قریبی ماضی سے تمام رشتے تقریبًا منقطع کرلئے ہیں - اب وہ اُسے مقدس و محترم نہیں سمجھتی اور اُس کی حفاظت میں کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کرتی جنگ نے یہی نہیں کیا کہ انقلاب کا تنفر دُور کردیا ہو، بلکہ انسانیت کی ذہنیت بھی کچھ ایسی کردی ہو کہ وہ تبدیلی کی شیدا ہوگئی ہو، اُسے تلاش کرتی ہو، اُسے لینے کے لئے بیچین ہو - یہ نئی فکری روح تمام انسانی طبقوں میں کم و بیش عام ہو -

اس ذہنی ترقی کے ساتھ ساتھ عمل کا ایک نیا طریقہ بھی عام ہو گیا ہو - اس طریقہ کو "پروپاگنڈا" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہو - آج یہ لفظ ہر کہہ و مہ کی زبان پر ہو - حالانکہ جنگ سے پہلے صرف ایک خاص گروہ میں مستعمل تھا - لوگ جب اسے کسی کی زبان سے سنتے یا کاغذ پر لکھا دیکھتے تھے تو اُن کے اندر ایک مبہم خوف سا پیدا ہوجاتا تھا - وہ اسے بھی فری میسن وغیرہ پر اسرار لفظ کی طرح کوئی خطرناک لفظ سمجھتے تھے!

"پروپاگنڈا" لاطینی زبان کا لفظ ہو - اس کے لُغوی معنی ہیں "بڑھتی، زیادتی، فراوانی"، اور اصطلاح میں کسی تحریک کے پھیلانے اور عام کرنے کو کہتے ہیں - اس لفظ کی تاریخ یہ ہو کہ سنہ ۱۶۲۲ء میں روم کے پوپ گرگوریس پانزدہم نے ایک مذہبی انجمن قائم کی اور اُس کا نام یہی رکھا - اس انجمن کا مقصد یہ تھا کہ لاطینی قوموں میں مسیحیت پھیلائی جائے - کچھ مدت بعد یہ لفظ اُن تمام طریقوں کے لئے مستعمل ہونے لگا جو مختلف مذہبی اور سیاسی انجمنیں اپنے خیالات کی تبلیغ کے لئے کام میں لاتی تھیں - ایک طویل زمانہ تک یہ لفظ خواص ہی کے حلقہ میں گردش کرتا رہا - یہاں تک کہ آہستہ آہستہ عوام میں بھی اس لفظ کو مقبولیت حاصل ہوگئی اور دوران جنگ میں تو بچہ بچہ نے اسے سُنا اور اُس سے نہایت ہی کامیاب نتائج حاصل کئے گئے - اب تو یہ حالت ہوگئی ہو کہ صنعت، حرفت، تجارت، سیاست، مذہب، غرضکہ ہر شعبہ میں یہ لفظ استعمال کیا جاتا اور اُس کے مفہوم سے کام لیا جاتا ہو - تاجر اپنی تجارت کے فروغ دینے اور قسم قسم کی تدبیروں سے پبلک میں اُسے مقبول بنانے کے لئے جو کچھ کرتے ہیں، اُسے بھی "پروپاگنڈا" ہی کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہو - یہی نہیں بلکہ مُضر تحریکوں اور غلط اصولوں کی اشاعت و تبلیغ میں بھی یہی ہتیار کام میں لایا جاتا ہو -

یہ محقق ہو کہ افراد اپنے انفرادی ماحول میں، جماعتی ماحول سے زیادہ عقلمند اور ہوشیار ہوتے ہیں، جماعت کے ماحول میں جانے کے بعد افراد کی ذہنیت بڑی حد تک کمزور ہوجاتی ہو اور وہ ایسے افعال پسند کرنے لگتے ہیں جو اپنے انفرادی ماحول میں ناپسند کرتے علم اجتماع نے صحیح طور پر ثابت کردیا ہو کہ جماعت کا دماغ، فرد کے دماغ سے کہیں زیادہ کمزور، پست، اور منفعل ہوتا ہو - پس افراد سے

عالمِ مطبوعات و صحائف

دُنیا کا جدید ترین شہر

آسٹریلیا کا نیا دار الحکومت

زمین کی آبادی، اور روح و دِل کی ویرانی!

ریوٹر ایجنسی کے ذریعہ یہ خبر مشتہر ہو چکی ہو کہ آسٹریلیا کی حکومت مقام کین بیرا میں ایک نیا دار الحکومت تعمیر کر رہی ہو۔ اب ملبورن کے "اسٹر یٹیڈ نیوز" نے اِس نئے شہر کے مختلف حصوں کی نہایت دلچسپ تصویریں شائع کر دی ہیں اور ہمارے سامنے موجود ہیں۔ اِن تصویروں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہو کہ واقعی ریوٹر ایجنسی کا یہ بیان مبالغہ سے خالی تھا کہ "یہ شہر دُنیا کا سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے زیادہ مرتب و منظم شہر ہوگا"

ایک تصویر میں آبادی کا ایک مکمل قطعہ دکھلایا گیا ہو، جس طرح کے قطعات پر پُوری آبادی مشتمل ہوگی۔ اِس سے معلوم ہوتا ہو کہ آبادی بے شمار قطعات میں منقسم کر دی گئی ہو۔ ہر قطعہ میں چاروں طرف چھوٹے چھوٹے چمن زار ہیں اور وسط میں مکانات۔ مکانات کا حصہ اور چاروں طرف کے چمن، سب کے سب مربع ہیں۔ مکانات کے مربع قطعہ میں جتنے مکان ہیں، سب کے سب ایک قطع اور ایک درجہ کے ہیں اُن کی تعداد کسی حال میں بھی دس مکانوں سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ اگر اِس طرح کے ہر قطعے کو ایک محلہ سے تعبیر کیا جائے، تو کہنا چاہیے کہ اِس شہر کے ہر محلہ میں چار حصہ سے زائد رقبہ باغ و چمن کا ہوگا، اور صرف پانچواں وسطی حصہ آبادی کا!

دوسری تصویر میں باغ دکھلائے گئے ہیں۔ اِن کی سب سے زیادہ موثر خصوصیت یہ ہو کہ درختوں کی تعداد اور قطار ہر حصہ میں مساوی ہے۔ معلوم ہوتا ہو، سرو قدانِ چمن ایک ہی صورت، ایک ہی وضع اور ایک ہی تعداد میں ہر طرف صف آرا ہیں!

تیسری تصویر میں اُس مصنوعی نہر کا منظر دکھلایا ہو جو دار الحکومت کے مختلف حصوں میں پھیلکر چاروں طرف گردش کرے گی، اور پھر ایک جھیل کی شکل اختیار کر کے پانی اور بجلی کی طاقت کا ذخیرہ بہم پہونچائے گی۔ یہ نہر مصنوعی ہو، لیکن چونکہ انسانی صنعت کا کمال یہ ہوتا ہو کہ فطرت کی سادگیوں سے قریب تر ہو جائے، اِس لئے کوشش کی گئی ہو کہ اس کے پیچ و خم اور نشیب فراز میں قدرتی نہر کی سی شان پیدا کر دیجائے۔ اسمیں شک نہیں کہ تصویر دیکھ کر کوئی نگاہ نہیں کہہ سکتی کہ یہ قدرتی نہر نہیں ہو!

باغوں کی روش میں جاپانی (اور فی الحقیقت اندلسی اور مغلی) طریقہ تزئین و آرائش زمین کا لمحوظ رکھا گیا ہو۔ یعنے مختلف رنگ کے پتھروں اور سیمنٹ کے ذریعہ روشوں کے دامن اور حواشی بنائے گئے ہیں۔ ہر چمن زار کا حاشیہ سفید ہو۔ اُس کے بعد تھوڑی جگہ چھوڑ کر پھر ایک سفید جدول دوڑا دی گئی ہو۔ دُور سے دیکھیے تو معلوم ہوتا ہو، ایک نہایت خوشنما اور خوش اطراف قالین بچھا ہوا ہو!

اِس شہر کے حسن و جمال کو زمین کے اُس حصہ کی قدرتی خوبیوں سے بھی بہت مدد ملی ہو جو اِس کے لئے منتخب کی گئی ہو۔ یہ سطح سمندر سے دو ہزار فٹ، بلند ہو، جو ہندوستان کے اکثر پہاڑی سطح ہائے مسطح کی بلندی ہو۔ اور اِس لئے آب ہوا کافی خنک اور خوشگوار ہو۔ قطعۂ زمین کا پُورا رقبہ تقریبًا ایک ہزار مربع میل ہوگا۔ اِسکے چاروں طرف درختوں سے بھرے ہوئے پہاڑی سلسلے واقع ہیں۔ اور انھوں نے اِس سطح مسطح کو نیو ساوتھ ویلز کے صوبے سے الگ کر دیا ہو۔

یہ بھی عجیب اتفاق ہو کہ اِس نئے شہر کا نقشہ جس امریکن ماہرِ فن ہندسہ نے طیار کیا ہو، اُسی سے ترکی حکومت نے بھی اپنے نئے دار الحکومت کا نقشہ طیار کرایا ہو جو انگورہ میں زیرِ تعمیر ہو۔ اِس ماہرِ فن کا نام ڈبلیو بارلے گریفن ہو، اور اِسوقت فن ہندسۂ تعمیر میں بہترین شخص تسلیم کیا جاتا ہو

اِس دار الحکومت کے لئے پارلیمنٹ کی جو عمارت تعمیر کی گئی ہو، وہ عارضی ہو۔ مستقل اور اصلی عمارت بہ تدریج سو برس کے اندر تعمیر ہوگی سو برس کی مدت پر ہمارے قارئین کو تعجب ہوگا لیکن اُنھیں خیال کرنا چاہیے کہ کسی قوم کے قومی کاموں کی عمر میں ایک صدی کا زمانہ اِس سے زیادہ نہیں ہوتا جس قدر فرد کی عمر کے لئے ایک دن!

پچھلی ڈاک کے نیو یارک ٹائمز نے بھی اِس دار الحکومت کے حالات پر ایک مقالہ شائع کیا ہو۔ وہ لکھتا ہو "پارلیمنٹ کی اصلی عمارت سو برس کے اندر مکمل ہوگی۔ ایک نہایت مختصر وقت جو کسی قوم کی زندگی کا ہو سکتا ہو! اِس مدت کے اندر آسٹریلین قوم یقینًا ترقی کے اِس درجہ تک پہنچ جائے گی، جب ضرورت اور خرچ کیں کوئی سمجھوتا نہیں ہو سکتا!"

امریکن اخبارات نے اسپر جو رائے زنی کی ہو، اُس میں رشک کی جھلک صاف نمایاں ہو۔ سائنٹفک امریکن کا مقالہ نگار لکھتا ہو کہ "کین برا کا نقشہ اُن تمام غلطیوں سے محفوظ ہو جو واشنگٹن کی آبادی کی ترتیب میں ہو چکی ہیں۔ آسٹریلیا کو امریکہ کے مقابلہ میں یہ مزیت حاصل ہو گئی کہ وہ امریکی آبادی سے کئی نسل پیچھے وجود میں آیا اور اُن تمام تجربوں سے فائدہ اُٹھا سکا جو امریکہ کی آبادی سے حاصل ہو چکے ہیں۔ واشنگٹن نہ تو یکساں ہو، نہ مرتب، اور نہ مناسب قطعات میں منقسم۔ لیکن کین برا شہری آبادی کا ایک ایسا کامل جمال ہوگا جس میں تناسب کے خلاف کوئی بات نہ ہوگی"

پچھلے دِنوں اِس شہر کا سرکاری افتتاح ہو چکا ہو، لیکن ابھی عام آبادی شروع نہیں ہوئی ہو۔ صرف عارضی سرکاری مکانات آباد ہوئے ہیں۔

لیکن جسوقت ہم انسان کی مادی سعی و جستجو کی یہ داستان شوکت و سطوت پڑھ رہے تھے، تو بے اختیار ہمارا خیال ایک دوسرے گوشۂ فکر کی طرف منتقل ہو گیا۔ افسوس انسانیت کی محرومی پر! زمین کی صورت جس قدر حسین ہوتی جاتی ہو، اُتنی ہی اُسکی روح و معنویت آرائش جمال سے محروم ہوتی جاتی ہو۔ اینٹ، پتھر، اور سبزہ و درخت کی صورت آرائیوں سے اُس کے خال و خط دلفریب بنجا سکتے ہیں لیکن اُسکے جمالِ روح کے لئے آرایش بہم نہیں ہو سکتی۔ اُس کی روح اور معنویت کیا ہو؟ مجمع انسانی کا حقیقی امن و سکون۔ اُسکی معنوی سعادت و مسرت۔ اُس کے دِل کی راحت، اور رُوح کا قرار اور چین۔ کیا اِس کے لئے بھی دنیا اور دُنیا کی قوموں کے پاس کوئی سعی و اہتمام ہو؟ کیا اسکے لئے بھی کسی ماہرِ فن کا دماغ اور کسی نقاش کا قلم و پرکار ہو؟ دُنیا کی قومیں باہدگر رشک و حسد سے مضطرب ہو رہی ہیں۔ ہر قدم اینٹ پتھر کی سربلندی اور لکڑی اور لوہے کی سرفرازی میں دوسرے کو پیچھے ہٹانا اور خود آگے بڑھنا چاہتی ہو۔ لیکن روح و دل کی رفعت و سعادت کے لئے نہ تو کسی کے دلمیں رشک ہو، نہ کسی کے دماغ میں طلب۔ آسٹریلیا نے نئی کین برے کا اور ٹرکی نے نئے انگورہ کا نقشہ بنا لیا۔ لیکن افسوس، کوئی نہیں جو انسانی سعادت کی ایک نئی بستی کا اور رُوح و دل کے سکون و قرار کے ایک نئے دار الحکومت کا نقشہ بنائے! قرآن حکیم نے مادی زندگی کے استعمال و تصرف پر نہیں مگر اُس کے اِسی استغراق و پرستش پر بار بار ملامت کی ہو کہ: یعلمون ظاہراً من الحیوٰۃ الدنیا وہم عن الاخرۃ ہم غافلون! (۳۰: ۶)

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۶)

کام لینے اور اُنھیں متأثر کرنے کا سب سے بہتر اور کامیاب طریقہ یہی ہو کہ جماعتی ذہنیت کو متأثر کیا جائے جس کے بعد سرکش سے سرکش افراد بھی متأثر و مغلوب ہو جائیں گے۔ جماعتی ذہنیت کے متأثر کرنے کے طریقوں اور ذریعوں ہی کا نام "پروپاگنڈا" ہو۔

کس قدر حیرت انگیز بات ہو کہ افراد، جو عمومًا محب ذات اور خود غرض ہوتے ہیں، ہولناک جنگوں میں ہتیلیوں پر سر رکھے گھس جاتے ہیں اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ جنگ سے اُن کی ذات کو ذرا بھی فائدہ نہیں پہنچے گا، اپنے تئیں موت کے منہ میں ڈال دیتے ہیں؟

اِس کی وجہ کیا ہو؟ وجہ یہی ہو کہ پروپاگنڈے نے اُنکی انفرادی عقل پر پردہ ڈال دیا ہو اور ایک ایسی جماعتی ذہنیت پیدا کر دی ہو جس کے دھارے پر پڑ کر بے چون و چرا جنگ کی طرف دَوڑے چلے جا رہے ہیں اسی جماعتی ذہنیت کا نام "عام رائے" ہو۔ اسی عام رائے کے طیار کرنے کی کوشش کو "پروپاگنڈا" کہتے ہیں۔

اِس بیان سے واضح ہو گیا کہ کسی تحریک کے کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہو کہ اُس کے موافق جماعتی ذہنیت پیدا کی جائے، تاکہ افراد اِس ذہنیت سے متأثر ہو کر اُس کے حامی اور طرفدار بنجائیں جماعتی ذہنیت یا عام رائے بنانے کا ذریعہ تقریر، تحریر، اخبارات، رسائل انجمنیں غرضکہ بہت سے طریقے ہیں۔ اِن تمام طریقوں کو "پروپگنڈا" کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہو۔ نتیجہ یہ نکلا کہ موجودہ زمانہ میں ہر تحریک کی کامیابی کے لئے سب سے زیادہ کارگر ذریعہ "پروپاگنڈا" ہو۔

مطبوعاتِ جدیدہ

غدر ۱۸۵۷ء

اور "تصویر کا دوسرا رُخ"

حال میں ایک کتاب انگلستان میں شائع ہوئی ہے جس کا نام

The other side of medal

ہے یعنی "تصویر کا دوسرا رُخ"۔ اس کے مصنف ایک مشہور اہل قلم ایڈورڈ ٹامسن ہیں۔ انہوں نے یہ کتاب اس لئے لکھی ہے کہ "غدر ۱۸۵۷ء کے اثنا میں برطانی حکام نے جو انتقامی تدابیر اختیار کی تھیں یا سطوت کے رعب و ہیبت کے مظاہرے کئے جو خونریزیاں جائز رکھی گئی تھیں اُن کے واقعات مستند تاریخی مصادر سے اخذ کر کے یکجا کر دئے جائیں اور اس ہندوستانی غدر کی ہولناک تصویر کا دوسرا رُخ بھی دنیا کے سامنے آجائے"۔

غدر ۵۷ء کی تصویر کا ایک رُخ تو وہ تھا جو باغی فوج کے قتل و غارت اور لوٹ مار کی صورت میں دنیا دیکھ چکی ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ وحشیانہ طرزِ عمل دہلی، لکھنؤ، اور کانپور میں بے گناہ انگریز عورتوں اور بچوں کا قتل تھا۔ دہلی میں ۵۲ انگریز قید تھے۔ باوجود بدقسمت بہادر شاہ مرحوم کی پیہم مخالفانہ کوششوں کے باغی فوج نے انہیں قتل کر ڈالا۔ غالباً [illegible] (روایات مختلف ہیں) اُن میں عورتیں بھی تھیں۔ لکھنؤ میں بھی غدر کے بعد [illegible] انگریز قیدی تلنگوں کے ہاتھوں قتل ہوئے جن میں ایک تہائی تعداد عورتوں کی تھی۔ کانپور میں جاں بخشی کا عہد کرنے کے بعد جو حملہ انگریزوں کی کشتیوں پر کیا گیا جن میں عورتیں اور بچے بھی تھے، وہ نانا راؤ کے حکم سے ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، لیکن یقیناً حد درجہ کا وحشیانہ فعل تھا۔

مختلف مقامات میں غیر مسلح اور بے پناہ انگریزوں پر اُنکے نوکروں نے جو حملے کئے، اور عورتیں تک قتل کر ڈالی گئیں، بلاشبہ اخلاق و انسانیت اُنکے لئے کوئی معذرت قبول نہیں کریگی۔

یہ ۵۷ء کی تصویر کا ایک رُخ ہے اور ایک سو سے زیادہ انگریز اہل قلم اُس کی وحشت و ہولناکی کے خال و خط نمایاں کر چکے ہیں!

لیکن تصویر کے دوسرے رُخ کی شہادت کیا ہے؟ وہ اخلاق و انسانیت کا مُرقع ہے، یا وحشت و ہولناکی کا؟ پہلے رُخ سے کم ہولناک ہے یا زیادہ؟ دنیا کی اُن حکمران اور قابو یافتہ قوموں میں جنھیں انتقام و غضب کے موقعہ پر اپنی اخلاقی سیرت (کریکٹر) کے مظاہرہ کا موقعہ ملا ہے، انگریزی قوم کس جگہ کی مستحق ہے؟ اُسنے خود ہندوستانیوں کی مدد سے فتحیاب ہو کر ہندوستان کے سب سے بڑے شہروں میں جو قتل عام کیا، اور جس طرح غیر مسلح، غیر محارب، اور یکقلم بے گناہ آبادی تہ و بالا کر دیگئی، تاریخ کو اسکے لئے کیا فیصلہ کرنا چاہئے؟ یہ سوالات ہیں جو غدر ۵۷ء کی تاریخ سے قدرتی طور پر پیدا ہوتے ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ اسوقت تک مؤرخانہ نظر و تحقیق کی روشنی اس گوشہ پر نہیں پڑ سکی۔ اس نئی کتاب میں مسٹر ٹامسن نے سوالات پر روشنی ڈالی ہے، اور کوشش کی ہے کہ مستند اور بے لاگ تاریخی مصادر سے واقعات جمع کر دئے جائیں۔ مصنف کے لئے مشکل تھا کہ وہ اپنے مقصد میں پوری کامیابی حاصل کرتا۔ اُسکے پاس حکومت ہند کے سرکاری افسروں اور انگلستان کے بعض نیم سرکاری مباحث کے سوا اور کوئی ذریعہ علم نہ تھا، اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں ذرائع اس بارے میں غیر طرفدار نہیں قرار دئے جا سکتے۔ تاہم تاریخی شہادات کا جسقدر ذخیرہ بھی جمع ہو گیا ہے، اُس سے بہ حیثیت مجموعی "تصویر کا دوسرا رُخ" نمایاں ہو جاتا ہے۔

اب ہندوستان اُس منزل سے گزر چکا ہے جب اس قسم کے واقعات محض سیاسی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کی اصلی حیثیت سیاسی نہیں بلکہ تاریخی ہے۔ غدر ۵۷ء جیسا عظیم واقعہ جسنے ہندوستان کے نئے دورِ حیات کے ہر گوشے پر اثر ڈالا، ضروری ہے کہ تاریخ کے سامنے پیش کیا جائے، اور اُسے چھوڑ دیا جائے کہ اپنا فیصلہ ثبت کر دے۔

ذیل میں ہم اس کتاب کے بعض ضروری حصوں کا ترجمہ درج کرتے ہیں۔ یہ ترجمہ مولوی محمد علی صاحب وکیل ایبٹ آباد نے کیا ہے۔ ان کا ارادہ ہے کہ پوری کتاب کا ترجمہ اُردو میں مرتب کر دیں۔ اُمید ہے یہ ترجمہ پوری دلچسپی کے ساتھ پڑھا جائیگا۔

آکسفورڈ میں یہ مثل عام طور پر مشہور ہے کہ اگر کوئی شخص ہندوستان کے متعلق کسی معمولی درجہ کے ایوان میں بھی لیکچر دے، تو تمام سامعین یک لخت ایوان خالی کر دیں گے۔ ایک زمانہ تھا جب انگریز علماء ہندوستانی علوم و فنون میں دلچسپی لیا کرتے تھے۔ لیکن اب یہ حال ہے کہ ہندوستانی مسائل پر کوئی متوجہ نہیں ہوتا۔ اس تبدیلی کا سبب یہ ہے کہ ہمیں یقین ہو گیا ہے، ہندوستانی ہماری حکومت سے تنگ آگئے ہیں۔ انھوں نے ہمارے حسنِ انتظام کی قدر نہیں کی۔ ہم اگر اب بھی قربانی کر سکیں تو ہندوستان کو بزورِ شمشیر قابو میں رکھ سکتے ہیں۔

لیکن جو شور و غل جلیانوالہ باغ کے قتل عام پر ہوا تھا، اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہم اپنے آبا و اجداد سے کہیں زیادہ رحمدل واقع ہوئے ہیں۔ کیونکہ ہم ہندوستان میں دوسرا غدر پیدا کرنا نہیں چاہتے۔

اب ہمارے لائق اور ہونہار نوجوان ہندوستانی ملازمتوں سے گریز کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ معمولی قابلیت کے آدمی ہندوستان جا رہے ہیں۔

ہندوستان کے متعلق غلط اور بے بنیاد پروپیگنڈا یورپ میں پھیلایا جا رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اُس کے باشندے محض وحشی اور صحرائی ہیں!

ہندوستانی مورخ نہیں ہیں۔ انہیں واقعات کو سلسلہ وار ترتیب دینا نہیں آتا۔ وہ تحقیق کے نئے طریقوں سے ناآشنا ہیں یہی وجہ ہے کہ آجتک غدر ۵۷ء کے متعلق ہندوستان میں کوئی تاریخ صحیح شائع نہیں ہوئی۔ حالانکہ دوسری طرف انگریزوں نے اس واقعہ پر سیکڑوں کتابیں لکھ کر مشتہر کیں۔ یہ واقعہ ہے کہ انھوں نے تصویر کا صرف ایک رُخ دکھایا ہے

غدر کے اسباب

عام طور پر غدر کے دو سبب بیان کئے جاتے ہیں۔ اولاً یہ کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان کے تمام صوبے یکے بعد دیگرے اپنی حکومت میں ملا لئے تھے۔ اسواسطے ہندوستانیوں کے دلوں میں کمپنی کے متعلق بہت شکوک پیدا ہو گئے۔ دوسرا سبب وہی چربی والے کارتوسوں کا قصہ ہے۔

اینسن (Ansen) جو اُن دنوں کمانڈر انچیف تھا لکھتا ہے

"میں نے مشکوک کارتوس دیکھے ہیں۔ میں یقین کرتا ہوں کہ سپاہیوں کے عذرات حق بجانب ہیں۔ مجھے یہ ہرگز خیال نہ تھا۔ کہ ان کارتوسوں کے استعمال میں گائے اور سؤر کی چربی لگائی جائے گی۔ میرے خیال میں ہندوستانی سپاہیوں کے جذبات کی مطلق پرواہ نہیں کی گئی"۔

یہ کارتوس جو انہیں دنوں میں رائج کئے گئے تھے، سؤر اور گائے کی چربی سے آلودہ ہوتے تھے۔ اور پیشتر اس کے کہ انھیں بندوقوں میں ڈالا جائے، دانتوں سے کاٹنا پڑتا تھا۔ اس کارتوس کے چند حصے ایسے سخت ہوتے تھے کہ بغیر دانت کے استعمال کے چلائے نہیں جا سکتے تھے۔ ہندو مذہب میں گائے کا احترام کیا جاتا ہے، جب انھیں یہ کارتوس استعمال کرنا پڑے تو سخت رنج ہوا۔ یہی حال مسلمان سپاہیوں کا بھی تھا۔ چنانچہ تمام فوج میں ایک کھلبلی مچ گئی۔ رسالہ نمبر ۳ مقیم میرٹھ کے ۸۵ سپاہیوں نے ایسے کارتوسوں کے استعمال کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کا کورٹ مارشل کیا گیا۔ اور دس دس سال کی سزا دی گئی۔ جس طریقے سے یہ حکم سنایا گیا تھا وہ تہذیب سے گرا ہوا تھا۔ مصنف موصوف نے اس خوفناک منظر کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

"۸۵ سپاہیوں کو گارد کی حراست میں فوجی عدالت کے روبرو پیش کیا گیا اور یہ سخت حکم سنایا گیا۔ اُن کی فوجی وردی اُنکے جسم سے اُتار دی گئی پھر اُسی وقت بیڑیاں پہنائی گئیں۔ یہ نہایت دردناک نظارہ تھا۔ اُن کے ساتھیوں کو اُن کی حالتِ زار پر ترس آ رہا تھا۔ ان قیدیوں میں بہت سے ایسے سپاہی بھی تھے جنھوں نے انگریزوں کی خاطر بڑی بڑی قربانیاں کی تھیں۔ اور مختلف لڑائیوں میں عدیم المثال بہادری دکھائی تھی۔ تمام قیدیوں نے بآوازِ بلند جرنیل کی منت و سماجت کی کہ اس بے عزتی سے بچایا جاوے۔ لیکن کسی نے پروا نہ کی۔ جب وہ مایوس ہو گئے تو انھوں نے اپنے ساتھیوں کو للکار کر کہا تمھیں شرم نہیں آتی کہ ہم اس مصیبت میں گرفتار ہیں اور تم خاموشی سے تماشہ دیکھ رہے ہو؟ اس دردناک اپیل سے حاضرین کے دل پر گہرا اثر پڑا۔ ممکن تھا کہ وہ کچھ کر گذرتے۔ لیکن توپوں اور بندوقوں کی موجودگی میں وہ کیا کر سکتے تھے؟ ناچار اُنھیں صبر کرنا پڑا۔ لیکن اس واقعہ سے ہر ایک ہندوستانی انگریزوں کے خلاف ہو گیا۔ وہ لوگ جو ان کی خاطر اپنی جانیں لڑاتے تھے، یکلخت اُنکے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔

لارڈ کیننگ گورنر جنرل نے اس واقعہ کے متعلق اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے "یہ ایک ایسا احمقانہ حکم تھا جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ بغاوت کا آغاز اسی حکم سے شروع ہوتا ہے"

دوسرے دن (یعنی ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء) ایک رسالہ اور دو پیادہ فوجوں نے جیلخانے کے دروازے بزبردستی کھولکر اپنے ساتھیوں کو آزاد کر دیا۔ پھر انگریز افسروں کے گھر جلا دئے۔ جہاں کہیں کوئی فرنگی ملا قتل کر دیا گیا، اور اس کے بعد سب کے سب دہلی روانہ ہو گئے جب باغی پلٹنیں دہلی پہنچیں۔ تو وہاں بھی انھوں نے انگریزوں کے قتل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ جب ایک محکوم قوم اپنے حاکموں سے جنگ و جدل پر آمادہ ہو جاتی ہے تو دونوں طرف سے

وحشیانہ حرکات ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے سے ظالمانہ سلوک روا رکھا جاتا ہو، حتیٰ کہ طاقتور جماعت محض اپنے زور سے دوسری جماعت کو کچل دیتی ہو۔ فرینک ٹرنٹ نے تاریخ انگلستان میں لکھا ہو" یہ لڑائی دو وحشی قوموں میں ہو رہی تھی۔ انھوں نے رحم و انصاف بالائے طاق رکھ دیا تھا۔ اگر انھیں کوئی خیال تھا تو صرف یہ تھا کہ کسی طرح انکے دشمن تباہ ہو جائیں۔ دونوں طرف سے سخت مظالم کئے گئے جن پر پردہ ڈالنا ہی مناسب ہو" انگریزی تواریخ نے اپنی حرکات پر تو واقعی پردہ ڈال دیا ہو، لیکن ہندوستانیوں کے مظالم کا بہت بری طرح سے خاکہ کھینچا گیا۔ سیکڑوں فرضی قصے تواریخ میں درج کئے گئے تاکہ انگریزوں کو انکے پڑھنے سے جوش پیدا ہو۔ آج ہم اس تصویر کا دوسرا رُخ بتاتے ہیں جو تقریبًا ۷۰ سال سے لوگوں کی نظروں سے عمدًا چھپا دیا گیا ہو۔

پشاور کا واقعہ

۱۵ر جون ۱۸۵۷ء کو پشاور میں ۱۲۰ سپاہی پکڑے گئے۔ ان میں سے کسی نے بھی اپنے افسروں کو قتل نہیں کیا تھا۔ بہت سے آدمی ایسے تھے جو بغیر کسی مجرمانہ ارادے کے بغاوت میں شامل ہو گئے تھے نکلسن نے ایڈورڈز ڈپٹی کمشنر پشاور کو لکھا تھا کہ میں ۷۰ سکھ قیدیوں کی جاں بخشی کی سفارش کرتا ہوں کیونکہ مجھے انکے افسروں نے یقین دلایا ہو کہ ان لوگوں نے بغاوت میں مطلق حصہ نہیں لیا۔ باقی کو توپ کے ذریعہ اُڑا دیا جائے۔ سر لارنس نے جواب دیا کہ چونکہ وہ ہمارے دشمنوں کی طرف سے لڑ رہے تھے۔ اس لئے ان پر رحم نہیں کیا جا سکتا۔ پھر بھی میں تمام آدمیوں کو پھانسی دینا نہیں چاہتا۔ میرا مدعا صرف یہ ہو کہ ایسی عبرتناک سزائیں دی جائیں کہ عوام الناس ڈر جائیں، میری تجویز یہ ہو کہ ان میں سے صرف ایک تہائی کو سزائے موت دی جائے۔ اور تعداد ان سپاہیوں میں سے چنی جائے جو نہایت سرکش اور گستاخ ہوں۔ یا جن کے خلاف انکے افسر شکایت کریں اگر ان صفات کے آدمی اتنے نہ ملیں جن سے مجوزہ تعداد پوری ہو سکے تو پھر بوڑھے سپاہیوں کو شامل کر لینا چاہیے۔ باقی قیدیوں کو مختلف قسم کی سزائیں دی جائیں سزا کسی حالت میں بھی تین سال سے کم نہ ہو۔

لارڈ رابرٹ نے جو ان دنوں لفٹنٹ کے عہدے پر تھا، اپنی والدہ کو ایک خط میں اسی واقعہ کے متعلق لکھا ہو" ہم جہلم سے پشاور تک پیادہ پا آئے۔ راہ میں باغیوں کو قتل کرتے رہے اور فوجوں سے ہتھیار لیتے رہے۔ لوگوں پر سزائے موت کا جو توپ سے واقع ہو، بڑا اثر پڑتا ہو۔ یہ بڑا ہی خوفناک منظر ہو لیکن اس کے بغیر چارہ نہیں۔ ان مظالم کے ذریعہ ہم ان بدمعاش مسلمانوں کو بتلا دینا چاہتے ہیں کہ ہم خدا کی مدد سے ہندوستان پر قابض رہینگے"

پنجاب کے واقعات

ایک توپ میں بہت زیادہ بارود بھری ہوئی تھی۔ جب ایک شخص کو اس کے سامنے لاکر رکھا گیا اور توپ چل گئی، تو اس شخص کے سیکڑوں ٹکڑے ہوا میں اُڑ گئے۔ اس کا سر تماشائیوں میں سے ایک کو جا لگا اور کئی آدمیوں پر خون کے چھینٹے پڑے۔ جنرل نکلسن جسے ہم ایام طفولیت میں دیوتا کی طرح پوجتے تھے، ایڈورڈ کو ایک خط میں لکھتا ہو" ہمیں ایک قانون بنانا چاہئے جس کی رُو سے ہم انگریز عورتوں اور بچوں کے قاتلوں کو زندہ جلا سکیں اور زندہ ہی ان کا چمڑہ اُتار سکیں۔ محض پھانسی دینے سے ہمارا جذبۂ انتقام ٹھنڈا نہیں ہوتا۔ میں چاہتا ہوں دُنیا کے ایک ایسے کونے میں ہوں جہاں قانون کو اپنے ہاتھ میں لے سکوں۔ مشرقی ممالک کا قاعدہ ہو کہ جب تک لوگوں پر گورنمنٹ کا دبدبہ اور خوف طاری نہ ہو جائے تب تک اسکے فوائد کی قدر نہیں کیجاتی"

کوپر جو امرتسر کا ڈپٹی کمشنر تھا۔ لکھتا ہو کہ پنجاب کے تمام افسر ظلم کرنے میں ابتدا کرتے تھے تاکہ لوگ ڈر جائیں۔ اور انتقام لینے کی جرأت نہ کر سکیں۔

ٹامسن نے سر ہنری کاٹن کو چند مسلمان قیدیوں کے متعلق مندرجۂ ذیل واقعہ سنایا تھا" شام کے وقت ایک سکھ اردلی آیا اور سلام کر کے کہا۔ میرے خیال میں حضور قیدیوں کو دیکھنا چاہتے ہونگے۔ میں فورًا حوالات چلا گیا۔ وہاں جاکر دیکھا کہ قیدی زمین پر بندھے ہوئے پڑے ہیں۔ بالکل برہنہ اور آخری سانس لے رہے ہیں۔ انکے جسم کے ہر ایک حصے پر تانبا گرم کر کے نشان کئے گئے تھے۔ مجھے اُن کی حالت پر رحم آیا اور پستول سے قتل کر دیا تاکہ جاں کندنی کی تکلیف سے بچ جائیں"

جب کاٹن نے یہ درد انگیز واقعہ سنا تو ان سے پوچھا پھر تم نے انکے ساتھ کیا سلوک کیا۔ جنھوں نے یہ وحشیانہ حرکت کی تھی؟ ٹامسن نے جواب دیا۔ میں نے کچھ نہیں کیا!

وحشیانہ قتل و نہب

غدر کے دنوں میں ہر ہندوستانی سپاہی کے خلاف الزام تھا کہ اسنے انگریز بچوں اور عورتوں کے قتل میں مدد دی ہو۔ خواہ وہ کسی جگہ پر ہو اور کتنا ہی بے علاقہ ہو۔ اگر کوئی انگریز دہلی میں قتل کیا گیا ہو، تو لاہور اور پشاور کے ہندوستانی سپاہی بھی قابل گرفت تھے،

ایک چشم دید گواہ لفٹنٹ مجنڈی بیان کرتا ہو" ایک دفعہ سکھ اور انگریز ایک زخمی قیدی کو سنگینوں سے مار رہے تھے۔ لیکن کوئی ضرب مہلک ثابت نہ ہوئی۔ اسواسطے دو تین لکڑیاں جمع کر کے آگ جلائی گئی، اور اُسے اس آگ میں پھینکا گیا۔ سکھ اور انگریز یہ خوفناک منظر بڑے مزے لے لے کر دیکھ رہے تھے"۔ رسل نے بھی جو ٹائمز لندن کا نامہ نگار تھا۔ اس واقعہ کی تصدیق کی ہو۔ بلکہ وہ کہتا ہو" میں نے اس قیدی کی جلی ہوئی ہڈیاں بھی اس جگہ دیکھی تھیں"

سب سے پہلے اسی رسل نے ان وحشیانہ حرکات اور مظالم پر صدائے احتجاج بلند کی۔ چنانچہ وہ اپنی ڈائری میں لکھتا ہو" یہ انتقامانہ سزائیں مثلاً مسلمانوں کو سؤر کے چمڑے میں ڈال کر سی دینا اور قتل کرنے سے پہلے انکے مُنہ میں سؤر کی چربی ڈالنا، اور ہندوؤں سے انکے خلاف مذہب حرکات کرانا، انسانیت کے خلاف اور تہذیب سے گری ہوئی حرکتیں ہیں۔ ان سزاؤں سے بڑے خوفناک نتائج پیدا ہونگے جو ہمارے واسطے مہلک ثابت ہونگے"

جب ان مظالم کی حد ہو گئی تو گورنر جنرل نے ۳۱ر جولائی ۱۸۵۷ء کو ایک مفصل حکم جاری کیا جس کی رُو سے دیہات کا جلانا اور نہتے آدمیوں کو بغیر کسی ثبوت کے سزا دینا ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ ان افسروں سے سزائے موت کے اختیارات بھی چھین لئے گئے جنھوں نے اندھا دھند یہ اختیارات برتے تھے، ۲۸ر اگست کو جان گرانٹ صوبجات وسطی میں گورنر بناکر بھیجا گیا تاکہ الہ آباد اور دیگر مقامات میں بیشمار آدمیوں کی پھانسی کی سزا ملتوی کر دے۔ انگریزوں نے کیننگ اور گرانٹ کے خلاف بہت شور مچایا کیونکہ انھوں نے بہت سے آدمیوں کو پھانسی سے بچایا تھا۔

ایک دفعہ اگست کے دنوں میں ایک انگریزی فوج دیہات جلاکر واپس آ رہی تھی۔ راہ میں چند وفادار سپاہی مل گئے۔ مگر انھیں بھی سنگینوں سے مار دیا گیا۔

یہ مسلمہ امر ہے، کہ بہت سے سپاہی محض خوف کی وجہ سے بھاگ گئے اور پھر بغاوت پر مجبور ہو گئے۔ اگر ہم نے ابتدا میں مظالم نہ کئے ہوتے تو فساد دور تک نہ پھیلتا اور لوگ رحم و انصاف سے مایوس ہو کر باغی نہ ہو جاتے۔

ایک پادری کی بیوہ بڑے فخر سے لکھتی ہو" اُسنے بہت سے قیدیوں کو [illegible] نت کرنے پر مامور کیا۔ لیکن چونکہ یہ کام اُنکے مذہب کے خلاف تھا اس لئے سنگینوں کی نوک سے کرانا پڑتا تھا۔ بعض قیدیوں نے بڑی جلدی سے کام کرنا شروع کر دیا۔ کیونکہ انھیں خیال تھا۔ کہ وہ اس طرح پھانسی سے بچ جائیں گے۔ لیکن اُن کی یہ غلط فہمی فورًا دور ہو گئی۔ کیونکہ بالآخر سب کو پھانسی دی گئی!"

مجنڈی ایک جگہ لکھتا ہو" میں نے وہ رات مسجد (یعنی جامع مسجد دہلی) کی ناکہ بندی میں گزاری اور رات کا بہت سا حصہ اُن قیدیوں کے قتل کرنے میں خرچ کیا۔ جو دن کے وقت پکڑے گئے تھے۔ بہت سے آدمیوں نے مرتے وقت ایسی شجاعت اور متانت دکھائی کہ ہم بھی داد دئے بغیر نہ رہ سکے"

ایک انگریزی افسر جو دہلی کے محاصرہ میں موجود تھا، لکھتا ہو" دشمن نے صلح کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ انگریز صلح کے خواہشمند نہیں ہیں۔ وہ تو قتل عام سے خوش ہوتے ہیں"

جب میجر رینالڈ کانپور کے لئے کوچ رہا تھا، تو جنرل نیل نے اس کو مفصلہ ذیل ہدایات بھیجیں جو قابل غور ہیں" ان دیہات کو جنھوں نے بغاوت میں حصہ لیا ہو، تباہ کر دیا جائے۔ جن محلوں میں پٹھان بود و باش رکھتے ہیں اُنھیں مسمار کر دیا جائے اور باشندے قتل کر دئے جائیں۔ باغی پلٹنوں کے تمام سپاہیوں کو پھانسی دی جائے چونکہ فتحپور نے بغاوت کی ہو۔ اس لئے اس پر بھی حملہ کیا جائے اور تباہ کر دیا جائے۔ اگر ڈپٹی کلکٹر گرفتار ہو جائے تو اسے پھانسی دے دی جائے اور اس کا سر شہر کی کسی بلند عمارت پر لٹکایا جائے"

بیگم اودہ نے ۱۸۵۸ء کے ایک اعلان میں یہ فقرہ لکھا تھا" کسی نے خواب میں بھی نہیں دیکھا کہ انگریز کوئی جرم معاف کر سکتے ہیں"۔

۵۰ ہزار جانوں کا قتل

آخر کار کیننگ اور جان لارنس نے بھی اس قتل عام کے روکنے کی کوشش کی۔ ڈزرائیلی (یعنی لارڈ بیکنس فیلڈ) نے تو ابتدا ہی سے اس کے خلاف آواز اُٹھائی تھی۔ جب انگریزوں کا غضب جوش پر تھا تو اسنے ایک تقریر کے دوران میں کہا تھا" مجھے یقین ہو کہ ہماری فوجیں ہندوستان کے لوگوں سے خوفناک انتقام لیں گی۔ لیکن میں ان انگریز حاکموں کے اس طرز عمل سے بالکل متفق نہیں جن کے ہاتھ میں ہندوستان کی باگ ہو۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ ہم غیر ممالک میں بجائے انصاف کے انتقام کے زور سے حکومت کریں۔ میں ظلم کے بدلے میں ظلم نہیں کرنا چاہتا"

لارڈ کیننگ نے ملکہ معظمہ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا:" لوگ انتقام پر تُلے ہوئے ہیں اور وہ لوگ بھی جنھیں اپنے ماتحتوں کے روبرو بہتر مثال قائم کرنی چاہئے تھی، اس جوش سے خالی نہیں۔ میں جب اپنے لوگوں کی حرکات دیکھتا ہوں تو شرم کے مارے پسینہ پسینہ ہو جاتا ہوں۔ میں حیران ہوں کہ ان لوگوں نے کس طرح پچاس پچاس ہزار آدمی قتل کر دئے" ملکہ وکٹوریہ نے اس خط کا جواب یہ دیا تھا" لارڈ کیننگ کو یقین کرنا چاہئے کہ میں بھی انگریزوں کی ان وحشیانہ حرکات پر سخت نادم ہوں اور خاصکر انگلستان کی پبلک پر جسنے برطانوی فوجوں کی کارگزاری بنظر تحسین دیکھی ہو"

چونکہ لارڈ کیننگ نرم دل اور کمزور تھا اس لئے وہ وقت پر انگریزوں کا جوش ٹھنڈا نہ کر سکا۔ اس کے ماتحت اس کے اختیار سے باہر تھے۔

قتل و نہب کی مطلق العنانی

سر جارج کیمبل اپنی سوانحعمری میں لکھتا ہو" میں نے مارشل لا کے متعلق بہت دفعہ سُنا ہو لیکن میں ابھی تک اس کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ سکا۔ ہندوستان میں ان دنوں اس کا جو مطلب سمجھا گیا تھا، وہ یہ تھا کہ ہر ایک فوجی کو کھلی اجازت تھی وہ جسے چاہے قتل کرے یا جس سے

جو کچھ چاہے چھین لے۔ کوئی روک ٹوک نہ ہوگی"

لارڈ کیننگ کی گورنمنٹ نے ۶ر جون کو بعض صوبجات میں مارشل لا نافذ کیا تھا۔ گورنمنٹ کو چاہیے تھا کہ اِس قانون کے استعمال کی سختی سے نگرانی کرے۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ گورنمنٹ نے اِس معاملہ میں سخت کمزوری دکھائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ماتحت افسر بلا روک ٹوک مظالم بَرپا کرتے رہے۔ اور بغیر کسی تفتیش کے قتل عام جاری رہا۔

مسٹر رسل ٹائمز کا نامہ نگار ایک جگہ لکھتا ہے " اِس غدر میں صرف سپاہیوں نے بغاوت کی تھی۔ اِس لئے مناسب یہی تھا کہ صرف وہی لوگ قتل کئے جاتے جنھوں نے اسمیں حصہ لیا تھا، لیکن اُن آدمیوں کو قتل کرنا جن کی ان فوجوں سے محض ہمدردی تھی، ایک نہایت بزدلانہ فعل تھا۔ اگر کوئی باغی فوج کسی شہر میں مقیم ہوگئی تھی تو اسکے باشندوں کو محض اِس بنا پر قتل کرنا، کہ کیوں انکے شہر میں باغیوں نے ڈیرا ڈالا؟ کتنا وحشیانہ فعل ہے؟ یہ مسلم ہے کہ شہر کے باشندوں نے عام طور پر انگریزوں کے بچانے میں مدد دی تھی۔ لیکن پھر بھی انگریزی فوجوں نے اِن کی قدر نہ کی، اگر انگریز صرف باغیوں کو قتل کرتے تو پھر وہ حق بجانب ہوتے۔ لیکن بے شمار بے گناہ لوگوں کو محض اِسوجہ سے قتل کیا گیا، کہ وہ ہندوستانی تھے" (باقی آئندہ)

ادبیات

سعدؔ پاشا زغلول کے اقوال

مرحوم احمد سعدؔ پاشا زغلول کو مصر میں جو رسوخ و عظمت حاصل ہوئی اُس میں اُن کی دوسری قابلیتوں کے علاوہ اُن کی قوت خطابت اور بلاغتہ تحریر کو بھی بڑا دخل تھا۔ ذیل میں اُن کے بعض اقوال کا ترجمہ دیا جاتا ہے جو ضرب الامثال کی طرح مشہور ہوگئے ہیں:

کامل آزادی

مصر، کامل آزادی کا مطالبہ کرتا ہے، کیونکہ آزادی، قوموں کا پیدائشی حق ہے۔

نا اُمیدی

اِسوقت ہماری حالت کیسی ہی ابتر ہو، مگر ہماری قوم جیسی کوئی بڑی قوم، کبھی اپنی قسمت کی طرف سے نا امید نہیں ہوسکتی!

حاکم و محکوم کی مصلحت

حاکم قوم کی مصلحت ہمیشہ اُس کی محکوم قوم کی مصلحت سے متضاد ہوا کرتی ہے۔

عہدے کی خواہش

اپنے آزاد وطن میں ایک حقیر فرد رعایا بن کر رہنا مجھے اِس سے کہیں زیادہ پسند ہے کہ اجنبی حکومت کے ماتحت بڑے سے بڑے عہدے پر مقرر ہوں۔

مادّی قوت

مادّی قوت، قوم کے ارادے پر کبھی غالب نہیں آسکتی۔

صحیح تحریک

ہر صحیح تحریک ضرور کامیاب ہوتی ہے۔

زمانے کے انقلابات

زمانے کے انقلابات دوست کو دشمن اور دشمن کو دوست بنا دیتے ہیں۔

سیاسی اتفاق

مصر اور انگلستان کے درمیان اتفاق کے معنی صرف ایک ہیں۔ یعنی مصر کی کامل آزادی۔

انتہا پسندی

آزادی کے طلبگار، انتہا پسند نہیں ہوتے اِس لئے کہ یہ تو ایک ابتدائی چیز ہے۔ غلامی پسند کرنے والے البتہ انتہا پسند ہیں، کیونکہ غلامی ذلتِ نفس کی انتہا ہے!

قومی رُوح

قوم کی روح نہ جنگی قوانین سے مغلوب ہوسکتی ہے، نہ ظلم سے، نہ دُنیا کی بڑی سے بڑی سلطنت کی قوت سے۔

اصول نہ کہ اشخاص

اگر سعدؔ، قومی اصول سے ہٹجائے تو اسے گرادو!

نکتہ چینی

میں اپنی ذات پر نکتہ چینی سنکر خوش ہوتا ہوں، اگرچہ وہ جھوٹی ہی ہو۔

ابنائے وطن کو نصیحت

ابنائے وطن! تم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ میری نگرانی کرے بجز سعد ذمہ دار نہیں ہے، وطن کا ہر فرزند ذمہ دار ہے۔

قومیت

یہ دیکھ کر میری مسرت بے حساب ہو جاتی ہے کہ مصر میں صرف ایک ہی فرقہ موجود ہے، اور وہ مصری قوم ہے۔

قومی زندگی

یہ بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ یہ جماعتوں کا سوال نہیں ہے۔ یہ قومی زندگی کا مسئلہ ہے!

میٹھے بول

انگریز، گفتگو میں بڑے ماہر ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ میٹھے بول ہمیں مسخر کر لیتے ہیں!

ہمارا مطالبہ

ہمارا مطالبہ کچھ بہت لمبا چوڑا نہیں ہے۔ ہمارا مطالبہ صرف ایک لفظ ہے " آزادی!"

سعدؔ کی زندگی

سعدؔ، مرکر بھی ہمیشہ زندہ رہیگا۔ کیونکہ ہر مصری، سعد ہے، بلکہ سعد سے بھی زیادہ!

مصری قوم

آج مصری قوم وہ نہیں ہے جو کل تھی۔ آج مسلم اور غیر مسلم الگ الگ نہیں ہیں۔ سب ایک قوم ہیں اور صرف ایک خواہش رکھتے ہیں۔ یعنی آزادی! اور وطن!

عداوت

میں دعوے سے کہتا ہوں کہ میرے دل میں کسی آدمی کی بھی عداوت پوشیدہ نہیں ہے۔ کیونکہ عداوت، کمزوروں کا اخلاق ہے۔

قومی عزت

میں کہہ چکا ہوں، کہتا ہوں، کہتا رہوں گا کہ جو عزت میری قوم نے مجھے دی ہے، وہ میرے لئے قابل فخر ہے۔

میرا دل

میرے دلمیں نہ حسد ہے، نہ کینہ ہے۔ میرے دلمیں قومی امانت نے کسی چیز کے لئے بھی جگہ خالی نہیں چھوڑی ہے۔

آزادی کا استحقاق

جو قوم اپنے فرزندوں کا خون اِس لئے بہتے دیکھتی ہے کہ وہ آزادی چاہتے ہیں اور پھر خاموش رہتی ہے، وہ یقیناً آزادی کا استحقاق نہیں رکھتی!

وزارت

ہم وزارت کے دشمن نہیں ہیں۔ لیکن غیر قومی وزارت دیکھ نہیں سکتے۔

میرا اخلاق

میں چلّانے والا ہوں، سازشی نہیں ہوں۔

میری آرزو

آزادی، میری آرزو ہے۔ جو ہاتھ بھی آزادی لائے، میں سب سے پہلے اُسکا بوسہ لوں گا، اگرچہ وہ میرے جانی دشمن ہی کا ہاتھ کیوں نہ ہو۔

خود اعتمادی

خود اعتمادی، خود اختیاری وصف نہیں ہے، بلکہ پیدائشی صفت ہے، خود اعتماد آدمی اگر یہ وصف دُور بھی کرنا چاہے تو دُور نہیں کر سکے گا۔

میری دشمنی

میں نے اگر کبھی سے دشمنی کی ہے تو صرف اپنی قوم کی مصلحت کی وجہ سے۔

رُو رعایت

قومی حقوق میں رُو رعایت دخل نہیں پا سکتی۔

ناکامی

شریر قوت نے جو کچھ جمع کیا ہے، بکھر جائے گا۔ طمع نے جو کچھ جوڑا ہے، ٹوٹ جائے گا۔ جس کی بُنیاد جھوٹ پر ہے، وہ یقیناً گر پڑیگا!

ناکامی کی علت

ناکامی کی اصلی علت، کارکنوں کی باہمی بے اعتمادی ہوتی ہے۔

صبر و برداشت

ہاں ہمپر مصائب بیشمار ہیں۔ لیکن وہی قوم زیادہ عظمت حاصل کرتی ہے جو زیادہ مصائب برداشت کر سکتی ہے۔

برطانیہ کی ضرورت

اگر برطانیہ کو مصر کی ضرورت ہے، تو مصر کو اُس سے کہیں زیادہ اپنی ضرورت ہے۔

قوت

اگر ہم طاقتور ہوتے تو کسی کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہوتی کہ مصر ہمارے قبضہ میں رہنا چاہئے!

منفعت

اگر ملکیت میں منفعت کا اصول تسلیم کر لیا جائے، تو دُنیا تہ و بالا ہو جائے۔ کیونکہ ہر شخص کی منفعت اسی میں ہے کہ ساری دنیا کا مالک بنجائے۔

عمل اور قربانی

کوئی عمل حق ضائع نہیں ہوتا۔ کوئی قربانی رائگاں نہیں جاتی۔

ضرورت اور قوت

کسی زمانہ میں بھی ضرورت، قانون نہ تھی۔ کسی وقت میں بھی قوت حق کا معیار نہ تھی!

ظلم

ہر ظلم اپنے دامن میں مظلوم کے لئے خوشخبری اور ظالم کے لئے سزا چھپائے ہوتا ہے!

مطبوعات الہلال بک ایجنسی

معارف ابن تیمیه و ابن قیم

دیني علوم کے بیش بہا جواہر ریزے

اس سلسله میں هم نے اماموں کي ان نادر و اعلی درجه کي بلند پایه عربي تصانیف کے اُردو تراجم کا سلسله شروع کیا هے ' جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نهایت ضروري و ناگزیر هے - امید که یه " سلسلهٔ تراجم " بد نصیب هندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

اُسوۂ حسنه ـــ امام ابن قیم کي فن سیرت میں شہرہ آفاق کتاب " زاد المعاد " کے خلاصه کا اُردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد اڑهائي روپیه -

کتاب الوسیله ـــ لفظ " وسیله " کي بحث کے علاوہ امام ابن تیمیه نے اسلام کے اصل الاصول " توحید " کي مبسوط بحث کي هے - بلا جلد اڑهائي روپیه ' مجلد سوا تین روپیه -

اصحاب صفه ـــ انکي تعداد ' ذریعه معاش ' طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے هیں دس آنے -

تفسیر سورة الکوثر ـــ امام ابن تیمیه کے مخصوص انداز تفسیر کا اُردو ترجمه - چار آنے -

العروة الوثقیٰ ـــ خالق و مخلوق کے درمیان واسطه کا فرق بدلائل بیان کیا هے - چهه آنے -

سیرت امام ابن تیمیه ـــ حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نهایت خوش اسلوبي سے بیان کیے هیں - نو آنے

نجد و حجاز ـــ علامه سید محمد رشید رضاء مصري کي تازہ کتاب کا اُردو ترجمه - سوا روپیه -

آئمه اسلام ـــ ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آنے

خلاف الامه ـــ فی العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت ـــ یه ایک علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله هے جس کے خریدار کو هم نے کمال کوشش و کاوش سے اُردو ' عربي ' فارسي ' انگریزي ' اور دوسري زبانوں کي تمام اهم اور اعلی مطبوعات کے متعلق بهترین تازہ معلومات بهم پہنچانے کا اهتمام کیا هے - اسکے علاوہ ائمه و اسلام و بزرگان دین کے حالات ' لطائف افسانه ' نظمیں اور ممالک اسلامیه کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے هوے حالات درج کیے جاتے هیں - في پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپیه پیشگي -

منیجر الہلال بک ایجنسی

(حلقه نمبر ۲۴ شیرانواله دروازہ لاهور پنجاب)

" Al-Hilal Book Agency, "

24, LAHORE, PANJAB.

السحر الحلال فی مجلدات الہلال

گاه گاهے باز خوان این دفتر پارینه را
تازه خواهی داشتن گر داغهائے سینه را

اردو صحافت کي تاریخ میں الهلال هي وہ رساله هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تهي -

الهلال اگرچه ایک هفته وار مصور رساله تها ' لیکن چونکه وہ اردو صحافت کي مختلف شاخوں میں اجتهاد نظر و فکر کي نئي روح پیدا کرني چاهتا تها ' اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اوراق کا مجموعه تها - اُس کے هر نمبر میں مختلف ابواب ' مذهب ' سیاست ' ادبیات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه کے هوتے تهے - اور اسکا هر باب اپني مجتهدانه خصوصیات کے لحاظ سے اپني نظیر آپ هوتا تها - پهر اس کي ظاهري خوبیاں اردو صحافت میں اعلی طباعت و ترتیب کا پہلا نمونه تهیں - اردو کا وہ پہلا هفته وار رساله تها ' جس میں هاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا ' اور ٹائپ میں چهپنے کي وجه سے بهت سي ایسي خوبیاں پیدا هوئیں جو پتهر کي چهپائي میں ممکن نهیں - اِس کي جلدیں جدید اُردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سیاسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بهترین مجموعه هیں - ان کي مقبولیت و قدر کا اندازہ اِس سے هوسکتا هے که سنه ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپیه میں خرید لیا - اور حال میں ایک صاحب نے اِس کي پہلي جلد مکمل (جو دفتر میں بهي موجود نهیں) ساڑهے چارسو روپیه میں حیدرآباد سے خریدي هے - جن لوگوں نے اس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هیں وہ بڑي سے بڑي قیمت پر بهي علحدہ کرنے کیلیے تیار نهیں - پچهلے دنوں " البلاغ پریس " کا جب تمام اسباب نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الهلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا ' هم نے کوشش کي که شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کي جاسکتي هیں مرتب کرلي جائیں اور جن جلدوں کي تکمیل میں ایک دو پرچوں کي کمي هو انهیں دوبارہ چهپوا لیا جاے -

چنانچه الحمدلله یه کوشش ایک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلدیں پوري مکمل هوگئي هیں - هم اِس اعلان کے ذریعه شایقین علم و ادب کو آخري موقعه دیدے هیں که اِس قیمتي ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدي کریں ' چونکه جلدوں کي ایک بهت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف انهیں درخواستوں کي تعمیل هوسکے گي جو سب سے پہلے پهونچیں گي - هر جلد مجلد هے اور ابتدا میں تمام مضامین کي انڈکس به ترتیب حروف تهجي لگادي گئي هے -

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیه — الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیه
" " " چهارم ۱۰ روپیه — " " " پنجم ۱۰ روپیه

جلد " البلاغ " (جب دوسري مرتبه الهلال اِس نام سے شائع هوا) قیمت ۸ روپیه

علاوہ جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هیں جن میں سے هر پرچه اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعه علم و ادب هے - قیمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پیکنگ اِس کے علاوہ هے -

منیجر " البلاغ پریس "

دنیا کي بہترین کتابوں کیلئے بہترین رهنما :

ٹائمز اف لنڈن کا ادبي ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کي تمام کتابوں پر هفتہ وار دلچسپ اور وقیع تبصرہ کرتا ہے -

اسکا معتدل نقد علمي حلقوں میں مسلم ہے -

اس میں چند صفحات وقت کے جاري اور زیر بحث ادبي فوائد پر بھي هوتے هیں جنکي اهمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز لنڈن کا هفتہ وار ادبي ضمیمہ آپکے لئے مہیا کرے - لیکن اگر آپ چاهیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے هیں

دنیا کے هر معلم اور ماهر فن تعلیم کیلئے

ضروري ہے کہ

ٹائمز اف لنڈن کا تعلیمي ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاهتے هیں کہ فن تعلیم کے تمام نظري اور عملي تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رهیں ' تو آپکو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاهیے -

یہ هر هفتہ اس موضوع پر تمام اهم خبریں اور مباحث جمع کردیتا ہے - ماهرین فن اور مشاهیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب هوتے هیں -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے -

ورنہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے هیں -

کیا آپ تجارت کرني چاهتے هیں ؟

اگر آپ چاهتے هیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتي تعلقات قائم کریں ' نفع بخش ایجنسیاں لیں ' هندوستان سے خام پیدا وار بھیجیں ' نئي نئي ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں ' تھوڑي سي محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک وقیع کار و بار شروع کردیں ' تو آپ کو ابتدا میں بہت سي باتیں معلوم کرني چاهئیں - اس طرح کي تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاهئیں - هندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھیوں کے حالات اور اصول معاملت معلوم کرنے چاهئیں - بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں هوسکتے -

اگر آپ چاهتے هیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کرکے یہ ساري باتیں با قاعدہ علمي اصول پر معلوم کرلیں ' تو آپکو چاهیے کہ هم سے خط و کتابت کریں - هم یہ کام بہ حیثیت ایک ماهر فن کے کر رہے هیں - خط و کتابت کے بعد هي آپکو معلوم هوجائیگا کہ آپکے مقصد کیلئے هم کس درجہ مفید هیں ؟

همارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتي حلقوں سے هیں -

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

هر طرح کي مشینیں جوگرم ملکوں کے میووں کو خشک کرنے اور پھلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروري هیں ' اس کارخانے میں طیار کي جاتي هیں - تمام دنیا میں اس قسم کي مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے - مندرجۂ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے -

یاد رکھیے

میووں ' ترکاریوں ' اور هر طرح کے زرعي مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو " نئے سسٹم " کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے - اس " نئے سسٹم " کے مطابق کام کرنے والي مشینیں صرف اسي کارخانہ سے مل سکتي هیں -

Printed and Published by
...eri at The Al-Balagh Press, 11, Ballygunge Circular Road, Calcutta
Editor : Maulana Abu-al-Kalam Azad.

١٩٢٧

الهلال

جلد ١

نمبر ١٣

ابلاغ پریس کلکتہ

قیمت ۵ ـ آنہ

الهلال

هر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا هے

قیمت سالانه مع محصول	-	-	باره روپیه
هندوستان سے باهر کیلیے	-	-	سوله روپیه
قیمت شش ماهي	-	-	سات روپیه
قیمت فی پرچه	-	-	پانچ آنه

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " منیجر الهلال " کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں انکے لفافه پر " ایڈیٹر " کا نام هونا چاهیے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براه عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي هے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ورنه بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانه نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماه کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جا رهے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیاده عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(۷) منی آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیره) سے نہیں هے ٹکٹ ضرور بھیجیے - ورنه دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين (القرآن الحکیم)

الہلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱۳ — کلکتہ : جمعہ ۱۲ . ربیع الاول ۱۳۴۶ ہجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 9, September 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیے موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعۃ نہین رکھتی .
طباعۃ کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای .
پتھر کی چھپائی مین محدود رہکر اردو کی طباعۃ کبھی ترقی نہین کر سکتی .

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی ہین ، وہ ہین جن مین الہلال چھپتا ہی . اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ہین . آپ ان دونون مین سی جسی چاہین پسند کر لین . لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ہمین اطلاع دیجیی . یاد رکھیی . طباعۃ کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اہم مسئلہ ہی . ضروری ہی کہ اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین . الہلال

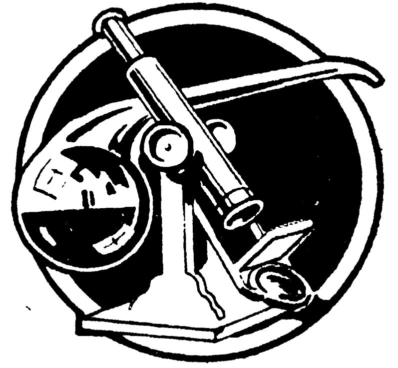
قارئین الہلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۱۰۱۲ مراسلات وصول ہوی ہین . تقسیم آراء حسب ذیل ہی :

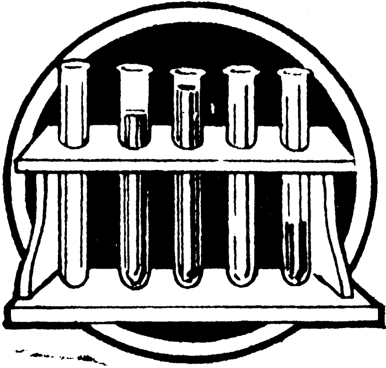
عربی حروف کی حق مین	۳۹۰	اردو حروف کی حق مین	۲۸۰
موجودہ مشترك طباعۃ کی حق مین	۲۹۳	حروف کی حق مین بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۲۱۴	نستعلیق ہون	۸۶

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہی .

آراء کی دیکھنی سی معلوم ہوا کہ اس باری مین بعض اہم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین ہی . اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت ہی . آیندہ اس باری مین مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر کرینگی مگر ضرورت ہی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین . الہلال



مذاکرۂ علمیّه



قانون توارث جسمانی و معنوی

(مندل کا ناموس وراثت)

مخلوقات كي جسماني و معنوي زندگي میں قانون توارث کا مسئله ' اُن اهم ترین مسائل میں سے هے جنھوں نے قدیم زمانے سے علماء کو اپني طرف متوجه رکھا هے - طبیعي علوم كي ترقي کے بعد گزشته صدي میں اِس مسئله نے اَور بهي زیاده اهمیت حاصل کرلي اور بے شمار علماء نے اُس پر بحث كي - بهت سے نظریے قائم هوے - بهت سے مذاهب ترتیب دیے گئے - لیکن اِس سلسله میں سب سے زیاده شهرت و اهمیت اُس نظریه کو حاصل هے ' جو اپنے موجد ' ڈاکٹر مندل كي طرف منسوب هے اور " ناموس مندل " کهلاتا هے - ذیل میں هم اِس نظریه کي مختصر تشریح کرتے هیں -

(مندل)

سنه ۱۸۲۲ میں دو شخص ایسے پیدا هوئے ' جنھوں نے اپني پوري زندگي وراثت کے اثرات و نتائج كي بحث و تحقیق میں صرف کردي : اِن میں سے ایک انگلستان میں پیدا هوا - اسکا نام گلٹن هے - اور اسکي کتاب " عظمت كي وراثت " بهت مشهور هو چکي هے - دوسرا مندل هے - یه هنگرین نسل کا تها - سیلیشیا میں پیدا هوا - اسکي ابتدائي تربیت دیني تعلیمات كي تهي - رهبانوں كي جماعت میں داخل کر دیا گیا تها - لیکن ۲۹ سال كي عمر میں رهبانیت ترک کردي اور وائنا کے دار العلوم میں داخل هوکر طبیعي علوم کی تحصیل شروع کردي - تعلیم ختم کرکے وہ برون میں اُستاد مقرر هوگیا اور اپنے فرصت کے اوقات مسئلۂ وراثت كي تحقیق میں صرف کرنے لگا - شروع شروع اُسکے تجربے صرف نباتات میں محصور تھے -

اپني تحقیق کے دوران میں بالاخر وہ ایک عجیب معامله پر پهنچا - اُسنے دیکها ' یه عجیب معامله ' وراثت میں همیشه پیش آتا هے ' اور کبهي اُس میں خلل نهیں پڑتا - یه وہ وقت تها جب اُس کے تجارب ' عالم حیوان تک وسیع هو چکے تھے - اُس نے شهد كي مکهیوں کے بهي پچاس چهتے بنائے تھے - اور مختلف قسم كي مکهیاں باهمدیگر جمع کرکے اُنکي نسل کے جسماني اور معنوئي خواص کا تجربه کرتا تها لیکن مکهیوں کے مت[illegible] اُسکي تحقیقات کے جمله اوراق ضائع هوگیے - سنه ۱۸۶۶ میں اُس کا ایک چهوٹا سا رساله شایع هوا تها جس میں یه نظریه پیش کیا گیا هے - یه رساله بهي گم نام هوگیا - یهانتک که سنه ۱۹۰۰ میں علماء مغرب كي نظریں اُس پر دو باره پڑیں ' اور وسیع پیمانه پر اُسکي اشاعت كي گئي - آج حیوانات كي پرورش کرنے والوں میں کوئي شخص بهي ایسا موجود نهیں جو مندل اور اُس کے نظریه سے ناواقف هو یا اُس سے مستفید نه هو رها هو -

(ناموس مندل)

مندل کا نظریه ' تین وراثتي اصلوں پر قائم هے :

(۱) پهلي اصل کا خلاصه یه هے که فرد كي بعض صفات ' (عام اِس سے که وہ فرد ' حیوان هو یا نبات) اُسکي آیندہ نسلوں میں مفقود نهیں هو جاتیں بلکه برابر باقي رهتي هیں ' اور عرصه تک بغیر کسي کمي کے ظاهر هوتي رهتي هیں - اِسکي مثال یه هے که بعض انساني خاندانوں کے خال و خط خاص قسم کے هوتے هیں ' اور طویل زمانوں تک اُن كي نسلوں میں بدستور قائم رهتے هیں - چنانچه بعض خاندانوں میں زائد انگلیاں ' یا کٹا هوا هونٹه ' یا چندهي آنکهیں ' یا سفید بالوں کا گچها ' غرضکه مختلف قسم كي جسماني خصوصیتیں همیشه موجود رهتي هیں اور اُن کے افراد میں وقتاً فوقتاً پوري طرح ظاهر هوتي رهتي هیں -



ڈاکٹر مندل

(۲) دوسري اصل کا خلاصه یه هے که بعض صفتیں ایسي هوتي هیں جنکا ظهور مسلسل نهیں هوتا - تهوڑے تهوڑے وقفه کے بعد ظاهر هوتي هیں ' مگر برابر ظاهر هوتي رهتي هیں - یعني پہلے ایک مدت تک نمایاں رهتي هیں - پهر غائب هوجاتي هیں - پهر لوٹ آتي هیں - پهر غائب هوجاتي هیں - صرف تجربه هی سے معلوم هوسکتا هے که کون صفت پهلي قسم كي هے ؟ کون صفت دوسري قسم كي هے ؟ اِسکي مثال یه هے که جب بے سینگ کے حیوانات کا سینگ والے حیوان میں اتحاد تناسلي هوتا هے ' تو اُنکي نسل بے سینگ کی پیدا هوتي هے - لیکن جب یهي نسل آگے بڑهتي هے تو اُسکي اولاد میں ایک خاص تناسب سے بعض افراد سینگ والے پیدا هوتے هیں - بعض بے سینگ کے -

برخلاف اِسکے جب کیس والے مرغ کا اتحاد بے کیس مرغي سے هوتا هے تو نسل ' کیس والي پیدا هوتي هے - لیکن پهر آگے چل کر بعض کے کیس هو جاتا هے - بعض کے نهیں هوتا - مگر یه معامله همیشه ایک هي تناسب سے پیش آتا هے -

(۳) تیسري اصل ' اُس تناسب کا تعین اور انضباط هے جو اِس توارث و تناسل میں کار فرما هے - تشریح اُسکي حسب ذیل هے :

ایک بالکل سفید مرغي اور ایک بالکل سیاه مرغ لو ' اور اُن کي نسل کا تجربه کرو - اب ایسا هوگا که اِن دونوں کے اتحاد تناسلي سے جو بچے پیدا هونگے ' وه نه تو بالکل سیاه رنگ کے هونگے ' نه بالکل سفید رنگ کے - مخلوط قسم کے هونگے - یه اِس نسل کا پہلا طبقه هوا - اِس مخلوط رنگ کي مرغیوں کي نسل آگے بڑھنے دو - اِن سے جو دوسرا طبقه نسل کا پیدا هوگا ' اُس کي حالت یه هوگي که اُن میں ۲۵ - في صدي مرغیاں بالکل سیاه هونگي ' ۲۵ - في صدي بالکل سفید ' اور ۵۰ في صدي مخلوط رنگت کي - گویا دوسرے طبقه میں اُن کے مورث اعلیٰ کي کامل رنگت ۲۵ - في صدي میں نمایاں هوي ' مگر ۵۰ - في صدي میں مورث ثاني و اقرب کا سا مخلوط رنگ قائم رها - اب اِس دوسرے طبقه سے تیسرا طبقه پیدا کرو - اِس تیسرے طبقه کا حال یه هوگا که سفید سے سفید بچے پیدا هونگے - سیاه سے سیاه پیدا هونگے - مگر مخلوط رنگت کے بچوں میں پھر وهي تناسب نمایاں هوجائیگا ' جو دوسرے طبقه میں تها - یعني اُسکي نسل میں ۲۵ - في صدي سیاه اور ۲۵ - في صدي سفید هونگے - باقي ۵۰ - في صدي اپنے ماں باپ جیسے مخلوط رنگ کے هونگے !

پھر اِن ۵۰ - في صدي مخلوط رنگ والوں کي نسل جب اور آگے بڑھیگي ' تو اُس میں بهي یه تناسب برابر قائم رهیگا - یعني همیشه نصف تعداد مخلوط رنگت کي هوگي اور ۲۵ - في صدي سفید ' اور ۲۵ - في صدي سیاه هوگي -

لیکن تیسرے طبقه میں جن افراد کے اندر اُنکے مورث اعلیٰ کي کامل رنگت متوارث هوگئي تهي ' اُن کي نسل میں مستقلاً ایک رنگت قائم هوجائیگي - سفید سے همیشه سفید بچے پیدا هونگے ' اور سیاه سے همیشه سیاه -

قانون توارث کا ایک عملي مشاهده

مرغیوں کي نسل کے تین طبقات ' جن میں مورث اعلیٰ کا سفید اور سیاه رنگ ایک خاص عددي تناسب کے ساتهه متوارث هوتا هے - مورث اعلیٰ سفید اور سیاه رنگ کے هیں - نسل کے پہلے طبقه میں مخلوط رنگ کا مرغ پیدا هوا هے - لیکن اُس سے جو دوسرا طبقه پیدا هوا هے ' اس میں ۲۵ - فیصدي سفید ' ۲۵ - في صدي سیاه ' اور ۵۰ - في صدي مخلوط رنگت کے هیں - پهر تیسرے طبقه میں سفید سے سفید اور سیاه سے سیاه پیدا هوتا هے ' مگر مخلوط کي نسل میں وهي عددي تناسب قائم هے -

اِس سے معلوم هوا که :

(۱) قانون توارث میں مورث اعلیٰ کے دو مختلف جسماني خواص ' پہلے طبقه میں ایک ایسا مزاج پیدا کرلیتے هیں جو ملا جلا مزاج هوتا هے - یعني اُن میں دونوں طرح کے خاصے اکهٹے هوکر مخلوط هوجاتے هیں -

(۲) اِس پہلے نسلي طبقه نے جو مخلوط مزاج کرلیا هے ' وه نسل کي آئینده افزائش میں ایک مستقل اور متوارث حیثیت اختیار کرلیتا هے ' اور اپني نسل میں برابر قائم رهتا هے ' لیکن ساتهه هي یه عجیب بات بهي هے که دوسرے طبقه میں نصف تعداد همیشه ایسے افراد کي پیدا هوتي هے ' جن میں اِس مخلوط و ممزوج حالت کي جگه مورث اعلیٰ کے انفرادي خواص الگ الگ نمایاں هوجاتے هیں - اِس نصف تعداد میں آدهي تعداد ایک قسم کے خاصه کي اور آدهي ایک قسم کے خاصه کي هوتي هے - اِس طرح جو مختلف جسماني خواص کے ماں باپ دوسرے طبقه کي نسل میں بالانفراد الگ الگ ' اپنے اپنے خواص نمایاں کرسکتے هیں !

(۳) نسل کے تیسرے طبقه میں جن افراد کے اندر مورث اعلیٰ کے خواص انفرادي اور غیر مخلوط حالت میں نمایاں هوجاتے هیں ' ان کي نسل میں آینده اِن اجدادي خواص کا اختلاط و امتزاج نهیں هوتا ' بلکه اجدادي خواص کي جو ایک قسم اُن میں نمایاں هوئي هے ' وه مستقلاً قائم هو جاتي هے ' اور اپني نسل میں متوارث هونے لگتي هے -

(۴) لیکن دوسرے طبقه میں جو نصف تعداد ایسي پیدا هوتي هے ' جس میں اجدادي خواص مخلوط و ممزوج حالت میں نمایاں هوتے هیں ' اُن میں قانون توارث کا یه عددي تناسب برابر قائم رهتا اور آگے کي طرف بڑهتا هے - یعني اُن کي نسل میں وهي ۲۵ - ۲۵ - في صدي الگ الگ آبائي خواص ظاهر هوتے هیں ' اور ۵۰ - في صدي مخلوط و ممزوج رهتے هیں -

(۵) ماں باپ کے الگ الگ جسماني خواص سے مولود میں جو مخلوط و ممزوج حالت پیدا هو جاتي هے ' وه همیشه اپني نسل میں اِس طرح متوارث هوتي هے که نصف تعداد مخلوط قسم کي هوگي ' اور نصف مورث اعلیٰ کے الگ الگ خواص کي -

(انسان میں قانون توارث)

ٹهیک یهي حالت انساني وراثت میں بهي پیش آتي هے - اگر کوئي خالص سفید رنگ کا انسان حبشي عورت سے شادي کرلے تو اُسکي نسل ضرور سانولے رنگ کي هوگي - پهر اگر کسي طرح خود اُسکي اولاد میں باهم دگر تناسل وتوالد شروع هو جائے ' تو مرغیوں کي طرح اِس نسل میں بهي ۲۵ - فیصدي اولاد خالص سفید رنگ کی هوگي ' ۲۵ فیصدي خالص سیاه رنگ کي ' اور ۵۰ فیصدي سانولي -

جسماني خواص کے توارث کي یه نوعیت ' معنوي خواص کے توارث کي طرف رهنمائي کرتي هے ' اور یه سوال پیدا هو جاتا هے که کیا اِسي طرح انسان کے ذهني و معنوي خواص و اوصاف میں بهي توارث کا سلسله قائم هے ؟ اور اگر قائم هے تو کیا اُس کا قانون بهي ایسا هي هے ' اور ایسا هي عددي تناسب رکهتا هے ' جیسا جسماني خواص کے توارث میں هے ؟ ان سوالات کا جواب بهت زیاده تفصیل وبحث کا محتاج هے - اِس لیے سردست هم اِنهیں نهیں چهیڑتے -



عہد انقلاب اور شخصی استبداد

شخصي مطلق العناني

دنیا کي موجودہ سیاست پر ایک سرسري نظر

جنگ عظیم کے بعد پوري دنیا ' خاص کر یورپ اور بالخصوص اُن ممالک نے عجیب پلٹا کھایا ہے جو میدان جنگ میں یہ کہکر اُترے تھے کہ استبداد و ظلم مٹانا چاہتے ہیں - پہلے اِن ممالک میں جو بھي نظام حکومة قائم تھا وہ جنگ کے بعد قائم نہ رہا اور علانیہ یا درپردہ اُس میں بڑي تبدیلي ہوگئي ہے - لوگ سمجھتے تھے اِس جنگ کے بعد دنیا میں جمہوریت اور کامل حریت کا دور دورہ ہو جائیگا اور آزادي کا ایک ایسا نظام جاري و ساري ہو جائیگا جس کے عشق میں اِنسانیت ہمیشہ سے سرگرداں ہے لیکن نتیجہ بالکل بر عکس نکلا - جمہوریت و دستوریت کي جگہہ شخصیت و استبداد نے لے لي - اِس وقت کرۂ ارضي کے اکثر ممالک میں شخصي حکومتیں قائم ہوگئي ہیں - فرق صرف اِس قدر ہے کہ پہلے بادشاہوں کي شخصیتیں زریں تختوں پر جلوہ گر نظر آتي تھیں اور اب عام افراد یا فوجي افسر حکومت کي کرسیوں پر نظر آتے ہیں -

روس میں خاندان رومانوف اور زار کي جگہہ بالشویک ڈیکٹیٹروں (مطلق العنان حکام) نے لے لي ہے - لینن نے جس طور پر حکومة کي ' وہ بھي زار ھي جیسي حکومت تھي - یعني شخصیت ' مطلق العناني اور استبداد - یہ بات دوسري ہے کہ زار کي شخصیت نے ملک کو تباہ کیا اور لینن کي شخصیت نے اُسے زندہ اور خوش حال کردیا - دنیا کی تاریخ میں لینن جیسے مطلق العنان حاکم کي کوئي مثال نہیں ملتي جس نے اپنے غیر متناھي اختیارات اِس طرح عوام اور مظلوموں کي بھلائي میں صرف کیے ہوں -

یہي حال اٹلي کا ہے - اگرچہ پارلیمنٹ اور دستوري پادشاہ (یعني محدود اختیارات رکھنے والا) بدستور موجود ہے لیکن حکومة ایک فرد واحد ' موسولیني کے آھني ھاتھوں میں ہے - یہ شخص پہلے انقلاب پسند اور اشتراکیت کا حامي تھا ' پھر جنگ کے بعد ظلم پسند بن کر اٹلي پر حاوي ہوگیا اور مستبد سے مستبد بادشاہوں کي طرح استبداد و قہر کي حکومت قائم کردي - اِس نے صاف اعلان کردیا ہے " اِس وقت اٹلي کو ایک ایسے زبردست حاکم کي ضرورت ہے جو ہر بے چیني کو کچل کر فنا کرسکے " یہي صورت اسپین ' ترکي ' یونان ' اور اب چین میں پیش آرہي ہے - اِن تمام ملکوں میں شخصیتیں بر سر حکومت آگئي ہیں اور مفید یا مضر نتائج پیدا کررھي ہیں - یہي نہیں بلکہ خود فرانس اور انگلستان میں بھي شخصیت کي طرف میلان بڑھ رہا ہے - فرانس میں تو ایک سال پہلے اخبارات تک میں یہ چرچا شروع ہوگیا تھا کہ موجودہ اقتصادي اور سیاسي گتھیوں کے سلجھانے میں جمہوري نظام حکومة ناکامیاب ثابت ہوا ہے - لہذا روس وغیرہ ممالک کي طرح یہاں بھي " ڈیکٹیٹر شپ " یعني شخصي استبداد قائم ہو جانا چاھیے - انگلستان میں گو اب تک اِس قسم کا خیال با ضابطہ ظاھر نہیں کیا گیا ' لیکن عملاً ملک اِسي طرف جارہا ہے - موجودہ کنسر ویٹیو وزارت بھي درحقیقت ایک قسم کي ڈیکٹیٹر شپ ھي ہے اور اُس کے رجعي (قدامت پسند) ہونے میں تو کوئي کلام نہیں -

(تاریخ کا سبق)

آخر یہ صورت کیوں پیش آئي ؟ اِس انقلاب کي علت کیا ہے ؟ تاریخ ہمیں کیا سبق دیتي ہے ؟ جواب ظاہر ہے اور تاریخ عالم پر ایک سرسري نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے - تاریخ شاھد ہے کہ جب کبھي سوسائٹي کے نظام میں برھمي پیدا ہوتي ہے اور دماغي بے ترتیبي اور اختلال ' عام ہوکر شورشوں اور بغاوتوں کا دروازہ کھول دیتا ہے ' تو ہمیشہ یہي نتیجہ ہوتا ہے جو جنگ کے بعد آج ہم دنیا میں اپني آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں - یعني مضبوط ارادے کے افراد برسر اقتدار آکر اپني شخصیتیں نمایاں کرتے ہیں اور نظام حکومت اپني مرضي کے مطابق استوار کردیتے ہیں -



غازي مصطفى کمال پاشا

انقلاب فرانس ' اِس دعوی کي سب سے بڑي اور صاف دلیل ہے - کیسے جوش و خروش سے قوم بغاوت کے لیے اٹھي ؟ حریت ' مساوات ' اخوت کا راگ کیسي بلند آھنگي سے الاپا ؟ کیسے کیسے اصول و مبادي کا اعلان کیا گیا ؟ لیکن نتیجہ کیا نکلا ؟ یہي نہ کہ آندھي کي طرح حریت و مساوات کي ہوائیں آئیں اور نکل گئیں پھر جو فضا میں سکون پیدا ہوا تو گرد و غبار کے اندر سے مستبد شخصیتیں حکومت کي بے نیام آبدار تلواریں لئے نمودار ہوئیں ! ان شخصیتوں میں سب سے آخري مگر سب سے زبردست شخصیت نپولین بونا پارٹ کي تھي - اس عجیب انسان نے یہي نہیں کیا کہ بغاوت اور انقلاب کا قلع قمع کردیا بلکہ ساتھ ساتھ اپني شہنشاھي بھي قائم



موسولیني ' اٹلي کا ڈیکٹیٹر

کردي - قوم نے اِس نئي شہنشاهي کا اُسي جوش و خروش سے استقبال کیا ' جس جوش و خروش سے قدیم شہنشاهي کا خاتمه کیا تھا اور حریت و آزادي کے علم بلند کیے تھے - ایک شخصیت کے خلاف عظیم الشان جہاد اِس پر جاکے ختم هوگیا که دوسري شخصیت قائم هوگئي - کیا اِس سے بھي زیادہ غیر معقول نتیجه کسي تحریک کا نکل سکتا ہے؟ لیکن نہیں ' یه نتیجه بالکل معقول تھا - اجتماعي اصول و قوانین کے بالکل مطابق تھا -

یه کیسے؟ یه اس طرح که انساني جماعتیں کتني هي شورش اور بیچیني کا اظہا
کریں ' نظام حکومت کي کتني هي مخالف
نظر آئیں ' مگر وہ اپني اجتماعي افتا
طبع سے مجبور هوکر در پردہ یهي خواهش
رکھتي هیں که کوئي نه کوئي زبردست
نظام قائم هو ' جو هر قسم کي بیچیني
کا قلع قمع کردے اور امن و آمان هر
طرف پھیلا دے - یهي سبب ہے که جوں
هي کوئي نئي شخصیت نمودار هوتي ہے
اور قوم محسوس کرتي ہے که وہ شخصیت
امن بحال کرسکتي ہے ' تو بے اختیا
اُس کے سامنے سر جھکا دیتي ہے اور
حریت و آزادي کي اپني تمام خواهشیں
نا دانسته فراموش کر بیٹھتي ہے - دنیا کي
تمام تاریخي شورشیں همیں یهي بتاتي
هیں - فرانس کے عظیم الشان انقلاب نے
بھي همیں یهي دکھایا ہے - ایک محقق نے کیا هي خوب بتایا ہے " فرانس کي " تیسري انقلابي کمیٹي " کے ممبروں میں سے عهد بونا پارٹي (نپولین) میں ایک نے بادشاهي قبول کرلي - پندرہ نے " کونٹ " کا لقب اختیار کیا - سات نے مجلس اُمراء کي شرکت منظور کي - اور چھه وزیر بن گئے " یهي وہ لوگ تھے جو انقلاب کے سب سے بڑے رکن اور علم بردار تھے -

ر یه ہے که اسپنسر
کے جلد مٹ جائینگي -
نگي - کیونکه اُن میں بے
کتابوں نے انفرادي اور
ٖبادي پیش کردیے '
ردیا - نیز همارے اخلاقي
میدان زیادہ وسیع کرنا
اثر بہت سست رفتار
ید نه کرے - سب سے
رت محفوظ رکھتا ہے '
کروہ رکھتے هیں - یعني
بلکه وہ دهشت ناک
جماعت کي طرف سے
کي حفاظت کے لیے
کے جسم کي محافظت
یر دیتا - نیز روشنی کو

(جنگ کے بعد انقلاب)

اب هم تاریخ کي اِس عالمگیر جنگ کے بعد والے موجودہ انقلاب کو بخوبي سمجھه سکتے هیں - ایک مدت سے یورپ میں مختلف قسم کے خیالات اور نظریے پھیل رہے تھے - اِن خیالات اور نظریوں نے بتدریج دماغوں میں هیجان پیدا کیا - اِس هیجان نے اجتماعي ' سیاسي ' اور اقتصادي پیچیدگیاں پیدا کیں - اِن پیچیدگیوں نے جنگ عمومي کي آگ بھڑکائي - اور جنگ نے مذکورۂ بالا اجتماعي کلیه کي بنا پر لینن اور موسولیني اور مصطفی کمال جیسي آهني شخصیتیں پیدا کردیں - پس جنگ کے بعد جو صورت نمودار هوئي ہے ' وہ هرگز تعجب انگیز نہیں بلکه مستحکم و مضبوط اجتماعي

قوانین کا قدرتي نتیجه ہے - یهي هونا چاهیے تھا جو هوا ' یهي همیشه هوا کیا ہے اور شاید همیشه یهي هوا کرے گا -

(انقلابات کے باني)

یہاں یه سوال بھي قابل غور ہے که انقلابات کے باني کون هوتے هیں : افراد یا جماعتیں؟ کارلائل اور بہت سے محققین کي رائے ہے که زبردست شخصیتوں کے افراد هي انقلابات پیدا کراتے اور اجتماعي نظام کي کایا پلٹ کر دیتے هیں - لیکن علم اجتماع کے دوسرے بہت سے علماء ' افراد کے بجائے جماعتوں کو اصل قرار دیتے هیں - وہ کہتے هیں قوموں کے دماغ میں انقلاب کي مخفي لہریں پہلے پیدا هوتي هیں ' پھر وهي چند افراد میں مجسم هوکر رونما هوتي هیں اور سوسائٹي پر انقلاب طاري هو جاتا ہے - پس افراد بذات خود انقلاب کا سبب نہیں هوتے ' بلکه انقلابي لہروں کا مظهر هوتے هیں - زیادہ صاف لفظوں میں یوں کہو که جماعتي اثرات ' افراد کو طیار کرکے انقلاب کراتے هیں -

لیکن صحیح یه ہے که انقلاب کا موجب نه تنها جماعتیں هوتي هیں ' نه صرف افراد - بلکه دونوں ایک دوسرے پر اثر ڈالتے اور ایک
نئي فضا طیار کرنے میں مدد دیتے هیں - یه یقیني ہے که اگر خاص قسم کے اجتماعي حالات و موثرات موجود نه هوتے تو لینن ' موسولیني ' مصطفی کمال جیسے افراد اُبھر نہیں سکتے تھے - کیونکه یه افراد مدت سے موجود تھے مگر اُسي وقت رونما هوئے جب حالات نے اُن کي مساعدت کي - لیکن ساتھه هي یه بھي یقیني ہے که اگر یه افراد اپني غیر معمولي قوتیں کام میں نه لاتے تو اُن کے مساعد حالات بھي پیدا نہیں هوسکتے تھے اور انقلابات بھي طاري نہیں هو سکتے تھے - اِس سے ثابت هوتا ہے که انقلاب میں افراد اور جماعتیں دونوں برابر کي حصه دار هوتي هیں ' تنها کوئي ایک سوسائٹي میں تبدیلي پیدا نہیں کرسکتا -

مدد دیتي اور آگے بڑھ
هوتا تو اُسکے جواهر باه
نظر آتے - کیونکه یه مت
ضروري ہے - ٹھیک اِسي
اجتماع انساني کے بقاء
بنابریں همیں قدام
چاهیے - انکا جمود بھي
جس طرح تجدد اور تق
جامدین ' اجتماع انسان
کي رفتار میں اعتدال و
هربرٹ اسپنسر نے
ما بعد الالیات کے تطور
تطور کي تین قسمیں هیں
آسمان و زمین اور سیاروں
اسکا تعلق طبیعي ظواه
' نبات و حیوان

انقلابي روح اور قومیں)

یه بھي ... بت حقیقت ہے که تمام قومیں انقلاب کي یکساں صلاحیت نہیں رکھتیں - تاریخ بتاتي ہے که فرانس اور بحر متوسط کے کناروں پر رهنے والي اکثر قومیں انقلاب کي زیادہ صلاحیت رکھتي هیں - آب و هوا اور دوسرے اسباب نے اُنهیں دوسري قوموں سے زیادہ حساس ' جلد متأثر هونیوالا ' اور خیالي بنا دیا ہے - وہ نئے نظریے جلد



پرائمو ڈي ریرا ' اسپین کا ڈیکٹیٹر

قبول کر لیتیں اور اُن پر عمل کرنے میں تیزی سے پیش قدمی کرتی ہیں - لہذا وہ زیادہ انقلاب پسند ہیں -

برخلاف اینگلو سکسن (انگریزی) قومیں ' زیادہ عملی ہیں - محض نظریوں سے متأثر نہیں ہوتیں - اُن کے جذبات اور دماغی رجحان زیادہ پائدار ہیں - وہ انقلاب کی طرف کم مائل ہوتی ہیں - جرمن قوموں کا بھی یہی حال ہے ' مگر ان میں احساس کسی قدر زیادہ ہے -

روس ' روحانی و نظری خیالات کی طرف سب سے زیادہ مائل ہیں - کمزور عقل اور کمزور ارادہ رکھتے ہیں - اسی لیے ہر انقلابی دعوت کو لبیک کہنے کے لیے طیار رہتے ہیں - اس خصوصیت میں اگر اُن پر کوئی سبقت لے گیا ہے تو وہ یہودی ہیں - یہ قوم باغیانہ دماغ رکھتی ہے اور ہر جگہ بغاوت کی تخم ریزی کرتی ہے - ایک محقق نے بتلایا ہے " اجتماعی نظامات پر سب سے زیادہ نکتہ چیں اور بغاوت کی سرگرم دعوت دینے والی کتابیں زیادہ تر یہودیوں ہی کے قلم سے نکلی ہیں - حتی کہ موجودہ سوشیلزم یا بالشویزم بھی ایک یہودی ہی کی ایجاد ہے - اس کا نام کارل مارکس تھا - اور اس مذہب کے بڑے بڑے ارکان مثلاً لینن ' ترا‌سکی
النسل ہیں - یہودیوں کے اس خاصے کے دو سا
وہ سامی نسل ہیں - اور معلوم ہے کہ سامی نـ
نظریات کی دلدادہ ہوتی ہے - دوسرے یہ
حالات نے یہودیوں کا دماغ باغیانہ کر دیا
سب سے زیادہ مصیبتیں اسی قوم نے
اسی کا نتیجہ ہے کہ اسمیں بغاوت و
ہوگئی ہے -

پھر یہ بات بھی خاص طور پر یاد رکھنے
جمود و تقلید کی زیادہ دلدادہ ہوتی ہیں اور
تبدیلی کے ساتھہ اپنے تئیں بدلتی نہیں و
اڑی رہتی ہیں ' وہ اگرچہ دیر میں انقلابی
مگر جب ایک دفعہ ہو جاتی ہیں تو پھر انھ
انفجار بھی ہوتا ہے اور اچانک اُن کی سوسا
ہے - اس اصل کی بنا پر پیشین گوئی
ہندوستان میں جب کبھی انقلاب ہوگا تو نہ
اور پوری موجودہ سوسائٹی کو درہم برہم کر ڈالے یہ ملک
سخت جمود کی حالت میں رہا ہے اور تدریجی ترقی سے برابر انکار کرتا رہا ہے - ہندوستان میں جب انقلاب آئے گا تو دنیا بھر کے انقلابات سے زیادہ موثر ثابت ہوگا اور شاید سوسائٹی کی موجودہ کوئی چیز بھی باقی نہ چھوڑے گا - عادات و اطوار ' رسم و رواج ' خیالات و افکار غرضکہ کوئی شے بھی اُس کی ضرب سے نہ بچے گی - اگر ایسے ہولناک انقلاب سے بچنا ہو تو اُسکی صرف یہی ایک تدبیر ہے کہ ابھی سے ملک کو تدریجی ترقی پر لگایا جائے - جوں جوں حالات بدلیں ' ملک میں بھی تبدیلی پیدا کی جائے - ورنہ موجودہ جمود اور ٹھہراؤ ' آیندہ قیامت کا پیش خیمہ بننے والا معلوم ہوتا ہے -

علم اور دین

کیا فی الحقیقت علم اور دین دو محارب فریق ہیں ؟

رہ رہ کر شور اٹھتا ہے کہ دین اور علم میں نزاع قائم ہے ' اور یہ کہ علم اور دین ' دونوں کی فطرت میں اس عداوت و تنافر کی بنیادیں مخفی ہیں - بلا شبہ یہ دعوی ایک مدت سے زبان زد خاص و عام ہے - مزید برآں تاریخ سے بھی اسکی شہادت ملتی ہے - صرف تاریخ ہی نہیں ' خود ہمارا مشاہدہ بھی اسکی تائید کرتا ہے - لیکن بایں ہمہ ابتک کوئی قطعی ثبوت اس دعوے کی صحت کا نہیں ملا - تاریخی واقعات اور ہمارے مشاہدے کتنے ہی کثیر ہوں ' تاہم یقینی طور پر ثابت نہیں کر سکتے کہ دین اور علم کے طبائع فی الحقیقت باہم متضاد ہیں -

موجودہ تمدنی حالات پر ایک سر سری نظر ' اس دعوے کے مشکوک کر دینے کے لیے کافی ہے - موجودہ عہد میں مادی علم کا
شدت و قوت سے بہہ رہا ہے ' جس کی نظیر کسی پچھلے
تی - لیکن با وجود اس کے ٹھیک علم کے
ح کو بھی پوری مضبوطی سے قائم پائے
ب دینی روح انسانی قلوب میں بہ حیثیت
غ نہیں ہوگی ' جتنی اس وقت ہے - بے
کہ دنیا پر ایسے تمدنی دور گزرے ہیں جن
دبہ گھٹ گیا اور مادیت کے غوغا پر اُسکا نعرہ
اتھہ ہی ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا چاہیے
ب آواز کتنی ہی پست کیوں نہ ہو گئی
ب بنیادیں ہمیشہ یکساں طور پر استوار
پوری تاریخ میں ایک لمحہ بھی ایسا بتایا
ں دینی یقین و ایمان کے ستون متزلزل

م میں معرکہ برپا ہوتا تو ابتک مدت کا
۲۵ - صدیوں سے یہ دونوں نام نہاد حریف
ں - مگر ابتک دنیا نے اُنکا کوئی فیصلہ کن
ہ نہیں دیکھا - کیا یہ طویل و عریض مدت بھی فیصلہ کے لیے کافی نہ تھی ؟

لیکن فیصلہ ہوتا کیونکر؟ دونوں میں اگر فی الحقیقت کوئی نزاع ہوتی تو اُس کا فیصلہ بھی وقوع میں آتا - یہاں سرے سے جنگ ہی نہیں ہے - حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں اپنے لیے فکر انسانی میں بالکل الگ الگ میدان رکھتے ہیں - یہی سبب ہے کہ دونوں اپنی اپنی جگہہ پر باقی و قائم ہیں - دونوں کا کہیں بھی حقیقی تصادم نہیں ہوتا - دونوں فکر انسانی کے دو علحدہ علحدہ مظہر ہیں -

لیکن اگر حقیقت یہ ہے تو پھر اُس طویل اور خونیں تاریخ کی ہم کیا توجیہہ کریں جبکہ دینی پیشواؤں نے علم کا گلا گھونٹنے کی کوششیں کیں ؟ نیز اُس مبارزت طلبی کی کیا تاویل کریں جو اصحاب علم کی طرف سے اس وقت تک دین کو دی جا رہی ہے ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ وہ دین جو طبیعت انسانی کا ثمرہ ہے ' اور وہ علم جو عقل انسانی کا نتیجہ ہے ' دونوں میں کبھی تصادم نہیں ہوا ' جو تصادم ہوا ہے وہ سراسر اُس دین

اور علم میں ہوا ہے جو لاہوتی پیشواؤں کا مبتدع دین ہے اور ناقص و خام مدعیان علم کا کج اندیش علم ہے ' تو ہم بڑی آسانی سے نہ صرف پچھلی تاریخ کے تمام حوادث کی تعلیل کر سکینگے ' بلکہ مستقبل کے واقعات پر بھی روشنی ڈال سکینگے -

(۲)

انسانی جماعتیں شعور رکھتی ہیں مگر فکر نہیں رکھتیں - بلکہ کہا گیا ہے کہ جماعت کی شعوری ترقی کا پیمانہ ' اسکا وہ فرد ہے جو سب سے زیادہ کمزور فکر ' سب سے زیادہ مضطرب شعور ' رکھتا ہے - جماعت جس طرح محض شعور رکھتی ہے ' اسی طرح سراسر جمود سے بھی لبریز ہوتی ہے - اور یہ کہ اسکا یہ جمود ترقی کے گوناگوں میدانوں میں اسکے قدموں کے توازن کیلیے ضروری ہے -

سالہا سال سے علماء اجتماع وہی کہہ رہے ہیں جو گستاؤ لیباں کا نظریہ ہے - لیکن کبھی اُن کے ذہن میں یہ حقیقت نہیں آئی کہ جماعت ' ایک جامد مخلوق ہے - تغییر و تجدید بہت دیر میں میں قبول کرتی ہے - اِس بارے میں مجھے صرف ایک انگریز عالم کارل پیرسن کا قول ملا ہے - وہ کہتا ہے :

" ڈارون اور اسپنسر کی تصانیف میں بڑا فرق یہ ہے کہ اسپنسر کی کتابیں باوجود اپنی تمام قوت و تاثیر کے جلد مٹ جائینگی - برخلاف اس کے ڈارون کی کتابیں باقی رہینگی - کیونکہ اُن میں بے نظیر بصیرت اور قوت ادراک موجود ہے - اِن کتابوں نے انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے ایسے اصول و مبادی پیش کردیے ' جنہوں نے دنیا کو قدیم افکار کے بدلنے پر مجبور کردیا - نیز ہمارے اخلاقی مطمح نظر کو بھی اونچا کرنا اور ہمارے سامنے میدان زیادہ وسیع کرنا شروع کردیا ہے - بلا شبہ اِن اصول و مبادی کا اثر بہت سست رفتار ہے ' لیکن یہ سست رفتاری ہمیں نا امید نہ کرے - سب سے قوی موثر ' جو ہمارے اجتماعی بقاء کی عمارت محفوظ رکھتا ہے ' وہ وہی صفت ہے جسے ہم سب سے زیادہ مکروہ رکھتے ہیں - یعنی قدامت اور جمود کی صفت - اِسی قدر نہیں بلکہ وہ دہشت ناک مخالفانہ صدائیں جو ہر جدید فکر کے خلاف جماعت کی طرف سے بلند ہوجاتی ہے ' ہماری اجتماعی زندگی کی حفاظت کے لیے قوی ترین موثر ہیں - جماعت کا یہ جمود اُس کے جسم کی محافظت کرتا ہے اور نئے نئے تجربوں کا تختۂ مشق بننے نہیں دیتا - نیز صالح کو غیر صالح اور اصلح کو غیر اصلح سے متمیز کر دیتا ہے "

عالم مادی اور جماعات انسانی کی تکوین میں بہت بڑی مشابہت موجود ہے - دونوں میں ایسے عناصر موجود ہیں جو اُن کے نظام و توازن کی حفاظت کرتے ہیں - چنانچہ جس طرح جوہر فرد (ایٹم) میں دو متضاد کہربائی لہریں : ایجابی اور سلبی جاری ہوتی ہیں ' یا جس طرح تمام مادی دقائق میں جذب و دفع کی دو مخالف قوتیں جمع ہوتی ہیں ' ٹھیک اُسی طرح اجتماع انسانی میں تقدم و جمود کے دو مخالف عناصر ہوتے ہیں - زندگی کے لیے موت لازمی ہوتی ہے اور موت کے لیے بعث (دوبارہ زندگی) ضروری ہوتا ہے - اِس طریقہ پر غور کرنے سے ہم سمجھہ سکتے ہیں کہ جماعت کی سلبی صفات جنہیں ہم نا پسند کرتے ہیں ' در حقیقت اُس کے بقاء کے لیے ناگزیر ہیں -

اِس حقیقت کو زیادہ وضاحت کے ساتھ سمجھنے کے لیے کوئی نرم مادہ لے لو اور اُس پر دباؤ ڈالو ' تم دیکھوگے کہ دباؤ کے ساتھہ ہی اُس کی شکل بدل جائیگی - پھر دوبارہ اُسے دابو ' فوراً دوسری شکل اختیار کرلیگا - اس طرح ہر دباؤ پر وہ ایک نئی صورت میں تبدیل ہوتا جائیگا - پس اگر انسانی جماعت کی طبیعت بھی اِسی مادے کی طرح نرم ہوتی ' اور اُس میں جمود و قدامت پرستی کی ٹھوس صفتیں نہ ہوتیں ' تو ظاہر ہے ' کیسی طوائف الملوکی اور انتشار پیدا ہوجاتا ؟ روز روز اُس میں تبدیلیاں ہوتی رہتیں ' اور نظام انسانی تہہ و بالا ہوکر رہ جاتا -

تمام علمی فلسفے شمار کرو . سقراط کا مذہب دیکھو ' کلبی ' اپی کوری ' رواقی ' مشائی ' وغیرہم کے مذاہب پر نظر ڈالو - اِس کے بعد غور کرو کہ اگر اجتماع انسانی کا مزاج نرم مادے کی طرح ہر وقت تبدیلی قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ' تو ان بے شمار اور متضاد مذاہب کی موجودگی میں اُس کا کیا حال ہوجاتا ؟ یقیناً اُس کا سارا نظام علم و فکر زیر و زبر ہوجاتا اور کوئی وسطی و اصلاح راہ پیدا نہ ہوتی -

یہی حال سیاست ' دین ' زبان اور اُن تمام امور کا ہے جن پر تمدن کے ستون قائم ہیں -

پس اب یہ واضح ہوگیا کہ تقدم و ارتقاء ایک ایجابی قوت ہے ' جسے باوجود مقاومت کرنے کے سلبی قوت یعنی جمود کی صفت مدد دیتی اور آگے بڑھاتی ہے - اگر اجتماع انسانی ایک مادی دقیقہ ہوتا تو اُسکے جواہر باہم جذب و دفع کے متضاد عملوں میں مصروف نظر آتے - کیونکہ یہ متضاد عمل ' اُس کی ہستی قائم رکھنے کیلیے ضروری ہے - ٹھیک اِسی طرح تقدم و جمود کی متضاد صفتیں بھی اجتماع انسانی کے بقاء و دوام اور نشوء و ارتقاء کیلیے لازمی ہیں -

بنابریں ہمیں قدامت پرست جامدوں کو یک قلم برا نہیں سمجھنا چاہیے - انکا جمود بھی بقاء و حیات کیلیے اسی طرح ضروری ہے ' جس طرح تجدد اور تقدم پر عمل کرنے والوں کا وجود ضروری ہے - جامدین ' اجتماع انسانی کیلیے ایک سلبی قوت ہیں ' جو جماعت کی رفتار میں اعتدال و توازن پیدا کرتے رہتے ہیں -

(۳)

ہربرٹ اسپنسر نے اپنی کتاب " مبادی معاشرت و اجتماع " ما بعد الالیات کے تطور کی بحث سے شروع کی ہے - وہ کہتا ہے تطور کی تین قسمیں ہیں : (۱) تطور غیر عضوی اور اسکا تعلق آسمان و زمین اور سیاروں کی بناء سے ہے - (۲) تطور عضوی اور اسکا تعلق طبیعی ظواہر سے ہے جنہیں ہم طبیعت حیہ اور مختلف درجوں کے نبات و حیوان کی ترکیب میں مشاہدہ کرتے ہیں - پھر وہ مظاہر ذہنی (سائیکا لوجی) جو اُن صور حیہ کا خاصہ ہیں جو ترقی کی اُس حد کو پہنچ گئی ہیں جہاں طبیعت تطور نے انہیں اِن مظاہر کا اہل بنا دیا ہے - (۳) تطور ما بعد الالیات یا ما بعد العضویات - یہ فی الحقیقت حالت اجتماعی کا سن بلوغ اور جماعت کے افراد میں تقسیم عمل ہے -

اگر ہم اِس اصول کی تعلیل کریں اور اپنے موضوع سے تطبیق دیں ' تو ہمیں ماننا پڑیگا کہ تطور مابعد الالیات ' نشوء کا وہ آخری درجہ ہے جس تک حیوانی جماعتوں کی ترقی پہنچی ہے - انسان بھی اِس سب میں حیوان کا شریک ہے بلکہ مابعد الالیات میں اُس زیادہ سے زیادہ ترقی تک پہنچ گیا ہے جہاں تک حیوان سے پہنچنا ممکن ہے - اگر یہی ہے تو پھر انسان کو باقی مخلوق پر کیا امتیاز حاصل ہے ؟ انسان کا امتیاز یہ ہے کہ وہ اپنے مابعد العقلیت سے ایک ایسی قوت حاصل کرتا ہے جسکے ذریعہ اپنی عقل کو اپنے مجموع کی بھلائی میں لگاتا ہے !

کیا قانون کی نکتہ چینی، قانون کی توهین هے ؟

تاریخ قوانین مدینه کا ایک صفحه

وکٹر هیگو کی تقریر اپنے لڑکے کی حمایت میں

(۱)

سنه ۱۸۵۱ کا واقعه هے که فرانس میں ایک مجرم کو قتل کی سزا دی جا رهی تهی - مجرم نے گلوٹین (انقلاب فرانس کے آلهٔ قتل) پر چڑهنے سے انکار کیا ' شور مچایا ' واویلا کیا ' نوحه و بکا کیا ' سخت جسمانی مزاحمت کی ' مگر اُسکی کوئی سعی کارگر نہیں هوئی - عدالت فیصله کر چکی تهی - جلادوں نے بے دست و پا کرکے اُسے گلوٹین پر چڑهایا اور قتل کردیا گیا -

فرانس کے مشهور شاعر و کاتب وکٹر هیگو کے لڑکے چارلس هیگو نے یه منظر اپنی آنکهوں سے دیکها ' تو بے اختیار هوگیا اور قتل کی سزا کے خلاف اخبار L, Evenement میں ایک مضمون شائع کیا - حکومت کی نظر سے یه مضمون گزرا تو کاتب پر قانون کی توهین کا مقدمه دائر کیا ' کیونکه اِس مضمون میں براہ راست قانون کی اِس نوعیت پر حمله کیا گیا تها -

اِس واقعه نے فرانس میں سخت هلچل ڈال دی - بیک وقت دو بحثیں پیدا هوگئیں : سزائے قتل کی اخلاقی حیثیت اور قانون کی " نکته چینی " اور قانون کی " توهین " میں فرق - اِنهی دونوں اهم بحثوں پر وکٹر هیگو نے ۱۱ جون سنه ۱۸۵۱ کو عدالت میں ایک بہت هی بلیغ اور پر زور تقریر کی - اِس موضوع پر یه تقریر بے نظیر سمجهی جاتی هے - اِس میں فرانس کے شاعر نے قوت واستدلال اور قوت خطابت دونوں کا بہترین مظاهره کیا هے -

---

فرد اور جماعت کبهی متفق نہیں هوتے - وه همیشه دو متضاد وجود هیں - دونوں کی طبیعت ایک دوسرے سے بالکل مختلف هے - دلیل یه هے که ایک هی زمانه میں رهنے والے افراد کی عظیم تعداد کبهی بهی جماعت کے تطور اور اُسکے مظاهر پر متنبه نہیں هوتی اور نه اس تطور کو بهلائی اور امن کی طرف لانے کی کوشش کرتی هے - فرد جماعت کے تطور سے خود بهی تطور حاصل کرتا هے - لیکن اُسکے وقوع کی اُسے هرگز کوئی خبر نہیں هوتی - پهر خود جماعت بهی اپنے تطور کا کوئی احساس نہیں کرتی ' یہانتک که امتداد زمانه ' جماعت کے تدریجی تطور کو نمایاں کر دیتا هے اور آئنده نسلیں اُسے محسوس کرتی اور دیکهتی هیں -

فرد کا جماعت کے شعور کے ماتحت آجانا اُسے اپنی مستقل عقلیت سے دور کر دیتا هے - جماعتی شعور کا دهارا اُسے جدهر چاهتا هے ' بها لیجاتا هے : شر کی طرف یا خیر کی طرف - جماعتی شعور اور انفرادی عقلیت کی جنگ نے پوری انسانی تاریخ بنائی هے - تمام جنگی حوادث ' اجتماعی انقلابات اور مختلف مدنیتوں کے قیام میں همیں هر جگهه یهی حقیقت نمایاں نظر آتی هے - یهی روح ' انسانیت کی گردن پکڑے همیشه کهینچتی هوئی دکهائی دیتی هے -

---

اِس تقریر کی قانونی اور ادبی ' دونوں حیثیتیں ایسی هیں که ضروری هے ' اور علم ادب اس سے خالی نه رهے - هم نے حتی الوسع لفظی ترجمه کیا هے -

(وکٹر هیگو کی تقریر)

" سرکاری وکیل کے ابتدائی الفاظ سننے کے بعد میں نے یقین کرلیا تها که وه الزام سے دست بردار هو جائیگا - لیکن میرا یه یقین ' محض بے بنیاد وهم ثابت هوا اور بہت جلد دور هوگیا - سرکاری وکیل نے متعدد کوششیں کیں (جو سب کی سب نا کام رهیں) که موضوع کو محدود و محصور کردے - لیکن موضوع کی طبیعت نے اُسے تفصیل پر مجبور کر دیا - نتیجه یه هوا کے تمام پہلو روشنی میں آگئے ' اور وکیل کی خلاف مرضی معامله نے اپنی پوری اهمیت حاصل کرلی - لیکن مجهے اِس نتیجه پر کوئی شکایت نہیں هے -

" میں اب بلا کسی تمهید کے فوراً الزام کا مقابله کرتا هوں -

" لیکن سب سے پہلے همیں ایک بنیاد پر متفق هو جانا چاهیے - کیونکه مشهور مقوله هے " موضوع کی عمده تعریف ' عمده بحث پیدا کرتی هے " پس همیں سب سے پہلے یه طے کر لینا چاهیے که " قانون کی حرمت " کے معنی کیا هیں ؟ یه اس لیے که آج کی بحث کی بنیاد یهی مسئله هے -

" نا ممکن هے اِس جمله کے معنے یه هوں که قانون کی حرمت کے بہانے سے قانون پر نکته چینی روک دی جائے - اِس جمله کے معنی اس سے زیاده کچهه نہیں هو سکتے که قانون کی تنفیذ کا احترام کیا جائے اور بس - یه جمله ' نکته چینی کی پوری آزادی دیتا هے ' سخت سے سخت نکته چینی کی بهی ' بلکه مذمت کی بهی - صرف ایک قانون هی کی نہیں بلکه خود ملک کے دستور (کانسٹی ٹیوشن) کی بهی جو سب سے اعلی قانون هوتا هے -

" یه جمله همیں پوری آزادی دیتا هے که تشریعی قوت (قانون ساز قوت) کو کسی " خطرناک " قانون کی منسوخی پر آماده کریں - اِسی قدر نہیں بلکه یه همیں اجازت دیتا هے که قانون کی راه میں هر قسم کی اخلاقی اور معنوی دشواریاں حائل کریں - بلا شبه وه همیں مادی دشواریاں پیش کرنے کی اجازت نہیں دیتا -

" قانون نفذ هونے دو ' اگرچه کتنا هی خراب ' کتنا هی ظالمانه ' کتنا هی وحشیانه هو - اپنے دل و دماغ کے سامنے اُسکی شکایت کرو - مقنن سے شکوه کرو - مگر خود قانون کو روکو نہیں - اُسے جاری هونے دو - ببانگ دهل کهو که وه خراب هے - ظالمانه هے - وحشیانه هے - لیکن اُسکی راه روک کر کهڑے نه هو -

" هم نکته چینی کرینگے - مذمت کرینگے - مگر بغاوت نہیں کرینگے - یهی وه حقیقی معنی هیں ' یهی وه وحید معنی هیں " قانون کے احترام " کے ' اگر یه نہیں تو اے حضرات ذرا غور تو کیجیے -

" قانون سازی کا مشکل عمل دو قسموں پر منقسم هوتا هے : مقنن اور اخبارات - اگر میری تشریح قبول نه کی جائے تو اِسکا نتیجه اسکے سوا کچهه نہیں هو سکتا که دوسری قسم معدوم هو جائیگی - کیونکه اخبارات کا فرض هے که قوانین پر نکته چینی کرکے مقنن کو قانون سازی میں مدد دیں ' وه مدد جس کے بغیر کوئی قانون مکمل نہیں هو سکتا - جب یه قسم معدوم هو جائیگی تو قدرتی طور پر پہلی قسم ' یعنی مقنن کا وجود بهی بیکار هو جائیگا - یعنی هماری پارلیمنٹ معطل هو کر ره جائیگی اور اُس کے لیے اِس کے سوا کوئی کام باقی نه رهے گا که همیشه کے لیے بند هو جائے -

" میرے خیال میں سرکاري وکیل کي منطق یه خواهش تو نه رکھتي هوگي (قہقه)

" اِس مسئله کے صاف کردینے کے بعد اب میں اصلي موضوع پر متوجه هوتا هوں -

" جج اور جیوري ! اُس ضابطۂ قانون میں ' جسے هم " قدیم یورپین ضابطۂ قانون " کہه سکتے هیں ' ایک ایسا قانون موجود هے جس کي منسوخي پر گزشته سو برس سے تمام فلاسفه ' مفکرین ' اور حقیقي سیاست داں زور دیے رهے هیں - سب کا بیک زبان مطالبه رها هے که " مقدس تعزیرات " سے یه قانون همیشه کے لیے نکال دیا جائے -

" اِس قانون کے متعلق بکاریا نے کہا تھا " یه بے دین قانون هے " فرانکلین کہا کرتا تھا " یه خوفناک قانون هے " لیکن همیں معلوم هے اِن دونوں پر کبھي توهین قانون کا مقدمه نہیں چلایا گیا -

" اِسي قانون کے بارے میں لوئي فلپ نے (جس کا نام میں اُس احترام کے بغیر نہیں لے سکتا جو پیري اور بد نصیبي کے لیے اور هر اُس شخص کے لیے ضروري هے جو اِس قانون کي قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا هو) کہا تھا " زندگي بھر میں اس سے نفرت کرتا رها هوں " اِسي قانون پر مسیو جیزو اور مسیو دي بروگلي نے سختي سے نکته چیني کي تھي -

" یهي وہ قانون هے جسے همارے پارلیمنٹ نے اب سے بیس برس پہلے تسلیم کیا هے - یعني اکتوبر سنه ۱۸۳۰ ع میں - حالانکه ٹھیک اِسي زمانه میں ایک نیم وحشي امریکن پارلیمنٹ نے اِسے ملک کے ضابطۂ قوانین سے خارج کردیا تھا -

" یهي وہ قانون هے جسے تین سال هوئے فرنکفورٹ کانگریس نے منسوخ کیا - اور اِسي کو چند سال هوئے انجمن جمہوریت رومان نے باطل کردیے جانے کا فیصله کیا هے -

" یهي قانون هے جسے همارے مقنن مجلس نے سنه ۱۸۴۸ ع میں بڑے پس و پیش کے بعد منظور کیا تھا - یهي وہ قانون هے جو اِس وقت جب که میں تقریر کر رها هوں اُن دو تجویزوں کے رحم پر زندہ هے جو اُس کے خلاف همارے مقنن مجلس میں پیش هیں -

" یهي وہ قانون هے جسے تسکانیا اور روس ' دونوں ٹھکرا چکے هیں ' اور اب وقت آگیا هے که فرانس بھي اُسے نفرت سے ٹھکرا دے -

" یهي وہ قانون هے جس کے سامنے سے انساني ضمیر نفرت و کراهت کے ساتھه بھاگتا هے -

" وہ قانون کیا هے ؟

" قتل !

" اور اے حضرات ! یهي وہ قانون هے جس نے آج یه مقدمه پیدا کیا هے - یهي همارا حقیقي دشمن هے - ممکن هے سرکاري وکیل کو غصه آجائے - لیکن میں یه کہے بغیر نہیں رہ سکتا که اُس کے پیچھے بھي یهي قانون چھپا کھڑا هے (قہقه)

" مجھے اعتراف هے که مسیو لیوں فوشر کي طرح گزشته بیس برس سے میں بھي یقین کرتا تھا که " اب گلوٹین ' عام میدانوں میں ظاهر نہیں هوگي - لیکن مجھے یه بھي یقین تھا که اب گلوٹین ' قانوني نقاب اوڑھتي جاتي هے - اب اُس کي حیثیت پہلے سے بہتر هوگئي هے - اب اُس نے میدان چھوڑ دیا هے ' جہاں سورج چمکتا اور مخلوق جمع هوتي هے - اب وہ سڑکوں کا هجوم پسند نہیں کرتي - اب اُس کا تماشه دل پسند نہیں رها - اب وہ تماشه تاریکي میں دکھاتي هے - " سان جاک کے قید خانے میں - خالي جگه میں - لوگوں کي نظروں سے دور - میں اِس پر مطمئن هوا - میں نے اُسے اپنا منهه چھپاتے دیکھا ' اور اِس شرم و حیا پر مبارک باد دي - لیکن اے حضرات ! یه میري غلطي تھي - کیوں که اُس نے بہت جلد اِس عارضي حیا کا پردہ چاک کرڈالا اور انتہائي بے شرمي کے ساتھه باهر نکل آئي !

" سان جاک کا قید خانه یقیناً اِس ملکۂ قتل (یعني گلوٹین) کے لیے توهین آمیز هے - لہذا اب همیں طیار هو جانا چاهیے که جلد اُسے پھر عام میدانوں میں سورج کے نیچے دیکھینگے - جلادوں کي قطاریں اُس کے سامنے کھڑي هونگي - مسلح پولیس اور فوج اُس کے اعزاز میں دست بسته هوگي - بہت ممکن هے اُس کا تخت خونیں ' اُسي بلدیه (کارپوریشن) کے روشن دانوں کے نیچے بچھایا جائے ' جس کي کھڑکیوں میں کھڑے هوکر بعض نالائقوں نے ۲۴ فروري کو اُسے چلا چلا کر گالیاں دي تھیں -

" اب گلوٹین پھر طیاري کر رهي هے - اُس نے سوچنا شروع کردیا هے که مضطرب هیئت اجتماعیه کو اپنے استقرار کے لیے ' پھر تمام پچھلي روایات کي طرف لوٹ جانا چاهیے - چونکه وہ خود بھي ایک قدیم رسم هے ' اس لیے اُسے بھي از سر نو آگے بڑھنا چاهیے - وہ تمام مصلحین کے خلاف احتجاج بلند کررهي هے ' کیونکه اُنہوں نے انتہائي گستاخي کے ساتھه اعلان کیا تھا که سر کاٹنے کا آله اُس مجمع کا نشان نہیں هوسکتا ' جس کي کتاب ' انجیل هے !

" وہ اِن مصلحین پر سخت خفا هے - کیونکه محسوس کرتي هے که اِن خیالي آدمیوں کے سامنے ' جو نظام اطاعت نہیں جانتے ' وہ بے وقعت هوتي هے (قہقه) وہ چاهتي هے دنیا بھر اُسکي عظمت کا راگ گائے اور اُسکے سامنے تعظیم سے جھک جائے - اگر ایسا نہیں هے تو وہ خفا هو جائیگي ' اپني توهین پر شور مچائیگي ' عدالت میں دعوی کریگي ' اور معاوضه طلب کریگي " (قہقه)

جج ـــ مقرر کے بیان پر استحسان یا مذمت کا اظہار قطعي طور پر ممنوع هے - اِس موقعه پر قہقه نہایت نا مناسب هے -

وکٹر هیگو (تقریر جاري رکھتے هوے) " یه ملکۂ معظمه (گلوٹین) خون کي مالک هے - لیکن وہ اِسے کافي نہیں سمجھتي - وہ جرمانے اور قیدخانے کي بھي حاکم بننا چاهتي هے -

" محترم عدالت ! جس دن میرے سامنے وہ پروانه پیش کیا گیا جو میرے لڑکے کے نام آیا تھا - یعني اِس مقدمه کا سمن ' (آج کل هم کتنے عجائبات دیکھه رهے هیں اور همیں عجائبات دیکھنے کا کس قدر عادي هونا چاهئے ؟) مجھے اعتراف کرنا چاهئے که وہ پروانه دیکھکر میري حیرت کي کوئي حد نه رهي - میں نے تعجب سے کہا - کیا ؟ ... تو کیا اب هم اِس حد تک پہنچ گئے هیں ؟ کیا اب هم اِس وجه سے مجرم قرار پائینگے که عقل ' ضمیر ' آزادي خیال ' اور قانون طبیعت کے حامي هیں ؟ کیا اب هم سے صرف مادي احترام کافي سمجھا نہیں جاتا (جس سے همیں کبھي انکار نہیں هوا ' جو هم پر واجب هے ' اور جسے هم فعلاً پیش بھي کر رهے هیں) بلکه اب هم سے مطالبه کیا جا رها هے که معنوي احترام بھي اِن سزاؤں کیلیے پیش کریں جو انساني ضمیر کو پاش پاش کر رهي هیں - جنہیں دیکھکر هر عقلمند کا رنگ فق هو جاتا هے - جنسے دین نفرت کر رها هے ؟ وہ سزائیں جو سنگ دلي سے بھي بڑھ کر ایک برائي هیں - جنکے نفاذ کے بعد اُنکي تلافي محال هے - جو بالکل اندھي هیں - وہ سزائیں جو انساني خون سے تر بتر هیں - جو دین سے بالکل دور هیں - وہ جب مجرم کے سر پر نازل هوتي هیں تو شبه هوتا هے که انسانیت اِس عالم میں موجود نہیں هے - جب بے گناہ پر پڑتي هیں تو خود خدا کے وجود میں شک پیدا هو جاتا هے ...

" لیکن نہیں ! نہیں ! ہرگز نہیں ! ہم ابھی اِس حد تک نہیں پہنچے ہیں . . . میں نے کہا مجھے پروانہ دیکھکر سخت حیرت ہوئی (آپ عنقریب جان لینگے میری حیرت کس درجہ عظیم تھی) کیونکہ میں نے خیال کیا ' اگر اِس " جرم " کا کوئی حقیقی مجرم ہے ' تو وہ میرا بیٹا نہیں ' خود میں ہوں -

" میں اِس وقت عدالت کے سامنے پوری صفائی سے اعلان کرتا ہوں کہ اِس جرم کا حقیقی مجرم میں ہوں ' میں ! کیونکہ گزشتہ ۲۵ سال سے میں ہی اِن سزاؤں کے خلاف ہر ممکن ذریعہ سے جنگ کر رہا ہوں -

" میں تصریح کرتا ہوں کہ گزشتہ ۲۵ سال سے میں نے ہر طریقہ سے " انسانی زندگی کی حرمت " بچانے کی کوشش کی ہے - یعنی وہی جرم کرتا رہا ہوں جو اِس وقت میرے لڑکے پر عائد کیا جا رہا ہے - میں نے یہ جرم اپنے لڑکے سے بہت پہلے شروع کیا تھا ' اور اِس سے کہیں زیادہ سخت طریقہ پر اُسکا ارتکاب کرتا رہا ہوں - مہربان سرکاری وکیل ! دیکھو ' میں خود اپنے خلاف گواہی دے رہا ہوں - میں اقبالی مجرم ہوں - حلفیہ اقبال کرتا ہوں - میں نے ہر موقعہ پر یہ جرم کیا ہے - بار بار کیا ہے - اصرار کے ساتھہ کیا ہے - ہمیشہ کرنے کا عزم رکھا ہے - یہ عزم اِس وقت بھی میرے قلب میں موجود - بلکہ اِس وقت بھی میں اِس جرم سے آلودہ ہو رہا ہوں - خود عدالت کے سامنے آلودہ ہو رہا ہوں !

" ہاں . . . میں خود اپنی زبان سے بغیر کسی جبر و اکراہ کے اپنے جرم کا اعلان کرتا ہوں - میں اعلان کرتا ہوں کہ میں زندگی بھر اُن تمام قوانین کی بیخ کنی کرتا رہا ہوں جو وحشیانہ ہیں - میں ہمیشہ اِس بڑے قانون کا دشمن رہا ہوں جو کہتا ہے " آنکھہ کے بدلے آنکھہ اور دانت کے بدلے دانت " محترم جج اور جیوری ! میں آپکے سامنے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آئندہ بھی زندگی بھر ایسے تمام قوانین سے جنگ کرتا رہونگا - میں ایک مصنف کی حیثیت سے عمر بھر اپنے قلم سے اُنکی مخالفت کرونگا ' اور ایک مقنن کی حیثیت سے اپنی آواز ہمیشہ اُنکے برخلاف بلند رکھونگا -

" اے حضرات ! میں اعلان کرتا ہوں (یہ کہکر مقرر نے حضرت مسیح علیہ السلام کی تصویر کے طرف اپنے دونوں ہاتھہ پھیلا دیے جو عدالت کے کمرے میں آویزاں تھی) اِس ذات کے سامنے جو اِسی قانون قتل کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھائی گئی ' جسکے سامنے اِس وقت ہم کھڑے ہیں - یہ مقدس تصویر ہمیں اِس وقت دیکھہ رہی ہے - میں اِس مقدس " قربانی " کے سامنے قسم کے ساتھہ یہ اعلان کرتا ہوں - یہ وہ ہستی تھی جسنے انسانیت کی ابدی تعلیم کی خاطر ' اپنے تئیں جلادوں کے حوالہ کر دیا - انسانی قانون نے اُسے سولی پر لٹکایا ' حالانکہ اُسکا وجود خود " قانون الہی " تھا -

" ہاں میں اِسی تصویر کے روبرو بار بار کہتا ہوں کہ میرے لڑکے نے جو کچھہ لکھا ' وہ صرف اِس وجہ سے لکھا کہ میں نے بچپن ہی سے اُسے اِسکی تلقین کی تھی . . . کیونکہ وہ جب سے میرا جسمانی لڑکا ہے ' اُسی وقت سے میرا روحانی فرزند بھی ہے - کیونکہ وہ کوشش کرتا ہے کہ اپنے باپ کی راہ پر چلے - لیکن بیٹے کا باپ کے طریقے پر چلنا بھی ایک عظیم جرم ہے - واقعی یہ جرم میرے لیے سخت حیرت انگیز ہے !

" حضرات ! میں اعتراف کرتا ہوں کہ یہ الزام واقعی میرے لیے شدید تعجب کا موجب ہے . . . . . "

تاریخ و عبر

ہندوستان کی تجارت پر مشرق و مغرب کا تصادم

امریکا اور راس امید کے اکتشافات

واسکو ڈی گاما نے ایک عرب کے ذریعہ کامیابی حاصل کی

مشہور مصری کاتب و محقق احمد زکی پاشا نے اپنے ایک سلسلۂ مضامین میں مندرجۂ بالا عنوانوں پر جو روشنی ڈالی ہے ' وہ نہایت اہم اور دلچسپ ہے - انکی بحث خلاصہ حسب ذیل ہے :

" صلیبی جنگوں نے بہت سی مغربی قوموں کے مقبوضات ' شام میں پیدا کر دیے تھے - ایشیا کے دروازوں پر اِن مقبوضات سے یورپ کو بہت فوائد حاصل ہوئے - تمام مشرق کی مصنوعات حاصل کرنے اور ہندوستان سے تجارت بڑھانے کے بہترین موقع میسر آگئے صلیبیوں نے کبھی کبھی اِتنی قوت بھی پیدا کرلی تھی کہ خود دمشق اور قاہرہ سے خراج وصول کیا کرتے تھے - (۱) انھوں نے کرک پر قبضہ کر کے حجاز کے راستہ پر تسلط حاصل کرلیا تھا - عقبہ اور طور پر بھی قبضہ جمانے کی کوشش میں تھے ' اور قریب تھا کہ پورے بحر احمر پر چھا جائیں - (۲)

لیکن مشرق قریب کے سلاطین ' عین وقت پر بیدار ہوگئے - اُن میں باہم سخت حسد و منافست تھی - تاہم مشترک خطرے کے سامنے متفق ہوگئے ' اور اسد الدین ' نور الدین ' صلاح الدین ' نجم الدین ' ملکۂ شجرۃ الدر ' ملک الظاہر بیبرس ' منصور قلاوون ' کی یادگار کوششوں نے مصر اور شام کی سر زمینیں یورپین حملہ آوروں سے پاک کردیں -

---

(۱) دیکھو ابن فضل اللہ کی " مسالک الابصار "

(۲) ابن فضل اللہ نے اپنی کتاب " التعریف بالمصطلح الشریف " میں لکھا ہے کہ اہل فرنگ نے کرک میں بحری بیڑے طیار کیے اور انھیں لیکر بحر قلزم میں پہنچے تاکہ حجاز پر حملہ آور ہوں اور اپنے دل کا بخار نکالیں - لیکن ایوبی اور عادلی ہمتوں نے انہیں پسپا کرڈالا - صلاح الدین ایوبی نے انکی بہت سے آدمی گرفتار کرلیے اور منی بھیجدیے تاکہ جمرۃ العقبہ پر اُسی طرح ذبح کردالے جائیں جس طرح قربانی کے جانور ذبح کیے جاتے ہیں - چنانچہ ایسا ہی کیا گیا (مقتبس)

مگر ان کوششوں کے باوجود بھی شہر عکا صلیبیوں کے قبضہ میں باقی رہا ' اور ان تمام نقصانوں کی تلافی کرتا رہا جو انہیں اپنے مشرقی مقبوضات سے محرومی کی وجہ سے پہنچے تھے - یہ دیکھکر ملک اشرف بن قلاؤوں نے چاہا ' یہ مقام بھی ان سے واپس لے لیا جائے - چنانچہ اس نے حملہ کیا اور سنہ ۱۲۹۱ ع میں کامیاب ہوگیا -

عکا کے واقعہ کے بعد مشرق کی فتح کے دروازے ایک مرتبہ پھر مغرب پر بند ہوگئے - لیکن وہ نا امید نہ ہوئے ' اور روم کے پاپا اور یورپ کے پادشاہ برابر حملہ کی طیاریاں کرتے رہے - چنانچہ چارلس ہشتم شاہ فرانس نے عزم مصمم کرلیا تھا کہ اپنے جنگی بیڑوں کی قوت سے فلسطین اور مقامات مقدسہ پر قبضہ کرلے - لیکن تجارتی مفاد نے اس وقت جنگی کارروائیاں کرنے کی اجازت نہیں دی - اور مشرق و مغرب کا تصادم ہوتے ہوتے رک گیا -

عکا کی فتح کے بعد مشرقی تجارت کی باگیں مصر کے ہاتھ آگئیں - اب بحر متوسط کی تجارت پیشہ قوموں کیلیے اسکے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ اسکندریہ ' دمیاط ' اور بیروت کے بازاروں کا طواف کریں - چنانچہ وینس اور جنیوا وغیرہ کے تاجر ان بازاروں پر ٹوٹ پڑے - کیونکہ مشرق کی مصنوعات اور ہندوستان کی پیداوار حاصل کرنے کا اور کوئی دوسرا راستہ انکے سامنے موجود نہ تھا - اس زمانے میں ہندوستان کے گرم مسالے یورپ میں از حد مقبول تھے اور غذا کا لازمی جزء بن گئے تھے - یہ مسالے بھی مصر ہی کے راستے یورپ کو حاصل ہوتے تھے -

اس تجارتی مرکزیت نے مصر کو دولت و ثروت کا بھی مرکز بنا دیا - بادشاہ اور باشندے مالا مال ہوگئے تھے - تمام یورپ میں قاہرہ " قاہرۂ عظمی " کے نام سے پکارا جاتا تھا !

(راس امید کی دریافت)

تقریباً دو سو برس تک یہی حالت رہی - یہانتک کہ سنہ ۹۲۲ھ (۱۵۱۶ ع) میں مصر اپنی آزادی سے محروم ہو گیا - اسکی تجارتی مرکزیت کو شاید اب بھی کوئی نقصان نہ پہنچتا لیکن مصیبت یہ ہوئی کہ اسی زمانے میں پرتگالیوں نے " راس امید " دریافت کرلی اور اس طرح مصر کی سیاسی اور تجارتی ' دونوں اہمیتیں ختم ہوگئیں -

راس امید ' اتفاقیہ طور پر دریافت نہیں ہوا بلکہ ضرورت نے اسکی طرف رہنمائی کی تھی - یوں کہنا چاہئے کہ ہندوستان کی تجارت اس کا باعث ہوئی - حقیقت یہ ہے کہ قدیم زمانے سے ہندوستان ' دنیا کی سیاست میں زبردست موثر رہا ہے - اسکی فتح کے لیے دنیا میں بے شمار انقلاب پیدا ہوئے اور بے شمار ملکوں کی آزادیاں پامال ہوئیں - یہی نہیں بلکہ نئی دنیا یعنی امریکا کا اکتشاف بھی اسی ہندوستان کی طمع و شوق میں ہوا -

عکا سے محروم ہوجانے کے بعد یورپ نے دیکھا کہ مشرق اور ہندوستان کی تجارت کیلیے اب وہ یک قلم مصر کے رحم پر ہے ' اور بلا وجہ مصر کو بے شمار محصول ادا کرتا ہے - چنانچہ عقلاء یورپ نے غور کرنا شروع کیا کہ ہندوستان تک پہنچنے کی کوئی ایسی راہ نکلے جسمیں مصر کا توسط نہ ہو - اس مشکل کے دو حل انکے سامنے آئے : ایک یہ کہ بحر اٹلانٹک میں مغرب کی طرف سیدھے چلے جائیں ' یہانتک کہ ہندوستان کے ساحل پر پہنچ جائیں ' دوسرے یہ کہ افریقا کا چکر لگا کر ہندوستان پہنچیں -

یہ دونوں نظریے ' پہلے جنیوا میں پھر لشبونہ (پرتگال) میں مشہور ہوئے - لشبونہ سے یہ خیال اسپین پہنچا اور یہ دونوں ملک اس پر سنجیدگی سے غور کرنے لگے -

(کولمبس کی مہم)

پہلا نظریہ یعنی بحر اٹلانٹک میں غرباً سفر ' سب سے پہلے جنیوا کے ایک باشندے کولمبس نے پیش کیا - میں کہتا ہوں " سب سے پہلے " حالانکہ اس سے میری مراد " اہل یورپ میں سب سے پہلے " ہے - کیونکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ کولمبس سے بہت پہلے اندلس اور مصر کے مسلمان اس پر غور کرچکے تھے - صرف غور ہی نہیں بلکہ اسے عمل میں بھی لا چکے تھے ' اگرچہ کامیاب نہ ہوسکے -

میرا فرض ہے کہ یہ تاریخی حقیقت ' جس پر انسان اور زمانے کی ناانصافیوں نے پردے ڈال رکھے ہیں ' روشنی میں لے آؤں -

علماء یورپ ہمیں بتاتے ہیں کہ سب سے پہلے کولمبس کو خیال پیدا ہوا کہ بحر اٹلانٹک میں غرباً چلنے سے ہندوستان تک پہنچ سکتے ہیں - چنانچہ یہ خیال لے کر وہ لشبونہ گیا اور جان ثانی شاہ پرتگال کے سامنے پیش کیا - لیکن یہ بادشاہ بد نصیب تھا اس نے کولمبس کی بات نہ مانی بلکہ اسے مجنون قرار دیا - کولمبس خفا ہوکر اسپین چلا گیا اور فرڈیننڈ اور ملکۂ ایزابلا کے سامنے اپنا نظریہ پیش کیا - نتیجہ یہ نکلا کہ وہ نئی دنیا تک پہنچ گیا جس کا نام اس وقت لوگوں نے " مغربی ہند " (Indes Occiden Tales) (۱) رکھا تھا کیونکہ کولمبس کا ارادہ ' ہندوستان پہنچنے کا تھا - اسی کی تلاش میں امریکہ نکل آیا - اسی لیے اسے ہندوستان ہی سے تعبیر کیا گیا -

لیکن جب کہ کولمبس ' لشبونہ میں یہ خیال لیے ہوئے بحر اٹلانٹک کی متلاطم موجوں پر امید کی نظریں ڈال رہا تھا ' تو کیا اس کے دل میں یہ خیال بھی گزرا تھا کہ اسی لشبونہ میں کھڑے ہوکر عرب ٹھیک اسی مقصد بلکہ اس سے بھی بڑے مقصد سے سمندر پر نظریں ڈال چکے ہیں ؟

کیا کولمبس کو یہ خبر پہنچی تھی کہ اسی لشبونہ کے مسلمانوں نے اس سے بہت پہلے ارادہ کیا تھا کہ بحر ظلمات میں تحقیقات کے لیے در آئیں ؟

کولمبس کو شاید معلوم نہ ہوا ہو ' لیکن یہ واقعہ تاریخ کے صفحات پر ثبت ہے - لشبونہ کے ان مسلمانوں میں سے جو " مغرورین " کے لقب سے مشہور ہیں ' آٹھہ عم زاد بھائیوں نے کمر ہمت چست کی - جہاز طیار کیے - کئی مہینے کا کھانا پانی جمع کیا ' اور اس ہوا کے آغاز پر جو انہیں مغرب کے کناروں تک لیجا سکتی تھی ' بحر ظلمات میں روانہ ہوگئے - ان کے سفر کا حال شریف ادریسی نے اپنی کتاب " نزهة المشتاق في اختراق الآفاق " میں لکھا ہے - اہل لشبونہ اپنے ان " مجنونوں " کو بھولے نہیں بلکہ ان کی یادگار باقی رکھنے کے لیے اپنے شہر کے ایک محلہ کا نام " درب المغرورين " رکھدیا -

---

(۱) گیارہویں صدی ہجری کے عرب مصنفین کی کتابوں میں بھی امریکا کا نام (الهنود المغربية) لکھا ہے - دیکھو مقدمہ " کتاب العز و المنافع للمجاهدين بالبارود و المدافع " جو مصر کے سلطانی کتب خانے میں محفوظ ہے -

کولمبس کو بیشک یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ امریکا تک پہنچ گیا - لیکن کس طرح پہنچا ؟ کیا اُس کے وہم میں بھی یہ بات موجود تھی کہ بحر ظلمات کے دامنوں میں ایک اور دنیا بھی چھپی ہوئی ہے ؟ اِس کا کوئی ثبوت موجود نہیں - وہ تو ہندوستان کے ارادے سے نکلا تھا اور محض اتفاق سے امریکا پہنچ گیا - لیکن لشبونہ کے مسلمان تو اِسی دنیا کی تحقیق کے لیے نکلے تھے - اُنھیں ہندوستان کی فکر نہ تھی - نہ تجارت و دولت کی طمع تھی - اُن کے سامنے صرف جغرافیائی تحقیقات تھی - ظاہر ہے کہ کولمبس اور اُن کے نقطۂ نظر میں کتنا اختلاف تھا اور دونوں میں کون زیادہ تحسین علم کا مستحق ہے ؟

یہی نہیں بلکہ کولمبس سے ڈیڑھ سو برس پہلے ہی مسلمانوں نے امریکا کا تصور کرلیا تھا - ملک الناصر محمد بن قلاؤن کے عہد میں ایک عالم ' قاہرہ میں موجود تھے - اِن کا نام ابو الثناء محمود بن ابی القاسم الاصفہانی تھا - ابن فضل اللہ العمری اپنی کتاب " مسالک الابصار فی ممالک الامصار " (جلد ۱ صفحہ ۳۱) میں اِن کا یہ قول لکھتے ہیں :

" میں اِسے بعید نہیں سمجھتا کہ زمین کے اِس رخ پر پانی کے ہٹ جانے کی وجہ سے جو خشکی نمودار ہوگئی ہے ' ویسی ہی خشکی زمین کے دوسرے رخ پر بھی موجود ہو - چونکہ یہ مستبعد نہیں ہے ' اِس لیے یہ بھی مستبعد نہیں کہ اُس طرف کی خشکی پر بھی ویسے ہی حیوان و نباتات موجود ہوں ' جیسے ہماری اِس زمین میں موجود ہیں ' یا وہ کسی اور جنس و نوع کے ہوں "

(واسکو ڈی گاما اور راس امید)

ہندوستان تک پہنچنے کے پہلے نظریہ نے امریکا کو ظاہر کیا - اب دوسرا نظریہ ہمارے سامنے آتا ہے - اِس سے مقصود یہ تھا کہ بحر اٹلانٹک میں افریقہ کے گرد گھوم کر ہندوستان کی راہ نکالی جائے -

یہ خیال سب سے پہلے جنیوا میں رہنے والے دو بھائیوں : اوگولینو Ogolino اور ویڈینو Vadino کو ہوا - وہ اس مہم پر روانہ بھی ہوگئے مگر کامیاب نہ ہوے اور غرق ہوگئے -

لیکن یہ خیال برابر زندہ رہا اور ہمتیں بڑھاتا رہا - اُس وقت پرتگال کے ملک میں بڑی تجارتی بیداری موجود تھی - پرتگالی ' ہمت و شجاعت میں تمام یورپین قوموں کے آگے تھے - پرتگال کی نازک اندام عورتوں کا بھی اِس حرکت میں بڑا حصہ تھا - اُنھوں نے اعلان کر دیا تھا کہ وہ اُنھی لوگوں سے شادی کرینگی جو افریقا کے ساحلوں پر اپنی شجاعت و بسالت ثابت کر دینگے - نتیجہ یہ ہوا کہ پرتگالی نوجوان سواحل افریقا پر ٹوٹ پڑے ' اور بتدریج بہت سی بندرگاہوں کے مالک بن گئے - اِن مہموں میں عربوں اور یہودیوں نے اُنکی بڑی مدد کی - یہ لوگ افریقا سے اُس وقت سب سے زیادہ واقفیت رکھتے تھے - اِنھوں نے پرتگالی بادشاہوں خصوصاً شاہ ہنری کو (جو ملاح کے لقب سے مشہور تھا) اپنی قیمتی معلومات سے آگاہ کیا ' اور اِس طرح افریقا کی تحقیق و فتح میں پرتگالیوں کے رہنما بنے - یہی عرب اور یہودی تھے جنھوں نے پرتگال کو گینیا کی سونے کی کانوں سے آگاہ کیا تھا - غرضکہ سنہ ۱۴۱۳ سے سنہ ۱۴۸۶ تک پرتگالی اپنے مقبوضات ' سواحل افریقا پر پھیلاتے رہے ' یہانتک کہ سنہ ۱۴۸۶ میں پرتگالی امیر البحر جنوبی افریقا کے آخری نقطہ تک پہنچ گیا - یہی وہ مقام ہے جس کا ذکر قطب الدین نہروالی نے اپنی کتاب " البرق الیمانی فی الفتح العثمانی " میں اِس طرح کیا ہے " یہ جگہ ساحل کے قریب ایک آبنائے میں واقع ہے - اِس کے ایک جانب پہاڑ ہے اور دوسری جانب بحر ظلمات ہے - یہاں سمندر سخت طوفانی حالت میں رہتا ہے - کشتیاں ٹِک نہیں سکتیں - ٹوٹ جاتی ہیں "

پرتگالیوں نے اِس مقام کا نام " راس طوفان " رکھا تھا - لیکن جان ثانی شاہ پرتگال نے اس کا نام " راس امید " رکھدیا - کیونکہ اِس کی دریافت نے براہ راست ہندوستان تک پہنچنے کی امید پیدا کردی تھی -

لیکن یہ امید جان کی زندگی میں پوری نہیں ہوئی - اس کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا عمانوئیل ثانی تخت نشین ہوا - اِسنے واسکو ڈی گاما کو سنہ ۱۴۹۷ میں اِس مہم پر روانہ کیا تا کہ ہندوستان کی راہ دریافت کرے - اِس شخص نے سفر شروع کیا - راس امید عبور کرکے سواحل کفرہ میں پہنچا - پھر ممباسہ آیا ' پھر ملندہ میں وارد ہوا - یہیں اِسکی ملاقات حسب تصریح قطب الدین کے (جیسا کہ " برق یمانی " میں مذکور ہے) " ایک بحری آدمی سے ہوئی - اسکا نام احمد بن ماجد تھا - اِسی نے نشہ کی حالت میں واسکو ڈی گاما کو ہندوستان کا سیدھا راستہ بتا دیا - اور اس کے بعد بحر ہند میں پرتگالیوں کی کثرت ہو گئی " لیکن خود پرتگالی مورخ ' احمد بن ماجد کا کوئی ذکر نہیں کرتے - البتہ ایک ایسے آدمی کا وجود ضرور تسلیم کرتے ہیں جو واسکو ڈی گاما کا شریک سفر ہوگیا تھا - اور اُسکا نام وہ " معلم کنہ " Malem Cana بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ہندوستان پہنچ کر گجرات میں فوت ہوگیا - بعضوں نے اُسکا نام Malem Canaque لکھا ہے -

بعض پرتگالی مورخ کسی ایسے شخص کا وجود تسلیم نہیں کرتے - اُنکا بیان ہے کہ سلطان ملندہ نے واسکو کے ساتھ اپنے ملک سے دو آدمی کر دیے تھے جو بحر ہند سے بخوبی واقف تھے -

بہر حال یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ راس امید کی دریافت میں عربوں کا بھی حصہ ہے اور راس امید سے ہندوستان تک پہنچنے میں تو سراسر عربوں ہی نے رہنمائی کی تھی -

مختارات

(اخبار نویسی)

سلطان عبدالحمید نے معزول ہونے کے بعد کہا " اگر میں یلدز (محل) میں لوٹ سکوں تو اخبار نویسوں کو ایک ہی قیدخانہ میں بند کردونگا "

" اِس ملک میں ہر دس آدمیوں میں صرف ایک شخص کو انشا پرداز ہونا چاہیے " (روزولٹ - امریکا)

" اخبار نویس کی صورت دیکھر شیطانوں کا باوا ' ابلیس ' بھی کانپ جاتا ہے " (ولیم سٹیڈ)

" کیڑے مکوڑوں میں سے اخبار نویس بھی ہے " (ملکۂ اسپین)

" اے قلم تو نہایت خوبصورت ہے لیکن میری سلطنت میں تو شیطان سے بھی بدتر ثابت ہوا ہے " (آخری زار روس)

پرتگال کے معزول بادشاہ " مانوئیل " نے اخبار نویسوں سے کہا " تمھیں نے مجھے برباد کیا ہے "

جمہوریۂ وینزولا (امریکا) کے صدر " کاسٹرو " کا قول ہے " اگر جہنم کا پھاٹک بھی میں کہلا دیکھوں تو اتنا نہ ڈرونگا جتنا اخبار نویس کے قلم سے ڈرتا ہوں "

سیر فی الارض

اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم (۳۰ : ۸)

سیاحانِ عالم کے مشاہدات و تأثرات

ایک مصری سیاح نجد میں

(محمد شفیق، مصری اخبار نویس کی سیاحت نجد کا یہ دوسرا حصہ ہے۔ الہلال)

"جوف" سے "حائل" تک اونٹ کی پیٹھ پر دس دن کی مسافت ہے راستہ نہایت ہی اُجاڑ اور بیابانی ہے۔ ہم کبھی ریگ کی بلند پہاڑیوں پر چڑھتے تھے، کبھی نشیبی وادیوں میں ہوتے تھے۔ کبھی ایسی بلند پگڈنڈیوں پر چلتے جن کے نیچے ہولناک گہرائیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ راستہ ایسا دشوار گزار اور خطرناک ہے کہ اونٹ کا ذرا قدم ڈگمگا جائے تو ہلاکت یقینی ہے۔ عظیم بلندی پر سے انسان فوراً تحت الثریٰ میں جا پہنچے۔

اس سفر میں پہلے ۶ دن تک کہیں پانی نہیں ملا۔ اگر پانی ہمارے ساتھ مشکوں میں اور اونٹوں کے ساتھ اُنکے پیٹ میں نہ ہوتا تو موت یقینی تھی۔ اس تمام مدت میں غسل کرنا کیا معنی غسل کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ پانی کا ایک ایک قطرہ خود زندگی کی طرح قیمتی تھا۔

ساتویں دن علی الصباح ہمیں "جبہ" نام ایک آبادی ملی۔ یہاں کے تمام مکان ایسی سفید مٹی سے بنے ہیں کہ تعجب ہوتا ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوا کہ چند شیوخ مجھے پوچھتے ہوئے آئے اور مہمان بننے کی درخواست کی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اُنھیں پہلے ہی خبر پہنچ گئی تھی کہ ایک مصری، شاہ نجد کی ملاقات کے لئے آرہا ہے۔ "لہذا"، اُنھوں نے کہا "ہمارا اخلاقی فرض تھا کہ تمھیں اپنا مہمان بناتے"

نویں دن ہم "قنا" میں پہونچ گئے۔ یہ بہت ہی چھوٹا گاؤں ہے۔ حتی کہ یہاں ہمیں کھانے کے لئے ایک بکری بھی مول نہ مل سکی لیکن ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ کیونکہ تھوڑے فاصلہ پر تین گاؤں اور تھے۔ ان میں سب سے بڑا گاؤں "ام جلبان" ہے اور اس کی آبادی صرف ۴ گھر ہیں۔ مکانوں کے گرد خرمے کے چند درخت ہیں۔ یہاں کے باشندے حرف قاف کا تلفظ "گاف"، کی طرح کرتے ہیں۔

حائل

دسویں دن "حائل"، ہمارے سامنے تھا۔ سلطان ابن سعود کے عم زاد بھائی امیر عبدالعزیز بن مساعد بن جلوی، حاکم حائل کا نائب ہمارے استقبال کے لئے شہر کے باہر موجود تھا۔

ہم نے اپنے تمام پچھلے صحرائی سفر میں حائل سے زیادہ آباد کوئی مقام نہیں دیکھا۔ یہ ایک حد تک شہر کا حکم رکھتا ہے۔ آبادی وسیع ہے۔ سڑکیں کشادہ اور منتظم ہیں۔ بازار بھی بہت بڑا ہے جس میں اونٹوں اور مویشیوں کی تجارت بڑے پیمانہ پر ہوتی ہے۔ حائل، مدینہ منورہ سے ۸ دن، شام سے ۱۵ دن، اور عراق سے بھی تقریباً ۱۵ دن کی مسافت پر واقع ہے۔ یہ تجارت کا ایک مرکزی مقام ہے۔ ہندوستان کے چاول کی یہاں بڑی منڈی ہے۔ اس علاقے کی اصلی غذا یہی چاول ہے۔ قسم قسم کی ترکاریاں، سبزیاں، اور میوے بھی بڑی مقدار میں پیدا ہوتے ہیں۔ نخلستان بے شمار ہیں۔ لیکن کھجور بدمزہ اور گھٹیا قسم کی ہوتی ہے میں نے عورتوں کو بازار میں روٹی، میوے، ترکاری، مرغی، انڈے بیچتے دیکھا۔ وہ سیاہ کرتے پہنے تھیں۔ اوپر سے سفید چادریں اوڑھے تھیں۔ نہایت باوقار اور سنجیدہ تھیں۔ خریداروں سے ضرورت بھر بولتی تھیں، مگر اس قدر آہستہ کہ کوئی دوسرا آدمی اُن کی آواز نہیں سُن سکتا!

یہاں یہ عجیب بات دیکھی کہ صرف فرانسیسی سکہ، جسے یہ لوگ "شوشی" کہتے ہیں، مستعمل ہے۔ انگریزی یا ترکی سکے نہیں چلتے۔

ایک دن میں حاکم حائل کے نائب کا مہمان رہا۔ دوسرے دن خود حاکم، امیر عبدالعزیز بن مساعد نے مجھے اپنے دارالحکومت میں مدعو کیا اور غیر معمولی خاطر تواضع کی۔ پہلی نظر میں دھوکہ ہوتا ہے کہ یہ امیر شاید متکبر و مغرور ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ نہایت ہی منکسر مزاج، خوش اخلاق، اور خوش صحبت ہے۔ وہ اپنے اس صوبے میں اور اس کے اطراف کے تمام شمالی علاقوں میں سلطان ابن سعود کے ماتحت مطلق العنان حاکم ہے، اُس کے احکام کے سامنے کوئی روک کھڑی نہیں ہوسکتی۔ لیکن اُس کے احکام کتاب و سنت کے احکام کے ماتحت ہوتے ہیں۔ شریعت اسلامیہ سے بال بھر تجاوز کرنا اس علاقے میں ایسا جرم ہے کہ اُس کے لئے کوئی معافی نہیں!

حاکم کے پاس دو موٹریں ہیں جن پر وہ اکثر سفر کیا کرتا ہے۔ موٹر چلانے والا ایک شامی عرب ہے۔ دوسرا نجدی ہے۔

حاکم کے ایک مصاحب کے ساتھ میں قیدخانہ دیکھنے گیا۔ مجھے یقین تھا، مجرموں کی بڑی بھیڑ دیکھوں گا۔ مگر قیدخانے میں پہنچکر میری حیرت کی کوئی حد نہ رہی۔ وہاں ایک قیدی بھی موجود نہ تھا۔ صرف محافظ سپاہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے تھے۔ میں نے تعجب سے پوچھا "قیدی کہاں ہیں؟" سپاہیوں نے جواب دیا، "جب مجرم ہی نہیں ہیں تو قیدی کہاں سے آئیں!" اسوقت مجھے یقین ہوگیا کہ واقعی احکام شریعت، جرائم کی بیخ کنی کے لئے بہترین قانون ہیں۔ اور یہ کہ نجد کو سے زیادہ احکام شریعت کی پابندی کسی مسلمان قوم میں نہیں ہے۔ حائل جیسی وسیع آبادی کے قید خانے میں ایک قیدی کا بھی موجود نہ ہونا، یقیناً اس بیسویں صدی میں اعجوبہ کا حکم رکھتا ہے۔

حائل کی آب و ہوا نہایت معتدل ہے۔ یہاں میٹھے پانی کا ایک چشمہ موجود ہے اور اپنے طبی خواص میں "فیشی" کے معدنی چشمے کا مقابلہ کرتا ہے۔ اس کا پانی ہر قسم کا نمک پگھلا دیتا ہے۔ گردے کے جملہ امراض کے لئے اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ خون صاف کرتا ہے اور حیرت انگیز سرعت سے غذا ہضم کر دیتا ہے۔ اس چشمے کا نام "ام السلیع" ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے چشمے ہیں اور سب شیریں اور عمدہ ہیں۔ آب ہوا کی اسی خوبی کا نتیجہ ہے کہ یہاں کے باشندے خوب توانا تندرست ہیں۔

اب سے پہلے حائل، ابن الرشید کی ریاست کا پایۂ تخت تھا۔ یہ ریاست ایک زمانہ میں ریاض کے خاندان سعود کے تابع تھی۔ پھر کچھ مدت خود مختار رہی۔ اب ایک مرتبہ پھر خاندان سعود کے زیر نگیں آگئی ہے جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

حائل کے باشندے، دراصل قبیلۂ "شمر" کے افراد ہیں۔ یہ قبیلہ صحرا میں بود و باش رکھتا تھا۔ پھر اُس کا ایک بڑا حصہ کٹ کر شہری بن گیا، اور حائل میں آباد ہوگیا۔

حائل میں "اخوان" بکثرت نظر آتے ہیں۔ انھیں یہاں "حبان" کہتے ہیں۔ ان کی علامت یہ ہے کہ سُرخ ٹوپیوں پر عمامہ باندھتے ہیں۔ چھوٹے عمامے باندھنے والے معمولی لوگ سمجھے جاتے ہیں۔ بڑے عمامے والے شیخ ہوتے ہیں۔ نجد میں اس گروہ کو سب سے زیادہ اہمیت و قوت حاصل ہے۔ حائل، احسار، اور حجاز کی فتوحات انہی کے ہاتھوں واقع ہوئی ہیں۔ تمام عرب میں ان کی شجاعت اور پامردی کے ڈنکے بج رہے ہیں۔ بڑی بڑی فوجوں پر ان کا نام رعب و ہیبت طاری کردیتا ہے۔ اب سے چند سال پہلے یہ سخت وحشی اور جاہل تھے۔ دین کا کوئی حکم بھی نہیں جانتے تھے۔ لیکن آج ان میں سے ہر شخص شریعت کے تمام عملی احکام کا عالم ہے۔ نجد و حجاز میں اتباع شریعت اور ترک بدع و نواہی کی مبلغ یہی جماعت ہے۔

قصیم

حائل میں ایک ہفتہ سلطان کی مہمانی میں رہ کر ہم نے پھر سفر شروع کردیا۔ اب منزل مقصود، "بریدہ" تھی۔ بریدہ، حائل سے ۸ دن کے فاصلہ پر ہے۔ راستہ صاف اور میدانی ہے۔

راستہ میں سب سے پہلی آبادی "مددہ"، کی ملی۔ اس گاؤں کا منظر نہایت دلفریب ہے۔ اس کے گرد کھیت ہیں، اور دُور تک سر بفلک پہاڑوں کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ پہاڑ بہت ہی دلچسپ منظر پیش کرتے ہیں۔ انکے نیچے میدانوں پر سنہری ریگ بچھی ہوئی ہے اور از حد نظر فریب ہے!

راستہ میں ایک قابل ذکر واقعہ پیش آیا۔ ہمارے قافلہ کے ایک مسافر کی اونٹنی رات کو کہیں بھاگ گئی۔ ہر چند تلاش ہوئی مگر کہیں پتہ نہ چلا۔ عین ناامیدی کے وقت ایک بدو نظر آیا۔ اُس سے پوچھا گیا تو اُسنے کہا "میں نے اس شکل کی اونٹنی فلاں مقام پر دیکھی تھی میں اُسے لا سکتا تھا، مگر اس ڈر سے ہاتھ نہیں لگایا کہ چور نہ سمجھا جاؤں" اس واقعہ سے مجھے اہل نجد کی امانت و دیانت کا اور بھی زیادہ یقین ہوگیا۔ میں جتنی زیادہ جستجو کرتا گیا، مجھے معلوم ہوتا گیا کہ چوری اور قزاقی نجد میں بالکل نامعلوم ہے۔

راستہ میں چار گاؤں اور بھی ملے: "کہفہ"، "جوانہ"، "قبال"، اور "شقہ"۔

آخرالذکر گاؤں میں نمک کا پہاڑ ہے اور خود باشندوں کی ملکیت ہے وہ حکومت کو محصول ادا کئے بغیر نمک نکالتے ہیں اور تجارت کرتے ہیں۔

بریدہ کے حاکم، مبارک بن مبیرک، کو ہماری آمد کی خبر مل گئی تھی۔ اُسنے آبادی سے باہر آکر سلطان کی طرف سے ہمارا خیر مقدم کیا اور مہمان بنایا۔ یہ حاکم بھی نہایت خوش اخلاق اور متدین ہے۔

بریدہ: ریگ کے میدان میں واقع ہے۔ حائل کی طرح یہاں بھی عمارتیں بکثرت ہیں۔ یہاں بھی زراعت اچھی ہوتی ہے۔ نخلستان بہت ہیں۔ اس کی کھجور اگرچہ چھوٹی ہے مگر پُرمغز اور شیریں ہوتی ہے۔ لیکن اُس میں یہ سخت عیب ہے کہ دیر ہضم ہوتی ہے۔ بریدہ، اس تمام علاقے کا، جسے تصیم کہتے ہیں، پایۂ تخت ہے۔ وسط نجد میں بریدہ سب سے زیادہ متمدن جگہ ہے۔ یہاں شہروں کی طرح سہ منزلہ عمارتیں بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ یہاں کے باشندے نجد میں سب سے زیادہ متمدن، دولتمند، چست و چالاک، اور تجارت کے ماہر ہیں۔ یہ لوگ حجاز، شام، مصر، بلکہ ہندوستان تک کے بازاروں سے بڑی بڑی تجارتیں کرتے ہیں۔ تجارت نے اُنکے تعلقات، متمدن دنیا سے پیدا کر دئیے ہیں۔ وہ بہت ملنسار اور سلیقہ مند ہو گئے ہیں۔ اُن کی زبان بھی غیر نجدیوں کے لئے سہل ہے۔ مجھے اُن کے دسترخوان پر شبہ ہوتا تھا کہ یہ مصر یا شام کا دسترخوان ہے۔ کیونکہ الوان و اقسام کے شہری کھانے موجود ہوتے تھے۔ اسی قدر نہیں بلکہ ان میں مذہبی تعصب بھی بہت کم ہو گیا ہے حتیٰ کہ میں نے اُنھیں خفیہ تمباکو بھی پیتے دیکھا ہے۔ تمباکو کا نام نجد میں "تیتن" ہے اور اُس کا رکھنا تک جرم ہے۔ سلطان ابن سعود کی حکومت میں بریدہ کے بہت سے تعلیم یافتہ نوجوان بڑے بڑے عہدوں پر مامور ہیں۔

بریدہ میں تین دن قیام کر کے ہم نے ریاض کا رُخ کیا۔ نجد کے پایۂ تخت تک پہنچنے کے لئے یہاں سے دو راستے ہیں: طریق وادی اور طریق مستوی۔ آخرالذکر زیادہ مختصر ہے۔ اسی اثنا میں معلوم ہوا کہ فتح حجاز کے بعد سلطان عبدالعزیز پہلی مرتبہ نجد واپس آ رہے ہیں اور جلد ہی ریاض پہنچنے والے ہیں۔ لہذا ہم نے مختصر راستہ اختیار کیا تاکہ سلطان سے پہلے پہنچ جائیں اور اُن کا شاہی استقبال دیکھ سکیں۔

چار دن کے سفر کے بعد ہم ایک گاؤں "ابو شجر" میں پہنچے۔ یہاں ہمیں معلوم ہوا کہ سلطان ۲۶ موٹروں کے جلوس کے ساتھ آج ہی یہاں سے گزرے ہیں۔ راستے میں کوئی قابل ذکر مقام یا واقعہ پیش نہیں آیا۔ الّا یہ کہ یہاں کے باشندے ٹڈی کھانے کے بہت دلدادہ ہیں۔ اتنے دلدادہ کہ مجھے حیرت ہو گئی۔ دُنیا ٹڈی سے پناہ مانگتی ہے۔ مگر یہ اُس کی آمد کی دعائیں مانگتے ہیں، اُسے بہت مبارک سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ ٹڈی کو خشک کر کے رکھ لیتے ہیں اور دُور دراز ملکوں میں اپنے دوستوں کو بطور قیمتی تحفے کے بھیجتے ہیں۔ چنانچہ مصر میں نجدی تاجروں کے پاس ٹڈیوں کی تھیلیاں آتی رہتی ہیں اور بڑی عزت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں!

ریاض سے پہلے ہمیں کئی آبادیاں ملیں۔ مثلاً: شجرہ، برہ، درعیہ وغیرہ۔ درعیہ، نجد کا تاریخی شہر ہے۔ یہیں سے خاندان سعود نے ظہور کیا۔ یہی نجد کا قدیم پایۂ تخت ہے۔ یہی دہابیت کا اولین مرکز ہے۔ یہیں نجدیوں اور ابراہیم پاشا مصری کی فوجوں میں زبردست جنگ ہوئی تھی۔ شہر کے کھنڈروں میں اب تک مصری توپوں کے نشان موجود ہیں۔ درعیہ سے متصل ایک گاؤں "عیینہ" ہے۔ یہ بھی بہت تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہیں سے مسیلمہ کذاب نے خروج کیا تھا۔

آٹھویں دن ہم ریاض پہنچ گئے۔ شہر خوب آراستہ تھا۔ ہر طرف مسرت کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ تمام نجد سے مبارکباد دینے کے لئے وفد آئے ہوئے تھے۔ کیونکہ سلطان نجد، حجاز فتح کر کے واپس ہوئے تھے۔

سلطان کو ہماری آمد کی اطلاع پہلے سے ہو گئی تھی۔ اُنھوں نے اپنا خاص نمائندہ میرے استقبال کے لئے شہر کے پھاٹک پر بھیجا وہ مجھے اپنے ہمراہ قصر شاہی میں لے گیا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ میں سلطان کے حضور پہنچا۔ مگر اُنھوں نے اس طرح میرا خیر مقدم کیا، گویا عمر بھر سے میرے دوست ہیں۔ جب اُنھیں میرے سفر کی غرض معلوم ہوئی تو بہت مسرور ہوئے اور جزیرۃ العرب کے حالات کی تحقیق میں میری ہر طرح امداد کا وعدہ فرمایا۔

سلطان نے نہایت فراخدلی سے میری تواضع کی۔ پورا ایک مکان میرے قیام کے لئے خالی کروا دیا۔ مجھے اجازت دی کہ جب چاہوں اُن کی* مجلس میں جب بے تکلف آسکتا ہوں۔ نیز اپنے افسروں کو حکم دیا کہ مطلوبہ کتابیں مجھے دی جائیں اور میری ہر طرح مدد کریں۔

مطبوعات جدیدہ

غدر ۱۸۵۷ء

اور "تصویر کا دوسرا رُخ"

—(۲)—

بلیک ہول اور عید کی قربانی

کوپر جو ان دنوں امرتسر کا ڈپٹی کمشنر تھا، اپنی کتاب "فسادات پنجاب" میں لکھتا ہے۔ "۲۶ نمبر پلٹن نے ۳۰ جولائی کو لاہور میں بغاوت کر کے اپنے کمان افسر کو قتل کیا تھا۔ اس کی پاداش میں تمام سپاہی تہ تیغ کر دیئے گئے"!

۱۳ مئی کو ۳۸۰۰ ہندوستانی سپاہیوں سے احتیاطاً اسلحہ لے لئے گئے تھے، تقریباً تین ماہ تک ان پر سکھ اور انگریز پہرا دیتے رہے۔ ۳۰ جولائی کو سخت طوفان باد آیا۔ اور قیدیوں میں غیر معمولی جوش و خروش پایا گیا۔ اس اثنا میں ایک سپاہی تلوار لے کر باہر آیا۔ اور اپنے ساتھیوں کو للکار کر کہا۔ آؤ انگریزوں کو قتل کر دیں۔ چنانچہ اس نے جاتے ہی کمان افسر کو قتل کر دیا۔ اور تمام فوج طوفان کی اوٹ میں بھاگ نکلی۔ ان میں سے سیکڑوں سپاہی سکھوں اور انگریزوں کی گولہ باری سے مارے گئے تھے۔ باقی ماندہ سپاہیوں نے دریائے راوی عبور کرنے کی کوشش کی۔ [illegible] پولیس نے مزاحمت کی۔ کوپر امرتسر سے اُن کے تعاقب میں آیا۔ اُسنے اپنی کتاب میں ان سپاہیوں کی حالت بیان کی ہے، "دیہات کے لوگ دریا کے کنارے باغیوں کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ ان میں سے ایک سو ۵۰ آدمیوں کو انھوں نے قتل کر دیا اور سیکڑوں کو دریا میں دھکیل دیا۔ چونکہ وہ ۴۰ میل سفر کر کے آئے تھے۔ اس لئے سخت تھکے ہوئے تھے۔ اور دریا کے پانی کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ ناچار ڈوب گئے۔ باغیوں کی ایک خاصی تعداد دریا عبور کر کے ایک جنگل میں چھپ گئی تھی۔ کوپر نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ دریا کو کشتیوں کے ذریعے عبور کیا۔ باغیوں کو خیال ہوا، اُن کا کورٹ مارشل کیا جائے گا اور وہ بغیر کسی مزاحمت کے گرفتار کر لئے گئے۔ پھر انھیں پولیس اسٹیشن کے ایک کمرہ میں بند کیا گیا۔ دوسرے روز سکھ رسّے لے آئے۔ کوپر کے ہمراہیوں میں مسلمانوں کی بھی کچھ تعداد تھی۔ چونکہ اسے شک تھا کہ شاید وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ ہمدردی ظاہر کریں۔ اس لئے انھیں رخصت دے دی گئی تاکہ امرتسر جا کر عید الضحیٰ منائیں۔ عید الضحیٰ قربانی کا تیوہار ہوتا ہے۔ کوپر بھی ایک خاص قسم کی قربانی کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ خوش قسمتی سے پولیس اسٹیشن کے قریب ہی ایک خشک کنواں مل گیا۔ دس دس قیدیوں کو اکٹھا باندھا گیا اور باری باری باہر لا کر گولیوں کی بوچھاڑ سے مار دیا گیا۔ جب ۱۵۰ آدمی اس طرح مارے گئے۔ تو فائر کرنے والوں میں سے ایک بوڑھا آدمی بے ہوش ہو گیا۔ اس لئے مارنے والی جماعت کو کچھ عرصہ کے لئے آرام دیا گیا۔ پھر دوبارہ اسی طریقے [illegible] مارے گئے۔ حتیٰ کہ مقتولین کی تعداد ۲۳۷ تک پہنچ گئی۔ اتنے میں افسر کو معلوم ہوا کہ بقیہ باغی اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلتے [illegible] دروازہ کھولا گیا۔ تو اتفاقاً بلیک ہول والے حادثے کا نقشہ سامنے موجود تھا، ۴۵ آدمی خوف، گرمی اور سانس بند ہونے کی وجہ سے تڑپ تڑپ کر مر چکے تھے۔ ان تمام باغیوں کی لاشیں اسی کنوئیں میں پھینک دی گئیں اور اوپر سے مٹی ڈال دی گئی۔ اس حادثے [illegible] عائد ہوتی ہے۔ جسنے تن تنہا سکھ فوج کی مدد سے بے شمار مسلمانوں [illegible] ظالمانہ طریقے سے تباہ کیا، اسمیں شک نہیں۔ کہ بعد میں اس کی حرکت پر بڑی لعن طعن کی گئی۔ لیکن محض زبانی لعن طعن سے کیا ہوتا ہے؟ - لارنس نے جو پنجاب کا گورنر (چیف کمشنر) تھا ایک خط میں اُس کی بڑی تعریف کی ہے، وہ لکھتا ہے:

"میں تم کو تمھاری کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں۔ تم نے اور تمھاری پولیس نے بڑی جانبازی دکھلائی۔ گورنمنٹ تمھاری بہت مشکور ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ان باغیوں کا انجام دوسرے آدمیوں کے لئے کافی تنبیہ ہو گی۔ جو باغی ادھر اُدھر منڈلا رہے ہیں اُنھیں پکڑنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے"۔ لارنس ۲ اگست ۱۸۵۷ء لاہور"

لارنس کے بعد منٹگمری[1] پنجاب کا لفٹنٹ گورنر مقرر ہوا۔ اُسنے بھی اسی واقعہ کے متعلق کوپر کو خط لکھا۔ جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے "جو کچھ تم نے کیا۔ بہت اچھا کیا۔ اس نازک وقت میں کسی حیلہ و حجت کی ضرورت نہ تھی۔ جب تک تم زندہ رہو گے، یہ تمھارے واسطے

[1] یہ واقعہ اگر زیادہ تفصیل کے ساتھ دیکھنا ہو تو سر جان لارنس کی سوانح عمری جلد دوم میں دیکھا جائے (الہلال)

عنوان شروع ہوگا۔ بقایا تین پلٹنوں میں بھی کچھ گڑبڑ ہو۔ لیکن مجھ یقین ہو وہ بغاوت نہیں کریں گے۔ میری خواہش ہو، کہ وہ بھی منحرف ہوجائیں۔ تاکہ ان میں سے ایک بھی زندہ نہ بچے۔ منٹگمری"

منٹگمری عیسائیت کی تبلیغ میں نمایاں حصہ لیا کرتا تھا۔ اس مذہب کی ضرب المثل نرم مزاجی اور حلم و بخشش کا سخت مدّاح تھا، لیکن آسنے بھی ایسے ظالمانہ فعل کی تائید کی۔ اس کے بعد اسنے ہاڈسن کو ایک چٹھی لکھی یہ وہ شخص تھا۔ جسنے بہادر شاہ کے لڑکوں کو سخت بیرحمی سے قتل کیا تھا۔ انگریز مورخین میں سے کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جسنے ہاڈسن کے اس فعل کی مذمت نہ کی ہو۔ لیکن منٹگمری اسے لکھتا ہو:

"میرے پیارے ہاڈسن۔

میں تمھیں مبارکباد دیتا ہوں کہ تم نے بادشاہ کو گرفتار کرلیا اور اس کے بیٹوں کو قتل کردیا۔ میں امید کرتا ہوں تم اسی طرح اور شاہزادے بھی قتل کروگے۔ منٹگمری"

ایک آدمی اتنا مجروح تھا کہ وہ منتقل ہو جانے کے قابل نہ تھا۔ منٹگمری کی ہدایت کے مطابق اسے سرکاری گواہ بنایا گیا۔ چنانچہ کوپر کو مفصلۂ ذیل خط لکھا ہو "مجروح مذکور کو لاہور بھیجدیا جائے، تاکہ وہ خود اپنی زبان سے امرتسر کے واقعات بیان کرے۔ بغیر اس کے کوئی شخص اعتبار نہیں کرے گا، ۲۶ پلٹن کے بعض آدمی ایسے بھی ہونگے جو آوارہ پھر رہے ہونگے۔ ان سب کو گرفتار کرکے ہماری طرف بھیجدو۔ تم کافی تعداد میں قتل کرچکے ہو، اب ہمیں اپنی توپوں کے لئے کچھ آدمی چاہئیں"

ایک کے بدلے ۵۰۰

اس مجروح قیدی اور ۴۲ آدمیوں کو لاہور بھیجدیا گیا۔ جہاں وہ بے دریغ قتل کردئے گئے۔ کوپر خود اقبال کرتا ہو کہ کمان افسر کے قتل کے بعد دو دن کے اندر، اس کے بدلے ۵۰۰ آدمیوں کا خون بہایا گیا۔

کانپور میں ایک کنواں ہو۔ جہاں چند انگریزوں کو قتل کرکے پھینک دیا گیا تھا۔ لیکن اجنالہ میں بھی ایک کنواں ہو۔ جہاں سیکڑوں ہندوستانی قتل کرکے پھینک دئے گئے۔

رسل اپنی ڈائری میں لکھتا ہو "ایک افسر نے جو رینالڈ کی فوج کے ساتھ مقرر تھا۔ مجھ سے ذکر کیا کہ ہندوستانیوں کو اندھا دھند قتل کیا جاتا تھا، دو دن کے عرصے میں ۴۲ آدمیوں کو سڑک کے کنارے پھانسی دی گئی۔ مقتولین میں وہ لوگ تھے جو پلٹن کو اس کی راہ میں مل جاتے تھے ۱۲۔ آدمیوں کو محض اس وجہ سے پھانسی دی گئی کہ جب پلٹن کوچ کررہی تھی تو ان کے منہ سڑک کی طرف نہ تھے۔ دوسری طرف دیکھ رہے تھے! جو گاؤں راہ میں آتا تھا، جلا دیا جاتا تھا۔ سب سے عجیب بات یہ تھی کہ یہ افسوسناک واقعات کانپور کے حادثہ سے بہت پہلے ہوئے تھے۔ اگر ہندوستانیوں کا یہ قتل عام کانپور کے واقعہ کے بعد ظہور پذیر ہوتا تو پھر بھی ہم لوگ شاید حق بجانب ہوتے۔ افسر مذکور نے ان مظالم کے روکنے کی کوشش کی اور رینالڈ سے کہا کہ اگر یہی حالت رہی تو لوگ دیہات خالی کرکے بھاگ جائیں گے اور فوج کے لئے خورد و نوش کا سامان ملنے میں سخت دقت واقع ہوگی۔ بالآخر یہی ہوا۔ جہاں کہیں فوج جاتی تھی دیہات بالکل ویران ہوجاتے تھے۔ لوگ غلہ دینے سے گھبراتے کیونکہ انھیں علم تھا کہ اگر انھوں نے یہ نیک کام کیا تو پھر بھی انھیں پھانسی ضرور دی جائے گی"

ایک پادری لکھتا ہو "انگریز ہندوستانیوں سے اس قدر نفرت کرتے ہیں۔ کہ اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ انکے ملازم بھی جو عام طور پر غدر کے زمانہ میں وفادار رہے تھے، ان کی بدسلوکی اور بے رحمی سے نہ بچ سکے۔ لیکن حیرانی کی بات یہ ہو کہ پھر بھی انکی وفاداری اور نمک حلالی میں فرق نہ آیا۔ بہت سے ڈولی بردار اور سائیس جو ہماری نوکری میں زخمی ہوئے تھے، زمین پر پڑے سسک رہے تھے مگر کسی نے علاج معالجہ کی مطلق پرواہ نہ کی۔ وہ دن کے وقت دھوپ میں پڑے رہتے۔ رات کے وقت سردی میں۔ جب دہلی کے باشندوں کا قتل عام ہوا، تو ان میں بہت سے ایسے آدمی تھے جو ہماری کامیابی پر خوش تھے۔ اور ہماری فتح یابی کے لئے دعائیں مانگتے تھے لیکن اُن کی بھی دعائیں انکے واسطے مہلک ثابت ہوئیں۔ بعض نوجوان انگریز تو ہندوستانیوں کے خون کے پیاسے ہوگئے تھے۔ وہ علانیطور پر بکتے تھے "تمام خدمت گاروں اور پوربیوں کو جو کیمپ میں ہیں تہ تیغ کردیا جائے" یہ وہ ملازم تھے جنھوں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر ہماری خدمت کی تھی"

ولسنٹ سمتھ نے بھی اپنی تاریخ ہند میں تسلیم کیا ہو کہ بہت سے ہندوستانیوں نے ہماری جان بچانے کی خاطر اپنے آپ کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔

کے (Kaye) اپنی کتاب میں قتل عام سے پیشتر کے واقعات یوں لکھتا ہو:

"مارشل لا کو جاری ہوئے عرصہ ہوگیا ہو۔ وہ ظالمانہ قانون جو مئی اور جون میں مجلس مقننہ نے پاس کئے تھے، بڑی شدت سے اپنا کام کررہے تھے۔ فوجی اور سول افسر ہندوستانیوں کو بلا تمیز قتل کررہے تھے۔ گورنر جنرل نے جو خط و کتابت پارلیمنٹ سے اُن دنوں کی تھی، اس میں درج ہو کہ بے گناہ بوڑھوں، عورتوں، اور بچوں کو قتل کیا جاتا تھا۔ دیہات جلائے جاتے تھے۔ ان کے باشندوں کو بھی اُسی میں جلا دیا جاتا تھا۔ انگریز فخریہ طور پر کہا کرتے تھے ہم نے کوئی آدمی بھی قتل کئے بغیر نہیں چھوڑا"!

واقعات قبل از حادثہ کانپور

ایک دفعہ چند چھوٹے لڑکے محض شرارتاً باغیوں کا سا لباس پہنکر ڈھول بجانے لگے۔ انھیں گرفتار کرکے مقدمہ چلایا گیا اور فوجی عدالت نے سزائے موت کا حکم سنایا۔ ایک انگریز افسر جو کورٹ مارشل کا رکن تھا، روتا ہوا کمان افسر کے پاس گیا۔ اور ان کی جان بخشی کی سفارش کی لیکن کوئی شنوائی نہیں ہوئی، اور ان معصوم بچوں کو پھانسی دے دی گئی۔

دیہات میں انگریزوں کی جماعتیں چکر لگاتی تھیں، جو کوئی ہاتھ آتا اسے کسی درخت پر لٹکا کر پھانسی دے دی جاتی تھی۔

پٹنہ میں مسٹر ٹیلر کمشنر کا گواہ بنانے کا عجیب طریقہ تھا۔ اسنے ایک قیدی سے کہا اگر تم مجھے تین ایسے آدمیوں کے نام بتا دو جو واجب القتل ہوں تو میں تمھاری جان بخش دوں گا۔ لیکن اسنے ایسے آدمیوں کے نام لئے جن کے نام سے وہ خود بھی واقف تھا، اس لئے قیدی قتل کیا گیا!

آگرہ اور سہارنپور میں بھی پھانسی کا رواج بڑے زوروں پر تھا دیہاتی لوگ گروہ در گروہ گرفتار کرکے لائے جاتے تھے۔ ان میں بہت تھوڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہوگی، جھنوں نے بغاوت میں حصہ لیا ہوگا لیکن تمام قیدی فی الفور بغیر کسی تحقیقات کے قتل کردئے جاتے تھے!

دہلی ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو فتح کی گئی۔ مسز کیلینڈ بیان کرتی ہو کہ ایک ہفتے کے اندر کمان افسر نے چار پانچ سو آدمی بے دریغ کرڈالے۔ گورے سپاہی ان خوفناک مناظر میں نہایت دلچسپی لیتے تھے۔ نواب جھجر کو بھی انہی دنوں میں پھانسی دی گئی، لوگ کہتے ہیں کہ اسنے بڑی دیر کے بعد جان دی۔

ایک دفعہ ایک جوہری مسز گارسٹن کے پاس سامان بیچنے کے لئے آیا۔ مسز گارسٹن نے کہا تم بہت زیادہ قیمت مانگتے ہو۔ میں ابھی تمھیں مسٹر مٹکاف صاحب کے حوالے کردوں گی۔ وہ اس نام سے ایسا مرعوب ہوا کہ سامان وہیں چھوڑ کر بھاگ گیا، اور پھر واپس نہ آیا۔ مٹکاف سے ہندوستانی سخت ڈرتے تھے۔ کیونکہ جو کوئی اس کی گرفت میں آتا ہو، وہ اسے قتل کردیتا ہو"

کورٹ مارشل کسی پر رحم نہیں کرتی تھی۔ جو کوئی گرفتار ہوتا تھا ضرور ہی قتل کردیا جاتا تھا۔ شہر کے چوک میں ایک بڑی پھانسی کھڑی کی گئی تھی۔ ۵، ۶ آدمی ہر روز پھانسی دئے جاتے تھے۔ انگریز افسر بڑی متانت سے پاس بیٹھکر یہ مناظر دیکھا کرتے۔!

گورنر جنرل نے ۲۴ دسمبر ۱۸۵۷ء کو جولائی کے واقعات کے متعلق ایک مفصل رپوٹ لکھی تھی۔ ذیل میں اُس کا اقتباس دیا جاتا ہو:-

اس زمانہ میں لوگ بلا امتیاز پھانسی دئے گئے۔ ان میں ایسے آدمی بھی تھے۔ جن کے برخلاف محض شک تھا۔ سیکڑوں دیہات لوٹے گئے، اور بعد ازاں جلائے گئے۔ ان خوفناک حرکات سے وہ قومیں بھی سخت ناراض ہوگئیں۔ جو حکومت کی وفادار تھیں۔ شمالی ہند میں قحط پڑ گیا۔ کیونکہ ایسی اندھیر نگری میں باقاعدہ کاشت کاری کرنا ناممکن تھا، جو سپاہی رخصت پر گھر آئے تھے یا جو پلٹنوں کے ٹوٹ جانے کے بعد اپنے گھروں کو واپس جارہے تھے اور جھنوں نے بغاوت میں مطلقاً کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ بلکہ انگریزوں کی جان بچانے میں مدد کی تھی، ان سب کے ساتھ انگریزی فوجیں ہی سلوک کرتی تھیں جو باغیوں سے کیا جاتا تھا۔ گورنمنٹ کے ماتحت افسروں کی ان افسوسناک حرکات سے ملک میں یہ خیال پیدا ہوگیا کہ گورنمنٹ ہندوؤں اور مسلمانوں کی بیخ کنی پر اب تل گئی ہو"

مجنڈی لکھتا ہو "گورنمنٹ محض پھانسی اور قتل عام کی وجہ سے چل رہی تھی۔ جب لکھنؤ فتح کیا گیا تو بے شمار آدمی پھانسی پر چڑھا دئے گئے۔ اُس وقت یہ تمیز نہیں کی جاتی تھی کہ آیا قیدی سپاہی ہو یا اودھ کا کسان ہو؟ صرف اتنی بات دیکھی جاتی کہ گرفتار ہوا ہو۔

مارٹن نے بمبئی ٹیلیگراف میں ایک مراسلہ [illegible] کا مضمون یہ ہو۔ "جب ہماری فوج دہلی میں داخل ہوئی۔ تو جو [illegible] فصیل کے اندر ملا، اسی جگہ سنگینوں سے مار دیا گیا۔ مقتولین کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ کیونکہ کئی گھروں میں سے ۴۰۔ ۴۰ [illegible] ۵۰ آدمی پکڑے گئے، یہ لوگ باغی نہیں تھے۔ شہر کے [illegible] کامل اُمید تھی کہ اُنھیں معاف کردیا جائے گا، لیکن وہ [illegible] ہوئے"

ہڈسن اپنی تاریخ میں لکھتا ہو "بے گناہ آدمی [illegible] وہ جان بخشی کے لئے ہاتھ جوڑتے تھے۔ بوڑھے آدمی جو خوف [illegible] کی وجہ سے کانپتے تھے، گاجر مولی کی طرح کاٹے جاتے تھے [illegible] انگریزوں کو بھی کافی اشتعال دلایا گیا تھا۔ کیونکہ انکے چند آدمی کی گلی کوچوں میں مارے گئے تھے"

یہی مصنف بیان کرتا ہو کہ جونہی ہم دہلی میں داخل ہوئے۔ لوٹ مار شروع ہوگئی۔ جو ہندوستانی ملتا تھا گولی سے مار دیا جاتا تھا۔ شراب خانے اور دیگر دکانیں لوٹ لی گئیں اور انگریزوں نے [illegible] جہاں کہیں ہندوستانیوں کا مجمع دیکھا، ان پر ٹوٹ پڑے۔ ایسی حالت میں بیچارے باشندے کیا کرتے؟ کیا وہ انگریز سپاہیوں کو پکڑ کے کمان افسر کے پاس لے جاتے؟ لیکن وہاں تو یہ حال تھا کہ کمان افسر سے لیکر معمولی سپاہی تک، سب ہندوستانیوں کے خون کے پیاسے تھے"

مسٹر مارٹن جو ٹائمز کا نامہ نگار تھا، ۱۶ نومبر ۱۸۵۷ء کو لکھتا ہو "کل میں اور ایک افسر مع ۲۰ سپاہیوں کے شہر میں چکر لگا رہے تھے۔ ہم نے ۱۴ مقتول عورتیں دیکھیں جن کے گلے انکے شوہروں نے کاٹ ڈالے تھے، اور انکے اوپر چادریں ڈھانپ دی تھیں۔ ہم نے ایک آدمی

سے دریافت کیا کہ یہ کیا معاملہ ہی؟ اُسنے کہا انکے خاوندوں نے اسواسطے قتل کردیا ہی کہ مبادا یہ عورتیں انگریزوں کے قابو میں آجائیں۔ کیونکہ وہ یہ بے عزتی برداشت نہیں کرسکتے۔ پھر اُسی آدمی نے انکے شوہروں کی لاشیں دکھائیں۔ جنھوں نے اس فعل کے بعد اپنے آپ کو قتل کردیا تھا۔ اس شہر نے نادرشاہ کے قتل عام کے بعد ایسے خوفناک مناظر کبھی نہیں دیکھے تھے۔ جبدن دہلی فتح ہوئی، وہ لوگ جو ہمارے خلاف لڑرہے تھے، شہر سے نکلکر بھاگ گئے تھے۔ صرف وہ لوگ رہ گئے تھے جنھوں نے بغاوت میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ لیکن افسوس ہی کہ بلا امتیاز قتل کیے گئے۔

اکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا نے جو ایک اعلیٰ پایہ کی کتاب سمجھی جاتی ہی، یہ واقعات قطعاً نظر انداز کردیئے ہیں۔ اسنے صرف معمولی طور پر ایک مہذب فوج کے داخلۂ شہر کا ذکر کیا ہی۔ لیکن یہی تاریخ نادر شاہ کے قتل عام کی بڑی مہیب تصویر دکھلاتی ہی۔ حالانکہ نادرشاہ کا قتل عام اس غدر کے قتل عام کے مقابلہ میں کوئی نسبت نہیں رکھتا نادرشاہ کا قتل عام صرف چند گھنٹے رہا تھا، اور یہ کئی ہفتوں تک جاری رہا۔

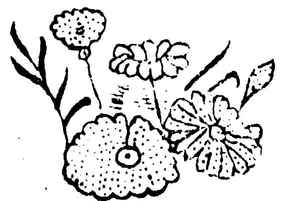
حادثۂ کانپور

بعض انگریز مورخ کہتے ہیں کہ چونکہ باغیوں نے کانپور میں انگریزوں پر ظلم ڈھائے تھے، اس لئے وہ انتقام لینے میں حق بجانب تھے۔ میں ذیل میں کانپور کے حادثہ کے متعلق چند واقعات درج کرتا ہوں۔ ان سے ناظرین خود اندازہ لگالیں گے کہ صورت حال کیا تھی۔

سرجارج فارسٹ نے اپنی کتاب "ہندوستانی بغاوت" میں لکھا ہی۔ "یہ امر پایۂ ثبوت تک پہنچ چکا ہی کہ ان سپاہیوں نے جو انگریز قیدیوں کی حراست پر مامور تھے، اُنھیں قتل کرنے سے انکار کردیا تھا، یہ ظالمانہ فعل نانا کے ۵ بدمعاش ہمراہیوں میں سے ایک کنجرے کی ایما سے سرزد ہوا تھا۔ اس فعل کی ذمہ داری کسی صورت میں بھی تمام ہندوستانی قوم پر عائد نہیں ہوسکتی۔ جب کوئی انگریز کسی تاریخ میں پڑھتا ہی کہ مسز جبیر یا مسز جیننگز کو کسی ہندوستانی نے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالا۔ تو اس کے غصے کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ لیکن دوسری طرف یہ امر بھی مسلمہ ہی۔ کہ سیکڑوں عورتیں اور بچے انگریزی فوجوں کی بدولت اس جہانِ فانی سے کوچ کرگئے۔ اگر ہمیں ایک انگریز لیڈی کے خوفناک انجام سے ہمدردی ہی، تو ہمیں یہ بھول نہ جانا چاہئے کہ ہندوستان کے باشندے بھی آخر انسان تھے۔ کانپور کے کنوئیں کا حادثہ کوئی آدمی پسند نہیں کرسکتا۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اسوقت ہیولاک باغیوں کو شکست دے کر کانپور کی طرف بڑھ رہا تھا، اور باغیوں نے جب ہمارے قتل وسلب کی شہرت سُنی تو انھوں نے بھی اشتعال میں آکر قیدیوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا۔ جیسا کہ اُنکے بھائیوں اور بہنوں سے ہورہا تھا"

اِن دِنوں یہ عام افواہ ہمارے لوگوں نے مشہور کر رکھی تھی کہ ہندوستانیوں نے انگریز عورتوں کی عصمت دری کی اور پھر اُنھیں قتل کردیا، سرجارج کیمبل ان تمام روایات کو بے بنیاد قرار دیتے ہیں اور تمام مشہور مورخ اُن کی تائید کرتے ہیں،

(مترجمہ محمد علی وکیل ایبٹ آباد)



مراسلات

ایک جواب طلب مراسلہ

دلآزار مذہبی تحریریں اور مسلمانوں کا پچھلا مظاہرہ

اسلام اور سزاءِ قتل

مندرجۂ ذیل مراسلت پنجاب کے ایک ہندو دوست کی ہی جو وہاں کی ایک مذہبی انجمن کے عہدہ دار بھی ہیں۔ ۱۹۲۵ء میں اُنھوں نے مجھ سے خط وکتابت کی تھی اور اپنی طبیعت کی مذہبی بے اطمینانی اور جستجوئے حق وحقیقت کا شوق ظاہر کیا تھا۔ جب کبھی کوئی آدمی اس بارے میں مجھ سے مشورہ کرتا ہی، تو میں ہمیشہ اُسے تقلیدی بندشوں سے آزاد ہونے اور مذاہب کے آزادانہ مطالعہ کا مشورہ دیتا ہوں۔ یہی مشورہ میں نے انھیں بھی دیا۔ اس پر اُنھوں نے بہت سے سوالات لکھ کر بھیجے جن میں سے بعض سوالات کا تعلق اُن شکوک سے تھا جو نفس مذہب اور اُس کی ضرورت سے تعلق رکھتے تھے، اور بعض کا تعلق مسیحیت اور اسلام سے تھا چونکہ خط وکتابت کے ذریعہ اس طرح کے معاملات انجام نہیں پاسکتے، اس لئے میں نے اُنھیں لکھا کہ چند دنوں کے لئے کلکتہ آجائیں اور میرے پاس ٹھیریں۔ وہ آئے اور کچھ عرصہ تک یہاں مقیم رہے۔ میں نے محسوس کیا کہ بہت حد تک اُن کی طبیعت تقلیدی بندشوں سے آزاد ہوچکی ہی، اور آزادی فکر کے ساتھ مسائل کے مطالعہ کی استعداد رکھتے ہیں۔ وہ جب واپس جانے لگے تو اُنھوں نے اعتراف کیا کہ اُن کی طبیعت کا دوتہائی اضطراب دُور ہوچکا ہی۔

اس کے بعد وقتاً فوقتاً وہ مجھ سے خط وکتابت کرتے رہے۔ گذشتہ دسمبر میں گوہاٹی کانگرس کے موقعہ پر پھر کلکتہ آئے اور مجھ سے ملے، اور میں نے اُن کی قلبی حالت سابق سے زیادہ ترقی یافتہ پائی۔

اس ہفتہ اُن کی یہ تحریر میرے نام آئی ہی۔ ضرورت نہ تھی کہ اسے الہلال میں درج کیا جاتا۔ میں حسب معمول اس کا جواب اُنھیں بھیج دیتا، لیکن تحریر کے آخر میں اُنھوں نے جو کچھ لکھا ہی، اور اس سے اُن کی طبیعت کے جن تاثرات کا پتہ چلتا ہی، اُن کے ازالے کے لئے ضروری ہوگیا کہ یہ خط الہلال میں درج کردیا جائے، اور الہلال ہی کے ذریعہ جواب دیا جائے۔ اس ہفتہ یہ شائع کردیا جاتا ہی، لیکن جواب آئندہ ہفتہ لکھ سکوں گا، کیونکہ آج یکایک شملہ جانے کا ارادہ کرلینا پڑا۔ اس لئے تحریر کی مُہلت نہیں ہی۔ (ابوالکلام)

میں نے ادہر مدت سے کوئی عریضہ آپ کی خدمت میں اس لئے نہیں بھیجا کہ میں ارادہ کرچکا تھا راولپنڈی کے معاملات نپٹا کر کلکتہ میں حاضری دوں گا۔ لیکن گھر کے جھگڑے ایسے نکل آئے کہ اب تک چھٹکارا نہ ہوسکا اور شاید کچھ دنوں اور اسی طرح نکل جائیں۔ میں اب بھی یہ خط لکھ کر جناب کے اوقات میں خلل نہیں ڈالتا اور ساری باتیں اپنی حاضری پر اُٹھا رکھتا، لیکن اس طرف ایک معاملہ نے میرے خیالات میں نہایت پریشانی پیدا کردی ہی اور میں اسکو زیادہ دیر تک روک نہیں سکتا۔ مجھ کو یقین ہی کہ وہ معاملہ میرے ہی لئے نہیں بلکہ مجھ سے زیادہ ہزاروں انسانوں کے لئے بے دلی اور پریشانی کا سبب بن رہا ہوگا اس لئے مجبوراً یہ عریضہ لکھ کر جناب کا تھوڑا سا وقت ضائع کرنا چاہتا ہوں۔ ضرورت تو اس بات کی تھی کہ آپ اس عریضہ کا جواب، یا اسے چھوڑ کر بطور خود اس معالمہ میں اپنی رائے اخبارات کے صفحوں پر شائع کردیتے یا الہلال ہی میں ارقام فرماتے لیکن اگر پبلک میں اس کی اشاعت خلاف مصلحت ہو تو کم سے کم میرے دل کا اضطراب تو دُور کردیں۔

جناب پر ایک مُدت سے میرے دل کا حال پوری طرح روشن ہی۔ میں ہر طرح کے مذہبی اور کمیونل تعصبات سے الگ ہوکر مذاہب عالم میں سچائی اور حقیقت کا متلاشی ہوں، اور مجھے آپکی ذات مبارک سے اس بارے میں وقتاً فوقتاً جو مدد ملی ہی، اس کے لئے مدۃ العمر میں آپ کا احسان مند رہوں گا۔ آپ نے میری آنکھوں پر سے کج فہمی کے بہت سے پردے ہٹادیئے، اور میرے دل کو جو پیروان مذاہب کی حالت دیکھ کر مذہب کی طرف ہی سے برگشتہ ہوگیا تھا، پھر مذہب کی صداقتوں کی راہ پر لگا دیا۔ خصوصاً مذہب اسلام اور اُس کے بانی کی تعلیم کی جو حقیقت آپنے مجھ پر روشن کردی وہ ایسی ہی کہ میرے خیال میں کوئی انسان بھی جو انصاف اور حق پرستی سے بالکل محروم نہ ہوگیا ہو اُس کی طرف بے اختیار کھنچے ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کم سے کم وہ اُس کی عزت اور احترام کرنے سے تو کبھی انکار نہیں کرے گا۔

....

آپ کو معلوم ہی کہ میں دو برس سے بالکل ایک دوسری ہی نگاہ سے مذہبی صداقت کا مطالعہ کررہا ہوں، لیکن مجھے معاف کیجئے گا۔ ایک بہت بڑی مشکل ہم لوگوں کی راہ میں یہ ہی کہ آپ جیسے بزرگ اسلام کی تعلیم اور اسپرٹ جو ظاہر کرتے ہیں، وہ جب دوسرے مسلمانوں کی تعلیم میں ڈھونڈھی جاتی ہی، تو صرف یہی نہیں کہ نہیں ملتی بلکہ برخلاف اس کے ایسی ایسی باتیں سامنے آجاتی ہیں کہ کوئی انصاف پسند دماغ شک شبہ کے طوفان سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ ابھی حال میں پمفلٹ "رنگیلا رسول" پر جو ایجی ٹیشن شروع کیا گیا اور جو جو باتیں بڑے بڑے مسلمان لیڈروں اور مولانا

صاحبان نے جلسوں اور اخباروں میں ظاہر فرمائیں، میری بے ادبی معاف فرمائی جائے اگر میں عرض کروں کہ اسے دیکھ کر میرا جیسا غیر جانبدار آدمی بھی اسلام کے متعلق اپنے خیالات پر قائم نہیں رہ سکا۔ اور جن لوگوں کے دل و دماغ پہلے ہی سے شک اور شبہات سے بھرے ہوئے ہونگے اور ہزاروں لاکھوں غیر مسلم ایسے ہی ہیں، اُن کے خیالات جیسے کچھ ہو گئے ہونگے، اُس کا آپ اندازہ فرمالیجئے۔ اگر فی الحقیقت اسلام کی تعلیم اپنے ماننے والوں کے لئے ایسی ہی ہے اور اس کے احکام کا یہی حال ہے تو پھر وہ تعلیمات شُبہ سے خالی نہیں ہیں جو آپ نے میرے دل پر نقش کی ہیں، اور اگر حقیقت حال ایسی نہیں ہے، تو یہ باور کرنا بہت مشکل ہے کہ ہزاروں لاکھوں آدمی ایک ہی طرح کی بے بُنیاد بات پر اکٹھے ہو جائیں اور اس زور شور سے اس کا اعلان کریں اور اس کا رد نہ کیا جائے۔

اس بیہودہ پمفلٹ "رنگیلا رسول" پر مدت سے کیس چل رہا تھا۔ جب یہ چھاپا گیا تھا تو میں نے بھی دیکھا تھا، اور میں سچ عرض کرتا ہوں کہ اسے پڑھ کر میرے دل پر اس کے سوا کوئی اثر نہیں پڑا کہ اُس کا لکھنے والا سخت حقیر و ذلیل ہو گیا۔ دُنیا میں کوئی شریف اور شائستہ انسان خواہ کسی مذہب اور اعتقاد کا ہو لیکن کبھی یہ بات پسند نہیں کرے گا کہ دُنیا کے اُن بانیان مذاہب کا جن کی تعلیمات نے لاکھوں کروڑوں انسانوں کو خدا پرستی کی راہ پر لگایا ہے، گندہ لفظوں میں ذکر کیا جائے، یا اُن کی زندگی کی نامعقول طریق پر ہنسی اُڑائی جائے۔ البتہ ایسے نادان اور جاہل آدمی اس دنیا میں ہمیشہ رہے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ جب مسلمان اخبارات نے اس کے خلاف پروٹسٹ کیا، تو میں نے انہیں بالکل حق بجانب سمجھا۔ مجھے میرے بعض دوستوں نے تبلایا کہ اگرچہ یہ پمفلٹ ہر حال میں قابل اعتراض ہے لیکن یہ خود مسلمانوں کے ایک ایسے ہی گندہ پمفلٹ کے جواب میں لکھا گیا ہے لیکن میں نے کہا۔ اگر کسی مسلمان نے لکھا تھا تو ایک بُرائی کی تھی، اور کسی انسان کے بُرائی کرنے کی وجہ سے دوسرے انسانوں کے لئے بُری بات اچھی نہیں ہو جا سکتی۔

یہاں تک تو یہ بات بالکل ٹھیک تھی، لیکن پھر اس کے بعد جو طریقہ ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک تمام مسلمانوں نے اختیار کیا اور ایک کے بعد ایک جو باتیں کہی گئیں وہ نہ صرف حق و انصاف کے خلاف تھیں بلکہ کچھ عجیب طرح کی مذہبی مینٹیلٹی ظاہر کرتی ہیں جنھیں کسی طرح بھی کسی ٹھیک راستے پر لیجایا نہیں جا سکتا۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ تمام لیڈروں اور مولنا صاحبان نے اور جمعیت العلما نے جس میں پانچ سو مولوی صاحبان کا ہونا تبلایا گیا ہے، فتویٰ جاری کر دیا کہ رنگیلا رسول لکھنے والے اور چھاپنے والے کو قتل کرنا چاہیئے۔ اور یہ کہ شریعت اسلام کا قانون یہی ہے کہ جونہی کوئی غیر مسلمان حضرت بانیٔ اسلام کے خلاف کوئی بدزبانی کرے، اسے فوراً مار ڈالنا چاہیئے۔ مجھے معاف رکھا جائے اگر میں عرض کروں کہ اس بات کے کہنے میں تو کوئی بڑائی کی بات نہیں ہے کہ جب کبھی ہماری بن آئی تھی تو ہم اپنے خلاف ہر زباں دراز آدمی کو مار ڈالتے تھے۔ اگر اسلام کو اس پر فخر ہے تو یہ ایسا فخر نہیں ہے جو صرف اُسی کے حصے میں آیا ہو۔ جس کسی کو دُنیا میں طاقت ملی ہے اُس نے لوگوں کو قتل کیا ہے اور تلوار کے زور سے اپنی ہیبت قائم کی ہے۔ اسلام کا فخر تو اس بات میں ہونا چاہیئے تھا کہ اُس نے انسانوں کو سزا دینے کی جگہ بخشا ہے، اور قتل کرنے کی جگہ زندگی بخشی ہے۔ جناب نے مجھے پچھلے سال لکھا تھا کہ اسلام کی اصلی اسپرٹ انسانیت کی اسپرٹ ہے اور یہی فرق اُس میں اور تمام مذاہب میں ہے۔ اُس نے ہر گوشہ کو انسانیت کی نظر سے دیکھا ہے۔ ملک، جماعت، اور وطن کی نگاہ سے نہیں دیکھا ہے۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی حالت میں کیونکر اسلام کا یہ قانون انسانیت کی اسپرٹ کے ساتھ ہو سکتا ہے کہ جہاں کوئی نادان اور جاہل آدمی بانی اسلام کے خلاف بدزبانی کرے فوراً اُس کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں۔

آپ یقین فرمائیے کہ یہ بات میری اس عقیدت کی جو میں اسلام سے رکھتا ہوں اتنی خلاف تھی کہ پہلے تو مجھے اس پر یقین نہیں ہوا لیکن اس کے بعد میں نے جب خود جمعیت العلما اور انجمن خدام دین اور مولنا محمد علی صاحب کے فتوے اپنی آنکھوں سے دیکھے تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا کہ اسے تسلیم کر لیتا۔

اچھا اگر یہ اسلام کا قانون بھی ہو جب بھی ہندوستان میں اسے رائج کرنے کا مطالبہ کرنا میں نہیں سمجھتا کیا معنی رکھتا ہے۔ اگر بانی اسلام کے لئے مسلمان ایسا قانون چاہیں گے تو دوسرے مذاہب بھی مطالبہ کرینگے۔ پھر کیا مسلمان اس سے متفق ہونگے کہ جو مسلمان ہندوؤں، پارسیوں، بدھسٹوں، کے بزرگوں کے خلاف بدزبانی کرے، اُسے فوراً قتل کر ڈالنا چاہیئے؟

جسقدر واقفیت مجھے اسلام کی کتابوں سے ہے، اسکے مطابق میں نے اس قانون کی تحقیق کرنی چاہی۔ مجھے اس کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ لیکن رسالہ ورتمان کیس میں جن مولوی صاحبان نے شہادت دی ہے، انھوں نے تبلایا ہے کہ کتاب سارم مسلول (الصارم المسلول) میں ایسا ہی لکھا ہے۔ میں نے یہاں اپنے مسلمان دوستوں سے اس کتاب کے بارے میں پوچھا تو وہ کچھ نہیں تبلا سکے۔ بہر حال جمعیت العلما کے فتوے اور مولنا محمد علی صاحب کے اعلان سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا حکم ایسا ہی ہے۔

علاوہ بریں اس معاملہ میں یہ طریق عمل بھی اسلام کے اخلاق کا کوئی اچھا اثر ہم لوگوں پر نہیں ڈال سکتا کہ جس شخص نے اسلام کے خلاف کچھ لکھا ہو اُسے بازاری گالیاں دی جائیں۔ اور ملعون، کتا، اور ایسے ہی لفظ کہے جائیں جیسے مولنا محمد علی صاحب جیسے ذمہ دار لیڈر برابر اپنی تقریروں میں کہتے رہے۔ کیا اُس شخص کو گالی دینے سے اُس کی اس بدزبانی اور بے ادبی کا بدلہ لیا جا سکتا ہے جو اُس نے بانیٔ اسلام جیسے عظیم الشان انسان کی شان میں کی ہے؟ اگر نہیں تو اس طرح کی گالیاں دینے سے خود اپنا اخلاق خراب ہوتا ہے۔ اور کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔

یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آتی کہ محض ایک دو نادان اور بدزبان آدمیوں کے کچھ لکھ دینے پر اس قدر جوش و خروش دکھلایا جائے، گویا مسلمانوں کے لئے کوئی بڑی مصیبت کی بات پیش آگئی ہے حالانکہ خود مسلمان صاحبان تمام غیر مذاہب کے خلاف برابر ہر قسم کی اچھی بُری باتیں کہتے آئے ہیں اور ان کی وجہ سے کبھی نہ تو ہندوؤں نے اس طرح شور مچایا ہے نہ عیسائیوں نے۔ یقیناً اس طرح کی باتوں سے جو مینٹیلٹی ثابت ہوتی ہے وہ قابل تحسین نہیں ہے۔

یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ ہندوؤں میں آریہ سماج کے قائم ہونے سے پہلے نہ تو کسی طرح کا تبلیغ کا خیال تھا، اور نہ وہ مذہبی بحث مباحثے کرتے تھے۔ لیکن مسلمانوں کی جانب سے ہمیشہ کتابیں انکے خلاف لکھی جاتی تھیں۔ میں نے لاہور میں پانچ کتابیں ایسی دیکھی جو اس ایجی ٹیشن کی وجہ سے چند صاحبوں نے جمع کی ہیں، اور میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ ان میں ہندوؤں کے رشیوں اور اوتاروں کے خلاف جو بیہودہ باتیں لکھی ہیں وہ اس بیہودگی سے بہت زیادہ ہے جو رنگیلا رسول لکھنے والے نے دکھلائی ہے۔ یہ کتابیں بیس بیس تیس تیس برس سے ہزاروں کی تعداد میں چھپکر فروخت ہوتی ہیں، لیکن کبھی ہندوؤں نے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ ان کے لکھنے والوں کے سر قلم کر دئے جائیں۔ معلوم نہیں جناب والا کی نظر سے یہ کتابیں گزری ہیں یا نہیں اگر ارشاد ہوگا تو میں بھجوا دوں گا۔ ایک کتاب تحفۃ الہند ہے۔ جو مولوی عبداللہ صاحب نے لکھی ہے جو دہلی کے بڑے مولوی ہیں۔ اس میں ایک نظم ہے جس کا ٹیپ یہ ہے؛

کہو یہ کون دھرم ہے؟

اس میں ہندوؤں کے رشیوں اوتاروں کے خلاف اس قدر فحش اور گندہ طریقہ سے اظہار خیال کیا ہے کہ کوئی مہذب آدمی اسے پڑھ بھی نہیں سکتا۔ میری ناقص عقل اس بات سے عاجز ہے کہ جب خود مسلمانوں کا یہ طرز عمل دوسروں کے ساتھ ہے تو وہ خود اس قدر حد سے زیادہ شور و غل کیسے مچا سکتے ہیں؟

علاوہ بریں یہ بات بھی بڑی عجیب ہے کہ اسلام کے قانون میں اپنے مخالفوں کے لئے معافی کی کوئی جگہ نہیں۔ رنگیلا رسول کے پبلشر نے صاف لفظوں میں اظہار افسوس کر دیا تھا، لیکن مسلمانوں کا یہ مطالبہ تھا کہ نہیں اسے قتل کرنا چاہیئے!

مجھے میرے دوستوں نے کہا ہے کہ اسوقت ملک کی جو عام حالت ہو رہی ہے اور مسلمانوں کے اندھا دھند جوش و خروش کا جو حال ہو رہا ہے اسے دیکھتے ہوئے یہ مصلحت کے خلاف ہوگا کہ جناب کوئی بات بھی اپنے ہم مذہبوں کی عام رائے کے خلاف کہیں اسی لئے یہ سب کچھ آپ دیکھتے ہیں لیکن خاموش ہیں۔ اگر میرے دوستوں کا یہ خیال صحیح ہو تو اگرچہ یہ بات میرے لئے بڑے ہی رنج کی ہوگی لیکن میں ایسی گستاخی نہیں کر سکتا کہ اس بارے میں زبان کھولوں۔ کم از کم یہی کیجئے کہ اس بارے میں میرے دل کے شکوک دور کر دیجئے کیونکہ ان کی وجہ سے مجھے بہت ہی پریشانی ہو رہی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ صاف معلوم ہو جائے کہ اسلام کے احکام اور تعلیمات کیا ہیں۔

اگر جناب ترتیب کے ساتھ جواب عنایت کرینگے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ میں نمبروار عرض کرتا ہوں:

(۱) کیا واقعی یہ اسلام کا قانون ہے کہ جو شخص حضرت بانی اسلام کے خلاف بدزبانی کرے، اسے فوراً قتل کر دینا چاہیئے اور جس مسلمان کے سامنے ایسا کرے، اُس کا مذہبی فرض ہے کہ اُسی وقت اُس کا سر اُڑا دے؟

(۲) کیا اسلام کا یہ حکم ہے کہ اگر کسی قوم کا ایک آدمی حضرت پیغمبر اسلام کے خلاف بدزبانی کرے تو جب تک اس کے تمام ہم قوم (جنھوں نے شاید اُس بدزبانی کرنے والے کا نام بھی نہ سنا ہوگا) اسکو بُرا بھلا نہ کہیں۔ تمام قوم کا بائیکاٹ کر دینا چاہیئے اور اپنی بستی سے نکال دینا چاہیئے۔

(۳) کیا اسلام کا یہ قانون ہے کہ اگر کوئی غیر مسلمان ایسا کرے تو اسے گلا گھونٹ کر مار ڈالنا چاہیئے جیسا کہ مولنا محمد علی صاحب نے فرمایا ہے؟

(۴) آپکے خیال میں یہ مطالبہ ٹھیک ہے کہ ہندوستان میں ایسا قانون بنانا چاہیئے کہ جو شخص ایسا کرے اسے قتل کر ڈالا جائے؟

(۵) کیا اسلام کا یہ قانون ہے کہ اگر ایسا شخص اپنی غلطی مان لے اور اس پر افسوس ظاہر کرے، تو وہ مسلمانوں کو قبول نہیں کرنا چاہیئے اور اسے جسمانی سزا دلانے پر اڑ جانا چاہیئے؟

(۶) جو کتابیں دیگر مذاہب کے خلاف خود مسلمان مولوی صاحبان لکھتے آئے ہیں اور اس میں رنگیلا رسول جیسی زبان استعمال کی گئی ہے، کیا وہ بھی اسی طرح سزا کی مستحق نہیں ہیں جیسی رنگیلا رسول اور رسالہ ورتمان ہیں؟

(۷) سو دو سو برس سے جو سیکڑوں عیسائی مشنری اسلام کے خلاف سخت سے سخت کتابیں لکھتے آئے ہیں اور اسوقت ہزاروں کی تعداد میں وہ موجود ہیں، کیوں انکے خلاف اس قدر جوش و خروش نہیں دکھلایا گیا جس قدر اس موقعہ پر دکھلایا گیا ہے؟

(دیکھو صفحہ کالم اول)

بریدِ شرق

مکتوبِ آستانہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

شاہ مصر کا سفر انگلستان - ترکی قرضے کا تصفیہ - ٹرکی اور ایران - ترکی پائے تخت

شاہ مصر کا سفر انگلستان

ترکی اخبارات، شاہ مصر کے سفر انگلستان کو بہت اہمیت دے رہے ہیں اور اسے نہ صرف مصر بلکہ تمام مشرقی ممالک کے لئے اخلاقی حیثیت سے مفید سمجھتے ہیں۔ چنانچہ موقر اخبار "وقت" یوں اظہار خیال کرتا ہو:

"شاہ مصر کی یہ سیاحت ایک نہایت پیچیدہ سیاسی مسئلہ کے حل کے لئے آخری قدم ہو۔ اب سے پہلے مصر کے سب سے بڑے ماہرین سیاست مثلاً سعد پاشا زغلول اور عدلی پاشا یکن نے سر توڑ کوششیں کیں، مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اب خود شاہ مصر اپنے وزیر اعظم کے ساتھ انگلستان روانہ ہوئے ہیں تاکہ مسئلۂ مصر، جو ۴۵ برس سے لاینحل ہو رہا ہو، قطعی طور پر حل ہو جائے۔ اب یہ دیکھنا باقی ہو کہ اس آخری کوشش کا نتیجہ کیا نکلتا ہو؟ اگر اب بھی یہ مسئلہ حل نہ ہوا تو سمجھ لینا چاہئے، وہ آئندہ کبھی مفاہمت سے حل نہ ہوگا، اُس کا فیصلہ صرف قوت و تشدد ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہو"

"۱۸۸۲ء میں انگریزوں نے صریح جبر و ظلم سے مصر پر قبضہ کر لیا۔ ہندوستان بچانے کے لئے برطانیہ کو مصر کی ضرورت تھی، جیسا کہ اس مقصد کے لئے اُسے دنیا کے ہر ملک پر قبضہ کی ضرورت ہو۔ برطانیہ کا عزم مصمم تھا کہ مصر کو بالکل ہضم کر جائے۔ چنانچہ جنگ عمومی کے موقعہ پر اُس کے الحاق کا اعلان بھی کر دیا۔ مگر اُسے بہت جلد معلوم ہو گیا کہ یہ زہر بھرا لقمہ کسی طرح بھی ہضم نہیں کیا جا سکتا۔ مصر، اکّال الامم ہو۔ بہت سی قوموں نے اُسے ہضم کرنا چاہا، مگر جسنے بھی اُسے نگلنے کی جرأت کی، خود فنا ہو گیا۔ چنانچہ چند ہی سال بعد انگلستان کو بھی یہ لقمہ اگلنے پر مجبور ہوا اور مصر کے الحاق سے دست بردار ہو جانا پڑا"

"شاہ مصر کی سیاحت نے یورپ کے سامنے صرف یہی ثبوت پیش نہیں کیا کہ مصر، اپنی آزادی پر مُصر ہے۔ بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا کہ پورے مشرق میں استقلال و حریت کی ایک ناقابل مقاومت تحریک عام ہو گئی ہو۔ شاہ مصر نے صاف طور پر بتا دیا کہ اب مشرق، وہ مشرق نہیں ہو جو کبھی غفلت و قناعت اور تن پروری کا مرکز تھا۔ اب وہ بیدار ہو گیا ہو، اور غاصب یورپ سے اپنے حقوق واپس لینے پر تلا ہوا ہے"

ترکی قرضے کا تصفیہ

مرحوم سلطنت عثمانیہ نے یورپ سے بہت سے قرضے لے رکھے تھے۔ انہی قرضوں نے بالآخر اُس کے دروازے یورپین مداخلت کے لئے کھول دئیے۔ جنگ عظیم کے خاتمہ پر سلطنت عثمانیہ اپنے اکثر مقبوضات سے محروم ہو گئی۔ اب یہ مشکل پیش آئی کہ یہ قرضے اُس سے کیونکر وصول کئے جائیں؟ اکثر قرضوں میں انہی مقبوضات کی آمدنی رہن تھی۔ یورپ چاہتا تھا کہ باوجود اپنے ممالک سے محروم ہو جانے کے، یہ تمام قرضے اسی دیوالیہ سلطنت سے وصول کرے۔ مگر یہ عملاً ناممکن تھا۔ کیونکہ اُس کی آمدنی یہ بار گراں اُٹھا نہیں سکتی تھی۔ اسی زمانے میں قومی حکومت نے اناطولیہ میں ظہور کیا اور یورپ کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا۔ اسی کا نتیجہ معاہدۂ سیورے کے بعد معاہدۂ لوزان ہوا۔ مگر قرضے کی گتھی اس معاہدے سے بھی سُلجھ نہ سکی۔ اب گزشتہ ہفتے سالہا سال کی رد و قدح کے بعد ایک فیصلہ ہوا ہو اور سب نے اسے تسلیم کر لیا ہو۔ اس فیصلہ کی دو دفعیں بہت اہم ہیں: ایک یہ کہ ٹرکی اپنے قرضہ کی نصف مقدار سونے کے سکے کی شکل میں ادا کرے، اور باقی نصف کاغذ کے سکے کی صورت میں۔ دوسری یہ کہ ٹرکی کا تمام قدیم قرضہ اُن تمام ممالک پر تقسیم کر دیا جائے جو قرضہ لیتے وقت اُس کے قبضہ میں تھے۔ صرف ایک حصہ ٹرکی کے ذمے باقی رہے۔

یہ فیصلہ یقیناً منصفانہ ہو۔ جنگ کے اختتام پر ٹرکی کے ذمہ یورپ کا قرضہ ۱۷،۶۱،۸۴،۶۹۲ لیرہ (ترکی پونڈ) تھا۔ اب جدید فیصلہ کی رُو سے اس کی تقسیم اس طرح عمل میں آئی ہو:

ٹرکی —	۸،۴۵،۹۷،۴۹۵	لیرہ
یونان —	۱،۱۰،۵۴،۷۵۳	"
شام —	۱،۰۸،۸۸،۴۵۹	"
تبریہ —	۵۴،۳۵،۵۷۹	"
عراق —	۵،۲۰،۷۱،۷۸۹	"
فلسطین —	۳۲،۸۴،۴۲۹	"
بلغاریہ —	۱۷،۷۶،۳۵۴	"
البانیہ —	۱۶،۳۳،۲۳۳	"
حجاز —	۱۴،۹۹،۵۱۸	"
یمن —	۱۱،۸۲،۱۰۴	"
شرق اردن —	۷،۴۳،۶۱۰	"
اٹلی —	۲،۴۳،۲۰۰	"
نجد —	۱،۲۹،۱۵۰	لیرہ
عسیر —	۲۶،۱۳۸	"
موصل —	۱۵،۰۰،۳۵۳	"
معان —	۱،۲۸،۷۲۸	"

اوپر ہم نے لکھا ہو کہ یہ فیصلہ سب نے تسلیم کر لیا ہو۔ لیکن اس میں صرف دو حکومتیں مستثنیٰ ہیں: سرویا اور یمن۔ سرویا کی حکومت نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا ہو۔ امام یحییٰ بھی اس سے انکار کر رہے ہیں۔ لیکن ان دونوں کے انکار سے فیصلہ پر کوئی اثر نہیں پڑیگا۔

ٹرکی اور ایران

حال کا ایک اہم واقعہ، ٹرکی اور ایران کی کشیدگی ہو۔ وجہ یہ ہو کہ ترکی ایرانی سرحدوں پر بعض حوادث ایسے پیش آگئے، جنھوں نے طرفین میں سوءِ ظن کی حالت پیدا کر دی۔

تفصیل یہ ہو کہ ترکی ایرانی سرحدوں پر بعض جرائم پیشہ خانہ بدوش قبائل موجود ہیں۔ وہ ہمیشہ قتل و غارت کے موقعے تلاش کرتے رہتے ہیں۔ پچھلے چند سالوں سے ان قبائل میں ایک بہت ہی خطرناک شخص "اسماعیل سمیقو" نامی ظاہر ہوا ہو اور سرحدی آبادیوں کی زندگی تلخ کئے ہوئے ہو۔ اسنے یہ وطیرہ اختیار کر رکھا ہو کہ موقعہ پا کر لوٹ مار مچا دیتا ہو اور پہاڑوں میں بھاگ جاتا ہو۔ ترکی حکومت بہت دن سے اس کی تاک میں تھی۔ مگر حال میں مجرموں کی عام معافی کا اعلان کیا گیا، تو اُس سے فائدہ اُٹھا کر اسنے حکومت کو اطلاع دی کہ اب اُسنے اپنے قدیم جرائم سے توبہ کر لی ہو اور آئندہ پُر امن زندگی بسر کرنی چاہتا ہو۔ حکومت نے اُس کی بات پر یقین کیا اور معافی دیدی چنانچہ وہ آزادی سے ترکی حدود میں زندگی بسر کرنے لگا۔

لیکن گزشتہ مہینوں میں اُسنے پھر پلٹا کھایا، اور اپنی قدیم مجرمانہ زندگی اختیار کر لی۔ وہ ایرانی سرزمین میں داخل ہو گیا اور قریبی آبادیوں میں غارت گری شروع کر دی۔

اصلی واقعہ صرف اسی قدر ہو۔ لیکن ایرانی اخبارات نے اسے دوسری نظر سے دیکھا اور اس قزاق کی حرکتوں کا ذمہ دار، ٹرکی کو قرار دیا۔ چنانچہ طہران کا نیم سرکاری اخبار "ایران"، اس واقعہ پر اس طرح خامہ فرسائی کرتا ہو:

"سرحدی قبائل کی کون ہمت افزائی کر رہا ہو؟ انھیں کون ہتیار تقسیم کرتا ہو؟ انکے ذریعہ ایران میں کون بدامنی پھیلا رہا ہو؟ ایرانی ان سوالوں کا صاف جواب چاہتے ہیں۔ وہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ٹرکی اس بارے میں کیا تدابیر اختیار کرنے والی ہو؟ ایران اپنی قومی سرحدوں کی حفاظت اپنے خون سے بھی کرنے پر کمر بستہ ہو"

اخبار "شفق سرخ" لکھتا ہو

"سرحد کے ترک افسر، ایرانی علاقوں میں خلاف توقع سرگرمی دکھا رہے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ خلافت کی منسوخی، جمہوریت کا اعلان، سُرخ ٹوپی کی ہیٹ سے تبدیلی، یہ باتیں ظاہر میں کتنی ہی روشن خیالی کی باتیں نظر آئیں، مگر حقیقت یہ ہو کہ وہ قوموں کی ذہنیت میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرتیں۔ نوجوان ٹرکی، بڑھیا ٹرکی ہی کی لڑکی ہو۔ بڑھیا ٹرکی ہمیشہ ایران سے بے فائدہ دست بگریبان رہی۔ اب نوجوان ٹرکی بھی اپنی اسی موروثی سیاست پر واپس آ رہی ہو اور ایران سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی ہو"

اسی لَے لہجہ میں تقریباً تمام ایرانی اخبارات نے اظہار خیال کیا ہو۔ اس کے مقابلہ میں ترکی اخبارات کا لہجہ بھی کچھ کم سخت نہیں ہو۔ چنانچہ اخبار "جمہوریت" لکھتا ہو:

"ہم جانتے ہیں ایران میں وقیع اخبار موجود نہیں ہیں۔ اُن کی آواز کوئی قوت و وزن نہیں رکھتی۔ مزدور اجنبی انگلیاں ان اخبار

بقیہ مضمون صفحہ ۱۷

کیا میں امید کروں کہ آپ تھوڑا سا وقت نکال کر اُسی انداز میں جیسا تفصیل و بحث کے ساتھ ہمیشہ آپنے لکھا ہو ان امور پر روشنی ڈالیں گے اور مجھ پر احسان فرمائیں گے ....

کو ٹرکی کے خلاف اُکسا رہی ہیں۔ یہ اخبار، اجنبیوں کے پردردہ ہیں اور اُنہی کے اشاروں پر ناچتے ہیں"

یہ اخبارات کی باہمی ٹکرار ہے۔ لیکن اب تک دونوں حکومتیں بالکل خاموش ہیں۔ بلکہ دوستانہ تعلقات کی موجودگی کا یقین دلا رہی ہیں۔ چنانچہ ایرانی سفارت کے معتمد عام زندی خاں نے اخبارات کو حسب ذیل بیان دیا ہے:

"اخبار آزاد ہیں، جو چاہیں لکھیں۔ ایرانی اخبارات کی طرح ترکی اخبار بھی سخت لہجہ اختیار کر لیتے ہیں، اور اُن کا لب لہجہ ایران کی مخالفت پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس قسم کی باتیں ہرگز دو مشرقی اور اسلامی ملکوں کے تعلقات پر اثر نہیں ڈال سکیں جن کی دوستی مشترک فوائد پر استوار ہے"

تقریباً یہی خیال خود ایرانی سفیر نے بھی ظاہر کیا ہے۔ اُسنے کہا "دونوں ملکوں کی دوستی پائدار اور دوامی ہے۔ دونوں حکومتیں پورے حزم و اخلاص سے تمام مسائل حل کرنے پر کمر بستہ ہیں۔ کوئی حادثہ بھی ہمارے تعلقات خراب نہیں کر سکتا"

اُمید کی جاتی ہے، جلد یہ معمولی نزاع ختم ہو جائے گی۔

ترکی پایۂ تخت

غازی مصطفےٰ پاشا کے سفر آستانہ سے بعض حلقوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ ترکی پایۂ تخت، جلد انگورہ سے قسطنطنیہ میں منتقل ہو جائے گا۔ مگر انگورہ کا نیم سرکاری اخبار "حاکمیت ملت" اس کی تردید کرتا ہے۔ اُسنے لکھا ہے:

"جب ہم نے ارادہ کیا کہ ٹرکی کی از سر نو تعمیر کریں تو اس میں یہ خیال ہرگز ہمارے سامنے نہ تھا کہ ساتھ ہی غیروں کی خوشی کا بھی ہمیں سامان کرنا چاہیے۔ ہم نے ضرورتاً انگورہ کو پایۂ تخت بنایا تھا۔ وہ ضرورت اب تک موجود ہے۔ جب تک ہم امن و امان کے سایہ میں چلکر اپنا مقصد حاصل نہ کر لیں، اُسوقت تک انگورہ ہی کو پائے تخت رہنا چاہیے لہذا اس کی تبدیلی کا سوال، اسوقت پیدا ہی نہیں ہو سکتا"

مکتوب شام

(الہلال کے نامہ نگار مقیم دمشق کے قلم سے)

ہائی کمشنر کا بیان

ادہر دو تین ہفتے سے میں نے کوئی مکتوب آپکو نہیں لکھا۔ کیونکہ حالات میں کوئی قابل ذکر تبدیلی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ ہائی کمشنر کے لبوں پر جو مہر سکوت شروع سے لگ گئی تھی، وہ اب تک باقی تھی۔ ہر طرف افواہوں کی گرم بازاری تھی، مگر حقیقت کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حکومت جتنا زیادہ ابہام و اخفا برتتی تھی، افواہیں اُتنی ہی زیادہ پھیلتی تھیں۔ اکثر لوگوں کا رجحان یہ تھا کہ حکومت کچھ نہ کچھ کرنے والی ہے۔ اگر سب نہیں تو ملک کے مطالبات کا ایک بڑا حصہ ضرور قبول کر لے گی۔ خصوصاً اب جبکہ دروزی مجاہدین نے ہتیار ڈال دئیے ہیں، حکومت بھی نرم ہو جائے گی اور باشندوں کی ضرور اشک شوئی کر دے گی۔

لیکن ان فریب خوردوں کو اگرچہ بہت زیادہ انتظار کرنا پڑا، تاہم وہ دن آ ہی گیا جب اُنھیں حقیقت عریاں کے مشاہدے پر مجبور ہونا پڑا۔ مدت تک نقاب پوش رہنے کے بعد ہائی کمشنر نے اپنا منہ کھولا تو اُس میں مکر و ریا کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ دروزی جہاد ختم ہو جانے سے حکومت کی ہمت بلند ہو گئی۔ اب اُسے کوئی خوف بھی باقی نہ رہا۔ چنانچہ ہائی کمشنر نے اپنی پالیسی اور حکمبردار سلطنت فرانس کی سیاست جو وہ شام کے بارے میں طے کر چکی ہے، ظاہر کر دی۔ ہائی کمشنر کا بیان یقیناً تمام مشرق کے لئے عبرت و موعظت کا ایک سبق ہے۔ اور وہ حسب ذیل ہے:

"ہائی کمشنر کو اپنے قیام پیرس کے دوران میں بارہا موقعہ ملا کہ فرانسیسی حکومت اور فرانسیسی پارلیمنٹ کی معاملات خارجیہ کی کمیٹی کے روبرو شامی صورت حال کے متعلق اپنی تحقیقات پیش کر دیں خصوصاً باشندوں کی وہ اُمیدیں صفائی کے ساتھ ظاہر کر دیں جو شام کے مختلف حصوں میں دورہ کرنے کے بعد اُنھیں معلوم ہوئی تھیں۔

ہائی کمشنر نے شام میں اپنی واپسی کے بعد مختلف حکومتوں کے ذمہ داروں سے بھی بار بار تبادلۂ خیال کیا۔ حکمبردار حکومت کے خیالات و مقاصد اُن پر ظاہر کئے اور وہ بنیادیں پوری وضاحت سے پیش کر دیں جن پر وہ اپنی سیاست کی بنا رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ بنیادیں حسب ذیل ہیں:

(۱) معاہدۂ حکمبرداری کی دفعہ ایک کی رُو سے چونکہ فرانس نے اپنے سر یہ ذمہ داری لے لی ہے کہ "شام اور لبنان کے لئے وہ راستہ ہموار کرے گا جسپر چلکر وہ بتدریج خود مختار بن سکیں گے" اور یہ آمادگی خود مختاری کی ظروف و حالات کے مطابق ہمت افزائی کرے گا۔ اس لئے فرانس مجلس اقوام سے حاصل کی ہوئی اپنی یہ ذمہ داری برابر پوری کرتا رہے گا۔ یہاں پر اس ذمہ داری سے دست بردار ہو جانے کا ہرگز کوئی سوال پیش نہیں ہو سکتا۔

(۲) اس ذمہ داری کی حیثیت:

معاہدۂ ورسیلز کی دفعہ ۲۲ کی تطبیق، مشرق میں بہت ہی زیادہ مشکل معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ یہاں کی بعض جماعتیں مدت دراز سے ترقی کے اُس درجہ تک پہنچ گئی ہیں جسنے اُنھیں مشرق قریب کی ترقی پذیر قوموں کی صف اول میں پہونچا دیا ہے۔ حکمبردار سلطنت نے امن و امان برقرار رکھتے ہوئے، جو ترقی کی اصلی بنیاد ہے، ان جماعتوں کی اُمیدیں پوری کرنے میں کبھی غفلت نہیں برتی۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ ان اُمیدوں کی تطبیق میں اب تک بکثرت رکاوٹیں حائل ہوتی رہی ہیں اور یہ صرف اسوجہ سے کہ اُن میں باہم بہت زیادہ تناقض موجود ہے۔

ان جماعتوں کی اُمیدیں بر لانا، شام میں فرانسیسی سیاست کی ایک بڑی بنیاد ہے۔ حکمبردار سلطنت اب تک اپنی اس سیاست پر قائم ہے اور عزم بالجزم کئے ہوئے ہے کہ ہمیشہ یہ اُمیدیں پوری کرتی رہے گی جب تک وہ دائرۂ نظام اور امن و امان میں رہیں اور جب تک اقلیات کے حقوق، جن کی معاہدوں نے ضمانت کر دی ہے، اور ملک کے عام مصالح کے خلاف نہ ہوں۔

(۳) فرانسیسی سیاست کا دوام اور قانون اساسی۔

یہ سیاست، جسے مسیو دی جوونل پوری وضاحت سے معین کر چکے ہیں اور جسے حکومت فرانس اور مجلس اقوام نے منظور کر لیا ہے، ضرور ہے کہ ملک کے قانون اساسی میں قائم رکھی جائے۔ ہائی کمشنر پوری مضبوطی سے اس سیاست کو برقرار رکھیں گے۔

لیکن یاد رہے کہ قانون اساسی، صرف وہی لوگ بنائیں گے جو اُسے ضروری سمجھتے ہیں۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ وہی حکومتیں اسکے بنانے میں شریک ہوں گی جو موجودہ نظام کے ماتحت ملک میں قائم ہیں۔ انہی حکومتوں کو حق ہے کہ ملک کے مصالح پر غور کریں، اپنے باہمی اختلافات مٹانے کی سعی کریں، اور مشترک مصالح کے لئے باہم معاہدے طے کریں۔ حکمبردار سلطنت، انہیں ہر ممکن مدد دے گی اور انکے مابین حَکَم کی حیثیت سے کام کرے گی۔

اگر جدید نظام پر پورے ملک کی رضامندی ضروری سمجھی گئی تو اس مقصد کے لئے بھی کوشش کی جائے گی۔ لیکن اگر رضامندی کا حاصل کرنا ممکن نہ ہوا تو حکمبردار سلطنت، امن و امان کی حفاظت اور مستقبل کی درستگی کے لئے ضروری تدابیر اختیار کرے گی۔

(۴) امن و امان

اب ملک میں ایک مرتبہ پھر امن و امان پوری طرح عام ہو گیا ہے۔ حکمبردار سلطنت نے اس راہ میں عظیم کوششیں اور بہت بڑی قربانیاں کی ہیں۔ اس سے یہ صاف طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ فرانس اُس دوستی کے برقرار رکھنے کا غیر متزلزل ارادہ رکھتا ہے جو اُسے ملک شام و لبنان سے ہے۔

ملک کی ترقی کے لئے امن و امان کی موجودگی ضروری ہے۔ بدامنی سے ہرگز کوئی فائدہ پہنچ نہیں سکتا۔ بلکہ اُلٹے نقصان یقینی ہے۔۔"

یہ ہائی کمشنر کے بیان کا ضروری حصہ ہے۔ ناظرین خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ بیان کس درجہ مضطرب اور بے معنی ہے؟ اس کے اگر کچھ معنی ہیں تو صرف یہ ہیں کہ فرانس، شام کے مطالبات منظور نہیں کرے گا بلکہ اپنی جنگی قوت سے اُسے بدستور محکوم و مقہور رکھیگا۔

فرانس کی بدنیتی

شام میں فرانس کی بدنیتی کا ایک ثبوت، مذکورہ بالا بیان کے علاوہ، یہ ہے کہ اُسنے شکست خوردہ دروزی مجاہدین کی بیچارگی سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش شروع کر دی ہے۔ چنانچہ گزشتہ ہفتے حکومت نے اعلان کیا ہے کہ جبل دروز کے باشندوں نے ملک شام سے اپنی کامل علحدگی کا مطالبہ کیا ہے۔ نیز وہ چاہتے ہیں کہ اُنکے علاقے پر حاکم، فرانسیسی ہوا کرے۔

ملک کی عام رائے اس منحوس خبر سے بہت پریشان ہوئی، کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ شام کی سیاسی وحدت اب تک جس قدر پراگندہ ہو چکی ہے، فرانس کی نظر میں وہ کافی نہیں ہے۔ فرانس ابھی اس بدنصیب ملک کے اور بھی بہت سے ٹکڑے کرنا چاہتا ہے۔ جبل دروز کی علحدگی کے بعد شام، صرف دمشق اور مضافات کے علاقے کا نام رہ جائے گا۔

سب سے زیادہ حیرت اس بات پر ہے کہ جن دروز سرداروں کی طرف یہ مطالبہ منسوب کیا جا رہا ہے، وہ ملک میں نہایت ہر دل عزیز تھے۔ مثلاً عبد الغفار پاشا اطرش، امیر حسن، نجم پاشا حلبی، شیخ محمد الہجری، حمزہ درویش وغیرہم۔ حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جو اسسے پہلے ملک کی سیاسی تقسیم و تجزی کے سخت مخالف تھے۔ بلکہ اُنکو خونیں جہاد کا ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ موجودہ تقسیم منسوخ کر دی جائے، اور ملک میں ایک ہی وحدت سیاسی قائم ہو۔

لیکن بہت جلد حقیقت آشکارا ہو گئی۔ عام رائے نے معلوم کر لیا کہ یہ چیز بھی فرانس کی بدنیتی نے پیدا کی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ پچھلے ہفتے ہائی کمشنر، دمشق آئے۔ اُن کے ساتھ اُن کا نفس ناطقہ کرنل کیٹرو بھی تھا۔ یہ شخص اپنی ظلم پسندی اور ملک شام سے دشمنی میں کافی شہرت حاصل کر چکا ہے۔ دمشق سے یہ جبل دروز گیا اور وہاں دروزی سرداروں سے مذکورۂ بالا محضر پر دستخط کرنے کو کہا۔ اُنھوں نے انکار کیا مگر اسنے اُنھیں اپنی قوت کی زور سے مجبور کر دیا۔

اس واقعہ نے باشندوں کو فرانس سے اور بھی زیادہ بدظن کر دیا ہے

ایک اور مصیبت

یہ مصائب کیا کم تھیں کہ ملک پر ایک تازہ مصیبت، خود ایک ملکی کے ہاتھوں نازل ہو رہی ہے۔ داماد احمد نامی بک، دمشق کی عارضی حکومت کا صدر ہے۔ اسکے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ شام کے تخت شاہی پر عنقریب متمکن ہو گا۔ اس طمع میں یہ بالکل فرانس کا غلام بن گیا ہے اور بُری طرح خاد مان قوم کو ستا رہا ہے۔ حال کا واقعہ یہ ہے کہ اسنے اخبار الجوائب کے ایڈیٹر شدیاق آفندی کو دمشق سے نکل

برید فرنگ

مکتوب امریکہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم واشنگٹن کے قلم سے)

ایک نئی تحریک۔ امریکہ کی دولت۔

ایک نئی تحریک

اپنے دو پچھلے مکتوبوں میں آمریکہ کی نسوانی زندگی اور تحریک الحاد کی مقبولیت پر روشنی ڈال چکا ہوں۔ انہی دونوں موضوعوں سے متعلق آج ایک تیسری بحث پیش کرتا ہوں۔ اس بحث نے پورے شمالی آمریکہ کو اپنی طرف سراسر متوجہ کرلیا ہو۔ فی الحال اس بحث سے زیادہ اہم اور مقبول عام و خاص کوئی دوسری بحث یہاں نہیں ہو۔ ہر طرف اسی کا چرچا ہو اور ہر جگہ اسی پر گرم تقریریں ہورہی ہیں۔

بحث یہ ہو کہ آمریکہ میں شادی کا موجودہ طریقہ مضر ہو۔ مرد اور عورت دونوں کی خانگی زندگی مکدر کرنے والا ہو۔ لہذا اسے بدل ڈالنا چاہئے۔

آمریکہ میں بھی شادی کا طریقہ وہی ہو جو دنیا کے تمام متمدن ملکوں میں رائج ہو۔ یعنی مرد و عورت، عقد کرکے زندگی بھر ساتھ رہنے کے پابند ہوجاتے ہیں۔ نئی تحریک اسی پابندی کے خلاف شروع ہوئی ہے۔ اس کی منشا یہ ہو کہ شادی کے دو دور یا درجے کردیئے جائیں: ایک تجربی۔ دوسرا دائمی۔ تجربی سے مقصود یہ ہو کہ مرد اور عورت اگرچہ باضابطہ عقد کریں گے، مگر یہ عقد، معلق و مشروط ہوگا۔ اگر ساتھ رہ کر انھیں تجربہ سے معلوم ہوجائے کہ یہ عقد، ان کی زندگی کو پُرمسرت نہیں بنا سکتا تو انھیں حق ہوگا کہ فوراً جُدا ہوجائیں۔ لیکن اگر تجربے سے ثابت ہو کہ وہ ساتھ خوش رہ سکتے ہیں تو اپنے دائمی عقد کا اعلان کردیں۔

اس تحریک کا سرگروہ، مسٹر لنڈسی ہو۔ یہ ایک عدالت کا جج ہو اور نکاح و طلاق کے مقدمے فیصل کیا کرتا ہو۔ اسنے اپنی تحریک کا نام "عقد رفاقت" رکھا ہو۔ خود اس کے اپنے لفظوں میں تحریک کی غرض یہ ہو کہ "مرد اور عورت باہم ساتھ رہنے کا سمجھوتہ کریں، مگر اس عہد کے ساتھ کہ ایک سال تک نسل نہ پیدا ہونے دیں گے۔ بارہ مہینے یک جا رہنے کے بعد اگر وہ دیکھیں کہ ان کی طبیعتیں باہم متفق ہوسکتی ہیں تو اپنے اس تجربی عقد کو دائمی عقد کی صورت میں تبدیل کردیں ورنہ ایک دوسرے سے جُدا ہوجائیں"

مسٹر لنڈسی نے ایک اخبار کے نمائندے سے بیان کیا:

"بیس برس سے میں عدالت کی کرسی پر بیٹھتا ہوں۔ اس طویل تجربے نے مجھے یقین دلادیا ہو کہ نکاح کا موجودہ نظام، ناقص اور سخت مضرتوں کا موجب ہو۔ لہذا میں نے تجربی نکاح کی تجویز سوچی میرے خیال میں اگر دنیا اس تجویز پر عمل کرے تو ان تمام مصائب سے نجات پاجائے گی جو عقد کے موجودہ طریقے سے ہمیشہ پیدا ہوتی ہیں۔ تجربی نکاح یقیناً دنیا کو مسرت و سعادت بخشے گا اور انسان کی خانگی زندگی، قابل رشک بنا دے گا"

تجربی عقد کی ایک شرط یہ بھی ہو کہ مرد اور عورت سال کے خاتمہ پر اگر دائمی عقد کے طالب ہوں تو انھیں حکومت کے سامنے ثابت کرنا ہوگا کہ وہ باہم محبت رکھتے ہیں۔ اس کے بعد ان کا طبی معائنہ ہوگا اگر اس معائنہ میں بھی وہ کامیاب ہوگئے تو ان کی درخواست منظور کرلی جائے گی، ورنہ انھیں جبراً جُدا کردیا جائے گا۔

یہ ہو تحریک کا خلاصہ۔ لیکن اسنے تمام ملک میں ایک ہلچل ڈال دی ہو۔ روشن خیال طبقہ عام طور پر تحریک کی حمایت کر رہا ہو۔ مگر مذہبی پیشوا اور انکے متبعین اس کے سخت خلاف ہیں۔ اسے کفر و الحاد قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اگر یہ تحریک مقبول ہوجائے گی تو مسیحیت اور کنیسا کا خاتمہ ہوجائے گا۔ مسیحی ہیئت اجتماعیہ درہم برہم ہوجائے گی۔ فسق و فجور کے بند (؟) دروازے کھل جائیں گے۔ غرضکہ وہ اسے شیطانی تحریک قرار دے رہے ہیں۔ دیکھا چاہئے اس نظری جنگ میں کون فریق فتح یاب ہوتا ہو؟

آمریکہ کی دولت

ولایات متحدہ آمریکہ کی دولت و ثروت کے افسانے دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ واقعی جس قدر خزانے اس ملک میں موجود ہیں، اتنے کسی دوسرے ملک میں نہیں ہیں۔ اسوقت میرے سامنے ایک امریکن رسالہ کھلا رکھا ہو۔ اسنے اسی معاملہ پر بحث کی ہو۔

وہ لکھتا ہو:

"جس کے پاس تین چار کرور ڈالر جمع ہیں، وہ اسوقت آمریکہ میں" دولتمند" خیال نہیں کیا جاتا۔ کروڑپتی، اب آمریکہ میں کسی شمار قطار میں نہیں ہیں۔ اب شمار صرف" قارونوں" کا ہوتا ہو۔ ۱۹۲۵ء میں پہلی مرتبہ حکومت نے امریکی قوم کی انفرادی دولت کے اعداد شمار شایع کئے۔ اس رپورٹ سے ثابت ہوتا ہو کہ آمریکہ میں ایک سے بہت زیادہ آدمی ایسے موجود ہیں جن کی دولت ایک ہزار ملین ڈالر، یعنی ۲۰ کروڑ پونڈ سے بھی زیادہ ہو۔

اس رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہو کہ ۱۹۲۵ء میں جن آدمیوں کی دولت ایک ملین ڈالر سے زیادہ تھی، ان کی تعداد ۲۰۷ ہو۔ لیکن گمان غالب ہے کہ یہ شمار ناقص ہو۔ لوگ، آمدنی کے محصول سے بچنے کے لئے اپنی اصلی آمدنی چھپاتے ہیں۔ ثبوت یہ ہو کہ ۱۹۱۶ء ہی میں ایسے دولتمندوں کی تعداد ۲۰۶ تھی۔ کسی طرح خیال نہیں کیا جاسکتا کہ ۹ سال کی طویل مدت میں، جبکہ دولت کے دروازے ہر طرف سے آمریکہ پر کھل گئے تھے، ایسے دولتمندوں کی تعداد میں صرف ایک کا اضافہ ہوا ہو۔

ذیل کے نقشہ سے آمریکہ کی دولت مندی کا کچھ اندازہ ہوسکے گا:

ڈیڑھ ملین تک سالانہ آمدنی کے مالک	۱۰۴
دو ملین تک سالانہ آمدنی کے مالک	۴۳
تین ملین تک 〃 〃	۲۹
۴ ملین تک 〃 〃 〃	۱۵
۵ ملین تک 〃 〃 〃	۹
۵ ملین سے زیادہ 〃 〃 〃	۷
	۲۰۷

لیکن جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا یہ نقشہ، ناقص ہو۔ تاہم ۵ ملین ڈالر سے زیادہ آمدنی کے مالکوں میں بعض ایسے بھی ہیں جن کی آمدنی ایک کروڑ پونڈ سالانہ سے بھی زیادہ ہو۔ سرکاری روداد میں ان کے نام شائع ہوئے ہیں۔ انہی میں مسٹر فورڈ اور ان کا بیٹا، مسٹر ملن آمریکی وزیر مال، ان کا بھائی، مسٹر ہوٹینی، مسٹر وینڈربلٹ، مسٹر بیکر وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔

ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہو کہ امریکہ میں، دوسرے ملکوں کے برخلاف یہ صورت حال نہیں ہو کہ امیروں کی دولت برابر بڑھتی جائے اور غریبوں کی غربت روز بروز زیادہ ہوتی جائے۔ بلکہ واقعہ یہ ہو کہ امیروں کی دولت بہت آہستہ آہستہ بڑھتی ہو، لیکن غریب جلد از جلد امیر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ مذکورۂ بالا روداد سے معلوم ہوتا ہو کہ معمولی آمدنی رکھنے والے (یعنی جو لوگ آمدنی کا محصول ادا کرتے ہیں) سالانہ ۵ ہزار ڈالر سے زیادہ کما لیتے ہیں۔

روداد کے ایک دوسرے نقشہ سے معلوم ہوتا ہو کہ ۱۹۲۵ء میں حکومت نے حسب ذیل محصول وصول کئے:

اُجرت اور تنخواہ پانے والوں سے:	۴،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰ ڈالر
تجارتی کمپنیوں سے:	۹۷۰،۰۰۰،۰۰۰ 〃
حقوق طباعت خریدنے والی کمپنیوں سے:	۱۸۵۰،۰۰۰،۰۰۰ 〃
سود خوار مہاجنوں سے:	۴۸۵۰،۰۰۰،۰۰۰ 〃

آمریکہ کی دولتمندی کے راگ گانے والوں کے بالمقابل، علمائے اقتصادیات کا ایک گروہ ایسا بھی موجود ہو جو اس دولت کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ اس کی رائے میں آمریکہ کی دولت کسی پائیدار بُنیاد پر قائم نہیں ہو۔ وہ اپنی دلیل میں پچھلے دس گیارہ سال کے اعداد و شمار سے پیش کرتا ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہو کہ آمریکہ میں دولتمندوں کی تعداد نہایت غیر متناسب تعداد میں گھٹتی بڑھتی رہی ہو۔ یہ اس بات کا قطعی ثبوت ہو کہ ملک کی دولت کوئی مستحکم بنیاد نہیں رکھتی۔ وہ اعداد شمار حسب ذیل ہیں:

سنہ	ایک ملین ڈالر سے زیادہ سالانہ آمدنی رکھنے والے
۱۹۱۴	۶۰
۱۹۱۶	۲۰۶
۱۹۲۰	۲۱
۱۹۲۴	۷۵
۱۹۲۵	۲۰۷



مطبوعات الہلال بک ایجنسی

معارف ابن تیمیہ و ابن قیم

دینی علوم کے بیش بہا جواہر ریزے

اس سلسلہ میں ہم نے اماموں کی ان نادر و اعلی درجہ کی بلند پایہ عربی تصانیف کے اردو تراجم کا سلسلہ شروع کیا ہے' جنکا مطالعہ اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروری و ناگزیر ہے - امید کہ یہ "سلسلۂ تراجم" بد نصیب ہندوستان کی دماغی اصلاح کا کام دے :

اُسوۂ حسنہ — امام ابن قیم کی فن سیرت میں شہرہ آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصہ کا اردو ترجمہ - بلا جلد ۲ روپے مجلد اڑھائی روپیہ -

کتاب الوسیلہ — لفظ "وسیلہ" کی بحث کے علاوہ امام ابن تیمیہ نے اسلام کے اصل الاصول "توحید" کی مبسوط بحث کی ہے - بلا جلد اڑھائی روپیہ' مجلد سوا تین روپیہ -

اصحاب صفہ — انکی تعداد' ذریعہ معاش' طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے ہیں دس آنے -

تفسیر سورۃ الکوثر — امام ابن تیمیہ کے مخصوص انداز تفسیر کا اردو ترجمہ - چار آنے -

العروۃ الوثقی — خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ کا فرق بدلائل بیان کیا ہے - چھہ آنے -

سیرت امام ابن تیمیہ — حضرت امام کے ضروری حالات زندگی نہایت خوش اسلوبی سے بیان کیے ہیں - نو آنے

نجد و حجاز — علامہ سید محمد رشید رضاء مصری کی تازہ کتاب کا اردو ترجمہ - سوا روپیہ -

آئمہ اسلام — ترجمہ رفع الملام عن ائمۃ الاعلام - بارہ آنے

خلاف الامۃ — فی العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — یہ ایک علمی' اسلامی' سہ ماہی رسالہ ہے جس کے خریدار کو ہم نے کمال کوشش او کاوش سے اردو' عربی' فارسی' انگریزی' اور دوسری زبانوں کی تمام اہم اور اعلی مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بہم پہنچانے کا اہتمام کیا ہے - اسکے علاوہ آئمہ و اسلام و بزرگان دین کے حالات' لطائف افسانہ' نظمیں اور ممالک اسلامیہ کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے ہوے حالات درج کیے جاتے ہیں - فی پرچہ ۸ آنہ سالانہ ۲ روپیہ پیشگی -

منیجر الہلال بک ایجنسی

(حلقہ نمبر ۲۴ شیرانوالہ دروازہ لاہور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

السحر الحلال فی مجلدات الہلال

گاہ گاہے باز خوان این دفتر پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

اردو صحافت کی تاریخ میں الہلال ہی وہ رسالہ ہے جو اپنی تمام ظاہری اور باطنی خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تھی -

الہلال اگرچہ ایک ہفتہ وار مصور رسالہ تھا' لیکن چونکہ وہ اردو صحافت کی مختلف شاخوں میں اجتہاد نظر و فکر کی نئی روح پیدا کرنی چاہتا تھا' اس لئے اس کا ہر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعہ تھا- اس کے ہر نمبر میں مختلف ابواب' مذہب' سیاست' ادبیات' علوم و فنون' اور معلومات عامہ کے ہوتے تھے- اور اسکا ہر باب اپنی مجتہدانہ خصوصیات کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہوتا تھا- پھر اس کی ظاہری خوبیاں اردو صحافت میں اعلی طباعت و ترتیب کا پہلا نمونہ تھیں- اردو کا وہ پہلا ہفتہ وار رسالہ تھا' جس میں ہاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا' اور ٹائپ میں چھپنے کی وجہ سے بہت سی ایسی خوبیاں پیدا ہوئیں جو پتھر کی چھپائی میں ممکن نہیں- اس کی جلدیں جدید اردو علم ادب کے عامی' مذہبی' سیاسی' اور اجتماعی مواد و مباحث کا بہترین مجموعہ ہیں- ان کی مقبولیت و قدر کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اس کی تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپیہ میں خرید کیا اور حال میں ایک صاحب نے اس کی پہلی جلد مکمل (جو دفتر میں بھی موجود نہیں) ساڑھے چارسو روپیہ میں حیدرآباد سے خریدی ہے- جن لوگوں نے اس کے پرچے بحفاظت جمع کئے ہیں وہ بڑی سے بڑی قیمت پر بھی علحدہ کرنے کیلیے تیار نہیں- پچھلے دنوں "البلاغ پریس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الہلال کے پرچوں کا بھی محفوظ ملا' ہم نے کوشش کی کہ شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کی جاسکتی ہیں مرتب کرلی جائیں اور جن جلدوں کی تکمیل میں ایک دو پرچوں کی کمی ہو انہیں دوبارہ چھپوا لیا جاے -

چنانچہ الحمدللہ یہ کوشش ایک حد تک مشکور ہوئی اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کی جلدیں پوری مکمل ہوگئی ہیں- ہم اس اعلان کے ذریعہ شایقین علم و ادب کو آخری موقعہ دیتے ہیں کہ اس قیمتی ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدی کریں' چونکہ جلدوں کی ایک بہت ہی محدود تعداد مرتب ہوسکی ہے اس لئے صرف انہیں درخواستوں کی تعمیل ہوسکے گی جو سب سے پہلے پہونچیں گی- ہر جلد مجلد ہے اور ابتدا میں تمام مضامین کی انڈکس بہ ترتیب حروف تہجی لگادی گئی ہے -

الہلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیہ — الہلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیہ
" " " چہارم ۱۰ روپیہ — " " " پنجم ۱۰ روپیہ

جلد "البلاغ" (جب دوسری مرتبہ الہلال اس نام سے شائع ہوا) قیمت ۸ روپیہ

علاوہ جلد اول کے ہر جلد کے متفرق پرچے بھی موجود ہیں جن میں سے ہر پرچہ اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعہ علم و ادب ہے- قیمت فی پرچہ ۸ - آنہ - محصول ڈاک و پیکنگ اس کے علاوہ ہے -

منیجر "البلاغ پریس"

دنیا کي بهترین کتابوں کیلئے بهترین رهنما :

ٹائمز اف لنڈن کا ادبي ضمیمه

یه ضمیمه دنیا کي تمام کتابوں پر هفته وار دلچسپ اور وقیع تبصره کرتا ہے -

اسکا معتدل نقد علمي حلقوں میں مسلم ہے -

اس میں چند صفحات وقت کے جاري اور زیر بحث ادبي فوائد پر بهي هوتے هیں جنکي اهمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضه کیجئے که وہ ٹائمز لنڈن کا هفته وار ادبي ضمیمه آپکے لئے مهیا کرے - لیکن اگر آپ چاهیں تو

The Publisher :
Printing House Square
London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے هیں

دنیا کے هر معلم اور ماهر فن تعلیم کیلئے

ضروري ہے که

ٹائمز اف لنڈن کا تعلیمي ضمیمه مطالعه کرے

اگر آپ چاهتے هیں که فن تعلیم کے تمام نظري اور عملي تغیرات و ترقیات سے بے خبر نه رهیں ' تو آپکو یه ضمیمه بلا ناغه مطالعه میں رکهنا چاهیے -

یه هر هفته اس موضوع پر تمام اهم خبریں اور مباحث جمع کردیتا ہے - ماهرین فن اور مشاهیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب هوتے هیں -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے -

ورنه

The Publisher,
Printing House Square
London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے هیں -

Printed and Published by
Masud Hasan Zuberi at The Al-Balagh Press, 11, Ballygunge Circular Road, Calcutta
Editor : Maulana Abu-al-Kalam Azad.

١٩٢٧

نمبر ١٤

جلد ١

الهلال

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت ٥ ـ آنہ

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين
القرآن الحكيم

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ١٤ | کلکتہ : جمعه ١٩ ـ ربیع الاول ١٣٤٦ ھجری | جلد ١

Calcutta : Friday, 16, September 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعة نہین رکھتی ۔
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔
پتھر کی چھپائی مین محدود رہکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی ہین ، وہ ہین جن مین الہلال چھپتا ھی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ھی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ہین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاہین پسند کر لین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ہمین اطلاع دیجیی ۔ یاد رکھیی ۔ طباعة کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اہم مسئلہ ھی ۔ ضروری ھی کہ اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ۔
الہلال

قارئین الہلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ١١٢٠ مراسلات وصول ہوی ہین ۔ تقسیم آراء حسب ذیل ھی :

عربی حروف کی حق مین	١٩٧	اردو حروف کی حق مین	٢٩٩
موجودہ مشترك طباعة کی حق مین	٣٠٤	حروف کی حق مین بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	٢١٥	نستعلیق ہون	١٠٥

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ھی ۔

آراء کی دیکھنی سی معلوم ہوا کہ اس باری مین بعض اہم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین ھی ۔ اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت ھی ۔ آیندہ اس باری مین مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر کرینگی مگر ضرورت ھی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین ۔
الہلال

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنين (القرآن الحكيم)

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ١٤ — کلکته : جمعه ١٩ . ربیع الاول ١٣٤٦ هجری — جلد ١

Calcutta : Friday, 16, September 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نهین ؟

آج کوئی زبان ترقی نهین کر سکتی اگر وه اپنا ترقی یافته طریق طباعة نهین رکھتی .
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نهین که حروف کی چهپائی اختیار کی جای .
پتھر کی چهپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نهین کر سکتی .

اردو کی سب سی بهتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وه هین جن مین الهلال چهپتا هی . اور عربی کا بهترین خط نسخ وه هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گی هین . آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین . لیکن پتھر کی چهپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین .

براه عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی . یاد رکھیی . طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیاده اهم مسئله هی . ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین .

الهلال

قارئین الهلال کی آراء

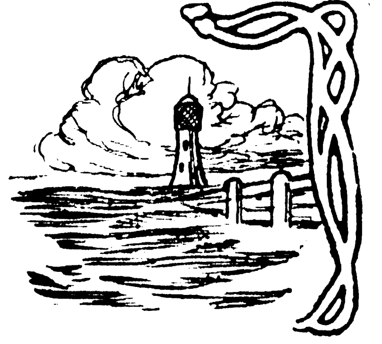
اس باری مین اس وقت تك ١١٢٠ مراسلات وصول هوی هین . تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین	١٩٧	اردو حروف کی حق مین	٢٩٩
موجوده مشترك طباعة کی حق مین	٣٠٤	حروف کی حق مین بشرطیکه	
پتھر کی چهپائی کی حق مین	٢١٥	نستعلیق هون	١٠٥

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاهر کیا هی .

آراء کی دیکھنی سی معلوم هوا که اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نهین هی . اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت هی . آینده اس باری مین مولانا به تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی مگر ضرورت هی که بقیه حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین .

الهلال



بریدِ فرنگ



مکتوب فرانس

انگلستان اور فرانس کي کشمکش - فرانس میں شاهي دعاية - عورتوں کیلیے جبري فوجي خدمت - عورتوں کے سیاسي حقوق

(الهلال کے مقاله نگار مقیم پیرس کے قلم سے)

اِدهر چند سال سے فرانس اور انگلستان کے تعلقات برابر خراب هوتے چلے جا رهے هیں - انگلستان دیکھتا هے که جرمني کي تباهي کے بعد اُسکے اصلي اور زبردست دشمن دو هیں : روس اور فرانس - روس اُسکي ملک گیري کا دشمن هے ' اور فرانس دنیا کے هر خطه میں اُسکي ملک گیري کا شریک بننا چاهتا هے - یهي وجه هے که انگلستان نے بیک وقت دو سیاسي میدان جنگ قائم کر دیے هیں - ایک میں روس سے نبرد آزمائي کر رها هے - دوسرے میں فرانس سے -

فرانس کو زک دینے کے لیے انگلستان نے یه تدبیر کي هے که اُسے یورپ میں اُسکے تمام دوستوں اور حامیوں سے محروم کر دیا هے - اِس وقت فرانس بالکل بے یار و مددگار هے - انگلستان کي یه قدیم حکمت عملي هے که وه حریف کے مقابله میں بذات خود بهت کم آتا هے - دور سے دوسروں کو شه دیتا اور نئے نئے دشمن اپنے حریف کے سامنے کھڑے کرتا رهتا هے - اِس وقت بھي اُسکا یهي طرز عمل هے - مدت تک فرانس کا سامنا جرمني سے رکھا - اب اُس کي تباهي کے بعد اٹلي کو کھڑا کر دیا هے - فیشیسزم نے اٹلي کو دیوانه بنا دیا هے اور وه ناعاقبت اندیشانه انگلستان کا چیلا بن گیا هے -

اٹلي پر افسوں پھونک چکنے کے بعد انگلستان نے هنگري ' رومانیا ' بلغاریا ' یونان ' اسپین ' لیتھونیا ' استھونیا ' اور فنلینڈ کو بھي ملا لیا - صرف پولینڈ ابتک فرانس کے زیر اثر تھا مگر آج کل سر آسٹن چمبرلین اُسے بھي مسحور کر رهے هیں ' اور با خبر لوگوں کو یقین هے که امروز فردا میں پولینڈ بھي انگریزي جال میں پھنس جائیگا -

اِس صورت حال نے فرانس کو سخت بد حواس کر ڈالا هے - فرانسیسي مدبر اور اخبار بري طرح انگلستان کو گالیاں دے رهے هیں - اُنهیں صاف نظر آ رها هے که بحر متوسط میں انگلستان اُن کي قوت کس طرح مفلوج کر رها هے اور اٹلي کو آگے بڑھا کر اُنکي قومي هستي کے لیے سخت خطرے پیدا کر دیے هیں -

اخبار " طان " نے اِس هفته ایک افتتاحیه شایع کیا هے اور اُس میں انگلستان پر بهت لے دے کي هے - وه لکھتا هے :

" برطانیا یقین کرتا هے که اِس وقت دنیا کے امن اور جنگ ' دونوں کي کنجیاں اُسي اکیلے کے هاتھه میں هیں - اُس نے خفیه معاهدوں کي قدیم سنت پھر زنده کي هے اور پورے یورپ میں سازشوں کا جال پھیلا دیا هے - اِس وقت فرانس کو پس پشت ڈال کر اُسکا اعتقاد اٹلي پر هے - اٹلي کي رضامندي وه هر قیمت پر خرید رها هے - لیکن یه قیمت وه اپني جیب سے ادا نهیں کرتا ' بلکه دوسروں کي جیب پر سودا کرتا هے - سان ریمو کانفرنس سے پہلے هي انگلستان نے اٹلي کو ایشیا ئے کوچک کا ایک وسیع علاقه رشوت میں پیش کیا تھا - لیکن ترکي کي قوت نے اٹلي کے حوصلے پست کردیے - پھر جنیوا کانفرنس سے پہلے اُس نے اٹلي کو فرانس کے برابر بحري قوت رکھنے کا حق دے دیا - پھر لنڈن کانفرنس سے پہلے اٹلي کو ٹیرول کا معاوضه اور تجارتي مراعات دیکر اپنا کرلیا تھا - سنه ١٩٢٤- کے ختم هونے سے پہلے هي گوبلینڈ کا علاقه اٹلي کو دیدیا گیا - اکتوبر سنه ١٩٢٥- میں لوکارنو کا معاهده هوا - اِس میں اٹلي کو فرانس سے بالا ترجگهه دي گئي - ٥ دسمبر سنه ٢٥- کو اٹالین طرابلس میں کفره اور جغبوب ' سنوسیوں کے متبرک شهر بھي شامل کردیے گئے - ابھي پورا مهینه بھي گزرنے نه پایا تھا که ٢٩ دسمبر کو افریقا اور ایشیا میں اٹالین مطالبات پر " دوستانه غور " کیا گیا - اِس کے ایک مهینه بعد ٢٧- جنوري سنه ٢٦ کو اٹلي کے جنگي قرضه میں سے ایک بهت بڑي رقم معاف کردي گئي - ١٦ اپریل سنه ٢٦ کو اٹالین علاقه اریٹرا اور بھي زیاده وسیع کر دیا گیا اور حبش کي بانٹ میں اٹلي کا ساجھا بھي تسلیم کرلیا گیا - پھر ٧- اگست میں اٹلي اور اسپین کے ما بین معاهده کرایا گیا اور انگریزي مدبروں نے اعلان کیا که یه معاهده بحر متوسط میں سیاسي توازن کي بهترین ضمانت اور فرانس کي گردن دبانے کا عمده ذریعه هے - پھر ٢٠ دسمبر سنه ٢٦ کو جب که اٹلي اور فرانس کے تعلقات نهایت کشیده تھے ' جرمني اور اٹلي میں معاهده پر دستخط ثبت کرا دیے گئے - یه معاهده در حقیقت هجومي دفاعي معاهده هے اور اِس نے فرانس کي سلامتي کے لیے شدید خطره پیدا کر دیا هے - اِسکے ایک مهینه بعد ٢٠- جنوري سنه ٢٧- کو بحر احمر کے عربي سواحل کي تقسیم هوئي اور اٹلي نے جو کچھه مانگا ' انگلستان نے بخوشي دیدیا "

" اٹلي کي یه خوشامد ' محض موسولیني کي سیاه آنکھوں کے لیے نهیں هے - در اصل انگلستان اُسے فرانس کے سر پر اُسي طرح سوار کرنے کي فکر میں هے ' جس طرح اب سے پہلے جرمني کو مدتوں سوار رکھه چکا هے - انگلستان نے یورپ کي تقریباً تمام چھوٹي بڑي سلطنتوں کو پھسلا کر اپنے هاتھه میں لے لیا هے اور فرانس کو چھوت بنا کر الگ کردیا هے ... "

اِس ایک اقتباس هي سے فرانس اور انگلستان کے تعلقات کي موجوده نوعیت معلوم کر لي جاسکتي هے اور اندازه هو سکتا هے که اِس وقت یورپ کي سیاست کس طرف جا رهي هے ؟

یه بات نہیں ہے که انگلستان کي نیش زني کے مقابله میں فرانس خالي بیٹھا شکوے شکایت هي کر رها هو - اِس سیاسي جنگ میں وہ بھي اپني تمام قوت و قابلیت صرف کر رها ہے - بلاشبه اِس وقت یورپ میں اُسے بڑي حد تک شکست اٹھاني پڑي ہے - لیکن اُسنے اِس شکست کا بدله انگلستان سے مشرق قریب و بعید میں لے لیا ہے - ترکي کي طرفداري کرکے اُس نے برطانیا کو سخت نقصان پہنچایا ہے - اور اب چین میں بھي برطانیا سے مختلف روش اختیار کرکے اُسے ایسي زک دي ہے که مدتوں نه بھولے گا -

مسیو بریاں وزیر خارجیۃ نے حال هي میں مسئلۂ چین پر ایک طویل تقریر کي ہے - اُن کے یه الفاظ خاص طور پر قابل غور هیں :

" چین کا مسئله اِس وقت دنیا کا سب سے زیادہ پیچیدہ مسئله ہے اور اُس نے " بعض " سلطنتوں کو بري طرح بد حواس کر ڈالا ہے - مگر اِس بارے میں فرانس نے ایک بالکل صاف اور ٹھوس مسلک قرار دے لیا ہے - وہ مسلک یه ہے که هم چیني انقلاب کي راہ میں کوئي رکاوٹ پیدا نہیں کرینگے - چیني قوم پرست اچھي طرح دیکھ چکے هیں که فرانس اُن کا کیسا قدردان اور مداح ہے - یہي وجه ہے که فرانس کے جمله حقوق چین میں بالکل محفوظ هیں - حالانکه " بعض " دوسري سلطنتوں کو اپنے حقوق بچانے کے لیے فوجیں بھیجنا پڑي هیں - هم چین کو یقین دلاتے هیں که هماري طرف سے اُس کے لیے نه تو جنگ کا خطرہ ہے ' نه هم اُس کي راہ میں کوئي روڑا اٹکانا چاهتے هیں "

(فرانس میں شاهي)

اِس وقت فرانس میں سخت اندروني خلفشار موجود ہے - قوم تین بڑے گروهوں میں بٹ گئي ہے - ایک جماعت موجودہ جمہوري نظام کي حامي ہے اور یہي سب سے بڑي جماعت ہے - دوسري جماعت اشتراکیوں کي ہے - وہ چاهتي ہے اشتراکي نظام قائم هو جائے - تیسري شاہ پسند ہے اور شاهي کا اُلٹا هوا تخت پھر از سر نو بچھانا چاهتي ہے -

یه تاریخي حقیقت ہے که انقلاب کے بعد سے اِس وقت تک کوئي زمانه بھي فرانس پر ایسا نہیں گذرا که شاہ پسند جماعت موجود نه رهي هو - ڈیوک دي اورلیاں کا خاندان برابر تخت شاهي کا دعوے دار رها - آجکل شاہ پسندوں میں پھر حرکت پیدا هوئي ہے اور اُنھوں نے بڑي سرگرمي سے اپني دعایة شروع کردي ہے - گزشته هفته کونٹ دي بلوا نے اخبارات میں ایک پر زور مضمون شایع کیا ہے اور اُس میں یه ثابت کرنے کي کوشش کي ہے که بالشویک خطرے کے استیصال اور یورپ کي تمام مشکلات کے حل کي حقیقي صورت یہي ہے که فرانس کي موجودہ جمہوریت توڑ دي جائے اور شاهي حکومت قائم هو - کونٹ نے تخت شاهي کیلیے ڈیوک دي گیز کا نام بھي پیش کیا ہے جو قدیم خاندان شاهي کا ایک بڑا رکن اور في الحال بادشاهي کا دعویدار ہے -

(عورتوں کي فوجي بھرتي)

فرانسیسي حکومت بہت بڑے پیمانه پر جنگي طیاریاں کر رهي ہے - حال میں اُسنے ایک مسودۂ قانون پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا ہے - اِس سے مقصود فرانسیسي عورتوں کو فوجي خدمت پر مجبور کرنا ہے - اِس تجویز نے تمام ملک میں بیچیني پیدا کردي ہے - عورتوں میں ناراضي عام ہے اور مردوں کي بھي بہت سي انجمنیں برهمي کا اظهار کر رهي هیں -

عورتوں کي انجمن نے اِس تجویز پر دو اهم اعتراض کیے هیں : ایک یه که اِس معامله پر غور کرتے وقت عورتوں سے رائے نہیں لي گئي - دوسرے یه که فرانسیسي عورت ابتک اپنے سیاسي حقوق سے محروم ہے - چنانچه اُسے مجالس حکومت ' بلدیه ' اور مجالس ضلع وغیرہ نمائندہ مجلسوں میں انتخاب کا حق نہیں دیا گیا ہے -

عورتوں کي مشہور زعیم مادام میزم نے اخبارات میں احتجاجي مضمون شایع کیا ہے - وہ لکھتي ہے :

فرانسیسي عورت ' وطن مقدس کي خدمت سے جي نہیں چراتي - لیکن جبکه اُسے مردوں کے برابر حقوق دینے سے انکار کیا جاتا ہے تو اُس پر مردوں سے زیادہ بوجھه ڈالنا کیوں کر جائز هو سکتا ہے ؟ فرانسیسي عورت اگر اور کوئي خدمت انجام نه بھي دے ' جب بھي اُسکي یه خدمت کیا کم ہے که وہ وطن کے لیے مجاهد پیدا کرتي ہے ؟ اُسکي یہي ایک خدمت اور اِس خدمت کي شدید تکلیفیں اُسے مردوں کے هم پله کر دیتي هیں - پھر فوجي خدمت کا ایک نیا بوجھه اُسکے سر پر ڈال کر اُسکے مصائب میں کیوں اضافه کیا جاتا ہے ؟"

نیز یہي خاتون لکھتي ہے :

" عورتوں سے فوجي خدمت لیکر حکومت فرانس ' ملک کو ساري دنیا میں بدنام کرنا چاهتي ہے - اِس وقت جبکه تمام سلطنتیں جنگي طیاریاں کم کرنے پر غور کر رهي هیں' هماري حکومت ایک نئي طیاري کا اضافه کرنے پر تلي هوئي ہے - حکومت کي یه تجویز لندن اور هیگ کے معاهدوں کے بالکل خلاف ہے - هم هرگز قبول نہیں کر سکتے که همارا ملک فوجي چھاؤني بن جائے "

(عورتوں کے سیاسي حقوق)

حکومت فرانس کي اِس تجویز نے عورتوں میں اپنے حقوق حاصل کرنے کا ایک نیا ولوله پیدا کردیا ہے - اُنھوں نے باضابطه کوشش شروع کردي ہے - تمام سیاسي پارٹیوں سے اُنھوں نے درخواست کي ہے که حق انتخاب همیں بھي دیا جائے ' ورنه هم تمام ملک میں شورش برپا کر دینگے -

فرانس کي عورتوں کا سب سے بڑا استدلال دوسرے ملکوں کي حالت سے ہے - وہ کہتي هیں ' دنیا کے تمام متمدن ملکوں میں عورتوں کو حق انتخاب حاصل هو گیا ہے - پھر ایک اکیلے فرانس کي عورتیں اُس سے کیوں محروم هیں ؟ حالانکه سب سے پہلے فرانس هي نے جمہوریت کا علم بلند کیا تھا -

عورتوں کي یه حجت قوي ہے - کیونکه واقعي اکثر متمدن ملکوں میں عورتوں کو انتخاب میں شرکت کا حق حاصل هو گیا ہے - چنانچه ڈنمارک میں یه حق سنه ۱۹۱۵ع میں حاصل هوا - روس میں سنه ۱۹۱۷- میں - هولینڈ ' یوکرین ' استھونیا ' لتھونیا ' آیرلینڈ اور برطانیا میں سنه ۱۹۱۸- میں - برطانوي قانون کے الفاظ یه هیں "تمام سیاسي حقوق هر اُس عورت کو حاصل هیں جو تیس سال کي عمر رکھتي ہے ' شادي شدہ ہے ' یا اپنے نام سے کرایۂ مکان ادا کرتي ہے ' یا یونیورسٹي کي سند رکھتي ہے " سویڈن ' ناروے ' آسٹریا ' زیکوسلاویا ' هنگري ' اور جرمني کي عورتوں کو یه حق سنه ۱۹۱۹- میں حاصل هوا - اهل بلجیم ' ٹرنسوال ' آسٹریلیا ' نیوزي لینڈ ' اور ولایات متحدہ امریکا کو سنه ۱۹۲۰ع میں -

ظاهر ہے اِس صورت میں فرانس کي عورتیں اپني محرومي پر کیونکر صبر کر سکتي هیں ؟



قانون کی تنقید اور قانون کی توہین

تاریخ قوانین مدنیة کا ایک صفحہ

وکٹر ہیگو کی تقریر اپنے لڑکے کی حمایت میں

(۲)

" یہ ایک منحوس قانون ہے - یہ قانون ' دنیا کے سامنے ایسے مناظر پیش کرتا ہے جو ادب و حیا سے بالکل خالی ہیں - انسانیت ' شرم و ندامت سے اپنا منھہ چھپا لیتی ہے - خطرناک مناظر ! وحشیانہ مناظر ! یہ قانون ' انسانیت کو وحشت کی طرف واپس لے جانا چاہتا ہے - اُس کی قربانیاں کتنی ہی کم ہوں ' مگر حد سے زیادہ خوفناک ہوتی ہیں ! اُس کے نتائج کتنے ہی ہولناک ہوں ' مگر وہ انسانوں کو نکتہ چینی کی اجازت دینا نہیں چاہتا - اگر کوئی حساس ضمیر رکھنے والا نکتہ چینی کی جرأت کرتا ہے ' تو اُس کی جرأت " قانون کی توہین " خیال کی جاتی ہے - اور وہ عدالت کے اندر مجرموں کے کٹھرے میں کھڑا کیا جاتا ہے !

" پھر اِس کے بعد ؟ جرمانہ ! اِس کے بعد ؟ قید خانہ !

" اگر یہی ہے تو آئیے ' ہم پارلیمنٹ بند کردیں - مدرسے بند کردیں - اب ترقی و تمدن کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں رہی - آئیے ' اب ہم اپنے آپ کو " تاتار " اور " تبتی " کہیں - اب ہم متمدن قوم باقی نہیں رہے -

" ہاں اب ہمارے لیے یہی اولی ہے کہ اپنے آپ کو نیم وحشی یا خالص وحشی قوم کہیں - اگر دنیا میں کبھی فرانس نامی کوئی ملک موجود تھا ' تو اب وہ موجود نہیں رہا - تم نے فرانس کو بدل ڈالا ہے - بلا شبہ فرانس ' شاہ پسند نہیں ہے - لیکن میں دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ جمہوری بھی نہیں ہے - اب وہ اِن دونوں کے سوا کچھہ اور ہوگیا ہے ! (قہقہہ)

جج — میں دوبارہ تنبیہ پر مجبور ہوں - میں خاموشی کی درخواست کرتا ہوں ' ورنہ ایوان کے خالی کردینے کا حکم دوں گا -

وکٹر ہیگو — (تقریر جاری رکھتے ہوئے) آئیے ہم واقعات پر غور کریں - الزام کو حقائق پر منطبق کریں -

" محترم جج اور جیوری ! ایک وقت اسپین میں محاکم تفتیش تھے ' اور وہی " قانون " تھے . . . بہت خوب - لیکن مجھے یہ کہنے دیجیے کہ جو ہولناک سزائیں یہ محاکم تفتیش دیا کرتے تھے ' اُن سزاؤں کا احترام قانون کا احترام نہیں تھا - ایک زمانہ میں ہاتھہ کاٹنا قانون تھا ' لیکن ہاتھہ کٹنے کی کبھی تعظیم نہیں کی گئی - ایک زمانہ میں آگ سے داغنا ' قانون تھا ' مگر اِس فعل کی تقدیس کبھی قانون نہ تھی - اب ہمارے زمانے میں گلوٹین ' قانون ہے . . . بہت خوب . . . میں دعوے سے اِس حقیقت کا اعلان کرتا ہوں کہ اگرچہ آج گلوٹین قانون ہے ' مگر خود گلوٹین کی کبھی تعظیم نہیں کی گئی اور نہ اس وقت کی جا رہی ہے - میرے آقا ' سرکاری وکیل ! یہ کیونکر ؟ میں ابھی آپ کو اِس سوال کا جواب دیے دیتا ہوں -

" میں کہتا ہوں اس ملک کے باشندے گلوٹین کو بھی نفرت و کراہیت کے اُسی گڑھے میں پھینک دینا چاہتے ہیں ' جس میں اب سے پہلے ' ساری جہان کی تحسین و آفرین کے غلغلہ کے ساتھہ ' آگ سے داغنے ' ہاتھہ کاٹنے ' اور محاکم تفتیش کی سزاؤں کو ابد الاباد تک کے لیے پھینک چکے ہیں -

" باشندے چاہتے ہیں ' عدالت کے بلند اور مقدس چبوترے پر سے اِس سڑے ہوئے منحوس قانون کی لاش اٹھا پھینکیں - کیونکہ یہ عدل و انصاف کے نورانی چہرے کو اپنی تعفن اور ظلمت سے بگاڑ رہا ہے . . . . آہ . . . جلاد کا منحوس چہرہ . . . . !

" چونکہ ہم یہ انسانی فرض ادا کرنا چاہتے ہیں اِس لیے ہم پر شورش پھیلانے کا الزام لگایا جاتا ہے -

" ہاں بے شک ہم نہایت خطرناک لوگ ہیں - حد سے زیادہ خوفناک لوگ ! کیوں ؟ اس لیے کہ ہم گلوٹین کی منسوخی چاہتے ہیں . . . ! اس سے بھی بڑھ کر کوئی جرم دنیا میں موجود ہے ؟

اخبار . . . . اِل کے محرر پر الزام ہے کہ اُسنے قانون کا احترام نہیں کیا - حضرات ! تھوڑی دیر کے لیے ہم اِس قانون کی عبارت میں ' بحث سے الگ ہو جائیں ' اور پورے خشوع و خضوع کے ساتھہ اُس قانون کے سامنے کھڑے ہوں جو ہر قانون کی بنیاد ہے - انسانی ضمیر کے سامنے ' جو ہر سینے میں محفوظ ہے !

جب " سروَن " نے ' جو اپنے عہد میں سرکاری وکیل تھا ' یہ کہا تھا کہ " ہمارے تعزیری قوانین ' الزام کے دروازے کھولتے مگر ملزم کیلیے بند کرتے ہیں " تو کیا اُس نے یہ کہہ کر قانون کی توہین کی تھی ؟

" جب والٹیر نے اپنے زمانے کے ججوں کی نسبت کہا تھا " . . . اِن ججوں کا ذکر نہ کرو - اِن میں سے آدھے بندر ہیں اور آدھے چیتے " (قہقہہ) تو کیا اُس نے قانون کی توہین کی تھی ؟

" جب " رویر کولر " نے ایک قانون کے متعلق خود پارلیمنٹ میں گلا پھاڑ کر کہا تھا " اگر تم یہ قانون بناتے ہو تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اسے توڑ دونگا " تو کیا یہ کہہ کر اُس نے قانون کی توہین کی تھی ؟



صحيح بخاري کا ايک تاريخي نسخه

(مجد الدين فيروز آبادي اور دولة رسوليه)

انسان کي طرح کتابوں کي بهي زندگي هے - جس طرح انسان پر پيدايش و موت ' اقامت و سفر ' غربت و هجرة ' اور عروج و زوال کے حوادث و ايام گزرتے هيں ' ٹهيک اسي طرح کے حوادث و ايام سے فکر انساني کي اِن کاغذي مخلوقات کي تاريخ بهي مرتب هوتي هے - ايک شخص دنيا کے کسي خاص حصے ميں پيدا هوتا هے' ليکن سيلاب حوادث اچانک اُسے دنيا کے ايک دور دراز حصے ميں پهنچا ديتے هيں جسکا اُسے کبهي وهم و گمان بهي نه هوا هوگا - يهي حال دنيا کي مشهور و معروف کتابوں اور اُن کے تاريخي نسخوں کا بهي هے - سينکڑوں هزاروں کتابيں اور اُن کے نسخے آج دنيا کے مختلف حصوں ميں موجود هيں - اگر اُن کي تاريخي حيات پر نظر ڈالي جائے' تو انقلاب و حوادث عالم کي ايک عجيب و غريب داستان نماياں هوجايگي - نهيں معلوم انتقال اور تغير کي کيسي کيسي منزلوں سے گزرنے کے بعد ' وه اپنے مولد و منشاء کي جگه ' ان مقامات ميں آج پناه گزيں هو سکے هيں - بهت ممکن هے که ايک کتاب اب سے ايک هزار برس پہلے دنيا کے کسي ايک گوشه ميں پيدا هوئي هو' اور آج دس صديوں کے اُن انقلابات و تغيرات کے بعد جن سے بے شمار ملکوں اور قوموں کي موت و حيات اور عروج و زوال کي داستانيں وابسته هيں ' دنيا کے ايک دوسرے انتہائي گوشه ميں پهنچ گئي هو !

(ايک نسخه کي سوانح حيات)

شيخ ابو اسماعيل ازدي نے دوسري صدي هجري کے وسط ميں فتوح الشام کي روايات جمع کيں - صاحب ابن عباد نے چوتهي صدي هجري ميں اپنے خزانۂ کتب کے ليے اُس کا نسخه ابن فارس امام لغة و عربية کي زير نگراني و تصحيح لکهوايا - پانچويں صدي ميں يه نسخه نهيں معلوم حوادث و تغيرات کي کتني منزليں طے کرکے غزني پهنچا ' اور سلاطين غزنويه کي مواهير اُس پر ثبت هوئيں - پهر غزني سے نکل کر دشت غربت و مهاجرت کي نئي نئي منزليں طے کيں ' اور تمام بلاد ايران و عراق طے کرکے مصر جا پهنچا ' چنانچه ساتويں صدي کے اواخر ميں شيخ ابو يعلى مصري کا دستخط اُس پر ثبت هوا ' اور نصف صدي تک اسي سر زمين ميں مقيم رها - پهر اُس کے بعد يهي نسخه يمن پهنچتا هے ' اور کتب خانۂ شاهي کي مهر اس پر ثبت هوتي هے - نيز بعض سلاطين يمن اسي نسخے پر اسکي قرات و درس کي اجازت اپنے شيوخ سے ليتے هيں - پهر يمن سے يه نسخه نکلتا هے' اور کالي کٹ (مالا بار) پهنچتا هے ' مگر وهاں کي آب و هوا راس نهيں آتي' اور تهوڑے هي عرصه کے بعد دکن پهنچکر سلاطين عادل شاهي کا مهمان هوتا هے - يهاں عرصه تک مقيم رهتا هے ' ليکن اُس کے بعد پهر طرح طرح کے تغيرات و حوادث پيش آتے هيں - يهانتک که بالاخر يه نسخه سنه ۱۷۹۹ - ميں ايک فرانسيسي کے هاتهه لگتا هے اور اب پيرس کے قومي کتب خانے ميں محفوظ هے !

کتاب عراق ميں پيدا هوئي ' رے ميں لکهي گئي ' غزني ميں مقيم هوئي ' غزني سے مصر پهنچي ' مصر سے يمن ' يمن سے مالا بار ' مالا بار سے بيجا پور ' بيجا پور سے پانڈي چري ' پانڈي چري سے ايشيا اور يورپ کے تمام بري اور بحري فاصلے طے کرکے پيرس دار الحکومت فرانس ميں !

به بيں تفاوت ره از کجاست تا بکجا ؟

(هندوستان کا گذشته دور علم)

اِس سلسله ميں هندوستان کا پچهلا دور علم خصوصيت کے ساتهه قابل ذکر هے - يه ملک عربي و اسلامي تمدن کے تمام بڑے بڑے مرکزوں سے بعيد و مهجور تها - دمشق ' بغداد ' قاهره ' اندلس ' خوارزم ' شيراز ' رے ' اصفهان ' يمن ' وغيره ممالک ' عربي و اسلامي تمدن کے وقتاً فوقتاً مرکز رهے ' ليکن هندوستان ان ميں سے کسي ملک سے بهي متصل اور قريب نه تها - تاهم هندوستان ميں وقتاً فوقتاً علوم عربية و اسلاميه کے جيسے جيسے عظيم الشان ذخيرے جمع هوے ' اور عربي علوم کے اصولي نسخوں اور امهات نقل و کتابت کا جيسا قيمتي سرمايه فراهم هوا ' وه کسي طرح بهي اسلامي تمدن کے مرکزي مقامات سے کمتر قرار نهيں ديا جاسکتا ' اور هندوستان کے امراء و علماء کي علمي قدر دانيوں اور علمي مساعي کي حيرت انگيز شهادت بهم پهنچاتا هے - گذشته نو صديوں کے اندر بے شمار ملکي انقلابات پيش آے - هر انقلاب ميں علم و تمدن کا پچهلا ذخيره برباد هوا ' اور نئے ذخيروں کي از سر نو بنيادين پڑيں - خصوصاً سترهويں صدي کے اوائل سے ليکر غدر سنه ۵۷ ع کي انقلابي بربادیوں تک کا زمانه تو علمي ذخائر کي تباهيوں کا ايک مسلسل دور تها - بلا مبالغه کها جا سکتا هے که جونپور ' مالوه ' دکن ' دهلي ' آگره ' لکهنو ' اور مرشدآباد ميں نو سو برس کے اسلامي تمدن نے جس قدر ذخائر علم جمع کيے تهے ' اُن کا دو تهائي حصه يکقلم برباد هوگيا ' اور ايک تهائي حصه جو باقي رها ' اُس کا بهي بڑا حصه منتشر هوکر يا تو يورپ پهنچ گيا ' يا گمنام اور مجهول گوشوں ميں نا پيد هوگيا - با ايں همه آج بهي هندوستان کي فراهم شده کتابوں کا جس قدر سراغ خود ملک کے اندر يا ملک سے باهر لگ سکتا هے ' اُس سے هم اسکي عظمت و کثرت کا وثوق کے ساتهه اندازه لگا سکتے هيں - عربي و اسلامي علوم و فنون کي کوئي شاخ بهي ايسي نهيں هے جس کي امهات کتب کے اصولي نسخے (يعني وه نسخے جو يا تو مصنف کے هاتهه کے لکهے هوے تهے ' يا آئمه فن کے درس و مطالعه ميں ره چکے تهے اور اسليے نقل لينے کے ليے زياده مستند سمجهے جاتے تهے ' يا اسي طرح کي کوئي اور اهميت رکهتے تهے) هندوستان نه پهنچے هوں ' اور نه صرف سلاطين و امراء کے کتب خانوں ميں' بلکه ايک ايک قصبه اور قريه کے اندر اُن کي بڑي تعداد موجود نه هو - قران مجيد ' صحاح سته ' معاجم و مسانيد ' تفاسير و شروح ' امهات اصول و فقه ' تاريخ و علوم کے وه نسخے جو سلاسل علم کے آئمه و اکابر نے حجاز ' عراق ' مصر '

خوارزم ' بلاد فارس ' اور مغرب و اندلس میں لکھے گئے یا انکی تصحیح کي گئي تھي ' نه صرف دهلي و آگره کے شاهي کتب خانوں میں بلکه جونپور اور اودھ کے قریوں تک میں موجود تھے - یاقوت مستعصمي کے لکھے هوے مصاحف ' رے اور شیراز کے مجمع قراء و حفاظ کے مصححه قرآن ' حفاظ حدیث کے لکھے هوے یا املاء شده مجامیع حدیث ' حافظ ابن صلاح اور نو وي جیسے اکابر حدیث کے دستخطي صحیحین ' حافظ ابو الحجاج مزي اور امام ذهبي کي مصححه صحاح سته ' حافظ ابن حجر اور انکے معاصرین کي خود نوشته مصنفات ' آگره اور دهلي میں اسي طرح ملتی تھیں ' جس طرح بغداد اور قاهره میں مل سکتي تھیں !

(پانچ نسخے)

هندوستان کے مختلف گوشوں میں اب بھي اس پچھلے دور علم کے نشان قدم باقي هیں - حیرت هوتي هے که علم و فن کے اُن ذخائر کي کثرت و عظمت کا کیا حال هوگا ' جو اتني بربادیوں کے بعد بھي بے نام و نشان نه هو سکے ؟

هم چاهتے هیں' اس سلسله میں بعض تاریخي نسخوں کا ذکر کریں - بالفعل پانچ نسخوں کي تاریخ پیش نظر هے - یه وه نسخے هیں جن میں سے کسي کي زندگي پانچ صدیوں سے کم نہیں هے اور جن پر انقلاب و حوادث ایام کے بڑے بڑے دور گزر چکے هیں :

(۱) جامع صحیح بخاري کا نسخهٔ رسولي مصححهٔ و درسیهٔ شیخ مجدد الدین فیروز آبادي صاحب قاموس و سفر السعادة -

(۲) صحیح مسلم کا نصف اخیر مصححهٔ حافظ ابن الصلاح صاحب مقدمه - و درسیهٔ حفاظ مدرسهٔ اشرفیهٔ قاهره -

(۳) کتاب زاد الرفاق صلاح الدیــن الابیــوردي (المتوفي سنه ۵۵۷ ھ) مصححــهٔ مصنف جس پر قاضي الفاضل یعنے قاضي عبدالرحیم بن علي وزیر سلطان صلاح الدین ایوبي کا دستخط ثبت هے -

(۴) تاریخ مکه ابوالفرج عبدالرحمن بن علي الجوزي - مصححهٔ شمس الدین یوسف سبط ابن الجوزي -

(۵) مقامات حریري کا نسخه غرناطه جو امیر ناصر الدین عسقلاني (المتوفي سنه ۷۳۳ ھ) کے کتب خانه میں داخل هوا - پھر سنه ۹۷۰ میں دکن پہنچا ' اور دکن سے ایک شائق علم شیخ محمد یوسف نامي نے حاصل کیا -

(جامع صحیح بخاري نسخهٔ رسولي)

آج هم صحیح بخاري کے نسخهٔ رسولي کے آخري صفحه کا عکس مع مختصر تشریحات کے شائع کرتے هیں - یه نسخه مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان صاحب رئیس دهلي کے کتب خانه میں موجود هے - اس نسخه کي تاریخي نوعیت حسب ذیل هے :



(۱) اصل نسخه بغداد میں لکھا گیا هے اور وهاں درس و املاء میں رہ چکا هے -

(۲) بغداد سے شام پہنچا ' اور متعدد علماء و حفاظ حدیث نے املاء و درس کے وقت اسکي تصحیح کي اور جابجا بین السطور اور حواشي میں اختلاف رواۃ و نسخ کي نسبت فوائد و منهیات کا اضافه کیا -

(۳) شام سے یه نسخه غالباً مصر پہنچا' اور خاندان رسولي کے امراء مقیمین قاهره کے هاتھه لگا - جب وہ یمن پر قابض هوے تو اُن کے ساتھه یمن پہنچکر شاهي کتب خانه میں داخل هوا -

(۴) جب شیخ مجدد الدین فیروز آبادي صاحب قاموس ' یمن پہنچے' اور سلطان ملک الاشرف رسولي نے اُن سے صحیح بخاري کي اجازت حاصل کرني چاهي ' تو اسي نسخه پر درس و املاء کا سلسله جاري هوا ' اور اتمام درس کے بعد شیخ موصوف نے اپنے قلم سے ملک الاشرف کے لیے سند و اجازت کي سطور تحریر کردیں -

چنانچه کتاب کے آخر میں شیخ مجدد الدین کے قلم سے حسب ذیل عبارت مرقوم هے :

" ...... سماعاً علي لجمیع الصحیح مولانا و مولینا و خلیفة الله في عصرنا ' السلطان بن السلطان بن السلطان ' المالک الملک الاشرف ' ممهد الدینا و الدین ' اسماعیل بن العباس بن علي بن داؤد ' خلد الله سلطانه ' و شید بعدله قواعد الدین و ارکانه ؛ في بضع و ثلثین مجلساً من شهر رمضان ' سوي المجلسین الاخرین في شوال ' من عام تسعة و تسعین و سبعمائة ' و اجزیت روایته و روایة سائر ما یجوز لي و عني روایته بشرطه - قاله و کتبه الملتجي الی حرم الله تعالی محمد بن ابي محمد بن محمد بن ابراهیم الفیروزابادي تجاوز الله عنه ' و صلی الله علی سیدنا محمد و اله و اصحابه و سلم "

(یمن کے سلاطین رسولي)

یمن کے خاندان رسولي کا تذکرہ عام تاریخوں میں بہت کم ملتا ہے ' اس لیے لوگ اُن کے ناموں سے آشنا نہیں - اس نسخہ کي تاریخ حیات کي توضیح کے لیے ضروري ہے کہ مختصراً اس کا ذکر کر دیا جاے -

یمن میں ساتویں صدي هجري کے اوائل سے لیکر تقریباً نویں صدي کے درمیاني عہد تک ایک خاص خاندان کے افراد کي حکومت رهي ہے جو "رسولي" کے لقب سے مشہور تها - یہ لوگ اصلاً ترکمان تهے ' اور ترکمانوں کے قبیلہ "میجک" سے تعلق رکهتے تهے ' لیکن جب اتفاقات وقت نے یمن جیسے خالص عربي ملک کا حکمران بنا دیا ' تو ضرورت هوئي کہ کسي نہ کسي طرح اپنا سلسلۂ نسب عرب سلاطین و امراء سے ملادیں - چنانچہ ظاهر کیا گیا کہ اُن کے مورث اعلی جبلہ بن ایهم غساني کي نسل سے هیں جو حضرۃ عمر (رضي اللہ عنہ) کے زمانے میں مسلمان هوکر پهر مسیحي هو گیا تها ' اور قسطنطنیہ چلا گیا تها - الحاق نسب کي صورت یہ اختیار کي گئي کہ جبلہ عرصہ تک روم میں مقیم رها - اُس نے اگرچہ مسیحي مذهب اختیار کرلیا تها ' لیکن اس کا قلب مطمئن نہ تها - مرتے وقت اُس نے اپني اولاد کو وصیت کي کہ بلاد روم سے نکل کر اسلامي ممالک میں جائیں اور مسلمان هوکر زندگي بسر کریں - وہ ترکمانوں کے قبائل میں آکر مقیم هوگئے - اور اس طرح ان کي عربیت ' ترکمانیت سے مبدل هوگئي !

اس خاندان کا پہلا فرد جو تاریخ میں نمایاں هوتا ہے ' محمد بن هارون بن یوحی رستم ہے - خلفاء عباسیہ کے زمانے میں یہ عراق آیا اور تهوڑے عرصہ کے اندر عزت و قبولیت حاصل کرلي - اُس زمانے میں حکومت بغداد کو ایک سفیر و رسول کي ضرورت تهي جو مصر و شام میں احکام خلافت کا مبلغ هو - خلیفہ نے محمد بن هارون کا اس غرض سے انتخاب کیا ' اور اس طرح یہ خاندان پہلے عراق سے شام میں ' اور پهر شام سے مصر میں منتقل هوگیا - بغداد کي سفارت و وکالت کي بنا پر محمد بن هارون "رسول" کے لقب سے پکارا جاتا تها - یہ تلقب اس قدر مشہور هوا کہ آگے چل کر پورا خاندان "رسول" کي نسبت سے پکارا جانے لگا -

مصر میں جب ایوبیوں کي حکومت قائم هوئي ' تو یمن اُس وقت مصر کے زیر اثر تها - انهوں نے وهاں کي ولایت کیلیے توران شاہ بن ایوب کو بهیجا ' اور اسکے ساتهہ خاندان رسولي کو بهي روانہ کر دیا ' کیونکہ مصر میں انکي موجودگي سیاسي مصالح کے خلاف تهي - عرصہ تک یہ خاندان یمن میں امراء و اشراف کي زندگي بسر کرتا رها - لیکن ساتویں صدي کے اوائل میں جب ملک ظاهر بیبرس مصر میں حکمراں هوا ' تو یمن میں ایسے تغیرات و حوادث پیش آئے کہ اِس خاندان کو اِمارت سے نکل کر ریاست و فرمانروائي کي تخت نشیني کا موقعہ ملگیا ' اور کچهہ عرصہ کي کشمکش و تنازع کے بعد حکومت مصر نے بهي اس کا استقلال تسلیم کرلیا - اس خاندان کا پہلا حکمراں ملک المنصور نور الدین عمر بن علي بن رسول تها - یہ سنہ ۶۲۸ - میں مسند نشین هوا ' اور سنہ ۶۴۷ ھ میں اپنے غلاموں کے هاتهوں قتل هوا - یمن کے علاوہ حجاز و حرمین کي حراست و خدمت بهي مصر سے نکل کر اسي حکمران خاندان کے قبضہ میں آگئي تهي -

(ملک الاشرف)

اِسي سلسلۂ حکومت کا ساتواں فرمانروا ملک الاشرف اسماعیل بن عباس بن علي بن داؤد رسولي تها ' جسکا اس نسخہ کي تحریر میں ذکر ہے ' اور جس کے کتب خانہ سے یہ نسخہ نکل کر کسي طرح هندوستان پہنچ گیا ہے -

ملک الاشرف ۲۱ - شعبان سنہ ۷۷۸ - ھ میں مسند نشین هوا ' اور سنہ ۸۰۳ - ھ میں انتقال کیا - شیخ شرف الدین بن ابي بکر المقري نے مرثیہ لکها تها ' جسکے اشعار حافظ ابن حجر نے نقل کیے هیں :

هو الدهر کرت بالخطوب کتائبه
و غضت بانیاب حداد نوائبه

تمام مورخین بالاتفاق شہادت دیتے هیں کہ اس خاندان کے تمام سلاطین اهل علم و فضل تهے ' اور علم و فضل کي قدر شناسي میں اپنا عدیل نہیں رکهتے تهے - اس خاندان کا پہلا فرمانروا جس نے حکومت مصر کي نیابت سے ترقي کرکے استقلال و فرمانروائي کي حیثیت حاصل کرلي ' سلطان نورالدین تها - الخزرجي صاحب عقود اللؤلؤیہ (جس کا ذکر آگے آتا ہے) لکهتا ہے کہ اُس کي زندگي کي سب سے بڑي مشغولیت یہ تهي کہ اطراف عالم سے اهل علم و فضل کو یمن و حجاز میں جمع کرے ' اور مدارس و مساجد سے اپني مملکت معمور کردے - مکہ معظمہ ' تعز ' عدن ' زبید ' وادي سہام ' اور تہامہ کے ایک ایک قصبہ میں اُس نے مدرسے اور مسجدیں تعمیر کیں - مکہ معظمہ کا مدرسہ اُس عہد کے تمام مدارس حجاز پر فوقیت رکهتا تها - زبید میں تین مدرسے الگ الگ تعمیر کیے - مدرسۂ شافعیہ ' مدرسۂ حنفیہ ' اور دارالحدیث - اِن سب کے لیے اوقاف و محاصل تهے جن سے مدرسین و طلبہ کو وظائف دیے جاتے تهے - (جلد اول : ۸۴) ملک المظفر جو اس سلسلہ کا دوسرا فرمانروا ہے ' وہ نہ صرف علوم کا قدر شناس اور مدارس و جوامع کا باني تها ' بلکہ خود بهي صاحب علم و فضل تها - تفسیر ' حدیث ' اور طب میں اُس کي مصنفات کا حافظ ابن حجر عسقلاني اور قاضي شوکاني نے ذکر کیا ہے - الخزرجي لکهتا ہے کہ حدیث کي تمام امہات کتب اس نے اپنے قلم سے لکهي تهیں - ان کي تعداد و ضخامت دیکهکر تعجب هوتا ہے کہ حکومت کي آلودگیوں کے ساتهہ علم و کتابت کے لیے اِتنا وقت کیونکر نکل سکا ؟ اُس کے علمي شوق کا یہ حال تها کہ امام فخر الدین رازي کي تفسیر کبیر جب اُس کی نظر سے گزري تو بعض حصے ناقص اور تشنہ محسوس هوے - اُس وقت قاهرہ میں تاج الدین بن بذت الاعز قاضي القضاۃ تهے - اُنهیں لکها کہ تفسیر کے مصححہ نسخے بهیج دیں - اُنهوں نے چار نسخے بهیجے - لیکن ان سب کا بهي وهي حال تها - اس پر خیال هوا کہ خود مصنف کے قلم کا لکها هوا مسودہ دیکهنا چاهیے - چنانچہ ایک سفارت یمن سے هرات بهیجي گئي - اُس نے امام موصوف کے قلم سے لکها هوا اصلي نسخہ بصرف کثیر حاصل کیا - خود سلطان موصوف کي یہ عبارت خزرجي نے نقل کي ہے "میں نے جب یہ اصلي نسخہ دیکها تو میري کاوش دور هوگئي ' کیونکہ اس میں وہ تمام مقامات سادہ چهوڑ دیے گئے تهے ' اِس سے معلوم هوتا ہے کہ مصنف کا ارادہ نظر ثاني کا تها جو پورا نہ هوسکا" (جلد ۱ : ۲۲۸) جن اهل نظر نے تفسیر کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے ' وہ سلطان موصوف کي صحت نظر و رائے کي تصدیق کرینگے -

اسي خاندان کا تیسرا حکمران الملک المويد تها جس کي نسبت خزرجي نے تصریح کي هے که اسکي تصنیف مختصر کتاب الجمهرۃ علماء عصر میں مقبول و مشہور هے -

ملک الاشرف کے باپ ملک الافضل کا ترجمه حافظ ابن حجر عسقلاني نے درر کامنه میں درج کیا هے - وہ لکھتے هیں علم و فضل کا قدر شناس تها اور خود بهي تمام علوم عربیه و دینیه میں درجۂ رسوخ و نظر رکهتا تها - اسکي مصنفات میں سے یمن کي دو تاریخیں ' تاریخ ابن خلکان کا مختصر ' اور فن انساب میں بغیة ذوي الهمم اس درجه کي کتابیں تهیں ' جنکي اهمیت کا تمام اکابر مصر و شام نے اعتراف کیا تها -

خود ملک الاشرف کا (جسکے کتب خانه کا یه نسخه هے اور جس نے اِس پر فیروز آبادي سے سند حدیث لي) یه حال تها که مصر ' حجاز ' شام ' عراق ' اور بلاد فارس تک کے علماء کو اُسکي قدر شناسیوں نے کهینچ بلایا تها - اس نے بهي اپنے پیشروؤں کي طرح بلاد یمن و حجاز میں متعدد عظیم الشان عمارتیں درس و ترویج علم کیلیے تعمیر کیں اور بڑے بڑے محاصل انکے مخارج کیلیے وقف کر دیے - وہ خود بهي صاحب علم و فضل تها اور علوم لغة و ادب اور فقه و حدیث کا همیشه اشتغال رکهتا تها - اُس کي علمي قدر دانیوں کا اندازہ کرنے کے لیے صرف وهي معاملات کفایت کرتے هیں جو اس میں اور فیروز آبادي میں پیش آتے رهے - عربي لغة کي سب سے زیادہ مقبول و متداول کتاب القاموس اُسي کي قدر دانیوں نے فیروز آبادي سے لکهوائي تهي - چنانچه قاموس کے دیباچه میں مصنف اِس خاندان کے مدح کرتے هوئے لکهتا هے :

مولي ملوک الارض ' من في وجهه
مقبـاس نور أيمـا مقبـاس

(مجد الدین فیروز آبادي)

مجد الدین فیروز آبادي اُن اکابر عالم میں سے تهے جنهیں سلاطین وقت کي فیاضیوں نے صف علم کي طرح صف اِمارت میں بهي ممتاز کردیا تها - اُن کا سنه ولادت ۷۲۹ ھ - هے اور تاریخ وفات ۲۰ شوال سنه ۸۱۷ - ھ کازرون میں پیدا هوے ' شیراز میں ابتدائي تعلیم حاصل کي - اور عراق اور مصر و شام کے آئمۂ علوم سے تکمیل کي - اُن کے اساتذہ میں وقت کے تمام آئمۂ علوم مثلاً شیخ تقي الدین سبکي ' ابن مظفر النابلسي ' حافظ علائي ' ابن نباته ' عز الدین ابن جماعة وغیرهم کے نام نظر آتے هیں - امام ابن قیم بهي اُن کے اساتذہ میں هیں - یه اُنهي کے فیض تلمذ کا نتیجه تها که اگرچه اُن کي ابتدائي نشو و نما فقهاء شافعیه کے زیر اثر هوئي ' لیکن تقلید کي بندشوں سے آزاد هوگئے ' اور اصحاب تحقیق و اجتهاد کا ذوق و مشرب پیدا هوگیا - چنانچه ان کي کتاب سفر السعادۃ اور الاسعاد في رتبة الاجتهاد میں اِس ذوق کي جهلک صاف نمایاں هے - اُس عهد کے سلاطین میں کوئي پادشاہ ایسا نهیں هے جس نے اُن کي قدر داني نه کي هو- شاہ منصور بن شجاع صاحب تبریز' ملک الاشرف صاحب یمن ' بایزید یلدرم ' تیمور صاحب قران ' احمد بن اویس صاحب بغداد ' ناصر الدین محمد شاہ دهلي ؛ اِن سب کے درباروں میں وہ پهنچے اور انعام و اکرام سے مالا مال هوے - سنه ۷۹۶ ھ میں هندوستان سے واپس جاتے هوے سواحل یمن میں آترے اور ملک الاشرف سلطان یمن سے ملاقات هوئي - وہ ان کے فضل و کمال کا غلغله پہلے هي سن چکا تها - یه موقعه غنیمت تصور کیا ' اور یمن کي اقامت پر اصرار کیا - اُس زمانے میں یمن کے قاضي القضاۃ جمال الدین الريمي شارح التنبیه کا انتقال هوگیا تها اور منصب خالي تها یه اس منصب پر مامور هوے اور بیس سال تک یمن کے قاضي القضاۃ رهے -

(نسخه کي تاریخي توثیق)

خوش قسمتي سے یمن کے خاندان رسولي کي ایک مستقل تاریخ شائع هوگئي هے - یه شیخ علي بن الحسن الخزرجي کي العقود اللؤلؤیه في تاریخ الدولة الرسولیه هے جسے دو دو جلدوں میں گب میموریل فنڈ کے امینوں نے قاهرہ میں چهپوا کر شائع کیا هے - اس کا اصلي نسخه یمن سے عهد عالمگیري میں ' هندوستان آیا تها ' اور معتمد خاں عالمگیري کے کتب خانے میں داخل هوا تها - وهاں سے نکلا اور محمد شاہ کے عهد میں اسکے وزیر قمر الدین خاں منت کے قبضه میں آیا - قمر الدین خاں کے کتب خانے سے نکل کر وارن هستنگز کے پاس پهنچا - اُس نے انڈیا آفس کے کتب خانے کي نذر کردیا -

اس تاریخ میں سلاطین رسولیه کے عهد کے واقعات روزنامچه کي طرح تاریخ وار درج هیں - میں نے اس خیال سے ملک اشرف کے زمانے کے واقعات پر نظر ڈالي که شاید اس نسخه کے درس و املاء کي طرف کوئي اشارہ مل جاے - میرا قیاس صحیح نکلا - فیروز آبادي نے صحیح بخاري کے درس و املاء کي جن مجالس کا اپني عبارت میں ذکر کیا هے ' ٹهیک اُنهي تاریخوں میں اُسکا ذکر خزرجي نے بهي کیا هے -

سنه ۷۹۶ کے واقعات میں لکهتا هے :

" ۲۴ رمضان کو یمن میں امام فقیه علامة القاضي الاجل مجد الدین محمد بن یعقوب الشیرازي پهنچے - سلطان نے انکا بڑا اعزاز و اکرام کیا - چار هزار درهم بطور رقم ضیافت کے پہلے هي دن مرحمت فرماے - اس سے پہلے چار هزار درهم عدن بهیجے گئے تهے تاکه عدن سے زبید تک کے مصارف سفر میں مدد دیں - شیخ موصوف علوم حدیث ' نحو ' لغة ' تاریخ ' اور فقه میں درجۂ مشیخت رکهتے هیں - انکي مصنفات میں سے بخاري کي شرح هے جو نهایت مشرح اور مفید هے " (جلد ۲ : ۲۶۵)

پهر سنه ۷۹۷ ھ - کے وقائع میں لکهتا هے که ۶ - ذي الحجه کو شیخ مجد الدین قاضي القضاۃ مقرر کیے گئے اور سلطان کا فرمان اس بارے میں شائع هوا - (صفحه ۲۷۸)

سنه ۷۹۹ - ھ کے وقائع میں لکهتا هے :

" و في شهر رمضان من هذہ السنة سمع السلطان صحیح البخاري من حدیث رسول الله صلعم علی القاضي مجد الدین یومئذ و کان ذا سند عال من طرق شتي " (صفحه ۲۸۶)

اس تصریح سے عبارت مندرجۂ نسخه کي پوري توثیق هوگئي - معلوم هوگیا که سلطان ملک الاشرف نے فیروز آبادي سے صحیح بخاري کي سند و اجازت حاصل کي تهي ' اور رمضان میں املاء و سماع کا سلسله جاري رها تها - جو نسخه زیر درس و املاء رها ' اور جس پر سند دي گئي ' وہ یهي نسخه هے - نهیں معلوم اس نسخه پر ایام و حوادث کے کیسے کیسے تغیرات گزر چکے هیں ؟

سیر فی الارض

اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلہم
(۳۰ : ۸)

سیاحانِ عالم کے مشاہدات و تأثرات

ایک مصری سیاح نجد میں

(محمد شفیق، مصری اخبار نویس کی سیاحت نجد کی یہ تیسری قسط ہے۔ الہلال)

ریاض

ریاض، پایۂ تخت ہونے کی وجہ سے نجد کا سب سے بڑا اور سب سے اہم شہر ہے۔ اُس میں بکثرت بلند عمارتیں موجود ہیں، مگر سب قدیم طرز کی ہیں۔ شاہی خاندان کے محل اپنی وسعت اور خوشنمائی میں ریاض کی تمام عمارتوں سے ممتاز ہیں۔ شہر کے گرد عظیم الشان شہر پناہ ہے۔ پُرانے مشرقی وضع کے پھاٹک لگے ہیں اور ضرورت کے وقت مقفل کر دئیے جاتے ہیں۔ ریاض کے چاروں طرف نخلستان پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک مزرعہ خاص خاندان شاہی کا ہے۔ اس میں دو چیزیں دیکھ کر مجھے تعجب ہوا: ایک گلاب اور دوسری کپاس۔ معلوم ہوتا ہے سلطان ابن سعود نے روئی کے یہ چند درخت اتفاقیہ طور پر نصب نہیں کر رکھے ہیں بلکہ نجد میں روئی کی کاشت جاری کرنی چاہتے ہیں جیسا کہ مجھ سے بعض ارکان حکومت نے اشارۃً بیان کیا تھا۔ اگر سلطان نے یہ کیا تو یقیناً ملک کو بہت فائدہ حاصل ہوگا۔ باشندے مالا مال ہو جائیں گے۔

مدرسے

ریاض میں چند دینی مدرسے موجود ہیں۔ مگر ان کی حیثیت، قدیم مسجدی مکتبوں سے زیادہ نہیں۔ ان میں بچوں کو ضرورت بھر لکھنا پڑھنا سکھایا جاتا ہے۔ نیز لیدا قرآن بھی حفظ کرا دیتے ہیں۔ علوم دینیہ کی تکمیل میں لوگ اپنا زیادہ وقت صرف نہیں کرتے۔ بہت تھوڑے آدمی ایسا کرتے ہیں۔ باقی ضرورت بھر تعلیم حاصل کر کے دُنیاوی کاروبار میں لگ جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں قرآنی احکام کی رُو سے ضروری نہیں کہ تمام لوگ علوم دینیہ حاصل کریں۔ یہ کافی ہے کہ ایک منتخب جماعت ان میں مشغول رہے۔

مسجدیں

ریاض میں کل ۸ مسجدیں ہیں۔ ان میں کوئی زینت و آرائش نہیں ہوتی۔ فرش بھی نہیں ہوتا۔ گنبد بھی نہیں ہیں۔ اکثر میں چھت بھی نہیں ہے۔ جمعہ کی نماز صرف ایک مسجد میں ہوتی ہے۔ خطبہ سننے کا اہتمام اس درجہ شدید ہے کہ بعض لوگ صبح ہی سے آ کر منبر کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں۔ مسجدوں میں روشنی بھی زیادہ نہیں کی جاتی۔ ایک دو شمعوں سے کام لیا جاتا ہے۔ نماز فجر کے بعد روز صبح کو موذن، نمازیوں کی حاضری لیتا ہے۔ پہلے دن کی غیر حاضری پر ٹوپی چھین لی جاتی ہے۔ دوسرے دن کی غیر حاضری پر جبہ ضبط کر لیا جاتا ہے۔ تیسرے دن کی غیر حاضری پر جسمانی سزا دی جاتی ہے!

نماز جمعہ کے بعد پادشاہ یا اُس کا نائب، محل شاہی کے ایوان میں نمازیوں سے ملاقات کے لئے بیٹھتا ہے۔ اُس وقت تمام حاضرین کو پہلے چار اور نجدی قہوہ پلایا جاتا ہے۔ آخر میں بخور دانیاں پھرائی جاتی ہیں جن میں مشک و عنبر سلگتا ہے۔

قصر شاہی

قصر شاہی بالکل عربی طرز کا ہے۔ اُس میں اینٹ چونے کے بڑے بڑے خوبصورت ستون کھڑے ہیں، جن کے نقش و نگار نہایت نظر فریب ہیں۔ دو منزلہ عمارت ہے۔ نچلی منزل میں دعوت کا وسیع ایوان ہے۔ اسمیں بیک وقت سیکڑوں مہمان بیٹھ سکتے ہیں۔ اطراف میں عام لوگوں کے لئے کھانے کے کمرے ہیں۔ نیچے کی منزل، گویا دعوت خانہ ہے۔ بالائی منزل میں وسیع ایوان ہیں۔ ایک ایوان میں خود سلطان کا کتب خانہ اور دفتر خاص ہے۔ ایک اور ایوان، ولی عہد امیر سعود کے لئے مخصوص ہے۔ باقی حصوں میں بڑے بڑے افسروں اور شاہی طبیب کا قیام ہے۔ اسی محل کے متصل ایک اور محل ہے، اور اس میں سلطانہ اور شاہی بیگمیں رہتی ہیں۔ زنانہ خدم و حشم کی تعداد ۴۰۰ ہے۔

سلطان ابن سعود

سلطان عبد العزیز بن سعود، دراز قامت ہیں۔ جسم بھرا ہوا اور ٹھوس ہے۔ رنگ، گندمی ہے۔ آنکھیں چمکیلی ہیں۔ پیشانی، کشادہ ہے۔ عینک استعمال کرتے ہیں۔ غیر معمولی ذہانت، قوت ارادی، عزم و حزم، خوش مزاجی، تدبر، یہ وہ اوصاف ہیں جو سلطان کی صورت دیکھتے ہی آدمی محسوس کر لیتا ہے۔ عمر ۵۰ کے قریب ہے۔ بائیں ہاتھ کے انگوٹھے میں گولی لگی تھی۔ اُس کا نشان اب تک نمایاں ہے۔ وہ ہمیشہ سر جھکا کر چلتے ہیں۔ نجدی وضع کا زرکش جبہ پہنتے ہیں اور اُس کا ایک دامن عموماً، بغل میں دبائے رہتے ہیں تاکہ تیز چل سکیں۔ پوری قوم اُن سے محبت کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُنھیں اپنی زندگی کا کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوتا۔ وہ بغیر کسی محافظ کو ساتھ لئے بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں۔

پہلی ملاقات

پہلی ملاقات ہی میں سلطان مجھ سے بالکل بے تکلف تھے۔ اُنھوں نے گفتگو میری مزاج پرسی سے شروع کی: "راستہ میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟" "میرے عہدے داروں نے کیسا سلوک کیا؟" "کسی بدو نے کوئی شرارت تو نہیں کی؟" اسی قسم کے بہت سے سوال شروع کر دئیے۔ میں نے اپنے سفر کی تمام روداد سنا دی۔ جس قدر میری خاطر تواضع ہوئی تھی، شکریہ کے ساتھ اُس کا بھی ذکر کیا۔ جو کچھ امن و امان میں نے مشاہدہ کیا تھا، اُس کی طرف بھی اشارہ کیا۔ چوری، قزاقی، اور جرائم کی عدم موجودگی پر تعجب کا اظہار کیا۔

سلطان کی گفتگو

میری خاموشی کے بعد سلطان نے کہا:

"الحمد للہ ہمارے ملک میں ایک ہی دین اور ایک ہی مذہب ہے۔ تمام نجدی ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ بلاشبہ فقہ اسلامی میں ۴ مذہب مشہور ہیں۔ لیکن ہمارے خیال میں امام احمد بن حنبل کا مذہب، سنت رسول اللہ سے زیادہ قریب ہے۔ ہمارے عقیدے میں تمام مسلمان، باہم بھائی بھائی ہیں۔ نجد میں ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے "السلام علیکم" کہدینے کے معنی یہ ہیں کہ دونوں خدا کے امان و سلام میں ہو گئے۔ تمام مسلمان، کلمۂ توحید پر جمع ہیں۔ تمام حبل اللہ المتین کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں۔ اس بنیاد پر ہماری سلطنت قائم ہے۔ ہم سلطنت کے بھوکے نہیں ہیں اور نہ فخر و غرور اور تن پروری کے لئے حکومت کرتے ہیں۔ زمین اللہ کی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ نے اپنی یہ امانت ہمارے سپرد کی ہے۔ لہٰذا ہم پوری کوشش کرتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ ایمانداری کے ساتھ یہ امانت ادا کر دیں۔ ہمیں شرک سے نفرت ہے۔ اگر ہمیں تمام مشرک ملکوں کی فرمانروائی بھی پیش کی جائے تو ہم اسے ہرگز منظور نہ کریں۔ ہم کسی سے بھی لڑائی پسند نہیں کرتے۔ حتیٰ کہ کفار سے بھی نہیں۔ البتہ اُن کے لئے ہماری یہ دعا ضرور ہے کہ خدا اُنھیں صراط مستقیم دکھا دے۔ جب تک وہ ہم سے تعرض نہیں کرتے، ہم بھی اُنھیں نہیں چھیڑیں گے۔ ہم اُن سے دُور رہنا چاہتے ہیں۔ ہم اُن سے تشبہ بھی پیدا کرنا نہیں چاہتے۔ حتیٰ کہ اُن کا لباس بھی پسند نہیں کرتے۔ حقیقی مسلم وہ ہے جو اپنے دین کے اصول کی پیروی کرتا ہے۔ جو کوئی کفار کی تقلید کرتا ہے، وہ نہ اپنے دین میں کوئی بھلائی حاصل کر سکتا ہے نہ دنیا میں۔"

یہ گفتگو، اس جلیل القدر صحرائی پادشاہ کی ذہنیت پوری صفائی سے ظاہر کرتی ہے۔ صحراء عرب کے باشندے صدیوں سے قتل و غارت گری اور جرم و گناہ کے عادی تھے۔ صرف صحرا ہی کے نہیں بلکہ حجاز کے باشندے بھی۔ وہ کسی نظام و حکومت کی اطاعت کے عادی نہ تھے۔ لیکن یہ اسی سلطان کا تدبر و دبدبہ تھا جس نے اُنھیں اپنے آہنی ہاتھوں سے مطیع کیا اور امن و نظام قائم کر دیا۔

طرز حکومت

نجد کی حکومت، قدیم وضع کی ہے۔ وہاں حکومت، علیحدہ علیحدہ شعبوں پر منقسم نہیں ہے۔ نہ مجلس حکومت ہے، نہ وزارت ہے۔ پوری حکومت، خود سلطان کی ذات ہے، اور اُس کا قانون، کتاب و سنت ہے۔ لیکن کیا مجال کہ کسی قسم کی بدنظمی پیدا ہو جائے۔ آمد و خرچ کے تمام حسابات مرتب رہتے ہیں، خود سلطان اُن کی نگرانی کرتے ہیں۔ ایک پیسہ کا بھی غبن نہیں ہو سکتا۔ برخلاف اس کے اسی صحرائی

بادشاہ نے حجاز میں آکر حکومت کی وضع دوسری کردی ہے۔ حجاز کی حکومت دفتری نظم کی حکومت ہے۔ وہاں کے لئے نجد کی سی حکومت موزوں نہ تھی۔

سلطان کی فیاضی

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ مسلسل تین سال کی غیر حاضری کے بعد سلطان اپنے دارالسلطنت میں واپس گئے تھے۔ وہ ہم سے ۲ دن پہلے ریاض پہنچ چکے تھے۔ تاہم ہم نے اپنی آمد پر دیکھا کہ شہر مسرت و انبساط کے مؤثر نظاروں سے لبریز ہے۔ بے شمار وفد، نجد کے گوشہ گوشے سے آئے ہوئے تھے اور عقیدت و خلوص کا اظہار کر رہے تھے۔ دوسری طرف سلطان کی فیاضیوں کا دروازہ کھلا تھا۔ کوئی نہ تھا جسے وہ اُس کی توقع سے زیادہ نہ دے رہے ہوں۔ اُن کی سخاوت دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔ میں نے اپنے دل میں کہا "یقیناً یہ ایک ایسا آدمی ہے جو نہ دولت سے محبت کرتا ہے نہ فقر و فاقہ سے ڈرتا ہے"

ملوکیت نجد کا اعلان

خوش قسمتی سے میں اُس تاریخی جلسہ میں بھی شریک ہو سکا جو سلطان ابن سعود کو "ملک نجد" بنانے کے لئے منعقد ہوا تھا۔ نجدیوں نے یہ دیکھ کر کہ سلطان ابن سعود اب ملک الحجاز ہو گئے ہیں۔ پسند کیا کہ اپنے ملک کے لئے بھی اُن کا یہی لقب قرار پا جائے۔

سلطان کی لڑکی کا عقد

اسی طرح ایک اور جلسہ میں بھی مجھے شرکت کا موقعہ ملا۔ یہ سلطان کی بیٹی شاہزادی "سارہ" کی شادی کا جلسہ تھا۔ امیر فیصل ابن سعد، سلطان کے بھتیجے سے اُن کا عقد ہوا ہے۔ مجھے دیکھ کر تعجب ہوا کہ نجد میں شادیاں کس قدر سادہ ہوتی ہیں۔ یہ خود سلطان کی لڑکی کی شادی تھی۔ مگر اس میں نہ کوئی اسراف تھا نہ دھوم دھام تھی۔ از حد سادہ تقریب تھی۔ قصر شاہی کے ایوان میں فرش بچھا دیا گیا تھا۔ کھانے چنے گئے۔ دعوت ولیمہ کے بعد سلطان کے حکم سے ۵۰۰ بکریاں ذبح کی گئیں اور عام دعوت شروع ہو گئی۔ اس میں امیر غریب کی کوئی تمیز نہ تھی۔ ہر کس و ناکس مدعو تھا۔

تجارت و زراعت

ریاض کے باشندے عام طور پر تجارت پیشہ ہیں۔ احسار، کویت، اور بحرین سے مال لاتے اور فروخت کرتے ہیں۔ نجد کی ایک بڑی تجارت، موتی کی تجارت ہے۔ غواصی میں نجدیوں نے خاص شہرت حاصل کرلی ہے اور کافی دولت حاصل کرتے ہیں۔ ریاض کے اطراف میں زراعت کم ہے۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ یہ تجارتی شہر ہے نہ کہ زرعی۔

سلطان کے معمولات

سلطان کے معمولات یہ ہیں کہ کچھ رات رہے سے بیدار ہو جاتے ہیں۔ لیکن اپنے کسی خدمتگار کو بھی اتنے سویرے اپنی خدمت کے لئے نہیں بلاتے خود ہی پانی لیتے ہیں۔ وضو کرتے ہیں۔ تلاوت کرتے ہیں۔ فجر کی اذان سن کر مسجد جاتے ہیں۔ نماز کے بعد محل واپس آتے ہیں۔ اپنے خاندان کے ساتھ ناشتہ تناول کرتے ہیں۔ اس کے بعد اپنے دفتر میں آبیٹھتے ہیں خطوط پڑھتے ہیں۔ سرکاری کاغذات ملاحظہ کرتے ہیں۔ احکام لکھتے ہیں طلوع آفتاب کے ایک گھڑی بعد تک یہی مشغولیت رہتی ہے۔ پھر ایوان عام میں تشریف لاتے ہیں۔ یہاں خاص لوگوں سے ملاقات کرتے ہیں پھر "اخوان" کے وفد حاضر ہوتے ہیں۔ اُن سے بڑی ہی بے تکلفی سے باتیں شروع ہوتی ہیں۔ یہ لوگ بڑے ہی آزاد مزاج ہیں۔ اپنے بادشاہ کو اس طرح مخاطب کرتے ہیں، گویا اپنے کسی بھائی کے سامنے ہیں۔ یہ اس لئے نہیں کہ وہ بالکل وحشی ہیں۔ میں نے انھیں وحشی نہیں پایا۔ میرے خیال میں ان کا یہ طرز خطاب اس لئے ہے کہ وہ اسے اتباع سلف صالح سمجھتے ہیں۔ وہ بڑی بے تکلفی سے "یا عبدالعزیز!" کہہ رہے تھے۔ ایک شخص نے میرا تعجب محسوس کر کے میرے کان میں کہا "یہ طریقہ خود سلطان ہی نے مقرر کیا ہے۔ وہ خطاب کے دوسرے طریقے قبول نہیں کرتا"

چاشت کے وقت ایک دوسرے ایوان میں جاتے ہیں۔ یہ جگہ "مجلس کبیر" کہلاتی ہے۔ یہاں نجد کے بڑے بڑے شیوخ اور خاندان رشید اور خاندان عاید کے امراء سے ملاقات ہوتی ہے۔ اول الذکر خاندان حائل کا فرمانروا تھا۔ آخر الذکر اَبہا کا۔ اب یہ دونوں ریاستیں، نجد کے ماتحت ہیں اور اُن کے شاہی خاندان، ریاض میں قید ہیں لیکن یہ قید ایسی ہے کہ اُن پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ وہ شہر کے اندر اپنی نقل و حرکت میں بالکل آزاد ہیں اور نہایت عزت و احترام کا اُن سے برتاؤ کیا جاتا ہے۔

اس مجلس میں سلطان کی گفتگو عام معاملات پر ہوتی ہے۔ دین تاریخ، ادب، سیاست، ہر موضوع پر باتیں کرتے ہیں اور نہایت آزادی اور صفائی سے۔ اُن کی صاف گوئی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک دن سلطان نے ایک شامی اخبار مجھے دیا۔ اسمیں یہ خبر درج تھی کہ "سید عبداللہ بن عاید مکہ سے بھاگ گئے ہیں اور ایک بڑی فوج کے ساتھ ابن سعود پر یورش کر رہے ہیں"

سلطان نے کہا "اخبار نے یہ خبر لکھی ہے، حالانکہ سید عبداللہ یہاں، اس مجلس میں، موجود ہیں۔ ہم اور سید عبداللہ اور خاندان رشید، سب بھائی ہیں۔ ہم میں کوئی نزاع نہیں ہے"

سلطان کے قول کی تمام مجلس نے تصدیق کی۔ خصوصاً سید عبداللہ بن عائد نے۔

اس مجلس سے اُٹھ کر سلطان اپنے والد "عبدالرحمٰن بن سعود" سے ملاقات کو جاتے ہیں۔ اِن کی عمر اب نوّے سال کے قریب ہے مگر اب تک ہوش حواس بالکل درست اور قویٰ مضبوط ہیں۔ نہایت خوش اخلاق، خوش صحبت، خوش گفتار ہیں۔ والد سے رخصت ہو کر اپنی بڑی بہن شاہزادی "نورہ" سے ملنے جاتے ہیں۔ نجد میں بڑی بہن کی عزت بہت زیادہ کی جاتی ہے۔ سلطان حد سے زیادہ اُن کا احترام کرتے ہیں۔ یہ نجدی شاہزادی بھی اپنے عرلی اخلاق میں غیر معمولی ہے۔ اس کی شرافت و سخاوت دُور دُور مشہور ہے۔ خود مجھ سے اس کا برتاؤ نہایت ہی شفقت کا تھا۔ روز میری خیریت دریافت کرتی تھی۔ میرے لئے اچھے اچھے کھانے بھیجا کرتی تھی۔

عشار کے بعد سلطان کئی گھنٹے اپنے عہدے داروں سے ملاقات میں صرف کرتے ہیں۔ ہر عہدے دار کے دفتر میں خود جاتے ہیں۔ دن بھر کے کاموں کا جائزہ لیتے ہیں اور ضروری مشورے اور ہدایتیں دیتے ہیں۔

یہ اُن کے روزمرہ کے معلومات ہیں۔ لیکن کبھی کبھی صحرا میں شکار کے لئے بھی جاتے ہیں۔ یہ سفر آجکل موٹروں پر ہوتا ہے۔

شیوخ نجد کا سلطان سے اختلاف

پچھلے دنوں مصری اخبارات نے یہ خبر مشہور کردی تھی کہ نجد کے سب سے بڑے شیوخ مثلاً فیصل الدرویش شیخ قبیلۂ اطاویہ اور سلطان بن بجاد شیخ قبیلۂ غطغط، سلطان ابن سعود کے مخالف ہو گئے ہیں ریاض میں اپنی موجودگی کے وقت میں نے بھی اس قسم کی خبریں سُنی تھیں فیصل الدرویش کی مخالفت کی وجہ یہ بتائی گئی کہ پچھلے سال موسم حج میں محمل مصری کی فوج سے نجدیوں کا تصادم ہو گیا تھا، اسمیں فیصل الدرویش کی رائے ہے کہ سلطان نے مصریوں کی طرفداری کی اور نجدیوں کے قاتلوں سے قصاص نہیں لیا۔ لیکن یہ خبر غلط تھی۔ خود میں نے اپنی آنکھوں سے فیصل کو سلطان کی خدمت میں دیکھا ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ عقیدت و اطاعت کا اظہار کر رہا تھا۔

بلاشبہ سلطان بن بجاد کو کچھ شکایت ہو گئی تھی۔ یہ شکایت بعض شرعی احکام کی تطبیق کے بارے میں تھی۔ لیکن بہت جلد غلط فہمی دُور ہو گئی اور وہ بھی سلطان کی خدمت میں پہنچ گیا۔

نجدیوں کا ایمان

تمام نجدیوں۔ بدوؤں اور شہریوں۔ کا پختہ ایمان ہے کہ آدمی صرف اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت کرے اور اُس کی شریعت کی پابندی میں سرگرم رہے۔ ہر آدمی کی قسمت پہلے سے لکھدی گئی ہے موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ ہرگز اُس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی لہذا اُسے موت سے بے خوف ہو کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ڈھونڈھنی چاہیے۔ ہر آدمی کو اُس کے عمل کی جزا و سزا ملے گی۔ نیکی کا ثواب حاصل ہوگا۔ بدی پر عذاب پائے گا۔ یہی باعث ہے کہ وہ ہر قسم کے گناہوں اور جرموں سے، خفیہ اور علانیہ، پرہیز کرتے ہیں۔

شوق جہاد

جنگ کو وہ عبادت سمجھتے ہیں۔ دین الٰہی کے دشمن کا قتل عظیم ترین ثواب خیال کرتے ہیں۔ دین کی راہ میں خود قتل ہو جانا، شہادت عظمیٰ تصور کرتے ہیں۔ اس بات پر اُنھیں اس درجہ یقین ہے کہ بڑے ہی شوق سے جنگ پر جاتے ہیں۔ ہر بدو اپنا کفن اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ نہایت بے پروائی سے اپنے تئیں موت کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ جب اُن کا کوئی ساتھی لڑائی میں گرتا ہے، تو بیک زبان نعرہ مارتے ہیں "واخلیلاہ! لقد سبقتنی الی الجنۃ!" (اے دوست! مجھ سے پہلے ہی جنت میں داخل ہو گیا!) جب دشمن کو بھگا دیتے ہیں تو چلاتے ہیں "یا اہل التوحید! یا اہل التوحید! ایاک نعبد و ایاک نستعین" (ہاں اے اہل توحید! خدایا! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں!)

وہ گولیوں کی باڑھ کو "ریح الجنۃ" (جنت کی ہوا) کہتے ہیں اور انتہائی شوق و رغبت سے سینے تانے دشمن پر ٹوٹ پڑتے ہیں وہ اس موت کو موت نہیں، زندگی خیال کرتے ہیں۔ اگر اُن کے کسی آدمی کی پیٹھ پر گولی لگتی ہے تو اُسے بزدل کہتے اور سخت نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ اُن کا قول ہے "ہمیشہ سینے پر زخم کھاؤ۔ پشت کبھی نہ دکھاؤ۔ موت اٹل ہے، اُس سے کہاں بھاگ سکتے ہو؟ شہادت کی موت مر کر سرمدی زندگی حاصل کر لو!" میدان سے بھاگنا اُنکے خیال میں ایسا عیب ہے کہ ایسے شخص کو دفن تک نہیں کرتے۔ یہی باعث ہے کہ وہ مر جاتے ہیں مگر بھاگتے نہیں۔ اُن کی یہ ثابت قدمی، بالآخر اُن کے دشمن کے حوصلے پست کر دیتی ہے اور وہ بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔

نجدیوں کی یہ شجاعت و بسالت، عرب میں اس قدر مشہور ہو گئی ہے کہ لوگ اُن کے نام ہی سے ڈر جاتے ہیں۔ چند نجدی سوار سیکڑوں آدمی بھگا دیتے ہیں۔ حجاز کی جنگ، اس حقیقت کا بیّن ثبوت ہے۔ حجازی فوج اس قدر مرعوب ہو گئی تھی کہ بے لڑے ہتیار ڈال دیتی تھی۔ حائل، احسار اور قطیف وغیرہ ممالک کی فتح بھی زیادہ تر اسی رعب کی وجہ سے ہوئی تھی۔

موت کے بعد

نجدی، سنت نبوی کی اتباع میں بہت ہی سخت ہیں۔ اپنے مقتولوں اور مُردوں کا ماتم نہیں کرتے۔ قبروں پر گنبد اور عمارتیں نہیں بناتے۔ اُن کا عقیدہ ہے کہ موت کے بعد جس طرح آدمی کی دنیاوی زندگی ختم ہو جاتی ہے، اُسی طرح اُس کا عمل بھی منقطع ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں مُردوں کو ہماری ظاہری تکریم و تعظیم کی کوئی ضرورت نہیں وہ ہم سے بے نیاز ہو گئے ہیں۔ آخرت میں اُنھیں جو درجے ملے گا وہی اصلی درجہ ہے ہمیں انکے لئے اسی کی دعا کرنی چاہیے۔

بریدِ شرق

مکتوبِ مصر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)

فقید الشرق احمد سعد زغلول پاشا مرحوم

ذیل کی مراسلت معمول سے زیادہ طویل ہے۔ ہم نے بڑا حصہ حذف کردیا ہے۔ اسپر بھی ہمیں خوف ہے کہ یہ آجکی اشاعت کا بڑا حصہ روک لے گا۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ حادثہ کی غیر معمولی اہمیت اور شخص موضوع کی عظمت دیکھتے ہوئے ضروری ہے کہ اس کے لئے خصوصیت کے ساتھ جگہ نکالی جائے۔

مصر میں اس ہفتہ اہم ترین واقعہ، احمد سعد پاشا زغلول کی بالکل غیر متوقع وفات ہے۔ عین اسوقت جبکہ میں اُن کی بحالی صحت، اور شاہ مصر کی سیاحت انگلستان، کے نتائج پر بحث کرنا چاہتا تھا، اچانک یہ حادثۂ جانکاہ پیش آگیا۔ حیران ہوں اپنا یہ مکتوب کس طرح شروع کروں؟ مرحوم کی سوانح عمری بیان کروں؟ اُن نقصانات کا ذکر کروں جو اس واقعہ سے مصر کو پہنچ سکتے ہیں؟ اُن کے جنازہ کے شاندار جلوس کا ذکر کروں؟ اُنکی جلیل القدر حرم کا ماتم لکھوں؟ وہ نوحۂ بکا بیان کروں جو اسوقت تمام ملک میں برپا ہے، جس کا شور میں ان سطور کی تحریر کے وقت بھی سُن رہا ہوں، اور جس کا بیان یقیناً میری قدرت سے باہر ہے۔ میں شارع درب الجمامیز میں مقیم ہوں۔ میرے پڑوس میں جتنے مکان ہیں، ماتمی آثار و علائم سے غمناک ہیں۔ عورتوں اور بچوں تک کے چہرے انکے دلی حزن و ملال کی شہادت دے رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، گویا قاہرہ کے ہر گھر میں اس کے کسی قریبی عزیز کا ماتم پیش آگیا ہے۔

آغاز مرض

۱۵ اگست کو مرحوم کے کان میں خفیف سا التہاب ظاہر ہوا اور بالآخر یہی شکایت مہلک ثابت ہوئی۔ وہ اپنے دیہاتی مقام "مسجد وصیف" میں مقیم تھے۔ مرض کی نوعیت دیکھ کر ڈاکٹروں نے رائے دی کہ فوراً قاہرہ واپس آجائیں۔ چنانچہ قاہرہ لائے گئے اور یہاں کے اطبا سے معائنہ کرایا گیا۔

قاہرہ پہنچ کر طبیعت بحال ہوگئی تھی۔ لیکن گزشتہ دوشنبہ کو مرض نے ازسرنو حملہ کیا۔ ۸ بجے رات کو دائیں پہلو میں درد محسوس ہوا۔ منگل کے دن حرارت برابر بڑھتی رہی۔ صبح ۸ بجے مرحوم نے اپنی حرم سے اچانک کہا "میں ختم ہوگیا!" یہ کہتے ہی زبان بند ہوگئی، اور اسی دن یعنی ۲۳ اگست کی رات کو ۱۰ بجے طائر روح پرواز کر گیا! انا للہ وانا الیہ راجعون!

خبر کیونکر مشہور ہوئی؟

وفات کے دن صبح ہی سے مرحوم کے مکان میں لوگوں کا ہجوم تھا۔ وفات کے وقت ڈاکٹروں کے علاوہ مرحوم کے وفادار مرید اور بھانجے فتح اللہ پاشا برکات بھی بستر مرگ کے پاس موجود تھے۔ وفات کے بعد ہی وہ نیچے کی منزل میں اُتر کر آئے۔ حاضرین نے دوڑ کر حالت دریافت کی۔ مگر وہ کوئی جواب نہ دے سکے۔ سب حیرت میں تھے اور طرح طرح کے قیاسات لگا رہے تھے۔ اسی اثنا میں اوپر سے رونے کی صدائیں بلند ہوئیں۔ اسپر حاضرین دوبارہ فتح اللہ پاشا کی طرف دوڑے۔ وہ اب بھی چپ تھے۔ لیکن اُنھوں نے زور سے اپنے دونوں گھٹنوں پر ہاتھ مارے۔ یہ اشارہ کافی تھا۔ ایک لمحہ کے لئے سب پر سناٹا چھا گیا۔ پھر بیک وقت سب کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔ یہ حادثہ ایسا دل ہلا ڈالنے والا تھا کہ رونے پر کسی کو ملامت نہیں کی جاسکتی تھی۔ کہرام مچ گیا تھا۔ عین اُسوقت ڈاکٹر شفیق اوپر سے اُتر کر آئے اور مضبوط آواز میں چلائے "سوگوار بیوہ پر رحم کرو! تمھارا رونا اُسے ہلاک کر ڈالے گا۔ سعد مرگئے، لیکن اگر تم چاہو تو انھیں اپنے دلوں میں ہمیشہ زندہ رکھ سکتے ہو"

مگر یہ وقت نصیحت سننے کا نہ تھا۔ نالہ و بکا برابر بلند رہا۔ قرب جوار کے لوگوں نے سُنا تو اُن پر بھی یہی حالت طاری ہوگئی۔ چشم زدن میں یہ مشئوم خبر تمام شہر میں پھیل گئی۔ اب کوئی نہ تھا جو اس حادثۂ قوم و ملت پر ماتمی نہ ہوا!

اُسی وقت تار کے ذریعہ تمام دنیا میں خبر پھیل گئی۔

سعد پاشا کی بیوہ

سعد پاشا کی وفات پر اُن کی بیوی کا جو حال ہوگا، ظاہر ہے۔ مصر میں ان دونوں کی محبت ضرب المثل اور تمام مردوں اور عورتوں کے لئے نمونہ تھی۔ سعد پاشا کو اُن سے اس درجہ محبت تھی کہ اگرچہ اُن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی مگر اُنھوں نے کبھی دوسری شادی کا خیال نہیں کیا۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ مرحوم نے اپنی تمام دولت اور جائداد بھی اپنی بیوی کو باضابطہ ہبہ کردی تھی۔ ظاہر ہے، ایسے وفادار شوہر کی موت اور پھر اُس شوہر کی موت جس کی عظمت ساری دنیا تسلیم کرتی تھی، اُس کی بیوی کے لئے کیسی عظیم مصیبت ہوگی؟ ادہر کئی سال سے یہ معزز خاتون بیمار ہے۔ ڈاکٹروں نے سختی سے ممانعت کر دی تھی کہ مریض کی خدمت میں حصہ نہ لے۔ مگر اُسنے صاف انکار کردیا۔ وہ اس قدر ناتواں تھی کہ بمشکل چل سکتی تھی۔ اسپر بھی تیمارداری میں ہمہ تن مشغول رہتی تھی!

اخبارات نے وہ مؤثر مناجات شائع کردی ہے جو بیوہ نے اپنے متوفی شوہر کی نعش کو مخاطب کر کے کی تھی۔

مجلس وزراء

اطلاع پاتے ہی مجلس وزراء کا ایک فوری جلسہ منعقد ہوا اور اُسنے قوم کے نام حسب ذیل اعلان شائع کیا:

"وزارت، انتہائی رنج و الم کے ساتھ مصری قوم کو اُس کے عظیم رہنما، سعد پاشا زغلول کی وفات کی جانکاہ خبر پہنچاتی ہے۔ مختصر بیماری کے بعد موت کے بے پناہ ہاتھ نے قوم کے رہنما، اُس کی اُمیدوں کے مرکز، اُس کی بیداری کے قائد، اُس کی حمایت کے علم بردار کو ذرا بھی مہلت دئے بغیر چھین لیا۔ خدا مرحوم پر اپنی رحمت نازل کرے اور قوم کو صبر جمیل عطا فرمائے"

جنازہ

رات بھر مرحوم کے مکان میں زائرین کا ہجوم رہا۔ دوسرے دن صبح ۹ بجے تمام وزراء اور سفراء دول بھی پہنچ گئے۔ بارہ بجے دن کو نعش بالائی منزل سے نیچے لائی گئی۔ اُسپر صرف کفنی تھی۔ کوئی قیمتی چادر نہ تھی۔ نیچے آتے ہی پھولوں کی بارش شروع ہوگئی۔ بے شمار ٹوکرے پھولوں سے بھرے ہوئے، لوگ اپنے ساتھ لائے تھے۔ نعش دیکھ کر ایک مرتبہ پھر گریہ و بکا برپا ہوگیا!

اب مصری فوج بھی پہنچ چکی تھی۔ جنازہ سرکاری طور پر اُٹھنا طے پایا تھا۔ تمام سرکاری عہدے دار، امراء، وزراء، سفراء، پارلیمنٹ کے ممبر، مسلمان، قبطی، رومی، ارمن، یہودی فرقوں کے علماء، کاہن، ربی، اور احبار اپنے اپنے خاص لباس میں موجود تھے۔

جب تمام طیاریاں مکمل ہوگئیں تو سعد پاشا کی بیگم سیاہ نقاب منہ پر ڈالے برآمد ہوئیں۔ وہ ضعف سے چل نہیں سکتی تھیں۔ کئی عورتوں کے سہارے وہ اپنی موٹر تک پہنچیں، مگر بیٹھنے سے پہلے ہی بیہوش ہوگئیں۔ فوراً منعش دوائیں دے کر انھیں ہوش میں لایا گیا۔ اب وزراء اور فوجی افسروں نے نعش اپنے کاندھوں پر اٹھائی اور توپ کی گاڑی پر رکھی۔ اسوقت کا منظر ناقابل بیان ہے معلوم ہوتا تھا، مصر کا آسمان و زمین ماتم کر رہا ہے۔ رونے والی عورتوں اور مردوں کی چیخیں باہم مل گئی تھیں۔ کچھ سنائی نہیں دیتا تھا۔ نہیں معلوم رونے والوں میں کتنی قوت پیدا ہوگئی تھی، اور اُن کی آنکھوں میں آنسوؤں کے کتنے دریا سما گئے تھے کہ نوحہ و بکا کا سلسلہ کسی طرح بھی رُکنے پر نہیں آتا تھا!

مصری علم

اسوقت محبت و عقیدت کا ایک جھگڑا پیش آگیا۔ فوج کے افسروں نے نعش اُٹھانے سے پہلے کہا "جنگی روایات کی رو سے ضروری ہے کہ مرحوم کی نعش پر مصر کا فوجی پرچم ڈالا جائے" ساتھ ہی اُنھوں نے اپنا پرچم پیش بھی کردیا۔ مگر مرحوم کی بیوہ نے اس سے انکار کیا۔ اُنھوں نے ایک ریشمی علم پہلے سے طیار کر لیا تھا۔ اُنھوں نے اصرار کیا کہ نعش اسی میں لپیٹی جائے۔ مجبوراً افسروں کو اپنی ضد سے باز رہنا پڑا۔

اس کے بعد ملکی افسروں نے کہا "مرحوم کے تمام تمغے اُن کی نعش پر رکھے جائیں، کیونکہ وہ ہماری جماعت کے آدمی تھے" مگر بیگم زغلول نے اس سے بھی انکار کیا۔ اُنھوں نے کہا "سب سے بڑا تمغہ مصری علم ہے۔ اس تمغہ پر کوئی دوسرا تمغہ نہیں رکھا جاسکتا"

جوں ہی نعش توپ پر رکھی گئی، منادی نہایت ہی بلند آواز سے چلایا "لا الہ الا اللہ — البقاء للہ" ہر طرف سے نعرے بلند ہوئے "رحمک یا سعدا!" عورتیں چلائیں "فلتحی ذکری سعد!"

ایک عجیب قیامت برپا ہوگئی۔ اگر فوج اور پولیس کا انتظام غیر معمولی نہ ہوتا تو یقیناً بے شمار جانیں ضایع جاتیں۔ کیونکہ نعش کے بلند ہوتے ہی ہزاروں آدمیوں نے بیک وقت آگے بڑہنا شروع کردیا۔ ہر شخص کی یہی خواہش تھی کہ سعد کی نعش کا بوسہ لے لے، یا کم سے کم اُسے چھو ہی لے۔ مگر فوج اور پولیس نے پُرجوش مجمع کو روک دیا اور ٹھیک ۸ بجے جنازہ روانہ ہوگیا

جلوس میں سب سے آگے فوج کا ایک بڑا دستہ اپنا جنگی باجا بجا رہا تھا۔ اُس کے بعد مزدوری پیشہ طبقہ کی مختلف جماعتیں تھیں۔ ریلوے کے مزدور، کارخانوں کے مزدور، گاڑی بان، لوہار، حجام، غرضکہ مختلف پیشہ وروں کی علحدہ علحدہ صفیں تھیں۔ انکے پیچھے پھر فوج اپنے باجے کے ساتھ تھی۔ اس کے پیچھے مختلف تجارتی کمپنیوں کے مزدور اور کارکن تھے۔ چھاپے خانوں کے مزدوروں کی صفیں، انکے بعد تھیں۔ پھر .....

مگر میرے لئے یہ تمام تفصیل بیان کرنا ناممکن ہے۔ صرف اس قدر کہدینا کافی ہے کہ قاہرہ میں جتنی جماعتیں اور فرقے موجود ہیں، جتنے مدارس قائم ہیں، جتنی انجمنیں، .... بلکہ اگر یہ کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ جتنی بھی مخلوق موجود ہے، اُس کا بڑا حصہ جنازے کے ساتھ ماتم کناں موجود تھا!

اس جلوس میں ایک قابل ذکر بات یہ تھی کہ اُس میں ہر طرف ہلال اور صلیب، دونوں کے علم بلند تھے۔ دونوں ہوا میں ملتے تھے اور ہم آغوش ہوجاتے تھے۔ یہ نظارہ نہایت ہی پُراثر تھا۔ یہ اس حقیقت کا ثبوت پیش کر رہا تھا کہ مصر میں اب ایک ہی عنصر باقی ہے، اور وہ آزادی خواہ مصری قوم ہے۔ اور یہ کہ سعد زغلول کسی ایک فرقہ کا رہنما نہ تھا، بلکہ مصر کے تمام فرقوں کا یکساں طور پر رہنما تھا۔ وہ جس طرح مسلمان مصریوں کا محبوب تھا، اُسی طرح مسیحی مصریوں کا بھی محبوب تھا!

نماز جنازہ

ٹھیک ۹ بجے جنازہ، مسجد قیسون میں پہونچا۔ یہاں لاکھوں مخلوق نے نماز جنازہ اُدا کی۔ صفوں میں سیکڑوں قبطی عیسائی، اور مصری یہودی بھی مسلمان نمازیوں کے دوش بدوش کھڑے تھے، اور اپنے سردار کی مغفرت کے لئے رب العالمین سے الحاح وزاری کر رہے تھے!

قبر پر!

نماز کے بعد جنازہ پھر آگے بڑہا اور حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبرستان کی طرف روانہ ہوا۔ قبر کے قریب پہنچکر جلوس رکا۔ ۷ آدمیوں نے گاڑی پر سے نعش اُتاری۔ ان میں دو قبطی عیسائی بھی شامل تھے۔ قبر میں نعش اُتارنے والے بھی یہی لوگ تھے۔ اس وقت کا ماتم ناقابل بیان ہے۔ دُنیا کا کوئی قلم بھی اُسے نہیں لکھ سکتا۔ ایسا ماتم تھا کہ دل پھٹے جاتے تھے۔ ۶ معزز آدمی بیہوش ہوکر گر پڑے!

اس تمام دوران میں قلعہ سے توپیں دغتی رہی تھیں۔ مسیحی گرجوں کے گھنٹے بج رہے تھے۔ تکبیروں کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ قاہرہ، پورے معنی میں نشانِ غم بن گیا تھا۔

مٹی دینے سے پہلے فتح اللہ باشا برکات قبر میں اُترے اور مرحوم کو آخری سلام کرکے نکل آئے۔

وزیر داخلیہ کی تقریر

اس مُوثر موقعہ پر جعفر والی باشا وزیر داخلیہ کھڑے ہوئے اور کہا:

"سعد، مرگیا۔ اُف، کیسی سخت مصیبت درپیش ہے! یہ ایسی مصیبت ہے جس کا غم کبھی دُور نہیں ہوگا۔ سعد پاشا نے جن اعلیٰ اصول پر اپنی زندگی قربان کی، الحمد للہ اب وہ اصول تمام مصری قوم کے دلوں میں راسخ ہوچکے ہیں۔ اگر یہ جلیل القدر وجود اپنے جسم سے دُور ہوگیا ہے، تو کوئی مضائقہ نہیں، اُس کی روح ہمارے ساتھ برابر زندہ رہیگی۔ ہم سب ایک ایک کرکے اسی طرح مرجائیں گے، مگر قوم اس شخص کی پیدا کی ہوئی روح سے ہمیشہ زندہ رہیگی!"

پارلیمنٹ کی تعزیت

وفات کے دوسرے دن پارلیمنٹ کے تمام ممبر "بیت الامہ" (یعنی قوم کا گھر۔ یہ اُس مکان کا نام ہوگیا ہے جس میں سعد پاشا رہتے تھے) میں جمع ہوئے، اور بیگم زغلول کے سامنے حسب ذیل تقریر کی:

"مرحوم و مغفور رہنما کی حرم محترم!

"یہ موقعہ ہمارے لئے نہایت ہی دردناک ہے کہ بیت الامہ میں جبکہ وہ سعد سے خالی ہوچکا ہے، اُس کی رفیق حیات کی تعزیت کو حاضر ہوں۔

"معزز خاتون! مصری قومیت کی تعمیر میں سعد نے پہلی اینٹ رکھی۔ اُسنے پوری سرزمین مصر کو ایک قوم بنا دیا اور اُس کا ایک ہی نعرہ قرار دیدیا۔ وہ نعرہ، کامل آزادی کا نعرہ ہے۔ اُسنے پوری قوم کی ایک صف بنادی۔ خود آگے کھڑا ہوا، اور منزل مقصود کی طرف روانہ ہوگیا۔ اُسنے آزادی کی صفیں آگے بڑھائیں۔ عزت و عظمت کی راہوں میں داخل ہوا۔ تمام مشکلیں حل کرڈالیں۔ رُکاوٹیں دُور کردیں اپنی بے نظیر قربانیوں سے منزل مقصود قریب کردی۔ اپنی بے مثل شجاعت سے ناممکن کو ممکن بنادیا!

"سعد، دستوری حکومت کا باپ تھا، محافظ تھا، سپہ سالار تھا، سپاہی تھا۔ پارلیمنٹ کا سب سے پہلے کھولنے والا تھا۔ منبر خطابت کو سب سے پہلے ہلا ڈالنے والا تھا۔ حکومت کے ایوان میں سب سے پہلے اُسی کی حق گو آواز گونجی تھی!

"سعد ہی نے پارلیمنٹ کے اصول مقرر کئے۔ ضوابط بنائے۔ دستورالعمل مرتب کیا۔ اُس کی عزت بڑہائی۔ اُس میں عظمت پیدا کی اُسے قوت بخشی۔ اپنے جاہ و جلال کا ایک عظیم پرتو اُس پر ڈالا، اور وہ پُرجاہ اور پُرجلال بن گئی........

"سعد اپنی صدارت کی کرسی پر حق و باطل کی سچی میزان تھا۔ دُور اور نزدیک کے لئے روشنی کا ستون تھا۔ فصاحت میں صادق البیان تھا۔ پیری میں شباب عزم تھا۔ فیصلہ کی عظمت تھا۔ لفظ میں بلاغت تھا۔ حجت بالغہ تھا۔ آیۃ اللہ تھا۔ ہدایت کا نور تھا۔ عقل کا ستون تھا۔ خطابت کا امام تھا....

"محترم خاتون! اسوقت جبکہ حزن و ملال نے آپ کو اپنی موجوں میں لے لیا ہے، اور جبکہ سعد پر رب کریم کی نظر عنایت پڑ رہی ہے، ہم اپنے زخمی دلوں کے ساتھ تعزیت پیش کرتے اور قسم کھاتے ہیں کہ جب تک زندگی باقی ہے کامل آزادی کے حصول کی جدوجہد جاری رکھیں گے اور پورے اتحاد و اتفاق کے ساتھ دستور حکومت کی حفاظت کریں گے۔

"محترم خاتون! سعد نہ آپ کا تھا نہ ہمارا تھا۔ وہ خدا کا تھا اور وطن کا تھا۔ اُسنے اپنی تمام جرأت و ہمت، عظیم قربانیاں، عزم راسخ، غرضکہ جتنی بھی مافوق العادت قوتیں اُسے ملی تھیں، سب کی سب اپنے وطن کی خدمت پر وقف کردی تھیں، یہاں تک کہ موت آگئی، اور اُسے شہادت نصیب ہوئی۔ سعد، شہید وطن ہے!

"سعد اپنی قبر میں آرام سے سوئے، کیونکہ وہ اپنے پیچھے ایک ایسی قوم چھوڑ گیا ہے جو اُسے کبھی فراموش نہیں کرے گی۔ پس سعد پر اُس کی زندگی میں سلام ہو اور موت کے بعد قبر میں بھی......"

تقریر یہاں تک پہنچی تھی کہ فتح اللہ باشا نے بالائی کمرے سے چلا کر کہا: "حضرات! سعد باشا کی حرم محترم آپ سے درخواست کرتی ہیں کہ خاموش ہوجائیے۔ وہ کہتی ہیں آپ کی تقریر سے میرا دل پھٹا جاتا ہے۔ آپ کی ہمدردی کی از حد شکرگذار ہوں۔ میری زبان اظہار کے اظہار سے قطعاً عاجز ہے۔ خدا سے میری دعا ہو کہ آپ سب کے سلامت

رکھے۔ زندہ باد مصر!"

سعد پاشا کی حرم کا بیان

صفیہ خانم زوجہ محترمہ سعد پاشا مرحوم نے قوم کے نام حسب ذیل بیان شایع کیا ہے:

"میرے فرزندو!

"اگر سعد، جوارِ جوار خداوندی میں پہنچ چکا ہے، مجھ اکیلی کا سعد ہوتا، تو اُس کی موت پر تمھاری تعزیتوں کا شکریہ ادا کرتی لیکن وہ پورے مصر کا سعد تھا۔ وہ مصر کا سپہ سالار تھا۔ امین تھا۔ اُسکی موت کی مصیبت، خود تمھاری مصیبت ہے۔ اُس کا ماتم خود تمھارا ماتم ہے۔ اگر مجھے شکریہ ادا کرنے کا کوئی حق پہنچ سکتا ہے تو وہ صرف اسی لحاظ سے کہ اُس کی محبت مجھے حاصل تھی۔ اُس کی نیکی مجھ پر دائمی تھی اُس کے نام کی عزت مجھے نصیب ہوئی تھی۔ اُس کی وجہ سے تمھاری محبت اور قومی حکومت کی شفقت مجھے میسر آئی۔ اگر اتنا حق میرے لئے منظور کرو تو میرا شکریہ قبول کرلو۔ ایسا شکریہ، جس کے اخفا کی قدرت میرے دل میں نہیں ہے اور جس کے اظہار سے میری زبان قاصر ہے!

"میرے بچو! سعد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ایک اعلیٰ مطمح نظر تھا۔ سعد مرگیا، مگر الحمد للہ یہ مطمح نظر ہنوز باقی ہے۔ اُس کی محبوب شکل ہم سے اوجھل ہوگئی، مگر اُس کی قیمتی یاد ہمارے دلوں میں زندہ رہیگی، والذکری تنفع المومنین!

"اگرچہ اُس کی جُدائی کے غم نے ہمارے دل توڑ ڈالے ہیں لیکن آؤ، اس غم کو مزید حمیت و شجاعت کا ذریعہ بنائیں۔ یہ غم ہماری ہمتیں بلند کرنے والا اور ہم میں ایک بالکل نیا جوش پیدا کرنے والا ہو کیونکہ شریف غم ایک ایسی قوت پیدا کردیتا ہے جو بے روک ہوتی ہے، ایسی ہمت لاتا ہے جو لامتناہی ہوتی ہے۔ اگر سعد کا ہم پر کوئی حق ہے تو وہ حق یہی ہے کہ ہم امید کو نہ چھوڑیں، کیونکہ یہ پودا اُسی کا لگایا ہوا ہے۔ ہم اُس کے حسن ظن کے مطابق ثابت ہوں۔ اُس کا کام پورا کریں۔ اُس کی رکھی ہوئی بنیاد پر اپنی عمارت کھڑی کردیں۔ مصر کو یاد رکھیں مصر کے سوا سب کچھ بھول جائیں۔ مصر ہی ہمارا مبتدا و منتہا ہے۔ اُسی سے پیدا ہوئے ہیں اور اُسی کی خاک میں مل جانے والے ہیں۔ اگر ہم ایسا کرینگے تو یقین کرو، سعد کو اپنی صفوں میں پائیں گے۔ بلکہ ہر خادم وطن، ہر مجاہد وطن، سعد کو اپنے دل کے اندر دیکھے گا۔ یہ اس لئے کہ سعد، جس سے ہم محبت کرتے اور جسے ہمیشہ یاد رکھنا چاہتے ہیں، دراصل ہمارا وہ مطالبۂ حق ہے جس کے لئے ہم کوشاں ہیں۔ یعنی آزادی، یعنی خود مختاری۔ اسی پر ہم جینگے اور اسی پر مرینگے!

"میرے عزیزو! آج مصر تمھاری طرف دیکھ رہا ہے، تم بھی اُسے دیکھو۔ وہ تمھیں پکار رہا ہے، تم بھی اُس کی آواز سنو۔ تم نے کبھی اُس کی پکار سے کان بند نہیں کئے۔ آج پھر اُس کی طرف دوڑو، بے شک سعد مرگیا، مگر مصر زندہ رہے! بے شک قوم کا رہنما مرگیا، مگر قوم زندہ ہے! قومی آرزوں کا نشان مٹ گیا مگر قومی آرزوئیں زندہ ہیں۔ آؤ ہم بڑہ کر سعد کا جھنڈا اپنے کاندھوں پر اٹھا لیں۔ وہی اللہ جس نے مصر کے لئے ظلمت غفلت کے بعد نور بیداری کی راہ باز کردی تھی، ہمیں آیندہ بھی راہ راست دکھلائے گا، اور قوم کے لئے سعد کا نعم البدل پیدا کرے گا........"

سعد پاشا کی یادگار

مجلس وزارت نے سعد پاشا کی یادگار قایم کرنے کے لئے حسب ذیل تجویزیں منظور کی ہیں:

(۱) مرحوم کا ایک بلند مجسمہ قاہرہ میں اور ایک اسکندریہ میں قائم کیا جائے۔ یہ دونوں مجسمے مرحوم کو حالت خطابت میں ظاہر کرینگے۔

(۲) "بیت الامہ" (سعد پاشا کا مکان) خرید کر قومی عمارت بنادی

جائے۔ اُس کا نام بدستور یہی رہے گا۔ مرحوم کی بیوہ کو زندگی بھر اُسمیں رہنے کا حق ہوگا۔

یہ مکان مرحوم نے ۱۹۰۱ء میں تعمیر کیا تھا۔ اور اپنی حرم محترم پر وقف کر دیا تھا۔ وزارت نے طے کیا ہو کہ مکان کا وہ تمام سامان اُسی ترتیب سے باقی رکھا جائے گا، جس طرح مرحوم کی وفات کے وقت تھا، حتیٰ کہ مرحوم کے کپڑے بھی محفوظ رکھے جائیں گے۔ اِن کپڑوں میں ایک شیخ جبہ بھی ہو جو وہ اپنے وطنی لباس کے اوپر پہنا کرتے تھے۔ لکھنے پڑھنے کا بھی تمام سامان علی حالہ رکھا رہے گا۔ گھر کی ہر چیز پر لکھا جائے گا کہ کب خریدی گئی؟ کیوں خریدی گئی؟ اور مرحوم اُس سے کیا کام لیتے تھے؟

(۳) بیت الامہ ہی میں مرحوم کی نعش دفن کی جائے گی۔ اُن کی موجودہ قبر عارضی ہو۔ اِس نئے انتظام کی تکمیل اور جدید شاندار مقبرے کی تعمیر کے بعد نعش یہاں منتقل کر دی جائے گی۔

(۴) سعد پاشا "ابیانہ" گاؤں کے جس مکان میں پیدا ہوئے تھے، وہ بھی خرید لیا جائے اور اُس میں شفاخانہ یا مدرسہ جاری کر دیا جائے

(۵) پایۂ تخت میں ایک عظیم الشان شفاخانہ یا یتیم خانہ قائم کیا جائے اور مرحوم کے نام پر اُس کا نام رکھا جائے۔

تعزیت کے پیغام

بیگم زغلول کے نام دُنیا بھر سے تعزیت کے پیغام آ رہے ہیں۔ بڑے بڑے آدمیوں اور بادشاہوں نے تار بھیجے ہیں۔ اِس سلسلہ میں سب سے پہلا پیغام سلطان ابن سعود اور اُن کے بیٹے امیر فیصل کا تھا۔ اِن دونوں نے نہایت رنج و ملال کا اظہار کیا ہو اور اِس حادثہ کو تمام مشرق کے لئے عظیم خسارہ بتایا ہو۔ اگر میں اِن تمام پیغاموں کا ذکر کروں تو چھٹی بہت طویل ہو جائے گی۔

یورپین اخبارات کے افکار

یہ معلوم کرنا نہایت اہم ہو کہ زغلول پاشا کی وفات کو یورپ کے اخبارات نے کس نظر سے دیکھا ہو؟ خصوصاً برطانی اخباروں نے کس طرح اظہار خیال کیا ہو؟

ٹائمس آف لنڈن لکھتا ہو:

"زغلول پاشا نے معاملات مصر میں جو حصہ لیا، اُس کے متعلق تاریخ کا فیصلہ کچھ ہی ہو، لیکن یہ یقینی ہو کہ تاریخ اُنھیں مصر جدید کا سب سے بڑا آدمی شمار کرے گی۔ وہ اپنے اندر ایک حیرت انگیز روح رکھتے تھے، اگرچہ زیادہ مضبوط جسم کے مالک نہ تھے۔ وہ اپنی جسمانی بناوٹ اور شکل و صورت میں مصری "فلاح" (کسان) کا مکمل نمونہ تھے زبردست شخصیت اور اخلاق رکھتے تھے۔ خلاف عادت شجاعت اور صراحت، اُن کی نمایاں صفت تھی۔ بڑی قوت استدلال، مسکت حجت، حاضر جوابی، خوش گفتاری، اور حیرت انگیز خطابت نے اُنھیں نہایت ممتاز کر دیا تھا۔ محمد علی پاشا اول خدیو مصر کے عہد سے آجتک کسی نے بھی فرعون کی سرزمین میں اتنی مقبولیت، اخلاقی اقتدار، اور عام محبوبیت حاصل نہیں کی جتنی زغلول پاشا نے حاصل کی۔ اسی قدر نہیں بلکہ مصر جدید کی تاریخ میں وہ پہلے سیاسی رہنما ہیں جنھوں نے قوم کے دل و دماغ، دونوں پر یکساں اثر ڈالا اور ملک کی سیاسی تربیت کی۔ عام طور پر دیکھا گیا ہو کہ مشرقی رہنما مغربی رہناؤں کے مقابلے میں جلد بوڑھے ہو کر معطل ہو جاتے ہیں۔ لیکن سعد زغلول، اِس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ اپنی زندگی کے آخری لمحے تک چست و چالاک رہے اور سخت سے سخت دماغی محنت انجام دیتے رہے۔ تاریخ میں بہت کم انتہا پسند انقلابیوں کے نام ملتے ہیں۔ جو ۷۰ سال کی عمر کے بعد بھی اپنا سیاسی اقتدار اور مقبولیت برقرار رکھ سکے ہوں۔ لیکن زغلول پاشا اپنے آخری وقت تک محبوب و مقبول رہے۔ اُن کی عمر جتنی زیادہ ہوتی گئی، اُسی قدر زیادہ اُن میں سیاسی جوش اور انقلابی روح بیدار ہوتی گئی ... برطانیہ نے زغلول کو جلا وطن کیا تھا۔ لیکن اِس عظیم الشان کے دل میں اِس وجہ سے کوئی بغض پیدا نہیں ہوا۔ برطانیہ نے دیکھ لیا تھا کہ یہ اُس کا ایک ایسا دشمن ہو جو خندہ پیشانی سے ہر طرح کی ضربیں برداشت کر سکتا اور پورے حوصلے سے اُن کا جواب دے سکتا ہو۔ کوئی شخص بھی اِس فلاح کی شجاعت پر حیرت کئے بغیر نہیں رہ سکتا، جس نے بے شمار مخالف قوتوں سے مقابلہ کیا اور سب کو بالآخر اپنے ارادے کے سامنے جھکا لیا ...!"

ڈیلی نیوز لکھتا ہو:

"زغلول، سالہا سال سے مصر کا معبود تھا۔ سیاسی جنگ میں اُس کی شجاعت و بسالت بے نظیر تھی۔ وہ اپنی قوم کو کامل خود مختاری کی طرف لے جا رہا تھا۔ لارڈ کرزن نے ایک مرتبہ کہا تھا "زغلول، شورش کا غیر مسئول علم بردار ہو!" لیکن کچھ ہو، وہ اپنے ملک کی آزادی چاہتا اور انگریزوں کو وہاں سے نکال باہر کرنا چاہتا تھا۔ مصریوں کے دل میں اُس کی عزت بے حساب تھی۔ وہ ہمارا شریف اور بہادر دشمن تھا"

منچسٹر گارڈین لکھتا ہو:

"زغلول پاشا، تمام مصریوں میں ایک آدمی تھا۔ اُس کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ یہی وجہ ہو کہ اُسے ۳ مرتبہ جلا وطن ہونا پڑا۔ انگریزوں نے بہت کوشش کی کہ اُسے جاہ و منصب کا لالچ دے کر ملا لیں، مگر اُس نے ہمیشہ انکار کیا، اور کامل خود مختاری کے سوا کبھی کچھ قبول کرنے پر رضامند نہ ہوا۔ سعد پاشا کی ذہانت، اخلاق، خوش مزاجی، ایسی تھی جس کی نظیر مغلوب قوموں کے رہناؤں میں کبھی نہیں دیکھی گئی"

یہ انگلستان کے متعصب سے متعصب اخبارات کے خیالات ہیں لیبر پارٹی کے اخبارات نے تو اِس سے بہت زیادہ لکھا ہو۔ اختصار کے خیال سے ہم ان کا ذکر نہیں کر سکتے۔ یہ تمام رائیں تار کے ذریعہ قاہرہ کے اخبارات میں پہنچی ہیں اور ابھی ان کا سلسلہ برابر جاری ہو۔

اسی طرح فرانسیسی اخبارات نے بھی طویل و عریض مضمون شائع کئے ہیں اور مرحوم کی بہت تعریف کی ہے۔

نیم سرکاری اخبار "طان" لکھتا ہو: سعد پاشا، مصر کے اِس وقت سب سے بڑے آدمی تھے۔ اُن کی زندگی کا اکثر حصہ، اپنے ملک کے لئے آزادی حاصل کرنے کی جد و جہد میں گزرا۔ وہ دُنیا بھر کی نظروں میں معزز و محترم تھے ..."

"ایکو ڈی پاری" لکھتا ہو "زغلول، مصر کا عظیم آدمی تھا۔ آزادی کا علم بردار تھا۔ مصر میں اُس سے بڑا کوئی آدمی موجود نہ تھا..."

اخبار "دیبا" لکھتا ہو "سعد کی مَوت نے مصر کو اپنے سب سے بڑے رہنما سے محروم کر دیا۔ اُس کی شخصیت، بہت ہی عظیم تھی..."

مکتوب بہت دراز ہو گیا ہو۔ آیندہ ہفتے انشاء اللہ میں لکھونگا کہ سعد پاشا کی مَوت کا اثر مصر کی سیاست پر کیا پڑ سکتا ہو؟ اور انگریز اُس سے فائدہ اُٹھانے کی ابھی سے کیسی طیاریاں کرنے لگے ہیں؟ لیکن قلم روکنے سے پہلے میں بہت ہی اختصار کے ساتھ مرحوم کی سیاسی زندگی پر ایک سرسری نظر ڈال لینا مناسب سمجھتا ہوں۔ تاکہ آپکے قارئین اندازہ کر سکیں کہ یہ عظیم زندگی کیونکر شروع ہوئی اور کس طرح موجودہ بلندی تک پہنچی؟

سعد پاشا کی زندگی پر ایک نظر

وہ ۱۸۶۰ء میں پیدا ہوئے۔

۲۰ر اکتوبر ۱۸۸۰ء کو شیخ سعد زغلول ازہری طالب علم کی سرکاری اخبار الوقائع المصریہ کے ادارۂ تحریر میں تقرری ہوئی۔ ۸۰۰ قرش (ایک قرش ۳ر کا ہوتا ہو) ماہوار تنخواہ مقرر ہوئی تھی۔ یہ طالب علم خوش اطوار ہو۔ شیخ محمد عبدہ نے اُس کے چال چلن کی تصدیق کی ہو یہ عبارت ایک سرکاری فرمان سے اخذ کی گئی ہو۔ اُسوقت مرحوم، ازہر کے طالب علم تھے اور "شیخ سعد زغلول" کہلاتے تھے۔

یکم فروری ۱۸۸۲ء کو اُن کی تنخواہ ۳۲۳ قرش ہوگئی۔

۳ر مئی ۱۸۸۲ء کو "سعد آفندی زغلول" کا تبادلہ وزارت داخلیہ کے محکمہ میں ہو گیا اور تنخواہ ۱۰ پونڈ مقرر ہوئی۔

۶ر ستمبر ۱۸۸۲ء کو "جیزہ" کی کمشنری میں محافظ دفتر کا غذات سرکاری مقرر ہوئے۔

۲۷ر جون ۱۸۹۲ء میں ۴۵ پونڈ تنخواہ پر درجہ دوم کے مجسٹریٹ مقرر ہوئے

یکم فروری ۱۸۹۴ء میں تنخواہ ۵۰ پونڈ ہوگئی۔

یکم جنوری ۱۸۹۶ء میں تنخواہ ۶۰ پونڈ قرار پائی۔

۸ر اپریل ۱۸۹۹ء میں اُنھیں پہلا سرکاری تمغہ دیا گیا۔

۱۲ر جنوری ۱۹۰۳ء میں اُنھیں تمغۂ نشان مجیدی عنایت ہوا۔

یکم جنوری ۱۹۰۵ء میں اُن کی سالانہ تنخواہ ایک ہزار پونڈ ہوگئی۔

۲۸ر اکتوبر ۱۹۰۶ء میں سعد زغلول بک "وزیر تعلیم" مقرر ہوئے۔

۱۲ر نومبر ۱۹۰۶ء میں "پاشاہ" کا خطاب ملا۔

۱۸ر جنوری ۱۹۰۸ء میں "مجیدی اول" کا تمغہ ملا۔

۲۳ر فروری ۱۹۱۰ء میں محکمۂ عدالت کے وزیر مقرر ہوئے۔

۲۷ر جنوری ۱۹۲۴ء میں وزیر اعظم مقرر ہوئے۔

۲۳ر مارچ ۱۹۲۵ء میں پہلی مرتبہ پارلیمنٹ کے صدر مقرر ہوئے۔

۱۰ر جون ۱۹۲۶ء میں دوسری مرتبہ پارلیمنٹ کے صدر منتخب ہوئے۔

۲۳ر اگست ۱۹۲۷ء میں فوت ہوگئے۔

اطلاع ضروری

(۱)

بارش کی وجہ سے مطبع الہلال کے مشین روم کے بعض حصے کئی ہفتہ سے کمزور ہو گئے تھے، خصوصاً وہ ستون جن کے ذریعہ مشینیں موٹر سے ملحق کی گئی ہیں۔ ہم نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح کام کے روکے بغیر درستگی کی جا سکے لیکن کوئی صورت نہ نکل سکی۔ مجبوراً اِس ہفتہ کا کام ختم کر کے ان کی ازسرِ نو تعمیر شروع کر دی جاتی ہو۔ ہم پوری کوشش کرینگے کہ آیندہ نمبر کسی نہ کسی طرح نکل جائے، لیکن اگر کامیابی نہ ہوئی تو اِس صورت میں آیندہ جمعہ کا پرچہ جاری نہ ہو سکے گا، اور اُس کے بعد کے جمعہ کو نکلے گا۔ خریداران الہلال کو اگر پیر تک پرچہ نہ ملے، تو وہ سمجھ لیں کہ پرچہ شائع نہیں ہو سکا ہو۔ یہ ہفتہ خریداروں کی سالانہ قیمت میں محسوب نہ ہوگا۔ "منیجر"

(۲)

بعض حضرات نے لکھا ہو کہ اسوقت تک مولانا ابو الکلام کے اُن مضامین کی اشاعت شروع نہیں ہوئی ہو جس کا اُن کے احباب کو انتظار تھا۔ بجز باب التفسیر کے اور وہ بھی ہر نمبر میں مسلسل نہیں ہو۔ اُن حضرات کو اِس طرف توجہ دلائی جاتی ہو کہ الہلال جاری کرتے ہوئے اُنھوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ جبوقت تک مقدمہ اور تفسیر کی ابتدائی جلدوں کی ازسرِ نو تحریر سے وہ فارغ نہیں ہونگے، الہلال کے لئے پورا وقت نہیں نکال سکیں گے۔ اب وہ ایک حد تک فارغ ہو چکے ہیں۔ اور اُنھوں نے ارادہ کر لیا ہو کہ سفر شملہ سے واپسی کے بعد اِس کے لئے کافی وقت نکال لیں گے۔

منیجر

ادبیات

انّ من البیان لسحرا!

مرحوم سعد باشا زغلول کی بلیغ تقریریں

مرحوم احمد سعد باشا زغلول کی فصاحت و بلاغت اور قوت خطابت، مشہور عالم ہے۔ اُن کی مقبولیت اور سیاسی زعامت کی کامیابی میں ایک بڑا راز اُن کی یہی ساحرانہ خطابت ہے۔ ہم چاہتے ہیں اُن کی بعض مشہور تقریروں کے اقتباسات وقتاً فوقتاً شایع کرتے رہیں۔ ادبی خوبیوں کے علاوہ ان سے مرحوم کا سیاسی مذہب اور فکری رجحان بھی معلوم ہوگا۔

شہیدان وطن کی یاد

"ہمہ تن خشوع ہو کر اُن پاک روحوں کی طرف، بہادروں کی روحوں کی طرف، متوجہ ہوتا ہوں، جنھوں نے حق کا اعلان کیا، حالانکہ حق کا اعلان مصر میں سب سے بڑا جرم تھا!

"وہ حق کا ڈنکا بجاتے آگے بڑھے۔ اُن کی بے لاگ شجاعت نے ہمیں سرخ رُو کر دیا۔ سب کو وطن کے احترام پر مجبور کر دیا۔ وہ اپنا فرض انجام دے چکے۔ اب وہ آرام سے اپنی قبروں میں سوئیں۔ آزادی کی سہانی صبح اُن کے خون سے نہائی ہوئی، غلامی کی ظلمت چاک کر کے نکل آئی۔ اللہ اُن کی قبریں روشن کرے۔ فردوس بریں میں اُنھیں اُتارے۔ ہمارے عمل سے اُن روحوں کو خوش کرے"

نوجوان

"میری قوم کی جوانی پر خدا کا سایہ! نوجوانوں نے جوانی کے اُن تمام خزانوں کے منہ کھول دیئے جو اُن کے سینوں میں بند تھے۔ پورے ملک کو جوش اور خودداری سے لبریز کر دیا۔ دلوں میں عظمت پیدا کی، سروں میں حکمت اُتاری، جسموں میں نظام قائم کر دیا۔ نوجوان ہی ہماری تحریک کا اصلی ستون ہیں۔ مصر کے لئے روشنی کا مینار ہیں۔ مستقبل اُنھیں کے ہاتھ میں ہے۔ اور نوجوان ہاتھوں کی قوت معلوم ہے"

علمار دین

"میں علمار اسلام اور مسیحی قسیسوں کا شکرگزار ہوں۔ اُنھوں نے متحد ہو کر دشمن کی سب بڑی حجت باطل کر دی۔ تمام اختلافات دُور کر دیئے، اور ثابت کر دیا کہ سب دین اپنی غرض میں ایک ہیں۔ سب وطن کی مدافعت فرض قرار دیتے ہیں، سب کا تعلق، خالق ارض و سمار کی عبادت سے ہے۔ سب وطنی مصلحت میں مخلوق کو اتحاد کی دعوت دیتے ہیں"

اصول نہ کہ اشخاص

"سعد اور اُس کے رفیق، تم میں انبیار نہیں ہیں جنھوں نے معجزے دکھائے۔ اولیار نہیں ہیں جنھوں نے کرامتیں دکھائی ہیں۔ وہ تمھارے ہی افراد ہیں۔ تمھارے اصول کے خدمتگذار ہیں۔ تمھارے ہی آدمی ہیں، تمھارے شعور کا اُنھوں نے احساس کیا اور تمھارے اصول سے لبریز ہو گئے۔ چنانچہ وہ اُن کی خدمت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ پس ہمارے لئے کوئی فخر نہیں۔ اور اگر ہے تو وہ تم سب کا فخر ہے۔

"بلاشبہ میں نے کچھ خدمت کی ہے۔ لیکن میں نے کوئی قربانی نہیں کی، کیونکہ میں بے روزگار تھا۔ البتہ میرے ساتھیوں نے قربانیاں کی ہیں۔ اُنھوں نے اپنے منصب اور عہدے چھوڑے، حتٰی کہ اپنی اولاد تک کی جُدائی گوارا کی، اور آپ جانتے ہیں کہ میرے کوئی اولاد بھی نہیں (اسپر حاضرین چلائے "ہم سب آپ کی اولاد ہیں") بلاشبہ تم سب میری اولاد ہو۔ لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ یہ تمام اعزاز اشخاص کے لئے نہیں، اصول کے لئے ہے۔ وہ اصول، سعد اور سعد کے رفقار سے کہیں بلند ہے"

اتحاد

"میری نظر میں سب سے بڑی اور محبوب چیز مسلمانوں اور قبطیوں کا اتحاد ہے۔ یہ علم، جو اس مبارک اتحاد کا نشان ہے، مجھے دنیا اور دنیا کی سب چیزوں سے زیادہ عزیز ہے۔ یہ علم میرے ہاتھ میں ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی پوری قوت سے اُس کی حفاظت کروں گا اور زندگی کے آخری لمحے تک اُسے بلند رکھوں گا۔ "مسلمان" اور "عیسائی"! لیکن میں مسلمان اور عیسائی نہیں چاہتا۔ مصر میں صرف ایک قوم ہونا چاہئے اور وہ مصری قوم ہے"

وکالت

وکلار کے ایک جلسے میں تقریر کرتے ہوئے مرحوم نے کہا،

"میری خدمتوں کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ میرے لئے ان خدمتوں پر فخر کرنا روا نہیں ہے لیکن میں آپ کی اجازت سے صرف اس بات پر فخر کرنا چاہتا ہوں کہ میں وکالت کے پیشے میں داخل ہوا اور اُس کی خدمت کی۔

"ہاں، میں اس خدمت پر بہت زیادہ فخر کرتا ہوں۔ مجھے کوئی انانیت کا الزام نہ دے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں اُس زمانے میں اس پیشہ کا کیا حال تھا؟

"میں نے وکالت کا پیشہ اُسوقت اختیار کیا جب یہ پیشہ معزز نہ تھا، جیسا اسوقت ہے۔ بلکہ وہ حقیر سمجھا جاتا تھا اور اُس کے آدمی بھی حقیر سمجھے جاتے تھے۔ یہ پیشہ اصل میں جس قدر شریف تھا، ہمارے ملک میں اُسی قدر ذلیل ہو گیا تھا۔ وکیل اور دغاباز، یہ دونوں لفظ ہم معنی سمجھے جاتے تھے۔ اونچے خاندان کا کوئی رُکن بھی اُسمیں داخل نہیں ہوتا تھا۔ اور سچ یہ ہے کہ اُسوقت خود وکلار کو بھی اپنی عزت نفس کا کوئی خیال نہ تھا۔

"لیکن یہ سب جانتے ہوئے بھی میں اس پیشہ میں در آیا۔ بلاشبہ یہ ایک بڑی اخلاقی شجاعت کا کام تھا۔ میں سُنا کرتا تھا کہ لوگ وکیل اس لئے بنتے ہیں کہ مکر و فریب کی راہوں سے دولت کمائیں۔ میں نے کہا لیکن میں اس لئے وکیل بنوں گا کہ حق و عدالت کی خدمت کر سکوں۔

"یہ اُسوقت کی بات ہے جب وکیل، حاکم عدالت کے رحم پر ہوتا تھا۔ اُس کی ذراسی ناراضی بھی، وکیل کو اپنی کمائی سے محروم کر دیتی تھی۔

"ایک دن ایسا ہوا کہ میں ایک مقدمہ پر بحث کر رہا تھا۔ سرکاری وکیل نے کہا آج پیشی بڑھا دی جائے۔ میں نے اعتراض کیا، "مقدمہ کا التوا ناروا ہے، کیونکہ ملزموں کو قید خانے میں بلا سبب رکھنا ناجائز ہے۔" حاکم خفا ہو گیا "فوراً اپنے الفاظ واپس لو" حاکم نے کہا "عدالت کے لئے کوئی بات بھی ناروا اور ناجائز نہیں"۔ لیکن میں نے الفاظ واپس لینے سے انکار کیا اور سخت صورت حال کا مقابلہ کیا۔

"اسی طرح کے بہت سے واقعات پیش آتے رہے، یہاں تک کہ وہ زمانہ آگیا جب یہ پیشہ معزز ہو گیا اور حکام، وکلار کی دوستی پر فخر کرنے لگے"

قومی نگرانی کے حدود

"ہم قوم کے نمائندے ہیں۔ قوم کو ہماری نگرانی کا حق ہے۔ قوم کا فرض ہے کہ وہ اپنا مطالبہ ہمیں بتلائے۔ اُسنے یہ مطالبہ ہمیں بتا دیا ہے کہ "کامل آزادی" اب ہم کوشش کرتے ہیں۔ قوم کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کوشش کی راہیں بھی ہمارے لئے مقرر کرے۔ قدم قدم پر ہم سے بازپرس کرے۔ اگر ہم کسی سے گفتگو کریں تو ہم سے روداد طلب کرے۔ اگر ہم کہیں جائیں تو ہم سے وجہ دریافت کرے۔ قوم کو چاہئیے کہ خاموشی سے ہماری کوششیں دیکھے۔ جب ہم اُس کے سامنے اپنی کوشش کے نتائج پیش کریں تو بلاشبہ اُسے حق ہے کہ ہماری تجویزیں خوب جانچے اگر اُس کی پسند کے مطابق نہ ہوں تو ٹھکرا دے۔ ہمیں ہرگز کوئی شکایت نہیں ہوگی"

آزادی کی نعمت

"ہم دنیا کی ہر نعمت سے محروم ہو جانے پر طیار ہیں۔ سب آرام ہم سے چھین لو، ہمارا مال و دولت بھی ضبط کر لو۔ ہم اس سب پر صبر کر لیں گے، مگر اے ہمیں غلام بنانے والو! یاد رکھو، ہم آزادی سے ہرگز دستبردار نہ ہونگے۔ آزادی، خدا کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اُس سے محرومی خود زندگی سے محرومی ہے"

قومی وحدت

"قوم اسکے سوا کچھ نہیں کہ انسانوں کا ایک مجموعہ ہے، وہ مجموعہ جس کی مصلحت ایک ہے، جس کا شعور ایک ہے، جس کی آرزو ایک ہے۔ ہماری قوم کی اسوقت آرزو کیا ہے؟ کامل خودمختاری!

"ہماری قومی وحدت مضبوط بنیاد پر قائم ہے۔ اُس میں فرقے ہیں نہ درجے ہیں۔

وہ جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ "باشاؤں" (امیروں) کا گروہ پوری قوم پر حاوی ہونا چاہتا ہے۔ ہمارے ملک میں "باشاؤں" کا کوئی خاص گروہ ہے نہ "فلاحین" (کسان) کا۔ ہم سب "باشا" بھی ہو سکتے ہیں اور "فلاح" بھی ہو سکتے ہیں۔ میرے اپنے خاندان کے اکثر افراد فلاح ہیں لیکن میں سعد زغلول باشا ہوں۔

"وہ جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہمارے اندر دینی فرقے موجود ہیں۔ ممکن ہے پہلے کبھی ہوں، لیکن اب کوئی فرقہ نہیں ہے۔ اور اگر کوئی ہے تو وہ ایک ہی فرقہ ہے۔ یعنے مصری قوم، جب سے جدید بیداری کا سورج طلوع ہوا ہے ہلال اور صلیب نے ہمیشہ کے لئے معانقہ کر لیا ہے۔ یہ معانقہ صرف مسلمان اور قبطی کا معانقہ نہیں ہے۔ یہ مسلمانوں کا دنیا بھر کی قوموں اور مذہبوں سے اتحاد کا نشان ہے۔ ہم متعصب نہیں ہیں۔ ہم

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دست طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دُنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

جو

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور

جسے ملک معظم برطانیہ اور اُنکے کتبخانہ قصر کے لئے کتابیں بہم پہونچانے کا شرف حاصل ہے!

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں و ملحقہ ممالک میں شایع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پُرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دُنیا کے ہر قسم اور ہر درجے کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مُسلسل سلسلے

بچّوں کے لئے ہر قسم اور درجے کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں سے

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصّل فہرست شایع ہوا کرتی ہے

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رُو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟

۱۹۱۹ء میں جسقدر نسخے چھپے تھے، مدرسۂ اسلامیہ رانچی کو دے دئیے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہوگئے۔ اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہے۔ ۱۲ر (منیجر الہلال کلکتہ)

مطبوعات الهـــلال بک ايجنسی

معارف ابن تيميه و ابن قيم

ديني علوم کے بيش بها جواهر ريزي

اس سلسله ميں هم نے امامين کي ان نادر و اعلى درجه کي بلند پايه عربي تصانيف کے اُردو تراجم کا سلسله شروع کيا هے ' جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے ليے نهايت ضروري و ناگزير هے - اميد که يه "سلسلهٔ تراجم" بد نصيب هندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

آسوهٔ حسنه — امام ابن قيم کي فن سيرت ميں شهره آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصه کا اُردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد ارهائي روپيه -

کتاب الوسيله — لفظ "وسيله" کي بحث کے علاوه امام ابن تيميه نے اسلام کے اصل الاصول "توحيد" کي مبسوط بحث کي هے - بلا جلد ارهائي روپيه ' مجلد سوا تين روپيه -

اصحاب صفه — انکي تعداد ' ذريعه معاش ' طريق عبادت اور انکے مفصل حالات بيان کيے هيں دس آنے -

تفسير سورة الکوثر — امام ابن تيميه کے مخصوص انداز تفسير کا اُردو ترجمه - چار آنے -

العروة الوثقى — خالق و مخلوق کے درميان واسطه کا فرق بدلائل بيان کيا هے - چهه آنے -

سيرت امام ابن تيميه — حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نهايت خوش اسلوبي سے بيان کيے هيں - نو آنے

نجد و حجاز — علامه سيد محمد رشيد رضاء مصري کي تازه کتاب کا اُردو ترجمه - سوا روپيه -

آئمه اسلام — ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - باره آنے

خلاف الامه — فی العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — يه ايک علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله هے جس کے خريدار کو هم نے کمال کوشش و کاوش سے اُردو ' عربي ' فارسي ' انگريزي ' اور دوسري زبانوں کي تمام اهم اور اعلى مطبوعات کے متعلق بهترين تازه معلومات بهم پهنچانے کا اهتمام کيا هے - اسکے علاوه آئمه و اسلام و بزرگان دين کے حالات ' لطائف افسانه ' نظميں اور ممالک اسلاميه کے معتبر ذرائع سے حاصل کيے هوے حالات درج کيے جاتے هيں - في پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپيه پيشگي -

منيجر الهـــلال بک ايجنسی

(حلقه نمبر ۲۴ شيرانواله دروازه لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کي وقت اپنا نام اور پته صاف لکهين اور نمبر خريداری ضرور تحرير فرمائين

النسخ الجلال في مجلدات الهلال

گاه گاهے بازخوان اين دفتر پارينه را
تازه خواهي داشتن گر داغهائے سينه را

اردو صحافت کي تاريخ ميں الهلال هي وه رساله هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصيات ميں ايک انقلاب آفريں دعوت تهي -

الهـلال اگرچه ايک هفته وار مصور رساله تها ' ليکن چونکه وه اردو صحافت کي مختلف شاخوں ميں اجتهاد نظر و فکر کي نئي روح پيدا کرني چاهتا تها ' اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعه تها - اُس کے هر نمبر ميں مختلف ابواب ' مذهب ' سياست ' ادبيات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه کے هوتے تهے - اور اسکا هر باب اپني مجتهدانه خصوصيات کے لحاظ سے اپني نظير آپ هوتا تها - پهر اس کي ظاهري خوبياں اردو صحافت ميں اعلى طباعت و ترتيب کا پهلا نمونه تهيں - اردو کا وه پهلا هفته وار رساله تها ' جس ميں هاف ٹون تصاوير کے اندراج کا انتظام کيا گيا ' اور ٹائپ ميں چهپنے کي وجه سے بهت سي ايسي خوبياں پيدا هوئيں جو پتهر کي چهپائي ميں ممکن نهيں - اِس کي جلديں جديد اُردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سياسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بهترين مجموعه هيں - اِن کي مقبوليت و قدر کا اندازه اِس سے هوسکتا هے که سنه ۱۹۱۸ ميں بعض شايقين علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپيه ميں خريد کيا - اور حال ميں ايک صاحب نے اس کي پهلي جلد مکمل (جو دفتر ميں بهي موجود نهيں) ساڑهے چارسو روپيه ميں حيدرآباد سے خريدي هے - جن لوگوں نے اس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هيں وه بڑي سے بڑي قيمت پر بهي علحده کرنے کيليے تيار نهيں - پچهلے دنوں "البـلاغ پريس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان ميں منتقل کيا گيا تو ايک ذخيره الهلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا ' هم نے کوشش کي که شايقين علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلديں مرتب کي جا سکتي هيں مرتب کرا لي جائيں اور جن جلدوں کي تکميل ميں ايک دو پرچوں کي کمي هو انهيں دوباره چهپوا ليا جاے -

چنانچه الحمدلله يه کوشش ايک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوه متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلديں پوري مکمل هوگئي هيں - هم اِس اعلان کے ذريعه شايقين علم و ادب کو آخري موقعه ديتے هيں که اِس قيمتي ذخيره کے حاصل کرنے ميں جلدي کريں ' چونکه جلدوں کي ايک بهت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف اُنهيں درخواستوں کي تعميل هوسکے کي جو سب سے پهلے پهونچيں گي - هر جلد مجلد هے اور ابتدا ميں تمام مضامين کي انڈکس به ترتيب حروف تهجي لگادي گئي هے -

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپيه   الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپيه

" " " چهارم ۱۰ روپيه   " " " پنجم ۱۰ روپيه

جلد "البـلاغ" (جب دوسري مرتبه الهـلال اِس نام سے شائع هوا) قيمت ۸ روپيه

علاوه جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هيں جن ميں سے هر پرچه اپنے مضامين کے لحاظ سے ايک مستقل مجموعه علم و ادب هے - قيمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پيکنگ اِس کے علاوه هے -

منيجر "البلاغ پريس"

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

١٩٢٧

الهلال

نمبر ١٥

جلد ١

ابلاغ پریس کلکتہ

قیمت ٥ ـ آنہ

الہلال

هر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا ہے

قیمت سالانه مع محصول - -	بارہ روپیه
هندوستان سے باهر کیلیے - -	سوله روپیه
قیمت شش ماهي - - -	سات روپیه
قیمت في پرچه - - -	پانچ آنه

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " منیجر الہلال " کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں آنکے لفافه پر " ایڈیٹر " کا نام هونا چاهیے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي ہے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ورنه بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانه نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جا رہے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرائیے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(۷) مني آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين (القرآن الحکیم)

الہلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱۵ | کلکته : جمعه ۳ ـ ربیع الثانی ۱۳۴۶ هجری | جلد ۱

Calcutta : Friday, 30, September 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافته طریق طباعة نہین رکھتی ۔
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین که حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔
پتھر کی چھپائی مین محدود رھکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی ھین ، وہ ھین جن مین الهلال چھپتا ھی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ھی جس مین یه سطرین کمپوز کی گی ھین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاھین پسند کر لین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ھمین اطلاع دیجیی ۔ یاد رکھیی ۔ طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اہم مسئله ھی ۔ ضروری ھی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ۔

الہلال

قارئین الہلال کی آراء

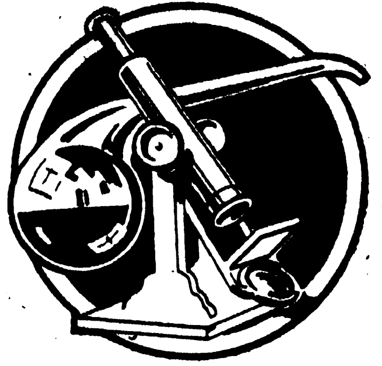
اس باری مین اس وقت تك ۱۲۱۰ مراسلات وصول ھوی ھین ۔ تقسیم آراء حسب ذیل ھی :

عربی حروف کی حق مین	۱۹۷	اردو حروف کی حق مین	۳۴۹
موجودہ مشترك طباعة کی حق مین	۳۲۴	حروف کی حق مین بشرطیکه	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۲۲۳	نستعلیق ھون	۱۱۷

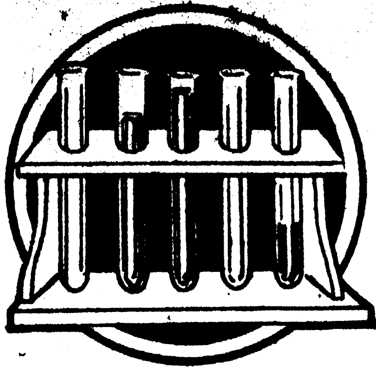
ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ھی ۔

آراء کی دیکھنی سی معلوم ھوا که اس باری مین بعض اہم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین ھی ۔ اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت ھی ۔ آیندہ اس باری مین مولانا به تفصیل اپنی خیالات ظاہر کرینگی مگر ضرورت ھی که بقیه حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین ۔

الہلال



مذاکرہ علمیّہ



برتر انسان

(Super man)

(ایک جدید علمي تجربہ)

قارئین الہلال ڈاکٹر وورنوف کے نام سے واقف ہوچکے هیں - اس ڈاکٹر نے شباب کي واپسي کے لیے جو طریقہ ایجاد کیا ہے ' اُس کا مفصل بیان کسي پچھلي اشاعت میں درج ہو چکا ہے - آج ہم اُس کا ایک اور تجربہ - یا زیادہ صحیح لفظوں میں نظریہ - پیش کرتے هیں - یہ نظریہ بلاشبہ عجیب ہے - اتنا عجیب کہ بمشکل یقین کیا جا سکتا ہے - لیکن ڈاکٹر مذکور اُس پر مضبوطي سے مصر ہے ' اور ثبوت میں اپنے بعض تجربوں کا حوالہ دیتا ہے -

جدید نظریہ یہ ہے کہ صرف بوڑھے هي جوان نہیں بنا دیے جاسکتے بلکہ ایک نئي انساني نسل بھي پیدا کي جا سکتي ہے جو موجودہ نسل سے اپنے جسمي و دماغي قویٰ میں کہیں زیادہ برتر ہوگي - ڈاکٹر وورنوف اِس ایندہ نسل کو " سوپر مین " یا برتر انسان کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے - یہ دراصل مشہور جرمن حکیم نیٹشے کي اصطلاح ہے - اُس کا دعویٰ ہے کہ اِس نسل کا ہر فرد اپنے جسم و دماغ میں ایک نمونہ ہوگا ' بہت طویل العمر ہوگا ' کم سے کم ۱۵۰ برس ضرور زندہ رہے گا !

اعادۂ شباب کا معاملہ ' اب نظریے کي حد سے نکل کر علمي حقائق کي صف میں جگہ پا چکا ہے - علم ' اُس کي راہ میں بہت سي مسافتیں طے کرچکا ہے - شکوک وشبہات کے تقریباً تمام پردے اُس پر سے اٹھ چکے هیں - عنقریب انساني تاریخ پر اِس کا بہت گہرا اثر پڑنے والا ہے -

لیکن " برتر نسل " کي تخلیق ابھي تک ایک نظریہ هي ہے ' اگرچہ ڈاکٹر وورنوف کو اُس پر پورا یقین ہے - اپنے اِس نظریہ کي تکمیل میں بھي وہ بندر کي گلٹیوں سے کام لینا چاهتا ہے -

تفصیل یہ ہے کہ ڈاکٹر وورنوف کا اعتقاد ہے ' اگر ممتاز جسمي وعقلي قویٰ کے آدمیوں میں ایک تیسري گلٹي کا اضافہ کر دیا جائے ' تو اُن کي نسل ضرور برتر ہوگي - اب تک وہ مینڈھوں پر متعدد کامیاب تجربے کرچکا ہے - لیکن حال میں آٹھ برس کے ایک لڑکے پر تجربہ شروع کیا ہے - اُس کا خیال ہے ' اِس لڑکے کي اولاد حیرت انگیز عقلي و جسمي قویٰ کي مالک ہوگي -

اِس موضوع پر ایک اخبار کے نامہ نگار سے گفتگو کرتے ہوئے ڈاکٹر موصوف نے کہا :

" میں مستقبل پر نظر ڈالتا ہوں تو اُس کے دامنوں میں " سوپر مین " (برتر انسان) صاف دکھائي دیتا ہے - یہي انسان اور اُس کي نسل ابد الا آباد تک دنیا پر حکومت کرے گي - یہ نسل ایک ایسي قہرمان عقل و جسم کي مالک ہوگي کہ تمام مخلوقات اُس کي قوت قاہرہ کے سامنے جھک جائینگي ... میں ابتک بوڑھوں کو جوان بناتا تھا - لیکن یہ کچھ زیادہ نتیجہ خیز عمل نہ تھا - اِس سے انساني عمر میں تھوڑا سا اضافہ ہوتا ہے - لیکن اب جن نئے تجربوں کا میں نے عزم کیا ہے ' وہ تمام پچھلے تجربوں سے کہیں زیادہ حیرت انگیز اور نتیجہ خیز ہونگے - یہ تجربے صرف بوڑھوں هي پر نہیں ہونگے - اب میري توجہ کا مرکز کم عمر بچے ہونگے - وہ بچے جنکي عمر آٹھ اور دس برس کي ہے - بندر کي گلٹي هي یہ حیرت انگیز انقلاب پیدا کرے گي ' اور انھیں ایک نیا آدمی بنا دے گي - میں ایسے بچوں کو اپنے تجربے کے لیے منتخب کرونگا جو غیر معمولي ذہانت اور جسماني قوت رکھتے هیں - یہ بچے اور ان کي نسل ' مستقبل مین یقیناً نہایت عظیم ہوگي - اِس مقصد میں سب سے بڑي مشکل یہ درپیش ہے کہ ترقي یافتہ بندروں (شمپازي اور اورنگ اوٹنگ) کي کافي تعداد موجود نہیں ہے - اگر ہر آدمي کے لیے ایک ایک بندر مل جائے تو نہایت قلیل مدت میں نسل انساني کي کایا پلٹ جائے - لیکن یہ مشکل نا قابل حل نہیں ہے - یورپ اور امریکا کے گرم علاقوں میں بندروں کي افزائش کا انتظام کیا جا سکتا ہے "

جراثیم حیات

(ایک اور جدید نظریہ)

ہندوستان میں کم لوگوں نے ڈاکٹر کن آب کا نام سنا ہوگا - حالانکہ وہ فرانس کا ایک مشہور ڈاکٹر اور عالم ہے - اُس جیسي وسیع معلومات رکھنے والے آدمي دنیا میں بہت کم هیں - وہ ۸۰ - علوم و فنون اور صناعتوں کا ماہر ہے - چنانچہ سائنس داں ' طبیب ' فیلسوف ' کیمیائي ' موجد ' موسیقي داں ' شاعر ' ریاضي ' فلکي ' سب هي کچھ ہے - غیر معمولي دماغي قابلیت کے علاوہ نہایت عظیم جسماني قوت بھي رکھتا ہے - پورا پہلوان ہے -

یہ عجیب ڈاکٹر ' وورنوف اور اُسکے تمام ہم مشرب ڈاکٹروں کے بارے میں سخت سوءظن رکھتا ہے - اُس کے خیال میں وہ دغاباز هیں - جواني واپس لانے کا جو طریقہ اُنھوں نے ایجاد کیا ہے ' غلط ہے - اُس کا اثر ' عارضي ہے ' اور اُس کا رد فعل نہایت مضر ہوتا ہے - لیکن خود اپنے متعلق اُس کا دعویٰ ہے کہ وہ بوڑھوں کو بغیر کسي گلٹي کے استعمال کے جوان بنا دیتا ہے اور انسان کي عمر دو سو برس تک طویل کردے سکتا ہے - اس کے علاج میں سب سے پہلے اُن شرطوں کي پابندي ضروري ہے جو اُس کے خیال میں درازي عمر کي ضروري شرطیں هیں - پھر انجکشن کے ذریعہ وہ ایک مادہ جسم میں داخل کر دیتا ہے - یہ مادہ خود اُس نے ایجاد کیا ہے - دنیا کو ابتک اُس کا کوئي علم و تجربہ حاصل نہیں ہوا -

ایک اخبار کے نمایندہ سے اُس نے گفتگو کرتے ہوئے کہا :

" میری عمر اِس وقت ساٹھہ برس کی ہے - لیکن میں ایسا محسوس کرتا ہوں ' گویا عالم شباب میں ہوں - دس برس پہلے میں بالکل بوڑھا ہو گیا تھا اور یقین کرتا تھا کہ زندگی ختم ہو گئی - اُس وقت میں پیدل چل نہیں سکتا تھا - میری شرائین سوکھہ کر سخت ہو گئی تھیں ' اور تمام جسم کمزور ہو چکا تھا - لیکن اب میں آسانی سے دوڑ سکتا ہوں - تمام ورزشی کھیل اِس طرح کھیلتا ہوں ' گویا تیس برس بوس کا جوان ہوں - میں روز چودہ پندرہ گھنٹے کام کرتا ہوں ' مگر ذرا نہیں تھکتا - مجھہ میں اِتنی بدنی قوت ہے کہ بڑے بڑے پہلوانوں اور گھونسہ بازوں سے مقابلہ کر سکتا ہوں - میرے خیال میں دنیا بھر میں کوئی ایک آدمی بھی ایسا موجود نہیں جو مجھہ سے زیادہ زندگی کی مسرتیں لوٹتا یا اُن مسرتوں کا لطف محسوس کر سکتا ہو - میری یہ قابل رشک حالت ' صرف اُس طریق علاج کا نتیجہ ہے جو میں نے ایجاد کیا ہے - مجھے از حد خوشی ہے کہ میرا تجربہ پورے طور پر کامیاب ہوا - چونکہ اِس طریقہ میں تمام عالم انسانیت کے لیے بھلائی ہے ' اس لیے میں اُس کا ایک حصہ ظاہر کردونگا - لیکن دوسرا حصہ بدستور مخفی رکھونگا ' یہانتک کہ اُس کے ظہور کے لیے مناسب وقت آجائے - مجھے دیکھو - کیا میری قوت ' چستی ' تندرستی ' ایسی نہیں ہے جس پر نوجوان رشک کریں ؟ "

" اپنے طریق علاج کا جو حصہ میں دنیا پر ظاہر کر دینا چاہتا ہوں ' وہ درحقیقت بالکل صاف ' سادہ ' اور معمولی ہے - اُس کا تعلق سراسر غذا سے ہے - چالیس سال کی عمر تک جو چاہو کھاؤ پیو ' بلکہ اِس سن تک جس طرح چاہو زندگی بسر کرو - لیکن جونہی چالیسویں سالگرہ شروع ہو ' گوشت ' شراب ' اور تمباکو سے قطعی اجتناب کرلو - اِس عمر والے کے لیے گوشت یقیناً سم قاتل کا حکم رکھتا ہے - اس کی جگہ پر ہفتہ میں ایک دو مرتبہ مچھلی استعمال کی جا سکتی ہے - مچھلی حقیقی معنی میں گوشت نہیں ہے (اگرچہ علماء تشریح اِس کے خلاف کچھہ ہی کہیں) مچھلی میں کبریتی مادہ بہت بڑی مقدار میں موجود ہوتا ہے - اور معلوم ہے ' یہ مادہ دماغ اور اُس کی تندرستی کے لیے اصلی جوہر ہے - جسم کی خلایا یا تھیلیاں ہمیشہ تبدیل ہوتی رہتی ہیں - پرانی خلایا غائب ہوجاتی ہیں ' نئی خلایا اُن کی جگہ لے لیتی ہیں - چالیس سال کی عمر تک یہ عمل جاری رہتا ہے - اِس کے بعد خلایا کا انحلال تو جاری رہتا ہے ' مگر نئی خلایا کی تکوین نہیں ہوتی - درحقیقت ہم چالیس برس کی عمر سے مرنا شروع کر دیتے ہیں ' کیونکہ اُس قوت سے محروم ہو جاتے ہیں جو خلایا کی تکوین کی علت ہے - بلا شبہ ہم اِس عمر کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں ' لیکن ہمارے قوی برابر گرتے اور مٹتے جاتے ہیں - یہ بھی ظاہر ہے کہ گوشت ' شراب ' اور تمباکو جن عناصر سے مرکب ہے ' وہ زندہ خلایا کو قتل کرتے اور مٹاتے رہتے ہیں - پس اگر ہم زیادہ زندہ رہنے کے متمنی ہیں تو ہمیں اِس تدریجی خود کشی سے اجتناب کرنا چاہیے - یعنی ہمیں اِن قاتل عناصر کے استعمال سے قطعی پرہیز کرنا چاہیے "

" کلٹی کے ذریعہ شباب واپس لانے کا طریقہ بے فائدہ ہے - اُس کا اثر بہت ہی محدود اور عارضی ہوتا ہے - کیونکہ بوڑھے آدمی میں جوان بندر کی کلٹی اُسی وقت تک قوت پیدا کر سکتی ہے جب تک صحیح و سالم موجود ہے - لیکن جوں ہی اُس میں ضعف پیدا ہوگا ' بڑھاپا پہلے سے بھی زیادہ شدت سے واپس آجائیگا اور ڈاکٹر کی کوئی کوشش بھی اُسے سنبھال نہ سکے گی - واقعہ یہ ہے کہ زندگی کا جوہر ' کلٹی میں نہیں بلکہ جسم کی خلایا میں ہوتا ہے - ہر خلیہ اپنے اندر جرثوم حیات پوشیدہ رکھتی ہے - اِس جرثوم کو ہم زندگی کا میکروب کہہ سکتے ہیں - یہی میکروب ' خلیہ کو حرکت دیتا اور زندہ رکھتا ہے - اِس میکروب کا قتل خود خلیہ کا قتل ہے - اور خلیہ کا قتل زندگی کا ختم کرنا ہے - لہذا اِن جراثیم حیات کے بقاء و دوام کی کوشش کرنی چاہیے - اِس کوشش کی کامیابی یقیناً زندگی کو دراز کر دے گی - میں نے ایک ایسا کیمیاوی مرکب طیار کر لیا ہے جو اِن جراثیم کے لیے اکسیر کا حکم رکھتا ہے - لیکن اِس مرکب کو میں ابھی ظاہر کرنا نہیں چاہتا ' یہانتک کہ اُس کے مزید تجربے ختم کرلوں "

" ہر شخص جانتا ہے کہ چالیس سال کی عمر کے بعد جسم میں جو مادہ کم ہو جاتا ہے ' وہ کلورائڈ کا ایک مرکب ہے - یہ مرکب میں نے معلوم کرلیا ہے اور اُسے ابھی تک راز بنائے ہوے ہوں - اگر یہی مرکب بوڑھے جسم میں انجیکشن کے ذریعہ پہنچا دیا جاے تو انسان ضرور جوان ہو جائیگا ... اُس کی حیرت انگیز تاثیر تم اِس وقت بھی میرے جسم میں دیکھہ سکتے ہو "

احساس الم کا ازالہ

تکلیف کے احساس کا سبب کیا ہے ؟

تکلیف کا احساس اِس لئے ہوتا ہے کہ جسم میں اعصاب (پٹھے) موجود ہیں - یہ اعصاب اِس احساس کو اُس کے مرکز — دماغ — تک پہنچاتے ہیں اور انسان تکلیف محسوس کرتا ہے - علم کی ترقی کے بعد بہت سے مخدرات ایجاد ہوگئے ہیں - یہ اِس احساس کو زایل کر دیتے ہیں مگر اُن کا اثر عارضی ہوتا ہے - پھر بہت سے بیماروں پر اِن مخدر دواؤں کا استعمال بھی نہیں کیا جاسکتا ' کیونکہ اُن کا دل کمزور ہوتا ہے اور وہ اُن کے متحمل نہیں ہوسکتے -

یہ ' اور اِسی قسم کی دوسری مشکلات دیکھہ کر مذکور الصدر ڈاکٹر کن آپ نے ایک ایسا طریقہ ایجاد کرنے کی کوشش شروع کردی ہے جو سرے سے تکلیف کا احساس ہی زایل کردے اور مخدر دواؤں کی ضرورت باقی نہ رہے -

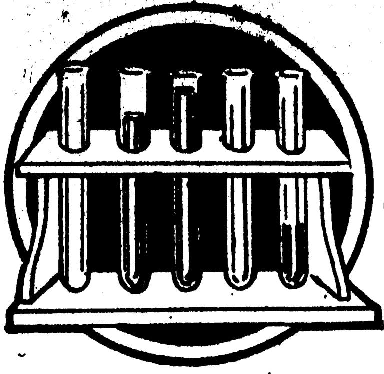
ڈاکٹر کو یقین ہے کہ اِس مقصد میں اُسے ضرور کامیابی ہوگی - اِس کامیابی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان ہمیشہ کے لئے تمام آلام و تکالیف سے نجات پا جائیگا - اُس وقت جراح مخدرات کی مدد کے بغیر عمل جراحی کر سکینگے - مریض ہرگز کوئی تکلیف محسوس نہیں کریگا - ڈاکٹر کا دعوی ہے کہ کتوں پر اُس کا تجربہ بالکل پورا اترا ہے - لہذا کوئی وجہ نہیں کہ انسان پر بھی کامیاب نہ رہے -

اِس طریق علاج کا خلاصہ یہ ہے کہ " نخاع مستطیل " (بصلة الملخ) پر عمل جراحی کیا جائے تاکہ احساس کا مرکز ہمیشہ کے لیے شل اور سن ہوجائے - ظاہر ہے ' جب اصلی مرکز سن ہوجائیگا تو تکلیف کا احساس بھی قطعاً باقی نہیں رہے گا - واقعی اگر یہ تجربہ کامیاب ثابت ہوگیا ' تو ہمارے تمام جسمانی آلام ہمیشہ کے لیے ختم ہوجا سکتے ہیں -

لیکن ابھی کامیابی دور نظر آتی ہے - کیونکہ اِس عمل جراحی میں ایک بڑا خطرہ یہ ہے کہ دماغ میں جملہ احساسات کے مرکز ہی کہیں شل نہ ہوجائیں اور انسان میں کوئی حس ہی باقی نہ رہے - ہاں اگر وہ خاص عصب (پٹھا) دریافت ہوجائے جو تکلیف کا احساس دماغ تک پہنچاتا ہے ' تو بلا شبہ یہ اکتشاف ' انسانیت کے لیے نعمت عظمی بن جاسکتا ہے -



مذاکرۂ علمیّہ



برتر انسان



(Super man)



(ایک جدید علمي تجربه)



قارئین الهلال ڈاکٹر وورنوف کے نام سے واقف هوچکے هیں - اس ڈاکٹر نے شباب کي واپسي کے لیے جو طریقه ایجاد کیا هے ' اُس کا مفصل بیان کسي پچهلي اشاعت میں درج هو چکا هے - آج هم اُس کا ایک اور تجربه - یا زیادہ صحیح لفظوں میں نظریه - پیش کرتے هیں - یه نظریه بلاشبه عجیب هے - اتنا عجیب که بمشکل یقین کیا جا سکتا هے - لیکن ڈاکٹر مذکور اُس پر مضبوطي سے مصر هے ' اور ثبوت میں اپنے بعض تجربوں کا حواله دیتا هے -

جدید نظریه یه هے که صرف بوڑهے هي جوان نهیں بنا دیے جاسکتے بلکه ایک نئي انساني نسل بهي پیدا کي جا سکتي هے جو موجودہ نسل سے اپنے جسمي و دماغي قویٰ میں کهیں زیادہ برتر هوگي - ڈاکٹر وورنوف اِس ایندہ نسل کو " سوپر مین " یا برتر انسان کے لفظ سے تعبیر کرتا هے - یه دراصل مشهور جرمن حکیم نیٹشے کي اصطلاح هے - اُس کا دعویٰ هے که اِس نسل کا هر فرد اپنے جسم و دماغ میں ایک نمونه هوگا ' بهت طویل العمر هوگا ' کم سے کم ۱۵۰ برس ضرور زندہ رهے گا !

اعادۂ شباب کا معامله ' اب نظریے کي حد سے نکل کر علمي حقائق کي صف میں جگه پا چکا هے - علم ' اُس کي راہ میں بهت سي مسافتیں طے کرچکا هے - شکوک وشبهات کے تقریباً تمام پردے اُس پر سے اٹهه چکے هیں - عنقریب انساني تاریخ پر اِس کا بهت گهرا اثر پڑنے والا هے -

لیکن " بر تر نسل " کي تخلیق ابهي تک ایک نظریه هي هے ' اگرچه ڈاکٹر وورنوف کو اُس پر پورا یقین هے - اپنے اِس نظریه کي تکمیل میں بهي وہ بندر کي گلٹیوں سے کام لینا چاهتا هے -

تفصیل یه هے که ڈاکٹر وورنوف کا اعتقاد هے ' اگر ممتاز جسمي وعقلي قویٰ کے آدمیوں میں ایک تیسري گلٹي کا اضافه کر دیا جائے ' تو اُن کي نسل ضرور برتر هوگي - اب تک وہ مینڈهوں پر متعدد کامیاب تجربے کرچکا هے - لیکن حال میں آٹهه برس کے ایک لڑکے پر تجربه شروع کیا هے - اُس کا خیال هے ' اِس لڑکے کي اولاد حیرت انگیز عقلي و جسمي قویٰ کي مالک هوگي -

اِس موضوع پر ایک اخبار کے نامه نگار سے گفتگو کرتے هوئے ڈاکٹر موصوف نے کها :

" میں مستقبل پر نظر ڈالتا هوں تو اُس کے دامنوں میں " سوپر مین " (برتر انسان) صاف دکهائي دیتا هے - یهي انسان اور اُس کي نسل ابد الآ باد تک دنیا پر حکومت کرے گي - یه نسل ایک ایسي قهرمان عقل و جسم کي مالک هوگي که تمام مخلوقات اُس کي قوت قاهرہ کے سامنے جهک جائینگي ... میں ابتک بوڑهوں کو جوان بناتا تها - لیکن یه کچهه زیادہ نتیجه خیز عمل نه تها - اِس سے انساني عمر میں تهوڑا سا اضافه هوتا هے - لیکن اب جن نئے تجربوں کا میں نے عزم کیا هے ' وہ تمام پچهلے تجربوں سے کهیں زیادہ حیرت انگیز اور نتیجه خیز هونگے - یه تجربے صرف بوڑهوں هي پر نهیں هونگے - اب میري توجه کا مرکز کم عمر بچے هونگے - وہ بچے جنکي عمر آٹهه اور دس برس کي هے - بندر کي گلٹي هي یه حیرت انگیز انقلاب پیدا کرے گي ' اور انهیں ایک نیا آدمي بنا دے گي - میں ایسے بچوں کو اپنے تجربے کے لیے منتخب کرونگا جو غیر معمولي ذهانت اور جسماني قوت رکهتے هیں - یه بچے اور ان کي نسل ' مستقبل میں یقیناً نهایت عظیم هوگي - اِس مقصد میں سب سے بڑي مشکل یه در پیش هے که ترقي یافته بندروں (شمپازي اور اورنگ اوٹنگ) کي کافي تعداد موجود نهیں هے - اگر هر آدمي کے لیے ایک ایک بندر مل جائے تو نهایت قلیل مدت میں نسل انساني کي کایا پلٹ جائے - لیکن یه مشکل نا قابل حل نهیں هے - یورپ اور امریکا کے گرم علاقوں میں بندروں کي افزائش کا انتظام کیا جا سکتا هے "

جراثیم حیات

(ایک اور جدید نظریه)

هندوستان میں کم لوگوں نے ڈاکٹر کن آب کا نام سنا هوگا - حالانکه وہ فرانس کا ایک مشهور ڈاکٹر اور عالم هے - اُس جیسي وسیع معلومات رکهنے والے آدمي دنیا میں بهت کم هیں - وہ ۸۰ - علوم و فنون اور صناعتوں کا ماهر هے - چنانچه سائنس داں ' طبیب ' فیلسوف ' کیمیائي ' موجد ' موسیقي داں ' شاعر ' ریاضي ' فلکي ' سب هي کچهه هے - غیر معمولي دماغي قابلیت کے علاوہ نهایت عظیم جسماني قوت بهي رکهتا هے - پورا پهلوان هے -

یه عجیب ڈاکٹر ' وورنوف اور اُسکے تمام هم مشرب ڈاکٹروں کے بارے میں سخت سوءظن رکهتا هے - اُس کے خیال میں وہ دغاباز هیں - جواني واپس لانے کا جو طریقه اُنهوں نے ایجاد کیا هے ' غلط هے - اُس کا اثر ' عارضي هے ' اور اُس کا رد فعل نهایت مضر هوتا هے - لیکن خود اپنے متعلق اُس کا دعویٰ هے که وہ بوڑهوں کو بغیر کسي گلٹي کے استعمال کے جوان بنا دیتا هے اور انسان کي عمر دو سو برس تک طویل کردے سکتا هے - اس کے علاج میں سب سے پہلے اُن شرطوں کي پابندي ضروري هے جو اُس کے خیال میں درازي عمر کي ضروري شرطیں هیں - پهر انجیکشن کے ذریعه وہ ایک مادہ جسم میں داخل کر دیتا هے - یه مادہ خود اُس نے ایجاد کیا هے - دنیا کو ابتک اُس کا کوئي علم و تجربه حاصل نهیں هوا -

ایک اخبار کے نمایندہ سے اُس نے گفتگو کرتے ہوئے کہا :

" میری عمر اِس وقت ساٹھہ برس کی ہے - لیکن میں ایسا محسوس کرتا ہوں ' گویا عالم شباب میں ہوں - دس برس پہلے میں بالکل بوڑھا ہوگیا تھا اور یقین کرتا تھا کہ زندگی ختم ہوگئی - اُس وقت میں پیدل چل نہیں سکتا تھا - میری شرائین سوکھہ کر سخت ہوگئی تھیں ' اور تمام جسم کمزور ہوچکا تھا - لیکن اب میں آسانی سے دوڑ سکتا ہوں - تمام ورزشی کھیل اِس طرح کھیلتا ہوں ' گویا تیس برس کا جوان ہوں - میں روز چودہ پندرہ گھنٹے کام کرتا ہوں ' مگر ذرا نہیں تھکتا - مجھہ میں اِتنی بدنی قوت ہے کہ بڑے بڑے پہلوانوں اور گھونسہ بازوں سے مقابلہ کر سکتا ہوں - میرے خیال میں دنیا بھر میں کوئی ایک آدمی بھی ایسا موجود نہیں جو مجھہ سے زیادہ زندگی کی مسرتیں لوٹتا یا اُن مسرتوں کا لطف محسوس کر سکتا ہو - میری یہ قابل رشک حالت ' صرف اُس طریق علاج کا نتیجہ ہے جو میں نے ایجاد کیا ہے - مجھے از حد خوشی ہے کہ میرا تجربہ پورے طور پر کامیاب ہوا - چونکہ اِس طریقہ میں تمام عالم انسانیت کے لیے بھلائی ہے ' اس لیے میں اُس کا ایک حصہ ظاہر کردونگا - لیکن دوسرا حصہ بدستور مخفی رکھونگا ' یہانتک کہ اُس کے ظہور کے لیے مناسب وقت آجائے - مجھے دیکھو - کیا میری قوت ' چستی ' تندرستی ' ایسی نہیں ہے جس پر نوجوان رشک کریں ؟ "

" اپنے طریق علاج کا جو حصہ میں دنیا پر ظاہر کر دینا چاہتا ہوں ' وہ در حقیقت بالکل صاف ' سادہ ' اور معمولی ہے - اُس کا تعلق سراسر غذا سے ہے - چالیس سال کی عمر تک جو چاہو کھاؤ پیو ' بلکہ اِس سن تک جس طرح چاہو زندگی بسر کرو - لیکن جونہی چالیسویں سالگرہ شروع ہو ' گوشت ' شراب ' اور تمباکو سے قطعی اجتناب کرلو - اِس عمر والے کے لیے گوشت یقیناً سم قاتل کا حکم رکھتا ہے - اس کی جگہ پر ہفتہ میں ایک دو مرتبہ مچھلی استعمال کی جا سکتی ہے - مچھلی حقیقی معنی میں گوشت نہیں ہے (اگرچہ علماء تشریح اِس کے خلاف کچھہ ہی کہیں) مچھلی میں کبریتی مادہ بہت بڑی مقدار میں موجود ہوتا ہے - اور معلوم ہے ' یہ مادہ دماغ اور اُس کی تندرستی کے لیے اصلی جوہر ہے - جسم کی خلایا یا تھیلیاں ہمیشہ تبدیل ہوتی رہتی ہیں - پرانی خلایا غائب ہوجاتی ہیں ' نئی خلایا اُن کی جگہ لے لیتی ہیں - چالیس سال کی عمر تک یہ عمل جاری رہتا ہے - اِس کے بعد خلایا کا انحلال تو جاری رہتا ہے ' مگر نئی خلایا کی تکوین نہیں ہوتی - درحقیقت ہم چالیس برس کی عمر سے مرنا شروع کر دیتے ہیں ' کیونکہ اُس قوت سے محروم ہو جاتے ہیں جو خلایا کی تکوین کی علت ہے - بلا شبہ ہم اِس عمر کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں ' لیکن ہمارے قویٰ برابر گرتے اور مٹتے جاتے ہیں - یہ بھی ظاہر ہے کہ گوشت ' شراب ' اور تمباکو جن عناصر سے مرکب ہے ' وہ زندہ خلایا کو قتل کرتے اور مٹاتے رہتے ہیں - پس اگر ہم زیادہ زندہ رہنے کے متمنی ہیں تو ہمیں اِس تدریجی خودکشی سے اجتناب کرنا چاہیے - یعنی ہمیں اِن قاتل عناصر کے استعمال سے قطعی پرہیز کرنا چاہیے "

" گلٹی کے ذریعہ شباب واپس لانے کا طریقہ بے فائدہ ہے - اُس کا اثر بہت ہی محدود اور عارضی ہوتا ہے - کیونکہ بوڑھے آدمی میں جوان بندر کی گلٹی اُسی وقت تک قوت پیدا کر سکتی ہے جب تک صحیح و سالم موجود ہے - لیکن جوں ہی اُس میں ضعف پیدا ہوگا ' بڑھاپا پہلے سے بھی زیادہ شدت سے واپس آجائیگا اور ڈاکٹر کی کوئی کوشش بھی اُسے سنبھال نہ سکے گی - واقعہ یہ ہے کہ زندگی کا جوہر ' گلٹی میں نہیں بلکہ جسم کی خلایا میں ہوتا ہے - ہر خلیہ اپنے اندر جرثوم حیات پوشیدہ رکھتی ہے - اِس جرثوم کو ہم زندگی کا میکروب کہہ سکتے ہیں - یہی میکروب ' خلیہ کو حرکت دیتا اور زندہ رکھتا ہے - اِس میکروب کا قتل خود خلیہ کا قتل ہے - اور خلیہ کا قتل زندگی کا ختم کرنا ہے - لہذا اِن جراثیم حیات کے بقاء و دوام کی کوشش کرنی چاہیے - اِس کوشش کی کامیابی یقیناً زندگی کو دراز کر دے گی - میں نے ایک ایسا کیمیاوی مرکب طیار کر لیا ہے جو اِن جراثیم کے لیے اکسیر کا حکم رکھتا ہے - لیکن اِس مرکب کو میں ابھی ظاہر کرنا نہیں چاہتا ' یہانتک کہ اُس کے مزید تجربے ختم کرلوں "

" ہر شخص جانتا ہے کہ چالیس سال کی عمر کے بعد جسم میں جو مادہ کم ہو جاتا ہے ' وہ کلورائڈ کا ایک مرکب ہے - یہ مرکب میں نے معلوم کر لیا ہے اور اُسے ابھی تک راز بنائے ہوے ہوں - اگر یہی مرکب بوڑھے جسم میں انجیکشن کے ذریعہ پہنچا دیا جاے تو انسان ضرور جوان ہو جائیگا ... اُس کی حیرت انگیز تاثیر تم اِس وقت بھی میرے جسم میں دیکھہ سکتے ہو "

احساس الم کا ازالہ

تکلیف کے احساس کا سبب کیا ہے ؟

تکلیف کا احساس اِس لئے ہوتا ہے کہ جسم میں اعصاب (پٹھے) موجود ہیں - یہ اعصاب اِس احساس کو اُس کے مرکز — دماغ — تک پہنچاتے ہیں اور انسان تکلیف محسوس کرتا ہے - علم کی ترقی کے بعد بہت سے مخدرات ایجاد ہوگئے ہیں - یہ اِس احساس کو زایل کر دیتے ہیں مگر اُن کا اثر عارضی ہوتا ہے - پھر بہت سے بیماروں پر اِن مخدر دواؤں کا استعمال بھی نہیں کیا جاسکتا ' کیونکہ اُن کا دل کمزور ہوتا ہے اور وہ اُن کے متحمل نہیں ہوسکتے -

یہ ' اور اِسی قسم کی دوسری مشکلات دیکھہ کر مذکور الصدر ڈاکٹر کن آب نے ایک ایسا طریقہ ایجاد کرنے کی کوشش شروع کردی ہے جو سرے سے تکلیف کا احساس ہی زایل کردے اور مخدر دواؤں کی ضرورت باقی نہ رہے -

ڈاکٹر کو یقین ہے کہ اِس مقصد میں اُسے ضرور کامیابی ہوگی - اِس کامیابی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان ہمیشہ کے لئے تمام آلام و تکالیف سے نجات پا جائیگا - اُس وقت جراح مخدرات کی مدد کے بغیر عمل جراحی کر سکینگے - مریض ہرگز کوئی تکلیف محسوس نہیں کریگا - ڈاکٹر کا دعویٰ ہے کہ کتوں پر اُس کا تجربہ بالکل پورا اترا ہے - لہذا کوئی وجہ نہیں کہ انسان پر بھی کامیاب نہ رہے -

اِس طریق علاج کا خلاصہ یہ ہے کہ " نخاع مستطیل " (بصلة المخ) پر عمل جراحی کیا جائے تاکہ احساس کا مرکز ہمیشہ کے لیے شل اور سن ہوجائے - ظاہر ہے ' جب اصلی مرکز سن ہوجالیگا تو تکلیف کا احساس بھی قطعاً باقی نہیں رہے گا - واقعی اگر یہ تجربہ کامیاب ثابت ہوگیا ' تو ہمارے تمام جسمانی آلام ہمیشہ کے لیے ختم ہوجا سکتے ہیں -

لیکن ابھی کامیابی دور نظر آتی ہے - کیونکہ اِس عمل جراحی میں ایک بڑا خطرہ یہ ہے کہ دماغ میں جملہ احساسات کے مرکز ہی کہیں شل نہ ہوجائیں اور انسان میں کوئی حس ہی باقی نہ رہے - ہاں اگر وہ خاص عصب (پٹھا) دریافت ہوجائے جو تکلیف کا احساس دماغ تک پہنچاتا ہے ' تو بلا شبہ یہ اکتشاف ' انسانیت کے لیے نعمت عظمیٰ بن جاسکتا ہے -

افسانہ

ترکی تاریخ کا ایک مجهول صفحه

(شاهزاده چم کا افسوس ناک انجام)

کم لوگوں نے شاهزاده " چم " کا نام سنا هوگا - عام طور پر مورخوں نے بهي اِس کا ذکر نهیں کیا هے - نتیجه یه هے که یه نام بالکل اجنبي معلوم هوتا هے - حالانکه اِس کا واقعه ترکي تاریخ میں ایک نهایت هي غم ناک فاجعه (ٹریجڈي) هے - اور اِس وقت بهي مشرقي دنیا کے لیے عبرت و موعظت کا ایک درس هے - آج هم قارئین الهلال سے اِس تاریخي شخصیت کا تعارف کراتے هیں -

(۱)

چم — یا یوروپین تلفظ کے مطابق " زیزم " — ایک بد نصیب مشرقي شاهزاده هے - مصائب و آلام نے اُس سے محبت کي - زمانے نے بے وفائي کي - حسرت و غم نے اُسکا پیچها کیا -

سلطان محمد ' فاتح قسطنطنیه کا یه منجهلا لڑکا تها - اُس میں جسماني قوت ' ذهانت ' حسن ' خوش مزاجي ' رقیق‌احساس ' شجاعت ' جمله اوصاف جمع هوگئے تهے - پیدائشي شاعر تها - ترکي شعر و ادب میں ابتک اُس کے آثار موجود هیں ' اور اُس کي ذهني بلندي اور شاعرانه تخیل کا بهترین ثبوت هیں -

اُس کا آغاز نهایت امید افزا تها - گمان هوتا تها که قدرت اُس پر پوري طرح مهربان هے - ابهي اُس کي عمر دس برس هي کي تهي که اولوالعزم باپ ' محمد فاتح ' اُس کي قابلیت کا معترف هوگیا اور صوبهٔ قسطموني کا حاکم مقرر کردیا - یهاں شعراء و ادباء کي ایک بڑي جماعت موجود تهي - کم سن شاهزادے نے اُنهیں باریاب کیا ' تعلقات بڑهائے ' اور خداداد قابلیت کے ساتهه شعر و ادب کا با قاعده مطالعه کیا - تهوڑي هي مدت میں اپنے استادوں سے بهي بازي لے گیا - اُسي زمانے میں ایک فارسي قصے " خورشید و جمشید " کا ترکي شعر میں ترجمه کیا اور اپنے والد کے نام هدیه کیا - محمد فاتح بهت خوش هوا - پہلے سے زیاده مهربان هوگیا اور صوبهٔ گلیشیا کي حکومت سپرد کردي - اُس وقت چم کي عمر صرف اٹهاره سال کي تهي ' مگر وه پخته کار حکمراں بن چکا تها -

گلیشیا میں اُس نے اپني انتظامي قابلیت کے بڑے بڑے ثبوت پیش کیے - یه صوبه پہلے سلجوقیوں کي ایک ریاست تها - آل عثمان نے اُسے فتح تو کرلیا تها ؛ مگر پوري طرح قابو نهیں پاسکے تهے - همیشه بدامني اور شورش برپا رهتي تهي - سابق سلجوقي حکمران بغاوتوں پر بغاوتیں کرتے رهتے تهے - مصر کے چرکس بادشاه اور ایران کے شهنشاه اُن کي امداد کرتے تهے - اُس وقت ترکي سلطنت میں اِس صوبے سے زیاده مشکل حکومت کسي صوبے کي نه تهي - والیوں پر والي آتے تهے اور ناکام لوٹ جاتے تهے -

لیکن چم نے آتے هي اپني بے نظیر همت و شجاعت سے کام لے کر تمام شورش پسند عناصر کا خاتمه کردیا - هولناک معرکوں میں بے خوف و خطر گهس جاتا تها - دست بدست لڑائیاں لڑتا تها - بڑے بڑے شه زوروں سے نبرد آزما هوتا اور همیشه غالب رهتا - تهوڑے هي دنوں میں اُس کا رعب دلوں پر چها گیا - چم کا نام دل دهلا دیتا تها - باشندے ڈر سے اُس کا نام نهیں لیتے تهے - " رستم دوراں " کے لقب سے یاد کرنے لگے تهے !

(۲)

پانچ برس تک نهایت بیدار مغزي سے حکومت کرتا رها - هر طرف امن و امان قائم هوچکا تها - کوئي پیچیده گي بهي باقي نهیں رهي تهي - اب اُس نے اپنے تئیں معطل پایا - اِس تعطل نے اُس کے مزاج میں تبدیلي پیدا کي ' اور اِسي تبدیلي سے اُس کي بد نصیبي کا آغاز هوا -

حکومت کي ذمه داریوں سے غافل هوگیا - عیش و عشرت کي بساط بچها دي - نفس پرستي کا دروازه کهول دیا - اُس کا محل بوالهوسوں کا مرکز اور عیش پرستوں کا کعبه بن گیا -

اب تک وه پوري قوم کا محبوب تها - کوئي نه تها جو اُسے محمد فاتح کا سچا جانشین نه خیال کرتا هو - ملک بهر کي یهي راے تهي که آئنده سلطان وهي هوگا - لیکن اِس نئي تبدیلي نے اُس کي شهرت و مقبولیت کو سخت نقصان پهنچایا - دو جماعتیں قائم هوگئیں : ایک اب بهي اُس کي مؤید تهي - پورے یورپ کے مقابلے کي قوت اُسي میں دیکهتي تهي - یه جماعت وزیر اعظم محمد نشانچي باشا کي تهي - دوسري جماعت فسق و فجور کي وجه سے اُس کي سخت مخالف تهي - دین و امت کے لیے اُسے خطرناک سمجهتي تهي - اِس جماعت کا سرگروه ' شیخ الاسلام تها -

چم کا حریف ' بایزید تها - یه اُس کا بڑا بهائي اور ترکي دستور حکومت کي رو سے اپنے باپ کا وارث تها - سلطان محمد کي زندگي میں دونوں حریف دور دور رهے - لیکن اُس کي وفات کے بعد تصادم ضروري تها -

چم ' عقلمند ' بهادر ' اولوالعزم ' مگر عیاشي کي وجه سے غفلت کا شکار هوگیا تها - بایزید ' بے وقوف ' بزدل ' پست همت ' مگر سلطنت حاصل کرنے کے لیے بے قرار تها - بایزید اپنے بهائي کي قابلیتوں سے واقف تها ' اِس لیے بهت بیدار رهتا تها -

(۳)

اپنے باپ کي وفات کے وقت دونوں بهائي پایهٔ تخت ' قسطنطنیه سے دور تهے - چم گلیشیا میں تها اور بایزید آماسیا کا حاکم تها - وزیر اعظم محمد نشانچي باشا چونکه چم کا طرفدار تها ' اِس لیے اُس نے سلطان کي موت فوج سے مخفي رکهي - کیونکه فوج تمام تر ترکي علماء کے زیر اثر تهي - اُس نے پہلے ایک خفیه قاصد چم کے پاس بهیجا که فوراً پایهٔ تخت پهنچو اور سلطنت پر قابض هو جاؤ - نیز وه تدبیریں بهي لکهدیں جن سے بایزید زیر کیا جا سکتا تها - کئي دن بعد دوسرا قاصد بایزید کے پاس بهیجا اور تخت نشیني کي دعوت دي -

دونو قاصد روانه هوگئے - مگر چم بد قسمت تها - اُس کا قاصد پهنچ نه سکا - کوتاهیه کا حاکم سنان باشا ' بایزید کا طرفدار تها - وه حقیقت سے واقف هوگیا اور قاصد کو گرفتار کرکے قتل کرڈالا - دوسري مصیبت یه پڑي که پایهٔ تخت کي فوج کو سلطان کي

وفات کا پتہ چل گیا - وہ شاهي محل میں گھس پڑي اور بایزید کے لڑکے کو بایزید کي آمد تک تخت پر بٹھا دیا - سلطان محمد فاتح نے اپنے دونوں لڑکوں کے بیٹے بطور ضمانت کے اپنے پاس رکھ چھوڑے تھے تاکہ وہ وفادار اور اطاعت شعار رهیں - معاملہ یہیں پر ختم نہیں هوگیا بلکہ فوج سازش سے بھي واقف هوگئي اور وزیر اعظم کو قتل کر ڈالا -

(٤)

اب جم کي زندگي کے هولناک تاریک دن شروع هوتے هیں - قاصد هوا کي طرح اڑ کر بایزید کے پاس پہنچا - ولي عهد گویا پہلے هي سے طیار بیٹھا تھا - فوراً روانہ هوگیا اور نہایت سرعت سے پایۂ تخت میں داخل هوا - لیکن قصر شاهي میں فوج نے داخل هونے نہیں دیا اور اپنا انعام طلب کیا - گویا اپني وفاداري کي قیمت لیني چاهي - بایزید ' ڈرپوک تھا - فوراً خزانے کا منہ کھول دیا اور سب کو خوش کردیا - بعد میں یہي بخشش فوج کا مطالبہ اور قرضہ بن گئي اور سلطنت کے لیے بہت مضر ثابت هوئي - نیل' اسکندر اس کا جانشین

بایزید تخت نشین هوگیا اور اپنے بھائي یں کي جو جم کو قید میں
جم پر قابو حاصل کرنے کي تدبیریں سوچنے ول کیا کرتا تھا - بلکہ ایک
لگا - جم اب تک اِس انقلاب سے بے خبر
تھا - باپ کي وفات اُس وقت معلوم هوئي لن ر نوامیس سے بحث
جب صدر اعظم قتل اور بایزید تخت نشین بہي گہرا ہے - کیونکہ کہا
هوچکا تھا ! ، وقت ایک هي عظیم
ر مرئي جوهر فرد (ایٹم)
سخت متحیر هوا کہ کیا کرے ؟ یہ ریں علم اجتماع ' جملہ
ظاهر تھا کہ صدر اعظم کے بعد پایۂ تخت
میں اُس کے حامیوں کي کوئي جماعت
باقي نہیں رهي ہے - علماء اُس کے سخت ؛ مطابق هوتا ہے)
خلاف هیں اور عام رائے اُنهي کے زیر اثر ہے - وم کا سیاسي واجتماعي
اب اُسے اپنے سامنے دو هي راهیں نظر آتي هوتا ہے - هر قوم کا نظام'
تھیں : بھائي کي اطاعت ' یا جنگ - پہلي ہوتا ہے - اِس نظام کي
صورت کي طرف اُس کا رجحان تھا ' مگر ہے - جماعتوں کے
دو باتوں سے ڈرتا تھا : ایک یہ کہ گلیشیا مل هونے سے کہیں زیادہ
کي حکومت اُس کے هاتھ سے چھین لي
جائیگي - دوسرے یہ کہ بایزید اُسے قتل رف اُس کي موجودہ
کرنے کي کوشش کریگا - کیونکہ ترک سلاطین ن تمام انتظامي دورون
کا یہ عام دستور تھا کہ اپنے بھائیوں کو قتل کرڈالا کرتے تھے - اگرچہ وہ کتنے هي مطیع و وفادار هوں -

مجبوراً اُس نے جنگ کا عزم کیا - اُسے اپني کامیابي کي قوي امید تھي - گلیشیا کے باشندے جنگجو اور وفادار تھے - اُس نے خیال کیا ' بایزید بزدل اور پست همت ہے - هرگز مقابلہ نہ کر سکے گا -

(۵)

چنانچہ وہ فوراً کمر بستہ هوگیا اور ایک جرار فوج لے کر بروسہ کي طرف بڑھا - بروسہ ' قسطنطنیہ کي کنجي ہے - اُسے یقین تھا ' بایزید کي طیاري سے پہلے هي وہ بروسہ پر قابض هوجائے گا - مگر بایزید بھي غافل نہ تھا - مقابلہ کي طیاري کرچکا تھا - جم کے متحرک هوتے هي اُس نے بھي ایاز پاشا کي قیادت میں ایک فوج روانہ کردي ' اور خود بھي ایشیائي ساحل پر جنگي کاروائي کرنے کیے لیے آ موجود هوا -

دونوں فوجیں بیک وقت بروسہ کے سامنے پہنچیں - شہر والوں نے اپني بربادي کے خوف سے دونوں پر شہر کے دروازے بند کر دیے - باهر هي باهر فیصلہ کر لینے پر مجبور کیا - میدان جنگ گرم هوا اور پہلے هي معرکہ میں بایزید کي فوج بھاگ نکلي - جم ' مظفر و منصور شہر میں داخل هوا اور اپني سابق عیاشي پھر شروع کردي - اب اُسے کامل یقین تھا کہ پایۂ تخت کا مالک هوجائے گا -

لیکن یہ اُس کي سخت غلط تھي - بایزید نے ایک اور فوج گراں سنان پاشا کي سپہ سالاري میں بھیجي - مگنیا سے ایک دوسري فوج اُس کي کمک پر چل دي ' اور دونوں نے مل کر جم پر حملہ کردیا - عیش پسند شاهزادے کے سپہ سالار ' نصوح نے دشمن کي قوت دیکھي تو درۂ ازراہ کي طرف پسپا هوگیا - خود جم کو بھي بروسہ خالي کرنا پڑا - صرف سترہ دن کي حکومت اُس کي قسمت میں لکھي تھي !

بایزید نے صرف اپني جنگي قوت هي پر بھروسہ نہیں کیا ' بلکہ سازش کا جال بھي پھیلا دیا - بڑي بڑي رشوتیں دے کر جم کے بہت سے آدمي ملا لیے - حتی کہ اُس کا وزیر یعقوب بھي خیانت پر آمادہ هوگیا - یعقوب نے اپنے آقا کو ینی شہر چلنے کا مشورہ دیا - یہاں بایزید کي ایک بڑي فوج موجود تھي - فوراً جم پر ٹوٹ پڑي - اب بھي پلہ شاهزادے هي کا بھاري تھا - مگر عین میدان جنگ میں اُس کے سپہ سالار نصوح نے دغا کي اور فوج کا ایک بڑا حصہ لے کر دشمن سے جا ملا - اب جم کے لیے راہ فرار اختیار کرنے کے سوا کوئي چارہ باقي نہیں رہا تھا -

لیکن ابھي ایک امید باقي تھي - سلجوق خاتون ' سلطان محمد فاتح کي پھوپھي ' دونوں بھائیوں میں صلح کي کوشش کر رهي تھي - خود جم نے اُسے بروسہ سے بھیجا تھا - تجویز یہ تھي کہ سلطنت تقسیم هوجائے - یوروپین علاقوں پر بایزید حکومت کرے اور ایشیاء جم کے حوالے کر دے - نیک دل سلجوق خاتون نے سلطان کو بہت کچھ سمجھایا - بھائي کے حقوق یاد دلائے ' مگر کامیابي نہ هوئي - بایزید نے صاف کہدیا " بادشاهوں میں رشتہ نہیں هوتا "

جم ' شکست کھا کر بھاگا - راستہ میں خود اُسي کے سپاهیوں نے اُسے لوٹ لیا اور سخت زخمي کیا - محمد فاتح کا اولو العزم فرزند دوسرے دن آق شہر میں اِس طرح پہنچا کہ تن پر ایک کپڑا بھی نہ تھا اور سردي سے اُس کا تمام بدن کانپ رہا تھا - اگر ایک شخص رحم کھا کے اُسے اپنا گرم کوٹ نہ دے دیتا تو یقیناً ٹھٹھر کر مر جاتا !

شکست کے ایک هفتہ بعد وہ قونیہ پہنچا - یہاں اپني ماں اور بیوي سے ملاقات هوئي - اِنهیں لے کر شام روانہ هوا ' اور شام سے ۲۸ جون سنہ ۱۴۸۲ع کو مصر پہنچا - مصر میں اُس کا بڑا شاندار استقبال کیا گیا - خود سلطان قایتبائي نے شہر کے باهر آکر خیر مقدم کیا اور معزز مہمان کو اپنے محل میں اتارا - چار مہینے آرام

سب سے پہلے م
لیے جس طرح ایڈ
ر.ر رکھنے والے بھي ض
ثابت هوتا ہے کہ قوم
اُن کے شعور کا مظهر هو
ذهنیت کي تبدیلي کے
فوراً تبدیل نہیں هو سکت

سیاسي و اجتماعي
جو خود کائنات کي تک
تبدیلي محال ہے -
تبدیلي ' اُن بہت سي
تک جاري رهتي هیں
جب وضعي قوانین آ کر
تبدیلي اِنهي قوانین کا
و مسلسل حرکت و عمل

حقیقي مقننوں کا
خصلتوں کي تائید کریں
کي مضرت کم کرنے اور

لینے کے بعد حج کے لیے مکہ معظمہ روانہ ہوا - وھاں بہت سے ترک سرداروں سے ملاقات هوئي - یہ لوگ بایزید کے خلاف تھے - اُنھوں نے شاهزادے کو از سر نو قسمت آزمائي کا مشورہ دیا اور اپني عقیدت و خدمت پیش کي - اِنھي میں قاسم بک حاکم کلیشیا بھي تھا -

(٦)

چم نے پھر کمر همت چست کي - حلب پہنچا - وھاں بایزید کے کئي باغي سپه سالار اُس کے انتظار میں تھے - اُنھیں ساتھه لے کر کلیشیا گیا اور وعدہ کیا که سلطان بننے کے بعد کلیشیا کو خود مختاري بخش دے گا -

چم نے ایک بڑي فوج جمع کرلي اور قونیه کي طرف بڑھا - بایزید نے سنا تو ایک لشکر گراں کے ساتھه روانه هوا - اُس کي فوج کا سپه سالار اپنے زمانے کا سب سے بڑا جنگي آدمي تھا - کدیک احمد باشا فاتح اترنٹو مشرق و مغرب ' دونوں دنیاؤں میں مشہور تھا - اُس نے آتے ھي چم کي فوج تہه بالا کر ڈالي -

چم ' پھر بھاگا اور کلیشیا کے پہاڑوں میں پنـ
نے ایک وفد بھیج کر خواهش کي که جنگ سے
زندگي اختیار کرے - اُس نے منظور کرلیا مگر اِ
صوبوں کي حکومت بخش دي جاے - بایزیـ
سلطنت میں دو ساجھي جمع نہیں هو سکـ
جواب تھا -

بایزید نے صرف انکار ھي نہیں کیا بلکه
تعاقب بھي شروع کردیا - چم کے لیے اب رسـ
اُس نے ارادہ کیا که مصر یا ایران میں جاکر
قاسم بک نے مشورہ دیا که یورپ جائے اور وھا
مدد سے اپنا ملک فتح کرے -

(٧)

شاهزادے نے بڑے پس و پیش کے بعد یـ
قسطنطنیه کي فتح کا واقعه ابھي تازہ ھي تھا
ترکوں کے خون کے پیاسے هو رہے تھے - قوي امیـ
عثمانیه کي تباهي کے خیال سے اِس باهمي خـ
منظور کر لینگے ' اور اِس طرح مداخلت و
پہنچائینگے -

چم نے جزیرہ روڈس میں اپنا ایک وفد بھیجا - اُس وقت یه جزیرہ مشہور صلیبي مجاهدین "سینٹ جان کے سواروں" کے قبضه میں تھا - جزیرے کے حاکم اعلی نے اپنے ارکان حکومت کے مشورے سے شاهزادے کي حمایت قبول کرلي - اُسے کي دعوت دي اور اپنا جنگي بیڑہ اُس کے لیے بھیج دیا -

۲۳ - جولائي سنه ۸۲ ۱۴ - کو چم کا روڈس میں شاهانه استقبال کیا گیا - اور نہایت عزت و احترام سے اُسکي ضیافتیں شروع هوئیں - بایزید کو معلوم هوا تو اُس نے جزیرہ کي حکومت کو دائمي صلح کے معاهدہ کا پیغام بھیجا - ساتھه ھي بہت سے امتیازات بھي پیش کیے - اِن مراعات کے صلے میں چم کي حوالگي کي درخواست کي - جزیرہ کي حکومت بہت خوش هوئي - اُس نے شاهانه مراعات قبول کرلیں - مگر چم کے حواله کرنے سے اِس بنا پر انکار کیا که وہ مہمان ہے - البته وعدہ کیا که اُسے جزیرے سے نکال دیا جائیگا -

جزیرے کي حکومت نے ایک طرف بایزید سے معامله طے کرلیا - دوسري طرف چم سے وعدہ لے لیا که سلطنت پر قابض هونے کے بعد اُسے عظیم الشان مراعات دے گا - باضابطه عہدنامه لکھوا لینے کے بعد شاهزادے سے کہا که یہاں اُس کي زندگي خطرے میں ہے - بایزید نے اسے زهر دینے کے لیے اپنے جاسوس بھیج دیے هیں - لہذا مصلحت یہي ہے که فرانس چلا جائے -

(٨)

بد نصیب شاهزادہ راضي هوگیا - اور اگست سنه ۱۴۸۲ ع میں جزیرے سے روانه هوا - اُسے یقین تھا که فرانس جا رہا ہے - وھاں آزاد شاهانه زندگي بسر کریگا - مگر جہاز میں بیٹھتے ھي اُس نے محسوس کیا که حکام جزیرہ کي حراست و قید میں ہے اور وہ اُسے آزاد کرنا نہیں چاهتے - مگر اب مجبور تھا - صبر کے سوا کوئي چارہ نه تھا -

شاهزادہ ' شہر نیس میں پہنچایا گیا - یه مقام اُسے بہت پسند
یں ایک قصیدہ لکھا - یہیں اقامت اختیار
، شاهي کے لیے بے چین تھا - چنانچه یہاں
قاصد بھیجا اور امداد کي درخواست کي -
آدمیوں نے قاصد کو راسته میں روک لیا اور
۱۴۸۳ ع میں نیس سے دوسري جگه لے
ہیں دیتے تھے - شہروں شہروں لئے پھرتے تھے
ے تھے -

سے دھوکا دیا گیا ہے - یه لوگ اُس کے ذریعه
هیں - چنانچه اُس نے پھر دو قاصد روانه
دوسرا هنگري کو - مگر اُس کے میزبان
ر مل گئي اور اُسے قلعه ساسناگ میں تن

(٩)

پھر ایک نیا انقلاب هوتا ہے - قلعه ساسناک
اُس کي لڑکي ولینیا هیلانا حسن و جمال
نے اُسے دیکھا تو عاشق هوگیا - دوشیزہ کو
هوگئي - محبت نے مرد میدان چم کي
جنگ و جدل سے نفرت هوگئي - حکومت
وش زندگي کي طلب پیدا هوئي - اُس
نے بایزید کو پے در پے خطوط بھیجے اور رحم و کرم کي درخواست کي - مگر سنگ دل بھائي کو رحم نه آیا - دشمن کو جھکتے دیکھه کر اُس کي همت اور بھي بڑھ گئي - اُس نے شاہ فرانس سے مطالبه کیا که چم کو فوراً اپني حدود سے خارج کردے -

جزیرہ روڈس کے حکام نے دیکھا که شکار هاتھه سے جاتا ہے - فوراً ایک نئے سودے پر آمادہ هوگئے - پوپ اینو سینٹ هشتم سے ایک بہت بڑي قیمت لے کر ' ۱۳ - مارچ سنه ۱۴۸۹ - کو شهزادہ اُس کے حواله کر دیا -

(١٠)

چم ' روم کو روانه کیا گیا - پوپ سے ملاقات هوئي - چم نے اپني مصیبتیں نہایت مؤثر پیرایه میں بیان کیں اور درخواست کي که اُسے مصر جانے دیا جائے جہاں اُسکي ماں اور بیوي مدتوں سے جدائي

کا غم کہا رهي هیں - مگر پوپ نے منظور نہیں کیا - اُس نے کہا " یورپ کے بادشاہ ' ترکي پر چڑهائي کرنے کي طیاري کر رهے هیں تاکه تمہیں تخت نشین کردیں " ساتهه هي اُس نے بہت اصرار کیا که مسیحي دین اختیار کرلے تاکه " دنیا کے ساتهه آخرت کي عزت بهي حاصل هوجائے "

چم ' پکا مسلمان تها - پوپ کي یه دعوت حقارت سے رد کردي - اُس نے سختي سے کہا " اگر تمام دنیا کي بادشاهي مل جاے ' تو بهي میں اپنا دین فروخت نہیں کرونگا " اِتنا هي نہیں بلکه غیور شہزادے نے پوپ کے روبرو سر جهکانے یا اُس کے هاتهه کو بوسه دینے سے بهي انکار کر دیا ' جیسا که شاهان یورپ کا دستور تها - اُس نے کہا " میں مسلمان هوں - پوپ کے سامنے نه تو جهک سکتا هوں ' نه اُس کا هاتهه چوم سکتا هوں ! "

پوپ نے اُسے ویٹیکان میں نظر بند کردیا اور دول یورپ کو ترکي پر حمله کي ترغیب دینے لگا - مگر اُس وقت بهي یورپ میں باهم دگر سخت منافست تهي - آپس میں کوئي سمجهوتا نه هوسکا - اِسي اثناء میں پوپ نے انتقال کیا اور مشہور ظالم کارڈنیل ' اسکندر اُس کا جانشین هوا - اِس نے اُس عظیم رقم پر قناعت نہیں کي جو چم کو قید میں رکهنے کے صله میں بایزید سے سالانه وصول کیا کرتا تها - بلکه ایک بهت بڑي رشوت لے کر اُس کے قتل

(۱۱)

اُسي زمانه میں (ستمبر سنه
فرانس نے روم کا محاصرہ کرلیا ' اور صا
که چم اُس کے حواله کر دیاجائے - پو
چاها - اُس زمانے میں یورپ کے زهر
بهي سب سے بڑے ماهر تهے - پوپ کے
اگر ایک تندرست آدمي کو کهلا دیا
اُس کي تندرستي پر کوئي اثر نہیں
بعد آهسته آهسته اُسکي تاثیر کام کرنے
کا خاتمه کر دیتي تهي - پوپ نے ی
اطلاع بایزید کو دیکر اُس سے مطلوبه ر
چم ' چارلس کے حواله کردیا ' اور اُس

چم ' شاه فرانس کے قبضه میں
فوج کشي کے لیے آماده کرنا شرو
که یورپ اُس کي طرفداري نہیں
سب سے بڑي اسلامي سلطنت تب
نے قطعي طور پر انکار کردیا - باد

مگر اب اُس کي دائمي رهائي کا وقت بهي آ پہنچا تها - پولس رسول کے جانشین پوپ کا زهر اُس کے جسم میں سرایت کرچکا تها - وه ابهي ناپولي هي میں تها که ۲۴ - فروري سنه ۱۴۹۵ ع میں انتهائي حسرت و یاس کے ساتهه اِس دنیا سے همیشه کے لیے رخصت هوگیا !

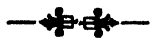
اُسکے آخري الفاظ یه تهے :

" خدایا ! اگر دشمنان دین مجهسے مسلمانوں کے خلاف کام لینا چاهتے هیں ' تو مجهے جلد موت دیدے ' اور اُن کا مقصد پورا نه هونے دے ! "



مختارات

حب ذات کس میں زیادہ هے : مرد میں یا عورت میں ؟



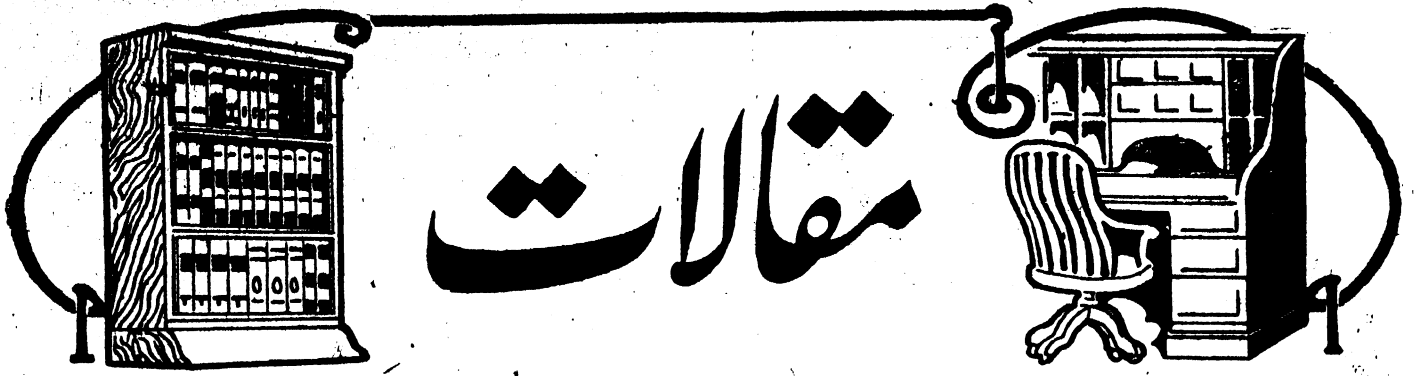
(ایک مصري خاتون کے قلم سے)

سب سے پہلے مجهے یه ظاهر کردینا چاهیے که دنیا کي ترقي کے لیے جس طرح ایثار کرنے والے ضروري هیں ' اُسي طرح حب ذات رکهنے والے بهي ضروري هیں - اگر ایک آدمي بهي حب ذات
نے والے لوگ کسی کي خدمت
ن کر مر جائینگے - کیونکه اُن کے لیے
ي مرقعه موجود نه هوگا - لیکن
ے دنیا میں تقریباً مساوي تعداد
وجود رهینگے ' اِس لیے اِس صورت
نہیں هے -

حب ذات کس میں زیادہ هے :
یال میں جواب صرف ایک هي
ہي طور پر جنس نسواني میں یه
رتیں علی العموم حب ذات کي
ن اپني طبیعت پر تهوڑا سا غور کرکے
برخلاف اِسکے مردوں میں ایثار
غور کریں که اُنکے آرام و آسائش کے
ں ؟ همارے لیے دروازے کهولتے
ها دیتے هیں - ریل اور ٹریم وغیره
گه خالي کر دیتے هیں - همارے
سکه اٹهنے بیٹهنے ' کهانے ' پینے '
هیں - خود تکلیف اٹهاتے هیں
اور همیں آرام دیتے هیں !

حقیقت یه هے که عورت ' مرد کي اِس خصلت سے بہت خوش هوتي هے - اِسے اُسکي مردانگي کي علامت سمجهتي هے - اسي طرح مرد بهي عورت کي حب ذات پسند کرتا هے - بلکه اگر هم عورتوں میں حب ذات نه هوتي ' تو مرد هم سے سخت نفرت کرنے لگتے - یہی حب ذات ' بناوٹي کمزوري ' مصنوعي نزاکت ! وه ادائیں هیں جو همیں مرد کي نظر میں معزز و محبوب بنائے هوئے هیں -





علم الاجتماع

(۱)

" علم الاجتماع " سے مقصود وہ علم ہے جس کا موضوع بحث انسان کی اجتماعی زندگی ہے - انسان کی اجتماعی زندگی کی پیدایش ' اُس کی نشو و نما ' اُس کے طبعی احوال و تاثرات ' اُس کی مزاجی کیفییات ' اور اُس کے نتائج و ثمرات کا بطریق استقراء اِس طرح استقصا کرنا : کہ اس بارے میں اصول و کلیات مرتب ہو جائیں ؛ علم الاجتماع کا دائرۂ نظر و بحث ہے - تاریخ علوم میں سب سے پہلے جس شخص نے اِس علم کے مباحث بطور ایک مدون علم کے ترتیب دیے ' وہ علامۂ ابن خلدون ہیں - اُن کا مقدمۂ تاریخ اس علم کی عدیم النظیر کتاب ہے -

علامۂ ابن خلدون کے بعد صدیوں تک اِس علم میں کوئی اضافہ نہیں ہوا - گذشتہ صدی میں جب موسیو کاترمیر نے مقدمہ کا فرانسیسی ترجمہ شائع کیا تو علماء مغرب کو اِس طرف توجہ ہوئی - رفتہ رفتہ یہ مبحث وقت کا سب سے زیادہ اہم اور دقیق موضوع نظر بن گیا - بلاشبہ فرانسیسی ترجمۂ ابن خلدون سے پہلے علماء مغرب فلسفۂ تاریخ کی طرف متوجہ ہو چکے تھے ' اور تاریخ کی نئی فلسفیانہ ترتیب کی بنیادیں پڑ چکی تھیں - نیز اصول قوانین و نظامات حکومت پر بھی مونٹسکیو اور بنتھیم جیسے مفکرین کی کتابیں شائع ہو چکی تھیں - لیکن اِن مباحث کو " علم الاجتماع " کا کامل مواد نہیں کہا جا سکتا - یہ واقعہ ہے کہ ترجمۂ ابن خلدون کی اشاعت سے پہلے یہ علم بہ حیثیت ایک مستقل علم کے ' یورپ میں زیر بحث نہ تھا - جس قدر کتابیں بھی اس علم پر لکھی گئی ہیں ' سب کی سب گذشتہ صدی کے اواخر میں مرتب ہوئی ہیں ' اور یقیناً اُن کا اولین سر چشمہ مقدمۂ ابن خلدون ہی ہے - موجودہ زمانہ میں ڈاکٹر لیبان کی مصنفات سب سے زیادہ وقیع سمجھی گئی ہیں - اُس نے نہ صرف اس موضوع پر ہی کتابیں لکھیں ' بلکہ وہ کام بھی انجام دیا جسکا ارادہ ابن خلدون نے کیا تھا مگر پورا نہ کرسکا - یعنی متعدد اقوام کی تاریخیں بھی اسی علم کے اصول و کلیات کے ماتحت ترتیب دیدیں -

ذیل میں ہم ایک مختصر مگر وقیع رسالہ کا ترجمہ درج کرتے ہیں جو ترکی میں ڈاکٹر احمد شعیب بک نے سنہ ۱۹۱۰ ع میں انقلاب عثمانی کے بعد لکھا تھا ' اور بلاد اسلامیہ کے اہل علم میں نہایت مقبول ہوا تھا - ڈاکٹر موصوف قسطنطنیہ کے مدرسہ حقوق (قانون) میں استاذ تھے ' اور اُن گنتی کے اصحاب علم و نظر میں سے تھے ' جنھیں ترکی کے نئے عہد تعلیم و ترقی کا ماحصل سمجھنا چاہئے - سنہ ۱۹۰۸ ع میں جب دستوری انقلاب ہوا ' تو انہوں نے مرحوم جاوید بے اور احمد رضا بے کے ساتھہ شریک ہوکر ایک نہایت وقیع ماہوار رسالہ " مجلۂ علوم اقتصادیہ و اجتماعیہ " جاری کیا تھا - ترکی کے تمام مشاہیر اہل قلم کی رائے ہے کہ اس سے بہتر علمی رسالہ ترکی زبان میں شائع نہیں ہوا - یہ رسالہ اسی مجلہ میں بہ دفعات شائع ہوا تھا - پھر مطبع ثروت فنون نے کتاب کی شکل میں مرتب کرکے چھاپ دیا -

اِس موضوع میں یہ مقالہ مختصر ہے ' مگر رسوخ نظر و فکر کے ساتھہ لکھا گیا ہے - ہم اِس کا ترجمہ شائع کر دیتے ہیں تاکہ اُردو میں ایک ترک مفکر کی بہترین کتاب منتقل ہوجاے - البتہ یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ مصنف نے مقالہ کی تمہید میں فطرۃ انسانی کے خیر و شر پر جو اظہار راے کیا ہے ' اور اِسے روسو کا مذہب قرار دیکر اسکی یک قلم تغلیط کر دی ہے ' ہم اِسے مصنف کی لغزش نظر سمجھتے ہیں اور اس سے متفق نہیں ہیں - مقالہ کا ترجمہ مکمل ہوجاے تو بطور استدراک و تعلیق اس مسئلہ پر مختصراً اپنی راے ظاہر کر دینگے - اس مقام کے علاوہ بعض دیگر مقامات بھی مزید نظر و کاوش کے مستحق ہیں ' اور انکی طرف بھی خاتمہ میں اشارہ کر دیا جائیگا -

اِس مقالہ کے ساتھہ ہم علامۂ ابن خلدون کی تصویر بھی شائع کر دیتے ہیں - یہ ایک قدیم قلمی مرقع کا عکس ہے جو دمشق کے ایک قدیم کتب خانہ میں محفوظ تھا اور اب وہاں کے مجمع علمی (عربی اکاڈیمی) نے اپنے عجائب خانہ کے آثار عتیقہ میں داخل

کردیا ہے - اس تصویر میں علامۂ موصوف جس لباس میں دکھائے گئے ھیں ' ساتویں اور آٹھویں صدی ھجری میں مسلمانان مغرب (مراکش و تیونس) کا عام لباس تھا - اور مصر و شام میں بھی اسی وضع کا عمامہ استعمال کیا جاتا تھا - علامۂ موصوف کا آخری عہد مصر میں بسر ہوا ہے - بہت ممکن ہے ' یہ تصویر اصلی اور مستند ہو -

---

(علم الاجتماع)

پہلے یہ علم ' علماء و مفکرین کے ایک نہایت تنگ دائرے میں محصور تھا ' مگر اب وہ ایک ضروری موضوع بن گیا ہے اور سب کے لیے اُس کی تحصیل لازمی ہوگئی ہے -

(فرد اور جماعت)

فرد اور جماعت میں ایسا مضبوط رشتہ ہے کہ عملاً لازم و ملزوم بن گئے ھیں - ناممکن ہے کہ ان میں سے ایک مفقود ہو اور دوسرا موجود ہو سکے - روز بروز ثابت ہوتا جاتا ہے کہ علم اجتماع اور علم افراد ' دونوں باہم دگر وابستہ ھیں - ان میں تفریق ناممکن ہے ' اور یہ ' کہ تمام فلسفی اور اخلاقی مسائل ؛ اجتماعی مسائل میں داخل ھیں -

فرد اپنی صفتیں اور خصلتیں ' اپنی قوم وجنس سے ورثہ میں پاتا ہے - یہی معنی ھیں "جماعت" کے - علم جماعت (یا اجتماع) مادی اور معنوی حیات کے علم سنن و نوامیس سے بحث کرتا ہے - نیز اُس کا تعلق علم الحیاۃ سے بھی گہرا ہے - کیونکہ کہا جا سکتا ہے کہ جملہ کائنات اپنے آغاز کے وقت ایک ہی عظیم جماعت تھی - یہ اس لیے کہ وہ شروع میں غیر مرئی جوہر فرد (ایٹم) کے بے حساب ذروں کا مجموعہ تھیں - بنا بریں علم اجتماع ' جملہ علوم کا مجموعہ اور خلاصہ ہے -

(قوم کا نظام اُسکی استعداد وضرورت کے مطابق ہوتا ہے)

اس علم کے اساتذہ کی رائے ہے کہ ہر قوم کا سیاسی و اجتماعی نظام دوسری قوموں سے نمایاں طور پر مختلف ہوتا ہے - ہر قوم کا نظام' اُس کی ذہنی و تمدنی حالت کا ترجمان ہوتا ہے - اس نظام کی اہمیت اور خوبی ہمیشہ اعتباری ہوتی ہے - جماعتوں کے نشو و ارتقاء میں سیاسی نظامات ' سبب وعامل ہونے سے کہیں زیادہ خود مقصد و عمل ہوتے ھیں -

قوم کی مخصوص سیاسی تنظیم ' صرف اُس کی موجودہ زندگی ہی کی میزان نہیں ہوتی ' بلکہ اُن تمام انتظامی دوروں کا بھی پتہ دیتی ہے جو اُس پر گزشتہ زمانوں میں گزر چکے ھیں - کسی انسان کو بھی یہ قدرت حاصل نہیں کہ ملک میں کوئی ایسا نظام جاری کردے جو نظری طور پر سب سے بہتر اور ترقی یافتہ معلوم ہو - تاریخ بتاتی ہے کہ غیر فانی قوانین قائم کرنے والے مقننوں نے صرف اس لیے کامیابی حاصل کی تھی کہ انہوں نے پہلے قوم کی ضروریات معلوم کرلی تھیں ' پھر ان ضروریات کے مطابق قانون بنائے تھے - سولن نے کیا ہی خوب کہا ہے "میں نے ایتھنز کے باشندوں کے لیے ایسا قانون طیار نہیں کیا ہے جو عقلاً سب سے افضل ہے - بلکہ ایسا قانون بنایا ہے جو اُن کی استعداد اور ضرورت کے موافق ہے"

تمدن کی تاریخ یہ حقیقت پوری طرح ثابت کر رہی ہے کہ ہر قوم کا نظام ' اُس کی ضرورت کا مظہر ہوتا ہے - ہم دیکھتے ھیں کہ اُن قوموں کے نظام تقریباً یکساں ہوتے ھیں جو ترقی کی مساوی سطح پر پہنچ گئی ھیں - پوری تاریخ میں کوئی ایک مثال بھی ایسی موجود نہیں کہ کسی قوم کا نظام ' قوت اور تشدد کے ذریعہ بدلا جاسکا ہو - بلا شبہ یہ صورت کبھی فتوحات اور انقلابات کے بعد پیدا ہو جاتی ہے - مگر تبدیلی محض ظاہری اور لفظی ہوتی ہے - حقیقت و واقعہ پر اُس کا کوئی اثر نہیں پڑتا - اس کی بہت سی مثالیں موجود ھیں - جزیرۂ کرسیکا مدت سے فرانس جیسی متمدن حکومت کے ماتحت ہے ' مگر آج تک اس جزیرہ کی وحشت دور نہ کی جا سکی - یہی حال آئرلینڈ کا ہے - صدیوں تک ساتھ رہنے پر بھی وہ انگلستان سے منزلوں دور ہے - حقیقت یہی ہے کہ قوموں کی طبیعت و فطرت کو اُن کے نظاموں پر پورا اقتدار حاصل ہوتا ہے - نظام کی تبدیلی اسی وقت ممکن ہے جب قوم کے دماغ میں بھی تبدیلی پیدا ہو جائے -

(اچانک ترقی ناممکن ہے)

مقننوں کی قدرت سے باہر ہے کہ اپنے دل سے کوئی ضابطۂ قانون ایجاد کرکے قوم کو اُس پر چلادیں - بڑی بڑی بغاوتوں اور عظیم فاتحوں نے اگر اس طرح کی جرأت کبھی کی ' تو یہ زبردستی زیادہ مدت تک قائم نہ رہ سکی اور قدیم حالت پھر لوٹ آئی - اس کی مثال یہ ہے کہ اگر حیوان کو کسی ایسی بات پر مجبور کیا جائے جو اُس کے مزاج کے خلاف ہے ' تو وہ اُسی وقت تک اُسے کرتا رہیگا ' جب تک دباؤ موجود ہے - لیکن دباؤ ہٹتے ہی فوراً اُسے چھوڑ دے گا - اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قوموں کے نظام ' اُنکی ضرورت کے ترجمان اور اُن کے شعور کا مظہر ہوتے ھیں - اور یہ کہ اُن کی تبدیلی ' قوم کی ذہنیت کی تبدیلی کے بعد ہی ممکن ہے - قوموں کی ذہنیت ' فوراً تبدیل نہیں ہو سکتی - بہ تدریج اور آہستگی سے بدلتی ہے -

سیاسی و اجتماعی نظام کے نشو و تکوین کا باعث وہی ہوتا ہے جو خود کائنات کی تکوین کا باعث ہے - یہی وجہ ہے کہ اچانک تبدیلی محال ہے - یہ ایک اٹل اجتماعی قانون ہے کہ نمایاں تبدیلی ' اُن بہت سی مخفی تبدیلیوں کا نتیجہ ہوتی ہے جو صدیوں تک جاری رہتی ھیں - ہم تبدیلی کا احساس اُس وقت کرتے ھیں جب وضعی قوانین آکر ہمیں بتانے لگتے ھیں - ہم خیال کرتے ھیں تبدیلی انہی قوانین کا نتیجہ ہے - حالانکہ یہ تبدیلی ایک طویل و مسلسل حرکت و عمل کا نتیجہ ہوتی ہے -

حقیقی مقننوں کا فرض صرف یہ ہے کہ قوم کی راسخ عادتوں اور خصلتوں کی تائید کریں ' مگر صرف اُنہی کی جو مفید ہوں - مضر کی مضرت کم کرنے اور بتدریج دفع کرنے کی کوشش کرتے رھیں -

بسا اوقات قوم کے سمجھنے کے لیے اُسکی تاریخ سے کہیں زیادہ اُس کے ضابطۂ قانون کا مطالعہ ضروری ہوتا ہے - کیونکہ ضابطۂ قانون ہمیں بالکل صحیح طور پر بتا دیتا ہے کہ قوم کی اجتماعی حالت اور ضروریات مختلف زمانوں میں کیا کیا تھیں ' اور اُن میں بتدریج کیا کیا تبدیلیاں ہوئی ھیں ؟

افراد ' اقوام ' نظامات ' عقائد ؛ کا ارتقاء ہمیشہ تدریجی ہی ہوتا ہے - جب تاریخ ہمیں کسی قوم کی بابت بتلائے کہ وہ ترقی یافتہ تمدن کی مالک تھی ' تو ہمیں فوراً سمجھ لینا چاہیے کہ اُس کا یہ تمدن ' ایک طویل ماضی کا نتیجہ ہے - اگرچہ یہ ماضی ہمارے لیے کتنا ہی مجہول کیوں نہ ہو - کیونکہ یہ بالکل ظاہر ہے کہ زبان اور ادب (لٹریچر) کا وجود اچانک نہیں ہوجاسکتا - خود اُن کا وجود ہی اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ وہ ایک قدیم ماضی رکھتے ھیں - موجودہ مغربی تہذیب کی مثال اس حقیقت کے فہم کے لیے بالکل کافی ہے - یورپ اپنی موجودہ تمدنی سطح تک بے شمار انقلابات سے گزرکر ہی

پہنچا ہے - یہ سراسر جنون ہے کہ کوئي قوم ترقي کے بلند درجہ تک اچانک پہنچ جانے کا خیال کرے -

(سلطنت کي تکوین اور روسو کا نظریہ)

جوزیف دومستر اور برنلڈ نے سلطنت (اسٹیٹ) کي تکوین کا جو نظریہ قائم کیا تھا ' وہ اب اِس حد تک شکست ہوچکا ہے کہ اُس کے بطلان کے لیے کسي بحث کي ضرورت باقي نہیں رہي - اِسي طرح " اصحاب جمہوریۃ " (جن کا سر گروہ روسو ہے) کے نظریے بھي غلط ثابت ہوچکے ہیں -

مذہب جمہوریۃ ' سولھویں صدي کے اواخر میں اپنے پورے عروج کو پہنچ گیا تھا - هنري سوم کے قتل کے بعد پروٹسٹنٹ فرقہ نے اِس مذہب سے ہٹنا شروع کیا - سترھویں صدي میں ھوبس اور گوربیو نے ظاہر ہوکر اِس مذہب کي از سر نو حمایت شروع کي - لیکن وہ اِس نتیجہ کي کوئي توجیہ نہ کرسکے کہ اِس مذہب کے تسلیم کرلینے کے بعد یا تو فرد کا استبداد لازم آجاتا ہے ' یا جماعت کا -

آخر میں روسو نے آکر یہ تمام نظریے اپني کتاب " عقد اجتماعي " میں جمع کردیے - روسو کي رائے ہے کہ انساني افراد اپني طبیعي خود مختاري سے اس بنا پر دست بردار ہوے ہیں کہ اُنہیں اِس کے معاوضہ میں امن و اطمینان ملے - چنانچہ اُنھوں نے باہم معاہدہ کرلیا کہ انفرادي زندگي کے بجاے جماعتي زندگي بسر کرینگے - اِس معاہدے نے اُن میں اجتماعي اخلاق کي ایک خاص طبیعت پیدا کردي -

روسو کا خیال ہے کہ فرد فطرتاً نیک ہوتا ہے - رذالت و شر ' جماعت سے پیدا ہوتا ہے - افراد فطري طور پر عدل و انصاف کے دلدادہ ' خیر اور نیکي کے پرستار ' اور نظام کي اطاعت کي طرف راغب ہوتے ہیں - وہ ہمیشہ نیک اور خوش نصیب ہوتے ' اگر جماعت کي برائیاں اُنہیں لگ نہ جاتیں -

حریت ' مساوات ' اور قوم کا اقتدار ؛ یہ " عقد اجتماعي " کي بنیادي دفعات ہیں - روسو نے اِن کا ذکر اپنے بیان " حقوق انساني " میں بھي کیا ہے -

روسو کے زمانہ میں یہ نظریہ بہت مقبول تھا کہ انسان فطرتاً نیک اور عاقل ہے - اُس کا ہر عمل حتی کہ ہر حرکت کسي نہ کسي معقول سبب پر مبني ہوتي ہے - اُس وقت کے اکثر ادباء و فلاسفہ یہي خیال رکھتے تھے - حتی کہ ارکان سلطنت کا بھي اِسي پر ایمان تھا - چنانچہ تُرگو نے تربیت پر ایک رسالہ لکھکر بادشاہ کو دیا اور دعوي کیا کہ " اِس پر عمل کرکے فرانس کي حالت ایسي ہوجائیگي کہ ابھي یقین نہیں کي جا سکتي " نیر کہا کرتا تھا " انساني اخلاق کي فضیلت پر ایمان رکھنا فرض ہے "

جرمني میں بھي کانٹ اور ریخٹي نے اِس مذہب کا علم بلند کیا تھا - لیکن اُن کے رد کے لیے بڑے بڑے فلاسفہ اٹھہ کھڑے ہوئے - ھیگل ' اسٹراس ' اسٹوارٹ مل ' اسپنسر ' آگسٹ کونٹ ' تین ' رینان وغیرہم نے اپني اپني جگہ اُس کي دھجیاں اڑادیں -

خود اشتراکیوں نے بھي یہ مذہب قبول نہیں کیا اور اِسے منطقي مغالطہ قرار دیا - زومر مالن کہتا ہے " عقد اجتماعي کا نظریہ ' محض ایک وہم ہے "

اقتدار قومي کا نظریہ بھي اب تک محض ایک دعوي ہي دعوي ہے - عمل میں آج تک اُس کا کبھي ظہور نہیں ہوا - تاریخ نے بھي اُس کي کوئي مثال پیش نہیں کي - بنابریں اُسے بھي ایک خیالي و وھمي نظریہ ہي کہہ سکتے ہیں -

(فطرۃ انساني)

پھر یہ بھي واقعہ ہے کہ عقل و حکمت انسان کي فطري صفت نہیں ہے ' بلکہ سخت جد و جہد کے بعد کسب کي جاتي ہے - یہ صفت ' اگر اِسے صفت کہنا صحیح ہو ' اب تک غیر دائمي حالت توازن میں ہے - علم وظائف الاعضاء (فیزیولوجي) اور علم النفس (سائیکولوجي) بتاتے ہے کہ " انسان فطري طور پر اتنا ہي مریض ہے ' جتنا مجنون ہے - ہمارے اعضاء کي سلامتي اور عقل کي درستگي ' سرا سر اتفاقات کا نتیجہ ہے - دماغ کا عمل بھي ہمیشہ مضطرب ہوتا ہے - منطقي قیاسات اور اعلی خیالات ' صرف ایک محدود روشن خیال جماعت سے مخصوص ہوتے ہیں - انسان کے ارادے پر اصلي حکمراني ' اُس کے عقل و دماغ کو نہیں بلکہ جسماني ترکیب ' مادي ضرورت ' حیواني طبیعت ' قوت خیال ' حرص و طمع ' اور شخصي اغراض وغیرہ خصلتوں کو حاصل ہے "

ہمارا یہ خیال کہ انسان فطرتاً نیکي ' خیر ' حلم ' اور اجتماعي مصلحت کو ؛ بدي ' شر ' غصہ ' اور شخصي مصلحت پر ترجیح دینے کي طبیعت رکھتا ہے ' درحقیقت اپنے آپ کو سخت دھوکا دینا ہے - کیونکہ وحشت وظلم کي جو صفات ہم نے اپنے اجداد سے ورثہ میں پائي ہیں ' اب تک ہمارے ذھن و دماغ میں پوري طرح راسخ ہیں - انساني دماغ کي ساخت ہي کچھہ اِس وضع کي ہے کہ انسان ہمیشہ اپنے خیالات واوھام کا بندہ رہے - شدید ہیجان ' شک و شبہ ' جذبات ' سادہ لوحي ' خود غرضي ' یہ انسان کي امتیازي خصوصیات و صفات ہوگئي ہیں -

یہ حقائق پیش نظر رکھنے کے بعد ' ہم بآساني فیصلہ کر دے سکتے ہیں کہ انساني فطرۃ کے متعلق روسو کا نظریہ سرا سر وھم و خیال ہے - اور اُس کے ہم مشربوں کو حقیقت سے کوئي تعلق نہیں -

(سلطنت کي تکوین میں اقلیم کا اثر)

سلطنت کي تکوین میں اقلیم کے اثرات کو بہت دخل ہوتا ہے - سیاسي و اجتماعي نظامات ' اقلیم کي تبدیلي سے بدل جایا کرتے ہیں - اِس کي مثال یہ ہے کہ جو قومیں میدانوں اور سبزہ زاروں میں بود و باش رکھتي ہیں ' اُن کي اقلیم کا اقتضاء ہي یہ ہوتا ہے کہ بدوي زندگي بسر کریں - ان کي مرکزي حکومت میں ابوي اقتدار کا رنگ غالب ہوتا ہے اور استبداد کمزور ہوتا ہے - یہ قومیں ہمیشہ فتوحات و حکمراني کي دلدادہ ہوتي ہیں - برخلاف اِن کے وہ قومیں جو جنگلوں میں شکار پر زندگي بسر کرتي ہیں ' اپني مرکزي حکومت میں استبداد غالب رکھتي ہیں اور ابوي شفقت کمزور ہوجاتي ہے - اِن میں جہالت نمایاں ہوتي ہے - وسعت نظر مفقود ہوتي ہے ' اولوالعزمي اور بلند ہمتي ناپید نظر آتي ہے ' فتح و استیلاء کا جذبہ مردہ ہوجاتا ہے ' ہمیشہ تنگ دائرے ہي میں زندگي بسر کرتي رہتي ہیں -

(جماعتوں اور سلطنتوں کے وجود کا سبب)

قدیم ترین حکومتوں کے ظہور کي تاریخ ہمیں بتاتي ہے کہ انسانوں کا اجتماع اور باہمي اشتراک عمل ' صرف ضرورت ہي کي وجہ سے پیدا ہوا تھا - وہ ابتدائي ضرورت ' دشمنوں کے حملوں سے مدافعت تھي - اُن مجہول زمانوں میں ہر چیز انسان کے لیے خطرناک تھي '

عالم مطبوعات و صحائف

Sketches of the Sects of Palestine & Syria.
By Harry Charles Luke.

(شام و فلسطین کے فرقے ' مصنفہ ہرے چارلس لیوک)

اخبار ٹائمس لندن نے اپنے ہفتہ وار ادبی ضمیمہ میں مندرجہ بالا کتاب پر ان الفاظ میں تنقید کی ہے :

" اگرچہ فلسطین کی آبادی ساتھہ لاکھہ سے زیادہ ہے ' اور ۴۰ - مختلف زبانیں بولنے والے ' ۶۵ - فرقوں کے اشخاص موجود هیں ' پھر بھی مسٹر لیوک مصنف کتاب کو ایک اسماعیلی بھی وہاں نظر نہیں آیا ' اور اسکے لیے انھیں شام جانا پڑا - یہ وہی فرقہ ہے جو جنگ صلیبی کے زمانہ میں بہت مشہور ہوگیا تھا - مصنف نے اس کے بعض اسلاف کے حالات نہایت دلچسپ طریقہ سے بیان کئے ہیں - شاید اس حقیقت سے بہت کم لوگ واقف ہونگے کہ یہ وفادار قاتل اپنے آقا کے حکم کی کس طرح اطاعت کرتے تھے ' اور کس طرح اسکے کہنے پر ہر قسم کے کام انجام دینے کیلیے آمادہ ہو جاتے تھے - حتی کہ دوسروں کا قتل یا خود کشی بھی ان کے لیے کوئی اهمیت نہیں رکھتی تھی -

اس اسماعیلی فرقہ نے اگرچہ اپنی تمام رسمیں ترک کر دی ہیں - پھر بھی ایک حسین نوجوان خاتون کو سیاہ لباس میں ملبوس کرنے اور سر پر پھولوں کے تاج رکھنے کی رسم اب تک قائم ہے - مسٹر لیوک نے اپنی کتاب میں اس فرقہ کے نہایت دلچسپ حالات لکھے ہیں - باخبر مصنف همکو ایک اور فرقہ کا بھی پتہ دیتا ہے جو سمرتین کہلاتے ہیں - اُن کا خاندانی مذهبی پیشوا نابلس میں رهتا ہے اور سالانہ کوہ گرزم پر اپنی قدیم ترین قربانی ادا کرتا ہے جو کتاب الخروج میں درج ہے - اس کتاب میں اُن معصوم حبشیوں کا بھی تذکرہ ہے ' جنکا کام قیمتی چھتریاں لیجانا اور دوسروں کی چھتوں پر ناچنا یا عبادت کرنا ہے - اسکے علاوہ یہاں کے مختلف فرقوں میں حق وراثت کے متعلق جو اختلافات ہیں ' اور جنکی وجہ سے اکثر خانہ جنگیاں رونما ہوتی رہتی ہیں ' نہایت وضاحت سے بیان کیے گئے ہیں "

" اگرچہ فرقوں کے اعتبار سے مسیحی فرقوں کی تعداد اسلامی فرقوں سے جن میں مسلم ملحد بھی شریک ہیں ' کہیں زیادہ ہے ' لیکن آبادی کے لحاظ سے مسلمان ایک کے مقابلہ میں تین ہیں - اسی طرح تعداد میں وہ یہودیوں سے بھی زیادہ ہیں - مصنف نے اِن قوموں کے حالات کے ساتھہ ترکوں کے اوس برتاؤ کی بھی مثالیں دی ہیں ' جو وہ اپنے عیسائی اور یہودی رعایا کے ساتھہ کرتے تھے - چنانچہ اُس نے اُن احکام کی نقلیں درج کی ہیں جنکے ذریعہ ارمنیوں ' پادریوں ' اور یہودی ربیوں کو اپنے مردے دفن کرنے کی اجازت ملتی تھی - حکمناموں کی نقلوں کے بعد مصنف نے موجودہ طریقۂ حکومت کا ترکوں کے طرز حکومت سے موازنہ کرکے اول الذکر کو ترجیح دی ہے -

ہم اس پر اتنا اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ مصنف کتاب اور ٹائمس کے نقد نگار نے شام کے جس فرقہ کو " اسماعیلی " کے لقب سے پکارا ہے ' وہ اگرچہ اسماعیلیہ ہی کی ایک شاخ ہے ' لیکن ایک مدت سے " دروز " کے نام سے موسوم کی جاتی ہے اور اس کے عقائد اصل اسماعیلی فرقہ سے بہت کچھہ مختلف ہیں -

بیگم فہمی کا عجیب مطالبہ

(قاتلہ کا مقتول شوہر کی جائداد پر دعوی !)

قارئین الہلال کو یاد ہوگا کہ اب سے تقریباً دو سال پہلے لندن کے ایک ہوٹل میں بیگم فہمی نے (جو ایک فرانسیسی عورت ہے) اپنے شوہر فہمی بے مصری کو گولی کا نشانہ بنایا تھا - لندن میں اوس پر مقدمہ چلایا گیا ' لیکن وہ چھوٹ گئی ' اور اب وہی قاتلہ اپنے مقتول شوہر کی جائداد پر حق زوجیت کا دعوی کرنے والی ہے !

اور اُس کی ہلاکت پر تلی ہوئی تھی - یہی سبب ہے کہ ہمارے اجداد کو پہلی فکر یہی ہوئی کہ حیوان و انسان کی دست درازیوں سے مدافعت کیونکر کریں - چنانچہ وہ اِس کا سامان مہیا کرنے میں مشغول ہوگئے -

ہر اشتراک عمل کا نظام اُن ضرورتوں کے مطابق ہوتا ہے جو اُسکے وجود کا باعث ہوتی ہیں - انسانی اجتماع کی ابتدائی ضرورت دو قسم کی تھی :

(۱) داخلی خطروں کا سد باب -

(۲) خارجی حملوں سے مدافعت -

اِسی ضرورت نے انسانی جماعت کو حکومت کی تکوین پر مجبور کیا - شروع شروع میں مقصود یہ تھا کہ حکومت ' جماعت کے افراد کی قوت اِس طور پر منظم کرے اور اُسے اِس طرح استعمال میں لائے ' کہ جماعت ' داخلی و خارجی خطروں سے محفوظ رہ سکے - لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں ' جیسا کہ روسو کہتا ہے ' کہ جماعت کے افراد کسی مقام پر جمع ہوے اور بحث و مباحثہ کے بعد باہم عہد و پیمان کر لیا ' بلکہ صورت یہ ہوئی ہوگی کہ جماعت کے سب سے زیادہ عقلمند اور طاقتور فرد نے اِس ضرورت کا احساس کیا ہوگا اور اپنی زبردست قوت سے تمام افراد کو مغلوب کرکے حاکم بن بیٹھا ہوگا - پھر وقتی ضروریات نے حکومت کا نظام قائم کرنے اور وقتی قوانین بنانے میں اُس کی رہنمائی کی ہوگی -

انانیت اور حب ذات انسان کی فطرت میں داخل ہے - دو آدمیوں کی مصلحتوں میں ادنی تصادم بھی عداوت و فساد کا موجب بن جاتا ہے - مدتوں انسان نے اِنھی حالات میں انفرادی زندگی بسر کی - لیکن بالاخر طویل تجربوں نے اُسے بتا دیا کہ قتل ' خونریزی ' نہب و سلب ' جماعت اور افراد ؛ دونوں کے لئے مضر ہیں - انسان مجبور ہوا کہ اپنے سابق طرز زندگی میں تبدیلی پیدا کرے اور ایک نئی مگر زیادہ پر امن اور آرامدہ زندگی اختیار کرے -

یہی تجربہ یا ضرورت ' حکومت اور تمام قوانین اجتماع کی اصلی اور ابتدائی بنیاد ہے -

اس سلسلہ میں اخبار پیپل لندن کے نامہ نگار نے اوس سے ملاقات کي تھي - اس ملاقات کے حالات یہ ھیں - نامہ نگار لکھتا ھے :

" یہ کوئي تعجب کی بات نہ تھي کہ وہ مجھے نہ پہچان سکي - اور واقعۃ تو یہ ھے کہ میں خود بھي مشکل سے اس بات پر یقین کرنے کیلیے تیار تھا کہ حسین لباس میں یہ ملبوس حسینہ وھي پریشان سفید رخ ھے ' جسے میں نے اب سے دو سال پہلے عدالت میں دیکھا تھا - آج اوس کے رنگین ' روشن ' تروتازہ چہرہ ' اور باوقار حرکات میں کہیں بھی اون خطروں اور اندیشوں کا پتہ نہ تھا جنھوں نے اسے اپنے شہزادہ شوہر کے قتل پر مجبور کردیا تھا "

" تمام دنیا کي طرح میں نے بھي سنا تھا کہ مرحوم فہمي بے کي جائداد جو دو سے پانچ ملین فرانک کے درمیان ھے ' اوسکي دو بہنوں اور چچا کو مل گئي ھے - اسکا یہ فیصلہ کہ اب وہ خود قاھرہ جاکر یہ دعوی از سر نو پیش کریگي ' میرے لیے ایک حیرت انگیز خبر تھي "

" میں نے دریافت کیا " آخر کس چیز نے اپ کو اس بات پر آمادہ کیا ھے ؟"

" اوس نے جواب دیا " وہ کہتے ھیں ' جب تک میں بذات خود دعوی پیش نہ کروں ' سماعت نہیں ھو سکتي - اسلیے میرے پاس قاھرہ جانے کے سوا اور چارہ کار کیا ھے ؟ "

" لیکن مجھے یاد تھا کہ اس سے پہلے تین مرتبہ بیگم فہمي نے قاھرہ جانے سے انکار کردیا تھا' اور اُسکی وجوہ میں ایک وجہ یہ بھي بتلائي گئي تھي کہ وہ خائف ھے - میں نے اس کي طرف اشارہ کیا تو وہ ھنسي اور پھر مسکراتے ھوے جواب دیا " میں اور خوف ! میں مصر میں کسي سے نہیں ڈرتي - مصري میرے دوست ھیں - شریف ھیں " اس نے اپنے بازو پر سے کپڑا ھٹا کر بتایا کہ اُس کا ھاتھہ زخمي تھا ' اس لیے وہ قاھرہ جانے کے قابل نہ تھي - اُس نے یقین دلایا کہ اب وہ پہلے اسپین جائیگي ' وھاں سے سیدھا مصر پہنچیگي - یہ کہتے ھوے اُس نے ایک خاص انداز سے اپنا ھاتھہ اٹھایا ' اور اُس کي آنکھوں میں ایک عجیب روشني پیدا ھوگئي - قاھرہ کا مصري انصاف اُس کے لیے کوئي خوفناک چیز نہیں ھے - جو قاضي اِن آنکھوں سے متاثر ھوے بغیر رھیگا ' اُس کے متعلق سمجھہ لینا چاھئے کہ اُس کے سینہ میں دل کي جگہ یقیناً پتھر کا ٹکڑا ھوگا - اس رعنائي کے بارجود بیگم فہمي تین شادیاں کرچکي ھے ' اور اُس کي ایک ھفدہ سالہ لڑکي بھي موجود ھے ! "

" بیگم فہمي کو اس بات کا یقین ھے کہ وہ قاھرہ میں اپنا مقدمہ جیت لے گي - اُس نے مجھے بتایا کہ حال ھي میں اُس نے ایک مقدمہ جیتا ھے - وہ مقدمہ ایک ڈریس کیس (صندوق ارائش) کے متعلق تھا جس کي قیمت ۴ ھزار پونڈ ھے - یہ بکس اُن دو بکسوں میں سے تھا جو شادي سے کچھہ دن قبل شہزادہ فہمي بے کے لیے بنائے گئے تھے - ایک سیاہ کچھوے کي کھال کا اُس کے لیے ' دوسرا زرد رنگ کا اُس کي منسوبہ کے لیے - حادثۂ قتل کے بعد فہمي بے کي بہن نے اس بکس کے لیے مقدمہ دائر کیا - بیگم فہمي اس کے لیے لڑي اور بالاخر کامیاب ھوگئي - اُس نے کہا " یہ مقدمہ اس لیے نہ تھا کہ وہ بکس بہت قیمتي تھا ' بلکہ یہ اصول کا سوال تھا - اُس نے یہ بکس مجھے دیا تھا - اور میرے لیے ضروري تھا کہ میں اُسے حاصل کروں " آپ کو یہ سن کر متعجب نہ ھونا چاھیے کہ بیگم فہمي نے اپني چوتھي شادي کا خیال ترک نہیں کیا ھے ' اگرچہ اس میں عجلت نہیں ھے "

ڈاک کي تاریخ

یورپ کے ڈاکخانوں کي بین الاقوامي مجلس کا ایک اجلاس حال میں بہ مقام ھالینڈ منعقد ھوا تھا - اس سلسلہ میں ڈاک کے موجودہ طریقہ کي تاریخ بھي بیان کي گئي جس کا خلاصہ حسب ذیل ھے :

" قدیم زمانہ میں خطوط کي امد و رفت کے مختلف طریقے تھے - ڈاک کا محکمہ زیادہ تر بادشاھوں کي خدمت کیلیے تھا - بادشاہ اپنے خطوط ' فرمان ' اور احکام اپنے عہدہ داروں اور دوستوں کو بھیجا کرتے تھے - محکمۂ ڈاک یہ تھا کہ کچھہ لوگ خطوط لیکر گھوڑوں اور اونٹوں وغیرہ سواریوں پر سفر کیا کرتے تھے -

مصریوں نے اپني ترقي کے زمانہ میں ڈاک کا باقاعدہ انتظام کیا - مصریوں سے یہ چیز رومانیوں نے لي - شہنشاہ اگسٹس کے زمانہ میں سلطنت روم میں ڈاک کا آغاز ھوا -

ساتویں صدي عیسوي میں فرانس میں ڈاک کو رواج دیا گیا - لیکن چونکہ یہ زمانہ فرانس میں سخت بد امني کا زمانہ تھا ' اس لیے یہ انتظام کامیاب نہ ھوا اور جلد موقوف ھوگیا - چارلس اول نے بعد میں ڈاک کا محکمہ از سر نو قائم کیا تاکہ اسکي وسیع سلطنت میں مواصلات کي آساني ھو - مگر زیادہ عرصہ وہ بھي قایم نہ رہ سکا -

آخر سنہ ۱۴۶۴ع میں لوي چاردھم نے اُسکا پھر آغاز کیا اور ڈاک کا انتظام پوري ھوشیاري اور مضبوطي سے قائم کر دیا - سولھویں صدي میں فرانس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ڈاکخانوں کا جال پھیل گیا تھا ' اور ھر شخص کو حق حاصل ھوگیا تھا کہ جب چاھے ' اپنے خطوط ڈاک کے ذریعہ بھیج دے - سنہ ۱۶۲۷ع میں خط نویسي کے قواعد اور شروط مقرر کیے گئے - سنہ ۱۶۲۹ - سے مني آرڈر بھي ڈاکخانوں میں لیے جانے لگے -

ڈاک کے ٹکٹ سب سے پہلے سنہ ۱۶۵۳ع میں فرانس میں ایجاد ھوئے - لیکن تھوڑي مدت بعد انکا استعمال ترک کر دیا گیا اور لوگ اُنھیں بھول گئے - سنہ ۱۸۲۳ع میں ڈنمارک کے سرکاري اخبار میں ایک مضمون شائع کرکے حکومت کو توجہ دلائي گئي کہ ڈاک کے ٹکٹ استعمال کیے جائیں - مگراس پر توجہ نہیں کي گئي - سنہ ۱۸۳۹ع میں انگریزوں نے اسکي ضرورت محسوس کي - اسکے بعد باقي سلطنتوں نے بھي انکي تقلید کي - ذیل کے نقشہ سے معلوم ھوگا کہ دنیا کے بڑے بڑے ممالک میں کب سے ڈاک کے ٹکٹ جاري ھوئے ھیں :

انگلستان		—	سنہ ۱۸۳۹
بلجیم	۳	نومبر	سنہ ۱۸۴۷
فرانس	۱	جنوري	سنہ ۱۸۴۸
اسپین	۲	مارچ	سنہ ۱۸۴۸
سوئٹزر لینڈ	۱۴	اپریل	سنہ ۱۸۴۹
پروشیا	۱	جنوري	سنہ ۱۸۵۰
آسٹریا	۱	ایضاً	ایضاً
ڈنمارک	۱۵	ایضاً	ایضاً
اٹلی	۱	ایضاً	سنہ ۱۸۵۱
ھالینڈ	۱	ایضاً	سنہ ۱۸۵۲
ناروے	۱	ایضاً	سنہ ۱۸۵۵
یونان	—	اکتوبر	سنہ ۱۸۶۱
ٹرکي	۳	مئی	سنہ ۱۸۶۶
مصر	۱۵	دسمبر	سنہ ۱۸۶۶

بریدِ شرق

مکتوبِ مصر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)

سعد پاشا زغلول کی زندگی پر ایک نظر

مصر میں اسوقت مرحوم زغلول پاشا کے ذکر کے سوا کوئی ذکر اہمیت نہیں رکھتا۔ قوم اب تک ماتم کر رہی ہے اور نہیں معلوم کب تک کرتی رہے گی۔ پچھلے ہفتے ایک مفصل مکتوب، اُن کی وفات پر ارسال کرچکا ہوں۔ لیکن یہ عظیم مشرقی رہنما ایک مکتوب سے زیادہ ہماری توجہ کا مستحق ہے۔ میں چاہتا ہوں آج مرحوم کی سیاسی زندگی پر ایک سرسری نظر ڈالوں۔

زندگی کی پہلی مہم

سعد پاشا کی پوری زندگی، غیر معمولی شجاعت و جرأت کے کارناموں سے لبریز ہے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم و تربیت، جامع ازہر میں پائی۔ ازہر اُن کے زمانے میں۔ اور اب تک۔ مصر کی سب سے بڑی اور طاقتور تعلیم گاہ ہے۔ اُس کی حالت اگرچہ مدت سے زبوں ہے، مگر کم آدمی نکتہ چینی کی جرأت کرسکتے ہیں۔ سعد نے یہی نہیں کیا کہ آغاز عمر ہی میں ازہر کی علی الاعلان مذمت کی، بلکہ انتہائی شجاعت سے، اس تعلیم گاہ اور اُس کی جملہ خصوصیات سے علیحدہ ہوگئے۔ اُنھوں نے ازہر کا لباس ترک کردیا اور جدید وضع کا لباس اختیار کرکے ازہر کی جماعت سے ہمیشہ کے لیے منقطع ہوگئے۔ یہ اُن کی زندگی کی پہلی مہم تھی اور بہت سخت تھی۔

عجیب جرأت

سرکاری ملازمت کے زمانے میں اُنھوں نے کبھی حکام کی خوشامد نہیں کی۔ بلکہ ہمیشہ اُن سے ایک طرح کی مخاصمت جاری رہی۔ وہ اطاعت اور خوشامد چاہتے تھے۔ اِن کی غیور طبیعت اس کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ حتیٰ کہ وزارت کے عہدے پر پہنچنے کے بعد ایک مرتبہ خود عباس حلمی پاشا، خدیو مصر سے سخت تکرار ہوگئی۔ انھوں نے ایک لائحہ عمل طیار کیا تھا۔ خدیو نے اُسے پسند نہیں کیا۔ دونوں میں بحث شروع ہوئی خدیو نے خفا ہوکر غصہ سے میز پر ہاتھ مارا۔ سعد کا بلا پس و پیش جواب یہ تھا کہ اُنھوں نے بھی میز پر گھونسہ ماردیا، اور اتنی آواز بلند ہوئی کہ مصر کے فرمانروا کے گھونسے سے بھی بلند نہ ہوئی تھی۔

وکالت کا پیشہ

وکالت کا پیشہ بھی اُنھوں نے اسی طرح اختیار کیا۔ وہ باضابطہ وکیل نہ تھے۔ تاہم اُنھوں نے اپنی شجاعت و جرأت سے کام لیا اور اس پیشہ میں خلاف قاعدہ داخل ہوگئے۔ حکومت نے مخالفت کی مگر وہ سب مخالفتوں پر غالب آئے اور وکیل بن بیٹھے۔ اس کے بعد اِن کی قانونی قابلیت کی وہ دھوم ہوئی کہ عدالت عالیہ کے جج مقرر ہوئے پھر محکمہ عدالت کے وزیر بنائے گئے۔

لارڈ کرومر کی پیشین گوئی

اُن کی یہی جرأت و شجاعت دیکھ کر لارڈ کرومر نے پیشین گوئی کی تھی "آیندہ، سعد زغلول، مصر کے سب سے بڑے آدمی اور سیاسی رہنما بنیں گے" واقعات نے یہ پیشین گوئی بالکل صحیح ثابت کردی۔

سیاسی زندگی کا آغاز

سعد پاشا کی زعیمانہ سیاسی زندگی، درحقیقت، رفروری ۱۹۱۹ء سے شروع ہوتی ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب جنگ عمومی کی ہولناکیوں نے برطانیہ کو شیر ببر کی کمال اُم العادی بنا دی تھی۔ وہ ہیبت و دبدبہ تھا کہ کسی کو نظر اُٹھانے کی بھی جرأت نہ رہی تھی۔ خصوصاً مصر میں جہاں جنگی قانون نافذ تھا اور برطانیہ نے غاصبانہ ملک کا الحاق کرلیا تھا۔ مگر سعد زغلول نے [illegible] کھڑے ہوکر انتہائی شجاعت سے [illegible] انگریزی قبضہ کے خلاف آواز بلند کی، اور مصر کی موجودہ سیاسی بیداری کا سنگ بنیاد رکھ دیا۔

مرحوم نے اپنی اس پہلی سیاسی تقریر میں کہا تھا:

"ہمارا ملک خودمختار ہے۔ ۱۸۴۰ء کے معاہدۂ لندن میں اُس کا اعتراف کیا جاچکا ہے۔ جنگ کے زمانے میں جو سیاسی تبدیلی کی گئی ہے، اس کا ذکر بالکل بے کار ہے۔ کیونکہ تمام علمار قانون کا متفقہ فیصلہ ہے کہ "حمایة"، (پروٹیکٹریٹ) کا وجود اُسی وقت ہوسکتا ہے جب ایک قوم دوسری قوم سے اُس کی حمایت میں رہنے کی خواہش کرے لہذا وہ ایک سمجھوتہ یا عہدنامہ ہے جس میں ایجاب قبول، مثیاسی شرط ہے۔ لیکن مصر میں اس طرح کی کوئی بات کبھی پیش نہیں آئی اور نہ قیامت تک کبھی پیش آسکتی ہے۔ ۱۹۱۴ء میں برطانیہ نے از خود "حمایة" کا اعلان کردیا۔ لیکن مصر نے اُسے قبول نہیں کیا۔ لہذا یہ حمایة، سراسر باطل ہے۔ ہرگز برقرار نہیں رہ سکتی"

اس تصریح نے ایک طرف برطانوی حلقوں کو سخت برہم کیا۔ دوسری طرف مصری قوم میں حق طلبی کی نئی روح پیدا ہوگئی۔ چنانچہ سیاسی جدوجہد کا آغاز ہوا اور وہ بڑھتے بڑھتے ایک عظیم تحریک بن گئی۔

برطانیہ کی تخویف

پہلے تو برطانیہ، تخویف و تہدید کو کافی سمجھتا رہا۔ لیکن جب اُسے یقین ہوگیا کہ سعد پاشا ڈرنے والے نہیں ہیں، تو اُس کے ظلم و قہر کی قوتوں میں حرکت ہوئی اور آخری کارروائی کرنے پر تل گئی۔

چنانچہ ۲۲ دسمبر ۱۹۲۱ء کو جنرل کلاٹین نے فیلڈ مارشل جنرل الین بائی، برطانوی سپہ سالار اعظم کا حسب ذیل حکم سعد پاشا کو تحریراً پہنچایا:

"جنگی قانون کے بموجب اس حکم کے ذریعہ سعد پاشا زغلول کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ وہ عام تقریروں سے پرہیز کریں۔ عام جلسوں میں شریک نہ ہوں۔ مصری وفود سے ملاقات نہ کریں۔ اخبارات میں مضامین نہ لکھیں۔ کوئی سیاسی کام نہ کریں۔ اُنھیں حکم دیا جاتا ہے کہ فوراً قاہرہ سے چلے جائیں اور اپنے دیہات کے مکان میں قیام کریں۔ اُس علاقہ کا سرکاری افسر اُن کی نگرانی کرے گا"

سعد پاشا کا جواب

زغلول پاشا کا جواب قابل دید ہے۔ اُنھوں نے لکھا:

"فیلڈ مارشل الین بائی کا حکم مجھے پہونچا۔ مگر یہ حکم سخت ظالمانہ ہے۔ اُس کی کوئی توجیہ نہیں کی جاسکتی۔ میں اپنی پوری قوت سے اُس پر صدائے احتجاج بلند کرتا ہوں۔

"چونکہ قوم نے مجھے اپنا وکیل بنایا ہے تاکہ اُس کی خودمختاری کی کوشش کروں، اس لئے اُس کی قوت کے سوا کسی دوسری قوت کو کوئی حق نہیں کہ اس مقدس فرض سے دست بردار ہونے پر مجھے مجبور کرے۔

"لہذا میں بدستور اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے موجود رہوں گا۔ ظالمانہ قوت جو کچھ بھی کرسکتی ہے، کرگذرے۔ ہم مضبوط دل اور ٹھنڈے ضمیر کے ساتھ اُس کے مقابلہ کے لئے طیار بیٹھے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں ہماری جائز کوششوں کے خلاف جتنا بھی تشدد کیا جائے گا وہ ملک کو اُس کی منزل مقصود سے اور بھی زیادہ قریب کردے گا۔ ملک کی منزل مقصود بجز کامل آزادی کے کچھ نہیں ہے!"

گرفتاری اور جلاوطنی

اس جواب کے پہنچتے ہی برطانی حکام نے مرحوم کو اور اُن کی جماعت کے ۵ ممبر اور ۵ آدمیوں کو گرفتار کرلیا۔

اس تاریخی واقعہ کا ذکر خود مرحوم نے جلاوطنی سے واپس آکر ۲ اکتوبر ۱۹۲۳ء کی تقریر میں کیا ہے۔ بہتر ہے [illegible]

بقیہ مضمون صفحہ ۱۶

بن محمد حاکم تھا۔ لیکن عبداللہ اُس کے تعاقب میں تھا۔ جبیر بن مرن [illegible] کو یہاں سے بھی بھاگنا پڑا۔ ابان نے عبداللہ کی اطاعت قبول کرلی اور بغیر کسی جنگ کے یہ علاقہ عباسیوں کو مل گیا۔

مروان، قنسیرین پہونچا۔ عبداللہ نے وہاں بھی پیچھا کیا۔ قنسیرین سے حمص، حمص سے دمشق آیا۔ مگر عبداللہ نے پیچھا نہ چھوڑا۔ دمشق میں ایک مختصر سی لڑائی ہوئی اور دارالخلافہ بھی عباسیوں کے قبضہ میں آگیا۔

دمشق سے مروان علاقہ اردن گیا۔ پھر فلسطین میں پناہ ڈھونڈھی مگر نہ ملی۔ آخر فسطاط (مصر) کا رخ کیا۔ فسطاط سے ایک دور افتادہ گاؤں "بوصیر" میں جاکر چھپ گیا۔

عبداللہ اب بھی تعاقب پر سرگرم تھا۔ مگر ابو العباس کا حکم پہونچا کہ صالح بن علی کو اس مہم پر روانہ کردے اور خود آگے نہ بڑھے۔ چنانچہ صالح بن علی، مصر پہونچا اور پتہ لگاکر بوصیر میں مروان کو قتل کرڈالا۔ مروان کے قتل نے مشرق میں اموی خلافت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کردیا اور بنی عباس کی خلافت قائم ہوگئی۔ تاریخ اسلام کا یہ اہم واقعہ ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۲ھ ہجری میں پیش آیا تھا۔

سینن۔ اُنھوں نے کہا:

"دو سال پہلے ٹھیک اسی تاریخ میں اندھی قوت نے حق پرست کی جائے امن میں دست درازی کی۔ میرا گھر ہر طرف سے مسلح فوج نے گھیر لیا۔ تمام کمروں اور درجوں میں بندوقیں اُٹھائے سپاہی گھس پڑے۔ دروازوں اور کھڑکیوں پر مورچے قائم کر دیئے۔ پھر ہتیار بند فوجی افسر میرے خاص کمرے میں در آئے۔ میں اپنے بستر پر غافل سو رہا تھا۔ مجھے نہایت دہشت ناکی کے ساتھ جگایا گیا اور لباس پہننے سے بھی پہلے گرفتار کر لینا چاہا۔ میں نے انکار کیا اور اطمینان سے کپڑے پہنے۔ پھر مجھے نیچے اُتار لائے۔ میرے گرد بندوقوں اور سنگینوں کا ہجوم تھا۔ میری بیوی میرے پیچھے دوڑ رہی تھی۔ مجھ سے ملنا چاہتی تھی۔ مگر اُسے روک دیا گیا۔ صلیب احمر کی ایک بھدی گاڑی پر مجھے بٹھایا گیا۔ اور گاڑی روانہ ہوئی۔ ایک بڑا جنگی مظاہرہ میرے ساتھ تھا۔ مسلح موٹریں آگے تھیں۔ مسلح موٹریں پیچھے تھیں۔ ہر طرف سے بندوقیں جھکی ہوئی تھیں۔ اُن کے استعمال کے لئے ادنیٰ سی ادنیٰ بات کا انتظار تھا۔ یہ تمام کارروائی بالکل اچانک ہوئی۔ مجھے پہلے سے کوئی اطلاع نہیں دی گئی۔ کسی قانون کا حوالہ نہیں دیا گیا۔ کوئی تحریری حکم پیش نہیں کیا گیا۔ قوت نے اپنی سرکشی اور جبروت کا پورا پورا اظہار کرنا چاہا اور کر دیا۔"

ہندوستان کو شرم آنی چاہیئے!

مرحوم کو گرفتار کر کے کہاں لے گئے؟ یہ اظہار میرے لئے نہایت تکلیف دہ ہے۔ یقیناً آپکے تمام غیور قارئین اُسے شرمناک خیال کرینگے۔ مصر کا یہ جلیل القدر رہنما گرفتار کر کے سوئیس کی ہندوستانی چھاؤنی میں بھیجا گیا تھا۔ ہندوستانی خیموں میں رکھا گیا تھا۔ ہندوستانی سپاہیوں کی حراست میں بند کیا گیا تھا!

لیکن اس کے باوجود مرحوم نے کبھی ہندوستان کو بُرا نہیں کہا۔ بلکہ ہمیشہ ہندوستان کی تحریک آزادی سے ہمدردی ظاہر کی۔ ہندوستانی لشکر میں پہنچنے کا حال مرحوم نے یوں بیان کیا:

"مجھے سوئیس لے گئے۔ مگر ایک ایسے راستہ سے جو بالکل غیر آباد تھا۔ حتیٰ کہ کہیں پانی تک دستیاب نہ ہوتا تھا۔ میں بہت بھوکا تھا۔ کھانے کا کوئی سامان بھی ساتھ لینے کی اجازت نہ تھی۔ خوش قسمتی سے ایک ہندوستانی افسر کو ترس آیا اور اُس نے ایک روٹی اور پنیر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا مجھے دیا۔ دن بھر کی میری غذا بس یہی تھی!

"۵ بجے شام کو میں ہندوستانی لشکر میں پہنچایا گیا۔ یہاں فوجی افسروں نے مجھے اپنی حراست میں لے لیا اور ایک پھٹے ہوئے خیمے میں اُتارا۔ رات بھر گرم ہوائیں خیمے کے سوراخوں سے اندر پہنچتی تھیں اور جھلسائے دیتی تھیں۔ میں اُس رات مجبور ہوا کہ اپنے دن ہی کے لباس میں سو جاؤں کیونکہ کوئی دوسرا کپڑا ساتھ نہ تھا۔

"لیکن الحمد للہ مجھے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوئی۔ میں مصر میں صرف ایک گھنٹہ موٹر کی سیر سے تھک جایا کرتا تھا۔ مگر اُس وقت میں بالکل نہیں تھکا۔ اللہ نے میری مدد کی اور ایک ایسی قوت بخشی کہ یہ تمام سختیاں برداشت کر گیا۔

"دوسرے دن میرے پانچوں رفقاء مصیبت بھی پہنچ گئے۔ مجھے نہایت مسرت ہوئی، کیونکہ وہ سب مطمئن تھے اور برطانیہ کی اس طفلانہ حرکت پر ہنستے تھے۔ ۲۹ دسمبر تک ہم ہندوستانی لشکر ہی میں مقیم رہے۔ یہاں تک کہ اُسی دن عشاء کے وقت ہمیں حکم ملا کہ نصف گھنٹے کے اندر سفر کے لئے طیار ہو جاؤ۔ ہمیں طیاری ہی کیا کرنی تھی؟ ہمہ وقت طیار تھے۔ ہمارا طیار ہونا، صرف اُٹھ کھڑا ہونا تھا۔

"ہم قیدیوں کی بند گاڑی میں سوار کئے گئے۔ ساحل پر پہنچے۔ یہاں ایک کشتی ہمارے انتظار میں تھی۔ اُس پر سوار ہوئے اور جہاز میں پہنچ گئے۔ جہاز ہندوستانی سپاہیوں سے لبریز تھا۔ یہاں ہمیں معلوم ہوا کہ عدن جا رہے ہیں۔ ۴ جنوری کو عدن پہنچے۔ ۲۸ فروری کو سیشل پہنچائے گئے۔ پھر مجھے جبل طارق بھیج دیا گیا جہاں ۳ ستمبر سے ۳۰ مارچ ۱۹۲۳ء تک برابر قید رہا۔

"ہم نے یہ تمام مدت، قید خانوں اور قلعوں میں گزاری۔ دنیا بھر سے الگ کر دیئے گئے تھے۔ کسی کو بھی ہمارے قریب آنے کی اجازت نہ تھی۔ حتیٰ کہ ورزش اور چہل قدمی کے لئے بھی اجازت لینی پڑتی تھی۔ ہماری تمام خط و کتابت دیکھی جاتی تھی اور شاذ و نادر ہی منزل مقصود تک پہونچائی جاتی تھی ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن یہ تمام بندشیں اور سختیاں بالکل بے کار گئیں۔ کیونکہ ہمارے دلوں میں کوئی کمزوری پیدا نہیں ہوئی۔ ہم اپنی ناقابل برداشت مصیبتوں پر خوش ہوتے رہے۔ ہر مصیبت ہمیں یاد دلا دیتی تھی کہ ہمارا مقصد کیسا شریف اور غایت کیسی نبیل ہے!"

سعد پاشا کے خطوط اپنی حرم کے نام

ذیل میں سعد پاشا کے دو خط ملاحظہ ہوں۔ یہ خط اُنھوں نے جلا وطنی سے اپنی حرم محترم کو بھیجے تھے:

"ہندوستانی لشکر (سوئیس)

"۲۸ دسمبر ۱۹۲۱ء

"عزیزتی!

"تمھارا ۲۷ دسمبر کا خط پہونچا۔ اگرچہ یہ فراق مجھ پر بہت شاق ہے اور ملاقات کی بے حد تمنا ہے۔ لیکن میں نے زبردست تمھارے سفر کے التوا کو پسند کیا۔ مجھے اُس وطنی شعور پر فخر ہے جس نے یہ مصیبت تم پر آسان کر دی، حالانکہ میں جانتا ہوں، تمھارے لئے بالکل ناقابل برداشت تھی۔ میرے ابنائے وطن تمھاری اس قربانی کے ہر طرح مستحق تھے۔ ہمارا یہ فراق کتنا ہی المناک ہو مگر ہمیں پوری ثابت قدمی اور صبر و شکر کے ساتھ اسے برداشت کرنا چاہئیے۔ نتیجہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

"عبداللہ خادم بھی پہنچ گیا۔ مہذب مخلص نوجوان ہے۔ انگریزی جانتا ہے۔ میرے خوش رکھنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ اُس کی بیوی کا ہر طرح خیال رکھنا۔

"میری تندرستی، اچھی ہے۔ کئی خط تمھیں بھیج چکا ہوں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے تم تک پہنچنے نہیں دیئے گئے۔ اگر یہی بات ہے تو اس سے مقصود ظلم میں زیادتی ہے۔ حالانکہ اس سے کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ بہرحال میں تمھاری تندرستی اور خوشی کا متمنی ہوں"

دوسرا خط

"عدن۔ ۲۵ جنوری ۱۹۲۲ء

"عزیزتی!

"دعا ہے کہ تم اور ہمارا پورا خاندان بخیر و عافیت ہو۔ الحمد للہ ہم اچھے ہیں۔ صرف یہی ایک غم ہے کہ تمھارے خطوط نہیں پہنچتے۔ میں یہ خیال نہیں کر سکتا کہ تم لکھتی نہیں۔ تم ضرور لکھتی ہو، کیونکہ بغیر لکھے رہ نہیں سکتیں لیکن یہ قوت تمھارے خط روک لیتی ہے۔ اس سے ہمیں تکلیف ضرور ہے مگر خود اس قوت کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ یقین کرو، میں بھی ہر ہفتہ دو خط لکھتا ہوں۔ اگر تمھیں کوئی خط نہ پہونچا ہو تو سمجھ لو یہ میری خطا نہیں، اسی قوت کی شرارت ہے۔

"ہمیں عربی اخبار نہیں ملتے۔ کبھی کبھی فرانسیسی اور انگریزی اخبار دیئے جاتے ہیں، مگر بہت پرانے۔ ایک اخبار میں مصری قوم سے تمھاری یہ درخواست نظر سے گزری کہ میری تندرستی کے لئے دعا کی جائے۔ میں اس پر بہت خوش ہوا کہ مصر میں تمھارے جیسے بلند ہمت لوگ موجود ہیں اور ایسے اعلیٰ خیالات رکھتے ہیں۔ خدا سے دعا ہے کہ ہماری اُمیدیں بر لائے اور ہماری حالت درست کر دے۔ والسلام"

مرحوم کی شخصیت

مرحوم کی شخصیت، نہایت طاقتور تھی۔ نج کی صحبتوں میں بھی یہ شخصیت آدمی کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتی تھی۔ معمولی گفتگو کے بعد ہی فوراً یقین ہو جاتا تھا کہ یہ شخص، اعلیٰ اخلاق اور اعلیٰ عقل کا مالک ہے۔ ایک عجیب عظمت اُن پر سایہ فگن رہتی تھی۔ کوئی شخص بھی مرعوب ہوئے بغیر رہ نہیں سکتا تھا۔

ابوی شفقت

قدرت نے سعد کو کوئی اولاد نہیں دی۔ مگر اُن میں ابوی شفقت اپنی پوری قوت کے ساتھ موجود تھی۔ تمام کم عمروں کے ساتھ اُن کا برتاؤ بالکل ایسا تھا، جیسا باپ کا اپنے بچوں سے ہوتا ہے۔ اُن کا یہ قول بہت مشہور ہے جو اُنھوں نے اپنی بیوی سے کہا تھا "اولاد نہ ہونے پر غم نہ کرو، کیونکہ خدا نے ہمیں ۱۴ ملین بچے عنایت کئے ہیں!"

روشن خیالی

سعد ہمیشہ روشن خیال رہے۔ جمود و تقلید کا اُن پر کبھی بھی قبضہ نہیں ہوا۔ وہ اپنے زمانے سے برابر آگے رہے۔ سید جمال الدین افغانی نے مصر میں جو اجتماعی و سیاسی حرکت پیدا کر دی تھی، اُس میں یہ فوراً داخل ہو گئے، حالانکہ کم عمر تھے۔ قاسم امین نے حقوق نسواں کیلئے آواز بلند کی۔ یہ اس جد و جہد میں بھی پیش پیش تھے۔ وکالت سے لیکر وزارت تک جملہ منصبوں اور عہدوں میں ان کی اصلاح پسندی اور روشن خیالی کی یادگاریں اب تک موجود ہیں۔

قدرت الٰہی پر یقین

سعد پاشا کی پوری زندگی ایسی مثالوں سے لبریز ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ قدرت الٰہی پر غیر معمولی یقین و ایمان رکھتے تھے۔ سخت سے سخت مصیبتیں پڑیں، مگر وہ کبھی ناامید نہ ہوئے اور ہمیشہ خدا کی ذات پر بھروسہ کئے رہے۔ اُن کی تقریریں ایسے جملوں سے کبھی خالی نہیں ہوتی تھیں جن میں یہ یقین و ایمان ظاہر نہ کیا گیا ہو۔ اُن کی ایک تقریر کے چند جملے مجھے یاد ہیں۔ اُنھوں نے کہا:

"ہمیں بشارت ہو کہ ہم حق پر ہیں، حق کے لئے کوشاں ہیں، حق کی راہ پر چلتے ہیں۔ اور معلوم ہو کہ خدا حق پرستوں کا عمل رائیگاں نہیں کرتا"

"خدا نے ہمیں یہ دیکھنے کا عادی بنا دیا ہے کہ وہ ہمیشہ ہماری مدد کرتا ہے، مصیبتوں میں ہماری دست گیری کرتا ہے۔ مصیبت جتنی زیادہ سخت ہوتی ہے ہم اُتنا ہی زیادہ منزل مقصود سے قرب حاصل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ اپنے حقوق پر مضبوطی سے جمے رہیں اور ثابت قدمی سے مصائب برداشت کرتے رہیں۔ خدا صابروں کے ساتھ ہے!"

مطالعہ اور گفتگو

مرحوم کو کتابوں کے مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ کبھی اُن کا ہاتھ کتاب سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ عربی تقریر و تحریر میں وہ اپنی نظیر ہی نہ رکھتے تھے۔ لیکن عربی زبان کا دائرہ، اُن کی وسیع عقل و دماغ کے لئے ناکافی تھا۔ لہٰذا اُنھوں نے ۴۰ سال کی عمر میں فرانسیسی زبان پڑھی اور اس طرح پڑھی کہ اس کے ماہر بن گئے۔ پھر ۶۰ برس کی عمر میں جرمن اور انگریزی زبانیں سیکھیں۔

گفتگو کے بھی وہ بڑے دلدادہ تھے۔ بلکہ اس فن میں عجیب مہارت رکھتے تھے۔ ایسی دلچسپ گفتگو ہوتی تھی کہ کبھی جی گھبرا نہیں سکتا تھا۔ ظرافت و بذلہ سنجی گویا خمیر میں داخل تھی۔ بہت صاف گفتگو کرتے تھے۔ ایک ایک لفظ الگ الگ بولتے تھے۔ اس طرح بولتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا زبان سے نہیں دل سے بول رہے ہیں۔

معمولات

اُن کی زندگی بہت منضبط تھی۔ ہر کام وقت پر ہوتا تھا۔ صبح ۶ بجے بیدار ہوتے تھے، غسل کرتے تھے۔ ناشتہ تناول کرتے تھے اور مطالعہ میں

بصائر و حکم

ماہ ربیع الاوّل کا احترام

اور واقعۂ ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ!

تاریخ نوع عالم کی عظیم ہستیاں، اور داعی لا الٰہ الا اللہ کی عظمت!

(مقتبس)

دنیا، قدیم سے عظیم انسانوں کی عظمت پر ایمان لائے ہوئے ہے۔ اپنے خیال کے مطابق مظاہر عظمت کی گوناگوں عبادتیں کرتی ہے۔ لیکن مظاہر عظمت کا تخیل حد درجہ متبائن ہے۔ ایک تخیل دوسرے تخیل سے مشابہت نہیں رکھتا۔ ہر فرد اور ہر گروہ اپنا اپنا ذوق اور اپنی اپنی نظر رکھتا ہے۔ وکل حزب بما لدیھم فرحون!

حکمرانی و فرمانروائی میں عظمت ہے۔ بادشاہ و حکام اُس پر ایمان لائے ہیں۔ حریص اور طمّاع اُس کی عبادت کرتے ہیں!

مال و دولت میں عظمت ہے۔ دولتمند اُس پر ایمان رکھتے ہیں۔ دل و دماغ کے ساتھ اُس کی پرستش کرتے ہیں!

اہل علم و حکمت کی بھی ایک عظمت ہے، اور اُس کے پجاری بھی موجود ہیں!

حسن میں بھی عظمت ہے اور اُس کے پرستاروں کی بھی کمی نہیں!

طاقت جسمانی میں بھی عظمت ہے۔ عظیم قد و قامت کے انسانوں کے سامنے ہمیشہ انسانوں کا سر جھک گیا ہے!

اسی طرح ہر فن اور ہر صنعت میں عظمت ہے، اور اپنے معتقد اور پرستار رکھتی ہے۔

شاید کوئی بھی اُس مبہم اور مضطرب مفہوم کی تحدید نہیں کر سکتا جس کا نام لوگوں نے "عظمت" رکھ چھوڑا ہے۔ لیکن اس پر بھی وہ قدیم سے دنیا کے لئے ایک بڑا فتنہ رہا ہے۔ ہر شخص اُسے غرض و غایت قرار دیتا ہے۔ اُس کے لئے جد و جہد کرتا ہے، اُسے انسانوں کے مراتب تولنے کی میزان سمجھتا ہے۔

اگر عظمت کا فتنہ اور عظمار کی عبادت موجود نہ ہوتی تو انبیاء کرام کے ذکر پر کسی کے لئے روا نہ ہوتا کہ اُنھیں عظیم قرار دینے کی بحث کرے اس لئے کہ انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان اس سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے کہ انسانی عظمت کی عام صفوں میں ان کی جگہ ڈھونڈھی جائے۔ یہ صفیں جسمانی کبریائی کے دھوکوں اور مادّی بڑائیوں کی ضلالت اندیشیوں سے اس درجہ پست ہو چکی ہیں کہ انسانیت اعلیٰ کے مظاہر علو و رفعت کے لئے ان کی طرف نظر بھی نہیں اُٹھائی جا سکتی۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام رفعت اور بھی بلند ہے۔ اس ذات اعظم و اکمل نے اس کے سوا کچھ قبول ہی نہیں کیا کہ تمام انسان، کنگھی کے دانتوں کی طرح بالکل برابر ہو جائیں۔ نہ عربی کو عجمی پر، اور نہ عجمی کو عربی پر کوئی امتیاز ہو۔ اُسنے کہہ دیا، سب آدمی ہم رتبہ ہیں، سب آدم کی اولاد ہیں، اور آدم مٹی کا پُتلا تھا۔ اُسنے قبول نہیں کیا کہ انسان میں دو قسمیں ہوں: عظیم اور غیر عظیم۔ اُس کی نظر میں خوش حال اور بدحال، فقیر اور بادشاہ، سب برابر درجے کے آدمی تھے۔

⁂

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس ارضی عظمت پر ایمان نہیں رکھتے تھے جس کے فتنہ نے دنیا کو مفتوں بنا رکھا ہے۔ یہ عظمت، درحقیقت بلند نفسوں کے لئے ذلت اور رب العالمین کی جناب میں شرک ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم عظمار کی پرستش کے لئے نہیں آئے تھے اگرچہ ساری دنیا نے اُن کی پوجا کی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی ساخت کی یہ عظمت کسی انسان کے لئے بھی تسلیم نہیں کی اور نہ اپنی ذات ہی کے لئے پسند کی حالانکہ وہ اُن کے اختیار میں تھی۔ یہ عظمت اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ سرنگوں سامنے آئی۔ اُن کے قدموں پر لوٹی، مگر اُنھوں نے اُس سے منہ پھیر لیا، اور اُس میں ذرا بھی رغبت ظاہر نہ کی۔ خدا نے اختیار دیا کہ عبدیت کے ساتھ نبی ہوں، یا بادشاہت کے ساتھ نبوت لیں۔ زمین کے خزانوں کی کنجیاں سامنے ڈال دی گئیں۔ تاج و تخت کی ساری شوکتیں جمع کر دی گئیں۔ مگر اُنھوں نے عبدیت پسند کی غربت اختیار کی۔ اُن کی روح مقدس و مطہر کی خوشی اسی میں تھی کہ فقیری میں زندہ رہیں، فقیری میں دُنیا سے جائیں، فقیروں ہی کے زمرے میں اُٹھائے جائیں:

وراودتہ الجبال الشم من ذہب عن نفسہ فاراہا ایما شمم!

جو لوگ بادشاہت اور اس کی عظمت کے پجاری ہیں انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو بادشاہ تھے، نہ اُنھوں نے بادشاہ ہونا گوارا کیا۔ اگر لامحالہ اُنھیں (صلی اللہ علیہ وسلم) بادشاہ ہی قرار دیا جائے تو اُن کی بادشاہت کیا تھی؟ زیادہ سے زیادہ ایک سنگلاخ جزیرہ۔ جزیرۃ العرب! قیصر کی قیصریت اور کسریٰ کی کسرویت کے مقابلے میں اس جزیرہ کی بادشاہی کوئی بڑی بادشاہی نہیں ہو سکتی۔

جو لوگ مال و جاہ دُنیوی کی عظمت کے سامنے سرنگوں ہیں، وہ دیکھ لے سکتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مال و دولت سے تہی دست تھے۔ اُن کی دولتوں کا خزانہ، اُن کا فقر و فاقہ تھا!

جو لوگ دنیا کے عظیم سپہ سالاروں اور فاتحوں کے جاہ و جلال کے لئے نگاہِ ادب اور دل عظمت سرا رکھتے ہیں، انھیں مایوس ہو جانا چاہئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی جنگی مہم مکہ کی فتح تھی جو اُس عہد میں بھی دُنیا کا ایک گمنام اور حقیر قریہ تھا!

جو لوگ دنیا کے فلاسفہ، حکما، اور موجدین کی عظمتوں کے آشنا اور اُن کی رفعتوں کے پرستار ہیں، اُنکے لئے یہ خبر نئی خبر نہیں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے۔ دُنیا کا صناعی لکھنا پڑھنا نہ تو انھوں نے سیکھا تھا اور نہ کسی نے انھیں سکھانے کی جرأت کی تھی۔

کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بھی مادی یادگار چھوڑی جو مصر کے اہرام کی سی عظمت رکھتی ہو؟ کوئی شہر بنایا جس کی عظمت قسطنطنیہ کے برابر ہو؟ تم نے اُن کی تعریفیں، سنگی لاٹوں پر کہیں کندہ دیکھیں؟ کوئی ایک شہر بھی اُن کے نام پر آباد کیا گیا؟ کوئی ایک سڑک بھی اُنکے نام پر بنائی گئی؟ اسکندر کے نام پر اسکندریہ اور قسطنطین کے نام سے قسطنطنیہ آباد ہوا لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ایک بالشت زمین بھی پکاری نہیں گئی!

⁂

ہرگز نہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، خیالی اور فانی عظمتیں رکھنے والوں میں سے نہ تھے۔ اُن کی تاریخ لکھنے والوں کو اُن کی عظمت ان حقیر مظاہر عظمت میں تلاش نہیں کرنی چاہئے، اگرچہ دنیا انہی مظاہر پر مری مٹتی ہے۔

جو کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا جویا ہے، اُسے اُن کی عظمت صرف ایک کلمہ میں مل سکتی ہے جو وہ لائے تھے۔ اُسی کلمہ میں اُن کی پوری عظمت قائم ہے۔ اُسی کلمہ کے دس بارہ حرفوں کے اندر ان کی عظمت باقی و سرمد آمٹ اور اٹل ہے۔

وہ کلمہ کیا ہے؟

"لا الٰہ الا اللہ!"

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۸)

منہمک ہو جاتے تھے۔ دس بجے دفتر میں آکر بیٹھتے تھے اور ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ ایک یا دو بجے دوپہر کا کھانا کھاتے تھے کبھی تنہا نہیں کھاتے تھے۔ دسترخوان پر ہمیشہ دوستوں کا مجمع رہتا تھا کھانے کے بعد ایک گھنٹہ باتیں کرتے تھے۔ پھر ۵ بجے شام تک آرام کرتے تھے۔ پھر دفتر آتے تھے اور ایک گھنٹہ کام کرکے تفریح کو نکلتے تھے۔ تفریح میں ایک گھنٹہ سے زیادہ وقت صرف نہیں کرتے تھے۔ واپسی پر پھر مطالعہ کرتے تھے۔ ۸ - ۹ بجے رات کا کھانا کھاتے تھے۔ کھانے کے بعد پھر باتیں شروع ہو جاتی تھیں۔ لیکن یہ مجلس ایک گھنٹہ سے زیادہ دراز نہیں ہوتی تھی۔ دس بجے کے قریب چارپائی پر چلے جاتے تھے، اور مطالعہ کرتے کرتے سو جاتے تھے۔ عموماً ۴ گھنٹے سے زیادہ نہیں سوتے تھے۔



مال و دولت کی عظمت، جاہ و عزت کی عظمت، حکومت و سلطنت کی عظمت، علوم و فنون کی عظمت، ہر طرح اور ہر نوع کی دنیاوی اعزاز کی عظمت، اِن میں سے کوئی عظمت بھی، بلکہ یہ تمام عظمتیں مِل کر بھی، اُس عظمت کو نہیں پہنچ سکتیں، جو لا الہ الا اللہ میں پنہاں ہے!

دنیا کے تمام قارون، تمام سکندر، تمام ارسطو، دنیا کے تمام بادشاہ، تمام فلاسفہ، کیا وقعت رکھتے ہیں، جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے کلمۂ لا الہ الا اللہ کا ذکر کیا جائے؟

یہ ایک کلمہ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں، جملہ عظمتوں سے بڑھ کر عظیم تھا۔ اُس کی عظمت کے آگے دنیا اور دُنیا کے تمام زخرفات و تمتعات ہیچ تھے!

***

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اِس دُنیا میں آئے اور یہ کلمہ اُس کے سامنے پیش کیا۔ مگر دنیا اُس کی قدر جان نہ سکی۔ صرف ایک کلمہ تھا لیکن وہ ایک ہی کلمہ، دنیا سے ٹکرایا، اور اُس میں زلزلہ پیدا کردیا۔ اُس وقت کے انسانی آداب و عادات اُس کے متحمل نہ ہوئے۔ لہذا آداب و عادات کے پرستار اُس سے لڑنے کے لئے کھڑے ہوگئے۔ اوہام و خرافات نے اُسے قبول نہ کیا۔ لہذا اوہام و خرافات کے پجاری اُس سے دست بگریباں ہوگئے۔ ظلم و استبداد کی طبیعت نے اُس سے کراہت کی لہذا ظلم و استبداد کے طاغوت اپنی جملہ قوتیں لے کر اُس پر دوڑ پڑے!

صرف یہی ایک کلمہ تھا جسپر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کی۔ اُس کی قوت سے بادشاہوں کے جتھوں، دولتمندوں کے جتھوں، عوام و خواص کے جتھوں ــــ تمام انسانوں کے جتھوں سے جنگ کی!

محمد صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا سے چلے گئے۔ لیکن اُن کا کلمہ دنیا میں باقی رہ گیا اور دُنیا میں اپنی ناممکن التسخیر قوت قاہرہ سے اپنا راستہ بناتا رہا! وہ اب بھی باقی ہے۔ اب بھی گام زن ہے۔ اب بھی مستعد مقابلہ ہے۔ اب بھی جنگ سے منہ موڑنے والا نہیں۔ مگر کیسی جنگ؟ ایسی جنگ، جس میں اُسے آجتک کبھی شکست نہیں ہوئی! جسم و آلات کی جنگ نہیں حقیقت و معنی کی جنگ! خون کی آرزومند جنگ نہیں زندگی کی کارفرما جنگ!

***

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کا کلمۂ لا الہ الا اللہ، دو حالتوں سے خالی نہیں: یا تو اُن کا یہ کلمہ حق ہوگا یا باطل ہوگا۔

اگر یہ کلمہ باطل ہے ــ حالانکہ وہ باطل نہیں ہے ــ تو عالم وجود سے اُسی طرح محو ہوجائے گا جس طرح تمام باطل کلمے اور غلط نظریے محو ہوگئے۔ علم حق اور عقل صادق کی روشنیوں کے سامنے سے اُسی طرح غائب ہوجائے گا، جس طرح طلوع آفتاب کے ساتھ ہی ظلمت شب کافور ہوجاتی ہے۔

لیکن اگر وہ حق ہے ــ حالانکہ وہ حق ہے ــ تو علم و عقل حق کے انوار اُس کے لئے اِس دنیا میں اور بھی زیادہ کشادہ راستے کھول دیں گے۔ تاکہ وہ تمام جہان پر چھا جائے۔ مشرق و مغرب پر قبضہ کرلے۔ تمام دلوں میں اُتر جائے۔ کالے، گورے، عرب، عجم، عالم، جاہل، امرا، فقرا، سب اُس کے سامنے سرنگوں ہوجائیں!

وہ دن ضرور آنے والا ہے جب صرف علم حق ہی کی سلطنت ہوگی جاہلوں کی جہالت، متعصبوں کا تعصب، وہم پرستوں کے اوہام مدعیانِ علم باطل کے ظنون، سب نیست و نابود ہوجائیں گے۔ وہ دن ضرور آنے والا ہے جب ایک عقل صادق و حقیقت اندیش ہی کی حکومت ہوگی۔ عقل انسانی تمام بندشوں سے آزاد ہوجائے گی اُس کا پرجلال تخت، علم حق کی روشنی میں بچھے گا۔ اُس دن حق باطل سے الگ ہوجائے گا۔ طیب اور خبیث میں اشتباہ باقی نہیں رہے گا صرف وہی تعلیم انسانیت کے سامنے آنے کی جرأت کرسکے گی جو کار سازِ فطرۃ کی حقیقی اور بے میل تعلیم ہوگی!

حق و باطل کا فیصلہ نہ صلیبیوں کی تلواریں کرسکیں نہ مجاہدین کی شمشیریں۔ حق و باطل کا فیصلہ نہ پادریوں کے کارخانوں سے ہوسکتا ہے، نہ پیشوایانِ دین کے خود ساختہ دعووں اور مرعوب کن دلیلوں سے۔ نام نہاد علم و دانش کی روشن خیالیاں، اور مقدس جمود و تقلید کی راسخ الاعتقادیاں، یہ تمام چیزیں۔ کہر کے نمود سے زیادہ نہیں ہیں جو علم حق کے نُور کے دیکھتے ہی فنا ہوجائے گا۔ محض ایک غوغا ہے۔ علم حق کا مہیب نعرہ بلند ہوتے ہی، سکونِ موت میں تبدیل ہوجائے گا۔ اُس وقت عقل صادق کا سلطانِ عظیم، نورانی تاجِ علم سر پر رکھے حریت کے پرچم اُڑاتا، جلال ربانی کے ساتھ نمودار ہوگا، اور جہل و ظلمت کے تمام بُت سرنگوں ہوجائیں گے!

کلمۂ لا الہ الا اللہ کی کامل فتحمندی میں صرف اتنی ہی دیر باقی ہے کہ علم و عقل حق کے بندھن ٹوٹیں، اور یہ دونوں جبروتی قوتیں جہل و غرور کی چٹانیں پاش پاش کرکے پھینک دیں۔

ہاں، صرف اتنی ہی دیر باقی ہے۔ کیونکہ دنیا کی آنکھوں پر ابتک جہل و وہم کے کثیف پردے پڑے ہیں۔

ہاں۔ وہ مبارک دن ضرور آنے والا ہے جب تنہا علم و عقل حق کی فرمانروائی ہوجائے گی۔ علم و عقل حق کی آواز کے سوا کوئی آواز سنائی نہ دے گی۔ اُس دن، صرف اُسی دن، خدا حق و باطل میں فیصلہ کرے گا۔ طیب کو خبیث سے الگ کرے گا۔ سچائی کا بول بالا ہوگا۔ منکروں کا خاتمہ ہوجائے گا۔ اُس دن کلمۂ لا الہ الا اللہ زمین کی خشکیوں اور تریوں پر سربلند چلے گا۔ فتح کا نشان اُس کے آگے ہوگا۔ ایک طرف سے اُس کا عرش علم کے کاندھے پر ہوگا، دوسری طرف سے عقل دوش بردار ہوگی۔ اُس دن سارا جہان ببانگ دہل دہائی دے گا "لا الہ الا اللہ!"

ہر عظمت زائل ہوجانے والی ہے۔ ہر عظیم، ہلاکت کی تاریکیوں میں گم ہوجانے والا ہے۔ مگر کلمۂ لا الہ الا اللہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ وہی اِس جہان فانی کی تنہا ابدیت ہے۔ وہ نہ تو کبھی زائل ہوگا نہ کبھی ہلاک ہوگا۔ وہ ایک ایسی عظمت ہے جس کی بُنیاد، حق ہے، لہذا اُس میں حق کی قوت اور ثبات ہے۔ وہ ایک ایسی عظمت ہے جس کا ستون، الوہیت ہے، لہذا اُسے الوہیت کا خلود و ابدیت حاصل ہے۔ زمین بدل جائے گی۔ آسمان بدل جائے گا۔ نظام کون بدل جائے گا۔ تمام ایجادیں فراموش ہوجائیں گی۔ تمام قوتیں نابود ہوجائیں گی تمام فلسفے مِٹ جائیں گے۔ تمام دانائیاں غائب ہوجائیں گی۔ صرف ایک ربّ ذوالجلال والاکرام باقی رہ جائے گا۔ اُس کی ابدیت باقی رہ جائے گی۔ اور اِس لئے کلمۂ لا الہ الا اللہ بھی باقی رہ جائے گا!

اُس دن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پُورا ہوجائے گا۔ تمام مخلوق صدق دل سے گواہی دے گی "اشہد ان محمداً رسول اللہ!"

سعد پاشا زغلول کے اقوال

"حمایتہ"

"انگریز کہتے ہیں" تم ہماری غلامی میں نہیں، ہماری حمایۃ (پروٹیکٹریٹ) میں ہو۔ یہ الفاظ وہ اِس لئے بولتے ہیں کہ اُن کے خیال میں مصری الفاظ سے خوش ہوجاتے ہیں اور معانی پر غور نہیں کرتے۔ لیکن یہ اُن کا خیال غلط ہے۔ اب ہم معانی دیکھتے ہیں، الفاظ کی پروا نہیں کرتے۔ ہم آزادی اور کامل آزادی چاہتے ہیں، اگرچہ تم اُس کا نام غلامی ہی رکھ دو۔ ہم الفاظ کے پجاری نہیں ہیں۔ ہم معانی کے طلبگار رہیں۔ ہمیں صرف آزادی، کامل آزادی مطلوب ہے"

ٹائمس کا نامہ نگار

"حضرات! آپ لنڈن ٹائمز کو جانتے ہیں؟ انگریزی حکومت کی زبان۔ گمراہی پھیلانے کا آلہ۔ لنڈن ٹائمز کا نامہ نگار میرے پاس آیا اور کہنے لگا:

"آخر یہ تمام شور و غل کیوں ہے؟ آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"کچھ نہیں صرف آزادی" میرا جواب تھا۔

"لیکن مصر تو آزاد ہی ہے" نامہ نگار نے کہا۔

"کیا انگلستان اسی قسم کی آزادی اپنے لئے پسند کریگا؟" میں نے سوال کیا۔

"آپ لارڈ کرزن سے کیوں گفت و شنید منظور نہیں کرتے؟" اُسنے پوچھا۔

"ہم شیطان سے بھی گفت و شنید کرنے پر آمادہ ہیں" میں نے کہا: "بشرطیکہ وہ ہماری آزادی تسلیم کرکے گفتگو کرے"

یہ سُن کر نامہ نگار نے رخصت کی اجازت چاہی!"

طالب علموں سے خطاب

"عزیزانِ من! میں پورے خشوع و خضوع کے ساتھ اُن پاک روحوں کا سلام قبول کرتا ہوں جنھوں نے اپنے خون سے مستقبل تحریر کردیا ہے۔

"میں پُورے سرور و انبساط سے زندوں کا سلام قبول کرتا ہوں اپنے اُن فرزندوں کا جو موجودہ تحریک کا ستون ہیں۔ وہ کون ہیں؟ عزیزو! وہ تم ہو، تم جو نوجوان ہو، ملک کی زندہ روح ہو، متحرک نبض ہو۔

"میں پُورے سکون سے یہ عزت قبول کرتا ہوں کہ ایک ایسی قوم کا سردار ہوں جو چوپایوں کی زندگی بسر کرنے سے انکار کرتی ہے جو اصول و مبادی پر زندہ ہے۔ اشخاص کی پوجاری نہیں ہے۔

"مجھے فخر ہے کہ ایک ایسی قوم کا سردار ہوں جو زندہ، حساس اور پُرامید ہے۔ جس کی امیدوں کا مرکز، آزادی، کامل آزادی ہے۔

"میں تم سے عہد کرتا ہوں، ایسا عہد جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا، کہ اپنی پُوری زندگی تمھارے لئے کامل آزادی کی کوشش میں صرف کردوں گا۔ اگر کامیاب ہوا، تو سبحان اللہ، ورنہ تم میرا نا تمام کام پُورا کرنا یہ میری وصیت ہے۔

"تمھاری جیسی فوج کے سپہ سالار کے لئے روا نہیں کہ کمزور ہو، ضعیف الارادہ ہو، بد دیانت ہو۔ ہم پر حرام ہے کہ ایسی بات قبول کریں جس میں تمھاری ذلت ہے۔ ہمارے لئے جرم ہے کہ ایسی بات منظور کریں جو کامل آزادی سے کم درجہ ہے"

جلاوطنی

"زغلول جلاوطن کردیا گیا، حالانکہ زغلول، مصری قوم کا محض ایک فرد ہے۔ مصر میں لاکھوں زغلول موجود ہیں، اور زغلول کی طرح آزادی کی راہ میں مصائب برداشت کرسکتے ہیں۔ مصر کی تحریک آزادی کچلنے کے لئے ایک زغلول کو نہیں، تمام مصریوں کو جلاوطن کردینا چاہئیے"

مصنوعی آزادی

"کہتے ہیں یہ معاہدہ، مصر کی کامل آزادی کا معاہدہ ہے۔ اگر میں بھی اِس معاہدہ کو کامل آزادی کا معاہدہ کہنے لگوں، تو ابھی برطانیہ کی نظر میں محبوب بن جاؤں اور برطانی اخبار کل ہی سے نعرے لگانا شروع کردیں "زندہ باد سعد!" لیکن میں غلامی کو آزادی نہیں کہہ سکتا۔ یا تو میں مجنون ہوں کہ آزادی کو غلامی کہتا ہوں، یا وہ مجنون ہیں کہ غلامی کو آزادی کہتے ہیں لیکن میں مجنون نہیں ہوں! کیونکہ تم کہتے ہو میں تمھارا سردار ہوں!" (قہقہہ)

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابو الکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شایع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رُو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟

۱۹۱۹ء میں جسقدر نسخے چھپے تھے، مدرسۂ اسلامیہ رانچی کو دے دیئے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہوگئے۔ اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہے۔ ۱۲؍ (منیجر الہلال کلکتہ)

١٩٢٧

الہلال

جلد ١

بر ١٦

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت ٥ ـ آنہ

١٩٢٧

الهلال

جلد ١

نمبر ١٦

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت ٥ ـ آنہ

لَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (القرآن الحکیم)

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱٦ — کلکته : جمعه ۱۰ . ربیع الثانی ۱۳٤٦ هجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 7, October 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نهین ؟

آج کوئی زبان ترقی نهین کر سکتی اگر وه اپنا ترقی یافته طریق طباعة نهین رکهتی .
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نهین که حروف کی چهپائی اختیار کی جای .
پتهر کی چهپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبهی ترقی نهین کر سکتی .

اردو کی سب سی بهتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وه هین جن مین الهلال چهپتا هی . اور عربی کا بهترین خط نسخ وه هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گی هین . آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین . لیکن پتهر کی چهپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین .

براه عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی . یاد رکهیی . طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیاده اهم مسئله هی . ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین .

الهلال

قارئین الهلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۱۳۰۱ مراسلات وصول هوی هین . تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین	۱۹۷	اردو حروف کی حق مین	۳۷۵
موجوده مشترك طباعة کی حق مین	۳۷٤	حروف کی حق مین بشرطیکه	
پتهر کی چهپائی کی حق مین	۲۲۸	نستعلیق هون	۱۲۷

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بهی متفق ظاهر کیا هی .

آراء کی دیکهنی سی معلوم هوا که اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نهین هی . اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت هی . آینده اس باری مین مولانا به تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی مگر ضرورت هی که بقیه حضرات بهی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بهیج دین .

الهلال



علم الاجتماع

(۲)

(فرد کا اقتدار جماعت پر)

جماعت نے طویل تجربے سے معلوم کر لیا تھا کہ شکار اور جنگ میں رہي شخص اُس کا سردار ہونا چاہیے' جو اسلحہ کے استعمال میں مشاق اور جسماني قوت میں اصلح ہو - یہ حال صرف انساني جماعتوں هي کا نہیں ھے - چڑیاں بھي جب ایک اقلیم سے دوسري اقلیم کو جاتي ھیں' تو اپني سرداري اور پیش قدمي کے لیے اپنا سب سے زیادہ قوي اور تیز نظر فرد منتخب کرتي ھیں - ھمیشہ دیکھا جاتا ھے کہ چڑیوں کے غول اپنے سردار کے پیچھے اڑتے ھوئے جاتے ھیں !

اپني تکوین کے آغاز میں سلطنت کي بھي یہي صورت ھوئي - افریقہ' استریلیا' اور نیوزي لینڈ میں ابتک ایسے قبائل موجود ھیں جو یہ اجتماعي نظام پیش کر رھے ھیں - بعض قبائل ایسے بھي ھیں جن کا سردار دائمي نہیں ھوتا' عارضي طور پر منتخب کر لیا جاتا ھے - چنانچہ قبائل تسمان کا یہي حال ھے - اُن کا جب کوئي خاندان سفر یا جنگ کو جانے لگتا ھے تو اپنا سردار منتخب کر لیتا ھے - لیکن اِس ضرورت کے ختم ھوتے ھي سردار کي سرداري بھي ختم ھو جاتي ھے' اور وہ باقي افراد کي طرح ایک فرد عام ھو جاتا ھے -

جو جماعتیں جنگ و جدل سے دور ھیں' اُن میں فرد کا کوئي اقتدار نہیں ھوتا - چنانچہ قبائل درجي میں کوئي بھي سردار نہیں ھے - تمام افراد بالکل مساویانہ زندگي بسر کرتے ھیں -

یہي حال قبائل اسکیمو کا ھے - اِن کي تعداد اگرچہ بہت زیادہ ھے' مگر آج تک اُن میں کوئي سردار نہیں ھے - شروع شروع جب اُن کے سواحل پر یوریپین جہاز پہنچے' تو اُنھیں یہ دیکھہ کر سخت حیرت ھوئي کہ بحري سپاھي اپنے افسروں کے اشاروں پر حرکت کرتے ھیں !

(حکومتوں کي تشکیل میں جنگ کا دخل)

ابتدائي حکومتوں کے وجود کا باعث صرف جنگ ھي نہ تھي - لیکن جو حکومتیں جنگي ضرورت سے قائم ھوتي ھیں' وہ فرد ھي کے ماتحت ھوتي ھیں - ابتدائي جنگوں کے تجارب نے انساني جماعتوں کو یقین دلا دیا کہ نظام و ترتیب کي قوت' کثرت تعداد کي قوت سے کہیں زیادہ مؤثر ھوتي ھے - بہت سي جماعتیں محض اِس لیے برباد ھو گئیں کہ اُن میں کوئي نظام موجود نہ تھا - انتشار و فوضویت عام تھي - چنانچہ بتدریج انسانوں نے نظام کے فوائد معلوم کیے اور منتظم زندگي اختیار کرنے پر مجبور ھو گئے -

جملہ مستبد حکومتوں کي پیدائش' جنگ ھي سے ھوئي ھے - شخصي حکمراني کا باعث' جنگ سے بڑہ کر کوئي چیز نہیں ھو سکتي -

چنانچہ قرون اولی میں جب روم کے لیے ایک بڑا جنگي خطرہ پیش آیا' تو قہري حکومت (ڈیکٹیٹرشپ) قائم ھوگئي - لیکن اُس کے دفع ھوتے ھي مینسناتس' جو اِس حکومت کا حاکم تھا' اپنے کھیت میں ھل چلانے واپس چلا گیا - تاریخ میں ایسي بہت سي مثالیں موجود ھیں کہ زیادہ سے زیادہ حریت پسند قوموں میں بھي جنگوں نے ایسے آدمي پیدا کر دیے' جو شروع میں حامي حریت معلوم ھوتے تھے مگر جنگي ضرورتوں نے اُنھیں مستبد حاکم بنا دیا -

جنگي قومیں — اپنے جغرافیائي موقعہ کے لحاظ سے — استبدادي طرز حکومت ھي پر برقرار رھیں - اسي طرح تمام وسیع ممالک' جن پر دشمنوں کے حملے ھوتے رھے یا جن میں اندروني شورشیں زیادہ برپا ھوتي رھیں' اُن کي حکومتیں لازمي طور پر استبدادي رھي ھیں - برخلاف اِن کے چھوٹے چھوٹے اور چہار طرف پہاڑوں سے محفوظ ملکوں کي حکومتیں جمہوري ھوا کرتي ھیں - چنانچہ قدیم زمانے میں یونان اور موجودہ زمانے میں سوئٹزر لینڈ اُن ممالک کي مثال ھیں جو استبداد سے یک قلم نا آشنا ھیں - لیکن قوم ترکمان — بدویت کي حالت میں — شخصي استبداد کي طرف مائل رھي ھے -

(حکومتوں کي تشکیل میں صناعت کا دخل)

صناعت' اگرچہ براہ راست حکومتوں کي تکوین کا باعث نہیں ھے' لیکن جنگ کے بعد وہ بھي اُن کي تشکیل میں بڑا دخل رکھتي ھے - کیونکہ صناعت' دولتمندي کا اولین سبب ھے اور اس لیے باشندوں میں فرق مراتب کا موجب ھے -

ابتدائي انسان نے جوں ھي آلات کو ترقي دي' مختلف قسم کي صنعتیں ظاھر ھونے لگیں - صناعوں اور کاشتکاروں نے غیر معمولي محنت کے ذریعہ اِتني پیداوار مہیا کرلي جو اُن کي ضرورت سے زیادہ تھي - چنانچہ اُس کي فروخت اور مبادلہ سے اُنھیں کافي دولت حاصل ھوگئي - اِس دولت سے اُنھوں نے دوسروں سے زیادہ رسوخ حاصل کرلیا اور اپنے لیے خاص خاص صنعتیں اور پیشے خاص کرلیے -

اِن مالداروں کو بہت جلد ضرورت محسوس ھوئي کہ حریص و طماع غریبوں سے اپني دولت محفوظ رکھنے کي تدابیر اختیار کریں - چنانچہ اُنھوں نے اِس مقصد کے لیے قانون و نظام بنائے - یا دوسرے لفظوں میں ملک کے لیے حکومت کي بنیاد رکھي اور اُسکي خاص شکل تجویز کي -

اِس قسم کي حکومتیں' جو صناعوں اور تاجروں کے ھاتھوں ظاھر ھوئیں' قدرتي طور پر اُن حکومتوں سے مختلف مزاج رکھتي تھیں' جنھیں جنگوں نے پیدا کیا تھا - کیونکہ اول الذکر میں کامل شخصي اقتدار قائم نہیں ھو سکتا تھا - صناعوں اور تاجروں کي جماعت کو بھي رسوخ حاصل تھا - اِس قسم کي حکومتوں کي مثال قدیم زمانے میں وینس اور ولمنک کي حکومتیں تھیں - یہ حکومتیں جنگي حکومتوں سے بہت سي باتوں میں مختلف ھوتي ھیں -

جنگي اقتدار رکهنے والے بادشاهوں پر رعایا کي کوئي نگراني نهیں هوتي - لیکن تجارتي حکومتوں میں تجار و اعیان ' حاکم کي نگراني کرتے هیں ' اور حاکم ' تجار و اعیان کي نگراني کرتا هے ' کیونکه پوري قوم اِس ممتاز طبقه کے مظالم کا نشانه بن سکتي هے -

(حکومتوں کي تشکیل میں مذهبي پیشواؤں کا دخل)

ایک تیسري قوت بهي هے جو حکومتوں کي تشکیل میں بڑا دخل رکهتي هے - وہ قوت کاهنوں اور مذهبي پیشواؤں کي هے - قدیم زمانے میں دیني پیشواؤں کو غیر معمولي اهمیت و طاقت حاصل تهي - مصریوں اور یهودیوں میں اِن کا اقتدار بے روک تها - یه اِنهي کاهنوں کي قوت تهي جس نے مخلوق سے فرعون کي پرستش کرائي اور روموس اور ریموس (۱) کو جنگ کے دیوتا کي اولاد تسلیم کرا دیا - چین کے شهنشاهوں کے متعلق بهي ایسا هي اعتقاد تها - سیام کے بادشاہ تو آج تک اِسي قسم کے القاب سے یاد کیے جاتے هیں -

غرضکه سیاسي قوت ' اجتماعي ارتقاء کا نتیجه هوتي هے - کمزور همیشه طاقتوروں کا لقمه هوتے هیں - قوت صرف مادي هي نهیں هوتي - دیني ' اخلاقي ' اور فکري بهي هوتي هے - بلکه کبهي کبهي اقتصادي بهي هوتي هے - مارکس کا قول هے که اقتصادي قوت هي سیاسي قوت میں اصل و بنیاد کا حکم رکهتي هے - اُس کي یه رائے هر حال میں صحیح نهیں هے ' اگرچه اقتصادي قوت ' سیاسي نظامات کي تاریخ میں بهت مؤثر رهي هے -

(سیاسي حکومت ' اور باهمي تعاون کي تاثیر اُمت کي تکوین میں)

سیاسي حکومت کا ظهور ' ایک اجتماعي حادثه هے - یه حادثه همیشه ایک هي قسم کا هوتا هے - جماعتیں اپني قلت و کثرت میں کتني هي متباین هوں ' مگر اِس سے اُن کے طبائع میں کوئي تباین پیدا نهیں هوتا -

انسان ' باهم اجتماعي تعاون کے رشتوں سے جڑ گئے هیں - صرف اسي تعاون کے ذریعه هم اپني ضرورتیں پوري کرسکتے هیں - انسانوں کي ضرورتیں اور قابلیتیں مختلف اور متفاوت هیں - اِسي صورت حال نے اُنهیں مجبور کر دیا هے که تقسیم عمل کے اصول پر باهمي تعاون سے کام لیں -

همارے اجداد کي اجتماعي روش ' ناموس نشو و ارتقاء کے ماتحت فوراً بدل گئي جب اُنهوں نے دور توحش سے دور بداوت میں قدم رکها - جغرافیائي اور جنگي ضرورتوں سے مجبور هوکر بهت سے قبیلے متحد هوگئے - اُن کے اتحاد نے ایک نیا مجموعه پیدا کردیا - اِسي مجموعه کا نام بعد کو " اُمت " یا " قوم " هوا - پهر جب زرعي غلامي اور سرداري کا طریقه رائج هوا ' تو غلاموں کے قتل کر ڈالنے کا دستور منسوخ هوگیا اور غلام کاشتکاري کي خدمت پر مامور کر دیے گئے - پهر صنعت و حرفت کے وسیع پیمانے پر ظهور نے سرے سے یه غلامي بهي موقوف کردي -

اِسي تدریجي ارتقاء نے قومیتیں پیدا کیں ' اور قبائلي سرداروں کو شاهي تختوں پر بٹها دیا - پہلے زمانے میں پادشاہ کا اولین کام یه تها که فوج کي سپه سالاري کرے - مصریوں ' اشوریوں ' اور یورپین قوموں کي تاریخ ایسي مثالوں سے لبریز هے -

(جماعت کي زندگي اور تعاون کے دو اصول)

بعض علماء اجتماع کي رائے میں جماعت ' ایک حقیقي زندگي رکهتي هے - اُن کا خیال هے که جماعتي ذهن و وجدان ' فردي ذهن و وجدان سے علحده وجود رکهتا هے - قدیم زمانے میں افلاطون اور ارسطو کا بهي نظریه یهي تها که جماعت ' ایک عظیم زنده وجود هے - گویا وہ سینکڑوں سروں کا حیوان هے - همارے زمانے میں بهي متعدد علماء نے یهي کها هے - چنانچه ورمس وغیره کهتے هیں که جماعتیں ' اپني مستقل زندگی رکهتي هیں - وہ جسم حي کي مثال پیش کرتے هیں - وہ کهتے هیں علماء فیزیو لوجي (علم و ظائف اعضاء) کا متفقه فیصله هے که اجسام حیه کي اساسي طبیعت یه هے که هر عضو اپني جگه پر ایک خاص عمل انجام دیتا هے جس سے مجموعي جسم کي زندگي بر قرار رهتي هے - مثلاً نبات ' جڑوں ' پتوں ' اور پهولوں وغیره سے مرکب هوتا هے - اِن میں سے هر چیز اپني جگه پر پورے درخت کي سلامتي و بقاء کے لیے کام کرتي هے -

اعضاء کا یه تعاون ' دو اصلوں پر مبني قرار دیا جا سکتا هے :

(۱) مختلف اعضاء میں وظائف کي تقسیم و تحدید -

(۲) وہ غرض و غایت ' جس کے لیے بطریق تعاون تمام اعضاء کوشش کرتے هیں -

یه دونوں اصلیں ' تمام انساني و حیواني جماعتوں میں پائي جاتي هیں - یه اِس لیے که اگر اعضاء جسم میں وظائف کي تقسیم نه هو ' تو اُس جسم میں سرے سے وصف عضویت هي موجود نهیں هو سکتا - مثلاً اگر هم ایک رنگ کا ٹیله دیکهیں جس کے تمام اجزاء و اقسام متشابه هوں ' اور سب ایک هي عمل انجام دے رهے هوں ' تو همیں فیصله کر دینا پڑیگا که اِس ٹیلے کے اجزاء میں وظائف کي تقسیم نهیں هے - یعني اُس میں خود عضویت کا وجود هي نهیں هے - یهی حال انساني جماعت کا هے - جس انساني گروہ کا هر فرد اپني علحده زندگي بسر کرتا اور جماعت کے لیے کوئي کام نهیں کرتا هے ' همیں کهنا چاهیے که وہ گروہ سرے سے جماعت هي نهیں هے ' بلکه دور وحشت میں پڑا هوا هے -

(وظائف کي تقسیم)

جسم میں عضویت کا آغاز اُسي وقت سے هوتا هے جب اُس کے اجزاء میں وظائف کي تقسیم هو جاتي هے - یهي حال انسانوں کا هے جب اُن میں تقسیم عمل نافذ هو جاتي هے - بعض کهیتي پر لگ جاتے هیں - بعض کپڑا بننے لگتے هیں - بعض مکان بنانے لگتے هیں ..... اِس حالت میں انسانوں کے اِس گروہ کا نام " جماعت " هو جاتا هے -

میلن کي رائے هے که عالم اقتصاد میں تقسیم عمل ' عالم فیزیو لوجي (وظائف الاعضاء) میں تقسیم وظائف (فرائض) کے بالکل مشابه هے - یه تقسیم هي جسم حي کي خصوصیت پیدا کرتي هے - اور یهي تقسیم " جماعت " کو موجود کرتي هے -

اِس کي مثال یه هے که زنده جسم میں معده ' نه تو دل کا فرض انجام دیتا هے ' نه دل معدے کا - گزشته تفصیل سے واضح هوچکا هے که زندگي پیدا کرنے میں تقسیم وظائف ' تعاون هي کي بنیاد پر قائم هوتي هے - مثلاً دماغ اپني غذا حاصل کرنے کے لیے خود عمل نهیں کرتا ' بلکه اُس کي غذا معده مهیا کرتا هے ' اور قلب یه غذا اُس تک پهنچاتا هے - یهي حال جماعت کا هے -

---

(۱) روموس اور ریموس ' مندر وستا کي راهبه " ریا سیلویا " کے توأم لڑکے تهے ' اور زنا سے پیدا هوئے تهے - مگر راهبه نے دعوی کیا که وہ جنگ کے دیوتا مریخ کي اولاد هیں - روموس ' روم کا باني هے -

ضروري ہے کہ اُس میں بھي بعض افراد ' قوم کي مدافعت کي ذمہ داري لیں ' بعض عام مصالح انجام دیں ... اِس تقسیم عمل اور تعاون کي غایت یہ ھوتي ہے کہ مجموع یعني جماعت ' قائم و محفوظ رہے - ھر عضو ' دوسرے اعضاء کے مقابلے میں بیک وقت ' واسطہ اور غایت ھوتا ہے - چنانچہ مثلاً کاشتکار حاکم کا خدمت گزار ھوتا ہے ' اور حاکم ' کاشتکار کا خادم ھوتا ہے - اِسي طرح جماعت کا ھر فرد ' دوسرے افراد کا معاون و مدد گار ھوجاتا ہے -

یہ اعمال اپني مجموعي حیثیت سے دائرۂ حیات میں متعدد حلقوں کا حکم رکھتے ھیں - تمام اقوام اور قبائل ' انساني مجموعہ میں ایسے ھي دائرے بنانے چلے جاتے ھیں -

(سلطنت میں نظام حیات)

اسپنسر نے کائنات حیہ کي بحث میں بتایا ہے کہ جسم حي میں تین بڑے نظام ' تین بڑے وظائف انجام دیتے ھیں :
نظام ھضمي ' مجموعہ عصبي ' نظام تنفس -

یہي حال سلطنت کا ہے - ایک فریق مجموع کے لیے اُس کي غذا مہیا کرتا ہے - دوسرا فریق سلطنت کا انتظام سنبھالتا ہے - تیسرا فریق — اور وہ درمیاني فریق ہے — زمین کي پیداوار تقسیم کرنے کا ذمہ دار ھوتا ہے تاکہ باقي جماعت اُسے اپنے کام میں لائے -

یہ عمل ' جسم انساني میں دوران خون کے نظام سے بہت مشابہ ہے - سلطنت میں زراعت ' حکومت ' تجارت ' تین اعضاء ھیں اور اُن اعضاء ثلاثہ کے قائم مقام ھیں جو حیاۃ حیواني قائم رکھتے ھیں -

یہاں پر ایک سوال قابل لحاظ ہے - ھمیں اُسے نظر انداز نہیں کرنا چاھئے - " کیا سلطنت اِن اعضاء کے وجود کے بعد ھي موجود ھوجاتي ہے ؟ — گھڑي کا آلہ یا جہاز کا آلہ ' کائنات حیہ کے مشابہ ہے - چنانچہ وہ بھي دوسرے اجسام حیہ کي طرح مختلف اعضاء سے مرکب ہے - اِس کے اعضاء میں بھي تقسیم عمل ہے اور اپنے اعمال کي انجام دھي میں تعاون رکھتے ھیں - یہ آلات ' زندہ اجسام سے اِس قدر مشابہ ھیں کہ وحشي انسان اُنھیں سچ مچ زندہ وجود ھي سمجھ لیتے ھیں - اگر یہي بات ہے تو پھر جاندار آلے اور بے جان آلے میں کیا فرق باقي رہ جاتا ہے ؟ "

اِس سوال کا جواب لاینتس نے یہ دیا ہے کہ " لکڑي یا لوہے کا متحرک آلہ ' في نفسہ کوئي عضویت نہیں رکھتا - برخلاف اِس کے ھر زندہ وجود عضویت اور مستقل زندگي رکھتا ہے - ھر عالم حي ' ھزاروں زندہ عوالم کا مجموعہ ہے "

ویرخوف اور کلود برناد نے ثابت کیا ہے کہ ھر حیوان اپنے سے بہت زیادہ چھوٹے اور پست بے شمار حیوانات سے مرکب ھوتا ہے - ھمارے جسموں کے اندر بہت سي ذي روح کائنات موجود ھیں - اِن میں سے ھر ایک مستقل زندگي رکھتي ہے - اِن کائنات کي زندگي ھمارے ھي خون سے ہے - یہ کائنات ' مختلف قابلیتیں ' خواھشیں ' امراض ' اور حرکات رکھتي ھیں - اگر ھم کسي کیڑے کے دو ٹکڑے کردیں تو بھي اُس کا ھر ٹکڑا زندہ رہے گا - بلاشبہ ترقي یافتہ حیوانوں کي یہ حالت نہیں ہے - لیکن ان حیوانات کے بھي بعض اجزاء — مثلاً ناخن اور بال — جسم کي موت کے بعد زندہ رہتے ھیں - مرنے کے بعد انسان کے ناخن اور بالوں کا بڑھنا اِس بات کي دلیل ہے کہ اِن میں زندگي موجود رہتي ہے - اِسي طرح یہ بھي واقعہ ہے کہ کئي چوھوں کي دمیں اگر ایک چوھے کے جسم میں لگا دي جائیں ' تو اِن تمام دموں میں بھي زندگي پیدا ھو جائیگي -

مختارات

عورت کي طاقت

عورت ' ھیئت اجتماعیہ کي بنانے والي ہے - پوري ھیئت اجتماعیہ ' عورت کے قبضۂ اختیار میں ہے - سب کچھ اُسي کي مدد سے اور اُسي کیلیے ھوتا ہے - عورت ' مرد کي سب سے بڑي مربي و معلم ہے - وہ عورت ھي ہے جو مرد کو اعلی اخلاق ' پسندیدہ آداب ' اور رقیق احساس سکھاتي ہے - عورت بعض مردوں کو لطف معاشرت کي تعلیم دیتي اور سب کو سخت مزاجي سے باز رکھتي ہے - عورت ھي کے ذریعہ مرد کو معلوم ھوتا ہے کہ اُسکي اجتماعي زندگي کیسے نازک اور پر پیچ عناصر واجزاء سے مرکب ہے - عورت کے قریب ھوکے ھي ہم محسوس کرتے ھیں کہ جذبات کا طوفان اور ایمان کا دھارا اِتنا زبردست ہے کہ اُسے روکا نہیں جا سکتا ' اور یہ ' کہ انسان اپني عقل کے بل بوتے پر نہیں چل رہا ہے -

(اناتول فرانس)

علماء کي خوش مزاجي

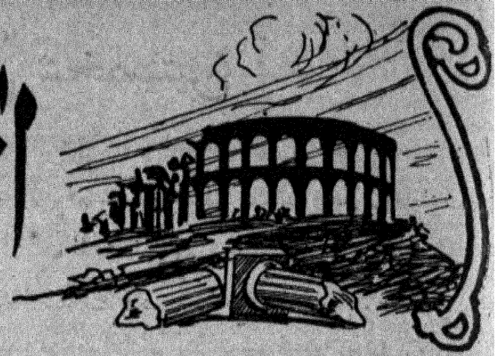
عام طور پر مشہور ہے کہ علماء و فضلاء خشک مزاج ھوتے ھیں - شب و روز خشک مباحث میں غور و فکر کرنے کي وجہ سے خشک دماغ ھو جاتے ھیں - یہ چیز اِس قدر مشہور ھوئي کہ عام اور خوش مزاجي کو بڑي حد تک متضاد خیال کیا جانے لگا - بہت سے مدعیان علم مصنوعي خشک مزاجي کي عادت ڈال کر دنیا کو اپني علمیت منوانے لگے - حالانکہ علم اور بشاشت میں ھرگز کوئي تضاد نہیں ہے - زیادہ سے زیادہ ھنس مکھ آدمي بھي بڑے سے بڑا عالم ھوسکتا ہے - اِس کي سب سے زیادہ نمایاں مثال جاپان میں موجود ہے - یہاں کے علماء فن عموماً بڑے خوش مزاج ھوتے ھیں - حال میں مشہور جاپاني عالم ' ڈاکٹر " میورا " امریکا گیا تھا - وھاں کے لوگ اُس کي ھنسي اور خوش طبعي دیکھکر متعجب ھوئے -

بادشاھوں کو ھدیہ

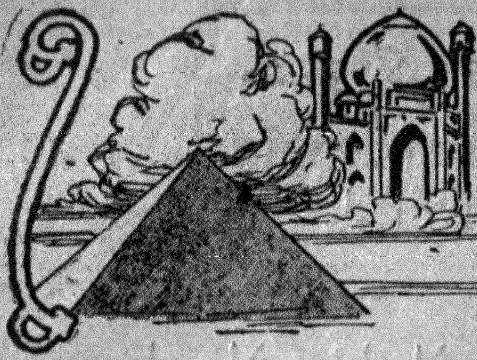
بادشاھوں کے لیے ایک مصیبت ھدیے بھي ھیں جو اُنھیں بہت بڑي مقدار میں ھمیشہ پہنچتے رہتے ھیں - ایڈورڈ ھفتم کے پاس سیکڑوں صندوق ' سیگرٹ ' نک ٹائي ' دستانوں ' جوتوں ' اور چھڑیوں سے لبریز بطور ھدیہ کے آیا کرتے تھے - وہ ھدیے بہت کم قبول کرتے اور اکثر واپس کردیا کرتے - تاھم بعض نادر چیزیں لے بھي لیتے تھے - چنانچہ ایک شخص نے امریکا سے پاؤ بھر وزن کا ایک آلو بھیجا تھا - اُسے بادشاہ نے قبول کرلیا - اِسي طرح ایک قدیم مصري شاھزادي کا ممي کیا ھوا ھاتھ بھي منظور کرلیا تھا ' اور اُس سے میز پر کاغذ دبانے کا کام لیا کرتے تھے !

یہي حال سابق قیصر جرمني کا تھا - ایک شخص نے افریقا کے سب سے بلند پہاڑ " کیلیما نگارو " کي چوٹي پر سے ایک پتھر کاٹ کر ھدیہ بھیجا تھا - اسے قبول کر لیا - نیز ایک بوڑھیا کا سو مارک کا نوٹ بھي منظور کرلیا تھا - اِس عورت نے دربان کے ھاتھ شہنشاہ کو ایک لفافہ بھیجا جس میں اس بنک نوٹ کے علاوہ ایک خط تھا :

" کل میں نے آپ کو فوج کي قواعد ملاحظہ کرتے وقت سردي سے کانپتے دیکھا - یہ سو مارک کا نوٹ قبول کیجیے اور اِس سے اوني بنیائن خرید لیجیے "



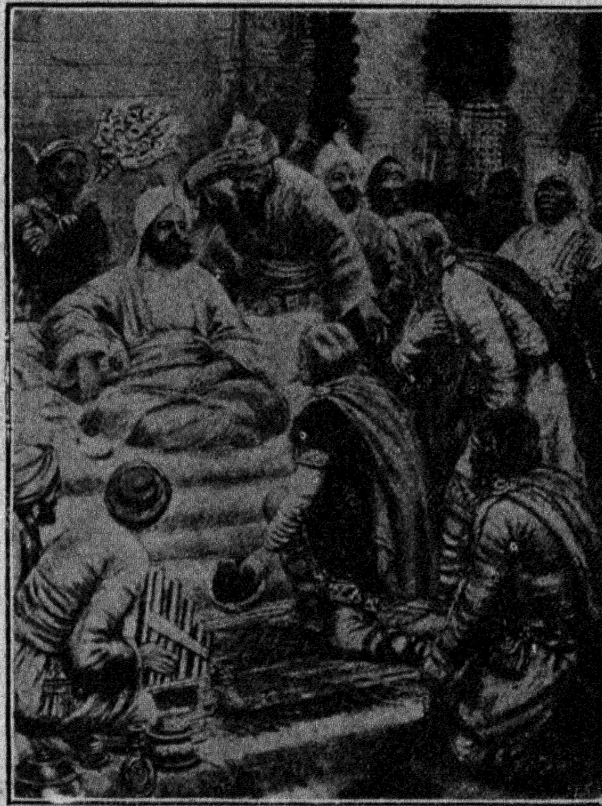
آثار عتیقه



ایک قدیم مرقع

خلیفه هارون الرشید اور فرانسیسي سفارت

عرصه هوا ' زمانهٔ حال کے مشهور مصري مصنف جرجي زیدان موسس الهلال قاهره نے اپني سیاحت یورپ کي یاد داشتیں شائع کرتے هوے لکها تها " سوربن یونیورسٹي میں ایک قدیم مرقع میري نظر سے گزرا - اس میں اُس فرانسیسي سفارت کا خلیفه هارون الرشید کے دربار میں ورود دکهلایا گیا هے جو شارلیمین اول نے بغداد بهیجي تهي ' اور جس کے جواب میں هارون الرشید نے وه عجیب و غریب گهڑي ارسال کي تهي جس کا تمام یورپ میں عرصه تک شهره رها "



جرجي زیدان نے اس مرقع کا عکس شائع کر دیا تهـا - اس مرقع میں هارون الرشید ایک بلند مسند پر جو تو بر تو گدیلوں سے بنائي گئي هے ' بیٹها هے - سر پر خود کي وضع کي قلنسوه هے اور اس پر عمامه بندها هے - حبشي غلام عقب میں کهڑے هیں ' اور فرانسیسي سفارت کے ارکان زمین بوس هو رهے هیں -

مجهے اس مرقع سے بهت دلچسپي هوي لیکن اِسکي تاریخ قدامت کي کوئي تصریح نهیں کي گئي تهي - میں نے خیال کیا ' بهت ممکن هے زمانهٔ حال کے کسي مصور نے واقعهٔ سفارت کے تخیل کو مرقع کي صورت دیدي هو ' یا کسي تاریخي کتاب کي تزین کے لیے طیار کیا گیا هو - میں چاهتا تها ' اس بارے میں مزید معلومات حاصل کیے جائیں - کیونکه مجهے اپني ایک زیر تحریر کتاب کے لیے اس طرح کے تمام مواد کي ضرورت تهي -

گذشته سال ایک تقریب سے مجهے موقعه ملا که موسیو بلوشر سے خط و کتابت کروں - یه فرانس کے مشهور فارسي داں مستشرق هیں اور کچهه عرصه سے پیرس کے قومي کتب خانه کے فارسي حصه کي از سر نو تحقیقات کر رهے هیں - میں نے اس مرقع کي نسبت ان سے دریافت کیا - ان کا جواب حسب ذیل تها :

" جس مرقع کا آپ نے ذکر کیا هے (یعنے سوربن یونیورسٹي کا) وه اصل نهیں هے - اصلي مرقع کي نقل هے - اصلي مرقع اس کتب خانه میں (نیشنل لائبریري پیرس) میں محفوظ هے - یه مشکل هے که اس کي صحیح تاریخ معین کي جا سکے ' لیکن اس میں کوئي شک نهیں که سولهویں صدي میں یه مرقع موجود تها - کیونکه سنه ۱۵۸۹ - میں جب هینرخ Heinrich نے اپنا مجموعهٔ تاریخ عرب نیپلز میں شائع کیا هے ' تو اس میں یه مرقع بهي درج کیا گیا تها - مرقع کے نیچے یه عبارت لکهي گئي تهي " بغداد کے خلیفه کے دربار میں شارلیمین کي سفارت — اس مرقع کي نسبت خیال کیا جاتا هے که یه شارلیمین کے حکم سے طیار کیا گیا تها " مرقع کا جو نسخه بطور اصل کے اسوقت محفوظ هے ' غالباً وه بهي اصل نهیں هے - کسي دوسرے نسخه کي نقل هے - کیونکه اس میں بعض خاص طرح کے رنگ استعمال کیے گئے هیں ' اور اُن رنگوں کا استعمال سولهویں صدي کے بعد شروع هوا هے — * * * * * * * * * * سولهویں اور سترهویں صدي میں یه مرقع منجمله اُن تصاویر کے تها ' جن سے فرانس کے شاهي قصر آراسته کیے جاتے تهے - قصر تویلري کے لیے یه مرقع ایوان استقبال کي اُن تصویروں کي قد و قامت کے مطابق طیار کیا گیا تها ' جو اسکي دهني اور بائیں دیواروں پر قدم آدم جتني ترتیب دي گئي تهیں - میں اگرچه یه کهنے کے لیے کافي تاریخي تصریحات نهیں پاتا که یه مرقع اصلي هے ' تاهم اس کي تاریخي قدر و قیمت سے انکار نهیں کیا جا سکتا - کم از کم یه بات بالکل صاف هے که خود شارلیمین کے عهد کا هو یا نه هو ' لیکن سولهویں صدي سے پیشتر کا رائج و مشهور مرقع ضرور هے * * * ایک دوسرے واقعه سے بهي اس مرقع کي تاریخي حیثیت کي تصدیق هوتي هے - هارون الرشید نے اس سفارت کے جواب میں فرانسیسي سفیروں کے ساتهه اپنے خاص سفراء بهي بهیجے تهے ' اور ان کے ذریعه بیت المقدس کي طلائي کنجیاں اور بهت سے قیمتي تحائف روانه کیے تهے - انهي تحائف میں وه اپنے عهد کي عجیب و غریب گهڑي بهي تهي جس کا ذکر اُس عهد کے مورخ اے جي نارٹ Eginhart نے

مشرق کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں

مصطفی فاضل باشا

اور لائحۂ اصلاحیہ

(اعلان حق اور امر بالمعروف کا ایک شاندار کارنامہ)

انیسویں صدي کے وسط میں دولۃ عثمانیہ کي سیاسي و اجتماعي اصلاحات کي جو حرکت شروع ہوئي تھي ' عام طور پر اسکي ابتدائي تخم ریزي مرحوم مدحت پاشا کي طرف منسوب کي گئي ہے - لیکن واقعہ یہ ہے کہ مدحت پاشا اس روح تجدید کا داعي اول نہ تھا - اسے منظم و وسیع کرنے والا تھا - ترکي اصلاح و تجدید کي اصلي تاریخ مصطفی فاضل پاشا سے شروع ہوتي ہے - في الحقیقت نوجوان ترکوں کي اجتماعي حرکت کا حقیقي موسس رھي تھا -

(اصلاح کي ابتدائي فضا)

عثماني دارالخلافۃ میں جس شخص نے یورپ کے تمدني انقلاب کا پہلے پہل مطالعہ کیا ' وہ مصطفی رشید پاشا تھا - امراء دولۃ میں یہي پہلا شخص ہے جسنے یورپ کي زبانوں سے واقفیت حاصل کي - اسکي نشوونما سلطان محمود مصلح کے عہد میں ہوي تھي - سنہ ۱۸۳۹ع میں جب سلطان موصوف کا انتقال ہوا اور سلطان عبدالمجید تخت نشیں ہوا ' تو یہ لندن میں عثماني سفیر تھا - سلطان عبدالمجید نے اس منصب سے ترقي دي اور وزارت خارجیہ پر مامور کردیا - یہ اسي شخص کي سعي کا نتیجہ تھا کہ اسي سال کے ماہ جون میں دولۃ عثمانیہ کي تنظیم و اصلاح کا وہ تاریخي فرمان صادر ہوا جو " خط گل خانہ " کے نام سے مشہور ہے - اسکا نام " گل خانہ " اسلیے ہوا کہ سراے " توب قپو " کے چمنستان (گل خانہ) میں اُس کا اعلان ہوا تھا - اس اعلان میں دولۃ کے قانوني اور منظم ہونے کا یقین دلایا گیا تھا - نیز مسلم اور غیر مسلم رعایا کے حقوق کے مساوي ہونے ' اور ہر طرح کے غیر قانوني امتیازات کے منسوخ کر دینے کا اعلان تھا -

مصطفی رشید پاشا نے اپنے عہد وزارت میں تعلیمي و معاشرتي اصلاحات کي جو روح پیدا کی تھي ' اُس کا نتیجہ یہ تھا کہ ایک قلیل جماعت نئے تعلیم یافتہ افراد کي پیدا ہوگئي - ان میں سب سے زیادہ نامور شخص دو ہوے : عالي پاشا اور فواد پاشا - دونوں نے صدارت و نظارت کے مناصب تک ترقي کي ' اور اپنے عہد کے مشاہیر مدبرین میں شمار کیے گئے - سلطان عبدالمجید کے عہد کے تمام اجراات اصلاحیہ کي باعث و کارفرما شخصیتیں یہي تھیں - معاھدۂ پیریس (۳۰- مارچ سنہ ۱۸۴۶) میں دولۃ عثمانیہ کو جو کامیابي ہوي ' اور انگلستان ' فرانس ' اور اٹلي نے روس کے بر خلاف ساتھہ دیا ' وہ بہت کچھہ انھي دونوں کي مساعي کا نتیجہ تھا - معاھدۂ پیرس کے بعد ھي تاریخ اصلاح عثماني کا دوسرا فرمان شائع ہوا تھا جو " خط شریف " کے نام سے پکارا جاتا ہے - اس میں " خط گل خانہ " کي مزید تائید کي گئي تھي ' اور تمام رعایا کي آزادي حقوق کے احترام کا یقین دلایا گیا تھا - یہ بھي تمام تر فواد اور عالي ھي کي مساعي کا نتیجہ تھا -

(مصطفی فاضل)

مصطفی رشید ' فواد ' اور عالي پاشا نے اصلاح و تغیر کیلیے فضا پیدا کردي ' مگر جماعت پیدا کرنے کا کام بعد کو ہونے والا تھا - یہ مصطفی فاضل پاشا کي شخصیت تھي ' جس نے اس نئي فضا کو نشوونما دي ' اور " نوجوان " ترکوں کي جمعیت کا اولین سنگ بنیاد رکھدیا - مدحت پاشا بعد کو آیا تا کہ اپنے عظیم اعمال اور عظیم قرباني سے اس سنگ بنیاد پر ایک نئي عمارت چن دے !

مصطفی فاضل پاشا محمد علي باني خاندان خدیویۂ مصر کا پوتا اور ابراھیم پاشا فاتح حجاز و شام کا بیٹا تھا - سنہ ۱۸۳۰ع میں پیدا ہوا اور مصر میں تعلیم و تربیت حاصل کي - مصر میں محمد علي کے زمانے سے مغربي علوم و السنہ کي اھمیت کا احساس عام ہو چلا تھا ' اور خاندان خدیوي کے تمام افراد فرانسیسي زبان کي تعلیم حاصل کرنے لگے تھے - مصطفی فاضل کو بھي اسکا موقعہ ملا - اس طرح مغربي علوم و تمدن کے فہم و مطالعہ کا دروازہ اُس پر کھل گیا - ابھي سلطان عبدالمجید ھي کا زمانہ تھا کہ وہ قسطنطنیہ آیا ' اور چند سالوں کے بعد جب سلطان عبدالعزیز تخت نشین ہوا ' تو نظارت معارف (تعلیم) کا ناظر مقرر ہوگیا - پھر کچھہ دنوں کے بعد جب مالییات کي وزارت کي جگہ خالي ہوي ' تو حکومت کي نظر انتخاب اسي پر پڑي -

(لائحہ اصلاحیہ)

یہ وہ وقت تھا ' جبکہ دولۃ عثمانیہ کي زوال پذیر ہستي کي حفاظت کیلیے اصلاح و علاج کي آخري مہلت درپیش تھي ' اور قریب تھا کہ ہمیشہ کیلیے اُسکي شش صد سالہ عظمت و جلال کي دیواریں سرنگوں ہوجائیں - سلطان محمود مصلح نے نئي اصلاحات کي بنیاد رکھي - سلطان عبدالمجید نے اسے بلند کرنا چاھا - اگر سلطان عبدالعزیز کا وجود بھي اس سلسلۂ اصلاح کي تیسري کڑي

کیا ہے - اس عرب سفارت کے ورود و استقبال کا ایک ایسا ھي مرقع فرانس میں موجود ہے جیسا یہ زیر بحث مرقع ہے - اس مرقع میں شارلیمین کو اس کے دربار میں دکھایا گیا ہے اور عرب سفیر اِس حالت میں نمایاں ھیں کہ اپنے تحائف پیش کررہے ھیں - اس سے صاف طور پر یہ بات واضح ہو جاتي ہے کہ واقعۂ سفارت کے دونوں درباروں کي تصویریں بہ یک وقت طیار کي گئي تھیں - اور عجب نہیں خود شارلیمین کے حکم سے طیار کي گئي ھوں - یہ دوسرا مرقع پیرس کي مشہور عمارت پنتھیوں Pantheon کي دیواروں پر اِس وقت تک موجود ہے - یہاں شارلیمین کے عہد کے مختلف مرقع دکھائے گئے ھیں ' من جملہ ان کے عربي سفارت کا استقبال بھي ہے "

- اس مرقع کي نقل ہدیۂ ناظرین ہے -

ہوتا ' تو بہت ممکن تھا ' اصلاح و تجدد کي راهیں باز ہو جاتیں - لیکن عبدالعزیز کے مجنونانہ استبداد نے جسکے ساتھہ شخصي حکمراني کے تمام عیش پرستانہ عناصر فساد بھي جمع ہوگئے تھے ' اصلاح حال کے تمام دروازے مسدود کر دیے - خزانہ بالکل خالي تھا - یورپ سے قرضوں پر قرض لیے جا رہے تھے - مالیات کے بہترین وسائل مکفول ہوگئے تھے - روس نے پیٹرسبرگ سے سرائے دولمہ باغچہ تک اپني مخفي سازشوں کا جال بچھا دیا تھا - روسي سفیر جنرل اگناتف کا اقتدار روز بروز بڑھرہا تھا ' اور سلطان اپنے تمام معاملات میں اسي کے مشوروں پر کار بند تھا - سلطان کا تمام وقت محل کي عیش پرستیوں میں صرف ہوتا - بسا اوقات ایک ایک مہینے تک وزراء حکومت کو بار یابي کا موقعہ نہیں ملتا - شخصي حکومتوں کا قدرتي مزاج ہي شخصي انانیت اور مستبدانہ قہر و جبر کا ہوتا ہے - پھر اگر خصوصیت کے ساتھہ اسکا کوئي حکمران " مستبد " ہو جاے ' تو ظاہر ہے ' اسکا استبداد کس درجہ لاعلاج اور بے پناہ ہوگا ؟ تمام ترک اہل قلم متفق ہیں کہ عبدالعزیز اپنے تمام پچھلے مستبد حکمرانوں سے بھي زیادہ مستبد تھا - کوئي بات بھي اسے اسدرجہ طیش و غضب میں نہیں لاتي تھي جسقدر اس بات کا تصور ' کہ دنیا کي کوئي مخلوق اسے " مشورہ " دینا چاہتي ہے ' یا نصیحت کرنے کي جرات رکھتي ہے - ابتدا میں جو لوگ بھولے سے کوئي ایسي جرات کر بیٹھے ' انہیں فوراً اسکي سزا بھگتني پڑي - اس صورت حال کا لازمي نتیجہ یہ تھا کہ کارخانۂ سلطنت روز بروز درهم برهم ہو رہا تھا اور آنے والے خطرے کے آثار قریب سے قریب تر ہونے لگے تھے یہ حالت جاري تھي ' مگر ہر طرف غفلت و اعراض کا سناٹا چھایا تھا - کوئي صدا نہ تھي جو کلمۂ حق و اصلاح سے آشنا ہوتي !

لیکن غفلت و افساد کے اس سکون میں بالاخر جنبش ہوئي ' اور دولۃ عثمانیہ کي تاریخ میں پہلي مرتبہ دعوت الي الحق کي بے خوف صدا بلند ہوئي - یہ مصطفی فاضل کي صدا تھي - وہ صداے حق ' جسے نہ تو سلطان عبدالعزیز کي سطوت و جبروت روک سکي ' نہ امارت و وزارت کے مطامع مانع آسکے !

تاریخ میں یہ صداء اصلاح " لائحۂ اصلاحیہ " کے نام سے مشہور ہے - یہ دراصل ایک مکتوب ہے جو سلطان عبد العزیز کے نام لکھا گیا تھا - مصطفی فاضل نے یہ مکتوب سنہ ۱۸۶۷ میں لکھا ' اور بذات خاص سلطان کے حوالہ کیا - لوگوں کو جب اس جسارت کا حال معلوم ہوا تو شدت تعجب سے انگشت بدندان رهگئے - دولۃ عثمانیہ کي تاریخ میں یہ بالکل ایک نئي قسم کي جسارت تھي - ایسي جسارت جسکي مصطفی رشید ' فواد پاشا ' اور عالي پاشا جیسے مصلحین بھي جرأت نہیں کرسکتے تھے !

سلطان عبدالعزیز نے یہ لائحہ پڑھا ' اور وهي نتیجہ نکلا جو متوقع تھا - مصطفی فاضل کو قسطنطنیہ سے ہجرت کرني پڑي - وہ پیرس آیا اور ایک مدت تک کیلیے یہاں مقیم ہوگیا - مصطفی فاضل کے اسي قیام پیرس سے نوجوان ترک جماعت کي سب سے پہلي بنیاد پڑي - قسطنطنیہ کے متعدد نوجوان بتدریج پیرس چلے آئے ' اور مصطفی فاضل کي امداد و سرپرستي میں متحدہ زندگي بسر کرنے لگے - اُس عہد کے وہ تمام اصلاح پسند افراد جنھوں نے نہ صرف دولۃ عثمانیہ کیلیے سیاسي انقلاب کي تخم ریزي کي ' بلکہ ترکي علم ادب و کتابت میں بھي دور جدید کي بنیاد ڈالي ' اسي عہد کي پیداوار ہیں - نامق کمال بے ' ضیا پاشا ادیب ' سعد اللہ پاشا ' ابوالضیا توفیق ' وغیرہم کي نشوؤ نما اسي دور میں ہوئي -

مصطفی فاضل کو اس جسارت کا صلہ صرف مہاجرت ہي کي صورت میں نہیں ملا ' بلکہ اُسکي تمام ترکي جائداد بھي ضبط کرلي گئي - اگر فرانسیسي حکومت درمیان نہ پڑتي تو شاید مصري جائداد سے بھي محروم ہو جاتا -

مصطفی فاضل کا لائحہ' تاریخ شرق جدید کا ایک اہم واقعہ ہے - جس جرأت و صراحت کے ساتھہ وقت کے ایک مستبد سلطان کو مخاطب کیا گیا ہے ' اور استبداد و شخصیت کي جگہ آزادي و شوریٰ کي دعوت دي گئي ہے ' اُس کي کوئي دوسري نظیر اس عہد میں نہیں مل سکتي - ہم چاہتے ہیں یہ پورا لائحہ اردو میں منتقل ہو جاے ' کیونکہ یہ تاریخ شرق جدید کي ایک قیمتي دستاویز ہے -

(مسئلہ اصلاح اور ایک اصل مہم)

یہ موقعہ تفصیل کا نہیں لیکن اشارہ نا گریز ہے - دولۃ عثمانیہ میں سلطان مصلح کے عہد سے لیکر سلطان عبد الحمید خان تک اصلاح و تجدید کي جس قدر حرکتیں ظہور میں آئیں ' وہ اگرچہ اس اعتبار سے قابل احترام ہیں کہ استبداد و فساد کے مقابلہ میں حریت و اصلاح کي طلبگار تھیں ' لیکن ساتھہ ہي یہ واقعہ بھي یاد رکھنا چاہیے کہ اُنکي بنیاد میں یورپ کي عامیانہ تقلید و محاکات کے سوا کوئي مجتہدانہ بصیرت موجود نہ تھي -

صدیوں سے اسلام کي حقیقي دیني روح مفقود ہو چکي تھي - اسلام کے حقیقي سر چشمۂ شرع و تعلیم کي جگہ طرح طرح کے انساني ساخت کے نئے سر چشمے پھوٹ نکلے تھے' اور اجتہاد و نظر کي جگہ تقلید و جمود کي بنیادیں استوار ہوگئي تھیں - ضرورت تھي کہ ایسے اصحاب نظر و بصیرت پیدا ہوتے ' جو سب سے پہلے اُمت کے دیني مزاج کي درستگي کي کوشش کرتے جس کے بغیر حکومتوں کا حاکمانہ مزاج بھي درست نہیں ہو سکتا تھا - اس اصلاح کے بعد یورپ کے علمي و صناعي فوائد کے اخذ و اختیار کي راہ خود بخود کھل جاتي - البتہ بصیرت و اعتبار کے ساتھہ کھلتي - تقلید و کورچشمي کے ساتھہ نہ کھلتي - لیکن افسوس ہے کہ ایسا نہیں ہوا - دولۃ عثمانیہ میں ایسے علماء نا پید تھے اور ہمیشہ نا پید رہے جو صاحب نظر و بصیرت ہوں - امراء و حکام جہل و اوہام کي تاریکي میں گم تھے - اتفاقات نے چند شخصیتیں پیدا کر دیں جنھیں یورپ کے علوم و لغات سے آشنا ہونے کا موقعہ مل گیا - یہ اپني کسي بصیرت و روشني کي بنا پر نہیں بلکہ محض تقلید کي راہ سے استبداد و جہل کي مضرتوں پر مطلع ہوے ' اور اصلاح و انقلاب کي سعي شروع کردي - سعي صحیح تھي ' بروقت تھي ' لیکن ساعي بصیرت و نظر سے محروم تھے - مرض کا احساس غلط نہ تھا ' لیکن نہ تو تشخیص کامل تھي' نہ علاج ہي صحیح تھا - نتیجہ یہ نکلا کہ اس راہ میں جس قدر قدم بھي اٹھے ' وہ اگرچہ اکثر حالتوں میں اصلاً غلط نہ تھے ' لیکن مجتہدانہ بصیرت و نظر کے فقدان سے کوي صحیح انقلاب صورت حال میں پیدا نہ کر سکے ' اور شرح اس اجمال کي بہت طولاني ہے -

بہر حال بحث و نظر کا یہ مقام دوسرا ہے - اس کے فہم و ذوق کے لیے دوسري قسم کي صحبتیں مطلوب ہیں - یہاں جو حقیقت قلم بند کرني ہے وہ یہ ہے ' کہ گذشتہ صدي کے مشرقي مصلحین کي تاریخ میں مصطفی فاضل پاشا کو اصلاح و انقلاب ترکیہ کے باني و داعي ہونے کا شرف حاصل ہے ' اور اسکا یادگار کارنامہ " لائحۂ اصلاحیہ " ہے :

(مصطفیٰ فاضل کا لائحہ)

اعلیٰ حضرت !

کلمۂ حق بادشاھوں اور حکمرانوں تک پہنچنا ' بہت مشکل ھے - درباري اُس پر پردہ ڈالتے اور اُسے چھپاتے ھیں - بادشاہ فرمانروائي کے نشہ میں مخمور اور سلطنت کي لذتوں میں غرق ' راہ صواب سے غافل ھو جاتے ھیں -

وہ خیال کرتے ھیں کہ قومیں اپنے ھي کرتوت سے پریشاني میں پڑتي ھیں - اور اپني ھي غفلت سے پستي میں گرتي ھیں - سلطنتیں ' جب برباد ھوتي ھیں ' تو قضاء و قدر کے بے رحم ھاتھوں ھي سے برباد ھوتي ھیں -

واقعات کو رو در رو دیکھنے اور اوھام کو اوھام سمجھنے کے لیے انسان کو بڑے ھي اخلاص اور بڑي ھي جرأت کي ضرورت ھے - بادشاہ تک بے کم و کاست حقیقت پہنچانے کے لیے اور بھي زیادہ اخلاص و جرأت کي ضرورت ھے -

میرے آقا ! یہ اخلاص کبھي میرے دل سے جدا نہیں ھوا - خود اعلیٰ حضرت سلطان اِس کے شاھد ھیں - وہ لوگ بھي اِس سے ناواقف نہیں جو میري جلا وطني کا سبب ھوے ھیں - بلاشبہ زمانے نے مجھے موقعہ نہیں دیا کہ روشن کارناموں سے اعلیٰ حضرت کي ذات شاھانہ سے اپني عقیدت ثابت کرتا اور اپني قوم کي فلاح و بہبود ـــ اگر یہ نہ کہوں کہ اُس کے احیا ـــ کے ارادے پورے کرسکتا - لیکن میں پہلا آدمي ھوں جس نے اعلیٰ حضرت کے سامنے شاھي حکومت کے عیوب بے پردہ کرنے اور وطن عزیز کے مصائب پیش کرنے کي جرأت کي ھے - یہ اس لیے کہ میرا دماغ اعلیٰ حضرت اور سلطنت عثمانیہ کي خدمت کے لیے سراسر وقف ھے - مجھے اعلیٰ حضرت کے عرش سے جو عقیدت و وابستگي ھے ' اور وطن محبوب سے جو محبت و وارفتگي ھے ' اُسي نے مجھہ میں یہ قوت پیدا کردي ھے کہ بے خوف و خطر اُن مصائب و آلام پر نظر ڈالوں جو ھمیں رات کي تاریکي اور دن کي روشني میں پیش آ رھے ھیں - حضور کے اخلاق عالیہ پر میرا یقین مجھے ھمت دلاتا ھے کہ اُن مصائب کي تشریح کروں - کوئي ایک بھي مخفي نہ رکھوں - سب کو صاف صاف ظاھر کردوں - پھر وہ علاج عرض کروں جو ھمیں شفا بخش سکتا ھے ' بشرطیکہ اُس کے استعمال سے پہلے وقت نکل نہ جائے -

میرے آقا ! آپ کي مسیحي رعایا کي جانب سے جس سرکشي کا برابر اظہار ھوتا رھتا ھے ' وہ یقیناً ' ھمارے اجنبي دشمنوں کي شرارت کا نتیجہ ھے - لیکن وہ اِس امر کي بھي دلیل ھے کہ اعلیٰ حضرت کي حکومت کا برتاؤ اپني تمام رعایا کے ساتھہ کوئي عمدہ برتاؤ نہیں ھے - اِس برتاؤ میں اگر حکومت پہلے معذور تھي تو یقیناً اب اُسے برقرار رکھنے میں اُس کے لیے کوئي عذر نہیں ھوسکتا - کیونکہ اِس مسلک کا ثمرہ ' ظلم کے سوا کچھہ نہیں ھے - جہل ' اُس سے پھیلتا ھے ' فقر و فاقہ اور شر و فساد کي اُس سے پیدائش ھوتي ھے -

یورپ خیال کرتا ھے کہ سلطنت عثمانیہ میں صرف مسیحي رعایا ھي ظلم و تذلیل کے لیے منتخب کرلي گئي ھے - حالانکہ یہ سخت غلطي ھے - مسلمان ' جن کي حمایت پر کوئي یورپین سلطنت نہیں ' مسیحیوں سے زیادہ ظلم اُٹھا رھے ھیں - اُن کے مصائب و آلام کہیں زیادہ ھیں - وہ ابتک محض اِس لیے صبر کیے بیٹھے ھیں کہ قضاء و قدر پر اُن کا پختہ ایمان ھے - صبر و سکون کے عادي ھیں - نفس بلند رکھتے ھیں - اُن کي یہ صفات ' یورپین تخیل سے بہت بلند ھیں - اِس لیے یورپ والے اُنھیں سمجھہ نہیں سکتے - پھر یہ مسلمان ' اُن شریف اور اولو العزم اسلاف کي نسل ھیں جو فرمانروائي کے تخت پر جلوہ گر ھوچکے ھیں - سلطنت سے اُنکا اخلاص ' قرآن پر اُن کے ایمان سے مل کر ایسا راسخ ھوگیا ھے کہ ابتک اُس میں تزلزل پیدا نہیں ھوا - لیکن اعلیٰ حضرت اپنے مخلص ترین خادم کو یہ عرض کرنے کي اجازت دیں کہ اب مسلمانوں کا بھي پیمانۂ صبر لبریز ھوگیا ھے - مصیبت آخري حد تک پہنچ چکي ھے - آلام نے اُن کا جسم کھا ڈالا ھے - اپنا غم و غصہ چھپانے کي اب اُن میں قدرت باقي نہیں رھي - یقیناً حضور والا کے خاندان اور قوم کے لیے یہ سخت خطرہ ھے کہ رعایا یاس و نا اُمیدي کا شکار ھوجائے -

مخلوق پر ظلم بہت سخت ھوگیا ھے - آپ یقیناً اُس سے متنفر ھیں ' اور میں یقین کرتا ھوں کہ آپ کي اُمت کے عظماء و اکابر بھي اُس سے بیزار ھیں - لیکن وہ مجموعي حکومت کا ایک لازمي نتیجہ ھے - حتی کہ خود اعلیٰ حضرت بھي ' جنکي قوت معلوم اور سطوت مشہور ھے ' شاید اُسے روکنے کي قدرت نہیں رکھتے - کیونکہ اُس کي خبر سمع مبارک تک پہنچتي ھي نہیں - حالانکہ وہ اِس اُمت کی مردانگي تباہ کر رھا ھے - اُس کي شخصیت گرا رھا ھے ' اُس کے فضائل برباد کر رھا ھے -

میرے آقا ! آپ کي رعایا میں ایسے مخلص افراد موجود ھیں جن کے دل یہ دیکھکر حسرت سے پگھلے جاتے ھیں کہ یہ امت ـــ جو ھماري عزت و فخر ھے ـــ کس طرح نسل کي کمي اور ھجرت کي زیادتي کي وجہ سے کمزور و کم تعداد ھوتي چلي جا رھي ھے - لیکن میں اس سے خائف نہیں ھوں - ممکن ھے اِس میں ھمارے فوجي نظام کو بھي کچھہ دخل ھو - لیکن جس چیز سے میں ڈرتا ھوں اور جسے روز بروز قریب آتے دیکھتا ھوں ' وہ یہ ھے کہ ھم مغلوب قوموں کے مشابہہ ھوتے جاتے ھیں - روز بروز ھماري معنویت کمزور ھو رھي ھے اور یہ مرض قوم کے تمام طبقوں میں عام ھوتا جاتا ھے -

میرے آقا ! ھمارے اسلاف نے چار صدي پہلے مشرق کي رومن شہنشاھت تہہ و بالا کر ڈالي ' عروس البلاد اور ملکۂ جہاں ' قسطنطنیہ میں اپنے قدم گاڑ دیے ' اور وہ فتح عظیم حاصل کي جو تاریخ میں ایک عظیم ترین کارنامہ شمار کي جاتي ھے - لیکن اِس حیرت انگیز کامیابي کا راز کیا تھا ؟ صرف دین کا اعتقاد اور جنگ میں شجاعت ھي نہ تھي - اُن کي وہ اولو العزمي اور بہادري ' درحقیقت ' اُن کي معنویت ھي کا ایک جلوہ تھا - وہ اپنے سرداروں کي اطاعت ' خوش دلي سے کرتے تے ' نہ کہ خوف اور مجبوري سے - یہي وجہ تھي کہ ذلت اُن پر قابو نہ پاسکي - عقل پر اندھي تابعداري غالب نہ آسکي - اُنکي خود داري برابر باقي رھي - استقلال ذاتي نے اُن کا ساتھہ نہ چھوڑا - اطاعت نظام (ڈسپلن) کي روح ' عزت نفس کي روح سے مل گئي تھي - دونوں روحیں ' مضبوط اخلاق کي بنیادوں پر قائم تھیں - فضیلت نے اُنمیں گھر کرلیا تھا - اس لیے اُنھوں نے وہ عظیم سلطنت اُلٹ ڈالي جسے استبداد کي رذیلتوں گھن کي طرح لگ گئي تھیں ' اور ظلم و جور نے اُس کي تمام چولیں ھلا ڈالي تھیں -

بلاشبه ' مضبوط اخلاق هي اِس وجود میں تنها ایک قوت نهیں هے - کیونکه یهاں جرائم کي بهي جرار فوجیں کهڑي هیں ' اور گناهوں کے تخت بهي بچهے هیں - لیکن یه یقیني هے که مضبوط اخلاق ' ایک مستحکم و راسخ بنیاد ضرور هے - اُس کے بغیر کوئي سلطنت قائم نهیں هوسکتي - جب وه کسي قوم کا ساتهه چهوڑ دیتا هے ' تو اُس قوم کي اجتماعي عمارت بهي گر پڑتي هے - اُس کا یه خاصه عجیب هے که جوں جوں اُس کي فتوحات میں وسعت هوتي هے ' اُس کا دائره بهي وسیع و عظیم هوتا جاتا هے - برخلاف دوسري قوموں کے جو امتداد زمانه سے کمزور هو جاتیں اور کامیابي کے بعد فنا هونے لگتي هیں -

اعلیٰ حضرت کي عظمت اور وطن کي عزت کے تمام خیر خواه ' انتهائي رنج و ملال سے دیکهه رهے هیں که قوم کي شهامت ' زائل هو رهي هے اور اُسکي شرافت و خودداري ختم هوتي جاتي هے - یه اعلي صفات ' قوم میں کیونکر باقي ره سکتي هیں ' اگرچه کتني هي راسخ هوں ' جبکه مسیحي رعایا کے ساتهه مسلمان بهي گونا گوں ذلتوں کا نشانه بنے هوئے هیں اور هر قسم کي دنائت کے گهونٹ اُنهیں زبردستي پلائے جارهے هیں ؟ مسلمان اور عیسائي ' حضور والا کي تمام رعایا ' حکام کے ظلم و جور سے چیخ رهي هے - یه حکام وه هیں جو حضور کے برائے نام فرمانبردار هیں - اعلي حضرت کو کیا معلوم که وه شاهي احکام قوم میں جاري کرتے هیں یا اپني هوا و هوس سے کام لیتے هیں !

آپ کي سلطنت ' عام رائے سے خالی هے - نتیجه یه هے که آپ کے عمال ' رعایا کے سامنے جواب ده نهیں هیں - اِس کے معنے یه هیں که خود حضور کے عرش معلیٰ کے رو برو بهي ذمه دار اور جواب ده نهیں هیں ' کیونکه کوئي شخص بهي اُن کي شکایت عتبات عالیه تک پهنچانے کي قدرت نهیں رکهتا ' اور چونکه اُن کے جرائم ذات شاهانه کے علم میں نهیں آسکتے ' اِس لیے اُن سے باز پرس بهي نهیں هو سکتي - لهذا وه بالکل نڈر هوگئے هیں - رعیت پر دست درازي میں بے باک هیں - هر قسم کي برائیاں کهلے بندهوں کر رهے هیں - باشندے دو گروهوں پر منقسم هوگئے هیں : ظالم حاکم ' کوئي نهیں جو اُن کا هاتهه پکڑے - مظلوم رعایا ' کوئي نهیں جو اُس پر ترس کهائے - حاکم ' جس کا دعویٰ هے که اُس کي قوت ' خود سلطان کي قوت هے ' لهذا بے روک اور بے قید هے - وه اِس قوت کي گهمنڈ میں جمله معائب و نقائص سے آلوده هوتا هے - محکوم ' جس کا کام یه ره گیا هے که ذلت کے تاریک غار میں برابر گرتا چلا جائے - حکام ' جنهوں نے رعایا کے لبوں پر قفل چڑها دیے هیں - اگر کبهي کسي کے منه سے فریاد کي چیخ بلند هو جاتي هے تو یه حکام اُسے بغاوت قرار دے دیتے هیں - لهذا تمام رعایا ' نا اُمیدي میں پڑ گئي هے - بے حساب ظلم و جور کے نیچے دبي هے ' مگر خوف سے چپ هے - ظلم کے هاتهه اُس کا گلا دابے هوئے هیں ' اور اعلي حضرت سے مخفي نهیں که ظلم دلوں میں فساد پیدا کر دیتا اور عقلوں میں فتور ڈال دیتا هے -

ترکوں کي رگوں میں پاک اور بے میل خون موج زن هے - یقیناً هم وطن سے بے حد محبت کرتے هیں - حب الوطني ' هماري همتیں بلند کرتي هے ' بڑي سے بڑي قربانیاں بهي هم پر آسان کردیتي هے - هم بهادر سپاهي هیں ' موت سے نهیں ڈرتے - هم میں وقار هے اور همارے اسلاف سے همیں میراث میں ملا هے - همارا امتیازي وصف ' صریح اخلاص هے - یهي اخلاص همیں آماده کرتا هے که مساوات کو جمله محاسن پر ترجیح دیں - لیکن کیا یه صفات حمیده هم میں زیاده مدت تک باقي رهینگي ؟ کیا هم خیر و شر کے اِس تصادم کا همیشه یونهي مقابله کرتے رهینگے ؟

میرے آقا ! جس دن یه اخلاق هم سے رخصت هو جائینگے ' اُسي دن هماري موت بهي نازل هو جائیگي - هم کسي کو بهي اپنا حامي و مددگار نه پائینگے -

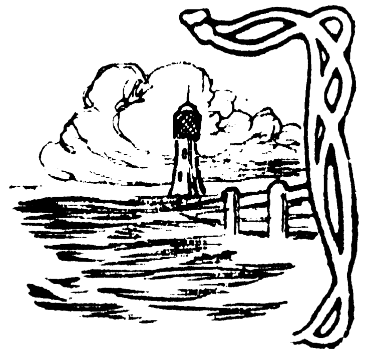
کاش هماري مصیبت ' صرف همارے معنوي انحطاط هي پر ختم هو جاتي اور اِس جهل عمیم اور فساد عظیم تک نه پهنچتي جو همارے تمام عقلي قویٰ تباه کر رها هے -

میرے آقا ! جب همارے اسلاف یورپ میں اُترے ' تو اُن کے پاس علم کي کوئي روشني بهي نه تهي - لیکن وه ذوق سلیم رکهتے تهے - یه ذوق اُن میں قوت و جرأت پیدا کرتا تها ' جیسا که تمام پاک اور بلند نفسوں کا خاصه هے - وه علم نهیں رکهتے تهے ' مگر عقل کے مالک تهے - وه عقل جو حرکت پسند کرتي ' جمود سے نفرت کرتي ' اور رذالت سے کراهت رکهتي هے - وه اُن لوگوں سے بالکل مختلف تهے جو همارے هراول دیکهتے هي بهاگ کهڑے هوئے تهے - وائے افسوس ! عقلیں ' اُس حکومت کے زیر سایه مفلوج هوجاتي هیں ' جس میں انفرادي همت کے لیے کوئي گنجائش نهیں هوتي !

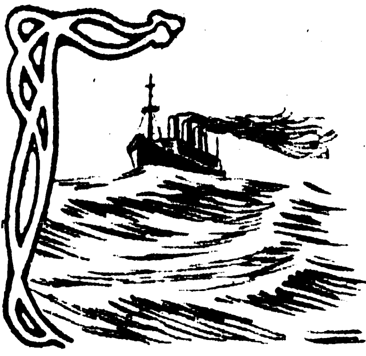
میرے آقا ! آپ کي رعایا میں ترک سب سے زیاده استبداد سے متاثر هوتے هیں - کیونکه یه استبداد اُن کي فطري استقامت نفس اور خود داري سے میل نهیں کهاتا - هم ترکوں میں وه شرمناک قابلیت ذرا بهي موجود نهیں جو بیزنطیني عیاشوں میں تهي - اُن کي حالت یه تهي که عقل و فطنت رکهتے تهے مگر نه ذلت سے گریز کرتے تهے نه مطلق العنان حکومت سے نفرت رکهتے تهے - هم بالکل ساده دل پیدا هوئے تهے - همارے خیالات کي سادگي پر دنیا کو حیرت تهي - لیکن جب همارے خیالات هم سے چهین لیے گئے تو هم مخبوط الحواس هوگئے - عقل کي نعمت سے محروم هوگئے - اگر یهي حالت جاري رهي تو ایک دن آئیگا جب هم میں حکمراني کي صلاحیت باقي نه رهے گي - کوئي ایک آدمي بهي ایسا نه ملیگا جو انتظام سنبهال سکے -

حضور والا ! هم اب ایک ایسے زمانے میں هیں جس میں عزت اُسي کو مل سکتي هے ' جس کی عقل بڑي اور علم زیاده هو - یهي باعث هے که تمام یورپ میں علم کا غلغله بلند هے اور تمام قوتیں اُس پر صرف هو رهي هیں - کوئي حکومت بهي اِس کے فکر و اهتمام سے خالي نهیں هے - سوئٹزر لینڈ میں ایک آدمي بهي اَن پڑه دکهائي نهیں دیتا - انگلستان میں (جس پر مٹهي بهر امرا حکومت کرتے تهے مگر اب اپنے امتیازات سے دست بردار هوتے جاتے هیں) ۲۵ - برس سے اشاعت تعلیم کي عظیم الشان کوششیں هو رهي هیں - مجهے یقین هے که پروشیا نے آسٹریا پر صرف اِس سبب سے فتح پائي هے که وه مغلوب سے علم میں زیاده تهي - کیا همارے لیے روا هے که اپنے عقلي انحطاط پر قانع رهیں ' حالانکه همارے گرد یورپ ' عقلي ارتقاء کے لیے اَن تهک کوششیں کر رها هے ؟

میں اِس خیال سے پناه مانگتا هوں که اعلیٰ حضرت اشاعت تعلیم کے لیے صرف مدارس کي کثرت کافي تصور فرمائیں - وه محل کس کام کے جنهیں مکین نه ملیں ؟ اُن مدارس سے کیا فائده جن میں ذلت و خواري کي اولاد تربیت پائے ؟



بريد فرنگ



آزادي ' قوموں کے لیے اولین مربي هے - آزادي هي تمام دوسرے مربیوں کو پیدا کرتي هے - کوئي مربي بهي آزادي کا قائم مقام نهیں هوسکتا - کوئي مربي بهي آزادي کا عمل انجام نهیں دے سکتا - غلام قومیں علم کي تحقیر کرتي هیں ' کیونکه علم اُنهیں کچهه بهي فائده نهیں پهنچاتا - قومیں اُسي وقت علم کي طرف راغب هوتي هیں ' جب اُنهیں اپنے حقوق کي جانب سے اطمینان هوجاتا هے - وه علم اس لیے حاصل کرتي هیں که اپنے حقوق سے فائده اُٹهائیں - اور بهتر سے بهتر اور زیاده سے زیاده فائده اُٹهائیں - هر جاهل اور غلام قوم ' بزدل هوتي هے یا خائن -

اعلی حضرت ! اِس وقت هماري مصیبت صرف یهي نهیں هے که هم معنوي کمزوري اور عقلي فساد میں مبتلا هیں - هماري مصیبت اِس سے بهي بڑي هے - هم هر جگه ایک جبار و قهار دشمن کو اپنے سامنے پاتے هیں - وه بے رحم دشمن ' همارا افلاس هے - حضور نے کتني مرتبه اپنے خزانے خالي دیکهے ؟ کتني مرتبه تنخواهیں تقسیم کرنے کے لیے روپیه موجود نه پا کر رنجیده هوئے ؟ آپ کا رحیم قلب یه سونچ کر همیشه کس قدر اداس هوتا رها هے که عمال سلطنت کي تنخواهیں بهت حقیر هیں ؟ یه اس لیے که حضور جانتے هیں ' مشرقي عهده دار جب تنخواه کافي نهیں پاتے ' تو رشوت خوار هو جاتے هیں - رعایا میں لوٹ کهسوٹ شروع کر دیتے هیں - لیکن سلطنت کے خزانے خالي هونے پر همیں اُتنا افسوس نهیں جتنا رعایا کي غربت کا افسوس هے - کیونکه سرکاري خزانه محض اِس لیے خالي رهتا هے که رعایا غریب هے - رعایا کا افلاس ' ایک عظیم ترین خطره هے -

دنیا کي حکمتوں میں صرف اعلی حضرت هي کي حکومت ایسي هے جو اِتنے قلیل خراج پر زنده هے - حضور کي سلطنت نهایت عظیم ' وسیع ' اور آباد هے - تعجب هے که رعایا اِتنا قلیل خراج بهي ادا نهیں کر سکتي ! لیکن همارا یه تعجب باقي نهیں رهتا جب هم دیکهتے هیں که خراج جمع کرنے کا طریقه ' ایک بد ترین طریقه هے - هماري قوم ' بهت هي کم کام کرتي هے - وه هر هنر سے جاهل هے - یهي وجه هے که فقر و فاقه میں مبتلا هے اور حکومت کا خراج ادا کرنے کي قدرت نهیں رکهتي - حالانکه دوسرے ملکوں کي رعایا هم سے بهت زیاده خراج بخوشي ادا کر دیتي هے -

اعلی حضرت کي سلطنت میں هر چیز کو زوال آگیا هے : زراعت ' تجارت ' صنعت ' کوئي چیز بهي تباهي سے نه بچي - هم پیدا کرنے کے طریقے بالکل بهول گئے هیں اور اپنے فقر و فاقه کے مشاهده پر قانع هیں - فقر کي هیبتناک صورت همارے سامنے هے - هم اُس کي دهشت سے همت و جرأت کا کوئي کام کر هي نهیں سکتے -

بد نصیب کروڑ پتي

(کیا دولت ' حسرت کا سبب هے ؟)

(دولت جمع کرنے کے لیے هے یا خرچ کیلیے ؟)

عام طور پر خیال کیا جاتا هے که دولت مند ' خوش نصیب هیں - اور فقر و فاقے میں مبتلا انسان بد نصیب - لیکن یه کوئي قاعدهٔ کلیه نهیں هے - کیونکه بهت سے کروڑ پتي ' انتهاء درجه بد نصیبي کي زندگي بسر کر رهے هیں - اور بهت سے نان شبینه کے محتاج هیں جنهیں مسرت و سعادت کي زندگي حاصل هے !

حال میں مسٹر چارلس ولنت نے جو ایک مشهور امریکن کروڑ پتي هیں ' اِس موضوع پر ایک مضمون شایع کیا هے - وه اِس لائق هے که مفلس اور امیر ' دونوں اسے غور سے پڑهیں -

وه لکهتے هیں :

دولت ' مسرت و سعادت کے لیے کوئي لازمي شرط نهیں هے - کیونکه مسرت ' در حقیقت خود اُس شخص پر موقوف هوتي هے جو اُس کا متمني هوتا هے - میں بهت سے کروڑ پتیوں سے واقف هوں - یه دنیا کے سب سے زیاده بد نصیب انسان هیں - لیکن بهت سے ایسے مفلس انسانوں کو بهي جانتا هوں جو نهایت پر مسرت زندگي بسر کر رهے هیں !

مجرد دولت سے اُسي شخص کو مسرت حاصل هو سکتي هے جو حد سے زیاده طماع اور صرف مال کا حریص هو - ورنه محض دولت کے جمع هوجانے سے هرگز لازم نهیں آتا که مسرت بهي جمع هو جائے -

دولت سے وهي شخص مسرت حاصل کر سکتا هے جو صرف اُس کا جمع کرنا هي نهیں جانتا ' بلکه خرچ کرنا بهي جانتا هے - میرے خیال میں وهي دولت مند ' مسرت و سعادت محسوس کرتے هیں جو اپني دولت بهتر طریقوں پر خرچ کرنا جانتے هیں -

میں بهت سے آدمیوں کو جانتا هوں جو کها کرتے هیں " اگر همیں ایک ملین ڈالر مل جائے تو هم مطمئن هو جائیں اور خوش و خرم زندگي بسر کریں " لیکن یه خیال صحیح نهیں هے - اِتني دولت جمع هوجانے کے بعد بهي وه خوشي محسوس نهیں کرینگے ' الا یه که وه یه بهي سیکهه لیں که اپني دولت کس طرح خرچ کرني چاهیے ؟

جب میں نے دولت جمع کرني شروع کي ' تو ایک لمحه کے لیے بهي مجهے یه خیال نهیں گزرا تها که میں عنقریب کروڑ پتي بن جاونگا - میرے خواب میں بهي یه بات کبهي نهیں آئي تهي که ایک

ملين ڈالر بھي جمع کر سکوں گا - اُس وقت ميرے پيش نظر صرف يہ خيال تھا کہ کسي طرح دنيا کا ايک کامياب آدمي بن جاؤں -

ميرے پيش نظر کاميابي کيا تھي ؟ اُس کا معيار کيا تھا ؟ ميں بتا نہيں سکتا - کيونکہ کوئي مفصل خيال ذهن ميں موجود نہ تھا - کاميابي کا محض ايک مبہم سا تصور تھا - ميں نے يہي تصور اپنا مطمع نظر قرار دے ليا اور کوشش شروع کردي - مجھے خود تعجب هوا کہ تھوڑي هي مدت بعد دولت اپنے آپ جمع هونے لگي تھي اور ابتک جمع هوتي چلي جاتي هے !

مجھے آج تک اپني غربت اور تنگ دستي ياد هے - ميں بہت کم عمر تھا - طرح طرح کے ولولے اور امنگيں دل کو گدگداتي تھيں ، مگر ميں اپني کوئي خواهش بھي پوري نہيں کر سکتا تھا - مجھے پيٹ بھر کر روٹي بھي نہيں ملتي تھي - ميں دربدر کام تلاش کرتا پھرتا ، اور کہيں بھي کام نہيں ملتا - سخت جد وجہد کے بعد بالاخر ايک کام ملا - ايک بحري حوض ميں نوکري مل گئي - هفتہ وار سولہ شلنگ تنخواہ مقرر هوگئي - ميں بہت خوش هوا - مگر فوراً هي ميري خوشي رنج سے بدل گئي - کيونکہ اِس کمپني کے منيجر مسٹر گوبس نے مجھے بلا کر نہايت خشکي سے کہا " يہ تنخواہ تمہيں ملے گي ، اگرچہ تم اِس کے کسي طرح بھي اهل نہيں هو ! "

ميں نے کوئي جواب نہيں ديا - ميرے دل ميں سخت غم و غصہ تھا - ميں نے عزم کرليا کہ کچھ هي هو جائے ، ميں اپني حالت ضرور درست کرکے چھوڑونگا - چنانچہ ميں نے کوشش شروع کردي ، اور چند هي سال بعد يہي مسٹر گوبس مجبور هوئے کہ مجھے اپني عظيم کمپني کا شريک بنا ليں -

مجھ سے لوگ پوچھا کرتے هيں " آدمي کروڑ پتي کيسے بن جاسکتا هے ؟ " ميرا جواب هميشہ يہ هوتا هے کہ دولت جمع کرنے کا کوئي خاص قاعدہ نہيں هے - اِس کا مدار صرف دو باتوں پر هے : ذهانت اور قسمت - اگر انسان کو اِن دونوں ميں سے کافي حصہ ملا هے ، تو بلا شبہ وہ بہت زيادہ دولت جمع کرلے سکتا هے -

بہت سے معمولي ذهانت کے لوگ هميشہ " زمانہ " کو ملامت کيا کرتے هيں کہ اُن کا ساتھ نہيں ديتا - وہ کہتے هيں " اگر هميں ايک موقعہ بھي ميسر آجائے تو هم فوراً دولتمند بن جائيں " ليکن يہ اُن کي غلطي هے - قصور زمانے کا نہيں خود اُن کا هے - اُن کي ذهانت و قابليت کا هے - اعلى ذهانت کے لوگ هاتھ پر هاتھ رکھ کر موقعہ کا انتظار نہيں کيا کرتے - وہ خود موقعہ پيدا کرتے هيں اور اُس سے فائدہ اُٹھاتے هيں -

ميں نوجوانوں کو هميشہ نصيحت کرتا رهتا هوں کہ اپني تمام قوتيں اور کوششيں ايک هي طرف متوجہ رکھيں - کيونکہ بغير اِس کے دولت حاصل نہيں هو سکتي - مختلف کام شروع کرکے کوششيں پراگندہ کر دينے سے اکثر ناکامي کي مصيبت پيش آجايا کرتي هے - هميشہ ايک مرکز بنانا چاهيے ، اور اُسي پر تمام قوتيں صرف کرديني چاهييں - بلا شبہ ميں بھي اُن لوگوں ميں هوں جو بيک وقت بہت سي تجارتيں پھيلائے هوئے هيں - ليکن يہ ميں نے اب کيا هے جبکہ ايک بڑے سرمايہ کا مالک بن چکا هوں - شروع شروع ميں نے کبھي يہ جرأت نہيں کي کہ بہت سے کام لے کر بيٹھ جاؤں -

محنت اور چستي کو بھي کاميابي ميں بہت بڑا دخل هے - شروع ميں ميرا دستور يہ تھا کہ صبح سات بجے سے اپنے کام پر پہنچ جاتا تھا اور گيارہ بجے رات سے پہلے واپس نہيں آتا تھا - ميں جانتا هوں کہ آج کل کے نوجوان اِتني محنت نہيں کرسکينگے - ليکن اگر وہ اُتني محنت بھي کريں ، جتني وہ آساني سے کرسکتے هيں ، تو کوئي وجہ نہيں کہ کامياب نہ هو جائيں -

ميرے خيال ميں منضبط محنت سے زيادہ لذيذ کوئي چيز بھي نہيں هے - ميں دنيا کے ايک بہترين جہاز کا مالک هوں - بہترين بادباني کشتي بھي ميرے پاس هے - ميں نے شکار بھي بہت کھيلا هے - عيش و آرام کے جملہ سامانوں سے بھي متمتع هوا هوں - مگر ميں سچ کہتا هوں - مجھے کسي بات ميں بھي اُتني لذت حاصل نہيں هوئي ، جتني اپني روز کي محنت ميں حاصل هوتي هے - ميں سمجھتا هوں ، ميري کاميابي کا سب سے بڑا راز ميري اِسي محنت ميں هے -

بريد شرق

مکتوب قسطنطنيہ

(الهلال کے مقالہ نگار مقيم قسطنطنيہ کے قلم سے)

غازي مصطفى کمال پاشا کا پيغام - مجلس وطني کا انتخاب - وزراء آستانہ ميں - غازي کے خلاف سازش -

(غازي مصطفى کمال کا پيغام)

مجلس وطني کے انتخاب کے سلسلہ ميں غازي مصطفى کمال پاشا نے ترکي قوم کے نام ايک پيغام شايع کيا هے - يہ تحرير خود موصوف نے اپنے قلم سے لکھي هے - اس ليے نہايت پر زور اور بليغ هے - اِس ميں اُنھوں نے جنگ آزادي کے بعد پہلي مجلس وطني اور اپني جماعت " خلق فرقہ سي " کي کارگزارياں ياد دلائي هيں اور پھر قوم سے اپني جماعت کے انتخاب کي درخواست کي هے - وہ لکھتے هيں :

" آج موقعہ هے کہ هم گزشتہ چارسال کے اندر اپنے عظيم اصلاحي و تعميري جہاد پر نظر ڈاليں اور اطمينان کے ساتھ وہ کاميابياں ديکھيں جو هم نے حاصل کي هيں - همارا ملک ايک ايسي مہيب جنگ سے جس کي نظير تاريخ ميں نہيں ملتي ، فتحمند نکلا تھا - آگے اُن مساعي و اعمال کي سخت ضرورت تھي جنسے قوميں زندہ رهتي هيں - يہ پہلا موقعہ نہ تھا کہ ترکي قوم نے فتح و نصرت ديکھي تھي - ترکي قوم کي پوري تاريخ فتوحات سے لبريز هے - ليکن چونکہ پہلے ترکي قوم ميدان جنگ سے باهر کوئي کوشش نہيں کرتي تھي ، اس ليے اپني فتح سے کوئي فائدہ بھي نہيں اٹھا سکتي تھي - بلکہ بتدريج اُسکي فتح ، شکست بن جاتي تھي - جو فتحمندي بر قرار نہيں رکھي جاتي ، اُس کے نتائج بسا اوقات ،

شکست سے بھی زیادہ بد تر ثابت ہوتے ہیں - لیکن اِس مرتبہ ہم نے اِس قدیم سنت پر عمل نہیں کیا - ہم فوراً اصلاحی اور تعمیری کوششوں میں لگ گئے - حالت امن میں ہماری مساعی ' حالت جنگ کی مساعی سے بھی کہیں زیادہ عظیم تھیں - ہم نے عزم بالجزم کر لیا تھا کہ اِس فتح مبین سے فائدہ اٹھائینگے اور اِسے ترکی قومیت کی تجدید کا سنگ بنیاد بنا دینگے - چنانچہ ہم نے ایسا ھی کیا !"

اِس کے بعد غازی نے اپنی جماعت کی کارگزاریاں بیان کی ھیں :

" جنگ آزادی سے ملک ایک عظیم اصول لے کر باہر نکلا - وہ اصول یہ تھا " سیادت بلا کسی قید و شرط کے صرف قوم ھی کی ھے " اِسی اصول کی بنا پر جمہوریت کا اعلان کیا گیا - اِسی اصول کی بنا پر منصب خلافت موقوف کیا گیا جو صدیوں سے ترکی قوم کے سر پر ناقابل برداشت بار تھا - : ہماری جمہوری جماعت کی رائے ھے کہ ہر اجنبی مداخلت سے جمہوریت کی حفاظت کرنا ترکی قومیت کے مستقبل کے لیے ناگزیر ھے - یہی سب سے بڑا وطنی فرض ھے - یہی قوم کی زندگی کی اصلی ضمانت ھے "

اِس کے بعد موصوف نے اُن حیرت انگیز ترقیوں کا ذکر کیا ھے جو اِس قلیل مدت میں اُن کی جماعت کے ہاتھوں ظاہر ہوئی ھیں - بالآخر پیغام اِس عبارت پر ختم ہوتا ھے :

" اِس زندگی میں میرا سب سے بڑا بھروسہ اور میری سب سے بڑی قوت یہ ھے کہ قوم مجھپر اعتماد کرتی ھے - یہی سبب ھے کہ میری زندگی کا سب سے بڑا مقصد بھی یہی رہا ھے کہ اِس امانت کو زیادہ سے زیادہ مقدس سمجھوں اور بہتر سے بہتر طریقہ پر ادا کرنے کی کوشش کروں - اگر تم ہمارے نامزد کردہ اشخاص کو اپنی مجلس وطنی میں بھیجوگے ' تو ہم دربارہ تمہاری خدمت کا موقعہ حاصل کرسکینگے - مجھے پورا یقین ھے کہ مستقبل میں ترکی جمہوریت اور ترکی قوم کی اور بھی زیادہ شاندار خدمتیں میں انجام دے سکتا ھوں - عنقریب ترکی کا مستقبل بہت ھی عظیم ہوگا ' کیونکہ اُس کے افراد پوری ہمت سے مستقبل کی تعمیر میں مصروف ھیں "

(مجلس وطنی کا انتخاب)

مجلس وطنی کے انتخابات ختم ہوگئے ھیں - ہر طرف سے خبریں آ رہی ھے کہ جمہوری یا کمالی جماعت کامیاب ہو رہی ھے - لیکن یہ کامیابی کوئی ایسی کامیابی نہیں ھے جسے انتخاب اور مقابلہ کی کامیابی سے تعبیر کیا جائے - کیونکہ اِس جماعت کے سوا کوئی دوسری جماعت ملک میں موجود ھی نہیں ھے - اور اگر ھے تو انتخاب میں شریک نہیں ہوئی ھے -

غازی مصطفی کمال کی جمہوری جماعت کی طرف سے ۳۱۶ - امیدوار کھڑے کیے گئے ھیں - اُن کی تفصیل حسب ذیل ھے :

۴۹ - انتظامی آدمی ھیں - ۴۶ - کاشتکار ھیں - ۴۰ فوجی افسر ھیں - ۳۴ وکالت پیشہ ھیں - ۲۵ علمی آدمی ھیں - ۲۵ تاجر ھیں - ۲۳ اخبار نویس ھیں - ۲۳ ڈاکٹر ھیں - ۲۳ ماہر اقتصادیات ھیں - ۹ سیاسی ھیں - ۷ انجینیر ھیں - ۳ محکمۂ تار اور ڈاک کے آدمی ھیں - ۳ آلات سازی کے ماہر ھیں - ایک دوا ساز ھے -

اِس مرتبہ مخالفین سے میں کسی ایک شخص کو بھی اِس جماعت نے نامزد نہیں کیا - چنانچہ علی فؤاد پاشا ' طیار پاشا ' کاظم قارا بکیر پاشا وغیرہ میں سے کوئی بھی انتخاب میں شریک نہیں ھے -

(تمام وزراء آستانہ میں)

اِس وقت تمام وزیر آستانہ ھی میں موجود ھیں - پرسوں غازی کی صدارت میں مجلس وزارت با ضابطہ منعقد ہوئی - جمہوری حکومت کی یہ پہلی مجلس سلاطین آل عثمان کے تاریخی محل ' طولمہ باغچہ میں جمع ہوئی اور مختلف مسائل پر غور کیا -

اِس واقعہ سے پھر لوگوں میں یہ افواہ پھیل رہی ھے کہ اگر پایۂ تخت انگورہ سے پوری طرح منتقل نہ ہوا ' تو بھی قسطنطنیہ گرمائی پایۂ تخت ضرور بنا دیا جائیگا -

(غازی کے خلاف سازش)

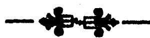
اِس ہفتہ کا اہم واقعہ غازی مصطفی کمال پاشا کے قتل کی سازش ھے - اِس سازش میں چار آدمی گرفتار ہوئے ھیں - تین ارمنی ھیں - ایک ترک بتایا جاتا ھے - سازشیوں نے پولیس سے مقابلہ بھی کیا - ایک قتل ہوگیا - تین پکڑ لیے گئے - پولیس کا بھی ایک سپاہی قتل ہوا ھے -

مجرموں نے اقرار کیا ھے کہ حکومت یونان کے اشارے سے اُنھوں نے یہ ارادہ کیا تھا - تجویز یہ تھی کہ غازی موصوف جب انگورہ واپس جانے لگیں تو راستے میں اُنکی ریل ڈائنامیٹ سے اُڑا دی جائے -

اِس خبر نے یہاں کی عام رائے میں سخت ہیجان پیدا کر دیا ھے - کیونکہ ترکی قوم ارمنیوں اور یونانیوں کی سازشوں سے بہت نقصان اُٹھاچکی ھے - سعید حلیم پاشا وزیر اعظم ' غازی انور پاشا ' جمال پاشا ' طلعت پاشا ' کاظم بک وغیرہ ' ترکی کے ایسے فرزند تھے ' جنمیں سے ہر شخص اپنی جگہ دنیا کا بڑا آدمی شمار ہوتا تھا - مگر شقی ارمنیوں نے سب کو ایک ایک کرکے دھوکے سے قتل کر ڈالا ' اور ترکی کے دل پر ایسے زخم لگائے ' جو مدتوں مندمل نہ ہونگے -

اب اِن بد بختوں کی نظر غازی مصطفی کمال پاشا پر ھے جو اِس وقت ترکی قوم کی روح رواں ھیں -

الہلال کی تصاویر



افسوس ھے کہ دسہرہ کی تعطیل کے وجہ سے (جو کلکتہ میں پوجا کی تعطیل کہی جاتی ھے) وہ تصاویر طیار نہ ہوسکیں جنھیں الہلال کے صفحات میں درج کرنا تھا - اب اس کے سوا چارہ نہیں کہ اس کی تلافی آئندہ اشاعت میں کی جائے -

جمیل (مشہور شاعر عرب)

جمیل کا عشق بُثینہ سے مشہور عام ہے۔ ابوسہل ساعدی عیادت کو گیا۔ نزع کی حالت تھی۔ جمیل نے کہا "ابوسہل! ایسے آدمی کی بابت کیا کہتے ہو جو خدا سے اس حال میں ملتا ہے کہ اُس نے کسی کا خون نہیں بہایا، شراب نہیں پی، کبھی بدکاری نہیں کی۔ کیا اس کے لئے جنت کی امید ہے؟"

ساعدی نے کہا "بخدا ہاں، مگر وہ کون ہے؟"

"مجھے اُمید ہے کہ میں ہوں" جمیل نے جواب دیا۔

ساعدی نے بُثینہ کا ذکر کیا۔

"دیکھو" جمیل نے آہ سرد بھر کر کہا "یہ دُنیا میں میرا آخری دن ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شفاعت سے محروم ہو جاؤں اگر کبھی بُثینہ کی طرف میں نے بدی سے نظر کی ہو"

جب وفات بالکل قریب پہونچی تو جمیل نے اپنے ایک دوست کو بلا کر یہ وصیت کی:

جب میں مرجاؤں، تو گھر کا تمام سامان تمہارا ہے۔ صرف کپڑوں کا ایک جوڑا اس سے الگ ہے۔ تم میری اونٹنی پر سوار ہو کر بُثینہ کے قبیلہ میں جانا اور بلند جگہ پر کھڑے ہو کر میرے کرتے کا گریبان پھاڑ ڈالنا پھر چلا کر یہ شعر پڑھ دینا:

صدع النعی وما کنی بجمیل ۔۔۔ وثوی بمصر ثواء غیر قفول

موت بے دھڑک آ پہونچی، جمیل سے کوئی رعایت نہ کی۔ وہ اب اس طرح مقیم ہو گیا کہ کبھی واپسی نہ ہوگی۔

ولقد اجر الذیل فی وادی القری ۔۔۔ نشوان بین مزارع ونخیل

میں وادی قری میں کھیتوں اور نخلستانوں میں خوشی خوشی پھرا کرتا تھا۔

قومی بثینۃ فاندبی بعویل ۔۔۔ وابکی خلیلک دون کل خلیل

بُثینہ! اُٹھ اور نوحہ کر۔ اپنے سب سے بڑے دوست کے لئے!

دوست نے وصیت پوری کر دی۔ جمیل نے ٨٢ھ (٧٠١ء) میں انتقال کیا۔

مہلب بن ابی صفرہ

وفات کے وقت اپنے تمام لڑکوں کو جمع کیا۔ پھر ترکش منگایا اور کہا "کیا تم یہ تمام ایک ساتھ بندھے ہوئے تیر توڑ سکتے ہو؟" انھوں نے کہا "نہیں" مہلب نے کہا "اگر الگ الگ ہوں؟" انھوں نے جواب دیا "ایک ایک تیر کا توڑنا بالکل آسان ہے" مہلب نے کہا "یہی مثال اتفاق و اتحاد اور جماعت کی ہے ملے رہوگے تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا! الگ الگ ہو جاؤ گے تو بہ آسانی ہلاک کر دیئے جاؤ گے"

٨٣ھ (٧٠٢ء) میں فوت ہوئے

عبدالملک بن مروان

موت کے وقت اپنے بیٹے ولید سے کہا:

"دیکھ میری موت پر بیوقوف عورتوں کی طرح بیٹھ کر آنسوے نہ بہانا۔ بلکہ کمر باندھنا، آستین چڑھانا، چیتے کی کھال پہن لینا۔ مجھے میرے گڑھے میں ڈال کر چھوڑ دینا۔ میں اپنا معاملہ خود چکا لوں گا۔ لیکن تم اپنے معاملہ کی فکر کرنا۔ لوگوں کو بیعت کے لئے بلانا۔ جو اپنے سر سے یوں کرے (یعنی انکار کرے) تو تم بھی اپنی تلوار سے یوں کرنا" (یعنی اُس کی گردن اُڑا دینا)

پھر یزید بن معاویہ کے دونوں لڑکوں: محمد اور خالد کو طلب کیا۔ اُن سے پوچھا "کیا ولید کی بیعت پر نادم ہو؟" اُنھوں نے جواب دیا "ہم ولید سے زیادہ کسی کو بھی خلافت کا حقدار نہیں سمجھتے" عبدالملک نے کہا "واللہ اگر تم کچھ اور جواب دیتے تو فوراً تمہارا سر اُڑا دیتا!" پھر اپنے بچھونے کا کنارا اُٹھا کر دکھایا۔ نیچے شمشیر برہنہ رکھی تھی!

جاں کنی کے وقت کی گفتگو ہے جب سکرات موت طاری تھی۔ عبدالملک نے کہنا شروع کیا "وہ خدا کتنا بڑا ہے جو چھوٹے بڑے، سب کو بے پروائی سے موت دیتا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ"

اس لفظ پر روح پرواز کر گئی۔

اصمعی کہا کرتا تھا "میں عبدالملک پر حسد کرتا ہوں۔ کیونکہ اس نے مرتے وقت کہا تھا "خدایا! میرے گناہ اگرچہ بے شمار ہیں اور بے حد بڑے ہیں، لیکن تیرے عفو کے سامنے بہت کم اور بہت چھوٹے ہیں لہٰذا مجھے معاف کر دے!"

کہتے ہیں، عبدالملک نے وفات کے وقت اپنے محل کی کھڑکی سے ایک دھوبی کو کپڑے دھوتے دیکھا تھا۔ اُس نے ٹھنڈی سانس لی، اور کہنے لگا "کاش میں اس دھوبی کی طرح ہوتا کہ اپنی روز کی کمائی سے پیٹ پالتا! کاش میں خلیفہ نہ بنا ہوتا!" پھر یہ شعر پڑھا:

لیتنی کنت قبل ما قد بدالی ۔۔۔ فی رؤوس الجبال ارعی الوعولا

ابوحازم نے یہ قول سُنا تو کہنے لگے "الحمد للہ۔ یہ لوگ موت کے وقت اُس بات کی تمنا کرتے ہیں جو ہمیں حاصل ہے۔ لیکن ہم موت کے وقت اُن کی حالت کی آرزو نہیں کرتے!"

٨٦ھ (٧٠٥ء) میں وفات پائی۔

ابن القریہ

مشہور عرب خطیب ابن القریہ کو قتل کرنے کا حجاج بن یوسف نے حکم دیا۔ جلاد تلوار لے کر آیا۔ ابن القریہ نے کہا "خدا حاکم کی درستگی کرے! میں مرنے سے پہلے تین لفظ کہنے کی اجازت چاہتا ہوں جو میرے بعد ضرب المثل ہو کر ہمیشہ زندہ رہیں گی"

حجاج نے کہا "کہہ، کیا کہتا ہے؟"

ابن القریہ نے کہا "ہر اصیل گھوڑا ٹھوکر کھاتا ہے۔ ہر تلوار کند ہو جاتی ہے۔ ہر دانا سے غلطی ہوتی ہے"

حجاج نے کہا "یہ وقت، مذاح کا نہیں ہے۔ جلاد! اپنا کام کر!"

جلاد کا ہاتھ چلا اور ابن القریہ کا سر، زمین پر تھا۔

٨٤ھ (٧٠٣ء) کا یہ واقعہ ہے۔

اخطل

مشہور شاعر اخطل سے موت کے وقت پوچھا گیا "کوئی وصیت؟" کہا "ہاں" پھر اپنے دوست فرزدق کو یہ وصیت کی:

اوصی الفرزدق عند الممات ۔۔۔ بام جریر واعیارہا

(میں موت کے وقت فرزدق کو وصیت کرتا ہوں کہ جریر کی ماں اور اُس کی سوکنوں کا خیال رکھے)

٩٠ھ (٧٠٨ء) میں فوت ہوا

امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ امام کوفہ

موت کے وقت سخت خوفزدہ ہوئے۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہنے لگے "اس حالت سے زیادہ خطرناک حالت اور کیا ہو سکتی ہے؟ ہر لمحہ دھڑکا لگا ہے کہ پروردگار کا قاصد پہونچے اور جنت یا دوزخ کی خبر دے۔ قسم خدا کی، میری تمنا ہے کہ قیامت تک میری روح یوں ہی حلق میں پھنسی رہے!"

٩٦ھ (٧١٤ء) میں انتقال کیا

مروان بن محمد

بنی اُمیہ کا آخری خلیفہ مروان بن محمد جب عباسیوں کے ہاتھ قتل ہونے لگا تو یہ شعر کہے:

الدہر یومان: ذا امن وذا حذر ۔۔۔ والعیش شطران: ذا صفو وذا کدر

زمانہ، دو ہی دن ہیں: امن کا دن اور اندیشہ کا دن۔ زندگی کیا ہے؟ آدھی میں خوشی، آدھی میں رنج۔

وکم علی الارض من خضر ویابسۃ ۔۔۔ ولیس یرجم الا ما لہ ثمر

زمین پر بے شمار خشک و تر چیزیں ہیں، مگر پتھر اُسی درخت پر مارے جاتے ہیں جس میں پھل ہیں۔

قل للذی بصرف الدہر عیرنا ۔۔۔ ہل عیر الدہر الا من لہ قدر

زمانے کے انقلاب پر طعنہ دینے والوں سے کہہ دو کہ زمانہ اُسی کے خلاف ہوتا ہے جو کوئی درجہ رکھتا ہے۔

اما تری البحر تعلو فوقہ جیف ۔۔۔ وتستقر باقصی قعرہ الدرر

تم دیکھتے نہیں دریا ہی کی سطح پر مُردے تیرتے ہیں لیکن موتی اُس کی تہ میں بیٹھے رہتے ہیں۔

وان تکن عبثت ایدی الزمان بنا ۔۔۔ ونالنا من تجنی بؤسہ ضرر

اگر زمانے کے ہاتھوں نے ہمیں ستایا اور اُس کی سختیاں ہم پر پڑی ہیں

ففی السماء نجوم لا عداد لہا ۔۔۔ ولیس یکسف الا الشمس والقمر

تو کوئی تعجب نہیں۔ آسمان میں بے شمار ستارے موجود ہیں مگر گہن صرف چاند اور سورج ہی کو لگتا ہے۔

١٣٢ھ (٧٥٠ء) میں قتل ہوا

ابوجعفر منصور

عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور نے سفر حج میں مقام "بئر میمون" پر پہونچ کر جب اپنی وفات قریب دیکھی، تو اپنے ولی عہد، مہدی کو طلب کیا اُس وقت ابوجعفر کے سامنے ایک بڑا تھیلا رکھا تھا۔ اسمیں کتابیں اور حساب کے کاغذات رہتے تھے۔ کبھی کسی شخص کو اُسے ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔

ولی عہد کو دیکھ کر خلیفہ نے کہا:

"فرزند! یہ تھیلا دیکھ۔ اس کی حفاظت کرنا، کیونکہ اس میں تیرے بزرگوں کا علم محفوظ ہے۔ اس شہر (بغداد) کا خیال رکھنا۔ کسی اور شہر کو اپنا پایہ تخت نہ بنانا۔ کیونکہ یہ شہر تیرا اپنا ہے اور اس میں تیری عزت ہے۔ میں نے اس میں تیرے لئے اتنے خزانے جمع کر دیئے ہیں جتنے کبھی کسی خلیفہ نے جمع نہیں کئے تھے۔ حتیٰ کہ اگر دس برس بھی تجھے سلطنت کا خراج نہ ملے تو بھی یہ خزانے جملہ مصارف کے لئے کافی سے زیادہ ہونگے۔ اِن کی حفاظت کرنا، کیونکہ اُن کی موجودگی میں تجھے ہمیشہ قوت حاصل رہے گی۔ تیرا گھر آباد رہے گا۔ لیکن میں جانتا ہوں تو اُن کی حفاظت نہیں کرے گا۔

"اپنے خاندان سے نیک سلوک کرنا۔ اُنھیں عزت بخشنا۔ اُن پر احسان کرنا۔ ان کے لئے منبر نصب کرنا۔ اُن کی چوکھٹوں پر لوگوں کو جھکانا۔ کیونکہ اُن کی عزت، تیری عزت ہے۔

"اپنے غلاموں سے نیکی کرنا۔ اپنے قریب رکھنا۔ اُن کی تعداد میں اضافہ کرنا۔ کیونکہ مصیبت کے وقت وہ تیری سپر ہونگے۔

"خراسانیوں کے بارے میں میری نیک وصیت یاد رہے۔ وہ تیرے حامی و مددگار ہیں۔ اُنھوں نے اپنی جان و مال سے تیری مدد کی ہے اُن سے اچھا برتاؤ کرنا۔ اُن کی خطائیں معاف کرنا۔ اُن کے یتیموں اور بیواؤں کی خبر لینا۔

"خبردار! کوئی نیا شہر آباد نہ کرنا۔ کیونکہ تو اُسے پورا نہ کر سکے گا۔ خبردار! عورتوں کو اپنے مشورے میں داخل نہ کرنا۔ یہ میری آخری وصیت ہے"

جب دَم لبوں پر آیا تو کہا "بادشاہ وہ ہے جو نہ مرے!"

١٥٩ھ (٧٧٦ء) میں انتقال کیا

امام سفیان ثوری رح

موت کے وقت نہایت مضطرب تھے۔ کہا گیا "ابوعبداللہ! یہ اضطراب کیوں؟ کیا آپ اُس ذات کے پاس نہیں جا رہے ہیں، جس کی آپنے ہمیشہ عبادت کی اور ہمیشہ اُسی کی طرف بھاگتے رہے؟"

کہنے لگے "تمہارا بھلا ہو! میں ایک ایسے راستہ میں سفر شروع کرنے والا ہوں، جسے میں نہیں جانتا اور اُس پروردگار کے روبرو پہنچنے والا ہوں، جسے میں نے دیکھا نہیں ہے!"

١٦١ھ (٧٧٨ء) میں وفات پائی۔

عبداللہ بن عبدالعزیز

موت کے وقت کہنے لگے "خدا کی نعمت کا ذکر کرتا ہوں۔ اگر میری

سیر فی الارض

اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلہم (۳۰: ۸)

سیاحانِ عالم کے مشاہدات و تاثرات

قدیم قسطنطنیہ پر ایک جدید نظر!

(مصری اہل قلم استاذ مرسی محمود کے قلم سے)

مسجد ایا صوفیہ

سیاحان عالم نے ہمیشہ اعتراف کیا ہے کہ ایا صوفیہ کے مشاہدے سے تعمیری و معنوی جلال و جمال کی جو عظمت انسان کے دل و دماغ کو مسخر کر لیتی ہے، وہ دنیا کی کسی موجودہ عمارت میں نہیں پائی جاتی۔ لندن کے ویسٹ منسٹر، پیرس کے پانتھیوں، رومس کے کنیسے، ایتھنز کے کرپول، اقصر کے معبد کرنک، انگلستان کے محل، کوئی بھی اُس نوعیت کی تاثیر نہیں رکھتا، جو ایا صوفیہ کے لئے مخصوص ہے۔ میں نے جلیل القدر توتا خن آمن کی لاش اُس کے پُرشوکت مقبرے میں دیکھی ہے، وہ مقبرہ جس کے انکشاف نے دنیا بھر کے اعصاب ہلا دیئے ہیں۔ لیکن میرے دل پر وہ اثر نہیں پڑا جو کل ایا صوفیہ کے مشاہدے سے محسوس ہوا تھا اور جو شاید زندگی بھر محسوس ہوتا رہے گا!

کنیسۂ ایا صوفیہ، اب مسجد ایا صوفیہ بن گیا ہے۔ یہی بہتر اور مناسب بھی تھا۔ کیونکہ قدیسۂ صوفیہ، جس کے نام پر یہ عمارت بنائی گئی ہے، عرف و عادت کے اعتبار سے، ایک مستقل معبد بننے کی مستحق نہیں ہے۔

یہ عظیم کنیسا، جسے کوسٹنیان نے شہیدۂ قدیسہ صوفیہ کی یادگار بنانے کے لئے تعمیر کیا تھا، اور جسے عظیم اسلامی بادشاہ محمد ثانی نے مسجد بنا دیا، صدیوں پر صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اپنے مسیحی مظاہر و خصوصیات برقرار رکھے ہوئے ہے۔ ابتک یہ پورا کنیسا ہے۔ اُس کی صلیبی شکل بدستور قائم ہے۔ اُس کے مختلف حصے، جن کی ترتیب و تنسیق میں صلیبی شکل مدنظر رکھی گئی ہے، ابتک اپنی صلیبیت ہی پر باقی ہیں۔ اُس کے ستون ابتک کوسٹنیان اور اُس کی ملکہ کے نشان وفاداری کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ اُس کے اندر دونوں پہلوؤں میں بپتسما دینے کے حوض ابتک موجود ہیں۔ یہ سنگ مرمر کے ہیں۔ اُن کی شکل مرتبانی ہے۔ اِن میں اب نمازی عورتیں وضو کرتی ہیں۔ اُس کی دیواروں پر مقدس نقوش بھی ابتک نظر آتے ہیں، اگرچہ ترکوں نے اُنھیں محو کرنے کی کوشش کی تھی۔ حضرت مریم (علیہا السلام) کی تصویر آج بھی اپنی موثر آنکھوں سے نمازیوں کی صفیں دیکھنے کے لئے موجود ہے۔ ترکوں نے اُس کا مصورانہ نقشہ مٹانے کی کوشش کی کیونکہ اسلام کی عبادت گاہ اس نشانِ شرک کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی، مگر پوری طرح نہ مٹ سکا شاید یہ اُس کا "معجزہ" ہے کہ وہ ایک ایسے تاریک حصے میں ہے جہاں سے وہ سب کو دیکھتی ہے، مگر اُسے سب دیکھ نہیں سکتے!

یہ عجیب اتفاق ہے کہ اُس کی محراب — حالانکہ وہ کنیسا تھی — بغیر کسی ترمیم کے مسجد کی محراب بن گئی۔ کیونکہ ٹھیک قبلہ کی سمت میں واقع تھی۔ یہی سبب ہے کہ نماز میں تم اپنے آپ کو ایسے رنگین شیشوں کے سامنے پاؤ گے جو صرف کنیسوں ہی میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ تمھاری نگاہ جدھر اُٹھے گی، آیات قرآنی اور عربی عبارتیں نظر آئیں گی، مگر تم یہی محسوس کرو گے کہ مسجد میں نہیں، مسیحی کنیسے میں ہو۔ کیونکہ ایا صوفیہ کی مجموعی ہیئت اب تک بالکل کنیسے ہی کی ہے۔

اس محراب کے قریب، جو صلیب کا سر پیش کرتی ہے، سنگ مرمر کا وہ منبر ابتک قائم ہے جس پر مسیحی خطیب کھڑا ہوتا تھا۔ اسی کے بالمقابل ایک اور منبر بنایا گیا ہے۔ اُس پر اسلامی خطیب کھڑا ہوتا ہے۔ یہ دونوں منبر گویا تاریخ کے دو اہم صفحے ہیں اور کبھی محو ہونے والے نہیں!

مسجد کے ساتوں فولادی پھاٹک اتنے عظیم الشان ہیں کہ مستحکم قلعوں کے پھاٹک معلوم ہوتے ہیں۔ ہر پھاٹک کی فولادی چادر پر صلیب بنی ہے۔ ترک فاتحوں نے اُس کا اُفقی خط مٹا دیا ہے۔ لیکن طولی خط آجتک ویسا ہی موجود ہے جیسا قدیم عہد میں تھا۔

میں زیادہ تفصیل کرنی نہیں چاہتا۔ کیونکہ بے فائدہ ہے۔ کتنی ہی کوشش کروں، قارئین، اصلیت کا عشر عشیر بھی تصور نہ کر سکیں گے۔ مختصر یہ ہے کہ سابق کا یہ کنیسا اور حال کی مسجد، ایک ایسی عمارت ہے جس سے زیادہ خوبصورت اور شاندار عمارت، انسانی آنکھ اس وقت صفحۂ زمین پر کہیں نہیں دیکھ سکتی!

بازلیک

ایا صوفیہ میں نماز جمعہ ادا کرنے کا ہم نے ارادہ کیا۔ لیکن مسجد میں جانے سے پہلے بازلیک میں داخل ہوئے۔ بازلیک، ایا صوفیہ کے قریب واقع ہے۔ یہ دراصل زمین کے نیچے ایک بہت بڑا حوض یا رومانی وضع کا تالاب ہے۔ تقریباً ۳۳۶ ستونوں پر قائم ہے۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ دشمن کے محاصرے کے وقت اس میں پانی محفوظ رکھا جائے، تاکہ شہر پیاس سے ہلاک نہ ہو جائے۔ یہ تالاب، ایک سرنگ کے ذریعہ ایا صوفیہ سے ملا دیا گیا ہے اور آسانی سے آمد و رفت ممکن ہے۔

ایا صوفیہ میں نماز جمعہ

بازلیک کی سیر سے فارغ ہو کر ہم نماز جمعہ کے لئے روانہ ہوئے۔ ہمیں یہ دیکھنے کا از حد شوق تھا کہ ترکی کے موجودہ اجتماعی انقلاب کے بعد ہیٹ پوش ترک نماز پڑھتے ہیں یا نہیں؟ اگر پڑھتے ہیں تو ہیٹ کے ساتھ کیونکر پڑھتے ہیں؟

لیکن مسجد میں داخل ہوتے ہی ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی ہم نے دیکھا، مسجد نمازیوں سے لبریز ہے۔ جب کبھی ایا صوفیہ کی بابت کہا جائے کہ لبریز ہے، تو سمجھ لینا چاہیے کہ ہزارہا آدمی اُس میں موجود ہیں۔ ممکن ہے ۱۰ ہزار ہوں۔ ممکن ہے بیس ہزار ہوں۔ ممکن ہے ۵۰ ہزار ہوں۔ تعداد کا صحیح اندازہ کون کر سکتا ہے؟

یہ دیکھ کر ہمیں اور بھی تعجب ہوا کہ سب ہیٹ پہنے ہیں۔ اُسوقت ہمیں معلوم ہوا کہ ترکوں نے جو ہیٹ پہنی ہے، وہ یورپین ہیٹ نہیں ہے۔ ترکوں نے اُسے بھی ایا صوفیہ کی طرح مسلمان کر لیا ہے۔ یہ ہیٹ، مسجد میں بھی اُنکے سروں پر موجود تھی۔ اور اللہ کی عبادت سے روک نہیں سکتی تھی!

ابھی ہماری حیرت بدستور باقی تھی۔ ہم سوچتے تھے، اس ہیٹ کے ساتھ لوگ نماز کیسے پڑھیں گے؟ لیکن ہم نے دیکھا، جو آدمی نماز کے لئے اُٹھتا ہے، ہیٹ اپنے سامنے رکھ لیتا ہے اور جیب سے معمولی کپڑے کی ٹوپی نکال کر پہن لیتا ہے۔ بہت سے ایسے بھی تھے جن کے پاس خاص ٹوپیاں نہ تھیں۔ وہ رومال سر پر باندھ لیتے تھے۔ خود ہم نے بھی اسی طرح نماز پڑھی۔ بعض ایسے بھی تھے جو نرم ہیٹ پہنے تھے۔ انھوں نے نماز کے وقت اپنی ٹوپیاں گھما دیں۔ بلند کنارا پیچھے کر دیا اور لپٹ کنارا سامنے، تاکہ رب العالمین کے حضور اپنا ماتھا زمین پر رکھ سکیں!

ترک قاری

ہم اسلامی اور مسیحی دونوں منبروں کے مابین بیٹھے۔ ہم سے کچھ فاصلہ پر سنگ مرمر کے ۶ بلند پایوں پر ایک وسیع بیٹھک تھی۔ اُس پر چار ترک قاری بیٹھے خوش الحانی سے قرآن پڑھ رہے تھے۔ ہر قاری ایک ایک گوشہ میں تھا۔ چھوٹی چھوٹی سورتیں تلاوت کرتے تھے۔ ترتیب یہ تھی کہ پہلے ایک قاری پڑھتا۔ پھر اُسی کا اعادہ باری باری باقی تینوں قاری کرتے تھے۔ آخر میں سب ملکر کہتے: "سبحان اللہ، الحمد للہ، ولا الہ الا اللہ، واللہ اکبر"

میں نے اپنے عرب رفقاء کا امتحان لینا چاہا۔ اُن سے پوچھا یہ لوگ کون سورتیں پڑھ رہے ہیں؟ مگر وہ جواب نہ دے سکے۔ لیکن ہمیں بالآخر معلوم ہو گیا کہ وہ سورۂ الم نشرح اور اُس کے بعد کی سورتیں پڑھ رہے تھے۔ آخر میں اُنھوں نے سورۂ فاتحہ تلاوت کی۔ پھر سورۂ بقرہ،

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۷)

دُنیا میرے قدموں کے نیچے آجائے تو بھی میں اُسے لینے والا نہیں کیونکہ میں ہمیشہ اسی دن سے ڈرتا رہا ہوں جو آج درپیش ہے"

۳۰۸ھ (۹۲۰ء) میں انتقال کیا

سیبویہ امام نحو

مشہور نحوی سیبویہ نے وفات کے وقت یہ شعر پڑھا:

یؤمل دنیا لتبقی لہ ۔۔۔ فمات المؤمل قبل الامل

آرزو کرنے والے نے آرزو کی کہ دنیا ہمیشہ باقی رہے۔ لیکن آرزو سے پہلے ہی آرزو کرنے والا مر گیا۔

یہ کہہ کر بیہوش ہو گئے۔ سر بھائی کے زانو پر تھا وہ رونے لگے۔ انھوں نے آنکھ کھول دی۔ اُن کے آنسو دیکھ کر کہا:

وکنا جمیعاً فرق الدہر بیننا ۔۔۔ الی الامد الاقصی فمن یأمن الدہرا

ہم سب ساتھ تھے، زمانے نے ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا۔ پس زمانے پر کون بھروسہ کر سکتا ہے؟

۱۸۰ھ (۷۹۶ء) میں وفات پائی۔

مغلوبین تک پڑھی۔

قرأت ختم ہونے پر اُن میں سے ایک نے اور بھی زیادہ خوش الحانی مگر عجمیت کے ساتھ ایک دعا مانگی۔ اسمیں سلطان محمد فاتح کا ذکر تھا جو اس مسجد کا گویا بانی ہی۔ نیز ایک اور سلطان کا بھی نام لیا مگر ہم سمجھ نہ سکے۔

ترک خطیب

اب خطیب منبر پر کھڑا ہوا۔ خطبہ دیا۔ یہ خطبہ عربی زبان میں تھا۔ مگر اس کا لہجہ ہم عربوں کے لئے ناقابل فہم تھا۔ ہم خطبہ کا صرف پہلا جملہ سمجھ سکے جو یہ تھا۔ "الحمد للہ، الحمد للہ، الحمد للہ الذی انعم علی المومنین بختم القرآن"

خطیب نے خطبہ کے آخر میں "جیوش المسلمین وعساکر الموحدین" کے لئے دعا کی اور ترکی جمہوریت کے بقا و دوام کی التجا پر خطبہ ختم کیا۔

ترک نمازی

ترک نمازیوں کے آداب دیکھ کر میں بہت متأثر ہوا۔ نہایت ہی عقیدت و احترام کے ساتھ صفوں میں بیٹھے تھے۔ از حد خشوع و خضوع، اُن پر طاری تھا، حالانکہ وہ خطبہ و تلاوت میں سے ایک لفظ بھی نہیں سمجھتے تھے۔ مجھے اعتراف کرنا پڑا کہ یہ بہادر قوم، اپنے ایمان میں نہایت راسخ ہی۔ لباس اور وضع قطع میں کتنی ہی تبدیلی ہو جائے، مگر اُس کے ایمان میں کوئی تزلزل نہیں ہو سکتا۔ درحقیقت یہ قوم، تمام مسلمانوں کے لئے قابل فخر ہی۔

نمازی عورتیں

مسجد کے آخری حصہ میں عورتوں کے لئے ایک جگہ خاص کر دی گئی ہی یہ جگہ بھی بھری ہوئی تھی۔ ظاہر ہی کہ بوڑھی عورتیں ہی نماز کی طرف زیادہ راغب ہوتی ہیں۔ چنانچہ ان میں اکثر عورتیں بوڑھی تھیں۔ شاید قدیسہ صوفیہ ایسی ہی نمازی عورتیں اپنے معبد میں دیکھنا پسند کرتی ہی! —

مسجد میں عربی تحریریں

اوپر کہہ چکا ہوں کہ مسیحی نقوش کی جگہ جا بجا قرآنی آیتیں اور عربی عبارتیں لکھ دی گئی ہیں۔ چنانچہ درمیانی قبہ کے مرکز کے گرد یہ آیت خط ثلث میں کندہ ہی۔ "اللہ نور السموات والارض، مثل نورہ کمشکاۃ فیہا مصباح، المصباح فی زجاجۃ، الزجاجۃ کانہا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونیۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ"

محراب میں یہ آیت لکھی ہی "فاسجدوا اللہ واعبدوا"

دیواروں پر جا بجا "اللہ، محمد، ابوبکر، عمر، عثمان، علی، حسن، حسین (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے اسمار گرامی درج ہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی تختیاں آویزاں ہیں، اور اُن میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور بہت سی عربی نصیحتیں لکھی ہیں۔

یہ تمام کتبے، فن خطاطی کے اعلیٰ ترین نمونے ہیں۔ شاید ہی کہیں اُن کی نظیر مل سکے۔

ایک عجیب وصف

ایا صوفیہ کی عمارت میں یہ عجیب ہندسی وصف موجود ہی کہ اُس میں آواز کتنی ہی آہستہ بلند ہو، اُس کی بازگشت خوب بلند اور بالکل صاف ہوتی ہی۔ چنانچہ امام کے پورے خطبے کی بازگشت در و دیوار سے صاف سُنائی دیتی تھی۔ یہ وصف ہم نے کسی دوسری عمارت میں نہیں دیکھا۔

ایا صوفیہ کو کنیسہ بنانے کی برطانی کوشش

ایا صوفیہ کو دوبارہ کنیسا بنا دینے کی کوشش لیبب مدت سے کی گئی ہی مگر سب سے زیادہ خطرناک اور آخری کوشش اُس وقت کی گئی تھی، جب جنگ عمومی کے بعد اتحادیوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ مسجد کے بالکل قریب اب تک دو چوبی فوجی بارکیں موجود ہیں۔ خالی اور اجاڑ پڑی ہیں وضع سے برطانی فوجوں کی معلوم ہوتی ہیں۔ انھیں دیکھ کر مجھے تعجب

ہوا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ مکان اس غرض سے بنائے گئے تھے کہ ان میں انگریز سپاہی رہیں گے، تاکہ مسجد میں نمازیوں کو داخل ہونے سے باز رکھیں۔ اُس وقت اتحادیوں نے یہ مجنونانہ فیصلہ کر لیا تھا اور امروز فردا میں اُس کا اعلان کرنا چاہتے تھے۔ مگر بر وقت ترکوں کو خبر لگ گئی۔ اُن کے کئی ہزار آدمی مسجد میں جمع ہو گئے اور طے کر لیا کہ موت سے پہلے ایا صوفیہ کو گرجا بننے نہیں دیں گے۔ اُنکے ارادے کی خبر ہوا کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی اور عام شورش کا سامان ہونے لگا۔

اتحادی ڈر گئے اور اپنا فیصلہ کسی دوسرے مناسب وقت کے لئے ملتوی کر دیا۔ اُنھیں یقین تھا، سال دو سال بعد پوری طرح قابو حاصل کر کے یہ کارروائی کر سکیں گے۔ مگر مشیئت الٰہی اس کے خلاف تھی۔ اتحادیوں کو نامراد قسطنطنیہ خالی کر دینا پڑا۔ ایا صوفیہ آج تک مسجد ہی ہی اور انشاء اللہ مسجد ہی رہے گی۔

دلآزار مذہبی تحریریں اور مسلمانوں کا پچھلا مظاہرہ

اسلام اور سزائے قتل

ایک خط کے جواب میں

الہلال نمبر ۱۲ میں۔ ایک عزیز طالب حق کی جو مراسلت درج کی گئی تھی، افسوس ہی کہ پے در پے سفر اور علالت طبع کی وجہ سے اُس کی طرف متوجہ ہونے کی مہلت نہیں ملی۔ اب اس کے لئے وقت نکال سکا ہوں۔

مذہب اور پیروان مذہب

میرا خطاب عزیز موصوف سے ہی۔

افسوس ہی، اس خط میں آپنے اپنے جو تأثرات ظاہر کئے ہیں، وہ اُسی اصولی غلطی کا نتیجہ ہیں جس سے پرہیز کرنے کا آپنے ارادہ کیا تھا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ جب آپ پہلے پہل مجھ سے ملے، اور اپنے دل کے شکوک و اضطراب مجھ پر ظاہر کئے، تو میں نے بعض مقدمات آپکے ذہن نشین کرنے چاہے تھے۔ میں نے کہا تھا کہ یہ وہ بنیادی مقدمات ہیں جن کے بغیر آج طلب حقیقت کی راہ میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھایا جا سکتا۔ من جملہ اُن مقدمات کے ایک مقدمہ یہ تھا کہ مذہب اور پیروان مذہب کا امتیاز ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے۔ یہ دو مختلف چیزیں ہیں۔ ایک چیز نہیں ہی۔ مذہب کے بارے میں ہماری دو تہائی مایوسیاں صرف اسی غلطی کا نتیجہ ہوتی ہیں کہ ہم بسا اوقات ان دونوں کا عددی اختلاف بھول جاتے ہیں۔ میں سب سے پہلی بات جو آپکے علم میں لانی چاہتا ہوں یہ ہی کہ آپنے جستجوئے حقیقت میں ایک بنیادی صداقت معلوم کی تھی اور اب اُس کا سررشتہ آپکے ہاتھ سے چھوٹتا جا رہا ہی اور افسوس ہی کہ آپ متنبہ نہیں ہیں۔

آپ لکھتے ہیں "ایک بڑی مشکل ہم لوگوں کی راہ میں یہ ہی کہ آپ جیسے بزرگ اسلام کی تعلیم اور اسپرٹ جو کچھ ظاہر کرتے ہیں، وہ جب مسلمانوں کی تعلیم میں ڈھونڈی جاتی ہی تو نہ صرف یہ کہ نہیں ملتی بلکہ ایسی باتیں سامنے آتی ہیں کہ کوئی انصاف پسند دماغ شک و شبہ کے طوفان سے محفوظ نہیں رہ سکتا" سوال یہ ہی کہ اسلام کی جو تعلیم آپکے علم میں آئی ہی، اگر فی الحقیقت آپ مطمئن ہو گئے ہیں کہ وہ اسلام کی تعلیم ہی، تو پھر آپ "دوسرے مسلمانوں" کی تعلیم میں اُسے ڈھونڈھنا کیوں چاہتے ہیں؟ آپ کو "اسلام" کی تعلیم کی تلاش ہی، یا "مسلمانوں" کی تعلیم کی؟ یقیناً یہ دونوں چیزیں ایک نہیں ہو سکتیں۔ ایک چیز تعلیم بہ حیثیت تعلیم کے ہی اور ایک چیز اُسکے پیروں کا فہم و عمل ہی۔

اگر آپ کو اسلام کی تعلیم کی جستجو ہی، تو وہ دنیا کی ہر تعلیمی حقیقت کی طرح صرف اپنے حقیقی سرچشمہ ہی میں ڈھونڈی جا سکتی ہی، نہ کہ انسانوں کی تعلیم میں اگرچہ وہ انسان اپنے اعتقاد میں مسلمان ہی کیوں نہ ہوں۔ اگر آپکی اُس سرچشمہ تک رسائی ہو گئی ہی (اور کم از کم میرا تأثر آپکی نسبت یہ تھا کہ آپ کو اس کا اعتراف ہی) تو اسکے یہ معنی ہیں کہ آپ اسلام کی تعلیم معلوم کرنے کے لئے خود اسلام تک پہنچ گئے ہیں، اور اس معاملہ میں آپکے لئے صرف یہی رہ جاتا ہی کہ خود اسلام سے اسلام معلوم کریں، اور جب معلوم ہو جائے تو جہاں تک اسلامی تعلیم کا تعلق ہی، آپکی جستجو ختم ہو جائے۔ بلا شبہ آپ کے لئے یہ بات باقی رہ جاتی ہی کہ مسلمانوں کی موجودہ زندگی میں اُس کا عمل تلاش کریں۔ لیکن "عمل" تلاش کریں۔ یہ نہیں کہ مسلمانوں کے "عمل" کو "اسلام" کی تعلیم قرار دے دیں۔ اگر مسلمانوں کی زندگی میں آپ کو اُس کا عمل نظر آئے، تو آپکو یہ رائے قائم کرنی چاہئے کہ اسلام کی تعلیم پر دنیا کی مسلمان نامی جماعت عمل کر رہی ہی۔ نہ نظر آئے تو افسوس کرنا چاہئے، اور سمجھ لینا چاہئے کہ دنیا کی عالمگیر گمراہیوں میں سے ایک حقیقت یہ بھی ہی کہ مسلمان نامی جماعت بھی اسلام کی تعلیمات پر عامل نہیں۔ میں نہیں سمجھتا یہ قدرتی اور سچا طریقہ چھوڑ کر آپنے غلط روی اور کج اندیشی کی راہ کیوں اختیار کی؟ جہاں آپکو "عمل" دیکھنا چاہئے، وہاں آپ "تعلیم" ڈھونڈھتے ہیں، اور جہاں سے "تعلیم" کی حقیقت کا سراغ مل سکتا ہی، اسے اپنے پیچھے چھوڑ دیتے ہیں؟

عزیز من! میری وہ بات یاد کیجئے جو میں نے بار بار آپکے ذہن نشین کرنی چاہی تھی: دنیا کی کوئی تعلیمی صداقت بھی ایسی نہیں ہی جسکے پیروں کا فہم و عمل حجت قرار دے کر ہم حقیقت کی طرف قدم بڑھا سکتے ہوں مذہب کو چھوڑئیے۔ دُنیوی اور مادی علوم و صنائع کا کوئی محدود سے محدود گوشہ لے لیجئے۔ کیا اس طریقہ سے ہم ان گوشوں میں بھی حقیقت کی طرف قدم اُٹھا سکتے ہیں؟ جب دنیا کے ایک معمولی مصنف یا عالم کی کتاب کے لئے لاکھوں کروڑوں انسانوں کا فہم دادّعا کچھ مفید نہیں ہو سکتا، اگر کوئی ایسی بات بیان کی جائے جو خود اُس کتاب میں موجود نہ ہو، تو مذاہب عالم کے لئے جن پر انسانی فہم و استعداد کے تغیرات و حوادث کی صدیاں گزر چکی ہیں اور لاکھوں کروڑوں افراد کے احوال و ظروف سے نسلاً بعد نسل اُن کے تعلیمی حقائق متأثر ہو چکے ہیں کیونکر کسی فرد یا جماعت کا فہم و عمل حجت ہو سکتا ہی؟

طریق جدل اور طریق ہدایت

معلوم نہیں آپکو وہ بات بھی یاد رہی یا نہیں جو میں نے گذشتہ سال آپکے ذہن نشین کرنی چاہی تھی۔ اس راہ میں بحث و جستجو کے ہمیشہ سے دو طریقے رہے ہیں۔ ایک طریقہ وہ ہے جسے قرآن نے اپنی زبان میں "جدل" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ دوسرا طریقہ وہ ہے جسے "ہدایت" کے لفظ سے پکارا ہے۔ "جدل" کے معنی لڑنے جھگڑنے کے۔ "ہدایت" کے معنی سیدھی اور سچی راہ اختیار کرنے کے ہیں۔

وہ تمام لوگ جو حقیقت و صداقت کے متلاشی نہیں ہوتے بلکہ کسی خاص خیال اور جذبہ سے اپنی کوئی بات منوانی اور دوسرے کی کوئی بات گرا دینی چاہتے ہیں، طریق جدل پر عامل ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے آپکو کتنا ہی حق کا طالب و مطیع ظاہر کریں، لیکن فی الحقیقت وہ حق کے نہیں اپنی ہوائے نفس کے مطیع ہوتے ہیں۔ وہ سچائی کے متلاشی نہیں ہوتے کہ ہر موقعہ پر اُس کے ظہور و علم کے منتظر رہیں۔ وہ محض اپنے کسی ٹھہرائے ہوئے خیال اور اعتقاد کے پجاری ہوتے ہیں، اور اس لئے ہمیشہ اسی ڈھونڈھ میں لگے رہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح اپنی بات منوا دیں۔ مذاہب عالم کے پُرجوش حامیوں، مذہبی مجالس کے زباں دراز مناظروں اور مذہبی بحث و نظر کے بنائے ہوئے نام نہاد علوم میں دسترس رکھنے والوں کا غالب حصہ اسی طریق جدل کی پیداوار ہے۔

لیکن دوسرا طریقہ طریق "ہدایت" ہے۔ یہ اُن لوگوں کی راہ ہے جو سچ مچ کو سچائی اور حقیقت کے متلاشی ہوتے ہیں، اور منوانے کے لئے نہیں بلکہ مان لینے کے لئے قدم بڑھاتے ہیں۔ وہ نہ تو کوئی خاص فریقانہ جذبہ رکھتے ہیں، نہ کوئی خاص فریقانہ دعویٰ۔ نہ تو انھیں کسی خیال اور رائے کی برتری ثابت کر دینے کی پیچ ہوتی ہے، نہ کسی خاص خیال اور رائے کو زک دینے کا جوش۔ اُن کی طلب، اُن کی جستجو، اُن کا اعتقاد، اُن کا مشرب، اُن کا حلقہ، اُن کی تمام کد و کاوش کی غرض و غایت، صرف یہی ہوتی ہے کہ حق کی تلاش کی جائے، اور جب مل جائے تو اُسے پہچان لیا جائے۔ اس طریقہ کے رہرو کی ہر بات پچھلے طریقہ سے مختلف ہوتی ہے کیونکہ مقصد اور نظر و فکر کی روح میں بھی اختلاف ہوتا ہے۔ طریق جدل پر چلنے والے سچائی کے نہیں بلکہ سچائی کے نام پر جھگڑنے کے شائق ہوتے ہیں۔ اس لئے اُن کی ہر بات میں ایک جھگڑالو اور کج بحث دماغ کی روح پائی جاتی ہے۔ لیکن طریق ہدایت کا پیرو کسی حال میں بھی جھگڑالو اور کج بحث نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اُس کی روح طلب حق کی روح ہوتی ہے، اور حق کی طلب اور اُس کی معرفت کا عشق کبھی بحث و نزاع کی نفس پرستیوں کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔ فی الحقیقت ان دونوں طریقوں میں نہ صرف اختلاف ہے بلکہ صریح تضاد ہے۔ پہلے کا نتیجہ یہ ہے کہ حق کی طلب و معرفت کی استعداد ہی طبیعت انسانی میں باقی نہیں رہتی۔ دوسرے کا نتیجہ یہ ہے کہ صرف حق ہی کی طلب و معرفت کا استغراق باقی رہجاتا ہے۔ نفس و ہوس کی تمام غفلتیں اور خود پرستیاں معدوم ہو جاتی ہیں۔

جدل یا ہدایت؟

میں نے پہلے بھی کہا تھا، اور اب پھر آپکو توجہ دلاتا ہوں کہ اگر سفر کا عزم ہے تو کیوں پہلے ہی سے اپنی گمراہی کا بھی فیصلہ کر لیں؟ کیوں نہ قدم بڑھانے سے پہلے سوچ سمجھ لیں کہ ہمیں کونسی راہ اختیار کرنی ہے؟ راہیں یہاں دو ہی ہیں۔ ایک وہ جسے قرآن نے اپنی بولی میں "جدل" کہا ہے۔ دوسری وہ جسے "ہدایت" سے تعبیر کیا ہے۔ اگر "جدل" کا شوق ہے، تو واقعہ یہ ہے کہ آج دُنیا کے پرستارانِ مذاہب میں ننانوے فی صدی انسان اسی راہ پر گامزن ہیں۔ آپ بھی اس بھیڑ میں شامل ہو جائیے۔ لیکن اگر حق کی طلب اور سچائی کی لگن ہے، تو پھر ضروری ہے کہ دوسری راہ اختیار کی جائے۔ لیکن دوسری راہ اختیار کرنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ زبان سے اس کا دعویٰ کیا جائے۔ جہاں تک دعوے کا تعلق ہے، کوئی سخت سے سخت مجادل (جھگڑالو) انسان بھی اس دعوے سے دست بردار ہونا پسند نہیں کرے گا۔ چاہیئے کہ سچ مچ کو جدل و نزاع کی جگہ سچائی کے ایک سچے اور بے نفس متلاشی کی روح آپکے اندر پیدا ہو جائے۔ اس صورت میں آپکے بحث و مطالعہ کا انداز ہی دوسرا ہو جائے گا۔ جو چیزیں بقول آپکے آج "شک و شبہ کا طوفان" آپکے اندر پیدا کر دیتی ہیں، اُس حالت میں آپکے لئے مزید یقین کا پیغام اور معرفت حق کا وسیلہ بن جائیں گی!

مذاہب عالم باعتبار حفظ و عمل

اگر ایک شخص "مجادل" نہیں بلکہ طریق "ہدایت" پر عامل ہے، تو وہ بغیر کسی بحث و اختلاف کے تسلیم کرے گا کہ آج جس قدر مذاہب دُنیا میں موجود ہیں، تعلیمی مصادر کے لحاظ سے انھیں تین قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(۱) وہ نہایت قدیم مذاہب جن پر امتدادِ زمانہ سے انقلاب حالت کے ایسے دَور گزر چکے ہیں کہ اب انھیں اُن کی حقیقی صورت و حالت میں معلوم کرنا نہایت دشوار ہو گیا ہے۔ اُن کی تعلیم کے مصادر محفوظ نہیں ہیں۔ اُنکی حقیقی تعلیمی روح یک قلم منقلب ہو گئی ہے، اُنکے پیروؤں کی عملی زندگی میں حقیقت کا اب کوئی سراغ نہیں لگایا جا سکتا۔

کسی چیز کی اصلیت و حقیقت معلوم کرنے کے لئے دو طرح کی شہادتیں مل سکتی ہیں: اندرونی اور بیرونی۔ دونوں کا مطلب واضح و معلوم ہے۔ حاجت تشریح نہیں۔ اس قسم کے مذاہب کی حقیقی تعلیم معلوم کرنے کے لئے ہم اُن کی اندرونی شہادتوں پر قناعت نہیں کر سکتے، کیونکہ انقلاب حالت کی وجہ سے اُن کے پیروؤں کی علمی و عملی زندگی اس درجہ بدل چکی ہے کہ اُس سے حقیقت کی شہادت ملنا متوقع نہیں۔ طالب حقیقت کے لئے ضروری ہے کہ وہ بیرونی شہادتوں کی جستجو کرے۔ اگر کوئی ایسی شہادت مل جائے تو اُس کی روشنی میں اُن کی اندرونی حالت پر نظر ڈالے۔

(۲) دوسری قسم اُن مذاہب کی نظر آئے گی جن کی عمر پہلی قسم کے مذاہب سے کم ہے، اور جنھیں نسبتہً اپنی تعلیم کی اشاعت و توسیع کے لئے بہتر زمانہ حاصل ہوا تھا۔ اس لئے اگرچہ اُن پر بھی انقلاب حالت کے وہ تمام دَور گزر چکے ہیں جو اصلیت کو محرّف اور مبدّل کر دیتے ہیں اور عملی روح یک قلم مفقود ہو جاتی ہے، تاہم اُن کی تعلیم کے بنیادی سرچشمے اس حد تک ضرور موجود ہیں کہ ایک طالب حق اُن سے اندرونی شہادت حاصل کر سکتا ہے، اور تغیر و تحریف کے بے شمار پردے پڑ جانے پر بھی اصلیت کی جھلک نظر آ جاتی ہے۔

البتہ یہ اندرونی شہادت اس درجہ واضح اور قطعی نہیں ہے کہ بیرونی شہادتوں کی ضرورت نہ ہو۔ ضروری ہے کہ کوئی مضبوط شہادت باہر سے بھی حاصل کی جا سکے، ورنہ حقیقت کا قابل یقین فیصلہ نہیں ہو سکے گا۔

(۳) اگر ہم نے صحت نظر کے ساتھ ان دونوں قسموں پر نظر ڈال لی ہے، تو ضروری ہے کہ ایک تیسری اور آخری قسم بھی سامنے آ جائے۔ یہ وہ قسم ہے جس کا ظہور دنیا کے تمدن و علوم کی اشاعت و تنظیم کے زمانے میں ہوا، اور اس لئے ایسے وسائل اُسکے لئے بہم ہو گئے کہ تعلیمی مصادر کے تلف ہونے یا کمی بیشی سے محرّف ہو جانے کا کوئی کھٹکا باقی نہیں رہا۔ جس طرح اس زمانے میں جبکہ اُس کا نیا نیا ظہور ہوا تھا، اُس کی تعلیم اپنی حقیقی صورت و حالت میں دیکھی جا سکتی تھی، ٹھیک اُسی طرح آج بھی ہر آنکھ دیکھ لے سکتی ہے۔ البتہ انقلاب حالت کے وہ تمام دَور جو جمعیت بشری کی دماغی و عملی زندگی پر گزرا کرتے ہیں، اُس پر بھی گزرے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اُس کے فہم و عمل کی روح روز بروز کمزور پڑتی گئی۔ یہاں تک کہ اُس کی حقیقی تعلیم کے مقابلہ میں، اُسکے پیروؤں کی عملی ذہنیت نے بحیثیت مجموعی ایک نئے قسم کا نقشہ پیدا کر دیا۔ تاہم ایک جویائے حقیقت کے لئے اضطراب و تشویش خاطر کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ اُسکے تمام تعلیمی مصادر اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں، اور وہ اس قدر واضح، اس قدر مختصر، اسقدر سہل الحصول ہیں کہ ہر طالب حقیقت طلب و معرفت کا ایک قدم بڑھا کر اُن تک پہنچ جا سکتا ہے، اور جیسی کچھ بھی اصلیت ہے اُس کے سامنے روشن ہو جا سکتی ہے۔

چونکہ اس آخری قسم کے تمام تعلیمی مصادر محفوظ، مدوّن، اور ہر انسان کے دسترس میں ہیں، اس لئے اس کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے کسی بیرونی شہادت کی ضرورت نہیں۔ یہ صرف اپنی اندرونی شہادت ہی سے پہچانی جا سکتی اور پرکھی جا سکتی ہے۔

بلاشبہ اُس کی عملی روح امتدادِ زمانہ کے موثّرات و عوامل سے متاثر ہو چکی ہے، اور اس لئے "تعلیم" اور "عمل" دو مختلف چیزیں ہو گئی ہیں تاہم یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اُسکی عمارت کی بنیادیں پچھلی دو قسموں کی طرح منہدم ہو گئیں۔ ایک جویائے حقیقت معلوم کر لے سکتا ہے کہ امتدادِ زمانہ کے یہ تمام تغیرات سطح سے نیچے نہیں اتر سکے ہیں۔ بنیادیں بدستور قائم ہیں۔

مذاہب عالم میں ہندوستان اور ایران کے قدیم مذاہب پہلی قسم میں داخل ہیں۔ یہودی اور مسیحی مذاہب دوسری قسم میں۔ تیسری قسم سے مقصود اسلام ہے۔

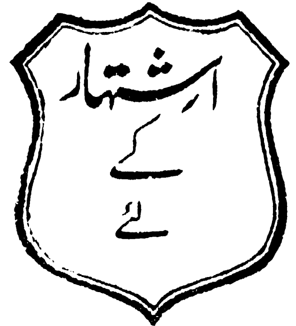
جویائے حقیقت کا فرض

اگر ایک شخص کی راہ وہ راہ نہیں ہے جسے "جدل" سے تعبیر کیا گیا ہے تو وہ مذاہب عالم کی اس صورت حال کے اعتراف میں ہرگز تامل نہیں کریگا، اور اس لئے "تعلیم" اور "عمل" کا اختلاف، یا حقیقی تعلیم اور غیر حقیقی تعلیم کی موجودگی کبھی اُس کے لئے "شک و شبہ کا طوفان" پیدا نہیں کر سکے گی۔ وہ دُنیا کی زیادہ سے زیادہ واضح حقیقتوں کی طرح دیکھے گا کہ پیروان مذاہب کا موجودہ عمل و فہم اُن مذاہب کی حقیقی تعلیم کے لئے حجت نہیں ہو سکتا اور یہ ناگزیر ہے کہ جماعت، عمل، اور شخصی ترجمانیوں سے بے اثر ہو کر صرف مذہب اور اُس کی "تعلیم" پر اعتماد کریں۔ ورنہ یا تو ہمیں یک قلم مذاہب کے برخلاف فیصلہ کرنا پڑے گا، یا فریقانہ تعصب و انکار میں مبتلا ہو جائیں گے، اور اس طرح فہم حقیقت و اعتدال رائے کی راہیں ہم پر بند ہو جائیں گی۔

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے، شاید ہی دُنیا میں کسی تعلیم کی حقیقت و اصلیت کا ادراک اسقدر آسان اور سہل ہو، جسقدر اسلام کا ہے۔ اوّل یہ کہ اُس کی تعلیمی اصل اس طرح محفوظ اور مرتب دنیا کے ہر انسان کے دسترس میں ہے، کہ بغیر کسی علمی تحقیق و کاوش کے ہر شخص حاصل کر لے سکتا ہے اور اُس کے مطالب سے واقف ہو جا سکتا ہے۔ ثانیاً اس کے تمام مصادر اس طرح مسلّم اور طے شدہ ہیں کہ اس بارے میں کسی اشتباہ کی گنجائش نہیں۔ ثالثاً تعلیمی مصادر کی جتنی بھی مقدار ہے، بہت مختصر ہے۔ اتنی مختصر ہے کہ اگر ایک معمولی درجہ کا تعلیم یافتہ انسان چاہے تو ایک دن کے اندر معلوم کر لے سکتا ہے کہ اسلام کے تعلیمی مصادر کے مطالب کیا کیا ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب ایک تعلیم اس درجہ واضح اور سہل ہمارے سامنے موجود ہو، تو کیا کسی انصاف پسند "غیر مجادل" انسان کے لئے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ اُس کے فہم کے لئے خود اُس پر اعتماد نہ کرے، اور اگر اُس کی تعلیم میں اور بعض انسانوں کے فہم میں اختلاف واقع ہو جائے، تو اپنے آپ کو "شک و شبہ کے طوفان" کے حوالے کر دے؟

یہاں تک میں نے صرف اصولی بحث کی ہے۔ اب مجھے آپکے بعض تاثرات اور پیش کردہ سوالات کا جواب دینا چاہیئے۔





اشتہار
کے
لئے

مطبوعات الهـــلال بك ايجنسى

معارف ابن تيميه و ابن قيم

ديني علوم کے بيش بہا جواهر ريزي

اس سلسله ميں هم نے امامين کي ان نادر و اعلى درجه کي بلند پايه عربي تصانيف کے اُردو تراجم کا سلسله شروع کيا هے ' جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے ليے نهايت ضروري و ناگزير هے - اميد که يه "سلسلۂ تراجم" بد نصيب هندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

اُسوۂ حسنه ــــ امام ابن قيم کي فن سيرت ميں شهره آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصه کا اُردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد اڑهائي روپيه -

کتاب الوسيله ــــ لفظ "وسيله" کي بحث کے علاوه امام ابن تيميه نے اسلام کے اصل الاصول "توحيد" کي مبسوط بحث کي هے - بلا جلد اڑهائي روپيه ' مجلد سوا تين روپيه -

اصحاب صفه ــــ انکي تعداد ' ذريعه معاش ' طريق عبادت اور انکے مفصل حالات بيان کيے هيں دس آنے -

تفسير سورة الکوثر ــــ امام ابن تيميه کے مخصوص انداز تفسير کا اُردو ترجمه - چار آنے -

العروة الوثقىٰ ــــ خالق و مخلوق کے درميان واسطه کا فرق بدلائل بيان کيا هے - چهه آنے -

سيرت امام ابن تيميه ــــ حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نهايت خوش اسلوبي سے بيان کيے هيں - نو آنے

نجد و حجاز ــــ علامه سيد محمد رشيد رضاء مصري کي تازه کتاب کا اُردو ترجمه - سوا روپيه -

أئمه اسلام ــــ ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - باره آنے

خلاف الامه ــــ فى العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت ــــ يه ايک علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله هے جس کے خريدار کو هم نے کمال کوشش و کاوش سے اُردو ' عربي ' فارسي ' انگريزي ' اور دوسري زبانوں کي تمام اهم اور اعلىٰ مطبوعات کے متعلق بهترين تازه معلومات بهم پهنچانے کا اهتمام کيا هے - اسکے علاوه آئمه و اسلام و بزرگان دين کے حالات ' لطائف افسانه ' نظميں اور ممالک اسلاميه کے معتبر ذرائع سے حاصل کيے هوے حالات درج کيے جاتے هيں - في پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپيه پيشگي -

منيجر الهـــلال بك ايـجنسى

(حلقه نمبر ۲۴ شيرانواله دروازه لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کى وقت اپنا نام اور پته صاف لکهين

اور نمبر خريدارى ضرور تحرير فرمائين

السحر الحلال فى مجلدات الهلال

گاه گاهے بازخوان اين دفتر پارينه را

تازه خواهى داشتن گر داغهائے سينه را

اردو صحافت کي تاريخ ميں الهلال هي وه رساله هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصيات ميں ايک انقلاب آفريں دعوت تهي -

الهـلال اگرچه ايک هفته وار مصور رساله تها ' ليکن چونکه وه اردو صحافت کي مختلف شاخوں ميں اجتهاد نظر و فکر کي نئي روح پيدا کرني چاهتا تها ' اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعه تها - اُس کے هر نمبر ميں مختلف ابواب ' مذهب ' سياست ' ادبيات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه کے هوتے تهے - اور اُسکا هر باب اپني مجتهدانه خصوصيات کے لحاظ سے اپني نظير آپ هوتا تها - پهر اس کي ظاهري خوبياں اُردو صحافت ميں اعلىٰ طباعت و ترتيب کا پهلا نمونه تهيں - اردو کا وه پهلا هفته وار رساله تها ' جس ميں هاف ٹون تصاوير کے اندراج کا انتظام کيا گيا ' اور ٹائپ ميں چهپنے کي وجه سے بهت سي ايسي خوبياں پيدا هوئيں جو پتهر کي چهپائي ميں ممکن نهيں - اِس کي جلديں جديد اُردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سياسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بهترين مجموعه هيں - اِن کي مقبوليت و قدر کا اندازه اِس سے هوسکتا هے که سنه ۱۹۱۸ ميں بعض شايقين علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپيه ميں خريد کيا - اور حال ميں ايک صاحب نے اِس کي پهلي جلد مکمل (جو دفتر ميں بهي موجود نهيں) ساڑهے چارسو روپيه ميں حيدرآباد سے خريدي هے - جن لوگوں نے اِس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هيں وه بڑي سے بڑي قيمت پر بهي علحده کرنے کيليے تيار نهيں - پچهلے دنوں "البـلاغ پريس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان ميں منتقل کيا گيا تو ايک ذخيره الهلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا ' هم نے کوشش کي که شايقين علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلديں مرتب کي جا سکتي هيں مرتب کرلي جائيں اور جن جلدوں کي تکميل ميں ايک دو پرچوں کي کمي هو اُنهيں دوباره چهپوا ليا جاے -

چنانچه الحمدلله يه کوشش ايک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوه متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلديں پوري مکمل هوگئي هيں - هم اِس اعلان کے ذريعه شايقين علم و ادب کو آخري موقعه ديتے هيں که اِس قيمتي ذخيره کے حاصل کرنے ميں جلدي کريں ' چونکه جلدوں کي ايک بهت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف اُنهيں درخواستوں کي تعميل هوسکے گي جو سب سے پهلے پهونچيں گي - هر جلد مجلد هے اور ابتدا ميں تمام مضامين کي انڈکس به ترتيب حروف تهجي لگادي گئي هے -

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپيه — الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپيه

" " " چهارم ۱۰ روپيه — " " " پنجم ۱۰ روپيه

جلد "البـلاغ" (جب دوسري مرتبه الهـلال اِس نام سے شائع هوا) قيمت ۸ روپيه

علاوه جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هيں جن ميں سے هر پرچه اپنے مضامين کے لحاظ سے ايک مستقل مجموعه علم و ادب هے - قيمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پيکنگ اِس کے علاوه هے -

منيجر "البـلاغ پريس"

مطبوعات الهلال بك ايجنسى

معارف ابن تيميه و ابن قيم

دیني علوم کے بیش بہا جواهر ریزي

اس سلسله میں هم نے اماميں کي ان نادر و اعلی درجه کي بلند پایه عربي تصانیف کے اُردو تراجم کا سلسله شروع کیا ھے ' جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروري و ناگزیر ھے - امید که یه "سلسلهٔ تراجم" بد نصیب هندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

اُسوۂ حسنه — امام ابن قیم کي فن سیرت میں شهرہ آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصه کا اُردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد ازهائي روپیه -

کتاب الوسیله — لفظ "وسیله" کي بحث کے علاوہ امام ابن تیمیه نے اسلام کے اصل الاصول "توحید" کي مبسوط بحث کي ھے - بلا جلد ازهائي روپیه ' مجلد سوا تین روپیه -

اصحاب صفه — انکي تعداد ' ذریعه معاش ' طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے هیں دس آنے -

تفسیر سورۃ الکوثر — امام ابن تیمیه کے مخصوص انداز تفسیر کا اُردو ترجمه - چار آنے -

العروۃ الوثقی — خالق و مخلوق کے درمیان واسطه کا فرق بدلائل بیان کیا ھے - چهه آنے -

سیرت امام ابن تیمیه — حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نہایت خوش اسلوبي سے بیان کیے هیں - نو آنے

نجد و حجاز — علامه سید محمد رشید رضاء مصري کي تازہ کتاب کا اُردو ترجمه - سوا روپیه -

آئمه اسلام — ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آنے

خلاف الامه — فی العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — یه ایک علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله ھے جس کے خریدار کو هم نے کمال کوشش و کاوش سے اُردو ' عربي ' فارسي ' انگریزي ' اور دوسري زبانوں کي تمام اهم اور اعلی مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بهم پہنچانے کا اهتمام کیا ھے - اسکے علاوہ آئمه و اسلام و بزرگان دین کے حالات ' لطائف افسانه ' نظمیں اور ممالک اسلامیه کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے هوے حالات درج کیے جاتے هیں - فی پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپیه پیشگي -

منيجر الهلال بك ايجنسى

(حلقه نمبر ۲۴ شیرانواله دروازہ لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پته صاف لکھین

اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائین

السحر الحلال فی مجلدات الهلال

گاه گاهے باز خوان این دفتر پارینه را

تازه خواهی داشتن گر داغهائے سینه را

اردو صحافت کي تاریخ میں الهلال هي وہ رساله ھے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تهي -

الهلال اگرچه ایک هفته وار مصور رساله تها ' لیکن چونکه وہ اردو صحافت کي مختلف شاخوں میں اجتهاد نظر و فکر کي نئي روح پیدا کرني چاهتا تها ' اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعه تها - اُس کے هر نمبر میں مختلف ابواب ' مذهب ' سیاست ' ادبیات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه کے هوتے تهے - اور اُسکا هر باب اپني مجتهدانه خصوصیات کے لحاظ سے اپني نظیر آپ هوتا تها - پهر اس کي ظاهري خوبیاں اُردو صحافت میں اعلی طباعت و ترتیب کا پہلا نمونه تهیں - اردو کا وہ پہلا هفته وار رساله تها ' جس میں هاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا ' اور ٹائپ میں چهپنے کی وجه سے بہت سي ایسي خوبیاں پیدا هوئیں جو پتهر کي چهپائي میں ممکن نہیں - اِس کي جلدیں جدید اُردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سیاسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بہترین مجموعه هیں - ان کي مقبولیت و قدر کا اندازہ اِس سے هوسکتا ھے که سنه ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل سٹ سات سو روپیه میں خرید لیا - اور حال میں ایک صاحب نے اِس کي پہلي جلد مکمل (جو دفتر میں بهي موجود نہیں) ساڑهے چارسو روپیه میں حیدرآباد سے خریدي ھے - جن لوگوں نے اس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هیں وہ بڑي سے بڑي قیمت پر بهي علحدہ کرنے کیلیے تیار نہیں - پچهلے دنوں "البلاغ پریس" کا جب تمام اسباب نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الهلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا ' هم نے کوشش کي که شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کی جاسکتي هیں مرتب کرلي جائیں اور جن جلدوں کي تکمیل میں ایک دو پرچوں کي کمي هو انہیں دوبارہ چهپوا لیا جاے -

چنانچه الحمدلله یه کوشش ایک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلدیں پوري مکمل هوگئي هیں - هم اِس اعلان کے ذریعه شایقین علم و ادب کو آخري موقعه دیتے هیں که اِس قیمتي ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدي کریں ' چونکه جلدوں کي ایک بہت هي محدود تعداد مرتب هوسکي ھے اس لئے صرف اُنهیں درخواستوں کي تعمیل هوسکے گي جو سب سے پہلے پهونچیں گي - هر جلد مجلد ھے اور ابتدا میں تمام مضامین کي انڈکس به ترتیب حروف تہجي لگادي گئي ھے -

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیه — الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیه

" " چهارم ۱۰ روپیه — " " پنجم ۱۰ روپیه

جلد "البلاغ" (جب دوسري مرتبه الهلال اِس نام سے شائع هوا) قیمت ۸ روپیه

علاوہ جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هیں جن میں سے هر پرچه اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعه علم و ادب ھے - قیمت في پرچه ۸ آنه - محصول ڈاک و پیکنگ اِس کے علاوہ ھے -

منیجر "البلاغ پریس"

Printed and Published by

Masud Hasan Zuberi at The Al-Balagh Press, 11, Ballygunge Circular Road, Calcutta

Editor : Maulana Abu-al-Kalam Azad.

۱۹۲۷

الهلال

جلد ۱

نمبر ۱۷

ابلاغ پریس کلکتہ

قیمت ۵ ـ آنہ

الهلال

هر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا هے

قیمت سالانه مع محصول - - باره روپیه
هندوستان سے باهر کیلیے - - سوله روپیه
قیمت شش ماهي - - - سات روپیه
قیمت في پرچه - - - پانچ آنه

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر "منیجر الهلال" کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں آنکے لفافه پر "ایڈیٹر" کا نام هونا چاهیے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براه عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي هے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ورنه بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانه نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماه کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جا رهے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیاده عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(۷) مني آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیره) سے نہیں هے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين (القرآن الحکیم)

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱۷ — کلکتہ : جمعہ ۱۷ - ربیع الثانی ۱۳۴۶ ھجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 14. October 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعۃ نہین رکھتی ۔
طباعۃ کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔
پتھر کی چھپائی مین محدود رھکر اردو کی طباعۃ کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی ہین ، وہ ہین جن مین الهلال چھپتا ھی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ھی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ہین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاھین پسند کر لین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ھمین اطلاع دیجیی ۔ یاد رکھیی ۔ طباعۃ کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اھم مسئلہ ھی ۔ ضروری ھی کہ اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ۔ الهلال

قارئین الهلال کی آراء

اس بارى مین اس وقت تك ۱۴۰۱ مراسلات وصول ہوی ہین ۔ تقسیم آراء حسب ذیل ھی :

عربی حروف کی حق مین	۲۰۷	اردو حروف کی حق مین	۳۹۰
موجودہ مشترك طباعۃ کی حق مین	۴۲۴	حروف کی حق مین بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۲۴۰	نستعلیق ہون	۱۴۰

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاھر کیا ھی ۔

آراء کی دیکھنی سی معلوم ھوا کہ اس بارى مین بعض اھم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین ھی ۔ اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت ھی ۔ آیندہ اس بارى مین مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاھر کرینگی مگر ضرورت ھی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین ۔ الهلال



حضرت ابراهیم اور ایک بادشاہ کا مکالمہ

ۂ کریمہ " الم تر الی الذی حاج ابراهیم " کی تفسیر

ایک استفسار

(از جناب مولوي محمد عبدالحق صاحب سکندرابادي)

جیسا کہ جناب کو معلوم ھے ' میں گذشتہ سال سے ایک سلسلۂ رسائل کي ترتیب میں مشغول ھوں جن کا مقصد یہ ھے کہ قران مجید کے مطالب حکیمانہ ایک ایسے نئے اسلوب سے بیان کیے جائیں کہ آج کل کي مذھب سے برگشتہ طبیعتیں اُن سے تشفي حاصل کر سکیں - ایک ھمدرد ملت رئیس دکن نے انکے انگریزي زبان میں ساتھہ ساتھہ ترجمہ کرانے کا بھي انتظام کر دیا ھے ' اور اُمید ھے کہ چند ماہ کے اندر اُنکي اشاعت کا سلسلہ شروع ھو جایگا * * * * اِس سلسلہ میں قرآن مجید کے متعدد مقامات ھیں جو ایک عرصہ سے میرے سامنے ھیں - لیکن حقیقت حال یہ ھے کہ جیسا تشفي بخش حل اُنکا ھونا چاھیے ' اِس وقت تک نہیں ھو سکا ھے ' اور جب تک خود اپني طبیعت مطمئن نہ ھو جائے ' دوسروں کے سامنے قدم اُٹھانا دیانت تحریر کے خلاف سمجھتا ھوں - یہ عرض کرنا ضروري نہیں کہ قران مجید کے فہم و مطالعہ کا جسقدر بھي خاکسار ذوق پیدا کرسکا ھے ' وہ سب جناب ھي کے طفیل ھے ' اور جناب ھي کي تحریرات کے شغف کا نتیجہ ھے - اِسلیے اِن مشکلات میں بھي جناب ھي سے دستگیري کي اُمید ھے - اگرچہ وہ مقامات ایک سے زیادہ ھیں ' مگر سر دست میں جرات نہیں کرسکتا کہ جناب کا زیادہ وقت لوں - صرف ایک مقام کي نسبت اپنا اطمینان چاھتا ھوں جسکے خاطر خواہ حل نہ ھونے کي وجہ سے خاکسار کي زیر ترتیب کتاب کا کام رک گیا ھے -

سورۂ بقرہ میں حضرت ابراھیم علیہ السلام اور ایک بادشاہ کے مناظرہ کا ذکر ھے جسکي نسبت ھمارے مفسرین کا بیان ھے کہ وہ نمرود تھا : الم تر الي الذي حاج ابراھیم في ربه ان اتاہ اللہ الملک ' اذ قال ابراھیم ربي الذي یحي و یمیت ' قال انا اُحي و اُمیت ' قال ابراھیم فان اللہ یاتي بالشمس من المشرق فات بها من المغرب ' فبهت الذي کفر ' و اللہ لا یهدي القوم الظالمین - مضمون اِس آیت کا یہ ھے کہ حضرت ابراھیم سے نمرود نے خدا کے باب میں حجت کي - اسپر اُنھوں نے فرمایا کہ میرا پروردگار وہ ھے جو جلاتا ھے اور مارتا ھے - یعني زندگي اور موت اُسي کے قبضۂ و تصرف میں ھے - اگر کوئي دوسري ھستي خدائي کي مدعي ھے ' تو اُسے چاھیے کہ یہ قوت و تصرف اپنے اندر ثابت کرے - نمرود نے اِسکے جواب میں کہا - اگر یہي وصف خدائي کا ھے تو یہ مجھہ میں بھي ھے - میں بھي جلاتا ھوں اور مارتا ھوں - حضرت ابراھیمؑ نے یہ سنکر فرمایا کہ خدا پورب سے سورج نکالتا ھے - تو پچھم سے نکال دے - اِس پر نمرود مبہوت ھوکر رھگیا - *

یہ دراصل حضرت ابراھیم علیہ السلام اور نمرود کا مناظرہ ھے جسمیں نمرود کي حیثیت خدائي کے مدعي کي ھے اور حضرت ابراھیم اسکے زعم باطل کا بطلان ثابت کرنا چاھتے ھیں - اب اس آیۃ کي تفسیر میں چند درچند مشکلات حائل ھیں :

(۱) اول یہ کہ جب نمرود خدا ھونے کا مدعي تھا ' تو ظاھر ھے کہ دلیل پیش کرنا اسکے ذمہ تھا - نہ کہ حضرت ابراھیمؑ کے ذمے جنکي حیثیت منکر کي تھي - لیکن یہاں حضرت ابراھیم اس سے کوئي دلیل نہیں مانگتے - بلکہ خود اپنے پروردگار کي پروردگاري کي دلیل پیش کردیتے ھیں کہ " الذي یحي و یمیت " اور وہ اس سے معارضہ کرنے لگتا ھے -

(۲) پھر جب اُنھوں نے ایک ایسي دلیل بیان فرمادي تھي جس سے بڑھکر واضح اور قاطع دلیل نہیں ھوسکتي ' تو چاھیے تھا کہ نمرود کے جاھلانہ اور طفلانہ معارضہ کي قلعي کھول دیتے - کیونکہ وہ اپنے جہل و بلادت سے زندگي بخشنے اور موت دینے کا وہ مطلب سمجھہ ھي نہ سکا تھا جو موتي سے موتي انساني عقل کو بھي سمجھہ لینا چاھیے - وہ بول اُٹھا کہ یہ بات تو مجھ بھي حاصل ھے - ضروري تھا کہ حضرت ابراھیمؑ فرماتے ' موت اور حیات بخشنے سے مطلب یہ ھے کہ جس طرح وہ آن دیکھي ذات تمام جانداروں کو نیستي سے ھستي بخشتي ھے ' اور پھر ایک خاص وقت پر فنا کر دیتي ھے ' اسي طرح تو بھي ایک چھوٹا سے چھوٹا کیڑا بنا دیکھہ - لیکن آپ یہ نہیں کہتے ' بلکہ فوراً اس دلیل کو چھوڑ کر ایک دوسري دلیل پیش کر دیتے ھیں - یعني سورج کو اسکي معمولي سمت کي جگہ دوسري سمت سے نکالدینے کي فرمایش کرتے ھیں - اس سے لازم آتا ھے کہ گویا آپنے آپني پہلي دلیل کي کمزوري مان لي - اور (نعوذ باللہ) نمرود کے معارضہ سے لاچار ھوگئے - اسلیے اسے چھوڑ کر نئي دلیل کا سہارا لیا - ایک معمولي مناظر کیلیے بھي یہ بات دلیل عجز ھے ' چہ جائیکہ ایک جلیل القدر پیغمبر کیلیے -

(۳) پھر دوسري دلیل جو پیش کي گئي ' اُس پر بھي شبہات وارد ھوتے ھیں - قران مجید ناطق ھے کہ پہلي دلیل سے نہیں مگر دوسري دلیل سے نمرود لا جواب ھو کر رھگیا - مگر اعتراض ھو سکتا ھے کہ جس شخص کي شوخ چشمي کا یہ حال تھا کہ موت و حیات کے وصف الہي تک کا بیان اُسے چپ نہ کرا سکا ' وہ اِس دوسري دلیل سے کس طرح لا جواب ھوگیا ؟ اگر کہا جاے ' اس لیے کہ وہ پچھم کي طرف سے سورج نکالنے پر قادر نہ تھا ' تو جواب یہ ھے کہ وہ موت و حیات بخشنے پر بھي تو قادر نہ تھا ؟ جس طرح اس بات کا ایک غلط مطلب ٹھرا کر اُس نے معارضہ کر دیا تھا اور حضرت ابراھیم ترک دلیل پر مجبور ھوگئے تھے ' اسي طرح اِس کا بھي کر دے سکتا تھا - کہدیتا میں بھي ایسا کر سکتا ھوں -

(۴) علاوہ بریں دلیل کے معنے یہ ھیں کہ وہ ایسي بات ھوتي ھے کہ اس کے اثبات سے مدعا کا ثبوت متحقق ھو جاتا ھے - لیکن حضرت ابراھیم کي دوسري دلیل ایسي معلوم نہیں ھوتي - اُس کا اثبات اس مقدمہ کے اثبات پر موقوف ھے کہ " خدا وھي ھوسکتا ھے

جو سورج کو جس طرف سے چاہے نکالے " لیکن سورج کا ایک سمت کي جگه کسي دوسري سمت سے نکلنا کوئي دنیا کا محسوس واقعه نه تها جو لوگوں کے علم میں هوتا اور حضرت ابراهیم اُسے اپنے پروردگار کا فعل قرار دے سکتے - نمرود کہه سکتا تها که اچها اگر یہي دلیل هے تو تمهارا پروردگار پورب کي جگه پچهم سے ایک مرتبه نکال دکهائے - اِس پر حضرت ابراهیم کیا جواب دیتے ؟ کیا وہ اپنے پروردگار سے چاهتے که نظام شمسي کا پورا کارخانه درهم برهم کرکے سورج دوسري سمت سے نکلتا هوا دکها دے ؟

(۵) علاوہ بریں جب حضرت ابراهیم علیه السلام نے پہلي دلیل سے رجوع کرکے دوسري دلیل پیش کي ' تو ضروري تها که یه پہلے سے زیادہ واضح و اقطع هوتي - اُن کي پہلي دلیل یه تهي که موت و حیات کي باگ الله هي کے هاتهه هے - دوسري یه که اجرام سماوي اُسي کے حکم و مشیت سے کام کرتے هیں - ظاهر هے که دوسري دلیل پہلي سے زیادہ وزني نہیں کہي جا سکتي - اگر موت و حیات جیسا واضح اور بدیہي معامله خصم کو ساکت نه کر سکا ' تو اجرام سماوي کا معامله کیا مفید اثبات هو سکتا هے ؟

میں نے بڑے هي شوق سے حضرت امام فخر الدین رازي کي تفسیر کبیر دیکهي تهي - کیونکه وہ قران مجید کے مقامات کو عقلي مباحث سے صاف کرنا چاهتے هیں - مگر میں عرض نہیں کر سکتا که مجهے کس قدر مایوسي هوئي ؟ لطف یه هے که انهوں نے پوري تفصیل کے ساتهه یه تمام شبہات خود هي لکهے هیں ' لیکن جواب کا جو کچهه حال هے ' اس کا اندازہ اِس سے کرلیجیے که اُس کے پڑهنے کے بعد اپنے دل کو اور زیادہ شکوک و شبہات میں مبتلا پاتا هوں -

پہلے شبه پر انهوں نے بالکل توجه نہیں کي هے - دوسرے شبه کے دو جواب دیے هیں - ایک یه که ایک دلیل چهوڑ کر دوسري دلیل کا اختیار کرنا مستدل کے لیے جائز هے - اس میں کوئي حرج نہیں ' کیونکه دوسري دلیل پہلي دلیل سے اوضح هے - اِسے عام مفسرین کي طرف منسوب کرتے هیں - دوسرا جواب " محققین " کا جواب قرار دیا هے - وہ یه هے که " یه ایک دلیل کو چهوڑ کر دوسري دلیل کا اختیار کرنا نه تها - بلکه ایک هي دلیل کي مزید وضاحت کرني تهي : وهو انا نری حدوث اشیاء لا یقدر الخلق علی احداثها ' له امثالة ' منها الاحیاء و الاماتة ' و منها السحاب و الرعد والبرق ' و منها حرکات الافلاک و الکواکب ' و المستدل لا یجوز له أن ینتقل من دلیل علی دلیل آخر ' لکن اذا ذکر لایضاح کلام مثالا ' فله أن ینتقل من ذلک المثال الی مثال آخر ' فکان ما فعله ابراهیم من باب ما یکون الدلیل واحداً ' إلا انه یقع الانتقال عند ایضاحه من مثال الی مثال آخر - و هذ الوجه احسن و الیق بکلام اهل التحقیق "
اُس کے بعد آگے چل کر لکهتے هیں : " لما احتج ابراهیم بالاحیاء و الاماتة ' اورد الخصم علیه سوالا لا یلیق بالعقلاء ' و هو انک اذا دعیت الاحیاء و الاماتة لا بواسطة ' فذلک لا تجد الی اثباته سبیلا ' و ان دعیت حصولها بواسطة حرکات الافلاک ' فنظیرہ او ما یقرب منه حاصل للبشر - فاجاب ابراهیم بان الاحیاء و الاماتة و ان حصلا بواسطة حرکات الافلاک ' لکن تلک الحرکات حصلت من الله تعالی و ذلک لا یقدح في کون الاحیاء و الاماتة من الله ' بخلاف الخلق فانه لا قدرة لهم علی تحریکات الافلاک " خلاصه اِس تقریر کا یه هے که پہلي دلیل پر جو نمرود نے اعتراض کیا تو اِس کا مطلب یه تها که اُس نے کہا ' خدا کي صفت جلانے اور مارنے کي کیسي هے ؟ وہ بلا واسطه جلاتا اور مارتا هے ' یا افلاک کي حرکت اور اس کے اثرات کے ذریعه ؟ اگر پہلي بات هے تو اُس کا اثبات ممکن نہیں - اور اگر دوسري بات هے تو یه انسان کو بهي حاصل هے - یعني وسائط کے ذریعه موت و حیات وجود میں آسکتي هے - مثلاً مرد اور عورت کے ملنے کے واسطه سے زندہ انسان پیدا هو سکتا هے ' اور قتل کے ذریعه هلاک کیا جا سکتا هے - اس کے جواب میں حضرت ابراهیم نے اپني دلیل کي مزید وضاحت کي اور فرمایا که احیاء اور اماتت اگرچه افلاک کي حرکات کے واسطه سے ظہور میں آتي هے ' لیکن افلاک کي حرکت بهي تو خدا هي کے حکم و مشیت سے هے - اُس کے سوا کون هے جو انہیں حرکت میں لا سکے ؟ اور جب اُس کے سوا کوئي دوسرا افلاک کو متحرک نہیں کر سکتا ' تو ثابت هوگیا که احیاء اور اماتت بهي نہیں کر سکتا -

میں حیران هوں که اس امام جلیل القدر کي اس تقریر کي نسبت کیا عرض کروں ؟ ان کے جواب سے شبه دور هوا هے یا اور زیادہ مضبوط هوگیا هے ؟ اول تو یه فرض کرنا که نمرود کا مطلب اعتراض سے واسطه اور بغیر واسطه کا جهگڑا تها ' کہاں سے ثابت هوتا هے ؟ قران مجید میں تو صرف اتنا هي هے که " انا احي و امیت " پهر یه کہنا که یه دوسري دلیل کي مزید توضیح هے ' نئي دلیل نہیں هے ' کسي طرح بهي سمجهه میں نہیں آتا - افلاک کي حرکت کو بهلا موت و حیات سے کیا تعلق ؟ کیونکر یه استدلال پہلي دلیل کے ساتهه مربوط هوسکتا هے ؟ پہلي دلیل کا تعلق جلانے اور مارنے کي صفت سے تها - دوسري میں سورج کے طلوع و غروب کي جہت سے - اس میں اور موت و حیات کي طاقت و تصرف میں کوئي علاقه نہیں - تعجب هے که کیونکر امام موصوف ایسي کمزور اور بے ربط بات کو محققین کا مذهب قرار دیتے هیں اور وثوق کے ساتهه قرار دیتے هیں -

پهر مفسرین کا یه عام مذهب بهي که دوسري دلیل پہلي سے اوضح هے ' تشفي پیدا کرنے سے قاصر هے - صاف بات تو یہي معلوم هوتي هے که پہلي دلیل هي زیادہ واضح اور قطعي تهي -

تیسرے شبه کا جواب امام موصوف نے یه دیا هے که نمرود دوسري دلیل کا معارضه نہیں کرسکا - اسلیے که هوسکتا هے ' خدا نے اُس وقت اُس کے حواس مختل کردیے هوں - وہ اس قابل هي نه رها هو که اعتراض کرے - سوال یه هے که اگر معترض اور مشکک کو اسي طرح حواس باخته کرکے چپ کرادینا تها ' تو پهر اس مناظرہ کي ضرورت هي کیا تهي ؟ پہلے هي سے مخبوط الحواس بنا دیا هوتا تا که وہ اعتراض هي نه کر سکتا - علاوہ بریں اگر خدا تعالی کي سنت یہي هے که جو معترضین انبیاء کرام سے معارضه کرتے هیں ' ان کے حواس سلب کر لیا کرتا هے ' تو اس کا مطلب یہي هو سکتا هے که انبیاء کرام کے پاس مسکت اور قاطع جواب نہیں هوتے ' اس لیے غریب معترضین مخبوط الحواس کرکے چپ کرا دیے جاتے هیں - کیا ایسے جوابوں سے قران مجید کے معارف روشني میں آسکتے هیں ؟ خصوصاً اِس زمانے میں ؟

خود امام صاحب بار بار اس پر زور دیتے هیں که " جب ایک دلیل یا مثال خصم کے مقابله میں پیش کي جائے ' اور اُس پر وہ نا فہمي سے اعتراض کردے ' تو مستدل کا فرض هے که اُس کے اعتراض کي خامي ظاهر کردے اور بغیر اس کے آگے نه بڑهے ' اور جب ایک معمولي مناظر کے لیے ایسا کرنا ضروري هے ' تو ظاهر هے که ایک نبي اولوالعزم کے لیے کیوں ضروري نہو جس کا مناظرہ تمام دنیا کے سامنے بطور ایک بنیادي صداقت کے پیش کیا جا رها هے ؟ " تاهم وہ اس قوت کے ساتهه اعتراض وارد کرکے ' اس کا کوئي کمزور سے کمزور جواب بهي نہیں دیتے ' اور صرف یه کہکر چپ هو جاتے هیں که " محققین کي تفسیر پر شبہات وارد



نہیں ہوسکتے" حالانکہ وہ پہلے کہہ چکے ہیں کہ خواہ نئي دلیل بیان کي جائے ' خواہ نئي مثال ' ضروري ہے کہ انتقال سے پہلے معارض کي خامي واضح کردي جائے - پس جس طرح شبہہ عام مفسرین کي تفسیر پر وارد ہوتا ہے ' اسي طرح اُس تفسیر پر بھي وارد ہوتا ہے جسے امام موصوف "محققین" کي تفسیر قرار دیتے ہیں -

مجھے جب اس طرف سے مایوسي ہوگئي تو خیال ہوا کہ موجودہ زمانے کے محققین نے اس پر ضرور نئي روشني ڈالي ہوگي - چنانچہ میں نے بمبئي سے استاد امام شیخ محمد عبدہ مصري کي تفسیر منگوا کر دیکھي ' لیکن افسوس ہے کہ اس میں بھي وہي امام رازي والي تفسیر بعینہ پائي - اِن شبہات کا کوئي جواب نہیں ملا - تفسیر نیشا پوري ' تفسیر ابن کثیر ' تفسیر علامۂ ابن سعود ' تفسیر روح المعاني شیخ آلوسي بھي خاکسار کے پیش نظر ہیں ' مگر اِن سب میں بھي یا تو وہي تفسیر کبیر والا جواب نقل کردیا ہے ' یا وہ باتیں لکھدي ہیں جنھیں امام رازي نے عام مفسرین کا جواب قرار دیا ہے - یا پھر سرے سے کسي طرح کي کاوش ہي نہیں کي گئي ہے -

جب پچھلوں میں حضرت امام رازي جیسے محقق نے اور حال کے محققین میں شیخ محمد عبدہ مصري جیسے امام و مفسر نے مجھے صاف جواب دیدیا ' تو پھر میرے لیے صرف جناب ہي کي چوکھٹ باقي رہگئي - لاریب صرف جناب ہي کي ایک ذات والا صفات ہے جو موجودہ زمانے میں حقائق قران کي وہ تمام مشکلات حل کرسکتي ہے جن تک دوسروں کي نظر و تحقیق نہیں پہنچ سکي ہے - اب خاکسار ہر طرف سے مایوس ہوکر آپ سے دستگیري کا طالب ہے - اور امید قوي رکھتا ہے کہ مایوس نہ ہوگا -

مجھہ سے میرے حیدراباد کے ایک دوست نے ذکر کیا تھا کہ جمعیت العلماء ہند نے عید کے موقع پر اخبار الجمعیت کا ایک خاص نمبر "خلیل نمبر" کے نام سے نکالا ہے اور اس میں صدر جمعیت مولانا کفایت اللہ صاحب نے اس مقام کي تفسیر شرح و بسط سے تحریر فرمائي ہے - میں نے بڑے ہي شوق سے خلیل نمبر منگوایا اور دیکھا - واقعي اس میں مولانا صاحب موصوف کا مضمون "مناظرۂ خلیل و نمرود" کے عنوان سے تین بڑے صفحوں میں نکلا ہے ' لیکن مطالعہ کے بعد معلوم ہوا کہ اس میں تمام تر وہي تفسیر کبیر کي پوري بحث اردو میں نقل کردي گئي ہے - اس سے زیادہ ایک حرف نہیں ہے -

الہلال :

آپ نے استفسار میں اِس قدر تشریح و تفصیل کي ہے کہ اسي نے آج کي اشاعت کا بڑا حصہ روک لیا - اب جواب کے لیے آیندہ اشاعت کا انتظار کیجیے -

علم الاجتماع

(۳)

(ناموس اجتماع اور محافظت و تجدید)

افراد کے وجدان سے علحدہ ' جماعتي وجدان کے متعلق ہم نے جتنے اقوال نقل کیے ہیں ' دلائل نے ابتک اُن کي تصدیق نہیں کي ہے - نیز ابتک یہ بھي ثابت نہیں ہوا ہے کہ جماعت کي صفت عضویۃ ' افراد کي عضویت سے الگ وجود رکھتي ہے - یہ اقوال نظریوں اور آراء کا حکم بھي نہیں رکھتے - زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تشبیہات و استعارات ہیں -

لیکن ساتھہ ہي یہ یقیني ہے کہ تمام طبیعي کائنات کي طرح عالم اجتماع کے بھي خاص نوامیس و قوانین ہیں ' اور وہ غیر متبدل اور اٹل ہیں -

اجتماع کا ایک قانون یہ ہے کہ جن اجزاء سے سلطنت اور امت مرکب ہوتي ہے ' وہ تمام اجزاء باہم دگر اس درجہ وابستہ و مربوط ہوتے ہیں کہ ایک جزء کے متأثر ہوتے ہي باقي تمام اجزاء بھي فوراً متأثر ہو جاتے ہیں -

اِس اجتماعي قانون کي بنا پر مقننین اور مصلحین کے لیے ضروري ہو جاتا ہے کہ ماہر طبیبوں کي طرح اصلاح و تشریع میں بہت زیادہ ہوشیار و محتاط ہوں - ایسا نہ ہو کہ ایک عضو کي بیماري کے علاج میں باقي اعضاء سے غافل ہو جائیں ' اور پہلي بیماري سے بھي بدتر بیماریوں کي پیدایش کا سبب بن جائیں -

علم اجتماع کے دو رخ ہیں : ایک طرف وہ جدید اصلاحات اور جدید اصول و مبادي کا حامي ہوتا ہے تا کہ مستقبل ' ماضي و حال سے بہتر ہو جاے - دوسري طرف وہ ماضي و قدیم کي بھي حفاظت چاہتا ہے - وہ قوموں کو بتاتا ہے کہ اپنا ماضي ' اپنے مقومات ' اور اپني خصوصیات بالکل فنا نہ ہو جانے دیں ' اُنھیں بچائیں ' اور باقي رکھیں - ورنہ اُن کي قومیت درہم برہم ہو جائیگي ' اور اصلاح ' فساد کا ذریعہ بن جائیگا -

تاریخ بھي ہمیں یہي سبق دیتي ہے - مشاہدہ کي بھي یہي ہدایت ہے - ہم دیکھتے ہیں کہ قوموں کي ترقي کي بنیادي شرط یہ ہے کہ وہ تبدیل و تغیر قبول کریں - یعني وہ نئے اوصاف اختیار کریں ' مگر تدریج اور نظر و حزم کے ساتھہ -

قوموں کي حالت پر غور و فکر کرنے کے بعد ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ترقي کے اصلي ستون دو ہیں :

(۱) تغیر و تبدل کي قابلیت کا موجود ہونا -

(۲) تدریج و تطور کے ساتھہ تغیر قبول کرنا -

یہ اجتماعی قانون نہایت عجیب ہے - کیونکہ بظاہر ایک قسم کا تناقض رکھتا ہے - ایک طرف کہتا ہے ' تغیر و تبدل ضروری ہے - نئی چیزلو اور پرانی چیزیں چھوڑ دو - دوسری طرف یہ بھی کہے جاتا ہے کہ پرانی چیزیں یک لخت فنا نہ ہونے دو - اپنے پچھلی مقومات و خصوصیات باقی رکھو - اپنی قومی خصوصیات مٹا کر کوئی قوم ' قوم نہیں رہ سکتی - لیکن فی نفسہ اس میں تناقض نہیں ہے - دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ ٹھیک ہیں - نئی چیزوں کے اختیار کرنے کا مطالب یہ ہے کہ وہ تمام نئی چیزیں اختیار کر لی جائیں جو قومی مزاج و مصالح کے موافق ہوں - خصوصیات کے باقی رکھنے سے مقصود یہ ہے کہ وہ تمام بنیادی چیزیں قائم رکھی جائیں جو قومی مزاج کا استقلال و اختصاص قائم رکھنے کیلیے ضروری ہیں - یعنی رد و قبول اور اخذ و ترک میں اعتدال کا سر رشتہ ہاتھ سے نہ دیا جاے -

بلا شبہ اس قانون کی تطبیق میں اعتدال قائم رکھنا بہت مشکل ہے - چند ہی قومیں اصلاح میں اپنا دماغی توازن قائم رکھ سکی ہیں - یا تو یہ ہوا ہے کہ اپنی تمام قدیم عادات و روایات پر اڑ گئیں ' اور ایک قدم بھی آگے بڑھنے سے انکار کردیا - یا یہ ہوا کہ فوراً تبدیل و انقلاب پر اُتر آئیں ' اور اپنی کوئی بھی قدیم خصوصیت باقی نہ رکھی - پہلی صورت تفریط کی ہے - دوسری صورت افراط کی ہے - اور نجات و ترقی توسط و اقتصاد میں ہے -

(قدیم قوموں کا جمود و تقلید)

تبدل کی قابلیت کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ عالم خارجی کی اطاعت کی جائے - قدیم زمانے میں ہر جگہ لوگوں کا طرز معیشت تقریباً یکساں تھا - اسی لیے تبدّل کی ضرورت بھی کمزور تھی - اُس کی قابلیت آہستہ آہستہ پیدا ہوتی تھی - حتی کہ بعض قدیم قومیں صدیوں تک ایک ہی حالت پر قائم رہیں اور تبدیلی کی ضرورت محسوس نہ کی - اُن کا تعلق ہمیشہ ایسی قوموں سے رہا ' جو اُنہی کی طرح وحشی یا نیم وحشی تھیں - اُن کے سامنے کوئی بہتر نمونہ تہذیب و تمدن کا موجود نہ تھا - اس لیے ترقی کی رغبت بھی پیدا نہ ہوئی ' اور جمود و تقلید کی طبیعت برابر باقی رہی -

قدیم قوموں کے جمود و تقلید کا راز یہ ہے کہ وہ اپنی فطرت کی طرف سے مجبور کی جاتی ہیں کہ اپنی زندگی اور زندگی کی بنیادیں محفوظ رکھیں - یہی باعث ہے کہ اُن قوموں میں فرد کا معاملہ چنداں اہمیت نہیں رکھتا تھا - بلکہ اُس زمانے میں فرد کے لیے جائز ہی نہ تھا کہ مستقل زندگی بسر کرے - وہ قومیں اِسے بالکل قدرتی بات خیال کرتی تھیں کہ عام مصلحت کے لیے افراد اپنی ہستی قربان کر دیں - اُس وقت شخصی آزادی ' کسی کے واہمہ میں بھی نہ تھی -

بعض نظری آدمیوں نے آزادی کی اعلیٰ مثال یونانی جمہوریتوں میں بتائی ہے - حالانکہ اُن جمہوریتوں میں افراد کو مطلق آزادی حاصل نہ تھی - وہ ایسے نظامات کی پابندیوں میں جکڑے ہوے تھے جنھیں آج متمدن دنیا میں کوئی آدمی بھی برداشت نہیں کر سکتا - اُن جمہوریتوں میں افراد کو اِتنی آزادی بھی حاصل نہ تھی کہ اپنی مرضی سے کوئی دینی عقیدہ رکھیں' یا اپنی اولاد کی بطور خود تعلیم و تربیت کرسکیں - اسپارٹا میں یہ حالت تھی کہ افراد کو اپنے گھروں میں کھانا پکانے اور کھانے کی بھی اجازت نہ تھی - وہ مجبور تھے کہ عام دستر خوانوں ہی پر بیٹھ کر کھانا کھائیں - یونان میں اصلاح و تجدید کے داعی مجرم سمجھے جاتے تھے - چنانچہ پوری قوم سقراط کے خلاف کھڑی ہوگئی ' اور اُس وقت تک چین نہ لیا ' جب تک اُس مصلح کی جان نہ لے لی !

بلا شبہ اِس قسم کے سخت نظامات اُن ملکوں کے لیے ضروری ہیں ' جو ہمیشہ دشمن کے حملوں کا نشانہ بنے رہتے ہیں -

قدیم زمانے میں رومانیوں نے معلوم کرلیا تھا کہ اصلاح و انقلاب میں نقطۂ توازن کیا ہے - ایک طرف وہ تجدد و اصلاح کے حامی تھے' دوسری طرف اپنی خصوصیات کی حفاظت بھی کرتے تھے - یہ وصف اُن میں اِس وجہ سے پیدا ہوا تھا کہ فتوحات نے اُن کے تعلقات دوسری قوموں سے قائم کر دیے تھے - یہ تعلقات نئے نئے حالات پیدا کر دیتے تھے ' اور وہ نظامات کی تبدیلی پر مجبور ہوجاتے تھے - رومانیوں کا سنہرا زمانہ وہی تھا جب وہ اِس مرکز توازن پر قائم تھے - لیکن جب سے اُنھوں نے افراط و تفریط شروع کی ' روز بروز گرنے اور تباہ ہونے لگے -

(انگریزوں کی کامیابی کا راز)

موجودہ زمانے میں علمی اکتشافات ' جدید صنائع کے ظہور ' اور مواصلات کی سہولت و کثرت نے مختلف تمدنوں میں ایک ایسا تصادم و احتکاک پیدا کر دیا ہے ' کہ ہر لمحہ عظیم تغیرات و انقلابات کے موقعے پیدا ہوتے رہتے ہیں - اس صورت حال کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ مرکز توازن تقریباً مجہول ہو گیا ہے ' اور اُس کی تلاش از حد مشکل ہوگئی ہے - یہی سبب ہے کہ موجودہ دنیا میں ہر طرف شورشیں اور انقلابات برپا ہو رہے ہیں - کوئی نظام بھی پائداری حاصل کرنے نہیں پاتا -

لیکن صرف انگریزوں ہی کی قوم یورپ کی ایک ایسی قوم ہے جس نے رومانیوں کی طرح مرکز توازن معلوم کر لیا ہے - وہ ایک طرف اصلاح و تجدد کی حامی ہے - دوسری طرف اپنے قومی مقومات بھی برقرار رکھے ہوئے ہے - اُن میں جمود و تقلید نہیں ہے - برابر اصلاح و تجدید میں مشغول ہیں ' مگر پوری تدریج اور دانشمندی کے ساتھ قدم بڑھاتے ہیں - انگلستان کی آزادی نہ تو کرامویل کے ہاتھوں قائم ہوئی ہے ' نہ جمہوریت پسندوں کی لائی ہوئی ہے - وہ انگریزی تاریخ کی پیداوار ہے (۱) - یہ تمام عظمت و قوت جس پر آج انگلستان فخر کر رہا ہے ' درحقیقت اِسی توازن فکر و عمل کا نتیجہ ہے -

(۱) جب خاندان اسٹورات کے بادشاہ چارلس اول کا استبداد بہت بڑھ گیا ' تو انگریز امریکا کی طرف ہجرت کرنے لگے - حتی کہ انگلستان کے بعض علاقے بالکل خالی ہوگئے - ظالم بادشاہ یہ دیکھ کر گھبرایا اور ہجرت کی ممانعت کردی - جس دن ممانعت کا اعلان ہوا ' دریائے ٹیمس میں مہاجرین کے کئی جہاز روانگی کے لیے طیار تھے - اُنہی میں کرامویل بھی تھا - اب باشندوں نے دیکھا کہ ظلم سے نجات حاصل کرنے کی راہ بغاوت کے سوا کوئی نہیں ہوسکتی - چنانچہ بغاوت شروع ہوگئی - کرامویل اِس باغی فوج کا سپہ سالار مقرر ہوا - بغاوت کامیاب ہوئی - جمہوریت کا اعلان کیا گیا - کرامویل جمہوریت کا صدر منتخب ہوا - اُس وقت اُس کا لقب " لارڈ پروٹیکٹر " تھا - مگر بعد میں خود یہ بھی مستبد ہوگیا - آخر سنہ ۱۶۴۹ع میں قوم نے اُس کی حکومت کا بھی خاتمہ کر دیا -

اِس تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ ہر قوم کے اخلاق و عادات ایسے ہونے چاہئیں کہ آسانی سے بدل نہ سکیں - لیکن ساتھ ہی اُن میں اِتنی لچک بھی لازمی ہے کہ بتدریج تبدیلی قبول کر سکیں - تاریخ کا قبرستان ایسی قوموں کی نعشوں سے لبریز ہے جو یہ راز معلوم نہ کر سکنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں -

(ترقی انقلاب سے بہتر ہے)

اجتماع کا یہ ناموس بھی ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ تدریجی ترقی کی راہ ، اچانک انقلاب سے بہتر اور محفوظ ہوتی ہے - لیکن کبھی کبھی ایسے حالات بھی پیدا ہوجاتے ہیں کہ انقلاب ضروری ہو جاتا ہے - اس کی مثال یہ ہے کہ بعض جسمانی امراض کا بہترین علاج یہی ہوتا ہے کہ فوراً سخت بخار چڑھ آئے - بخار کی شدت ، وہ امراض دور کر دیتی ہے - قومیں بھی کبھی کبھی ایسے ہی امراض میں مبتلا ہو جاتی ہیں ، اور اُن کا علاج یہی ہوتا ہے کہ فوراً انقلاب برپا کر دیا جائے - کیونکہ ایسی حالت میں اگر تدریجی اصلاح کا انتظار کیا جائے گا ، تو مرض امتداد زمانہ سے تمام قومی جسم پر حاوی ہو جائیگا ، اور پھر اُس کا علاج مشکل ہو جائیگا - چنانچہ جہاں تک کسی ایسی قوم کی ترقی کا تعلق ہے ، جو کسی دوسری غاصب قوم کے ماتحت آ گئی ہو ، انقلاب کے بغیر چارہ نہیں - کیونکہ اس صورت میں کسی قدرتی حالت کی اصلاح و ترقی کا سوال در پیش نہیں ہوتا ، بلکہ ایک غیر قدرتی اور ناجائز قبضہ و غصب کا خاتمہ مطلوب ہوتا ہے -

بہر حال ماہرین سیاست کا فرض ہے کہ زمانے کی روح ، اُس کے پھیلنے سے پہلے ہی معلوم کرلیں ، اور حکومت کی شکل میں ایسی تبدیلیاں کرتے رہیں جن پر عام رائے مطمئن ہوسکے - ورنہ نتیجہ نہایت ہی مہلک ہوگا -

(نوجوان اور بوڑھے)

اِس سلسلہ میں یہ حقیقت بھی قابل ذکر ہے کہ سن رسیدہ افراد نوجوانوں کے مقابلے میں اصلاح و تجدد کے کم حامی ہوتے ہیں - اِس میں اُن کا کوئی قصور نہیں ہے کہ قابل ملامت ہوں - علم وظائف اعضاء سے ثابت ہوچکا ہے کہ بوڑھے اجسام میں اعصاب کمزور پڑ جاتے ہیں ، اسلیے عادات کی مقاومت کی قوت باقی نہیں رہتی - برخلاف اس کے نوجوانوں کے اعصاب مضبوط ہوتے ہیں اور اسلیے عادات کی مخالفت آسانی سے کرسکتے ہیں -

(خیالات کا عروج و ہبوط)

زمانے کی روح ہمیشہ موجود رہتی ہے - ہر زمانے میں بدلتی رہتی ہے - تاریخ کے بڑے بڑے دور اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ زمانے کی مختلف روحوں کے مظہر ہیں - جدید خیالات و افکار کی مثال بالکل ستاروں کی سی ہے - وہ کبھی افق پر بلند ہوتے ہیں ، کبھی بالکل چھپ جاتے ہیں - اسی طرح کبھی ایک قسم کے خیالات کو عروج ہوتا ہے ، کبھی دوسرے قسم کے خیالات کو - آج جو خیالات مقبول عام و خاص ہیں ، بہت ممکن ہے کہ کل مکروہ و متروک ہو جائیں - صلیبی جنگوں کے زمانے میں جن افکار نے تمام یورپ میں ہلچل ڈال دی تھی ، آج دنیا اُن سے نفرت کرتی اور اُن پر حقارت سے مسکراتی ہے -

زمانہ بہت سی قوتوں کو پراگندہ کرکے فنا کر ڈالتا ہے ، اور بہت سی نئی قوتیں پیدا کردیتا ہے جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتیں - دنیا کی بہت سی پرانی آرزوئیں آج مٹ چکی ہیں اور اُن کی جگہ بالکل نئی امنگوں نے لے لی ہے -

(زمانہ کی روح)

زمانے کی روح کبھی ایک نقطہ و مرکز پر قائم نہیں رہتی - وہ بحر زخار کی موجوں کی طرح ہر طرف پھیلتی اور ظاہر ہوتی رہتی ہے - وہ ہوا کی طرح ہر مقام پر پہنچتی اور دلوں اور دماغوں کو جنبش میں لاتی رہتی ہے -

زمانے کی روح ہی درحقیقت قوموں میں زندگی اور حرکت پیدا کرتی ہے - زمانے کی روح ایک پر اسرار اَن دیکھی مخلوق ہے - کوئی اُسے دیکھ نہیں سکتا ، مگر وہ سب میں داخل ہوتی اور اپنا عمل انجام دیتی رہتی ہے !

زمانے کی روح خاص طور پر بڑی بڑی انسانی جماعتوں میں جنبش پیدا کردیتی ہے - بڑے بڑے شہروں میں قوت سے ظاہر ہوتی ہے - قصبوں اور دیہاتوں میں اُس کا اثر کمزور ہوا کرتا ہے -

حکام و ارباب سیاست کا فرض ہے کہ سب سے پہلے زمانے کی روح اور اُس کے مقتضیات معلوم کریں - اس کے مطابق اپنے اندر تبدیلی کریں - ایسے نظام جاری کریں جو اِس روح کے مطابق ہوں - ورنہ نتیجہ ، ناکامی و ہلاکت کے سوا کچھ نہ ہوگا -

حکام وقت کا فرض ہے کہ اپنے زمانے کی روح سے غفلت نہ برتیں - یہ روح کوئی خیالی بات نہیں ہے ، بلکہ حقیقی وجود رکھتی ہے - قوموں کے حکام اور رہنماؤں کی ذمہ داری بہت ہی عظیم ہوتی ہے - اُن کا کام بالکل جہاز کے ناخدا کا سا ہے ، جو ایک لمحہ کے لیے بھی ہوا اور موسم کی طرف سے غافل نہیں ہوسکتا - اُس کی نظریں ، جہاز کے چپہ چپہ پر ہوتی ہیں - کیونکہ ایک ننھا سا سوراخ بھی پورے جہاز کی غرقابی کا باعث ہو جا سکتا ہے -

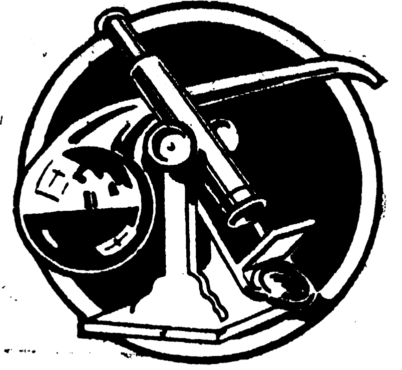
اِس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ زمانے اور حالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ اجتماعی و سیاسی نظامات میں بھی تبدیلی لازمی ہے - ایسا کرنے سے ترقی و سعادت کی راہیں کھلتی ہیں - اور اِس کی مخالفت سے تباہی و بربادی نازل ہوتی ہے -

(مسلح انقلاب)

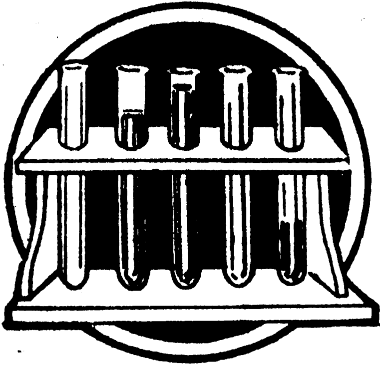
بغاوت یا مسلح انقلاب اُسی وقت جایز ہوتا ہے ، جب عام رائے اور قوم کی امیدوں کے موافق ہو - ایسے انقلاب میں پوری قوم کے جذبات مشتعل ہو جاتے ہیں - انقلاب --- کسی قسم کا بھی ہو --- بنیادی تبدیلی کا ثبوت ہوتا ہے -

اصلاح کے عمل میں حقوق کا دائرہ طبیعی طور پر وسیع ہوتا ہے - برخلاف اس کے انقلاب میں تبدیلی اچانک واقع ہوتی ہے - انقلاب درحقیقت ، اجتماعی انتقام ہے - ایک غیر طبیعی حرکت ہے - خونریزی اور مصائب و آلام اُس سے پیدا ہوتے ہیں -

انقلاب ، ایک مصیبت ہے - ملک پر یہ مصیبت اُسی وقت نازل ہوتی ہے جب ضرورت کے مطابق ، اصلاح موجود نہیں ہوتی - فساد اجتماعی جسم میں پھیل جاتا ہے ، اور قومی مزاج بالکل بگاڑ ڈالتا ہے - اصلاح کی تاخیر کا ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ اُس کی راہ میں کوئی رکاوٹ پڑ جاتی ہے - وہ اپنی طبیعی حد کو پہنچنے نہیں پاتی - نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دبی ہوئی اجتماعی روح اچانک اُبل پڑتی ہے ، اور تمام موانع کو قوت کے ساتھ اُٹھا پھینکتی ہے - پس انقلاب ، کوئی اجتماعی قانون نہیں ہے - ہاں اُسے اجتماعی حادثہ کہہ سکتے ہیں -



مذاکرہ علمیّہ



جب حکومت کي شکل حالات ' ماحول ' اور قومي آرزوں کے خلاف هوتي هے ' اور اُس کي تبديلي کے ليے قوم کے سامنے کوئي قانوني راہ باز نهيں هوتي ' تو يه وقت انقلاب و بغاوت کے ظهور کا وقت هوتا هے - لهذا ضروري هے که ضرورت کے وقت فوراً اصلاح شروع کر دي جائے ' ورنه قوم کو يه حق حاصل هو جائيگا که فوري تبديلي کے ليے اپنا قدرتي حق استعمال کرے اور بغاوت پيدا هوجاے -

اسپين ميں باشندگان هالينڈ کي بغاوت (سنه ۹۶۲ ھ) خاندان اسٹورٹ پر انگريزوں کا خروج ' نپولين بونا پارٹ پر جرمني کي بغاوت ' آسٹريا پر اٹالين قوموں کي بغاوت — يه تمام بغاوتيں تاريخ کي نظر ميں ' صحيح ' جائز ' اور قانوني بغاوتيں تهيں -

(انقلاب کي طبيعت اور حکومت کے فرائض)

بغاوت عموماً آتش فشاں پهاڑ کے انفجار يا آندهي کے طوفان کے مشابه هوتي هے - شروع شروع ميں اُس کا خيال چند افراد کے اندر پيدا هوتا هے - پهر آهسته آهسته تمام قوم ميں پهيل جاتا هے - بغاوت کا خيال تبديلي کے احساس سے پيدا هوتا هے - جب تبديلي ظاهر نهيں هوتي تو حکومت کي طرف سے عام بد دلي پيدا هوجاتي هے - يه بد دلي مخفي غصه کي صورت اختيار کر ليتي هے - جب حالت اِس درجه تک پهنچ جاتي هے تو قوم هر لمحه مشتعل هو جانے کے ليے طيار هو جاتي هے - اُس وقت معمولي سے معمولي بات بهي عام بغاوت کا سبب بن جاسکتي هے -

لهذا حکام کا فرض هے که ايسي حالت پيدا هونے سے پهلے هي اصلاح نافذ کرديں - ليکن اگر بر وقت نه کرسکيں' تو پهر اُن کے ليے بهترين طريقه يه هے که اِس بغاوت و انقلاب ميں شامل هوجائيں' يعني اُسے اپنے هاتهه ميں لے ليں' تاکه اُس کي مضرتيں کم سے کم هوجائيں-

اعتذار

افسوس هے که شهر کي عام تعطيل کي وجه سے اس هفته بهي مطلوبه تصاوير طيار نه هوسکيں اور هميں تصوير کے بغير پرچه شائع کرنا پڑا - تصاوير کے نه مل سکنے کي اطلاع ملنے پر وہ تمام مضامين بهي ترک کرديني پڑے جن کا تعلق تصاوير سے تها - اس صورت حال کا صحيح علاج يهي هے که جلد از جلد تصاوير کي طياري کا مستقل انتظام کرليا جاے - آينده پرچوں ميں هم اس کمي کي پوري تلافي کرديںگے -

منيجر

عالم سماوی



کيا ستارے زندگي سے محروم هيں ؟



هم تاروں بهري رات ميں نظر اٹهاتے هيں تو آسمان پر بے شمار ستارے نظر آتے هيں - يه ستارے در حقيقت ويسے هي کرے هيں' جيسا ايک کرہ خود هماري زمين هے - اِن ستاروں ميں بهت سے ستارے هماري زمين سے بهي بهت زياده بڑے اور بهت زياده عمر کے هيں - بعض هماري زمين سے چهوٹے اور اُس سے کم عمر رکهتے هيں - يه تمام ستارے بهي ويسے هي ايک نظام سے وابسته هيں ' جيسا همارا نظام شمسي هے - اِن ميں بهي آفتاب هيں اور اپنے گرد بهت سے کواکب اور سيارے رکهتے هيں -

مدت سے علماء فلک ميں سخت اختلاف هے که يه ستارے بهي هماري زمين کي طرح زنده موجودات سے آباد هيں يا نهيں ؟ ايک گروہ پهلي رائے کا قائل هے - دوسرا دوسري راے کا -

پہلے گروہ کي دليل يه هے که زندگي کے ليے جن شرطوں کي ضرورت هے ' وہ زمين کے علاوہ اِن ستاروں ميں موجود نهيں هيں - ليکن اُس کا يه دعوى کئي وجوہ سے نا قابل تسليم هے - پهلي بات تو يه هے که اِن شرطوں کي عدم موجودگي کا ثبوت کيا هے ؟ کون دعوى کر سکتا هے که هوا ' پاني ' نور ' حرارت ' وغيرہ لوازم زندگي سے يه ستارے بالکل خالي هيں ؟ بلا شبه اب تک اِن کے وجود کي بهي کوئي دليل همارے علم ميں نهيں آئي - ليکن بهت ممکن هے که يه چيزيں وهاں موجود هوں اور هماري تحقيقات ميں ابهي نه آئي هوں - حال هي ميں انساني علم نے معلوم کر ليا هے که بعض ستاروں ميں اکسيجن موجود هے ' جو زندگي قائم رکهنے والي هوا کا اصلي جزء هے -

پهر يه دعوى بهي بالکل بے دليل هے که زندگي کي جو شرطيں هميں معلوم هيں ' اُن کے بغير زندگي کا وجود ممکن نهيں - بلا شبه هماري زمين پر زندگي اِن شرطوں کے بغير نا ممکن هے - ليکن يه کيا ضروري هے که دوسرے ستاروں کي طبيعت بهي بالکل ويسے هي هو جيسي هماري زمين کي هے ؟ يه بهي ضروري نهيں که زندگي کا ظهور اُن ستاروں ميں بهي ويسا هي هو' جيسا اِس زمين ميں هے - بهت ممکن هے اُن ستاروں ميں زندگي کي شکليں بالکل مختلف هوں - اجسام کي ساخت جدا هو ' اعضاء و عضلات دوسري وضع کے هوں - زندگي کے لوازم مختلف هوں - ستاروں کي کائنات پر ايک هي اعتبار سے قياس کرنا اور اُن پر يکساں حکم لگانا ' صحيح نهيں هوسکتا -

دوسرے گروہ کا پہلی بڑی حد تک مقبول ہے - وہ کہتا ہے ہماری زمین کیا ہے ؟ اِس لا متناہی فضا میں بہنے والے لکھو کہا کروں میں سے ایک چھوٹا سا کرہ ہے - زمین کو ظاہری اعتبار سے دوسرے کروں پرکوئی امتیاز حاصل نہیں - نہ تو اُس کا حجم ہی سب سے بڑا ہے ' نہ عمر ہی سب سے زیادہ ہے - پھر کیا وجہ ہے کہ اُس میں زندگی موجود ہو ' اور باقی تمام کرے ' جو اُس سے کہیں زیادہ بڑے اور قدیم ہیں ' زندگی سے بالکل خالی سمجھے جائیں ؟

ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ یہ تمام ستارے بھی ویسے ہی ایک دقیق نظام سے وابستہ ہیں ' جیسا نظام ہماری زمین کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے - وہ بھی نہایت انتظام کے ساتھ اپنے افلاک میں گردش کرتے ہیں - اُن کی رفتار میں بھی ادنی سے ادنی خلل یا بد نظمی کبھی پیدا نہیں ہوتی - پھر کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ یہ ستارے جن پر قدرت اپنی اِس قدر توجہ صرف کر رہی ہے ' بغیر کسی زندگی کے موجود ہوں ' اور اِس کے سوا کوئی غرض و غایت نہ رکھتے ہوں کہ ہماری دلچسپی اور نظر فریبی کا سامان مہیا کریں ؟ اِس میں قدرت کی کیا حکمت ہو سکتی ہے کہ یہ ننھا سا ذرہ ' یعنی زمین ' تو آباد ہو ' اور باقی تمام عظیم الشان عوالم چٹیل میدان سے بھی بدتر ہوں ؟ حالانکہ وہ بھی زمین ہی کی طرح ایک پورے حکیمانہ نظام کے ماتحت قائم ہیں -

بے شمار علمی قرائن اِس نظریے کی تائید کر رہے ہیں کہ ہمارے تمام نظام شمسی کے کواکب کی اصلیت ایک ہی ہے - اور وہ سدیم ہے - اِن سب کی تکوین ' سدیم ہی کے مادہ سے ہوئی ہے - وہ بتدریج سدیمی کرہ سے جدا ہو کر مستقل وجود بنے ہیں - اِسی طرح تمام کیمیاوی و فلکی دلائل کا رجحان بھی اِسی نظریے کی طرف ہے کہ نہ صرف خاندان شمسی بلکہ جملہ عوالم فلکی ' اِسی سدیم سے بنے ہیں - زمین اور جملہ ستاروں کا خمیر ایک ہی ہے - سب ایک ہی مادے کی مختلف شکلیں ہیں - سب کا مادہ کیمیاوی ذروں سے مرکب ہے - ان میں ہر ذرہ اپنے اندر دو کہربائی لہریں ایجابی اور سلبی رکھتا ہے -

پس جب جملہ کائنات اور ہماری زمین ' ایک ہی اصل رکھتی ہیں ' تو کوئی وجہ نہیں کہ صرف ایک ہمارے کرے ہی میں زندگی ہو اور باقی تمام کرے ' مردہ اور بے جان فرض کر لیے جائیں - اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ زمین کے سوا کسی دوسرے ستارے میں زندگی نہیں ہے ' تو یہ سوال قابل غور ہے کہ بقول علماء فلک کے سورج اپنی حرارت برابر کھو رہا ہے ' اور کروڑوں برس کے بعد ایک وقت آجائیگا جب وہ بالکل بے نور اور بے حرارت ہوکر رہ جائیگا - اُس وقت زمین یقیناً زندگی سے محروم ہو جائیگی - ایسی حالت میں یہ کروڑوں ستارے کیا ہونگے ؟ کیا یہ بھی ہمارے نظام شمسی کے ساتھ تباہ ہو جائینگے ؟ حالانکہ معلوم ہے کہ گنتی کے چند کواکب کے سوا باقی تمام ستارے ہمارے نظام شمسی سے باہر ہیں اور ہمارے آفتاب کی موت و حیات کا اُن پرکوئی اثر نہیں پڑ سکتا - اگر یہ تباہ نہیں ہونگے ' تو اِن کے وجود سے فائدہ کیا ہے جب کہ وہ بالکل اُجاڑ ' سنسان ' اور بے جان ہیں ؟

تمام عقلی و نقلی علوم اور دینی روایات بھی ثابت کر رہی ہیں کہ جملہ کائنات ' ایک ہی اصل سے ظاہر ہوئی ہیں اور ایک ہی قسم کے طبیعی ناموس کے ماتحت برقرار ہیں - اگر یہ صحیح ہے تو زمین کو کوئی خاص امتیاز حاصل نہیں ہے کہ صرف اُسی پر زندگی ہو اور باقی تمام عوالم بے نور اور زندگی سے محروم ہوں - زمین پر زندگی کے جو لوازم ہیں ' ضروری نہیں کہ دوسرے ستاروں میں بھی لوازم ہوں - ناموس انتخاب طبیعی بتاتا ہے کہ زندہ مخلوقات اپنے ماحول اور زمان و مکان کے اختلاف سے مختلف صورتیں اختیار کرلیتی ہیں - اُن کی شکل بھی بدل جاتی ہے - مزاج بھی مختلف ہو جاتا ہے - پہلے یقین کیا جاتا تھا کہ سنٹی گریڈ کے سو درجہ حرارت میں کوئی ذی روح زندہ نہیں رہ سکتا - لیکن اب معلوم ہوا ہے کہ بعض جراثیم کھولتے ہوئے پانی میں بھی زندہ رہجاتے ہیں - اِسی طرح بعض جراثیم برف میں بھی مدتوں نہیں مرتے - اگر یہ صحیح ہے تو یہ باور کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ دوسرے ستاروں کے جاندار بھی اُس ماحول میں زندہ نہیں رہ سکتے ' جو ماحول ہماری زندگی کے منافی ہے -

ممکن ہے ستاروں میں زندگی کا قوام ہماری زمین کی زندگی کے قوام سے مختلف ہو - مثلاً آکسیجن ہمارے لیے ضروری ہے ' مگر دوسرے ستاروں کی مخلوقات کے لیے ضروری نہ ہو - ظاہر ہے کہ ستاروں کے جاندار ہم سے مختلف ہونگے ' کیونکہ اُن کا ماحول ہم سے بالکل مختلف ہے - ہمارے اُن کے درمیان مابہ الاشتراک صرف روح ہی ہو سکتی ہے - اور معلوم ہے کہ روح نہ تو کوئی شکل رکھتی ہے ' نہ مادے کے تابع ہے - خود اپنی اِسی زمین پر ہم دیکھتے ہیں کہ لاکھوں مخلوقات اپنی جسمانی ترکیب اور ضروریات زندگی میں ایک دوسرے سے پورا اختلاف رکھتی ہیں - تاہم سب زندہ ہیں ' اور سب میں ایک ہی روح کار فرما ہے - جب خود زمین پر مخلوقات کا اختلاف اِس درجہ زیادہ ہے ' تو ظاہر ہے ' دوسرے ستاروں کی مخلوق ہم سے کیوں مختلف نہو ؟

چونکہ ہماری زمین ' سب سے زیادہ قدیم نہیں ہے ' اس لیے ممکن ہے ' دوسرے ستاروں میں زندگی زیادہ قدیم اور بہت ترقی یافتہ ہو - بہت ممکن ہے کہ بعض ستاروں کی مخلوق اِس درجہ ترقی کرگئی ہو کہ ہم سے بہت زیادہ علم و حکمت رکھتی ہو - ہم سے بہت زیادہ اسرار وجود سے واقف ہو - ہم سے کہیں زیادہ اُس کی ایجادیں محیر العقول ہوں - ممکن ہے اُس کے پاس ایسے ذرایع موجود ہوں کہ قریب کے دوسروں ستاروں تک بھی پہنچ سکتے ہوں اور روح و مادہ کے راز معلوم کرچکی ہوں - ممکن ہے اُن کے جسم ہمارے ہی جیسے ہوں - ممکن ہے ہم سے بالکل مختلف ہوں - بہت ممکن ہے وہ ہم سے زیادہ حواس رکھتے ہوں -

یہ ہے خلاصہ دوسرے گروہ کے خیالات کا - اور پہلے گروہ کے خیالات سے زیادہ معقول معلوم ہوتا ہے -

اطلاع

اکثر حضرات الہلال کے ابتدائی نمبروں کا شوق ظاہر کرتے ہیں ' اور خریدار ہوتے ہوے لکھتے ہیں کہ تمام پچھلے پرچے بھیج دیے جائیں - لیکن افسوس ہے کہ ابتدائی نمبر اب دفتر میں موجود نہیں ہیں اور اسلیے دفتر تعمیل سے مجبور ہے -

منیجر

تاریخ و عبر

مسیحیت اور بت پرستی

آٹھویں اور نویں صدی میں مسیحیت کو خیالات کی ایک بڑی خانہ جنگی کا سامنا کرنا پڑا تھا - اس خانہ جنگی کی وجہ ' بت پرستی تھی - بیزنطینی شہنشاہیت میں یہ نزاع آخری حد تک پہنچ گئی تھی -

ابتدائی عہد کے عیسائی بتوں ' تصویروں ' اور نقش و نگار کی تعظیم و عبادت سے نفرت رکھتے تھے - کیونکہ یہ بت پرستی تھی - وہ یہودیت سے نکلے تھے ' اور یہودیت خدا کا تجسم نا جائز قرار دیتی ہے - انہیں یورپ میں یونانیوں سے مقابلہ کرنا پڑا تھا ' یونانی بت پرستی کے سب سے بڑے شائق تھے - اس لیے قدرتی طور پر وہ اپنے حریفوں سے اپنے آپ کو علحدہ رکھنا چاہتے تھے -

اس زمانے میں مسیحی دعاۃ ان بت پرستوں پر ہنستے تھے اور تعجب کرتے تھے کہ یہ لوگ خود اپنی بنائی ہوئی چیزوں کو سجدہ کرتے ہیں - لیکن بت پرستی سے یہ بیزاری تثلیث اور تجسم کو روک نہ سکی - بلکہ اس کے بحث و جدال ہی نے در حقیقت بت پرستی اور تصویر پرستی مسیحی کنیسا میں پیدا کردی !

(بت پرستی کی ابتدا)

یہ چیز مسیحیت میں سب سے پہلے جن نو مذہب عیسائیوں کے ذریعہ آئی تھی ' وہ بھی حضرت مسیح کے بت یا تصویر کی پرستش نہیں کرتے تھے - لیکن چونکہ بت پرستی سے نئے نئے مسیحیت میں آئے تھے ' اس لیے انہوں نے حضرت مسیح کی تصویروں کی تعظیم و تکریم شروع کردی - ٹھیک اسی طرح ' جس طرح ارسطو اور فیساغورس وغیرہ کی تصویروں کی یونانی عزت کیا کرتے تھے - ان کے نئے نئے ایمان کے خیال سے مسیحی علماء نے تساھل برتا ' اور یہ خیال کرکے کہ یہ لوگ ان چیزوں کی عبادت نہیں کرتے بلکہ صرف تعظیم کرتے ہیں ' ان پر کوئی تشدد نہیں کیا - اس طرح یہ تعظیم بغیر کسی روک کے جاری ہوگئی -

بتدریج اس تعظیم نے عبادت کی صورت اختیار کرلی - یہانتک کہ تیسری صدی میں قسطنطین نے مسیحی کلیسے میں با ضابطہ طور پر یہ نئی مسیحی عبادت داخل کردی - مسیحی علماء نے اس وقت بھی کوئی مخالفت نہیں کی - انہوں نے خیال کیا ' بت پرستی کی اب جڑیں تک اکھڑ چکی ہیں ' اس کے از سر نو احیا کا کوئی اندیشہ نہیں ہے -

چنانچہ نئی پرستش کا آغاز ہوگیا - سب سے پہلے صلیب اور مقدس آثار کی تعظیم سے شروع ہوئی - پھر شہیدوں اور ولیوں کی قبور کی تعظیم و تکریم شروع ہوگئی - پھر ان سے منتیں مرادیں مانگی جانے لگیں - بالاخر ان کی مورتیں ظاہر ہوئیں - لوگوں نے خیال کیا ' اگر صلیب اور مقدس آثار و قبور میں بزرگی ہے ' تو کوئی وجہ نہیں کہ مورتوں میں اور بھی زیادہ بزرگی اور برکت نہ ہو ؟ بادشاہوں اور بڑے آدمیوں کے بت بنائے جاتے ہیں ' کیوں نہ خدا کے برگزیدہ بندوں کے بھی بت بنائے جائیں ' اور ان سے برکت و سعادت حاصل کی جاے ' حالانکہ وہ بادشاہوں سے کہیں زیادہ اجلال و تکریم کے مستحق ہیں ؟

اس طرح بتدریج بت پرستی مسیحی کنیسے میں داخل ہوگئی - شروع شروع میں کنیسا کی دیواروں پر تصویریں اور مورتیں اس غرض سے آویزاں کی گئی تھیں کہ " ان کے معائنہ سے عبرت و موعظت حاصل ہوگی " لیکن آگے چلکر ان کی حیثیت ایک نا گزیر دینی شعار اور ربانی عبادت کی ہوگئی - مخلص عیسائی بتوں اور تصویروں کے لیے اسی طرح نماز پڑھنے لگے ' جس طرح وہ خدا کے لیے نماز پڑھتے تھے !

اس بدعت کے ساتھہ اور بھی کئی مشرکانہ رسمیں مسیحی کنیسا میں داخل ہوگئیں - چنانچہ چراغاں ' بخور ' رکوع و سجود ' وغیرہ رسمیں ' سب بت پرستوں ہی سے لی گئی ہیں -

سچے عیسائیوں نے جب یہ حالت دیکھی تو اعتراض کیا - مگر ان کی کوئی شنوائی نہیں ہوئی - ان مقدس تصویروں اور مورتوں کے ہزاروں معجزے مشہور ہو چکے تھے - لوگ ان سے دست بردار ہونے کے لیے طیار نہ تھے -

شروع شروع میں روح القدس کی تصویریں بہت مبہم اور مضطرب بنائی جاتی تھیں - لیکن حضرت مسیح اور مریم (علیہما السلام) اور فرشتوں کی تصویریں بالکل صاف اور خالص انسانی قالب میں ہوا کرتی تھیں -

(چھٹی صدی مسیحی)

ابھی چھٹی صدی ختم نہیں ہوئی تھی ' کہ یہ مشرکانہ عبادت کنیسا کی ایک شرعی عبادت بن چکی تھی - تمام کنیسے تصویروں اور بتوں سے آراستہ تھے ' حتی کہ خود ویٹیکان (محل اعظم پوپ) بھی ان سے لبریز ہو چکا تھا - اب یہ حالت تھی کہ مسیحی مؤمنین ' تصویروں اور بتوں کے حد سے زیادہ دلدادہ تھے - انہیں عبادت و برکت کے لیے ضروری سمجھنے لگے تھے - وہ تقوی و بزرگی کے نشان خیال کیے جاتے تھے -

آٹھویں صدی کے اوائل میں تصویر پرستی اور بت پرستی ' مسیحی عبادت خانوں میں پورے عروج تک پہنچ چکی تھی - اسی زمانے میں بعض یونانی علماء ظاہر ہوئے ' اور اسے کنیسا کی بت پرستی قرار دیا - ان لوگوں نے کہا " مشرک قومیں بھی اپنے بتوں کو خدا نہیں کہتی تھیں ' بلکہ بعینہ وہی معانی ان کے پیش نظر تھے ' جو ان تصویروں اور مورتوں کے بارے میں تمہارے پیش نظر ہیں - لیکن اس پر بھی خدا کی شریعت نے انہیں مشرک قرار دیا - تم میں اور ان میں کوئی فرق نہیں - صرف الفاظ اور اسماء کا اختلاف ہے " -

(اسلام کا ظہور)

صدیوں کی غفلت کے بعد مسیحی علماء میں یہ بیداری صرف اس وجہ سے پیدا ہوئی تھی کہ دین اسلام جزیرۃ العرب سے نکل کر اب مصر ' شام ' فلسطین پر چھا گیا تھا اور خود بیزنطینی کنیسے کے مرکز پر اسکی تیز نظریں پڑ رہی تھیں - اسلام کی تعلیمات اس بارے میں معلوم و مشہور ہیں - ابتدائی تصادم کے زمانے ہی میں مسیحیوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ مسلمان انہیں بت پرست اور مشرک کہتے ہیں - انہوں نے اسلامی مسجدیں بھی دیکھی تھیں جو ہر قسم کی تصویروں اور مورتوں سے خالی تھیں -

مسیحیوں کی ایک جماعت اسلامی اثرات سے متاثر ہوگئی اور توراۃ کی تعلیم کی طرف از سر نو دعوت دینے لگی جو تصویر پرستی اور بت پرستی کی تمام شکلوں کو حرام قرار دیتی ہے -

(لیون کی اصلاح)

اسی زمانے میں لیون سوم قسطنطنیه کے تخت پر بیٹھا - اِس شہنشاہ نے اشور کے پہاڑوں میں نشو و نما پائی تھی - ہر قسم کی تعلیم و تربیت سے محروم تھا - تاهم عقل سلیم رکھتا تھا - یہودیوں اور عربوں کی صحبت میں بیٹھ چکا تھا ' اور اُن کے اثر سے تصویروں اور بتوں کی تعظیم و عبادت سے متنفر تھا -

یه تخت نشین ہوا ! اور غایت تدبر سے اپنے ارادے مخفی رکھے - یہانتک که جب پوری طرح اقتدار حاصل هو گیا تو دینی اصلاح کی طرف قدم اٹھایا - اِس نے پہلا کام یه کیا که علماء کی ایک مجلس منعقد کی اور یه فتوی صادر کرایا که کنیسوں اور مقدس هیکلوں سے تصویریں اور مورتیں هٹا کر کسی ایسی بلند جگه منتقل کردی جائیں جہاں مشرکانه رسمیں انجام نه دی جا سکیں -

چند سال بعد اُس نے دوسرا قدم اٹھایا اور مورتیوں کی پرستش' اُنکی تعظیم ' اور کنیسوں میں موجودگی ' سب ناجائز قرار دیدی - اُس نے صرف اِتنے هی پر اکتفا نہیں کیا ' بلکه قسطنطنیه کے تمام کنیسوں کو تصویروں اور مورتوں سے خالی بھی کر دیا - چنانچه حضرت مسیح اور حضرت مریم بتول (علیهما السلام) کے تمام بت توڑ کر پھینک دیے گیے - اور تمام تصویریں محو کردی گئیں -

اُس کے بیٹے قسطنطین پنجم نے اِس بارے میں اور بھی زیادہ سختی برتی - سنه ۷۵۴ ع میں اُس نے ایک دینی مجلس منعقد کی - اِس میں ۳۳۸ پیشوا جمع ہوئے - اِس لحاظ سے یه مجلس بہت هی بڑی مجلس تھی - مگر اس میں صرف بیزنطینی کنیسے هی کے علماء شریک ہوئے تھے - رُوم ' اسکندریه ' بیت المقدس ' اور انطاکیه کے نمائندے شامل نہیں تھے - پادشاہ نے اِس مجلس کے سامنے تصویر پرستی کا مسئله پیش کیا - متفقه فیصله ہوا که یه عبادت ' مسیحی تعلیمات کی رو سے قطعاً حرام ہے - اور پرستش کی تصویریں ' مجسمے ' اور آثار مسیحی عبادت گاهوں سے خارج کردینے چاهئیں - اس مجلس نے صلیب کو بھی اپنے فتوے میں مستثنی نہیں کیا ' اُسے بھی تجسم کا رمز قرار دیکر ممنوع ٹھہرایا - مزید برآں خود فن مصوری کو بھی نا جائز بتایا - اِس نے یه حکم بھی نافذ کیا که جو شخص صلیب بنائے ' یا مقدس تصویریں اور نقوش اتارے ' اُسے فوراً کنیسے سے خارج کردیا جائے ' اگرچه وہ خود علماء کی جماعت هی میں سے کیوں نه هو -

سنه ۷۶۶ ع میں اِس فیصله کو اور بھی زیادہ تشدد کے ساتھ جاری کیا گیا - صلیب رکھنا ' ولیوں کے لیے نماز پڑھنا ' تصویروں کی تعظیم کرنا ' یه سب باتیں جرم قرار پائیں ' اور مخالفوں کے لیے تازیانه کی سزا سے لیکر آنکھیں پھوڑنے ' زبان کاٹنے ' اور سولی پر چڑھانے تک کی سزائیں تجویز کی گئیں -

(بت پرستی کا دوسرا دور)

لیکن ملکۂ ایرینی کے عہد میں پھر انقلاب ہوا - یه ملکه بت پرستی کی حامی تھی ' کیونکه وہ نسلاً یونانی تھی اور عورت تھی - یه اِس حیثیت سے تخت نشین ہوئی تھی که اپنے نا بالغ لڑکے قسطنطین ششم کی ولی اور سر پرست رهیگی - اِس نے برسر اقتدار آتے هی ایقونی کنیسا (یعنی بت پرستی کو حرام سمجھنے والے کنیسا) کے علماء کو ستانا شروع کردیا - ستمبر سنه ۷۸۷ع میں به مقام نیس ایک دینی مجلس منعقد کی - اِس میں ۸۶۷ پادری جمع ہوئے تھے - پوپ کے نمائندے بھی شریک تھے - بالاتفاق یه فتوی صادر کیا گیا که مقدس تصویروں اور بتوں کی عبادت مسیحیت میں جائز ہے - اتنا هی نہیں بلکه شرعاً مستحسن ہے - دلیل میں اسلاف کی بہت سی جھوٹی روایتیں پیش کی گئی تھیں - مزید براں قسطنطنیه کی سابق دینی مجلس کی تکفیر بھی کی گئی تھی - اُس کے فیصله پر عمل کرنے والوں کو بھی کافر و مرتد قرار دیا گیا !

(دوسری اصلاح)

ایک مدت تک اِس نئے فیصله پر عمل هوتا رها - یہاں تک که تیوفیلس بیزنطینه کا بادشاہ ہوا - یه بت پرستی کا دشمن تھا - سنه ۸۳۳ ع میں اِس نے پھر علماء مسیحیت سے ایک نیا فتوی حاصل کیا اور بت پرستی حرام قرار پائی - اِس نے صرف تصویریں اور بت هی نہیں مٹائے ' بلکه کنیسوں میں مسیحی بزرگوں کے ناموں کے ساتھ " مقدس " کا لفظ بھی مٹا ڈالا - مصوروں اور بت سازوں کو شدید سزائیں دی گئیں - بہت سے خلاف ورزی کرنے والے پادریوں کی پیشانیاں آگ سے داغ دی گئیں - غرضکه اِس رسم کے خلاف سخت جہاد جاری هوگیا -

اسی زمانے میں ایک مسیحی عالم جان (جسے عربوں نے یوحنا نحوی کے نام سے پکارا ہے) مشرقی رومن سلطنت کے کنیسے کا بطریق اعظم مقرر ہوا - یه شہنشاہ کا استاد تھا اور بت پرستی کا سخت مخالف ' مگر اسکی طبیعت بہت کمزور تھی - اِس نے شاهی احکام کی تنفیذ میں تساهل کیا - نتیجه یه ہوا که مخالفوں کے حوصلے بڑھگئے اور وہ علانیه احکام شاهی کی خلاف ورزی پر آمادہ هوگئے - شہنشاہ نے یه حالت دیکھی تو سخت برهم ہوا - پہلے سے بھی زیادہ تشدد پر اُتر آیا اور مقدس تصویروں اور بتوں کے معتقدین کو سخت سزائیں دینے لگا -

(بت پرستی کا تیسرا دور)

شہنشاہ کے انتقال پر اُس کی ملکه تخت نشین ہوئی - یه اپنے شوهر کے خلاف عقیدہ رکھتی تھی - اس نے بت پرستی پھر رائج کرنی چاهی - مگر اُس کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی یوحنا نحوی تھا - یه شخص دونوں جماعتوں کی نظر میں مکروہ تھا - بت پرستی کے مخالف ' اسے بزدل اور منافق سمجھتے تھے - حامی دشمن خیال کرتے تھے - اِس سے بھی بڑھ کر یه که یه طبیعی علوم اور فلسفه کا عالم تھا - یه چیز اُس زمانے میں تمام دیندار مسیحیوں کی نظر میں کفر و الحاد تھی - اِس صورت حال نے یوحنا کو بالکل بے یار و مددگار کر دیا - چنانچه اُسے معزول کرنے کی کوششیں شروع ہوئیں - اُس پر یه تہمت لگائی گئی که جادوگر ہے - یه تہمت اُس کی معزولی کے لیے کافی تھی - چنانچه اُسے ذلت کے ساتھ نکالا گیا اور ایک گم نام خانقاہ میں جلا وطن کر دیا گیا - مگر مخالفوں کو اِس سے سیری نہیں ہوئی - تھوڑے هی دنوں کے بعد اُس پر یه الزام لگایا گیا که اُس نے ایک ولی کی تصویر کی آنکھیں پھوڑ ڈالی هیں - اِس الزام پر اُسے سخت سزا ملی اور توراۃ کے قانون " دانت کے بدلے دانت اور آنکھ کے بدلے آنکھ " کے بموجب اُس کی آنکھیں پھوڑ ڈالی گئیں !

اب ملکه کے لیے میدان صاف تھا - اُس نے سنه ۸۴۲ع میں ایک اور دینی مجلس قسطنطنیه میں منعقد کی اور از سر نو بت پرستی کا فتوی صادر کرادیا - تمام مخالف ' کافر قرار دیے گئے ' اور بت پرستی مسیحیت کی بنیادی عبادت تسلیم کرلی گئی -

۱۹ فروری سنه ۸۴۲ ع میں کنیسۂ ایا صوفیا میں پھر تصویریں اور مورتیں واپس آگئیں - یونانی کنیسا اب تک یه دن ایک عظیم دینی تہوار کے طور پر مناتا ہے -

ترکی حکومت

اور اُس کے اجتماعی و سیاسی تغیرات

شروع سے ابتک

(۱)

دور اول

سنہ ۶۹۹ ھ (۱۳۰۰ع) سے سنہ ۱۲۲۳ ھ (۱۸۰۸ع) تک

آل عثمان کی سلطنت اُس زمانہ میں ظاہر ہوئی ' جب صلیبی جنگوں کی خونریزی سے مشرق قریب کی سر زمین سرخ ہو رہی تھی اور مسیحی تعصبات سے وقت کا مطلع غبار آلود تھا - اس وقت کی آب و ہوا کا یہ قدرتی اثر تھا کہ سلطان عثمان اور اُن کی اولو العزم اولاد میں دینی جہاد کا جذبہ پیدا ہوا ' اور وہ مسیحی ممالک کی فتوحات پر کمر بستہ ہوگئے - یہ یورپ کے صلیبی حملہ کا قدرتی رد فعل تھا -

اُس وقت ایشیاے کوچک کے اطراف و جوانب بروسہ ' ازمید ' ازنیق ' طرابزوں میں بیزنطینی سلطنت (قسطنطنیہ) کے باج گزار امراء حکمراں تھے - آل عثمان نے اپنے جہاد اور ملک گیری کا آغاز اُنھی سے کیا ' اور یکے بعد دیگرے مطیع یا مغلوب کرتے گئے - اِن سے فارغ ہوکر دردانیال کے آگے بڑھے ' اور بلغاریا ' سرویا ' اور بیزنطینی سلطنت کو زیر وزیر کرنے کے بعد مسیحیت کی راجدھانی " روم " کو گھورنے لگے - یہ صلیبی لڑائیوں کے جوابی حملہ ھی کا جذبہ تھا ' جس نے سلاطین آل عثمان کو یک قلم یورپ کی طرف متوجہ کر دیا تھا ' اور ایشیا سے بڑی حد تک غافل رہے تھے - صرف سلطان سلیم یاوز (خونریز) نے ایشیا کی طرف توجہ کی ' مگر اِس کی ایشیائی فتوحات میں ایک اور ھی جذبہ کار فرما تھا - وہ عرش خلافت پر جلوہ گر ہونے کا متمنی تھا ' جس میں آسے پوری طرح کامیابی ہوگئی -

یورپ صلیبی جنگوں سے بالکل خستہ ہو چکا تھا - مسلسل شکستوں نے اُس کی شجاعت و ہمت پر کاری ضربیں لگادی تھیں - فرقہ وارانہ حسد و منافست نے اُس کے تمام قویٰ معطل کر دیے تھے - اِن حالات کا لازمی نتیجہ تھا کہ دول یورپ نے ترکی سیلاب کے مقابلہ کا کوئی خیال نہیں کیا ' اور قسطنطنیہ اور مشرقی یورپ کی مسیحی ریاستوں اور قوموں کو مغلوب ہوجانے دیا - لیکن جب ترکوں نے بلقان سے بھی قدم آگے بڑھایا ' اور ہنگری پر ترکتازیاں شروع کردیں ' تو یورپ کی آنکھیں کھلیں - مذھب کے نام پر متعدد معاذ قائم کیے گئے ' اور ترکوں کے روکنے کی کوشش شروع ہوئی - مگر کامیابی حاصل نہ کرسکے -

یہانتک کہ سلطان سلیمان قانونی کی وفات کے بعد خود ترکوں میں کمزوری پیدا ہوگئی - سلطان مراد ثالث کے عہد میں یہ کمزوری ظاہر ہوئی ' سلطان احمد اول کے زمانہ میں اس نے ترقی پائی ' اور سلطان محمد رابع کے دور میں بلوغ و کمال تک پہنچ گئی - ترک جس قدر کمزور ہوتے گئے ' یورپ کا مسیحی اتحاد بھی اُسی قدر ٹوٹتا گیا - یہانتک کہ صرف روس اور آسٹریا ترکوں کے مقابلہ میں رہ گئے ' اور اُنھیں یورپ سے نکالنے کی کوشش کرتے رہے -

اِس طرح ترکی شہنشاھیت نے اپنی عمر کا اکثر حصہ پے در پے جنگوں میں گزار دیا - ابتدائی جنگیں حملہ آورانہ تھیں ' بعد میں مدافعانہ ہوگئیں - لیکن اس تمام مدت میں ترکی سلطنت ایک مذھبی سلطنت رھی - اس کا تمام داخلی نظام شریعت کے احکام پر مبنی تھا - علماء و فقہاء کو غیر معمولی اقتدار حاصل تھا - مفتیوں کے فتوے عزل و نصب اور نظم و نسق کے لیے جاری ہوتے رھتے - چونکہ عثمانی حکومت کی نشو و نما ھی اُس وقت ہوئی تھی ' جب کہ اسلام کے دینی علم و عمل کی روح پژمردہ ہونا شروع ہوگئی تھی ' اور دینی نظر و بصیرت اور اجتہاد فکر کی جگہ تقلید و جمود کی بنیادیں قائم ہوچکی تھیں ' اس لیے مذھبی احکام و نظام کی کوئی بہتر روح پیدا نہ ہوسکی - جن علماء کے ہاتھہ میں نظم و نسق کے احکام تھے ' ان کا علم تمام تر فقہ حنفی کی چند متداول متون و شروح تک جو متاخرین کی ترتیب دی ہوئی تھیں ' محدود تھا ' ان سے باھر نہ تو کوئی نظر رکھتے تھے ' اور نہ ایسی فضاء تھی کہ بلند نظری پیدا ہوسکتی -

اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام کی پچھلی حکومتوں کی طرح ' عثمانی حکومت میں نظم و ادارہ کی کوئی موافق روح پیدا نہ ہو سکی - دائرۂ حکومت تمام بر اعظم یورپ اور مشرق میں پھیل گیا تھا - مختلف مذاھب ' مختلف نسلیں ' مختلف تمدن ' اور مختلف جماعتی مزاج رقبۂ حکومت میں جمع ہوگئے تھے ' حکومت کے لیے اتنے مختلف عناصر پر کامیاب حکومت قائم رکھنی آسان نہ تھا - ترک ہمیشہ سے ایک جنگی قوم تھے - اب ان کے زیر نگیں یورپ اور مشرق کی تمام متمدن آبادیاں آگئی تھیں - ضرورت تھی کہ انتظام حکومت کی ایک طاقتور روح پیدا کی جاتی - یہ روح ضرور پیدا ہوتی ' اگر علوم دینیہ کی حقیقی روح باقی رھتی ' اور تقلید و تنگ نظری نے فقہاء کے دماغ عقیم نہ کردیے ہوتے - لیکن افسوس کہ حالت دوسری تھی - نتیجہ یہ نکلا کہ روز بروز حکومت کا انتظامی مزاج مختل ہونے لگا - حتی کہ یورپ کے مورخین کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ " اسلام کے احکام کی روح ھی حاکمانہ انتظام (اڈمنسٹریشن) کے خلاف ہے " حالانکہ اسلام کی روح مخالف نہیں ہے - مسلمانوں کا دماغی تنزل مخالف ہے -

(دور اصلاح)

سنہ ۱۲۲۳ ھ (۱۸۰۸ع) سے سنہ ۱۲۹۳ ھ (۱۸۷۶ع) تک

اِدھر ترکی مدافعانہ جنگوں میں مصروف تھی - روس اور آسٹریا کے حملوں کا مقابلہ کر رھی تھی - اُدھر یورپ میں ایک نئی تہذیب پھیل رھی تھی ' جدید تمدن زندگی اور ترقی کے نئے نئے دروازے کھول رھا تھا ' اور اقوام یورپ تیزی سے آگے بڑھ رھی تھیں - ایک طرف کامل وقفہ تھا ' دوسری طرف پوری حرکت و سرعت تھی - نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ بہت آگے بڑھ گیا ' اور ترکی جہاں تھی' وھیں کی وھیں رہ گئی ' بلکہ مسلسل دفاعی جنگوں نے اُسکی چولیں ھلا ڈالیں -

اِس کے بعد پھر بت پرستی کے خلاف کوئی با ضابطہ مسیحی دعوت پیدا نہیں ہوئی - یہانتک کہ صلیبی لڑائیوں کے بعد اسلامی توحید کی تعلیم یورپ کے قلب تک پہنچی ' اور مشہور مسیحی مصلح لوتھر کا ظہور ہوا -

مشرق کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں

مصطفیٰ پاشا الفاضل

اور لائحہ اصلاحیہ

(۲)

میرے آقا! اہل یورپ کہتے ہیں کہ ہماری کمزوری اور انحطاط ہماری قومیت اور ہمارے دین کی وجہ سے ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ ہم فوجی زندگی بسر کرنے کے علاوہ اور کسی بات کے لئے موزوں ہی نہیں۔ حالانکہ ان کا یہ خیال حقیقت سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ ہماری امت دنیا کی دوسری امتوں سے کوئی مستثنےٰ صورت حال نہیں رکھتی۔ جس طرح دنیا کی مختلف قومیں ابتدا میں جنگی قوت سے نمایاں ہوئیں تاکہ اپنی ہستی کے لئے استقلال پیدا کریں، اور پھر علوم و صنائع اور تمام اعمال مدنیہ کے لئے مستعد ہوگئیں، اسی طرح ہم بھی اپنی جنگی شجاعت سے دنیا میں نمایاں ہوئے، اور کوئی وجہ نہیں کہ ترقی و سعادت کے تمام اعمال کی طرف قدم نہ بڑھائیں۔ قوم کی ابتدائی حرکت لڑائی میں ظاہر ہوئی ہو یا صنائع میں، مصدر دونوں کا ایک ہی ہوتا ہے اور وہ حرکت کی استعداد ہے۔ جس میں یہ استعداد ہے، اس کی راہ کبھی رک نہیں سکتی۔ خود یورپ کی مختلف قوموں کا اٹھان ہماری ہی طرح جنگ و عسکریت سے ہوا ہے، اور اب وہ تمدن و صنائع کے میدان میں سب سے پیش پیش ہیں۔

اسی طرح ہمارے دین پر بھی الزام صحیح نہیں۔ اس دین کی طرح دنیا کے تمام دینوں کی بھی تعلیم یہی ہے کہ جملہ کائنات، مشیئت الٰہی کے ماتحت ہے۔ مسیحیوں کے عقیدے اس بارے میں ہمارے عقیدوں سے کہیں زیادہ سخت ہیں۔ وہ مذہب جبر پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ انکے پولس رسول کی تعلیم ہے کہ انسان، پروردگار کے ہاتھ میں ایسا ہے، جیسے گندھی ہوئی مٹی کمہار کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی اے میرے آقا! انھیں بھلائی اور بہتری حاصل کرنے سے کوئی چیز روک نہ سکی۔

حق کا اظہار ضروری ہے۔ ہمیں جس چیز نے ان کی طرح عملی قوم ہونے سے روک دیا ہے، وہ ہمارا طرز حکومت ہے۔ جس حکومت میں یہ اندھیر روا ہو کہ ایک انسان دوسرے انسان کی محنت سے بغیر استحقاق کے نفع اٹھائے، وہاں نہ عقل ترقی پاسکتی ہے، نہ خوشحالی، عام ہوسکتی ہے۔ جس ملک میں بھی ظلم پھیل جاتا ہے، مخلوق عمل سے کنارہ کش ہوجاتی ہے۔ کیونکہ اسے اپنی محنت سے متمتع ہونے کا یقین نہیں ہوتا۔

فرانس کی حالت ہمارے سامنے ہے۔ یہ خوبصورت ملک، جس طرح اعلیٰ حضرت بھی ہیں ۱۷۸۹ء سے پہلے سخت غفلت و فلاکت میں پڑا تھا۔ لائق سے لائق وزیر برسر حکومت آئے اور بڑی بڑی کوششیں کیں کہ صنعت و حرفت اور تجارت و زراعت کو رواج دیں، ملک میں حرکت و زندگی پیدا کریں، مگر ناکام رہے۔ ملک نے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھایا۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ ظلم و استبداد ہر طرف چھایا ہوا تھا۔ رعایا اپنی محنت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتی تھی۔ کسان جنگلوں میں مارے مارے پھرتے تھے۔ فقر و فاقہ نے انھیں حیوانوں کی سی مخلوق بنا دیا تھا۔ کوئی بھی محنت و مشقت کی طرف رغبت ظاہر نہیں کرتا تھا۔

لیکن صرف تیس برس کی مدت کے بعد اب فرانس، فرانس ہوگیا ہے۔ تمدن و تہذیب کا مرکز ہے علوم و صنائع سے مالامال ہے۔ میرے آقا! یہ حیرت انگیز تبدیلی، صرف نظام حکومت کی تبدیلی کا نتیجہ تھی۔ مستبد حکومت نے ملک کو ویران کر ڈالا تھا۔ آزاد حکومت نے آتے ہی اس میں روح پھونک دی۔ ایسی روح جس نے اسے زندہ، جوان، طاقتور، اور خوشحال بنا دیا۔ درحقیقت فرانس پر آزادی کا بہت ہی عظیم احسان ہے۔

میرے آقا! آزادی، قوموں کو زندہ کردیتی ہے۔ صرف معنوی زندگی ہی نہیں، مادی زندگی بھی بخشتی ہے۔ جب انسان اپنے حقوق سے محروم ہوجاتا ہے، تو ناکارہ ہوجاتا ہے۔ اس کے تمام جسمانی و معنوی قوی معطل ہوجاتے ہیں۔

میرے آقا! جب قوم کی وہ حالت ہوجائے، جو اوپر عرض کرچکا ہوں۔ زمانہ، اس کے اخلاق پر دست درازی کرے، غفلت، آہستہ آہستہ اس کی عقل پر حاوی ہوتی جائے، فقر و فاقہ اس کا خون چوسنے لگے، اور سلطنت کے خزانے خالی ہوجائیں، تو ایسی حالت میں ہر محب وطن اور مخلص قوم کا فرض ہوجاتا ہے کہ صرف اصلاح کے مطالبہ ہی پر قانع نہ ہوجائے بلکہ عمل کا فوری قدم بھی اٹھائے۔ اصلاح ایک بے معنی لفظ ہے اگر اس کے ساتھ عمل نہ ہو۔ کتنے قوانین کا ہم سے وعدہ کیا گیا؟ کتنے نظام شایع کئے گئے؟ مگر کبھی عمل ہمارے سامنے نہیں آیا۔ لہذا اب ہم پر فرض ہوگیا ہے کہ ایک قدم آگے بڑھیں اور یہ اہم معروضہ، عرش معظم کے روبرو انتہائی تعظیم و احترام کے ساتھ پیش کردیں۔

میرے آقا! آپ اس سلطنت کا ہاتھ پکڑیئے اور اس کا شباب تازہ کر دیجئے۔ دستور (یعنی دستوری نظام حکومت) کا ہاتھ بڑھائیے اور اُسے اختلال و بدنظمی سے نکال لیجئے۔ امت کو ایسا دستور بخشئے جس کا جسم تندرست ہو، سینہ کشادہ ہو، نیت نیک ہو۔ پھر اسے اپنی امان میں لے لیجئے، ایسا انتظام قائم کیجئے کہ وہ اخلاص سے جاری ہو، امانت سے اس پر عمل کیا جائے، اور ہمیشہ کے لئے دست درازیوں سے محفوظ ہوجائے۔ ایسا دستور جس کے سامنے مسلم اور غیر مسلم، دونوں اپنے حقوق و واجبات میں برابر ہوں، تاکہ قومی اتحاد پیدا ہو۔ سب کو سلامتی اپنے سایہ میں لے لے، اور مغربیوں کا یہ کلیہ ٹوٹ جائے کہ "غالب اور مغلوب میں اتحاد، محال ہے"

آہ میرے آقا! میں دیکھتا ہوں کہ ہمارے اہل حل و عقد میں منافق اور جاہل، لفظ دستور تک سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اعلیٰ حضرت سے کہتے ہیں کہ دستور بادشاہ کو ایک بے جان کٹھ پتلی بنا دیتا ہے۔ اس کا اختیار چھین لیتا ہے۔ اس کی عظمت سلب کرلیتا ہے۔ دوسری طرف قوم سے کہتے ہیں: دستور تمھیں تمھاری عزیز ترین خصوصیتوں: دین، لباس، رسم و رواج سب سے محروم کردے گا۔ لیکن یہ لوگ یا تو دغاباز ہیں، یا جہالت نے ان کی عقل پر پردے ڈال دئیے ہیں۔

میرے آقا! ان لوگوں کے مشورے پر کان نہ دھریئے۔ اے میری امت! ان کی گمراہی کی پروا نہ کر۔ دستور، صرف خود غرضی کو روکتا ہے۔ بادشاہ کی صرف اتنی ہی آزادی سلب کرتا ہے کہ وہ رعیت کے معاملہ میں غلطی نہ کرے۔ اتنا ہی اختیار چھینتا ہے، جتنے غیر معتدل اختیار سے شر پیدا ہوتا ہے۔ وہ قوم پر کوئی ایسا حکم نہیں لگاتا جو اس کی عزت کے خلاف یا اس کی سعادت کے منافی ہو۔ وہ دین کی حفاظت کرتا ہے۔ سلطنت کا نگہبان ہوتا ہے۔ حقوق کی ضمانت کرتا ہے۔ دلوں میں اطمینان اتارتا ہے۔ ہر انسان کو آزاد اور شریف بنا دیتا ہے!

دستور ہمارے لئے یہ موقعہ بہم پہونچائے گا کہ تمام سلطنتوں سے اپنے تعلقات اور زیادہ بہتر بنا دیں۔ یہاں، اس ملک میں، اور یورپ میں، کون نہیں جانتا کہ ہمارے معاملات میں سفراء دول کی مداخلت نے کتنا نقصان پہنچایا ہے؟ یہ لوگ برابر اصلاح، اصلاح چلاتے ہیں مگر سب کو معلوم ہے کہ اس مطالبہ سے ان کا مقصد ایک قوم کو دوسری قوم پر ترجیح دینا ہے، یا اس سے ان کی غرض بعض افراد کی خدمت ہے یہ اور بھی زیادہ برا اور نقصان دہ ہے۔ لیکن دستور، ہماری حکومت ایسی مستحکم بنیادوں پر قائم کردے گا کہ کسی اجنبی کو مداخلت کی جرأت باقی نہ رہے گی۔ تمام رعایا اپنی حکومت کے ظل حمایت میں ہوگی۔ سب کو عدل و انصاف کے سایہ میں یکساں امن ملے گا۔ دستور کے سامنے سب آدمی برابر برابر ہوجائیں گے۔

میرے آقا! وقت آگیا ہے کہ اسلاف کی سلطنت کو آپ بچالیں۔ اس کی راہ میں ہمارے خون اور ہمارے آنسوؤں کی قربانیاں عظیم تھیں۔ اس کا ماضی، شاندار تھا، اس کا حاضر حسرتناک ہے۔ آہ! یہ حاضر خود اعلیٰ حضرت کے رحیم قلب کے لئے کیسا کس درجہ [illegible] ہے؟ ہمارے گرد ہر چیز ہمیں [illegible] ہمارے ہاتھ کی ہر چیز گرتی اور ٹوٹتی جاتی ہے۔ اعلیٰ حضرت کی دوربین نظر سے یہ سارے خطرے [illegible] رہی ہیں۔ معاملہ، سنجیدہ اور واقعی ہے۔ خیال و توہم کی اس میں گنجائش نہیں۔ آپکے پاس اتنی فوج موجود ہے کہ اجنبی ایندھن سے بھڑکنے والی ہر فساد کی آگ، بجھا دے سکتی ہے۔ لیکن اس فوج کے پاس نہ تو کھانا ہے کہ منتوحوں کا پیٹ پال سکے، نہ حکمت ہے کہ مغلوبوں کے دلوں میں اتار سکے، اور نہ ہی امان ہے کہ خوف زدوں کو اپنے دائرہ حفاظت میں لے لے اور لوگوں کا ظلم روک سکے۔ آپ طماعوں کو اپنے ملک میں نئے نئے امتیازات دے کر فیصلہ کا دن دور کرسکتے ہیں، لیکن آپ کی اس بخشش میں ہمارا حصہ کیا ہے؟ بہت ممکن ہے فیصلہ کے ہولناک دن میں ہم اسی بخشش کی بدولت اور بھی زیادہ کمزور، بے کس، اور فقیر ثابت ہوں۔

میرے آقا! ہر سال جو گزرتا ہے، ہمارے بیرونی مددگاروں کی تعداد کم کرتا اور ہماری داخلی زندگی کا ایک چراغ بجھا دیتا ہے۔ یہ انگلستان ہمارے سامنے موجود ہے۔ اب وہ ہماری امداد کا ویسا خواہشمند نہیں جیسا بارہ برس پہلے تھا۔ یہ آسٹریا، جرمنی سے شکست کھانے کے بعد مغربی ہونے سے زیادہ مشرقی سلطنت بن گیا ہے۔ اب وہ سلاوی قوموں سے تقرب حاصل کرنا چاہتا ہے جو ہماری سرزمین میں مقیم ہیں۔ اس سے بھی زیادہ اندیشناک بات یہ ہے کہ یورپ کی عام رائے ہمارے خلاف ہوگئی ہے۔ [illegible] ہماری طرفدار تھی، مگر روز بروز ہم سے منہ پھیرتی

مشرق کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں

مصطفیٰ پاشا الفاضل

اور لائحہ اصلاحیہ

(۲)

میرے آقا! اہل یورپ کہتے ہیں کہ ہماری کمزوری اور انحطاط ہماری قومیت اور ہمارے دین کی وجہ سے ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ ہم فوجی زندگی بسر کرنے کے علاوہ اور کسی بات کے لئے موزوں ہی نہیں۔ حالانکہ ان کا یہ خیال حقیقت سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ ہماری امت دنیا کی دوسری امتوں سے کوئی مستثنیٰ صورت حال نہیں رکھتی۔ جس طرح دنیا کی مختلف قومیں ابتدا میں جنگی قوت سے نمایاں ہوئیں تاکہ اپنی ہستی کے لئے استقلال پیدا کریں، اور پھر علوم و صنائع اور تمام اعمال مدنیہ کے لئے مستعد ہو گئیں، اسی طرح ہم بھی اپنی جنگی شجاعت سے دنیا میں نمایاں ہوئے، اور کوئی وجہ نہیں کہ ترقی و سعادت کے تمام اعمال کی طرف قدم نہ بڑھائیں۔ قوم کی ابتدائی حرکت لڑائی میں ظاہر ہوئی ہو یا صنائع میں، مصدر دونوں کا ایک ہی ہوتا ہے اور وہ حرکت کی استعداد ہے۔ جہاں یہ استعداد ہے، اس کی راہ کبھی رک نہیں سکتی۔ خود یورپ کی مختلف قوموں کا آغاز ہماری ہی طرح جنگی عسکریت سے ہوا ہے، اور اب وہ تمدن و صنائع کے میدان میں سب سے پیش پیش ہیں۔

اسی طرح ہمارے دین پر بھی الزام صحیح نہیں۔ اس دین کی طرح دنیا کے تمام دینوں کی بھی تعلیم یہی ہے کہ جملہ کائنات، مشیت الٰہی کے ماتحت ہے۔ مسیحیوں کے عقیدے اس بارے میں ہمارے عقیدوں سے کہیں زیادہ سخت ہیں۔ وہ مذہب جس پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ انکے پولس رسول کی تعلیم ہے کہ انسان، پروردگار کے ہاتھ میں ایسا ہے، جیسے گندھی ہوئی مٹی کمہار کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی اے میرے آقا! انھیں بھلائی اور بہتری حاصل کرنے سے کوئی چیز روک نہ سکی۔

حق کا اظہار ضروری ہے۔ ہمیں جس چیز نے ان کی طرح عملی قدم بڑھانے سے روک دیا ہے، وہ ہمارا طرز حکومت ہے۔ جس حکومت میں یہ اندھیر روا ہو کہ ایک انسان دوسرے انسان کی محنت سے بغیر استحقاق کے نفع اٹھائے، وہاں نہ عقل ترقی پا سکتی ہے، نہ خوشحالی، [illegible] جس ملک میں بھی ظلم پھیل جاتا ہے، مخلوق عمل سے کنارہ کش ہو جاتی ہے کیونکہ اسے اپنی محنت سے متمتع ہونے کا یقین نہیں ہوتا۔

فرانس کی حالت ہمارے سامنے ہے۔ یہ خوبصورت ملک [illegible] اعلیٰ حضرت بھی [illegible] سے پہلے سخت غفلت و نلاکت میں [illegible] اس وقت [illegible] حکومت آئے اور بڑی [illegible] حرفت اور تجارت و زراعت کو روک دیں، [illegible] زندگی پیدا کیوں کر [illegible] ایک قدم بھی آگے نہ بڑھا [illegible] حالت [illegible] استبداد جو ظلم [illegible] رعایا [illegible] کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتی تھی۔ کسان جنگلوں میں مارے مارے پھرتے تھے۔ فقر و فاقہ نے انھیں حیوانوں کی سی مخلوق بنا دیا تھا۔ کوئی بھی محنت و مشقت کی طرف رغبت ظاہر نہیں کرتا تھا۔

لیکن صرف تیس برس کی مدت کے بعد اب فرانس، فرانس ہو گیا ہے۔ تمدن و تہذیب کا مرکز ہے علوم و صنائع سے مالا مال ہے۔ میرے آقا! یہ حیرت انگیز تبدیلی، صرف نظام حکومت کی تبدیلی کا نتیجہ تھی۔ مستبد حکومت نے ملک کو ویران کر ڈالا تھا۔ آزاد حکومت نے آتے ہی اس میں روح پھونک دی۔ ایسی روح جس نے اسے زندہ، جوان، طاقتور، اور خوشحال بنا دیا۔ درحقیقت فرانس پر آزادی کا بہت ہی عظیم احسان ہے۔

میرے آقا! آزادی، قوموں کو زندہ کر دیتی ہے۔ صرف معنوی زندگی ہی نہیں، مادی زندگی بھی بخشتی ہے۔ جب انسان اپنے حقوق سے محروم ہو جاتا ہے، تو ناکارہ ہو جاتا ہے۔ اس کے تمام جسمانی و معنوی قویٰ معطل ہو جاتے ہیں۔

میرے آقا! جب قوم کی وہ حالت ہو جائے، جو اوپر عرض کر چکا ہوں۔ زمانہ، اس کے اخلاق پر دست درازی کرنے، غفلت، آہستہ آہستہ اس کی عقل پر حاوی ہوتی جائے، فقر و فاقہ اس کا خون چوسنے لگے، اور سلطنت کے خزانے خالی ہو جائیں، تو ایسی حالت میں ہر محب وطن اور مخلص قوم کا فرض ہو جاتا ہے کہ صرف اصلاح کے مطالبہ ہی پر قانع نہ ہو جائے بلکہ عمل کا فوری قدم بھی اٹھائے۔ اصلاح ایک بے معنی لفظ ہے اگر اس کے ساتھ عمل نہ ہو۔ کتنے قوانین کا ہم سے وعدہ کیا گیا؟ کتنے نظام شائع کئے گئے؟ مگر کبھی عمل ہمارے سامنے نہیں آیا۔ لہٰذا اب ہم پر فرض ہو گیا ہے کہ ایک قدم آگے بڑھیں اور یہ اہم معروضہ عرش معظم کے روبرو انتہائی تعظیم و احترام کے ساتھ پیش کر دیں۔

میرے آقا! آپ اس سلطنت کا ہاتھ پکڑیئے اور اس کا شباب تازہ کر دیجئے۔ دستور (یعنی دستوری نظام حکومت) کا ہاتھ بڑھائیے اور اسے اختلال و بدنظمی سے سنبھال لیجئے۔ امت کو ایسا دستور بخشئے جس کا جسم تندرست ہو، سینہ کشادہ ہو، نیت نیک ہو۔ پھر اسے اپنی امان میں لے لیجئے۔ ایسا انتظام قائم کیجئے کہ وہ اخلاص سے جاری ہو، امانت کے ساتھ عمل کیا جائے، اور ہمیشہ کے لئے دست درازیوں سے محفوظ ہو جائے۔ ایسا دستور جس کے سامنے مسلم اور غیر مسلم، دونوں اپنے حقوق [illegible] میں برابر ہوں [illegible] سب کے [illegible] لے لے، اور دشمنوں کا [illegible] کہ [illegible] قائل [illegible] مطلق ہے۔

آہ میرے آقا! میں دیکھتا ہوں کہ ہمارے اہل حل و عقد میں منافق اور جاہل، لفظ دستور تک سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ اعلیٰ حضرت سے کہتے ہیں کہ دستور بادشاہ کو ایک بے جان کٹھ پتلی بنا دیتا ہے۔ اس کا اختیار چھین لیتا ہے۔ اس کی عظمت سلب کر لیتا ہے۔ دوسری طرف قوم سے کہتے ہیں: دستور تمھیں تمھاری عزیز ترین چیزوں: دین، لباس، رسم و رواج سب سے محروم کر دے گا۔ لیکن یہ لوگ یا تو دغا باز ہیں، یا جہالت نے ان کی عقل پر پردے ڈال دئے ہیں۔

میرے آقا! ان لوگوں کے مشورے پر کان نہ دھریئے۔ اے میری امت! ان کی گمراہی کی پروا نہ کر۔ دستور، صرف خود غرضی کو روکتا ہے۔ بادشاہ کی صرف اتنی ہی آزادی سلب کرتا ہے کہ وہ رعیت کے معاملے میں غلطی نہ کرے۔ اتنا ہی اختیار چھینتا ہے، جتنے غیر معتدل اختیار سے شر پیدا ہوتا ہے۔ وہ قوم پر کوئی ایسا حکم نہیں لگاتا جو اس کی عزت کے خلاف یا اس کی سعادت کے منافی ہو۔ وہ دین کی حفاظت کرتا ہے۔ سلطنت کا نگہبان ہوتا ہے۔ حقوق کی ضمانت کرتا ہے۔ دلوں میں اطمینان اتارتا ہے۔ ہر انسان کو آزاد اور شریف بنا دیتا ہے!

دستور ہمارے لئے یہ موقعہ بہم پہونچائے گا کہ تمام سلطنتوں سے اپنے تعلقات اور زیادہ بہتر بنا دیں۔ یہاں، اس ملک میں اور یورپ میں، کون نہیں جانتا کہ ہمارے معاملات میں سفراء دول کی مداخلت نے کتنا نقصان پہنچایا ہے؟ یہ لوگ برابر اصلاح، اصلاح چلاتے ہیں مگر سب کو معلوم ہے کہ اس مطالبہ سے ان کا مقصود ایک قوم کو دوسری قوم پر ترجیح دینا ہے، یا اس سے ان کی غرض بعض افراد کی خدمت ہے۔ یہ اور بھی زیادہ برا اور نقصان دہ ہے۔ لیکن دستور، ہماری حکومت ایسی مستحکم بنیادوں پر قائم کر دے گا کہ کسی اجنبی کو مداخلت کی جرأت باقی نہ رہے گی۔ تمام رعایا اپنی حکومت کے ظل حمایت میں ہوگی۔ سب کو عدل و انصاف کے سایہ میں یکساں امن ملے گا۔ دستور کے سامنے سب آدمی برابر برابر ہو جائیں گے۔

میرے آقا! وقت آگیا ہے کہ اسلام کی سلطنت کو آپ بچا لیں۔ اس کی راہ میں ہمارے خون اور ہمارے آنسوؤں کی قربانیاں عظیم تھیں۔ اس کا ماضی، شاندار تھا، اس کا حاضر، حسرتناک ہے۔ آہ! یہ حاضر خود اعلیٰ حضرت کے رحیم قلب کے لئے کیسا کس درجہ تکلیف دہ ہے؟ ہمارے گرد ہر چیز ہمیں ہمکا رہی ہے۔ ہمارے ہاتھ کی ہر چیز گرتی اور ٹوٹتی جاتی ہے۔ اعلیٰ حضرت کی دوربین نظریں یہ سارے خطرے دیکھ رہی ہیں۔ معاملہ، سنجیدہ اور واقعی ہے۔ خیالی و توہم کی اس میں گنجائش نہیں۔ آپ کے پاس اتنی فوج موجود ہے کہ اجنبی ایندھن سے بھڑکنے والی ہر فساد کی آگ، بجھا سکتی ہے۔ لیکن اس فوج کے پاس نہ تو کھانا ہے کہ مفتوحوں کا پیٹ پال سکے، نہ حکمت ہے کہ مغلوبوں کے دلوں میں اتر سکے، اور نہ ہی امان ہے کہ خوف زدوں کو اپنے دائرہ حفاظت میں لے لے اور ظلم کا ظلم روک سکے۔ آپ علماء کو اپنے ملک میں نئے نئے امتیازات دے کر فیصلہ کا دن مقدر کر سکتے ہیں، لیکن آپ کی اس بخشش میں ہمارا کیا ہے؟ بہت ممکن ہے فیصلہ کے ہولناک دن میں ہم اسی بخشش کی بدولت اور بھی زیادہ کمزور، بے کس، اور فقیر ثابت ہوں۔

میرے آقا! ہر سال جو گزرتا ہے، ہمارے بیرونی مددگاروں کی تعداد کم کرتا اور ہماری داخلی زندگی کا ایک چراغ بجھا دیتا ہے۔ یہ انگلستان ہمارے سامنے موجود ہے۔ اب وہ ہماری امداد کا ویسا خواہشمند نہیں جیسا بارہ برس پہلے تھا۔ یہ آسٹریا، جرمنی سے شکست کھانے کے بعد مغربی ہونے سے زیادہ مشرقی سلطنت بن گیا ہے۔ اب وہ سلاوی قوموں سے تقرب [illegible] چاہتا ہے جو ہماری سرزمین میں مقیم ہیں۔ اس کے زیادہ [illegible] یہ ہے کہ یورپ کی علم [illegible] ہمارے برخلاف [illegible] مگر [illegible]

جاتی ہے۔ اگر اعلیٰ حضرت، مہربانی فرما کر پیرس، لندن، اور روم کے اخبارات پر ایک نظر ڈالیں تو معلوم ہو جائے گا کہ جو قومیں اپنی مصلحت سے ہماری مدد کیا کرتی تھیں، اب وہ ہماری تباہی کا یقین کرنے لگی ہیں۔ انگلستان، فرانس، اور اٹلی کے بہت سے مدبر ہمارے حکام کی حرکتیں دیکھ کر اور رعایا پر ظلم و ستم مشاہدہ کرکے اپنی تحریروں اور تقریروں میں اعلان کرنے لگے ہیں "یہ حکومت ہرگز اپنی اصلاح نہیں کر سکتی۔ اس کا زوال یقینی ہے ہم بھی اُسے چھوڑ دیں۔ اس کی موت بلد واقع ہو جانے دیں!"

میرے آقا! ہمیں ان پیشین گوئیوں کی تکذیب کر دینی چاہئے لیکن یہ اُسی وقت ممکن ہے کہ اپنی حکومت میں تبدیلی کریں۔ یہ تبدیلی ضرور بہتر ہوگی، کیونکہ اعلیٰ حضرت کے ارادے اور حکم سے ہوگی۔ ہم فرانس، انگلستان اور اٹلی پر ثابت کر دیں کہ نہ ہماری قومیت نے ہمیں اس کمزوری اور فساد میں گرفتار رکھا ہے، نہ یہ ہمارے مقدس دین ہی کا اقتضا ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ ہم مر چکے ہیں! ہم زندوں کی طرح عمل کرکے دکھا دیں کہ نہیں مرے نہیں ہیں، زندہ ہیں!

میرے آقا! ہم پہلی قوم نہیں ہیں جس پر زمانہ نے یورش کی ہے۔ اُسکی ہر خوبی بگاڑ ڈالی ہے، اور اس کے تمام قویٰ کمزور کر ڈالے ہیں۔ ہم آخری قوم بھی نہیں ہونگے جس کی ایسی زبوں حالت ہوئی ہے۔ یورپ میں بھی بہت سی ایسی قومیں ہیں جن پر زمانہ اپنی تمام مصیبتوں کے ساتھ ٹوٹ پڑا ہے، اور ان کا حال بھی بالکل ہمارے جیسا ہو گیا ہے۔ میں اعلیٰحضرت کے روبرو عرض کر چکا ہوں کہ گزشتہ صدی میں فرانسیسی قوم کس قدر تباہ ہو گئی تھی۔ کس طرح اُس کی صنعت و حرفت برباد ہو گئی تھی۔ کس درجہ اُس کی ثروت کمزور ہو گئی تھی کہ ہر دس سال کے بعد دیوالیہ ہو جایا کرتی تھی۔ کس طرح اُس کے تمام طبقوں پر ظلم ہو رہا تھا، حتیٰ کہ اُسوقت کے ایک مدبر نے لوئی پانز دہم سے کہدیا تھا "آپ کی سلطنت میں کوئی نہیں جو اپنی عزت پر فخر کرے اور وزیر کے انتقام سے بچ جائے۔ کوئی نہیں جو اپنی بدحالی پر صبر شکر کرے اور ایک حقیر چپراسی کے غصہ سے بھی بچ نکلے!" اُس ملک میں حکومت کا کوئی رعب دبدبہ باقی نہ رہا تھا۔ اُس کے سامنے عمل کی تمام راہیں بند ہو گئی تھیں۔ حواس گم ہو گئے تھے وہ ایک نئی روش اختیار کرتی اور بدلتی تھی۔ جنگ ہفت سالہ کے بعد تو فرانس گر کر تیسرے درجے کی دُوَل کے زمرے میں شمار ہونے لگا تھا۔ لیکن اُسنے پھر بہت جلد اپنی اصلی جگہ حاصل کرلی۔ چند ہی سال میں اس کی تمام برباد قوتیں واپس آ گئیں۔ حتیٰ کہ اُس کی نوجوں نے پورے یورپ کی متحدہ یلغار روک دی۔

یہ حیرت انگیز کامیابی فرانس نے کیونکر حاصل کی؟ صرف اسوجہ سے کہ اُسنے حکومت کے بوسیدہ نظام کی جگہ ایک نیا روح پرور نظام قائم کر دیا تھا۔ بلا شبہ یہ شاندار تبدیلی مصائب سے خالی نہ تھی۔ بہت سا خون بہا، بہت سے آنسو گرے۔ مگر یہ مصائب کچھ اس تبدیلی کا لازمی نتیجہ نہ تھیں۔ ان مصائب کی اصلی وجہ یہ تھی کہ تبدیلی اُسوقت واقع ہوئی جب اُس کے لئے ذرا بھی وقت باقی نہ رہا تھا۔ بالکل آخری لمحہ تھا وہ لمحہ جس میں اگر قومیں اُٹھ پڑتی ہیں، تو ان کا اُٹھنا بڑا ہی ہولناک ہوتا ہے۔

میرے آقا! ایک فرانسیسی قوم ہی ایسی نہیں ہے جو اپنے مصائب سے صحیح سالم نکل آئی ہو۔ فرانس کے علاوہ اور بھی ایسی قومیں موجود ہیں۔ ریاست پیمونٹی (اٹلی) کے نواب نے آرزو کی کہ عظیم الشان اٹالین قوم کا بادشاہ ہو جائے۔ وہ بادشاہ ہو گیا! کیونکر؟ اُسنے کوئی فوج جمع نہیں کی، کوئی رسالہ طیار نہیں کیا۔ اُسنے صرف یہ کیا کہ قوم کو ایک آزاد دستور حکومت بخش دیا۔ اس بخشش کے ساتھ ہی اُس کی فتوحات شروع ہو گئیں۔ زمین کی فتوحات نہیں جن پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا، دلوں کی فتوحات جو دنیا کی حقیقی فتوحات ہیں۔ وہ پورے اٹلی کے دلوں اور عقلوں پر قابض ہو گیا۔ مرتے وقت اُسنے متبسم لبوں سے پیشین گوئی کی تھی "میرے بیٹے وکٹر عمانوئیل کی سلطنت کا رقبہ میری ریاست کے رقبہ سے تین گنا زیادہ ہوگا" دنیا نے دیکھ لیا کہ بوڑھے نواب کی پیشین گوئی بالکل حق تھی، یہ کیوں ہوا؟ صرف اسوجہ سے کہ دانشمند حکمران نے ٹھیک وقت پر آزادی کا لفظ اپنی زبان سے کہا تھا، وہ لفظ جو اپنے تین حرفوں میں دنیا کی تمام سعادتیں اور کامرانیاں پوشیدہ رکھتا ہے!

میرے پاس اس سے بھی زیادہ روشن اور صاف مثالیں موجود ہیں اور اس کی مستحق ہیں کہ اعلیٰ حضرت اُن پر نظر غائر ڈالیں۔ لیکن میں اس عریضہ میں اُن سب کا ذکر نہیں کر سکتا۔ میں آسٹریا کا ذکر کروں جو اپنی دستوری آزادی کے سہارے وقت کے عظیم خطروں سے محفوظ گزر رہی ہے؟ پروشیا کا ذکر کروں جو ابھی کل کی بات ہے کہ اپنی تہذیب کی بدولت میدان جنگ سے فتحمند نکلی ہے؟ لیکن مجھے زیادہ بیان کی ضرورت نہیں۔ میں جس قدر عرض کر چکا ہوں، اعلیٰ حضرت کو مطمئن کر دینے کے لئے کافی ہے۔

اعلیٰ حضرت! قوموں کی آزادی اُن کا حق ہے۔ اُن کی امانت ہے۔ اُن کا ورثہ ہے۔ اور حکومتوں کا فرض ہے کہ اس امانت کے سپرد کر دینے میں تساہل نہ کریں۔ یہ سپردگی ان کی قوت بڑھاتی ہے اور انھیں ہر طرح کے خطروں سے محفوظ کر دیتی ہے۔ آج دنیا کی تمام حکومتیں اس امانت کی سپردگی پر مجبور ہو گئی ہیں۔ کونسی وجہ ہے کہ عثمانی حکومت اس عام اجتماعی حالت سے مستثنیٰ تصور کر لیا جائے؟ کیا ترکی قوم زمرۂ اقوام میں شامل نہیں ہے؟

پھر ایسا کیوں ہو؟ کیا اس لئے کہ ہمارا دین ہمیں ترقی و سعادت سے محروم رکھتا اور تمدن و شائستگی سے دُور رکھنا چاہتا ہے؟ میرا جلیل القدر آقا مجھ سے زیادہ واقف ہے کہ ایک لمحہ کے لئے یہ گمان صحیح نہیں ہو سکتا۔

میرے آقا! اس دنیا میں دو سیاستیں نہیں ہیں: اسلامی اور مسیحی۔ عدل ایک ہی ہے، اور سیاست اُس عدل کے سوا کچھ نہیں جو حاکم کے ہاتھ سے صادر ہوتا ہے۔

یہ ہمارا دین نہیں ہے بلکہ ہمارا قدیم نظام ہے جو ہمیں فنا کر رہا ہے۔ اُس نے ہمارے مدبروں کی طبیعت بگاڑ دی اور اُن کی خودداری زائل کر دی پھر ان مدبروں نے سلطنت کی طبیعت بگاڑ دی اور اُس کی عزت تلف ہو گئی۔ پس ہمیں یہ نظام ترک کر دینا چاہئے اور اُس کی طرف کبھی لوٹنا نہیں چاہئے۔ اس نظام کے بوجھ کے نیچے اُمت پڑی سسک رہی ہے۔ یہ نظام حملہ آور دشمن سے ہمیں کبھی پناہ نہیں دے سکتا۔ ہمیں وہ نظام اختیار کرنا چاہئے جو عدل و مساوات اور حریت صادقہ کا نظام ہے، اور جسکا خاصہ یہ ہے کہ جہاں کہیں قائم ہو جاتا ہے وہاں قوموں کو ہاتھ پکڑ کر اُٹھا دیتا ہے اور عظمت کے محل طیار کر دیتا ہے۔

کیا ہمارے لئے یہ زیبا ہے کہ وہ صوبے جو ابھی حال ہی میں ہم سے جدا ہوئے ہیں اور جنھیں اپنے خون یا دین کے لحاظ سے ہم پر کوئی ترجیح حاصل نہیں، آزاد نظام حکومت کا خیر مقدم کریں، اور ہم پس و پیش میں پڑے رہیں؟ کیا آپکی سلطنت میں ایسے سچے اور مخلص محب وطن موجود نہیں ہیں جیسے مصر، ٹیونس، مولڈاویا، رومانیہ، اور سرویہ میں ہیں؟ کیوں نہیں ضرور ہیں۔ اُنھیں بلائیے، وہ سر کے بل دوڑ کر آئیں گے۔ ہر شہر میں رعایا کی پسند سے ایک گروہ منتخب کیجئے، وہ آپکے سامنے رعیت کے معاملات بے نقاب کرے گا، اور پھر وہ راہ عمل باز ہو جائے گی جس کی جانب حضور کی ابوی شفقت کا رجحان ہے۔ اس کے بعد اپنے شاہانہ ارادے سے رعایا کے نمائندوں کو اپنی سلطنت کے مرکز میں جمع کیجئے۔ وہ عرش اعظم کے روبرو رعیت کی ضرورتیں پیش کرینگے اور عتبۂ عالیہ تک اُس کی آرزوئیں پہونچائیں گے۔

ایک طبیب کہا کرتا تھا "مجھے ایک گز کپڑا دو، میں تمھیں ایک شریف آدمی دے دوں گا"، اے میرے آقا آپ بھی اپنی سرپرستی میں حقوق عطا کرکے اپنی رعایا کو محنتی، اولوالعزم، اور زندہ بنا دے سکتے ہیں۔ وہ آزادی کی بخشش پر حضور کی شکر گزار ہوگی، ظلم اُٹھ جانے پر دعائیں دے گی۔ آپ کی خدمت کے لئے اپنی جانیں قربان کرے گی۔ آپ کی، اپنی اور سلطنت کی بھلائی کے لئے کوشش کرے گی۔ اُس کی عقل درست ہو جائے گی۔ اُس کا نفس پاک ہو جائے گا، اور اس طرح وہ اسلاف کی فضیلتیں دوبارہ حاصل کرلے گی۔ جب خطرے کا بگل بجے گا، تو وہ ہتیلیوں پر سر لے کر دوڑے گی، عرش معظم کے گرد جمع ہو جائے گی، اور اعلیٰ حضرت کی نصرت میں خوش و خرم موت کا خیر مقدم بجا لائے گی کیونکہ وہ سمجھے گی، اُس کی تمام سعادتوں کا ضامن سرچشمہ یہی عرش مبارک ہے۔

میں یہاں اس دستوری نظام حکومت کی تشریح کرنی نہیں چاہتا جسے میں ملک کی قابلیت، اخلاق، اور روایات کے مطابق دیکھنے کا متمنی ہوں۔ میں عنقریب یہ دستور اعلیٰ حضرت کے حضور میں پیش کر دوں گا۔ اسے میں نے اور میرے رفقاء نے ترتیب دیا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے علم میں یہ حقیقت پہلے سے موجود ہے کہ میں صاحب غرض نہیں ہوں۔ مجھے نہ کسی منصب کی طلب ہے نہ کسی عطیے اور بخشش کی آرزو۔ میری غرض صرف اس قدر ہے، اور میں بلند آہنگی سے اُس کا اعلان کرتا ہوں، کہ اعلیٰ حضرت کے روبرو سلطنت کی عظیم اکثریت یعنی مسلمانوں اور مسیحیوں کی آرزو رکھ دوں۔ یقیناً جلا وطنی کی تمام تلخیاں مجھ پر آسان ہو جائیں گی اگر ذات شاہانہ کے سامنے حقیقت عریاں پیش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

اعلیٰ حضرت سلطان معظم! سب سے پہلے خود اپنے ضمیر طاہر کی طرف رجوع کیجئے کہ وہ اس زمانے میں آپ کا کیا فرض بتاتا ہے، جبکہ آپ کی رعیت حیرت میں پڑ گئی ہے اور پورے معنی میں تباہ ہو رہی ہے؟ یہ ایک جلیل القدر عمل ہے۔ اسے وہی انجام دے سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عزم و شہامت کا وصف عطا فرما دیا ہے۔ جو کوئی بھی یہ عمل عظیم انجام دے گا، تاریخ اُس کا نام ہمیشہ یاد رکھے گی اور تمام مخلوق اُس کا نام عزت و شکر گزاری کے ساتھ لیتی رہے گی!

میرے آقا! اگر زمانے نے حضور والا کو وہ شرف نہیں بخشا جو آپکے اجداد کے حصے میں آیا تھا، یعنی آپ کے ہاتھوں اس عظیم سلطنت کی بنیاد نہیں پڑی، تو زمانے نے یہ شرف آپکے لئے محفوظ رکھ چھوڑا تھا کہ اس سلطنت کی عظمت رفتہ دوبارہ واپس لانے کا کام آپ ہی کے دست مبارک سے انجام پائے۔ تمام صادق محبان وطن بلکہ آپ کی کروڑوں مسلمان اور مسیحی رعایا کی آوازیں اس دعوت میں میری شریک ہیں کہ حضور اس عمل عظیم و اشرف کی طرف متوجہ ہوں۔ کیونکہ اعلیٰ حضرت ہی اُسکے اہل ہیں۔ یہ شرف حضور کے اسم گرامی کو اُن عظمائے تاریخ کے بلند ناموں کی صف میں لکھ دے گا جن کی تمام مخلوق تعظیم کرتی اور جن کی عظمت کے راگ تمام قومیں گا رہی ہیں"

مصطفےٰ فاضل۔ ۱۸۶۶ء

خط و کتابت

میں

اپنا نمبر ضرور لکھا کیجئے جو ہر ہفتہ رسالہ کی چٹ پر آپکے نام کے ساتھ درج ہوتا ہے۔

منیجر

برید شرق

مکتوب آستانہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

قصر یلدیز کے ہوٹل کی بندش۔ مجلس کے انتخابات۔ ایک نئی سازش۔ ترک اور افغان۔ ٹرکی اور ایران

قصر یلدیز کے ملعب کی بندش

آپ کے قارئین، قصر یلدیز کے نام سے ناآشنا نہ ہونگے۔ یہی وہ محل بلکہ قلعہ ہے جسمیں بیٹھ کر سلطان عبدالحمید ثانی نے کامل ۳۳ سال تک ایسے استبداد و قہر کی حکومت کی، جو موجودہ دنیا کی تاریخ میں کوئی دوسری مثال نہیں رکھتی!

یلدیز، باسفورس کے یورپی ساحل پر واقع ہے۔ اس کا پہلا پھاٹک بالکل لب سمندر ہے۔ یہاں سے صنوبر کے گھنے اور خوبصورت جنگل شروع ہوجاتے ہیں۔ انہیں طے کرکے محل تک پہنچنے کے لئے تیز موٹر کاریں بھی کم سے کم پندرہ منٹ صرف ہوتے ہیں۔ بہت بلندی پر محل، مستحکم قلعہ کی طرح کھڑا ہے۔ پہلے اس کے گرد میلوں تک، مورچے اور قلعہ بندیاں تھیں۔

اُس زمانے میں یلدیز کا نام ترکوں کے دل لرزا دیتا تھا۔ یلدیز کا نام لینا، یلدیز کا ذکر کرنا، یلدیز کا لفظ تحریر میں لانا، یلدیز کی طرف نظر اٹھانا، یہ سب باتیں انسان کو حکومت کی نظر میں مشتبہ کردینے کے لئے کافی تھیں۔ اُسوقت بڑے بڑے حکام کے سوا، کسی ترک کے وہم میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ اندر سے یلدیز کی کبھی جھلک دیکھ لے سکتا ہے!

۳۳ سال کے بعد یلدیز کا یہ طلسم ٹوٹا۔ سلطان محمد خامس مرحوم کے زمانے میں اُس کی وہ ہیبت باقی نہیں رہی۔ لیکن عوام کے لئے اُس کا داخلہ اب بھی ناممکن تھا۔

وحیدالدین محمد سادس، آخری عثمانی سلطان کے زمانے میں پھر یلدیز نے اپنا رعب واپس لینا شروع کردیا تھا۔ یہ سلطان، اپنے بھائی عبدالحمید کی سی طبیعت رکھتا تھا، اور اُسی جبروت سے حکومت کرنی چاہتا تھا۔ مگر زمانے کے انقلابات نے اُسے مہلت نہ دی اُسے تخت سلطنت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوجانا پڑا۔

آخری خلیفہ، سلطان عبدالمجید کے مختصر عہد میں یلدیز کی تمام ہیبت زائل ہوگئی۔ جمہوریت نے آتے ہی اُس کے دروازے عام مخلوق کے لئے کھول دیئے۔

جمہوری حکومت نے یہ محل آستانہ کی بلدیہ (میونسپلٹی) کو دے دیا تھا۔ مقصود یہ تھا کہ اس طرح استعمال میں لایا جائے کہ شہر کے باشندوں کی خوشحالی میں ترقی ہو۔ اور اُس کے قیام و مصارف کا بار خزینۂ حکومت پر نہ پڑے۔ اُسی زمانے میں ایک اٹالین سرمایہ دار ماکوسیرا نامی نے درخواست پیش کی کہ یہ محل اُسے کرایہ پر دیدیا جائے۔ وہ اس میں ہوٹل اور ملعب (تفریح کی جگہ) قائم کرے گا، اور ایک معقول رقم حکومت کو دیا کرے گا۔ ترکی حکومت نے یہ تجویز اس شرط پر منظور کرلی کہ ترک باشندوں کو اُس میں شریک ہونے کی اجازت نہ دی جائے اور اُس کے قیام کا اعلان دنیا کے تمام بڑے بڑے شہروں میں کردیا جائے۔ حکومت کا خیال تھا کہ اس طرح ترک، اسراف سے بچ جائیں گے اور دوسرے ملکوں کے دولت مند یہاں آکر اپنی دولت بہائیں گے۔ اور اس طرح شہر کو وہ عظیم مالی فوائد حاصل ہوں گے جو اسوقت تک صرف یورپ کے بڑے بڑے شہروں کو حاصل ہورہے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ ارکان حکومت کی بہت بڑی غلطی تھی۔ اُنھوں نے معاملہ کا صرف ایک ہی پہلو دیکھا، اور تمام پہلو نظر انداز کردیئے۔

بہرحال اٹالین نے شرائط منظور کرلیں، اور افسوس ہے کہ تاریخ میں پہلی مرتبہ ترکی سلاطین کے پایۂ تخت میں لہو و لعب کا یہ عظیم الشان مرکز قائم ہوگیا!

ٹھیکہ کی باقی شرطیں یہ تھیں کہ ماہوار کرایہ کے علاوہ بلدیہ کو ہوٹل کی آمدنی سے بھی فی صدی ایک معقول رقم دیجائے گی۔ چنانچہ بلدیہ نے پہلی قسط ...،۳۵،۱ (ترکی پونڈ) کی ہوٹل کی آمدنی سے وصول کئے اس کے مقابلہ میں سرمایہ دار کو ۱۰ لاکھ ترکی پونڈ نفع ہوا۔

تقریباً ۱۷ مہینے یہ سلسلہ جاری رہا۔ مگر اس تمام مدت میں بلدیہ کو برابر شکایت رہی کہ کرایہ دار معاہدے کی شرطیں پوری نہیں کررہا ہے۔ ترکی اخبارات میں روز مضامین شایع ہوتے تھے اور اعداد و شمار سے دکھایا جاتا تھا کہ اس لعب سے ترکی قوم کی کتنی دولت ضائع ہورہی ہے؟ بجائے اس کے کہ یورپ کے سرمایہ دار یہاں آکر اپنی دولت صرف کریں، خود ترکوں کی دولت برباد کرنے کا ذریعہ بن گیا ہے۔ ہوٹل میں علانیہ قمار کھیلا جاتا تھا، اور اس کا شوق ترکوں میں بھی پھیلنے لگا تھا۔ دنیا کی یہ شریف ترین قوم اب تک قمار کے مہلک مرض سے محفوظ تھی، لیکن اس اٹالین سرمایہ دار کی زرپرستی اور ارکان حکومت کی ناعاقبت اندیشی نے اس سے ترکوں کو بھی آشنا کردیا!

ایک طرف یہ بربادی پھیلی ہوئی تھی، دوسری طرف یورپ کے دولتمندوں نے گویا اس کا مقاطعہ کر رکھا تھا۔ اول تو کرایہ دار نے اس مرکز کا یورپ کے مراکز تفریح میں اعلان ہی نہیں کیا، کیونکہ اُس نے دیکھا، مقامی آبادی ہی اُس کی مطلب براری کے لئے کافی ہے پھر یہ بھی ہوا کہ قومی تعصب کی وجہ سے دوسری قوموں کے دولتمند، لندن پیرس، برلن کو چھوڑکر اپنی دولت ترکوں میں خرچ کرنا پسند نہیں کرتے تھے

الحمدللہ کہ ۱۷ ماہ کی غفلت کے بعد اب حکومت متنبہ ہوئی اور اُسنے فیصلہ کرلیا کہ اس عظیم خطرے کا سدباب کردے۔ چنانچہ کل رات کو کمشنر نظیف بک پولیس کی ایک بڑی جمعیت لے کر محل یلدیز میں گھس پڑے۔ قمار خانے میں داخل ہوئے۔ وہاں بازیاں لگ رہی تھیں۔ حاضرین میں ایک اچھی تعداد ترکوں کی موجود تھی۔ ایک ترک طالب علم بھی موجود تھا۔ لوگ اسے آسمانی بلا سمجھ کر بھاگنے لگے۔ مگر کمشنر نے ڈپٹ کر کہا:

"کھیل ختم ہوگیا۔ کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے!"

چنانچہ سب مبہوت کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ فوراً اُن کے نام لکھے گئے۔ بازی کی رقمیں جمع کی گئیں۔ کل ۲۷۰۰ پونڈ تھے۔ پھر قمار خانے کا سندوق ضبط کیا گیا۔ اُس میں ۴۱۰۰ پونڈ تھے۔ ایک شخص اتنی ہی رقم لئے بھاگ رہا تھا، اُسے بھی گرفتار کیا گیا۔ پھر محل کے تمام دروازے مقفل کردیئے گئے اور محافظ پھاٹکوں پر کھڑے ہوگئے۔

اس واقعہ کے بعد کمشنر نے حسب ذیل بیان شایع کیا:

"حکومت نے صرف اس بات کی اجازت دی تھی کہ اجنبی لوگ یلدیز میں ملعب قائم کریں تاکہ اس سے شہر کو مالی منفعت حاصل ہو لیکن ماکوسیرا نے معاہدے کی پابندی نہیں کی اور اُسے شہر کے لئے ایک نہایت خطرناک قمار خانہ بنا دیا۔ جسے کسی حال میں بھی حکومت گوارا نہیں کرسکتی۔ مجبوراً حکومت نے فیصلہ کرلیا کہ معاہدہ منسوخ کردے اور قوم کو اس مصیبت سے نجات دلائے"

اس طرح ترکوں کو یلدیز کی مصیبت سے دوبارہ نجات مل گئی۔

مجلس کے انتخابات

مجلس (پارلیمنٹ) کے انتخابات ختم ہوگئے۔ غازی مصطفےٰ کمال پاشا کی پوری جماعت انتخابات میں کامیاب ہوگئی۔ کسی دوسری جماعت کا ایک آدمی بھی نئی مجلس میں نہ ہوگا۔ تمام کرسیاں "خلق فرقہ سی" کے آدمیوں ہی کے قبضہ میں رہیں گی۔

اس کامیابی پر غازی ممدوح نے قوم کے نام ایک اعلان شایع کیا ہے۔ اُس میں لکھتے ہیں:

"میرے عزیز برادران وطن نے اپنی متفقہ رائے سے ثابت کردیا کہ وہ ہماری سیاسی جماعت پر اعتماد رکھتے ہیں۔ اُس کی گزشتہ خدمات بنظر استحسان دیکھتے ہیں، اور اُس کے آئندہ مسلک کو مفید یقین کرتے ہیں۔ یقیناً اُن کا یہ اعتماد، ہمارے لئے بہت ہمت افزا ہے۔ اُسنے ہمیں مستقبل کی تعمیر کے لئے پہلے سے بھی زیادہ قوت بخش دی ہے"

بلاشبہ یہ کامیابی ہے۔ لیکن اس میں ایک پہلو ایسا بھی موجود ہے جو ہر شخص کی توجہ اپنی طرف مبذول کرلیتا ہے۔ واقعہ یہ ہے، جیسا کہ پچھلے مکتوب میں لکھ چکا ہوں کہ موجودہ انتخابات میں اس جمہوری جماعت کے سوا کوئی دوسری جماعت شریک ہی نہیں ہوئی تھی۔ لہذا ہر حال میں یہی نتیجہ نکلتا تھا کہ اس جماعت کے امیدوار منتخب ہوجائیں اسے کوئی ایسی کامیابی نہیں کہہ سکتے جو مقابلہ کے بعد حاصل ہوتی ہو۔

یہ اہم پہلو، خود انگورہ کے نیم سرکاری اخبار "حاکمیت ملت" کو بھی زیر بحث لانا پڑا۔ وہ اپنے مقالۂ افتتاحیہ میں لکھتا ہے:

"دوسرے ملکوں میں انتخابات، مختلف ذہنی مذاہب (اسکول) یا مختلف طبقوں کے ذاتی منافع کی بنا پر ہوا کرتے ہیں۔ انہیں دونوں سببوں سے مختلف سیاسی جماعتیں قائم ہوجاتی ہیں۔ اور ان میں سے ہر جماعت برسر اقتدار آنے کی کوشش کرتی ہے۔ لیکن ٹرکی میں یہ صورت حال نہیں ہے۔ یہاں اب تک ایسے طبقے موجود نہیں ہیں جن کے مفاد مختلف ہوں۔ ٹرکی میں سرمایہ داروں، مزدوروں، اور متوسط الحال لوگوں کی جماعتیں موجود نہیں ہیں۔ یہاں صرف ایک ہی قوم ہے، اور تمام باشندے مشترک مفاد و اغراض رکھتے ہیں"۔

"بلاشبہ حالت امن میں یہاں بھی دو فکری رجحان پیدا ہوجاتے ہیں: ایک گروہ کا فکری رجحان یہ ہوتا ہے کہ ملک کی نجات و سلامتی ماضی میں، ماضی کی تقلید میں، اور قدیم رسم و رواج کی پابندی میں ہے۔ دوسرے گروہ کی رائے میں کامیابی تمام تر اصلاح و تجدد میں ہے پہلے گروہ میں عامۃ الناس اور غیر تعلیم یافتہ اشخاص داخل ہیں دوسرا

گروہ، تعلیم یافتہ اشخاص کا ہے"

" یہ دونوں فکری رجحان، ٹرکی میں ۲۰ برس سے متصادم ہورہے ہیں۔ سیاست، فوج، ادب، علم، کوئی میدان نہیں جس میں یہ دونوں نقطہ ہائے فکر باہم دست بگریباں نہ ہوں"

" لہذا یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اگر بہت سی جماعتیں نہیں تو کم سے کم دو جماعتیں ملک میں ضرور موجود ہیں اور برسر اقتدار آنے کے لئے متصادم ہو سکتی ہیں۔ لیکن اسوقت عملاً صرف ایک ہی سیاسی جماعت موجود ہے، اور وہ حامیان اصلاح و تجدد کی ہے"

" اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ حامیان اصلاح اپنے مقاصد کا بانگ دہل اعلان کرتے ہیں اور مقرر و منضبط لائحہ عمل رکھتے ہیں۔ برخلاف انکے حامیان جمود و تقلید میں اپنے مقاصد کے اعلان کی جرأت نہیں درحقیقت وہ کوئی معین راہ عمل رکھتے ہی نہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ان میں باہم کوئی فکری رابطہ بھی موجود نہیں ہے جو ایک باقاعدہ جماعتی شکل پیدا کر سکے۔ ہر کوئی اپنی ایک علحدہ مضطرب اور مبہم رائے رکھتا ہے اور دوسرے کے ساتھ ملنے پر آمادہ نہیں ہے"

" یہی سبب ہے کہ عملی طور پر یہ جماعت مرگئی ہے۔ کسی طرح بھی اپنے حریف کے مقابلے میں کھڑی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اُس کی اس عملی موت نے اُس میں یہ خطرناک مرض بھی پیدا کر دیا ہے کہ وہ پس پردہ سازشوں اور خیانتوں کے جال بناتی اور ملک میں پھیلانے کی کوشش کرتی ہے"

یہ کہنا ضروری نہیں کہ "حاکیت ملیت" کی یہ رائے افراط و تفریط سے خالی نہیں ہے۔

ایک نئی سازش

اس ہفتے ایک نئی سازش پر سے پردہ اُٹھا ہے۔ آپکے قارئین کو یاد ہوگا کہ معاہدۂ لوزان کے بعد ہی ترکی حکومت نے اپنی سرحدوں سے ۱۵۰ آدمیوں کو ہمیشہ کے لئے جلا وطن کر دیا تھا۔ کیونکہ اُن کی پچھلی زندگی، سازشوں اور خیانتوں سے لبریز تھی۔

یہ لوگ ٹرکی سے نکلکر یونان، مصر، شام وغیرہ ملکوں میں پھیل گئے اور ترکی حکومت سے انتقام لینے کی فکریں کرنے لگے۔ یونان میں پناہ گزیں خائنوں کی روش بہت مشتبہ تھی۔ ترکی خفیہ پولیس برابر ان کی نگرانی کرتی رہتی تھی۔

انھوں نے کئی سال مطمئن زندگی بسر کرنے کے بعد خیال کیا کہ ترکی حکومت اُن سے بالکل غافل ہوگئی ہے۔ چنانچہ حکومت یونان کے بھروسے پر ایک سازش بنائی اور عمل کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اس سازش کا سرغنہ، حاجی سامی ہے۔ یہ چرکسی قوم کا آدمی ہے اور اپنے وقت کا مشہور جرائم پیشہ اور خونریز رہ چکا ہے۔ انجمن اتحاد و ترقی کی حکومت کے زمانے میں اسنے سیکڑوں خون کئے تھے۔ مرحوم انور پاشا جب ترکستان گئے تو یہ بھی وہاں پہونچا اور جنگ میں شریک ہوگیا۔ اُن کی شہادت کے بعد پھر ٹرکی واپس آیا اور اپنا پرانا مشغلہ جاری کر دیا۔ معاہدۂ لوزان کے بعد حکومت نے اسے بھی جلا وطن کر دیا تھا۔

پچھلے ہفتے ترکی پولیس کو معلوم ہوا کہ یہ یونان سے اپنا مسلح چرکسی جتھا لے کر سمرنا پہونچا ہے، اور غازی مصطفے کمال پاشا کی جان لینے کی فکر میں ہے۔ چنانچہ فوراً اُسے گرفتار کرنا چاہا۔ مگر اُسنے مقابلہ کیا، مقابلہ میں وہ خود مارا گیا، مگر اُس کی پوری ٹولی قید ہوگئی۔

اس ٹولی میں تمام چرکسی لوگ شامل ہیں۔ بعض کے نام یہ ہیں: مجید کوچک، مجید کلاں، حقی قاتل، مکی برادر حاجی سامی۔ ان لوگوں نے اپنی سازش کا اعتراف کر لیا ہے۔ ان کی تجویز یہ تھی کہ انگورہ کے قریب مقام "نفللو خاں" میں جا کر قیام کرینگے۔ یہاں تک کہ جب غازی موصوف اور اُن کے وزراء اس علاقہ کے وسط میں انگورہ روانہ ہوں گے تو یہ کوہ بالا گاؤں میں اُن کی ریل ڈائنامیٹ کے ذریعہ اُڑا دینگے!

تلاشی لینے پر ان لوگوں کے پاس سے سادے کاغذ کی ایک کتاب دستیاب ہوئی۔ پولیس کو شبہ ہوا تو اُس کی کیمیاوی تحقیقات کرائی گئی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ اس میں غیر مرئی روشنائی سے اُن کے باقی ہم خیالوں کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس طرح حکومت کو اس پورے جتھے کا علم ہوگیا۔ اس سلسلہ میں ایک پنشن یافتہ فوجی افسر عاطف بک کی گرفتاری بھی عمل میں آئی ہے۔

ترک اور افغان

حال میں حکومت افغانستان نے فوجی تربیت و تعلیم کے لئے اپنے متعدد افسر، ٹرکی بھیجے ہیں۔ انہیں باہر شادی کرنے کی سخت ممانعت تھی تاہم صوبہ دار محمد اکرم خاں نے ایک ترکی خاتون سے شادی کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اسنے اس بارے میں افغانی سفیر کو درخواست دی۔ سفیر نے درخواست، کابل بھیجدی۔ کابل سے خود امیر امان اللہ خاں کا حکم آیا کہ شادی اجازت دیدی جائے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ تمام افغانی افسروں کو بھی اب ترک خاتونوں سے شادی کی آزادی دیدی جائے۔ ساتھ ہی شاہ افغانستان نے یہ بھی لکھا کہ یہ شادی، ترکی قانون مدنی کے موافق عمل میں آئے۔ فرمان عالی میں یہ بھی تھا کہ "میں نہایت خوش ہوں گا اگر افغان افسر اپنی ترک بیویوں کے ساتھ کابل پہنچیں۔ ترکی اجتماعی زندگی کے اصول سیکھ کر آئیں اور اپنے ملک میں اُنھیں رائج کریں"

ٹرکی اور ایران

پچھلے دنوں بعض سرحدی حوادث کی وجہ سے ٹرکی اور ایران میں کشیدگی کے آثار پیدا ہوگئے تھے، جیسا کہ میں بر وقت آپ کو مطلع کر چکا ہوں لیکن اب دونوں حکومتوں کے تدبر سے جملہ غلط فہمیاں دُور ہوگئی ہیں۔ اس کا تازہ ثبوت یہ ہے کہ اسی ہفتے ایرانی سفارتخانے میں ترکی وزیر خارجہ توفیق رشدی بک اور ترکی سفیر متعینۂ طہران ممدوح شوکت بک کو نہایت پر تکلف دعوت دی گئی۔ اس دعوت میں ایرانی سفیر نے تقریر کرتے ہوئے بہت زور دار الفاظ میں کہا کہ دونوں حکومتوں کے تعلقات نہایت دوستانہ ہیں، اور ہمیشہ دوستانہ ہی رہیں گے۔

مکتوب مصر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)

نئے رہنما کا انتخاب

سعد پاشا زغلول کی وفات کے بعد اُن کے جانشین کے انتخاب کا معاملہ بہت اہم اور مشکل تھا۔ ظاہر ہے اسوقت مصر کی توجہات کا مرکز، اس مسئلہ کے سوا، کوئی دوسرا مسئلہ نہیں ہو سکتا تھا لیکن انگلستان میں بھی اسکی وجہ سے بے چینی کچھ کم نہ تھی۔ مصر میں انگلستان کی تمام امیدیں اسی مسئلہ سے وابستہ تھیں اور وہ انتہائی اضطراب سے فیصلہ کا انتظار کر رہا تھا۔

حسب عادت انگریزی اخبارات نے مصر کی متفقہ صفوں میں پھوٹ ڈالنے کی پوری کوشش کی۔ ایک طرف احمد زیور پاشا کی پیٹھ ٹھونکنا شروع کی کہ اب موقعہ ہے۔ ہمت کرو اور برسر اقتدار آجاؤ۔ دوسری طرف اعتدال پسندوں، یعنی عدلی پاشا اور ثروت پاشا کی جماعت کو اُکسایا کہ وفد کی جماعت، مصر کی پوری سیاست پر حاوی ہو رہی ہے۔ اب وقت ہے اُسے گرادو!

تیسری طرف خود وفد کی جماعت میں بھی نا اتفاقی ڈالنی چاہی۔ اس غرض کے لئے فتح اللہ پاشا برکات سے بہتر کوئی شخص اُنھیں نہیں مل سکتا تھا۔ موصوف، مرحوم زغلول پاشا کے بھانجے ہیں اور اُنکے ساتھ جہاد ملی میں بے شمار مصائب برداشت کر چکے ہیں۔ ان اخبارات نے خیال کیا کہ تعریفیں کر کے انہیں وفد کی صدارت کے لئے کھڑا کر دینا چاہئے۔ وفد کی جماعت، بعض موانع کی بنا پر ان کی سرداری قبول نہیں کرنا چاہتی۔ اس طرح آپس میں پھوٹ پڑ جائے گی اور ملک کی سب سے بڑی سیاسی قوت درہم برہم ہو جائے گی۔

مگر مقام مسرت ہے کہ یہ تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ زیور پاشا نے کان ہلائے، مگر عام رائے سے مرعوب ہو کر خاموش ہوگئے۔ اعتدال پسندوں نے بھی قابل تعریف رویہ اختیار کیا، اور وفد کی جماعت سے لڑنا نامنظور کر دیا۔

خود وفد نے بھی نہایت دانشمندی سے کام لیا اور مرحوم رہنما کی جانشینی کا مسئلہ بڑی ہی خوش اسلوبی سے حل کر دیا۔ فتح اللہ پاشا برکات نے جنھیں انگریزی اخبارات، برات کا دولھا بنانا چاہتے تھے، صاف لفظوں میں اعلان کر دیا کہ مجھے سرداری کی طلب نہیں ہے۔ میں وفد کے فیصلے کے سامنے ہر وقت بلا کسی قید و شرط کے سر خم کرنے کو طیار رہوں۔

وفد نے اپنا فیصلہ ۲۶ ستمبر کو سنا دیا۔ یہ جلسہ نہایت عظیم الشان تھا تقریباً تمام ارکان جمع تھے۔ جلسہ کی کارروائی، محمد نجیب الغرابلی پاشا کی تقریر سے شروع ہوئی۔ یہ تقریر پورے وفد کی جانب سے تھی۔ اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

" جو کوئی سعد کی ذات خاص کا مددگار تھا، تو سعد مرگئے۔ لیکن جو سعد کے اصول کا حامی تھا، تو سعد کے اصول باقی ہیں، کبھی مرنے والے نہیں۔

" بلاشبہ سعد مرگئے۔ بہت سے دل، جو اُن کی ہیبت سے خائف تھے مسرت سے اُچھلنے لگے۔ بہت سے سر جو اُنکے رعب سے خم تھے، بلند ہونے لگے فتنہ کا سر اپنی دونوں آنکھیں تم میں ہر طرف پھرانے لگا کہ کوئی شگاف دیکھ اور در آئے۔ لیکن قدیر و حکیم خدا نے تمھیں اُس کی نظر بد سے بچا لیا۔ تم نے خدا کی توفیق سے فتنہ کی آنکھ پھوڑ ڈالی۔ اپنا اتحاد بچا کر شیطان کو مایوس کر دیا، وہ تمھارے متحدہ علم دیکھ کر اُلٹے پاؤں بھاگنے پر مجبور ہوگیا

" وفد نے اپنے قانون کے بموجب اپنی صدارت کے معاملے پر غور کیا۔ پورے غور و خوض کے بعد اُس کی متفقہ رائے یہ ہوئی کہ یہ جلیل القدر منصب ایک ایسے شخص کے سپرد کرے، جسے تم سب جانتے ہو اور حق کی حمایت میں اُس کا حصہ دیکھ چکے ہو۔ وہ مصائب میں ہمیشہ ثابت قدم رہا۔ تکلیفوں میں اُس کی پیشانی پر کبھی بل نہ آیا۔ ایمان میں اُسنے ہمیشہ سبقت کی۔ آزادی کے لئے اُسنے اپنی زندگی وقف کر دی۔

" وہ شخص کون ہے؟ وہ مصطفی نحاس ہے! ......"

اس تقریر کے بعد اور بہت سی تقریریں ہوئیں اور مصطفے نحاس پاشا بالاتفاق، وفد کے صدر، اور پارلیمنٹ کی دونوں مجلسوں میں جماعت وفد کے رئیس منتخب ہوگئے۔

وفد کا پیغام

مصری وفد نے قوم کے نام حسب ذیل پیغام شائع کیا ہے:

" ابناء وطن! عظیم القدرت خدائے بزرگ و برتر کی مشیت پوری ہوگئی اور سعد زغلول کا انتقال ہوگیا۔ تم اُس کے فراق پر رنج سے روئے لیکن رحمت الہٰی نے اس کے سوا کچھ منظور نہ کیا کہ تمھارے سردار کو ویسی ہی شریف موت دے، جیسی شریف زندگی اُسے بخشی تھی۔ چنانچہ جس طرح وہ مجاہد زندہ رہا تھا، اُسی طرح مجاہد ہی مرا۔ دنیا و آخرت، دونوں میں اُس کے لئے مجاہدین کا ثواب جزیل موجود تھا!

" سعد مرگیا، اس سے تمھارے دل ٹوٹ گئے۔ بعض لوگوں نے تمھارا رنج و اَلم دیکھ کر کہنا شروع کر دیا کہ اُس بڑے سینے میں جو بڑی بڑی آرزوئیں پنہاں تھیں، اُس کی موت ہی کے ساتھ مرگئیں۔

دلآزار مذہبی تحریریں اور مسلمانوں کا پچھلا مظاہرہ

اسلام اور سزائے قتل

ایک جویائے حق کے خط کا جواب

(۲)

یہاں تک میں نے جو کچھ لکھا، وہ اس باب میں ایک اصولی بحث تھی۔ میں نے ابھی اس طرف توجہ ہی نہیں کی ہے کہ جن باتوں کا آپنے ذکر کیا ہے اُن کی اصلیت کیا ہے اور وہ فی الحقیقت اسلام کے احکام ہیں یا نہیں؟ میں صرف یہ واضح کرنا چاہتا تھا کہ صورتِ حال کچھ ہی کیوں نہ ہو، لیکن آپکا طریقِ نظر صحیح نہیں ہے۔ آپ اسلام کی حقیقی تعلیم معلوم کرنے کے بعد محض اس وجہ سے اپنے آپ کو "شک و شبہ" کے حوالے کر دیتے ہیں کہ "دوسرے مسلمانوں" کا فہم و عمل اس کے خلاف نظر آتا ہے۔ "دوسرے مسلمانوں" کا یہ بیان کردہ فہم و عمل فی الحقیقت خلاف ہے یا نہیں؟ اس سے بھی ابھی کوئی بحث نہیں۔ سوال یہ ہے کہ ایک جویائے حقیقت انسان جسکا مقصد جدل و نزاع نہیں بلکہ سچائی کی طلب و تحقیق ہے، کیوں راہ تحقیق میں اصل تعلیم چھوڑ کر لوگوں کے فہم و عمل سے متأثر ہو، اور اس کی وجہ سے "شکوک و شبہات" میں مبتلا ہو جائے!

بہ حیثیت ایک طالب حق و صداقت کے یہ بات پیشتر سے آپ کے علم میں ہونی چاہئے کہ مذاہب کی تعلیم اور پیروان مذاہب کا فہم و عمل دو مختلف چیزیں ہو گئی ہیں۔ ایک چیز نہیں ہیں، اور اس لئے اگر اس طرح کا کوئی اختلاف آپکے علم میں آتا ہے، تو یہ کوئی نیا انکشاف نہیں ہے جس سے آپ حیران و سراسیمہ ہو جائیں، بلکہ پیشتر کی سمجھی بوجھی ہوئی بات کا ایک مزید معائنہ اور تجربہ ہے۔ تجربہ شک و شبہ کا باعث کیوں ہو؟ اس سے تو آپکے علم و یقین میں اور زیادہ اضافہ ہونا چاہیئے؟

دعوتِ قرآنی کی بنیادی اصل

یہ موقعہ زیادہ تفصیل و بحث کا نہیں ہے ورنہ میں آپ کو بتلاتا کہ جستجوئے حقیقت اور معرفتِ صداقت کی یہی وہ بنیادی اصل ہے، جس کی اب تیرہ سو برس پہلے قرآن حکیم نے نوع انسانی کو دعوت دی تھی۔ دراصل قرآن کی ساری تعلیم اسی اصل کی شرح ہے۔ قرآن جس وقت نازل ہوا، اُس وقت دُنیا میں مذاہب کے پیروؤں کی کمی نہ تھی، لیکن مذاہب کی حقیقت گم ہو چکی تھی۔ اُسی طرح گم تھی جس طرح آج بھی گم ہے۔ مذاہب کے پیروؤں کی بے شمار جماعتیں قائم تھیں، اور ہر جماعت صرف اپنے ہی کو سچائی کی وارث اور ہر دوسری جماعت کو سچائی سے محروم یقین کرتی تھی۔ سچائی کی راہ ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ اس لئے قرآن کے [illegible] ظاہر دو ہی طریقے ہو سکتے تھے: یا تو تمام پیروان مذاہب کی [illegible] یا سب کی تکذیب کرے۔ سب کی تصدیق کی نہیں جا سکتی تھی، کیونکہ ہر ایک کا دعویٰ دوسرے سے متضاد تھا۔ ہر جماعت نہ صرف اپنی صداقت کی مدعی تھی، بلکہ دوسرے کے بطلان کی بھی مدعی تھی۔ اس لئے سب کی تصدیق کے معنی یہ تھے کہ سب کو بہ یک وقت حق اور باطل، دونوں تسلیم کر لیا جائے۔ اسی طرح سب کی تکذیب بھی صداقت کے خلاف تھی۔ کیونکہ اس صورت میں دُنیا کا مذہبی صداقت سے خالی ہونا لازم آتا تھا، اور انسان کی روحانی ہدایت و تربیت کی تمام بنیادیں منہدم ہو جاتی تھیں۔ پس اُسنے ان دونو طریقوں میں سے کوئی طریقہ بھی اختیار نہیں کیا۔ ایک تیسری راہ اختیار کی۔ اُسنے کہا، دُنیا کے تمام مذاہب حق ہیں، لیکن دنیا کے تمام پیروان مذاہب حق سے منحرف ہو گئے ہیں۔ جس قدر بھی گمراہی ہے، جس قدر بھی اختلاف ہے، جسقدر بھی دعووں کی لڑائی اور جماعت بندیوں کا تصادم ہے، پیروان مذہب کے فہم و عمل میں ہے۔ مذاہب کی تعلیم میں نہیں ہے۔ اگر پیروان مذہب کا یہ انحراف دور ہو جائے جو حق نہیں ہے، تو ہر جماعت کے پاس وہ چیز باقی رہجائے گی جو صرف حق ہے، اور چونکہ وہ حق ہے، اس لئے نہ تو اُس میں ایک راہ سے زیادہ کی گنجائش ہے۔ نہ کسی طرح کے اختلاف و نزاع کا امکان۔ یہی مذاہب عالم کا "مشترک حق"، دنیا کی عالمگیر روحانی صداقت ہے، اور اسی کو قرآن نے اپنی زبان میں "اسلام" اور "صراط مستقیم" سے تعبیر کیا ہے:

قولوا امنا باللہ وما انزل	سچائی کی راہ یہ ہے کہ کہو: ہم اللہ پر ایمان لائے
الینا، وما انزل الی ابراہیم	ہیں اور اُس سچائی پر ایمان لے آئے ہیں جو
واسماعیل ویعقوب والاسباط،	ہمارے سامنے پیش کی گئی ہے۔ نیز اُن تمام مذہبی
وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ، وما	صداقتوں پر ایمان رکھتے ہیں جو ابراہیم پر نازل
اوتی النبیون من ربہم، لا	ہوئیں، اور جن کی اسماعیل و یعقوب اور اُن
نفرق بین احد منہم، ونحن	کی نسل کے رہنماؤں نے دعوت دی، اور پھر
لہ مسلمون! فان امنوا بمثل	وہ تعلیم جو موسیٰ کو دی گئی، اور وہ تعلیم جو عیسیٰ
ما امنتم بہ فقد اہتدوا، و	کا پیغام حق تھا۔ غرضکہ دنیا کے سارے نبیوں
ان تولوا، فانما ہم فی شقاق	اور مذہبی صداقت کے سارے معلموں کو
فسیکفیکہم اللہ، وہو السمیع العلیم!	خدا کی طرف سے وقتاً فوقتاً جو کچھ
(۲: ۱۳۷)	ملا ہے، اُس سب پر ہمارا ایمان ہے۔

ہم اُن سب کو ایک ہی طرح کے یقین اور احترام کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔ ہم اُن میں کسی طرح کی تفریق نہیں کرتے کہ ایک کی تصدیق کریں اور دوسرے کو جھٹلائیں۔ ہم خدا کے فرماں بردار ہیں۔ اُس کی سچائی جہاں کہیں اور جب کبھی آئی ہو، ہمارے لئے سچائی ہے اور ہم اُسے قبول کرتے ہیں!

اس طرح قرآن نے جو طریقہ اختیار کیا، وہ یہ تھا کہ تمام مذاہب کی تصدیق کی، مگر تمام پیروان مذاہب کی تکذیب کی، اور اس تصدیق و تکذیب کے اجتماع سے اُس بنیادی صداقت کی راہ نوع انسانی پر کھول دی، جسپر چلے بغیر کوئی انسان مذہبی حقیقت کی معرفت حاصل نہیں کر سکتا۔ آج بھی ہر اُس انسان کے لئے جو مذہب کی روحانی صداقت کی طلب رکھتا ہو، اس راہ کے سوا دوسری کوئی راہ موجود نہیں ہے۔ وہ وقت اب دور نہیں ہے جب عالم انسانیت مذاہب عالم کے اختلافات سے اُکتا کر مجبور ہو جائے گا کہ یا تو یک قلم مذہب ترک کر دے یا تمام مذہبی صداقتوں کو جمع کر دے۔ میرا یقین ہے کہ جمعیت انسانی مذہب ترک نہیں کر سکتی۔ اس لئے ناگزیر ہے کہ دوسرا طریقہ اختیار کرے۔ اور جب وہ دوسرا طریقہ اختیار کرے گی، تو فی الحقیقت وہ یہی طریقہ ہوگا جس کی طرف تیرہ سو برس پہلے قرآن نے دعوت دی تھی: یعنی انسانوں کے فہم و عمل کی تکذیب اور اصل مذاہب کی تصدیق۔ اُس وقت دُنیا کے تمام پیروان مذاہب یک زبان ہو کر اعلان کریں گے:

کان الناس امۃ واحدۃ،	دنیا میں انسانی جمعیت کی ابتدا اختلاف
فبعث اللہ النبیین مبشرین	سے نہیں بلکہ وحدت و یگانگت سے ہوئی
ومنذرین، وانزل معہم	ہے۔ سب ایک ہی قوم تھے اور سب فطری صداقت
الکتاب بالحق لیحکم بین الناس	کے ایک ہی طریق پر چلنے والے تھے پھر
فی ما اختلفوا فیہ، وما اختلف	ایسا ہوا کہ ان میں پھوٹ پڑ گئی اور گمراہی
فیہ الا الذین اوتوہ من بعد	و فساد کی بے شمار راہوں میں بکھر گئے۔
ما جاءتہم البینات بغیا بینہم،	تب خدا نے اُن کی ہدایت کے لئے نبیوں
فہدی اللہ الذین امنوا لما	کو مبعوث کیا جو نیک کرداری کے پھل
اختلفوا فیہ من الحق باذنہ،	کی بشارت دیتے تھے اور بدکرداری کے
واللہ یہدی من یشاء الی	نتائج سے ڈراتے تھے۔ اُنکے ساتھ تعلیم
صراط مستقیم! (۲: ۲۰۹)	حق کی کتابیں تھیں۔ یہ اس لئے نازل

کی گئی تھیں تاکہ جن جن باتوں میں نادانی و گمرہی سے اختلاف اور جھگڑا پیدا کر دیا گیا ہے، اُن سب کا فیصلہ ہو جائے اور سب اُس حقیقی دین پر متفق ہو جائیں جس سے منحرف ہو کر ایک دوسرے سے جھگڑنے لگے ہیں۔ افسوس ہے کہ نسل انسانی اسپر بھی اختلاف و فساد سے باز نہ آئی۔ جن جن باتوں کے فیصلہ کے لئے یہ کتابیں نازل کی گئی تھیں، اُنھی میں پھر اختلاف پیدا کر دیا گیا، اور دینِ حق کی حقیقت اور وحدت گم ہو گئی۔ جب ایسا ہوا تو ضروری تھا کہ ایک مرتبہ ان تمام اختلافوں اور گمراہیوں کے خلاف، دین حق کی حقیقت کا عام اعلان کر دیا جائے، اور تمام جماعتوں اور مدعیوں کو ایک نقطہ پر جمع کر دیا جائے۔ چنانچہ اللہ نے اپنے فضل و رحمت سے اس کا دروازہ اہل ایمان پر کھول دیا، اور وہ جسکو چاہتا ہے ہدایت کی راہ دکھا دیتا ہے!

مسلمانوں کا پچھلا مظاہرہ

اب میں اُس خاص معاملہ پر متوجہ ہوتا ہوں جس کا آپنے ذکر کیا ہے۔ میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں کہ اس بارے میں آپنے جس قدر تأثرات قبول کئے ہیں، وہ زیادہ تر اسی اصولی غلطی کا نتیجہ ہیں۔

اس بارے میں آپنے جو کچھ لکھا ہے، اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ تسلیم کرتے ہیں، یہ رسالہ فی الحقیقت نہایت بے ہودہ اور دلآزار تھا اور اس پر اعتراض کرنے میں مسلمان حق بجانب تھے۔ لیکن آپ یہ کہتے

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۶)

"لیکن حاشا و کلا، قوم اور اُس کے زعیم کا مقام اس سے بلند ہے۔ سعد نے مر کر لازوال زندگی حاصل کر لی۔ تمھاری آرزوئیں جو اُس کے وجود میں مجسم تھیں، اب اُس کی غیر فانی روح کے ساتھ، ابدی و سرمدی ہو گئیں۔ اب فنا کا ہاتھ کسی طرح بھی اُن تک نہیں پہنچ سکتا"

"ابنائے وطن! وفد، جو تمھاری بیداری کا پہلا مظہر تھا، آج بھی باقی ہے، اور آئندہ بھی باقی رہے گا۔ وہ تمھاری قوت کی میزان، تمھارے جہاد کا عنوان، تمھاری وحدت کی بنیاد، تمھاری آرزوؤں کی زبان، اور تمھارے آلام کا ترجمان ہے!

"وہ اُس وقت تک میدان نہیں چھوڑے گا جبتک کامل خود مختاری اور صحیح آزادی کے ذریعہ وطن کی عزت بے داغ نہ کر دے"

کہ معاملہ اس حد تک پہنچکر ختم نہیں ہوگیا۔ بلکہ آپکے لفظوں میں:

"جو طریقہ مسلمانوں نے ملک کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک اختیار کیا، اور جو باتیں کہی گئیں، وہ نہ صرف حق و انصاف کے خلاف تھیں بلکہ عجیب طرح کی مذہبی ذہنیت ظاہر کرتی تھیں جنھیں کسی طرح بھی ٹھیک راستہ پر نہیں لے جایا جا سکتا۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہو کہ تمام لیڈروں اور "مولانا صاحبان" نے اور جمعیت العلماء نے فتویٰ جاری کردیا کہ رنگیلا رسول لکھنے والے اور چھاپنے والے کو قتل کرنا چاہئے۔ اور یہ کہ اسلام کا قانون یہی ہو کہ جو بھی کوئی غیر مسلمان حضرت بانی اسلام کے خلاف بدزبانی کرے، اسے فوراً مار ڈالنا چاہئے"

میں آپ کی طبیعت کی صداقت اندیشی اور حق پسندی کا معترف تھا اور اس موقعہ پر بھی معترف ہوں۔ آپنے اس رسالہ کے متعلق جو رائے قائم کی، اور جس طرح بے لاگ اور قطعی لفظوں میں اپنا خیال ظاہر کردیا، فی الحقیقت ایک راستی پسند انسان کا یہی شیوہ ہونا چاہئے۔ لیکن جن واقعات کا آپنے ذکر کیا ہو، افسوس ہو کہ نہ تو اُن کی تعبیر صحیح ہو، اور نہ وہ تاثر صحیح ہو جو آپ نے قبول کیا ہو۔ آخری سطروں میں وہی اصولی غلطی کام کررہی ہو جس پر پچھلی سطور میں بحث کرچکا ہوں۔

تعبیر میں آپنے جو غلطی کی ہو، وہ غلطی عام ہو۔ اور اُس نا واقفیت کا نتیجہ ہو جو ایک ہزار سال کی یکجائی کے باوجود ہندوؤں کو اسلام اور مسلمانوں کی نسبت ہو۔ میں نے بارہا بیان کیا ہو کہ اگر کسی ذریعہ سے ہم یہ باہمی ناآشنائی دور کرسکیں، تو باہمی مخالفت اور توحش کی کتنی بڑی مقدار خود بخود دور ہوجا سکتی ہو۔ مگر افسوس ہو کہ اس کا کوئی سامان نہیں ہوتا۔ آپنے غالباً بعض اخباروں کے مضامین دیکھ کر یہ رائے قائم کرلی کہ "مسلمان لیڈروں اور جمعیت العلماء نے فتویٰ دیدیا" لیکن اگر آپ کو مسلمانوں کی اصطلاح "فتویٰ" کی حقیقت معلوم ہوتی جو بہت ہی معمولی اور عام ہو، تو کبھی یہ بات آپکے قلم سے نہیں نکلتی۔ آپ "لیڈروں" کے ساتھ "فتویٰ" کا لفظ نہیں نکالتے۔ آپ سے یہ پوشیدہ نہیں ہوتی کہ اُن تمام باتوں کو جو کسی "لیڈر" یا عالم نے عام مجالس کے ایک مقرر ہونے کی حیثیت سے کہی ہیں، یا اپنے اپنے انداز طبیعت کے مطابق نرم و گرم خیالات ظاہر کئے ہیں "فتویٰ" قرار دیدیتے۔ بلاشبہ آپ ان تمام باتوں پر اس حیثیت سے نظر ڈال سکتے تھے کہ کہاں تک موزوں ہیں یا غیر موزوں ہیں۔ لیکن انھیں "فتویٰ" کے لفظ سے تعبیر نہ کرتے۔ کیونکہ فی الحقیقت وہ "فتویٰ" نہیں ہیں۔

غالباً آپ کا خیال یہ ہو کہ جب کبھی کسی معاملہ پر ایک مسلمان، مذہبی قسم کی کوئی بات کہے، تو وہ "فتویٰ" ہو۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہو۔ اس طرح تو وہ ساری باتیں جو مسلمان جلسوں میں کہتے ہیں یا اخباروں میں لکھتے ہیں، "فتویٰ" ہوجائیں گی۔ "فتویٰ" مسلمانوں کے دینی علوم کی ایک اصطلاح ہو، اور اس کا اطلاق صرف اُس بیان پر ہوتا ہو جو ایک مستند عالم دین اس حیثیت سے دیتا ہو کہ فلاں مسئلہ میں اُس کے نزدیک شریعت کا حکم یہ ہو۔ جب تک ایک عالم شرع اس حیثیت سے ایک بیان نہ دے، وہ فتویٰ نہیں ہو، اور کوئی مسلمان بھی اُسے فتویٰ نہیں سمجھیگا۔ اب آپ غور کیجئے کہ لیڈروں کی طرف "فتویٰ" منسوب کردینا کیسی افسوسناک غلطی ہو؟ آپ کہہ سکتے ہیں کہ علماء بھی "لیڈر" ہیں۔ یہ ٹھیک ہو لیکن یقیناً یہاں لیڈر سے مقصود علماء نہیں ہیں، مسلمان جماعتوں کے عام سربرآوردہ اشخاص اور سیاسی رہنما ہیں، اور یقیناً نہ تو وہ "فتویٰ" دیتے ہیں، نہ مسلمانوں میں کوئی شخص اُنکے بیانات کو فتویٰ کی حیثیت سے قبول کرتا ہو۔

البتہ جمعیت العلماء مذہبی حیثیت سے "فتویٰ" دے سکتی ہو، لیکن یہ خیال صریح غلط ہو کہ جمعیت العلماء نے "رنگیلا رسول" کے لکھنے والے یا چھاپنے والے کی نسبت کوئی "فتویٰ" جاری کیا۔ یہاں پھر وہی باہمی ناواقفیت اور ناآشنائی کی بلا آگئی ہو جو ہندو مسلمانوں کے تمام معاملات پر چھائی ہوئی ہو۔ چونکہ مسلمانوں کی مذہبی اصطلاح "فتویٰ" کی حیثیت اور نوعیت پر آپ کی نظر نہیں، اس لئے طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہورہی ہیں۔ غور کیجئے، اس ایک معاملہ میں کیے بعد دیگرے کتنی غلطیاں پیدا ہوگئی ہیں:

اولاً مسلمانوں میں شرعی حیثیت سے فتویٰ اسی وقت دیا جاتا ہو جب کسی خاص معاملہ میں شرعی حکم واضح کردینا ہو تاکہ مسلمانوں کا کوئی فرد یا جماعت اُس پر عمل کرے۔ موجودہ صورت میں "فتویٰ" کی گنجایش ہی نہیں تھی۔ ہندوستان میں ایک شخص نے اسلام کے خلاف دلآزار کتاب لکھی تھی اور شائع کی تھی۔ یہاں نہ تو مسلمانوں کی حکومت ہو، نہ شرعی قوانین نافذ ہیں، نہ مسلمانوں کے مذہبی گروہ کو کسی طرح کا دخل سیاست و تعزیر میں ہو۔ جو کچھ بھی اس بارے میں کرسکتی ہو حکومت کرسکتی ہو۔ اگر کوئی شخص اس میں مداخلت کرے گا مجرم ہوگا۔ پس ظاہر ہو کہ اس معاملہ میں مسلمانوں کے لئے فتویٰ لینے یا دینے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ہاں یہ ممکن تھا کہ کوئی شخص اس درجہ مجنون یا احمق ہوجائے کہ وہ خیال کرے، ہندوستان میں اسے تعزیر و سیاست کے احکام جاری کرنے کی قدرت حاصل ہوگئی ہو اور اس لئے فتویٰ دینا شروع کردے کہ فلاں آدمی کو قتل کرڈالنا چاہئے، اور فلاں آدمی کو قید میں ڈال دینا چاہئے لیکن واقعہ یہ ہو کہ ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔

ثانیاً جمعیت العلماء کی نسبت یہ سمجھ لینا کہ چونکہ وہ علماء کی انجمن ہو، اس لئے اُس کی جانب سے جو کچھ بھی کہا جاتا ہو "فتویٰ" ہو، کس درجہ ناواقفیت کی بات ہو؟ وہ ایک انجمن ہو، اور اس حیثیت سے وہ تمام طریقے اظہار رائے کے عمل میں لاتی ہو جو دُنیا کی تمام انجمنیں عمل میں لایا کرتی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آجاتا ہو جس پر وہ کارروائی کرنا ضروری سمجھتی ہو، تو تجویز کی شکل میں کوئی بات ترتیب دیتی ہو اور اُسے منظور کرکے شائع کردیتی ہو۔ اس معاملہ پر بھی اُسنے ایک تجویز منظور کی اور غالباً اخیر میں اپنی جمعیۃ عاملہ (ورکنگ کمیٹی) کا ایک جلسہ کرکے اُس کا اعلان کردیا۔ وہ جمعیت العلماء کی ایک تجویز ہو۔ یقیناً لوگوں نے اُسے اُس درجہ اہمیت دی ہوگی جس درجہ اہمیت وہ جمعیت العلماء کی تجاویز کو دیا کرتے ہیں۔ لیکن وہ "فتویٰ" نہیں ہو۔ کیونکہ "فتویٰ" دینے کی اس معاملہ میں گنجایش ہی نہ تھی۔ آپ جمعیت کی ایک تجویز کو "فتویٰ" کہہ رہے ہیں۔

ثالثاً جمعیت العلماء کی اس تجویز کا مضمون بھی آپنے صحیح طور پر معلوم نہیں کیا ہو، اور جو کچھ لکھا ہو، وہ اصلیت سے اس درجہ ہٹا ہوا ہو کہ اگر میں آپ کو ملامت کروں تو آپ کو ناخوش نہیں ہونا چاہئے۔ کم از کم آپ جیسی طبیعت کے آدمی کو ایک واقعہ کے نقل کرنے میں اس درجہ بے احتیاط نہیں ہونا تھا۔ جمعیت العلماء کی تجویز تمام اخباروں میں شائع ہوگئی تھی۔ میری نظر سے بھی گزری تھی۔ اگر آپ چاہیں تو اُس وقت کا کوئی اُردو اخبار حاصل کرکے دیکھ لے سکتے ہیں۔ اُس میں یہ کہیں نہیں ہو کہ "رنگیلا رسول لکھنے والے اور چھاپنے والے کو قتل کردینا چاہئے" جیسا کہ آپنے لکھا ہو۔ کم سے کم اتنی بات تو ہر شخص کی سمجھ میں آجانی چاہئے کہ برٹش انڈیا میں کوئی شخص یا جماعت اپنے آپ کو گرفتار کرائے بغیر کسی انسان کے قتل کی علانیہ ترغیب نہیں دے سکتی۔ اگر جمعیت نے یا کسی انجمن نے ایسا اعلان کیا ہوتا تو یہ صریح ایک انسان کے قتل کا اقدام تھا۔ دراصل وہ تجویز مسلمانوں کو مخاطب کرکے لکھی ہی نہیں گئی تھی کہ اس طرح کی قاتلانہ ترغیب کی اس میں گنجایش ہوتی۔ اُس کا تمام تر خطاب حکومت سے تھا۔ حکومت سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ اس طرح کے دلآزار حملوں کا سدّباب کردے، اور اگر موجودہ قوانین اسکے لئے کافی نہیں ہیں تو نیا قانون نافذ کردے۔ البتہ اُس تجویز میں اس بات کا حوالہ ضرور تھا کہ اسلامی قوانین میں (یا بصورت اسلامی حکومت ہونے کے۔ مجھے اصلی الفاظ یاد نہیں ہیں) ایسے شخص کی سزا قتل ہو جو پیغمبر اسلام کی عمداً توہین و تذلیل کرے۔ یہ حوالہ جس طریقہ سے دیا گیا تھا، اس کا صاف منشا یہ تھا کہ معاملہ کی اہمیت حکومت پر واضح ہوجائے۔ یعنی یہ بات اُس کے علم میں آجائے کہ مسلمانوں کے دینی احساسات اس بارے میں کیا ہیں، اور اُن کے نقطۂ خیال سے یہ معاملہ کس درجہ اہم اور ضروری ہو؟ بلاشبہ اس پر بحث کی جاسکتی ہو کہ اس موقعہ پر اس قانون کا حوالہ دینا یا ذکر کرنا کہاں تک صحیح تھا؟ اور فی الحقیقت اسلام کا قانون کیا ہو؟ اس بارے میں میری رائے اور اسلامی قوانین کی حقیقت کی بحث آگے آئے گی، اور آپ معلوم کرلینگے کہ میرا خیال اور علم کیا ہو لیکن بہ حیثیت ایک صداقت اندیش انسان کے آپ کو اور اُن تمام لوگوں کو جو اس بارے میں طرح طرح کے تاثرات قبول کررہے ہیں، یہ تسلیم کرلینا چاہئے کہ واقعہ کی نوعیت وہ نہیں ہو جو اُنھوں نے سمجھ رکھی ہو۔ ہم ایک معاملہ کی نسبت موافق رائے رکھتے ہوں یا مخالف، ہر حال میں ہمارا فرض ہو کہ معاملہ کو اُس کی صحیح اور حقیقی صورت میں دیکھیں، اور جیسا کچھ بھی وہ ہو، اُسے تسلیم کرکے، رائے قائم کریں۔ انصاف کیجئے، کہاں یہ بات کہ جمعیت العلماء نے ایک تجویز منظور کرکے حکومت کو صورت حال پر توجہ دلائی اور اسمیں اس بات کا حوالہ دیا کہ اسلامی قانون اس بارے میں یہ تھا، اور کہاں اُس کی یہ تعبیر کہ "جمعیت نے فتویٰ دیدیا کہ قتل کردینا چاہئے"؟ اسوقت دُنیا کے کسی مذہب کے ماننے والے بھی ایسے نہیں ہیں جنھوں نے گذشتہ زمانے میں اپنے اپنے وقت کے مصالح کے مطابق قتل و تعزیر کے احکام نافذ نہ کئے ہوں اور وہ ان کی کتابوں میں ثبت نہ ہوں۔ مختلف موقعوں پر بے محل یا با محل اُن کا ذکر بھی کردیا جاتا ہو، لیکن کوئی شخص اُس کا مطلب یہ نہیں سمجھتا کہ بحالت موجودہ انھیں نافذ کرنا مقصود ہو۔

رابعاً آپنے جن لفظوں میں جمعیت کے بیان کردہ اسلامی قانون کی تعبیر کی ہو، وہ بھی صحیح نہیں ہیں۔ آپ لکھتے ہیں "اسلام کا یہ قانون ہو کہ جو بھی کوئی غیر مسلمان حضرت بانی (داعی) اسلام کے خلاف کوئی بدزبانی کرے، فوراً اُسے مار ڈالنا چاہئے" لیکن آپ یقین کیجئے کہ نہ تو جمعیت العلماء کی تجویز میں اس قانون کی یہ تعبیر تھی، اور نہ میری معلومات میں کسی مسلمان نے بھی یہ تعبیر کی ہو۔ جمعیت نے یا کسی دوسری جماعت نے اگر یہ کہا ہو کہ اسلامی حکومتوں کا یہ قانون تھا، تو اس کا صاف مطلب وہی ہوسکتا ہو جو حکومتوں کے قوانین کا عام طور پر ہوتا ہو۔ یعنے اُنکے قوانین کی رُو سے یہ ایک ایسا جرم تھا جو اگر عدالتی تحقیقات کے بعد ثابت ہوجائے، تو اس کے لئے قتل تک کی سزا دی جاسکتی تھی۔ اس کا یہ مطلب کہاں سے نکالا گیا کہ "جو مسلمان کسی کو بدزبانی کرتے دیکھے، اُسے فوراً قتل کرڈالے"؟ اسلام کے شرعی نظم کی رُو سے تو کسی جرم کے لئے بھی ایسی آزادی جائز نہیں ہوسکتی۔ تعزیر اور سیاست کے تمام احکام کا تعلق قضا سے ہو۔ یعنی آجکل کی بول چال میں عدالتی کارروائی سے۔ کسی فرد کو بھی اپنی جگہ اختیار نہیں کہ قانون اپنے ہاتھ میں لے لے۔ اور جس کسی کو اپنے نزدیک مجرم سمجھے سزا دیدے۔ یہ کام صرف حکومت اور عدالت کا ہو۔ اگر کوئی شخص ایسا کرے گا، تو وہ اسلامی قوانین کی رُو سے اُسی طرح سزا کا مستحق ہوگا، جس طرح ایک قانون کی خلاف ورزی کرنے والا مجرم ہوسکتا ہو۔

میں نے اس حصۂ بیان میں ضرورت سے زیادہ تفصیل اس لئے کی کہ میں چاہتا ہوں، یہ بات آپ پر واضح ہوجائے کہ واقعات کے مطالعہ و بیان میں وقت کی کوتاہیوں اور کج اندیشیوں کا کیا حال ہو؟ کس طرح ایک بات بغیر کسی اشتباہ اور پیچیدگی کے محض اس لئے کچھ سے کچھ ہو جاتی ہو کہ ہم ایک دوسرے کو سمجھنے اور بے لاگ طریقہ سے معاملات پر نظر ڈالنے کی استعداد کھو چکے ہیں اور جب کبھی کسی معاملہ پر بحث کرتے

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لیگئی ہیں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J & E. Bumpus Limited,

350, Oxford Street,

LONDON, W. 1.

جو

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور

جسے ملک معظم برطانیہ اور انکے کتبخانۂ قصر کے لیے کتابیں بہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شایع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں سے

ہر چھ ماہ کے

بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شایع ہوا کرتی ہے

مطبوعات الهـــلال بك ايجنسى

معارف ابن تيميه و ابن قيم

دیني علوم کے بیش بہا جواهر ریزي

اس سلسله میں هم نے امامین کي ان نادر و اعلی درجه کي بلند پایه عربي تصانیف کے اُردو تراجم کا سلسله شروع کیا هے ' جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروري و ناگزیر هے - امید که یه "سلسلۂ تراجم" بد نصیب هندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

اُسوۂ حسنه — امام ابن قیم کي فن سیرت میں شہرہ آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصه کا اُردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد اڑھائي روپیه -

کتاب الوسیله — لفظ "وسیله" کي بحث کے علاوہ امام ابن تیمیه نے اسلام کے اصل الاصول "توحید" کي مبسوط بحث کي هے - بلا جلد اڑھائي روپیه ' مجلد سوا تین روپیه -

اصحاب صفه — انکي تعداد ' ذریعه معاش ' طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے هیں دس آنے -

تفسیر سورۃ الکوثر — امام ابن تیمیه کے مخصوص انداز تفسیر کا اُردو ترجمه - چار آنے -

العروۃ الوثقی — خالق و مخلوق کے درمیان واسطه کا فرق بدلائل بیان کیا هے - چهه آنے -

سیرت امام ابن تیمیه — حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نہایت خوش اسلوبي سے بیان کیے هیں - نو آنے

نجد و حجاز — علامه سید محمد رشید رضاء مصري کي تازہ کتاب کا اُردو ترجمه - سوا روپیه -

آئمه اسلام — ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آنے
خلاف الامه — فی العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — یه ایک علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله هے جس کے خریدار کو هم نے کمال کوشش و کاوش سے اُردو ' عربي ' فارسي ' انگریزي ' اور دوسري زبانوں کي تمام اهم اور اعلی مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بہم پہنچانے کا اهتمام کیا هے - اسکے علاوہ آئمه و اسلام و بزرگان دین کے حالات ' لطائف افسانه ' نظمیں اور ممالک اسلامیه کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے هوے حالات درج کیے جاتے هیں - في پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپیه پیشگي -

منیجر الهـــلال بك ايـــجنسى

(حلقه نمبر ۲۴ شیرانواله دروازہ لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"
24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پته صاف لکھین اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائین

السحر الحلال في مجلدات الهلال

گاه گاهے بازخوان این دفتر پارینه را
تازه خواهی داشتن گر داغهاے سینه را

اردو صحافت کي تاریخ میں الهلال هي وہ رساله هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تهي -

الهـلال اگرچه ایک هفته وار مصور رساله تها ' لیکن چونکه وہ اردو صحافت کي مختلف شاخوں میں اجتهاد نظر و فکر کي نئي روح پیدا کرني چاهتا تها ' اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعه تها - اُس کے هر نمبر میں مختلف ابواب ' مذهب ' سیاست ' ادبیات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه کے هوتے تهے - اور اُسکا هر باب اپني مجتهدانه خصوصیات کے لحاظ سے اپني نظیر آپ هوتا تها - پهر اس کي ظاهري خوبیاں اُردو صحافت میں اعلی طباعت و ترتیب کا پهلا نمونه تهیں - اردو کا وہ پهلا هفته وار رساله تها ' جس میں هاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا ' اور ٹائپ میں چهپنے کي وجه سے بہت سي ایسي خوبیاں پیدا هوئیں جو پتهر کي چهپائي میں ممکن نہیں - اِس کي جلدیں جدید اُردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سیاسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بہترین مجموعه هیں - اِن کي مقبولیت و قدر کا اندازہ اِس سے هوسکتا هے که سنه ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپیه میں خرید کیا - اور حال میں ایک صاحب نے اِس کي پہلي جلد مکمل (جو دفتر میں بهي موجود نہیں) ساڑهے چارسو روپیه میں حیدرآباد سے خریدي هے - جن لوگوں نے اِس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هیں وہ بڑي سے بڑي قیمت پر بهي علحدہ کرنے کیلیے تیار نہیں - پچهلے دنوں "البـلاغ پریس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الهلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا ' هم نے کوشش کي که شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کي جا سکتي هیں مرتب کرلي جائیں اور جن جلدوں کي تکمیل میں ایک دو پرچوں کي کمي هو انهیں دوبارہ چهپوا لیا جاے -

چنانچه الحمدلله یه کوشش ایک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلدیں پوري مکمل هوگئي هیں - هم اِس اعلان کے ذریعه شایقین علم و ادب کو آخري موقعه دیتے هیں که اِس قیمتي ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدي کریں ' چونکه جلدوں کي ایک بہت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف اُنهیں درخواستوں کي تعمیل هوسکے گي جو سب سے پہلے پهونچیں گي - هر جلد مجلد هے اور ابتدا میں تمام مضامین کي انڈکس به ترتیب حروف تہجي لگادي گئي هے -

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیه   الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیه
" " " چهارم ۱۰ روپیه   " " " پنجم ۱۰ روپیه

جلد "البـلاغ" (جب دوسري مرتبه الهـلال اِس نام سے شائع هوا) قیمت ۸ روپیه

علاوہ جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هیں جن میں سے هر پرچه اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعه علم و ادب هے - قیمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پیکنگ اِس کے علاوہ هے -

منیجر "البـلاغ پریس"

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

الهلال

١٩٢٧

جلد ١

نمبر ١٨

ابلاغ پریس کلکتہ

قیمت ۵ ـ آنہ

الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول	-	-	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلیے	-	-	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہي	-	-	سات روپیہ
قیمت في پرچہ	-	-	پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " منیجر الہلال " کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لفافہ پر " ایڈیٹر " کا نام ہونا چاھیے -

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي ہے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں - ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسري جگہ جا رہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے ' مقامي ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرالیں -

(۷) مني آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنين (القرآن الحکیم)

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱۸ — کلکتہ : جمعہ ۲۴ . ربیع الثانی ۱۳۴۶ ھجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 21, October 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعة نہین رکھتی .
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای .
پتھر کی چھپائی مین محدود رھکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نہین کر سکتی .

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی ھین ، وہ ھین جن مین الہلال چھپتا ھی . اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ھی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گی ھین . آپ ان دونون مین سی جسی چاھین پسند کر لین . لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین .

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ھمین اطلاع دیجیی . یاد رکھیی . طباعة کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اھم مسئلہ ھی . ضروری ھی کہ اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین .

الہلال

قارئین الہلال کی آراء

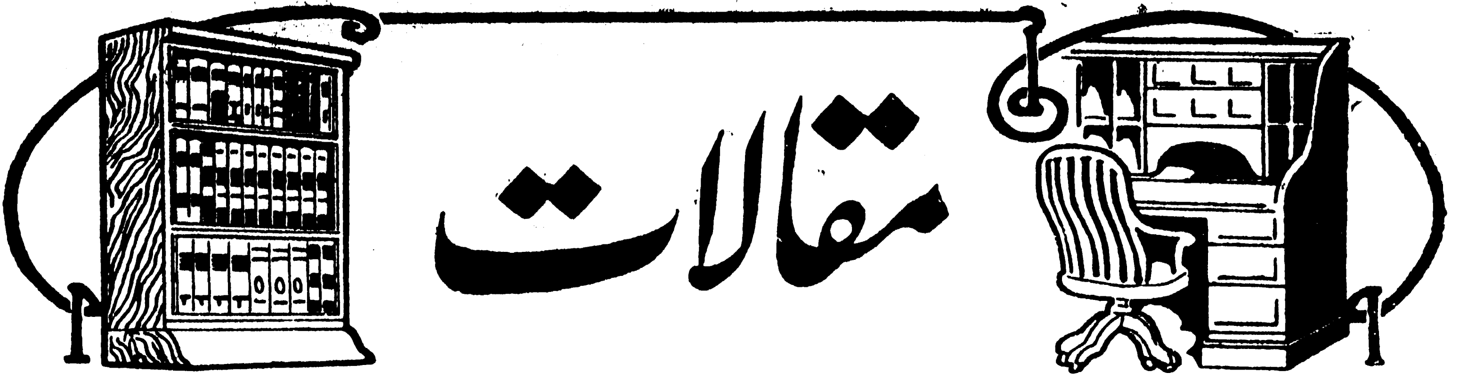
اس باری مین اس وقت تك ۱۴۹۲ مراسلات وصول ھوی ھین . تقسیم آراء حسب ذیل ھی :

عربی حروف کی حق مین	۲۱۷	اردو حروف کی حق مین	۴۱۰
موجودہ مشترك طباعة کی حق مین	۴۶۴	حروف کی حق مین بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۲۵۰	نستعلیق ھون	۱۵۱

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاھر کیا ھی .

آراء کی دیکھنی سی معلوم ھوا کہ اس باری مین بعض اھم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین ھی . اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت ھی . آیندہ اس باری مین مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاھر کرینگی مگر ضرورت ھی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین .

الہلال



علم اور کلیسا کا معرکه

کلیسائي جهل و جمود کے بعض تاریخي حقائق

گزشته تین صدیوں سے دین اور علم کي معرکه آرائي کا غلغله بلند هے - لیکن في الحقیقت یه معرکه دین اور علم میں نهیں هے - دیني جماعتوں اور علم کے مدعیوں میں هے - اگر یه دونوں صف آرا جماعتیں میدان سے هت جائیں ' تو پهر صرف علم اور دین باقي رهجائینگے ' اور دنیا دیکهه لیگي که ان میں کوئي نزاع نهیں هے !

یورپ میں جب نئي علمي ترقیات نے نشو و نما پائي ' تو دین ' مسیحي کلیسا کي شکل میں موجود تها - علمي حلقوں کا تصادم کلیسا کے جمود و تعصب سے هوا ' اور اس نے معرکۂ علم و دین کي صورت اختیار کرلي -

امریکا میں ڈریپر نے اور یورپ میں کیلي نے اس معرکه آرائي کي داستانیں لکهیں ' اور " علم " کي فتح مندیوں اور " دین " کي هزیمتوں کا غلغله هر طرف بلند هوگیا - حالانکه اس فرضي معرکه آرائي میں اُنهوں نے جس فریق کو " دین " کے نام سے پکارا هے ' وه دین نه تها ' دیني جماعتوں کا ایک خاص نظام تها جو کلیسا کے نام سے قائم هوگیا هے - اگر وه " دین " کي جگه " کلیسا " کا لفظ اختیار کر لیتے ' تو یه پورا رزم نامه اپني جگه صحیح هوجاتا ' اور همیں علم کي فتح مندیوں اور کلیسا کي هزیمتوں کے اعتراف میں ذرا بهي تامل نه هوتا - جان ڈکنسن اور پروفیسر وهائت نے ڈریپر اور کیلي کي یه غلط اندیشي دور کرني چاهي ' لیکن اُن کي صدائیں زیاده بلند اور مقبول نه هوسکیں -

(پروتسٹنٹ کلیسا اور علم)

انیسویں صدي کے آخر میں اکثر مصنفوں نے اِس نزاع کي ذمه داري رومن کیتهولک کنیسے پر ڈالدي هے اور اُسي کو علم کي دشمني اور علماء کي تعذیب کا مجرم قرار دیا هے - گویا اِس کنیسے کے سوا کسي دوسرے مسیحي کنیسے نے علم کي کوئي مقاومت نهیں کي - لیکن یه صحیح نهیں هے - یه تاریخي حقیقت هے که روشن خیالي اور تسامح علمي میں سب سے زیاده مشهور کلیسا ' پروتسٹنٹ بهي عقلي تنگ نظري اور علم دشمني میں رومن کنیسے سے پیچهے نهیں رها - لوتهر کے جانشینوں نے بهي علم دشمني میں ویسي هي مجاهدانه روح پیدا کرلي تهي ' جیسي صدیوں سے قدیم کلیسا میں موجود تهي -

گیلیلیو نے جب کوپر نیکوس کے نظریے کي حقانیت ثابت کردي ' اور دور بین کے ذریعه چاند میں پهاڑ ' سورج میں دهبے ' اور عطارد کے اقمار دکها دیے ' تو رومن کنیسا غیظ و غضب سے مجنون هوگیا - دیني عدالت کو حکم دیا گیا که اِس " ملحد " کو گمراهي سے روکا جائے ' اور کنیسا کي اطاعت پر مجبور کیا جائے - دلیل و برهان سے نهیں — جس سے کنیسا تهي دست تها — لوهے اور آگ سے ' جس کي کنیسے کے پاس کوئي کمي نه تهي !

لیکن کیا لوتهر اور اُس کے پیرو اِس " الحاد " کے کم دشمن تهے ؟ کیا اُنهوں نے عقل کے قید کرنے اور گمراهي کے پهیلانے میں کوئي کمي کي ؟ اِس کا جواب هم خود لوتهر کي زبان سے سن سکتے هیں - کوپر نیکوس کا رد کرتے هوئے وه کهتا هے :

" لوگ ایک مجنون نجومي کي بکواس پر کان دهرتے هیں - حالانکه وه ثابت کرنا چاهتا هے که زمین گردش کرتي هے ' نه که آسمان - واقعه یه هے که لیاقت اور دانائي میں شهرت حاصل کرنے کا هر خواهش مند انسان کوئي نه کوئي نیا نظریه پهیلانے کي کوشش کرتا هے - وه مدعي هوتا هے که اُس کا نظریه سب سے زیاده صحیح اور سب سے زیاده یقیني هے - یه آسیب زده انسان آج اتها هے که علم هئیت کے تمام قواعد و اصول تهه و بالا کر ڈالے - حالانکه کتاب مقدس میں صاف لکها هے که یوشع نبي نے سورج سے کها ' تهر جا - لیکن زمین کو ایسا حکم نهیں دیا گیا ' کیونکه وه خود هي تهري هوئي هے "

ایک دوسرے پروتسٹنٹ مصلح میلان کا لهجه اِس " الحاد " کے مقابلے میں لوتهر سے نرم هے - لیکن وه بهي اپني کتاب میں (جو کوپر نیکوس کي وفات کے چهه برس بعد شایع هوئي هے) لکهتا هے :

" هماري آنکهیں مشاهده کرتي هیں که آسمان هر چوبیس گهنتے میں گهوم جاتے هیں - لیکن بعض جدت پسندوں نے مشهور کرنا شروع کردیا هے که زمین حرکت کرتي هے نه که فلک ثاني اور آفتاب - اِس قسم کے خیالات کي علانیه اشاعت اور اُن کے ذریعه مخلوق کي تضلیل ' بلند همتي اور دیانت داري کے قطعي خلاف هے - کیونکه یه لوگوں کے لیے مکروه نتائج پیدا کرنے والا نمونه بن جائیگا - جو کوئي بهي نیکي کا طالب هے ' اُسے حق سے رو گرداني نهیں کرني چاهئے - وه حق ' جو خداوند خدا نے اپني کتاب میں نازل فرمایا هے ' اور جسکے سوا سب کچهه باطل هے "

اس کے بعد یهي مسیحي مصلح مزامیر داود اور دیگر مقدس صحیفوں کا حواله دے کر دعوی کرتا هے " ان سے پوري وضاحت کے ساتهه ثابت هو جاتا هے که زمین تهري هوئي هے اور سورج اُس کے گرد گهومتا هے " اِتنا هي نهیں بلکه اپنے بیان کے اثبات میں وه عقلي دلائل بهي پیش کرتا هے ' اور پهر یه نتیجه نکالتا هے که " زمین اُسي حالت میں ایک جگه قائم رهسکتي هے جبکه وه اِس کائنات کے وسط میں هو " پهر اُسے غصه آجاتا هے - وه غضب ناک هوکر کهتا هے " اُن لوگوں کو سخت عبرت انگیز سزائیں دیني چاهئیں جو کوپر نیکوس کي تعلیم کي اشاعت کرتے هیں " !

صرف لوتهر اور میلان هي نے اِس علمي تحقیق کي مخالفت نهیں کي ' بلکه پروٹسٹنٹ کنیسا کے اور بہت سے اقطاب بھي سخت مخالف رهے - چنانچه کالون نے اپني کتاب " حواشي بر سفر تکوین" میں کوپر نیکوس اور اس کے هم خیالوں پر بڑي سختي سے حمله کیا هے اور اُن سب کو کافر اور ملحد قرار دیا هے جو زمین کو نظام کائنات کا مرکز تسلیم نهیں کرتے - وه زبور کي آیتیں پیش کرنے کے بعد سوال کرتا هے " وه کون هے جو کوپر نیکوس کو روح القدس کي سي عظمت رکھنے والا سمجھنے کي جرأت کر سکتا هے ؟ "

کالون کے جانشین ' ٹریٹن کي بھي یهي رائے تھي - کیپلر اور نیوٹن نے جب کوپر نیکوس اور گلیلیو کے نظریے پوري طرح ثابت کر دیے ' اور ان کے لیے غیر متزلزل قواعد مقرر کر دیے ' تب بھي ٹریٹن اپني لاهوتي کتاب شایع کرنے سے باز نهیں رها ' اور کتاب مقدس کے نصوص سے ثابت کرنا چاها که آسمان ' سورج ' اور چاند زمین کے گرد گھومتے هیں ' اور خود زمین نظام کائنات کے مرکز میں قائم و ثابت هے !

تاریخ انگلستان میں بھي اِس لاهوتي جد و جهد کي بہت مثالیں ملتي هیں - هچنسن نے اپني کتاب " اصول موسوی " میں ' ڈاکٹر سموئیل بیک نے " مقدس فلسفه " میں ' هورن ' اسقف هورسلے ' اور وربس وغیرهم نے اپني اپني تفسیروں میں نیوٹن کے نظریے کي بڑي سرگرمي کے ساتھه مقاومت کي هے - کتاب مقدس کي آیتوں سے مسلح هوکر اُس پر ٹوٹ پڑے هیں - یهي حال ڈاکٹر جان اوین کا هے ' جو پیوریٹین مذهب کا ایک بڑا قطب مانا جاتا هے - اُس نے انتهائي دیده دلیري سے اعلان کردیا که " کوپر نیکوس کا نظریه ' سراسر وهم و خیال هے - کیونکه نصوص وحي کے برخلاف هے " مشهور جان دیسلے بھي اِس گروه سے باهر نهیں هے - اُس کا صاف اعلان تھا " جدید فلکي نظریے کفر و الحاد کي طرف لیجانے والے هیں "

سولهویں صدي کے وسط میں شهر ویٹنبرگ میں (جو پروٹسٹنٹ مذهب کا مرکز تھا) دو عالم ریٹي کوس اور ریناٹ رهتے تھے - اُنهوں نے کوپرنیکوس کے مذهب کي تحقیقات کي تھي ' اور اُسے حق سمجھتے تھے - لیکن انهیں اجازت نهیں دي گئي که اپنے طالب علموں پر اپنا یه اعتقاد ظاهر کریں - ریٹي کوس نے تو تنگ آکر یونیورسٹي سے استعفا دیدیا ' تاکه آزادي کے ساتھه اعلان حق کرسکے - لیکن ریناٹ یه نه کرسکا - اُسے مجبور هونا پڑا که قدیم مذهب کي حمایت کرتا رهے - اُسے حکم دیا گیا تھا که اپنے درس میں کوپرنیکوس کے مذهب کا کوئي ذکر نه کرے - اگر کبھي اِشاره کرنا پڑے تو پھر اُس پر بطلیموسي نظام کو ترجیح دے - اُس نے اِس حکم پر عمل کیا - لیکن اِس پر بھي تکفیر سے محفوظ نه ره سکا ' اور بالاخر ذلت کے ساتھه یونیورسٹي سے نکال دیا گیا - اُس کي جگه ایک نیا استاد مقرر هوا تھا - اِس معلم نے اپني پهلي تقریر اِس جملے سے شروع کي تھي : " کوپرنیکوس کا نظریه ' بدیهي طور پر غلط هے - خلاف عقل هے - هرگز علمي مرکزوں میں اُسکا ذکر نهیں کرنا چاهیے ! "

پروٹسٹنٹ لاهوتیوں نے صرف اِتنے هي پر اکتفا نهیں کیا ' بلکه تعلیم گاهوں میں بھي ایسي کتابیں داخل کر دیں ' جو قدیم خرافات کا مجموعه تھیں - چنانچه کاهن هنسل نے مدارس کے لیے ایک مختصر کتاب " اصل کائنات اور نظام موسوي کا اتباع " لکھي تھي اور ثابت کیا تھا که کوپرنیکوس کے فلکي نظریے کتاب مقدس کے بالکل خلاف هیں " خواه ریاضي کے قواعد اور دور بین کے مشاهدات کا کتنا هي دعوی کیوں نه کیا جاے ' لیکن ایک ایماندار مسیحي کو کبھي تسلیم نهیں کرنا چاهیے " !

یه علم دشمني صرف قرون مظلمه هي کا خاصه نه تھي - جدید پروٹسٹنٹ کو بھي وراثت میں ملي تھي - چنانچه اُنیسویں صدي کے آخري برسوں میں مشن کالجوں کے بہت سے استاد اِس جرم پر خارج کر دیے گئے تھے ' که وه جدید علم هیئت پر اعتقاد رکھتے تھے اور اسلیے ملحد تھے !

(کلیسائي علم و استدلال)

لاهوتي عدالت میں گلیلیو کي سزا یابي کے بعد رومن کیتھولک کلیسا کي هدایت سے کئي کتابیں لکھي گئي تھیں ' تاکه کوپر نیکوس کي " گمراهي " مسیحي دلوں سے دور کي جائے - چنانچه سیپیومونٹي اپني کتاب میں زمین کو ساکن ثابت کرتے هوے لکھتا هے :

" جو حیوانات حرکت کرتے هیں ' اُن کے اعضاء اور عضلات هوتے هیں - لیکن چونکه زمین نه تو اعضاء رکھتي هے ' نه عضلات ' اس لیے وه حرکت نهیں کرسکتي - وه فرشتے هیں ' جو زحل ' مریخ ' آفتاب وغیره کو حرکت دیتے رهتے هیں - اگر بفرض محال تسلیم بھي کرلیا جائے که زمین متحرک هے ' تو اُسے حرکت میں لانے کے لیے ضروري هوگا که اُس کے مرکز میں ایک فرشته هو - حالانکه معلوم هے که فرشتے زمین کے اندر نهیں رهتے - وهاں تو صرف شیطان کا بسیرا هے - اگر کها جاے که شیطان زمین کو متحرک رکھتا هے ' تو یه نا قابل تسلیم هے - کیونکه شیطان کے ایسے اعمال کتاب مقدس سے ثابت نهیں " !

کاش اس مسیحي علامه کو معلوم هوتا که اگر ستاروں کي حرکت کیلیے فرشتوں کي تلاش هے ' تو وه فرشته موجود هے - اس کا نام " قوت جذب و دفع " هے !

پرلاک اپني کتاب " کوپر نیکوس کے رد " میں اِس طرح گهر افشاني کرتا هے :

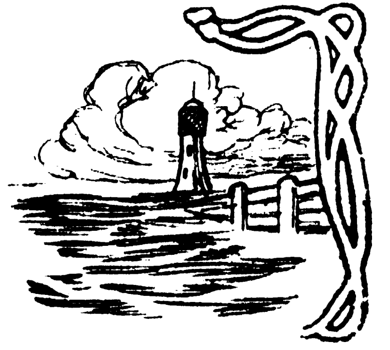
" کتاب مقدس کي تصریح موجود هے که زمین ساکن هے اور سورج چاند گردش میں هیں - اگر کبھي هم دیکھیں که سورج چاند متحرک نهیں هیں ' تو کتاب مقدس کي رو سے همیں ماننا پڑیگا که یه تبدیلي کسي عظیم معجزے کي بنا پر پیدا هوئي هے - اس کے خلاف جتنے خیالات هیں ' اُن کي اشاعت پوري سختي سے روک دیني چاهیے ' کیونکه اُنمیں زمین کے متعلق ایک ایسي رائے پیش کي جاتي هے جو کتاب مقدس کے صریح خلاف هے "

پھر عقلي دلائل اور مشاهدے سے بھي استدلال کرتا هے :

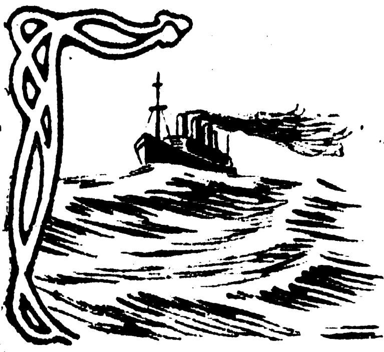
" اگر تسلیم کر لیا جائے که زمین حرکت کرتي هے تو پھر مشاهدات کي توجیه کیا کي جاسکتي هے ؟ اگر ایک تیر آسمان کي طرف پھینکا جاے ' تو وه اپني جگه واپس آجایگا - حالانکه تیر بہت دور جا کر گرنا چاهیے - کیونکه نئے نظریے کے بموجب زمین از حد سرعت سے مشرق کي طرف جا رهي هے - اگر في الواقع زمین متحرک هوتي تو زمین کا پورا کارخانه درهم برهم هو جاتا "

اسکے بعد لکھتا هے :

" کوپرنیکوس کے نظریے کے بموجب زمین کا متحرک هونا ' خود زمین کي طبیعت کے بھي خلاف هے - کیونکه زمین صرف ٹھوس



بريد فرنگ



اور سرد هي نهيں هے ' بلكه اپنے عناصر ميں برودت كے خواص بهي ركهتي هے - معلوم هے كه برودت حركت كو روكتي هے - بلكه أسے فنا كر ڈالتي هے - هم حيوانات ميں ديكهتے هيں كه ٹهنڈے پڑ جانے كے ساتهه هي أن كي حركت بهي موقوف هو جاتي هے - لهذا زمين كا متحرك هونا قطعاً محال هے "

" كتاب مقدس كي صريح نصوص سے ثابت هے كه آسمان زمين كے اوپر حركت كر رهے هيں ' اور چونكه مدور حركت كے ليے ضروري هے كه أسكا كوئي مركز قائم هو ' لهذا تسليم كر لينا پڑيگا كه زمين نظام كائنات كے وسط ميں ثابت و قائم هے "

يه كيتهولك كليسا كے خيالات تهے - مگر پروٹسٹنٹ كليسا بهي اس سے كچهه كم عقل مند نه تها - لوتهر كے پيرو بهي كتاب مقدس كي تفسيروں اور لوتهر كے اقوال كے اندهے مقلد تهے - كالو ليس باوجود اپنے وسيع علم و نظر كے ' لوتهر كا اس درجه مقلد تها كه أس نے بهي اِس علمي حقيقت كے تسليم كرنے سے صاف انكار كر ديا - زمين كي حركت كے خلاف أس كي سب سے بڑي دليل يه تهي :

" كتاب مقدس ميں لكها هے - خدا نے خرقيا نبي سے كها " ديكهه ميں آفتاب كے ڈهلے هوئے سايه كے درجوں ميں سے جو دهوپ گهڑي ميں معلوم كيے جاتے هيں ' دس درجے پهرا كے چڑها لاؤنگا " چنانچه آفتاب جن درجوں ميں ڈهل گيا تها ' أن سے دس درجے پهر چڑه گيا (اشعياء - باب ٣٨) "

انگلستان كے مشهور لاهوتي عالم ڈاكٹر اسمتهه نے اعلان كرديا تها :

" شاهي علمي انجمن ' ملحدوں كي انجمن هے اور دين كے خلاف كوشش كر رهي هے "

جان اوين كا اعلان هے :

" نيوٹن كا نظريه كبهي صحيح علمي بنياد پر قائم نهيں هوا - وه سراسر اوهام و خرافات هے - اور كتاب مقدس كي صريح نصوص كے مخالف هونے كي وجه سے ناقابل اعتنا هے "

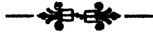
جان ويزلي كا مقوله مشهور هے :

" اگر سحر و ساحري بے اصل چيز هے ' تو انجيل كي كوئي بات بهي صحيح نهيں هے "

يه تهي مسيحي كليسا كي ذهنيت جس نے علم كے مقابله كا اعلان كيا تها ' اور يقيناً أس كے ليے اس ميدان مبارزت ميں دائمي اور هلاكت انگيز شكست كے سوا كچهه نه تها - كسي انسان كو بهي جو حقيقت اور صداقت كا احساس ركهتا هے ' اس شكست پر متاسف نهيں هونا چاهئے -



دنيا كي مشترك اور عام زبان



كيا تمام دنيا ميں ايك مشترك زبان رائج هو سكتي هے ؟



اسپرنٹو



گذشته مهينے ميلان (اٹلي) ميں يورپ كي نئي مشترك زبان " اسپرنٹو " كے حاميوں كا سالانه اجتماع منعقد هوا تها جو كئي سال سے هر سال منعقد هوا كرتا هے - تازه ڈاك ميں اس اجتماع كي بعض دلچسپ تفصيلات آئي هيں - چونكه هندوستان ميں اس وقت تك اس نئي زبان كي نسبت بهت كم لكها گيا هے ' اس ليے هم بعض مضامين كا خلاصه درج كرديتے هيں :

موجوده علمي ترقيوں ' تمدني ضرورتوں ' ذرائع مواصلات كي سهولت نے دنيا كے تمام براعظموں كو باهم دگر ملا ديا هے - اِس زمانے ميں كوئي قوم ' دوسري قوموں سے قطع تعلق كركے زنده نهيں ره سكتي -

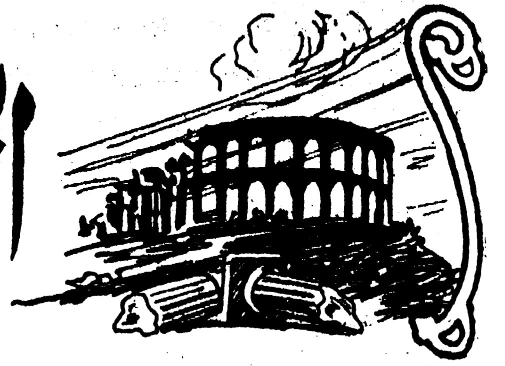
ليكن اِتنے قرب و مواصلت پر بهي دنيا كي قوميں اِس وقت تك ايك دوسرے سے دور هي هيں - أن ميں باهمي تعارف كے ذرائع بهت كم پيدا هوے هيں - اِس صورت حال كي بڑي ذمه داري ' قوموں كي علحده علحده زبانوں پر هے - هر قوم اپني مخصوص زبان ركهتي هے - دوسري قوم كي زبان سے نا واقف هے - اگر واقف هونا بهي چاهے تو بهت مشكل هے كه بهت سي زبانيں هر شخص سيكهه سكے - اِس ليے عالمگير تعارف و اجتماع كي كوئي صورت نكل نهيں سكتي -

يه حالت ديكهكر مدت سے بعض عقلاء مغرب كا خيال هے كه دنيا بهر كے ليے كوئي سهل اور مختصر زبان پيدا كي جاے - " اسپرنٹو " ايك ايسي هي نوساخته زبان كا نام هے جو پچهلي صدي كے اواخر ميں ايجاد كي گئي هے -

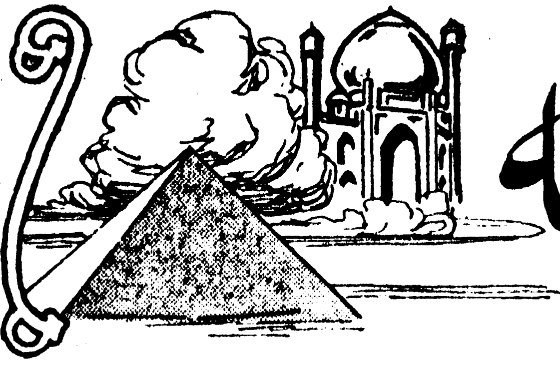
اسپرنٹو كا موجد ايك روسي ڈاكٹر زمينهوف نامي هے - يه صوبه كروڈنو كے ايك چهوٹے سے گاؤں بيسلٹوك كا رهنے والا هے -

اِس زبان كي ايجاد كا خيال أسے أس وقت پيدا هوا ' جبكه أس كي عمر صرف دس باره برس كي تهي - أس نے يه سرگذشت خود اپني زبان سے اِس طرح بيان كي هے :

" ميرے گاؤں ميں روسيوں ' يهوديوں ' پولشوں ' جرمنوں كي مخلوط آبادي تهي - ميں روز سڑكوں پر لڑائي جهگڑے كے واقعات ديكها كرتا تها - تحقيقات سے معلوم هوا كه يه جهگڑے زياده تر اس ليے پيدا هوجاتے هيں كه باشندے ايك دوسرے كي زبان نهيں



آثار عتیقه



شهر رقیم کا انکشاف

ام حسبتم ان اصحاب الکهف و الرقیم کانوا من ایا تنا عجبا

(۱)

صدیونکے خواب گراں کے بعد اب شهر رقیم یاپیٹرا پهر بیدار هو رها هے - قدس اور لندن کي آمده اطلاعات مظهر هیں که حال میں اس قدیم شهر کے کهنڈروں میں قیمتي پتهروں اور پرانے طلائي زیورات کا ایک بهت بڑا ذخیره بدوي عربوں کے هاتهه لگا هے -

پیٹرا عرب قدیم کا ایک گم شده شهر هے - سالها سال سے غیر آباد پڑا تها - کبهي کبهي صحرا گرد بدوي جنکو شاداب نخلستانوں اور سر سبز چرا گاهوں کي تلاش اِدهر اُدهر آواره رکهتي هے ' تمدن قدیم کي اس یادگار کو آدمي کي صورت دکها دیتے تهے !

(الف لیله کا طلسم)

ایک مرتبه ایک صحرا نشین عرب پیٹرا کے کهنڈروں میں گهوم رها تها - ناگاه اوسکا پانوں ایک پتهر پر پڑ گیا - قبل اسکے که وه اس بات کا اندازه کر سکے که کیا هونے والا هے ' پتهر نیچے کو کهسکا ' زمین دهنسي ' اور اب عرب ایک عجیب و غریب غار میں پڑا تها - پتهر بدستور اپني جگه پر آگیا ' اور راه بند هوگئي !

اب بدوي نے خود کو ایک زمین دوز محراب میں پایا ' لیکن باهر آنے کا کوئي راسته نظر نهیں آتا تها -

غریب عرب ایک عرصه تک ادهر اُدهر ٹٹولتا رها - تاریکي بلا کي تهي - محض اس خوف سے که کهیں کسي دوسري نامعلوم مصیبت سے دو چار نه هونا پڑے ' اوسنے هاتهوں اور پیروں کے بل رینگنا شروع کیا - اس جد و جهد میں ایک وسیع ایوان مل گیا - اس ایوان کي تاریکي کو ایک پهاڑي سوراخ سے نکلنے والے دهندلي روشني ایک حد تک کم کر رهي تهي - روشني کا سهارا پا کر اس محصور بلا نے ادهر اُدهر آنکهیں پهاڑ پهاڑ کر دیکهنا شروع کیا - کیا دیکهتا هے که ایک گوشے میں قیمتي جواهرات اور طلائي اشیا کا ڈهیر پڑا هے - یه خزانه غالباً طائر اور صیدان کے بحري قزاقوں نے ازمنه مظلمه میں جمع کیا هوگا - عرب حیرت کے دریا میں ڈوبا هوا ' اس تمام ماحول کو عالم رویا سمجهه رها تها - بالاخر اوسنے چند جواهر ریزے اپنے عمامه میں رکهه لیے ' اور باهر نکلنے کي راه تلاش کرنے لگا - اس نے غور کیا که روشني جس سوراخ سے آ رهي هے ' اس سے باهر نکل سکتا هے یا نهیں ؟ اس کا خیال ٹهیک تها - روشني کے نیچے ایک سنگي زینه موجود تها - به مشکل سوراخ تک پهنچ سکا - وهاں پتهر کے کئي ٹکرے ایک دوسرے پر پڑے تهے - زور کرنے سے ایک پتهر هٹ گیا اور یه باهر نکل آیا -

یه جواهرات بیت المقدس کے بازاروں میں بکے - ماهرین آثار اِنهیں تورات سے بهي زیاده پرانا بتاتے هیں -

بیان کیا جاتا هے که پیٹرا کا یه کنز مخفي لارڈ کارناوان کے دریافت کرده وادي الملوک (مصر) کے خزائن سے بهي کهیں زیاده بیش قیمت هے - عجائب خانه لندن کا ایک وفد اس گم شده شهر کي تحقیقات کیلیے جا رها هے -

(جغرافیائي محل)

یه مقام ساحل بحر قلزم سے زیاده فاصله پر نهیں هے - نقشه کے دیکهنے سے بحر قلزم کا بالائي حصه دو ٹکڑوں میں منقسم معلوم هوگا - اس کے شمال میں جزیره نماء سینا هے جسکي شکل مثلث نما هے - سینا کا جنوبي نوکدار کناره بحر قلزم کو دو شاخوں میں جدا کر دیتا هے - سینا کے غرب میں بحر قلزم کي وه شاخ هے جو خلیج سوئز کے نام سے موسوم هے - آج کل یه تجارت عالم کي شاهراه عظیم هے - سینا کے شرق میں بحر قلزم کا وه حصه هے جو خلیج عقبه کے نام سے پکارا جاتا هے - یه جگه اب متروک هوگئي هے - جهاز بهت کم آتے جاتے هیں - ایک طرف سینا کي ننگي پهاڑیاں هیں - دوسري طرف خلیج عقبه کے پهاڑوں اور صحراء عرب کا نا پیدا کنار سلسله هے - اس خلیج کے ساحل پر کوئي بندر گاه نهیں هے - قصبه عقبه کے چند بے ترتیب مکانات کے سوا باقي تمام حصه غیر آباد اور پتهریلا هے - بحر شمالي و بحر جنوبي کے دور دراز سواحل کو چهوڑ کر جهاں بمشکل ذي روح وجود کا پته چلتا هے ' دنیا کا کوئي ساحل اس قدر ساکت اور سنسان نهیں هے !

لیکن پرانے زمانه میں خلیج عقبه کي اهمیت همارے زمانه کے خلیج سوئز سے کهیں زیاده تهي - تین هزار سال قبل یهاں حضرت سلیمان کے بحري مراکب هندوستان کي اشیاء تجارت بار کیے هوئے هر وقت لنگر انداز رهتے تهے - جب تک هندي و ایراني تجارتي قافلے اس راستے سے آمد و رفت کرتے رهے ' یه ملک تمدن عالم کا مرکز رها - جب شاهراه تجارت یهاں سے دوسري جانب منتقل هوگئي ' اور بحر روم اور خلیج سوئز کا راسته دریافت کر لیا گیا ' تو یه ساحل رفته رفته غیر آباد هوگیا - صلیبي لڑائیوں کے زمانه میں مسیحي مجاهدین نے اس نواح میں کچهه بیداري پیدا کردي تهي ' مگر سلطان صلاح الدین کي تیغ جهاد نے یه حصهٔ عالم بهي صلیبیوں پر تنگ کردیا ' اور اس کے بعد سے پیٹرا کے اطراف انساني آبادي سے همیشه خالي رهے -

جنگ عظیم کے زمانه میں شریف حسین اور اس کے بیٹے امیر فیصل نے اس نواح کو اپني افواج کا عقبي مستقر بنایا تها - هر هفته انگریزي جنگي جهاز اور دخاني کشتیاں سامان حرب سے لدي هوئي ساحل پر آتي تهیں - سنه ۱۹۱۷ ع اور سنه ۱۹۱۸ ع میں اس آمد و رفت کا تسلسل نهایت پابندي سے قائم رها ' اور ایک

عارضي چهل پهل پيدا هوگئي - ليکن جنگ کے خاتمہ کے بعد يہ سرگرمي بهي ختم هوگئي ' اور يہ حصہ پهر شہر خموشاں بن گيا -

خليج عقبہ کے دهانہ سے ايک پہاڑي اور ريگستاني سلسلہ شروع هوتا هے جو اندرون ملک ميں دور تک چلا جاتا هے - پيٹرا کے کهنڈر عقبہ سے ۹۰ - ميل کي مسافت پر واقع هيں - پہاڑوں کے درميان اس شہر کا محل وقوع هے - بدو رهنما کے بغير ان آثار تک سياح کي پهونچ مشکل هے - پيٹرا سے شمال کو ۲۰ ميل کے فاصلہ پر وادي بحر ميت هے - سيدهے هاتهہ يعني شرق کي طرف شمالي عرب کا عريض ريگستان هے - سامنے ارض ادوم يا ادوميا کے پہاڑونکا وہ سلسلہ هے ' جو باب الرقيم يا پيٹرا کا پهاٹک کہلاتا هے - اس سلسلہ کو قطع کيے بغير پيٹرا تک پهونچنا محال هے - دوسري جانب پہاڑي مگر ڈهالو راستہ هے - اس پر سے هو کر نيچے اترتے هيں - چند گهنٹے کے پہاڑي اور پيچ در پيچ راستہ کے بعد وادي ادوم کا خاتمہ هو جاتا هے - سفيد ريت کے ٹيلونکے ختم هونيکے بعد ايک تنگ درہ ملتا هے - يہ بلند پہاڑي ديوار کا دروازہ هے - يہاں پر وادي کي وسعت ۱۲ - ميل سے کم هو کر صرف ' ۱۲ - فيٹ رهجاتي هے - درہ کي ديواريں هزارها فيٹ اونچي هيں - عرب اس راستہ کو " شق " کے نام سے پکارتے هيں - اس شق کي راہ سے سپاهيوں کے گهوڑے اور بار برداري کے اونٹ افتاں و خيزاں راہ طے کيا کرتے هيں - پتهروںپر چاروں طرف چهپکلياں لپٹي هوئي هيں - هر هر قدم پر تنگنائے زيادہ وحشتناک هوتي جاتي هے - راستہ ميں ايک پہاڑي شگاف ملتا هے جس سے شفاف پاني کا چشمہ موجزن هے - عرب کہتے هيں ' يہي وہ جگہ هے جہاں حضرت موسى عليہ السلام نے عصا مار کر اپنے پياسے همرائيونکے لئے پاني کے چشمے جاري کر ديے تهے - يہ وادي وادي موسى کے نام سے موسوم هے - وادي اسقدر تنگ هے کہ اونٹ پر سے دونوں طرف کي ديواريں بخوبي چهوي جاسکتي هيں - اکثر جگہ ارد گرد کي پہاڑياں بلند هوکر چهت کا کام ديتي هيں - اس جگہ آسمان بالکل دکهائي نهيں ديتا - سورج کي شعاع بهي يہانتک نهيں پهونچتي -

(يوناني مندر)

ايک گهنٹہ کي مسافت کے بعد سياح ايک تيز گهماؤ سے گذرتا هے - اب نظر کے سامنے ايسا دلفريب اور حيرت خيز منظر آجاتا هے جو ايک عرصہ تک کيليے از خود رفتگي کي کيفيت طاري کر ديتا هے - يوناني طرز کا ايک نفيس اور خوشرنگ مندر سامنے نظر آتا هے - اوسکا دلفريب حسن اور دلکشا طرز ' حد درجہ متاثر کرنيوالا هے - عهد کہن کے صناعوں نے پہاڑوں سے کاٹ کاٹ کر يہ خوبصورت عمارت تعمير کي تهي -

ادومي پہاڑونسے يہ عمارت تراشتے هوے ' دندانہ دار آلات سے کام ليا گيا هوگا - اس مندر کي بالائي سطح مختلف رنگونسے مزين هے ' اور ريشمي کپڑے کي طرح جهلک رکهتي هے -

دنيا کا کوئي اور پهاٹک ' دنياء قديم کے اس خاموش شہر کے دروازے سے زيادہ اثر ڈالنے والا نهيں هے - هندوستان کا سرخ شہر ' فتح پور سيکري بهي اسکا مقابلہ نهيں کرسکتا - روماني و يوناني مخلوط فن تعمير کے طرز پر يہ مندر کم از کم دو هزار سال قبل اس پہاڑي سے طيار کيا گيا تها - اسکا عهد تعمير روماني شہنشاہ هدرين کي فوج کشي کے زمانہ سے تعلق رکهتا هے - اهل عرب ميں اس مندر کا نام الخزينہ مشهور هے - لمبے لمبے ستونوں کے اوپر ايک ديو پيکر صراحي نما ظرف هے - عرب کہتے هيں کہ يہ ظرف فراعنہ کے جواهرات اور طلائي سرمايہ کا مخزن هے - شروع سے اسے توڑنے کي کوششيں کي گئيں مگر کاميابي نهيں هوئي - کرنيل لارنس کے ساتهيوں نے بهي هزاروں گولياں چلائيں - بعض بعض دفعہ پتهر کے چهوٹے چهوٹے ٹکڑے ٹوٹ کر گر پڑے - مگر کچهہ زيادہ اثر نہ هوا - نهيں معلوم کس ديوي يا ديوتا کي يہاں پوجا هوتي تهي ؟ کرنيل لارنس کي راے ميں مصري ديوي " ايسيس " کي پرستش هوتي هوگي - کيونکہ هيڈرين کي فوج کشي کے وقت تمام سواحل بحر روم اسي ديوي کے سامنے سر بسجود تهے -

يہانسے چند گز کے فاصلہ پر اصل شہر بيضاوي نشيب ميں واقع هے - سطح سمندر سے ۹ - هزار فيٹ اونچے محدب حصہ سے شروع هوتا هے - وادي کي بلندي صرف ايک هزار فيٹ رهجاتي هے - اس نشيب ميں اسوقت تک شہر کي سڑکوں اور عمارتوں کے آثار باقي هيں - يہ تمام عمارتيں پہاڑ کاٹ کر بنائي گئي تهيں !

پيٹرا کے رنگ برنگ آثار هر اس سياح کو جو مشرقي ديوار عبور کرنيکي جرأت کرتا هے ' اپني جانب مائل کرليتي هيں - سورج کي کرنيں ارد گرد کي پہاڑيوں کو قوس قزح بنا ديتي هيں - انکي چمک بلوچستان کي ارغواني پہاڑيوں سے بهي کهيں زيادہ دلکش هے - پہاڑيونکي سطح سے زعفراني ' نارنجي ' ارغواني ' بنفشي رنگ کي لهريں نکلتي رهتي هيں - غروب آفتاب کے وقت رات کي تاريکي چها جانے سے پہلے ' ايسا معلوم هوتا هے ' گويا طرح طرح کے رنگوں کے کي موجيں امنڈ رهي هيں !

محمد يحيى - ايم - اے - ايل - ايل - بي
وکيل بدايوں

افسانہ

روحانیات کی مجلس

ہولناک رات

(مترجم)

ایوان گبروویچ نے اپنے دوستوں کو مضطرب آواز اور زرد چہرے کے ساتھ ذیل کا واقعہ سنایا:

۱۹۲۶ء کے کرسمس کی رات، بہت ہی اندھیری تھی۔ میں اپنے ایک دوست کے یہاں دیر تک ایک روحانی جلسے میں بیٹھا رہا۔ مجھے تاریکی میں اپنے گھر لوٹنا تھا۔

اُس زمانے میں ماسکو کی ایک ایسی گلی میں میرا قیام تھا، جو شہر میں سب سے زیادہ دہشت ناک اور تاریک گلی تھی۔ جب جب میں اُس سے گزرتا، ڈراؤنے خیالات میرا دماغ پریشان کر دیا کرتے تھے۔

روحانی جلسے میں آخری جملہ جو میں نے سُنا تھا، وہ خاص میری ذات کے متعلق تھا۔ مشہور فیلسوف سپینوزا کی روح کی نسبت ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ جلسے میں شریک ہے۔ اُسنے مجھ سے مخاطب ہوکر کہا:

"تیری موت قریب آگئی، جلد خدا کے سامنے توبہ کر!"

میں ڈر گیا۔ پھر سوال کیا۔ مزید تشریح چاہی۔

"تیری زندگی ختم ہوگئی۔ آج ہی توبہ کرلے!" یہ میرے سوال کا دوبارہ جواب تھا۔

میں علم الارواح (اسپرچولیزم) کا قائل نہیں ہوں۔ تاہم موت کا خیال ہمیشہ مجھے خوفزدہ کر دیا کرتا تھا۔ ایک عجیب طرح کی اُداسی مجھ پر چھا جاتی تھی۔

میں بدحواس جلسہ گاہ سے بھاگا۔ اور اپنے گھر کی راہ لی۔ اوپر کی منزل پر پہنچ کے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوگیا۔ اُسوقت بھی میرا خوف سے بُرا حال تھا۔ معلوم ہوتا تھا گرا پڑتا ہوں۔

(۲)

کمرہ تاریک تھا۔ باہر تیز ہوا چل رہی تھی۔ کھڑکی کے شیشوں سے جھونکے ٹکرا رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عناصر بھی خوف و دہشت کی حالت میں مضطرب ہو رہے ہیں!

"اگر سپینوزا کی پیشین گوئی ٹھیک ہے" میں نے تھرتھراتی ہوئی آواز میں آہستہ آہستہ کہا "اگر اس سنگ دل فیلسوف کی روح نے سچ کہا ہو تو بس آج ہی رات [illegible]! یہ ماتم [illegible] کرنے والی ہوائیں میرا نوحہ کریں گی، یہ کالی [illegible] ماتم کی صفیں بچھائیں گی! افسوس میری زندگی......"

میں نے دیا سلائی جلائی [illegible]

[illegible]

کی طرح بھاگا۔ [illegible]

گردش میں پہنچکر میں نے خوف سے آنکھیں بند کرلی تھیں!

میں نے کمرہ میں کیا دیکھا؟ دیکھو، اسوقت بھی میرے بدن کے روئیں کھڑے ہوگئے ہیں۔ دل دھڑک رہا ہے۔

عین کمرے کے وسط میں مُردے کا تابوت رکھا تھا! اُس پر ارغوانی غلاف چڑھا تھا۔ سنہری صلیب بنی تھی۔ میں نے صرف ایک ہی جھلک دیکھی تھی۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ مجھے اُس کا ہر حصہ نظر آگیا۔ آجتک اُس کا پورا نقشہ میرے ذہن میں محفوظ ہے!

یہ ایک لڑکی کا تابوت تھا۔ کیونکہ بہت چھوٹا تھا۔ اور رنگ اور آرائش ویسی ہی تھی، جیسی لڑکیوں کے تابوتوں پر کی جاتی ہے۔

(۳)

میں تیر کی طرح زینے پر پہونچا اور سیلاب کی تیزی سے اُترنے لگا۔ بلکہ کہنا چاہئے گرنے لگا۔ ایک نہایت ہی خوفناک رعب اپنی پوری قوت سے مجھے دھکیل رہا تھا!

سڑک پر میں نے جلدی سے روشنی کا ایک کھمبا دونوں ہاتھوں سے مضبوط پکڑ لیا۔ کھمبا، مینھ سے بھیگا ہوا تھا۔ برف کی طرح ٹھنڈا تھا جسم نے سردی محسوس کی تو میرے ہوش وحواس واپس آنے لگے۔

"اگر کمرے میں آگ لگی ہوتی" میں خیال کرنے لگا۔ "بلکہ اُس میں چور کھڑا ہوتا، شیر ٹہلتا ہوتا، دیوانہ کتا بیٹھا ہوتا، اگر اُس کی چھت بھی اچانک گر پڑتی، تو بھی مجھے تعجب نہ ہوتا۔ میں اسے ایک معمولی بات سمجھتا۔ مگر لاش! ایک مکمل تابوت! اس کے کیا معنی ہوسکتے ہیں؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ میرے مکان میں تابوت کیونکر آیا؟ کون لایا؟ ایک امیر لڑکی کا کامدار تابوت! سونے چاندی کے کام سے آراستہ! ایک معمولی نوکر کے حقیر کمرے میں اُسے کون لایا؟ کیوں لایا؟ معلوم نہیں، وہ خالی ہے یا اندر لاش رکھی ہے؟........"

اچانک مجھے خیال آیا [illegible] معجزہ نہیں تو کوئی ہولناک جرم ہے" لاکھ لاکھ سوچا۔ کوئی بات سمجھ میں نہ آئی۔

"دروازے پر تو قفل چڑھا تھا" میں پھر سوچنے لگا۔ "کنجی ایسی مخفی جگہ پر رکھی تھی کہ میرے خاص دوستوں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ناممکن ہے کہ کسی دوست نے یہ موت کا تحفہ میرے لئے مہیا کیا ہو۔ شاید کوئی مزدور غلطی سے لے آیا۔ لیکن مزدور لاتا تو مزدوری لئے بغیر چلا کیوں جاتا؟ اور میرے یہاں مردہ تابوت کیوں لائے؟......"

[illegible] میرے [illegible] ایک اور خیال آیا:

"ممکن ہے [illegible] کا وہ دلال آسی دوست کی ہو جسکا [illegible] رات میری [illegible]

موت کی خبر دی ہے۔ شاید یہ تابوت میری لاش کے لئے لایا گیا ہو۔ لیکن یہ ناممکن ہے۔ تابوت میرے قد سے بہت چھوٹا ہے"

(۴)

اب بارش پھر شروع ہوگئی۔ گویا میرے قتل کے لئے آسمان سے یورش ہو رہی ہے۔ ہوا اتنی تیز تھی کہ میرا اُوور کوٹ اُڑا جاتا تھا۔ میں بھیگ کر شرابور ہوگیا۔

"مجھے کہیں پناہ لینی چاہئے" میں نے دل سے کہا "لیکن کہاں؟ کمرے میں، جہاں تابوت رکھا ہے؟ ناممکن! اگر میں وہاں گیا تو یقیناً دیوانہ ہو جاؤں گا"

مگر اس پانی اور سردی میں سڑک پر کھڑا رہنا بھی مشکل تھا۔ میں نے فوراً اپنے ایک دوست روستوف نامی کے گھر کی راہ لی۔ وہ بھی ایک تنگ تاریک گلی میں ایک کمرہ کے اندر رہتا تھا۔

دروازہ کھٹکھٹایا۔ کوئی جواب نہ ملا۔ میں نے ایک طاق میں ہاتھ مارا تو کنجی مل گئی۔ قفل کھولکر اندر چلا گیا۔

میرا کوٹ بھیگ گیا تھا۔ میں نے اُسے اُتار کر کمرے کی زمین پر ڈال دیا۔ اندھیرے میں پاؤں نے ایک کرسی سے ٹھوکر کھائی۔ میں اُسی پر بیٹھ گیا۔ تاریکی سخت تھی۔ کچھ سوجھائی نہیں دیتا تھا۔ ہوا تیز تھی۔ کھڑکیاں ہل رہی تھیں۔ باہر کنیسوں کے گھنٹے کرسمس کی خوشی میں بج رہے تھے۔

میں نے جیب سے ڈبیا نکالکر دیا سلائی جلائی۔

"اُف، یہاں بھی!" بے اختیار میرے مُنہ سے چیخ نکل گئی میں دیوانہ وار بھاگ کر کمرے کے باہر گرا۔

یہاں بھی تابوت رکھا تھا! لیکن میرے کمرے کے تابوت سے بڑا تھا۔ اور سیاہ غلاف سے ڈھکا تھا۔ سیاہ غلاف نے اُسے اور بھی زیادہ ہیبت ناک بنا دیا تھا!

"یہاں بھی وہی تابوت!" میں سوچنے لگا "معلوم ہوتا ہے یہ میرا وہم وخیال ہے۔ میری نگاہ دھوکا کھا رہی ہے۔ ناممکن ہے کہ میں جہاں جاؤں، میرے استقبال کے لئے ایک خوفناک تابوت پہلے سے مہیا ہوجائے۔ ضرور کچھ میرے اعصاب میں خلل آگیا ہے۔ جہاں [illegible] تابوت ہی نظر آتا ہے... میں ضرور پاگل ہوگیا ہوں۔ [illegible] صاف ظاہر ہے۔ اسی منحوس روحانی جلسے اور سپینوزا کی [illegible] نے میرا دماغ خراب کر ڈالا!"

میں تھک کر زمین پر بیٹھ گیا۔ دونوں کنپٹیاں دونوں ہاتھوں میں دبالیں۔

"الٰہی! کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ آہ میں پاگل ہوگیا!" یہ کہتے ہوئے بے اختیار میرے آنسو نکل آئے۔

قریب تھا میرا سر پھٹ جائے۔ میرے پیروں میں سکت باقی نہیں رہی تھی۔ مینہ کا وہ زور تھا کہ خدا کی پناہ۔ میرا تمام بدن سردی سے کانپنے لگا۔ نہ سر پر ٹوپی تھی نہ جسم پر کوٹ۔ میں اُنھیں لینے کمرے میں جا بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ وہاں........ آہ، بہت ہی ہولناک منظر، ناقابل برداشت ہولناکی موجود تھی!

(۵)

میرے سر کے تیر کی طرح سیدھے بال کھڑے ہوگئے۔ ٹھنڈا پسینہ پیشانی سے بہنے لگا۔ حالانکہ اب مجھے کامل یقین ہوچکا تھا کہ جو کچھ میری آنکھوں نے دیکھا ہے، وہ محض ایک طرح کے اعصابی مرض کا نتیجہ اور وہم وخیال ہے۔ حقیقت میں کچھ بھی نہیں۔

"اب کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟" بار بار یہی سوال ٹھہرتا تھا۔

یکایک مجھے ایک دوسرا دوست [illegible] یاد آگیا۔ اس نے

حال ہی میں ڈاکٹری کی سند حاصل کی تھی، اور میرے قریب رہتا تھا وہ بھی میرے ساتھ روحانی جلسے میں شریک تھا۔

میں بے تحاشا اُس کے گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔ اُس کا کمرہ مکان کی سب سے اونچی منزل پر واقع تھا۔

لیکن میں ابھی زینے ہی پر تھا، کہ اوپر سے خوفناک شور سنائی دیا۔ ایسا معلوم ہوا، جیسے کوئی آدمی بدحواسی سے اِدہر اُدہر دَوڑ رہا ہے۔ اور زور زور پاؤں زمین پر مار رہا ہے۔

فوراً ہی ایک دہشت ناک آواز میرے کانوں میں آئی:

"مدد! مدد! دَوڑو! دَوڑو!"

اور اس کے ساتھ ہی ایک شخص اوپر سے بے تحاشا گرتا ہوا مجھ سے ٹکرایا۔

"ساروف! ساروف! دوست! تم ہو؟ کیا ہوا؟" میں بے اختیار چلّا اُٹھا۔ کیونکہ یہ شخص میرا دوست ساروف ہی تھا۔

زینے پر دھندلی روشنی تھی۔ ساروف نے آتے ہی دیوانہ وار میرے مونڈھے پکڑ لئے۔ وہ تمام بدن سے کانپ رہا تھا۔ چہرہ زرد تھا۔ آنکھیں عجیب قسم کی وحشت ظاہر کر رہی تھیں!

"ساروف!" میں پھر چلّایا۔

"ریکیموف!" اُس کی لرزتی ہوئی آواز بلند ہوئی: "ریکیموف! تم ہو تم؟ کیا واقعی تم ہی ہو؟"

اُسنے مجھے بغور دیکھا اور لمبی سانس لی۔

"یہ تھیں کیا ہوگیا ہے؟ مُردے کی طرح پیلے پڑ گئے ہو۔ اُف، تمھاری صورت کیسی ڈراؤنی ہو رہی ہے؟ خدارا بتلاؤ کیا ہوا؟" اُسنے مجھے بغور دیکھ کر کہا۔

"اور یہ تمھاری حالت کیا ہو رہی ہے؟ بالکل مُردہ معلوم ہوتے ہو!" میرا جواب تھا۔

"ٹھہرو"، اُسنے جلدی سے کہا "ذرا دَم لینے دو۔ آہ میں اِس وقت تم سے ملکر کتنا خوش ہوا ہوں؟ جان جاتے جاتے بچی۔ محاضرات ارواح کے جلسوں پر خدا کی لعنت! علم الارواح پر ہزار لعنتیں! اُس جلسے نے نہیں معلوم میرے لئے کیسی کیسی ہولناک چیزیں پیدا کر دی ہیں؟ کیا تم یقین کروگے کہ جونہی میں اپنے کمرے میں داخل ہوا۔ اُف کیسا ڈراؤنا منظر! میں نے دیکھا، کمرے کے عین وسط میں ایک تابوت رکھا ہے!"

مجھے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ یہ تو بعینہٖ خود میری سرگزشت تھی۔ میں نے چیخ کر پوچھا:

"تابوت! کیا کہتے ہو؟ تابوت!"

اُسنے صاف لفظوں میں کہا "تابوت! ایک حقیقی تابوت! میں بُزدل نہیں ہوں۔ لیکن اِس منظر سے تو شیطان بھی بے ہوش ہوجائیگا"

میں پھر خوف سے کانپنے لگا۔ میں نے بمشکل اپنے دونوں مشاہدے اُس سے بیان کردئیے۔ میں نے کہا "خدایا! عجیب طرح کی ہولناکی! میں نے اپنے کمرے میں تابوت دیکھا۔ اپنے دوست کے کمرے میں تابوت دیکھا۔ اور اب تم کہتے ہو کہ تم نے بھی اپنے کمرے میں تابوت دیکھا ہے......"

(۶)

ہم دونوں مکان کی چوکھٹ پر کھڑے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ہم دونوں مبہوت تھے۔ ہمیں خیال ہوا، شاید ہم سو رہے ہیں۔ یہ شُبہ بہ یک وقت دونوں کے دماغ میں گزرا، اس لئے ایک دوسرے کو مُکّے مارنے لگے تاکہ معلوم کرلیں، ہم واقعی جاگ رہے ہیں یا عالم خواب میں ہیں!

"نہیں، ہم خواب میں نہیں ہیں" ساروف نے کہا "ہم مُکّے کی چوٹ محسوس کرتے ہیں۔ ضرور جاگ رہے ہیں۔ ہم نے جو تابوت دیکھے ہیں یقیناً وہ تابوت ہی ہیں۔ ہمارا وہم و خیال نہیں ہے۔ اب بتلاؤ، کیا کریں؟"

ہم اب مکان کی سیڑہی پر آکے کھڑے ہوگئے، اور دیر تک سوچتے رہے، کیا کرنا چاہئے؟ آخر طے ہوا کہ ہمت کرکے اوپر چلیں، اور نوکر کو جگا کر کمرے میں جائیں۔

(۷)

نوکر ہاتھ میں شمع لئے اندر گیا۔ ہم پیچھے پیچھے چلے۔ واقعی کمرے کے عین وسط میں ایک تابوت رکھا تھا۔ اُس پر سفید ریشمیں چادر پڑی تھی کناروں پر سونے کے تاروں کا کام تھا۔ جا بجا چاندی کے پھُول کڑھے تھے!

تابوت دیکھ کر نوکر نے اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنایا۔

"اب ہم حقیقت معلوم کرلے سکتے ہیں" میرے دوست نے رُک رُک کر کہا، کیونکہ وہ پُورے جسم سے کانپ رہا تھا "دیکھنا چاہیے معاملہ کیا ہے؟ تابوت خالی ہے، یا اُس میں کوئی لاش بھی ہے؟"

بڑے پیش و پس کے بعد ساروف نے ہمت کی۔ چند قدم آگے بڑھا، اور تابوت کا ڈھکنا اُلٹ کر پیچھے ہٹ گیا۔

ہم نے جُھک کر دیکھا۔ تابوت بالکل خالی تھا۔ نعش کی جگہ ایک لفافہ پڑا تھا!

(۸)

میرے دوست نے لفافہ اُٹھا لیا، اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے کھولا۔ اُس کے اندر حسب ذیل سطریں مرقوم تھیں:

"میرے پیارے دوست ساروف!

"تمھیں معلوم ہے ہماری مالی حالت کس درجہ بگڑ چکی ہے۔ مختصر لفظوں میں واقعہ یہ ہے کہ میرا بھائی دیوالیہ ہوگیا ہے۔ کل اُس کا تمام سامان نیلام ہوجائے گا۔ تم جانتے ہو، اُس کی دکان میں تابوتوں کے سوا کچھ نہیں ہے (کیونکہ شہر بھر کے لئے وہی تابوت مہیا کرتا ہے) اب ہمارے لئے فقر و فاقہ کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔ ہمارے خاندان نے مشورے کے بعد طے کیا ہے کہ جتنے تابوت بھی راتوں رات نکالے جا سکتے ہیں، نکال دئیے جائیں تاکہ وہ نیلام سے بچ جائیں۔ چنانچہ اپنے تمام دوستوں کے یہاں ایک ایک تابوت بھیجدیا ہے۔ ایک تابوت تمھارے یہاں بھی رکھوا دیتے ہیں۔ تم مطمئن رہو، ایک ہفتے سے زیادہ تمھیں اسکی حفاظت نہیں کرنی پڑے گی، اور ہم اسکے لئے تمھارے اور تمام دوستوں کے نہایت شکر گزار ہوں گے"

تمھارا مخلص "ایوان گودین"

(۹)

اس واقعہ کے بعد تین مہینے تک میں اپنے اعصاب کا علاج کرتا رہا۔ اب تک یہ حالت ہے کہ جب کبھی شام کو گھر لوٹتا ہوں، تو دَر وازے پر خوف سے رُک جاتا ہوں۔ کمرے میں تابوت کا منظر یاد آجایا کرتا ہے۔

برید شرق

مکتوب حجاز

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم جدّہ کے قلم سے)

معاہدہ جدّہ

قارئین الہلال واقف ہوں گے کہ نجد اور برطانیہ کے مابین ۱۹۱۵ء میں ایک معاہدہ منعقد ہوا تھا۔ اس معاہدے میں بعض دفعات ایسی تھیں جن سے نجد کی خود مختاری پر پابندیاں عائد ہوتی تھیں۔ مثلاً اسمیں ایک شرط یہ تھی کہ حکومت نجد، برطانیہ کے سوا کسی دوسری سلطنت سے سیاسی گفت و شنید نہیں کرے گی اور نہ تجارتی و اقتصادی تعلقات قائم کرے گی۔ یا یہ کہ سلطان نجد، حجاز کی طرف پیشقدمی نہیں کرینگے اس کے معاوضہ میں برطانیہ نے وعدہ کیا تھا کہ خارجی حملوں سے انکے مقبوضات کی حفاظت کرے گا۔

اگرچہ سلطان ابن سعود نے کبھی برطانیہ کو اپنے ملک میں مداخلت کا موقع نہیں دیا، تاہم بیرونی دُنیا میں حالات سے بے خبر لوگوں کو معاہدے کی شرطیں دیکھ کر شبہ ہوتا تھا کہ نجد، برطانیہ کی حمایت اور سرپرستی میں ہے۔

دراصل ۱۵ء کا معاہدہ جنگ عظیم کے خاص حالات کا نتیجہ تھا۔ سلطان کو برطانیہ اور اُس کے اتحادیوں، خصوصاً شریف حسین کی طرف سے سخت خطرے درپیش تھے۔ جرمنی اور ٹرکی سے کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی۔ اس لئے مجبور ہوکر اُنھوں نے یہ معاہدہ منظور کرلیا تھا لیکن جنگ کے چند ہی سال بعد وہ اس سے بے پروا ہوگئے، اور فرانس سے تجارتی تعلقات قائم کرلئے۔ اسی قدر نہیں بلکہ حجاز پر بھی یورش کردی، اور برطانیہ کے پروردہ اقتدار شریف حسین اور اس کے خاندان کو خارج کردیا!

اب گویا عملاً کوئی معاہدہ بھی نجد اور برطانیہ کے درمیان موجود نہ تھا۔ حالات میں انقلاب عظیم واقع ہوچکا تھا، اور اس لئے جدید معاہدے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اس کے لئے گذشتہ ماہ مئی ۲۷ء سے گفت و شنید شروع ہوگئی اور اب ۲۲ ستمبر سنہ رواں کو تکمیل کے بعد اعلان ہوگیا ہے۔

اصلی معاہدے کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہے:

"ہز مجسٹی شاہ برطانیہ، آیرلینڈ، برطانی مقبوضات ماورا البحر اور شہنشاہ ہندوستان نے ایک جانب سے، اور ہز مجسٹی شاہ حجاز و نجد و ملحقاتہا نے دوسری جانب سے، اپنے باہمی دوستانہ تعلقات کے استحکام اور اپنے مصالح کی حفاظت کے خیال سے عزم کیا ہے کہ باہم دوستی اور حسن تفاہم کا ایک معاہدہ منعقد کریں۔ چنانچہ اس غرض کے

لئے ہز مجسٹی برطانیہ نے سر گلبرٹ وکلنگھم کلیٹن کو اپنا مختار قرار دے کر روانہ کیا، اور ہز مجسٹی شاہ حجاز و نجد و ملحقاتہا نے ہز ہائی نس امیر فیصل اپنے فرزند اور نائب کو اپنا مختار قرار دیا۔

.. مذکورۂ بالا تمہید کی بنا پر، دونوں نمائندوں کی مختار یکے کاغذات کی صحت سے مطمئن ہو کر، ہز ہائی نس امیر فیصل بن عبدالعزیز اور سر گلبرٹ وکلنگھم کلیٹن نے حسب ذیل شرطوں پر اتفاق کیا ہے:

شرط اول۔ ہز مجسٹی برطانیہ، ہز مجسٹی شاہ حجاز و نجد و ملحقاتہا کی کامل اور بے قید خود مختاری کا اقرار کرتے ہیں۔

شرط دوم۔ ہز مجسٹی برطانیہ اور ہز مجسٹی شاہ حجاز و نجد و ملحقاتہا کے مابین امن و امان اور دوستی برقرار رہے گی۔ طرفین عہد کرتے ہیں کہ باہم عمدہ تعلقات برقرار رکھنے کی کوشش کریں گے، اور اپنے جملہ وسائل سے سعی رہینگے کہ اپنے ملک کو ایسے غیر قانونی اعمال کے لئے مستعمل ہونے نہ دینگے جو دوسرے فریق کے ملک میں امن و امان اور سکون کے مخالف ہوں۔

شرط سوم۔ ہز مجسٹی شاہ حجاز و نجد و ملحقاتہا وعدہ کرتے ہیں کہ برطانیہ کی جملہ مسلمان رعایا یا اُس کے زیر حمایت مسلمان باشندوں کے لئے فرض حج کی ادائیگی میں سہولت پیدا کریں گے، جیسا کہ باقی تمام حجاج کے لئے کرتے ہیں۔ نیز ہز مجسٹی وعدہ کرتے ہیں کہ ان لوگوں کی جان و مال کو اُن کے قیام حجاز کے دوران میں ہر طرح امنیت حاصل رہے گی۔

شرط چہارم۔ ہز مجسٹی سلطان حجاز و نجد و ملحقاتہا وعدہ کرتے ہیں کہ مذکورۂ بالا حاجیوں میں سے جو لوگ اُن کی سرحدوں میں فوت ہو جائینگے اور جن کے شرعی وارث ہز مجسٹی کے ملک میں موجود نہ ہونگے، اُن کا ترکہ جدہ میں برطانوی نمائندے یا اُس کے نائب کے حوالہ کر دیا جائے گا، تاکہ متوفی کے مستحق وارثوں تک پہنچا دیا جائے لیکن یہ حوالگی اس شرط کے ساتھ عمل میں آئے گی کہ پہلے ہز مجسٹی سلطان کی خاص عدالتوں کے سامنے یہ معاملہ پیش ہو جائے اور حجازی قوانین کے مطابق سرکاری محصول وصول کر لیا جائے۔

شرط پنجم۔ ہز مجسٹی شہنشاہ برطانیہ، ہز مجسٹی سلطان حجاز و نجد و ملحقاتہا کی جملہ رعایا کے لئے حجازی اور نجدی جنسیت کا اعتراف کرتے ہیں جبکہ وہ ہز مجسٹی برطانیہ کے مقبوضات اور زیر حمایت ملکوں میں پائے جائیں اسی طرح ہز مجسٹی سلطان حجاز و نجد و ملحقاتہا بھی برطانیہ کی رعایا یا اُس کے زیر حمایت باشندوں کے لئے برطانی جنسیت کا اعتراف کرتے ہیں جبکہ وہ حجاز و نجد و ملحقاتہا کے ممالک میں پائے جائیں گے۔ اس امر میں اُن بین الاقوامی قوانین کا لحاظ کیا جائے گا جو خود مختار حکومتوں کے مابین نافذ ہیں۔

شرط ششم۔ ہز مجسٹی سلطان حجاز و نجد و ملحقاتہا عہد کرتے ہیں کہ کویت، بحرین، اور ساحل عمان کے مشائخ کے حسن جوار کو ملحوظ رکھیں گے جن سے برطانیہ کے خاص معاہدات ہو چکے ہیں۔

شرط ہفتم۔ ہز مجسٹی شاہ حجاز و نجد و ملحقاتہا عہد کرتے ہیں کہ اپنے تمام وسائل سے غلامی کے سدباب میں برطانیہ کی مدد کرینگے۔

شرط ہشتم۔ معاہدہ کرنے والے فریقین پر لازم ہے کہ جلد سے جلد یہ معاہدہ نافذ کریں اور منظوری کے کاغذات ایک دوسرے کے حوالہ کر دیں۔ معاہدہ اُس دن سے نافذ ہوگا، جب منظوری کے کاغذات کا باہم مبادلہ عمل میں آ جائے گا۔ معاہدہ اس تاریخ سے ۷ برس تک نافذ رہے گا۔ لیکن اگر طرفین میں سے کوئی فریق بھی ۷ سال گزرنے کے بعد ۶ مہینے پہلے سے اعلان نہ کر دے گا کہ وہ معاہدہ باطل کر دینا چاہتا ہے، تو اس صورت میں معاہدہ برابر نافذ رہے گا۔ معاہدہ اُسی وقت باطل ہوگا، جبکہ ۶ مہینے پہلے اُس کے ابطال کا کوئی فریق باضابطہ اعلان کر دے۔

شرط نہم۔ ہز مجسٹی شاہ برطانیہ اور ہز مجسٹی سلطان حجاز و نجد و ملحقاتہا کے درمیان جو معاہدہ ۲۶ دسمبر ۱۹۱۵ء کو ہوا تھا، جبکہ ہز مجسٹی صرف نجد کے حاکم تھے، اب وہ اس نئے معاہدے کے بعد کالعدم ہو گیا۔

شرط دہم۔ یہ معاہدہ دو زبانوں: عربی اور انگریزی میں قلم بند کیا گیا ہے۔ دونوں دستاویزوں کا درجہ بالکل مساوی ہے۔ لیکن اگر کسی عبارت کی تفسیر میں اختلاف پیدا ہو تو انگریزی دستاویز کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

شرط یازدہم۔ یہ معاہدہ، معاہدۂ جدہ کے نام سے موسوم ہوگا۔

یہ معاہدہ جدہ میں بروز جمعہ تاریخ ۱۸ ذی قعدہ ۱۳۴۵ ہجری مطابق ۲۰ مئی ۱۹۲۷ء میں طے پایا۔"

معاہدہ جدہ پر بحث غیر ضروری معلوم ہوتی ہے۔ آپکے قارئین خود دیکھ سکتے ہیں کہ یہ معاہدہ بالکل ویسا ہے جیسے معاہدے دنیا کی تمام ہم رتبہ خود مختار سلطنتوں کے درمیان ہوا کرتے ہیں۔ صرف یہی نہیں کہ سلطنت نجد و حجاز کامل طور پر خود مختار تسلیم کر لی گئی، بلکہ شرط پنجم کی رو سے اُسے تمام بین الاقوامی حقوق بھی حاصل ہو گئے۔ نجد و حجاز کی جدید تاریخ میں یہ پہلا موقعہ ہے کہ اُن کے باشندوں کی مستقل جنسیت تسلیم کر لی گئی ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ دونوں ملکوں کے تعلقات برطانیہ سے بین الاقوامی قوانین کی بنیاد پر قائم ہو گئے، جیسا کہ اسی شرط کے آخر میں بالتصریح مذکور ہے۔ اب برطانیہ کے وہ امتیازات بھی باقی نہیں رہے جو مرحوم سلطنت عثمانیہ نے اپنے ملکوں میں اُسے بخش رکھے تھے، اور جواب تک حجاز میں اور کسی حد تک نجد میں بھی برقرار تھے۔

اس معاہدے میں جابجا "سلطان حجاز و نجد و ملحقاتہا" کے لفظ آئے ہیں۔ ملحقاتہا سے مقصود وہ تمام علاقے ہیں جن پر سلطان ابن سعود کا قبضہ یا حمایت ہے۔ مثلاً ملک عسیر جو حال ہی میں اپنی رضا و رغبت سے حضرت شیخ سنوسی کے مشورہ پر، اُن کی حمایت میں آ گیا ہے۔

مسئلہ اسلحہ

معاہدے کے ساتھ چند ضمیمے بھی ہیں۔ یہ بھی شایع ہو گئے ہیں۔ ایک ضمیمہ میں برطانیہ نے وعدہ کیا ہے کہ بحر احمر کو اُس بین الاقوامی قانون سے مستثنیٰ کرنے کی کوشش کرے گا، جو ہتھیاروں کی فروخت کے متعلق ہے۔ آپکے قارئین واقف ہونگے کہ یورپ کی دول عظمیٰ نے مشرقی قوموں کو کمزور رکھنے کے لئے ایک قانون بنا رکھا ہے، جس کی رو سے بہت سے مشرقی ممالک، جن میں ایران اور ممالک عرب بھی داخل ہیں، سمندر کی راہ سے اسلحہ خریدنے کے حق سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔ یقیناً سلطان ابن سعود کا تمام مشرقی دنیا خصوصاً عربی ممالک پر بہت بڑا احسان ہوگا اگر ان کی کوشش سے بحر احمر اس جابرانہ قانون سے مستثنیٰ ہو جائے اگر اس کوشش میں کامیابی ہو گئی تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ عربی ممالک کی جنگی قوت بہت بہتر ہو جائے گی۔ ایک قریبی فائدہ یہ بھی ہوگا کہ یمن، اٹلی کی حرص و طمع سے محفوظ ہو جائے گا جو اُس پر بہت جلد ہاتھ صاف کرنا چاہتا ہے۔

عقبہ و معان

ایک دوسرے ضمیمہ میں عقبہ و معان کے مسئلہ پر بھی بحث کی گئی ہے۔ یہ دونوں علاقے شریف علی نے اپنی مختصر حکومت کے زمانے میں برطانیہ کے حوالے کر دیئے تھے۔ سلطان ابن سعود کو اس کارروائی پر اعتراض تھا۔ اُن کا اعتراض یہ تھا کہ یہ فعل ایک مفرور حاکم کا ہے، جس کی حکومت کی بنیادیں ایک دن کے لئے بھی استوار نہیں ہوئیں، اور جسکو عملاً ایک شہر (جدہ) سے زیادہ حصے پر اقتدار حاصل نہیں تھا۔ عرصہ تک برطانیہ کو اس اعتراض کی حقیقت سے انکار رہا، مگر اب اُسنے اصل اعتراض تسلیم کر لیا ہے۔ اور بحث کسی دوسرے موقعہ کے لئے ملتوی کر دی ہے۔ بلاشبہ اس وقت عقبہ و معان کا مسئلہ حل نہیں ہوا، لیکن اس کے حل کے لئے راستہ کھل گیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ سلطان ابن سعود بہت جلد یہ دونوں علاقے برطانیہ سے واپس لے لیں گے، کیونکہ یہ حجاز کی حفاظت کے لئے ازحد ضروری ہیں۔ اور حدود حجاز میں داخل ہیں۔

معاہدہ کی کامیابی کے اسباب

قلم روکنے سے پہلے چند الفاظ اُن اسباب کے بیان میں بھی ضروری ہیں جو اس معاہدہ کا موجب ہوئے ہیں۔ یہ حقیقت تمام دُنیا پر روشن ہے کہ برطانیہ مدت سے کوشاں ہے کہ کسی طرح پورے عرب خصوصاً حجاز پر قابو حاصل کر لے۔ شریف حسین کے ساتھ اُس کے معاہدے اور اٹلی کے ساتھ سمجھوتہ اس حقیقت کا تازہ ثبوت ہے۔ تاہم وہ ایکمرتبہ پھر مجبور ہو گیا کہ ایسا ایک معاہدہ منظور کر لے جو اُس کی پرانی آرزؤں کے صریح خلاف ہے۔

اس کے تین اہم سبب ہیں؛

(۱) سلطان ابن سعود نے پچھلے چند سالوں کے اندر غیر معمولی قوت حاصل کر لی ہے۔ فتح حجاز کے بعد عسیر کی حمایت نے اُنھیں عرب کا ایسا طاقتور حکمراں بنا دیا ہے کہ برطانیہ آسانی سے مغلوب نہیں کر سکتا عرب کی سرزمین پر اچانک اتنی بڑی قوت کے ظہور نے برطانیہ کو مجبور کر دیا کہ یا تو عرب کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کرے، یا مدت تک کے لئے عرب میں اپنے تجارتی و سیاسی مفاد سے ہاتھ دھو لے۔ سلطان ابن سعود کو ناخوش کرنے کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا کہ ایک طرف وہ عراق کی طرف بڑھیں، دوسری طرف شرق اردن پر نظر ڈالیں اور تیسری طرف خلیج فارس کے نیم برطانی علاقوں پر حملہ آور ہو جائیں عرب کے حالات سے واقفیت رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ عراق، شرق اردن، اور خلیج فارس کے اکثر عرب علاقوں میں تمام بدوی آبادیاں سلطان ابن سعود کے زیر اثر ہیں، اور قریب قریب، نجدی دعوت قبول کر چکی ہیں۔ سلطان کا ایک اشارہ ان ممالک میں قیامت برپا کر دے سکتا ہے۔ برطانیہ کی قوت کتنی ہی عظیم ہو، مگر وہ اتنا نادان نہیں ہے کہ بیٹھے بٹھلائے یہ تمام بلائیں اپنے سر پر نازل کر لے لہذا اُس کی مصلحت یہی تھی کہ سلطان ابن سعود سے تعلقات خوشگوار رکھے اور ان کی کامل خود مختاری کے خلاف کوئی جذبہ ظاہر نہ ہونے دے۔

(۲) شام کی حکمبرداری نے عربی ممالک میں فرانس کو برطانیہ کا رقیب بنا دیا ہے۔ یہ معلوم ہے کہ یورپ میں برطانی سیاست نے فرانس کو سخت شکست دی ہے۔ اور اُسے اُس کے تمام دوستوں سے محروم کر کے لاچار کر دیا ہے۔ فرانس اس سبب سے برطانیہ پر دانت پیس رہا ہے اور مشرق میں اُس سے انتقام لینے پر تل گیا ہے۔ چنانچہ وہ ایک طرف چین میں برطانیہ کی مخالفت کر رہا ہے، دوسری طرف عرب میں سلطان ابن سعود سے راہ و رسم پیدا کر رہا ہے۔ برطانیہ نے محسوس کر لیا تھا کہ اگر اُسنے اس موقعہ پر ذرا سی بھی غفلت کی تو بہت ممکن ہے، فرانس اُس پر بازی لے جائے۔

(۳) بالشویک روس نے پچھلے دنوں عرب سے بہت دلچسپی ظاہر کی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ بالشویک دعوت کا ایک مرکز حجاز میں بھی قائم کر دیں، تاکہ یہاں سے دُنیا بھر کے مسلمانوں میں اُس کی اشاعت ہو سکے۔ برطانیہ، اسوقت روس سے ازحد خائف ہے۔ اُس کا یہ ارادہ معلوم کر کے بالکل بدحواس ہو گیا، اور بے تحاشا کوشش شروع کر دی کہ دوستانہ معاہدہ منعقد ہو جائے۔ معاہدہ کی دوسری شرط کا تعلق غالباً اسی چیز سے ہے۔

غالباً اس تفصیل کے بعد معاہدۂ جدہ پوری روشنی میں آ جائے گا اور اس کے فہم میں کسی کو غلط فہمی نہ ہوگی۔ آئندہ مکتوب میں اُن اصلاحات پر بحث کروں گا جن کا اسوقت حجاز میں اجراء درپیش ہے۔

تاریخ شرقِ جدید کی تاریخی شخصیتیں

مدحت پاشا

شہید حریت و دستور

(۱)

ترکی اصلاح و تجدد کی تحریک سلطان محمود مصلح کے زمانے میں شروع ہوئی، اور سلطان عبدالعزیز کے عہد میں مصطفےٰ فاضل پاشا کے ہاتھوں اُس کی پہلی جماعت کی بُنیاد پڑی۔ تاہم یہ محض ابتدا تھی۔ تحریک کے قیام و ترقی کے لئے ضرورت تھی کہ کوئی ایسی اولوالعزم شخصیت نمودار ہو، جو اپنی قربانی کے خون سے اس نئی تخم ریزی کی آبیاری کرسکے۔ اصلاح و تغیر کی تحریک، اس آبیاری کے بغیر کبھی نشوونما نہیں پاسکتی۔

ترکی اصلاح کا پہلا فکری عنصر مصطفےٰ رشید کی شخصیت میں نمایاں ہوا تھا، لیکن اُسے سُلطان محمود اور سلطان عبدالمجید جیسے اصلاح پسند فرمانروا ملے، اور اس لئے اُس کی اصلاح پسندی آزمائش کی جگہ مزید قبولیت کا باعث ہوئی۔ فواد پاشا اور عالی پاشا بھی مصلحانہ افکار رکھتے تھے، لیکن وہ کوئی عملی قدم نہ اُٹھاسکے۔ اس لئے اُنکے لئے کوئی آزمائش پیدا نہ ہوسکی۔ مصطفےٰ فاضل پاشا نے بلاشبہ نیا قدم اُٹھایا، اور "لائحۂ اصلاحیہ" پیش کرکے اپنے لئے خطرات پیدا کردیئے تاہم معاملہ اس سے آگے نہ بڑھا کہ جلاوطن ہوگیا۔ یا مصر کی حکومت و خدیویت سے محروم ہوجانا پڑا۔ پس جہاں تک تحریک کی ابتدائی نشوونما کا تعلق ہے، اب تک کوئی شخصیت ایسی نمایاں نہیں ہوئی تھی جسے اس راہ میں جانفروشی و قربانی کی منزل سے گزرنا پڑا ہو۔ یہ منزل ایک اولوالعزم شخصیت کے ظہور کی منتظر تھی۔ یہ اولوالعزمی مدحت پاشا کی شخصیت میں ظاہر ہوگئی۔ مدحت پاشا اس راہ کا پہلا قتیل و شہید ہے۔ اُس کے خون نے وہ آبیاری بہم پہنچادی، جس کے بغیر یہ تخم انقلاب بارآور نہیں ہوسکتا تھا!

مدحت پاشا اور عبدالحمید

سلطان عبدالحمید کی پُرفریب حکمت عملیوں نے واقعات و حقائق پر ایسے پردے ڈال دیئے تھے کہ مدتوں تک دُنیا کی نگاہیں دھوکا کھاتی رہیں۔ اور مدحت پاشا کی شخصیت نمایاں نہ ہوسکی۔ مدحت پاشا اور اُسکے ساتھیوں کے خلاف جب مقدمہ قائم کیا گیا، اور اُسے سلطان عبدالعزیز کے قتل کی سازش کے انکشاف سے تعبیر کیا گیا، تو دُنیا نے بغیر کسی شک کے قبول کرلیا۔ کیونکہ نہ تو مدحت پاشا کی مصلحانہ حیثیت اور اعمال کی دنیا کو خبر تھی اور نہ ترکی میں کوئی ایسی قومی طاقت پیدا ہوئی تھی جو اصلیت کا اظہار کرسکتی۔ سرہنری ایلیٹ (انگریزی سفیر متعینۂ قسطنطنیہ) نے سنہ۱۸۸۸ء میں جب اپنی یادداشت شائع کی، اور مدحت پاشا کو بےقصور ظاہر کیا، تو خود انگلستان میں بہت کم لوگوں نے اسے باور کیا۔ عام طور پر خیال کیا گیا کہ سرہنری اپنی ذاتی دوستی کا جو اُس میں اور مدحت پاشا میں تھی، حق ادا کر رہا ہے، جہاں تک مشرقی اور اسلامی ممالک کا تعلق ہے، اُسوقت نہ تو لوگوں میں اس قسم کے معاملات سمجھنے کی استعداد پیدا ہوئی تھی اور نہ عام طور پر دلچسپی لی جاتی تھی۔ ہندوستان میں اُس وقت جس قدر اُردو اخبار نکلتے تھے، سب نے مدحت پاشا کے مقدمہ کو "باغیوں" کے مقدمہ سے تعبیر کیا تھا۔ اُس زمانے کے بعض اخبارات کے فائل ہماری نظر سے گزرے ہیں۔ کلکتہ کے "اُردو گائیڈ" اور لاہور کے "انجمن پنجاب" نے "باغی مدحت پاشا" کی سزایابی کی خبریں شائع کی تھیں!

مقدمہ کے بعد مدحت پاشا طائف کے قلعہ میں قید کردیا گیا۔ اور کچھ دنوں بعد گلا گھونٹ کر مار ڈالا گیا۔ اُسوقت دُنیا اس مظلوم کو بالکل بھلا چکی تھی۔ اصلاح پسند ترکوں کے سوا جو یورپ میں منتشر ہو چکے تھے، کوئی جماعت ایسی نہ تھی جسے حقیقتِ حال کا علم ہو، یا اس کی شخصیت میں دلچسپی رکھتی ہو۔

یلدز کی دعایتہ

برسوں پر برس گزر گئے، اور اس قتیل ظلم و استبداد کی ہولناک موت کی حقیقت دنیا کی نظروں سے پوشیدہ رہی۔ قسطنطنیہ میں عہد حمیدی کے تمام مستبدانہ اعمال اپنی پوری سرگرمی کے ساتھ شروع ہو چکے تھے مدحت پاشا اور اسکے رُفقا کا نام لینا ایسا ہی ناقابل معافی جرم تھا، جیسا "اصلاح" اور "دستور" یا "پارلیمنٹ" کا نام لینا۔ کئی کتابوں کی اشاعت محض اس بنا پر صیغۂ احتساب نے (جو "نظارۂ معارف" کے نام سے قائم کیا گیا تھا) روک دی کہ اُنکے مصنفین کا نام بھی مدحت تھا۔

مدحت پاشا کے اعمالِ حیات کو دُنیا کی نظروں میں مذموم ثابت کرنے کے لئے ترکی اور ترکی سے باہر بےشمار اہل قلم کی خدمات خریدلی گئی تھیں اور وہ تھوڑے تھوڑے عرصے کے بعد کوئی نہ کوئی ایسی تحریر شائع کرتے رہتے تھے جس کے ذریعہ مدحت اور اس کی جماعت کو ملک و سلطنت کا دشمن ثابت کیا جاتا تھا، اور سلطان عبدالحمید کے قاتلانہ اعمال کی مدحت سرائی کی جاتی تھی۔ قسطنطنیہ میں احمد فارس شدیاق کا عربی اخبار "الجوائب" اس کام میں سب سے زیادہ پرجوش اور سرگرم تھا۔ اُسنے بار بار اپنے قارئین کو یقین دلانا چاہا کہ "مدحت اور اسکی جماعت کا اصلی مقصود دین مقدس اسلام کی بیخ کنی کرنی تھی!" یورپ اور انگلستان میں بھی قصر یلدز کے ایجنٹ بے دریغ روپیہ خرچ کر رہے تھے۔ بہت سے اخبار اور اخبار نویس تھے، جنھوں نے اپنی خدمات یلدز کے حوالہ کردی تھیں۔ سنہ۱۹۰۸ء میں ایک انگریزی کتاب "دوازدہ سالہ عہد حکومت سلطان عبدالحمید" کے نام سے انگلستان میں شائع ہوئی تھی۔ اُس کے دیباچہ میں ظاہر کیا گیا تھا کہ "یہ انگلستان کی ایک شہزادی کی ذاتی تحقیقات کا نتیجہ ہے" یہ کتاب بھی حمیدی دعایتہ (پروپیگنڈا) کا نتیجہ تھی، اور اس لئے شائع کرائی گئی تھی تاکہ سرہنری ایلیٹ کے اُن مضامین کا جواب دیدیا جائے جو اُسنے مدحت پاشا اور اُس کی مصلحانہ مساعی کی حمایت میں لکھے تھے اس کتاب کا اُردو ترجمہ ہندوستان میں شائع ہوچکا ہے۔

انکشافِ حقیقت

ایک عرصہ کے بعد جب مدحت پاشا کا لڑکا علی حیدر بے جوان ہوا، تو اُس کی ماں نعیمہ خانم نے اُس کے باپ کی آخری امانت اُس کے سپرد کردی۔ یہ امانت کیا تھی؟ یہ ایک نامکمل خود نوشتہ سوانح حیات تھی، جو اس شہید حریت نے طائف کے قید خانہ میں لکھی تھی۔ اور چند خطوط تھے، جو اُسنے اور اُس کے ساتھیوں نے طائف سے بھیجے تھے۔ ان خطوط میں اُن تمام ہولناک واقعات کی تفصیل درج تھی جو طائف کے محبس میں پیش آئے تھے۔

یہ خطوط طائف کے قید خانے سے کیونکر بھیجے گئے اور کس ذریعہ سے مرحوم کے خاندان تک پہنچے؟ اس کی تفصیل ان اوراق میں درج تھی۔ اُس زمانے میں مصر کے خاندان خدیوی کی ایک امیرزادی، بیگم صفوت پاشا نے مکہ معظمہ میں قیام اختیار کرلیا تھا، اور اپنی دولت و ریاست کی وجہ سے شریف اور گورنر حجاز پر بہت رسوخ رکھتی تھی۔ یہ بیگم مدحت پاشا اور اس کے مصلحانہ اعمال سے واقف تھی۔ اسے جب معلوم ہوا کہ وہ مع اپنے رفیقوں کے طائف میں قید کیا گیا ہے، تو آمادہ ہوگئی کہ اپنی موجودگی سے ان کی مصیبت کم کرنے کی کوشش کرے۔ اور تو کچھ نہ کرسکی، لیکن اس کی وجہ سے خط و کتابت کا ایک محفوظ ذریعہ پیدا ہوگیا۔ طائف کا ایک فوجی ڈاکٹر فخری بے اُس کے زیر اثر تھا اُسے قیدیوں کے دیکھنے کی اجازت تھی۔ وہ اُن سے پوشیدہ خطوط لے لیتا اور مکہ معظمہ پہونچا دیتا۔ مکہ سے خطوط مصر بھیجدیئے جاتے۔ مصر سے سمرنا کی ایک فرانسیسی کمپنی کے دفتر میں پہنچ جاتے جہاں مدحت پاشا کا خاندان مقیم تھا۔ کمپنی کے دفتر کا منتظم مدحت پاشا کی بیوی اور بہن تک پہونچا دیتا۔

البتہ مدحت پاشا کی خود نوشتہ سوانح عمری ناتمام تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یا تو تکمیل کا موقعہ نہیں ملا، یا بقیہ مسودہ ضائع ہوگیا تھا۔

علی حیدر بے نے ان اوراق کی مدد سے مدحت پاشا کے اعمال حیات پر ایک کتاب مرتب کی، اور سنہ۱۹۰۶ء میں پیرس سے شائع کی پہلے فرانسیسی زبان میں شائع ہوئی تھی۔ پھر اُس کا انگریزی اڈیشن بھی شائع ہوگیا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ دُنیا کو حقیقتِ حال سے واقف ہونے کا موقعہ ملا، اور کذب و افترا کے وہ تمام پردے چاک ہوگئے جو عبدالحمید اور اُس کے حامیوں نے اس راست باز مصلح کی زندگی پر ڈال دیئے تھے۔ قصر یلدز کے کارپردازوں نے بہت کوششیں کیں کہ کسی طرح اس کتاب کی قطعی شہادتیں کمزور ثابت کردیں لیکن اب ۲۰ سال کی مستور حقیقت عالم آشکارا ہوچکی تھی، اور حقیقت جب ایک مرتبہ آشکارا ہوجائے، تو پھر دُنیا کی کوئی طاقت اُسے مسخر نہیں کرسکتی!

طائف کا مدفون صندوق

سنہ۱۹۰۸ء کے انقلاب دستور کے بعد اس سلسلہ میں ایک نیا انکشاف ہوا۔ معلوم ہوتا ہے، اس شہید ظلم کی مقدس امانت صرف اُس کے خاندان ہی میں محفوظ نہ تھی، بلکہ طائف کی زمین نے بھی اپنا آغوش صیانت کھول دیا تھا، تاکہ اُس کی آخری امانت اپنے

سینہ میں چھپالے، اور وقت مناسب کی منتظر ہے۔ علی حیدر بے کو خود نوشتہ سوانح عمری کا جو مسودہ اپنی والدہ سے ملا تھا، وہ نا تمام تھا، اور کچھ پتہ نہیں چلا تھا کہ اصل میں نا تمام تھا، یا اس کے بقیہ اوراق ضائع ہوگئے تھے۔ اعلان دستور کے بعد یکایک یہ خبر ترکی اخبارات میں چھپی کہ "وصفی آفندی مدیر اوراق (ریکارڈ کیپر) طائف نے ۳۰ برس کے بعد، طائف کے ایک باغ بیرون شہر سے وہ آہنی صندوق نکالا ہے، جس میں مدحت پاشا کی خود نوشتہ کتاب محفوظ تھی۔ وصفی آفندی نے مدحت پاشا کے قتل کے بعد ۱۵ - ذی قعدہ سنہ ۱۳۰۲ھ کو زمین میں دفن کر دیا تھا"

وصفی آفندی نے یہ صندوق علی حیدر بے کے حوالہ کر دیا۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ مدحت پاشا نے اپنی کتاب مکمل کر لی تھی، اور احتیاطاً اس کی دو نقلیں بھی، اپنے رفیق حبس شیخ خیر اللہ آفندی (سابق شیخ الاسلام) سے کرالی تھیں تاکہ اگر اصل نسخہ محفوظ نہ رہ سکے تو اس کی نقل موجود رہے۔ اصل نسخہ کا ابتدائی حصہ بدفعات سمرنا بھیج دیا گیا، بقیہ اجزاء ابھی نہیں بھیجے گئے تھے کہ ۱۲ رجب سنہ ۱۳۰۱ ہجری کی یہ ہولناک رات آگئی جو مرحوم اور اس کے ساتھی محمود پاشا داماد کے قتل کی رات تھی۔ اس طرح مرحوم کو بقیہ اوراق بھیجنے کا موقعہ نہیں ملا۔ یہ اوراق قتل کے بعد قید خانہ کے حکام کو مل گئے تھے اور قسطنطنیہ بھیج دیئے گئے تھے۔ لیکن اُن کی دو نقلیں خیر اللہ آفندی کے پاس رہ گئی تھیں۔ خیر اللہ آفندی نے کوشش کی کہ کسی طرح یہ دونوں نسخے کسی محفوظ مقام پر پہنچ جائیں۔ اُسنے ایک نسخہ اپنے معتمد دوست کمال آفندی شیخ تکیہ آستانہ تک پہنچا دینے کے لئے ایک شخص مصطفےٰ آفندی نامی کے سپرد کیا، اور دوسرا طائف کے ڈاکٹر فخری بے کو دے دیا۔ پہلا نسخہ کمال آفندی تک نہ پہنچ سکا اور مصطفےٰ آفندی کا انتقال ہوگیا۔ لیکن دوسرا نسخہ ڈاکٹر فخری نے وصفی آفندی مدیر اوراق طائف کے سپرد کر دیا۔ وصفی آفندی مدحت پاشا کی جماعت سے ہمدردی رکھتا تھا اور دل سے اصلاح پسند تھا۔ اُسنے اس امانت کی قدر کی، اور ایک آہنی صندوق میں بند کر کے شہر کے باہر دفن کر دیا۔

مدحت پاشا کی خود نوشتہ سوانح عمری

علی حیدر بے انقلاب کے بعد قسطنطنیہ آگیا تھا۔ اُسنے اس مسودہ کا پچھلے مسودہ سے مقابلہ کیا، اور ترکی میں ایک نئی کتاب مرتب کر کے سنہ ۱۹۰۸ء میں شائع کر دی۔ یہ مدحت پاشا کی سرگذشت حیات کا مکمل مجموعہ ہے۔ اس میں اس کی خود نوشتہ سوانح عمری ہے، قید خانہ طائف کے تمام خطوط ہیں، اصلاح نظام حکومت کی تمام یادداشتیں ہیں، اور آخر میں چند ضمیمے ہیں جن سے کتاب کے بعض تفصیل طلب مقامات کی مزید تشریح ہو جاتی ہے۔

علی حیدر بک اس مجموعہ کے دیباچہ میں لکھتا ہے:

"ایک ایسے موقعہ پر جبکہ میری قوم قیام دستور کی یادگار منا رہی ہے (جولائی سنہ ۱۹۰۹ء) میں اپنے والد مرحوم کی خود نوشتہ سوانح حیات کا ہدیہ اُس کے سامنے پیش کرتا ہوں، اور امید کرتا ہوں کہ یہ عبرت و موعظت کا ذریعہ ہوگا!

"جب ہمارا وطن عزیز اپنی صدہا سالہ عظمت و شوکت کی بلندیوں سے تنزل کے قعر ذلت میں گر رہا تھا، اور عدل و نظام کے فقدان نے امید و مراد کے تمام دروازے بند کر دیئے تھے، تو اُسوقت ان اوراق کا مصنف ملک و ملت کی خدمت کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنی زندگی کے کامل ۵۴ سال اس راہ میں بسر کر دیئے۔ یہاں تک کہ اسی کی راہ میں اپنی جان عزیز بھی قربان کر ڈالی!

"میرے والد نے یہ اوراق قلعۂ طائف کے قید خانہ میں اُسوقت لکھے تھے، جبکہ وہ خونی مجرموں کی طرح ایک تنگ کوٹھری میں مقید تھا، اور شقی و جانی پاسبانوں کی نگاہیں ہر وقت اُس پر لگی رہتی تھیں۔ مسودہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا اکثر حصہ ایک ایک دو دو سطر کر کے، مختلف اوقات میں لکھا گیا ہے، اور بہت سے مقامات میں نا تمام جملوں اور لفظوں پر قلم کی کشش رُک گئی ہے۔ وہ قلم اور کاغذ فرش کے نیچے چھپا کر رکھ دیا کرتے تھے، اور جب کبھی پاسبانوں کی نگاہوں سے مہلت ملتی تھی، لکھنے میں مشغول ہو جاتے تھے۔ اکثر اوقات ایسا ہوتا کہ پوری دو سطریں بھی نہیں لکھنے پاتے تھے کہ کسی آدمی کی آہٹ سنائی دیتی، یا باہر سے باتوں کی آواز آنے لگتی، اور وہ قلم کاغذ چھپا دینے پر مجبور ہو جاتے!

"عین اُس حالت میں بھی جبکہ موت سامنے تھی، زندگی و راحت کے تمام وسائل مفقود ہو چکے تھے، ضعف پیری اور امراض کے آلام سے قویٰ معطل ہو رہے تھے، اور ایک جابر و مستبد پادشاہ اور اس کے رذیل اور جرائم پیشہ حکام ہر آن اُس کے انفاس حیات کم کرنے کے درپے ہو رہے تھے، وہ اپنی قوم اور ملت کی خدمت سے بے فکر نہیں ہوا، اور محض اس امید موہوم سے کہ شاید اُس کے لکھے ہوئے اوراق کسی وقت قوم کی نظروں تک پہنچ جائیں، اُسنے اپنی زندگی کے تمام تجارب و افکار قلمبند کر دیئے۔ عین اُسوقت جبکہ عبد الحمید اُس کی موت کے وسائل پر غور کر رہا تھا، وہ قید خانہ کی کوٹھری کے اندر اُن وسائل کے قلمبند کرنے میں مشغول تھا جن کے ذریعہ عبد الحمید کا عرش مملکت موت کے خطرات سے نجات پا سکتا تھا!

"میرے والد نے یہ کتاب قید خانہ میں لکھی، اور اس کا ایک حصہ سمرنا میں اپنے اہل و عیال کے پاس بھجوا دیا۔ یہ ابتدائی حصہ اور بعض خطوط مجھے اپنی والدہ مرحومہ سے ملے تھے، اور میں نے انھیں ایک مقدس تذکار سمجھ کر محفوظ رکھا تھا۔ چند سال پیشتر میں نے یورپ میں جو کتاب مرحوم کے وقائع حیات پر شائع کی تھی، وہ انہی اوراق سے مرتب کی گئی تھی۔

"یہ اُس شخص کا اثر ہے جسے ۱۲ - رجب سنہ ۱۳۰۱ ہجری کو رات کے ۲ بجے (یعنے انگریزی گھڑی کے حساب سے بارہ بجے) عبد الحمید کے حکم سے قید خانۂ طائف میں گلا گھونٹ کر ہلاک کر ڈالا گیا۔ اس لئے ہلاک کر ڈالا گیا، کہ وہ ظلم و استبداد کا مخالف تھا، اور عدل و دستور کا داعی تھا۔ آج جبکہ تمام مملکت عثمانیہ قیام دستور کے یادگار کی خوشیاں منا رہی ہے، بیجا نہیں اگر میں یہ اُمید کروں کہ دستور عثمانی کے اس شہید کی یاد ہر فرد قوم کے دل میں تازہ ہو جائے!"

سوانح حیات

مدحت پاشا کی اسی خود نوشتہ سوانح عمری سے ہم مختصراً اس کے حالات نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد اُن خطوط کا ترجمہ درج کرینگے جو قلعۂ طائف سے بھیجے گئے تھے۔

ابتدائی تعلیم

مدحت پاشا ابن قاضی حاجی حافظ محمد اشرف

صفر سنہ ۱۲۳۸ھ میں بمقام قسطنطنیہ پیدا ہوا۔ والدین نے احمد شفیق نام رکھا تھا۔ دس برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور حافظ شفیق کہلانے لگا۔

سنہ ۱۲۴۹ھ میں اس کے والد علاقہ لودین کے قاضی مقرر ہوگئے۔ یہاں اسنے لکھنا سیکھا، اور ایک برس بعد جب وہ واپس ہوا، تو عاکف پاشا وزیر خارجہ کے حکم سے دیوان ہمایونی میں داخل کر لیا گیا۔ یہاں اُسنے اُس رسم الخط کی مشق کی جو اس محکمہ کے لئے خاص ہے۔ اس محکمہ کی تعلیم گاہ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ اپنے تمام فارغ التحصیل طلبا کو ایک علحدہ نام یا لقب دے دیا کرتی تھی۔ چنانچہ اُسنے حافظ شفیق کے لئے بھی ایک نیا نام تجویز کیا۔ یہ "مدحت" تھا، اُس دن سے "شفیق" کی جگہ "مدحت" کے نام سے پکارا جانے لگا۔

سنہ ۱۲۵۱ھ میں اس کے والد علاقہ لونجہ کے قاضی مقرر ہوگئے۔ مدحت بھی ساتھ گیا اور تعلیم جاری کرتا رہا۔ اُس کے والد چونکہ فارغ التحصیل عالم تھے، اس لئے شہر ہی سے اسے فارسی، عربی، اور دینی علوم کی تعلیم دی گئی۔ لونجہ سے واپس آنے کے بعد اُس نے آستانہ کی تاریخی مسجد "جامع فاتح" میں دینی علوم کی تکمیل کی اور فارسی زبان میں بھی کامل مہارت حاصل کرلی۔

جب سنہ ۱۲۵۵ھ میں حکومت نے "مدرسۂ عرفانیہ" جاری کیا اور منتخب ہونہار طالب علم اُس میں داخل کئے گئے، تو اُن میں ایک مدحت آفندی بھی تھا۔ لیکن اُس نے جلد دیکھ لیا کہ اس مدرسہ کے طالب علم اُس کے برابر قابلیت نہیں رکھتے، اور تعلیم بھی بہت معمولی درجہ کی ہے، اس لئے برداشتہ خاطر ہو کر چھوڑ دیا۔

عملی زندگی

سنہ ۱۲۵۷ھ میں اُسنے اپنی تعلیم ختم کر لی۔ مگر اُس کی عملی زندگی، اس سے بہت پہلے سے شروع ہو چکی تھی۔ وہ کم عمری ہی سے سرکاری دفاتر میں ملازم ہوگیا تھا۔ دفتر کا کام بھی انجام دیتا اور تعلیم بھی جاری رکھتا۔

لیکن سنہ ۱۲۵۸ھ میں اُسنے خالص عملی زندگی میں قدم رکھا۔ ۲۵۰۰ قرش تنخواہ پر اُسے ایک مستقل جگہ مل گئی۔ یہ ولایت شام میں سرکاری کاغذات کی تحریر کی جگہ تھی۔ دو تین برس تک اسی جگہ پر مامور رہا۔ پھر سنہ ۱۲۶۱ھ میں سامی پاشا والی قونیہ کے دفتر میں لے لیا گیا۔ سنہ ۱۲۶۳ھ میں اسی والی کے ساتھ صوبہ قسطمونی میں گیا۔ سنہ ۱۲۶۴ھ میں قسطنطنیہ واپس آیا اور اسی زمانہ میں اُس کی شادی ہوئی۔ اس کے بعد اُسے وزیر اعظم کے دفتر میں انشاء و کتابت کی معزز جگہ مل گئی۔ اس جگہ کے ملجانے سے اُس پر اعلیٰ اور مرکزی مناصب کا دروازہ کھل گیا۔ اور وہ حکومت کے ممتاز اور ذمہ دارانہ مناصب پر مامور ہونے لگا۔

تفتیش (انسپکشن)

سنہ ۱۲۶۷ھ میں حلب شام کے خیبگی خانے میں سخت بدنظمی پیدا ہوئی۔ حتیٰ کہ خزانۂ حکومت کے ۲۰ تھیلے غائب ہوگئے۔ اس معاملہ کی تفتیش کے لئے مدحت آفندی بھیجا گیا۔ اُسے خفیہ طور پر ہدایت کی گئی تھی کہ عربی ممالک کے سپہ سالار اعظم محمد پاشا قبرصلی کے طرز عمل کی بھی تحقیقات کرے۔ ۶ مہینے کی محنت کے بعد اُسنے ثابت کر دیا کہ نقدی کے ۲۰ تھیلے نہیں، بلکہ ۵ ہزار تھیلے چوری ہوگئے ہیں۔ چور کا بھی پتہ چلا لیا، اور اُس سے ایک ہزار ۴۰۰ تھیلے وصول کر لئے۔ نیز نا قابل رد دلائل سے ثابت کر دیا کہ سپہ سالار نے قوم دروز کے معاملے میں سخت غلطیاں کی ہیں۔

مجلس والا کی صدارت

وزیر اعظم رشید پاشا نے مدحت آفندی کی اس خدمت کی بہت تعریف کی۔ عرب کا سپہ سالار معزول کر دیا گیا۔ اور مدحت کو سنہ ۱۲۶۹ھ میں مجلس والا کا صدر مقرر کیا گیا۔ یہ منصب اُس کی فطری اور غیر معمولی انتظامی قابلیت کے ظہور کے لئے ہر طرح موزوں تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ کے اندر اس کی قابلیتوں کے ایسے نمایاں ثبوت ملے کہ وہ رشید پاشا، عالی پاشا، رشدی پاشا وغیرہ ارکان سلطنت کا معتمد علیہ بن گیا۔ چنانچہ جب مسئلہ کریمیا کے حل کرنے کے لئے روسی پرنس منجیکوف قسطنطنیہ آیا، تو معاہدوں کی تحریر اسی کے سپرد کر دی گئی جو بہت بڑی ذمہ داری کا کام تھا۔

ارکان حکومت سے مخالفت

اب ترقی کرتے کرتے، مدحت آفندی اناطولی میں کاتب ثانی کے عہدے پر پہنچ گیا تھا۔ سنہ ۱۲۷۰ھ میں محمد پاشا قبرصلی، وزیر اعظم مقرر ہوا

یہ مدحت آفندی کا سخت دشمن تھا۔ کیونکہ اسی نے اُسے عرب کی سپہ سالاری سے معزول کرایا تھا۔ اب اُسنے انتقام لینا اور سرکاری ملازمت سے خارج کرادینا چاہا۔ اُسنے بہت کوشش کی مگر کوئی بات قابل گرفت نہیں ملی۔ آخر اُس نے خیال کیا، اسے صوبہ جات رومیلی کا حاکم بناکر بھیج دیا جائے، اور چونکہ سخت ہنگامے برپا تھے، اور بہت سے والی امن و امان قائم کرنے میں ناکام رہ چکے تھے، اس لئے مدحت آفندی بھی ناکام رہے گا، اور اس طرح اُسے نالائق قرار دینے کا بہتر موقعہ نکل آئے گا۔ چنانچہ اُسنے احکام صادر کردئے۔

اب مدحت آفندی کے لئے سخت مشکل پیش آئی۔ وہ وزیر اعظم کی بدنیتی سے واقف ہوچکا تھا، اگر نہیں جاتا تھا تو بزدل حکمی ہوتی تھی۔ جاتا تھا، تو ناکامی کا اندیشہ تھا۔ بہرحال اُسنے جانے کا فیصلہ کرلیا، اور ۱۲۷۱ھ میں ایک فوجی مہم ساتھ لے کر روانہ ہوگیا۔

یہاں مدحت آفندی نے حیرت انگیز قابلیت کا ثبوت دیا۔ صرف ۶ مہینے کی قلیل مدت میں ۲۸۰ باغی سرغناؤں کو گرفتار کرلیا۔ ۲۰ کو حکومت کی بلا اجازت پھانسی دے دی۔ ۸۰ کو آستانہ کے قیدخانے میں بھیجدیا۔ باقی کو قانون کے مطابق سخت سخت سزائیں دیں۔

باغی صوبوں نے نئے حاکم کی یہ غیر معمولی مستعدی دیکھی تو اطاعت کے لئے فوراً سر جھکا دئے۔ یورپ کی زبان بالکل بند ہوگئی جو بلقان کی اس پیچیدگی کو اپنی مداخلت کا ذریعہ بنا رہا تھا۔ خوش قسمتی سے آ محمد پاشا بھی معزول ہوچکا تھا۔ رشید پاشا اُن کی جگہ وزیر اعظم تھا۔ اُسنے مدحت آفندی کی شاندار خدمات کا اعتراف کیا اور آستانہ واپس بلالیا۔ مدحت آفندی نے رومیلی کے حالات کی مفصل روداد پیش کی اور اصلاحات کا ایک مسودہ بھی طیار کیا، حکومت نے اسے شکریہ کے ساتھ قبول کیا۔ مگر بعض حالات اور تبدیلیاں ایسی پیش آگئیں کہ اصلاحات کی تجاویز پر کوئی عملی کارروائی نہ ہوسکی۔ در اصل حکومت کا مزاج صدیوں سے ایسا ہوگیا تھا کہ بغیر کسی بنیادی تغیر کے اصلاحات کی تجاویز سود مند نہیں ہوسکتی تھیں۔

وزیر اعظم نے مدحت آفندی کو مجلس والا میں دوبارہ داخل کیا۔ مگر ابھی چند ماہ بھی اس صورت حال پر نہیں گزرے تھے کہ رشید پاشا پھر معزول ہوگیا اور مصر چلا گیا۔ اسکی جگہ عالی پاشا کو ملی، مگر اُسے بھی یورپ کا سفر پیش آگیا اور دار الحکومت سے غیر حاضر ہوگیا۔ اسکی نیابت محمد پاشا قبرصلی کو مل گئی۔ اسی محمد پاشا کو جو مدحت کا جانی دشمن تھا۔ اپنے برسر اقتدار آتے ہی پھر انتقامی تدابیر کا عمل میں لانا شروع کردیا۔

اس مرتبہ مدحت پر یہ تہمت لگائی گئی کہ اُسنے حکومت کے بعض محاصل پر قبضہ کرلیا ہے۔ چنانچہ باضابطہ مقدمہ قائم ہوگیا۔ مگر پہلی ہی پیشی میں ثابت ہوگیا کہ الزام کی کوئی اصلیت نہیں۔ محض اتہام ہے۔ ایک گواہ نے تو علانیہ عدالت کے سامنے اقرار کرلیا کہ "اُسے جھوٹ بولنے پر مجبور کیا گیا ہے، اور مدحت کے خلاف اُسنے جو کچھ کہا ہے، سراسر باطل ہے"

مدحت آفندی عزت کے ساتھ بری ہوگیا، اور نائب وزیر اعظم کو سخت شرمندگی اُٹھانی پڑی۔

بلغاریہ اور سرویہ میں

اُس زمانے میں بلغاریہ کی حالت خراب ہونے لگی۔ حکام کے ظلم نے باشندوں کو پریشان کرڈالا۔ مدحت آفندی تحقیقات کے لئے بھیجا گیا۔ اسنے اپنی روداد باب عالی میں پیش کردی اور ثابت کیا، کہ باشندوں کی شکایتیں صحیح ہیں۔ گورنر سعید پاشا اور اُس کے آدمیوں نے سخت فساد مچا رکھا ہے۔ باب عالی نے اس کی روداد تسلیم کرلی، اور گورنر اور اُسکے عہدہ داروں کو معزول کردیا۔

بلغاریہ سے فارغ ہوکر مدحت آفندی سرویہ گیا۔ وہاں بھی سخت ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ حتیٰ کہ بعض علاقوں کے باشندوں نے ترکی حکام کو بالکل خارج کردیا تھا۔ اور طوائف الملوکی قائم ہوگئی تھی۔ مدحت آفندی نے اس صوبے کی بھی اصلاح کی اور باغی علاقوں میں از سر نو حکومت قائم کردی۔

یورپ کا سفر

مدحت آفندی، قسطنطنیہ واپس آگیا۔ اُسے یقین تھا کہ حکومت اُس کی خدمات کا اعتراف کرے گی۔ مگر یہاں سلطان عبد المجید پر معزول گورنر سعید پاشا اور اُس کے دوستوں کا جادو چل چکا تھا۔ انھوں نے سلطان کو مدحت آفندی سے ناراض کرادیا۔

اسی اثنا میں رشید پاشا کا بھی انتقال ہوگیا۔ جو مدحت کا سرپرست تھا۔ مدحت آفندی، سلطان کی ناراضی سے افسردہ خاطر ہوچکا تھا۔ اپنے مربی کی وفات سے اور بھی زیادہ بے دل ہوا، اور سرکاری مناصب ترک کردینے کا ارادہ کرلیا۔ ساتھ ہی اُسے خیال ہوا کہ ممالک یورپ کی سیر و سیاحت کرے جن کی علمی و تمدنی ترقیات کے افسانے اس کے گوش گزار ہوچکے تھے۔ چنانچہ ۱۲۷۴ھ میں یورپ روانہ ہوگیا۔ ۶ مہینے وہاں قیام کیا۔ پیرس، لندن، وائنا، بلجیم وغیرہ کی سیر کی اور یورپ کی ترقی کے اسباب و وسائل معلوم کئے۔

فرانسیسی زبان

مدحت آفندی کی طالب علمی کے زمانے میں فرانسیسی زبان کو ٹرکی میں کوئی اہمیت حاصل نہ تھی۔ اس لئے اُسنے بھی اس طرف کوئی توجہ نہیں ہوئی۔ لیکن اب حالات میں عظیم تبدیلی واقع ہوچکی تھی، اور ہر سیاسی مدبر کے لئے اس زبان سے واقفیت لازمی ہوگئی تھی۔ مدحت آفندی نے اپنے اندر یہ کمی محسوس کی، اور اس زبان کی تحصیل پر کمر بستہ ہوگیا۔ وہ اپنی فرصت کے اوقات میں بطور خود مطالعہ کرتا رہتا یہاں تک کہ یورپ کا سفر پیش آیا اور اس زبان میں اُسنے پوری مہارت حاصل کرلی۔

رتبۂ وزارت اور صوبہ کی ولایت

۱۲۷۵ھ میں مدحت آفندی یورپ سے واپس آیا اور دوبارہ مجلس والا کی صدارت کے لئے منتخب کیا گیا۔ اسی اثنا میں محمد پاشا قبرصلی پرانا دشمن وزیر اعظم ہوچکا تھا۔ مدحت آفندی کو خوف تھا کہ پھر اُسکی عداوت کا نشانہ بنے گا، مگر یہ دیکھ کر اُسے تعجب ہوا کہ اب مخالفت کی جگہ اس کی طرف سے موافقت کے اظہارات شروع ہوگئے تھے۔ اُسنے مدحت آفندی کو طلب کیا۔ گزشتہ معاملات کی معافی چاہی اور سلطان عبد المجید سے بھی سفارش کی کہ اس کی پچھلی خدمات کے اعتراف میں وزارت کا اعزازی رتبہ بخشا جائے، اور صوبۂ نیش کی حکومت سپرد کردی جائے۔ چنانچہ ۱۲۷۷ھ میں مدحت آفندی اس صوبہ کا والی مقرر ہوگیا۔ اور سلطان عبد المجید کی وفات تک اسی منصب پر مامور رہا۔

سلطان عبد العزیز

سلطان عبد العزیز کے آخری عہد میں سلطنت عثمانیہ کی حالت از حد زبوں ہوگئی۔ ہر طرف داخلی شورشیں برپا ہوگئیں، اور یورپ نے متحد ہوکر از سر نو دباؤ ڈالنا شروع کردیا۔

بدقسمتی سے سلطان، اپنے وزیر اعظم محمود ندیم پاشا کے قبضہ میں تھے۔ اور ندیم پاشا، روسی سفیر جنرل اگناٹیف کے اشاروں پر حرکت کررہا تھا۔ ترکی قوم اس حقیقت سے واقف ہوگئی تھی اور ندیم پاشا کی معزولی کا مطالبہ کررہی تھی۔ مگر سلطان نے کانوں میں تیل ڈال لیا تھا۔ نہ کسی کی نصیحت سنتا تھا نہ کسی فریاد پر توجہ دیتا۔

اُسی زمانے میں خبر مشہور ہوئی کہ سلطان، ۴۰ لاکھ پونڈ کا ایک نیا قرضہ لینے والے ہیں۔ عام رائے اس خبر سے نہایت برہم ہوئی۔ کیونکہ سلطان کے اسراف نے سلطنت کا تمام خزانہ خالی کردیا تھا اور قرضوں کا ناقابل برداشت بوجھ پہلے ہی سے ملک کی گردن توڑ رہا تھا۔

اسی اثناء میں صوبۂ ہرزی گوبنیا کا مسئلہ پیش آیا۔ یہ محض حکومت کی غفلت کا نتیجہ تھا۔ عام رائے اب اور بھی زیادہ برہم ہوگئی۔ چند دن بعد خبریں آنا شروع ہوئیں کہ بلقان میں بغاوت پھوٹ پڑی ہے اور اُسکے شعلے، ادرنہ تک پہنچ گئے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ آستانہ میں بلقان کے مسلمان طالب علموں کے پاس خطوط پہنچے کہ "باغیوں نے تمہارے گھر لوٹ لئے۔ اور عزیز و اقارب قتل کرڈالے" طالب علموں نے یہ وحشت ناک خبریں سنیں تو جوش میں آگئے۔ اُن کے جوش نے شہر کی تمام مسلمان آبادی میں بھی ہیجان پیدا کردیا۔ لوگوں کو پہلے سے یقین تھا کہ حکومت، بلقان کے معاملات سے غفلت برت رہی ہے، اور ندیم پاشا روس کے اشارے سے یہ سب کچھ کررہا ہے۔ روس کا مقصد یہ تھا کہ اس بہانے سے اُسے مداخلت کا موقعہ ملے۔

بلقانی طالب علموں کے ساتھ ہزاروں مخلوق باب عالی کی طرف روانہ ہوئی اور وزیر اعظم سے ملاقات کا مطالبہ کیا۔ وزیر اعظم نے یہ حالت دیکھی تو ڈر گیا، اور سلطان کو مشورہ دیا کہ نئی وزارت کا اعلان کرکے عوام الناس کا جوش ٹھنڈا کردیں۔ چنانچہ محمود ندیم پاشا اور حسن آفندی شیخ الاسلام، دونوں معزول کردئیے گئے۔ رشدی پاشا وزیر اعظم مقرر ہوئے اور خیر اللہ آفندی شیخ الاسلام بنائے گئے۔ نیز مدحت پاشا بھی رتبۂ وزارت کے ساتھ مجلس اعلیٰ کا رکن مقرر ہوگیا۔

لیکن وزارت کی تبدیلی سے حالات میں کوئی اصلاح نہیں ہوئی۔ ندیم پاشا اگرچہ معزول کردیا گیا تھا، لیکن محض ایک سطحی تبدیلی تھی۔ سلطان بدستور ندیم پاشا کے ہاتھوں میں تھا۔ ندیم پاشا روسی سفارت خانہ سے احکام حاصل کرتا، اور انکے مطابق سلطان کو مخفی مشورے دیتا رہتا۔

عام رائے نے جلد معلوم کرلیا کہ ندیم پاشا امروز فردا ہی میں پھر برسر حکومت آجائے گا۔ اُس کی معزولی محض ایک دکھاوے کی کارروائی ہے۔ اسی اثنا میں روسی سفیر جنرل اگناٹیف نے ہر طرف مشہور کردیا کہ دار السلطنت میں عنقریب بغاوت ہونے والی ہے۔ مسلمان عیسائیوں کے قتل کی عام طیاریاں کررہے ہیں۔ ساتھ ہی اُسنے یہ بھی کیا کہ مانٹی نگرو سے سو مسلح نوجوان بلائے اور اپنی سفارت کی حفاظت کے لئے مقرر کردئیے۔ اس کارروائی نے تمام شہر میں تشویش پیدا کردی۔ قسطنطنیہ کی مسیحی آبادی نے کاروبار بند کردیا، اور شہر چھوڑ دینا چاہا۔ ان کارروائیوں سے روسی سفیر کا مدعا یہ تھا کہ محمود پاشا کی دوبارہ وزارت کے لئے میدان صاف کرے۔ وہ یہ دکھلانا چاہتا تھا کہ نئی وزارت امن و امان قائم نہیں رکھ سکتی، اور مسیحی رعایا کے لئے خطرہ پیدا ہوگیا ہے۔

ترکوں نے یہ حالت دیکھی، تو وہ مرعوب نہیں ہوئے، اُنھوں نے خود سلطان کے معزول کردینے کا ارادہ کرلیا۔ کیونکہ اب وہ سمجھ گئے تھے کہ اس شخص کی موجودگی میں کسی قسم کی اصلاح ممکن نہیں۔

یہ خبر ہوا کی طرح بازاروں میں پھیل گئی۔ وہاں سے قصر شاہی میں پہنچی۔ سلطان بہت پریشان ہوئے۔ والدہ سلطان نے مدحت پاشا کے پاس اپنا معتمد علیہ خواجہ سرا جوہر آغا بھیجا اور دریافت کیا کہ قوم کی ناراضی دور کرنے کے لئے کونسا طریقہ مفید ہوسکتا ہے؟

مدحت پاشا نے فوراً اصلاحات کا ایک مسودہ طیار کیا اور سلطان کی خدمت میں یہ کہہ کر پیش کیا کہ اسے جاری کردینے سے عام رائے مطمئن ہوجائے گی۔ مگر سلطان کی نخوت نے اُسے منظور نہ کیا۔

اس تمام مدت میں سلطان، محمود ندیم پاشا کے مشوروں پر عمل کرتا رہا اور محمود ندیم، جیسا کہ بیان ہوچکا ہے، روسی سفیر کی انگلیوں پر ناچ رہا تھا۔ محمود ندیم نے سلطان کو ترغیب دی کہ حسین عونی پاشا کو جلا

برید فرنگ

مکتوب جرمنی

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم برلن کے قلم سے)

قیصر کی جرمنی میں واپسی - قیصر کے موجودہ خیالات -

قیصر کی واپسی

اپنے کسی پچھلے مکتوب میں قیصر ولہلم کی جرمنی میں واپسی پر مفصل بحث کر چکا ہوں - عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ گزشتہ ماہ جولائی میں قیصر ضرور واپس آجائے گا - لیکن جولائی پر دو ماہ اور گزر گئے ، اور قیصر کی جلا وطنی ختم نہ ہوئی - حکومت جرمنی نے قیصر کی جلا وطنی والے قانون کی مدت میں دو سال کا مزید اضافہ کر دیا ہے - لوگ حیرت و تعجب سے اس کا سبب دریافت کر رہے ہیں ؟

یہ واقعہ ہے کہ گذشتہ ماہ جولائی میں قیصر واپس آنے والا تھا جولائی کی قید اس لئے تھی کہ قیصر کی جلا وطنی والے قانون کی مدت اسی مہینے میں ختم ہو جاتی تھی - لیکن مدت ختم ہونے سے تین چار دن پہلے حکومت نے اس میں دو سال کی مزید توسیع کر دی - یہ کارروائی خود قیصر کے اشارے سے ہوئی تھی - اصلی وجہ یہ تھی کہ اب تک فرانسیسی فوجوں نے جرمنی کی سرزمین خالی نہیں کی ہے - اسوقت وہ دریائے رین پر قلعے بنا رہی ہیں جب تک یہ قلعے طیار نہیں ہو جائیں گے ، وہ جرمنی خالی نہیں کریں گی - خیال کیا جاتا ہے کہ سنہ ۱۹۲۹ء کے موسم سرما میں تعمیر مکمل ہو جائے گی اور پورا جرمنی آزاد ہو جائے گا -

دراصل قیصر ولہلم نے اُسوقت تک کے لئے جرمنی میں قدم رکھنے سے انکار کر دیا جب تک اُس کی سرزمین پر ایک اجنبی سپاہی بھی موجود ہے - یہی سبب ہوا کہ کچھ عرصہ کے لئے قیصر کی واپسی پھر ملتوی ہو گئی -

قیصر نے انکار کیوں کیا ؟ کیا سرحد پر فرانس کی مختصر فوجوں کی موجودگی اُس کے لئے خطرناک تھی ؟

یہاں خطرے کا سوال نہ تھا - خودداری کا سوال تھا قیصر کی عزت نفس نے گوارا نہ کیا کہ اپنے وطن اس حال میں واپس ہو جبکہ اُس کی سرزمین پر اجنبی سپاہی موجود ہیں -

اپنے کسی پچھلے مکتوب میں اُس نزاع پر روشنی ڈال چکا ہوں جو قیصر کی نئی بیوی اور سابق ولی عہد کی بیوی میں جاری ہے - میں نے لکھا تھا کہ قیصر کی بیوی جرمنی میں آکر مقیم ہو گئی ہے تاکہ اپنے شوہر کی تخت نشینی کیلئے میدان صاف کرے - دوسری طرف ولی عہد کی بیوی اپنے بڑے لڑکے کو جرمنی کا بادشاہ بنانے کی کوشش کر رہی ہے - لیکن اب یہ نزاع کلیتہً دُور ہو چکی ہے - تمام شاہ پسند متحد و متفق ہو گئے ہیں اور صرف قیصر کی حمایت کر رہے ہیں -

چند اہم تبدیلیاں

پچھلے چند ماہ میں اہم تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں - پہلے شاہ پسندوں کا زعیم مارشل لوڈنڈارف تھا - اب قیصر نے اُسے معزول کر دیا ہے - اب ہنڈنبرگ جمہوری حکومت کی صدارت کے ساتھ ، شاہ پسندوں کا بھی سرگروہ بن گیا ہے - مارشل لوڈنڈارف نے کئی سال بے کار گزار دیئے اور شاہی تحریک کو کوئی ترقی نہیں دی - لیکن مارشل ہنڈنبرگ نے غیر معمولی تدبر سے کام لے کر پوری کامیابی حاصل کر لی ہے - قیصر کے مخالفوں کا سب بڑا اعتراض یہ تھا کہ ایک نہایت نازک زمانے میں قیصر اپنا ملک چھوڑ کر ہالینڈ بھاگ گیا - لیکن ہنڈنبرگ نے اب یہ اعتراض دُور کر دیا ہے - اُسنے قیصر کی اس حرکت کی تمام ذمہ داری خود اپنے سر لے لی ہے - اُسنے صاف لفظوں میں اعلان کر دیا :

" میں نے ہی قیصر کو اس فعل پر مجبور کیا تھا - حالانکہ وہ راضی نہ تھا - درحقیقت قیصر نے ملک چھوڑ کر ملک کی بڑی خدمت انجام دی ہے - اُس نے خود ذلت اُٹھانا گوارا کر لیا تاکہ ملک کی عزت برقرار رہے - اگر قیصر فوراً ہالینڈ چلا نہ جاتا تو ایک طرف جرمنی کی تمام فوجیں تباہ ہو جاتیں کیونکہ اُس کی عزت ہرگز ہتھیار رکھ دینا قبول نہ کرتی - دوسری طرف اتحادی سلطنتیں ملک کے شہنشاہ کو گرفتار کر کے مجرموں کی طرح سزا دینے کی کوشش کرتیں - انہی وجوہ کی بنا پر میں نے قیصر کو جلا وطنی پر مجبور کر دیا تھا "

ہنڈنبرگ کے اس اعلان نے جرمنی کے اکثر باشندوں کو مطمئن کر دیا ہے - اب وہ قیصر کے بھاگنے کو اُس کا عیب و نقص نہیں ، بلکہ ایک ملکی خدمت اور عظیم قربانی سمجھنے لگے ہیں -

قیصر پر ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ اُسنے اپنی ملکہ کے فوت ہوتے ہی نہایت بے وفائی کے ساتھ دوسری شادی کرنے میں جلدی کی - ہنڈنبرگ نے یہ اعتراض بھی دُور کر دیا اور اس کی ذمہ داری بھی خود اوڑھ لی ہے اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اُسنے ایک طرف سابق ولی عہد کو راضی کر لیا کہ اپنے باپ کے خلاف کوئی کوشش نہ کرے ، دوسری طرف ولی عہد کی بیوی اور قیصر کی نئی بیوی میں بھی صلح کرا دی - غرضکہ اُسنے تمام شاہ پسندوں کو ایک خیال پر جمع کر دیا - اب سب صرف قیصر کی تخت نشینی چاہتے ہیں -

ہنڈنبرگ نے یہ صورت حال صرف پروشیا ہی میں پیدا نہیں کر دی بلکہ جرمنی کے تمام صوبوں اور ریاستوں کو بھی قیصر کی حمایت پر آمادہ کر دیا ہے - اب جب قیصر واپس ہوگا تو یقین کیا جاتا ہے کہ صرف پروشیا ہی کا نہیں بلکہ ریاست سکسونی کو چھوڑ کر تمام جرمنی کا شہنشاہ ہوگا - (ریاست سکسونی میں بالشویک خیالات مقبول ہو گئے ہیں اور وہاں عنقریب سویٹ حکومت قائم ہو جانے والی ہے) صرف اسی قدر نہیں بلکہ اُمید کی جاتی ہے کہ آسٹریا بھی اُس کے زیر نگیں آجائے گا - کیونکہ اس وقت وہاں جرمنی سے الحاق کا خیال بہت عام ہو رہا ہے -

شاہ پسندوں کی انجمنیں

اسوقت جرمنی میں شاہ پسندوں کی بارہ انجمنیں قائم ہیں - یہ انجمنیں نہایت سرگرمی سے مصروف عمل ہیں - تقسیم عمل کے اصول پر ہر انجمن نے تحریک کے مختلف کام بانٹ لئے ہیں -

مثلاً ایک انجمن کا کام یہ ہے کہ وہ دُنیا بھر میں قیصر کو مقبول بنانے کی دعوت پھیلا رہی ہے - اس سلسلہ میں اُس کی تمام تر کوشش یہ ہے کہ جنگ عمومی کی ذمہ داری سے قیصر کو بری ثابت کرے اور سفاکی و خونریزی کے وہ تمام الزام دُور کر دے جو اتحادی سلطنتوں نے قیصر پر لگا رکھے ہیں - اس انجمن نے بڑی کامیابی حاصل کی ہے - دُنیا کی عام رائے اب قیصر کی اُتنی مخالف نہیں رہی جتنی پہلے تھی -

ایک دوسری انجمن کا نام " شعبۂ خارجیہ " ہے - اس کا مقصد یہ ہے کہ تمام سلطنتوں اور قوموں کے خیالات قیصر کے متعلق معلوم کرتی رہتی ہے - اس کی تازہ روداد سے ثابت ہوتا ہے کہ دُول یورپ میں صرف ایک فرانس ہی ایسی دولت ہے جو اب تک قیصر کی دشمنی پر قائم ہے - باقی سلطنتوں کو زیادہ پرخاش باقی نہیں رہی - روداد میں ظاہر کیا گیا ہے کہ اٹلی اور امریکہ ، قیصر کی واپسی کی کوئی مخالفت نہیں کریں گے - انگلستان کی مخالفت کا بھی اندیشہ نہیں ہے ، اِلّا یہ کہ مسٹر لائیڈ جارج پھر برسر حکومت آجائے اور اس کی اب کوئی امید نہیں -

تیسری انجمن کا نام " انجمن مظاہرات " ہے - اس کا کام یہ ہے کہ پورے جرمنی میں قیصر کی حمایت کے مظاہرے کیا کرتی ہے - چنانچہ کوئی مہینہ خالی نہیں جاتا جس میں بڑے بڑے شہروں کی سڑکوں پر عام مظاہرے نہ نکلتے ہوں - یہ انجمن قیصر کی تصویریں اور مورتیں مفت تقسیم کرتی ہے - نیز ایسے عام جلسوں کا اہتمام کرتی ہے جن میں تمام شاہی رسمیں برتی جاتی ہیں -

چوتھی انجمن کا کام یہ ہے کہ تحریر کے ذریعہ قیصر کی حمایت کے افکار پھیلاتی رہے - چنانچہ اس کی سرپرستی میں بکثرت اخبار نکل رہے ہیں اور سیکڑوں لائق انشا پرداز مضامین اور کتابیں لکھتے رہتے ہیں -

پانچویں انجمن بحری و بری فوجوں اور پولیس میں اپنے مقاصد کی اشاعت کر رہی ہے اور پوری کامیابی حاصل کر چکی ہے - اسوقت جرمن فوج اور پولیس میں مشکل سے کوئی آدمی ایسا نکلے گا جو قیصر کا حامی نہ ہو - حتیٰ کہ خفیہ پولیس کے آدمی بھی اس تحریک میں شامل ہو چکے ہیں

مختصر یہ کہ پورا جرمنی قیصر کے لئے چشم براہ ہے - عام باشندے ہی نہیں بلکہ جمہوری حکومت اور اُس کے اکثر ارکان بھی اسی خیال کے ہو گئے ہیں - ہنڈنبرگ تو اپنی شاہ پسندی میں پوری طرح مشہور ہو چکا ہے لیکن موجودہ وزیر اعظم ہر سٹرسمان بھی کچھ کم شاہ پسند نہیں ہے کوشش ہو رہی ہے کہ کسی طرح فرانسیسی فوجیں جلد سے جلد جرمنی کی سرحد خالی کر دیں تاکہ قیصر مرنے سے پہلے واپس آجائے -

قیصر کے خیالات

یقیناً یہ معلوم کرنا نہایت دلچسپی کا موجب ہے کہ اسوقت جبکہ قیصر کی

(بقیہ مضمون صفحہ)

وطن کر دیں - یہ روسی اثرات کا مخالف اور ایک دیانت دار شخص تھا سلطان نے اُسے صوبہ بروسہ کا حاکم مقرر کر کے حکم دیا کہ پایۂ تخت سے روانہ ہو جائے حسین عونی بیمار تھا - مگر سلطان نے اُسے جبراً بھجوا دیا - اسی قسم کا برتاؤ اور بہت سے مخلص اشخاص کے ساتھ بھی کیا گیا -

کچھ مدت بعد حسین عونی پاشا بروسہ سے لوٹ آیا اور دیکھا کہ عام رائے سلطان کے معزول کر دینے پر مصر ہے - اُسنے اس بارے میں بعض سربرآوردہ آدمیوں سے مشورہ کیا - سب نے بالاتفاق اس تجویز کی حمایت کی ؛

واپسی کے لئے جرمنی میں میدان طیار ہو چکا ہی، خود قیصر کی ذہنیت کیا ہی؟ یہاں کے اخباروں نے حال ہی میں قیصر کی ایک گفتگو شایع کی ہی۔ اُسنے یہ گفتگو ایک انگریز ممبر پارلیمنٹ سے کی تھی۔ اس کا خلاصہ حسب ذیل ہی:

دُنیا کی آیندہ جنگ

"دس برس گزرنے سے پہلے" قیصر نے کہا "دنیا کو ایک اور عظیم جنگ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس جنگ میں یورپ کی تمام سلطنتیں شریک ہوں گی۔ کوئی بھی اُس سے علیحدہ نہ رہ سکے گی۔ میں یہاں اپنی جلاوطنی کی جگہ سے بیٹھا دیکھ رہا ہوں کہ مغرب کے افق سے ایک ہولناک جنگ کی گھٹائیں اُٹھ رہی ہیں۔ یہ ایسی سخت جنگ ہوگی جس کے سامنے پچھلی جنگ ہیچ ہو جائے گی۔ تمام دنیا خون میں غرق ہو جائے گی۔ بہت سے ملک ویران ہو جائینگے۔ بہت سی سلطنتیں ناپید ہو جائیں گی۔ دُنیا کی تمام قومیں اُس کی مصیبت سے چیخ اُٹھیں گی۔ ایسی مصیبتیں جن سے عالم انسانیت اب تک ناواقف ہی۔ یقیناً یہ جنگ نہایت ہیبت ناک ہوگی کیونکہ اُس کے ظہور کے وقت دُنیا کی تمام قومیں پُورے طور پر نئے اسلحہ سے آراستہ ہوں گی"

"ہاں، میں دیکھ رہا ہوں کہ تمام قومیں جنگ کی طیاریاں کر رہی ہیں مجلس اقوام کی بھی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ وہ محض سیاسی تفریح کا ایک نیا سامان ہی۔ اُس کے امن کے وعظوں پر قومیں ہنستی ہیں... تمام سلطنتیں جنگی جہاز، آبدوز کشتیاں، اور ہوائی بیڑے طیار کر رہی ہیں۔ مختلف قسم کے جدید گیس ایجاد کئے گئے ہیں جو اب تک غیر معلوم تھے۔ قومیں نہایت اخفار کے ساتھ ان جہنمی مواد کے تجربے کر رہی ہیں۔ ہر سلطنت نے مہلک ہتیاروں اور گیسوں کے بکثرت ذخیرے جمع کر لئے ہیں تاکہ جب جنگ کا بگل بجے تو پُوری طرح طیار ثابت ہوں"

یہ تمام طیاریاں کیوں ہیں؟ جواب دیا جاتا ہی مدافعت کے لئے! مگر جنگ کا کس طرف سے اندیشہ ہی جبکہ ہر سلطنت مدافعت ہی کی طیاری کر رہی ہی؟"

"تھوڑے دن ہوئے، ایک معزز انگریز میری ملاقات کے لئے یہاں آیا۔ دَورانِ گفتگو میں میں نے پُوچھا، آخر یہ ہر طرف جنگی طیاریاں کیوں ہو رہی ہیں؟ اُس نے جواب دیا "اصلی خطرہ مشرق میں ہی۔ جنگ عمومی کے بعد مشرقی قومیں بیدار ہو گئی ہیں اور مغربی حکومتوں کے خلاف طیار ہو رہی ہیں۔ اُن کی ہولناک بغاوت کے خوف سے یورپ جنگی طیاری پر مجبور ہو گیا ہی!"

"میں اس جواب پر ہنس پڑا۔ میں نے کہا مغربی قومیں، مشرقی قوموں سے ہرگز خائف نہیں ہیں۔ دراصل وہ آپس ہی میں ایک دوسرے سے ڈرتی ہیں۔ مغربی قوموں میں باہم سخت حسد اور منافست ہی سیاسی مدبر ایک دوسرے سے چکنی چپڑی باتیں کرتے ہیں۔ مگر حکومتوں کے وزیر اور فوجوں کے سپہ سالار آیندہ جنگی میدانوں کے نقشے بنانے میں مصروف ہیں۔ ایک طرف سفرا ردو دل کھڑے زیتون کی شاخ ہلا رہے ہیں (یعنی امن پسندی کا اظہار کر رہے ہیں) دوسری طرف بحری سپہ سالار جدید ترین آبدوزوں اور جہنمی مادّوں کے تجربے کر رہے ہیں۔ اُن کی کوشش ہی کہ کسی طرح زہریلی گیس سمندر کی موجوں پر پھیلانے میں بھی کامیابی حاصل کر لیں!"

"ہوابازوں نے محیط اٹلانٹک کے عبور کی کوشش شروع کر دی ہی ہر ہفتے ہم ایک نئی کوشش کی خبر سنتے ہیں۔ کرنل لنڈبرگ نے اپنی حیرت انگیز جرأت سے ثابت کر دیا ہی کہ محیط اٹلانٹک، پیسیفک، یا محیط ہندی کا ہوائی جہاز سے عبور کرنا ناممکن نہیں ہی۔ آیندہ جنگ ایسے ہواباز پیدا کر دے گی جو سمندر کی موجوں پر ہنسیں گے اور اپنے عمل سے ثابت کر دیں گے کہ سمندر پار رہ کر بھی کوئی قوم جنگ کی ہولناکیوں سے محفوظ نہیں رہ سکتی"

"میرے عہد حکومت میں کونٹ زیپلن نے ایک دن مجھ سے کہا اگر جرمنی کے پاس زیپلن وضع کے ۵۰۰ ہوائی جہازوں کا بیڑا ہو جائے، تو تمام دُنیا پر جرمنی کی برتری قائم ہو سکتی ہی۔ اگر اعلیٰ حضرت کی حکومت ضروری مصارف مہیا کر دے تو میں ایک سال کی مدت میں پانسو جہاز طیار کر دے سکتا ہوں۔ ایک سال اور ایک ہفتہ کے بعد جرمنی تمام دُنیا پر حکومت کرے گا!" لیکن مجلس حکومت نے یہ تجویز منظور نہیں کی"

"اگر میرے لئے پیشین گوئی کرنا جائز ہو، تو میں تھیں اُن قوموں کے نام بھی بتا دے سکتا ہوں جو آیندہ جنگ میں حملہ آورانہ یا مدافعانہ شرکت کریں گی۔ لیکن ایک جلا وطن بادشاہ کے لئے یہ ہرگز مناسب نہیں کہ وہ اُنگلی اُٹھا کر اُن قوموں کی طرف اشارہ کرے جو جنگ کا تنور سُلگا رہی ہیں!"

"آیندہ جنگ کئی سال تک جاری نہیں رہے گی جیسی کہ پچھلی جنگ تھی۔ آیندہ جنگ میں ہر کام بجلی کی سی تیزی سے ہوگا۔ جنگ کا صُور پُھنکتے ہی تاربرقی اور بے تار برقی کے آلات میں حرکت ہوگی، اور چشم زدن میں تمام جنگجو قوتیں اُٹھ کھڑی ہوں گی۔ غیر مرئی آبدوزیں اپنی جگہوں سے نکل پڑیں گی۔ ہولناک ہوائی بیڑے آسمان کی سطح پر چھا جائیں گے۔ قتل و ہلاکت کے سامان حیرت انگیز سرعت سے منتقل ہونے لگیں گے، اور چند گھنٹوں کے اندر خشکی اور تری کی تمام زندگیاں موت سے بدل جائیں گی۔ پچھلی جنگ میں ایک جہاز کے غرق ہونے میں جتنی دیر لگتی تھی، اُس سے سو گنا جلد غرقابی عمل میں آئے گی۔ اس جنگ وہی قوم کامیاب ہوگی، جو سب سے پہلے اپنی آبدوزیں اور ہوائی بیڑے میدان میں پہنچا سکے گی، تاکہ سب سے پہلے اپنی جہنمی فرائض ادا کر دے!"

"مستقبل کی جنگ میں فوجیں، عقابوں کی طرح اچانک ٹوٹ پڑیں گی۔ اگر تمام سلطنتیں سرعت عمل میں برابر نہ ہوں گی، تو کامیابی پیشقدمی کرنے والی سلطنت کو حاصل ہوگی۔ بہت ممکن ہی، اُس جنگ میں بڑی بڑی سلطنتوں کی پُوری قوت صرف ۴۸ گھنٹے میں برباد ہو جائے!"

"یہ اس لئے کہ مستقبل جنگ کے طریقے بہت ہی سریع اور ہولناک ہو گئے۔ اس جنگ میں سب سے زیادہ ضروری اور مفید عنصر جاسوسوں کا ہوگا۔ یہ عنصر اس وقت بھی ہر سلطنت کے یہاں بہت بڑی وسعت کے ساتھ موجود ہی۔ ہر سلطنت دوسری سلطنت کی طیاریاں اپنے جاسوسوں کے ذریعے معلوم کر رہی ہی۔ جس سلطنت کی اطلاع زیادہ وسیع اور صحیح ہوگی، وہی اُس جنگ میں فتح یاب ہوگی۔ جنگ عمومی سے پہلے اور اُس کے دَوران میں جرمنی کا محکمۂ جاسوسی بہت مکمل تھا۔ ہمارے جاسوس دُنیا کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے تھے۔ اس محکمہ کی نگرانی خود میں نے اپنے ذمے لے رکھی تھی۔ میں تمام بڑے بڑے جاسوسوں سے براہ راست ملتا اور نہایت غور اور محنت سے اُن کی خفیہ رُوداد یں مطالعہ کیا کرتا۔ دُنیا میں ہر لمحے جو کچھ بھی ہوتا تھا، اُس کا علم مجھے حیرت انگیز سرعت سے ہو جایا کرتا تھا"

"میں خوب جانتا ہوں کہ اسوقت دُنیا میں جاسوسی، پہلے سے کہیں زیادہ موجود ہی۔ خاص طور پر روس کا محکمۂ جاسوسی سب سے زیادہ منظم ہی۔ میں اُن تمام سلطنتوں کے نام گنا سکتا ہوں جن کے جاسوس دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں حتیٰ کہ یہاں خود میرے گرد بھی اُن کے جاسوسوں کا ہجوم ہی۔ وہ خیال کرتی ہیں، میرا وجود اُن کی سلامتی کے لئے خطرہ ہی۔ حالانکہ اگر ان سلطنتوں کو عقل ہوتی تو وہ جان لیتی کہ اس بڑھاپے میں میری سب سے بڑی آرزو یہ ہی کہ اپنی حکومت پر واپس جاؤں اور دُنیا کو ایک نیا سبق دوں۔ حرب و ضرب کا نہیں، صلح و آشتی کا!"

"جنگ، دنیا میں ہمیشہ باقی رہیگی کیونکہ انسان کی فطرت میں طمع و حرص کے جذبات راسخ ہیں۔ جنگ کو معدوم کرنے کی کوششیں بالکل بے کار ہیں۔ ہاں جنگ کو کم کرنے کی کوششیں مفید ہو سکتی ہیں اگر میں اپنے قدیم تخت پر ہوتا، تو دنیا کو امن و سلامتی کا ایک نیا راستہ دکھا سکتا تھا۔ لیکن میں دُنیا سے الگ کر دیا گیا ہوں سلطنتیں میری ہلاکت کی کوشش کر رہی ہیں، حالانکہ اس سے اُنھیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ اگر وہ مجھ سے مشورہ کریں اور مجھے جرمنی واپس جانے دیں، تو میں اُنھیں بہت کچھ نفع پہونچا سکتا ہوں"

برلن ۲۸ ستمبر ۱۹۲۷ء

معاہدۂ حجاز و برطانیہ

"برید شرق" میں ہم ایک مراسلت درج کر چکے ہیں جس میں معاہدۂ حجاز و برطانیہ کی تمام تفصیلات درج ہیں۔ مراسلہ نگار نے لکھا ہی کہ بعض مسائل جو اس معاہدہ میں طے نہ ہو سکے، ضمیمہ میں اُنکے بحث طلب ہونے کا اعتراف کیا گیا ہی، اور کسی آیندہ مناسب موقعہ کے لئے ملتوی کر دیئے گئے ہیں۔

اب تازہ ڈاک سے حجاز کا سرکاری جریدہ "ام القریٰ" مورخہ ۲۳ ستمبر ۲۷ء موصول ہوا ہی۔ اسمیں معاہدہ کی وہ عربی نقل بجنسہ موجود ہی جو مراسلہ نگار نے ہمارے پاس بھیجی تھی۔ ساتھ ہی وہ خط و کتابت بھی شایع کر دی ہی جو بعض مختلف فیہ مسائل کی نسبت فریقین میں ہوئی تھی۔ اس خط و کتابت کا تعلق انہی مسائل سے ہی جنھیں مراسلہ نگار نے "بحث طلب" اور "ملتوی شدہ" قرار دیا ہی۔

پہلا خط سر گلبرٹ کلیٹن کا (مورخہ ۱۹ مئی ۲۷ء) ہی جسمیں وہ لکھتا ہی: "آپکی تجویز ہی کہ معاہدہ میں ایک دفعہ اس مضمون کی بڑھا دی جائے کہ حکومت برطانیہ کی جانب سے وہ تمام رکاوٹیں دُور کر دی جائیں گی جو اسلحہ اور جنگی مواد کے خریدنے اور منگوانے میں حائل ہو سکتی ہیں۔ میں آپکو حکومت برطانیہ کی جانب سے یہ اطلاع دینے کی عزت حاصل کرتا ہوں کہ اس بارے میں کسی دفعہ کے بڑھانے کی ضرورت نہیں۔ اور مجھے اجازت دی گئی ہی کہ میں آپ کو اطمینان دلادوں کہ جزیرۃ العرب کو جنگی مواد بھیجنے کی ممانعت اب اُٹھا دی گئی ہی، اور اگر آپکی حکومت چاہی تو وہ انگلستان کے کارخانوں سے ہر طرح کا سامان جنگ منگوا سکتی ہی۔ برطانی حکومت کی جانب سے کوئی رکاوٹ اسمیں ڈالی جائے گی"

اس کے جواب میں حکومت حجاز کی جانب سے ۱۹ مئی کو لکھا گیا:

"آپکے اس اطلاع کے جواب میں کہ "جزیرۃ العرب میں اسلحۂ جنگ کی خرید اور انکا درود آپکی حکومت کی جانب سے ممنوع نہیں ہی" تشکریہ ادا کیا جاتا ہی"

دوسرے خط میں حجاز کے حدود کا ذکر ہی۔ حکومت حجاز معترض تھی کہ عقبہ اور معان حجاز کے حدود میں داخل ہیں۔ برطانیہ حجاز اور شرق الاردن کی حدود طول بلد ۳۸ شرقی اور عرض بلد ۳۵، ۲۹ شمالی قرار دیتا تھا جس سے یہ مقامات نکل جاتے تھے۔ اسپر ۱۸۔ ذی قعدہ کو حکومت حجاز کی جانب سے لکھا گیا۔

"آپکے خط سے معلوم ہوا کہ حکومت برطانیہ اپنی رائے پر مُصر ہی۔ چونکہ بحالت موجودہ اس نزاع کا آخری فیصلہ مشکل ہی، اس لئے ہم اسکے لئے طیار ہیں کہ یہ مسئلہ بالفعل ملتوی کر دیا جائے، اور آیندہ کسی مناسب موقعہ پر اس کا آخری فیصلہ عمل میں آئے"

اس خط و کتابت سے معلوم ہوا کہ جہاں تک مسئلۂ اسلحہ کا تعلق ہ

بصائر و حکم

عالم انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں

اکابر تاریخ اسلام کی مختصر وفیات

حضرت امام شافعیؒ

امام مزنی کہتے ہیں، جس دن حضرت امام شافعی رح نے انتقال کیا اُس کی صبح کو میں عیادت کے لئے حاضر ہوا تھا۔

" مزاج کیسا ہو؟ میں نے سوال کیا۔

اُنھوں نے ٹھنڈی سانس لی:

" دُنیا سے جا رہا ہوں، دوستوں سے جدا ہو رہا ہوں، موت کا پیالہ مُنہ سے لگا ہو۔ نہیں علم میری روح جنت میں جائے گی کہ اُسے مبارکباد دوں، یا دوزخ میں جائے گی کہ اُسے تعزیت پیش کروں؟"

پھر یہ شعر پڑھے:

ولما قسا قلبی وضاقت مذاہبی — جعلت الرجا منی لعفوک سلّما

اپنے دل کی سختی اور اپنی بیچارگی کے بعد میں نے تیری عفو پر اپنی امید کو سہارا بنا لیا ہو۔

تعاظمنی ذنبی فلما قرنتہ — بعفوک ربی کان عفوک اعظما

میرا گناہ میری نظر میں بہت ہی بڑا تھا، مگر جب تیرے عفو کے مقابلے میں اُسے رکھا، تو اے رب، تیرا عفو زیادہ بڑا نکلا۔

۲۰۴ھ (۸۱۹ء) میں وفات پائی۔

مامون الرشید

نزع کے وقت جاحظ عیادت کو حاضر ہوا۔ کسی جانور کی کھال کا بچھونا بچھا تھا۔ بچھونے پر ریت پڑی تھی، اور خلیفہ ریت پر لوٹ رہا تھا۔ یہ الفاظ زبان پر تھے:

" اے وہ جس کی پادشاہی کبھی زائل نہ ہوگی، اُس پر رحم فرما جس کی پادشاہی جا رہی ہو! اے وہ جو کبھی نہیں مرے گا، اُس پر رحم کر جو مر رہا ہو!"

جاحظ نے کہا۔ " خدا امیر المومنین کا ثواب زیادہ کرے اور تندرستی بخشے!"

" میری تندرستی کی دعا نہ کرو" مامون نے فوراً کہا۔ " بلکہ میرے لئے مغفرت کی دعا کرو"

پھر کہا۔ " خدایا! تو نے ہمیں حکم دئے اور ہم نے نافرمانی کی۔ تو مجھے بخش دے کیونکہ تو بڑا ہی رحیم ہو" اس پر روح پرواز کر گئی

۲۱۸ھ (۸۳۳ء) میں وفات پائی۔

حکیم ابو العتاہیہ

مشہور زاہد و حکیم شاعر ابو العتاہیہ سے موت کے وقت پوچھا گیا۔

" کوئی خواہش باقی ہو؟"

کہا۔ " ہاں، میری خواہش یہ ہو کہ مغنی " مخارق " آئے اور میرے سرہانے میرے یہ شعر گائے:

اذا ما انقضت منی من الدہر مدتی — فان عزاء الباکیات قلیل!

جبکہ دنیا میں میری زندگی کی مدت ختم ہو چکی ہو تو رونے والیوں کی تعزیت بھی بہت کم ہو۔

سیعرض عن ذکری وتنسیٰ مودتی — ویحدث بعدی للخلیل خلیل!

سب میرے خیال سے مُنہ پھیر لیں گے، میری محبت بھول جائیں گے۔ میرے بعد بھی دوست اپنے دوستوں سے باتیں کرینگے۔

۲۲۱ھ (۸۳۵ء) میں انتقال کیا۔

خلیفہ واثق باللہ

خلیفہ واثق باللہ نے مرتے وقت یہ شعر پڑھے:

الموت فیہ جمیع الناس تشترک — لا سوقۃ منہم یبقی ولا ملک

موت میں سب برابر کے شریک ہیں۔ نہ بازاری لوگ بچیں گے نہ بادشاہ ہی زندہ رہیں گے۔

ما ضر اہل قلیل فی مفاقرہم — ولیس یغنی عن الملاک ما ملکوا

غریبوں کو اُن کی قبر میں غربت نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ امیروں کو اُن کی امیری بھی کوئی نفع نہ پہنچائے گی۔

پھر حکم دیا، فرش اُٹھا دیا جائے۔ فوراً تعمیل کی گئی۔ خلیفہ نے اپنا رخسار زمین پر رکھ دیا اور چلّایا:

" اے وہ جس کی پادشاہی لازوال ہو، اُس پر رحم کر جس کی پادشاہی ختم ہو گئی!"

یہ کہتے ہی انتقال ہو گیا (۲۳۲ھ ۸۴۶ء)

خلیفہ منتصر باللہ

خلیفہ محمد منتصر باللہ ایک دن دیبا کے فرش پر بیٹھا تھا۔ اتفاق سے اُس کی نظر ایک فارسی عبارت پر پڑ گئی جو فرش پر کندہ تھی۔ خلیفہ نے اُسے پڑھوایا تو لکھا تھا:

" محمد شیرویہ بن کسریٰ نے اپنے باپ کو قتل کیا، لیکن اُس کے بعد پادشاہی سے کوئی تمتع حاصل نہ کر سکا"

خلیفہ کے چہرہ کا رنگ بدل گیا۔ فوراً ہی مجلس سے اُٹھ گیا چند ہی روز بعد بیمار پڑا اور زندگی سے مایوس ہو گیا۔ ماں عیادت کو آئی تو خلیفہ نے کہا " دُنیا اور آخرت دونوں میرے ہاتھ سے نکل گئیں۔ میں نے اپنے باپ کی موت میں جلدی کی، لہذا میری موت میں بھی جلدی کی گئی"

پھر یہ شعر پڑھا:

فما فرحت نفسی بدنیا اصبتہا — ولکن الی اللہ الکریم اصیر

دنیا کے حاصل ہو جانے سے میری رُوح کو کوئی خوشی نصیب ہوئی اب میں خدا کی طرف جا رہا ہوں۔

۲۴۹ھ۔ ۸۶۳ء میں وفات ہوئی۔

امام جاحظ

ادب عربی کا مشہور امام، جاحظ کا جب وقت آخر ہوا تو ابو العباس المبرد عیادت کو گیا۔

مزاج پرسی کے جواب میں جاحظ نے کہا:

" وہ شخص کیسا ہوگا جس کا آدھا دھڑ سُن ہو گیا ہو، حتیٰ کہ اگر آرے سے بھی چیر دیا جائے تو اُسے پتہ نہ چلے؟ اور آدھا دھڑ اتنا حسّاس ہو گیا ہو کہ اگر مکھی بھی اُس کے قریب اُڑے تو درد محسوس کرنے لگے؟"

پھر یہ شعر پڑھے:

اترجو ان تکون، وانت شیخ — کما قد کنت ایام الشباب؟

کیا تو آرزو کرتا ہو کہ اب بڑھاپے میں بھی ویسا ہی ہو جائے جیسا جوانی کے دنوں میں تھا؟

لقد کذبتک نفسک لیس ثوب — دریس کالجدید من الثیاب؟

تیرا نفس جھوٹا ہو۔ پُرانا کپڑا نئے کپڑے کی طرح کیونکر ہو سکتا ہو؟

۲۵۵ھ (۸۶۹ء) میں انتقال کیا۔

خلیفہ معتضد باللہ

سولھواں عباسی خلیفہ، معتضد باللہ سخت ظالم و مستبد تھا۔ وفات کے وقت اپنا مرثیہ اُس نے یوں پڑھا:

تمتع من الدنیا فانک لا تبقی — وخذ صفوہا ما ان صفت، ودع الرنقا

دنیا سے لطف اُٹھا لے کیونکہ تو باقی نہیں رہے گا۔ اُس کی بھلائی لے لے اور بُرائی چھوڑ دے!

ولا تأمن الدہر الذی قد امنتہ — فلم یبق لی حالا ولم یرع لی حقا

اُس دُنیا پر ہرگز بھروسہ نہ کرنا جس پر میں نے بھروسہ کیا تھا، دیکھ اُس نے مجھ سے بیوفائی کی اور کسی حق کا بھی خیال نہ کیا۔

قتلت صنادید الرجال، ولم ادع — عدواً، ولم امہل علی طغیہ خلقا

میں نے بڑے بڑے بہادر مارے۔ کوئی دشمن نہ چھوڑا۔ کسی کو بھی اُس کی سرکشی پر باقی نہ رہنے دیا۔

واخلیت دار الملک من کل نازع — فشردتہم غرباً، ومزقتہم شرقا!

میں نے پایۂ تخت تمام مخالفوں سے خالی کر دیا، اُنھیں پراگندہ کر کے مشرق و مغرب میں پھیلا دیا۔

فلما بلغت النجم عزاً و رفعۃ — وصارت رقاب الخلق اجمع لی رقا،

لیکن جب میں اپنی عزت و رفعت میں ستاروں تک پہنچ گیا اور تمام مخلوق کی گردنوں میں میری غلامی کا طوق پڑ گیا،

رمانی الردی سہما، فاخمد جمرتی — فہا انا ذا فی حفرتی عاجلاً اُلقی!

تو ایسا ہوا کہ موت نے مجھ پر ایک تیر چلایا اور میری آگ بجھا دی۔ دیکھ، اب میں عنقریب ہی اپنے گڑھے میں ڈالا جانے والا ہوں۔

ولم یغن عنی ما جمعت، ولم اجد — لذی ملک منہا، ولا راغب رفقا

میرے جمع کئے ہوئے خزانے میرے کام نہ آئے۔ دولت کے بیزار ہونے والے اور دولت کے لالچی، کسی نے بھی ہمدردی نہ کی!

فیالیت شعری بعد موتی ما القیٰ — الی نعم الرحمٰن ام نار ہ اُلقیٰ؟

آہ کاش! میں جانوں، موت کے بعد اللہ کی نعمتیں پاؤں گا، یا دوزخ میں جھونک دیا جاؤں گا؟ ۲۸۹ھ (۹۰۱ء) میں انتقال کیا۔

مطبوعات الہلال بک ایجنسی

معارف ابن تیمیہ و ابن قیم

دینی علوم کے بیش بہا جواہر ریزے

اس سلسلہ میں ہم نے اماموں کی ان نادر و اعلی درجہ کی بلند پایہ عربی تصانیف کے اردو تراجم کا سلسلہ شروع کیا ہے، جنکا مطالعہ اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروری و ناگزیر ہے - امید کہ یہ "سلسلۂ تراجم" بد نصیب ہندوستان کی دماغی اصلاح کا کام دے :

اسوۂ حسنہ — امام ابن قیم کی فن سیرت میں شہرہ آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصہ کا اردو ترجمہ - بلا جلد ۲ روپے مجلد اڑھائی روپیہ -

کتاب الوسیلہ — لفظ "وسیلہ" کی بحث کے علاوہ امام ابن تیمیہ نے اسلام کے اصل الاصول "توحید" کی مبسوط بحث کی ہے - بلا جلد اڑھائی روپیہ، مجلد سوا تین روپیہ -

اصحاب صفہ — انکی تعداد، ذریعہ معاش، طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے ہیں دس آنے -

تفسیر سورۃ الکوثر — امام ابن تیمیہ کے مخصوص انداز تفسیر کا اردو ترجمہ - چار آنے -

العروۃ الوثقی — خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ کا فرق بدلائل بیان کیا ہے - چھہ آنے -

سیرت امام ابن تیمیہ — حضرت امام کے ضروری حالات زندگی نہایت خوش اسلوبی سے بیان کیے ہیں - نو آنے

نجد و حجاز — علامہ سید محمد رشید رضاء مصری کی تازہ کتاب کا اردو ترجمہ - سوا روپیہ -

ائمہ اسلام — ترجمہ رفع الملام عن ائمۃ الاعلام - بارہ آنے
خلاف الامہ — فی العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — یہ ایک علمی، اسلامی، سہ ماہی رسالہ ہے جس کے خریدار کو ہم نے کمال کوشش و کاوش سے اردو، عربی، فارسی، انگریزی، اور دوسری زبانوں کی تمام اہم اور اعلی مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بہم پہنچانے کا اہتمام کیا ہے - اسکے علاوہ ائمہ و اسلام و بزرگان دین کے حالات، لطائف افسانہ، نظمیں اور ممالک اسلامیہ کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے ہوے حالات درج کیے جاتے ہیں - فی پرچہ ۸ آنہ سالانہ ۲ روپیہ پیشگی -

منیجر الہلال بک ایجنسی

(حلقہ نمبر ۲۴ شیرانوالہ دروازہ لاہور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"
24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پتہ صاف لکھین اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائین

البحر الجلال فی مجلدات الہلال

گاہ گاہے باز خوان این دفتر پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

اردو صحافت کی تاریخ میں الہلال ہی وہ رسالہ ہے جو اپنی تمام ظاہری اور باطنی خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تھی -

الہلال اگرچہ ایک ہفتہ وار مصور رسالہ تھا، لیکن چونکہ وہ اردو صحافت کی مختلف شاخوں میں اجتہاد نظر و فکر کی نئی روح پیدا کرنی چاہتا تھا، اس لئے اس کا ہر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعہ تھا - اس کے ہر نمبر میں مختلف ابواب، مذہب، سیاست، ادبیات، علوم و فنون، اور معلومات عامہ کے ہوتے تھے - اور اسکا ہر باب اپنی مجتہدانہ خصوصیات کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہوتا تھا - پھر اس کی ظاہری خوبیاں اردو صحافت میں اعلی طباعت و ترتیب کا پہلا نمونہ تھیں اردو کا وہ پہلا ہفتہ وار رسالہ تھا، جس میں ہاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا، اور ٹائپ میں چھپنے کی وجہ سے بہت سی ایسی خوبیاں پیدا ہوئیں جو پتھر کی چھپائی میں ممکن نہیں - اس کی جلدیں جدید اردو علم ادب کے علمی، مذہبی، سیاسی، اور اجتماعی مواد و مباحث کا بہترین مجموعہ ہیں - ان کی مقبولیت و قدر کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اس کی تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپیہ میں خرید لیا - اور حال میں ایک صاحب نے اس کی پہلی جلد مکمل (جو دفتر میں بھی موجود نہیں) ساڑھے چار سو روپیہ میں حیدرآباد سے خریدی ہے - جن لوگوں نے اس کے پرچے بحفاظت جمع کئے ہیں وہ بڑی سے بڑی قیمت پر بھی علحدہ کرنے کیلیے تیار نہیں - پچھلے دنوں "البلاغ پریس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الہلال کے پرچوں کا بھی محفوظ ملا، ہم نے کوشش کی کہ شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کی جاسکتی ہیں مرتب کرلی جائیں اور جن جلدوں کی تکمیل میں ایک دو پرچوں کی کمی ہو انہیں دوبارہ چھپوا لیا جاے -

چنانچہ الحمدللہ یہ کوشش ایک حد تک مشکور ہوئی اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کی جلدیں پوری مکمل ہوگئی ہیں - ہم اس اعلان کے ذریعہ شایقین علم و ادب کو آخری موقعہ دیتے ہیں کہ اس قیمتی ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدی کریں، چونکہ جلدوں کی ایک بہت ہی محدود تعداد مرتب ہوسکی ہے اس لئے صرف انہیں درخواستوں کی تعمیل ہوسکے گی جو سب سے پہلے پہونچیں گی - ہر جلد مجلد ہے اور ابتدا میں تمام مضامین کی انڈکس بہ ترتیب حروف تہجی لگادی گئی ہے -

الہلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیہ — الہلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیہ
" " " چہارم ۱۰ روپیہ — " " " پنجم ۱۰ روپیہ

جلد "البلاغ" (جب دوسری مرتبہ الہلال اس نام سے شائع ہوا) قیمت ۸ روپیہ

علاوہ جلد اول کے ہر جلد کے متفرق پرچے بھی موجود ہیں جن میں سے ہر پرچہ اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعہ علم و ادب ہے - قیمت فی پرچہ ۸ آنہ - محصول ڈاک و پیکنگ اس کے علاوہ ہے -

منیجر "البلاغ پریس"

دنیا کي بہترین کتابوں کیلئے بہترین رهنما:

ٹائمز اف لنڈن کا ادبي ضمیمه

یه ضمیمه دنیا کي تمام کتابوں پر هفته وار دلچسپ اور وقیع تبصرہ کرتا هے -

اسکا معتدل نقد علمي حلقوں میں مسلم هے -

اس میں چند صفحات رقت کے جاري اور زیر بحث ادبي فوائد پر بھي هوتے هیں جنکي اهمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا هے -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضه کیجئے که وہ ٹائمز لنڈن کا هفته وار ادبي ضمیمه آپکے لئے مہیا کرے - لیکن اگر آپ چاهیں تو

The Publisher :
Printing House Square
London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے هیں

دنیا کے هر معلم اور ماهر فن تعلیم کیلئے

ضروري هے که

ٹائمز اف لنڈن کا تعلیمي ضمیمه مطالعه کرے

اگر آپ چاهتے هیں که فن تعلیم کے تمام نظري اور عملي تغیرات و ترقیات سے بے خبر نه رهیں ' تو آپکو یه ضمیمه بلا ناغه مطالعه میں رکھنا چاهیے -

یه هر هفته اس موضوع پر تمام اهم خبریں اور مباحث جمع کردیتا هے - ماهرین فن اور مشاهیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب هوتے هیں -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے -

ورنه

The Publisher,
Printing House Square
London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے هیں -

Printed and Published by
Masud Hasan Zuberi at The Al-Balagh Press, 11, Ballygunge Circular Road, Calcutta
Editor : Maulana Abu al-Kalam Azad.

١٩٢٧

الہلال

نمبر ١٩

جلد ١

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت ٥ - آنہ

الهلال

هر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا ہے

قیمت سالانه مع محصول - -	باره روپیه
هندوستان سے باهر کیلیے - -	سوله روپیه
قیمت شش ماهي - - -	سات روپیه
قیمت في پرچه - - -	پانچ آنه

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " مینیجر الہلال " کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں آنکے لفافه پر " ایڈیٹر " کا نام هونا چاهیے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي ہے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ورنه بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانه نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جا رہے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(۷) منی آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بهیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

کچھه عرصه کے بعد بنو اسرائیل کا زوال شروع هوگیا - اهل اسیریا نے رفته رفته ان کے ممالک چھین لیے - ادومیا بھي باجگزار بن گیا - اهل اسیریا کو جب میڈیا والوں کے هاتھوں شکست ملي ' تو ان کے ضعف نے نبطیوں کو پیٹرا پر قابض کرادیا - حضرت اسماعیل کے ۲۲ لڑکے تھے - " نابت " سب سے بڑے تھے - ان سب بھائیوں کي اولاد عرب کے مختلف حصوں میں پھیل گئیں - بنو نابت کو نبطي یا بنو نبایوط بھي کہتے هیں - نبطیوں نے نهایت ترقي کي - ابتداء ان کا پیشه بحري قزاقي تھا - بعد کو ایک طاقتور اور متمدن قوم بن گئے - ان کے مکانات عالیشان اور سنگیں تھے - تجارت ' صناعت ' سنگ تراشي ' شیشه سازي ' ظروف سازي ' پارچه بافي ' میں ان کا کوئي ثاني نه تھا -

انباط کي سلطنت بهت وسیع تھي - اس کے حدود شمال میں دمشق تک ' غرب میں فلسطین تک ' اور جنوب میں وسط عرب تک پھیلے هوئے تھے - پیٹرا یا رقیم ان کا دارالسلطنت تھا - ادومي و نبطي عهد میں پیٹرا تجارت عالم کا مرکز بن گیا تھا - پیٹرا کے عروج کے وقت وادي موسی دنیا کي مشهور ترین شاهراه تھي - کاروانوں کے گھنٹوں کي غیر منقطع جھنکار اور پے در پے قافلوں کے شور و هنگاموں نے اهل روما کو بھي متحیر کردیا تھا - انباط کا آخري بادشاه حارث رابع تھا - یه بادشاه حضرت یحیی اور حضرت عیسی (علیهما السلام) کا هم عصر تھا - اس نے یهودیوں کے بادشاه هیرودوتس قاتل حضرت یحیی پر فوج کشي کي ' اور میدان جنگ میں هزیمت دي - پولوس حواري اسي حارث کے یهاں قید تھا ' اور جیل خانه سے کسي نه کسي طرح فرار هوگیا تھا - حارث کے بعد کوئي طاقتور حکمران پیدا نهیں هوا - دولت انباط اهل روما کي نا قابل تسخیر قوت کي تاب مقاومت نه لا سکي ' اور همیشه کے لیے اپني آزادي کھو بیٹھي -

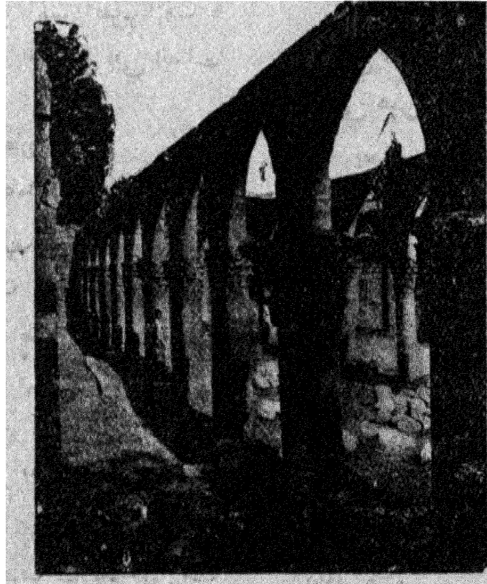
عهد نامه عتیق میں " سلاع " کے نام سے اس شهر کا تذکره هے - عبراني زبان میں سلاع کے معني پهاڑي کے هیں - جب فراعنۂ مصر کے مظالم نے بنو اسرائیل پر سر زمین مصر تنگ کردي تھي ' تو یه شهر بهت زمانه سے آباد تھا ' اور پرانا شهر کہلاتا تھا - بعض روایات میں آیا هے که بنو اسرائیل نے صحرا نوردي سے تنگ آکر اهل پیٹرا سے پناه کي درخواست کي تھي ' لیکن اُنھوں نے اپنے دروازه ان بد نصیبوں پر بند کردیے - اسي لیے انبیاء بني اسرائیل نے اهل پیٹرا کے حق میں سخت بد دعائیں کي تھیں -

پیٹرا عرصۂ دراز تک مصري تمدن کے زیر نگیں رها - مصریوں سے اهل پیٹرا کے تجارتي تعلقات جاري رهتے تھے - ادوم کے بادشاهان قدیم کي شادیاں فراعنۂ مصر کے خاندانوں میں هوتي تھیں - فن سنگ تراشي میں پیٹرا نے مصر سے بهت کچھه سیکھا تھا - پیٹرا کے نوجوان اور متمول طلباء علم و فن کي تکمیل کے لیے مصر کا سفر کرتے تھے - دنیا کے شهروں میں پیٹرا مضبوط ترین شهر سمجھا جاتا تھا - سکندر اعظم نے بھي اس کے فتح کے لیے ایک جرار فوج بھیجي تھي ' لیکن پهاڑي دیوار عبور نه کرسکي - اگرچه یوناني تلوار پیٹرا کو فتح نه کرسکي ' لیکن یوناني تمدن نے اُسے مفتوح کرلیا - یوناني علوم و فنون یهاں رواج پاگئے - پیٹرا کے وسیع تماشه گاهوں ' عریض معبدوں ' دلکش باغوں ' اور تجارت سے حاصل کي هوئي عیش و عشرت نے ' اُسے سیاحان وقت کا کعبۂ سفر بنا دیا تھا - یورپ کے لیے روما اور ایشیائے کوچک کے لیے پیٹرا ' یکساں منزلت رکھتے تھے - تجارتي لحاظ سے یه نبطي شهر دنیاء قدیم کا قرطاجنه تھا - یا وسطي یورپ کا برلن -

حریص اهل روما پر پیٹرا کي شهرت نهایت شاق گزرتي تھي - بالآخر انھوں نے ایک طاقتور بحري بیڑے کي مدد سے سنه ۱۰۵ ع میں پیٹرا اور اس کے حوالي فتح کرلیے - اب یه حصۂ ملک " اربیبا پیٹرا " کے نام سے روماني سلاطین کا ایک صوبه بن گیا تھا - روماني عهد حکومت میں بھي پیٹرا عرصه دراز تک عرب ' فارس ' هند ' فلسطین ' مصر ' اور شام کي کارواني تجارت کا مرکز رها - لیکن بعد کو شاهراه تجارت کي تبدیلي اور روما کے زوال نے پیٹرا کے انحطاط کے دور کا آغاز کر دیا -

(استدراک)

مندرجۂ صدر مقاله مولوي محمد یحیی صاحب وکیل بدایوں نے بعض انگریزي رسائل سے اخذ کر کے لکھا هے ' جو بعض جزئي ترمیمات کے بعد درج کر دیا گیا - اس سلسله میں چند امور کي وضاحت ضروري هے :



" الدیر "

(۱) پیٹرا کے یه آثار مقامي عربوں میں " رقیم " کے نام سے مشهور هیں - گذشته صدي کے اواخر کے اور حال کے تمام سیاحوں نے اسي نام سے اسکي تحقیقات کي هے - سنه ۱۹۰۶ - میں جب مقام " طابه " کي نسبت حکومت مصر اور دولۂ عثمانیه میں نزاع هوئي تھي ' اور ایک مشترک ترکي مصري کمشین تحقیقات کے لیے متعین هوا تھا ' تو اُسوقت بھي " الرقیم " کے ذکر سے دنیا کے کان آشنا هوے تھے -

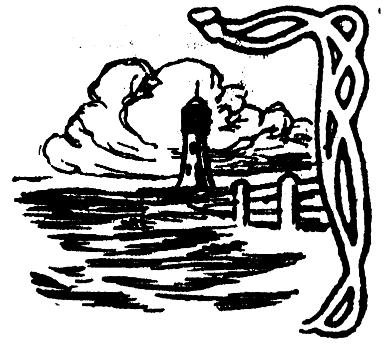
(۲) تورات میں بھي " رقیم " کا ذکر موجود هے -

(۳) قرآن حکیم نے سورۂ کهف میں جهاں " اصحاب کهف " کا ذکر کیا هے ' وهاں " الرقیم " کا لفظ بھي آیا هے : ام حسبتم ان اصحاب الکهف و الرقیم کانوا من آیاتنا عجبا ؟ (۱۸ : ۸) کهف کے لفظ کے معني واضح تھے که غار کے هیں ' مگر " الرقیم " کے مفهوم کے تعین میں اختلاف هوا - عربي میں رقیم کے معني ایسي چیز کے هیں جو لکھي هوئي هو - اس لیے بعض مفسرین نے خیال کیا که رقیم سے مقصود یه هے که اصحاب کهف کے حالات قلمبند کرلیے گئے تھے - یا اُس غار پر جس میں اصحاب کهف کي نعشیں تھیں ' کوئي کتبه لکھکر لگا دیا هوگا - چنانچه امام بخاري نے حضرت عبد الله ابن عباس کا ایک قول به روایت سعید بن جبیر نقل کیا هے که اصحاب کهف کا حال ایک پتھر پر کھود کر نصب کر دیا گیا تھا - اسي لیے " رقیم " کے لقب سے مشهور هوئے -

(۳) عجب نهیں اس خیال کا باعث وہ عام شهرت هو جو ایشیائے کوچک اور شام کے عیسائیوں میں ایک ایسے هي واقعه کي نسبت موجود تھي - قدیم لاطیني تحریرات میں ایک ایسي تحریر



برید فرنگ



اس وقت تک موجود ہے - خیال کیا جاتا ہے کہ پانچویں صدی مسیحی میں انطاکیہ کے ایک بطریق نے یہ تحریر لکھی تھی - اس میں سات آدمیوں اور اُن کے ایک وفادار کتے کراتیمری نامی کا (جسے عربی میں قطمیر کرلیا گیا ہے) قصہ بیان کیا گیا ہے -

(۴) لیکن اگر " رقیم " سے مقصود وہی شہر ہے ، جس کا ذکر عہد عتیق اور یوسیفس کی تاریخ میں ہے ، تو " رقیم " عبرانی لفظ ہے نہ کہ عربی ، اور اس لیے عربی مادہ کی اس کے لیے جستجو سود مند نہیں - عبرانی میں یہ لفظ " راقیم " تھا - عربی میں " رقیم " ہوگیا -

(۵) عرب شعراء جاهلیة کے کلام میں جس طرح کہف کا ذکر پایا جاتا ہے ، رقیم کا بھی ذکر موجود ہے - امیہ بن ابی الصلت کہتا ہے :

و لیس بها الا الرقیم مجاوراً
رصیدهم ، والقوم في الکهف همد

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے عرب جاہلیت کے لوگ " الرقیم " سے واقف تھے ، اور اصحاب کہف کے قصہ کی بھی شہرت تھی - البتہ تمام پرانے واقعات کی طرح یہ واقعہ بھی بہت کچھہ محرف ہوگیا تھا ، اور طرح طرح کی کہانیاں مشہور ہوگئی تھیں - قرآن حکیم نے اصلی واقعہ آشکارا کردیا -

(۶) بلاشبہ اغلب یہی ہے کہ " الرقیم " سے مقصود یہی شہر ہو - الرقیم عرب میں یا عرب سے بالکل متصل واقع تھا - قرب کی وجہ سے وہاں کے حالات قدرتی طور پر اهل عرب کے علم میں آتے رہتے تھے - اگر عام مفسرین اور مورخین کا یہ خیال تسلیم کرلیا جائے ، کہ اس واقعہ کا تعلق ایشیائے کوچک کے رومی شہر ایفی سس (افسوس) سے تھا ، تو قدرتی طور پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ عرب جاهلیت میں ایک رومی شہر کا واقعہ جو یونانی زبان میں لکھا گیا تھا ، کیونکر مشہور ہوگیا ؟

(۷) مفسرین میں بھی ایک جماعت اسی طرف گئی ہے - چنانچہ امام ابن جریر اور ابوالفداء نے ان کے اقوال نقل کیے ہیں -

(۸) مضمون میں ایک پہاڑی چشمہ کا ذکر ہے جسکی نسبت عربوں میں مشہور ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام والا چشمہ ہے - یہ شہرت بے اصل نہیں معلوم ہوتی -

حضرت موسی علیہ السلام جب بنو اسرائیل کے قبائل ساتھہ لیکر مصر سے نکلے ، تو فلسطین تک پہنچتے پہنچتے دو واقعات پہاڑی چشموں کے بہنے کے پیش آئے - پہلا واقعہ وادی سینا میں پیش آیا تھا ، جس کا ذکر سفر خروج کی فصل ۱۷ - میں ہے - دوسرا واقعہ وہ ہے جو ادومیوں کے ملک کے قریب ایک ایسے موقعہ پر پیش آیا تھا جہاں سے " جبل هور " قریب تھا - اس کا ذکر سفر اعداد کے اصحاح ۲۰ - میں ہے - یقیناً یہ دوسرا واقعہ شہر رقیم ہی سے تعلق رکھتا ہے ، اور اسی لیے اسکا نام وادی موسی مشہور ہوگیا ہے -

(۹) تورات میں جس پہاڑ کا ذکر " جبل هور " کے نام سے کیا گیا ہے (جو عبرانی لفظ ہے) وہی آج کل " جبل حور " کے نام سے عربوں میں مشہور ہوگیا ہے - یہ خیال کہ یہاں حضرت هارون علیہ السلام دفن ہوے تھے ، غلط نہیں ہے - تورات سے پوری طرح اس کی تصدیق ہوتی ہے - سفر اعداد اصحاح ۲۰ - میں حضرت هارون کی وفات کا ذکر موجود ہے - اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹھیک اسی جغرافیائی محل میں ، جبل هور کی بلندیوں پر ، حضرت هارون نے وفات پائی تھی - اسلامی عہد میں بھی یہ مقام اس حیثیت سے مشہور تھا - چنانچہ غالباً عبد الملک بن مروان کے زمانہ میں وہاں ایک مسجد تعمیر کی گئی تھی - مسجد اسوقت تک موجود ہے -

اب مین مرد هون !



ایک عورت کے خیالات مرد ہو جانے کے بعد !



اٹلی میں رینا ٹیگرا زیانا نامی ایک اٹھارہ سال کی دوشیزہ لڑکی تھی - اچانک اُس کے اعضاء میں تبدیلی شروع ہوئی - اب وہ پورے معنی میں مرد ہوگئی ہے - چنانچہ ڈاکٹروں نے اُسے مرد ہونے کی سند دیدی ہے !

پچھلے دنوں ریوٹر ایجنسی نے یہ خبر تمام دنیا میں مشتہر کردی تھی - اب اسکی مزید تفصیلات انگلستان کے اخبارات میں آ گئی ہیں :

یہ حیرت انگیز واقعہ گزشتہ ماہ اگست میں پیش آیا - اس سابق دوشیزہ اور حال کے نوجوان مرد نے اخبارات میں ایک مضمون شایع کیا ہے - اِس مضمون میں وہ مرد ہو جانے کے بعد اپنے تاثرات بیان کرتا ہے - چونکہ وہ ابتک اپنے جذبات میں نسوانیت کا تاثر ظاہر کرتا ہے ، اسلیے بہتر ہے کہ ہم بھی اُس کا ذکر ضمیر مونث کے ساتھہ کریں - وہ لکھتی ہے :

" بچپن ہی سے میرے دل میں یہ تمنا موجود تھی کہ کاش میں مرد ہوتی ، تاکہ مردوں کی سی آزاد زندگی بسر کر سکتی - لیکن اب جبکہ قدرت نے میرے لڑکپن کی یہ طفلانہ آرزو پوری کر کے دنیا کا سب سے بڑا عجیب واقعہ دکھا دیا ہے ، میری خواهش بالکل برعکس ہو گئی ہے - کاش میں دوبارہ عورت ہو جاتی !

مسلسل تین ہفتے اطباء کی ایک بڑی مجلس ، میرا طبی معائنہ کرتی رہی - بالآخر متفقہ طور پر اُس نے فیصلہ صادر کر دیا کہ میں عورت نہیں رہی - مرد ہوگئی ہوں - قارئین اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ عجیب فتوی سن کر میری حیرت کا کیا حال ہوا ہوگا ؟ میں مبہوت ہوکر رہ گئی - پھر میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی - میں نے اپنا منہہ دونوں هاتھوں سے چھپا لیا - میری ہچکی بندہ گئی -

میں اور ... نہیں ' نہیں ' میں مرد ہونا نہیں چاہتی ! "

" اب یہ زنانہ کپڑے اتار دو " ایک ڈاکٹر نے میرے کندھے پر ہاتھہ رکھکر کہا " اب ہمارا جیسا کوٹ پتلون پہن لو - آج کے بعد یہ ریشمین جرابیں اور اونچی ایڑی کا جوتا نہ پہننا ! اب تم ہماری طرح مرد ہوگئی ہو " !

میری مصیبت ابھی ختم نہیں ہوئی تھی - مجھے اپنے منگیتر کو یہ ہولناک خبر سنانا ابھی باقی تھا !

" خدایا ! میں کیا کروں ؟ " راستے میں میں خیال کرنے لگی " اپنے منگیتر سے کیونکر کہوں — ؟ آف ! یہ منحوس خبر اسے کیسے سناؤں ؟ "

" میرے دوست " میں نے انتہائی حسرت و یاس سے لڑکھڑاتی آواز میں اپنے عاشق کو مخاطب کیا " اب میں عورت نہیں رہی — ہماری شادی ناممکن ہے ! — "

اس نے قہقہہ مارا اور مجھے ہاتھہ پکڑکر اپنی طرف کھینچ لیا - لیکن میں نے سنجیدگی سے تمام واقعہ سنا دیا -

" کیا ؟ " وہ غصہ سے چلایا " کس شیطان نے تم سے یہ کہہ دیا ہے ؟ " میں نے جیب سے طبی سندیں نکال کر اسکے سامنے ڈالدیں - وہ حیرت زدہ رہگیا - ہم دیر تک حسرت و یاس سے بیٹھے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے - بار بار اس پر ایک غشی کی سی حالت طاری ہو جاتی تھی - ہم دونوں اپنی پچھلی محبت پر غور کرتے تھے ' اپنے وعدے یاد کرتے تھے ' مستقبل کا خیال کرتے تھے ' اور یہ سب کچھہ ایک خواب سا معلوم ہوتا تھا - ایسی غمناکی یعدمی) دنیا میں کبھی واقع نہیں ہوئی ہوگی !

میں اگرچہ اب مرد ہو چکی تھی ' لیکن اپنے منگیتر کی محبت میرے دل میں بالکل اتنی ہی اور ویسی ہی تھی ' جتنی اور جیسی عورت ہونے کی حالت میں ہوسکتی ہے - میری حسرت بے حساب تھی - میں خیال کر رہی تھی کہ میرا عاشق اگر چاہے تو کسی دوسری عورت کو اپنی بیوی بنالے سکتا ہے ' لیکن میں کتنا ہی چاہوں ' اب کسی مرد کو اپنا شوہر نہیں بنا سکتی !

" کچھہ پروا نہیں ! " میرا عاشق جوش سے چلا کر کھڑا ہوگیا - " اگر تم مرد ہوگئی ہو تو کوئی پروا نہیں - میں تم سے اب بھی محبت کرونگا - اگر تم میری بیوی نہیں بن سکتی ' تو دوست تو بن سکتی ہو ؟ میں تم سے ایسی محبت کرونگا ' جیسی محبت اس آسمان کے نیچے کسی نے بھی اپنے دوست سے نہیں کی ہوگی ! میں زندگی بھر تمہارے نام پر کنوارا رہونگا ! "

پھر ہم دونوں نے نہایت جوش سے مصافحہ کیا - لیکن کیسا مصافحہ ؟ مردانہ مصافحہ !

جب میں نے پہلی مرتبہ خوبصورت زنانے کپڑے اتار کر مردانے کپڑے پہنے ' تو بے اختیار دل بھر آیا ' اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی - آئینہ میں جب میں نے اپنی صورت دیکھی ' تو رنج و غم کی شدت سے میرا دل قریب تھا کہ پھٹ جائے - آج میں بازاروں میں اپنی سہیلیوں کو زنانہ لباس میں چلتے دیکھکر رشک و حسد سے جل جاتی ہوں - ہر عورت کے نسوانی زیور کا منظر میری آنکھوں کے لیے غم لاتا ہے - میرا دل بے اختیار رونے لگتا ہے !

یہ عجیب بات ہے کہ نوجوان مرد جو پہلے مجھہ سے اظہار محبت کرتے تھے اور مجھے اپنے ساتھہ سیر و تفریح کی تقریبات میں لیجاتے تھے ' اب مجھہ سے کہتے ہیں ' آؤ ہمارے ساتھہ مل کر نوجوان لڑکیوں سے ملاقاتیں کرو - کیونکہ تم بھی ہماری ہی طرح مرد ہوگئی ہوا ! مگر وہ بالکل نہیں جانتے کہ اگرچہ میں مرد ہوچکی ہوں ' مگر اب تک میرے جذبات نسوانی ہی ہیں - میں ہر خوبصورت لڑکی کو دیکھکر آتش رشک میں جلنے لگتی ہوں - وہ مجھے اپنی رقیب معلوم ہوتی ہے !

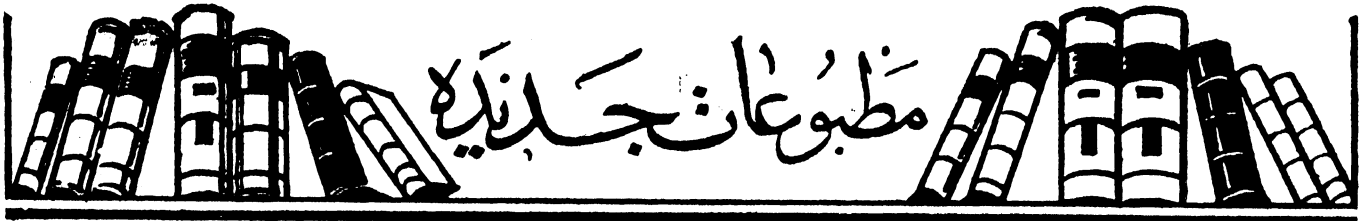
میں اب مرد ہونے کے بعد زندگی پر نظر ڈالتی ہوں تو پہلے سے مختلف پاتی ہوں - اب زندگی میرے لیے ویسی رحیم و شفیق نہیں رہی جیسی پہلے تھی - اب خود مجھے دوسروں کی حمایت کرنے کے فرائض ادا کرنا پڑتے ہیں - حالانکہ پہلے دوسرے لوگ میری حمایت کرنے کی فکر میں رہتے تھے - مجھے اپنی تزئین و آرائش کے سوا کوئی فکر نہ تھی - اب مجھے اپنے ساتھہ تھیٹر جانے والی عورتوں کے مصارف اپنی جیب سے ادا کرنا پڑتے ہیں ' حالانکہ پہلے میرے مصارف دوسروں کے ذمے ہوا کرتے تھے - لیکن ساتھہ ہی مجھے اعتراف کرنا چاہئے کہ اب میری آزادی پہلے سے بہت زیادہ ہوگئی ہے - اب میں اپنی زندگی کی مالک ہوں - آزادی سے جہاں چاہوں جاسکتی ہوں ' اور جتنی دیر چاہوں ' گھر سے باہر رہ سکتی ہوں -

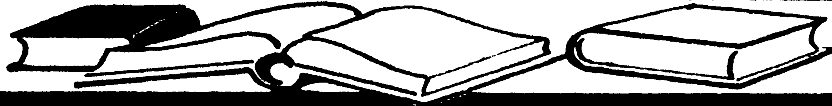
شروع میں خیال تھا کہ نوجوان مرد اور نوجوان عورتیں ' دونوں مجھہ سے نفرت کرینگے - میری یہ جنسی تبدیلی کسی کو بھی پسند نہیں آئے گی - مگر تجربہ سے معلوم ہوا کہ میرا خیال غلط تھا - دونوں گروہ مجھے پسند کرتے ہیں - مرد اس لیے کہ مرد ہوگئی ہوں اور ان کی صحبتوں اور گفتگوؤں میں مرد کی طرح حصہ لینے لگی ہوں - عورتیں اس لیے کہ پہلے میں انہی کی طرح عورت تھی میری طرف زیادہ رغبت کا اظہار کرنے لگی ہیں اور مجھہ سے محبت کی طالب ہیں - لیکن عورتوں کی یہ حرکت مجھے بالکل نہیں بھاتی - کیونکہ اگرچہ طبیبوں نے میرے مرد ہو جانے کا فیصلہ کردیا ہے - مگر میرا احساس ہنوز یہی ہے کہ میں عورت ہوں !

جونہی اخبارات نے میری اس " بد نصیبی " کی خبر شائع کی ' یورپ کے مختلف شہروں سے تقریباً پچاس درخواستیں عورتوں نے میرے پاس بھیج دیں - جن میں لکھا تھا کہ وہ مجھہ سے شادی کرنے کے لیے طیار ہیں - مجھے بہت تعجب ہوا کہ وہ مجھہ سے شادی کیوں چاہتی ہیں ؟ سب نے بالاتفاق لکھا تھا " ہم تم سے اس لیے شادی پسند کرتے ہیں کہ تم پہلے عورت تھیں ' اس لیے عورتوں کے احساسات و جذبات سے بخوبی واقف ہو - تم دنیا کے تمام مردوں سے زیادہ بہتر شوہر بن سکتی ہو "

لیکن میں کسی عورت سے بھی شادی کرنا نہیں چاہتی - میں نے قسم کھا لی ہے کہ اپنے منگیتر سے محروم ہو جانے کے بعد اسی کی طرح میں بھی عمر بھر بغیر شادی کے رہوں گی !

تمام طبیبوں کا بیان ہے کہ میری یہ تبدیلی نہایت ہی حیرت انگیز ہے - ...منی کی ایک یونیورسٹی مجھے ایک ہزار پونڈ اس شرط پر دے رہی ہے کہ موت کے بعد اپنی نعش اس کے حوالہ کر دوں اور وہ میری جسمانی ساخت کا معائنہ کرسکے - ہر طرف سے لوگ مجھے لکھہ رہے ہیں کہ اگر میں دنیا کا دورہ کروں تو بڑی دولت جمع کرلونگی - ایک سینما کمپنی کی بھی درخواست آئی ہے - وہ میری تصویریں لیکر تماشا گاہوں میں دکھانا چاہتی ہے - لیکن میں اس قسم کی کوئی بات بھی منظور نہیں کرونگی - میں اپنے جسم کو مال جمع کرنے کا آلہ بنانا نہیں چاہتی ! "





سفیرون کا استقبال

حال میں ایک دلچسپ کتاب جرمني میں شایع هوي هے : " ازمنهٔ وسطی کے شاهي مراسم " اسکے بعض حصوں کا ترجمه مصري معاصر المقتطف نے شائع کیا هے - ذیل کا تکره اُسي سے ماخوذ هے :

قدیم زمانه میں سفراء کے استقبال و ملاقات کے لئے دربار بڑي شان و شوکت سے سجائے جاتے تھے - بادشا اِس بارے میں بہت زیاده اهتمام کا اظہار کرتے تھے - موجوده زمانه میں اگرچه وه پراني شان و شوکت باقي نہیں رهي ' تاهم سفراء کي ملاقات و استقبال کے معین اصول و قواعد موجود هیں ' جن کي پابندي ضروري سمجھي جاتي هے - اِن اصول و قواعد کو بین الاقوامي زبان میں " پروٹو کول " کے نام سے موسوم کیا جاتا هے -

(عربي سفرا)

عربي عہد حکومت میں سفراء کو غیر معمولي اهمیت حاصل تھي - موجوده زمانه کي طرح اُس وقت بھي سفیر دو قسم کے هوتے تھے : عارضي اور دائمي - عارضي سفیروں کا کام کسي خاص پیغام کا پہنچانا یا کوئي خاص مہم انجام دینا هوتا تھا - دائمي سفیروں کو دوسري سلطنتوں میں همیشه حاضر رهنا پڑتا تھا -

صاحب نہایة الارب کي تصریح کے مطابق عربوں نے سفیر کے لیے یه شرطیں قرار دي تھیں : " خوبصورت هو - اُس کا نام خوشگوار هو - متدین اور پارسا هو - مخلص ' امین ' اور نیک طینت هو - حاضر جواب هو - معامله فہم هو - خوشامد کا عادي نه هو - رشوت قبول نه کرے - ڈرپوک نه هو ... "

عرب خلفاء بیروني سفیروں کي بڑي خاطر مدارات کرتے تھے - فاطمي عہد حکومت میں سفیروں کے قیام کے لیے ایک نہایت هي شاندار محل مخصوص تھا ' اور خلفاء کا حکم تھا که اُن کي زیاده سے زیاده عزت کي جائے -

استقبال کا طریقه یه تھا که اگر سفیر سپه سالار کي قسم سے هوتا ' تو اُس کے پہنچتے هي خلیفه ملاقات کرتا اور پیغام سنتا تھا ... اگر فوجي آدمي نه هوتا ' تو ملاقات سے پہلے تین دن تک مہمان خانه میں رکھا جاتا تھا - اِس اثنا میں کوئي شخص بھي اُس سے نہیں مل سکتا تھا - چوتھے دن خلیفه کا دربار آراسته کیا جاتا - جنگي افسر رعب و داب سے صفیں باندھ کر کھڑے هو جاتے - بادشاه اپني پوري شان و شوکت سے تخت سلطنت پر جلوه گر هوتا - ارکان حکومت اپنے اپنے رتبه کے مطابق بیٹھتے - جب سب انتظام مکمل هو جاتا ' تو صاحب اعظم ' سفیر کو لیے دربار میں داخل هوتا - جوں هي خلیفه کا چہره دکھائي دیتا ' سفیر فرش زمین کو بوسه دیتا - پھر ادب کے ساتھه آهسته آهسته وسط دربار میں پہنچتا ' اور وهاں سے مجرا ادا کرنے کے بعد اُس مقام پر پہنچایا جاتا ' جہاں خلیفه سے هم کلامي کر سکتا تھا - اُس مقام پر پہنچکر سفیر کھڑا رهتا - اس کے گرد شاهي حاجب اور مترجم دست بسته کھڑے هوتے - خلیفه جب گفتگو کي اجازت دیتا ' تو سفیر مجرا ادا کرکے اپنے بادشاه کا سلام پہنچاتا - خلیفه اُس بادشاه کے درجه کے مطابق سلام کا جواب دیتا - پھر سفیر اپني جیب سے بادشاه کا خط نکال کر اپني آنکھوں اور سر پر رکھتا اور خلیفه کے حضور پیش کردیتا - اگر خلیفه کو اُس بادشاه کي عزت افزائي منظور هوتي ' تو کھڑے هو کر اُس کا خط اُٹھاتا تھا - پھر وزیروں کو خط کے کھولنے اور پڑھنے کا حکم دیتا تھا - تھوڑي دیر معمولي سلام کلام کے بعد سفیر کو بیٹھنے کي اجازت ملتي - وه آداب بجا لاکر اپني جگه بیٹھه جاتا - دربار کے بعد سفیر مہمان خانه بھیج دیا جاتا تھا - نجي ملاقاتیں بعد میں هوتي تھیں -

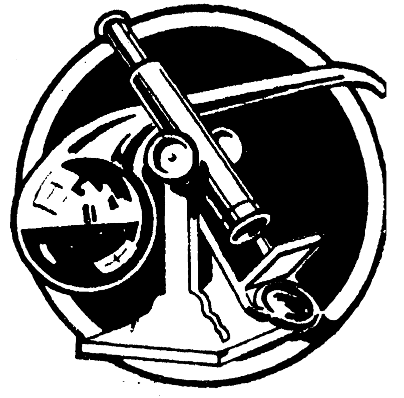
(فرانس کے شاهي رسوم)

فرانس میں جب شاهي قائم تھي ' تو سفیروں سے ملاقات کا طریقه یه تھا که پیرس میں چند روز قیام کرنے کے بعد وه وزیر تشریفات سے ملاقات کرتا تھا - وزیر اُسے بتاتا تھا که بادشاه کس دن ملاقات کریگا - ملاقات سے تین دن پہلے شاندار شاهي گاڑیاں سفیر کي قیام گاه پر پہنچتي تھیں ' اور اُسے مع اُس کے مصاحبوں کے سفیروں کي مہماني کے خاص محل میں لیجاتي تھیں - یہاں وه بادشاه کا مہمان هوتا تھا - یه محل نہایت آراسته هوتا تھا اور مہمان کي تواضع میں غیر معمولي فیاضي سے کام لیا جاتا تھا - روزانه دعوتیں هوتي تھیں ' اور سفیر کے خوش کرنے کي پوري کوشش کي جاتي تھي -

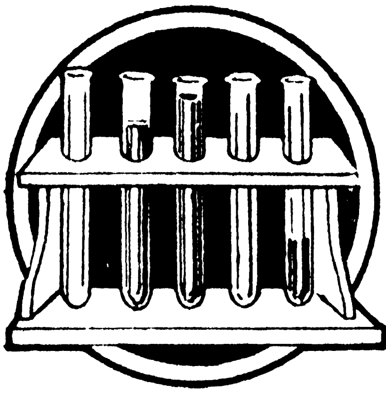
سفیر جتنے زیاده دور ملک کا هوتا تھا ' اُتني هي زیاده اُس کي خاطر مدارات کي جاتي تھي - مورخین کا بیان هے که ترکی سفیر کے صرف کھانے پر شاه فرانس روزانه ۵۰۰ اشرفي خرچ کرتا تھا - سنه ۱۶۹۹ع میں جب سلطنت مراکش کا سفیر آیا ' تو بریست کے قیام کے دوران میں ۹۰۰۰ پونڈ ' اور پیرس کے قیام میں ۳۱۷۰۰ پونڈ صرف کیے گیے - شہر بریست سے پایهٔ تخت تک سفر میں ۳۸۰۰ پونڈ صرف هوے تھے - یعني کل ۴۴۵۰۰ پونڈ یا ۶۶۷۵۰۰ روپیه خرچ کیے گیے تھے !

اُس زمانه میں دستور تھا که سفیر کے دستر خوان کے تماشه کیلیے پیرس کے عمائدین بلائے جاتے تھے - اُنکي موجودگي میں سفیر کو کھانا کھلایا جاتا تھا - بادشاه سے ملاقات کے دن سفیر ایک دوسرے محل میں منتقل کیا جاتا - یہاں کچھه دیر ٹھہرنے کے بعد شاهي سواریاں اُسے لینے آتي تھیں ' اور اُسکا جلوس دیکھنے کیلیے پیرس کي سڑکوں پر تماشائیوں کا هجوم هو جاتا تھا -

ورسلز کے شاهي محل تک پہنچنے میں کامل تین گھنٹے لگتے تھے - محل کے پھاٹک اور بیروني میدان میں سفیر کو صف بسته فوجیں نظر آتي تھیں - اِنسے گزر کر وه سیڑھیوں پر چڑھتا هوا محل



مذاکرۂ علمیّہ



کے بالائی حصہ پر پہنچتا اور اُس ایوان میں داخل ہوتا جس میں بادشاہ ' ولی عہد ' اور ارکان سلطنت بڑے جاہ و جلال سے بیٹھے ہوتے تھے - شاہی استقبال کے بعد سفیر اپنی تحریر اسناد سناتا تھا اسکے بعد اپنے کاغذات پیش کرتا - پھر بادشاہ کے حضور اپنے ساتھیوں اور مصاحبوں کو ایک ایک کرکے پیش کرتا - استقبال کا یہ جلسہ بہت دیر تک رہتا تھا - پھر سب کھانے کے کمرے میں جاتے تھے اور دعوت شروع ہو جاتی تھی - بعض سفیر اس قدر بھڑکیلی اور بھاری وردیاں پہنے ہوتے تھے کہ انکے بوجھ سے کھانا نہیں کھا سکتے تھے - مجبور ہوتے تھے کہ دستر خوان پر بیٹھنے سے پہلے دوسرے کمرے میں جاکر اپنا لباس بدل آئیں - دعوت کے بعد سفیر پھر اپنی سرکاری وردی پہن لیتا اور ولی عہد اور وزراء وغیرہ سے ملاقات کرتا - یہ ملاقاتیں بھی اتنی لمبی ہوتی تھیں کہ سفیر تھک جاتا تھا ' اور کھانے کے کمرے میں دوبارہ جاکر کچھ کھا پی لیتا تھا -

لیکن اب یہ طریقے موقوف ہوگئے ہیں - آج کل یورپ میں یہ دستور ہے کہ نئے سفیر کے پہنچنے کے بعد دو بجے حاجب سفارت خانہ جاتا ہے - سفیر اور اُس کا عملہ سرکاری وردیاں پہنے اس کا استقبال کرتے ہیں - چند منٹ بعد سرکاری گاڑیاں اور شاہی گارد پہنچ جاتا ہے ' اور سفیر صدر جمہوریت یا پادشاہ کی ملاقات کے لیے محل کو روانہ ہو جاتا ہے - سفیر کے پہنچنے پر جنگی موسیقی کے ذریعہ اُسے سلامی دی جاتی ہے - جس ملک کا سفیر ہوتا ہے ' پہلے اُسی ملک کا گانا گایا جاتا ہے - پھر فوجی گیت بجایا جاتا ہے - موسیقی سے فارغ ہوکر سفیر اور اُس کے ساتھی گاڑیوں پر سے اترتے ہیں - زینوں سیڑھی پر دو فوجی افسر استقبال کرتے ہیں اور سفیر کو مع اُس کے ہمراہیوں کے استقبال کے کمرے میں لیجاتے ہیں -

استقبال کے کمرے میں ایک طرف صدر جمہوریت یا پادشاہ اور ارکان حکومت ہوتے ہیں ' دوسری طرف سفیر اور اُس کے ساتھی - دونوں کے بیچ میں حاجب اور مترجم کھڑے ہو جاتے ہیں - حاجب سفیر کا نام اور لقب بیان کرکے اُس کا تعارف کراتا ہے - پھر سفیر اپنے کاغذات پیش کرتا اور لکھی ہوئی تقریر پڑھ کر سناتا ہے - صدر جمہوریت یا پادشاہ جوابی تقریر کرتا ہے - پھر رسمی گفتگو ہوتی ہے - طرفین کے آدمیوں کا ایک دوسرے سے تعارف کرایا جاتا ہے اور مصافحہ پر تقریب ختم ہوجاتی ہے -

علوم مادیہ کی ترقی

اور

علماء کے حوصلے

—— ◆ ——

عقل انسانی کس حد تک ترقی کرتی چلی جائیگی ؟ مادی علم کی تگ و دو کہاں پر جاکے رکے گی ؟ علماء کے حوصلے کیا ہیں ؟

علم کی موجودہ حیرت انگیز ترقیاں دیکھکر یہ سوال ہر شخص کے ذہن میں پیدا ہوجاتا ہے - لیکن جواب بہت مشکل ہے - اجمالی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ علم ' کائنات فطرت کے جملہ مادی و روحانی راز معلوم کرلینا چاہتا ہے - اگرچہ وہ اس وقت تک صرف چند گوشوں ہی پر سے پردہ اٹھا سکا ہے - فی الحال علما کے سامنے اہم ترین مسائل حسب ذیل ہیں :

(۱) شباب کی تجدید
(۲) زندگی کی زیادہ سے زیادہ تطویل
(۳) حسب مرضی نسل کی تولید
(۴) زندگی کی تخلیق
(۵) موت کے بعد زندگی کا اعادہ

علم اور علماء کے یہ حوصلے ' کچھ نئے نہیں ہیں - قدیم ترین زمانوں سے یہ مسائل زیر بحث ہیں - البتہ پہلے دنیا ان مسائل کے اشتغال کو جنون سمجھتی تھی اور ان پر ہنستی تھی - لیکن اب نہ کوئی ہنستا ہے ' نہ جنون سمجھتا ہے - بلکہ سب حیرت کے ساتھ زیادہ سے زیادہ حیرت انگیز علمی انکشاف دیکھنے کے منتظر رہتے ہیں - کیونکہ گزشتہ ۱۵ برس میں علم نے زیادہ سے زیادہ ناممکن باتیں ممکن کر دکھائی ہیں -

ڈاکٹر وورو نوف نے اب بکثرت عملی تجارب سے ثابت کردیا ہے کہ شباب کی کامل تجدید ' وہم و خیال نہیں ہے جیسا کہ پہلے سمجھا جاتا تھا ' بلکہ واقعہ و مشاہدہ ہے - اس ڈاکٹر نے از کار رفتہ بوڑھوں کو بالکل جوان بنا دیا ہے - وہ اب تک زندہ ہیں اور صحیح معنوں میں جوان ہوگئے ہیں -

حال ہی میں یہ علمی انکشاف بھی ہوا ہے کہ ایک مرے ہوئے کچھوے کا دل اطباء نے کاٹ لیا اور نمک پوٹاس ' اور سوڈے کے اجزاء سے ممزوج عرق میں ڈال دیا - چند ہی لمحے بعد ' دل میں زندگی کے آثار ظاہر ہوئے - وہ زندہ دل کی طرح حرکت کرنے لگا - کئی گھنٹے تک زندہ رہا - حالانکہ کچھوا دیر سے مرا پڑا تھا !

قلب کو زندہ کردینے کا یہ پہلا تجربہ نہیں ہے - اس قسم کے بے شمار تجربے ہوچکے ہیں - یہ عمل مدت سے جاری ہے کہ موت

✦✦✦

طاری ہونے کے بعد سینہ چیر ڈالتے ہیں اور خاص طریقوں سے دل کو ملنا شروع کر دیتے ہیں - تھوڑی دیر میں دوران خون شروع ہوجاتا ہے - دل ہلنے لگتا ہے ' اور دل کی حرکت کے ساتھہ ہی تمام جسم میں زندگی واپس آجاتی ہے - حال ہی کا واقعہ ہے کہ لندن کے شفاخانۂ سینٹ تھامس میں ایک عورت مسز اڈیلڈ ایک خطرناک عمل جراحی میں فوت ہوگئی - ڈاکٹر نے فوراً اُس کا سینہ چاک کر ڈالا اور دل کی مالش شروع کردی - پندرہ منٹ بعد عورت بالکل زندہ ہوگئی تھی - البتہ وہ بیہوش رہی ' اور تیس گھنٹے بعد ضعف قلب کی وجہ سے پھر مر گئی -

اِس سے بھی زیادہ عجیب تجربہ علماء نے یہ کر دکھایا ہے کہ جانداروں کے سر کاٹ کر ایک دوسرے کے جسم میں لگا دیے ہیں اور وہ زندہ رہے ہیں! چنانچہ پچھلے دنوں لندن میں علماء کے ایک جم غفیر کے سامنے ایک ڈاکٹر نے بہت سے جھینگروں کے سر کاٹ دیے - پھر ایک کا سر دوسرے میں جوڑ دیا - حاضرین یہ دیکھہ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ چند لمحے بعد تمام جھینگر اپنے نئے سروں کے ساتھہ کودنے لگے تھے! تجربہ یہیں پر ختم نہیں ہوگیا بلکہ کچھہ مدت بعد جھینگروں میں جنسی تبدیلی بھی ظاہر ہوئی - یعنی جن میں مادہ کے سر لگائے گئے تھے ' وہ مادہ ہوگئے ' اور نر سر والے نر بن گئے!

یہ شعبدہ نہ تھا - ایک علمی تجربہ تھا - علماء کی نظر میں اِس تجربے کی بہت اہمیت ہے - کیونکہ اُن کے خیال میں یہ تجربہ حسب مرضی نسل پیدا کرنے کا دروازہ کھول دے گا - انسان اپنی پسند کے مطابق نر یا مادہ اولاد پیدا کر سکے گا -

اِسی سلسلہ میں یہ علمی تحقیق بھی قابل ذکر ہے کہ علماء نے تجربے سے معلوم کر لیا ہے کہ اگر مچھر کی پرورش سرد مقام میں کی جائے اور غذا کم دی جائے ' تو اُس کی نسل عموماً نر پیدا ہوتی ہے - برخلاف اس کے گرم جگہ میں رکھنے اور زیادہ خوراک دینے سے اولاد زیادہ تر مادہ پیدا ہوتی ہے - اِس تجربے کی بنا پر انسانی مردم شماری کی تحقیقات کی گئی ' تو معلوم ہوا عام مصائب خصوصاً جنگ کے زمانوں میں مرد زیادہ پیدا ہوتے ہیں ' اور امن و راحت کے دوران میں عورتیں زیادہ ہو جاتی ہیں -

آج کل علم وراثت کے ماہر نہایت کوشش کر رہے ہیں کہ مادی و دماغی ' ہر اعتبار سے انسان کی آئندہ نسلیں زیادہ ترقی یافتہ پیدا کریں - ڈاکٹر شٹناخ اور وورو نوف وغیرہ علماء کی کوششوں سے یہ امید پیدا ہوگئی ہے کہ اِس مقصد میں ضرور کامیاب ہو جائینگے - اِن ڈاکٹروں کا دعویٰ ہے کہ اِس صدی کے ختم ہونے سے پہلے ہی انسانی عمر کا اوسط ' سو برس ہوجائیگا - اور پھر بہت جلد یہ صورت پیدا ہوجائیگی کہ انسان ڈیڑھ سو بلکہ دو سو برس تک کی عمر حاصل کر سکے گا -

لیکن اِن تمام حیرت انگیز کامیابیوں کے باوجود علم معترف ہے کہ وہ ابھی تک اپنے عہد طفولیت ہی میں ہے ' اور قدرت الٰہی انسان کو جسقدر دولت علم بخشنا چاہتی ہے ' ابھی اُس کا سوواں حصہ بھی انسان نے حاصل نہیں کیا ہے!

(جب سورج بجھہ جائیگا؟)

بالاتفاق تمام علماء فلک کا فیصلہ ہے کہ سورج کا حجم کم ہو رہا ہے ' کیونکہ اُس کی حرارت میں لگاتار کمی واقع ہو رہی ہے - ایک دن ایسا آنے والا ہے جب اُس کی حرارت بالکل ختم ہوجائیگی - وہ بجھہ جائیگا - بالکل ٹھنڈا پڑجائیگا - اُس وقت ہمارا یہ کرۂ زمین اور نظام شمسی کے جملہ کواکب ' بالکل تاریک ہوجائینگے - غذائی مادے کم ہوکر بالکل ناپید ہوجائینگے - مہلک وبائیں پھیل جائینگی - انسان ' حیوان ' نباتات ' کوئی ذی روح ' بھی باقی نہیں رہیگا - کیونکہ زمین ' زندگی پیدا کرنے اور قائم رکھنے کی صلاحیت سے قطعی طور پر محروم ہو جائیگی!

علماء کے خیال میں یہ نتیجہ لازمی ہے - دنیا کی بربادی اِسی طور پر واقع ہوگی - لیکن یہ بربادی کب ہوگی؟ کیا ہم یا ہماری قریبی نسلیں یہ ہولناک نتیجہ دیکھہ سکیں گی؟

نہیں - علماء نے آفتاب کی حرارت اور روشنی کا حساب لگا کر بتایا ہے کہ ابھی آفتاب میں اِتنی قوت موجود ہے ' کہ وہ کم سے کم ۱۰،۰۰،۰۰،۰۰،۰۰۰ سال تک نظام شمسی کو زندہ رکھہ سکتی ہے!

لیکن آفتاب اچانک نہیں بجھہ جائیگا - بتدریج بجھے گا - کیونکہ وہ بتدریج اپنی قوت و حرارت کھو رہا ہے - اِس وقت آفتاب کی حرارت ' دھر نہیٹ کے مقیاس کے حساب سے دس ہزار درجہ ہے - علماء کا خیال ہے کہ جب یہ حرارت نو ہزار درجے پر آ جائے گی ' تو کرۂ ارضی کے خط استوا پر حرارت ' صفر کے نیچے گر جائیگی - ظاہر ہے کہ اِس صورت میں کوئی انسان بھی خط عرضی کے درجہ ۶۰ سے اوپر زندہ نہیں رہ سکے گا ' (بجز سکنڈنیویا کے جہاں سمندر کا وہ دھارا موجود ہے جسے "خلیج کا دھارا" کہتے ہیں اور جو اِتنی حرارت باقی رکھے گا کہ زندگی برقرار رہے) الا یہ کہ جنوب سے غذا مہیا کرنے کا اُس کے پاس سامان موجود ہو -

علماء کا خیال ہے کہ جب آفتاب کی حرارت نو ہزار درجے پر آجائیگی ' تو تمام انسان سمٹ کر خط استواء کے گرد جمع ہو جائینگے -

اُنھیں سب سے بڑی فکر غذا حاصل کرنے کی ہوگی - اُس وقت سخت جنگیں برپا ہونگی - کیونکہ آدمی زیادہ ہونگے ' اور غذا کم ہوگی - طاقتور ' کمزوروں کو ہلاک کر ڈالینگے - تنازع للبقاء اور بقاء اصلح کا قانون پوری بے دردی سے نافذ رہے گا - طاقتوروں کو بھی اطمینان نصیب نہ ہوگا - کیونکہ سورج برابر ٹھنڈا ہوتا رہے گا - غذا کم ہوتی جائیگی ' اور زندگی کے لیے انسانوں میں برابر جنگ جاری رہے گی!

حرارت کے ساتھہ آفتاب کی روشنی بھی لازمی طور کم ہوتی جائے گی - بتدریج آسمان کا نیلا رنگ بدل کر تیز زرد ہوجائے گا - ابر کا رنگ بھی زرد ہو جائے گا - آفتاب کی شعاعیں حسب ذیل ترتیب سے زائل ہو جائینگی:

(۱) ماوراء بنفشی شعاعیں
(۲) بنفشی شعاعیں
(۳) نیلی شعاعیں
(۴) اودی شعاعیں
(۵) سبز شعاعیں
(۶) زرد شعاعیں
(۷) نارنجی شعاعیں
(۸) سرخ شعاعیں

جب آفتاب کا نور بہت کم ہوجائے گا ' تو اُس کی شعاعیں سراسر سرخ ہوجائینگی - پہاڑوں پر جمی ہوئی تمام برف اُس وقت سرخ یا زرد دکھائی دے گی!

اُس وقت سردي ناقابل برداشت هوگي - سردي کا تعلق سورج سے زیادہ هواؤں سے هوجائے گا - جب قطبي هوائیں چلینگي تو سردي بڑھ جائیگي - جب خط استوا کي هوائیں چلینگي تو گرمي هو جایگي -

ظاهر هے که فضا کي حرارت هي آبي بخار پیدا کرتي هے - یه بخار پاني برساتا هے اور انسان پینے کے لیے پاني پاتا هے - لیکن جب سورج کي حرارت کم هوجائیگي ' تو بخار بننا بهي موقوف هو جائیگا - یعني بارش بهي نهیں هوگي - جتنا پاني پہلے کا جمع هوگا ' وه بهي بگڑ جائے گا ' اور بے شمار نئے نئے امراض پیدا هو جائینگے -

غرضکه اُس وقت زمین پر زنده رهنا مشکل هوجائے گا - یهانتک که جب سورج کي آخري شعاعیں بهي ختم هوجائینگي تو زندگي بالکل ختم هوجائیگي -

(قلب کے متعلق ایک نیا نظریه)

ڈاکٹر منڈلسن جرمني کا مشهور محقق هے اور برلن کي یونیورسٹي میں قلبي امراض کا اُستاذ هے - اِس نے حال میں قلب کے متعلق ایک نیا نظریه پیش کیا هے -

وه کهتا هے که قلب ' زندگي بر قرار رکھنے کا اصلي آله نهیں هے بلکه دوسرے درجه کي چیز هے - زندگي کي اصلي بنیاد ' قلب پر نهیں ' بلکه جسم کي اُن خلایا پر هے جو خون جذب کرتي هیں - اِس کا ثبوت یه هے که بهت سے کمزور دل کے آدمي مدتوں تک زنده رهتے هیں - حالانکه اُن کا قلب ' جسم کے مختلف اجزاء میں پوري طرح خون پهنچا نهیں سکتا - نیز ایک ثبوت یه بهي هے که بهت سے آدمي قلب کي حرکت بند هوتے هي ' مرده سمجھه کر دفن کردیے جاتے هیں ' حالانکه وه دراصل زنده هوتے هیں - ایسے واقعات بکثرت پیش آتے رهتے هیں - اگر قلب هي پر زندگي کا مدار هوتا' تو اُس کي حرکت بند هونے کے بعد هي زندگي بهي ختم هوجاتي ' حالانکه ایسا نهیں هوتا -

(ایک عجیب مخلوق)

آسٹرین اخبارں نے یه عجب خبر شایع کي هے که ابواني نام ایک گاؤں میں اب سے ۱۹ - برس پہلے ایک عورت کے لڑکا پیدا هوا - یه بندر سے بهت مشابه تها - والدین نے اُس کا نام الکزنڈر رکھا - لیکن جوں جوں اُس کي عمر بڑھتي گئي ' بندر سے مشابهت بهي بڑھتي گئي - حتی که اب جوان هونے پر وه بالکل بندر هوگیا هے - صرف صورت و شکل هي میں نهیں ' حرکات و سکنات و طبیعت میں بهي بندر هے - وه آدمیوں کي طرح رهنا پسند نهیں کرتا - بول بهي نهیں سکتا - بندر کي طرح چلاتا اور اچھلتا کودتا هے - پچھلے دنوں اُس کے والدین نے اُسے ایک آهني قفس میں قید کردیا تها - کیونکه آدمیوں کو تکلیف پهنچانے لگا تها - ایک دن اتفاق سے چھوٹ گیا اور سڑک پر پهنچ گیا - لوگ اُسے گوریلا سمجھه کر ڈر گئے اور بهاگے - بڑي مشکل سے اُسے قید کیا گیا - اب ایک هنگرین عورت اُسے اپنے ساتھه بوداپسٹ لے گئي هے - ڈاکٹر متعجب هیں که کیا رائے قائم کریں ؟ وه آدمي نهیں هے - مگر آدمي کے پیٹ سے بندر کیسے پیدا هوسکتا هے ؟ یهاں قانون وراثت سے بهي کوئي بحث نهیں کي جاسکتي - کیونکه ڈاروین کے متبعین بهي یه نهیں کهتے که انسان بندر سے پیدا هوا هے - بلکه یه کهتے هیں که بندر اور انسان ایک هي صورت اعلی کي اولاد هیں -

(کیا کهانے کي ضرورت باقي نهیں رهے گي ؟)

علماء کي رائے هے که ویٹامین Vitamine هي دراصل هماري تمام غذا کا حقیقي جوهر هے - اِسي پر زندگي کا دار و مدار هے - ویٹامین کي بهت سي قسمیں قرار دي گئي هیں ' اور هر قسم کا حروف ابجد پر الگ الگ نام رکھدیا گیا هے - بعض جرمن علمي رسائل کا بیان هے که ایک جرمن کیمیائي کو ویٹامین (الف) کي ایجاد میں کامیابي حاصل هوگئي هے -

سر الفرید مونڈ نے حال میں اِس جرمن عالم کي تحقیقات کا معاینه کیا ' اور اپنے خیالات اِس بارے میں شائع کیے هیں - وه لکھتا هے :

" اگر اِس جرمن عالم کا دعوی صحیح هے که اُس نے ویٹامین کیمیاوي طریق پر طیار کر لي هے' تو اس کے معني یه هیں که هم عنقریب جمله میوؤں ' سبزیوں ' ترکاریوں ' اور مچھلي کے تیل وغیره غذاؤں سے مستغني هو جائینگے - هماري اقتصادي زندگي میں عظیم انقلاب هو جائیگا - کوئي ملک اپني غذا میں دوسرے ملک کا محتاج نهیں رهے گا - انسان کي غذا ' ویٹامین کي ٹکیاں هونگي' اور بهتر سے بهتر خوراک کا کام دینگي -

" اِتنا هي نهیں بلکه پورے عالم تمدن پر اِس کا اثر پڑے گا - جسم انساني کي موجوده ترکیب میں بهي تبدیلي هو جائیگي - اِس جدید غذا کے لیے معدے کي ضرورت باقي نهیں رهیگي - ایک زمانه ایسا آجائیگا جب انسان کے جسم سے معده بالکل غائب هو جائیگا "

اطلاع

مولانا ابو الکلام کي علالت

۲۴ - ستمبر سے مولانا ابو الکلام کي طبیعت برابر علیل هے - پہلے بیري بیري مرض کے اشتداد سے دوران سر کي تکلیف شروع هوئي - پھر سرخ بخار (ڈینگو فیور) لاحق هوگیا - جس کي آج کل کلکته میں عام شکایت هے - اب اگرچه بخار اُتر چکا هے ' مگر اُس کي وجه سے بیحد طبیعت کمزور هوگئي هے - یهي وجه هے که آل انڈیا کانگرس کمیٹي کے جلسوں میں بهي وه حصه نه لے سکے ' بجز ورکنگ کمیٹي کے جلسوں کے جو اُن کي علالت کے خیال سے اُنهي کے مکان میں منعقد هورهي هیں -

جن حضرات کے خطوط اس دو هفته کے اندر ان کے نام آچکے هیں ' وه جواب نه ملنے کي وجه سے پریشان خاطر هونگے - براه عنایت چند دن اور انتظار کریں تاکه مولانا کي طبیعت بحال هوجائے ' اور وه به اطمینان خطوط کا جواب لکھوا سکیں -

منیجر

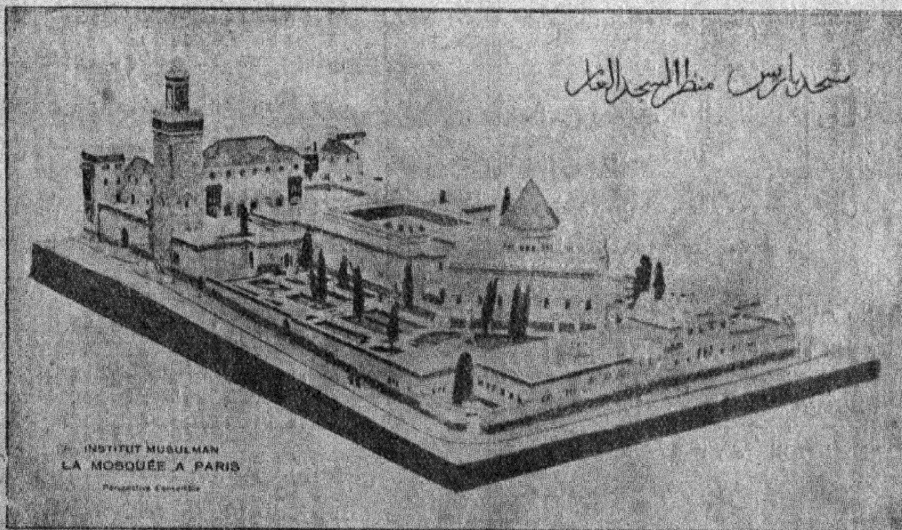
ایک فراموش شدہ عظمت

جو تذکرہ و یاد آوری کی مستحق ھے



امیر محمد بن عبد الکریم

جنکی نسبت یورپ کی تازہ ڈاک میں بعض نئی تفصیلات آئی ھیں - معلوم ہوا ھے کہ فرانس کے ایک دارالاشاعت نے انسے فرمایش کی تھی کہ وہ خود اپنے قلم سے اپنی سوانح عمری قلمبند کردیں - شیخ نے یہ درخواست منظور کرلی اور اب وہ بہ یک وقت فرانسیسی اور عربی ، دونوں زبانوں میں اپنے حالات قلمبند کر رھے ھیں -



پیرس کی مسجد اور عربی چمنستان کا مصور نمونہ ، جسکی تکمیل کیلیے ا[illegible] سلطان مصر نے ایک لاکھہ فرانک دیا ھے

عالم مطبوعات و صحائف

روح

ساٹھ اطبائے عصر کے مباحث

حال میں امریکہ کے ایک علمی رسالے نے دو سوال شائع کئے تھے:

(۱) کیا روح کے وجود پر کوئی علمی دلیل موجود ہے؟

(۲) کیا علمی دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ موت کے بعد روح باقی رہتی ہے؟

۶۰ مشہور طبیبوں نے ان دونوں سوالوں کے جوابات دئیے ہیں سب نے بالاتفاق تقریباً ایک ہی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ذیل میں ان کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

ڈاکٹر فرانک والک نے دعویٰ کیا ہے کہ بعض مرنے والوں میں اسنے ایسی علامتیں دیکھی ہیں، جن سے موت کے بعد روح کے بقاء کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن رسالے نے وہ علامتیں شائع نہیں کیں۔ البتہ اتنا لکھا ہے کہ بعض علامتیں، مادی ہیں، بعض اثیری (یعنی ایتھر کی قسم کی)

ڈاکٹر ہنٹ اور انکے رفقاء علم کا فیصلہ ہے

"کوئی علمی دلیل موت کے بعد روح کے بقاء پر موجود نہیں روح کے بقاء کا عقیدہ ایک خالص دینی عقیدہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ عقیدہ، نفس انسانی کی اس آرزو کا مظہر ہے کہ وہ ہمیشہ باقی رہنا چاہتا ہے اور فنا ہو جانے سے ڈر رہا ہے۔ اس مسئلہ پر ہمیشہ دینی پہلو ہی سے گفتگو کرنی چاہئے نہ کہ علمی پہلو سے، کیونکہ علم میں اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں"

ڈاکٹر ہنٹ نے اپنے مضمون کے آخر میں لکھا ہے

"لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ میں روح کے وجود یا اسکے بقاء کا منکر ہوں۔ بلکہ میں ان سب باتوں پر پختہ ایمان رکھتا ہوں مگر میرا یہ ایمان، علمی حقائق و براہین پر مبنی نہیں ہے، بلکہ سراسر ضمیر و وجدان کے رجحان پر قائم ہے"

ڈاکٹر کین لکھتا ہے

"اگر ہم موت سے پہلے اور موت کے بعد انسانی جسم ناپیں یا تولیں، تو دونوں حالتوں میں ہرگز کوئی فرق نہیں پائیں گے تاہم یہ واقعہ ہے کہ موت کے بعد جسم انسانی میں کوئی چیز کم ضرور ہو جاتی ہے اس کمی کو ہم روح کا نکل جانا کہتے ہیں۔ کسی انسان نے بھی روح نکلتے نہیں دیکھی، مگر کسی کو بھی اس کے نکلنے میں شک و شبہ نہیں ہوتا۔ درحقیقت روح، اس کائنات میں سب سے بڑا راز بلکہ سب سے زیادہ پیچیدہ طلسم ہے۔ علم اس کے ثابت کرنے سے قطعاً عاجز ہے، لیکن دین اسے ثابت کرتا ہے بلکہ اسی پر اپنی تعلیم کی بنیاد رکھتا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ ہر وہ چیز جو ہمارے حواس کے دائرے میں آتی ہے، فانی ہے۔ روح، ہمارے حواس سے پرے ہے۔ اس لئے ہم اس کے فانی ہونے کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ رومی مقرر سیسرو کا یہ قول مجھے از حد پسند ہے کہ ایک بار اسنے کہا تھا "اگر میں گمراہ ہوں تو بھی فلاطو کے ساتھ ہونے کو ترجیح دوں گا، بجائے اس کے کہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں جو بقاء روح کے منکر ہیں" صدیوں سے علماء کوشش کر رہے ہیں کہ عالم غیب اور قبر کے بعد کی دنیا کو معلوم کریں، مگر ان کی تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ یہ اس لئے کہ علم، انسان کا ساتھ صرف اس کی زندگی بھر دیتا ہے۔ موت کے طاری ہوتے ہی علم کی رفاقت چھوٹ جاتی ہے۔ البتہ اس وقت دین، ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ اگر نظریۂ نشو و ارتقاء، علم ہیئت، اور دوسرے غامض علوم و فنون پر ہم یقین رکھتے ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ روح اور اس کے بقاء پر بھی ایمان نہ رکھیں۔ کائنات کے بے شمار راز اب تک ہماری عقل سے باہر ہیں، مگر ان کی حقیقت سے جاہل ہونے پر بھی ہم انھیں تسلیم کرتے ہیں۔ کیوں نہ روح کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا جائے؟"

ایک اور مضمون نگار (جسنے اپنا نام ظاہر نہیں کیا)، لکھتا ہے:

"موت کے بعد روح کے بقاء کا عقیدہ، سراسر دینی عقیدہ ہے۔ اس میں بحث کی گنجائش موجود ہے، کیونکہ مرنے کے بعد کوئی آدمی بھی اس دنیا میں واپس نہیں آیا کہ ہمیں اصلی حقیقت سے آگاہ کرتا۔ علم اس کے ثبوت سے قاصر ہے۔ ہماری عقل یہ تصور نہیں کر سکتی کہ جسم کے فنا ہو جانے کے بعد روح باقی رہے۔ لیکن ہماری عقل نے ابتک کتنے حقائق سمجھ لئے ہیں؟"

ڈاکٹر رچرڈ کابٹ نے لکھا ہے:

"میں بقاء روح پر کامل ایمان رکھتا ہوں، اس لئے نہیں کہ علمی دلائل اسے ثابت کرتے ہیں، بلکہ اس لئے کہ میرا وجدان مجھے اس یقین پر مجبور کرتا ہے۔ میرا یہ عقیدہ سراسر دینی عقیدہ ہے۔ اگر علم بقاء روح ثابت نہیں کر سکتا، تو یہ بھی واقعہ ہے کہ وہ اسے باطل بھی ثابت نہیں کر سکتا۔ بہرحال میں بقاء روح کا قائل ہوں میرا پختہ ایمان ہے کہ موت کے بعد ہم دائمی زندگی حاصل کر لیتے ہیں"

ایک اور ڈاکٹر نے (جسے علمی رسالہ نے امریکہ کا مشہور ترین محقق قرار دیا ہے) کہا ہے:

"جن قرائن کی بنا پر بقاء روح ثابت کی جاتی ہے، وہ ہر اعتبار سے لائق غور ہیں۔ میرے ذہن میں ڈارون کا یہ قول برابر موجود رہتا ہے "عقل کسی طرح بھی تسلیم نہیں کر سکتی کہ یہ کائنات محض اتفاق سے ظاہر ہو پڑی ہے۔ وہ حیرت انگیز دقیق نظام جس پر کائنات قائم ہے، ناممکن ہے کہ اس بے معنی لفظ کا نتیجہ ہو جسے عوام "اتفاق" کہتے ہیں" نظریۂ نشو و ارتقاء، جو جملہ زندہ کائنات پر منطبق ہوتا ہے صاف ظاہر کر رہا ہے کہ اس مرئی و مادی عالم سے پرے ایک ایسی غیر مرئی قوت موجود ہے جو ناموس طبیعت پر کامل سلطنت و نفوذ رکھتی ہے۔ وہی کائنات کی مالک ہے اور وہی اسے انتہائی دانش مندی سے چلا رہی ہے۔ یہ غیر مرئی قوت، لازمی طور پر ازلی و ابدی ہی ہو سکتی ہے"

اپنا مضمون ختم کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"طویل تجربوں کے بعد مجھے یقین ہو گیا ہے کہ بقاء روح کا عقیدہ محض وہم و خیال نہیں ہے۔ بلکہ ایک حقیقت پر مبنی ہے۔ انسان نے بلا سبب یہ عقیدہ پیدا نہیں کیا۔ درحقیقت یہ عقیدہ، قدرت کے ایک الہام سے پیدا ہوا ہے۔ انسانی عقل ہرگز تسلیم نہیں کر سکتی کہ موت کے ساتھ ہی فنا طاری ہو جاتا ہے۔ عقل انسانی کا یہ رجحان مادی نہیں ہے۔ روحانی ہے۔ اور ہرگز باطل نہیں ہو سکتا۔ میں یہ اعلان کسی دینی جذبہ کی بنا پر نہیں کر رہا ہوں، بلکہ ایک عالم ہونے کی حیثیت سے بھی میرا یہی اعتقاد ہے"

ڈاکٹر ٹانزنڈ نے یوں اظہار رائے کیا ہے:

"انسانی زندگی میں کوئی ثبوت بھی روح کے وجود کا موجود نہیں۔ نیز کسی علمی دلیل سے موت کے بعد بقاء روح کا نظریہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ مجھے یقین ہے، علم ہرگز اس طرح کا کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتا۔ لیکن ہمارا کسی بات کے ثابت کرنے سے قاصر رہ جانا اس کے بطلان کی دلیل نہیں ہے"

ڈاکٹر کالوج لکھتا ہے:

"طویل تجربوں کے بعد بھی مجھے کوئی مادی ثبوت، موت کے بعد بقاء روح کا نہیں مل سکا۔ میرا علم زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ جب دماغ کا عمل رک جاتا ہے تو عقل غائب ہو جاتی ہے۔ تاہم مجھے حق الیقین ہے کہ اس مادی عالم کے پرے ایک غیر مرئی لامتناہی عقل موجود ہے"

ڈاکٹر آگسٹ کائل کا خیال ہے:

"میں نے آجتک باوجود کوشش کے کوئی ثبوت اس امر کا نہیں پایا کہ موت کے بعد روح باقی رہتی ہے۔ دراصل ہماری مادی زندگی بہت ہی تھوڑی ہے۔ لیکن اس کا امتیاز کمیت میں نہیں ہے کیفیت میں ہے۔ میرے خیال میں انسان کی تربیت اس طرح ہونی چاہئے کہ وہ علم اور دین کو علحدہ علحدہ رکھے اور سمجھے۔ روح کا علمی دلائل سے ثابت نہ ہونا، اس کے بطلان کی دلیل نہیں ہے۔ دین نے انسانیت کو بہت نفع پہونچایا ہے۔ انسانیت کو ہمیشہ دین کی ضرورت باقی رہے گی"

ڈاکٹر کولینڈ لکھتا ہے:

"میرے شخصی تجربے نے مجھے پورے طور پر مطمئن کر دیا ہے کہ ہماری زندگی کا تعلق ایک ایسی چیز سے قائم ہے [illegible] کبھی فنا ہونے والا نہیں کاش میں اتنی فصاحت رکھتا کہ دوسروں میں بھی یہ اعتقاد پیدا کر دے سکتا۔ وہ چیز وہی ہے جسے "روح" کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ میں اگرچہ اسے ثابت نہیں کر سکتا مگر مجھے اسپر کامل یقین ہے روح، مادی و کیمیاوی قوانین کے تابع نہیں ہے، لہذا اسے مادیات پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہو سکتا۔ ابھی علم نے اتنی ترقی نہیں کی کہ یہ طلسم کھول سکے"

تاریخ شرق جدید کی تاریخی شخصیتیں

مدحت پاشا

شہید حریت و دستور

—(۲)—

سلطان کی معزولی

حسین عونی پاشا، رشدی پاشا، مدحت پاشا، اور خیر اللہ آفندی شیخ الاسلام نے مل کر طے کیا کہ ۹ جمادی الاولیٰ کو ولی عہد مراد آفندی کو تخت نشین کر دیا جائے۔ لیکن اس تاریخ سے دو دن پہلے ہی سلطان عبد العزیز کو کسی طرح اس معاملہ کی خبر پہنچ گئی اور انھوں نے عونی پاشا کو ملاقات کے لئے اپنے محل میں طلب کیا۔ مگر عونی پاشا نہیں گئے۔ کیونکہ انھیں افشاء راز کا حال معلوم ہو گیا تھا۔ چونکہ اب مزید تاخیر میں خطرہ تھا، اس لئے یہی طے پایا کہ فوراً تخت نشینی عمل میں لائی جائے۔ چنانچہ حسین عونی پاشا نے اُسی رات اپنے شرکا کی مجلس منعقد کی، اور سلطان کی معزولی کے لئے بڑی تعداد میں فوج بھی جمع کر لی گئی۔

مدحت پاشا اپنی خود نوشتہ سوانح عمری میں لکھتے ہیں:

"ہم نے مناسب سمجھا کہ ولی عہد مراد آفندی کی تخت نشینی کا اعلان، وزارت جنگ کی عمارت میں ہو۔ چنانچہ میں (مدحت پاشا) اور رشدی پاشا صبح تڑکے وزارت جنگ کی طرف روانہ ہوئے حسین پاشا، احمد پاشا، ردیف پاشا، حسن پاشا، طولمہ باغچہ (قصر شاہی) میں گئے۔ تاکہ وہاں فوج کو ضروری احکام دیں۔

"یہ تمام کارروائی پوری طرح مخفی رکھی گئی تھی۔ ہمیں یقین تھا کہ ہمارے رفقاء کے سوا کسی کو اس کا علم نہیں ہے۔ لیکن جب ہم وزارت جنگ میں پہنچے، تو یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ وہاں لاکھوں آدمی جمع ہیں اور نئے سلطان کے ورود کا انتظار کر رہے ہیں۔ آج تک مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ یہ خبر تمام شہر میں راتوں رات کیسے مشہور ہو گئی؟"

"مجمع، از حد جوش وخروش میں تھا۔ بڑی ہی بے چینی سے مراد آفندی کا انتظار کر رہا تھا۔ اچانک ولی عہد کی سواری نمودار ہوئی۔ حسین عونی پاشا اُن کے ساتھ بیٹھے تھے۔ تمام مجمع نے نئے سلطان کے ہاتھ پر بیعت کی اور اُن کی تخت نشینی کا اعلان ہو گیا۔ اُسی وقت سلطنت کے تمام صوبوں اور یورپ کی تمام حکومتوں کو تار کے ذریعہ اس عزل و تخت نشینی کی اطلاع بھیج دی گئی۔ دار الخلافہ میں جشن شروع ہو گیا۔ ہر طرف جھنڈے بلند ہو گئے۔ اجنبی جہازوں نے بھی اپنے علم اونچے کر دئیے لیکن روسی سفارت خانہ نے مظاہر جشن میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ اور دو دن تک عالم تذبذب میں رہا۔

"روس کو محمود ندیم پاشا کی معزولی سے سخت رنج ہوا تھا۔ اب خود سلطان کی معزولی نے اُسے اور بھی برہم کر دیا۔ چنانچہ نار روس نے ترکی وزارت خارجیہ کے نام تار بھیجا کہ " انھیں اس بات پر سخت افسوس ہے کہ ایک معمولی سپہ سالار کی جرأت نے سلطان کو اُس کے تاج و تخت سے محروم کر دیا ہے!"

"سلطان عبد العزیز معزول کر دئیے گئے، لیکن اُن کی ذات اور عزت کو کوئی صدمہ نہیں پہنچایا گیا۔ پہلے دستور تھا کہ معزول سلاطین قید کر دئیے جاتے تھے، ہم بھی سلطنت کے مصالح کے لئے ایسا کر سکتے تھے، مگر ہم نے نہیں کیا۔ ہم جانتے تھے کہ ملک میں کوئی جماعت بھی سلطان کی طرفدار نہیں ہے۔ لہذا انھیں قید کرنا قطعاً غیر ضروری تھا۔ علاوہ بریں ہم دستوری نظام حکومت قائم کرنا چاہتے تھے، اور دستوری حکومت میں کسی شخص کو بھی بغیر جرم کے قید کرنا جائز نہیں ہوتا، اگرچہ وہ معزول بادشاہ ہی کیوں نہ ہو"

"معزول ہونے کے بعد سلطان عبد العزیز نے سلطان مراد کو دست خاص سے مبارک باد کا خط لکھا، اور محل طوب قپو سے "فرعیہ" میں منتقل کر دئیے جانے کی درخواست کی۔ درخواست منظور کر لی گئی اور معزول سلطان نہایت عزت و احترام کے ساتھ اپنی تین سو بیویوں اور کنیزوں کے ساتھ نئے محل میں منتقل ہو گئے۔

عبد العزیز کی خودکشی

ہم ابھی نئے سلطان کی تاج پوشی کے جلسوں سے پوری طرح فارغ بھی نہ ہوئے تھے، کہ سلطان عبد العزیز نے اپنی نخوت و غرور کے جنون سے بے خود ہو کر خودکشی کر لی۔

یہ واقعہ معزولی سے ۶ دن بعد پیش آیا۔ اتوار کے دن انھوں نے اپنے ایک ملازم سے قینچی طلب کی اور اپنے بازو کی رگیں کاٹ ڈالیں۔ اُن کی موت خودکشی سے ہوئی۔ یہ بالکل یقینی بات تھی۔ تاہم مزید احتیاط کے خیال سے ہم نے اس کی باقاعدہ تحقیقات بھی کرائی۔ تمام شاہی طبیبوں اور اجنبی سفارت خانوں کے ڈاکٹروں کو بلا کر معائنہ کرا لیا گیا۔ اِن ڈاکٹروں کی تعداد ۱۹ کے قریب تھی۔ انھوں نے بالاتفاق فیصلہ کیا کہ سلطان نے خودکشی کی ہے۔

سلطان مراد کی بیماری

سلطان مراد کی تخت نشینی ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے عمل میں آئی تھی۔ اتنا بڑا مجمع انھوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مجمع از حد جوش وخروش میں تھا اور پوری قوت سے نعرے بلند کر رہا تھا۔ نئے سلطان کے اعصاب پر اس منظر نے بہت بُرا اثر کیا، اور وہ عصبی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ اس واقعہ کے چھٹے دن جب انھوں نے معزول سلطان عبد العزیز کی خودکشی کا حال سُنا، تو مرض نے اور بھی زیادہ شدت اختیار کی۔ دوسرے ہی دن اُن میں جنون کی علامتیں ظاہر ہو گئیں۔ ہم نے یہ واقعہ احتیاطاً مخفی رکھا اور علاج کرتے رہے، لیکن ۲۵ دن کے بعد ایک روز سلطان، باغ کے حوض میں پھاند پڑے اور محل کے خدام کو اُن کے جنون کا حال معلوم ہو گیا۔ اب اخفا ناممکن تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں تمام شہر حقیقت حال سے واقف ہو گیا تھا!

سلطان کی بیماری نے سلطنت کو سخت نقصان پہنچایا۔ ہم نے دستور اساسی طیار کر لیا تھا، مگر اسی بیماری کی وجہ سے اعلان ملتوی کر دیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ حکومت کے تمام کام معطل ہو گئے۔ حتیٰ کہ سفراء دول کے کاغذات تک کی تصدیق نہیں ہو سکی۔ اگرچہ وزارت و حکومت موجود تھی، مگر قانون کے مطابق ہر حکم کے لئے سلطان کی منظوری لازمی تھی۔ اور سلطان اس قابل نہ تھے کہ معاملات سلطنت کی سماعت کر سکتے۔

ایک نئی مصیبت

اس صورت حال نے ہمیں سخت پریشان کر دیا تھا۔ ہم سلطنت کے معاملات پر غور کرنے کے لئے رات رات بھر بیٹھے رہتے۔ ایک رات میرے مکان پر شیخ الاسلام خیر اللہ آفندی اور وزراء سلطنت جمع تھے کہ ایک شخص حسن چرکسی نامی آیا۔ یہ فوج میں افسر تھا، اور سلطان عبد العزیز کے لڑکے شہزادہ یوسف عز الدین کا اڈی کانگ رہ چکا تھا۔ اسنے وزیر جنگ سے ایک بہت ضروری معاملہ کے لئے ملاقات کی درخواست کی۔ جوں ہی وہ اندر داخل ہوا حسین عونی پاشا پر پستول نکال کر حملہ کر دیا۔ حسین عونی کے سینہ پر گولی لگی اور اُن کا کام تمام ہو گیا۔ چونکہ ہمارے پاس ہتیار نہیں تھے، بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ مگر قیصرلی احمد پاشا وزیر بحر نے قاتل کو گرفتار کرنا چاہا۔ قاتل نے انھیں بھی سخت زخمی کیا۔ وہ بھاگے۔ اُسنے تعاقب کیا۔ میرا خادم احمد آغا اُس سے لپٹ گیا۔ مگر قاتل نے اُسے بھی قتل کر ڈالا۔ وزراء کے محافظ سپاہی دوڑے مگر قاتل کی جیب میں ۵ پستول تھے۔ اُسنے ۵ آدمی اور قتل کر دئیے۔ اب کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اُس کے قریب جائے۔ قاتل اب ایک دوسرے کمرے میں گھسا، وہاں راشد پاشا بیہوش پڑے تھے۔ اُسنے انھیں بھی قتل کر دیا۔ بالآخر جب کافی تعداد میں مسلح پولیس کے سپاہی پہنچے تو وہ گرفتار کیا گیا۔

اس حادثہ نے سلطنت کو بہت نقصان پہنچایا۔ حسین عونی پاشا، فنون جنگ میں بے نظیر تھے۔ راشد پاشا، خارجی معاملات کے فہم میں مشہور تھے۔ ہمارے دشمن اِن دونوں کی موت سے بہت خوش ہوئے۔

بلقان اور جزیرہ کریٹ کی شورشیں

ہم اِن مصائب میں گرفتار تھے کہ مانٹی نگرو، سرویا، بلغاریا، اور کریٹ میں شورشیں برپا ہو گئیں۔ ہمارے عزم و استقلال کے لئے یہ بڑا ہی نازک وقت تھا۔ بایں ہمہ ہم نے بروقت کارروائیوں میں ذرا بھی کوتاہی نہ کی۔ فوراً ہر طرف فوجیں روانہ کر دی گئیں۔ ہماری فوجوں نے غیر معمولی شجاعت و ہمت دکھائی، اور تمام شورشوں کا خاتمہ کر دیا۔

سلطان عبد الحمید کی تخت نشینی

لیکن سلطنت کی حفاظت کے لئے مجنون سلطان کی معزولی

ناگزیر تھی۔ اب قانون کے بموجب عبد الحمید آفندی ولی عہد تھے اس لئے وہی تخت نشین ہو سکتے تھے۔ دستور اساسی کا جو مسودہ میں نے طیار کیا تھا، ولی عہد نے ملاحظہ کرلیا تھا اور اُس سے بالکل متفق تھا۔ اُسنے بڑے ہی جوش سے کہا تھا کہ "سلطنت کی نجات صرف ایسے ہی نظام حکومت سے ممکن ہے" اُسنے پُورے یقین کے ساتھ اپنے اس عزم کا بھی یقین دلایا تھا کہ تخت نشیں ہوتے ہی اُسکا اعلان کردیگا۔ ہم خدام سلطنت کی مسرت بے حساب تھی۔ ہم برسوں سے احیار دولت کا جو خواب خرگوش دیکھ رہے تھے، اب اُس کی تعبیر ہمارے سامنے تھی۔ ہم نے خیال کیا کہ یہ نوجوان شہزادہ سلطنت اور اُمت کا نجات دہندہ ثابت ہوگا۔ چنانچہ ۱۱۔ شعبان ۱۲۹۳ھ کو عبد الحمید کی تخت نشینی کا باقاعدہ اعلان کردیا گیا۔

سفرا و دول کی مؤتمر

بلقان کا مسئلہ، درحقیقت روس کا اُٹھایا ہوا تھا لیکن جب ہماری فوجوں نے بلقانی باغیوں کے ٹکڑے اُڑا دئیے، تو روس نے چند نئے حیلے تراشنا شروع کئے، اور دول یورپ کو ایک مؤتمر منعقد کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ آستانہ میں دول عظمی کے ۶ سفیروں کا اجتماع ہوا اُنھوں نے پہلی تجویز یہ طے کی کہ بلغاریہ کو اندرونی خودمختاری دیدی جائے۔

مدحت پاشا کی وزارت

ظاہر ہے، ہم اس قسم کی تجویزیں منظور نہیں کرسکتے تھے۔ ان تجویزوں کا مان لینا، بلقان سے ہاتھ دہونا تھا۔ مگر دول یورپ نے دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ رشدی پاشا وزیر اعظم بہت خائف تھے۔ اس صورت حال نے مجھے مجبور کردیا کہ وزیر اعظم کی کرسی پر بیٹھ جاؤں۔ میں حالات کی ابتری سے بخوبی واقف تھا۔ تاہم میں نے اصلاح کی کوشش شروع کردی۔

ہماری مصیبت صرف یورپ ہی کی جانب سے نہ تھی بلکہ اس سے بھی بڑہ کر مصیبت یہ تھی کہ ہمارا خزانہ بالکل خالی تھا۔ سلطان عبد العزیز کے مہلک اسراف نے ایک کوڑی باقی نہیں رکھی تھی۔ میں نے غیر معمولی محنت کرکے نئے بنک نوٹ جاری کردئیے۔

دستور اساسی کا اعلان

سلطان عبد الحمید نے تخت نشین ہوتے ہی دستور اساسی کا مسودہ ایک مجلس کے سپرد کردیا تھا کہ اُس کی جانچ پڑتال کرے۔ مجلس نے اُسپر پُوری بحث کی، اور منظور کرکے سلطان کی خدمت میں بھیجدیا۔ سلطان نے بھی اُس پر پسندیدگی کا اظہار کیا، اور ۷، ذی الحج ۱۲۹۳ھ میں بڑے تزک و احتشام کے ساتھ اُسکا اعلان ہوگیا۔ تمام مملکت نے اس اعلان کا پُرجوش استقبال کیا۔ پُوری سلطنت میں جشن منایا جانے لگا۔

اس اثنا میں ہم نے دول یورپ کی مؤتمر کو صاف اور قطعی لفظوں میں اطلاع دیدی کہ ہم اُس کی کوئی تجویز بھی منظور نہیں کرینگے۔ ہماری یہ جرأت نہایت خطرناک تھی۔ ہم نے گویا پُورے یورپ کو دعوت جنگ دے دی تھی۔ مگر ہم مجبور تھے۔ ہماری مجلس وزرا نے طے کرلیا تھا کہ خاموشی سے تباہ نہیں ہونگے۔ اگر مٹنا ہی ہے تو عزت کے ساتھ مٹیں گے۔ دول یورپ ہمارا انکار سُن کر بہت برہم ہوئیں، اور اپنے اپنے سفرا واپس بُلالئے۔ اس کاروائی کا صاف مطلب یہ تھا کہ ہمارے باہمی سیاسی تعلقات منقطع ہوگئے۔ مگر ہم نے اس کی کوئی پروا نہیں کی۔

دوسری طرف میں نے یہ کیا کہ بلقانی ریاستوں سے براہ راست گفت و شنید شروع کردی۔ اُنھیں نرم گرم شرطوں پر صلح کے لئے راضی کرلیا۔ ساتھ ہی دستور اساسی کے اعلان کے بعد ہم نے پہلی عثمانی مجلس (پارلیمنٹ) کے لئے انتخابات شروع کردئیے۔

ہم یہ سب کچھ کررہے تھے، مگر چونکہ روس کی طرف سے اعلان جنگ کا قوی احتمال تھا اس لئے جنگی تیاریوں سے بھی غافل نہیں تھے۔ فوجوں کی ترتیب اور نقل و حرکت تمام مملکت میں شروع ہوگئی تھی۔

مدحت پاشا کی جلاوطنی

سلطنت ان داخلی اور خارجی مشکلات میں پھنسی ہوئی تھی۔ میں اصلاح حال کی شب و روز کوشش کررہا تھا، کہ اچانک ایک دن قصر طولمہ باغچہ میں سلطان نے مجھے طلب کیا۔ جوں ہی میں پہونچا، مجھ سے قلمدان وزارت لے لیا گیا، اور کہا گیا کہ میں جہاز عز الدین میں فوراً سوار ہوجاؤں۔ کیونکہ میں سلطان کے حکم سے جلاوطن کردیا گیا ہوں مجھے یورپ چلا جانا چاہئے!

سلطان مراد کی تخت نشینی کے دن سے میں نے اس قدر محنت کی تھی کہ مجھے یقین ہے کوئی دوسرا انسان نہیں کرسکتا۔ میں نے لگاتار جد و جہد سے اب ایسی صورت حال پیدا کردی تھی کہ سلطنت تمام خطروں سے صحیح و سالم نکل جاتی۔ لیکن اب اچانک یہ معاملہ پیش آگیا۔ پہلے مجھے خوشی ہوئی کہ اب آرام کرسکوں گا۔ مگر فوراً اس خیال سے دل و جگر مجروح ہوگیا کہ میری زندگی، میری نہیں بلکہ قوم و ملک کی ہے، اور اس کے لئے سخت خطرات درپیش ہیں۔ مجھے یقین تھا کہ سلطان کی یہ حرکت، سلطنت کے لئے نہایت مہلک ثابت ہوگی۔ اور اصلاح کی تمام اُمیدیں ضایع ہوجائیں گی۔

میں نے اپنا قصور دریافت کیا۔ سعید پاشا، سلطان کے پاس گئے، اور واپس آکر کہا کہ دستور اساسی کی دفعہ ۱۱۳ کی رُو سے سلطان کو حق پہنچتا ہے کہ ہر اُس شخص کو جلاوطن کردیں، جسے پولیس کا افسر اعلی سلطنت کے لئے خطرناک ظاہر کرے۔ ساتھ ہی اُنھوں نے دو سرکاری کاغذ بھی دکھلائے۔ ایک میں لکھا تھا کہ پولیس نے ایک فوجی افسر کو بازار میں کہتے سُنا "مدحت پاشا عنقریب ترکی جمہوریت کا صدر منتخب ہوگا"

میں جلاوطنی کی اس وجہ پر اپنی بے اختیارانہ ہنسی ضبط نہ کرسکا سعید پاشا نے کہا "سلطان معظم، سلام کے بعد فرماتے ہیں کہ عنقریب تمھیں واپس بُلالیا جائے گا"

میں نے کہا "سلطان کے سلام کا شکریہ! اگر سلطان کو میرا یہ پیغام پہونچا دو کہ اپنی واپسی پر میں ان محلوں میں سلطان کو نہیں پاؤں گا اور نہ سلطنت کی یہ عظمت و شان نظر آئے گی۔ اُسوقت میں تباہی روک نہ سکوں گا!" میں نے یہ کہا اور روانہ ہوگیا۔

میری ناگہانی جلاوطنی سے پایۂ تخت اور صوبوں میں سخت بیچینی پیدا ہوئی۔ لوگ ڈرے کہ اب دستور اساسی بھی باطل ہوجائے گا۔ کیونکہ میں نے ہی اُسے مرتب کیا تھا، اور سب سے زیادہ میں ہی اُسپر زور دے رہا تھا۔ یہ بیچینی دیکھ کر سلطان مجبور ہوئے کہ نئی نئی تہمتیں تراشی جائیں۔ چنانچہ قسطنطنیہ کے اخبارات میں شایع کیا گیا کہ میرے کاغذات میں ایسی چیزیں ملی ہیں جن سے میری خیانت ثابت ہوتی ہے اسی لئے سلطان نے مجھے معزول کرکے جلاوطن کردیا ہے!

اُسوقت تک ترک اس قدر نیک دل تھے کہ سرکاری افترا پردازیاں سمجھ نہیں سکتے تھے۔ اس لئے اکثر لوگ میرے مخالف ہوگئے۔ مگر یورپ کے اخبارات حقیقت حال سے واقف تھے۔ اُنھوں نے صحیح خبر شایع کردی کہ چونکہ مدحت پاشا نے سلطان کی غلامی منظور نہیں کی، اس لئے اُن پر عتاب شاہی نازل ہوا ہے۔ ترکوں نے یہ سُنا تو سلطان پر نہایت برہم ہوئے۔ اب قصر شاہی مجبور ہوا کہ میرے خلاف ایک پُوری سازش طیار کرے۔ چنانچہ آستانہ کے اخبارات اور ساقط مقرروں اور شاعروں کو رشوت دیکر آمادہ کیا گیا کہ مجھ پر حملہ شروع کردیں۔ میں نے ترکی اخبارات دیکھے تو ہنسنے لگا۔ کل تک یہ میرے تدبر و دیانت کے راگ گاتے تھے۔ آج مجھے شیطان قرار دینے لگے! اُسوقت بے اختیار میری زبان پر یہ آیت جاری ہوئی: "واذا اراد اللہ بقوم سوءًا فلا مرد لہ وما لہم من دونہ من وال"

روس کا اعلان جنگ

میری جلاوطنی کی خبر پٹرزبرگ (دار الحکومت روس) پہنچی تو حکومت روس کیا مسرت سے اُچھل پڑی۔ اب اُسنے باب عالی پر زور دینا شروع کیا کہ بلقان کے متعلق اُس کے مطالبات منظور کرلے۔ لیکن ترکی حکومت نے انکار کیا۔ اسپر روس نے اعلان جنگ کردیا، اور دریائے طونہ کی طرف سے روسی فوج حملہ آور ہوگئی۔

اب سخت پریشانی پیدا ہوگئی۔ ہمارا خزانہ بالکل خالی پڑا تھا۔ میرے جاری کئے ہوئے بنک نوٹ، سلطان نے بے پروائی سے خرچ کرڈالے تھے۔ نئے نوٹوں کا شایع کرنا سردست ناممکن تھا۔ اعلان جنگ نے سابق نوٹوں کی قیمت بھی کم کردی تھی۔ حکومت کے لئے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ رعایا سے زبردستی روپیہ وصول کیا جائے۔ چنانچہ یہی کیا گیا۔

اس سے بھی بڑی مصیبت، سلطان کی ناتجربہ کاری تھی۔ جنگ شروع ہوتے ہی سلطان نے عبدی پاشا اور ردیف پاشا کو معزول کردیا۔ یہ دونوں سپہ سالار روسی سرحدوں سے واقف تھے اور اس جنگ کے لئے پہلے ہی سے نقشے مرتب کرچکے تھے۔ ان کی معزولی نے میدان جنگ میں سخت ابتری پیدا کردی۔ اُسوقت ہماری جنگی قوت کافی تھی۔ ۵ لاکھ نظامی فوج نہایت عمدہ طور پر مسلح موجود تھی۔ رضاکاروں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی۔ مگر سلطان کی شخصی مداخلت نے معاملہ خراب کردیا۔ رضاکار فوجیں منتشر کردی گئیں نظامی فوجوں میں بدنظمی پیدا ہوگئی۔ اسپر بھی سلیمان پاشا اور عثمان پاشا نے دشمن کی یلغار روک دی، اور امید بندھی کہ یہ دونوں سپہ سالار سلطنت کو خطرہ سے بچالیں گے۔ مگر کوئی جنگی مرکز موجود نہ تھا۔ مختلف مقامات سے احکام صادر ہوتے تھے۔ ہر مقام میں سلطان کی ضد موجود تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سلیمان پاشا کی فوجیں بھاگنے لگیں اور عثمان پاشا، پلونہ میں قید ہوگئے۔ پلونہ میں روس کی پُوری قوت موجود تھی۔ خود زار روس فوج کی قیادت کررہا تھا۔

روس کو کامل فتح حاصل ہوگئی اور اُس کی مظفر و منصور فوجیں سین اسٹفانو (مضافات قسطنطنیہ) تک پہنچ گئیں۔ دوسری طرف سے انگریزی حکومت کا جنگی بیڑہ، باسفورس میں آگیا اور قصر شاہی کے سامنے توپیں سیدھی کرکے کھڑا ہوگیا۔

میں اُسوقت یورپ میں اپنی جلاوطنی کے دن گزار رہا تھا۔ مجھے سلطنت کے معاملات میں مداخلت یا دُول یورپ سے گفت و شنید کا کوئی حق نہ تھا تاہم میرا دل یہ تباہی دیکھ کر بیچین ہوگیا اور میں نے جد و جہد شروع کردی۔ لندن، پیرس، وائنا، برلن، تمام مراکز میں پھرا۔ اس سعی کا نتیجہ یہ ہوا کہ سین اسٹفانو کا ذلیل معاہدہ منسوخ ہوگیا اور سلطنت ایک مرتبہ پھر بچ گئی۔ مجھے وزرار سلطنت اور خود سلطان کی غفلت پر از حد افسوس ہے۔ عین اُسوقت جبکہ روس پلونہ کا محاصرہ کئے پڑا تھا، میں نے آسٹریا کو راضی کرلیا تھا کہ روس پر حملہ آور ہوجائے۔ آسٹریا کے حملے کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہ ہوتا کہ روسی فوجوں پر واپسی کا راستہ مسدود ہوجاتا اور سب کی سب یا تو قید ہوجاتیں، یا برباد ہوجاتیں۔ میں نے فوراً سلطان کو مفصل تار دیا۔ مگر بیس دن گزر گئے اور کوئی جواب نہ آیا۔ اس اثنا میں روس کو کامل فتح حاصل ہوگئی تھی!

میری ان خدمات کا اثر، سلطان پر پڑا۔ اُنھوں نے مجھ بے گناہ کو انتہائی "رحم و کرم" سے معاف کردیا۔ دو سو پونڈ ماہوار کا وظیفہ

مقرر کیا۔ ایک ہزار پونڈ "انعام" دیا۔ ۵۰۰ پونڈ میرے بیوی بچوں کو مرحمت کئے۔ اور مجھے اجازت دی کہ اپنے خاندان کے ساتھ جزیرۂ کریٹ میں رہوں۔ چنانچہ یکم شوال ۱۲۹۵ھ میں میرا خاندان کریٹ پہنچ گیا۔

شام کی گورنری

لیکن دو ہی مہینے بعد مجھے فرمان شاہی ملا کہ تم شام کے گورنر مقرر کئے گئے۔ میں معاملہ کی تہ تک پہنچا ہوا تھا۔ دراصل سلطان مجھے پایۂ تخت سے دُور رکھنا چاہتے تھے۔ میں نے معذرت کی۔ بڑھاپے کا عذر پیش کیا مگر مسموع نہ ہوا اور شام جانا پڑا۔ مجھے اس منصب سے خوشی ہوئی۔ اس لئے نہیں کہ مناصب کی طلب تھی۔ اب میں مناصب سے اُکتا سا گیا تھا اس لئے کہ شام میں میں اپنا جنون اصلاح پورا کر سکوں گا۔ میرا جنون، میری اصلاح پسندی ہے۔ میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔

شام میں آتے ہی میں نے محسوس کیا کہ مسلمان باشندوں میں تعلیم بالکل مفقود ہے۔ چنانچہ میں نے تعلیم کی اشاعت، تمام اصلاحات پر مقدم رکھی، اور سیکڑوں مدرسے جاری کر دیئے۔ میں نے ایک قانون بنایا کہ ۷ برس کی عمر کے بعد جو کوئی اپنے لڑکے کو مدرسے میں داخل نہیں کرے گا اُسے سزا دی جائے گی۔ ان مساعی کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت جلد تعلیم کی طرف باشندوں کو رغبت پیدا ہو گئی۔ اور ہزارہا بچے پڑھنے لکھنے لگے۔ حالانکہ مجھ سے پہلے اس صوبے میں صرف گنتی کے چند مکتب قائم تھے اور اُن میں بھی صرف قرآن پڑھایا جاتا تھا۔

از سر نو سازشوں کا ظہور

تعلیم کے بعد میں نے دوسری اصلاحات شروع کیں۔ مگر اچانک دار الخلافہ میں میرے خلاف از سر نو سازشوں کا ظہور ہوا۔ سلطان نے داماد محمود پاشا اور رشدی پاشا وغیرہ کو جلاوطن کر دیا جو سعی اصلاح میں میرے ہم خیال تھے۔ اور محمود ندیم پاشا اور جودت پاشا کو اپنا مشیر بنا لیا جو اصلاح اور اصلاح پسند جماعت کے سخت دشمن تھے۔ پارلیمنٹ بند کر دی۔ دستور اساسی منسوخ کر دیا۔ پھر خود میرے متعلق، آستانہ کے اخبارات نے لکھنا شروع کیا کہ میں شام میں بغاوت کی طیاری کر رہا ہوں۔ عنقریب اپنی بادشاہی کا اعلان کر دوں گا۔ میں اس کی بھی پروا نہ کرتا، لیکن شام میں میری اصلاحات کی مخالفت پایۂ تخت سے ہونے لگی۔ اب میں نے دیکھا کہ استعفا پیش کر دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ چنانچہ اپنی پیری اور ضعیفی کی بنا پر استعفی دے دیا۔ بڑی حجتوں کے بعد سلطان نے اُسے منظور کیا۔ لیکن حکومت کی خدمت سے مجھے علحدہ ہونے نہیں دیا۔ شام سے سمرنا کی گورنری پر بھیجدیا۔

سمرنا میں اصلاحات و ترقی

اُسوقت صوبہ سمرنا کی حالت نہایت زبوں تھی۔ کوئی انتظام نہ تھا۔ ہر طرف لوٹ مار اور بے امنی پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے از سر نو حکومت قائم کی۔ مدرسے جاری کئے۔ سڑکیں بنائیں۔ ٹریم جاری کی مگر دار الخلافہ میں میرے خلاف برابر سازشیں جاری تھیں۔ محمود ندیم پاشا برسر اقتدار تھا اور روس کے اشاروں پر کام کر رہا تھا۔

اب سلطان عبد الحمید بالکل کھُل کھیلنا چاہتے تھے۔ جن جن لوگوں سے اُنھیں مخالفت کا ذرا بھی اندیشہ تھا، سب کو پایۂ تخت سے جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ مگر اسپر بھی وہ مطمئن نہ تھے۔ اس اثنا میں معزول سلطان مراد کا جنون دور ہو چکا تھا۔ سلطان عبد الحمید کو اندیشہ پیدا ہوا، مبادا اُنھیں دوبارہ تخت نشین کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ چنانچہ اُنھوں نے تمام اصلاح پسندوں کا خاتمہ کر دینا چاہا۔

※

مدحت پاشا کے خلاف مقدمہ

اس مقصد کے لئے سلطان عبد الحمید نے مرحوم عبد العزیز کی خودکشی کو آلۂ کار بنایا۔ عبد العزیز کی وفات، ایک سازش اور قتل کا نتیجہ قرار دی گئی۔ ایک برس تک خفیہ طیاریاں ہوتی رہیں۔ پھر اچانک داماد محمود جلال الدین پاشا، رشدی پاشا، سردار عبدی پاشا، ردیف پاشا، اور شیخ الاسلام خیر اللہ آفندی جلاوطن کر دیئے گئے۔ وجہ یہ بتائی گئی کہ تحقیقات سے ثابت ہو گیا ہے کہ انھی لوگوں نے سلطان عبد العزیز کو قتل کیا ہے۔ مگر وہ تحقیقات آجتک شائع نہیں کی گئی۔

اس اثنا میں میرے بعض دوست مجھے لکھ رہے تھے کہ عنقریب تم بھی گرفتار ہونے والے ہو۔ فوراً بھاگ جاؤ۔ نیز میرے ایک یورپین دوست نے آکر کہا "میں ایک جہاز خاص تمھارے لئے لایا ہوں۔ فوراً یورپ چلے جاؤ۔ ورنہ گرفتار ہو جاؤ گے۔" مگر میں نے قطعی انکار کر دیا۔ میں نے کہا سلطان عبد العزیز نے خودکشی کی ہے۔ نہ میں نے اور نہ کسی اور نے اُنھیں قتل کیا ہے۔ جب میں مجرم ہی نہیں ہوں تو کیوں بھاگوں اور دشمنوں کو تہمت لگانے کا موقعہ دوں؟ میں نے ۴۰ برس سلطنت کی خدمت کی ہے۔ اب آخری وقت میں اُسے چھوڑ نہیں سکتا!

میں نے یہ کہا حالانکہ میں خوب جانتا تھا کہ سلطان میرے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں اور جلد سے جلد میرا فیصلہ کر دینا چاہتے ہیں۔ مجھے ہر روز اپنی گرفتاری کا انتظار رہتا تھا۔ چنانچہ ۴ مارچ کو جبکہ میں سمرنا کے دار الحکومت میں اپنے خاندان کے ساتھ سو رہا تھا، آدھی رات کے وقت مکان کا ۳ پلٹنوں نے محاصرہ کر لیا، اور مجھے قید کر کے آستانہ بھیجدیا گیا۔

بریدِ شرق

مکتوب حجاز

(الہلال کے مقالہ نگار حجاز کے قلم سے)

جدید اصلاحات

گزشتہ ہفتہ معاہدۂ جدہ پر روشنی ڈال چکا ہوں۔ اس ہفتہ اُن جدید اصلاحات پر مفصل بحث کرنے کا ارادہ تھا جو حجاز میں شروع ہو چکی ہیں۔ مگر جب لکھنے بیٹھا تو معلوم ہوا ایک مضمون میں بحث نہیں ہو سکتی، کیونکہ اصلاحات کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ مجبوراً نہایت مختصر اشاروں پر اکتفا کروں گا۔

آپکے قارئین واقف ہیں کہ پچھلے دنوں سلطان ابن سعود بعض انتظامات کی تکمیل کے لئے نجد گئے تھے۔ اُن کی عدم موجودگی میں بعض بدنظمیاں حجاز میں رونما ہو گئی تھیں۔ یہ بدنظمی ایک حد تک قدرتی کہی جا سکتی ہے۔ کیونکہ موجودہ حکومت کی عمر ابھی بہت کم ہے اور صدیوں کے اختلال و فساد کے بعد حجاز میں بہت ہی زیادہ مدبر اور بیدار حکومت کی ضرورت ہے۔ باشندوں کے مزاج بگڑے ہوئے ہیں۔ ذرا سی غفلت میں بے لگام ہو جاتے ہیں۔

مجلس تفتیش

سلطان نے یہ صورت حال دیکھی تو فوراً اُس کے سدباب پر کمربستہ ہو گئے۔ اُنھوں نے ایک مجلس "لجنۃ التفتیش و الاصلاح" کے نام سے قائم کر دی۔ اس مجلس کی طرف میں اپنے کسی پچھلے مکتوب میں اشارہ کر چکا ہوں۔ اس مجلس کا کام یہ ہے کہ حکومت کے تمام شعبوں کی جانچ پڑتال کر کے اصلاح کی تجویزیں سلطان کے سامنے پیش کرے۔ صرف اسی قدر نہیں بلکہ اُن تمام تدبیروں پر بھی غور کرے جو حجاز کی ترقی و خوشحالی کا موجب بن سکتی ہیں۔ سلطان نے اس مجلس کو کافی اختیارات دیئے ہیں۔ یہ مجلس جو کچھ طے کر دیتی ہے، سلطان اُسے منظور کر لیتے ہیں۔

درحقیقت تمام جدید اصلاحات کا مسودہ اسی مجلس نے بنایا ہے ذیل میں بعض اہم اصلاحات کا ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) تعلیم۔ مجلس نے فیصلہ کیا ہے کہ دنیا کے دوسرے ملکوں کی طرح حجاز میں بھی تعلیم تین درجوں پر تقسیم کر دی جائے: ابتدائی، ثانوی، اعلی۔ تمام تعلیم گاہوں کے لئے عام اس سے کہ سرکاری ہوں یا غیر سرکاری، ایک ہی نصاب اور دستور العمل بنایا جائے۔ نئی کتابیں تصنیف یا ترجمہ کی جائیں اور ان میں ملک کی استعداد کا لحاظ رکھا جائے۔ ۲۲ ارکان پر مشتمل ایک مجلس "مجلس معارف" کے نام سے قائم کی جائے اور پورا محکمۂ تعلیم اُس کے سپرد کر دیا جائے۔

(۲) مجلس تفتیش نے فیصلہ کیا کہ عدالتوں کا موجودہ نظام، فاسد ہے اس میں تبدیلی کی جائے۔ اسوقت صورت یہ تھی کہ مقدمات کا فیصلہ مدتوں تک نہیں ہو سکتا تھا۔ دادخواہوں کو سخت پریشانیاں اٹھانی پڑتی تھیں۔ نتیجہ یہ تھا کہ باشندے اپنا نقصان گوارا کر لیتے، مگر عدالتوں کے تباہ کن پنجوں میں پھنسنا نہیں چاہتے۔ مجلس نے طے کیا کہ عدالتوں کا نظام بہت سادہ کر دیا جائے۔ مقدمات کے فیصلے میں تاخیر نہ ہونے پائے۔ شرعی احکام کے مطابق فوراً فیصلہ صادر ہو جائے۔ عدالت کے حکام کے غیر محدود اختیارات مقید کر دیئے جائیں۔ اُن پر باضابطہ نگرانی قائم کی جائے، تاکہ مقدمہ والوں کو اُن کی دیانت پر شبہ باقی نہ رہے۔ چھوٹی چھوٹی عدالتیں جابجا قائم کی جائیں۔ اِن کا کام یہ ہو کہ معمولی مقدمات کا تصفیہ فوراً کر دیا کریں۔

(۳) ملک میں حفظان صحت کا انتظام مکمل نہیں ہے۔ نئے شفاخانے کھولے جائیں۔ نئے طبی آلات مہیا کئے جائیں۔ لائق طبیبوں کی خدمات حاصل کی جائیں۔

(۴) ڈاک اور پولیس کے محکموں میں اصلاحات جاری کی جائیں۔

(۵) مکہ، مدینہ، طائف، جدہ، ینبوع کے مابین سڑکیں بنائی جائیں۔

(۶) حرم کعبہ میں نیا اضافہ کیا جائے۔ اُس کے انتظام میں خرابیاں ہیں۔ اصلاح کی جائے۔

(۷) چاہ زمزم سے پانی نکالنے کا موجودہ طریقہ اچھا نہیں۔ اصول حفظان صحت کے خلاف ہے۔

(۸) نہر زبیدہ کی موجودہ صورت حال خراب ہے۔ جابجا سے کھلی ہوئی ہے۔ قسم قسم کی گندگیاں اُس میں گر جاتی ہیں۔ لوگ کپڑے بھی اُس میں دھولیتے ہیں۔ حاجی اور باشندے یہی پانی پیتے ہیں اور نقصان اُٹھاتے ہیں۔

(۹) نہر زبیدہ ناکافی ہے۔ جدید کنوئیں کھودنے چاہئیں۔

(۱۰) منیٰ، عرفات، اور بحرہ میں پانی اور سایہ کا انتظام نہیں ہے۔

یہ مجلس تفتیش و اصلاح کے مسودۂ اصلاحات کی چند سفارشیں ہیں۔ اب دیکھنا چاہیئے ان پر کہاں تک عمل ہوا ہے؟

تعلیم

نئے مدرسے جاری کئے جا رہے ہیں۔ مدارس کے لئے نصاب تعلیم اور دستور العمل بنایا جا رہا ہے۔ مصر و شام سے لائق مدرس طلب کئے جا رہے ہیں۔ صرف حجاز کے بڑے بڑے شہروں ہی میں نہیں بلکہ بدوی قبائل میں بھی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ بدوی باشندے باضابطہ مدارس سے مستفید نہیں ہو سکتے۔ لہذا اُن کے لئے تجربہ کار خاص معلم بلائے گئے ہیں جو خود بھی بدوی ہیں اور بدوی عادات و طبائع سے واقف ہیں۔ اب تک ۲۸ قبیلوں میں تعلیم کا انتظام کیا جا چکا ہے۔ گو ظاہر ہے تعلیمی اصلاحات کا نتیجہ ایک مدت کے بعد ہی محسوس کیا جا سکتا ہے۔ تعلیمی لائحہ ایک فرمان کی صورت میں شایع کیا گیا ہے اور وہ بالاختصار یہ ہے:

دفعہ اول۔ کسی شخص کو حق نہیں کہ مجلس معارف کے لائحہ سے ہٹ کر بطور خود تعلیم دے۔

دفعہ دوم۔ جن علوم کی تعلیم دی جائے گی، وہ وہی ہونگے جنھیں مجلس معارف نے مقرر کر دیا ہے۔

دفعہ سوم۔ حجاز کی تعلیم گاہیں، مجلس معارف کے ماتحت ہونگی۔

دفعہ چہارم۔ گھروں میں تعلیم نہیں دی جا سکے گی الا یہ کہ مجلس معارف سے اجازت حاصل کر لی گئی ہو۔

دفعہ پنجم۔ تعلیمی نصاب اور دستور العمل عنقریب مرتب کیا جائے گا۔ سلطان نے اس کے لئے ایک مجلس کی تشکیل کا حکم دیدیا ہے۔

دفعہ ششم۔ تعلیمی لائحہ اور دستور العمل حسب ذیل اصول پر مبنی ہوگا۔

(۱) تعلیم کی غرض ایک ہو۔

(۲) حجاز میں تعلیمی بدنظمی دُور کر دی جائے۔ تمام تعلیم ایک ہی نظام کے ماتحت رہے۔ ابتدائی تعلیم، بتدریج اجباری کر دی جائے اور غریبوں کے لئے مفت ہو۔

(۳) حجاز میں تعلیم کے چار درجے قرار دئے جائیں: مکتبی، ابتدائی، ثانوی، اعلیٰ۔

(۴) مسجد حرام میں جو تعلیم جاری ہے، اُس کے لئے ایک ضابطہ مقرر ہو۔

(۵) مدرسوں کی قابلیت کے لئے معیار مقرر کر دیا جائے۔

دفعہ ہفتم۔ مدارس اور تعلیم کی جانچ کے لئے مفتش مقرر کئے جائینگے وہ پوری تعلیم کی نگرانی کرینگے اور اپنی رودادیں مجلس معارف کے سامنے پیش کیا کرینگے۔

عدالتی نظام

عدالتوں کے لئے ایک نیا دستور العمل سلطان نے شایع کیا ہے۔ جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

دفعہ اول: مکہ معظمہ میں حسب ذیل عدالتیں قائم ہوں:

(۱) عدالت خفیفہ۔ اس کا مرکز قلعہ حمیدیہ میں ہوگا۔ یہ اُن تمام دیوانی و فوجداری مقدمات کا فوراً فیصلہ کرے گی جن میں ۳۰ گنی سے کم کا دعویٰ پیش ہوگا۔ اور جن میں مجرم کے لئے سنگین سزا نہیں ہے۔ اس کے فیصلے کی اپیل نہیں ہو سکتی۔ الا یہ کہ ظاہر شرع کے صریح خلاف ہو۔

(۲) اسی قسم کی ایک اور عدالت بھی قائم ہوگی۔ یہ صرف بدوی قبائل کے مقدمات کا فیصلہ کرے گی۔

(۳) شرعی عدالت عالیہ۔ یہ اُن تمام مقدموں پر غور کرے گی جو عدالت خفیفہ کے دائرہ اختیار سے باہر ہیں۔ اس کے فیصلے اُس کے قاضیوں کے اتفاق اور یا اکثریت سے صادر ہونگے۔

دفعہ دوم۔ جدہ اور مدینہ میں بھی اسی قسم کی تینوں عدالتیں قائم کی جائیں۔

دفعہ سوم۔ مکہ کی عدالتوں میں قاضیوں کی تعداد حسب ذیل ہوگی:

(۱) عدالتہائے خفیفہ میں ایک ایک قاضی۔

(۲) عدالت عالیہ میں تین۔

دفعہ چہارم۔ عدالتی نگرانی کے لئے ایک مجلس قائم ہو۔ اس کا فرض یہ ہوگا کہ وقتاً فوقتاً مقدمات کی رفتار اور فیصلوں کی جانچ کرتی رہے۔ اگر کبھی غلطی دیکھے، تو فوراً بازپرس کرے۔

دفعہ پنجم۔ یہ مجلس ایک صدر، ایک کاتب (سکریٹری) اور تین ارکان سے مرکب ہوگی۔ خود سلطان ان لوگوں کو منتخب کرینگے۔

دفعہ ششم۔ اس مجلس کے وظائف حسب ذیل ہونگے:

(۱) تمام حدود شرعیہ پر نظر رکھنی۔

(۲) مالی مقدمات پر نظر ثانی کرنی بشرطیکہ کوئی فریق اس کی درخواست کرے۔

(۳) کم عمر بچوں کے حقوق اور اوقاف کے اموال کی حفاظت۔

(۴) امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔

(۵) اُن مسائل میں فتویٰ صادر کرنا جن کا تعلق شرعی عدالتوں سے نہیں ہے۔

(۶) اگر عدالتوں کے قاضی کسی معاملے میں مختلف ہوں اور فیصلہ نہ کر سکیں، تو اُنھیں مشورہ دینا۔

دفعہ ہفتم۔ فیصلے کے صادر ہونے کے بعد اُس کے نفاذ میں ۵ دن سے زیادہ تاخیر نہ کی جائے۔

دفعہ ہشتم۔ قاضیوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ عدالت کے اوقات میں لوگوں سے نجی کی ملاقاتیں کریں۔

دفعہ نہم۔ اپیل کی انتہائی مدت ۱۵ دن ہے۔

یہ عدالتی نظام نامے کے چند دفعات کا خلاصہ ہے۔ اس نظام نامے کے ساتھ ہی دو شاہی فرمان بھی شایع ہوئے ہیں۔ ایک میں مکہ معظمہ کی تینوں عدالتوں کے لئے قاضیوں (ججوں) کی تقرری منظور ہوئی دوسرے میں عدالتی نگرانی کی مجلس کے ارکان کے نام بتلائے گئے ہیں۔

عدالت عالیہ کے لئے تین قاضی مقرر ہوئے ہیں: شیخ محمد المرزوقی ابوحسین (صدر) بہجت البیطار (رکن) امین فودہ (رکن) باقی دونوں عدالتوں کے لئے بالترتیب شیخ محمد التویجری اور شیخ حسین عبدالغنی مقرر کئے گئے ہیں۔

عدالتی نگرانی والی مجلس کے ارکان حسب ذیل ہیں:

(۱) شیخ عبداللہ بن حسن (صدر)
(۲) شیخ محمد العلی الترکی (کاتب)
(۳) شیخ علی المالکی (رکن)
(۴) شیخ محمد الباقر (")
(۵) شیخ سعید ابوالخیر (")

مجلس امر بالمعروف

عدالتی نظام نامے کے ساتھ ایک فرمان میں مجلس امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے قیام کا بھی اعلان کیا گیا ہے۔ اس کی دفعات حسب ذیل ہیں:

(۱) اس مجلس کا مرکز، مکہ میں ہوگا۔ شاخیں، جدہ، مدینہ، طائف، ینبوع وغیرہ ملحقات میں ہونگی۔

(۲) ہر مقام کی مجلس میں حسب ضرورت ارکان کی تعداد رہیگی۔

(۳) ارکان کے لئے لازمی شرط یہ ہے کہ شریعت کے عالم، خوش اخلاق اور خوش اطوار ہوں۔

(۴) ہر مجلس کے ماتحت، مسلح فوج ہوگی اور اُس کے احکام نافذ کرے گی۔

(۵) ہر ہفتہ دو مرتبہ مجلسیں جمع ہونگی۔

(۶) ان مجلسوں کے فرائض حسب ذیل ہیں:

(۱) باشندوں کو اوقات نماز میں متنبہ کرنا اور بے نمازیوں کو نرمی و خوش اسلوبی سے نماز کی طرف راغب کرنا۔

(۲) جن مقامات میں خلاف شرع کام ہونے کا شبہ ہو، اُن کی نگرانی۔

(۳) باشندوں کو نرمی کے ساتھ معاصی و منکرات کے ترک کی ترغیب دینا۔

(۴) شادی و غمی میں خلاف شرع رسموں میں باز رکھنا۔

(۵) عوام کو فحش کلامی سے روکنا۔

(۶) کمزوروں کی مدد، بیواؤں سے حسن سلوک، لاچاروں کی دست گیری۔

(۷) حیوانات پر رحم۔

(۸) یہ مجلسیں ہر اُس بات کا حکم دیں گی اور ہر اُس بات سے منع کریں گی جس پر امت کا اجماع ہے۔ مختلف فیہ امور میں عدالتی نگرانی والی مجلس سے رجوع کریں گی۔ کیونکہ امر بالمعروف، معروف میں ہے۔ نہ کہ اجتہادیات میں۔

تنبیہ۔ ان مجالس کے ماتحت فوجوں کو سختی سے ممانعت کیجاتی ہے کہ احکام کے نفاذ میں ہرگز تشدد سے کام نہ لیں۔

مکہ معظمہ کی مرکزی مجلس کے ارکان حسب ذیل ہیں:

(۱) شیخ عبدالرحمن الشناق (صدر)
(۲) " عمر فقیہ (رکن)
(۳) " محمد انور کتبی (")
(۴) " محمد شیروانی (")
(۵) " اسعد شفیع (")
(۶) " عبداللہ بن عمار (")
(۷) " عبداللہ بن مطلق (")
(۸) " سلیمان الصنیع (")
(۹) " محمد الخضری (")
(۱۰) " محمد عبدالرحمن العقل (")

مجلۃ الاحکام الشرعیہ

عدالتی اصلاحات کے سلسلہ میں سب سے بڑی اصلاح، جو سلطان ابن سعود کے پیش نظر ہے، وہ "مجلۃ الاحکام الشرعیہ" ہے۔ آپکے قارئین سے مخفی نہیں کہ فقہ اسلامی کے مذاہب اربعہ کی تفریق سے شریعت کے قیام میں کس قدر دشواریاں پیدا ہوگئی ہیں۔ خصوصاً اُن ممالک میں جہاں چاروں مذاہب کے متبعین موجود ہیں۔ بلکہ خود ہر مذہب کی کتب میں اس قدر اختلاف ہے کہ شرعی عدالتوں کا کام نہایت دشوار ہو جاتا ہے۔ اب سے پہلے ترکی میں جب شرعی عدالتیں قائم

تھیں اور فقہ حنفی پر فیصلہ صادر کرتی تھیں تو انھیں سخت دشواریاں پیش آتی تھیں۔ یہی دشواریاں دیکھ کر ترکوں نے ایک مجلہ یا قانون نامہ، فقہ حنفی سے مرتب کیا تھا اور ترکی عدالتیں اُسپر عمل کرتی تھیں

حجاز میں چاروں مذاہب کے پیرو موجود ہیں۔ مالکیوں اور شافعیوں کی اکثریت ہے۔ موسم حج میں تو تین چار مہینے کے لئے ہر ملک و مذہب کے مسلمان لاکھوں کی تعداد میں جمع ہو جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ حجاز میں کسی ایک فقہی مذہب کو معتبر قرار دینا اور باقی کو پس پشت ڈال دینا، صریح ناانصافی ہوگی۔ لہذا سلطان ابن سعود نے یہی مناسب سمجھا کہ حجاز کی شرعی عدالتیں کسی ایک مذہب سے مقید نہ ہوں بلکہ بیک وقت چاروں مذاہب پر حسب حالت فریقین عمل کریں۔ چونکہ تمام اہل سنت وجماعت مسلمان، چاروں مذاہب فقہ کی بنیادیں حق تسلیم کرتے ہیں، اس لئے سلطان نے طے کیا کہ مذاہب اربعہ کے زیادہ سے زیادہ مستند اور ضروریات زمانہ کے مطابق احکام لے لئے جائیں اور اُنہی کی بنا پر عدالتیں فیصلہ کریں۔

مگر موجودہ زمانہ میں ایسے علماء و قضاۃ کا ملنا مشکل ہے جو بیک وقت چاروں مذاہب کے ماہر ہوں، لہذا سلطان نے طے کیا کہ ایک مجلہ یا قانون نامہ مرتب کیا جائے اور اُس میں مذاہب اربعہ کے متفق علیہ احکام اور زیادہ سے زیادہ مستند اور وقت کے مناسب احکام جمع کر دیئے جائیں۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے سلطان، عنقریب مذاہب اربعہ کے مشہور علماء کی ایک مجلس مرتب کرنے والے ہیں۔ یہی مجلس یہ مجلہ طیار کرے گی۔

حفظان صحت

سلطان نے حفظان صحت کے انتظامات بھی شروع کر دیئے ہیں۔ متعدد مصری و شامی ڈاکٹروں کی خدمات حاصل کرلی ہیں۔ جدہ میں ایک طبی مرکز قائم کرنے کی منظوری صادر کرلی ہے۔ یہ طبی مرکز جدید ترین صحی اسلوب پر قائم ہوگا۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ متعدد حجازی نوجوان یورپ بھیجے گئے ہیں تاکہ طبی علوم کی تکمیل کریں۔ حجاز کی تاریخ میں یہ پہلا موقعہ ہے کہ اُس کے نوجوان تعلیم کے لئے باہر بھیجے جا رہے ہیں۔

جدید سڑکیں

جدہ اور مکہ کے درمیان پرانی سڑک کی مرمت ہو رہی ہے۔ اس راستے میں جابجا دُور دُور تک ریت پھیلی ہوئی تھی اور حاجیوں کو سخت تکلیف ہوتی تھی۔ سلطان نے اُس کی مرمت جاری کر دی ہے۔ پوری سڑک پر پتھر کوٹا جا رہا ہے۔ آیندہ موسم حج میں حاجی یہ سڑک بالکل طیار پائیں گے اور بہت آرام حاصل کرینگے۔

مکہ اور طائف کے مابین بھی ایک سڑک بنائی گئی ہے۔ اس پر موٹر چلنے لگے ہیں۔ طائف، مکہ کے لئے روح کا حکم رکھتا ہے۔ سبزیاں، ترکاریاں، میوے، مکہ میں طائف ہی سے آتے ہیں۔ اب سے پہلے دونوں شہروں کے مابین سفر ۲ دن میں ختم ہوتا تھا۔ اب صرف ۴ گھنٹے میں طے کیا جاتا ہے۔ طائف کی آب و ہوا نہایت عمدہ ہے۔ مناظر ایسے ہیں کہ حجاز کا سوئٹزرلینڈ معلوم ہوتا ہے۔ مگر اب تک اُس کی آبادی و ترقی کا کوئی سامان نہ تھا۔ سلطان اُسے آباد کرنا چاہتے ہیں۔ طائف، حجاز کا قدرتی طور پر گرمائی پایۂ تخت ہے۔ سلطان نے اپنا خاندان طائف بھیج دیا ہے، تاکہ مکہ کے دوسرے باشندوں کو بھی ترغیب ہو اور وہ گرمی میں وہاں جا کر رہا کریں۔

ینبع اور مدینہ کے مابین بھی سڑک بن رہی ہے۔

حرم میں اصلاحات

حرم کعبہ میں دو قسم کی اصلاحات شروع ہوگئی ہیں: تعمیری اصلاحات اور انتظامی اصلاحات۔

تعمیری اصلاحات کے سلسلہ میں تین امور اہم ہیں:

(۱) حرم کا موجودہ رقبہ، حجاج بیت اللہ کے لئے ناکافی ہے۔ لہذا اطراف حرم کے بعض مکان، حکومت نے خرید لئے ہیں تاکہ مسجد زیادہ وسیع کر دی جائے۔ یہ توسیع "باب زیادہ" کی طرف سے عمل میں آئیگی

(۲) حرم کے گرد مکانوں کا ایسا سلسلہ قائم ہے کہ بیت اللہ کی رونق و عظمت پوری طرح ظاہر نہیں ہوتی۔ لہذا حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ بتدریج اطراف کے مکان خرید کر کے منہدم کر دیئے جائیں۔

(۳) مسجد حرام کے صحن پر کوئی چھت نہیں ہے صرف اطراف کے دالان ہیں، لیکن وہ بھی دھوپ کی مداخلت سے محفوظ نہیں ہیں۔ اس سے حاجیوں کو سخت تکلیف ہوتی تھی۔ دھوپ کی شدت سے بہت آدمی بیمار ہو جاتے تھے۔ اب سلطان نے فیصلہ کیا ہے کہ چاروں طرف دالانوں کے سامنے پتلے پتلے آہنی ستون کھڑے کئے جائیں اور اُن پر ۸۰ میٹر لمبا شامیانہ نصب کر دیا جائے۔ یہ شامیانہ دن میں تان دیا جائے گا اور رات کو اُٹھا دیا جائے گا تاکہ ہوا بند نہ ہو۔ اس تبدیلی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کم سے کم ۲۵ ہزار آدمی بیک وقت سایہ میں بیٹھ سکینگے!

(۴) حرم کے صحن میں سنگ ریزوں کا فرش ہے۔ اس سے حرم میں گرمی زیادہ رہتی ہے اور پوری طرح صفائی بھی نہیں ہو سکتی۔ سلطان نے فیصلہ کیا ہے کہ سنگ ریزے اُٹھا دیئے جائیں اور تمام فرش پر سمنٹ کر دیا جائے۔ چنانچہ سمنٹ بچھانے کی مشین آگئی ہے۔

انتظامی اصلاحات بھی بہت ہیں۔ صرف بعض کا ذکر کرتا ہوں:

(۱) اب تک کعبہ کے اندر داخل ہونے کے لئے حاجیوں کو روپیہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ اب یہ ناجائز قرار دیا گیا۔ تمام حاجی ایک پیسہ بھی ادا کئے بغیر بیت اللہ میں داخل ہونگے۔

(۲) موجودہ اغوات کی (خواجہ سرا جو حرم کعبہ کی خدمت پر مامور ہیں) تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں کمی کر دی جائے گی۔

(۳) حرم میں نماز کے لئے ۱۰ امام کافی ہیں۔ باقی موقوف کر دیئے جائیں گے۔

(۴) علماء سے فتویٰ طلب کیا جائے گا کہ امامت کی اُجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۵) حرم میں صفائی کا انتظام ناکافی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ فراشوں کی تنخواہ بہت کم ہے۔ اُن کی تنخواہ میں اضافہ کیا جائے گا۔

(۶) مکبرین کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اُن میں کمی کی جائے گی۔

(۷) حرم میں کُل ۲۸ دروازے ہیں۔ ۴ دروازے، اطراف کے مکان والوں کے ہیں۔ ان لوگوں کو تنبیہ کیا جاتا ہے کہ اپنے دروازوں پر دربان مقرر کریں تاکہ یہ دروازے عام گزرگاہ نہ بن جائیں کیونکہ حرم بیت اللہ، عبادت کا مقام ہے نہ کہ شارع عام۔ باقی ۲۴ دروازوں میں ہر ایک کے واسطے دو دو دربان مقرر کئے جائیں گے تاکہ انتظام قائم رکھیں۔

(۸) شرعاً مسجد میں سونا جائز نہیں، الا اُن پردیسیوں کے جو کوئی جائے پناہ نہیں رکھتے۔ لیکن مکہ میں ہر آنے والا یہی عذر پیش کر سکتا ہے۔ لہذا حرم میں سونا قطعی طور پر ممنوع قرار دیا گیا۔ صرف اعتکاف کرنے والے اس سے مستثنیٰ ہیں۔

(۹) حرم کی نگرانی کے لئے ۸ مفتش مقرر کئے گئے۔ یہ لوگ حرم کے جملہ انتظامات کی نگرانی کرینگے۔

(۱۰) ایک مجلس "مجلس ادارۃ الحرم" کے نام سے قائم ہوگی وہی حرم کے انتظامات کی ذمہ دار ہوگی۔

چاہ زمزم

چاہ زمزم کی موجودہ صورت یہ ہے کہ کھلا ہوا ہے۔ ڈول سے پانی نکالا جاتا ہے۔ پانی نکالنے والوں اور پینے والوں کی دھوون اسی میں گرتی رہتی ہے۔ پھر سب حاجیوں کو حسب مرضی پانی بھی نہیں ملتا۔ عام طور پر انھیں پانی کے لئے اُجرت دینا پڑتی ہے۔ ان تمام خرابیوں کے سدباب کے لئے سلطان نے طے کیا کہ کنواں اوپر سے ڈھک دیا جائے۔ زمزم کی پیمائش سے معلوم ہوا کہ اُس کا کُل عمق ۴۲ میٹر ہے۔ ۳۱ میٹر میں پانی ہے، باقی دس میٹر اُس کی دیوار ہے۔ ہندسی تحقیقات سے ثابت ہوا کہ اگر پانی نکالنے کا معقول انتظام کیا جائے تو اس سے کئی گنا زیادہ پانی کنواں دے سکتا ہے، حتیٰ کہ پورا شہر اُس سے سیراب ہو سکتا ہے۔ لہذا طے پایا کہ پانی نکالنے کی جدید ترین مشین نصب کی جائے۔ حرم کے چاروں طرف نل پھیلا دیئے جائیں اور اُن میں پانی جاری کر دیا جائے۔ اس عمل کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حاجی بغیر کسی زحمت کے جس وقت چاہیں گے زمزم کا پانی پی سکیں گے۔

جدید کنوئیں

مکہ، منیٰ، عرفات، بحرہ وغیرہ میں جدید قسم کے کنوئیں کھودے جا رہے ہیں۔ وادی نعمان، شہدار، اور منیٰ میں کام شروع بھی ہو چکا ہے۔ لیکن صرف ان کنووں سے پانی کا مسئلہ حل نہیں ہو جاتا بڑے بڑے حوضوں کی بھی ضرورت ہے۔ چنانچہ طے کیا گیا ہے کہ برسات اور پہاڑی سیلاب کا پانی محفوظ کر دینے کے لئے حوض بھی بنائے جائیں

نہر زبیدہ

چونکہ نہر زبیدہ مکہ معظمہ میں میٹھے پانی کا تنہا منبع ہے۔ لہذا اُس کی حفاظت و ترقی کے لئے سلطان نے خاص توجہ کی ہے۔ یہ نہر جابجا سے کھلی ہوئی ہے۔ حتیٰ کہ بعض مقامات میں ۲۰۰ سے ۳۰۰ میٹر تک کھلی ہے۔ اس کا بند کرنا بھی مشکل ہے۔ کیونکہ باشندے پیاس سے مر جائیں گے۔ مگر اس کے کھلے رہنے سے یہ شدید نقصان ہے کہ لوگ اُسمیں میلے کپڑے دھوتے اور نہاتے ہیں۔ اُن کی نگرانی ناممکن ہے۔ لہذا طے پایا کہ عرفات میں ایک بہت بڑا تالاب بنایا جائے۔ نہر کا تمام پانی جدید ترین صحی اصول پر اُس میں صاف کیا جائے، اور صاف ہونے کے بعد آگے بڑھے۔ اس تدبیر کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ مکہ کے باشندوں اور حاجیوں کو آدھی بیماریوں سے نجات مل جائیگی جو سراسر اسی نہر کا پانی پینے سے پیدا ہوا کرتی تھیں۔

سایہ کا انتظام

طے پایا کہ منیٰ، عرفات، مزدلفہ، مکہ، اور جدہ کے مابین جا بجا حجاج کے واسطے بڑے بڑے ایوان تعمیر کئے جائیں تاکہ وہ اُنکے نیچے دھوپ سے پناہ حاصل کر سکیں۔ ہر موسم حج میں دیکھا جاتا ہے کہ سیکڑوں حاجی دھوپ کی تپش سے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اس نئے انتظام سے یہ مصیبت بڑی حد تک دُور ہو جائے گی۔

سلطان کی ایک تقریر

گزشتہ ہفتے سلطان نے اپنی حکومت کے تمام عہدہ داروں کو جمع کیا اور اُن کے سامنے ایک طویل تقریر کی۔ اُس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

"آپ جانتے ہیں سب سے افضل عمل، کلمۂ حق کا اعلان ہے۔ سب سے بدترین عمل، حق کا اخفا ہے۔ ہماری مجلسیں ہمیشہ، کلمۂ حق کے اظہار حکام، و رعایا کی نصیحت و ہدایت کے لئے ہونی چاہئیں۔

"ہم آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ ترقی کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن مضبوط قدموں سے۔ ترقی میں ہمارے خیالات، ہمارے معتقدات، ہماری آرزوئیں ہمیشہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالح کی پیروی کے تحت ہونی چاہئیں۔ دُنیا کا جو کام ہمارے دین کے مطابق ہوگا، اُسے کریں گے، جو مخالف ہوگا، اُس سے باز رہیں گے۔

"حکومت کے عہدہ داروں کا فرض ہے کہ یہ حقائق بیان کریں لیکن صرف قول و بیان کافی نہیں ہے۔ عمل بھی کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "أتأمرون الناس بالبر وتنسون أنفسكم" عربی شاعر کہتا ہے:

لاتنہ عن خلق وتاتی مثلہ عار علیک اذا فعلت عظیم

"حکومت کے عہدہ داروں کا سب سے پہلا فرض یہی ہے کہ اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کریں۔ حق کے معاملے میں کسی کی بھی ملامت کی پرواہ نہ کریں۔ کسی کے بھی شبہ سے نہ ڈریں۔ کیونکہ ملامت اور شبہ، دنیا کے حالات میں سے ہے۔ دین میں سے نہیں ہے۔ منکروں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں شبہ کیا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کے شکوک باطل کر دیئے۔ اپنا دین غالب کر دیا۔ منکروں کو خسران کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ یہ دارین کی سعادت کا ایک ذریعہ ہے کہ اشرار ہمیشہ اخیار کے دشمن ہوتے ہیں۔

"ہم کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ ہمارا رب، اللہ ہے۔ ہمارا دین، اسلام ہے۔ ہماری کتاب قرآن ہے۔ ہمارے نبی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ لیکن محض زبان کے دعوے سے کچھ نہیں ہوتا۔ خدا عمل چاہتا ہے: قل اعملوا فسیری اللہ عملکم و رسولہ" بت پرست بھی، خدا پرستی کے مدعی تھے، مگر خدا نے اُنھیں قبول نہ کیا۔ منافق بھی ہم مسلمانوں ہی کے سے دعوے کرتے تھے، مگر خدا نے فرمایا "ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار"

"یہاں شرعی عدالتیں موجود ہیں۔ امر بالمعروف کی مجلسیں قائم کر دی گئی ہیں۔ یہ سب کیوں ہیں؟ صرف اظہار حق کے لئے۔ تم اے عہدہ داران حکومت! اس دین کے امین ہو۔ اس بلد امین کے امین ہو۔ تم اس کے ذمہ دار ہو۔ تم اس کے خادم ہو۔ پس جو احکام، شہر کے لئے جاری کئے جاتے ہیں، اُن کے سب سے پہلے مخاطب تم ہو۔ وہ تم پر سب سے پہلے نافذ ہونگے۔ یہ کسی طرح بھی جائز نہیں ہو سکتا کہ کچھ لوگوں پر احکام جاری ہوں اور کچھ لوگ مستثنیٰ رہیں، اگرچہ مستثنیٰ رہنے والا خود ابن سعود اور اُس کا بیٹا فیصل ہی کیوں نہ ہو!

"ہم اس شہر میں آئے ہیں کیونکہ اُس سے بے حد محبت رکھتے ہیں۔ اُس کے باشندوں سے محبت رکھتے ہیں۔ اُن کے لئے بھلائی کی کوشش کرتے ہیں۔

"ہم اخیار سے محبت رکھتے ہیں۔ اشرار سے نفرت کرتے ہیں۔ الحمد للہ کہ دین و وطن کی برکت سے ہمیں بعض اعمال نافعہ کی توفیق حاصل ہوئی ہے: ہم نے جماعت امر بالمعروف و نہی عن المنکر قائم کر دی ہے۔ اُس کے احکام سب کے لئے یکساں طور پر واجب العمل ہیں۔ تم اے عہدہ دارو! سب سے زیادہ اُن احکام کے مخاطب ہو۔ کیونکہ تم ہی اُنھیں نافذ کرنے والے ہو۔ اگر تم خود اُن پر عامل نہ ہوگے، تو دوسرے بھی اُن پر عمل نہ کرینگے"

"ہم تم سے تین باتیں چاہتے ہیں:

(۱) اپنے اوقات میں نماز۔ ہرگز نماز جماعت سے تخلف جائز نہیں الا یہ کہ عذر شرعی ہو۔

(۲) جملہ محرمات شرعیہ سے اجتناب، اشرار کی صحبت سے پرہیز۔

(۳) شرعی آداب کے مخالف امور میں غیر مسلموں کی تقلید سے احتراز۔

"مختصر یہ کہ تم پر حکومت کے احکام کی اطاعت اور پیروی لازم ہے، بشرطیکہ وہ احکام خلاف شرع نہ ہوں۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے تمھاری حکومت کوئی خلاف شرع حکم صادر نہیں کرتی۔

"یقین کرو میں خود سب کی تفتیش کروں گا۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں اچانک تم پر ٹوٹ پڑوں گا۔ جس کسی کو صراط مستقیم سے ہٹا ہوا دیکھوں گا اور اُس کی غلطی ثابت ہو جائے گی، پہلے اُس کے افسر کو قانون کے مطابق سزا دوں گا۔ پھر اُس شخص سے باز پرس کروں گا۔ یقین کرو سزا ہمیشہ سخت سے سخت اور بے رو رعایت ہوگی۔ پس ہوشیار ہو جاؤ۔ میری سنو، کیونکہ میں تمھیں خوف الٰہی کی وصیت کرتا ہوں!

"تمام عہدہ داروں پر فرض ہے کہ احکام حکومت پر عمل کریں۔ حکومت ہمیشہ امر الٰہی کا حکم دیتی اور نہی سے منع کرتی ہے۔ اگر ہم اللہ اور اُس کے رسول کے حکموں پر عامل ہوں، تو ہماری سنو اور اطاعت کرو۔ اگر خدا نخواستہ ایسے نہ ہوں تو نہ تو ہماری سنو نہ اطاعت کرو!"

افسانہ

نپولین پر دوسرا حملہ

یکم مئی ۱۸۰۹ء میں نپولین آسٹریا میں جنگ کر رہا تھا۔ ۲۳ اکتوبر کو جبکہ وہ اپنی فتحمند فوجوں کا معائنہ کر رہا تھا، یکایک میدان کے ایک گوشہ سے ایک خوبصورت نوجوان نمودار ہوا اور آہستہ آہستہ نپولین کی طرف بڑھنے لگا۔ مارشل برتیئہ کی نظر اُس پر پڑی اور اُسنے اُسے روک کر کہا:

"اگر شہنشاہ کو کوئی درخواست دینی چاہتے ہو تو مجھے دیدو، میں پیش کر دوں گا" نوجوان نے جواب دیا "میں خود نپولین سے زبانی گفتگو کرنی چاہتا ہوں"

یہ کہکر نوجوان پیچھے ہٹا۔ مارشل نے خیال کیا وہ واپس جا رہا ہے۔ مگر اس کے مڑتے ہی نوجوان نے پھر آگے بڑھنا شروع کیا۔ مارشل کو شک ہوا، اور اُسنے ایک افسر کو حکم دیا کہ اُسے گرفتار کر کے لیجائے۔ یہ واقعہ کسی نے بھی نہیں دیکھا۔ سب فوج کی قواعد کے تماشہ میں مصروف تھے۔ تھوڑی دیر بعد افسر نے واپس آکر مارشل کو خبر دی کہ نوجوان کی جیب میں خنجر نکلا ہے جو ایک سفید کاغذ میں لپٹا ہوا تھا۔

جنگی قواعد ختم ہونے کے بعد مارشل نوجوان کو دیکھنے گیا، کیا دیکھتا ہے کہ وہ چارپائی پر پڑا ہے۔ اُس کے سامنے ایک عورت کی تصویر، نوٹ بک، اور چند سکے رکھے ہیں۔

مارشل نے سوال کیا:

"تمھارا کیا نام ہے؟"

"صرف نپولین کو بتاؤں گا"

"تم اس خنجر سے کیا کرنا چاہتے تھے؟"

"نپولین کو بتاؤں گا"

"شہنشاہ کی جان لینا چاہتے تھے؟"

"ہاں!"

"کیوں؟"

"نپولین کو جواب دوں گا"

چند منٹ بعد نپولین کو اس واقعہ کی اطلاع ہوگئی۔ اُسنے نوجوان کو اپنے سامنے طلب کیا۔ نوجوان کی مشکیں کسی تھیں۔ نپولین کے سامنے پہونچکر وہ ذرا بھی مرعوب نہیں ہوا۔

نپولین: "تم فرنچ جانتے ہو؟"

نوجوان: "بہت کم"

"نام؟"

"فرڈریک سٹابس"

"وطن؟"

"جرمنی"

"باپ کا پیشہ؟"

"پروٹسٹنٹ پادری"

"تمھاری عمر؟"

"اٹھارہ برس"

"خنجر سے کیا کرنا چاہتے تھے؟"

"آپکو قتل!"

"تو دیوانہ ہے؟"

"ہرگز نہیں"

"بیمار ہے؟"

"نہایت تندرست ہوں"

"مجھے کیوں قتل کرنا چاہتے تھے؟"

"کیونکہ تم نے میرے وطن کو بدبخت بنا دیا ہے!"

"کیا میں نے تیرے ساتھ بھی کچھ برائی کی ہے؟"

"ہاں میرے ساتھ بھی اور ہر جرمن کے ساتھ بھی"

"تجھے اس جرم کے لئے کس نے بھیجا ہے؟"

"کسی نے بھی نہیں۔ میں خود اپنے اس اعتقاد سے آیا ہوں کہ تمھیں قتل کر کے اپنے وطن اور تمام یورپ کو تمھارے شر سے نجات دیدونگا!"

"آج سے پہلے بھی تو نے مجھے دیکھا تھا؟"

"ہاں، ارفورٹ میں"

"اُسوقت بھی میرے قتل کا ارادہ تھا؟"

"ہرگز نہیں، میں سمجھتا تھا تم پھر کبھی جرمنی پر اعلان جنگ نہ کروگے، اُسوقت میں تم سے محبت کرتا تھا"

"یہاں وائنا میں کتنے دن سے ہو؟"

"دس دن سے"

"اتنے دن کیوں خاموش رہے؟"

"آج سے پہلے کوئی مناسب موقعہ نہیں ملا"

"میں پھر پوچھتا ہوں دیوانہ ہو یا بیمار؟"

"دونوں میں سے کوئی بھی نہیں"

"میں کورفیزار کو بلواتا ہوں"

"یہ کون شخص ہے؟"

"ڈاکٹر"

"لیکن مجھے ڈاکٹر کی مطلق ضرورت نہیں"

تمام حاضرین پر خاموشی طاری ہوگئی۔ یہاں تک کہ ڈاکٹر آیا اور نبض دیکھی۔ نوجوان نے کہا:

"کیوں ڈاکٹر! میں بالکل تندرست نہیں ہوں؟"

ڈاکٹر نے نپولین سے عرض کیا:

"یہ بالکل تندرست ہے" نوجوان نے خوش ہو کر نپولین سے کہا:

احرار اسلام

اوائل عہدِ اموی کی اسلامی ذہنیت

ایک بڑھیا خلیفہ کے دربار میں

سودہ بنت عمارہ

سودہ بنت عمارہ حضرت علی علیہ السلام کے جاں نثاروں میں تھی جنگ صفین میں اُس کے پُرجوش خطبوں اور رجزیہ شعروں نے شامیوں پر عرصۂ کارزار تنگ کردیا تھا۔ اُس کے بھائی نے نہایت پامردی سے شامی شجاعوں کو شکست دی تھی۔

جب امیر معاویہ رضؓ تختِ سلطنت پر متمکن ہوگئے، تو ایک دن یہ اپنے قبیلہ کی شکایت لے کر دربار میں پہنچی۔ جو گفتگو اس میں اور امیر معاویہ میں ہوئی، تاریخ اسلام کے اوراق نے محفوظ کرلی ہے۔ یہ وہ وقت تھا کہ خلافت راشدہ کا دورِ حریت ختم ہوچکا تھا، اور امیر معاویہ رومی و ایرانی شہنشاہیت کے جاہ و جلال سے تختِ خلافت کو روشناس کرچکے تھے۔ پھر بھی اسلام کی پیدا کی ہوئی روحِ حریت کا یہ حال تھا کہ قبائل کی ایک معمولی بڑھیا عورت دربار شاہی میں آتی تھی، اور بغیر کسی جھجک کے سخت سے سخت مخالفانہ خیالات ظاہر کردیتی تھی!

امیر کی نظر جب سودہ پر پڑی، تو بے اختیار بول اُٹھے "کیا تم ہی وہ سودہ ہو جو صفین کی لڑائی میں میری جماعت کے خلاف نہایت جوش و خروش سے یہ اشعار سنا رہی تھیں؟"

شمر کفعل ابیک یا ابن عمارۃ — یوم الطعان وملتقی الاقران

اے فرزند عمارہ! نبرد آزمائی اور جنگ جوئی میں اپنے باپ کے سے کارنامے کر دکھا!

وانصر علیاً والحسین ورھطہ — واقصد لہند وابنہا بہوان

علی کی، حسین کی، اور اُنکے خاندان کی حمایت کر۔ ہند اور اُس کے بیٹے کو خوار کردے۔

ان الامام اخو النبی محمد — علم الھدیٰ ومنارۃ الایمان!

امام (یعنی حضرت علی) محمد صلعم کے بھائی ہیں، ہدایت کا نشان اور ایمان کا منارہ ہیں!

فقہ الحتوف وسر امام لوائہ — قدماً بابیض صارم وسنان!

اُسے خطروں سے بچا۔ اُس کے جھنڈے کے آگے شمشیر آبدار اور نیزہ لے کر پیشقدمی کر!

"ہاں قسم خدا کی،" سودہ نے فوراً جواب دیا "میرا جیسا آدمی نہ حق سے منہ پھیر سکتا ہے نہ جھوٹ بولکر معذرت کرسکتا ہے۔ وہ میں ہی تھی"

"تم نے یہ حرکت کیوں کی تھی؟" امیر معاویہ نے سوال کیا۔

"علی علیہ السلام کی محبت اور اتباعِ حق کی وجہ سے" سودہ کا جواب تھا!

"لیکن علی رضؓ نے تمھیں کیا بدلہ دیا؟" امیر نے پھر سوال کیا۔

"پچھلی باتوں کے تذکرہ سے کیا فائدہ؟" سودہ نے جواب دیا۔

"ہیہات!" امیر معاویہ نے کہا "تمھارے بھائی کا معاملہ بھلایا نہیں جاسکتا۔ مجھے کسی سے بھی اتنی تکلیف نہیں پہنچی جتنی تمھارے بھائی اور تمھاری قوم سے پہنچی ہے"

"سچ ہے" سودہ نے جرأت سے کہا "میرا بھائی حقیر آدمی نہ تھا کہ بھلا دیا جاسکے۔ واللہ وہ ویسا تھا جیسا خنسا نے اپنے بھائی صخر کے بارے میں کہا ہے:

وان صخراً لتأتم الھداۃ بہ — کانہ علم فی راسہ نار

صخر وہ ہے جس کی پیروی رہبر کرتے ہیں۔ گویا پہاڑ ہے جس کی چوٹی پر آگ روشن ہے!

"سچ ہے۔ تیرا بھائی ایسا ہی تھا" امیر نے تصدیق کی: "اچھا، کہو میرے پاس کیوں آئیں؟"

"تم اب آدمیوں کے سردار اور اُن کے معاملات انجام دینے والے بن گئے ہو" سودہ نے کہا "خدا تم سے ہماری بابت اور ہمارے حقوق کی بابت سوال کرے گا۔ تمھاری طرف سے ہمارے یہاں ایسے حکام آتے رہتے ہیں، جو تمھاری شوکت پر گھمنڈ کرتے، اور تمھاری قوت سے جبّاری کرتے ہیں۔ یہ ہمیں اس طرح کاٹ رہے ہیں، جس طرح کھیتی کاٹی جاتی ہے، یہ ہمیں ذلیل کرتے ہیں۔ ہم سے بدسلوکی کرتے ہیں۔ تمھارا والی بسر بن ارطاۃ تمھاری طرف سے آیا اور میرے آدمی مار ڈالے، میرا مال چھین لیا، اور مجھے ایک ایسی بات کہنے پر مجبور کرنا چاہا جو میرے منہ سے نکلنا ناممکن ہے (یعنی حضرت علی علیہ السلام سے اظہار بیزاری) اگر اطاعت واجب ہوتی تو ہمارے اندر بھی قوت و استعداد تھی۔ بہر حال اُسے معزول کردو اور ہمارے شکریہ کے مستحق بنو، ورنہ پھر ہم تمھیں دکھا دینگے"

"تو مجھے دھمکاتی ہے!" امیر نے کہا "میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ تجھے سرکش اونٹ پر بٹھا کر بسر بن ارطاۃ کے پاس بھیجدوں تاکہ جو سزا چاہے، دے دے"

سودہ نے سر جھکالیا۔ پھر سر اُٹھایا اور یہ شعر پڑھے:

صلی الالہ علی جسم تضمنہ — قبر فاصبح فیہ العدل مدفوناً!

خدا کی رحمت اُس جسم پر، جسے قبر نے چھپا لیا ہے، اور عدل اُسمیں مدفون پڑا ہے۔

قد حالف الحق لا یبغی بہ بدلاً — فصار بالحق والایمان مقروناً

وہ ہمیشہ حق کے ساتھ تھا، اُسے کبھی نہیں چھوڑتا تھا۔ اُس کا نام حق و ایمان کے ساتھ ہمیشہ کے لئے جُڑ گیا ہے!

"یہ کون ہے؟" امیر نے انجان بن کر سوال کیا۔

"علی بن ابی طالب علیہ السلام" سودہ کا برجستہ جواب تھا۔

"اُسنے تیرے ساتھ کیا کیا کہ تیری نظر میں ایسا بن گیا؟" امیر نے پوچھا۔

"اُنھوں نے ہم سے صدقہ وصول کرنے کے لئے ایک شخص کو مقرر کیا تھا" سودہ نے کہا "میرے اور اس شخص کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ میں اُس کی شکایت لے کر امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ اُسوقت نماز کے لئے کھڑے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی نماز چھوڑدی، اور بڑے ہی لطف اور نرمی سے میرا حال پوچھا۔ میں نے تمام واقعہ بیان کردیا۔ آپ سُنتے ہی رونے لگے۔ پھر آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر فرمایا "خدایا! تو مجھ پر اور میرے عمال پر گواہ ہے۔ میں نے اُنھیں تیری مخلوق پر ظلم کرنے کا حکم نہیں دیا" اس کے بعد اپنی جیب سے ایک کھال کا ٹکڑا نکالا اور اُسپر لکھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ قد جاءتکم بینۃ من ربکم فاوفوا الکیل والمیزان بالقسط ولا تبخسوا الناس اشیاءھم، ولا تعثوا فی الارض مفسدین۔ بقیۃ اللہ خیر لکم ان کنتم مومنین، وما انا علیکم بحفیظ۔ اذا قرأت کتابی فاحتفظ بما فی یدیک من عملنا حتی یقدم علیک من یقبضہ منک، والسلام"

(تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھارے پاس روشنی آچکی ہے۔ لہٰذا ناپ تول ٹھیک ٹھیک کرو۔ لوگوں کا حق نہ مارو۔ زمین میں فتنہ برپا نہ کرو۔ اللہ کا بقیہ تمھارے لئے زیادہ بہتر ہے۔ میں تم پر محافظ نہیں ہوں۔ میری یہ تحریر پڑھنے کے بعد جو کچھ تیرے ہاتھ میں ہمارا کام ہے اُسے محفوظ رکھ۔ یہاں تک کہ وہ شخص پہنچ جائے جو تجھ سے وہ سب وصول کرلے۔ یعنی اُس حاکم کو معزول کردیا۔)

"میں نے امیر المومنین کے ہاتھ سے خط لے لیا۔ واللہ اُسپر اُنھوں نے نہ تو کوئی مُہر لگائی نہ اُسے بند ہی کیا۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے اُسے حرف حرف پڑھ لیا"

"ابن ابی طالب نے تمھیں حکام پر جَری بنا دیا ہے" امیر معاویہ نے کہا "بہت دیر میں یہ جرأت تم سے دُور ہوگی"

پھر حکم دیا کہ سودہ کا مال واپس کردیا جائے اور اُس سے اچھا برتاؤ کیا جائے۔

"یہ حکم میرے لئے خاص ہے یا میری پوری قوم کے لئے؟" سودہ نے سوال کیا۔

"تجھے دوسروں سے کیا سروکار؟" امیر معاویہ نے کہا۔

"تو واللہ یہ کمینگی اور بدکاری ہے" سودہ نے کہا "اگر سب کا عام نہیں تو میں اُسے نہیں قبول کرتی"

مجبوراً امیر معاویہ نے حکم دیا کہ اُس کے پورے قبیلے کی بابت فرمان لکھ دیا جائے۔ (عقد الفرید و بلاغات النساء)



ان تمام اصحاب کے لئے

جو

قیمتی تمدن و صنعت کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں

دُنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON LONDON S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پُرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پُرانی تصویریں، پُرانے سکے، اور نقوش، پُرانے زیور، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پُرانے صنعتی عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہماری نمائش گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوا لیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔ دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران، ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

با ایں ہمہ

قیمتیں تعجب انگیز حد تک ارزاں ہیں!

براعظم یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے رہتے ہیں۔ قاہرہ کے نئے ایوان شاہی کے نوادر ابھی حال میں ہم ہی نے فراہم کیے ہیں

اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہوں

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی، پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے بہت ممکن ہے کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

جو

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور جسے ملک معظم برطانیہ اور انکے کتبخانہ قصر کے لئے کتابیں بہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شایع

ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجے کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجے کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں سے ہر چھ

ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شایع ہوا کرتی ہے

مطبوعات الهـــلال بك ايجنسى

معارف ابن تيميه و ابن قيم

ديني علوم کے بيش بها جواهر ريزي

اس سلسله ميں هم نے امامين کي ان نادر و اعلی درجه کي بلند پايه عربي تصانيف کے اُردو تراجم کا سلسله شروع کيا هے ' جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے ليے نهايت ضروري و ناگزير هے - اميد که يه "سلسلهٔ تراجم" بد نصيب هندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

اُسوهٔ حسنه ـــ امام ابن قيم کي فن سيرت ميں شهرهٔ آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصه کا اُردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد اڑهائي روپيه -

کتاب الوسيله ـــ لفظ "وسيله" کي بحث کے علاوه امام ابن تيميه نے اسلام کے اصل الاصول "توحيد" کي مبسوط بحث کي هے - بلا جلد اڑهائي روپيه ' مجلد سوا تين روپيه -

اصحاب صفه ـــ انکي تعداد ' ذريعه معاش ' طريق عبادت اور انکے مفصل حالات بيان کيے هيں دس آنے -

تفسير سورة الکوثر ـــ امام ابن تيميه کے مخصوص انداز تفسير کا اُردو ترجمه - چار آنے -

العروة الوثقیٰ ـــ خالق و مخلوق کے درميان واسطه کا فرق بدلائل بيان کيا هے - چهه آنے -

سيرت امام ابن تيميه ـــ حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نهايت خوش اسلوبي سے بيان کيے هيں - نو آنے

نجد و حجاز ـــ علامه سيد محمد رشيد رضاء مصري کي تازه کتاب کا اُردو ترجمه - سوا روپيه -

آئمه اسلام ـــ ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - باره آنے

خلاف الامه ـــ فی العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت ـــ يه ايک علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله هے جس کے خريدار کو هم نے کمال کوشش و کاوش سے اُردو ' عربي ' فارسي ' انگريزي ' اور دوسري زبانوں کي تمام اهم اور اعلیٰ مطبوعات کے متعلق بهترين تازه معلومات بهم پهنچانے کا اهتمام کيا هے - اسکے علاوه آئمه و اسلام و بزرگان دين کے حالات ' لطائف افسانه ' نظميں اور ممالک اسلاميه کے معتبر ذرائع سے حاصل کيے هوے حالات درج کيے جاتے هيں - في پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپيه پيشگي -

منيجر الهـــلال بك ايــجنسى

(حلقه نمبر ۲٤ شيرانواله دروازه لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پته صاف لکهين اور نمبر خريداری ضرور تحرير فرمائين

السحر الحلال في مجلدات الهلال

گاه گاهے باز خوان این دفتر پارینه را
تازه خواهی داشتن گر داغهائے سینه را

اردو صحافت کي تاريخ ميں الهلال هي وه رساله هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصيات ميں ايک انقلاب آفريں دعوت تهي -

الهـلال اگرچه ايک هفته وار مصور رساله تها ' ليکن چونکه وه اردو صحافت کي مختلف شاخوں ميں اجتهاد نظر و فکر کي نئي روح پيدا کرني چاهتا تها ' اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اوراق کا مجموعه تها - اُس کے هر نمبر ميں مختلف ابواب ' مذهب ' سياست ' ادبيات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه کے هوتے تهے - اور اُسکا هر باب اپني مجتهدانه خصوصيات کے لحاظ سے اپني نظير آپ هوتا تها - پهر اس کي ظاهري خوبياں اُردو صحافت ميں اعلیٰ طباعت و ترتيب کا پهلا نمونه تهيں - اردو کا وه پهلا هفته وار رساله تها ' جس ميں هاف ٹون تصاوير کے اندراج کا انتظام کيا گيا ' اور ٹائپ ميں چهپنے کي وجه سے بهت سي ايسي خوبياں پيدا هوئيں جو پتهر کي چهپائي ميں ممکن نهيں - اِس کي جلديں جديد اُردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سياسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بهترين مجموعه هيں - ان کي مقبوليت و قدر کا اندازه اِس سے هوسکتا هے که سنه ۱۹۱۸ ميں بعض شايقين علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپيه ميں خريد کيا - اور حال ميں ايک صاحب نے اِس کي پهلي جلد مکمل (جو دفتر ميں بهي موجود نهيں) ساڑهے چارسو روپيه ميں حيدرآباد سے خريدي هے - جن لوگوں نے اِس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هيں وه بڑي سے بڑي قيمت پر بهي عليحده کرنے کيليے تيار نهيں - پچهلے دنوں "البـلاغ پريس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان ميں منتقل کيا گيا تو ايک ذخيره الهلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا ' هم نے کوشش کي که شايقين علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلديں مرتب کي جاسکتي هيں مرتب کرلي جائيں اور جن جلدوں کي تکميل ميں ايک دو پرچوں کي کمي هو انهيں دوباره چهپوا ليا جاے -

چنانچه الحمدلله يه کوشش ايک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوه متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلديں پوري مکمل هوگئي هيں - هم اِس اعلان کے ذريعه شايقين علم و ادب کو آخري موقعه ديدے هيں که اِس قيمتي ذخيره کے حاصل کرنے ميں جلدي کريں ' چونکه جلدوں کي ايک بهت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف اُنهيں درخواستوں کي تعميل هوسکے گي جو سب سے پهلے پهونچيں گي - هر جلد مجلد هے اور ابتدا ميں تمام مضامين کي انڈکس به ترتيب حروف تهجي لگادي گئي هے -

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپيه   الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپيه
" " چهارم ۱۰ روپيه   " " " پنجم ۱۰ روپيه

جلد "البـلاغ" (جب دوسري مرتبه الهـلال اِس نام سے شائع هوا) قيمت ۸ روپيه

علاوه جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هيں جن ميں سے هر پرچه اپنے مضامين کے لحاظ سے ايک مستقل مجموعه علم و ادب هے - قيمت في پرچه ۸ آنه - محصول ڈاک و پيکنگ اِس کے علاوه هے -

منيجر "البـلاغ پريس"

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

١٩٢٧

الهلال

جلد ١

نمبر ٢٠

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت ٥ ـ آنہ

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین
القرآن الکریم

الہلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۲۰ — کلکتہ : جمعہ ۸ . جمادی الاولی ۱۳۴۶ هجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 4, November 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعة نہین رکھتی .
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین که حروف کی چھپائی اختیار کی جای .
پتھر کی چھپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نہین کر سکتی .

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وہ هین جن مین الہلال چھپتا هی . اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گی هین . آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین . لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین .

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی . یاد رکھیی . طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اهم مسئله هی . ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین .

الہلال

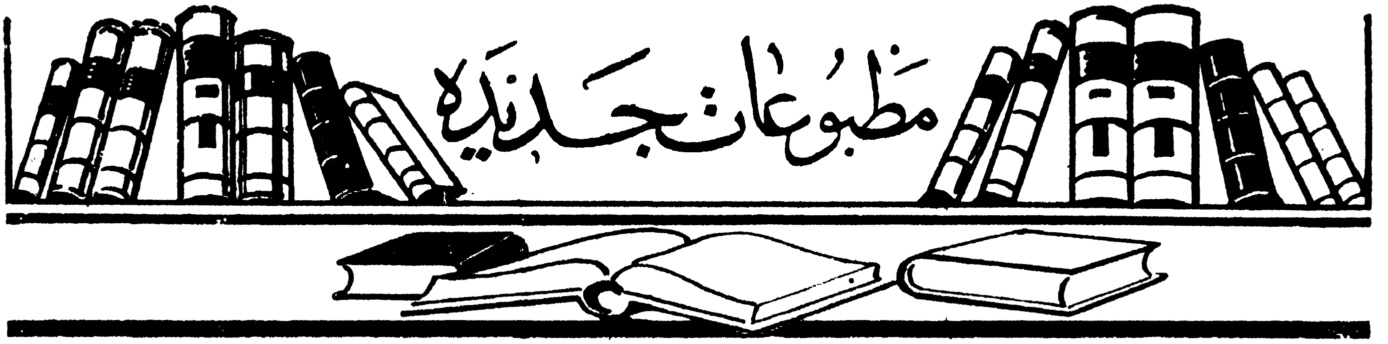
قارئین الہلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۱۵۵۰ مراسلات وصول هوی هین . تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین	۲۳۵	اردو حروف کی حق مین	۴۲۸
موجودہ مشترك طباعة کی حق مین	۵۵٤	حروف کی حق مین بشرطیکه نستعلیق هون	۱۵۰
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۲۷۳		

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاهر کیا هی .

آراء کی دیکھنی سی معلوم هوا که اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین هی . اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت هی . آیندہ اس باری مین مولانا به تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی مگر ضرورت هی که بقیه حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین . الہلال



" كميونيزم " اور أسكے مقاصد

جرمني كے كميونسٹ مركز اشاعت نے حال ميں ايک نيا سلسلۂ مطبوعات " كميونيزم " كے اصول و مباديات پر شائع كرنا شروع كيا هے جسكي دو جلديں اِس وقت تک شائع هوچكي هيں - پهلي جلد ميں زياده تر مشهور كميونسٹ رهنما ' كارل ماركس كے منتخب مضامين هيں ' اور ابتدا ميں أسكي مفصل سوانح حيات بهي شامل كر دي هے -

روس كے آخري انقلاب كے بعد سے كميونيزم دنيا كي ايک زنده اور عامل حقيقت هو گئي هے ' اور هر ملک كيليے ضروري هو گيا هے كه نه صرف سياسي حيثيت سے ' بلكه علمي حيثيت سے بهي اسكے اصول و مباديات كا مطالعه كرے ' اور نقد و بصيرت كے ساتهه صحيح راے قائم كرے - جهانتک هميں معلوم هے ' اِس وقت تک اردو ميں كوئي كتاب ايسي شائع نهيں هوئي هے جس ميں صحت كے ساتهه اس انقلاب انگيز سياسي و اجتماعي مذهب كي حقيقت واضح كي گئي هو - يه نيا مجموعه ديكهكر هميں خيال هوا كه كارل ماركس كے بعض مختصر مقالات اس غرض كيليے نهايت مفيد اور جامع هيں - هم ان مقالات ميں سے ايک مقاله الهلال ميں شائع كرنے كے ليے منتخب كرتے هيں - اس كے مطالعه سے نه صرف اس مذهب كے اصول و عقائد بلكه اسكے ظهور و اشاعت كي ابتدائي تاريخ بهي واضح هوجائيگي -

يه واضح رهے كه اس مقاله اور اسي طرح كے ديگر مقالات كے تراجم سے مقصود صرف يه هے كه وقت كي ضروري معلومات اردو خواں طبقه كے ليے مهيا هوجائے - يه مقصود نهيں هے كه يه خيالات اس حيثيت سے پيش كيے جائيں كه وه يک قلم مقبول اور پسنديده خيالات هيں - همارے خيال ميں " كميونيزم " موجوده تمدن كي سرمايه دارانه بے اعتدالي كا قدرتي رد فعل هے ' اور جس طرح موجوده تمدن كي سرمايه داري افراط كے ايک انتهائي نقطه تک پهنچ چكي هے ' أسي طرح كميونيزم بهي تفريط كے دوسرے نقطه كا ظهور هے - حق و صواب كي راه افراط و تفريط كي راه نهيں هوسكتي ' وه هميشه درميان كي راه هوتي هے !

(۱)

(سرمايه دار اور مزدور)

آجتک كي تمام سوسائٹيوں كي تاريخ ' جماعتي كشمكش كي ايک مسلسل تاريخ هے -

آزاد اور غلام ' شريف اور رذيل ' آقا اور خدمتگار ' تجارتي مكهيے اور بنجارے ' مختصر يه كه ظالم اور مظلوم ' هميشه ايک دوسرے كے مقابل كهڑے رهے ' اور ايک ايسي مسلسل جنگ ميں مشغول رهے جو كبهي علانيه تهي اور كبهي خفيه ' مگر جسكا خاتمه هميشه يا تو سوسائٹي كي ايک انقلابي كايا پلٹ كي صورت ميں هوا ' يا تمام حريف جماعتوں كي عام بربادي كي شكل ميں !

قديم ترين تاريخي عهد ميں بهي تقريباً هر جگه سوسائٹي مختلف درجوں اور گروهوں ميں بٹي هوئي اور ايک مكمل معاشرتي نظام ميں سمٹي هوئي نظر آتي هے - قديم روم ميں هم شريفوں ' نوابوں ' گنواروں ' اور غلاموں كي تقسيم پاتے هيں - قرون وسطى ميں جاگيردار ' اسامي ' تجارتي مكهيے ' شاگرد پيشه ' اور خدمتگار دكهائي ديتے هيں - صرف يهي نهيں بلكه اِنميں سے هر جماعت بهي كئي كئي جماعتوں ميں منقسم ملتي هے -

موجوده سرمايه دار سوسائٹي نے ' جسكي تعمير جاگيردار سوسائٹي كے كهنڈروں پر هوئي هے ' جماعتي جهگڑے اور رقابتيں موقوف نهيں كيں ' بلكه پهلے سے زياده نئے نئے فرقے ' ظلم كے نئے نئے طريقے ' اور لڑائي كے نئے نئے ڈهنگ نكال ليے هيں -

البته همارے موجوده سرمايه دار عهد نے يه امتياز ضرور حاصل كيا هے كه أس نے جماعتي اختلاف محدود كر ديے هيں ' اور تمام سوسائٹي سميٹ كے دو بڑي حريف جماعتوں : " سرمايه دار " اور " مزدور " ميں تقسيم كردي هے -

قرون وسطى كے كاشتكاروں سے ديهاتي نمائندوں كي ابتدا هوئي ' اور انهيں اساميوں نے سرمايه دار طبقه كي بهي آب و گل مهيا كي -

امريكه كي دريافت اور زمين كے گرد دورے نے اٹهتے هوئے سرمايه دار طبقے كے سامنے عمل كا ايک نيا ميدان كهول ديا - ايسٹ انڈين اور چيني بازاروں ' امريكه كے استعمار ' مستعمرانه تجارت ' نيز ذرائع تبادله اور ذرائع پيداوار كي وسعت نے تجارت ' جهاز راني ' اور صنعت و حرفت ميں ايک نئي روح پهونک دي ' اور انحطاط پذير جاگير دار سوسائٹي كے انقلابي عناصر كو تيزي سے أبهار ديا -

صنعت و حرفت كا سابق جاگيردارانه نظام وه بڑهتي هوئي ضرورتيں پوري نهيں كر سكتا تها جو نئے بازاروں كے ساتهه پيدا هوگئي تهيں - نتيجه يه هوا كه دست كاري كے نظام نے أسكي جگه لے لي ' تجارتي مكهيے معزول هوگئے ' متوسط صنعتي طبقه أنكا قائم مقام بن گيا - مختلف سندي مكهيوں كے مابين محنت كي تقسيم ' عام كارخانوں ميں محنت كي تقسيم كے آگے معدوم هوگئي -

سرمايه دار طبقه نے جهاں بهي طاقت حاصل كي ' تمام جاگير دارانه ' بزرگانه ' مذهبي ' اور معنوي رشتے توڑ پهوڑ ڈالے - أسنے بڑي بے رحمي سے وه تمام بوقلموں بندهن توڑ كے ركهديے جو انسان كو أسكے " فطري سرداروں " سے باندهتے چلے آتے تهے اور أس ايک رشته كے سوا كوئي رشته باهمي روابط كا باقي نه چهوڑا جسے برهنه خود غرضي اور كهري نقد ادائيگي كا رشته كهتے هيں -

اُس نے مذهبي انبساط ' بهادرانه جوش ' اور متوسط طبقے کي بلند خيالي ' خود بيں تخمينۂ و شمار کے آب سرد ميں غرق کردي - اسنے ذاتي جوهر کو مول تول اور لين دين کي ايک جنس بنا ديا - اور تمام بيش قيمت آزاديوں کو پس پشت ڈالکر " آزاد تجارت " کي صرف ايک نامعقول آزادي قائم کر دي !

الغرض اُسنے کمزوروں کے اُس قديم خود غرضانه استعمال کي جگه جسپر مذهب و سياست کي دلفريبيوں کا نقاب پڑا هوا تها ' ايک نيا برهنه ' وحشيانه ' بے شرم ' اور کهرا خود غرضانه استعمال ايجاد کر ديا -

سرمايه دار طبقے نے اُن تمام پيشوں کي خوبياں ملياميت کرديں جو پہلے عزت کي نظر سے ديکهے جاتے تهے - اُسنے ڈاکٹر ' وکيل ' پروهت ' شاعر ' فلسفي ' غرضکه سب کو محض ايک اجرتي مزدور بنا کے چهوڑ ديا !

سرمايه دار طبقه نے خانداني رشتے سے محبت و جذبات کے تمام عناصر بهي نکال پهينکے ' اور اُنکي جگه ايک خالص مالي لين دين کا رشته قائم کر ديا !

سرمايه دار طبقه نے بتا ديا که وحشيانه اظهار طاقت ' جسے قرون وسطى کے رجعت پسند اِس قدر سراهتے تهے ' کامل سهولت کے ساتهه انکے عهد ميں کس درجه کاميابي حاصل کر سکتا هے -

يه طبقه ' سب سے پہلا طبقه تها جسنے ثابت کر دکهايا که انسان کي سرگرمي کيا کچهه کر سکتي هے - اسنے مصري اهرام ' رومن نهروں ' اور گوتهک خانقاهوں سے بالکل مختلف قسم کے عجائبات پيدا کئے ' اور قديم هجرتوں اور مذهبي جهادوں سے بالکل مختلف قسم کي مهميں جاري کيں -

تمام سابق صنعتي طبقوں کے وجود کي اولين شرط يه تهي که پيداوار کے اگلے طريقے برقرار رهيں - ليکن سرمايه دار طبقه کي زندگي ناممکن هے جب تک که آلات پيداوار ' طريق پيداوار ' اور تمام اجتماعي رشتوں ميں برابر انقلاب نه هوتا رهے - چنانچه طريق پيداوار کا مسلسل انقلاب ' اجتماعي نظام کي پيهم برهمي ' دائمي بے چيني ' اور کبهي نه ختم هونے والي بے اطميناني ' يهي وه چيزيں هيں جو سرمايه دار عهد کو تمام ديگر زمانوں سے امتياز ديتي هيں -

تمام جچے تلے اور مضبوط معاشرتي رشتے مع اپنے هم آهنگ مقرر و محترم عقائد و خيالات کے فنا کردیے گئے هيں اور ان کي جگه جو رشتے اور خيالات رائج کئے گيے هيں قبل اس کے که چمکيں ' پرانے هوچکے هيں - جو کچهه بهي ٹهوس اور مقبول تها ' مٹ چکا هے - جو کچهه بهي مقدس تها ' ناپاک کرديا گيا هے - اور اب انجام کار انسان مجبور هوگيا هے که اپنے حالات زندگي اور حقيقي معاشرتي تعلقات ' کهلي آنکهوں سے ديکهے .

تمام کرۂ ارضي کے سرمايه داروں کو اپني پيداوار کے ليے ايک برابر بڑهتے رهنے والے بازار کي ضرورت ' ديوانه کيے هوئے هے - انهيں هر جگه اپنا آشيانه بنانا ' هر مقام پر ڈيره ڈالنا ' چپه چپه سے ناتا جوڑنا ضروري هے -

سرمايه دار طبقه نے عالمگير بازار غصب کرکے تمام ممالک کي درآمد و برآمد قومي اور ملکي قيود سے آزاد کردي هے - رجعت پسندوں کي اميدوں کے برخلاف صنعت و حرفت کے نيچے سے اُس کي بنياديں نکال کر پهينک دي هيں - قديم اور مروج صنعتيں برباد کي جا چکي هيں ' اور جو باقي هيں برابر برباد کي جارهي هيں - ان کي جگه نئي صنعتيں رائج کي جارهي هيں که جن کا رواج تمام مهذب اقوام کے ليے ايک نهايت هي اهم اور قابل غور مسئله هے ' کيونکه ان صنعتوں کي حالت يه هے که صرف يه اپنے هي ملک کي خام پيداوار استعمال ميں نهيں لاتيں ' بلکه دور دراز علاقوں کي بهي خام پيداوار چاهتي هيں ' نيز انکي کثرت کي وجه سے اُن کي کهپت صرف انکے هي علاقے ميں نهيں بلکه دنيا کے گوشه گوشه ميں هوني چاهيے -

پراني ضروريات کي جگه جو ملکي پيداوار سے رفع هوجاتي تهيں ' نئي ضروريات پيدا هوگئي هيں جو اپنے رفع هونے کے ليے دور دراز ممالک کی پيداوار کا بهي مطالبه کرتي هيں -

يه حال صرف مادي پيداوار هي کا نهيں ' بلکه ذهني پيداوار کا بهي هے - ايک قوم کي دماغي پيداوار ' تمام قوموں کي عام ملکيت بن گئي هے - محدود تخيل اور بے تعلقي روز بروز ناممکن هوتي جاتي هے ' اور قومي و مقامي ادبيات سے ايک عالمگير ارضي علم ادب پيدا هو رها هے -

سرمايه دار طبقه ' آلات پيداوار کي تيز ترقي اور مواصلات کي مسلسل آسانيوں کے ذريعه وحشي سے وحشي اقوام کو بهي تهذيب کي طرف کهينچ رها هے - سامان تجارت کي ارزاني هي وه بهاري توپ هے جس کے زور سے نهايت سرکش قوموں کو بهي اطاعت پر مجبور کرديا گيا هے - تمام اقوام کو موت کي دهمکي دي جارهي هے که سرمايه دارانه طريق پيداوار اختيار کرليں ' اور نام نهاد تهذيب قبول کرکے مهذب بن جائيں -

سرمايه دار طبقه نے ديهات کو شهر کا تابع بنا ديا هے - بکثرت نئے شهر پيدا کردیے هيں - ديهات کے مقابله ميں قصبات کي آبادي ميں حيرت انگيز اضافه هوگيا هے - اور اس طرح دنيا کي بهت بڑي آبادي کو ديهاتي زندگي کي سادگيوں سے محروم کرديا هے -

اُس نے جس طرح ديهات کو شهر کا محتاج بنايا هے ' ٹهيک اُسي طرح وحشي اور نيم وحشي ممالک کو مهذب ممالک کا دست نگر بهي بنا ديا هے - کاشتکار قوموں کو سرمايه داروں کا اور مشرق کو مغرب کا محتاج بنا ديا هے -

سرمايه دار طبقه ذرائع پيدار ' ملکيت ' اور آبادي کي وسعت پر برابر قابو حاصل کرتا جاتا هے - اُس نے آبادي گنجان کردي هے - ذرائع پيداوار ميں مرکزيت پيدا کردي هے - اور ملکيت کو سميٹ کر صرف چند هاتهوں کے اندر محدود کرديا هے -

اِس صورت حال کا لازمي نتيجه ' سياسي مرکزيت تهي جو سرمايه دار طبقه کے هاتهوں وجود ميں آچکي هے ' آزاد اور نيم آزاد اقوام جن کے مصالح ' قوانين ' حکومت ' اور رسم و رواج جدا جدا تهے ' کهينچ تان کے ايک قوم بنا دي گئي هيں ' ايسي قوم جس کي حکومت ' ضابطۂ قانون ' اجتماعي مصالح ' اور رسم و رواج ' سب ايک هيں -

سرمايه دار طبقه نے اپنے صد ساله جماعتي عهد حکومت ميں ايسي عظيم الشان بار آور قوتيں پيدا کردي هيں جنهيں تمام پچهلي نسليں بهي پيدا نه کرسکي تهيں - اُسنے قدرت کي طاقتوں پر قبضه کيا ' علم آلات اور کيميا کا صنعت و زراعت ميں استعمال کيا ' دخاني جهاز ' ريلوے ' اور تار برقي کے سلسلے جاري کيے ' زراعت کے ليے تمام براعظموں کي صفائي کي ' درياؤں کي نهر بندي کي ' اور زمين کے تمام خزانے اُلٹ ڈالے - بهلا کسي

پچھلي نسل کو یہ وھم بھي گزرا تھا کہ اجتماعي معذنت کي گود میں ایسي بار آور قوتیں پڑي سو رھي ھیں ؟

گزشتہ بیان میں ھم واضح کر چکے ھیں کہ ذرائع پیداوار اور تبادلہ جن کي بنیادوں پر سرمایہ دار طبقہ نے اپني عمارت کھڑي کي ھے ' اگرچہ جاگیرداري کے عہد میں پیدا ھوئے تھے ' مگر خود جاگیر اُنسے کوئي فائدہ نہ اُٹھا سکي بلکہ اُلٹے اُنکے گرداب میں پڑکر تباہ ھوگئي ' کیونکہ یہ ذرائع پیداوار اور تبادلہ جب اپني ترقي کي ایک خاص منزل پر پہنچ گئے ' تو وہ حالات جنکے ماتحت جاگیردار سوسائٹي پیدا کرتے اور تبادلہ کرتے تھے ' یعني کاشتکاري و دستکاري کا جاگیر دارانہ نظام ' ترقي یافتہ قوتوں کے سامنے ٹھہر نہ سکے - وہ پیداوار کو سہارا دینے کے بجائے اُسکے حق میں روک اور بوجھل بیڑیاں بن گئے ' جن کا ٹوٹ گرنا ضروري تھا - چنانچہ اُنکي جگہ آزاد مقابلے اور سرمایہ دار طبقہ کي اقتصادي و سیاسي حکومت نے لے لي -

لیکن اب تاریخ نے اپنا اعادہ پھر شروع کیا ھے ' جو کچھہ جاگیر داروں پر گزرا ھے ' وھي اب سرمایہ داروں کو در پیش ھے -

سرمایہ دارانہ حالات ' پیداوار ' تبادلہ ' سرمایہ دارانہ املاکي رشتے ' غرضکہ پوري موجودہ سرمایہ دار سوسائٹي جسنے ایسے عظیم الشان ذرائع ایجاد کیے ھیں ' سخت مصائب میں مبتلا ھے - اسکي مثال اُس جادوگر کي سي ھے جو خبیث طاقتوں کو جگا تو دیتا ھے مگر انپر قابو نہیں رکھہ سکتا -

بہت زمانہ تک صنعت و تجارت کي تاریخ ' جدید بار آور قوتوں کي موجودہ حالات کے خلاف ' ایک بغاوت کي عام تاریخ رھي ھے - اس سلسلہ میں اُن تجارتي مشکلات کي طرف اشارہ کر دینا کافي ھوگا جو وقتاً فوقتاً پوري سرمایہ دار سوسائٹي کے لیے موت و حیات کا سوال پیدا کر دیا کرتي ھیں -

لیکن باوجود اِن ھولناک خطروں کے ایک عام اجتماعي وبا پھیلي ھوئي ھے جسکا نام " زائد پیداوار " ھے اور جو پچھلے زمانوں میں یقیناً ایک حماقت معلوم ھوتي -

اِس صورت حال کا نتیجہ یہ ھے کہ سوسائٹي اپنے تئیں اچانک ایک عارضي وحشیانہ حالت میں مبتلا پاتي ھے - قحط اور بربادي کي ایک عالمگیر جنگ برپا ھو جاتي ھے - معلوم ھوتا ھے کہ صنعت و تجارت اور زندگي کے تمام ذرائع تباہ ھو جائینگے - کیوں ؟ اس لیے کہ تہذیب بہت زیادہ ھوگئي ھے ' ذرائع زندگي بہت زیادہ ھوگئے ھیں ' صنعت بہت زیادہ ھوگئي ھے ' تجارت بہت زیادہ ھوگئي ھے !

اِن خطرات کا مقابلہ سرمایہ دار کیونکر کرتے ھیں ؟ اِس طرح کہ ایک طرف تو بہت سي بار آور قوتیں بجبر برباد کر ڈالتے ھیں ' دوسري طرف نئے بازاروں کو فتح کرتے اور پرانے بازاروں کو مزید رونق دیتے چلے جاتے ھیں - اِسکے معني یہ ھیں کہ وہ اور بھي زیادہ وسیع اور زیادہ برباد کن مشکلات کیلیے راستہ ھموار کر رھے ھیں اور ساتھہ ساتھہ وہ ذرائع بھي مٹاتے جاتے ھیں جنسے یہ مشکلات رفع کي جاسکتي تھیں -

غرضکہ وہ ھتیار جنسے سرمایہ داروں نے جاگیرداري پر فتح حاصل کي تھي ' اب خود انھیں پر اُلٹ پڑے ھیں -

لیکن سرمایہ داروں نے صرف یہ مہلک ھتیار ھي نہیں گڑھے ھیں ' بلکہ وہ لوگ بھي پیدا کر دیے ھیں جو یہ ھتیار استعمال کرینگے - وہ کون ھیں ؟ موجودہ مزدور !

جس تناسب سے سرمایہ اور سرمایہ داروں نے ترقي کي ھے ' اِسي تناسب سے مزدوروں نے بھي ترقي کي ھے - اِس طبقہ کي زندگي اُسي وقت تک ھے جبتک اُسے کام ملتا رھے ' اور کام اُسي وقت تک ملتا ھے جبتک وہ سرمایہ کو بڑھاتا رھے - یہ مزدور جو اپنے تئیں فرداً فرداً بیچ ڈالنے پر مجبور کر دیے گئے ھیں ' تجارت کي دوسري چیزوں کي طرح ایک جنس ھوگئے ھیں اور مقابلہ کے ھیر پھیر اور نرخ کے چڑھاؤ اُتار سے ھمیشہ مصیبت جھیلتے رھتے ھیں -

مزدور کا کام ' کلوں کے کثرت استعمال اور محنت کي تقسیم کے باعث اپني انفرادي شخصیت سے محروم ھوگیا ھے اور اب مزدور کیلیے اپنے اندر کوئي خاص کشش نہیں رکھتا - مزدور مشین کا محض ایک ضمیمہ بنا دیا گیا ھے ' جس سے نہایت آسان کام کي خواھش کي جاتي ھے - جسکا نتیجہ یہ ھے کہ اب اُسکي قیمت گھٹ کر بس اِتني ھي رہ گئي ھے کہ مزدور بمشکل اُس سے اپني قوت لایموت کا سامان کرسکتا ھے -

اب ایک مصنوعي برتن اور مزدور ' دونوں ھم درجہ چیزیں ھوگئي ھیں جنکي قیمت اُنکي لاگت کے حساب سے ھوتي ھے - یہي سبب ھے کہ جوں جوں محنت سستي ھوتي جاتي ھے ' مزدوري بھي گھٹ رھي ھے - پھر تماشہ یہ ھے کہ جسقدر کام کي تقسیم اور کلوں کا استعمال بڑھتا جاتا ھے ' اِسي قدر کام کا بوجھہ بھي بڑہ رھا ھے ' یا تو کام کے گھنٹے بڑھا دیے جاتے ھیں ' یا زیادہ کام ایک خاص وقت میں لیا جاتا ھے ' یا مشین کي رفتار میں اضافہ کر دیا جاتا ھے ' (وغیرہ وغیرہ)

موجودہ صنعت نے نیک آقا کي چھوٹي سي دکان کو صنعتي سرمایہ دار کے بڑے کارخانہ کي صورت میں بدل دیا ھے - مزدوروں کے غول کے غول کارخانوں میں بھرے ھوئے ھیں جن کي تنظیم سپاھیوں کي طرح کي جاتي ھے ' اور جو سپاھیوں ھي کي طرح چھوٹے بڑے افسروں کي ایک مطلق العنان حکومت کے شکنجہ میں جکڑ دیے گئے ھیں - وہ نہ صرف سرمایہ دار طبقے اور سرمایہ دار حکومت کے غلام ھوتے ھیں ' بلکہ انھیں شب و روز ھر سرمایہ دار صناع کي بھي غلامي کرني پڑتي ھے -

جسقدر کھلے الفاظ میں یہ خود سر حکومت اعلان کرتي جاتي ھے کہ خود غرضي اور منفعت شخصي اس کا مقصد ھے ' اُسي قدر وہ حقیر ' نفرت انگیز ' اور تکلیف دہ ھوتي جاتي ھے !

دستي مشقت میں قوت اور چستي کي ضرورت جتني کم ھوتي جاتي ھے ' یعني موجودہ صنعت جس قدر زیادہ ترقي کرتي جاتي ھے ' اُسي قدر مردانہ محنت کي جگہ زنانہ محنت کو دي جارھي ھے - مزدوري پیشہ طبقہ کے لیے اب عمر اور جنس کا اختلاف کوئي معاشرتي اھمیت نہیں رکھتا - مزدور مرد اور عورتیں سب کے سب محنت کے پرزے ھوگئے ھیں جن کي قیمت عمر اور جنس کے لحاظ سے گھٹتي بڑھتي رھتي ھے -

جوں ھي مزدور کو اپنے سرمایہ دار آقا سے مزدوري ملتي ھے ' فوراً دوسري سرمایہ دار جماعتیں اُس پر ٹوٹ پڑتي ھیں : مکان دار ' دوکان دار ' ساھوکار ' غرضکہ سب کے سب اُس کے لوٹنے کھسوٹنے کو ا موجود ھوتے ھیں -

ادنی اور متوسط طبقہ، چھوٹے دوکاندار، سوداگر، زراعت پیشہ، زمیندار، دستکار، سب کے سب مزدوری پیشہ طبقہ میں جذب ہو رہے ہیں - کچھہ تو اس وجہ سے کہ اُنکا معمولی سرمایہ موجودہ صنائع کیلیے ناکافی ہے اور بڑے بڑے سرمایہ داروں کے مقابلہ میں بیکار ہوجاتا ہے، اور کچھہ اس وجہ سے کہ اُنکے خاص پیشوں کو پیداوار کے نئے ذرائع نے ظاہر ہوکر بے قدر کر دیا ہے - اس طرح مزدوروں کا یہ طبقہ صرف مزدوروں ہی سے نہیں بلکہ آبادی کے ہر حصہ سے مرکب ہے -

(۲)

مزدوری پیشہ طبقہ مختلف تدریجی مرحلوں سے گزر کر اِس درجہ تک پہنچا ہے - سرمایہ دار کے برخلاف اُسکی جد و جہد اُسکی پیدائش کے وقت ہی سے شروع ہوگئی ہے -

سب سے پہلے یہ جد و جہد ایک فرد واحد مزدور کی جد و جہد کی حیثیت سے شروع ہوئی، پھر کسی ایک کارخانہ کے مزدوروں کی جد وجہد بنی، پھر کسی خاص نواح کے تمام ہم پیشہ مزدوروں کی جد و جہد کی صورت میں تبدیل ہوگئی، جسکا مقصد، سرمایہ داروں سے جنگ کرنا تھا جو ان سب کو براہ راست تباہ کر رہا تھا -

اِس منزل میں مزدور، سرمایہ دارانہ طریق پیداوار پر نہیں بلکہ خود آلات پیداوار پر حملہ کرتے تھے - بیرونی مال برباد کر ڈالتے تھے، مشینیں توڑ پھوڑ ڈالتے تھے، کارخانوں میں آگ لگا دیتے تھے، اور کوشش کرتے تھے کہ طاقت کے زور سے اپنی وہ حیثیت پھر قائم کردیں جو قرون وسطی میں ضائع ہوچکی تھی - لیکن باوجود متحدہ مقصد رکھنے کے، اِس منزل میں، مزدور ایک غیر متحد بھیڑ کی شکل رکھتے تھے جو تمام دنیا میں پھیلی ہوئی تھی، اور جسکے اندر باہمی مقابلہ کے جذبہ نے پھوٹ ڈال دی تھی -

اِس دور میں مزدور جب منظم ہونے کیلیے متحد ہوئے، تو یہ اُنکے اپنے اتحاد کا نہیں، بلکہ سرمایہ دار طبقہ کے اتحاد کا نتیجہ تھا - وہ اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کیلیے مجبور ہو جاتا تھا کہ مزدوروں میں ایک نئی حرکت پیدا کردے؟

اِس منزل میں مزدور براہ راست اپنے دشمنوں سے نہیں لڑتے تھے، بلکہ ان کی جنگ اپنے دشمن کے دشمنوں سے ہوتی تھی، یعنی مطلق العنان شاہی سے، زمینداروں سے، غیر صنعتی اور چھوٹے چھوٹے سرمایہ داروں سے -

اس طرح مزدوروں کی یہ پوری تاریخی تحریک، سرمایہ دار طبقہ ہی کے ہاتھوں میں رہی ہے، اور تمام کامیابیاں جو اُسے حاصل ہوئی ہیں، سرمایہ داروں ہی کی کامیابیاں ہیں -

صنعت کی ترقی کے ساتھہ ساتھہ مزدوری پیشہ طبقہ کی کمیت میں صرف افراد ہی کا اضافہ نہیں ہوا، بلکہ بڑی بڑی جماعتیں بھی اس میں شامل ہوتی گئیں اور ابتک ہو رہی ہیں -

اس کی طاقت روز بروز بڑھ رہی ہے اور وہ اپنی طاقت کی افزونی برابر محسوس کر رہا ہے -

جوں جوں مشینری، محنت کے امتیازات مٹاتی جاتی ہے اور اُجرت ہر جگہ کم سے کم کرتی جاتی ہے، اسی قدر مزدوروں کے فوائد اور حالات زندگی میں بھی یکسانیت پیدا ہو رہی ہے -

سرمایہ دار طبقہ میں مقابلہ کی روح جس قدر ترقی کرتی جاتی ہے اور تجارتی مشکلات جسقدر بڑھتی جاتی ہیں، اُسی قدر مزدوروں کی اُجرت میں اتار چڑھاؤ زیادہ ہوتا جاتا ہے - مشینری کی مسلسل اور تیز ترقی مزدوروں کی روزی کو برابر غیر محفوظ بنا رہی ہے، اور انفرادی مزدور اور انفرادی سرمایہ دار کا شخصی تصادم، جماعتی تصادم کی صورت اختیار کرتا جاتا ہے - ایک طرف مزدور، سرمایہ داروں کے خلاف متحد ہو رہے ہیں - دوسری طرف سرمایہ دار شرح اجرت برقرار رکھنے کے لیے مزدوروں کے برخلاف جتھا بندی کر رہے ہیں - انھوں نے اپنے تئیں مستقل انجمنوں کی صورت میں منظم کرلیا ہے، تاکہ اچانک تصادم کے لیے پہلے سے طیار رہیں - کہیں کہیں یہ باہمی لڑائی بغاوت کی صورت میں بھی پھوٹ چکی ہے -

کبھی کبھی مزدوروں کو فتح حاصل ہوجاتی ہے، مگر محض تھوڑی مدت کے لیے - اس سے ہمیں گھبرانا نہیں چاہیے - کیونکہ ان کی جد و جہد کا اصلی ثمرہ فوری کامیابی نہیں بلکہ اُن کے بڑھتے ہوئے اتحاد میں ہے - اِس اتحاد کو موجودہ ذرائع آمد و رفت سے جو موجودہ صنعت کی ایجاد ہیں، بہت مدد مل رہی ہے - مختلف ممالک کے مزدور باہم دگر مل رہے ہیں، اور اِس طرح وہ کام انجام پا رہا ہے جس کی ازحد ضرورت تھی - وہ اتحاد جس کے حصول میں قرون وسطی کے شہریوں کو اپنی خراب سڑکوں کی وجہ سے صدیاں لگ جاتیں، موجودہ مزدوروں کو ریلوے کے ذریعہ چند سالوں کے اندر حاصل ہوگیا ہے -

مزدوروں کی جماعتی اور سیاسی تنظیم خود اُن کے باہمی مقابلہ کی وجہ سے ہمیشہ رک رک جایا کی ہے، لیکن ہر مرتبہ زیادہ قوت، زیادہ استقلال، اور زیادہ استحکام کے ساتھہ اُبھری ہے - سرمایہ داروں کی باہمی پھوٹ سے اُسے کافی فائدہ پہنچا ہے، اور وہ ہر موقعہ پر مزدوروں کے حقوق و مفاد کے قانونی اعتراف پر مجبور ہوئے ہیں -

قدیم سوسائٹی میں جماعتوں کا باہمی تصادم، مختلف طریقوں سے مزدوری پیشہ طبقہ کو بڑھا رہا ہے - خود سرمایہ دار بھی مجبوراً اسکی ترقی کا باعث ہوئے ہیں - وہ اپنے تئیں ایک مسلسل حالت جنگ میں پاتے ہیں - ایک طرف خاندانی امارت ہے، دوسری طرف خود سرمایہ داروں کی وہ جماعتیں ہیں جنکے مفاد صنعتی ترقی کے منافی ہیں - تیسری طرف بیرونی ممالک کے سرمایہ دار ہیں جو ہر وقت ٹوٹ پڑنے کیلیے طیار ہیں - غرضکہ سرمایہ داروں کو ہر طرف لڑنا اور ہر ایک سے نبرد آزمائی کرنی پڑتی ہے - ظاہر ہے، وہ تن تنہا اتنے دشمنوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور مجبور ہوتے ہیں کہ مزدوروں سے اعانت کی اپیل کریں - اِس طرح وہ خود ہی مزدوروںکو سیاسی اکھاڑہ میں کھینچ لاتے ہیں، اور اُن کیلیے اجتماعی تعلیم کے عناصر مہیا کردیتے ہیں - وہ خود ہی مزدوروں کے ہاتھہ میں وہ ہتیار دیدیتے ہیں جو خود اُن کے خلاف استعمال کیے جائینگے!

صرف یہی نہیں بلکہ صنعت کی ترقی نے حکمراں طبقہ کے تمام حصوں کو بھی عجلت اور گھبراہٹ کے ساتھہ مزدوری پیشہ طبقہ کی طرف دھکیلنا شروع کر دیا ہے، یا کم از کم انکی زندگی خطرہ میں ڈالدی ہے - یہی وجہ ہے کہ یہ حکمراں جماعت مزدوری پیشہ طبقہ کیلیے ترقی کے بے شمار پرزے مہیا کر رہی ہے -

جس طرح پچهلے زمانه میں شرفاء کا ایک حصه سرمایه دارون میں آ ملا تها ' اسي طرح اب سرمایه دارون کا ایک حصه مزدورون میں آ رہا ہے ' خصوصاً وہ مفکر حصه جسے اس تاریخي تحریک کا نظري علم حاصل هوگیا ہے -

تمام جماعتیں جو في الحال سرمایه دار طبقه سے برسر جنگ هیں ' انمیں صرف مزدوري پیشه جماعت هي ایک حقیقي انقلابي جماعت ہے - باقي تمام دوسري جماعتیں موجودہ صنعت کے سامنے مٹتي اور گلتي چلي جاتي هیں - اور یه کچهه عجیب نہیں ' کیونکه مزدوري پیشه طبقه هي صنعت و حرفت کي خاص اور براہ راست پیداوار ہے -

رها ادنی اور متوسط طبقه ' چهوٹے چهوٹے دستکار ' معمولي دکاندار ' زراعت پیشه زمیندار ' تو یه سب سرمایه دار طبقه سے اس لئے جنگ کر رہے هیں که متوسط طبقه کے رکن هونے کے لحاظ سے اپني حیثیت برقرار رکهیں - یه جماعتیں انقلابي نہیں بلکه قدامت پسند هیں - قدامت پسند هي نہیں بلکه رجعت پسند بهي هیں - وہ تاریخ کا چکر لوٹا کر الٹا چلانے کي کوشش کر رهي هیں - اگر وہ کبهي انقلابي هو بهي گئیں ' تو صرف اس خوف سے هونگي که مبادا مزدوري پیشه طبقه میں جبراً دهکیل نه دي جائیں -

گزشته سوسائٹي کے معاشرتي حالات اب مزدورون کے معاشرتي حالات میں مدغم هو چکے هیں - مزدوري پیشه طبقه بغیر کسي ملکیت کے ہے ' اسکے اپنے بیوي بچون سے رشتے سرمایه دارانه خانداني رشتون سے بالکل مختلف هیں - موجودہ صنعتي محنت اور سرمایه داري نے انگلینڈ ' فرانس ' امریکه ' اور جرمني میں مزدورون کے تمام قومي اخلاق خراب کر ڈالے هیں - مزدورون کے حق میں قانون ' اخلاق ' مذهب ' ٹٹیاں هیں جنکے پیچهے بیٹهکر سرمایه دار انهیں شکار کیا کرتے هیں -

تمام گزشته جماعتوں نے طاقت پا کر همیشه یهي کوشش کي ہے که اپني حیثیت مضبوط کرنے کیلیے تمام سوسائٹی کو اپنے هي طریق عمل کا پابند کردیں - مزدورون کو بهي اسي اصول پر عمل کرنا چاهئے - وہ سوسائٹي کي بار آور قوتون پر قابو حاصل نہیں کر سکتے جبتک که اسکے تمام پرانے دستورون کو منسوخ نه کر دیں - خود مزدورون کے پاس کوئي ایسي چیز نہیں جسکي انهیں حفاظت کرني ضروري هو - انهیں شخصي ملکیت کي تمام سابق پابندیاں اور ضمانتیں منسوخ کر دیني چاهئیں -

تمام پچهلي تاریخي تحریکین یا تو آبادي کي اقلیت کي تحریکیں تهیں ' یا انکے مفاد کیلیے تهیں - لیکن مزدورون کي تحریک بالکل دوسري هي نوعیت کي ہے - وہ عظیم الشان اکثریت کي ایک حساس تحریک ہے اور عظیم الشان اکثریت کے مفاد کیلیے ہے -

مزدوري پیشه طبقه ' موجودہ سوسائٹي کي سب سے نچلي پرت ہے - وہ اس وقت تک نہیں اٹهه سکتا ہے ' جبتک که اوپر کے وہ تمام پرت جنسے حاکمانه سوسائٹي مرکب ہے ' پرزے پرزے کر کے اڑا نه دیے جائیں -

اگرچه مزدورون کا قیام قومي بنیادون پر نہیں ہے ' لیکن سرمایه دارون کے برخلاف انکي جد و جهد ضرور قومي ہے - هر ملک کے مزدورون کو قدرتي طور پر سب سے پہلے اپنے یہاں کے سرمایه دارون سے نپٹ لینا چاهئے -

ابن بطوطہ کی سیاحت

(ایشیائي تاریخ میں اس کا مرتبه)

(عبد الله عنان ایک مصري اهل قلم کے قلم سے)

عین اس زمانے مین جبکه مارکو پولو نے اپني ایشیائي سیاحت ختم کي ' طنجه (مراکش) میں ایک مسلمان سیاح پیدا هوا (۷۰۳ ھ - سنه ۱۳۰۴ ع) اس کا نام ابو عبد الله محمد بن عبد الله تها - بعد میں دنیا نے اسے ابن بطوطه کے نام سے جانا - آٹهویں صدي هجري کي چند ممتاز شخصیتوں میں سے ایک شخصیت اس کي بهي ہے -

ابن بطوطه کي طفولیت اور ابتدائي تعلیم و تربیت سے هم ناواقف هیں - لیکن اس کے سفر نامے سے معلوم هوتا ہے که اس نے دیني علوم میں پوري طرح مهارت حاصل کرلي تهي - هم ان اسباب سے بهي ناواقف هیں جنهون نے اس طویل سیاحت پر اسے آمادہ کیا - زیادہ سے زیادہ هم یه جانتے هیں که ۲۲ سال کي عمر میں اسے حج اور بیت الله کي زیارت کا شوق پیدا هوا اور اسي ارادے سے وہ وطن سے نکلا - معلوم هوتا ہے اس سفر کے لیے اس کي مادي طیاري کافي نه تهي - تاهم وہ جرأت کرکے چل پڑا اور مغرب اقصی کے بڑے بڑے شهر : تلمسان ' الجزائر ' بجایه ' قسطنطنیه سے گزرتا هوا تیونس پهنچا - اس وقت سیاح کا آغاز شباب تها - غریب الوطني کے مصائب سے ناآشنا تها - خود بیان کرتا ہے که جب تیونس میں اسے کسي نے اجنبیت کي وجه سے سلام نه کیا " تو اس کا دل بے اختیار هوگیا - آنسو جاري هوگئے - اور سخت رنج و الم محسوس هوا ! "

حاجیوں کے قافله کے ساتهه وہ پہلے طرابلس پهر اسکندریه پهنچا - یه اس کے سفر کا دسواں مهینه تها - اسکندریه ' اسے بہت پسند آیا اور اس نے گوارا نه کیا که سرسري طور پر دیکهه کر آگے بڑه جائے - چنانچه وہ ٹهر گیا اور ایک محقق سیاح کي طرح شهر اور اس کے آثار کي تحقیقات شروع کردي - یہاں سے فارغ هوکر قاهرہ پهنچا پایۂ تخت کي عمارتیں ' مسجدیں ' اهرام دیکهے - پهر پورے ملک کی ایک سرے سے دوسرے سرے تک سیاحت کي - اسي قدر نہیں بلکه وہ مصر کے علماء ' امراء ' حتی که بادشاہ تک سے ملا - یه زمانه ملک ناصر بن قلاؤن کا تها -

مصر سے صحراء سینا کي راہ فلسطین پهنچا اور وهاں کے اسلامي اور مسیحي مقامات مقدسه کی سیر کي - پهر شام گیا اور تمام بڑے بڑے شهر اور آثار دیکهے - شام سے صحراء کو عبور کرکے حجاز پهنچا اور حج سے مشرف هوا -

هم کهه چکے هیں که اس نے حج کي نیت سے سفر شروع کیا تها - مگر اس میں کامیاب هونے کے بعد وہ وطن واپس نہیں هوا - معلوم هوتا ہے اسي زمانے میں اسے مشرقي دنیا کي سیاحت کا خیال پیدا هوا - چنانچه وہ عراق کے ارادے سے چل پڑا - اب اسے صحراء عرب سے گزرنا تها - یه مرحله بہت هي سخت تها - اب تک اسے کوئي ایسا خطرناک سفر پیش نہیں آیا تها - تاهم وہ بے خوف و خطر روانه هوجاتا ہے - درحقیقت ابن بطوطه کي سیاحت [illegible] اور

عظمت کا باب اِسي وقت سے شروع ہوتا ہے - اِسي سفر میں اُس کي دماغي قابلیت ' محققانہ روح ' اور عزم و ھمت کي قوت ظاھر ھوتي ہے - اِسي سفر میں آپنے فارسي اور ترکي زبانیں بھي سیکھني پڑتي ھیں - فارسي زبان سے سیاح کو بہت مدد ملي ' خصوصاً ھندوستان میں - ٹھیک اُسي طرح جس طرح اُس کے پیشرو ' مارکو پولو کو تاتاري زبان سے مدد ملي تھي !

غرضکه ابن بطوطه اپنے مشرقي سفر پر روانہ ھوگیا - نجد اور صحراء عرب کو طے کرکے عراق پہنچا - راستے کے جملہ حالات و آثار مفصل قلم بند کیے - پھر دجلہ و فرات کو عبور کرکے عراق عجم میں داخل ھوا ' اور شیراز و اصفہان وغیرہ کي سیر کي - لیکن وہ آگے نہیں بڑھا بلکہ لوٹ کر پھر دجلہ و فرات عبور کیا اور عراق عرب میں سفر شروع کردیا - اُس وقت بغداد کي حالت نہایت زبون تھي - تاتاریوں کی تخریب کے بعد ' عباسي دار الخلافہ ویران ھوگیا تھا - ابن بطوطہ یہاں بہت متأثر نظر آتا ہے اور ایک سچے مسلمان کي طرح رنج و غم کا اظہار کرتا ہے -

بغداد سے سیاح ' موصل پہنچا - موصل سے نصیبین اور سنجار آیا - اِس سر زمین کے تمام امراء و سلاطین سے ملاقات کي - یہاں پر اُس کي سیاحت اچانک منقطع ھوجاتی ہے - نہیں معلوم کیوں ' وہ پھر بغداد اور بغداد سے مکہ پہنچ جاتا ہے - وہ ھم سے صرف اِس قدر کہتا ہے کہ دوسري مرتبہ مکہ معظمہ اِس حال میں پہنچا کہ سخت بیمار تھا - چنانچہ کامل ایک سال جوار بیت اللہ میں مقیم رھتا ہے - اِس طویل اقامت کے بعد پھر اُس میں نیا جوش پیدا ھوتا ہے اور پہلے سے بھي زیادہ طویل سفر پر روانہ ھوجاتا ہے -

چنانچہ وہ یمن پہنچتا ہے - پھر سومال جاتا ہے - پھر ساحل بحر عرب کے تمام ممالک کي سیر کرتا ھوا عمان اور بحرین میں جا نکلتا ہے - بحرین میں موتي نکالنے والوں سے ملتا ہے - مگر ٹھہرتا نہیں اور صحراء طے کرکے سہ بارہ مکہ معظمہ میں وارد ھوتا ہے - یہاں ملک الناصر شاہ مصر سے اُس کي ملاقات ھوتي ہے -

حج کے بعد پھر سفر شروع کرتا ہے اور اِس مرتبہ بحر احمر عبور کرکے سوڈان ' بلاد نوبہ ' صعید مصر کي سیاحت کرتا ھوا قاھرہ پہنچتا ہے - لیکن قیام نہیں کرتا بلکہ شام چلا جاتا ہے اور ساحل لاذقیہ سے جہاز پر بیٹھ کے سنہ ۷۳۳ ھ (سنہ ۱۳۳۳ع) میں ساحل اناطولیہ پر قدم رکھتا ہے -

(اناطولیہ)

اُس وقت اناطولیہ میں سلجوقي امراء و سلاطین کا دور دورہ تھا - لیکن آل عثمان کا قبیلہ عروج حاصل کررھا تھا - آھستہ آھستہ سلجوقي امراء اُس کے سامنے ھتیار رکھتے جاتے تھے - سلطنت عثمانیہ کے باني اول عثمان نے بیزنطیني شہنشاھي میں بھي دور تک ھاتھ پاؤں پھیلا دیے تھے - اُس وقت عثماني ریاست کا پایۂ تخت بروسہ تھا اور ابن بطوطہ کے زمانے میں سلطان آرخان بن عثمان کي حکومت تھي -

آرخان کے علاوہ سلجوقي امراء میں سب سے زیادہ طاقتور محمد آزبک خاں شاہ شمال تھا - یہ شہنشاہ قسطنطنیہ کا داماد بھي تھا - ابن بطوطہ یہ ملک دیکھ کر بہت متعجب ھوا - کیونکہ اگرچہ یہاں اِسلام کو غلبہ حاصل ھوچکا تھا مگر نو مسلموں کے عادات و اطوار عجیب طرح کے تھے - اِبن بطوطہ نے پورے ملک کي سیاحت کي ہے اور بڑي تفصیل سے جملہ حالات بیان کیے ھیں - یہ عجیب بات ہے کہ ھر ملک میں وہ قصر شاھي تک رسائي حاصل کرلیا کرتا تھا - یہاں کے بھي تمام امراء و سلاطین سے اُسنے ملاقاتیں کیں

(قسطنطنیہ)

اناطولیہ سے وہ قسطنطنیہ کو چلا - خوش قسمتي سے اُس زمانے میں سلطان محمد آزبک خاں کی ملکہ " خاتون بیلون " بھي اپنے باپ شہنشاہ قسطنطنیہ کي ملاقات کو جا رھي تھي - ابن بطوطہ اِسي شاھي قافلہ میں داخل ھوگیا اور سنہ ۷۳۳ ھ - سنہ ۱۳۳۳ع میں نہایت تزک و احتشام سے بیزنطیني پایۂ تخت میں داخل ھوا -

سیاح خود اپني زبان سے یہ واقعہ اِس طرح بیان کرتا ہے :

" ھم زوال کے وقت قسطنطنیۂ عظمی میں داخل ھوئے - پورے شہر میں ناقوس اِس زور سے بج رھے تھے کہ در و دیوار تک گونج اُٹھے تھے - ھم قصر شاھي کے پہلے پھاٹک پر پہنچے - وھاں سو سنتري اپنے سپہ سالار کے ساتھ کھڑے تھے اور آپس میں کہہ رھے تھے " سراکنون ' سراکنون " جس کے معني ھیں " مسلمان " (یوناني زبان میں Sarrazino عرب مسلمانوں کا نام ہے - شاید ابن بطوطہ نے یہي لفظ سنا ھوگا)

پھر وہ شہنشاہ سے اپني ملاقات کا حال لکھتا ہے :

" چوتھے دن خاتون نے اپنا غلام سنبل ھندي میرے پاس بھیجا - وہ مجھے قصر شاھي میں لے گیا - ھم چار پھاٹکوں سے گزرے - ھر پھاٹک میں مسلح سپاھي موجود تھے - پانچویں پھاٹک پر غلام مجھے چھوڑ کر چلا گیا - پھر چار رومي نو جوان کو لے کر لوٹا - انھوں نے میري تلاشي لي کہ کوئي چھري تو چھپي ھوئي نہیں ہے - افسر نے بتایا کہ یہاں کا دستور ایسا ھي ہے - جو شخص بھي بادشاہ سے ملنا چاھتا ہے ' اُس کي تلاشي ضرور لي جاتي ہے - پھر پھاٹک کھولا گیا - میں اندر داخل ھوا - چار آدمیوں نے مجھے گھیر لیا - دو مجھے آگے سے پکڑے تھے ' دو پیچھے تھے - میں ایک بڑے ایوان میں داخل کیا گیا - اُس کي دیواریں بہت آراستہ تھیں - قسم قسم کے حیوانات و نباتات کي تصویریں بني تھیں - بیچ میں فوارہ تھا - دونوں جانب سپاھي صف بستہ کھڑے تھے اور بالکل خاموش تھے - وسط میں تین اور آدمي کھڑے تھے - انھوں نے مجھے میرے محافظوں سے لے لیا اور اُسي طرح پکڑ کر لے چلے - انمیں ایک یہودي تھا - یہودي نے مجھ سے عربي میں کہا " ڈرو نہیں ' میں ترجمان ھوں " پھر میں ایک عظیم گنبد میں داخل کیا گیا - شہنشاہ مع اپني ملکہ کے تخت شاھي پر جلوہ افروز تھا - داھني طرف چھ آدمي کھڑے تھے - بائیں طرف چار آدمي تھے - سب ھتیار بند تھے - بادشاہ کے قریب پہنچنے سے پہلے مجھ سے کہا گیا کہ تھوڑي دیر بیٹھ کر حواس درست کرلو - پھر میں تخت شاھي کے سامنے پہنچایا گیا - میں نے سلام کیا - بادشاہ نے بیٹھنے کا اِشارہ کیا - مگر میں بیٹھا نہیں - بادشاہ نے مجھ سے بہت سے سوال کیے - بیت المقدس کي بابت پوچھا - مقدس چٹان ' مولد مسیح ' بیت لحم ' شہر خلیل ' کا حال دریافت کیا - پھر دمشق ' مصر عراق ' اور رومي ممالک کے حالات پوچھے - میں نے ھر سوال کا جواب دیا - یہودي ترجمہ کرتا جاتا تھا - شاید شہنشاہ کو میري گفتگو پسند آئي - چنانچہ اُس نے اپنے لڑکوں سے کہا اِس شخص کي عزت کرو اور امن و امان میں رکھو - پھر میرے لیے خلعت کا حکم دیا - نیز ایک آراستہ گھوڑا اور چھتر بھي عنایت کیا ' جو شاھي امان کي علامت ہے "

اِس شہنشاہ کا نام اِبن بطوطہ نے تکفور اور اُس کے باپ کا نام جرجیس لکھا ہے - ممکن ہے یہ اُن کے مسیحي نام ھوں ' ورنہ

معلوم ہے کہ اُس عہد کے قیصر کا نام اندرو نیکوس ثالث تھا اور اُسکا باپ اندرونیکو ثاني تھا -

اُس زمانے میں قسطنطنیہ اپني سابق عظمت سے بہت کچھہ محروم هوچکا تھا - ستر برس پہلے صلیبي مجاهدوں نے آسے فتح کیا اور بہت کچھہ برباد کر کے چلے گئے - تاهم اب بهي وہ عروس البلاد تھا - اِبن بطوطہ نے پوري تدقیق سے اُس کا حال لکھا ہے - ایک جگہ کہتا ہے :

" یہ شہر بہت هي عظیم الشان ہے - دو حصوں میں منقسم ہے - وسط میں ایک بہت زیادہ مد و جزر رکھنے والا دریا موجزن ہے - (یعني قرن الذهب) اِس دریا کا نام " ابسمي " ہے - شہر کے ایک حصے کا نام " اصطنبول " ہے اور دریا کے مشرقي کنارے پر آباد ہے - اِسي میں قصر شاهي اور امراء کے محل هیں - یہ حصہ بہت آباد ہے - بازار پر رونق هیں - سڑکیں کشادہ اور پختہ هیں - شہر ایک پہاڑ پر آباد ہے جو نو میل تک سمندر میں پهیلتا چلا گیا ہے - اُس کي چوٹي پر ایک چهوٹا سا قلعہ اور شاهي محل ہے - ایک دیوار اِس پہاڑ کو گھیرے هوئے ہے اور سمندر کي طرف سے آسے مسخر کرنا نا ممکن ہے - اِسي حصے کے وسط میں کلیسا ایا صوفیا ہے - شہر کے دوسرے حصے کا نام " غلطہ " ہے - وہ دریا کے مغربي کنارے پر ہے - اِس حصے میں فرنگي نصاریٰ رهتے هیں - چنانچہ جنیوا ' وینس ' روم ' فرانس ... کے باشندے موجود هیں "

عرب سیاح نے بڑي تفصیل سے قسطنطنیہ کے گرجوں اور خانقاهوں کا حال لکھا ہے - خاص شاهي اذن سے اُس نے ترجمان کے ساتھہ اِن تمام مقامات کي سیر کي تھي -

قسطنطنیہ میں چند هفتے مقیم رها - یوناني تمدن کا اُس کے دل و دماغ پر گہرا اثر پڑا - پھر وہ دوبارہ اناطولیا طے کر کے ترکستان کي طرف بڑھا اور خوارزم میں اترا اُس وقت یہ صوبہ مذکور الصدر سلطان محمد ازبک کے زیر نگیں تھا - یہاں سے بخارا پہنچا - شہر تاتاري حملہ سے برباد هو چکا تھا - عرب سیاح نے حضرت امام بخاري جامع حدیث کي قبر کي زیارت کي - پھر بلوچستان هوتا هوا هندوستان میں داخل هوا ' اور سنہ ۷۳۴ ھ میں پنجاب پہنچ گیا -

ابن بطوطہ کا سفر هندوستان بہت طویل تھا - اُس نے اِس بر اعظم کو مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک طے کیا - حتیٰ کہ سیلون تک پہنچا - هندوستان کے مسلمان بادشاهوں سے ملاقاتیں کیں - سلطان محمد شاہ سے بہت تقرب حاصل هوگیا تھا - یہاں وہ کئي سال رها اور منصب قضاء پر مامور هوگیا - نیز کئی سیاسي سفارتوں پر بهي گیا ' اور بادشاہ کی بہت سي خدمات بجا لایا -

هندوستان کے حالات ابن بطوطہ نے بہت تفصیل سے بیان کیے هیں - هندؤں کے رسم و رواج ' عبادات ' عادات پر بحث کي ہے - هندوستان میں ایک مرتبہ آسے ڈاکؤں نے لوٹ لیا تھا - اُس کے کاغذات بهي لے گئے تھے - سیاح اپنے کاغذات کے نقصان پر بہت متأسف ہے - کیونکہ اُن میں اُس کے سفر کي یاد داشتیں بهي تھیں -

هندوستان سے وہ جاوا اور سماٹرا گیا - پھر شمال کي طرف روانہ هوا - وہ هم سے کہتا ہے کہ یہ سفر چین کا تھا - مگر تفصیل سے معلوم هوتا ہے کہ وہ چیني هندوستان اور جنوبي چین سے آگے نہیں بڑھا - شمال میں اُس کا سفر بہت هي معدود تھا - چین سے پھر جاوہ کے طرف لوٹا - جاوہ سے هندوستان آیا - پھر فارس ' عراق ' شام ' مصر هوتا هوا تیونس پہنچا - تیونس سے جہاز پر بیٹھا ' اور سنہ ۷۵۳ ھ میں فاس پہنچ گیا - یعنی کامل ۲۵ - سال سفر کے بعد وطن واپس هوا !

لیکن اپنے وطن طنجہ میں اُس کا قدم زیادہ دن تک نہیں جما - اندلس کي سیاحت پر روانہ هوگیا - اُس وقت یہ اسلامي سلطنت سمٹ کر غرناطہ کے علاقہ میں محصور هوگئي تھی - سلطان ابو الحجاج یوسف بن الولید النصري کا زمانہ تھا - ابن بطوطہ نے وهاں کے علماء و فقہاء سے ملاقاتیں کیں ' قدیم آثار دیکھے ' پھر مراکش واپس آ گیا -

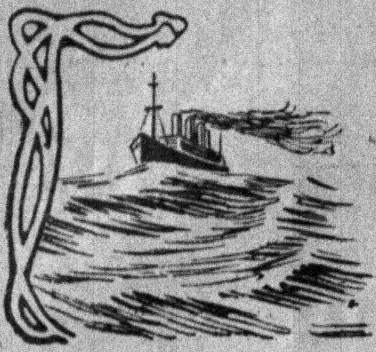
مگر یہ واپسي بهي عارضي تھي - تھوڑے هي عرصہ بعد صحراء اعظم کي راہ سے سوڈان کے سفر پر روانہ هوگیا - لیکن یہ اُس کا آخري سفر تھا - سلطان ابو عنان شاہ مراکش مزید سفر سے مانع هوا اور اپني مصاحبت پر اصرار کیا - یہ واقعہ سنہ ۷۵۵ ھ کا ہے - ابن بطوطہ نے مسلسل ۳۰ برس تک سیاحت کي - ۲۲ برس کي عمر میں سیاحت شروع کي اور ۵۵ - برس کي عمر میں ختم کي -

ابن بطوطہ سلطان مراکش کا درباري بن گیا - سلطان اُس کے حالات سفر سن کر بہت مسرور هوتا تھا - بعض لوگ ابن بطوطہ کي صداقت میں اُسي طرح شبہ کرتے تھے ' جس طرح اِس کے پیشرو مارکو پولو کو اُس کے هم عصروں نے غلط بیان قرار دیدیا تھا - ابن بطوطہ کو ابناء زمانہ کي اِس بے قدري پر بہت افسوس تھا - ایک جگہ وہ نہایت رنجیدہ هوکر لکھتا ہے " خدا جانتا ہے میرے بیانات صحیح هیں - خدا کي گواهي میرے لیے کافي ہے "

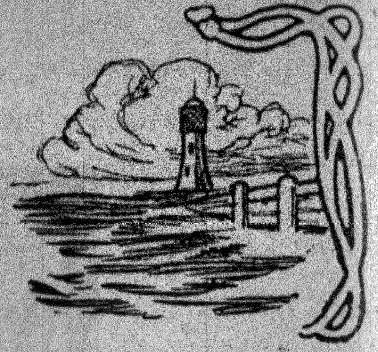
علامۂ ابن خلدون نے جب اپنی تاریخ کبیر مدون کرنا شروع کي ' تو ابن بطوطہ اور اُس کي سیاحت کا قصہ تازہ تھا - وہ اپنے مقدمہ میں لکھتے هیں :

" سلطان ابو عنان کے عہد میں طنجہ کا ایک شخص ابن بطوطہ نام مراکش میں آیا - یہ مشرق میں سیاحت کرچکا تھا - عراق ' یمن هندوستان وغیرہ ممالک میں پھرا تھا - شاہ هند کے پایۂ تخت دهلي میں بهي گیا تھا ' اور سلطان محمد شاہ کا مقرب هوگیا تھا ' حتیٰ کہ عہدۂ قضا پر بهي مامور هوگیا - سفر سے واپسي کے بعد اُسنے سلطان ابو عنان کے دربار میں رسوخ حاصل کیا - وہ اپنے عجیب عجیب مشاهدے بیان کیا کرتا تھا - حتیٰ کہ بہت سے لوگ آسے جھوٹا سمجھنے لگے تھے - ایک دن میں نے سلطان کے وزیر فارس بن وردار سے اِس بارے میں گفتگو کي اور بتایا کہ لوگ کس طرح اُس کي تکذیب کر رهے هیں - وزیر نے صحیح جواب دیا " تمہیں اُن سلطنتوں کے حالات کا انکار نہیں کرنا چاهیے جن سے ناواقف هو "

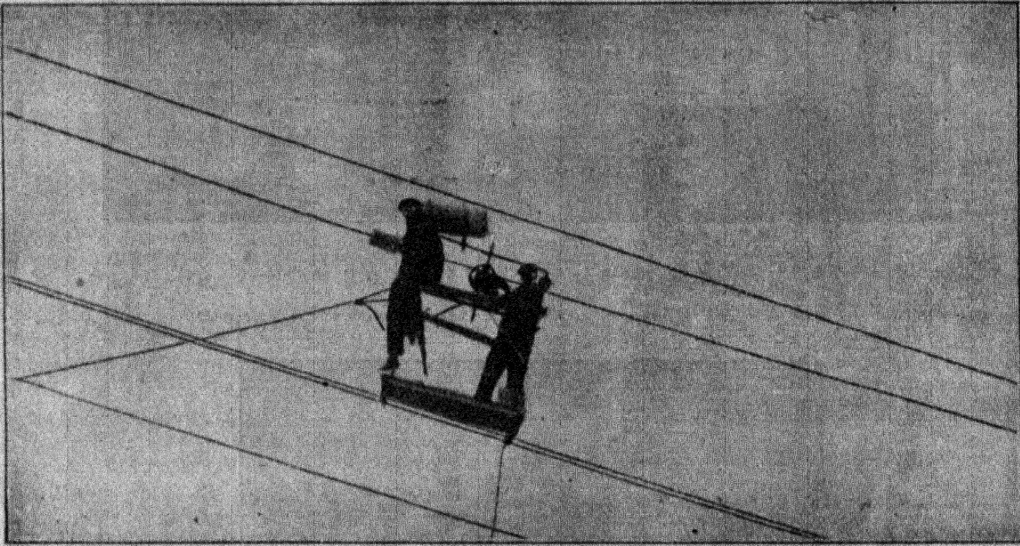
اِبن بطوطہ کو مارکو پولو پر کئي حیثیتوں سے امتیاز حاصل ہے - آخر الذکر نے بر اعظم ایشیا کا صرف وسطي حصہ دیکھا تھا - لیکن اِبن بطوطہ کي سیاحت بہت طویل تھي - ایشیا کے علاوہ افریقہ کے بہت سے حصے اور یورپ میں قسطنطنیہ اور اُندلس کي بهي اُس نے سیر کي تھي - پھر اُس کے مشاهدات بہت زیادہ محققانہ تھے - اُس کا سفرنامہ اُس عہد کے ایشیا اور افریقہ کي تاریخ اور جغرافیہ میں بہت زیادہ اهمیت رکھتا ہے - اُس کا اِسلوب بیان بهي زیادہ شگفتہ ' مکمل ' اور علمي ہے -

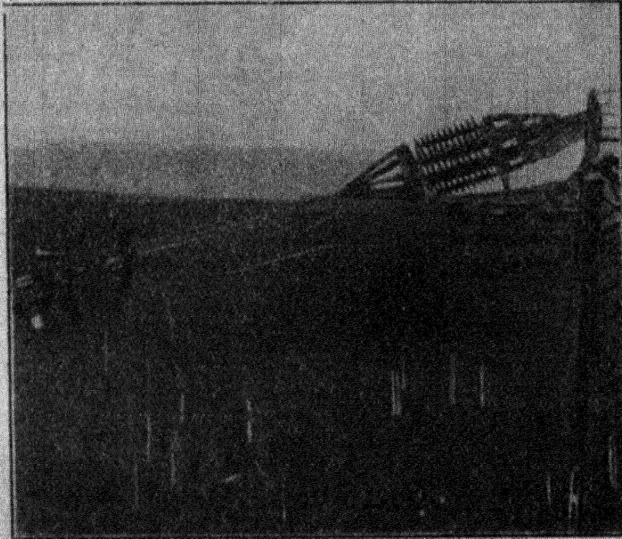


بریدِ فرنگ



هوائی سفر کا ایک نیا تجربه !





سائنٹفک امریکن کي آخري اشاعت نے امریکه کے ایک نئے فضائي تجربه کي روئداد شایع کي هے - معمولي اتفاقات کس طرح علمي تجارب کے نئے نئے دروازے کهول دیتے هیں ؟ یه واقعه اس حقیقت کي ایک تازه مثال هے !

واشنگٹن کے قریب ایک بحري تنگ نائے پر بجلي کے تاروں کا سلسله قائم هے - یه تار معمولي کهمبوں پر نصب هیں - جس طرح کے کهمبے هر جگه تار کا سلسله قائم کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے هیں - پچهلے دنوں بجلي کے کارخانه کے بعض افسروں نے اراده کیا که اگر تار کا تمام سلسله رنگ دیا جاے تو حفاظت اور پائداري کے لیے بہتر هوگا - لیکن مشکل یه پیش آئي که موجوده نصب و قائم حالت میں رنگنے کا انتظام کیونکر هو ؟ تار کا بڑا حصه تنگ نائے کے اوپر سے گزرا هے ' اور نهایت بلندي پر واقع هے - کوئي کشتي ' کوئي جهاز ' کوئي سواري ' اس غرض کے لیے کام نهیں دے سکتي تهي - بالاخر انهوں نے غور کرنا شروع کیا که خاص اس غرض کے لیے کوئي نیا ذریعه پیدا کیا جا سکتا هے یا نهیں ؟ تهوڑي سي کاوش کے بعد وه ایک نیا مگر عجیب قسم کا ذریعه پیدا کرنے میں کامیاب هوگئے - نوعیت کے اعتبار سے یه نهایت سهل اور ساده قسم کي چیز هے - لیکن محل استعمال کے لحاظ سے ایک عظیم فضائي تجربه کا دروازه کهول رهي هے - اس تجربه سے ثابت هوگیا که اگر ضرورت پیش آجاے ' تو ایسي فضائي سواري استعمال کي جا سکتي هے جو تار کے معمولي سلسلوں پر ایک نقطه سے دوسرے نقطه تک بغیر کسي خطرے کے سوار کو پهنچا دے !

تصویر میں یه سواري تار پر چلتي هوئي نظر آ رهي هے - دوسري تصویر میں وه ابتدائي نقطه دکهلایا گیا هے جهاں سے روانگي شروع هوئي هے ' اور پهلي میں درمیاني حالت دکهلائي هے - یه ایک پتلا سا تخته هے جس میں هاتهه سے چلانے کي چرخي لگي هے ' اور چهوٹے چهوٹے پهیوں سے تار پر دوڑ رها هے - سائنٹفک امریکن کا نامه نگار کهتا هے " دو آدمي اس آله پر سوار هوے اور بغیر کسي حادثه کے تار پر سفر کرتے هوے چلے گئے " اس اتفاقي تجربے سے ثابت هوگیا که تار پر معلق چلنے والي ٹرینوں کي تجویز پوري طرح کامیاب هوسکتي هے - نیز اگر ضرورت پیش آجاے ' تو دنیا کي بڑي بڑي بحري آبنائیں معلق سواریوں کے ذریعه به آساني زمین سے ملا دي جا سکتي هیں -

بالشویك روس کی عدالت

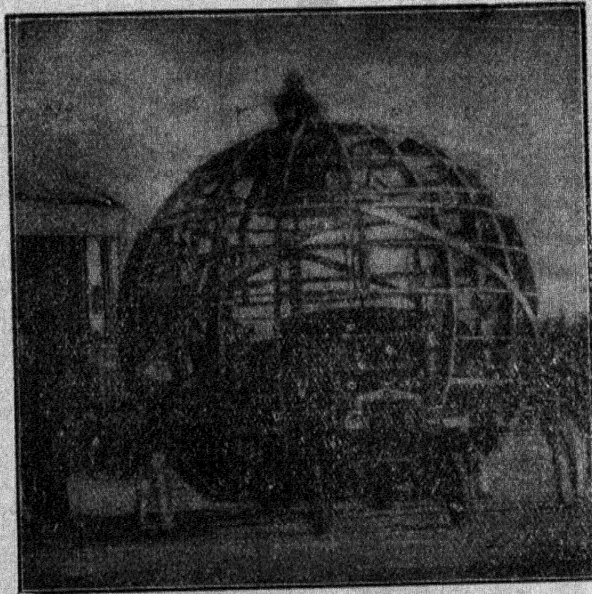
جو نو جاسوسوں کے قتل کا فیصلہ لکھہ رھي ھے !



ابھي تھوڑا عرصہ ھوا ' خبر آئي تھي کہ حکومت روس نے ۲۶ آدمیوں کو جاسوسي کے جرم پر گرفتار کیا ھے جن میں سے ۹ ملزموں کو قتل کي سزا دي گئي - یہ مرقع اُسي مقدمہ سے تعلق رکھتا ھے - اور گریفک لندن کے نامہ نگار نے موسکو سے بھیجا ھے -

روسي تبلیغ و اشاعت

حال میں روسیوں نے ایک قومي میلہ کي تقریب پر ایک نہایت دلچسپ مجسمہ " سرمایہ داري " کا طیار کیا تھا جو ایک موٹر کار پر نصب تھا اور تمام قصبوں اور قریوں میں اُسکي نمایش کي گئي تھي - یہ مجسمہ کرہ کا ایک ڈھانچا ھے ' جسکے اوپر ایک انسان بیٹھا ھوا ھے - کرہ سے مقصود تمام دنیا ھے ' اور انسان سے مقصود " سرمایہ داري " کي طاقت ھے - گویا سرمایہ داري نے تمام کرۂ ارضي اپنے قبضہ میں کر رکھا ھے !



" سرمایہ داري " کي ھمہ گیري و عالم افگني کي مجسم تمثیل !

لاسلکی عکاسی





(۱)



(۲)

یہ دو تصویریں " لا سلکي عکاسي " کے تجارب کا آخري تجربہ پیش کرتي ھیں - " لا سلکي عکاسي " سے مقصود وہ نیا انکشاف ھے جس کے ذریعہ دور دراز مقامات سے بغیر رویت و حضور کے تصویر لیلي جا سکتي ھے - امریکہ میں اس کا تجربہ نہایت تیزي سے ترقي کر رھا ھے - ستمبر کے اواخر میں متعدد تصویریں کامیابي کے ساتھہ لي گئیں - تصویر نمبر ۱ ایک عورت کي تصویر ھے جو تصویر لینے کے مقام سے کئي میل کے فاصلہ پر تھي - تصویر نمبر ۲ بھي ایک ایسي ھي تصویر ھے لیکن اس میں نمبر ۱ سے زیادہ کامیابي ھوئي ھے - یہ تجربہ جب پوري طرح کامیاب ھو جایگا ' تو جس طرح ریڈیو مراکز کے ذریعہ دنیا کے ھر حصہ کي صدائیں سن لي جا سکتي ھیں ' اُسي طرح ھر منظر اور وجود کي تصویر بھي بہ آساني کھینچ لي جائیگي !

صلیب اور خون

(بیوریا میں ایک پر اسرار عورت !)

تھریسا بے ہوشی کی حالت میں

یورپ کی عقل پرستی اور مشرق کی توہم پرستی کا غلغلہ صدیوں سے بلند ہے - مشرقی ممالک میں عام طور پر یہ خیال پیدا کردیا گیا ہے کہ ہر طرح کی توہم پرستی اور غیر معقول خوش اعتقادی صرف مشرقی اقوام ہی میں پائی جاتی ہے - باشندگان یورپ کے عقل و دماغ ان تمام امراض سے محفوظ ہیں ! لیکن واقعہ یہ ہے کہ سنہ ۱۹۲۷ کے یورپ میں بھی ہزاروں لاکھوں انسان ایسے موجود ہیں ' جنکی مذہبی توہم پرستیاں کسی طرح بھی مشرقی اقوام کی خوش اعتقادیوں سے کم نہیں ہیں !

یورپ کی پچھلی ڈاک کے اخبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوریا کے ایک کاشتکار خاندان کی لڑکی تھریسا نیومین نامی کی نسبت ہزاروں لاکھوں انسانوں کا اعتقاد ہے کہ وہ ایک مسیحی معجزہ کے اعلان کے لیے بھیجی گئی ہے - دور دور سے لوگ اس کی زیارت کے لیے آتے ہیں ' اور یقین کرتے ہیں کہ اس کی زیارت سے اور اس کا دامن چھولینے سے ہر طرح کی بیماریوں سے نجات مل جاتی ہے !

یہ " مسیحی معجزہ " کیا ہے ؟

بیان کیا جاتا ہے کہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد یہ لڑکی بے ہوش ہو جایا کرتی ہے - اور بے ہوشی کی حالت میں اسکے تمام جسم پر صلیب کے سے نشان پڑجاتے ہیں - نیز پیر کے تلوؤں سے خون بھی جاری ہو جاتا ہے - جب ہوش میں واپس آتی ہے ' تو صلیبی نشان معدوم ہو جاتے ہیں ' اور خون کا بہنا بھی بند ہو جاتا ہے - اخبارات کا بیان ہے کہ نہ صرف علاقہ کے پادریوں نے بلکہ سرکاری افسروں نے بھی بے ہوشی کی حالت میں اس لڑکی کا معائنہ کیا ہے ' اور سب متفقہ طور پر تصدیق کرتے ہیں کہ صلیب کے نشان جسم پر نمایاں ہو جاتے ہیں - عجب نہیں یہ لڑکی ہسٹریا یعنی اختناق الرحم کی کسی غیر معروف قسم میں مبتلا ہو -



بائیں جانب تھریسا ہے - دہنی جانب ایک راہبہ ہے جو اسے گرجا لے جا رہی ہے !

هندوستان اور مجموعه عالم

تمام دنیا میں جغرافیائي ' عمراني ' اور اقتصادي لحاظ سے
هندوستان کي موجوده حیثیت کیا هے ؟

(۱)

(هندوستان کا رقبه)

ملک	رقبه ایکٹر کے حساب سے
هندوستان	۱،۱۶،۲۹،۱۹،۰۰۰
برطانوي هندوستان	۶۲،۰۷،۲۵،۰۰۰
یورپ	۲،۴۰،۰۰،۰۰،۰۰۰
جزائر برطانیا	۷،۷۱،۵۲،۰۰۰
ولایات متحدهٔ امریکا	۱،۹۰،۳۲،۶۹،۰۰۰
استریلیا	۱،۹۰،۳۶،۶۴،۰۰۰
کینڈا	۲،۳۹،۷۰،۸۲،۰۰۰
جرمني	۱۳،۳۵،۹۴،۰۰۰
فرانس	۱۳،۰۸،۵۴،۰۰۰
چین	۲،۵۰،۴۷،۲۸،۰۰۰
جاپان	۱۶،۶۸،۷۲،۰۰۰

هندوستان ' جرمن شهنشاهي سے ۷ - گنا زیاده بڑا هے -

هندوستان ' جاپاني سلطنت سے ۱۱ - گنا زیاده بڑا هے -

هندوستان ' جزائر برطانیا سے ۱۵ - گنا زیاده بڑا هے -

هندوستان ' بر اعظم یورپ کے برابر هے - باستثناء روس -

هندوستان میں ۷،۰۰،۰۰۰ دیهات هیں -

هندوستان میں ۶۷۷ دیسي ریاستیں هیں -

برطانوي هندوستان ' ۱۴ صوبوں پر منقسم هے - هر صوبه ' ضلعوں پر منقسم هے - هر ضلع ' تعلقوں یا تحصیلوں پر منقسم هے - هر تعلقه ' تهانوں پر منقسم هے - هر ضلع کا اوسط رقبه ۴،۵۰۰ مربع میل هے -

هندوستان کي دس میں نو حصه آبادي دیهاتوں میں رهتي هے -

هندوستان میں ۷ لاکهه دیهات هیں - اس کے معنے یه هے که اگر کوئي آدمي هر قریه میں صرف ایک دن ٹهرے ' تو پورے هندوستان کے دورے کے لیے ۱،۹۲۷ سال درکار هونگے -

هندوستان میں ایک لاکهه سے زیاده آبادي رکهنے والے ۳۱ شهر هیں -

(هندوستان کي آبادي)

کل دنیا	۱،۶۹،۶۵،۰۸،۰۰۰
کل هندوستان	۳۱،۹۳،۶۱،۰۰۰
برطاني هندوستان	۲۴،۷۰،۰۰،۰۰۰
جزائر برطانیا	۴،۲۹،۱۹،۷۰۰
جاپان	۶،۱۰،۸۱،۹۵۴
جرمني	۵،۱۸،۷۰،۷۲۲
فرانس	۳،۹۲،۰۹،۵۱۸
اٹلي	۴،۲۱،۱۵،۶۰۶
سوویت روس	۱۳،۲۰،۰۰،۴۱۳
چین	۴۳،۶۰،۹۴،۹۵۳
ولایات متحدهٔ امریکه	۱۱،۲۷،۸۶،۰۰۰

هندوستان کي آبادي ' دنیا کي مجموعي آبادي کا پانچواں حصه هے -

هندوستان کي آبادي ولایات متحده کي آبادي سے ۳ گني زیاده هے -

هندوستان کي آبادي فرانس کي آبادي سے ۸ گنا زیاده هے -

صرف مدراس اور میسور کي آبادي ' جاپان کے برابر هے -

صرف بمبئي کي آبادي ' اسپین اور پرتگال کي مجموعي آبادي سے زیاده هے -

هندوستان میں هر مربع میل کي اوسط آبادي ۱۷۷ هے -

اگر هر منٹ میں ۲۵ آدمي پر نظر ڈالي جائے ' تو پورے هندوستان کي آبادي دیکهنے کے لیے ۳۰ برس کا زمانه درکار هوگا !

(دنیا کي آبادي رنگ کے اعتبار سے)

(کل دنیا کي آبادي : ۱،۶۹،۶۵،۰۸،۰۰۰)

سفید فام	۹۳،۶۰،۰۰،۰۰۰
زرد فام	۵۱،۷۴،۸۸،۰۰۰
سیاه فام	۲۴،۳۰۶۰،۰۰۰

(سفید فام)

هندوستانی	۳۴،۵۰،۰۰،۰۰۰
ٹیوٹانک	۲۶،۶۷،۰۰،۰۰۰
سلاوي	۱۷،۶۰،۰۰،۰۰۰
لاطیني	۱۷،۲۰،۵۰،۰۰۰
یوناني	۹۵،۰۰،۰۰۰
باسکس	۴،۰۰،۰۰۰
افغان	۷۵،۰۰،۰۰۰
ایراني	۱،۰۰،۰۰،۰۰۰
عرب اور بربر	۲،۴۰،۰۰،۰۰۰
یهودي	۱،۵۰،۰۰،۰۰۰
قبطي	۸،۵۰،۰۰۰
دیگر اقوام	۹۰،۰۰،۰۰۰

(زرد فام)

چیني	۳۲،۳۰،۰۰،۰۰۰
جاپاني	۵،۶۵،۰۰،۰۰۰
کورین	۱،۷۰،۰۰،۰۰۰
ترک	۱،۲۰،۰۰،۰۰۰
امریکن دیسي ' اهل ملایا ' اور فلیپائن	۴،۰۰،۰۰،۰۰۰
منگولي	۳۰،۰۰،۰۰۰
کرغیز وغیره	۱،۰۰،۰۰،۰۰۰
ماگائر	۹۵،۰۰،۰۰۰
فنس	۳۵،۰۰،۰۰۰
اسکیمو اور سائبیرین	۱۰،۰۵،۰۰۰
سیامي	۸۵،۰۰،۰۰۰
برمي	۷۸،۹۰،۰۰۰
تهتي	۶۵،۰۰،۰۰۰

تاریخ شرق جدید کی تاریخی شخصیتیں

مدحت پاشا

شہید حریت و دستور

مدحت پاشا کے وہ خطوط جو اُس نے قید خانۂ طائف سے اپنے عزیزوں کے نام بھیجے تھے

(۱)

"آج بچوں کی تصویریں پہنچیں۔ میں نے تمھارے خطوں کے جواب بھیجے تھے۔ معلوم ہوتا ہے نہیں ملے۔ کیونکہ تم نے اُن کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا۔

سمرنا سے مجھے استامبول لے گئے۔ وہاں قصر یلدز میں محمود پاشا اور نوری پاشا کو علحدہ علحدہ حجروں میں قید کر دیا۔ مجھ سے کہا گیا کہ تحقیقات سے ثابت ہو گیا ہے سلطان عبدالعزیز نے خودکشی نہیں کی ہے۔ بلکہ سلطان مراد اور اُن کی والدہ کے اشارے سے محمود پاشا اور نوری پاشا نے اُنھیں قتل کرایا ہے۔ اور یہ کہ خود میں، خیر اللہ آفندی، اور رشدی پاشا بھی اس قاتلانہ سازش میں شریک ہیں۔ پھر کہا گیا کہ مصطفےٰ پہلوان، حاجی محمد، مصطفےٰ جزائری، سلطان عبدالعزیز کے تینوں خادم اصلی قاتل ہیں۔

حالانکہ یہ سب جھوٹ ہے کیونکہ یہ تینوں شخص، عبدالعزیز کی وفات کے وقت نظر بند تھے۔ اگر بفرض محال عبدالعزیز کو کسی نے قتل ہی کیا ہو تو کسی حال میں بھی میرے یا رشدی پاشا کے خلاف شبہ کرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں۔ سلطان کی وفات کے وقت اُن کی والدہ اور تین بیویاں اور کنیزیں محل میں موجود تھیں۔ پانچ برس گزر گئے، مگر آج تک اُنھوں نے کبھی اشارۃً کنایۃً بھی نہیں کہا کہ سلطان قتل کئے گئے ہیں۔

میں نے محل شاہی میں نام نہاد عدالت کے سامنے پوری تفصیل سے تمام واقعات بیان کئے۔ تمام ججوں کو مجبوراً تسلیم کر لینا پڑا کہ واقعی کوئی ثبوت قتل کا موجود نہیں، بلکہ یہ سراسر بہتان ہے۔ مگر چونکہ سلطان عبدالحمید "خطرناک" لوگوں سے چھٹکارا حاصل کرنے پر کمربستہ تھے۔ اس لئے عدالت نے ۱۱ آدمیوں کو زبردستی مجرم قرار دے کر بے رحمانہ سزائیں دے دیں۔ عدالت کے بعض ایماندار ارکان نے آخر وقت تک اس فیصلہ میں شرکت سے انکار کیا۔ سلطان نے اُن کی ایمانداری کی بھی پوری قدر دانی کی اور ہماری طرح وہ بھی قید خانے بھیجدیئے گئے!

سلطان سے میری کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔ بعض مصاحب ہر تیسرے دن میرے پاس سلطانی پیغام لے کر آتے تھے اور طفل تسلیاں دے جاتے تھے۔ ایک دن یہ پیغام پہونچا کہ سلطان کو میری اس مصیبت کا نہایت قلق ہے۔ میری جلاوطنی پر وہ انتہائی افسوس کے ساتھ مجبور ہو گئے ہیں۔ لیکن پوری ہمدردی سے مجھے اجازت دی ہے کہ اپنا خاندان اپنے ساتھ رکھ سکتا ہوں!" نیز مجھے اذن شاہی حاصل ہوا کہ اپنے عزیزوں کو اگر چاہوں، خط لکھ دوں۔ میں نے خطوط لکھ کر دے دیئے، مگر افسوس ہے کہ وہ تم لوگوں تک نہیں پہنچائے گئے۔

مجھے یقین تھا کہ رُوڈس یا عکّا کو جلاوطن ہو رہا ہوں۔ میرے خادم عارف کو افسروں نے جہاز کے ایک کمرے میں قید کر دیا۔ میرے پاس پہننے کا ایک کپڑا بھی نہیں تھا۔ حتیٰ کہ رات کا لباس بھی موجود نہ تھا۔ جو کپڑے میرے بدن پر تھے، وہی پہنے رہا۔ اتفاق سے ایک دن میں نے خادم کو دیکھ لیا۔ اُس کے پاس میرے رات کے پہننے کا کُرتا موجود تھا۔ وہ میں نے پہن لیا اور بدن کے کپڑے اُتار کر خود اپنے ہاتھ سے دھوئے اور اُس وقت تک کمرے میں چھپا بیٹھا رہا جب تک کپڑے سوکھ نہ گئے۔ اب دُنیا سے مجھے نفرت ہو گئی ہے اور چاہتا ہوں جلد اپنے پروردگار کے سامنے پہنچ جاؤں!

ہم تمام رفقائے مصیبت جہاز "عزّالدین" پر سوار کر دیئے گئے کچھ نہیں معلوم تھا کہاں جا رہے ہیں؟ محمود پاشا کو ایک نہایت غلیظ کمرے میں رکھا گیا۔ نوری پاشا اور میں بھی ایسے ہی کمروں میں اُتارے گئے۔ پھر دروازوں پر قفل چڑھا دیئے گئے۔

ہم جدہ پہنچے۔ بحر احمر کی گرمی بہت ہی سخت ہوتی ہے۔ ہماری تندرستی کو بہت نقصان پہونچا۔ ہمارے کمرے پائخانوں کے قریب تھے بدبو سے دماغ پھٹا جاتا تھا۔ نوری پاشا تو جہاز ہی میں پاگل ہو گئے تھے۔ ابتک اُن کا دماغ درست نہیں ہوا۔

جدہ پہنچتے ہی ہم سمجھ گئے کہ طائف میں قید ہونا ہے مگر ہم باہم کوئی گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ ہر ایک کے ساتھ آٹھ آٹھ مسلح سپاہی تھے اور بولنے کی سخت ممانعت تھی۔ ہم سے ازحد ذلت کا برتاؤ کیا گیا کشاں کشاں مکہ معظمہ پہنچے۔ اور حرم شریف کے قریب بعض کمروں میں قید کر دیئے گئے۔ ہم خاص مسجد کعبہ میں موجود تھے۔ مگر ایک مرتبہ بھی ہمیں زیارت کی اجازت نہیں دی گئی!

ہم طائف پہنچے اور قلعے کے قید خانہ میں علحدہ علحدہ کوٹھریوں کے اندر قید کر دیئے گئے۔ ہر کمرے کے سامنے ننگی تلواریں لئے سپاہی کھڑے رہتے ہیں۔ باہم گفتگو کی سخت ممانعت تھی، مگر اب اُٹھ گئی ہے کیونکہ پاسبانوں نے دیکھا، اس پابندی کی تعمیل ممکن نہیں۔

سلطان کا فرمان، شریف مکہ کو پہونچا کہ یہ لوگ (یعنی ہم) جلاوطن ہیں۔ اندیشہ ہے بھاگ جائیں گے۔ پوری سختی سے نگرانی ہونی چاہئیے۔ یہ حکم پاتے ہی شریف نے کمروں کے روشن دانوں کو بھی بند کرا دیا اور ہمارے پیروں میں لوہے کی بیڑیاں ڈال دیں۔ مگر اب بیڑیاں کاٹ دیگئی ہیں۔ کیونکہ بیماری نے ہمیں اس قابل ہی نہیں رکھا کہ یہ بوجھ برداشت کر سکیں۔

خوش قسمتی سے ایک شریف آدمی کی ہمدردی حاصل ہو گئی ہے یہ ہمارے خطوط تم تک پہنچایا کرے گا۔ پچھلے خطوط، جو تمھیں ملے، اسی کے ذریعے بھیجے گئے تھے۔ جب میں نے اپنے رفیقوں کو اطلاع دی کہ میرے اور اُنکے خطوط، منزل مقصود پر پہنچ گئے، تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ کیونکہ ہر ایک کے بچے ہیں اور اُن کی ملاقات کی تمنا رکھتے ہیں۔ اگر ہم نے جرم کیا ہوتا تو اس خیال سے دل کو تسکین دے سکتے کہ یہ ہمارے جرم کی سزا ہے، لیکن ہم نے تو کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ بجز اس کے کہ سلطنت اور امت کی اصلاح و ترقی چاہی ہے۔ اگر یہی جرم ہے، تو افسوس اُس ملک پر جہاں اصلاح و ترقی جرم سمجھی جائے!

میرے رفقا، انتہائی غم و الم میں ہیں۔ یہ بالکل قدرتی بات ہے لیکن میری حالت اُن سے بہتر ہے۔ میں اب ۶۰ برس سے تجاوز کر چکا ہوں۔ اس عمر کا آدمی کتنے برس اور جی سکتا ہے؟ تمھیں یاد ہوگا کہ گزشتہ سال ہی سے میرا عزم تھا کہ خلوت کی زندگی اختیار کر لوں۔ سفر آخرت کی طیاری میں باقی دن گزار دوں۔ معلوم ہوتا ہے خدا نے یہ اُسی کا سامان کر دیا ہے!

مدت سے تمنا تھی کہ ذہن کو تلاوت قرآن میں مشغول کر دوں مگر فرصت نہیں ملتی تھی۔ اب الحمدللہ پوری مہلت مل گئی اور میں نے "قد سمع اللہ" تک قرآن مجید از سر نو حفظ کر لیا ہے۔ میں نماز کی بھی پوری پابندی کرتا ہوں۔ شب و روز یاد خداوندی میں مصروف رہتا ہوں۔ آیت "ما اصاب من مصیبۃ الا باذن اللہ و من یؤمن باللہ یہد قلبہ" ہر لمحہ میرے پیش نظر رہتی ہے۔ مجھے اس سے بڑی ہی تسکین حاصل ہوتی ہے۔ اپنے رب پر متوکل ہو گیا ہوں۔ اپنے تئیں اُس کے حوالے کر دیا ہے۔ تم بھی یہی کرو۔ اُس پر توکل کرو اور اُس کے سپرد ہو جاؤ!

اگر مجھے کوئی رنج ہے، تو وہ تمھاری اور بچوں کی جدائی کا ہے۔ خداوند جل و علا سے دعا ہے ہم سب کو پھر جمع کر دے۔ میرے مصنوعی دانت ٹوٹ گئے۔ یہاں اُن کی مرمت کرنے والا کوئی نہیں۔ کھانے میں اب مجھے ناقابل برداشت تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جن چیزوں کو طلب کی تھی ابھی تک نہیں پہنچیں۔ نیز لکھا تھا کہ تفسیر بیضاوی، تفسیر روح البیان، اور وہ نیدو زنگ کی فرانسیسی کتاب بھیجدو جسے میں اکثر پڑھا کرتا تھا۔ یہ سب کتابیں، سمرنا میں موجود ہیں۔ اگر بھیج سکو، تو روانگی میں دیر نہ کرنا۔

یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ بچوں کی تعلیم پر پوری توجہ صرف کر رہی ہو۔ علی حیدر، وسیمہ، صابرہ کو بہت بہت پیار کرو۔ وسیمہ خانم کو اور تمام ملازموں کو سلام۔

سمرنا میں دو صندوق، ساحلی کمپنی کے منیجر کے پاس چھوڑ آیا تھا ان میں میرے تمغے اور اعزازی سندیں ہیں۔ تاکید کر دی تھی کہ تمھیں دیدے۔ معلوم نہیں ان کا کیا حشر ہوا؟ اگر صندوق ابتک اسی خائن کے پاس ہوں، تو مجھے لکھو تاکہ اُسے یاد دہانی کرادوں

(۲)

"رمضان کے بعد کوئی خط نہیں ملا۔ تمھارے اور بچّوں کے حالات نہ معلوم ہونے سے سخت قلق اور ملال ہی۔ تم نے ضرور روپیہ اور کھانے کی چیزیں بھیجی ہوں گی۔ مگر مجھے کچھ نہیں پہنچا۔ مجھے روپیہ کی ازحد ضرورت ہی۔ کیونکہ پچھلے سال جو ۵۰ پونڈ بھیجے تھے، اور جو رقم، قسطنطنیہ سے آئی تھی، اب اسمیں سے کچھ بھی باقی نہیں ہی۔ وجہ یہ ہی کہ پہلے حکومت نے ہمارے کھانے پینے کا ذمّہ خود لے رکھا تھا مگر اب وہ کسی کو کچھ نہیں دیتی۔ ہمیں اپنی روٹی خریدنا پڑتی ہی۔ ہمارے ساتھ بعض ایسے قیدی بھی ہیں جن کے پاس ایک پیسہ نہیں۔ میں اور محمود پاشا اُن کی کفالت کر رہے ہیں۔ اُنھیں کپڑے بھی بنا دئے ہیں ہمیں قیدخانے کے نوکروں کا بھی خیال کرنا پڑتا ہی۔ یہ لوگ محض ہماری وجہ سے یہاں رکھے گئے ہیں۔ اِن حالات کی بناپر، ہمیں روپیہ کی سخت ضرورت ہی۔

ہمارے رفقاء میں فوج کے بعض بڑے بڑے افسر بھی ہیں۔ اُنھوں نے ہم سے کچھ روپیہ قرض لے کر کپڑا خریدا ہی۔ بیچارے خود اپنے ہاتھ سے سی رہے ہیں۔ اُن کی مصیبت اسی پر ختم نہیں ہو جاتی انکے لئے ایک خشک روٹی کا بھی انتظام نہیں کیا گیا ہی۔ بعض مجبوراً روزہ رکھتے ہیں۔ ہم پر فرض ہی کہ اُن کی ضروریات زندگی کا حتی الوسع خیال رکھیں۔ ہر ملک میں دولت مند، غریبوں کی دست گیری کرتے ہیں لیکن یہاں ان مسکینوں کے لئے اس قسم کا کوئی موقعہ موجود نہیں ہی۔ انسانیت کا تقاضہ ہی کہ ہم ہی انکی خبر لیں۔ لہذا فوراً ہم پچاس پونڈ حکومت کے توسط سے بھیجدو۔ اگر فوراً روپیہ نہ آیا تو میں اپنا پانی کا برتن اور گھڑی بیچنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔ اس صورت میں لوگ بہت قیل و قال کرینگے اور ہمارے ذہن کو تشویش ہوگی۔

بچوں کو بہت بہت پیار"

مدحت

قلعہ طائف کا قیدخانہ

۲۵ر اگست ۱۸۹۸ء

(۳)

"... پرسوں یہاں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ شریف مکہ (عبدالمطلب) حسب عادت آجکل طائف میں موجود تھے۔ منگل کی رات کو وہ اپنے گھر میں مطمئن سو رہے تھے کہ اچانک آدھی رات کو تین فوجوں نے آکر اُن کا محل گھیر لیا۔ فوج کے ساتھ ۸ توپیں بھی تھیں۔ صبح ہم کیا دیکھتے ہیں کہ شریف اپنے رات کے کپڑوں میں ہمارے قیدخانے میں قیدی بنے چلے آ رہے ہیں۔

کہا جاتا ہی شریف کا جرم یہ ہی کہ اُسنے انگریزوں سے سازش کرنی چاہی تھی۔ اس شخص نے ہمیں محض سلطان کے خوش کرنے کے لئے بہت تکلیف پہنچائی تھی۔ خدا نے اس کا بدلہ لے لیا۔ وہی مصیبت اُس پر ڈال دی جسمیں ہم پھنسے ہیں۔ اسمیں ہر عاقل کے لئے عبرت ہی۔ لیکن مجھے اس شخص پر بہت ترس آتا ہی۔ سو برس کا بوڑھا ہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت میں سے ہی۔ یہ واقعہ بالکل ویسا ہی ہی جیسا ہمیں سمرنا میں پیش آیا تھا۔ فرق صرف اس قدر ہی کہ وہاں توپوں کی تعداد زیادہ تھی"

مدحت

(۴)

"گزشتہ رمضان سے تمھاری اور بچوں کی کوئی خبر نہیں ملی۔ میں نے بھی تمھیں اپنی مفصل حالت نہیں لکھی۔ کیونکہ نہایت ہی سخت تکلیف میں ہوں۔ پانچ مہینے ہوتے ہیں کہ ہمارے خدمتگار ہم سے علحدہ کر دیئے گئے ہیں۔ حال میں آستانہ سے عمر بک نام ایک شخص خاص اس غرض سے بھیجا گیا ہی کہ اگر ہماری ایذا رسانی میں کچھ کمی رہ گئی ہو تو پوری کر دے۔ اس شخص کی عمر، زیادہ ہی، مگر عقل کم ہی۔ اس کے افعال ایسے ہیں جو کسی شریف الطبع آدمی کے نہیں ہو سکتے۔ یہ ہماری جان لینے پر تُلا ہوا ہی، کیونکہ شاید اُسے یہی حکم ملا ہی یا مزید مقبولیت اس ذریعہ سے حاصل کرنی چاہتا ہی۔ اُس کا خیال ہی کہ بھوکا رکھنے سے ہم جلد نہیں مرینگے بلکہ ہماری زندگی بڑھ جائے گی۔ لہذا کوئی ایسی تدبیر نکالنی چاہتا ہی جس سے میری، محمود پاشا کی، اور خیرالدآفندی کی زندگی جلد سے جلد ختم ہو جائے۔ وہ نوکروں سے کہتا ہی "تم ضرور وطن واپس جانے کے لئے بے قرار ہو گے۔ لیکن جب تک یہ تمھارے آقا زندہ ہیں، تم واپس نہیں جا سکتے۔ ان کے قتل میں میری مدد کرو تاکہ آزادی حاصل کر سکو" چنانچہ اُسنے نوری پاشا کے خادم بکر آغا کو بلا کر کہا "تم نوکروں کی قید اُسی وقت ختم ہو گی جب یہ لوگ مریں گے۔ نوری پاشا تو مجنون ہیں۔ کئی دفعہ کمرے کی کھڑکی سے پھاندنا بھی چاہا۔ تم اُن کی اس میں مدد کیوں نہیں کرتے؟ مجھ سے ریتی لو اور کھڑکی کی سلاخ ریت ڈالو۔ تاکہ نوری پاشا پھاند کر ہلاک ہو جائیں"

غرضکہ اسنے تمام نوکروں کو بھڑکانا شروع کر دیا ہی۔ نوکروں نے اُس کی سازش میں شریک ہونے سے انکار کر دیا۔ اسپر اُنھیں بھی سخت تکلیفیں دی جا رہی ہیں۔ یہ خبریں سُن کر ہم سخت پریشان ہیں ہمیں زہر دینے کی پوری کوشش کی جا رہی ہی۔ ایک طرف دُنیاوی منفعت حاصل کرنے کے لئے یہ شخص ہمیں مارنا چاہتا ہی، دوسری طرف اخروی ثواب کے لئے حج کرنے بھی گیا ہی۔ یہ سمجھتا ہی اس طرح دین اور دُنیا، دونوں اُسے حاصل ہو جائینگے!

ہم ڈیڑھ برس سے یہاں ہیں مگر آجتک قلعہ کا پھاٹک تک دیکھ نہ سکے۔ عزیز ترین لوگوں سے بھی ملاقات کی اجازت نہیں ملی۔ ہمارے پاس ایک اجنبی باورچی تھا۔ ڈرا دھمکا کر اُسے بھی رخصت کر دیا گیا یہ حالات دیکھ کر ہمیں یقین ہوتا ہی کہ ہمیں جلد اس دُنیا سے کوچ کرنا ہوگا۔

اگر ہمارے ستانے اور اس طرح قفص میں بند رکھنے سے مقصود یہ ہی کہ قصر شاہی کی سازش پر پردہ ڈالا جائے، تو یہ کوشش بے سود ہی۔ یورپ بھر میں اصلی حقیقت مشہور ہو چکی ہی۔ اخبارات کے صفحوں پر آ چکی ہی۔ لیکن اگر ہمیں تکلیف دے کر سلطان اور اُنکے مصاحب خوش ہوتے ہیں تو ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ احکم الحاکمین سے فریاد کریں اور دعا مانگیں کہ وہ اپنا فیصلہ جلد صادر کرے۔ اگر تمھیں کوئی منصف مزاج ملے تو ہماری ناقابل بیان مصیبت کی یہ داستان سُنا دینا۔

قیدخانہ طائف ۵ محرم سنہ ۱۳۰۰ھ

(۵)

والیٔ حجاز عثمان پاشا کے نام

"آپنے رسالہ دار محمد بک کے نام جو خط لکھا ہی، اُس میں شکایت کی ہی کہ میں نے عمر پاشا کے افعال کی اطلاع انگریزی قونصل کو دی ہی۔ حالانکہ میں نے قونصل مذکور کو ہرگز کوئی خط نہیں لکھا۔ بلکہ اس قسم کا کبھی وہم بھی پیدا نہیں ہوا کہ اُسے اطلاع بھیجوں۔

عمر پاشا کی حرکتیں ایسی نہیں ہیں کہ زیادہ دنوں تک مخفی رہتیں طائف اور مکہ میں بچہ بچہ اُن سے واقف ہی۔ اگر انگریزی قونصل کو علم ہوا ہی تو تاجروں اور عام باشندوں کے ذریعہ ہوا ہوگا۔

لیکن آپنے دوسرے خط میں پھر مجھے اس معاملہ میں ملامت کی ہی۔ بظاہر آپ کو یقین ہی کہ اسمیں میرا ہاتھ ضرور ہی۔ لہذا میں مجبور ہو گیا ہوں کہ حقیقت ظاہر کر دوں۔

عمر پاشا علی الاعلان کہتے رہے ہیں کہ اُنکے آنے کی غرض، ہم قیدیوں کو زہر دے کر قتل کرنا ہی۔ صرف زبان ہی سے نہیں بلکہ عمل سے بھی وہ اسے ثابت کرتے رہے ہیں۔ اُنھوں نے کھلے بندھوں نوکروں کو مشورہ دیا کہ اپنے آقاؤں کو دن دہاڑے مار ڈالیں۔ نوکروں نے ایسا نہیں کیا تو اُنھیں قید کر دیا گیا اور سخت تکلیفیں دی گئیں۔

اجانب کو اگر یہ شرمناک حالات معلوم ہو گئے ہیں تو یہ کچھ عجیب نہیں ہی۔ انگریزی قونصلوں کا کام ہی یہ ہی کہ خبریں معلوم کرکے اپنی حکومت کو مطلع کرتے رہیں۔ باہر ہمارا کوئی ایسا معتمد علیہ موجود نہیں جسپر ہم اس طرح کے معاملات میں بھروسہ کر سکیں۔ پھر کیسے یقین کیا جا سکتا ہی کہ ہم نے انگریزی قونصل کو اطلاع پہنچائی ہوگی؟ ہمارے نوکر بھی آزاد نہیں ہیں کہ اِدہر اُدہر جا سکیں۔ وہ ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ قلعہ سے نکلتے ہیں تاکہ ضروری اشیا بازار سے خرید لیں اور اُسوقت بھی مسلح افسروں کی حراست میں رہتے ہیں۔

نہیں معلوم تمھارے ضمیر نے یہ کیونکر گوارا کیا کہ ہمیں ملامت کرو۔ تمھارے خیال میں اُن لوگوں کا کیا حال ہوگا جو اپنی آزادی اولاد، احباب، مال و متاع سب سے جیتے جی محروم کر دئے گئے ہیں، اور ایک قفص میں جانوروں کی طرح محبوس ہیں۔ وہ اپنے عزیزوں کی صحت بھی معلوم نہیں کر سکتے؟ یقیناً یہ ایسا برتاؤ ہی جسے دنیا کا کوئی قانون، کوئی شریعت، کوئی انصاف پسند انسان جائز قرار نہیں دے سکتا!

اگر یہ نئی تہمت تراشنے سے مقصود یہ ہی کہ ہماری عزیزوں سے خط و کتابت بھی موقوف کر دی جائے تو وہ ہماری اس قید کی وجہ سے پہلے ہی سخت بدبختی میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ مرے کو مارنا کہاں کا انصاف ہی؟

تم نے اپنے خط میں لکھا ہی کہ سمرنا میں میں نے فرانسیسی قونصل سے پناہ چاہی تھی۔ یہ حقیقت سے تمھاری جہالت کی دلیل ہی۔

میں صوبۂ سمرنا جیسے ایک بڑے صوبے کا حاکم تھا۔ اچانک ایک رات میرے گھر کا فوجوں نے محاصرہ کر لیا۔ مجھے قید کرکے لے چلے۔ میں اپنی عورتوں اور بچوں کا گریہ و بکا اپنے کانوں سے سُنتا تھا، مگر اُنھیں تسلی تک نہیں دے سکتا تھا۔ اُسوقت میرے دل کی کیا حالت ہوگی؟ اس کا جواب میں خود تمھارے ضمیر سے چاہتا ہوں

اگر تم مجھے اس لئے ملامت کرتے ہو کہ حکومت کی حرکتوں کو حق بجانب قرار دو، تو یہ کوشش بے فائدہ ہی۔ میں دو مرتبہ وزیراعظم رہ چکا ہوں۔ لیکن اس کے باوجود بھی مجھ سے یہ ذلت آمیز برتاؤ کیا گیا اور بغیر کسی جُرم کے قید میں ڈال دیا گیا۔

تم نے لکھا ہی تم ایسی باتوں کی اجازت دے نہیں سکتے اور اب تم ہماری زبانیں بند کر دوگے۔ ہماری زبانیں اب بھی بند ہیں۔ معمولی افسروں اور سپاہیوں کی ہمپر حکومت ہی۔ ہم زبان ہلا نہیں سکتے۔ تم اس وقت اختیار رکھتے ہو۔ ہم بے اختیار ہیں۔ جو تمھارے دل میں آئے شوق سے کرو۔ ہمیں اعتراض کا بھی حق نہیں ہی۔ تم ہمیں "مجرم" کہتے ہو۔ ہم اس پر بھی معترض نہیں ہو سکتے لیکن میں تمھیں وہ گفتگو یاد دلاتا ہوں جو تم نے دارالحکومت میں مجھ سے کی تھی تم نے انسانیت، [illegible]ت، شرافت کا ذکر کیا تھا۔ کیا یہ موجودہ برتاؤ ان صفات کے مطابق ہی؟

قیدخانہ طائف، صفر سنہ ۱۳۰۰ھ

(۶)

نعیمہ خانم کے نام

"... پچھلے دنوں مشہور کر دیا گیا کہ میں ہندوستان یا یورپ کو

احرار اسلام

عہد اموی کی اسلامی ذہنیت

اردی بنت الحارث ابن عبدالمطلب

ایک موسم حج میں ضعیف العمر اردی بنت الحارث بن عبدالمطلب امیر معاویہ بن ابی سفیان کے دربار خلافت میں حاضر ہوئی۔

"میرے بھتیجے! تو کیسا ہے؟" اردی نے کہا "تو نے خدا کی نعمت سے کفران کیا۔ اپنے بھائی (یعنی امیرالمومنین علی علیہ السلام) کے حق کا لحاظ نہ کیا۔ اپنے نام کے سوا ایک نیا لقب اختیار کیا (یعنی امیرالمومنین کا لقب) دوسرے کے حق پر قابض ہوگیا (یعنی خلافت پر) حالانکہ اسلام میں نہ تو خود تو نے کوئی خدمت کی، نہ تیرے آبا و اسلاف نے۔ تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے حق سے اعراض و انکار کیا تھا اسپر خدا نے تمھاری قسمتیں بگاڑ دیں۔ تمھیں ذلیل و خوار کیا۔ حق، حق داروں تک پہنچ گیا۔ اللہ کا بول بالا ہوا۔ اگرچہ مشرکوں پر یہ ظفرمندی بہت شاق تھی۔ اس دین میں ہم اہل بیت کا درجہ اور حصہ سب لوگوں سے زیادہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں فوت ہوئے کہ مغفور و مرحوم تھے، خدا کے حضور میں معزز و پسندیدہ تھے۔ آپ کے بعد ہم اہل بیت کے ساتھ تم نے وہ برتاؤ کیا جو قوم موسیٰ کے ساتھ خاندان فرعون نے کیا تھا کہ اُن کے مردوں کو قتل کرتے تھے اور عورتوں کو زندہ رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہمارا شیرازہ بندھ نہ سکا۔ ہم پر کوئی سختی بھی آسان نہ ہوئی۔ ہماری انتہا، جنت ہے۔ تمھاری انتہا دوزخ ہے!"

"گمراہ بڑھیا!" عمرو بن العاص جو دربار میں موجود تھے، بے اختیار پکار اُٹھے "اپنی زبان روک، شرم سے آنکھ نیچی کر"

"تو کون ہے؟ تیری ماں مرے!" اردی نے خفگی سے کہا۔

"عمرو بن العاص" لوگوں نے جواب دیا۔

اردی نے کہا "تو مجھ سے بولنے کی جرأت کرتا ہے! اپنے عیب چھپے رہنے دے۔ اپنی خیریت منا۔ واللہ تو قریش میں نہ تو خالص حسب نسب رکھتا ہے نہ اچھی اصلیت کا مالک ہے"

"بیوقوف بڑھیا!" مروان بن الحکم نے کہا "تیری بینائی بھی تیری عقل کے ساتھ جا چکی ہے۔ تیری شہادت معتبر نہیں"

"صاحبزادے تم بھی بولے!" اردی نے کہا "واللہ حکم سے زیادہ تو سفیان بن الحارث بن کلدہ سے زیادہ مشابہ ہے"

پھر وہ معاویہ کی طرف مخاطب ہوئیں:

"واللہ ان لوگوں کو تو نے ہی مجھ پر جرأت دلائی ہے، حالانکہ تیری ماں اُحد کی لڑائی میں حمزہ کے قتل کے [illegible] کہتی تھی۔

نحن جزینا کم بیوم بدر — والحرب [illegible] حرب ذات سعر

ہم نے تم سے جنگ بدر کا بدلہ لے لیا۔ لڑائی، لڑائی کے دن آگ کی طرح شعلے رکھتی ہے۔

ماکان عن عتبۃ لی من صبر — ابی دعمی داخی دصہری

عتبہ (ہند کا باپ تھا) پر مجھے صبر نہیں ہو سکتا تھا۔ میرا باپ، چچا، بھائی، خسر، انھیں میں بھول نہیں سکتی تھی (یہ سب جنگ بدر میں قتل ہوئے تھے)

شفیت وحشی غلیل صدری — شفیت نفسی و قضیت نذری

(اے وحشی (قاتل حمزہ) تو نے میرا دل ٹھنڈا کیا۔ میری منت پوری کردی۔

فشکر وحشی علیّ عمری — حتی تعیب اعظمی فی قبری

"وحشی" کا شکریہ عمر بھر مجھ پر واجب ہے، یہاں تک کہ میری ہڈیاں قبر میں غائب ہوجائیں۔

تیری ماں کے جواب میں میں نے کہا تھا:

یا بنت رقاع عظیم الکفر — خزیت فی بدر و غیر بدر

اے بیوقوف بڑے کافر کی بیٹی! بدر میں اور ہر دن میں تجھے رسوائی ملے۔

صبحک اللہ قبیل الفجر — بالہاشمین الطوال الزہر

خدا تجھ پر صبح سے پہلے، دراز قد، خوبصورت ہاشمیوں کی غارت گری نازل کرے۔

بکل قطاع حسام یفری — حمزۃ لیثی و علیّ صقری

تیغ براں سے تجھے کاٹے۔ حمزہؓ، میرا شیر ہے اور علیؓ میرا باز ہے۔

ہتک وحشی حجاب الستر — ماللبغایا بعدہا من فخر

وحشی نے بے آبروئی کر ڈالی۔ اب فاحشہ عورتوں کے لئے تیرے بعد کوئی فخر باقی نہیں رہا۔

"تمھارا بُرا ہو!" امیر معاویہ نے عمرو بن العاص اور مروان بن الحکم سے کہا "تمھیں نے اس خاتون کو مجھ پر خفا کردیا اور یہ باتیں سنوائیں"

پھر اردی سے مخاطب ہوئے:

"پھوپھی! اپنی ضرورت بیان کرو۔ عورتوں کی یہ بکواس بند کرو"

"مجھے دو ہزار، دو ہزار، دو ہزار، پورے ۶ ہزار دینار دو" اردی نے مطالبہ کیا۔

"پہلے دو ہزار کس لئے؟" امیر نے سوال کیا۔

"میں حارث بن عبدالمطلب کے خاندان کے لئے کھیتی کی زمین میں کنواں خریدوں گی" اردی نے جواب دیا۔

"تم نے بہت خوب سوچا" امیر نے کہا "اور دوسرے دو ہزار؟"

"خاندان عبدالمطلب کے نوجوانوں کی شادی کردوں گی"

"بہت خوب! اور تیسرے دو ہزار؟"

"مدینہ کی گرانی اور زیارت بیت اللہ کے خرچ کے لئے"

"بہت خوب خیال ہے۔ میں نے منظور کیا۔ تمھاری خاطر ہمیشہ مدنظر ہے" امیر نے خوشامد سے کہا۔

تھوڑی دیر چپ رہکر امیر نے پھر سوال کیا:

"بھلا اگر علی موجود ہوتے تو یہ رقم ہرگز منظور نہ کرتے"

"سچ ہے" اردی نے فوراً جواب دیا "علی، امانت ادا کرتا تھا خدا کے حکموں پر چلتا تھا۔ مگر تو نے اپنی امانت ضائع کردی۔ خدا کے مال میں خیانت کی۔ خدا کا مال غیر مستحقوں کو دے ڈالا۔ خدا نے اپنی کتاب میں حقداروں کے حق مقرر کرکے بیان کردیئے ہیں۔ مگر تو نے خدا کے حکموں پر عمل نہیں کیا۔ لیکن علی نے ہمیں اپنے حق لے لینے کے لئے برابر بلایا جو خدا نے ہمارے لئے مقرر کردیئے ہیں۔ مگر افسوس تمھاری لڑائی نے اُنھیں پورا انتظام قائم کرنے کی مہلت ہی نہ دی۔ میں نے تیرا مال نہیں مانگا کہ احسان جتاتا ہے۔ میں تو صرف اپنا حق مانگتی ہوں۔ ہم دوسروں کا حق لینا جائز نہیں سمجھتے۔ آہ! تیرے دانت ٹوٹیں اور تیری مصیبت سخت ہو جائے تو اپنی زبان پر علی کا نام لاتا ہے!"

پھر وہ رونے لگیں۔ یہ شعر انکی زبان پر تھے:

اَلا یا عین ویحک اسعدینا — الا وابکی امیرالمومنینا

ہاں اے آنکھ تیرا بھلا ہو ہمارا ساتھ دے۔ ہاں امیرالمومنین پر خوب آنسو بہا!

رزینا خیر من رکب المطایا — وفارسہا و من رکب السفینا

ہم نے اُس سب سے اچھے کو کھو دیا جو کبھی گھوڑوں پر یا کشتیوں پر سوار ہوئے۔

و من لبس النعال او احتذاہا — و من قرأ المثانی والمبینا

اور جنھوں نے زمین پر قدم رکھا اور جنھوں نے قرآن پڑھا۔

اذا استقبلت وجہ ابی حسین — رایت البدر راع الناظرینا

حسین کے باپ کا چہرہ دیکھنا، بدر کامل کا دیکھنا ہے جو سب دیکھنے والوں کو حیرت میں ڈال دیتا ہے۔

ولا واللہ لا انسیٰ علیا — و حسن صلاتہ فی الراکعینا

نہیں، واللہ، علی مجھے بھول نہیں سکتا، نہ رکوع کرنے والوں میں اُس کی اچھی نماز بھول سکتی ہوں۔

أفی الشہر الحرام فجعتمونا — بخیر الناس طرا اجمعینا

تم نے ماہ حرام میں سب آدمیوں سے اچھے آدمی کو مار کر ہمیں مصیبت میں ڈال دیا!

معاویہ نے اُنھیں ۶ ہزار دینار دیدیئے اور کہا:

"پھوپھی! اسے جس طرح چاہو خرچ کرو۔ پھر جب کبھی ضرورت پڑے اپنے بھتیجے کو لکھنا، وہ ہر طرح تمھاری مدد کریگا"



مذاکرۂ علمیہ

نظریۂ نشوء و ارتقا کی موجودہ منزل

حال میں سر آرتھر کیتھ نے برطانی اکاڈیمی کی صدارت کرتے ہوئے نظریۂ نشوء ارتقا پر ایک نہایت مبسوط تقریر کی تھی، جس نے ازسرنو اس بحث پر موافقانہ و مخالفانہ خیالات کو جنبش دیدی۔ اسوقت تک تقریباً تیس چالیس علمارفن اس کی موافقت یا مخالفت میں اظہار خیال کر چکے ہیں، اور بحث و نظر کا سلسلہ جاری ہے۔

برطانی اکاڈیمی کے سالانہ اجلاس اور سر آرتھر کی تقریر کا مختصر تذکرہ اُردو اخبارات میں آچکا ہے۔ ہم چاہتے ہیں سر آرتھر کی تقریر کے بعض اہم حصے اور انکے مخالفین کے ضروری مباحث الہلال کے صفحات پر درج کردیں۔ بہ حیثیت مجموعی یہ موافق و مخالف خیالات کا ایک ایسا مجموعہ ہوگا، جس کے مطالعہ سے بہ یک نظر معلوم ہوجائیگا کہ بحالت موجودہ ڈاروِن کا نظریہ کس منزل میں ہے اور موافق و مخالف دلائل کا وزن کیا ہے۔

ہم پہلے سر آرتھر کی تقریر کا ضروری خلاصہ درج کردیتے ہیں۔ پھر مخالف مباحث کا خلاصہ درج کرینگے:-

سر آرتھر کا خطبہ

"۵۵ برس ہوئے کہ نشوء انسانی کی تاریخ، عالم وجود میں آئی۔ آج میرا موضوع بحث بھی یہی ہے۔ اس بحث کے لئے اس شہر لیڈس سے زیادہ موزوں کوئی مقام نہیں۔ کیونکہ ڈاروِن نے توراۃ کے حامیوں پر اپنا پہلا گولہ یہیں پھینکا تھا۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ ڈاروِن کا یہ گولہ کیسا خوفناک تھا اور کس طرح اس فاتح نے تمام مخالفوں سے ہتیار رکھوالئے۔ تقریباً ۶۹ برس ہوتے ہیں کہ اسی شہر میں اپنے عہد کے مشہور ترین عالم سر رچرڈ اوین نے ایک طولانی خطبہ دیا تھا اور انسان کی اصلیت پر بحث کرتے ہوئے ثابت کیا تھا کہ توراۃ نے انسان کی عمر جتنی قرار دی ہے، وہ اُس سے کہیں زیادہ پُرانا ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس فیلسوف نے اس نظریہ کا مضحکہ بھی اُڑایا تھا کہ انسان ادنیٰ مخلوقات سے ترقی کرکے اپنے موجودہ درجے تک پہنچا ہے۔ اُس نے دعویٰ کیا تھا کہ انسان اور بندر میں بہت ہی عظیم فرق ہے۔ اتنا فرق کہ دونوں میں کوئی مشترک علاقہ موجود نہیں، دونوں، دو بالکل علیحدہ علیحدہ جنسیں ہیں۔

اوین اور ہکسلے

سر رچرڈ اپنے زمانے میں اس اکاڈیمی کا صدر تھا۔ اُس کے سامعین میں ایک علامۂ عصر ٹامس ہنری ہکسلے، سر رچرڈ کا خوفناک حریف بھی تھا۔ ہکسلے اسوقت جوان تھا۔ اُسے سر رچرڈ سے اسقدر مخاصمت تھی کہ وہ اسی تقریر میں مباحثہ پیش آجانے کی اُمید کرتا تھا مگر اتفاق سے یہ معرکہ پیش نہیں آیا۔

اس واقعہ کے دو سال بعد ہماری انجمن کا سالانہ جلسہ آکسفورڈ میں ہوا۔ یہاں سر رچرڈ نے پھر نظریۂ نشوء و ارتقاء کا مضحکہ اُڑاتے ہوئے دعویٰ کیا کہ انسان دوسرے حیوانات سے بالکل علحدہ مخلوق ہے۔ اور یہ کہ انسان کے دماغ میں بعض خصوصیتیں ایسی موجود ہیں جو انتھرو پوئیڈ (وہ بندر جو انسان سے بہت زیادہ مشابہ ہے) کے دماغ میں پائی نہیں جاتیں۔

ہکسلے نے اسپر اعتراض کیا اور وہ تاریخی مباحثہ پیش آیا جس نے علمی فتوحات کے لئے میدان صاف کردیا۔ یہ معرکہ دراصل علم اور توراۃ کے درمیان واقع ہوا تھا۔ تمام حامیان توراۃ، جن کی قیادت آکسفورڈ کا لارڈ بشپ کر رہا تھا، سر رچرڈ کی پُشت پناہی پر تھے۔ ہکسلے تنہا تھا لیکن دُنیا نے تسلیم کرلیا کہ فتح ہکسلے ہی کو حاصل ہوئی!

اس واقعہ کے تین سال بعد ۱۸۶۳ء میں ہکسلے نے اپنی مشہور کتاب "کائنات میں انسان کی مرکزیت پر دلائل" شایع کی۔ یہ کتاب ہمارے اسی موضوع سے متعلق ہے۔ اس میں مصنف نے قطعی طور پر ثابت کردیا کہ انسان، چھاتی رکھنے والے حیوانات ہی کا فرد ہے، اور اُس سے قریب تر مخلوق وہ بندر ہے جس کا نام "انتھرو پوئیڈ" ہے۔

اصل انسان

یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ اُس عہد کی عقل انسانی یہ نظریہ (نظریۂ نشوء) قبول کرنے کے لئے مستعد نہ تھی۔ مدتوں سے یہ اعتقاد راسخ تھا کہ انسان ایک مستقل مخلوق ہے۔ لیکن آج حالت بدل چکی ہے۔ اسوقت جو لوگ ڈاروِن کے نظریہ پر یقین نہیں رکھتے، وہ بھی اس کے لئے مستعد ہیں کہ جب یہ نظریہ قطعی دلائل کے ساتھ سامنے آجائے تو تعصب سے انکار نہیں کرینگے۔

نظریۂ نشوء انسانی، انیسویں صدی کی ایک حیرت انگیز پیدائش ہے۔ چارلس ڈاروِن کا دُنیا پر بہت بڑا احسان ہے کہ اُسی کے غیر معمولی دماغ نے یہ نظریہ ظاہر کیا۔ جس وقت سر رچرڈ اپنا مذکورہ بالا خطبہ لیڈس میں سُنا رہے تھے، ڈاروِن اپنی کتاب "اصل انواع" تصنیف کر رہا تھا۔ ۱۸۵۹ء میں یہ کتاب ظاہر ہوئی۔ مگر اُس کا ظہور کوئی معمولی حادثہ نہ تھا۔ اُس نے اچانک ایک عظیم فکری انقلاب پیدا کردیا۔ ڈاروِن نے قدیم افکار و معتقدات سے یہ بغاوت بیٹھے بیٹھے نہیں کردی تھی۔ کامل ۲۰ برس اُس کے لئے طیاری کی تھی۔ اُس کی یہ کتاب درحقیقت اعلان جنگ تھا۔ اُس کا دوسرا خوفناک حملہ، ایک دوسری کتاب کی صورت میں ہوا۔ اس کا نام "حیوانات پر ماحول کی تاثیر" تھا۔ یہ کتاب ابتک علم الحیات کے حقائق کا ایک بے نظیر مجموعہ ہے لیکن ابھی فیصلہ باقی تھا۔ دشمن ہنوز میدان میں اڑا ہوا تھا۔ ڈاروِن نے ۱۸۷۱ء میں اپنی تیسری کتاب "تسلسل انسان" شایع کی۔ یہ اُس کا فیصلہ کُن حملہ تھا۔ دشمن سراسیمہ ہوکر بھاگا اور آجتک پھر کبھی مقابلہ میں نہ آسکا!

اُسوقت سے ڈاروِن کے قدم ایسے گڑے کہ پھر کبھی اُکھڑ نہ سکے آج ۵۶ برس گزر چکے ہیں۔ بہت سے نئے حقائق ظاہر ہوچکے ہیں مگر ڈاروِن اپنی جگہ پر پہاڑ کی طرح قائم ہے۔ یہ تمام حقائق اُس کے نظریہ کی تائید کرتے ہیں۔ بلاشبہ بعض تبدیلیاں بھی واقع ہوئی ہیں لیکن نظریہ بحیثیت مجموعی ثابت و راسخ ہے۔ اور ہمیشہ یوں ہی سربلند رہے گا۔

حفریات

میں نے کہا یہ نظریہ ہمیشہ یوں ہی سربلند رہیگا۔ یہ کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ڈاروِن کے بعد علماء نے اُس کا نظریہ چھوڑ نہیں دیا بلکہ کسوٹی پر رکھ کر برابر جانچتے رہے۔ اُنھوں نے قدیم انسان کے آثار کی تلاش شروع کی۔ زمین کھود کر وہ اوزار اور ظروف نکالے جنھیں انسان اپنے اولین عہد میں استعمال کرتا تھا۔ یعنی اُس عہد میں جس کا نام اصطلاح میں عہد بلیسٹوسینی ہے (یہی وہ زمانہ ہے جس میں سطح زمین کا تیسرا طبقہ بنا تھا) یہ عہد اب سے دو لاکھ برس یا ۶ لاکھ برس پہلے تھا۔ اسی قدر نہیں بلکہ علماء کی تحقیقات، عہد بلیسٹوسینی تک پہنچ چکی ہے۔ یعنی اُس زمانے تک جبکہ زمین کا دوسرا چھلکا بنا ہے۔

ڈاروِن کی وفات سے دس برس بعد ڈاکٹر ادوین ڈیتھوا کو اولین انسان کی ہڈیاں ملیں۔ اُس نے اس کا نام پتھکانتھروپس یعنی بندر انسان رکھا۔ نیز اُسی زمانے میں ڈاکٹر ریڈ مویر نے مشرقی انگلیا میں زمین کے دوسرے طبقے میں حجری ظروف اور اوزار پائے۔ ان تمام حفریات و آثار سے نشوء انسانی پر ڈاروِن کے نظریہ کی تصدیق ہوتی ہے۔

تسلسل انسان

بندر سے مشابہ مخلوق سے انسان کا ظاہر ہونا ایسے قطعی دلائل سے ثابت ہوچکا ہے کہ بحث کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ لیکن یہ نشوء ارتقاء اُس سے کہیں زیادہ پیچیدہ اور غیر منضبط تھا جتنا خود ڈاروِن سمجھتا تھا۔ پہلے علماء خیال کرتے تھے کہ ارتقاء، کامل طور پر ہوا ہے یعنی جسم انسانی کے ہر عضو نے یکساں طور پر تدریجی ترقی کی ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ ارتقاء، نہایت غیر منتظم طور پر مختلف موثرات کے تحت واقع ہوا ہے۔ قدیم انسان میں ارتقاء کی یہ بے نظمی موجودہ انسان سے کہیں زیادہ واضح تھی۔ دقیق مباحث سے اب ثابت ہوچکا ہے کہ ہر عضو نے تدریجی ترقی نہیں کی یعنی یہ نہیں ہوا کہ کھوپڑی، دماغ، جبڑا، دانت، جلد، بازو، پاؤں وغیرہ وغیرہ اعضاء میں سے ہر عضو بتدریج بندر کی شکل سے ترقی کرکے انسان کی عضویت بنتا گیا، بلکہ یہ ہوا کہ بعض اعضاء ترقی کرتے تھے، بعض ترقی نہیں کرتے تھے، بعض بالکل غائب ہوجاتے تھے۔ ذیل کی مثال سے یہ حقیقت واضح ہوجائے گی:

ڈاروِن کی وفات سے ۳۰ برس بعد یعنی ۱۹۱۲ء میں مسٹر چارلس ڈوسن کو انگلستان کے ایک مقام پلٹ ڈاؤن (یعنی ڈاروِن کی قیامگاہ سے ۳۰ میل کے فاصلے پر) ایک پتھرائی ہوئی کھوپڑی اور جبڑا ملا۔ سر آرتھر ووڈ وارڈ نے دونوں کی جانچ کی اور فیصلہ کیا کہ یہ دونوں عضو ایک ہی جسم کے ہیں اور یہ مخلوق اب سے ۵ یا ۶ لاکھ برس پہلے زمین پر موجود تھا۔ ان آثار میں کھوپڑی، موٹی دیواروں کی تھی اور موجودہ انسان کی کھوپڑی سے بہت زیادہ مشابہت رکھتی تھی لیکن نیچے کا جبڑا، بندر کے جبڑے کی طرح تھا۔ بعض علماء کے لئے یہ اختلاف، سخت حیرت کا موجب ہوا اور اُن سے اس کے سوا کچھ کہتے بن نہ پڑا کہ یہ دونوں چیزیں، دو مختلف جسموں کی ہیں حالانکہ اگر وہ علم تشریح کے ماہر ہوتے، تو اس غلطی کا شکار نہ ہوتے۔ اُنہیں معلوم ہوجاتا کہ جسم کے بعض اعضا جلد ترقی کرتے ہیں اور بعض بہت پیچھے رہجاتے ہیں۔ ارتقاء کی یہ بے ضابطگی بندر نما انسان میں زیادہ واضح پائی جاتی ہے۔ مثلاً اس کی ران کی ہڈی بالکل آدمی کی سی ہوتی ہے مگر کھوپڑی، بندر سے مشابہ ہوتی ہے۔ مذکورۂ بالا انکشاف

سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس قدیم ترین عہد میں انگلستان کی سرزمین پر ایک ایسی مخلوق آباد تھی جو انسان اور بندر کے بیچ میں تھی۔

دہلی کے نامی اور نامور مشہور و معتبر مقبول خاص و عام اسم بامسمّیٰ

ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی کا

عدیم المثال نادر الوجود سرائی تحفہ

تار کا کافی پتہ "ہمدرد، دہلی"

ماء اللحم دوآتشہ

بہ نسخۂ خاص

زندگی جیسی عزیز اور پیاری چیز ہو وہ ظاہر ہو لیکن تندرستی بھی ایک ایسی نعمت ہو کہ بغیر اس کے زندگی بے لطف بلکہ بیکار ہو۔ تندرستی ہزار نعمت ہو۔ تندرستی ہو تو سب کچھ ہو۔ اگر آپکو تندرستی کی قدر ہو اور تندرست رہنا پسند کرتے ہیں تو ہمارا تازہ کشید کیا ہوا ماء اللحم استعمال کیجیے اور پیری میں شباب کا لطف اُٹھائیے یہ امر تو مسلم ہو کہ ماء اللحم مقوی اور دافع ہو، بدن میں چستی اور توانائی پیدا کرنا۔ رنگ کا نکھارنا روح کو تازگی اور قوت دینا۔ گئی ہوئی طاقت میں از سر نو جان کا ڈالنا اس کی خاصیت ہے۔ مگر ہمارا ماء اللحم خصوصیت کے ساتھ پیروں کو جوان اور جوانوں کو نوجوان بناتا ہو اس لئے کہ نادر اور بیش قیمت اور مقوی اور فرحت بخش اجزاء سے بطرز خاص تیار کیا گیا ہو۔ نسخہ بھی اس کا معمولی اور کتابی نہیں ہو بلکہ عالیجناب شفاء الملک بہادر غفران مآب رئیس اعظم دہلی کا خاص خاندانی نسخہ ہو جو جناب ممدوح نے بغرض رفاہ عام "ہمدرد دواخانہ" کو مرحمت فرمایا ہو۔ ایک مرتبہ ماء اللحم کا استعمال فرما کر خدا کی قدرت کا مشاہدہ کیجیے فائدہ تو تین دن کے بعد ہی معلوم ہوتا ہو مگر معتدبہ اور پورا فائدہ ایک چلّہ میں ہوتا ہو۔ پبلک کو صرف اپنی لفاظی اور خوش بیانی سے خوش کر دینا ہمارا شیوہ نہیں ہو۔ مگر بعض اُمور میں ہم کو اپنی سچی ہمدردی کے اظہار کا کوئی موقع نہیں ملتا ہو تو مجبور ہو کر اشتہار دینا پڑتا ہو

ماء اللحم کے استعمال کا یہی موسم ہو اور یہی زمانہ ہو منگائیے اور آزمائیے!! تجربہ بتادیگا کہ ہمدرد کہاں تک اپنے دعویٰ میں سچا ہو بیشک آپ کو خود معلوم ہے قیمت بھی بہ نظر ہمدردی پانچ روپیہ فی بوتل مقرر کی گئی ہو۔ علاوہ اس کے چند قسم کے حلوے مقوی اور خوش ذائقہ نہایت نفیس تیار ہیں جن کے پورے افعال و خواص آپ فہرست میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں نیز ہر قسم کی مفرد و مرکب دوائیں اس دواخانہ سے مناسب قیمت پر ملتی ہیں۔ فہرست ۱۹۲۷ء معہ جنتری تیار ہو۔ مفت طلب فرمائیے۔ خط و کتابت کے لئے کافی پتہ "منیجر ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی"

منیجر ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی

حیرت انگیز رعایت

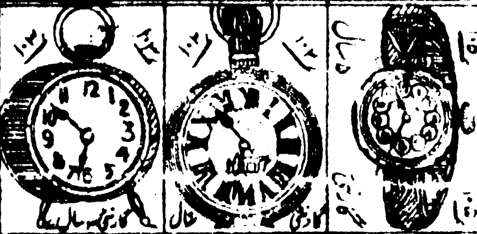
پندرہ روپے کی تین گھڑیاں

صرف دس روپے میں

محصول ڈاک اور پیکنگ بھی معاف

آپ کے لئے + آپ کے کمرہ کے لئے + بیوی کے لئے

قابل دید گولڈن رسٹ واچ	ریلوے ریگولیٹر پاکٹ واچ	مشہور عالم ٹائم پیس جرمن میڈ



[illegible]	مکمل سلور کیس خوبصورت مضبوط ٹائم نہایت صحیح بتانیوالی قیمت [illegible] [illegible] محصول ڈاک پیکنگ [illegible]	دیکھنے میں خوبصورت چال کا اچھا پہننے کا مضبوط ٹائم کا سچا [illegible] قیمت [illegible] محصول ڈاک پیکنگ [illegible]

[illegible] اگر آپ یکمشت طلب فرمائیں تو صرف دس روپیہ میں بھیج جائیں گی یہ رعایت محض مال کی نکاسی اور فرم کی شہرت کی وجہ سے ہو اور یہ رعایت اسی وقت تک رہیگی جب تک یہ گھڑیاں اسٹاک میں باقی ہیں [illegible] تعمیل کے ذمہ دار ہونگے آپ فوراً ہی آرڈر بھیجدیں ایسا نہ ہو کہ اسٹاک ختم ہو جائے اور آپ کی فرمایش کی تعمیل نہ ہوسکے۔

نوٹ۔ ایک یا دو گھڑی کے خریدنے کیلئے کوئی رعایت نہیں ہو۔ ان سے پوری قیمت مندرجہ [illegible] وصول کی جائیگی اور محصول ڈاک و پیکنگ وغیرہ بھی ان کو ادا کرنا ہوگا +

ملنے کا پتہ: امریکن واچ ہوس اسٹاکسٹ ویسٹ اینڈ واچ کمپنی ۸۳ مقام دہلی

اشتہار کے لئے

رنگ دیکھ لو   **دو روپے تولہ سونا**   گھِس کر آزما لو

جرمنی کی حیرت انگیز ایجاد

اس سونے کی نہایت خوبصورت نازک منقش چوڑیاں جرمنی سے بنکر آئی ہیں۔ چونکہ انہیں ایک خول کی صورت میں بنایا گیا ہو۔ ان کے اندر رنگین چوڑیاں آجاتی ہیں۔ اور یہ معلوم ہوتا ہو کہ بہترین زبرجد اور یاقوت کے نگینے جڑ دیئے گئے ہیں۔ برسوں استعمال کیجیے لیکن رنگ و رونق میں فرق نہیں آتا اور سیاہی دیتی ہو۔ صنف نازک کے لئے بہترین تحفہ ہو۔ ڈھائی روپیہ میں پانچسو روپے کا کام نکالا جاسکتا ہو۔ ہر سائز کی موجود ہیں سیکڑوں کی تعداد میں روزانہ فروخت ہوتی ہیں۔ جلد منگوائیے تاکہ اسٹاک ختم نہ ہو جائے۔ آٹھ چوڑیوں کی قیمت ڈھائی روپیہ۔ جنکا وزن تقریباً ڈیڑھ تولہ ہوگا۔ چوبیس چوڑیوں کے دام صرف سات روپے (عہ)

منیجر گولڈن اسٹور۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۴ لاہور

مطبوعات الہلال بک ایجنسی

معارف ابن تیمیه و ابن قیم

دیني علوم کے بیش بہا جواهر ریزي

اس سلسله میں هم نے اماموں کي ان نادر و اعلی درجه کي بلند پایه عربي تصانیف کے اردو تراجم کا سلسله شروع کیا هے ' جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروري و ناگزیر هے - امید که یه " سلسلۂ تراجم " بد نصیب هندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

آسوۂ حسنه — امام ابن قیم کي فن سیرت میں شهرۂ آفاق کتاب " زاد المعاد " کے خلاصه کا اردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد اڑهائي روپیه -

کتاب الوسیله — لفظ " وسیله " کي بحث کے علاوه امام ابن تیمیه نے اسلام کے اصل الاصول " توحید " کي مبسوط بحث کي هے - بلا جلد اڑهائي روپیه ' مجلد سوا تین روپیه

اصحاب صفه — انکي تعداد ' ذریعه معاش ' طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے هیں دس آنے -

تفسیر سورۃ الکوثر — امام ابن تیمیه کے مخصوص انداز تفسیر کا اردو ترجمه - چار آنے -

العروۃ الوثقی — خالق و مخلوق کے درمیان واسطه کا فرق بدلائل بیان کیا هے - چهه آنے -

سیرت امام ابن تیمیه — حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نہایت خوش اسلوبي سے بیان کیے هیں دو آنے

نجد و حجاز — علامه سید محمد رشید رضاء مصري کي تازه کتاب کا اردو ترجمه - سوا روپیه -

ائمه اسلام — ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام بارہ آنے

خلاف الامه — فی العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — یه ایک علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله هے جس کے خریدار کو هم نے کمال کوشش و کاوش سے اردو ' عربي ' فارسي ' انگریزي ' اور دوسري زبانوں کي تمام اهم اور اعلی مطبوعات کے متعلق بہترین تازه معلومات بہم پہنچانے کا اهتمام کیا هے - اسکے علاوه ائمه و اسلام و بزرگان دین کے حالات ' لطائف افسانه ' نظمیں اور ممالک اسلامیه کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے هوے حالات درج کیے جاتے هیں - فی پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپیه پیشگي -

منیجر الہلال بک ایجنسی

(حلقه نمبر ۲۴ شیرانواله دروازه لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پته صاف لکھیں

اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں

السحر الحلال

فی

مجلدات الہلال

گاه گاهے باز خوان این دفتر پارینه را

تازه خواهی داشتن گر داغهائے سینه را

اردو صحافت کي تاریخ میں الہلال هي وه رساله هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تهي -

الہلال اگرچه ایک هفته وار مصور رساله تها ' لیکن چونکه وه اردو صحافت کي مختلف شاخوں میں اجتهاد نظر و فکر کي نئي روح پیدا کرني چاهتا تها ' اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعه تها - اُس کے هر نمبر میں مختلف ابواب ' مذهب ' سیاست ' ادبیات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه کے هوتے تهے - اور اسکا هر باب اپني مجتهدانه خصوصیات کے لحاظ سے اپني نظیر آپ هوتا تها - پهر اس کي ظاهري خوبیاں اردو صحافت میں اعلی طباعت و ترتیب کا پهلا نمونه تهیں اردو کا وه پهلا هفته وار رساله تها ' جس میں هاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا ' اور ٹائپ میں چهپنے کی وجه سے بہت سي ایسي خوبیاں پیدا هوئیں جو پتهر کي چهپائي میں ممکن نہیں - اِس کي جلدیں جدید اردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سیاسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بہترین مجموعه هیں - اِن کي مقبولیت و قدر کا اندازه اِس سے هوسکتا هے که سنه ۱۹۱۸ میں بعض شائقین علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل سٹ سات سو روپیه میں خرید لیا - اور حال میں ایک صاحب نے اِس کي پهلي جلد مکمل (جو دفتر میں بهي موجود نہیں) ساڑهے چارسو روپیه میں حیدرآباد سے خریدي هے - جن لوگوں نے اس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هیں وه بڑي سے بڑي قیمت پر بهي علحده کرنے کیلیے تیار نہیں - پچهلے دنوں " البلاغ پریس " کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیره الہلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا ' هم نے کوشش کي که شائقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کي جا سکتي هیں مرتب کرلي جائیں اور جن جلدوں کي تکمیل میں ایک دو پرچوں کي کمي هو انهیں دوباره چهپوا لیا جائے -

چنانچه الحمدلله یه کوشش ایک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوه متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلدیں پوري مکمل هوگئي هیں - هم اِس اعلان کے ذریعه شائقین علم و ادب کو آخري موقعه دیتے هیں که اس قیمتي ذخیره کے حاصل کرنے میں جلدي کریں ' چونکه جلدوں کي ایک بہت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف انهیں درخواستوں کي تعمیل هوسکے گي جو سب سے پہلے موصول هونگي - هر جلد مجلد هے اور ابتدا میں تمام مضامین کي انڈکس به ترتیب حروف تهجي لگادي گئي هے -

الہلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیه   الہلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیه

" " چهارم ۱۰ روپیه   " " پنجم ۱۰ روپیه

جلد " البلاغ " (جب دوسري مرتبه الہلال اِس نام سے شائع هوا) قیمت ۸ روپیه

علاوه جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هیں جن میں سے هر پرچه اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعه علم و ادب هے - قیمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پیکنگ اس کے علاوه هے -

منیجر " البلاغ پریس "

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

١٩٢٧

جلد ١

نمبر ٢١

الهلال

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت ٥ - انہ

الهلال

هر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا ہے

قیمت سالانه مع محصول - -	باره روپیه
هندوستان سے باهر کیلیے - -	سوله روپیه
قیمت شش ماهي - - -	سات روپیه
قیمت في پرچه - - -	پانچ آنه

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " منیجر الهلال " کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں آنکے لفافه پر " ایڈیٹر " کا نام هونا چاهیے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براه عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي ہے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ور نه بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانه نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماه کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جارہے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیاده عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(۷) مني آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیره) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین (القرآن الحکیم)

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۲۱ — کلکتہ : جمعہ ۱۵ . جمادی الاولی ۱۳۴۶ ہجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 11, November 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعة نہین رکھتی .
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین که حروف کی چھپائی اختیار کی جای .
پتھر کی چھپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نہین کر سکتی .

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وہ هین جن مین الهلال چھپتا هی . اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گی هین . آپ ان دونون مین سی جسی چاهین! پسند کر لین . لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین .

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی . یاد رکھیی . طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اهم مسئله هی . ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین .

الهلال

قارئین الهلال کی آراء

اس بارى مین اس وقت تك ۱۵۹۸ مراسلات وصول هوی هین . تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین	۲۴۰	اردو حروف کی حق مین	۴۳۰
موجودہ مشترك طباعة کی حق مین	۵۹۵	حروف کی حق مین بشرطیکه	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۲۷۳	نستعلیق هون	۱۵۰

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاهر کیا هی .

آراء کی دیکھنی سی معلوم هوا که اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین هی . اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت هی . آینده اس باری مین مولانا به تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی مگر ضرورت هی که بقیه حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین . الهلال

هندوستان اور مجموعه عالم

تمام دنیا میں جغرافیائي ' عمراني ' اور اقتصادي لحاظ سے هندوستان کي موجوده حیثیت کیا ہے ؟

(۲)

(برطاني شہنشاهي کي قومیں)

(مجموعي آبادي ۴۴۹۲۳۳۰۰۰)

هندوستاني	۲۴۴۳۰۳۰۰۰
عرب	۵۷۵۳۰۰۰
افغان	۱۵۵۰۰۰۰
پارسي	۱۰۰۰۰۰
یہودی	۱۰۸۴۰۰۰
درسري قومیں	۳۱۵۰۰۰۰

(یورو پین)

برطاني ' فرانسیسي ' کنیڈي ' بوئر ' وغیره	۶۴۲۷۶۰۰۰

(سیاه فام)

نیگرو	۴۶۱۶۶۰۰۰
هندوستاني	۶۱۵۰۰۰۰۰
پاپونس	۹۶۷۰۰۰
آسٹریلیا کے دیسي	۶۰۰۰۰

(زرد فام)

ملایو وغیره	۹۵۵۶۰۰۰
برمي	۷۸۹۰۰۰۰
ترک	۶۱۰۰۰
چیني	۲۳۰۸۰۰۰
تبتي	۳۰۰۰۰۰
موئر	۵۳۰۰۰
دیسي امریکن	۱۵۶۰۰۰

(دنیا کي آبادي هر مربع میل کے حساب کے)

انگلینڈ	۳۷۵
جرمني	۳۱۰
جاپان	۲۵۵
فرانس	۱۸۹
هندوستان	۱۷۷
چین	۱۰۵
روس	۶۴
ولایات متحدهٔ امریکا	۳۱

(هندوستان کي آبادي مذهب کے اعتبار سے)

	سنه ۱۹۰۱ میں	سنه ۱۹۱۱ میں	سنه ۱۹۲۱ میں
برهمن	۲۰۷۰۵۰۵۵۷	۲۱۷۳۳۷۹۴۳	۲۱۶۲۶۰۶۲۰
آریا سماج	۹۲۴۱۹	۲۴۳۴۴۵	۴۶۷۵۷۸
برهمو	۴۰۵۰	۵۵۰۴	۶۳۸۸
سکهه	۲۱۹۵۳۳۹	۳۰۱۴۴۶۶	۳۲۳۸۸۰۳
جین	۱۳۳۴۱۴۸	۱۲۴۸۱۸۲	۱۱۷۸۵۹۶
بودهه	۹۴۷۶۷۵۹	۱۰۷۲۱۴۵۳	۱۱۵۷۱۲۶۸
پارسي	۹۴۱۹۰	۱۰۰۰۹۶	۱۰۱۷۷۸
مسلمان	۶۲۴۵۸۰۷۷	۶۶۶۴۷۲۹۹	۶۸۷۳۵۲۳۳
عیسائي	۲۹۲۳۲۴۱	۳۸۷۶۲۰۳	۴۷۵۴۰۶۴
یہودي	۱۸۲۲۸	۲۰۹۸۰	۲۱۷۷۸
درسرے مذاهب	۸۷۱۴۰۴۸	۱۰۳۳۶۲۲۹	۹۷۹۲۶۱۵

(هندوستان کي آبادي جنس کے اعتبار سے)

	مرد	عورت
کل هندوستاني صوبوں کي آبادي	۱۶۳۹۹۵۵۵۴	۱۵۴۹۴۶۹۲۶
مدراس	۲۰۸۷۰۷۴۹	۲۱۴۴۸۲۳۶
بمبئي	۱۰۱۷۶۹۶۹	۹۱۷۷۲۵۰
بنگال	۲۴۱۵۱۲۲۲	۲۲۵۴۴۳۱۴
یو۔پي	۲۳۷۸۷۷۴۵	۲۱۵۸۸۰۴۲
پنجاب	۱۱۳۰۶۲۶۵	۹۳۷۸۷۵۹
برما	۶۷۵۶۹۶۹	۶۴۵۵۲۲۳
بهار اوڑیسه	۱۶۷۶۳۸۶۶	۱۷۲۲۳۸۲۳
صوبهٔ متوسط	۶۹۵۱۳۹۹	۶۹۶۱۳۶۱
آسام	۳۹۶۱۱۰۹	۳۶۴۵۱۲۱
صوبه سرحدي	۱۲۲۹۳۱۶	۱۰۲۲۰۲۴

(هندوستان کي آبادي زبانوں کے اعتبار سے)

هندوستاني	۹۶۷۱۴۳۶۹
بنگالي	۴۹۲۹۴۰۰۹
تیلگو	۲۳۶۰۱۴۹۲
مرهٹي	۱۸۷۹۷۸۳۱
تامل	۱۸۷۷۹۵۷۷
پنجابي	۱۶۶۳۳۵۹۶
راجستاني	۱۲۶۸۰۵۶۲
کناري	۱۰۳۷۴۲۰۴
اوڑیا	۱۰۱۴۳۱۶۵
گجراتي	۹۵۵۱۹۹۲
برمي	۸۴۲۳۲۵۶

هندوستان میں ۱۴۷ - زبانیں بولي جاتي هیں - ۲۳ - زبانیں دس لاکهه آدمیوں سے زیاده کے استعمال میں هیں -

(هندوستان میں بیوائیں سنه ۱۹۲۱ میں)

عورتوں کي مجموعي تعداد : ۱۵۴۹۴۶۹۲۶

بیواؤں کي مجموعي تعداد : ۲۶۸۳۴۸۳۸

(هندو)

هندو عورتوں كي مجموعي تعداد : ۱۰۵۸۲۱۸۲۵

هندو بيواؤں كي مجموعي تعداد : ۲۰۲۵۰۰۷۵

(مسلمان)

مسلمان عورتوں كي مجموعي تعداد : ۳۲۳۸۹۸۴۸

مسلمان بيواؤں كي مجموعي تعداد : ۴۷۱۲۵۶۳

(صوبوں میں بیوائیں)

صوبه	تعداد
مدراس	۳۰۴۶۸۱۲
بمبئي	۱۶۸۱۸۴۹
بنگال	۳۴۴۴۰۵۰
یو ٬ پي	۳۷۴۶۵۳۳
پنجاب	۱۲۳۷۷۰۵
برما	۷۳۱۷۳۹
بہار اوڑیسا	۳۲۱۱۳۱۰
صوبۂ متوسط	۱۱۵۵۸۹۲
آسام	۵۷۳۳۰۱
کل برطاني هند	۲۱۰۳۰۵۰۰

هندوستان میں اپاهجوں کي تعداد (سنه ۱۹۲۱ ع) میں

صوبه	دیوانے مرد	دیوانے عورتیں	بہرے گونگے مرد	بہرے گونگے عورتیں	اندھے مرد	اندھے عورتیں	کوڑھي مرد	کوڑھي عورتیں
مدراس	۵۰۳۵	۳۵۰۴	۱۱۹۴۷	۹۳۳۷	۱۸۲۳۰	۱۸۲۶۷	۱۱۶۰۹	۳۹۸۹
بمبئي	۵۸۰۲	۳۲۵۸	۶۵۰۲	۴۲۳۰	۱۶۹۶۹	۱۸۰۸۹	۵۵۳۵	۲۴۲۸
بنگال	۱۱۱۰۲	۷۷۹۱	۱۸۹۳۹	۱۲۳۲۵	۱۸۷۰۲	۱۴۷۶۶	۱۱۴۴۸	۴۰۰۳
یو ٬ پي	۴۸۳۷	۲۳۳۸	۱۴۳۱۱	۸۳۶۷	۵۰۷۷۹	۵۴۲۹۳	۱۰۱۰۶	۲۱۹۰
پنجاب	۴۱۱۱	۱۸۵۹	۱۱۷۹۳	۶۵۲۱	۲۹۱۶۶	۲۴۴۹	۱۱۸۸	۴۳۹
برما	۶۲۸۵	۵۲۸۸	۹۴۴۷	۵۴۳۰	۱۱۳۲۵	۱۳۱۹۸	۶۵۸۹	۳۱۷۶
بہار اوڑیسه	۲۳۳۴	۱۲۰۳	۱۱۴۲۳	۷۲۲۴	۱۳۸۵۲	۱۴۳۱۴	۷۸۴۲	۲۷۵۴
سي ٬ پي	۲۰۸۵	۱۲۱۸	۷۶۰۵	۵۲۰۲	۱۵۰۱۴	۲۲۴۸۲	۴۴۵۰	۲۷۶۶
آسام	۲۱۸۷	۱۵۶۵	۳۱۱۵	۲۲۵۵	۲۷۴۷	۳۴۵۹	۳۲۰۸	۱۱۰۲
کل برطاني هندوستان میں	۴۴۶۷۳	۲۸۲۳۴	۹۳۶۴۳	۶۱۷۸۳	۱۸۰۹۵۹	۱۸۶۱۷۶	۹۲۱۸۰	۲۲۹۴۲

(بیواؤں کي تعداد عمر کے اعتبار سے)

عمر					تعداد
۵ برس کي					۱۵۱۳۹
۵	برس سے	۱۰	برس تک کي		۱۰۲۲۹۳
۱۰	»	۱۵	»		۲۷۹۱۲۴
۱۵	»	۲۰	»		۵۱۷۸۹۸
۲۰	»	۲۵	»		۹۶۶۶۱۷
۲۵	»	۳۰	»		۱۵۱۶۰۴۷
۳۰	»	۳۵	»		۲۳۵۴۱۲۲
۳۵	»	۴۰	»		۲۲۳۲۵۶۹

(دنیا کے مختلف ملکوں میں شرح اموات هر هزار انسانوں میں)

	آبادي	سنه ۱۹۲۱ میں	سنه ۱۹۲۵ میں
امریکا	۱۰۰۰۰۰۰۰۰	۱۲٫۹	۹٫۵
انگلینڈ	۴۵۴۰۰۰۰۰	۱۴٫۶	۱۱٫۷
فرانس	۳۹۲۰۹۵۱۸	۱۳٫۷	۱۱٫۵
جرمني	۶۰۰۰۰۰۰۰	۱۶٫۴	۱۳٫۲
جاپان	۶۱۰۸۱۹۵۴	۱۶٫۲	۱۴٫۵
هندوستان	۳۱۹۳۶۱۰۰۰	۲۴٫۲	۳۰٫۲
ناروے	۲۶۰۰۰۰۰	۱۳٫۲	۱۱٫۸
نیوزیلینڈ	۱۲۰۰۰۰۰	۹٫۵	۹٫۲
سویڈن	۶۰۰۰۰۰۰	۱۳٫۸	۱۱٫۷

(شرح پیدائش سنه ۱۹۲۱ع میں)

امریکا	۱۹٫۵
انگلینڈ	۲۲٫۴
فرانس	۱۸٫۵
جرمني	۲۳٫۵
جاپان	۲۴
هندوستان	۳۱٫۸۳
نیوزیلینڈ	۲۱٫۹۴

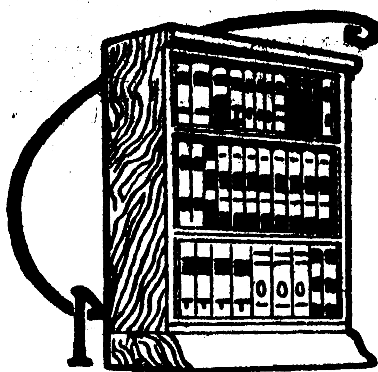
(دنیا کے بڑے بڑے ملکوں میں اوسط عمر سنه ۱۹۲۵ع)

(سال)

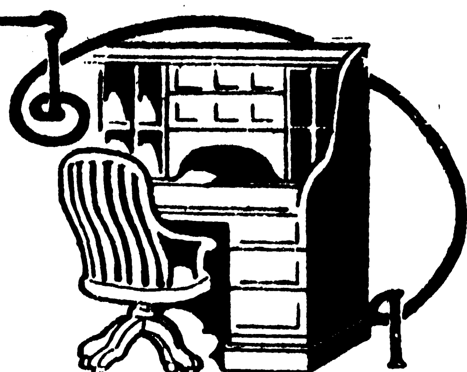
انگلینڈ اور ویلس	۵۱٫۵
ولایات متحدۂ امریکا	۵۵٫۵
نیوزیلینڈ	۶۰٫۰
فرانس	۴۸٫۵
جرمني	۴۷٫۴
اٹلي	۴۷٫۰
جاپان	۴۴٫۳
هندوستان	۲۳٫۷

(دنیا کے بڑے بڑے ملکوں میں بچوں کي شرح اموات في هزار)

انگلینڈ اور ویلس	۵۷
فرانس	۸۵
بلجیم	۱۰۷
جرمني	۱۰۸
اسپین	۱۴۵
اٹلي	۱۶۱
جاپان	۱۶۶
هندوستان	۱۹۴
نیوزیلینڈ	۴۵



مقالات



مستشرقین اور استشراق

(عربوں اور اهل یورپ کے علائق)

عربوں کا اهل یورپ سے تصادم اور اتصال اُس وقت سے شروع هوتا هے ' جب عربوں نے شام و مصر اور دوسرے رومي مقبوضات پر فاتحانه اقدام کیا تها - اسپین اور پرتگال کي فتح نے عربوں کو خود یورپ میں پهنچا دیا - پهر جب دوسري ' تیسري ' اور چوتهي صدي هجري میں بنو امیه نے اپني خلافت اندلس میں قائم کرلي ' تو یورپ سے تعلقات اور بهي زیاده هوگیے - تیسري صدي میں جزیرهٔ سسلي کي فتح اور جنوبي اٹلي میں عربي اثر نے یه تعلقات اور زیاده وسیع کر دیے -

اِس کے بعد صلیبي جنگوں کے زمانے میں تصادم و اتصال نهایت سخت هوگیا - اهل یورپ مشرق کا تمدن ' اخلاق ' اور علوم دیکهه کر دنگ هوگئے - مال و جان کے بے شمار نقصان کے ساتهه ' تمدني ' علمي ' اخلاقي فوائد بهي بے شمار حاصل کیے - بهت سے صلیبي مجاهدین نے عربي زبان کي باقاعده تحصیل کي - اُن کے متعدد امراء اور سپه سالار عربي زبان اور عربي تمدن کے دل سے حامي هوگئے -

(یورپ پر عربوں کا علمي اثر)

یورپ میں عربي زبان اور تمدن کي مقبولیت کا آغاز اِس سے پہلے هوچکا تها - یورپ کے مختلف ممالک سے طالب علم اسلامي اسپین میں آتے تے اور مسلمان اساتذه سے تعلیم حاصل کرتے تے - خود پوپ سلوسٹر دوم ' جو سنه ٩٩٩ ع میں پاپائیت کے منصب پر پهنچا ' عربوں کا شاگرد تها - اِس نے قرطبه اور اشبیلیه میں مسلمان علماء سے ریاضي ' هیئت ' اور جغرافیه کي تعلیم حاصل کي تهي - اِسي طرح شاه لیون اور اسٹوریا نے بهي قرطبه میں علم طب حاصل کیا تها -

والٹیر کا بیان هے که قدیم زمانے میں تمام یورپین بادشاه ' عرب اور اُن کے شاگرد یهودي اطباء اپنے درباروں میں رکهتے تے - اور اسپین اور اُس کے پڑوسي ممالک کے بکثرت مسیحي باشندے بهي عربي زبان کي تحصیل کرتے تے ' تاکه عربي سلطنت میں ملازمت حاصل کرسکیں یا عربي ممالک میں تجارت کریں -

(مسیحي تبلیغ اور عربي زبان)

چودهویں صدي کے اوائل میں عربي زبان کے لیے یورپ میں ایک خاص سرگرمي پیدا هوگئي - روم کے پوپ نے قرون وسطی میں رهبانیت کا ایک نیا نظام جاري کیا تاکه ایشیا ' افریقا ' اسپین ' اور سسلي کے غیر مسیحي باشندوں میں مسیحیت کي تبلیغ کي جائے - لیکن تجربے سے معلوم هوگیا که اِس مقصد میں کامیابي نهیں

(برطاني هندستان میں شرح پیدائش و موت سنه ١٩٢٤ ع)

صوبه	آبادي	تناسب پیدائش	مجموعي تعداد پیدائش	تناسب اموات	بچوں کا تناسب اموات	مجموعي تعداد اموات	بخار سے	هیضه سے	چیچک سے	تنفس کي بیماریوں سے
مدراس	٤١٠٠٢٦٠٦	٣٤٫٦٩	١٤٬٣٠٬٨٥٨	٢٤٫٦٥	١٧٩٫٠٢	١٠٬٠٦٬٠٤٣	٣٬٢٤٬٢٥٦	٥١٬٩٧١	١٨٬٨١٠	٦٤٬٧٨٢
بمبئي	١٩١٥٥٦١٤	٣٥٫٦٩	٦٬٧٩٬٣٢١	٢٧٫٦٣	١٩٠٫٣٦	٥٬٢٩٬٥٧٦	٢٬١٤٬٥٦٣	٨٬٢٣٦	١١٬١٥٢	٢٨٬٩٢٦
بنگال	٤٦٥٢٢٢٩٣	٢٩٫٥	١٣٬٧٠٬١١٤	٢٥٫٩	١٨٣٫٩	١٢٬٠٣٬٢٤١	٩٬١٢٬٤٠٣	٤٨٬٥١٤	٥٬٥٦٧	٢٦٬٦٤٩
يو ' پي	٤٥٣٧٥٧٨٧	٣٤٫٧٢	١٥٬٧٣٬٨١٠	٢٨٫٢٩	١٩١٫٦٠	١٢٬٨٣٬٨٧٢	٩٬٤٧٬٨٠٧	٦٧٬٠٠٠	٢٬٧٢٤	٢٧٬٤١٢
پنجاب	٢٠٥١٧٦٠٦	٤٠٫١	٨٬٢١٬٦٨٥	٤٣٫٤٣	٢١٢٫٤٩	٨٬٩١٬٠٢٦	٤٬٥٢٬١٨٧	٣٬٣٥١	٤٬٠٤٠	٥٤٬٤٨٨
برما	١٠٨٢٢٦١٨	٢٧٫٤٠	٢٬٩٣٬٥٨٥	٢١٫٥١	١٩٧٫٤٢	٢٬٣٣٬١٦٤	٧٥٬٢٨٨	٨٬٠٨٣	٢٬٥٠١	١١٬٠٩٨
بهار اڑیسه	٣٤٠٠٢١٩٨	٣٥٫٧	١٢٬١٤٬١٤٦	٢٩٫١	١٥٨٫٢٠	٩٬٨٩٬٧٦٣	١٬١٠٬٦٣٥	٧٧٬٤٨٠	٦٬٩٣٢	٦٬٩٠٦
سي ' پي	١٣٩١٢٧٦٠	٤٤٫١٨	٣٬١٤٬٦٦٨	٣٢٫٩٩	٢٣٤٫٥٠	٤٬٥٣٬٣٦٢	٢٬٤٠٬٩٤٤	٩٬٧٠٤	٩٧٨	٣٧٬١٣٦
آسام	٦٨٥٢٢٤٢	٣١٫٠٤	٢٬١٢٬٧٥٥	٢٧٫٣٠	١٨٤٫٣٢	١٬٨٧٬١٢٧	١٬١٣٬١٩٨	١٩٬١٨٢	١٬٦٤٧	٦٬٧٠٨
کل برطاني هند	٢٤١٤٦٩٠٢٦	٣١٫٤٤	٨٣٬١٧٬٤٠٣	٢٨٫٤٩	١٨٨٫٣٣	٦٨٬٧٩٬٢٨٦	٤٠٬٠٧٬٦٦٢	٢٬٩٣٬٧٠٧	٥٥٬٣٨٠	٣٬٣٣٬٦٣٦

"کمیونیزم" اور اُسکے مقاصد

(۳)

(مزدور اور کمیونسٹ)

تمام پچھلي سوسائٹیوں کي تعمیر ' جیسا کہ بیان ہوا ' ظالم اور مظلوم جماعتون کي باہمي دشمني کي بنیادوں پر ہوئي تھي - لیکن کسي جماعت پر ظلم جاري رکھنے کیلیے کم سے کم یہ ضروري ہے کہ اُسے اُن حالات کي ضمانت دیدني جائے ' جو اُسکا غلامانہ وجود برقرار رکھہ سکیں - قدیم سوسائٹي میں یہ بات حاصل تھي ' چنانچہ لگانی اسامیوں نے جاگیرداري کے عہد ھي میں نیابي مجالس کي ممبري کا حق حاصل کر لیا تھا - لیکن موجودہ سرمایہ دار عہد میں مزدوروں کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے - وہ صنعت کي ترقي کے ساتھہ ساتھہ بڑھنے اور اونچا ہونے کي جگہ اپنے معاشرتي حالات کے بھنور میں اور بھي زیادہ غرق ہوتے چلے جاتے ھیں - حتى نان شبینہ تک کو محتاج ہوگئے ھیں - انکي محتاجي کہیں ختم نہیں ہوتي ' بلکہ آبادي اور دولت کي ترقي سے بھي زیادہ تیزي کے ساتھہ بڑہ رہي ہے !

پس یہ بات صاف ہے کہ اب سرمایہ دار نہ تو سوسائٹي کے اندر اپني حکمراں حیثیت برقرار رکھنے کي اہلیت رکھتے ھیں ' اور نہ اپنے جماعتي معاشرتي نظام کو بطور ایک برتر قانون کے اسپر عائد کر سکتے ھیں - اب وہ حکومت کرنے کے قابل ھي نہ رہے :- وہ اپنے غلاموں کو انکے غلامانہ وجود کي بھي ضمانت نہیں دے سکتے - اب سوسائٹي ہرگز سرمایہ دار طبقہ کے ماتحت نہیں رہ سکتي - کیونکہ اسکا وجود سوسائٹي کیلیے مفید نہیں رہا -

سرمایہ دار طبقہ اور سرمایہ دار حکومت کي بنیاد اُجرتي محنت پر ہے ' اور اُجرتي محنت کا دار و مدار مزدوروں کے باہمي مقابلہ پر ہے - صنعت کي ترقي ' جسکا خود ساختہ اور نا قابل مقابلہ ایجنٹ سرمایہ دار ہے ' مزدوروں کي باہمي پھوٹ کو ایک انقلابي اتحاد سے بدل رہي ہے ' اور وہ انجمنوں کي صورت میں ظہور پذیر ہو رہا ہے -

لہذا موجودہ صنعت کي ترقي کے ساتھہ ساتھہ سرمایہ دار طبقہ کي وہ بنیاد بھي کٹ کٹ کر اسکے پیروں کے نیچے سے نکل رہي ہے جسپر اسکي پیداوار اور تصرف کا نظام قائم ہے - وہ اسکي پیداوار ھي ہے جو اب سب سے زیادہ اسکي دشمني پر تل گئي ہے اور اسکي لاش کیلیے قبر کھود رہي ہے - سرمایہ داروں کا زوال اور مزدوروں کي فتح دو برابر درجہ کي اٹل چیزیں ہوگئي ھیں -

(٤)

جب جب معاشرتي حالات میں کوئي تاریخي تبدیلي ہوئي ہے ' تو تمام املاکي رشتوں میں بھي مسلسل تاریخي تبدیلیاں رونما ہوئي ھیں - مثلاً انقلاب فرانس نے سرمایہ دارانہ ملکیت کي حمایت میں جاگیر دارانہ ملکیت منسوخ کردي تھي -

کمیونزم کي امتیازي خصوصیت عام ملکیت کي منسوخي نہیں ہے ' بلکہ صرف سرمایہ دارانہ ملکیت کي منسوخي ہے - موجودہ سرمایہ دارانہ ملکیت ایک انتہائي اور کامل ظہور ہے پیداوار اور اسکے استعمال کے اُس نظام کا ' جو سراسر جماعتي نزاع اور باہمي تخریب پر مبني ہے -

کمیونسٹ اپنے نظریہ کو صرف ایک جملہ میں بیان کر سکتے ھیں - " سرمایہ دارانہ نہج کي ملکیت کي منسوخي "

ہم کمیونسٹوں کو ملامت کي جاتي ہے کہ ہم شخصي ملکیت منسوخ کر دیني چاھتے ھیں جو محنت سے حاصل کي گئي ہے ' اور جسکے متعلق دعوى کیا جاتا ہے کہ شخصي آزادي ' جماعتي جد جہد ' اور قومي خود مختاري کي بنیاد ہے -

" بڑي دشواري سے حاصل کي ہوئي ' خود کمائي ہوئي ' خود جمع کي ہوئي ملکیت ! " کیا اِس قول سے تمہارا مقصود چھوٹے چھوٹے سوداگروں اور کسانوں کي ملکیت ہے جو سرمایہ دارانہ ملکیت کا ہیولي پیش کرتي ہے ؟ ہمیں اسکے منسوخ کرنے کي کوئي ضرورت نہیں - صنعت کي ترقي نے خود ھي اُسے منسوخ کردیا ہے اور برابر کر رہي ہے -

یا تمہارا مقصود موجودہ سرمایہ دارانہ ملکیت ہے ؟

کیا اجرتي محنت ' یعني مزدور کي محنت خود مزدور کیلیے کوئي ملکیت پیدا کرتي ہے ؟ ہرگز نہیں - وہ تو صرف " سرمایہ " پیدا کرتي ہے - یعني " ملکیت " پیدا کرتي ہے جو اجرتي محنت سے فائدہ اٹھاتي ہے ' اور صرف اسي حالت میں بڑہ سکتي ہے جبکہ اجرتي محنت کي نئي نکاس برابر ہوتي رہے - ملکیت اپني موجودہ شکل میں سرمایہ اور اجرتي محنت کي باہمي نزاع پر قائم ہے - آؤ ہم اِس نزاع کے دونوں پہلؤں کي جانچ کرلیں !

سرمایہ داري في نفسہ کوئي شخصي پیداوار نہیں ہے ' بلکہ سرتاسر اجتماعي حیثیت رکھتي ہے - کیونکہ سوسائٹي کے بے شمار ارکان کے متعدد عمل سے وجود میں آتي ہے -

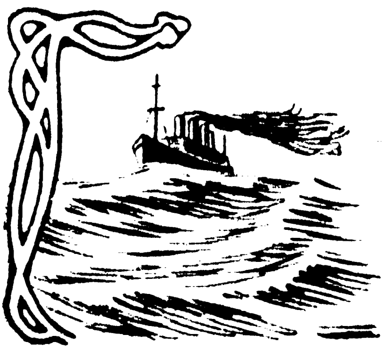
اسي طرح سرمایہ بھي شخصي نہیں ہے ' بلکہ ایک اجتماعي طاقت کا نام ہے -

لہذا جب سرمایہ ' عام ملکیت کي صورت میں بدل دیا جاتا ہے ' یعني سوسائٹي کے تمام ارکان کي ملک بنا دیا جاتا ہے ' تو یہ کہنا صحیح نہیں کہ شخصي ملکیت عام ملکیت بنا دي گئي - کیونکہ یہاں شخصي ملکیت کا وجود ھي نہیں تھا - البتہ جو چیز بدلي جاتي ہے ' وہ ملکیت کي صرف معاشرتي حیثیت ہے - یعني ملکیت سوسائٹي میں اپني انفرادي طاقت کھو دیتي ہے -

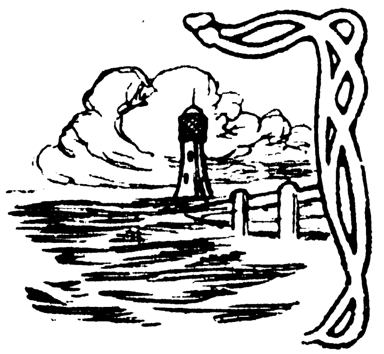
اب ہم اجرتي محنت کا مسئلہ لیتے ھیں :

اجرتي محنت کي اوسط شرح کم سے کم ہے - یعني مزدور کو اتني رقم ملتي ہے ' جس سے وہ بمشکل اپني زندگي قائم رکھہ سکتا ہے - پس اس طرح مزدور اپني محنت سے جتني اجرت حاصل کرتا ہے ' وہ اتني کم ہوتي ہے ' جس سے اسکي نہایت سادہ زندگي کي ضمانت ہو سکتي ہے - ہم کسي طرح بھي محنت کي پیداوار کا یہ شخصي استعمال منسوخ کرنا نہیں چاھتے - ایسا استعمال جو انساني زندگي کے بقاء اور دوام نسل کیلیے نا گزیر ہے - البتہ ہم اِس استعمال کي وہ افسوسناک حیثیت ضرور مٹا دیني چاھتے ھیں جسکي وجہ سے مزدور صرف سرمایہ بڑھانے کیلیے زندہ رہتے ھیں ' اور صرف اتنے عرصہ تک زندہ رہتے ھیں ' جبتک حکمران طبقہ کے مفاد کو انکي ضرورت رہتي ہے -

سرمایہ دارانہ سوسائٹي میں ہمیشہ ماضي ' حال پر حکومت کرتا ہے - لیکن کمیونسٹ سوسائٹي میں حال ' ماضي پر حکمران ہوتا ہے - سرمایہ دارانہ سوسائٹي میں سرمایہ ' آزاد اور مستقل



بريد فرنگ



يورپ ميں ايک مشرقي درويش

علماء و اطباء کي حيراني

طاهر بے جو زمين ميں زندہ مدفون هوجاتا هے !

قارئين الهلال کو ياد هوگا کہ گزشتہ سال ريوٹر ايجنسي نے پيرس سے يہ خبر شائع کي تهي کہ " طاهر بے نامي ايک مشرقي درويش کے اعمال نے تمام پيرس ميں دلچسپي پيدا کردي هے - بڑے بڑے ڈاکٹروں کي ايک جماعت نے اس کے اعمال کا مطالعہ کيا هے ' اور ان کے بے لاگ هونے کي شهادت دي هے "

آج کل يہ شخص انگلستان ميں هے - گريفک کے مقالہ نگار نے ايک مبسوط مقالہ لکهه کر اس کي شخصيت سے دنيا کا تعارف کرايا هے اور اس کے مختلف اعمال و غرائب کي تصويريں بهي شائع کي هيں - مقالہ نگار لکهتا هے :

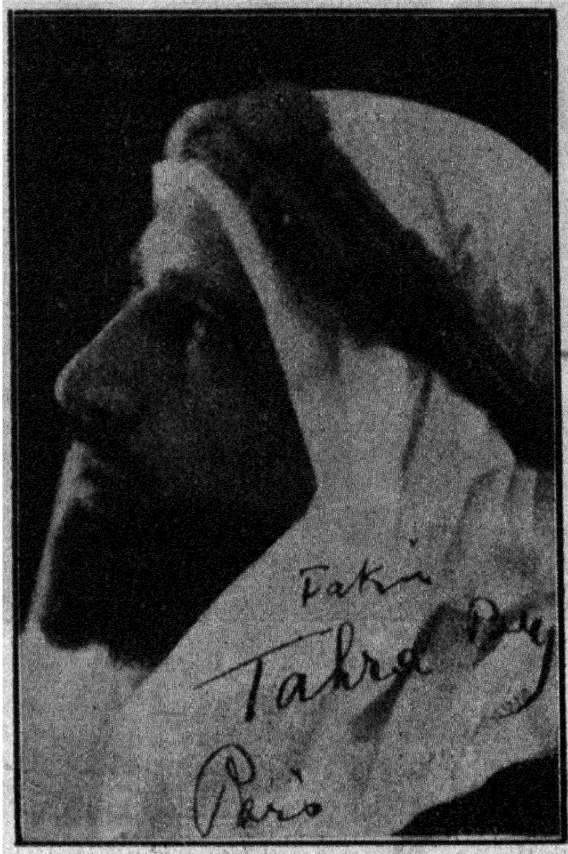
" پيرس ميں گزشتہ دو سال سے وقتاً فوقتاً ايک پر اسرار شخصيت ديکهنے ميں آئي هے - يہ ميانہ قد آدمي جسکے بدن کا رنگ زيتون کا سا اور ڈاڑهي سياہ هے ' پوري مغربي نفاست کے ساتهہ ملبوس رهتا هے - اس کے مطمئن چهرے سے ظاهر هوتا هے کہ اس جوان نے بهت دنوں سے اپنے دل کي صفائي کا راز جان ليا هے - يہ پر اسرار شخص مشهور درويش طاهر بے هے ' جس نے گذشتہ ڈهائي سال سے يورپ کو اپنے کمالات سے حيرت ميں ڈال ديا هے -

يہ سنہ ۱۸۹۷ع ميں طنجہ ميں پيدا هوا - اسکي پيدائش کے وقت هي اسکي ماں کا انتقال هوگيا تها - اسليے تعليم و تربيت کے لئے قديم دستور کے مطابق فقراء کے گروہ ميں رکهديا گيا ' اور اس طرح ابتدا هي سے فقيري کي آب و هوا ميں نشو و نما پائي - سنہ ۱۹۰۵ - ميں قسطنطنيہ آيا اور ترکي لڑکوں کي طرح معمولي تعليم حاصل کي - اسکے بعد اس نے علم طب پڑهکر طبيب کي سند حاصل کرلي -

اسکي زندگي خاموش مطالعہ اور غور و فکر ميں گزري هے ' اور جبتک اس نے اپنے ابا و اجداد کا پر اسرار علم حاصل نہيں کر ليا ' لوگوں کو اس کے کمالات کي کوئي خبر نہيں هوئي - سنہ ۱۹۱۹ع ميں اس نے ايک جمعيت قائم کي جسکا مقصد يہ تها کہ دنيا کے تمام ڈاکٹروں اور فلسفيوں کے سامنے روحانيت کے مسائل اور تجارب پيش کرے -

يورپ ' جنوبي امريکہ ' اور انگليند کے بڑے بڑے شهروں ميں طاهر بے نے صرف ڈاکٹروں هي کو نہيں بلکہ عامۃ الناس کو بهي عجيب عجيب اعمال دکهلائے هيں جنکي کوئي علمي توجيہ ابتک نہيں کي جا سکي -

پہلے پہل جولائي سنہ ۱۹۲۵ ميں يہ پيرس ميں وارد هوا - وہ چند ماہ اٹلي ميں بهي گزار چکا تها - روم ' نيپاس ' پيلرمو ' فلورنس ' اور بولونا ميں اس نے اپنے تجربے علم کے بڑے بڑے ماهرين کو دکهلائے تهے - کئي هفتوں تک اطالوي اخبارات اس کے کار ناموں سے لبريز رهے - روم ميں ارکان حکومت اور سفارتي عملہ کے سامنے اس نے اپنے فن کے مظاهرے کيے - خود مسوليني نے بهي چند بار چيگي محل ميں اس کا استقبال کيا تها - شاہ وکٹر ايمينوئل نے بهي اپنے حضور ميں بلايا - شاہ جارج پنجم نے بهي جو ان دنوں پيلرمو ميں مقيم تهے ' اس کے اعمال ديکهنے کي خواهش ظاهر کي -

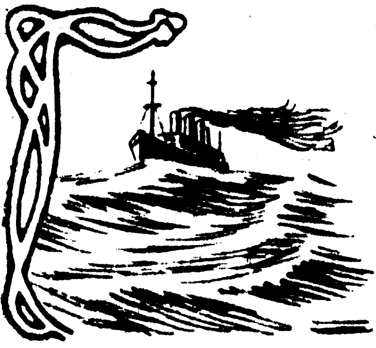


طاهر بے

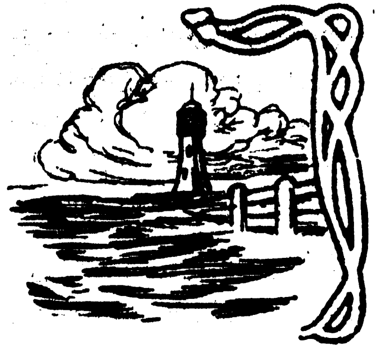
پيرس ميں پہلے علماء نے ايک خاص جلسہ ميں اسکے کمالات کا مشاهدہ کيا تها جهاں پيرس کے مشهور اخبارات کے نمايندے بهي بلائے گئے تهے - يہ واقعہ هے کہ فرانسيسي علماء اس کے اعمال ديکهکر حيرت زدہ هو گئے اور متفقہ طور پر يہ رائے قائم کي کہ " اسکے اعمال شعبدہ بازي سے پاک هيں " لندن کے ايک بڑے تهيٹر ميں بهي جهاں کي ايک کرسي بهي خالي نہيں رهي تهي ' اسکے کمالات ديکهے گئے - چونکہ تقريباً تيس آدمي بيهوش هوگئے تهے ' اسليے اسکا عام مظاهرہ بند کرديا گيا !

خود طاهر بے کا بيان يہ هے کہ " ميرے کام ميں کوئي شعبدہ نہيں هے - ميں اپنے اسرار ظاهر کر دينے کے ليے راضي هوں ' مگر ميرا دعوى هے کہ سوائے خاص خاص فقراء کے اور کوئي شخص يہ کمالات حاصل نہيں کر سکتا "

وہ کهتا هے " فقيروں کي روحاني قوت بهت مضبوط هوا کرتي هے - انکي تعليم تين مهينے کي عمر هي سے شروع هو جاتي هے "



بریدِ فرنگ



یورپ میں ایک مشرقي درویش

علماء و اطباء کي حیراني

طاهر بے جو زمین میں زندہ مدفون هوجاتا هے !

قارئین الهلال کو یاد هوگا که گزشته سال رویٹر ایجنسي نے پیرس سے یه خبر شائع کي تهي که " طاهر بے نامي ایک مشرقي درویش کے اعمال نے تمام پیرس میں دلچسپي پیدا کردي هے - بڑے بڑے ڈاکٹروں کي ایک جماعت نے اس کے اعمال کا مطالعه کیا هے ' اور ان کے بے لاگ هونے کي شهادت دي هے "

آج کل یه شخص انگلستان میں هے - گریفک کے مقاله نگار نے ایک مبسوط مقاله لکهه کر اس کي شخصیت سے دنیا کا تعارف کرایا هے اور اس کے مختلف اعمال و غرائب کي تصویریں بهي شائع کي هیں - مقاله نگار لکهتا هے :

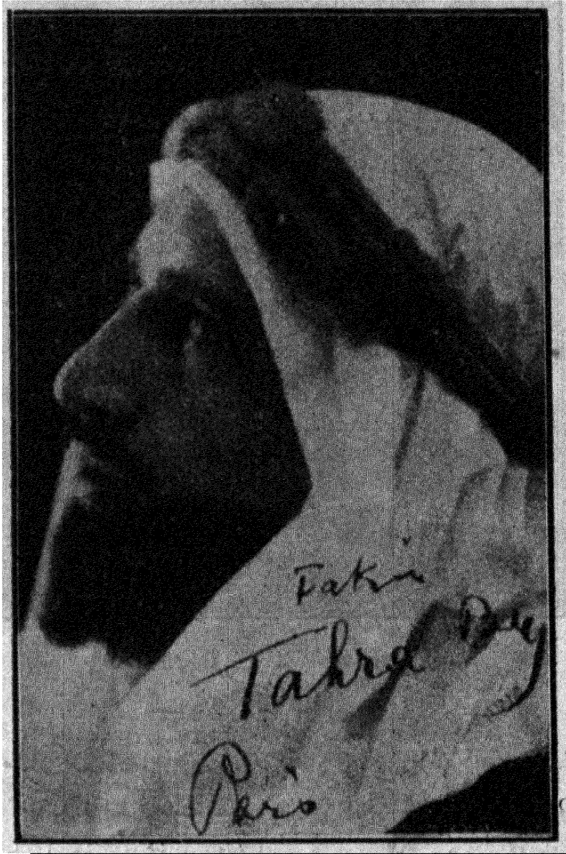
" پیرس میں گزشته دو سال سے وقتاً فوقتاً ایک پر اسرار شخصیت دیکهنے میں آئي هے - یه میانه قد آدمي جسکے بدن کا رنگ زیتون کا سا اور ڈاڑهي سیاه هے ' پوري مغربي نفاست کے ساتهه ملبوس رهتا هے - اس کے مطمئن چهرے سے ظاهر هوتا هے که اس جوان نے بهت دنوں سے اپنے دل کي صفائي کا راز جان لیا هے - یه پر اسرار شخص مشهور درویش طاهر بے هے ' جس نے گزشته ڈهائي سال سے یورپ کو اپنے کمالات سے حیرت میں ڈال دیا هے -

یه سنه ۱۸۹۷ع میں طنجه میں پیدا هوا - اسکي پیدائش کے وقت هي اسکي ماں کا انتقال هوگیا تها - اسلیے تعلیم و تربیت کے لئے قدیم دستور کے مطابق فقراء کے گروہ میں رکهدیا گیا ' اور اس طرح ابتدا هي سے فقیري کي آب و هوا میں نشو و نما پائي - سنه ۱۹۰۵ - میں قسطنطنیه آیا اور ترکي لڑکوں کي طرح معمولي تعلیم حاصل کي - اسکے بعد اس نے علم طب پڑهکر طبیب کي سند حاصل کرلي -

اسکي زندگي خاموشي ' مطالعه اور غور و فکر میں گزري هے ' اور جبتک اس نے اپنے ابا و اجداد کا پر اسرار علم حاصل نہیں کر لیا ' لوگوں کو اس کے کمالات کي کوئي خبر نہیں هوئي - سنه ۱۹۱۹ع میں اس نے ایک جمعیت قائم کي جسکا مقصد یه تها که دنیا کے تمام ڈاکٹروں اور فلسفیوں کے سامنے روحانیت کے مسائل اور تجارب پیش کرے -

یورپ ' جنوبي امریکه ' اور انگلینڈ کے بڑے بڑے شهروں میں طاهر بے نے صرف ڈاکٹروں هي کو نہیں بلکه عامة الناس کو بهي عجیب عجیب اعمال دکهلائے هیں جنکي کوئي علمي توجیه ابتک نہیں کي جا سکي -

پہلے پہل جولائي سنه ۱۹۲۵ میں یه پیرس میں وارد هوا - وہ چند ماہ اٹلي میں بهي گزار چکا تها - روم ' نیپاس ' پیلرمو ' فلورنس ' اور بولونا میں اس نے اپنے تجربے علم کے بڑے بڑے ماهرین کو دکهلائے تهے - کئي هفتوں تک اطالوي اخبارات اس کے کار ناموں سے لبریز رهے - روم میں ارکان حکومت اور سفارتي عمله کے سامنے اس نے اپنے فن کے مظاهرے کیے - خود مسولیني نے بهي چند بار چیگي محل میں اس کا استقبال کیا تها - شاہ وکٹر ایمینوئل نے بهي اپنے حضور میں بلایا - شاہ جارج پنجم نے بهي جو ان دنوں پیلرمو میں مقیم تهے ' اس کے اعمال دیکهنے کي خواهش ظاهر کي -



طاهر بے

پیرس میں پہلے علماء نے ایک خاص جلسه میں اسکے کمالات کا مشاهدہ کیا تها جهاں پیرس کے مشهور اخبارات کے نمایندے بهي بلائے گئے تهے - یه واقعه هے که فرانسیسي علماء اس کے اعمال دیکهکر حیرت زدہ هو گئے اور متفقه طور پر یه رائے قائم کي که " اسکے اعمال شعبدہ بازي سے پاک هیں " لندن کے ایک بڑے تهیٹر میں بهي جهاں کي ایک کرسي بهي خالي نہیں رهي تهي ' اسکے کمالات دیکهے گئے - چونکه تقریباً تیس آدمي بیهوش هوگئے تهے ' اسلیے اسکا عام مظاهرہ بند کردیا گیا !

خود طاهر بے کا بیان یه هے که " میرے کام میں کوئي شعبدہ نہیں هے - میں اپنے اسرار ظاهر کردینے کے لیے راضي هوں ' مگر میرا دعوی هے که سواے خاص خاص فقراء کے اور کوئي شخص یه کمالات حاصل نہیں کر سکتا "

وہ کهتا هے " فقیروں کي روحاني قوت بهت مضبوط هوا کرتي هے - انکي تعلیم تین مهینے کي عمر هي سے شروع هو جاتي هے "

اسکا دعوی ہے کہ انہیں زخم یا ضرب شدید کا احساس نہیں ہوتا ' یہ اپنے آپ پر کامل سکتہ کی سی حالت طاری کر دے سکتے ہیں - سانس روک لیتے ہیں - زندہ دفن کر دیے جاسکتے ہیں - اپنی زندگی اور اپنے خیالات پر قابو رکھتے ہیں ' اور نیک و بد ارواح کو بلا سکتے ہیں "

" زندگی کا ابدی معما حل کرنے کے لیے فقراء موت کی عمیق غار میں اترتے ہیں - جس طرح غواص سمندر کی تہ تک پہنچ جاتا ہے - ان کی جسمانی موت ' غفلت اور نسیان کی نیند کو ایک ایسی حد تک پہونچا دیتی ہے ' جہاں سے جسم کے مرکب حصوں کی تفریق شروع ہوجاتی ہے ' اور جہاں روح جسم سے الگ ہونا چاہتی ہے "

طاہر بے اپنے ابتدائی اعمال کی نمائش کے بعد اپنے آپ کو زندہ مدفون کرا دیتا ہے جس میں تماشائیوں کی خواہش کے مطابق دس منٹ سے لیکر نصف گھنٹے تک کا وقفہ ہوتا ہے - اُس پر ایک سکتہ کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے - اُس کے کان ' ناک ' اور منہ روئی سے بند کردیے جاتے ہیں - اُس کے بعد ایک تابوت میں لٹا کر اُسے بالو سے بھر دیا جاتا ہے ' اور تابوت زمین کے اندر دفن کردیا جاتا ہے - جب وقت پورا ہوجاتا ہے تو تابوت نکالا جاتا ہے ' اور چند سکنڈ کے بعد طاہر بے کا سکتہ ختم ہوجاتا ہے - تابوت سے نکالے جانے کے وقت وہ اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہوسکتا اور جسم کا رنگ دھندلا مٹیالا ہو جاتا ہے - طاہر بے کے بیان کے مطابق رنگ کی یہ تبدیلی اِس لیے واقع ہوتی ہے کہ جتنی دیر تک وہ تابوت کے اندر رہتا ہے ' دوران خون بند ہوجاتا ہے - اس کا قول ہے کہ اگر اپنے آپ پر سکتہ کی حالت طاری نہ کریں تو ہوا کے بغیر دس منٹ کے اندر مرجاؤں - بہت دن گزرے ' دفن کا یہ طریقہ مصر میں بھی مروج تھا - ساحروں نے مجرموں کی سزا کے لیے یہ چیز ایجاد کی تھی - کیونکہ زندگی کی قدر و منزلت جو دینی طور پر ضروری سمجھی گئی تھی ' کسی انسان کیلیے سزائے موت جائز نہیں رکھتی تھی - مجرم صرف عارضی طور پر دفن کر کے پھر باہر نکال دیے جاتے تھے - تجربہ سے اندازہ کیا گیا تھا کہ اگر ایسی سزا متواتر دی جائے اور مجموعی سزا کا وقفہ ایک سال ہوجائے ' تو مجرم کی عمر طبیعی دو سال گھٹ جاتی تھی ' کیونکہ اس طویل جمود و سکوت کی حالت میں جسم کے رگ اور پٹھے تنگ جاتے تھے ' اور ان کی قوت کم ہوجاتی تھی -

لیکن انہیں ساحروں کا یہ مقولہ بھی ہے کہ اگر یہ ذرا ذرا چھوٹی چھوٹی خوراکوں میں دیجائے تو بہت سے امراض کیلیے مفید ہوتی ہے -

ایک مزید انکشاف طاہر بے کے تجربوں کیلیے باقی ہے - وہ یہ کہ جسم جب مٹی کے اندر مدفون ہوجاتا ہے تو دماغ کی نشوونما تیزی سے بڑھنا شروع ہوجاتی ہے - یہ خیال پیش نظر رکھکر وہ اب مصر جانے والا ہے - وہاں وہ بڑے بڑے وقفوں کیلیے مدفون رہیگا جنکا مجموعی وقفہ تین سال تک کا ہوگا - وہ کہتا ہے کہ اس عمل سے جسم آہستہ آہستہ متغیر ہوجایگا مگر دماغ سو گنا زیادہ ترقی کر جائے گا !

طاہر کی عمر تیس سال کی ہے مگر علمی تجربوں کیلیے وہ اپنی زندگی کے پورے تین سال وقف کردیگا - وہ کہتا ہے کہ اگر دس پانچ برس اور نکل گئے ' تو اس تجربہ کا موقعہ باقی نہیں رہیگا - جوانی گذر جانے کے بعد انسان اس طویل جسمانی سکون و جمود کی حالت برداشت نہیں کر سکتا -

طاہر بے کے اعمال موجودہ انسانی فہم و ادراک سے بالاتر ہیں - وہ ایک ایسی راہ کا سالک ہے جسکا مغربی دماغ ادراک نہیں کر سکتا - وہ اپنے چہرے ' گردن ' بازو ' اور پیروں کو لوہے کی سلاخوں یا چھریوں سے چھید دیتا ہے - جب اسکے سینے سے خنجر باہر نکالا جاتا ہے تو نہایت تیزی سے خون کی دھار بہنے لگتی ہے -



طاہر بے تابوت سے نکالا گیا ہے اور ایک ڈاکٹر اسے کھڑا کر رہا ہے

اور جب تماشائی یقین کر چکتے ہیں کہ واقعی خون ہی ہے ' تو وہ یکایک خون کا بہنا روک لیتا ہے - وہ اپنی نبض کی رفتار تیز اور سست کر سکتا ہے - وہ ایک ایسے تختہ پر جس پر لوہے کی نوکدار کیلیں جڑی ہوئی ہوتی ہیں ' لیٹ جاتا ہے ' اور ایک سو پچھتر پاونڈ کا پتھر اسکے پیٹ پر رکھکر لوہے کے بھاری ہتوڑے سے چور چور کردیا جاتا ہے - پھر وہ اٹھا کر کھڑا کردیا جاتا ہے ' اور ایک سکنڈ کے اندر اپنی اصلی حالت میں واپس آ جاتا ہے !

کیا پتھر کا ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا کوئی نظر کا دھوکا یا شعبدہ ہے ؟ بعض اشخاص کا خیال ہے کہ اس عمل کے دوران میں سب لوگ مسمریزمی عمل سے مسحور کر دیے جاتے ہیں ' اور انہیں وہی نظر آتا ہے جو عامل چاہتا ہے !

گذشتہ سال لندن تھیٹر کے منیجر مسٹر شوبرٹ طاہر بے سے ملنے پیرس گئے تھے تا کہ امریکہ جانے کے معاملہ پر اس سے گفتگو کریں - لیکن اُسکے سینے سے خون بہتا دیکھکر انہیں غش آ گیا - وہ بہ مشکل اس لائق ہوئے کہ واپس آ کر اُسکے مدفون کر دینے کا عمل دیکھہ سکیں - انہیں یقین ہوگیا ہے کہ یہ فقیر ایک ساحر ہے "

اگر یورپ کے علماء ' مشرق کے قدیم نفسیاتی علوم سے واقف ہوتے ' اور انہیں معلوم ہوتا کہ حبس نفس کی مشق علم وظائف اعضا (فزیالوجی) کے قوانین پر کیسا عجیب اثر ڈال سکتی ہے ' تو وہ طاہر بے کے اِن اعمال پر متعجب نہ ہوتے - اب سے تقریباً چار سو برس پہلے شیخ عبد الوہاب شعرانی نے قاہرہ میں خود اپنی آنکھوں سے یہ تمام اعمال دیکھے تھے ' اگرچہ وہ انکی صحیح تعلیل نہ کر سکے -



حجة ابراهيمي

آية كريمه " الم تر الي الذي حاج ابراهيم " كي تفسير

قرآن حكيم كا أسلوب بيان اور طريق استدلال

تفسير كا قرآني اور غير قرآني طريق

(از مولانا ابو الكلام)

الهلال نمبر (۱۵) ميں جناب مولوي عبد الحق صاحب كا جو استفسار آيةٔ مندرجهٔ عنوان كي نسبت شائع هوا تها ' أس كا جواب حسب ذيل هے :

(۱) قرآن حكيم كے مطالعهٔ و تدبر ميں آپ كو جو مشكلات پيش آ رهي هيں ' وه أس وقت تك پيش آتي رهينگي ' جب تك كه اس بارے ميں چند بنيادي اصول واضح نهيں هوجائينگے - يه موقعه تفصيل و اطناب كا نهيں هے - مختصراً يوں سمجهيے كه صدر اول كے بعد سے قرآن حكيم كے فهم و تدبر كي راهيں دو هوگئي هيں - ايک " قرآني " هے - دوسري " غير قرآني " قرآن كے فهم و تدبر كے ليے غير قرآني طريقه كيونكر هو سكتا هے ؟ ممكن هے اس پر آپ كو تعجب هو - اس ميں شک نهيں يه معامله فكر انساني كے عجائب تصرفات ميں سے هے - مگر ايسے تصرفات اس كثرت سے هوچكے هيں كه انهيں عجيب سمجهتے هوئے بهي همیں متعجب نهيں هونا چاهيے -

" قرآني " طريقه سے مقصود قرآن كے مطالعهٔ و فهم كا وه طريقه هے جو تمام تر قرآن پر مبني تها - قرآن سے باهر كے اثرات كو اس ميں دخل نه تها - عربي لغة كے صاف اور معروف معاني ' عربي بول چال كے بے تكلف اور ساده محاورات ' صدر اول كا بے لاگ ذوق و فهم ' اور انبياء كرام كا فطري اور غير صناعي أسلوب بيان ' اس طريقه كي خصوصيات تهيں - سلف امت كا طريق تفسير يهي تها -

" غير قرآني " طريقه سے مقصود وه تمام طريقے هيں جو قرآن سے نهيں بلكه مفسرين قرآن كے ذوق و فكر سے پيدا هوے - يه علوم وضعيه كي اشاعت ' ايراني ' رومي ' اور هندي تمدن كے اقتباس ' اور عجمي اقوام كے اختلاط كا قدرتي نتيجه تها - مفسرين كے هر گروه نے قرآن كے مطالب اُسي شكل و نوعيت ميں ديكهے ' جيسي شكل و نوعيت كي فكري حالت أن كے اندر پيدا هوگئي تهي - رفته رفته يه حالت هوگئي كه قرآن كے الفاظ ' تراكيب ' أسلوب بيان ' دلائل و براهين ' مواعظ و حكم ؛ سب نے ايک دوسري هي طرح كي نوعيت پيدا كرلي - قرآن كي تعليم و بيان كي تمام تر بنياد فطرية اور فطرية كي سادگي پر تهي - علوم و فنون كي تمام تر بنياد وضعية اور وضعية كے تعمق اور كاوش پر هے - نتيجه يه نكلا كه جوں جوں وضعية كا انهماک بڑهتا گيا ' فطرية كے فهم و ذوق كي استعداد كم هوتي گئي - يهانتک كه وه زمانه آ گيا ' جب لوگوں كے دماغ اسدرجه وضعية اور وضعي طريق بحث كے عادي هوگئے ' كه كسي اهم اور عظيم بات كو اس كي ساده اور سهل صورت ميں ديكهه هي نهيں سكتے تهے - ذهن كي كاوش پسندي جو علوم وضعيه كے اشتغال كا لازمي نتيجه هے ' آسان اور سهل مطالب كي طرف متوجه هي نهيں هوتي تهي - يه صورت حال صرف قرآن هي كو پيش نهيں آئي ' بلكه مختلف صورتوں اور حالتوں ميں تمام صحف سماوي كو پيش آچكي هے ' اور منجمله أن اسباب كے هے جو هميشه كتب و اديان كي تحريف كا باعث هوتے رهے هيں - يهي وجه هے كه داعي قرآن (صلعم) نے اسے " تعمق " اور " تنطع " سے تعبير كيا ' اور فرمايا كه هلاكت كي راهوں ميں سے ايک راه يه بهي هے جيسا كه متعدد موقوفات ميں وارد هے - يه موقعه تشريح كا نهيں - اگر آپ دقت نظر سے كام لينگے تو ان چند جملوں كے اندر اصول تفسير كي ايک اصل عظيم آپ كے سامنے آ جائيگي - يه اصل عظيم نه صرف تفسير قرآن ميں ' بلكه علم و نظر كے بے شمار گوشوں ميں آپكي رهنمائي كر سكتي هے - ذهن انساني " وضعية " ميں جس قدر كاوش پسند هوتا گيا هے ' اتنا هي " فطرية " سے دور هوتا گيا هے -

بهر حال يه دوسرا " غير قراني " طريقه أن تمام طريقوں پر مشتمل هے جو صدر اول كے بعد پيدا هوے - متكلمين مفسرين كا طريق تفسير كم و بيش يهي هے - كوئي اس طريقه ميں ايک خاص حد تک گيا هے ' كوئي بهت زياده دور تک - امام فخر الدين رازي رحمة الله عليه بهي اسي راه كے شهسوار هيں - ان كے بعد اكثر مفسرين نے دانسته يا نا دانسته أنهي كا نقش قدم اختيار كرليا - قاضي ابن رشد كي كشف الادله اور فصل المقال اور شيخ الرئيس كي بعض مختصر تفسيريں امام رازي اور مفسرين متكلمين سے پہلے لكهي گئي هيں - أن كے مطالعه سے هم معلوم كر لے سكتے هيں كه متكلمين اشاعرة ' فلاسفهٔ اسلام اور معتزله سے كتنا هي انكار كرتے هوں ' ليكن وه خود بهي اسي طريقه كي پيداوار تهے - بهتر قسم كي نهيں - ناقص اور كمزور قسم كي پيداوار -

ايک سخت بنيادي غلطي جو اس طريقه كي مقبوليت كا باعث هوئي ' متاخرين كا يه خيال تها كه وقت كي علمي ضرورتوں كيليے سلف كا طريقه سود مند نهيں هے - يه بات ضرب المثل كي طرح أن كي زبانوں پر جاري هوگئي تهي كه " سلف كا طريقه ايمان كيليے بهتر هے مگر استدلال كيليے مفيد نهيں " حالانكه اگر ايمان كو جهل سے نهيں بلكه علم و بصيرت سے پيدا هونا چاهيے ' تو جو طريقه ايمان و يقين كے ليے سود مند هوگا ' وه استدلال و برهان كيليے كيوں غير مفيد هو ؟ جهانتک نام نهاد علمي ضروريات كا تعلق هے ' واقعه يه هے كه متاخرين كے طريقه سے بڑهكر كمزور اور نا مراد طريقه كوئي نهيں هو سكتا - وه " استدلال " كو فنون وضعيه كے " منطقي استدلال " سے باهر نهيں ديكهه سكے ' اور وجدان و طبيعت كي حقيقي شهادتوں سے آنكهيں بند كرليں - آپنے اپنے استفسار ميں جا بجا لكها هے كه " امام رازي رحمة الله عليه كا طريقه موجوده زمانے ميں سود مند نهيں " ليكن ميں كهتا هوں اس تقيد كي كيا ضرورت هے ؟ يه طريقه تو كسي زمانے ميں بهي سود مند نه تها - كيا يه طريقه أس زمانه ميں سود مند تها جب امام صاحب نے تفسير لكهي هے ؟ اس كا حال خود أنهي

تاریخ شرق جدید کی تاریخی شخصیتیں

مدحت پاشا

شہید حریت و دستور

مدحت پاشا کا قتل

مدحت پاشا کے رفیق محبس شیخ الاسلام خیر اللہ آفندی نے (جو خود بھی قید خانۂ طائف میں فوت ہوئے) مدحت پاشا اور داماد محمود پاشا کے ہولناک قتل کا حال اس طرح لکھا ہے:

" مدحت پاشا اور اُن کے رفقار، طائف کے قلعہ میں تین سال قید رہے۔ تیسرے سال کے آخر میں مدحت پاشا کے ایک پھوڑا نکل آیا تھا۔ فوجی ڈاکٹر کی رائے تھی کہ چاک کر دیا جائے، مگر بڑھاپے اور کمزوری کی وجہ سے وہ عمل جراحی پر رضامند نہ ہوئے۔ پھر یہ سبب بھی تھا کہ موصوف کو ڈاکٹر کی مہارت پر یقین نہیں تھا۔ داماد محمود پاشانے والی حجاز کو مدحت پاشا کی لاعلمی میں تحریر کیا کہ کسی ماہر طبیب کا انتظام کیا جائے۔ اُس کے مصارف وہ خود ادا کرینگے۔ مگر والی نے اُن کی درخواست کا کوئی جواب نہیں دیا۔

مدحت پاشا نے اپنا علاج خود کیا اور زخم اچھا ہوگیا۔ سرکاری طبیب روز معائنہ کرتا تھا اور والی کو اطلاع دیتا تھا۔ والی تار برقی کے ذریعہ روزانہ سلطان کو خبر بھیجتا تھا۔ کیونکہ سلطان کو مدحت پاشا کی موت کی جلدی تھی۔

ایک دن صوبہ دار ابراہیم آغا کے ساتھ ڈاکٹر مدحت پاشا کے کمرے میں گیا اور بغیر کسی مناسبت کے کہنے لگا " اب یورپ میں سیاسی مدبروں کو علانیہ قتل نہیں کیا جاتا۔ جلادوں کے بجائے یہ کام ڈاکٹر انجام دیتے ہیں۔ مجرم کی ناک پر کلوروفارم رکھ دیتے ہیں۔ جب وہ سو جاتا ہے تو گلا گھونٹ دیا جاتا ہے!" لوگوں نے طبیب کے منہ سے یہ بات سُنی، مگر کوئی اُس کا مطلب سمجھ نہ سکا۔

تیسری پلٹن کا کماندار بکر آفندی چرکسی، قلعہ کے سیاسی قیدیوں کا محافظ تھا۔ چند مہینے سے وہ موجود نہ تھا۔ مکہ معظمہ میں مقیم تھا۔ مگر اچانک واپس آگیا اور سیدھا مدحت پاشا کے کمرے میں چلا گیا۔ اُس کے ساتھ ڈاکٹر اور ابراہیم آغا بھی تھے۔ لوگوں نے اُس سے اس اچانک واپسی کی وجہ دریافت کی تو کہنے لگا " طائف کی فوج مرتب کرنے اور طریہ کے باشندوں سے سرکاری محصول وصول کرنے آیا ہوں کیونکہ کئی سال سے اُنھوں نے ایک پیسہ بھی ادا نہیں کیا "

- بکر آفندی کی واپسی کے چھٹے دن قیدی پاشاؤں کے خادم، حضرت عبداللہ بن عباس کی مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے گئے جب عادت اُن کے ساتھ پہرا تھا۔ مدحت پاشا کا خادم عارف آفندی نماز کو جا نہیں سکا۔ کیونکہ اُس کے آقا کی طبیعت ناساز تھی۔ نماز کے بعد بکر آفندی کماندار نے تمام خادموں کو روک لیا قلعہ میں واپس جانے نہیں دیا۔ نیز ایک آدمی بھیجکر عارف آغا کو بھی طلب کیا۔ مگر اُسنے اپنے آقا کے پاس سے ہٹنا منظور نہیں کیا۔ کماندار نے پھر آدمی بھیجا کہ عارف کو فوراً لے آؤ۔ اس مرتبہ مدحت پاشا نے قاصد سے کہا کہ کماندار سے کہو وہ خود قلعہ میں آئے اور عارف سے جو کچھ کہنا ہے کہہ جائے۔

کماندار فوراً آیا اور خیر اللہ آفندی کے کمرہ میں گیا۔ اُسنے خیر اللہ آفندی سے کہا:

" دارالخلافہ سے حکم آیا ہے کہ تمام نوکر چاکر سیاسی قیدیوں سے علٰحدہ کر دئیے جائیں۔ اب اُنھیں حکومت کی طرف سے کوئی رقم بھی نہیں دی جائے گی۔ عام قیدیوں کا کھانا کھلایا جائے گا۔ بازار سے بھی خریدنے کی ممانعت ہے۔ قلم، دوات، کاغذ بھی رکھنے کی اجازت نہیں۔ خیر اللہ آفندی کی بیوی بھی (جو طائف میں مقیم تھیں) نکال دی جائیں گی "

اس خبر نے تمام قیدیوں کو سخت پریشان کیا۔ محمود پاشا غصہ ور آدمی تھے۔ اُنھوں نے کماندار کو بہت سخت سُست کہا۔ مگر بے فائدہ تھا۔ سلطانی حکم پر عمل کیا گیا۔ تمام خادم، قلعہ کے باہر ایک گھر میں قید کر دئیے گئے۔ کماندار نے چلتے وقت کہا وہ طائف سے باہر جا رہا ہے مگر گیا نہیں۔ رات بھر قلعہ ہی میں رہا۔

مدحت پاشا، دو مرتبہ وزیر اعظم بن چکے تھے اور قوم کی عظیم الشان خدمات انجام دی تھیں۔ مگر ظالموں نے نہ اُن کی خدمات کا کوئی لحاظ کیا، نہ بڑھاپے ہی پر ترس کھایا۔ اُنھیں بستر مرض پر اکیلا چھوڑ دیا۔ اُن کا خادم زبردستی لے گئے۔ اس وفادار خادم کے عوض ایک جنگلی سپاہی اُن کی تیمارداری کے لئے مقرر کر دیا۔ لیکن مدحت پاشا کے رفقار مصیبت نے اُن کی خدمتگاروں کی طرح خدمت کی۔ رات کو بھی انھیں تنہا نہیں چھوڑتے تھے۔ علی بک اُن کے ساتھ سوتے تھے۔

مدحت پاشا، اپنی شجاعت اور ثابت قدمی میں مشہور ہیں۔ ان حالات نے اُن کے حوصلے کمزور نہیں کئے۔ وہ اب بھی خوش تھے۔ پابندی سے نماز پڑھتے تھے۔ وظائف کا ورد رکھتے تھے۔ تلاوت میں مشغول رہتے تھے۔ تفسیر بیضاوی اور کتاب الشفار، اُن کے مطالعہ میں رہتی تھی۔

وہ کہا کرتے تھے " جو کچھ یہ لوگ کر سکتے ہیں، کر گزریں۔ ہم بحمداللہ مقدس سرزمین میں موجود ہیں۔ تمام گندگیوں سے دُور ہو چکے ہیں۔ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ زیادہ سے زیادہ قتل کر سکتے ہیں، اور قتل ہمارے لئے دنیا و آخرت میں عزت و سعادت کا ذریعہ ہے!" وہ حیرت انگیز طور پر اللہ تعالیٰ کی ذات پر متوکل نظر آتے تھے۔

ایک دن کماندار بکر آفندی نے کہا وہ ۸ مارچ کو مکہ معظمہ جائے گا تاکہ خیر اللہ آفندی کی بیوی اور قیدیوں کے نوکروں کو پہنچا آئے۔ وہ مدحت پاشا کے پاس بھی گیا۔ وجہ یہ بیان کی کہ رخصت ہونے آیا ہے مگر مقصود یہ تھا کہ اُن کی زبان سے کچھ سُنے اور چغلی کھا کر ظالموں میں مقبولیت حاصل کرے۔ مدحت پاشا نے کہا " میری تقریر سنو۔ حرف بحرف والی حجاز سے کہہ دینا:

" کہنا عبدالحمید نے تمھیں بڑا منصب بخشا ہے۔ مدحت پاشا کی خدمات، آفتاب کی طرح روشن ہیں۔ آج اُس کی جو حالت ہے دیکھ رہے ہو۔ یہ سلطان، اسی طرح اپنے خیر خواہوں کی خدمات پر انعام دیا کرتا ہے۔ مدحت پاشا کو معلوم ہے کہ سلطان اُس کے قتل پر تلا ہوا ہے۔ تمھیں اس کام پر مقرر کیا ہے۔ اسوقت تمھاری جتنی خاطر مدارات ہے، صرف اسی مطلب سے ہے۔ اس کے بعد تمھارا جو حال ہوگا، وہ دوسروں کی حالت سے معلوم کر سکتے ہو۔ سردری آفندی نے ہمیں سزا دی تھی۔ اسپر سلطان نے خوش ہو کر اُسے " قاضی عسکر " کا عہدہ دیا مگر اب سردری آفندی کی حالت کیا ہے؟ اسوقت وہ گمنامی میں جلا وطنی کی زندگی بسر کر رہا ہے! جودت پاشا ہمارے گرانے میں سلطان کا دست و بازو تھا۔ مگر آج اُس کی کیا حالت ہے؟ اسوقت وہ خود اپنے گھر میں قید ہے اور ذلت کی زندگی بسر کر رہا ہے! ان معاملات پر غور کرو۔ کیونکہ اس سلطان کی طبیعت ہی ایسی ہے۔ تم مسلمان ہو۔ قرآن پڑھ ہو۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے " ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاؤہ جہنم خالدا فیہا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعدلہ عذابا عظیما! " (جو کوئی جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کرے، اُس کی سزا، جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اُسپر خدا کا غضب ہوگا۔ خدا کی لعنت ہوگی۔ اور اُس کے لئے بہت بڑا عذاب طیار ہے!)

اس کے بعد مدحت پاشا نے اس آیت کی تفسیر بیان کی اور کہا:

" دیکھو حضرت حسن بن علی علیہ السلام بھی بعض بادشاہوں کے اشارے سے قتل کئے گئے تھے۔ قیامت تک دنیا اُن کے قاتلوں پر لعنت کرتی رہے گی۔ خدا اُنھیں دوزخ میں ڈالے گا۔ تم والی سے میری تقریر حرف بحرف کہہ دینا "

اسپر بکر آفندی نے کہا:

" جناب عالی! میں بہت سی لڑائیوں میں شریک ہوا ہوں مگر میدان جنگ کے باہر آج تک ایک مرغی بھی اپنے ہاتھ سے نہیں ماری۔ میں ہرگز کوئی جرم نہیں کر سکوں گا! "

سات دن بعد بکر آفندی واپس آیا۔ اُس کے ساتھ قیدیوں کے نوکر بھی تھے۔ اُسنے مدحت پاشا سے کہا " سلطان کا حکم آیا ہے کہ نوکر، قیدیوں کے پاس واپس کر دئیے جائیں۔ اُنھیں ہر طرح آرام دیا جائے۔ والی حجاز نے سلام کے بعد معذرت کی ہے کہ میرا کوئی قصور نہیں۔ میں نوکر ہوں آقا کے حکم کی اطاعت کرتا ہوں "

اس درمیان میں مدحت پاشا کی صحت اچھی ہوگئی۔ تقریباً شفا حاصل ہوگئی تھی۔

ایک دن مدحت نے ایک سپاہی سے دودھ منگایا۔ ایک افسر نوری آفندی تلوار لے کر اُس کے ساتھ ہوگیا اور بڑی مستعدی سے دودھ لے آیا۔ لوگوں کو اس نئی بات پر بہت تعجب ہوا۔ یہ شخص کبھی قیدیوں سے اچھا سلوک نہیں کرتا تھا۔ آج کیوں اس قدر مہربان ہوگیا؟ سید بک، مدحت پاشا کے کھانے کی روز جانچ کر لیا کرتے تھے۔ اُنھوں نے پتیلی کھولی تو دُودھ کا رنگ اچھا نہ تھا۔ ایک چمچ لے کر اُنھوں نے اپنی زبان پر رکھا، تمام منہ کڑوا ہوگیا۔ دوسرے قیدیوں کو چکھایا، سب نے یہی محسوس کیا۔ جنھوں نے ایک دو قطرے بھی نگل لئے تھے وہ بیہوش ہوگئے اور کئی ہفتے بیمار پڑے رہے۔

تاریخ شرق جدید کی تاریخی شخصیتیں

مدحت پاشا

شہید حریت و دستور

مدحت پاشا کا قتل

مدحت پاشا کے رفیق محبس شیخ الاسلام خیر اللہ آفندی نے (جو خود بھی قیدخانۂ طائف میں فوت ہوئے) مدحت پاشا اور داماد محمود پاشا کے ہولناک قتل کا حال اس طرح لکھا ہے:

"مدحت پاشا اور اُن کے رفقاء، طائف کے قلعہ میں تین سال قید رہے۔ تیسرے سال کے آخر میں مدحت پاشا کے ایک پھوڑا نکل آیا تھا۔ فوجی ڈاکٹر کی رائے تھی کہ چاک کردیا جائے، مگر بڑھاپے اور کمزوری کی وجہ سے وہ عمل جراحی پر رضامند نہ ہوئے۔ پھر یہ سبب بھی تھا کہ موصوف کو ڈاکٹر کی مہارت پر یقین نہیں تھا۔ داماد محمود پاشا نے والی حجاز کو مدحت پاشا کی لاعلمی میں تحریر کیا کہ کسی ماہر طبیب کا انتظام کیا جائے۔ اُس کے مصارف وہ خود ادا کرینگے۔ مگر والی نے اُن کی درخواست کا کوئی جواب نہیں دیا۔

مدحت پاشا نے اپنا علاج خود کیا اور زخم اچھا ہوگیا۔ سرکاری طبیب روز معائنہ کرتا تھا اور والی کو اطلاع دیتا تھا۔ والی تار برقی کے ذریعہ روزانہ سلطان کو خبر بھیجتا تھا۔ کیونکہ سلطان کو مدحت پاشا کی موت کی جلدی تھی۔

ایک دن صوبہ دار ابراہیم آغا کے ساتھ ڈاکٹر مدحت پاشا کے کمرے میں گیا اور بغیر کسی مناسبت کے کہنے لگا "اب یورپ میں سیاسی مدبروں کو علانیہ قتل نہیں کیا جاتا۔ جلّادوں کے بجائے یہ کام ڈاکٹر انجام دیتے ہیں۔ مجرم کی ناک پر کلوروفارم رکھ دیتے ہیں۔ جب وہ سوجاتا ہے تو گلا گھونٹ دیا جاتا ہے!" لوگوں نے طبیب کے منہ سے یہ بات سُنی، مگر کوئی اُس کا مطلب سمجھ نہ سکا۔

تیسری پلٹن کا کمانڈر بکر آفندی چرکسی، قلعہ کے سیاسی قیدیوں کا محافظ تھا۔ چند مہینے سے وہ موجود نہ تھا۔ مکہ معظمہ میں مقیم تھا۔ مگر اچانک واپس آگیا اور سیدھا مدحت پاشا کے کمرے میں چلا گیا۔ اُس کے ساتھ ڈاکٹر ابراہیم آغا بھی تھے۔ لوگوں نے اُس سے اس اچانک واپسی کی وجہ دریافت کی تو کہنے لگا۔ "طائف کی فوج مرتب کرنے اور علاقہ کے باشندوں سے سرکاری محصول وصول کرنے آیا ہوں کیونکہ کئی سال سے اُنھوں نے ایک پیسہ بھی ادا نہیں کیا۔"

بکر آفندی کی واپسی کے پہلے دن قیدی پاشاؤں کے خادم، حضرت عبداللہ بن عباس کی مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے گئے۔ جب عادت اُن کے ساتھ [illegible] پاشا کا خادم عارف آفندی [illegible] تھا [illegible] نماز کو نہیں جاسکا [illegible]۔

[illegible] میں واپس جانے نہیں دیا۔ نیز ایک آدمی بھیجکر عارف آغا کو بھی طلب کیا۔ مگر اُسنے اپنے آقا کے پاس سے ہٹنا منظور نہیں کیا۔ کمانڈر نے پھر آدمی بھیجا کہ عارف کو فوراً لے آؤ۔ اس مرتبہ مدحت پاشا نے قاصد سے کہا کہ کمانڈر سے کہو وہ خود قلعہ میں آئے اور عارف سے جو کچھ کہنا ہو کہہ جائے۔

کمانڈر فوراً آیا اور خیر اللہ آفندی کے کمرہ میں گیا۔ اُسنے خیر اللہ آفندی سے کہا:

"دارالخلافہ سے حکم آیا ہے کہ تمام نوکر چاکر سیاسی قیدیوں سے علٰحدہ کردئے جائیں۔ اب اُنھیں حکومت کی طرف سے کوئی رقم بھی نہیں دی جائے گی۔ عام قیدیوں کا کھانا کھلایا جائے گا بازار سے بھی خریدنے کی ممانعت ہے۔ قلم، دوات، کاغذ بھی رکھنے کی اجازت نہیں۔ خیر اللہ آفندی کی بیوی بھی (جو طائف میں مقیم تھیں) نکال دی جائیں گی۔"

اس خبر نے تمام قیدیوں کو سخت پریشان کیا۔ محمود پاشا غصہ ور آدمی تھے۔ اُنھوں نے کمانڈر کو بہت سخت سُست کہا۔ مگر بے فائدہ تھا۔ سلطانی حکم پر عمل کیا گیا۔ تمام خادم، قلعہ کے باہر ایک گھر میں قید کردئے گئے۔ کمانڈر نے چلتے وقت کہا وہ طائف سے باہر جارہا ہے مگر گیا نہیں۔ رات بھر قلعہ ہی میں رہا۔

مدحت پاشا، دو مرتبہ وزیر اعظم بن چکے تھے اور قوم کی عظیم الشان خدمات انجام دی تھیں۔ مگر ظالموں نے نہ اُن کی خدمات کا کوئی لحاظ کیا، نہ بڑھاپے ہی پر ترس کھایا۔ اُنھیں بستر مرض پر اکیلا چھوڑ دیا۔ اُن کا خادم زبردستی لے گئے۔ اس وفادار خادم کے عوض ایک جنگلی سپاہی اُن کی تیمارداری کے لئے مقرر کردیا۔ لیکن مدحت پاشا کے رفقاء مصیبت نے اُن کی خدمتگاروں کی طرح خدمت کی۔ رات کو بھی انھیں تنہا نہیں چھوڑتے تھے۔ علی بک اُن کے ساتھ سوتے تھے۔

مدحت پاشا، اپنی شجاعت اور ثابت قدمی میں مشہور ہیں۔ ان حالات نے اُن کے حوصلے کمزور نہیں کئے۔ وہ اب بھی خوش تھے۔ پابندی سے نماز پڑھتے تھے۔ وظائف کا ورد رکھتے تھے۔ تلاوت میں مشغول رہتے تھے۔ تفسیر بیضاوی اور کتاب الشفا [illegible] اُن کے مطالعہ میں رہتی تھی۔

وہ کہا کرتے تھے "جو کچھ یہ لوگ کرسکتے ہیں، کرگزریں۔ ہم بحمداللہ مکہ کی سرزمین میں موجود ہیں۔ تمام گندگیوں سے دور [illegible]۔ وہ کچھ بھی نہیں کرسکتے۔ زیادہ سے زیادہ قتل کرسکتے ہیں، اور قتل [illegible] دنیا و آخرت میں عزت و سعادت کا ذریعہ ہے!" وہ حیرت انگیز طور پر [illegible] متوکل رہا کرتے تھے۔

ایک دن کمانڈر بکر آفندی نے کہا وہ مارچ کو مکہ معظمہ جا رہا تھا کہ خیر اللہ آفندی کی بیوی اور قیدیوں کے نوکروں کو پہنچا گئے۔ وہ مدحت پاشا کے پاس بھی گیا۔ وجہ یہ بیان کی کہ رخصت ہونے آیا ہے مگر مقصود یہ تھا کہ اُن کی زبان سے کچھ سُنے اور چغلی کھاکر ظالموں میں مقبولیت حاصل کرے۔ مدحت پاشا نے کہا "میری تقریر سنو۔ حرف بحرف والی حجاز سے کہہ دینا:

"کمانڈر عبدالحمید نے تمھیں بڑا منصب بخشا ہے۔ مدحت پاشا کی خدمات، آفتاب کی طرح روشن ہیں۔ آج اُس کی جو حالت ہے دیکھ رہے ہو۔ یہ سلطان، اسی طرح اپنے خیر خواہوں کی خدمات پر انعام دیا کرتا ہے۔ مدحت پاشا کو معلوم ہے کہ سلطان اُس کے قتل پر تلا ہوا ہے۔ تمھیں اس کام پر مقرر کیا ہے۔ اسوقت تمھاری جتنی خاطر مدارات ہے، صرف اسی مطلب سے ہے۔ اس کے بعد تمھارا جو حال ہوگا، وہ دوسروں کی حالت سے معلوم کرسکتے ہو۔ سرورتی آفندی نے بھی بڑی خدمت دی تھی۔ اسپر سلطان نے خوش ہوکر اُسے "قاضی عسکر" کا عہدہ دیا مگر اب سرورتی آفندی کی حالت کیا ہے؟ اسوقت وہ کمینہ میں بڑی ذلتی کی زندگی بسر کر رہا ہے! جودت پاشا ہمارے گرانے میں سلطان کا دست و بازو تھا۔ مگر آج اُس کی حالت کیا ہے؟ اسوقت وہ اپنے گھر میں قید ہے اور ذلت کی زندگی بسر کر رہا ہے! ان معاملات پر غور کرو۔ کیونکہ اس سلطان کی طبیعت ہی ایسی ہے۔ تم مسلمان ہو قرآن پڑھو ہو۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤہ جہنم خالداً فیہا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعدلہ عذاباً عظیما" (جو کوئی جان بوجھ کر کسی مؤمن کو قتل کرے، اُس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اُسپر خدا کا غضب ہوگا۔ خدا کی لعنت ہوگی۔ اور اُس کے لئے بہت بڑا عذاب طیار ہے!)

اس کے بعد مدحت پاشا نے اس آیت کی تفسیر بیان کی اور کہا:

"دیکھو حضرت حسن بن علی علیہ السلام بھی بعض بادشاہوں کے اشارے سے قتل کئے گئے تھے۔ قیامت تک دنیا اُن کے قاتلوں پر لعنت کرتی رہے گی۔ خدا اُنھیں دوزخ میں ڈالے گا۔ تم والی سے میری تقریر حرف بحرف کہہ دینا۔"

اسپر بکر آفندی نے کہا:

"جناب عالی! میں بہت سی لڑائیوں میں شریک ہوا ہوں مگر میدان جنگ کے باہر آج تک ایک مرغی بھی اپنے ہاتھ سے نہیں ماری۔ میں ہرگز کوئی جرم نہیں کرسکوں گا!"

سات دن بعد بکر آفندی واپس آیا۔ اُس کے ساتھ قیدیوں کے نوکر بھی تھے۔ اُسنے مدحت پاشا سے کہا "سلطان کا حکم آیا ہے کہ نوکر قیدیوں کے پاس واپس کردئے جائیں۔ اُنھیں ہر طرح آرام دیا جائے۔ والی حجاز نے سلام کے بعد معذرت کی ہے کہ میرا کوئی قصور نہیں۔ میں نوکر ہوں آقا کے حکم کی اطاعت کرتا ہوں۔"

اس درمیان میں مدحت پاشا کی صحت اچھی ہوگئی۔ تقریباً شفا حاصل ہوگئی تھی۔

ایک دن مدحت نے ایک سپاہی سے دودھ منگایا۔ ایک افسر نوری آفندی تلوار لے کر اُس کے ساتھ ہوگیا اور بڑی مستعدی سے دودھ لے آیا۔ لوگوں کو اس نئی بات پر بہت تعجب ہوا۔ یہ شخص کبھی قیدیوں سے اچھا سلوک نہیں کرتا تھا۔ آج کیوں اس قدر مہربان ہوگیا؟ سید بک، مدحت پاشا کے کھانے کی چیز جانچ کر لیا کرتے تھے۔ اُنھوں نے پیالی کھولی تو دودھ کا رنگ اچھا نہ تھا۔ ایک چمچہ لے کر اُنھوں نے اپنی زبان پر رکھا، تمام منہ کڑوا ہوگیا۔ دوسرے قیدیوں کو چکھایا، سب نے یہی محسوس کیا۔ جنھوں نے ایک دو قطرے [illegible]

برید شرق

مکتوب آستانہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

غازی مصطفےٰ کمال پاشا کا خطبہ - عید آستانہ - ترکی طبی کانفرنس - ٹرکی اور ایران

غازی مصطفےٰ کمال کا خطبہ

اس ہفتہ سب سے اہم واقعہ، انگورہ میں خلق فرقہ سیاسی یا جمہوری جماعت کی مؤتمر ہے۔ مؤتمر میں سب سے زیادہ اہم کارروائی، غازی مصطفےٰ کمال پاشا کا وہ تاریخی خطبہ ہے جو کامل ایک ہفتہ تک جاری رہے گا موصوف نے یہ خطبہ، کئی ماہ کی محنت سے طیار کیا ہے۔ اس میں وہ تمام تاریخی اور سیاسی حقائق جمع کر دیئے ہیں جو معاہدہ التوائے جنگ کے بعد سے ابتک ٹرکی میں واقع ہوئے ہیں۔

غازی نے اپنا خطبہ "انجمن طیارات" کو دے دیا تھا۔ اُسی نے چھاپا ہے اور وہی ٹرکی کے طول و عرض میں ہوائی جہازوں کے ذریعہ تقسیم کرے گی۔ ہر روز جتنا خطبہ غازی سنائیں گے، انجمن، اُتنا حصہ اخبارات کو تقسیم کرے گی۔ ایک جرمنی کمپنی نے دنیا کے اخباروں میں اس کا خلاصہ بھیجنے اور مختلف زبانوں میں اُس کا ترجمہ شایع کرنے کا ٹھیکہ لے لیا ہے۔ ابتک متعدد زبانوں میں ترجمہ طیار ہو چکا ہے عنقریب بازار میں آجائے گا۔

"عید آستانہ"

آپکے قارئین نے یہ لفظ شاید پہلے نہیں سُنا ہوگا۔ حالانکہ یہ لفظ ترکوں میں ایک عجیب جوش پیدا کر دیا کرتا ہے۔ عید آستانہ، یا آستانہ کی عید ہر سال ۶ر اکتوبر کو بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی ہے۔ پچھلے ہفتے ہم نے چوتھی مرتبہ یہ عید دیکھی تھی۔ تمام پچھلی عیدوں سے زیادہ شاندار تھی۔

یہ عید اتحادی فوجوں سے آستانے کی آزادی کی یادگار ہے جنگ عمومی کے خاتمہ پر دول اتحاد نے ٹرکی سے التوا جنگ کا معاہدہ طے کیا۔ اس معاہدہ کی رُو سے ترکوں نے ہتیار رکھ دیئے۔ ہتیار رکھتے ہی اتحادی فوجیں پایۂ تخت میں گھس پڑیں۔ انگریزوں نے "پیرا" پر قبضہ کر لیا۔ فرانسیسیوں نے استنبول پر، اٹلی نے باسفورس کے ایشیائی ساحلوں پر۔ ان سلطنتوں کے جنگی بیڑے بحر مرمرہ اور باسفورس میں داخل ہو کر لنگر انداز ہو گئے اور اپنی توپیں شہر کی طرف سیدھی کر دیں۔ پھر ان کی بری فوجیں اُتریں اور شہر کی وہ حالت کر دی جو خونخوار فاتح، مفتوحوں کی کیا کرتے ہیں۔ ایسا ظلم و ستم شروع کیا جس کا تصور بھی کبھی ترکوں نے نہیں کیا تھا۔ مسلح سپاہی اور مسلح جاسوس ہر طرف پھرتے تھے اور جسے چاہتے تھے، بدبختی میں مبتلا کر دیتے تھے۔ بہت سے مارے گئے۔ بہت سے قید کیے گئے۔ بہت سے جلا وطن کیے گئے کوئی مخلص ترک بھی اتحادیوں کے انتقام سے بچ نہ سکا۔

اس ظلم و جور کے مقابلے میں آستانہ کے ترکوں نے کیا کیا؟ انھوں نے کوئی بغاوت کی؟ نہیں۔ کوئی مظاہرہ کیا؟ نہیں۔ وہ بالکل خاموش ہو گئے۔ اتحادی قوتیں سمجھیں ہم نے مرعوب کر لیا۔ دنیا کی یہ سب سے زیادہ جبار قوم ہماری غلامی پر قانع ہو گئی۔ مگر یہ اُن کی غلطی تھی ترکی قوم کی طبیعت سے جہالت تھی۔ ترکی قوم کا خاصہ ہے کہ جب وہ جلال میں آتی ہے تو خاموش ہو جاتی ہے۔ جب ترک کو چُپ سناٹے میں دیکھو، تو اُس سے بھاگو۔ کیونکہ وہ غصہ ہو گیا ہے۔ قہر و جلال کی قوتیں اُس کے دل و دماغ میں جمع ہو رہی ہیں۔ آستانہ کے ترک بھی اتحادیوں کے مظالم کے مقابلے میں خاموش ہو گئے۔ مگر اُن کی روح بول رہی تھی۔ اتحادیوں کے لئے وہ اندر ہی اندر اناطولیہ میں بارود بچھا رہے تھے۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ اناطولیہ میں قومی تحریک کا قیام، زیادہ تر آستانہ کے باشندوں ہی کی سعی و ہمت سے ہوا۔ اتحادیوں کا پہرہ چوکی بہت ہی سخت تھا، مگر آستانہ سے برابر سامان جنگ، توپیں، آدمی اور روپیہ اناطولیہ پہنچ رہا تھا۔ کس راہ سے جاتا تھا؟ کون لے جاتا تھا؟ کس وقت جاتا تھا؟ ان سوالوں کا جواب ابتک تاریخ کے پاس موجود نہیں ہے۔ مگر جاتا تھا۔ یہ تاریخی حقیقت ہے۔

آستانہ کے ترکوں کی خاموشی نے آخر ۴ سال بعد رنگ دکھایا۔ اتحادیوں کے پروردہ یونان کو اناطولیہ میں ایسی شکست ہوئی کہ موت سے بدتر تھی۔ دیکھتے دیکھتے فتح مند ترکی فوجیں باسفورس کے سامنے پہنچ گئیں۔ یہ وہ وقت تھا جب انگلستان، فرانس اور اٹلی کی تقریباً تمام بحری قوتیں، باسفورس اور مرمرہ میں جمع تھیں۔ اتحادی خیال کرتے تھے یہ قوت دیکھ کر اناطولیہ کے ترک ڈر کر اُلٹے پاؤں بھاگ جائیں گے۔ مگر وہ ڈرے نہیں۔ خود اتحادیوں ہی کو ڈرنا پڑا۔ مدانیہ کا ذلت آمیز معاہدہ قبول کرنا پڑا۔

اس کے بعد ہم نے اپنی آنکھوں سے کیا دیکھا؟ ہمنے وہ دیکھا جسے دیکھ کر ہم اپنی آنکھوں کی صحت پر شبہ کرنے لگے۔ مگر وہ واقعہ تھا۔ ہم نے یہ دیکھا کہ اتحادی بیڑے، جو اب تک سلطان کو قید کیے پڑے تھے، اچانک اُن کے جھنڈے، سربلند ترکی جھنڈے کے سامنے جھک پڑے۔ جسوقت ترکی جھنڈا، وزارت جنگ کے بلند مینار پر اُڑایا گیا، تمام اتحادی قوتوں نے اُسے ذلت کے ساتھ جنگی سلام کیا۔

پھر ہمنے کیا دیکھا؟ یہ دیکھا کہ وہی اتحادی فوجیں، جو آستانہ کی سڑکوں پر فاتحانہ مظاہرے کرتی پھرتی تھیں اور ترکوں کو شریفانہ برتاؤ کی مستحق نہیں سمجھتی تھیں، خوف و دہشت سے اپنا اسباب باندھتی اور بھاگتی نظر آئیں۔ ایک طرف سے یہ فوجیں بھاگ رہی تھیں، دوسری طرف سے مظفر و منصور ترکی فوجیں آ رہی تھیں۔ بیچ سمندر میں دونوں کا سامنا ہوا۔ اول الذکر نے آخر الذکر کو فوجی سلامی دی!

"عید آستانہ" اسی واقعہ کی یادگار ہے جو ۶ر اکتوبر کو پیش آیا تھا

ترکی طبی کانفرنس

انگورہ میں ترکی طبی کانفرنس منعقد ہوئی عصمت پاشا نے اس کا افتتاح کیا۔ کانفرنس میں بہت سے اہم طبی مسائل پر بحث ہوئی نیازی بک کی رُوداد سے معلوم ہوا کہ آنکھوں کا مرض ترکوں میں بھی عام ہے۔ اسوقت ۵ لاکھ ترک اسمیں مبتلا ہیں۔ یہ بیماری زیادہ تر حصن منصور، دیار بکر، اور اردفا کے علاقوں میں پائی جاتی ہے۔

رشاد رضا بک اور موسیٰ کاظم بک نے مرض سل پر بحث کی اور بتایا کہ گذشتہ ۲۵ سال کے عرصہ میں صرف قسطنطنیہ میں اس بیماری سے ۶۹،۰۰۰ آدمی مر چکے ہیں۔ پورے ٹرکی میں سالانہ ۳۲،۰۰۰ آدمی اس مرض کا شکار ہوتے ہیں۔ یعنی ہر دس ہزار ترکوں میں ۳۰ آدمی اسی بیماری میں مرتے ہیں۔

ٹرکی اور ایران

ادہر کچھ مدت سے ٹرکی اور ایران کے مابین کشیدگی پیدا ہو گئی ہے، جیسا کہ پچھلے مکاتیب میں لکھ چکا ہوں۔ اس ہفتہ میرزا فرجی خاں سابق وزیر جنگ ایران، آستانہ پہنچے ہیں اور انگورہ جا رہے ہیں۔ ان کا سفر اسی نزاع کے دُور کرنے کے لئے ہے۔ موصوف نے اخبارات کے نمائندوں کو حسب ذیل بیان دیا ہے:

"سرکش کُرد، ترکی حدود پر تاخت و تاراج کرتے ہیں۔ ترکی حکومت خیال کرتی ہے کہ یہ مجرم، ایرانی سرزمین میں پناہ لیتے ہیں۔ میں نے یہ بھی سُنا ہے کہ یہ لوگ بعض ترکی افسروں کو بھی پکڑ لے گئے ہیں۔ مجھے بالکل نہیں معلوم کہ یہ کرد، ایرانی سرزمین میں پناہ لیتے ہیں۔ اگر واقعہ یہی ہے تو ہم اُنھیں ہرگز پناہ نہیں لینے دینگے اور ترکی حکومت کو ہر طرح مطمئن کر دیں گے"

تازہ خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ جو ترکی افسر یہ مجرم پکڑ لے گئے تھے، اب رہا ہو گئے ہیں اور اپنی سرحد میں واپس آ گئے ہیں۔

شمالی افریقہ

مراکش، ٹیونس، اور الجزائر فرانسیسی استعمار کے بعد

(الہلال کے مقالہ نگار مصر کے قلم سے)

مراکش کی آبادی

۴ر مارچ ۱۹۲۶ء کی مردم شماری سے ثابت ہوتا ہے کہ فرانس کے زیر حمایت مراکش کا رقبہ ۴،۱۵،۰۰۰ کیلومیٹر مربع میل ہے، اور آبادی ۴،۲۳۰،۰۰۰ ہے۔ اسمیں ۴،۱۶۰،۰۰۰ مسلمان ہیں۔ ۱،۰۸،۰۰۰ یہودی ہیں۔ ۶۶ ہزار فرانسیسی ہیں۔ ۴۰ ہزار دوسرے یورپین ہیں۔

اس سے پہلے ۱۹۲۱ء میں مردم شماری ہوئی تھی۔ اُس کے مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ۵ برس کے قلیل عرصہ میں فرانسیسیوں کی تعداد میں ۱۹ ہزار کا اضافہ ہو گیا ہے۔

مراکش کی دولت

مراکش کے باشندے زراعت پیشہ ہیں۔ زیادہ تر غلہ کی کاشت ہوتی ہے۔ اُبتک کوئی قیمتی کان دریافت نہیں ہوئی۔ صرف فاسفیٹ

مدحت پاشا کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اُنھوں نے محمد آغا کو بُلا کر انجان بن کے کہا:

" دودھ والے نے ہمیں ہی دودھ بھیجا تھا جس میں سے کمانڈر کو دیا کرتا ہی۔ لیکن جسنے بھی دودھ کا ایک قطرہ زبان پر رکھا، اُسکا حلق جل گیا۔ معلوم ہوتا ہی زہر، تانبے کے کساؤ سے پیدا ہوگیا ہی تم ابھی جاکر کمانڈر کو خبر کردو۔ ایسا نہ ہو اُنھیں کوئی نقصان پہنچ جائے"

محمد آغا نے واپس آکر کہا کمانڈر ابھی دودھ والے کے برتنوں کا معائنہ کرینگے۔ اُسے مارینگے۔ قید کرینگے۔ پوری تحقیقات کریں گے۔ قیدیوں نے یہ سُنا تو مُسکرانے لگے۔ کیونکہ سُن چکے تھے کہ کمانڈر اپنے ساتھیوں سے پوچھتا تھا "ان لوگوں نے دودھ تو کھالیا ہوگا؟ کیا مرگئے؟ کیا زہر کا اثر فوراً ظاہر ہوتا ہی؟"

مدحت پاشا کے بعض رفقاء نے مسموم دودھ کمانڈر کے پاس بھیجدیا کہ اس کی کیمیاوی تحلیل کی جائے لیکن اُسنے ہنسکر دودھ واپس کردیا۔ اور کہا "یہاں تحلیل کرنے کے آلات موجود نہیں!"

اس واقعہ کے بعد باورچی خانہ اچھی طرح بند کردیا جاتا تھا۔ کھانے پینے کے برتنوں پر علامتیں لگادی جاتی تھیں۔ لیکن دو ہفتہ کے بعد ایک دن عارف آغا نے جوں ہی دروازہ کھولا، برتنوں پر سے علامتیں ہٹی ہوئی تھیں۔ باسی کھانے کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ تحقیقات سے معلوم ہوگیا کہ زہر ملادیا گیا ہی۔ بعد میں مُش آغا اور نوری آفندی نے اقرار کیا کہ اُنھوں نے زہر ملایا تھا!

اسی اثنا میں محمود پاشا، دست دقے میں مُبتلا ہوگئے۔ پتہ چلا قہوہ میں کوئی زہریلا مادہ ملا ہوا ہی۔ اُنھوں نے قہوہ پینا چھوڑدیا اور اچھے ہوگئے۔

ایک دن پانی کا رنگ اور مزہ بدلا ہوا تھا۔ اسمیں بھی زہر ملادیا گیا تھا۔ فوراً صراحی توڑ ڈالی گئی۔

بعد میں معلوم ہوا کہ زہر، مصر سے مہیا کیا جاتا تھا۔ لانے والا ایک شخص اسمٰعیل آغا تھا۔ والی حجاز کو اس پر بہت اعتماد تھا اور اُسی کے ذریعہ دشمنوں کو قتل کرایا تھا۔ یہ ایک مُدت سے یہاں آیا ہوا تھا مگر تنہا اس خطرناک جرم کا مرتکب نہیں ہوسکتا تھا۔ چنانچہ ۱۲ر مارچ ۱۸۸۳ء کو رسالدار محمد لطفی دو رجمنٹ فوج اور توپ خانہ لے کر مکہ معظمہ سے آیا اور قلعہ کے محافظوں میں اپنے ۴۰ سپاہی داخل کردیئے۔

محمد لطفی نے آتے ہی مدحت پاشا کے خادم عارف آغا کو طلب کرکے کہا "میں زہر لایا ہوں۔ اگر تم مدحت پاشا کو کھلادو تو تمھیں ایک ہزار پونڈ انعام دیا جائے گا۔ ایک دوسرا شخص، محمود پاشا کو مارنے کے لئے طیار ہوگیا ہی۔ اُسے ۶۰۰ پونڈ انعام دیا جائے گا"

عارف آغا وفادار نوکر تھا۔ اُسنے بظاہر زہر لے لیا اور وعدہ کیا کہ اپنے آقا کو قتل کرڈالے گا۔ مگر قلعہ میں واپس آکر مدحت پاشا اور محمود پاشا کو پورا قصہ سُنادیا۔ اُنھوں نے باقی رفقاء کو مطلع کیا۔ سب نہایت پریشانی میں پڑگئے۔

محمد لطفی، خاص قتل کے ارادے سے آیا تھا۔ تمام قیدی اس حقیقت سے واقف ہوچکے تھے۔ اپنی آمد کے ایک ہفتہ بعد اُسنے ارتکاب جرم کی پھر کوشش کی۔ پورے قلعے میں فوج لاکر بھردی اور محاصرہ کرلیا۔ مگر کامیاب نہ ہوسکا کیونکہ مدحت پاشا کے خادم عارف آغا نے بڑی ہی وفاداری سے کام لیا تھا اور راز فاش کردیا تھا۔

واقعہ یہ ہوا کہ صوبہ دار ابراہیم نے عارف آغا کو کئی دوسرے افسروں کی موجودگی میں بُلاکر کہا:

"ہم آج رات مدحت پاشا کا خاتمہ کردینا چاہتے ہیں۔ اب سے پہلے تم زہر لے گئے اور پکا وعدہ کیا، مگر ابتک کچھ بھی نہیں کیا۔ لہذا اب یہ کرو کہ تم مدحت پاشا کے ساتھ سوتے ہو۔ رات کو کمرے کا دروازہ کھلا رہنے دینا۔ دیکھو اگر دروازہ بند کرکے سوگے تو ہم سے بُرا کوئی نہ ہوگا"

یہاں قلعہ میں سیاسی قیدی نماز عشاء کے بعد اپنے اپنے کروں میں جانے کے لئے رخصت ہورہے تھے کہ عارف آغا نے آکر کہا:

" آپ لوگ جُدا نہ ہوں، کیونکہ آج رات میرے آقا کو قتل کرنا چاہتے ہیں!"

تمام رفقاء گھبراگئے اور اُنھوں نے طے کرلیا کہ مدحت پاشا کو تنہا نہیں چھوڑینگے۔ ایک افسر نے عارف آغا کی گفتگو سن لی تھی۔ اُس نے محمد لطفی کو خبر پہونچائی۔ محمد لطفی نے فوراً عارف آغا کی گرفتاری اور قیدیوں کے منتشر کرنے کا حکم دے دیا۔ مُش آغا ایک افسر نے آکر کہا "میرالائی محمد لطفی سلام کے بعد کہتے ہیں کہ آپ لوگوں کا یکجا رہنا ممنوع ہی۔ فوراً اپنے اپنے کمروں میں چلے جائیے"

مدحت پاشا اور محمود پاشا نے جواب دیا "ہم ہرگز یہاں سے نہ جائینگے۔ تم تلوار کے زور سے ہمیں نکال دو!"

پھر فوراً بکر آفندی کمانڈر نے آکر کہا "عارف، ایک شریر آدمی ہی۔ وہ ایک ایسا جھوٹ بولا ہی جسے پورے سمندر کا پانی بھی دھو نہیں سکتا"

مدحت پاشا نے پوچھا "ہمارے گرد یہ تمام طیاریاں کیسی ہیں؟"

بکر آفندی نے جواب دیا "ہمیں ابتک کوئی خاص حکم نہیں ملا ہی لیکن ہم ہر حکم کی اطاعت ضرور کرینگے"

پھر اُسنے قسم کھائی کہ اب تک جتنی خبریں مشہور ہوئی ہیں، بالکل جھوٹ ہیں اور قلعہ سے باہر چلا گیا۔

جُرم کی رات

۱۲ر رجب ۱۳۰۱ھ کو رات کے پچھلے پہر میں مدحت پاشا اور دامادِ محمود پاشا قتل کرڈالے گئے۔ تفصیل حسب ذیل ہی:

اس رات میرالائی محمد لطفی اور بکر آفندی کمانڈر، قلعہ کے پھاٹک میں رہے۔ قلعہ کے اندر بہت سی فوج جمع کردی گئی۔ سپاہیوں کو کافی مقدار میں کارتوس تقسیم کردیئے گئے۔ آدھی رات کے بعد محمود پاشا کے خادم حاجی شکری کو جگاکر پکڑلے گئے۔ پھر ہر قیدی کے کمرے کے سامنے دو دو مسلح سپاہی کھڑے کردیئے گئے۔ مدحت پاشا کا خادم عارف آغا پہلے ہی سے قید کردیا گیا تھا۔ مگر موصوف تنہا نہ تھے۔ ناحق پاشا کے لڑکے علی بک اُن کے ساتھ سورہے تھے۔

اچانک مدحت پاشا کے کمرے کا دروازہ توڑ ڈالا گیا۔ علی بک کو اُٹھالے گئے۔ اور مدحت پاشا کو قتل کرنا چاہا۔ اُنھوں نے کوئی مقابلہ نہیں کیا۔ صرف خدا کے خوف سے ڈرایا اور نصیحت کی۔ اُنھوں نے کہا "دیکھو، سپاہی کا کام، وطن کی حفاظت ہی۔ نہ کہ ارتکاب جرم!"

لیکن اُن کا گلا گھونٹ ڈالا، اور وہ ہلاک ہوگئے!

اسی طرح قاتلوں نے محمود پاشا کا دروازہ بھی توڑا۔ وہ جاگ پڑے اور تکیہ اُٹھاکر دیر تک مقابلہ کرتے رہے۔ آخر تھک گئے۔ محمد آغا، ایک افسر نے اُن کے گلے میں رسی کا پھندا ڈال دیا۔ وہ زور سے چلائے "امان امدا" اس آواز پر سب لوگ جاگ پڑے۔

خیرالدہ آفندی، پاس کے کمرے میں تھے۔ وہ بھی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ سپاہیوں نے کہا "ڈرئیے نہیں۔ آپکے لئے کوئی اندیشہ نہیں ہی" مگر وہ اس قدر مرعوب ہوگئے تھے کہ بیہوش ہوکر گر پڑے اور رات بھر اسی حالت میں رہے۔

محمود پاشا کو قتل سے پہلے بہت تکلیف دی گئی، پھر گلا گھونٹ ڈالا گیا۔ مگر یہ ناکافی سمجھا گیا اور لاٹھیوں سے اُن کا ہاتھ توڑ ڈالا گیا!

قتل کے بعد دونوں شہیدوں کو غسل خانے اُٹھالے گئے۔ رات ہی کو علی بک بروسلی کی دکان توڑ کر کفن کے لئے کپڑا نکالا گیا اور فوج کے امام یونس آفندی کو شہیدوں کے نہلانے کا حکم دیا گیا۔ مگر اُنھوں نے انکار کیا۔ اسپر دونوں کو بغیر غسل اور کفن کے دفن کردیا گیا۔ دونوں قبروں پر دو پتھر لگا دیئے گئے۔ ایک پر لکھا تھا "مدحت پاشا ۲۶ر مارچ کو فوت ہوئے" دوسرے پر تھا "محمود پاشا ۱۲ر مئی کو فوت ہوئے"

حالانکہ یہ بالکل جھوٹ تھا۔ کیونکہ دونوں کو ایک ہی دن قتل کیا گیا تھا۔

مدحت پاشا اپنے قتل کے بہت دن سے منتظر تھے۔ واقعہ سے دو تین دن پہلے ایک مرتبہ نماز کے بعد سر جھکائے دیر تک بیٹھے رہے ساتھیوں نے فکر کی وجہ دریافت کی۔ کہنے لگے:

"میں موت کے بارے میں غور کررہا ہوں جس کی تکلیف ۵ منٹ سے بھی کم میں ختم ہوجاتی ہی۔ سوچتا ہوں کون سی موت سب سے کم تکلیف دہ ہوتی ہی: گلا گھونٹنے کی موت یا گولی کی موت؛ یا بیماری کی موت؟ اگر مجھے اختیار ہوتا تو میں موت کو زندگی پر ترجیح دیتا، مگر یہ معاملہ انسان کے اپنے بس کا نہیں ہی۔ دیکھو میں بیمار ہوا۔ موت سے قریب ہوکر پھر دور ہوگیا۔ ہماری وجہ سے کئی معصوم یہاں قید ہیں۔ شاید ہماری موت اُن کی رہائی کا سبب ہوگی"

وفات سے پہلے مدحت پاشا نے خیرالدہ آفندی کو ۴۰ پونڈ دیئے اور کہا "یہ میرے کفن دفن کے لئے ہیں" مگر خیرالدہ آفندی کو اس خدمت کا موقعہ نہیں ملا۔ اس لئے اُنھوں نے یہ رقم حکومت کے حوالے کردی۔

مدحت پاشا اور محمود پاشا، گلا گھونٹ کر قتل کئے گئے۔ مگر حکومت نے یہی مشہور کیا کہ وہ بیمار ہوئے تھے اور اپنی قضا سے مرگئے۔ لیکن دُنیا نے یہ جھوٹ تسلیم نہیں کیا اور بہت جلد حقیقت مشہور ہوگئی۔

سلطان عبدالحمید، ان دونوں شہیدان وطن سے اس قدر خائف تھا کہ بہت دن تک اُن کی موت کا اُسے یقین نہیں ہوا۔ چنانچہ دو مرتبہ اُسنے اپنے خاص آدمی حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے طائف بھیجے اور اُنھوں نے پوری تحقیقات کی۔ مگر سلطان کو برابر یہی شک رہا کہ دونوں کہیں بھاگ گئے ہیں۔ کہا جاتا ہی کہ آخر میں سلطان نے حکم دیا کہ مدحت پاشا کا سر کاٹ کے اُس کے پاس بھیجدیا جائے۔ چنانچہ قبر کھودی گئی، سر کاٹا گیا، اور ایک صندوق میں بند کرکے روانہ کردیا گیا۔ مگر چونکہ بیچ میں نہر سویز پڑتی تھی اور وہاں کا چنگی خانہ بہت سختی سے تلاشی لیتا ہی، اس لئے صندوق پر یہ عبارت لکھ دی گئی "خاص جلالۃ السلطان کیلئے ہاتھی دانت کی مصنوعات"!

مدحت پاشا اور محمود پاشا کی قبریں کچھ عرصہ موجود رہیں۔ مگر احمد راتب پاشا نے اپنی حکومت کے زمانے میں اُن پر سے پتھر اُکھڑوا ڈالے اور قبریں زمین سے برابر کردیں۔

یہ عجیب بات ہی کہ اس واقعۂ قتل کے ایک ہفتہ بعد والی حجاز، مرض فالج میں مبتلا ہوگیا تھا۔ یہ گویا خدا کا دُنیا ہی میں اُس سے انتقام تھا۔



بریدِ شرق

مکتوب آستانہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

غازی مصطفےٰ کمال پاشا کا خطبہ - عید آستانہ - ترکی طبی کانفرنس - ٹرکی اور ایران

غازی مصطفےٰ کمال کا خطبہ

اس ہفتہ سب سے اہم واقعہ، انگورہ میں خلق فرقہ سی یا جمہوری جماعت کی مؤتمر ہے - مؤتمر میں سب سے زیادہ اہم کارروائی، غازی مصطفےٰ کمال پاشا کا وہ تاریخی خطبہ ہے جو کامل ایک ہفتہ تک جاری رہے گا موصوف نے یہ خطبہ، کئی ماہ کی محنت سے طیار کیا ہے - اس میں وہ تمام تاریخی اور سیاسی حقائق جمع کر دئیے ہیں جو معاہدہ التوائے جنگ کے بعد سے ابتک ٹرکی میں واقع ہوئے ہیں۔

غازی نے اپنا خطبہ "انجمن طیارات" کو دے دیا تھا - اُسی نے چھاپا ہے اور وہی ٹرکی کے طول و عرض میں ہوائی جہازوں کے ذریعہ تقسیم کرے گی - ہر روز جتنا خطبہ غازی سنائیں گے، انجمن، اُتنا حصہ اخبارات کو تقسیم کر دے گی - ایک جرمنی کمپنی نے دنیا کے اخباروں میں اس کا خلاصہ بھیجنے اور مختلف زبانوں میں اُس کا ترجمہ شایع کرنے کا ٹھیکہ لے لیا ہے - ابتک متعدد زبانوں میں ترجمہ طیار ہو چکا ہے عنقریب بازار میں آجائے گا۔

"عید آستانہ"

آپکے قارئین نے یہ لفظ شاید پہلے نہیں سُنا ہوگا - حالانکہ یہ لفظ ترکوں میں ایک عجیب جوش پیدا کر دیا کرتا ہے - عید آستانہ، یا آستانہ کی عید ہر سال ۶ اکتوبر کو بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی ہے - پچھلے ہفتے ہم نے چوتھی مرتبہ یہ عید دیکھی تھی - تمام پچھلی عیدوں سے زیادہ شاندار تھی۔

یہ عید اتحادی فوجوں سے آستانے کی آزادی کی یادگار ہے جنگ عمومی کے خاتمہ پر دول اتحاد نے ٹرکی سے التواء جنگ کا معاہدہ طے کیا - اس معاہدہ کی رُو سے ترکوں نے ہتیار رکھ دئیے - ہتیار رکھتے ہی اتحادی فوجیں پایۂ تخت میں گھس پڑیں - انگریزوں نے "پیرا" پر قبضہ کر لیا - فرانسیسیوں نے استنبول پر، اٹلی نے باسفورس کے ایشیائی ساحلوں پر - ان سلطنتوں کے جنگی بیڑے بحر مرمرہ اور باسفورس میں داخل ہوکر لنگر انداز ہوگئے اور اپنی توپیں شہر کی طرف سیدھی کر دیں - پھر ان کی بری فوجیں آتریں اور شہر کی وہ حالت کر دی جو خونخوار فاتح، مفتوحوں کی کیا کرتے ہیں - ایسا ظلم و ستم شروع کیا جس کا تصور بھی کبھی ترکوں نے نہیں کیا تھا - مسلح سپاہی اور مسلح جاسوس ہر طرف پھرتے تھے اور جسے چاہتے تھے، بدبختی میں مبتلا کر دیتے تھے بہت سے مارے گئے - بہت سے قید کئے گئے - بہت سے جلا وطن کئے گئے کوئی مخلص ترک بھی اتحادیوں کے انتقام سے بچ نہ سکا۔

اس ظلم و جور کے مقابلے میں آستانہ کے ترکوں نے کیا کیا؟ انھوں نے کوئی بغاوت کی؟ نہیں - کوئی مظاہرہ کیا؟ نہیں - وہ بالکل خاموش ہو گئے - اتحادی قوتیں سمجھیں ہم نے مرعوب کر لیا - دنیا بھی یہ سب سے زیادہ جبار قوم ہماری غلامی پر قانع ہوگئی - مگر یہ اُن کی غلطی تھی ترکی قوم کی طبیعت سے جہالت تھی - ترکی قوم کا خاصہ ہے کہ جب وہ جلال میں آتی ہے تو خاموش ہوجاتی ہے - جب ترک کو چُپ سناٹے میں دیکھو تو اُس سے بھاگو - کیونکہ وہ غصہ ہوگیا ہے - قہر و جلال کی قوتیں اُس کے دل و دماغ میں جمع ہو رہی ہیں - آستانہ کے ترک بھی اتحادیوں کے مظالم کے مقابلے میں خاموش ہو گئے - مگر اُن کی روح بول رہی تھی - اتحادیوں کے لئے وہ اندر ہی اندر اناطولیہ میں بارود بچھا رہے تھے - یہ تاریخی حقیقت ہے کہ اناطولیہ میں قومی تحریک کا قیام، زیادہ تر آستانہ کے باشندوں ہی کی سعی و ہمت سے ہوا - اتحادیوں کا پہرہ چوکی بہت ہی سخت تھا، مگر آستانہ سے برابر سامان جنگ، توپیں، آدمی اور روپیہ اناطولیہ پہنچ رہا تھا - کس راہ سے جاتا تھا؟ کون لے جاتا تھا؟ کس وقت جاتا تھا؟ ان سوالوں کا جواب ابتک تاریخ کے پاس موجود نہیں ہے - مگر جاتا تھا - یہ تاریخی حقیقت ہے۔

آستانہ کے ترکوں کی خاموشی نے آخر ۴ سال بعد رنگ دکھایا - اتحادیوں کے پروردہ یونان کو اناطولیہ میں ایسی شکست ہوئی کہ موت سے بدتر تھی - دیکھتے دیکھتے فتح مند ترکی فوجیں باسفورس کے سامنے پہنچ گئیں - یہ وہ وقت تھا جب انگلستان، فرانس اور اٹلی کی تقریباً تمام بحری قوتیں، باسفورس اور مرمرہ میں جمع تھیں - اتحادی خیال کرتے تھے یہ قوت دیکھ کر اناطولیہ کے ترک ڈر کر اُلٹے پاؤں بھاگ جائیں گے - مگر وہ ڈرے نہیں - خود اتحادیوں ہی کو ڈرنا پڑا - مدانیہ کا ذلت آمیز معاہدہ قبول کرنا پڑا۔

اس کے بعد ہم نے اپنی آنکھوں سے کیا دیکھا؟ ہم نے وہ دیکھا جسے دیکھ کر ہم اپنی آنکھوں کی صحت پر شبہ کرنے لگے - مگر وہ واقعہ تھا - ہم نے یہ دیکھا کہ اتحادی بیڑے، جو اب تک سلطان کو قید کئے پڑے تھے، اچانک اُن کے جھنڈے، سربلند ترکی جھنڈے کے سامنے جھک پڑے - جس وقت ترکی جھنڈا، وزارت جنگ کے بلند مینار پر اُڑایا گیا، تمام اتحادی قوتوں نے اُسے ذلت کے ساتھ جنگی سلام کیا۔

پھر ہمنے کیا دیکھا؟ یہ دیکھا کہ وہی اتحادی فوجیں، جو آستانہ کی سڑکوں پر فاتحانہ مظاہرے کرتی پھرتی تھیں اور ترکوں کو شریفانہ برتاؤ کی مستحق نہیں سمجھتی تھیں، خوف و دہشت سے اپنا اسباب باندھتی اور بھاگتی نظر آئیں - ایک طرف سے یہ فوجیں بھاگ رہی تھیں، دوسری طرف سے مظفر و منصور ترکی فوجیں آرہی تھیں - بیچ سمندر میں دونوں کا سامنا ہوا - اول الذکر نے آخر الذکر کو فوجی سلامی دی!

"عید آستانہ" اسی واقعہ کی یادگار ہے جو ۶ اکتوبر کو پیش آیا تھا

ترکی طبی کانفرنس

انگورہ میں ترکی طبی کانفرنس منعقد ہوئی عصمت پاشا نے اس کا افتتاح کیا - کانفرنس میں بہت سے اہم طبی مسائل پر بحث ہوئی نیازی بک کی رُوداد سے معلوم ہوا کہ آنکھوں کا مرض ترکوں میں بھی عام ہے - اسوقت ۵ لاکھ ترک اسمیں مبتلا ہیں - یہ بیماری زیادہ تر حصن منصور، دیار بکر، اور اردفا کے علاقوں میں پائی جاتی ہے - رشاد رضا بک اور موسیٰ کاظم بک نے مرض سل پر بحث کی اور بتایا کہ گذشتہ ۲۵ سال کے عرصہ میں صرف قسطنطنیہ میں اس بیماری سے ۶۹،۰۰۰ آدمی مر چکے ہیں - پورے ٹرکی میں سالانہ ۳۲،۰۰۰ آدمی اس مرض کا شکار ہوتے ہیں - یعنی ہر دس ہزار ترکوں میں ۳۰ آدمی اسی بیماری میں مرتے ہیں۔

ٹرکی اور ایران

ادہر کچھ مدت سے ٹرکی اور ایران کے مابین کشیدگی پیدا ہوگئی ہے، جیسا کہ پچھلے مکاتیب میں لکھ چکا ہوں - اس ہفتہ میرزا فرد علی خاں سابق وزیر جنگ ایران، آستانہ پہنچے ہیں اور انگورہ جا رہے ہیں - ان کا سفر اسی نزاع کے دُور کرنے کے لئے ہے - موصوف نے اخبارات کے نمائندوں کو حسب ذیل بیان دیا ہے:

"سرکش کُرد، ترکی حدود پر تاخت و تاراج کرتے ہیں - ترکی حکومت خیال کرتی ہے کہ یہ مجرم، ایرانی سرزمین میں پناہ لیتے ہیں - میں نے یہ بھی سُنا ہے کہ یہ لوگ بعض ترکی افسروں کو بھی پکڑ لے گئے ہیں - مجھے بالکل نہیں معلوم کہ یہ کرد، ایرانی سرزمین میں پناہ لیتے ہیں - اگر واقعہ یہی ہے تو ہم اُنھیں ہرگز پناہ نہیں لینے دینگے اور ترکی حکومت کو ہر طرح مطمئن کر دیں گے"

تازہ خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ جو ترکی افسر یہ مجرم پکڑ لے گئے تھے، اب رہا ہو گئے ہیں اور اپنی سرحد میں واپس آگئے ہیں۔

شمالی افریقہ

مراکش، ٹیونس، اور الجزائر فرانسیسی استعمار کے بعد

(الہلال کے مقالہ نگار مصر کے قلم سے)

مراکش کی آبادی

۴ مارچ سنہ ۱۹۲۶ء کی مردم شماری سے ثابت ہوتا ہے کہ فرانس کے زیر حمایت مراکش کا رقبہ ۴۱۵،۰۰۰ کیلومیٹر مربع میل ہے، اور آبادی ۴۲،۳۰،۰۰۰ ہے - اسمیں ۴۰،۱۶،۰۰۰ مسلمان ہیں - ۰۰۰،۰۸ ایسے یہودی ہیں - ۶۶ ہزار فرانسیسی ہیں - ۴۰ ہزار دوسرے یورپین ہیں۔

اس سے پہلے سنہ ۱۹۲۱ میں مردم شماری ہوئی تھی - اُس کے مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ۵ برس کے قلیل عرصہ میں فرانسیسیوں کی تعداد میں ۱۹ ہزار کا اضافہ ہوگیا ہے۔

مراکش کی دولت

مراکش کے باشندے زراعت پیشہ ہیں - زیادہ تر غلہ کی کاشت ہوتی ہے - ابتک کوئی قیمتی کان دریافت نہیں ہوئی - صرف فاسفیٹ

کی ایک کان ملی ہو۔ البتہ خیال کیا جاتا ہو کہ ملک میں سیسے، زنگ، تانبے کی بھی کانیں موجود ہیں، مگر زیادہ بڑی نہیں سمجھی جاتیں۔

مراکش کی تجارت

سنہ ۱۹۱۳ سے ابتک کے اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہو کہ مراکش میں برآمد پر درآمد کا مسلسل اضافہ ہو رہا ہو۔ ذیل کے نقشے سے اس کا اندازہ ہوگا:

سنہ	ملین فرنک کے حساب سے زیادتی
سنہ ۱۹۱۳ء	۱۴۲
سنہ ۱۹۲۲	۵۱۴
سنہ ۱۹۲۳	۵۰۸
سنہ ۱۹۲۴	۳۰۳
سنہ ۱۹۲۵	۶۲۶
سنہ ۱۹۲۶	۹۸۰

مراکش کی تجارت میں فرانس کا حصہ بہت بڑا ہو۔ ذیل کے نقشے سے اس کا اندازہ ہوگا۔

سنہ	مجموعی تجارت	فرانس کا حصہ
سنہ ۱۹۱۳ء	۲۲۲	۱۵۲
سنہ ۱۹۲۱	۱۲۱۶	۷۵۳
سنہ ۱۹۲۵	۱۷۵۴	۹۵۳
سنہ ۱۹۲۶	۲۴۰۴	۱۴۲۷

برآمد میں بھی اضافہ ہوا ہو۔ سنہ ۱۹۱۳ء میں مراکش کی کل برآمد ۴۰ ملین فرنک تھی۔ سنہ ۱۹۲۶ میں ۷۱۲ ملین تک پہنچ گئی۔ لیکن درآمد کے مقابلے میں یہ ترقی بہت معمولی ہو۔ کیونکہ برآمد میں فاسفوٹ بھی داخل ہو جو سراسر فرانسیسی کمپنی کی ملکیت ہو۔ اس کی قیمت سنہ ۱۹۲۶ء میں ۱۰،۲۵،۰۰،۰۰۰ فرنک تھی۔ اسی طرح دوسری کانوں کی آمدنی، جو فرانسیسی کمپنیوں کے ہاتھ میں ہیں، ۶ ملین فرنک تھی۔

اسوقت تک مراکش کی ۶ لاکھ ہکٹار قابل کاشت زمین، ۶۶ ہزار فرانسیسیوں کی ملکیت میں جا چکی ہو۔ یہ لوگ اپنی پیداوار، فرانس بھیجتے ہیں اور بے شمار نفع حاصل کر رہے ہیں۔

مراکش کا قرضہ

فرانسیسی حمایہ سے پہلے مراکش پر ۱۶۴ ملین قرضہ تھا۔ لیکن سنہ ۱۹۲۰ میں ایک نیا قرضہ اُس کے سر منڈھ دیا۔ اب اُس کی تعداد ۷۴۴ ملین فرنک ہوگئی ہو۔ حکومت مراکش کے سالانہ میزانیہ میں قرض اور سود کی ادائی کے لئے بھی ایک مد ہوتی ہو۔ سنہ ۱۹۲۲ میں حکومت کی آمدنی ۲۶،۷۶،۴۳،۳۴۰ فرنک تھی اور قرض کی قسط ۳،۶۹،۰۰،۰۰۰ فرنک تھی۔ سنہ ۲۶ میں آمدنی ۴۰،۶۹،۱۵،۷۷۲ فرنک تھی اور قرض کی قسط ۷،۸۴،۰۰،۰۰۰۔

ریلوے

اسوقت مراکش میں ۱،۲۵۵ کیلومیٹر ریلوے لائن بچھی ہوئی ہو لائن دو قسم کی ہو: چھوٹی اور بڑی۔ چھوٹی لائن، فوجی نقل و حرکت کے لئے ہو اور حسب ذیل مقامات کو متصل کرتی ہو:

خط	درازی
دار بیضا سے مراکش تک	۲۸۴ کیلومیٹر
جدہ سے فاس تک	۴۰۱ ″
قنطرہ سے وزان تک	۱۵۸ ″

آخر الذکر دونوں خطوں سے جنگ ریف کے زمانے میں فرانس نے بہت فوائد حاصل کئے۔ ان پر مسافر بھی سفر کرتے ہیں، مگر کم۔

بڑی لائن کی دو شاخیں ہیں:

طنجہ۔ فاس لائن۔ یہ ایک فرانسیسی اسپینی کمپنی کی ملکیت ہو۔ ۲۔ اس کی درازی ۴۰۶ کیلومیٹر ہو۔

قنیطرہ۔ رباط لائن۔ یہ دار بیضا اور مراکش ہوتی ہوئی طنجہ۔ فاس ریلوے سے ملجاتی ہو۔ یہ سراسر فرانسیسی کمپنی کی ملکیت ہو۔

مراکش میں فرانس کے جنگی مصارف

ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا کہ فرانس کو اب تک مراکش کے محکوم کرنے کے لئے کتنے مصارف برداشت کرنا پڑے:

سنہ	ملین فرنک
سنہ ۱۹۰۷ سے سنہ ۱۹۱۱ء	۱۲۶
سنہ ۱۹۱۲ ″ سنہ ۱۹۱۴	۵۹۸
سنہ ۱۹۱۵ ″ سنہ ۱۹۱۹	۱۴۱۰
سنہ ۲۰	۴۹۰۸
سنہ ۲۱	۴۷۸۲
سنہ ۲۲	۴۳۶۱
سنہ ۲۳	۳۹۲۵
سنہ ۲۴	۲۳۳۸
سنہ ۲۵	۹۰۴۲
سنہ ۲۶	۱۲۰۵۶

صحرا میں ریل

شمالی افریقہ کے فرانسیسی نظم و نسق کی سرکاری کانفرنس ہر سال منعقد ہوا کرتی ہو۔ حال میں اس کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا تھا۔ اس اجلاس نے متعدد تجاویز منظور کی ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ اہم تجویز یہ ہو کہ صحرا میں ریلوے لائن تعمیر کر کے شمالی افریقہ وسطی افریقہ سے ملادی جائے۔ اگر یہ ریلوے خط تعمیر ہو گیا تو افریقہ کی عمرانی اور تجارتی حالت میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو جائے گا۔ کیونکہ صحرا کا تمام غیر آباد حصہ آباد حصہ ہو جائے گا، اور مصر سے مراکش تک ایک نیا اندرونی خط تجا[رت]

مذاکرۂ علمیہ

نظریۂ نشو و ارتقا کی موجودہ منزل

(۲)

مشکلات

نظریۂ ارتقار کے محقق کی راہ میں ابتک متعدد مشکلات حائل ہیں۔ سب سے بڑی مشکل یہ ہو کہ طبقات الارضی تاثیرات کے ماتحت ارتقائی سلسلے کی بعض کڑیاں گم ہیں۔ ان کڑیوں کا پتہ لگانا ضروری ہو۔

حفریات کی مدد سے ہم نے عہد بلیوسینی (یعنی وہ عہد جبکہ زمین کی سطح کا دوسرا طبقہ طیار ہونا شروع ہوا) کے اواخر تک کی تحقیق کرلی ہو۔ مگر خود اس عہد کی تحقیق پوری طرح مکمل اور یقینی نہیں ہو۔ بلاشبہ ہمیں بلیوسینی طبقات میں پتھرائے ہوئے دانت ملے ہیں۔ ممکن ہو یہ بندر نما انسان، یا انسان نما بندر کے دانت ہوں۔ لیکن اس مخلوق کی تعیین کے لئے مزید تحقیقات کی ضرورت ہو۔

عہد بلیوسینی کم سے کم ڈھائی لاکھ برس دراز تھا۔ اس سے پہلے کا زمانہ، عہد میوسینی کہلاتا ہو اور کم سے کم چھ سات لاکھ سال دراز تھا۔ اسی عہد میں بندر نما انسان ظاہر ہوا تھا۔ ڈاکٹر بلگرم کو (جو ہندوستان کے شعبۂ طبقات الارض میں کام کرتے ہیں) ایسے پتھرائے ہوئے آثار دستیاب ہوئے ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہو کہ بندر نما انسانوں کی بارہ قسمیں موجود تھیں اور عہد میوسینی کے اواسط و اواخر میں ہمالیہ کے جنگلوں کے اندر زندگی بسر کرتی تھیں۔ پھر آج ہم بندر نما انسان کی کم از کم تین ایسی قسموں سے بھی واقف ہیں جو اُسی عہد میں یورپ کے جنگلوں کے اندر موجود تھیں لیکن افسوس ہمیں اُن کے جسم کے صرف وہی اجزار مل سکے ہیں جو زیادہ پائدار تھے۔ یعنی دانت اور جبڑے۔ اُن دانتوں کو اگر قدیم انسان کے دانتوں کے سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو کوئی شخص اس امر کو انکار نہ کرسکے گا کہ عہد میوسینی کے بندر نما انسان کے دانت موجودہ انسانی دانتوں کی اصل ہیں۔

انسان کب ظاہر ہوا؟

یہ غیر ضروری ہو کہ عہد میوسینی سے پہلے انسان کے ظہور کی تحقیقات کی جائے۔ کیونکہ اس عہد سے پہلے کے ارضی طبقات میں صرف بندر نما انسان ہی کے آثار ملتے ہیں۔ اسوقت جتنے بھی دلائل ہمارے پاس موجود ہیں، اُن سے ثابت ہوتا ہو کہ موجودہ انسان نے ایک ایسے بندر سے ظہور کیا ہو جو بندر نما انسان قسم کا تھا۔ یہ قسم شمپانزی قسم کے بندر سے زیادہ ترقی یافتہ نہ تھی۔ اور یہ کہ انسان کی نسل انتھروپوئیڈ سے عہد میوسینی میں جدا ہوئی ہو۔ بنا بریں انسان کی عمر، دس لاکھ برس کی ہو۔

انسان کے تسلسل پر دلائل

طبقات الارضی مباحث سے ابتک قطعی طور پر ثابت نہیں ہوا کہ انسان کی اصل، بندر نما انسان ہو۔ پھر کیا وجہ ہو کہ ہم اس بات پر زور دیتے ہیں کہ انسان اپنے ظہور کے کسی عہد میں بندر نما انسان قسم کی ایک مخلوق تھا؟ حالانکہ یہ معلوم ہو کہ انسان اور بندر میں مختلف حیثیتوں سے بہت فرق ہو۔

میں مختصر جواب دیتا ہوں۔ موجودہ صدی کے اوائل میں پروفیسر نیٹون نے ہر جنس حیوانی کا تعلق اُس کے افراد سے معلوم کرنے کے

لئے ایک طریقہ دریافت کیا ہی۔ وہ طریقہ یہ ہی کہ کیمیادی افعال کے لحاظ سے خون کی جانچ کی جاتی ہی۔ خون کی جانچ سے ثابت ہو چکا ہی کہ کیمیادی تفاعل کے لحاظ سے انسان اور بندر نما انسان کا خون بالکل ایک ہی طرح کا ہی۔ دونوں کا خون یکساں طور پر یکساں امراض قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہی، اور دونوں خون اپنی کیمیادی ترکیب میں بھی ایک ہی ہیں۔ پھر اپنی ترکیب میں دونوں کے دماغ بھی یکساں ہیں۔ رحم مادر میں جس طرح انسان کا بچہ نشو و نما پاتا ہی، ٹھیک اُسی طرح اس بندر کا بچہ بھی نشو و نما حاصل کرتا ہی۔ رحم میں دونوں بالکل یکساں حالات سے گزرتے ہیں۔ دونوں کے جسم میں ایک ہی قسم کے اثری اعضا بھی موجود ہیں اور نظریہ نشو و ارتقا کی سب سے بڑی دلیل ہی۔ پھر جس طرح عورت اپنے بچے سے محبت کرتی اور پالتی پوستی ہی، بالکل اُسی طرح اور ویسے ہی جذبات کے ساتھ اس قسم کا بندر بھی اپنے بچے کو پالتا ہی۔

یہ تمام حقائق، اُن کثیر دلائل میں سے صرف چند ہیں جن سے انسان اور اس بندر نما انسان میں کامل مشابہت ثابت ہوتی ہی۔ اگر یہ دونوں مخلوق ایک ہی اصل سے پیدا نہیں ہوئے، تو اس مشابہت کی کیا توجیہ کی جا سکتی ہی؟

دماغ انسانی کا نشوو

بندر کے دماغ میں کوئی جزء ایسا موجود نہیں جس سے مشابہ جزء انسان کے دماغ میں موجود نہ ہو۔ اسی طرح انسان کے دماغ میں جو اجزاء اور اُن کی ترکیب موجود ہی، بعینہ وہی گوریلا کے دماغوں میں بھی موجود ہی۔ انسان کا دماغ بندر نما انسان کے دماغ سے ذرا بھی مختلف نہیں۔ فرق صرف کمیت کا ہی۔ انسان کا دماغ کمیت میں زیادہ ہوتا ہی۔ بلاشبہ یہ فرق، معمولی فرق نہیں ہی۔ انسان کے دماغ کے کمیت اور معین اجزاء میں اُس کی تقسیم ہی نے انسان کو شعور و ادراک، عمل و کلام، اور تعلیم و تربیت کی قوت بخشی ہی۔

ڈاروین نے انسان اور بندر نما انسان کے دماغوں کی تحقیق کی۔ ثابت ہوا کہ فرق صرف کمیت میں ہی نہ کہ نوعیت میں۔ ڈاروین کے بعد دوسرے بہت سے علماء نے بھی تحقیق کی اور اس رائے کی تائید کی۔ علم وظائف الاعضاء، علم النفس، علم التشریح، اور علم الجنین، وغیرہ علوم کے مباحث سے ثابت ہو گیا ہی کہ انسان کے دماغ نے بندر نما انسان کے دماغ سے ترقی کی ہی، اور اس ترقی کے دوران میں کسی نئی ترکیب کا اُس میں اضافہ نہیں ہوا ہی۔

پیچیدہ مشکلات

ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ ہماری تحقیقات بالکل مکمل ہو چکی ہیں درحقیقت ہم ابھی پہلی ہی منزل میں ہیں۔ ہمارے سامنے بہت سی ایسی پیچیدہ مشکلات ہیں جنھیں ہم حل نہیں کر سکے ہیں۔

ہم اُس دن کا انتظار کر رہے ہیں جب ہم یقین کے ساتھ انسانی دماغ کی ترقی اور گوریلا کے دماغ کی پستی کا سبب بیان کر سکیں گے ہم ناموس وراثت کی معقول تعلیل کر سکیں گے اور بتا سکیں گے کیوں ایک خاندان زیادہ طاقتور ہوتا ہی اور دوسرا کمزور؟

پھر یہ عجیب بات ہی کہ عہد میوسینی میں صرف انسان کے مورث اعلیٰ کے دماغ ہی نے ترقی نہیں کی، بلکہ دوسرے بہت سے حیوانات کے دماغوں نے بھی ترقی کی ہی۔ شروع میں تمام بندروں کا دماغ بہت ہی چھوٹا تھا۔ پھر اُس میں زیادتی ہوتی رہی یہاں تک کہ انسانی دماغ کا ظہور ہوا۔ یہ کیوں ہوا؟ وہ کیا موثرات تھے جنھوں نے اس دماغ کے لئے ترقی کی راہ باز کی؟ سردست ان سوالوں کا ہمارے پاس شافی جواب موجود نہیں۔

افسانہ

فرانس کا آخری مقبول ڈراما

مضحک اور غمناک عناصر کا مجموعہ

ایلن کا شوہر!

ذیل میں اُس ڈرامے کا خلاصہ ایک نقاد تماشائی کی نظر سے قلمبند کیا گیا ہی، جو گذشتہ موسم بہار میں پیرس کا سب سے زیادہ مقبول اور دلچسپ ڈراما تسلیم کیا گیا تھا۔ اس کا مطالعہ کرتے ہوئے چند امور پیش نظر رکھنے چاہئیں:

(۱) "کامیڈی" اور "ٹریجیڈی" کی دو قدیم قسمیں معلوم ہیں، لیکن ایک تیسری قسم وہ ہی جس میں دونوں طرح کے جذبات جمع کر دینے کی کوشش کی جاتی ہی۔ یعنے وہ واقعات و احساسات کا ایک ایسا ملا جُلا مجموعہ ہوتا ہی، کہ اُسے ایک اعتبار سے مضحک کہہ سکتے ہیں، ایک اعتبار سے غم انگیز۔ اس اشتراک سے مقصود یہ نہیں ہی کہ سلسلۂ واقعات میں بعض حصے غم انگیز آجائیں اور بعض مضحک، جیسا کہ شکسپیر نے ہملٹ جیسی غمناکی میں ایک منظر ہملٹ اور قبر کھودنے والوں کے مضحک مکالمہ کا دکھا دیا ہی، بلکہ مقصود یہ ہی کہ نفس واقعہ اور اُس کے واردات و احساسات کی نوعیت ہی ایسی ہو کہ اُسے ایک پہلو سے مضحک اور ایک پہلو سے غم انگیز قرار دے سکیں۔ یہ قسم آجکل فرانس میں سب سے زیادہ مقبول ہی، اور مندرجہ ذیل ڈراما اسی قسم کا ایک آخرین نمونہ ہی۔

(۲) سب سے زیادہ قابل غور یورپ کی موجودہ اخلاقی ذہنیت کی نمایش ہی جو اس ڈرامے میں ہمارے سامنے آجاتی ہی۔ یہ واقعہ ہی کہ ایلن اور اُسکے شوہر کی قصصی سیرت یورپ کے اعلیٰ اور متوسط طبقات کے نوے فی صدی مرد و عورت کی حقیقی سیرت ہی۔ حیات زوجیت کی اخلاقی اور معاشرتی روح فنا ہو چکی ہی۔ محض ایک طرح کا قانونی معاہدہ رہ گیا ہی جس کی پابندی معاشرتی ضروریات کی بنا پر کی جا رہی ہی، بہت ممکن ہی کہ کچھ عرصہ بعد یہ پابندی بھی ضروری نہ رہے۔ موجودہ تمدن کا منتہائے عروج، اخلاق اور اخلاقی حدود کا خاتمہ ہی!

---

(۱)

میں ہنسنا چاہتا تھا جب یہ ڈراما دیکھنے کے لئے جانے لگا۔ مجھے یقین تھا کہ ہنسوں گا، کیونکہ قصہ کا نام ہی مضحک تھا۔ پھر یہ پہلی مرتبہ اسٹیج پر آیا تھا اور نکتہ چینیوں کی نظریں ابتک اس پر نہیں پڑی تھیں جو ایکٹر اس میں حصہ لینے والے تھے، سب فن ظرافت میں مشہور تھے پیرس کے مخلوق کی عادت ہی کہ پہلے ہی سے لطف اُٹھانے لگتی ہی میں نے بھی پیشگی ہنسنا شروع کر دیا تھا۔

ہنستے ہوئے تھیٹر پہنچے۔ پردہ اُٹھنا تھا کہ مارے ہنسی کے پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے لیکن چند ہی لمحے بعد ہنسی غائب ہو گئی۔ اپنے اندر ہم نے ایک عجیب طرح کا احساس پایا۔ الفاظ شاید اسے بیان نہیں کر سکتے کیونکہ وہ احساس نہ تو خالص مسرت تھی نہ خالص رنج۔ یا یوں کہو کہ وہ چیز خالص رنج سے بھی زیادہ قلب کو متاثر کر رہی تھی لیکن ساتھ ہی تبسم پر بھی مجبور کرتی تھی۔ بلکہ شاید ہنسی پر۔ شاید قہقہوں پر! افسردگی میں مسکرانا! رنج میں کھلکھلا کر ہنسنا!

کیوں؟ اس لئے کہ ایکٹر تمھارے سامنے انسان کی ایسی خصلتیں پیش کر رہا ہی جن کا ظاہر ہنسانے والا ہی، ہنسنا چاہو یا نہ چاہو، باطن رولانے والا ہی، رونا چاہو یا نہ چاہو۔

(۲)

پردہ اُٹھتے ہی ایک ادھیڑ عورت تمھارے سامنے موجود ہی۔ ادھیڑ سے بھی زیادہ بوڑھی معلوم ہوتی ہی۔ اُس کا لباس اُس کے سن و سال اُور مرتبہ کے مناسب ہی۔ اُسکی گفتگو سنتے ہی تم جان جاتے ہو کہ وہ پیرس کی مخلوق نہیں، اطراف ملک سے آئی ہی۔ اور یہ کہ اُس مبہم طبقہ سے تعلق رکھتی ہی جو متوسط طبقہ تو نہیں ہی مگر اس سے اُتر کر رہنا بھی گوارا نہیں کرتا۔

عورت، بیوہ ہی۔ شوہر کی یادگار ایک لڑکی ایلن موجود ہی۔ یہ نہایت حسین اور خوش اندام ہی۔ ماں بیٹی زمانہ کے جور سے تنگ آکر پیرس میں پناہ ڈھونڈھتی ہیں۔ فن موسیقی کے ایک ماہر سے ملاقات ہوتی ہی۔ وہ خود بھی اپنے ہنر میں بدقسمت ہی مگر قصباتی دوشیزہ پر فریفتہ ہو جاتا ہی۔ دونوں کو اپنے شکستہ گھر میں جگہ دیتا ہی۔ پھر بیک وقت اس رشک ماہ کا اُستاد، مُربّی، اور عاشق بنتا ہی۔

لڑکی، رقص و سرود میں کامل ہو جاتی ہی۔ پیرس کی ایک تھیٹرکل کمپنی اُس کی خدمات قبول کر لیتی ہی۔ آج کی رات وہ پہلی مرتبہ اسٹیج پر آنے والی ہی۔ ماں اُسے بڑے ہی تاثر، اضطراب، مسرت، اور کسی قدر خوف کی نظروں سے دیکھ رہی ہی۔ لیکن کامیابی کی اہمیت بھی سمجھتی ہی اس لئے خوشی بھی منانا چاہتی ہی۔ چنانچہ اُس نے دعوت کا اہتمام کیا ہی۔ میز پر قسم قسم کے کھانے چنے ہیں جو دولتمندوں کے لئے معمولی مگر غریبوں کے لئے بہت قیمتی ہیں۔ وہ اپنے دل کی تمام باتیں اپنی کم سن پھرتیلی خادمہ کو سناتی ہی۔ اُس کا لہجہ بالکل ویسا ہی

ہو جیسا دادی کا اپنی پوتی کے مقابلہ میں ہوتا ہو۔ گفتگو کچھ اس طرح کی ہو کہ وہ دونوں اُس میں سنجیدگی سے مصروف ہیں مگر ہم سُننے والے ہنسی سے لوٹے جاتے ہیں!

اچانک موسیقی کا اُستاد آتا ہو۔ بہت خوش ہو۔ مگر خوشی نے کچھ اضطراب بھی پیدا کر رکھا ہو۔ وہ تأثر سے بے اختیار رونے لگتا ہو۔ ایسا رونا جو تماشائیوں کو ہنسانے والا ہو۔ ماں کو اُس کی بیٹی کی کامیابی پر مبارکباد دیتا ہو۔ پھر اس کامیابی کی نقل اُتار کر دکھاتا ہو اور وہ نغمے سُناتا ہو جن سے لڑکی نے سامعین کا خراج تحسین وصول کیا تھا۔

ماں خوش ہو۔ لیکن ساتھ ہی غیر مطمئن بھی ہو۔ کیونکہ تھیٹروں کی آب ہوا نا پسند کرتی ہو اور دل سے چاہتی ہو کہ لڑکی کسی اور کام میں لگتی۔ اُستاد موسیقی بھی خوش ہو۔ لیکن ساتھ ہی خوفزدہ بھی ہو۔ کیونکہ ڈرتا ہو، مبادا الینؔ دولتمند مّداحوں کے دام میں پھنس کر اُن کی ہو رہے۔

(۳)

ماں اپنی لڑکی کے عاشق کا خوف محسوس کرتی ہو۔ ساتھ ہی اُس کی اخفار راز کی کوشش کو بھی محسوس کرتی ہو۔ دونوں گومگو حالت میں ہوتے ہیں کہ لڑکی اٹھکھیلیاں کرتی، ہنستی کھیلتی، جوش میں بھری دوڑی آتی ہو۔ ماں کو پیار کرتی ہو۔ عاشق کے سامنے آتی ہو اور شکریہ ادا کرتی ہو۔

لیکن اِن کی قسمت میں دعوت کا لطف تنہا اُٹھانا نہ تھا۔ تھیٹر کا منیجر ایک دولتمند رئیس کے ساتھ آموجود ہوتا ہو۔ دونوں لڑکی کو اس کی کامیابی پر مبارکباد دیتے ہیں اور کھیل کود کے ایک بڑے جائے خانہ میں گھڑی بھر ساتھ بیٹھنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اُن کی گفتگو کے انداز سے پتہ چلتا ہو کہ لڑکی پہلے ہی دعوت قبول کر چکی تھی۔ مگر اب پس و پیش کرتی ہو اور عاشق کو ساتھ نہ لے جانا خلاف مروت خیال کرتی ہو۔ آنے والے اسے محسوس کرتے ہیں اور فوراً عاشق کو بھی مدعو کرتے ہیں وہ انکار کرتا ہو۔ یہ اصرار کرتے ہیں۔ لڑکی بھی ضد کرتی ہو۔ مجبوراً اقرار کر لیتا ہو۔ آنے والے جلد موٹر بھیجنے کا وعدہ کرکے رخصت ہو جاتے ہیں۔

عاشق [illegible] کمرے میں تنہا ہیں۔ اب وہ منظر سامنے آتا ہو جو ہنساتا بھی ہو اور رنج بھی دیتا ہو۔ عاشق، دعوت کا لباس پہنتا ہو مگر کوئی کپڑا بھی درست نہیں۔ سب اتنے پھٹے پُرانے ہیں کہ شرم سے عرق عرق ہو جاتا اور دلی رنج محسوس کرتا ہو۔ لیکن بناوٹی خوشی کا اظہار بھی کرتا ہو۔ تمام جا بجا سے ٹوٹے ہوئے ہیں۔ ایک تمام ملتا ہو تو دوسرے کا پتہ نہیں۔ الینؔ بھی اپنی آرائش میں مصروف ہو۔ تھیٹر نے تبرعاً رقص کا لباس عاریتہً دیدیا ہو۔ اُسی کو پہنتی ہو اور حسن کی دیوی معلوم ہوتی ہو۔ مگر اُس کی بھی زینت کا تمام سامان موجود [illegible]۔ وہ جھنجھلاتی ہو لیکن اپنے عاشق کی اندرونی تکلیف محسوس کرکے مصنوعی تبسم دکھاتی ہو اور تسلّی دیتی ہو۔ عاشق وعدہ کرتا ہو کہ [illegible] دوُنی محنت کرے گا اور اُس کی ضرورت کی تمام چیزیں جلد مہیا کرے گا۔

موٹر آگئی۔ ماں کو دیکھو کیسی خوش ہو؟ بیٹی کے حُسن پر قربان ہوئی جاتی ہو۔ لو، اُس کے پیچھے چلی جاتی ہو۔ لٹکے ہوئے دامن اُٹھائے ہو کہ لڑکی کا لباس سیڑھی کے غبار سے میلا نہ ہو جائے کم سن خادمہ شوقِ خدمت میں موم بتی لئے آگے آگے چل رہی ہو۔ عاشق کو دیکھو چہرہ [illegible] ہو مگر خوشی کا اظہار کر رہا ہے۔ دل رو رہا ہو مگر لبوں پر مصنوعی تبسم نمایاں ہو!

(۴)

دوسرے وقفہ کے بعد انقلاب حال شروع ہو جاتا ہو۔ تماری آنکھوں کے سامنے اب ایسے لوگ ہیں جنھیں بمشکل پہچان سکتے ہو۔ دولت و عشرت نے اُنکے اطوار اور انداز بدل دئیے ہیں۔ اب غربت کی مسکینی کہیں نظر نہیں آتی۔ الینؔ کے کمال نے بڑی شہرت حاصل کی ہو۔ ہر جگہ مقبول ہو۔ دنیا مسکرا کے قدموں سے لپٹ گئی ہو۔ شب و روز مُن برس رہا ہو، کسی کو بھی افلاس کی شکایت باقی نہ رہی۔ اب نازنین کی ماں وہ بڑھیا ادھیڑ عورت نہیں ہو جسے ہم نے پہلی فصل میں دیکھا تھا۔ اب اُس کے چہرہ پر شباب کی رونق لوٹ آئی ہو۔ نئے فیشن میں ملبوس ہو۔ گفتگو کی طرز بھی بدل گئی۔ اب وہ پیرس کی خاتون ہو۔ آواز میں بھی بڑا تغیر ہو گیا۔ اب وہ خوش گلو ہو۔ حرکات و سکنات بھی پہلے سے نہیں رہیں۔ اب پھرتیلی اور چست و چالاک ہو۔ اُستاد موسیقی بھی اب وہ پہلے کا خستہ حال، پژمردہ، گویا نہیں رہا۔ اب وہ ایک خوش حال رئیس ہو، بھاری بھرکم، سنجیدہ، باوقار! سب سے بڑھ کر یہ کہ اب اپنی محبوبہ الینؔ کا شوہر ہو۔ صرف یہی لوگ نہیں، بلکہ ان کی غریب خادمہ بھی بالکل بدل گئی ہو۔ ایک نئے نوکر کا بھی اضافہ ہوا ہو۔ پیرس کا وہ حقیر گھر بھی نہیں رہا جو موم بتی سے روشن کیا جاتا تھا اور جس کی زمین دامن میلے کر ڈالتی تھی۔ اب وہ سمندر کے خوش منظر ساحل پر ایک شاندار عمارت میں ہیں۔ ہر موسم گرما میں الینؔ کے دوستوں اور قدر دانوں کا یہاں ہجوم رہتا ہو۔ تمام چوٹی کے آدمی جمع ہوتے ہیں۔

ہم تھیٹر کے منیجر اور اُس کے مالدار ساتھی کو چند اور دوستوں کے ہمراہ الینؔ کے گھر بار بار آتے جاتے دیکھتے ہیں۔ وہ بیٹھتے ہیں، کھیلتے ہیں، مذاح کرتے ہیں، قہقہے لگاتے ہیں۔ الینؔ کا شوہر مطمئن اور خوش ہو۔ اپنے دوست سے شکر گزاری کے لہجہ میں کہتا ہو "خدا کی مشیت یہی تھی کہ میں مالدار ہو جاؤں۔ میں عنقریب ایک موسیقی آمیز قصہ لکھنے والا ہوں جو ضرور مقبول ہوگا۔ میرا تعلق ایک بڑے اخبار سے بھی ہو گیا ہو جس میں موسیقی پر نقد کیا کروں گا۔"

گفتگو جاری تھی کہ الینؔ کے دوست آگئے۔ اُستاد موسیقی اپنے دوست کے ساتھ کسی کام سے باہر چلا گیا۔ الینؔ اپنے دولتمند قدر دان کے ساتھ تنہا کمرہ میں ہو۔ باقی احباب ملاقات کے ایوان میں بیٹھے ہیں۔ گھر کے مالک کی واپسی کا انتظار کر رہے ہیں۔ الینؔ اور اُس کے دوست میں گفتگو [illegible]۔ عجیب صورت حال! دونوں عاشق ہیں! عورت اپنے شوہر سے خیانت کر رہی ہو۔ اب معلوم ہوا اس تمام دولت کا سرچشمہ یہی خیانت ہو!

اسوقت ہمیں یہ بھی معلوم ہو جاتا ہو کہ الینؔ کا آشنا اُس کے غبی شوہر سے تنگ آگیا ہو۔ اس لئے تنگ ہو کہ اپنی آشنا سے دل کھول کر متمتع ہونا چاہتا ہو۔ مگر یہ غبی شوہر بیچ میں سدّ راہ ہو جاتا ہو!

یہ شوہر واقعی غبی ہو، یا غباوت ظاہر کرتا ہو؟ یہ مصنوعی غباوت اس لئے تو نہیں کہ دولت سے فائدہ اُٹھائے؟

مالدار فاسق کا یہی خیال ہو۔ مگر الینؔ اسے ماننے سے انکار کرتی ہو۔

(۵)

دونوں تخلیہ میں ہنسی مذاح کر رہے تھے کہ باہر دوستوں کی آواز بلند ہوئی "حضرت آگئے! حضرت آگئے!"

دونوں ہوشیار ہو گئے۔ شوہر گھر میں داخل ہوا۔ احباب رخصت ہوئے۔ اب میاں بیوی تنہا ہیں۔ دونوں میں باتیں ہوتی ہیں۔ شوہر کی اُداسی نمایاں ہو۔ بیوی وجہ پوچھتی ہو وہ پس و پیش کرتا ہو پھر بتاتا ہو کہ لوگ اسے "الینؔ کا شوہر" کہتے [illegible]۔ اُس کا نام نہیں لیتے یہی نہیں بلکہ اُسے دیکھ کر مسکراتے ہیں، آنکھیں مارتے ہیں۔ اشارے کرتے ہیں۔ لہذا اُسے کچھ شک ہو۔ بیوی اپنے تمام چلتّر اور حسن کی دلفریبیاں کام میں لاتی ہو۔ شوہر کے شکوک دور کرنا چاہتی ہو۔

اب دیکھو، شوہر تنہا ہو۔ بیوی کا بٹوا کھول رہا ہو۔ اُس میں ایک بڑی رقم موجود ہو۔ اُس کا شبہ اور زیادہ ہو جاتا ہو، وہ سوچتا ہو کل الینؔ جوئے میں بہت روپیہ ہار گئی لیکن اسے خبر تک نہ دی! شبہ اور بھی قوی ہو جاتا ہو۔ دیکھو اُسنے میز کا خانہ کھولا۔ قیمتی جواہرات کا کنٹھا ہاتھ میں لیا۔ یہ کہاں سے آیا؟ بیوی نے اس کا ذکر تک نہ کیا شک اب یقین کی صورت اختیار کر لیتا ہو!

لیکن الینؔ چالاک ہو۔ شوہر عاشق ہو۔ آسانی سے دھوکا دے سکتی ہو۔ چند میٹھی میٹھی باتیں تمام شکوک دفع کر دینے کے لئے کافی ہیں۔ شوہر اپنے نوکر اور خادمہ سے بھی زیادہ غبی ہو۔ یہ دونوں سب کچھ جانتے ہیں۔

(۶)

تیسرے وقفہ کے بعد ہم الینؔ کے شوہر کو اپنے دوست سے گفتگو میں مصروف پاتے ہیں۔ اب اُسے کامل یقین ہو گیا ہو۔ بیوی کی خیانت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا۔

اُسے یہ یقین اس طرح حاصل ہوا کہ الینؔ اور اُس کے احباب نے تفریح کے لئے جانا چاہا۔ شوہر نے عذر کیا اور کسی بہانہ سے گھر ہی میں رہ گیا۔ اُن کی روانگی کے بعد خود بھی تعاقب میں پوشیدہ چلا۔ اُسنے احباب کے ساتھ الینؔ اور اُس کے مالدار آشنا کو نہیں پایا۔ دونوں دن بھر کہیں غائب رہے۔

بدنصیب شوہر سخت اُداس ہو۔ لیکن اپنے کو سنبھالے ہوئے ہو دوست سے کہتا ہو "موجودہ شرمناک صورت حال نا قابل برداشت ہو۔ میں اس زندگی سے بیزار ہوں۔ اپنی سابق غریبانہ مگر شریفانہ زندگی کی طرف لوٹ جانا چاہتا ہوں۔ لیکن واپسی سے پہلے ایک کھیل کھیلنا چاہتا ہوں۔ بہت ہی دردناک کھیل!"

احباب، سیر سے واپس آگئے۔ الینؔ اور اُس کا آشنا بھی ہمراہ ہو۔ سب اپنے اپنے مشاہدے بیان کر رہے ہیں۔ شوہر دل میں کٹا جاتا ہو، مگر ظاہر میں دلچسپی کا اظہار کر رہا ہو۔ ہنسی خوشی سب کی سُنتا ہو۔ سب اُسے بیوقوف بنا رہے ہیں اور سمجھتے ہیں وہ کچھ نہیں سمجھتا!

(۷)

رخصت کا وقت آگیا۔ سب اس قرار داد کے ساتھ جانے لگے کہ ہوٹل میں رات کے کھانے پر جمع ہونگے۔ لیکن الینؔ کے شوہر نے اپنی بیوی کے آشنا سے چند لمحہ ٹھہرنے کی درخواست کی۔ کمرہ میں صرف تین شخص رہ گئے: میاں، بیوی، اور اُس کا آشنا۔ اس وقت وہ مؤثر منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہو جو شوہر سے گہری ہمدردی، بیوی سے شدید نفرت، اور آشنا پر سخت غصہ کے جذبات پیدا کر دیتا ہو۔

غضبناک مایوس شوہر کو دیکھو! وہ اپنا اور اپنی شرافت کا انتقام لینا چاہتا ہو۔ لیکن بالکل نئے قسم کا انتقام! وہ کسی طرح کا تشدد کرنا پسند نہیں کرتا۔ انتقام میں بھی نرم اور بردبار رہنا چاہتا ہو۔

دیکھو، بیوی اُٹھ کر دوسرے کمرہ میں چلی گئی۔ اب دونوں رقیب رُو در رُو بیٹھے ہیں۔ شوہر اپنی بیوی کے عاشق سے گفتگو کرتا ہو۔ بغیر کسی تمہید کے ظاہر کر دیتا ہو کہ "میں سب کچھ جانتا ہوں!" عاشق مبہوت ہو کر رہ جاتا ہو۔ حواس بجا کرکے ڈرتے ڈرتے پوچھتا ہو "تو کیا ارادہ ہو؟" اُسے یقین تھا، جواب میں "مبارزت!" سُنے گا۔ مگر یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو جاتا ہو کہ شوہر کچھ نہیں چاہتا موجودہ صورت حال پر رضا مندی کا اظہار کرتا ہو۔ حیرت فوراً

شدید حقارت میں تبدیل ہو جاتی ہو۔ فاسق عاشق اس شوہر کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتا ہو جس کی رگوں میں گرم خون کا ایک قطرہ بھی نہیں ہو، اور جو اس بات پر راضی ہو جاتا ہو کہ اس کی بیوی، اُس میں اور بیوی کے آشنا میں مشترک رہے!

عاشق رخصت ہوتا ہو۔ الین مسکراتی ہوئی اپنے شوہر کے پاس آتی ہو گفتگو جاری ہوتی ہو۔ یہاں تک کہ شوہر بیوی سے بھی اچانک کہدیتا ہو کہ "میں سب کچھ جانتا ہوں!" وہ ششدر رہ جاتی ہو۔ خوف سے کانپنے لگتی ہو مگر وہ سنجیدگی سے کہتا ہو "کوئی حرج نہیں۔ مجھے یہ صورت منظور ہو!" بیوی بے حد حقارت سے بے غیرت شوہر کو دیکھتی ہو۔ واقعی اُس کا دل سخت مجروح ہوا ہو۔ وہ چاہتی تھی، شوہر اُس سے محبت کرتا، اور اس لئے اُس کی خیانت پر غضب ناک ہوتا۔ مگر اب دیکھتی ہو کہ شوہر کو اُس کی ذرا بھی قدر نہیں۔ آہ، وہ اپنی حیثیت کوڑہ کرکٹ سے زیادہ نہیں پاتی!

اس بے غیرتی پر شوہر کو سخت شکست کھانے لگتی ہو۔ اسپر شوہر کا جام صبر بھی لبریز ہو جاتا ہو۔ جذبات بہت دبائے، اب بے قابو ہوا جاتا ہو۔ یہ دیکھو، آتش فشاں پھٹا۔ غیظ و غضب نے دیوانگی کی شکل اختیار کرلی محبت اپنی پوری قوت سے ظاہر ہوئی۔ غیرت ہولناک درجہ تک پہنچ گئی۔ اب وہ رُک نہیں سکتا۔ خائن بیوی کو اُس کے غضب سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ اچانک چلاتا ہو "میری دیوثی دیکھے گی!" عورت لرزہ براندام ہو۔ بید کی طرح تھرتھراتی ہو۔ مگر دل کی گہرائی میں مسرت و سعادت محسوس کر رہی ہو۔ اب اُسنے دیکھ لیا کہ شوہر محبت سے خالی نہیں۔ ابتک آتش عشق میں جل رہا ہو۔ غیرت سے انتقام پر تُلا ہوا ہو۔ وہ اُس کے قدموں پر گرنا چاہتی ہو۔ معافی کا ارادہ کرتی ہو۔ توبہ کے لئے آمادہ ہو رہی ہو۔ شوہر غصہ کی دیوانگی میں اسپر ٹوٹ پڑنے کو ہو۔ لیکن افسوس، یہ کیا ہوا؟ شوہر اچانک سنبھل جاتا ہو، رُک کر کھوکھلی آواز میں کہتا ہو "موٹر آتی ہو گی۔ اپنے آشنا کے ساتھ چلی جانا۔" پھر فوراً بھاگ کر گھر سے نکل جاتا ہو۔ عورت رونا دھونا واویلا کرنا شروع کر دیتی ہو!

(۸)

بے غیرت شوہر نے کہا تھا "موٹر آتی ہو گی۔ اُسپر چلی جانا"، مگر اب موٹر کہاں؟ الین کے آشنا نے محسوس کیا تھا کہ اس کے دل میں شوہر کی دیوثی پر نفرت و حقارت پیدا ہو گئی ہو، حالانکہ اس نفرت و حقارت کی تہ میں ایک دوسری نفرت بھی پوشیدہ تھی؟ کونسی نفرت؟ الین سے نفرت! اُس عورت سے نفرت جس کی اب کوئی قیمت عشق باقی نہیں رہی تھی، جو اب کسی شوہر کی محبوبہ نہ تھی، بلکہ خود شوہر کی طرف سے فسق و ہوس کی پیش کش تھی!

الین اپنے شوہر اور اپنے آشنائے فسق، دونوں سے محروم ہو گئی، یہ اُس کے شوہر کا انتقام تھا۔

تاریخ و عبر

آزادی کی راہ میں

تاریخ قرطاجنہ کا ایک عبرت انگیز صفحہ

فینیقیا کے باشندوں نے اپنے بادشاہ بجلیون کے عہد میں شہر قرطاجنہ آباد کیا۔ قرطاجنہ کے معنی ہیں نیا شہر۔ یہ آبادی، شمالی افریقہ کے ساحل پر ٹیونس کے قریب قائم ہوئی تھی۔ فینیقیا کی کمزوری کے بعد قرطاجنہ نے عروج حاصل کیا اور بتدریج بحر ابیض کی تجارت کا مالک بن بیٹھا۔ اُس کا جنگی بیڑہ، روم کے بیڑے سے کہیں زیادہ طاقتور تھا۔ سسلی سے جبل طارق تک اُن کا اقتدار قائم تھا۔ مراکش، الجزائر اور ٹیونس کے اکثر حصے اُن کے قبضے میں آ گئے تھے۔ اسپین، سسلی، سرڈانیا، کارسیکا مفتوح یا زیر اثر تھے۔ تجارت نے بہت وسعت اختیار کرلی تھی۔ پوری قوم، دولت سے مالامال ہو رہی تھی۔ لیکن روم کو اُس سے سخت حسد تھا اور برابر جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ ان میں تین جنگیں سب سے زیادہ اہم ہیں۔

پہلی جنگ

یہ جنگ ۲۶۴ء۔ ۲۴۱ء ق م میں ہوئی۔ روم نے اسے شروع کیا تھا۔ وجہ یہ ہوئی کہ روم نے سسلی میں شہر مسنی پر قبضہ کرلیا۔ یہ شہر قرطاجنہ کے تابع تھا۔ قرطاجنہ کے بحری اسطول نے روم کو سخت نقصان پہونچایا۔ یہ دیکھ کر روم نے بھی فوراً جنگی بیڑہ طیار کیا اور بحری جنگ شروع ہو گئی۔ لیکن جزائر ایجیت کے قریب قرطاجنہ والوں کو شکست ہوئی اور پورا سسلی، روم کے قبضہ میں آ گیا۔

دوسری جنگ

اس شکست کے بعد قرطاجنہ کی تنخواہ دار فوج نے سرکشی شروع کی اور طوائف الملوکی پھیل گئی۔ لیکن اُسی زمانے میں ایک عظیم آدمی ہملکار ظاہر ہوا، تمام فتنوں کا سر کچل ڈالا، اور اسپین میں ایک عظیم الشان فوج، روم سے لڑنے کے لئے مرتب کی۔ کیونکہ اب روم سرڈینیا اور کارسیکا پر بھی قابض ہو چکا تھا۔

یہ جنگ، تاریخ میں بہت اہمیت رکھتی ہو۔ کیونکہ اسی میں ہنیبال نے ظہور کیا تھا جو دنیا کا مشہور ترین سپہ سالار تسلیم کیا گیا ہو۔ ہنیبال نے بچپن ہی میں اپنے باپ سے قسم کھائی تھی کہ عمر بھر روم کا دشمن رہے گا۔ اُس کی قسم سچی ثابت ہوئی۔ پوری زندگی، روم سے جنگ میں گزار دی۔

رومانیوں کو یقین تھا کہ جنگ، اسپین میں ہو گی۔ اسی لئے انھوں نے اسپینی سرحدوں پر جنگی طیاریاں کی تھیں۔ لیکن ہنیبال، کوہ پیرانس کو عبور کر کے فرانس پہونچا اور فرانس سے الپس کے برفانی پہاڑوں کو عبور کر کے اچانک اٹلی کے میدانوں پر جا دھمکا۔ روم والے سخت متعجب ہوئے۔ اُنھیں ہرگز خیال نہیں گزرا تھا کہ اس طرح کوئی فوج حملہ آور ہو گی۔

ہنیبال نے روم کو سخت شکستیں دیں۔ ترازمین کا معرکہ، جو ۲۱۷ء ق م میں واقع ہوا، بہت ہولناک تھا۔ اس کے ایک برس بعد "کان" میں روم کو اور بھی زیادہ سخت شکست ہوئی۔ پوری فوج کٹ گئی۔ ہنیبال، اٹلی میں ۱۵ برس تک جنگ کرتا رہا۔ روم کے بالکل قریب تھا۔ مگر سخت کوشش کے باوجود بھی اُسے کسی طرح فتح نہ کرسکا۔

مسلسل جنگوں نے خود ہنیبال کو بھی بہت کمزور کر دیا تھا۔ اُس نے قرطاجنہ، کمک کے لئے لکھا۔ فوراً اُس کا بھائی ہزدروبال ایک فوج لے کر روانہ ہوا۔ مگر دریائے متوروس پر رومانیوں نے اُسے روک لیا۔ جنگ کی۔ اُسے قتل کر ڈالا، اور پوری فوج برباد ہو گئی۔

اس اثناء میں رومانیوں نے ہنیبال کو چھوڑ کر خود قرطاجنہ پر چڑھائی کر دی۔ قرطاجنہ والوں نے ہنیبال کو مدد کے لئے بلایا وہ فوراً چلا۔ مگر ۲۰۲ء ق م میں قرطاجنہ کے قریب ہی اُسے رومی سپہ سالار سپیون نے سخت شکست دیدی۔

اب قرطاجنہ کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ صلح کی درخواست کرے۔ روم نے صلح کی شرطیں یہ پیش کیں کہ قرطاجنہ اپنا پورا جنگی بیڑا اور بحر ابیض میں اپنے تمام جزیرے اور اسپین میں تمام مقبوضات، روم کے حوالے کر دے۔ نیز کبھی کسی سے جنگ نہ کرے۔ قرطاجنہ یہ ذلت قبول کرنے پر مجبور تھا لیکن ہنیبال نے انکار کر دیا۔ وہ ملک بدر ہو گیا۔ سیریا اور مقدونیا کے بادشاہوں کو روم کے خلاف جا کر کھڑا کر دیا۔ [illegible] ان کی فوجوں میں لڑتا رہا۔ لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی آخر [illegible] ۱۸۳ء ق م میں زہر کھا کر خودکشی کر لی۔

تیسری جنگ

(۱۴۹ء۔ ۱۴۶ء ق م)

یہ قرطاجنہ اور روم کی آخری لڑائی تھی۔ مگر تاریخ میں اول درجے کی لڑائی سمجھی جاتی ہو۔ کیونکہ اس میں مغلوبوں نے ہمت و شجاعت کے ایسے جوہر دکھائے جو آجتک تمام محبان آزادی کے لئے نمونہ ہوئے ہیں۔

اس جنگ کی وجہ عجیب تھی۔ ظلم و حرص کی آخری حد تھی۔ واقعہ یہ ہوا کہ روم کے ایک شریف کاتو نے قرطاجنہ میں سیاحت کی اور دیکھ کر جل گیا کہ مسلسل جنگوں اور شکستوں کے بعد بھی قرطاجنہ بہت خوشحال اور آباد ہو۔ اُس کی تجارت و ثروت روز افزوں ترقی کر رہی ہو۔ وہ روم واپس آیا اور رومانی مجلس شیوخ کے سامنے حسب ذیل تقریر کی۔

"دیوتاؤں کا ہم پر بڑا فضل و مہر ہو کہ ہمیں ایسی سرسبز و شاداب سرزمینوں کا مالک بنایا ہو۔ ہمارے ملک کا رقبہ ہمیں مجبور کرتا ہو کہ

ہم بحری تجارتی قوم ہیں اور وہ تمام ممالک جہاں ہم تجارت کرتے ہیں ہمارے زیر اثر رہیں تاکہ ہمارا مال محفوظ رہ سکے۔ ہم نے دیوتاؤں کی مرضی پوری کی اور اپنے اقتصادی و جنگی اقتدار کا دائرہ وسیع کرنے لگے۔ لیکن وہاں دُور افق میں ایک ملک قرطاجنہ موجود ہے۔ اس کے پاس بڑی دَولت، بڑی فوج، بڑا بیڑہ ہے۔ اُسنے ہر طرف تجارت پر قبضہ کر رکھا ہے اور ہر جگہ ہماری راہ روک رہا ہے۔ لہذا دیوتاؤں کی مشیت کامل طور پر پُوری کرنے کے لئے ضروری ہوگیا ہے کہ ہم اس قوم کا بالکل قلع قمع کر ڈالیں۔ ہم نے عملاً دو مرتبہ اُس پر سخت ضربیں لگائیں، لیکن میں ابھی ابھی وہاں سے آ رہا ہوں۔ اپنی ان دونوں آنکھوں سے اُس کی حالت دیکھ چکا ہوں۔ وہ اب بھی بہت مالدار، باحوصلہ، طاقتور اور ہمارے لئے دائمی خطرہ بنی ہوئی ہے۔ لازمی ہے کہ قرطاجنہ کو بالکل پائمال کر دیا جائے!"

مجلس نے مقرر کی تجویز بڑی خوشی سے منظور کرلی اور کسی "جائز سبب" کی جستجو شروع کر دی۔

اتفاق سے اُسی زمانے میں ایک بربر بادشاہ سے قرطاجنہ کو جنگ کرنا پڑی۔ روم نے یہ جنگ خلاف معاہدہ قرار دی اور قرطاجنہ پر حملہ کر دیا۔ شکست کے بعد قرطاجنہ نے اپنے معززین کے تین سو لڑکے، تمام جہاز، اور تمام ہتیار، روم کے حوالہ کر دیئے۔ کیونکہ صلح کی یہی شرط تھی مگر روم کا ارادہ دوسرا ہی تھا۔ اُسنے دیکھا اب قرطاجنہ بالکل بے بس ہوگیا ہے۔ چنانچہ مطالبہ کیا کہ فوراً شہر خالی کر دیا جائے اور باشندے سمندر سے ۱۰ میل دُور ہٹ کر ایک نیا شہر بنا کے رہیں۔

یہ شرط قرطاجنہ والوں نے منظور نہیں کی اور از سرِ نو جنگ پر تل گئے۔ اُنھوں نے شہر کے دروازے بند کر لئے اور تیاریاں کرنے لگے۔ ایک مقرر نے بازار میں کھڑے ہو کر تقریر کی:

"دیوتا ہماری قوم پر ہمیشہ مہربان رہے اور ہمیں سرخرو، سربلند اور مالامال رکھا۔ لیکن روم کے ذلیل النفس اور سنگدل کمینے ہم پر حسد کرتے ہیں اور مدت سے ہمارے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ہم نے خونریزی ختم کرنے کے لئے ایسی شرطیں منظور کرلی تھیں، جنھیں کوئی شریف قوم منظور نہیں کر سکتی۔ لیکن اب وہ ہم سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اپنا وطن بھی اُن کے حوالے کر دیں۔ یہ ناممکن ہے۔ ہم مر جائینگے مگر یہ مقدس زمین دشمن کے حوالے نہیں کرینگے!"

قرطاجنہ میں سخت جوش پھیل گیا تھا، مگر ہتیار موجود نہ تھے۔ باشندے سخت متفکر تھے کہ مقابلہ کا کیا سامان کریں؟ اتنے میں ایک طرف سے شور و غل بلند ہوا۔ اُنھوں نے خیال کیا دشمن گھس آیا مگر وہ دشمن کا شور نہ تھا، خود قوم کے نوجوان، ہتیار بنانے کے لئے لوہا جمع کرتے پھرتے تھے۔ انہیں دیکھ کر اور لوگ بھی ساتھ ہوگئے اور عبادت خانوں، عمارتوں، مکانوں میں جتنا لوہا بھی مل سکتا تھا جمع کر لیا، حتیٰ کہ دروازوں سے کیلیں تک نکال لیں۔ پھر فوراً تمام لوہا پگھلا کر تلواریں بنائی گئیں۔ عورتوں نے اپنی چوٹیاں کاٹ دیں تاکہ کمانوں کے لئے کام آئیں۔ لاچار اور بوڑھے عبادت خانوں میں بتوں کے سامنے گر پڑے اور فتح و نصرت کی دعائیں کرنے لگے۔

نئے ہتیار لے کر قرطاجنہ کے باشندے میدان میں نکلے اور رومیوں سے لڑائی شروع کر دی۔ لیکن سخت جدّ و جہد کے باوجود بھی کامیاب نہ ہو سکے۔ شکست کھائی اور واپس ہو کر شہر کے دروازے بند کر لئے۔ روم والوں نے اب خود شہر پر حملہ شروع کیا اور ایک خونی معرکے کے بعد اندر گھس پڑے۔ مگر شہر اب بھی مفتوح نہیں ہوا کیونکہ باشندے ہر سڑک پر مورچے لگائے کھڑے تھے۔ جب روم والوں نے یہ مورچے بھی چھین لئے تو اب گھروں میں لڑائی شروع ہوئی۔ ایک ایک گھر پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے روم والوں کو خون بہانا پڑا

لیکن قرطاجنہ والوں کی شجاعت اور ثابت قدمی کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ وہ بالکل مغلوب ہوگئے۔ مغلوب ہی نہیں، سب کے سب قتل کر ڈالے گئے۔ تھوڑے ہی آدمی زندہ بچے مگر وہ قید ہوگئے۔

فتح حاصل کرنے کے بعد روم والوں نے قرطاجنہ میں آگ لگا دی کامل سترہ دن تک شہر جلتا رہا۔ اٹھارویں دن، شہر نہ تھا۔ راکھ کے انبار پڑے تھے اور ہوا میں اُڑ رہی تھے۔

قرطاجنہ کی یہ شکست، تاریخ میں ابتک فتح شمار کی جاتی ہے کیونکہ اُسنے آزادی کی راہ میں موت پسند کی۔ غلامی کی زندگی گوارا نہیں کی

زرقاء بنت عدی دربار خلافت میں

ایک دن امیر معاویہؓ نے اپنے دربار میں زرقاء بنت عدی کا ذکر کیا۔ یہ جنگ صفین میں حضرت علی علیہ السلام کے طرف تھی، اور فوج کو جنگ کی ترغیب دے رہی تھی۔

"زرقاء کی تقریر کسے یاد ہے"؟ امیر نے اپنے درباریوں سے سوال کیا۔

"ہم سب کو یاد ہے" درباریوں نے جواب دیا۔

"اُس کے بارے میں تمھارا کیا مشورہ ہے؟" امیر نے پوچھا۔

"اُسے قتل کر ڈالئے" سب نے کہا۔

"بدترین مشورہ ہے" امیر نے کہا "کیا میرے جیسے شخص کے لئے روا ہے کہ حاکم ہو چکنے کے بعد لوگ کہیں اُسنے ایک عورت قتل کر ڈالی؟"

پھر اپنے کاتب کو بلا کر حکم دیا کہ عامل کوفہ کو لکھ بھیجے۔ زرقاء کو پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ میرے پاس روانہ کر دو۔

چنانچہ زرقاء دربار میں حاضر ہوگئی۔

"اہلاً و مرحبًا!" امیر نے زرقاء کو دیکھ کر کہا "خوب آئیں! خالہ کیسا مزاج ہے؟"

"اچھی ہوں۔ راہ میں بڑا آرام ملا" زرقاء نے جواب دیا۔

"جانتی ہو میں نے تمھیں کیوں بلایا ہے؟"

"میں دلوں کا حال کیونکر جان سکتی ہوں؟ وہ خدا ہی ہے جو غیب کا علم رکھتا ہے"

"میں نے تمھیں صرف یہ دریافت کرنے کے لئے بلایا ہے کہ تم جنگ صفین میں سُرخ اونٹ پر سوار تھیں اور دونوں صفوں کے درمیان پکار پکار کر بہادروں کو جوش دلاتی پھرتی تھیں۔ تم نے یہ حرکت کیوں کی؟"

"اے امیر المومنین! سر مرگیا۔ دُم کٹ چکی۔ زمانہ بدل گیا آنکھ والوں کے لئے عبرتیں ہیں۔ آج کے بعد کل ہے۔ دن کے بعد رات ہے" زرقاء نے جواب دیا۔

"سچ ہے" امیر نے کہا "مگر تمھیں اپنی صفین والی تقریر یاد ہے؟"

"نہیں"

"لیکن مجھے یاد ہے" امیر نے کہا "واللہ میں نے سُنا تم کہہ رہی تھیں:

"اے لوگو! تم ایک ایسے فتنہ میں پڑ گئے ہو جس میں ظلم کی چادریں تم پر پھیل گئی ہیں، اور صراط مستقیم سے تمھیں ہٹا دیا ہے۔ یہ ایک اندھا گونگا فتنہ ہے جسمیں نہ کوئی کسی کی سنتا ہے نہ کسی کو دیکھتا ہے۔ اے لوگو! چراغ، سورج کے سامنے روشنی نہیں دیتا۔ ستارہ، چاند کے سامنے کوئی وقعت نہیں رکھتا، خچر، اصیل گھوڑے پر سبقت نہیں کر سکتا۔ لوہے کو لوہا ہی کاٹتا ہے۔ جو ہدایت کا طالب ہے، ہم سے ہدایت لے، جو یقین چاہتا ہے، ہم سے یقین لے۔ حق گم ہو چکا تھا، مگر اب مل گیا ہے۔ پس اے مہاجرین و انصار ثابت قدم رہو۔ شگاف بھر گئے ہیں، ٹوٹا، جڑ گیا ہے۔ کلمۂ عدل قائم ہو چکا ہے۔ حق، باطل پر غالب ہے۔ کوئی جلدبازی کر کے یہ نہ کہنے لگے کہ کیسے؟ اور کیونکر؟ خدا کی مشیئت ضرور پُوری ہو کر رہے گی۔ عورتوں کا رنگ، مہندی ہے مردوں کا رنگ، خون ہے، صبر و ثابت قدمی کا نتیجہ ہمیشہ محمود ہے۔ ہاں بڑھو! جنگ کی طرف بڑھو! سینے تان کر بڑھو! پیچھے نہ ہٹے! آج کے بعد کوئی دن نہیں!"

"اے زرقاء!" امیر نے تقریر ختم کر کے کہا "تم ہر خون میں کی شریک بن چکی ہو"

"اللہ امیر المومنین کی بشارت صحیح ثابت کرے" زرقاء نے کہا۔

"تو کیا یہ بات تمھیں پسند آئی؟" معاویہ نے سوال کیا۔

"ہاں مجھے بہت پسند آئی۔ خدا میرے عمل سے اُس کی تصدیق کر دے"

"واللہ علی کی مَوت کے بعد تمھاری اُس سے یہ محبت، زندگی میں اُس کی محبت سے کہیں زیادہ مجھے پسند ہے" امیر معاویہ نے کہا "اپنی حاجت بیان کرو"

"میں نے قسم کھالی ہے کہ کبھی کسی امیر سے کوئی خواہش نہیں کرونگی" زرقاء نے کہا۔

معاویہ نے ایک زمین، جاگیر میں دیدی۔ زرقاء کو پہلے ہی سال اُس سے دس ہزار درہم آمدنی ہوئی۔

(بلاغات النساء و عقد الفرید وغیرہ)

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA

EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

۱٦٦۷

نمبر ۲۲

الهلال

جلد ۱

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت ۵ ـ آنہ

الهلال

هر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا ہے

قیمت سالانه مع محصول - -	باره روپیه
هندوستان سے باهر کیلیے - -	سوله روپیه
قیمت شش ماهي - - -	سات روپیه
قیمت في پرچه - - -	پانچ آنه

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " منیجر الهلال " کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں أنکے لفافه پر " ایڈیٹر " کا نام هونا چاهیے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براه عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکھیے

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي ہے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ورنه بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانه نہیں کیا جائیگا -

(٦) اگر آپ دو تین ماه کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جا رہے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیاده عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(۷) مني آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیره) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بهیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنين
القرآن الحکیم

الہلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۲۲ کلکتہ : جمعہ ۲۲ . جمادی الاولی ۱۳۴۶ هجری جلد ۱

Calcutta : Friday, 18 November 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نهین ؟

آج کوئی زبان ترقی نهین کر سکتی اگر وه اپنا ترقی یافته طریق طباعة نهین رکھتی .
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نهین که حروف کی چهپائی اختیار کی جای .
پتھر کی چهپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نهین کر سکتی .

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وه هین جن مین الہلال چهپتا هی . اور عربی کا بہترین خط نسخ وه هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گئی هین . آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین . لیکن پتھر کی چهپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین .

براه عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی . یاد رکھیی . طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیاده اهم مسئله هی . ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین .

الہلال

قارئین الہلال کی آراء

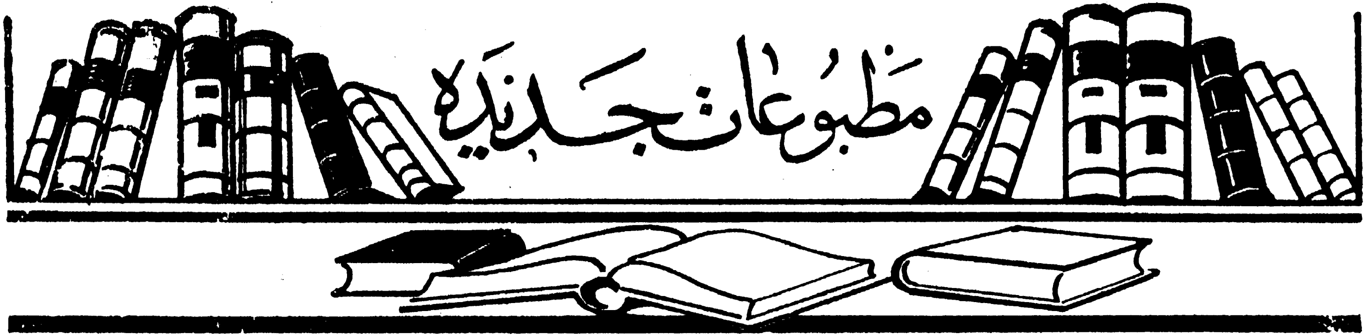
اس باری مین اس وقت تك ۱۶۵۰ مراسلات وصول هوی هین . تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین	۲۴۲	اردو حروف کی حق مین	۴۴۰
موجوده مشترك طباعة کی حق مین	۶۳۰	حروف کی حق مین بشرطیکه	
پتھر کی چهپائی کی حق مین	۲۷۸	نستعلیق هون	۱۵۰

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاهر کیا هی .

آراء کی دیکھنی سی معلوم هوا که اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نهین هی . اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت هی . آینده اس باری مین مولانا به تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی مگر ضرورت هی که بقیه حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین .

الہلال



نپولین اور اسکي اخلاقي زندگي

(انساني عظمت اور اخلاقي نامرادي)

ميدان جنگ اور حجلۂ ہوس !

انسان ذہن و جسم کي کتني ہي عظمتيں حاصل کرلے ' ليکن روح اور اخلاق کي ادنی سے ادنی پاکيزگي بھي حاصل نہيں کرسکتا ' اگر اُس کا اعتقاد اور عمل روحاني ہدايت کي روشني سے محروم ہے !

انسان کے ليے يہ سہل ہے کہ تمام دنيا فتح کرلے - سکندر نے دنيا کي تمام سلطنتيں تہہ و بالا کرڈالي تھيں - انسان کے ليے يہ بھي دشوار نہيں کہ ذہن و فکر کي ايسي بلنديوں تک پہنچ جائے جہاں تک دوسروں کے قدم نہ پہنچ سکے ہوں - ارسطو ' اقليدس ' سولن ' اور سنيکا جيسے فاتحين علم کي فتح منديان لا زوال ہوچکي ہيں' اور دنيا منطق ' رياضي ' قانون ' اور فلسفۂ اخلاق ميں آج تک ان کي پس رو ہے - انسان کي اولو العزمي ان بلنديوں پر بھي نہيں رکتي - کچھہ مشکل نہيں اگر وہ آگ کے شعلوں ميں کود پڑے ' سمندر کي موجوں کي ہنسي اڑائے ' پہاڑوں کي صفيں چير ڈالے - ليکن ہاں' يہ مشکل ہے ' بہت ہي مشکل ہے ' کہ وہ اخلاق اور روحاني پاکيزگي کي راہ ميں اپني کسي ايک خواہش نفس کا بھي مقابلہ کرسکے - اس کي ساري اولو العزمي اور کوہ ہمتي جو دنيا کي ساري رکاوٹوں کا تن تنہا مقابلہ کرسکتي ہے ' ہوائے نفس کي ايک ادنی سي رکاوٹ بھي اپني راہ سے ہٹا دينے پر قادر نہيں ہوتي! - سکندر تمام دنيا کي تسخير کي محنت سے نہيں تھکا ' ليکن بابل کي ايک عورت جب اس کے سامنے آئي ' تو اپني خواہش نفس کے اضطراب سے بے بس ہوکر گرگيا ! سنيکا نے تمام نوع انساني کو اخلاق اور اخلاقي سعادت کي دعوت دي ' ليکن خود اپنے آپ کو ايک دوسرے انسان کي منکوحہ عورت سے باز نہ رکھہ سکا - ارسطو کے دامن علم کے دھبے بھي دنيا گن چکي ہے ' اور يونان کي ايک قديم ضرب المثل ہميں بتلاتي ہے " بڑا انسان بنو - اگر نيک انسان نہيں بن سکتے " !

في الحقيقت انساني زندگي کي يہي اخلاقي اور عملي نامرادي ہے ' جو الہامي ہدايت کي کسي بالاتر قوت کي ضرورت تسليم کرنے پر مجبور کر ديتي ہے - انسان اپنے ذہن و جسم کي قوتوں سے سب کچھہ کرلے سکتا ہے ' ليکن تکلف اور بناوٹ سے بھي اپنے آپ کو نيک نہيں بنا سکتا - اگر انساني زندگي کي سعادت کيليے اُس عملي صداقت کي کچھہ بھي ضرورت ہے جسے نيکي کے لفظ سے تعبير کيا جاتا ہے ' تو ناگزير ہے کہ عام انساني سطح سے کوئي بلند تر ذريعہ ارشاد و ہدايت کا ہو - مذہب اور الہام اسي ذريعہ ہدايت کا نام ہے -

(نپولین اعظم)

اٹھارھويں صدي ميں نپولين بونا پارٹ کا ظہور بھي انساني اولوالعزمي کا ايک عظيم ظہور تھا - شايد ہي يورپ کے کسي انسان کي نسبت دنيا نے اسقدر کہا اور سنا ہو ' جسقدر اِس غير معمولي انسان کي عجيب و غريب دماغي قوتوں کي نسبت کہہ سن چکي ہے - تاہم انساني عظمت کي اخلاقي نامرادي کا يہ کيسا عبرت انگيز منظر ہے کہ يہي نپولين جب ميدان جنگ سے باہر اپنے گھر کي محفوظ زندگي ميں ديکھا جاتا ہے ' تو اِس ميں اتني قدرت بھي نظر نہيں آتي کہ نہايت ادنی درجے کي اخلاقي کمزوريوں سے اپنے آپکو باز رکھے !

حال ميں جرمني کے ايک اہل قلم گيرٹرڈ اريٹز Gertrude Aretez نے ايک کتاب " نپولين اور اُسکي دوست عورتيں " لکھي ہے ' اور اُس ميں مستند تاريخي ذرائع سے وہ تمام شہادتيں جمع کردي ہيں جو نپولين کي عاشقانہ بو الہوسيوں سے تعلق رکھتي ہيں - اِس کتاب کا انگريزي ترجمہ بھي شائع ہوگيا ہے ' اور دو تين ہفتہ سے انگلستان اور يورپ کے اکثر اخبارات و رسائل کا موضوع بحث ہے - ہم اُس کي بعض تاريخي داستانيں قارئين الہلال کي عبرت و بصيرت کيليے درج کرتے ہيں -

(سولہ برس کي عمر ميں عشق)

محبت کے باب ميں نپولين کي طرف يہ قول منسوب کيا جاتا ہے کہ " محبت کاہل آدمي کا دل بہلاوا ہے " ممکن ہے ' نپولين نے يہ اُس وقت کہا ہو ' جب وہ پاک دامن تھا - ليکن بعد ميں — اگر مخالف مورخين کي روايت تسليم کرلي جاے تو — اُس نے اِس قول کي بنا پر حسن و ہوس کي زندگي سے اجتناب نہيں کيا ' وہ ہمشہ کسي نہ کسي حسينہ سے وابستہ رہا -

آغاز شباب ميں نپولين مارسيلز اور پيرس کي سڑکوں پر پھٹے پرانے کپڑے پہنے پھرا کرتا تھا - نہ تو اُس کي ہيئت سے کبھي کو دولتمندي کا شبہ ہوسکتا تھا ' نہ اُس ميں ظاہري حسن و جمال ہي کچھہ ايسا غير معمولي تھا کہ کسي کو اپني طرف متوجہ کرلے - تاہم يہ واقعہ ہے کہ اُس زمانہ ميں بھي بکثرت عورتيں اُس پر عاشق ہوگئي تھيں - کيونکہ في الواقع اُس ميں کوئي ايسي نامعلوم کشش موجود تھي' جو دلوں کو لبھا ليتي تھي - ممکن ہے ' اُس کا شرمگين انداز اور اُسکے پر غور چہرہ کي عجيب اداسي اُس کے ديکھنے والوں کے دلوں ميں محبت پيدا کر ديتي ہو -

کہا جاتا ہے کہ نپولين سولہ برس کي عمر ميں جب والنسا ميں رہتا تھا ' تو وہاں کي بہت سي حسين عورتيں اُس پر فريفتہ ہو گئي تھيں - مگر خود اُسے بجز ايک کے کسي سے دلچسپي نہيں ہوئي - اس دوشيزہ کا نام " کارولين کولومبيا " تھا - وہ نہايت نازک اندام اور خوبصورت تھي - ايک مرتبہ خود نپولين نے اِس لڑکي کے

متعلق کہا تھا " اُس وقت دنیا میں کوئی دو شخص ایسے خوش نصیب نہ تھے جیسے ہم دونوں تھے - ہم ایک ایسی پاک محبت کے مزے لوٹ رہے تھے ' جیسی خواب میں بھی کسی انسان نے نہ دیکھی ہوگی ... اکثر ہم دونوں باغوں میں چلے جاتے اور درختوں پر چڑھتے اترتے - بارہا ہم دن دن بھر مخلوق کی نظروں اور شہر کے شور و غل سے دور بیٹھے باتیں کیا کرتے تھے ! "

لیکن امتداد زمانہ نے نپولین کے دل سے اِس دو شیزہ کی یاد محو کردی اور اُسے اپنی ایک ہم وطن لڑکی سے عشق ہوگیا - نپولین شروع ہی سے مستبد تھا - اُس نے اپنی محبوبہ کو سختی سے حکم دیدیا کہ اُس کے سوا کسی کو بھی مسکرا کر نہ دیکھے - لڑکی کے دل میں اِس جابرانہ حکم سے نفرت پیدا ہوگئی ' اور اُس کے پنجہ سے نکلنے کے لیے اُس نے ایک دن شراب میں زہر ملا دیا - اور نپولین مرتے مرتے بچا !

(ادھیڑ عورت سے عشق)

اِس واقعہ سے کچھہ عرصہ بعد نپولین کو ایک ادھیڑ عورت " میڈیم پرمون " سے محبت ہوگئی' اور اس قدر بڑھی کہ ایک لمحہ بھی اُس کی جدائی گوارا نہ تھی - ایک دن نپولین نے اُس سے باضابطہ شادی کرلینے کی درخواست کی - عورت نے اِس خواھش پر زور سے قہقہہ لگایا " تم بیوقوف ہوگئے ہو ! مضحکہ بننا چاھتے ہو ! بھلا لوگ کیا کہینگے ؟ بیوی ہونے کے بجائے میں تمہاری ماں بننے کے زیادہ قابل ہوں ! " نپولین پر یہ بات بہت ناگوار گزری اور قطع تعلق کر لیا -

(نپولین کا طریق محبت)

ایک مورخ کا بیان ہے کہ نپولین نے بے شمار عورتوں کا دل توڑا ہے - اُس کی عادت تھی کہ تعلقات بڑھائے جاتا تھا ' اور جب عورت اُس کے دام محبت میں پھنس جاتی تھی ' تو بے اعتنائی سے بالکل چھوڑ دیتا تھا - چنانچہ " میڈیم ولسکا " پولینڈ کی ایک حسینہ کا واقعہ اِس بات کا کافی ثبوت ہے - نپولین نے اِس عورت کو دیکھا اور لبھانا چاھا - مگر اُس نے سخت نفرت کا اظہار کیا - نپولین نے اُسے قبضہ میں لانے کی بہت کوشش کی' مگر وہ برابر بیزار رہی - آخر ایک دن غضبناک ہوکر چلایا " تو دیکھہ لیگی - میں تجھے کس طرح زیر کرتا ہوں ! تجھے میرے ارادہ کے سامنے جھکنا پڑیگا ! دیکھہ ' یہ میرے ھاتھہ میں گھڑی ہے ' جس طرح میں یہ گھڑی چور چور کیے ڈالتا ہوں' اُسی طرح پولینڈ کا ملک بھی پاش پاش کرکے پھینک دونگا ! " اُس نے یہ کہا اور گھڑی زور سے دیوار پر ماردی - اِس حرکت کا عورت پر اِتنا شدید اثر ہوا کہ وہ بے ہوش ہوکر نپولین کے قدموں پر گر پڑی -

لیکن چند دنوں کے بعد ہی نپولین نے اُسے اُکتا کر چھوڑ دیا !

(محبت میں استبداد)

عشق و محبت کے میدان میں بھی اِس شخص کے ظلم و استبداد کے قصے مشہور ہیں - چنانچہ کہا جاتا ہے کہ غربت کے زمانہ میں جب نپولین اور اُس کا بھائی مارسیلز کے بازاروں میں پھرا کرتے تھے ' اتفاق سے ریشم کے ایک سوداگر " فرانسوا کلاری " کے خاندان سے اُن کا تعارف ہوگیا - اِس تاجر کی دو لڑکیاں تھیں - بڑی کا نام " جولیا " تھا - چھوٹی کا " ڈیزیرا " - نپولین نے شروع میں جولیا کو پھسلا کیا اور اُس کے بھائی نے ڈیزیرا کو- تھوڑے دن بعد نپولین اپنی محبوبہ سے سیر ہوگیا ' اور بھائی کی محبوبہ پر قبضہ جمانا چاھا - چنانچہ ایک موقعہ پر جب یہ چاروں عاشق و معشوق جمع تھے ' نپولین نے تحکمانہ انداز میں کہا " جوزف ! تم اور تمہاری محبوبہ دونوں غیر مستقل مزاج ہیں - لیکن مجھہ میں اور میری محبوبہ میں استقلال ہے - بہتر یہ ہے کہ ہم تم مبادلہ کرلیں تا کہ تمہارا نقص جولیا پورا کردے ' اور میں ڈیزیرا کی کمی پوری کردوں " یہ عجیب و غریب فلسفہ بیان کرکے اُس نے اپنے بھائی کی محبوبہ کو اپنے پہلو میں بٹھا لیا اور کسی کو بھی مخالفت کی جرات نہ ہوئی !

لیکن تھوڑے ھی زمانہ کے بعد نپولین نے محسوس کیا کہ عزت و عظمت کی راھیں اُس کے سامنے کھلی ہوئی ہیں - لہذا ڈیزیرا کو یک قلم چھوڑ دیا ' اور اُس کی منتوں اور آنسوؤں کا ذرا بھی خیال نہ کیا -

(جوزیفائن سے عشق)

اُس کی طبیعت کچھہ ایسی بیچین واقع ہوئی تھی کہ ایک ھی حالت پر چلے جانا اُسے پسند نہ تھا - سابق محبت سے دست بردار ہونے کے تھوڑے ھی دنوں بعد وہ جوزیفائن پر فریفتہ ہوگیا - واقعہ یہ ہے کہ اکتوبر ۱۷۹۵ - میں جب نپولین بام عزت کی ابتدائی سیڑھیوں پر تھا ' اُس کے پاس ایک کم عمر لڑکا آیا ' اور اپنے باپ کی تلوار واپس مانگی - یہ لڑکا فرانس کے مشہور سپہ سالار وائکونٹ الکزنڈر کا بیٹا تھا جسے فرانسیسی انقلاب کے زمانے میں پھانسی دیدی گئی تھی - نپولین بچہ کی جرات و فصاحت سے بہت خوش ہوا اور اُس کی درخواست منظور کر لی - دوسرے دن اُس کی ماں شکریہ ادا کرنے آئی - یہی جوزیفائن تھی - نپولین پہلی ھی نظر میں اس پر عاشق ہوگیا -

مورخین کا بیان ہے کہ دوسرے دن خود نپولین جوزیفائن کے چھوٹے سے مکان پرگیا - جوزیفائن واقعی بہت خوبصورت تھی ' ساتھہ ھی عقلمند بھی تھی - اُس نے محسوس کرلیا کہ نپولین اُس کی چشم و ابرو کا شکار ہوگیا ہے - چونکہ اسراف کی وجہ سے سابق شوہر کی تمام دولت خرچ کرکے مقروض ہوچکی تھی' اِس لیے اس نے بھی اس نئی دعوت عشق کا پوری سرگرمی سے استقبال کیا اور تعلقات بڑھانا شروع کردیے - چند ماہ کی آمد و رفت کا نتیجہ یہ ہوا کہ مارچ سنہ ۱۷۹۶ - میں جنرل بونا پارٹ اور جوزیفائن کی شادی ہوگئی - دلہن کی عمر دولہا سے سات سال زیادہ تھی ' مگر نکاحنامہ میں اُس کی عمر ۲۹ - برس لکھی گئی اور نپولین کی ۲۶ برس !

شادی کے دو دن بعد نپولین کو اٹلی کے حملہ پر جانا پڑا - سخت مصروفیت تھی ' مگر جوزیفائن کی یاد ہروقت تازہ رہتی تھی - ہر منزل پر سے خط کے ساتھہ قاصد بھیجتا ' اور اپنی حالت سے اُسے آگاہ کرتا رھتا تھا - پہلے خط میں لکھا تھا " جب جب اپنے دل پر ھاتھہ رکھتا ہوں ' تم اُس میں موجود ملتی ہو جس سے مجھے بڑی تسکین ہوتی ہے - اِس دنیا میں اگر کوئی غم ہے تو صرف تمہاری فرقت کا "

جوزیفائن کی تصویر ہر وقت اُس کے پاس رہتی تھی - جب کہیں پڑاؤ ڈالتا تھا ' تصویر نکال کر سامنے رکھہ لیتا تھا - جب کوچ کرتا تھا تصویر جیب میں رکھہ لیتا تھا - بیان کیا جاتا ہے کہ نیس میں اُس کے ھاتھہ سے تصویر کا آئینہ چھوٹ کر ٹوٹ گیا - اِسے اُس نے فال بد سمجھا - قریب تھا کہ جوزیفائن کی طرف سے

بالکل نا امید هو جاتا - مگر اُس نے فوراً خط لکها " کاش تمهارے پر هوتے ' اور تم اُڑ کر میرے پاس آجاتیں ! "

لیکن جوزیفائن اپني رنگ رلیوں میں مصروف تهي - نپولین کي اُسے ذرا بهي پروا نه تهي - اب اُسے پایهٔ تخت میں بڑي عزت حاصل هوگئي تهي - اچهے اچهے لوگ اُس کي خوشامد میں لگے تهے - چند هفته کے اندر نپولین نے اٹلي میں عظیم الشان فتوحات حاصل کرلیں اور اطمینان پاکر جوزیفائن کو بلا لینا چاها - لیکن وه برابر حیلے حوالے کرتي رهي - آخر نپولین نے سختي سے لکها که فوراً چلي آؤ - اِس مرتبه اُس نے ایک نیا عذر پیش کیا - اُس نے لکها که میں سفر نہیں کر سکتي کیونکه حمل سے هوں - نپولین کو اس جهوٹي خبر سے بڑي هي خوشي هوئي - اُس نے فوراً خط لکها " جوزیفائن ! میں نے سخت غلطي کي - کس طرح اپنے گناه کا کفاره کروں ؟ میں نے نا حق شک کیا - حالانکه تم بیمار تهیں - سچ هے ' محبت انسان کو اندها کر دیتي هے ... کاش ایک هي دن کیلیے میں تمهارے پهلو میں هوتا ! "

نیز اپنے بهائي کو لکها " جوزیفائن کي علالت نے میرے هوش اڑا دیے هیں - کاش میں اُسے لکهه سکتا - اُس کي محبت جنون کے درجه تک پهنچ گئي هے - میں اُس کے بغیر زنده نهیں ره سکتا - خدا نخواسته اگر وه مرگئي تو زندگي میں میرے لیے کوئي لطف باقي نهیں رهے گا ! "

لیکن چند هي دن بعد نپولین کو معلوم هوگیا که جوزیفائن نے دهوکا دیا تها - وه بالکل اچهي هے ' اور پیرس میں ضیافتیں دے رهي هے - اب اُسکے غصه کي کوئي حد نه تهي - اُسنے فوراً تلخ لهجه میں خط لکها ' اور حکم دیا که بلا کسي عذر کے روانه هوجائے - جوزیفائن بادل ناخواسته روانه هوگئي - میلان میں نپولین نے بڑي مسرت سے استقبال کیا - مگر چند هي دن بعد اُسے پهر میدان جنگ میں جانا پڑا - کیونکه فوج ایک خطره میں پهنس گئي تهي - خطره دور کرکے اُسنے پهر اُسے طلب کیا - خط میں لکها تها " جدائي کے وقت تمهارے آنسوؤں نے میرے دل کو سخت مایوس کر دیا تها - میري عقل جاتي رهي تهي - اب یهاں میرے پاس آجاؤ ' تاکه مرنے سے پہلے هم کهه سکیں که هم نے بهي چند دن خوشي کے دیکهے هیں " مورخ میسن کا بیان هے که نپولین ' جوزیفائن کے سامنے اِس طرح کهڑا هوتا تها ' گویا کسي مقدس دیوي کے حضور میں کهڑا هے !

(نپولین کا رقیب)

جوزیفائن اپنے شوهر کے حسب الحکم جنگي پڑاؤ میں آگئي - یهاں چارلس نام فوج میں ایک کم رتبه افسر تها - کم عمر اور خوبصورت تها - حتی که کها جاتا هے ' نپولین کي فوج میں اُس سے زیاده حسین آدمي کوئي نه تها - جوزیفائن دیکهتے هي فریفته هوگئي - یا تو فوج میں رهنے سے بیزار تهي ' یا اب فوج سے جدا هونا گوارا نهیں کرتي تهي - دونوں میں شناسائي هوئي ' تعلقات بڑهے ' اور اِتنے بڑهے ' که خود نپولین نے محسوس کر لیا - وه نهایت غصه هوا مگر ضبط سے کام لیا - البته اِتنا ضرور کیا که اپنے رقیب کو فوج سے نکال کر پیرس بهیجدیا اور حکم دیا که آئنده احکام کا منتظر رهے - اپنے شوهر کي اِس کارروائي سے جوزیفائن کو سخت صدمه هوا - مگر مجبور تهي - کچهه کر نهیں سکتي تهي - وه اپني پهوپهي کو ایک خط میں لکهتي هے " زندگي سے اُکتاگئي هوں - موت کي تمنائیں کر رهي هوں ! "

جنگ اِٹلي سے فارغ هوکر دونوں میاں بیوي بڑي شان و شوکت سے پیرس لوٹے - لیکن تهوڑے هي دنوں بعد نپولین کو پهر جوزیفائن سے علحده هونا پڑا - وه مصر کي مهم پر روانه هوگیا' اور بیوي سے وعده لے لیا که جنگ ختم هوتے هي مصر چلي آئیگي - مگر ابهي وه مالٹا هي پهنچا تها که اِس عیش پسند عورت نے خاوند کو یک قلم بهلا دیا' اور جلسے شروع کر دیے - نپولین اب فرانس میں اِس قدر هر دلعزیز هوگیا تها که اُسکي بیوي کي آزادیوں پر تمام پیرس ملامت کر رها تها - مگر خود اُسے کچهه پروا نه تهي - بهت جلد نپولین کو تمام روداد معلوم هوگئي - کها جاتا هے که اِسي زمانه میں اُسے سب سے پہلے جوزیفائن کو طلاق دینے کا خیال پیدا هوا تها -

جوزیفائن سمجهتي تهي که نپولین شاید کبهي واپس نه آئیگا ' یا بهت مدت کے بعد آئیگا - اِسي لیے بالکل بیباک هوگئي تهي - مگر اچانک اُسے خبر ملي که اُسکا شوهر مصر سے آگیا هے ' اور عنقریب پیرس پهنچنے والا هے - بهت خوفزده اور پریشان هوئي - ایک طرف اپني بے اعتدالیوں کا خوف تها - دوسري طرف سخت مقروض بهي هوگئي تهي - حیران تهي شوهر کو کیا جواب دے گي ؟ مگر تهي چالاک - فوراً پیرس سے استقبال کیلیے روانه هوگئي - نپولین کو بهي اُسکي روانگي کي خبر مل گئي تهي - اُسنے بالکل مختلف راسته اختیار کیا ' اور محل میں آکر تمام دروازے بند کر لیے - جوزیفائن اپني تدبیر میں ناکام هوکر سرعت سے لوٹي ' اور سیدهي محل کي طرف روانه هوگئي - مورخ میسن کا بیان هے . " جوزیفائن محل کے دروازه پر کهڑي دستکیں دیتي رهي - مگر نپولین نے کوئي شنوائي نهیں کي - پهر اُسنے اپنے گهٹنوں پر جهک کر پهوٹ پهوٹ کے رونا شروع کیا ' مگر اِس پر بهي سپه سالار نے مطلقاً پروا نه کي - اِس حالت پر پورا دن گزر گیا ' مگر دروازه نهیں کهلنا تها نهیں کهلا - اب جوزیفائن بالکل تهک گئي - نا اُمید هوکر واپس جانے والي تهي که اُسکي ایک سهیلي اُسکے دونوں بچوں اوجین اور هورٹانس کو لے آئي - اُنهوں نے رکوع کرکے اپنے سوتیلے باپ کو پکارنا اور اپني ماں کیلیے رو رو کر سفارشیں کرنا شروع کیا - معصوم بچوں کي آواز سنکر نپولین کا دل نرم پڑگیا اور دروازه کهول دیا - پهر جوزیفائن کو اُٹهایا ' آنسو پونچهے ' معاف کیا ' اور اُسکا بیس لاکهه فرنک قرضه بهي ادا کردیا "

(جوزیفائن کو طلاق)

اِسکے بعد جوزیفائن نپولین کے ساتهه رهي - جب وه تخت نشین هوا ' تو اُسنے ملکهٔ فرانس کا تاج پهنا اور شهنشاهي کي عزت و عظمت کے ساتهه زندگي بسر کرتي رهي - یهانتک که نپولین کو اپنے بعد اپنے جانشین کي فکر هوئي - اِس خیال نے دوسرے سیاسي مصالح کے ساتهه ملکر اُسے جوزیفائن کي طلاق پر مجبور کر دیا - چنانچه طلاق دیدي گئي ' اور نپولین نے شهنشاه آسٹریا کي لڑکي میري سے شادي کرلي -

مشهور هے که آسٹرین بیوي کو اپنے شوهر سے ذرا بهي محبت نه تهي - بلکه سخت نفرت کرتي تهي جیسا که ابهي بیان هوگا - نپولین نے جزیرهٔ سینٹ هیلانا میں بستر مرگ پر اپنے ڈاکٹر کو وصیت کي تهي که موت کے بعد اُسکا دل شیشه میں رکهکر اُسکي



حجة ابراهيمی

آیۂ کریمہ " الم تر الی الذی حاج ابراهیم " کی تفسیر

قرآن حکیم کا اسلوب بیان اور طرق استدلال

تفسیر کا قرآنی اور غیر قرآنی طریقہ

(از مولانا ابو الکلام)

(۲)

(۴) انبیاء کرام (علیہم السلام) حکماء کے وضعی طریق استدلال کی جگہ فطری طریق تلقین کیوں اختیار کرتے ہیں ؟ میں اسکی تشریح یہاں نہیں کرونگا ' کیونکہ اول تو یہ تحریر تشریح کی متحمل نہیں ' ثانیاً آیۂ زیر بحث میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اسکی تشریح آگے آئیگی - البتہ ترتیب بیان کیلیے مختصر لفظوں میں یوں سمجھیے کہ :

اولاً ' انبیاء کرام کی تعلیم کا مقصود بحث و نظر نہیں ہوتا ' ایمان و یقین ہوتا ہے - ایمان و یقین کیلیے وضعی علوم کا طریق استدلال کسی حال میں بھی سود مند نہیں - انبیاء کرام کے تمام احکام کا دارومدار ما وراء محسوسات حقائق پر ہے جسے قرآن حکیم نے عالم " غیب " سے تعبیر کیا ہے - عالم " غیب " کے معاملات خلاف عقل نہیں ہیں مگر ما وراء عقل ضرور ہیں ' اسلیے انکا عام نظری استدلال کے ذریعہ نہیں بلکہ صرف وجدانی شہادت کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے - وہ وجدانی شہادت جو فطرۃ انسانی میں ودیعت کردی گئی ہے اور جسکا اذعان قدرتی طور پر ہر انسان کے اندر موجود ہے - پس انبیاء کرام کا طریق ارشاد یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان کے وجدان سے خطاب کرتے ہیں ' نہ کہ مجرد ذہن و ادراک سے -

ثانیاً ' ایک اصل عظیم اس باب میں یہ ہے کہ انبیاء کرام کا طریق تعلیم " مقدمات " کا طریقہ نہیں ہوتا - " براہ راست " تلقین کا طریقہ ہوتا ہے -

عام بول چال میں اس کا مطلب یوں سمجھنا چاہیے کہ کسی بات کے ثابت کرنے اور منوا دینے کے طریقے دو ہیں : ایک طریقہ یہ ہے کہ پہلے مخاطب سے چند ایسے باتیں منوالی جائیں جو گو اصل مدعا نہیں ہیں ' لیکن انکے تسلیم کرالینے کے بعد مدعا کا تسلیم کر لینا ضروری ہوجایگا - یہ طریقہ " مقدمات " کا طریقہ ہے - دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جو بات مخاطب کے دل میں اتارنی ہو' وہ ایسی شکل و نوعیت میں بیان کر دی جاے' کہ بغیر کسی دوسری بات کے سہارے کے ' خود بخود دل نشیں ہوجاے - اس بات کے سمجھنے ' مان لینے ' اور شک و انکار سے محفوظ ہوجانے کیلیے کسی دوسری بات کے سونچنے سمجھنے کی ضرورت ہی نہ ہو - یہ طریقہ " براہ راست " تلقین کا ہے - کیونکہ اس طریقہ میں اثبات مدعا کیلیے جو کچھہ کہا جاتا ہے ' مقدمات کا محتاج نہیں ہوتا - پہلا طریقہ علوم وضیعہ اور نظار کا ہے - دوسرا طریقہ طریق فطری اور انبیاء کرام کا ہے -

انبیاء کرام اگر اپنی تعلیم میں مقدمات کا طریقہ اختیار کرتے ' تو ظاہر ہے کہ ان کا خطاب عام نوع بشر سے نہیں ہوسکتا تھا - کیونکہ بجز چند افراد کے جنھوں نے علوم وضیعہ کے طریقہ پر مقدمات کے بحث و نظر کی استعداد پیدا کرلی ہو ' عامۃ الناس نہ تو ان کی تعلیم سمجھہ سکتے ' نہ ایمان کے لیے مکلف ہوسکتے - انبیاء کے لیے ضروری ہوتا کہ وہ ایمان کی براہ راست دعوت دینے کی جگہ پہلے مدرسوں میں وضعی علوم کی تعلیم دیتے پھرتے ' پھر تعلیم کے بعد مقدمات ترتیب دیکر اثبات مدعا کی شکلیں بناتے ' پھر ان مقدمات میں سے ایک ایک مقدمہ پر لڑتے جھگڑتے - پھر جب مخاطب ان مقدمات کے جال میں الجھہ جاتا ' تو اسے بے بس کرکے اقرار کرا لیتے - یہ طریقہ حکماء کی بحث و نظر کا ہے - " دعوت " کا نہیں ہے - اور انبیاء کرام " داعی " ہوتے ہیں - " مناظر " اور " نظار " نہیں ہوتے !

ثالثاً ' مقدمات کا طریقہ جیسا کچھہ بھی ہو ' یقین نہیں پیدا کر سکتا ' عجز پیدا کر دیتا ہے ' اور دونوں میں فرق ہے - انبیاء اپنے مخاطبین میں یقین پیدا کرنا چاہتے ہیں - بحث میں عاجز کرکے چپ کرا دینا نہیں چاہتے - مقدمات کا طریقہ پیچ در پیچ اور چند در چند نظری مسلمات پر مبنی ہوتا ہے - اگر مخاطب اس پیچ و خم کا شاطر نہیں ہے ' تو بہت جلد لاجواب ہوکر چپ ہوجائیگا - یہ " چپ ہو جانا " نہ کہ " مطمئن ہوجانا " طریق مقدمات میں مناظر کی فتح سمجھی جاتی ہے - لیکن انبیاء کرام زبان نہیں ' دل جیتنا چاہتے ہیں ' اور زبان کے بے بس ہو جانے سے دل میں یقین نہیں پیدا ہو جاتا - تم ایک تیز زبان آدمی سے گفتگو میں بازی نہیں لیجا سکتے ' اس لیے ہار مان لیتے ہو ' مگر اس سے دل کا اعتقاد تو نہیں پیدا ہو جائیگا ؟

رابعاً ' مقدمات کے طریقہ کا تمام تر دار و مدار وضعی علوم کے نظری مسلمات پر ہوتا ہے ' اور یہ مسلمات نہ تو ہر حال میں حقیقی ہیں ' نہ ہر زمانے کی علمی استعداد یکساں طور پر ان کا اعتراف کرسکتی ہے - بہت ممکن ہے کہ کل تک جو بات مسلم طور پر مانی جاتی تھی ' آج اتنی کمزور ہوجائے کہ لوگ اس کی

بیوی کے پاس لیجائے - لیکن جب ڈاکٹر ملکہ کے پاس پہنچا ' تو اسے ایک کانے عہدہ دار سے تعشق کرتے پایا - ملکہ نے نپولین کا پیغام سن کر کہا " میں نے اسکی محبت کبھی اپنے دل میں محسوس نہیں کی - اگرچہ میں یہ ہمیشہ یاد رکھنے پر مجبور ہوں کہ وہ میرے لڑکے کا باپ ہے "

مذکورۂ بالا عورتوں کے علاوہ اور بھی بہت سی عورتوں سے نپولین کو محبت ہوئی یا انھوں نے اس سے محبت کی - انمیں سب سے اہم اور قابل ذکر تین عورتیں ہیں - میڈیم پولن ' میڈیم ڈی اسٹائیل ' اور مسز اربل - ہم انکے واقعات بالاختصار بیان کرینگے -

هنسی اڑائیں - ایمان کی بنیاد ایسی متغیر اور متلون بنیاد پر نہیں ہوسکتی - وہ تو ہر فرد ' ہر جماعت ' ہر طبقہ ' اور ہر زمانہ کے لیے ایک یکساں حقیقت ہے - یہ محل تفصیل کا نہیں ' ورنہ مثالوں سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی - ہمارے حکماء اور متکلمین نے حدوث عالم اور اثبات صانع کے کتنے ہی استدلال ترتیب دیے تھے ' جن کی بنیاد اُس وقت کے مذاہب فلسفہ کے نظری مسلمات پر رکھی گئی تھی ' لیکن آج ہم کسی پڑھے لکھے آدمی کے سامنے اُنہیں دھرانے کی جرأت نہیں کرسکتے !

(۵) صرف یہی نہیں کہ قرآن کا یہ طریقہ نہیں ہے ' بلکہ اُس نے واضح طور پر اس طریقہ کی مذمت کی ہے ' اور اسے بھی اُنہی طریقوں میں سے قرار دیا ہے جو اُس کے نزدیک " جدل " کے طریقے ہیں ' اور جو طریق " دعوت " و " ہدایت " کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے - یہ طریقہ جھگڑنے اور لفظوں اور باتوں کے پیچ میں مخاطب کو کس دینے کے لیے ضرور مفید ہے - مگر اذعان و یقین کیلیے کہ طریق دعوت و ہدایت کا مقصد وحید ہے ' کچھ مفید نہیں - بلاشبہ اس طریق کا عامل ایک علمی قسم کا جھگڑالو آدمی بن جاتا ہے ' لیکن مرشد اور ہادی نہیں بن سکتا - اس کی طبیعت کبھی اِس طرف نہیں جاتی کہ سچائی اور حق معلوم کرے - وہ اس کا عادی ہوجاتا ہے کہ اپنے بنائے ہوے قاعدوں ' گڑھے ہوے مقدموں ' اور منوائی ہوی اصطلاحوں سے کسی نہ کسی طرح مخاطب کو لاجواب کردے - رفتہ رفتہ خود اُسکا قلب بھی حقیقت سے نا آشنا اور اُسی قسم کی باتوں پر قانع ہو جاتا ہے جسے انگریزی میں " ٹکنیکل " قسم کی باتیں کہتے ہیں (لفظ صناعی اسکا پورا مفہوم ادا کرنے کیلیے کافی نہیں ' الا یہ کہ اختیار کرلیا جاے) اگر وہ ایک مخاطب کو جو حق کی جستجو اور یقین کی راہ میں اُس سے نزاع کر رہا ہے ' صرف ایک لفظ کی غلطی ' یا کسی اصطلاحی قاعدہ کی نا آشنائی ' یا ترتیب مقدمات کے پیچ و خم کے اُلجھاؤ سے شرمندہ کردے سکے اور لا جواب بنا دے ' تو وہ اسے اپنی بڑی سے بڑی فتح مندی سمجھے گا ' اور اِسے " مناظرہ میں ہرا دینے " سے تعبیر کریگا - لیکن ایک لمحہ کیلیے بھی یہ نہیں سونچے گا کہ اِس نام نہاد فتح و شکست سے حقیقت اور سچائی کا فیصلہ کیونکر ہوگیا ؟ یہ زیادہ سے زیادہ مناظرہ کی جیت ہے - لیکن حقیقت کا فیصلہ تو نہیں ہے ؟ اگر وہ اِس مناظرانہ کج اندیشی کی مدہوشی سے افاقہ پائے ' اور خود اپنے دل کی گہرائیوں کا حساب لے ' تو اُسے معلوم ہو جائے کہ جس بات کے منوانے کیلیے وہ ایک عالم کو چپ کراتا پھرتا ہے ' خود اُسی کے دل کو اُسپر قرار نہیں ہے - قرآن و سنت پر تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ' اور اِس طرح کے تمام طریقے ' نہ صرف حصول مقصد کیلیے سود مند نہیں ہیں ' بلکہ ہدایت و یقین کی راہوں سے دور کر دینے والے ہیں - قرآن اِن تمام طریقوں کو " خصومت " اور " جدل " یعنی لڑنے جھگڑنے کی راہ قرار دیتا ہے - اُس نے جا بجا اِس نوعیت کے اعتراضات اور تشکیکات نقل کی ہیں - پھر بتلایا ہے کہ یہ حق و ہدایت کی راہ نہیں ہے ' خصومت اور جھگڑنے کی روش ہے - سورۂ یاسین میں منکرین کا یہ استفہام تشکیکی نقل کرنے کے بعد کہ " و یقولون متی ھذ الوعد ان کنتم صادقین ؟ " فرمایا " ما ینظرون الا صیحة واحدة ' تاخذھم و ھم یخصمون ! " " خصومت " کا لفظ یہاں اِسی حقیقت کی طرف اِشارہ ہے - سورۂ زخرف میں منکرین کا یہ انداز سخن نقل کیا ہے کہ " ولما ضرب ابن مریم مثلاً ' اذا قومک منه یصدون - و قالوا : الھتنا خیر أم ھو ؟ " اِسکے بعد کہا " ما ضربوا لک الا جدلا ' بل ھم قوم خصمون ! " یعنی منکروں کی یہ فکری حالت کہ وہ بات کی حقیقت پر غور کرنے کی جگہ فرضی اور تخمینی صورتیں پیدا کرکے کج بحثی کرنی چاہتے ہیں ' راستی و حق پرستی کا طریقہ نہیں ہے - " جدل " کا ڈھنگ ہے -

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے دعوت الی الحق کا طریقہ واضح کرتے ہوے کہا : ادع الی سبیل ربک بالحکمة و الموعظة الحسنة ' و جادلھم بالتی ھی احسن (۱۶ : ۱۲۶) اِس آیت میں بالترتیب تین طریقوں کا ذکر کیا ہے : حکمت - موعظۂ حسنہ - اور جدل - لیکن جدل کو " بالتی ھی احسن " کے ساتھ مقید کر دیا ہے - یعنی ایسا جدل جو اچھے طریقہ پر کیا جاے - اِس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک " جدل " حکمت و موعظت کی طرح محمود و مطلوب نہیں ہے ' اِلا یہ کہ " بالتی ھی احسن " ہو -

جس آیت کی نسبت آپنے استفسار کیا ہے ' دراصل وہ اسی حقیقت کا ایک بہترین نمونہ پیش کرتی ہے - وہ واضح کرتی ہے کہ انبیاء کا طریق دعوت و ہدایت کا ہے - جدل کا نہیں ہے - اور تشریح اسکی آگے آئیگی -

(۶) لیکن افسوس ہے کہ متکلمین کا منطقی ذوق طریق قرآنی کی اہمیت و حقیقت معلوم نہ کرسکا - اُنہوں نے قرآن کو بھی وہی منطقی جامہ پہنا دینا چاہا ' جو خود انہوں نے علم و نظر کے ہر گوشے میں پہن لیا تھا - چونکہ یہ طریقہ قرآن کیلیے ایک مصنوعی طریقہ تھا ' اسلیے قدم قدم پر طرح طرح کی مشکلات پیش آئیں - لغت ساتھ نہیں دیتی تھی ' عربی اُسلوب بیان قطعاً مخالف تھا - سباق و سیاق کا مقتضا کچھ اور ہی کہتا تھا - سب سے بڑھکر یہ کہ قرآن کا عام نظم بیان اس طریق کے ساتھ چل نہیں سکتا تھا - تاہم وہ اپنی موشگافیوں اور کوہ کندنیوں میں برابر بڑھتے ہی گئے ' اور کسی نہ کسی طرح کھینچ تان کر ایک نیا کارخانۂ استدلال کھڑا کر دیا - اب دنیا کہتی ہے کہ قرآن کی مشکلات حل نہیں ہوتیں - لیکن کوئی نہیں جو اس حقیقت پر سے پردہ اُٹھائے کہ مشکلیں قرآن کی مشکلیں نہیں ہیں - مفسرین کی پیدا کی ہوئی مشکلیں ہیں - اگر ایک بات کو اُس کی زبان ' اُس کے اُسلوب ' اور اُس کے قدرتی معانی سے ہٹا کر ایک دوسری طرح کی شکل دیدی جائیگی ' تو یقیناً وہ صاف نہیں رہیگی ' مشکلات کا ایک معما ہی بن جائیگی !

یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن کے ساتھ ہم دو ہی طرح کا سلوک کرسکتے ہیں - یا تو اس کی سچائی تسلیم کریں - یا انکار کردیں - اگر ہم اس کی سچائی تسلیم کرتے ہیں تو ضروری ہے کہ وہ تمام اوصاف بھی تسلیم کرلیں جو اُس نے اپنی نسبت بار بار بیان کیے ہیں - اِن اوصاف میں سب سے پہلا اور بنیادی وصف یہ ہے کہ وہ ہر اعتبار سے سہل ہے - کسی اعتبار سے بھی مشکل نہیں - پس قرآن سب کچھ ہو سکتا ہے مگر مشکل اور پیچیدہ نہیں ہوسکتا - کوئی تفسیر ' کوئی تاویل ' کوئی ایسی بات جس سے اُس کی کوئی ایک سورت ' کوئی ایک رکوع ' کوئی ایک آیت ' بلکہ اُس کا کوئی ایک لفظ بھی مشکل اور مقدمات طلب بن جائے ' قرآن کے لیے سچی تفسیر اور سچی بات نہیں ہو سکتی - یقیناً وہ سچی نہیں ہوسکتی - اس لیے کہ قرآن جسے سچ ہونا چاہیے ' بار بار کہتا ہے : ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر (۵۴ : ۱۷)

فانما يسرناه بلسانك لعلهم يتذكرون (۴۴ : ۵۸) هو الذي ينزل علی عبده آيات بينات ليخرجكم من الظلمات الی النور (۵۷ : ۹) قرآنا عربيا غير ذي عوج (۳۹ : ۲۸) فانما يسرناه بلسانك لتبشر به المتقين (۱۹ : ۹۷) وانه لتنزيل رب العالمين - نزل به روح الامين - علی قلبك لتكون من المنذرين - بلسان عربي مبين ! (۲۶ : ۱۹۱) انه لقول فصل وما هو بالهزل (۸۶ : ۱۴) يعني قرآن صاف اور واضح عربي زبان ميں نازل هوا هے - اسكي تعليم بالكل كهلي هوئي اور اسكا طريق بيان تمام تر سهل اور دل ميں اتر جانے والا هے - سچائي اس ميں كهول دي گئي هے - حقيقت كے ليے اس ميں كوئي نقاب نهيں - اس كا بيان يكقلم سيدها سادها هے - كسي طرح كي تيڑهه اور پيچيدگي اس ميں راه نهيں پا سكتي - اسكے سمجهنے بوجهنے كيليے صرف اس بات كي ضرورت هے كه دل لگنے والا اور كان سننے والا هو - اسے صرف سن لينا هي اسے پا لينا هے ' اور اسے ديكهه لينے سے انكار نه كرنا ' اسكي شيفتگي اور عشق كا اقرار هے !

علاوه بريں قرآن نے جابجا اپنے نام گنائے هيں - وه كهتا هے ميں " موعظة " هوں ' " ذي الذكر " هوں ' " تبياناً لكل شي " هوں ' " تذكرة " هوں ' " هدي و رحمة " هوں ؛ اور يه ظاهر هے كه جو بات وعظ هو ' تذكير هو ' نصيحت هو ' هدايت هو ' روح و دل كے روگوں كي شفا هو ' وه منطقي شكلوں كا الجهاؤ اور مقدمات در مقدمات طلسموں كا كارخانه نهيں هو سكتي !

(۷) ضرورت هے كه مختصراً اس معامله كي توضيح كے ليے ايك دو مثاليں بهي ديدي جائيں :

متكلمين نے جو طريقه الاهييات ميں اثبات مدعا كا اختيار كيا تها ' اس ميں سب سے زياده ان كا اعتماد حدوث عالم كے اثبات پر تها - يعني عالم قديم (مصطلحۀ فلسفه) نهيں هے - پيدا شده هے - حدوث عالم كے ليے سب سے زياده قوي استدلال حركت اور تغير كا استدلال سمجها جاتا تها - بچپنے ميں هم نے يه شكل رٹي تهي : " العالم متغير ' و كل متغير حادث - فالعالم حادث " (عالم متغير هے ' اور هر چيز جو متغير هے ' حادث هے - پس عالم حادث هے) چونكه متكلمين كے دماغ ميں اثبات مدعا كي يهي شكليں بسي هوئي تهيں ' اسليے انهوں نے قرآن كے استدلالات كو بهي كهينچ تان كر يهي جامه پهنا دينا چاها - قرآن حكيم نے جس طرح آيت زير تدبر ميں حضرت ابراهيم (علی نبينا و عليه الصلوة والسلام) كي ايك " حجة " كا ذكر كيا هے ' اسي طرح سورۀ انعام ميں ايك دوسري " حجة " كا بهي ذكر كيا هے : وتلك حجتنا اتيناها ابراهيم علی قومه ' نرفع درجات من نشاء ' ان ربك حكيم عليم (۶ : ۸۳) يه " حجة " كيا تهي ؟ يه " حجة " وه تهي جس ميں حضرت ابراهيم كے مشاهدۀ " ملكوت السماوات والارض " كے واردات كا ذكر هے : فلما جن عليه الليل ' رای كوكبا ' قال هذا ربي ' فلما افل ' قال لا احب الافلين ! (۶ : ۷۶) يعني حضرت ابراهيم نے ستاره ' چاند ' اور سورج ديكها ' اور جب ان ميں سے هر كوكب ڈوب گيا ' تو فرمايا " اني لا احب الافلين " چونكه اس معامله كو قرآن نے " حجة " كے لفظ سے تعبير كيا تها ' اور جيسا كه آگے چل كر معلوم هوگا ' متكلمين نے " حجة " مستعملۀ قرآن كو وهي حجة قرار دے ليا تها جو ان كي مصطلحۀ منطق " حجة " تهي ' اسليے انهوں نے اس آيت كي تفسير كرتے هوے اپنے منطقي استدلال كي شكل يهاں بهي چپكا دي - مطلب يه قرار ديا كه حضرت ابراهيم نے حدوث عالم پر حركت و تغير سے استدلال كيا هے - يعني ان كي حجة بهي يهي تهي كه " العالم متغير و كل متغير حادث " انهوں نے كواكب كے صانع عالم نه هونے پر اس بات سے استدلال كيا هے كه ان ميں حركت هے - حركت تغير كو كهتے هيں ' اور جس ميں تغير هو وه محدث هے ' اور جو محدث هے ' وه قديم نهيں ' اور جو قديم نهيں ' وه صانع عالم نهيں هو سكتا ! اس تفسير پر همارے متكلمين كو اس درجه وثوق بلكه فخر هے كه حضرت امام رازي تغير سے استدلال حدوث كو " طريق ابراهيمي " قرار ديتے هيں ' اور فرماتے هيں " پهلا حكيم رباني جس نے اس حكمت سے مخلوق كو آشنا كيا ' وه حضرت ابراهيم خليل هيں " !

ابهي اس سے قطع نظر كيجيے كه اس استدلال كي كمزوريوں كا كيا حال هے ' اور اسكا صغری اور كبری هي كونسا قطعي اور مسلم هے كه نتيجه قطعي الثبوت هو - اس پر بهي بحث نه كيجيے كه اس طرح كا استدلال انبياء كرام كي طرف منسوب كرنا طريق دعوت نبوت سے كس درجه نا آشنائي اور حقيقت فراموشي هے - صرف اس بات پر غور كيجيے كه لغت و عربيت كے لحاظ سے اس تفسير كا كيا حال هے ؟ آيت كريمه ميں كوكب ' چاند ' اور سورج كا ذكر هے ' اور تينوں كيليے " افل " كا لفظ آيا هے - متكلمين كي يه تفسير " افول " كے معني حركت و تغير قرار ديتي هے ' اور جب تك يه معني قرار نه ديے جائيں ' ان كے گڑهے هوے استدلال كي ديوار كهڑي نهيں هو سكتي ' ليكن جزم و قطع كے ساتهه كها جاسكتا هے كه عربي لغت ميں كسي ايسے " افول " كا وجود هي نهيں جو حركت و تغير كے معني ميں بولا جاتا هو - جو " افول " عربي زبان ميں مستعمل هے ' اسكے معني تو كسي چيز كے چهپ جانے اور غائب هو جانے كے هيں - قد أفلت الشمس تأفل و تأفل افولا - اي غابت و احتجبت - اس كے سوا كوئي معني اس لفظ كے مفهوم ميں داخل نهيں - آيت كا صاف مطلب يه هے كه جب چاند ڈوب گيا ' سورج غروب هوگيا ' تو حضرت ابراهيم نے كها " اني لا احب الافلين " ميں چهپ جانے والوں كو دوست نهيں ركهتا - يهاں حركت و تغير كي مصيبت كهاں سے آگئي ؟

پهر قيامت پر قيامت يه هے كه " حركت " سے بهي انكا مقصود حركت لغوي نهيں هے - بلكه حركت مصطلحۀ فلسفه هے - يعني وه حركت جو ايك حالت سے دوسري حالت ميں انتقال كو كهتے هيں ' خواه مكان ميں هو يا زمان ميں ' اور كم ميں هو يا كيفيت ميں - مثلاً درخت كا نمو بهي حركت هے ' اور يه حركت في الكم هے ' اور كسي رنگ كا تغير بهي حركت هے ' اور يه حركت في الكيف هے - ظاهر هے كه اگر " افول " كے مفهوم ميں كسي نه طرح كهينچ تان كر حركت كي دلالة پيدا بهي كرلي جائے ' تو لغت اور قرآن پر يه كيسا صريح اتهام هوگا كه حركت كا يه فلسفيانه مفهوم ان كے سر تهوپا جائے ؟

علاوه بريں متكلمين اپنے ذوق تفلسف ميں يه حقيقت بهي بهول گئے كه حضرت ابراهيم عليه السلام كا خطاب جن لوگوں سے تها ' وه كواكب كو صانع كائنات نهيں سمجهتے تهے كه انكے ليے اس مزعومه استدلال كي ضرورت هوتي - ان لوگوں كا اعتقاد اجرام سماويه خصوصاً چاند سورج كي نسبت وهي تها ' جو دنيا كي تمام مشرك عقول كا اپنے اپنے ديوتاؤں كي نسبت رهچكا هے اور اب تك هے - يعني يه ايسي روحاني اور ملكوتي هستياں هيں جنهيں دنيا كي تدبير و

تصرف میں دخل ہے ' اور اسلیے انکی پرستش ضروری ہے - پس جب وہ کواکب کو صانع کائنات سمجھتے هي نه تیے ' تو انکے محدث و مخلوق هونے کے دلائل پر حضرت ابراهیم کیوں زور دیتے ' اور کیوں قرآن اسے " تلك حجة ایتنا ها ابراهیم علی قومه " سے تعبیر کرتا ؟ انکے علم میں تو کوئی ایسی بات آئی تهی ' جس سے کواکب کے تدبیر و تصرف عالم میں دخیل هونے کا بطلان ثابت هوتا ' کیونکه انکے هم وطنوں کی اصلی گمراهي یہي تهي -

یه محل مزید تشریح و اطناب کا متحمل نہیں ' ورنه یہي ایک تفسیر اس حقیقت کی توضیح کیلیے کافي تهي که متکلمین کے طریقه نے قرآن حکیم کے معارف و حقائق پر کیسے تو بر تو پردے ڈالدیے هیں ' اور انکي ذهنیت معارف قرآنیه کي روح سے کس درجه مختلف بلکه متضاد ہے - في الحقیقت قرآن حکیم کا یه مقام من جمله اهم ترین دلائل قرآنیه کے ہے ' لیکن متکلمین نے ایک دور از کار اور تقریباً بے معنی منطقي استدلال کا جامه پہنا کر اس کي ساری دلاویزي اور خوبي غارت کردی ہے ' جو کسي طرح بهي اس پر راست نہیں آتا - لطف یه ہے که یه استدلال حضرت ابراهیم کي طرف اس جوش و سرگرمي کے ساتهه منسوب کیا جاتا ہے ' گویا انکے لیے ابراهیم خلیل کي جگه امام الحرمین یا امام رازي بن جانا کوئي بڑي هي فضیلت کي بات ہے !

میں نے یہاں ارسطو کي جگه امام الحرمین اور امام رازي اسلیے کہا که جو بات حضرت ابراهیم کي طرف منسوب کي گئي ہے ' وه اتنا وزن بهی نہیں رکهتي ' جسقدر عامۂ حکماء کي عقلیات کا تسلیم کرنا پڑتا ہے - شیخ الاسلام ابن تیمیه نے سچ کہا ہے که " متکلمین نے طریق قرآني اسلیے ترک کیا ' تاکه فلاسفۂ و عقلیین کے ساتهه چل سکیں ' مگر افسوس که یه بهي نه کرسکے - انکي خام خالیوں سے تو پهر حکماء کي باتیں غنیمت هیں "

یا مثلاً ' قرآن حکیم نے الله تعالی کے صفات کا ذکر کرتے هوے " احد " اور " واحد " کا لفظ استعمال کیا ہے - " احد " اور " واحد " کے معني اس زبان میں جسمیں قرآن نازل هوا ہے ' اسکے سوا کچهه نہیں هیں که یه صفت ' تعدد کي نفي کرتي ہے - یعني وه ایک ہے ' اکیلا ہے ' اسکا کوئي شریک نہیں - کوئي عرب یا عربي داں انسان " احد " کا لفظ سنکر اس سے زائد کسي مفہوم کا تخیل هي نہیں کرسکتا ' لیکن متکلمین نے اسکے لیے فلسفیانه معاني اور التزامات پیدا کر لیے ' اور بلا تکلف انهي معاني میں استعمال کرنے لگے - مثلاً وه کہتے هیں ' خدا نے اپنا وصف احد قرار دیا ہے - احد وه ہے جو منقسم نه هو سکے ' پس معلوم هوا که وه جسم نہیں ہے ' کیونکه اجسام قابل انقسام هیں - همیں بهي اسکا شوق نہیں که خدا کی جسمیت ثابت کي جاے ' لیکن یه قطعي ہے که قرآن نے عربي کا لفظ " احد " اس مصطلحۂ متکلمین مفہوم میں استعمال نہیں کیا ہے ' اور نه اس انقسام و عدم انقسام کي دقیقه سنجیوں سے اسے کوئي تعلق ہے -

یا مثلاً ' عربي کا ایک لفظ " مثل " ہے - " مثول " کے اصلي معني کسي چیز کے نصب هونے کے تیے - مصور صورت بنا دیتا ہے ' اس لیے اسے " مثل " کہنے لگے - مثل الشي - اي انتصب و تصور - سورۂ مریم میں ہے " فتمثل لها بشراً سویا " یعني آدمي کي شکل میں نمایاں هوا - پهر اسي نسبت سے اسکا استعمال مشابہت کے معنوں میں بهي هونے لگا - فلاں چیز فلاں چیز کے مثل ہے - یعني اس جیسي ہے - تاج محل کے مثل کوئي عمارت نہیں - یعني اس جیسي کوئي عمارت نہیں - قرآن نے بهي جا بجا مثل کا لفظ انهي معنوں میں استعمال کیا ہے -

لیکن جب فلسفیانه مصطلحات رائج هوگئیں ' تو " تمثیل " کا استعمال ایک خاص تعریف و حدود کے ساتهه هونے لگا - مثلاً مماثلت کے مفہوم میں منطقي اطلاق پیدا کرکے اسے مماثلة فی الجوهر ' مماثلة فی الکیفیة ' مماثلة فی الکمیة ' مماثلة فی القدر و المساحة ؛ وغیره میں لے گئے ' اور اسکے بعد " مثل " مستعملۂ قرآن سے بهي وهي استدلال کرنے لگے - مثلاً " لیس کمثله شي " میں " مثل " کو وهي " مثل " مصطلحه قرار دیتے هیں ' اور اسپر اپني تمام فلسفه آرائیوں کي عمارت استوار کرتے هیں - وه کہتے هیں - تمام اجسام متماثل هیں ' اور جسم وه ہے جو جواهر فرد سے مرکب هو ' یا جسکي طرف اشاره کیا جاسکے ' اور جسکي مقدار هو ' پس جب خدا نے فرمایا " لیس کمثله شی " تو اس سے ان تمام جسمي (مصطلحه فلسفه) مماثلتوں کي نفي هوگئي جو جواهر میں یا اعراض میں هو سکتي هیں - فلو کان جسماً لکان له مثل ' و اذا لم یکن جسماً ' لزم نفي ملزومات الجسم - یقیناً خدا کے مثل کوئي شے نہیں ' لیکن سوال یه ہے که " لیس کمثله شي " میں قرآن نے عربي کا جو لفظ استعمال کیا ہے ' اور اسکا جو مطلب دو سو برس تک تمام عرب مخاطبین سمجهتے رہے ' وه کیا تها ؟ کیا وه یہي مثلیت مصطلحۂ فلسفه تهي ؟ حاشا و کلا - عربي میں مثل کا لفظ ٹهیک انهي سیدهے سادهے معنوں میں بولا جاتا ہے ' جن معنوں میں هم آجکل اردو میں بولا کرتے هیں - مثلاً ایک شخص کہتا ہے " تاج محل آگره کے مثل کوئي عمارت موجود نہیں " تو اس سے اسکا یه مطلب نہیں هوتا که وه مماثلة في الجوهر یا مماثلة فی الکمیة ' یا مماثلة فی الکیفیة ' یا مماثلة فی القدر و المساحة ' یا مماثلة فی اي معني اصطلاحي فلسفي کي نفي کر رها ہے - بلکه یه مطلب هوتا ہے که ایسي خوشنمائي رکهنے والي کوئي دوسري عمارت موجود نہیں - قرآن نے بهي ٹهیک ٹهیک اسي ساده اور لغوي معني میں " مثل " کا لفظ استعمال کیا ہے - یه فلسفیانه دقیقه سنجیاں یہاں کہاں سے آگئیں ؟

یا مثلاً ' عربي کا ایک لفظ " خلد " اور " خلود " ہے جسکے معني لغت اور زبان میں طول عهد کے هیں ' اور اسي نسبت سے وه همیشگي کے معنوں میں بهي بولا جاتا ہے - لیکن یه همیشگي ایسي هي هوتي ہے جیسے بول چال میں هم کہتے هیں " یه آدمي همیشه کلکته هي میں رهیگا " اس سے یه مقصود نہیں هوتا که وه ابد تک رهیگا اور مستقبل میں کوئي وقت ایسا نہیں آئیگا جب وه کلکته میں موجود نهو ' بلکه یه مطلب هوتا ہے که وه یہیں ٹهرا هوا ہے اور عرصه تک یہیں ٹهریگا - قرآن نے بهي جا بجا اسي معني میں یه لفظ استعمال کیا ہے ' لیکن بعد کو جب فلسفیانه بحثیں پیدا هوگئیں ' تو " خلود " کے معني ایسي همیشگي کے هوگئے جسکي کوئي نہایت نه هو -

یا مثلاً ' عربي میں لفظ " قدم " کے وهي معني هیں ' جو اردو میں " پرانے " کے هیں " یه مکان بہت قدیم ہے " یعني بہت مدت سے ہے - لیکن متکلمین نے فلسفیانه مباحث میں " قدم " و " حدوث " کي خاص مصطلحات اختیار کیں ' اور اسلیے " قدیم " کي بهي ایک خاص منطقي تعریف بن گئي - اب کتاب و سنة کا مستعمله " قدیم " بهي اسي معني میں لیا جانے لگا !



"کمیونیزم" اور اُسکے مقاصد

(کارل مارکس کے مباحث)

(۳)

" لیکن تم کمیونسٹ ' سرمایہ دار عورتوں کي عمومیت بھي رواج دوگے "

ایک هي طرح کے سر میں تمام سرمایہ دار یہ راگ آلاپ رهے هیں !

چونکہ سرمایہ دار اپني بیوي کو بھي پیداوار کا ایک آلہ تصور کرتا هے ' اس لیے جب کبھي سنتا هے کہ آلات پیداوار عام ملکیت هوجانے والے هیں ' تو قدرتي طور پر خیال کرتا هے کہ عورتوں پر بھي اس کا اثر پڑے گا !

اُسے کبھي یہ خیال نہیں گزرتا کہ کمیونسٹوں کا مقصود تو صرف اس قدر هے کہ عورت پیداوار کا محض ایک آلہ نہ سمجھي جائے - وہ عورتوں کي موجودہ حیثیت بدل دیني چاهتے هیں -

همارے سرمایہ داروں کے اس عیارانہ خوف سے زیادہ کوئي چیز مضحکہ انگیز نہیں جس کي وہ اس باطل دعوی میں نمائش کر رهے هیں - کمیونسٹوں کو عورتوں کے عام بنانے کي کیا ضرورت هے جب کہ ان کي یہ صورت حال تقریباً همیشہ موجود رهي هے اور آج بھي موجود هے !

همارے سرمایہ دار بزرگ کیا کر رهے هیں ؟ اپنے مزدوروں کي عورتوں اور لڑکیوں کو اپنے قبضۂ و تصرف میں رکھنے سے سیر نہ هوکر نیز باضابطہ عصمت فروشي پر بھي قانع نہ هوکر ' وہ اب آپس میں ایک دوسرے کي بیویوں سے علانیہ تعلقات پیدا کر رهے هیں ' اور یہ تعلقات سرمایہ دار سوسائٹي کي بہترین معاشرتي دلچسپي هیں !

خود سرمایہ دارانہ شادي بھي در حقیقت عورتوں کي عمومیت هي هے - کمیونسٹوں کو زیادہ سے زیادہ الزام یہ دیا جاسکتا هے کہ وہ عورتوں کي موجودہ ریاکارانہ اور خفیہ عمومیت ختم کر دیني چاهتے هیں - ظاهر هے کہ پیداوار کے موجودہ نظام کي منسوخي کے ساتھہ اُس کا نتیجہ یعني عورتوں کي عمومیت بھي معدوم هو جائیگي ' اور اُس وقت عام عصمت فروشي کا بازار بھي گرم نہیں هو سکیگا -

کمیونسٹوں پر یہ الزام بھي لگایا جاتا هے کہ وہ وطني و قومي روح فنا کردیني چاهتے هیں -

مزدوروں کي نہ تو کوئي قوم هے نہ وطن - پس جو چیز اُنہیں ملي هي نہیں ' چھیني بھي نہیں جاسکتي !

مزدوروں کو پہلے سیاسي طاقت حاصل کرني چاهیے ' پھر اپنے تئیں بطور ایک قوم کے قائم کردینا چاهیے - یہ کام بذات خود ایک قومي کام هے ' اگرچہ سرمایہ دار اُسے کچھہ نہ سمجھیں -

جوں جوں سرمایہ دار ترقي کرتے جاتے هیں ' آزاد تجارت پھیلتي جاتي هے ' عالمگیر بازار کھلتے جاتے هیں ' صنعتي پیداوار میں اضافہ هوتا جاتا هے ' قومي اختلافات بھي کم هوتے جاتے هیں ' اور حالات زندگي میں همرنگي و یکسانیت بڑھتي جاتي هے -

مزدوروں کي فتحمندي ان اختلافات کو اور زیادہ کم کردیگي ' کیونکہ ان کي تجارت کے لیے تمام دنیا اور کم سے کم مہذب ممالک کا متحدہ عمل اولین شرط هے -

افراد کے باهمي خود غرضانہ استعمال میں جس قدر کمي هوتي جائیگي ' اسي قدر قوموں کا باهمي خود غرضانہ استعمال بھي کم هوتا جائیگا -

جوں جوں فرقہ بندیاں معدوم هوتي جائینگي ' قوموں کي باهمي دشمني بھي مٹتي جائیگي -

رهے باقي الزام جو کمیونزم پر مذهبي ' فلسفي ' اور نظري نقطۂ نظر سے لگائے گئے هیں ' تو وہ اس قدر پوچ هیں کہ کسي سنجیدہ بحث کے محتاج نہیں -

کیا اِس حقیقت کے سمجھنے کے لیے کسي گہري بصیرت کي ضرورت هے کہ مادي حالات زندگي اور اجتماعي نظام کي تبدیلي کے ساتھہ انسان کے خیالات ' نظریے ' تصورات ' حتی کہ ضمیر و وجدان تک بدل جاتا هے ؟

خیالات کي تاریخ بجز اس کے اور کیا ثابت کرتي هے کہ دماغي پیداوار ' مادي پیداوار کے ساتھہ همیشہ بدل جاتي هے ؟ هر عہد کے حکمراں خیالات همیشہ وهي رهے هیں ' جو اس کے حکمراں طبقہ کے تھے -

جب لوگ اُن خیالات پر بحث کرتے هیں جو سوسائٹي میں انقلاب پیدا کردیا کرتے هیں ' تو یہ حقیقت صاف ظاهر هو جاتي هے کہ پراني سوسائٹي کے اندر هي نئي سوسائٹي کے عناصر کي تکوین پوشیدہ تھي ' اور یہ کہ قدیم خیالات کے انحلال کے ساتھہ هي قدیم اجتماعي رشتے بھي پراگندہ هوجاتے هیں -

جب قدیم دنیا اپنے زوال کي آخري گھڑیوں سے گزر رهي تھي ' تو قدیم مذاهب بھي ایڑیاں رگڑ رهے تھے - یہاں تک کہ مسیحیت نے ظاهر هوکر انھیں نگل لیا - اسي طرح جب اٹھارھویں صدي میں مسیحي خیالات کي جگہ عقلیت نے لے لي ' تو جاگیر دار سوسائٹي نے اُس وقت کے انقلابي سرمایہ داروں سے فیصلہ کن لڑائي لڑي - پھر مذهبي آزادي اور وجداني آزادي کے خیالات نے علم کي علمداري اور آزاد مقابلہ کا اصول ظاهر کر دیا -

بلاشبہ اعتراض کیا جائیگا کہ مذہبی ' اخلاقی ' فلسفی ' سیاسی اور قانونی خیالات تاریخی ترقی کے دوران میں تبدیل ہوتے رہے ہیں ' مگر ان تبدیلیوں کے باوجود بھی مذہب ' اخلاق ' فلسفہ ' سیاست ' اور قانون کی حقیقت کبھی نہیں بدلی ' بلکہ یہ چیزیں بدستور باقی رہیں - مزید براں کچھ اٹل سچائیاں بھی ہیں ' جو تمام اجتماعی نظاموں میں ہمیشہ قائم رہی ہیں اور اُن میں کبھی تبدیلی نہیں ہوئی - لیکن کمیونزم یہ تمام سچائیاں نئی بنیادوں پر قائم کرنے کی جگہ اُنہیں سرے سے مٹا دینا چاہتا ہے ' اور یہ ایک ایسی بات ہے جو تمام تاریخی ترقیوں کے بالکل مخالف ہے -

لیکن ہم کہتے ہیں کہ تمام پچھلی سوسائٹیوں کی تاریخ ' جماعتی نزاع کی تاریخ ہے جس نے مختلف زمانوں میں مختلف شکلیں اختیار کیں - جماعتی نزاع نے کوئی شکل بھی اختیار کی ہو ' لیکن یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہر زمانہ میں سوسائٹی کا ایک حصہ دوسرے حصوں کو خود غرضانہ استعمال میں لاتا رہا ہے - لہذا کچھ عجب نہیں ' اگر اِن تمام زمانوں کا اجتماعی ضمیر ہمیشہ تقریباً ایک ہی قسم کے خیالات کا پابند رہا ہو - ظاہر ہے کہ اِس اجتماعی ضمیر کی تبدیلی اسی وقت ممکن ہے ' جب جماعتی نزاع کا پورے طور پر خاتمہ کر دیا جائے -

کمیونیزم کیا ہے ؟ ملکیت کا انقلاب اور اسکے روایتی رشتوں کا ایک براہ راست طبعی انفجار ! لہذا کچھ عجیب نہیں ' اگر وہ اپنے دوران ترقی میں تمام روایتی نظریوں سے آزادانہ قطع تعلق کرلے اور ایک نیا نظام قائم کر دے !

لیکن ہمیں سرمایہ داروں کے اعتراضات کی پروا نہیں کرنی چاہئے - اپنے کام میں بدستور منہمک رہنا چاہئے -

ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ مزدوری پیشہ طبقہ کے انقلاب کا پہلا قدم یہ ہے کہ وہ حکمراں طبقہ کی حیثیت حاصل کرلے - یعنی حقیقی جمہوریت کو کامل فتح حاصل ہو جائے -

مزدور ' سرمایہ داروں سے تمام سرمایہ بتدریج چھین لینے اور پیداوار کے تمام آلات حکومت کے ہاتھوں میں جمع کر دینے کیلیے اپنی سیاسی طاقت استعمال کرینگے ' یعنی پیداوار کے تمام ذرائع وہ خود اپنے ہاتھوں میں لے لینگے - کیونکہ وہی حکمراں طبقہ ہونگے ' اور کوشش کرینگے کہ جلد سے جلد بار آور طاقتوں کی مجموعی مقدار بڑھا دیں -

یہ مقصد ظاہر ہے کہ پورا نہیں ہوسکتا ' جبتک کہ حقوق ملکیت اور سرمایہ دارانہ حالات پیداوار پر علانیہ سخت حملے نہ کیے جائیں - یہ حملے اُن ذرائع سے کیے جائینگے جو گو ابھی اقتصادی حیثیت سے ناقابل حصول معلوم ہوتے ہیں ' مگر بتدریج بڑھینگے اور ضروری ہو جائینگے - اِس سے مقصود وہی ذرائع ہیں ' جو پیداوار کے تمام طریقوں میں انقلاب پیدا کر دیں -

یہ ذرائع مختلف ممالک میں قدرتی طور پر مختلف ہونگے - تاہم ترقی یافتہ ممالک میں حسب ذیل ذرائع سے بہتر کام لیا جاسکتا ہے :

(۱) زمین کی ملکیت کی منسوخی اور زمین کے لگان پر حکومت کا قبضہ -

(۲) بھاری اور برابر بڑھنے والا انکم ٹیکس -

(۳) سرمایہ دارانہ وراثت کی منسوخی -

(۴) باغیوں اور جلاوطنوں کے اِملاک کی ضبطی -

(۵) حکومت کے ہاتھوں میں قرض کی مرکزیت ' اور یہ اِس طرح کہ ایک قومی بنک قائم کیا جائے جس میں صرف حکومت کا سرمایہ ہو ' اور جسے بلا شرکت غیرے اجارہ داری کا حق حاصل ہو -

(۶) ذرائع مواصلات اور برآمد کی حکومت کے ہاتھوں میں مرکزیت -

(۷) قومی کارخانوں اور آلات پیداوار کی توسیع ' اور بنجر زمینوں کی ایک عام اجتماعی خاکہ کے مطابق اصلاح -

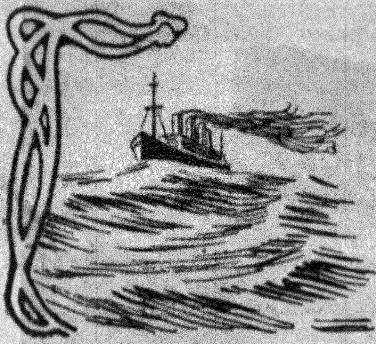
(۸) سب کو محنت کیلیے مجبور کرنا ' اور صنعتی فوجوں کی تنظیم ' خصوصاً زراعت کیلیے -

(۹) زرعی اور صنعتی محنت کی آمیزش ' تا کہ شہر اور دیہات کی باہمی تفریق مٹ جائے -

(۱۰) تمام بچوں کیلیے عام مفت تعلیم -

جب دوران ترقی میں جماعتی اِمتیازات معدوم ہو جائینگے ' اور تمام پیداوار قوم کی بڑی اکثریت کے ہاتھوں میں سمٹ آئیگی ' تو عام اجتماعی طاقت اپنی سیاسی حیثیت کھو دیگی - سیاسی طاقت درحقیقت ایک منظم طاقت ہے تا کہ دوسری جماعتوں پر مسلسل ظلم کیا جاسکے -

اگر مزدور انقلاب کے ذریعہ برسر اقتدار آجائیں ' اور طاقت کے زور سے پرانے حالات پیداوار برباد کر ڈالیں ' تو اِن حالات کے ساتھ قدرتی طور پر وہ موجودہ جماعتی نزاعات اور خود جماعتوں کو بھی برباد کر ڈالینگے ' بلکہ ساتھ ساتھ خود اپنی جماعتی حکمرانی کی حیثیت بھی مٹا دینگے -



بريد فرنگ



مصر اور ترکی کی نسوانی تحریکات



پیرس کے مصور رساله نے ایک سلسلۂ مقالات بلاد اسلامیه کي جدید نسواني تحریکات پر شائع کرنا شروع کیا هے - مقاله نگار حال میں قسطنطنیه اور قاهره کے سفر سے واپس آیا هے - وه لکهتا هے :

" سنه ۱۹۲۷ کي جو فکري لهر قاهره اور قسطنطنیه کي عورتوں کے دماغوں میں دوڑ رهي هے ' اُسے میں لفظوں میں منتقل کردینا چاهتا هوں "

مقاله نگار کے تاثرات کا خلاصه حسب ذیل هے :

(۱) ترک اور مصري عورتوں میں نئے خیالات کي نشؤ و نما اگرچه گذشته صدي کے اواخر سے شروع هو گئي تهي ' مگر وه ایک خاص حد سے آگے نه بڑهسکي - سنه ۱۹۰۰ تک قسطنطنیه اور قاهره میں نئي قسم کي خواتین کا مطلب صرف یه سمجها جاتا تها که وه فرانسیسي زبان سے واقف هیں ' مغربي روش کا لباس مشرقي اصلاحات کے ساتهه پسند کرتي هیں ' اور اُن میں اهل قلم عورتوں کي بهي ایک محدود تعداد پیدا هوگئي هے -

(۲) لیکن موجوده صدي کے اوائل سے صورت حال میں نئي نئي تبدیلیاں رو نما هوئیں - اِن تبدیلیوں میں سب سے زیاده اهم تبدیلیاں دو تهیں - ترک اور مصري خواتین کا یورپ میں آزادانه سفر و قیام - اور ترک نقاب - چنانچه سنه ۱۹۰۵ سے لیکر سنه ۱۹۰۸ تک ترکي اور مصر کي پچاس سے زیاده خواتین یورپ کے بڑے بڑے شهروں میں دیکهي گئیں - ان میں بڑي تعداد اُن کم عمر خواتین کي تهي جو تعلیم کي غرض سے یورپ آئي تهیں - ان متعلمات میں مصر کے خاندان خدیوي کي بهي بعض خواتین تهیں -



جدید مصري خاتون
بیگم زغلول اپنے معمولی لباس میں

مصري خواتین کا نقاب جو اب رخصت هو رها هے !



(۳) سنه ۱۹۰۸ع میں جب ترکي میں انقلاب دستوري هوا ' تو حالات نے یکایک ایک دوسري هي صورت اختیار کرلي ' اور ترکي کے خواتین کي معاشرتي زندگي میں انقلاب عظیم هوگیا - اُس وقت تک دار الخلافه میں خال خال مسلمان عورتوں کے کلب تهے ' اور جتنے بهي تهے ' زیاده تر امریکن مشنیري جماعتوں کے قائم کیے هوئے تهے - لیکن اب یکایک زنانه کلبوں کي تعداد میں عظیم اضافه هوگیا - سب سے پہلے انجمن اتحاد و ترقي نے زنانه کلب قائم کیے - پهر عام تحریک شروع هوگئي ' اور ایسے ایسے عظیم الشان کلب قائم هوگئے ' جن کے ارکان کي تعداد سیکڑوں سے بهي متجاوز تهی - اُسي وقت سے ترک خواتین نے ملک کي سیاسي و معاشرتي تحریکات میں بهي علانیه حصه لینا شروع کردیا - ایک کثیر تعداد مقرروں اور ادیبوں کي بهي پیدا هوگئي جن میں ایک کافي تعداد ترکي زبان کے اچهے خطیبوں اور اهل قلم کي تهي - چهره کا نقاب بهي تمام تعلیم یافته خواتین نے تقریباً ترک کردیا - البته باهر نکلنے کے لیے ایک خاص طرح کا جسم پوش لباس پهن لیا جاتا تها جس سے نه صرف تمام جسم اور لباس کي آرائش چهپ جاتي تهي ' بلکه سر کے بال بهي پوشیده رهتے تهے - صرف نصف پیشاني سے لیکر ٹهوڈي تک چهره کهلا رهتا تها -



سنه ۱۹۲۱ میں قسطنطنیه کي مسلمان عورتوں کا مظاهره

پایگا - اب مشرق کي ساري چیزوں کي طرح مشرق کي عورت بهي تقریباً نابود هوگئي هے - وه وقت دور نهیں هے جب اُس کا سراغ ڈهونڈهنے کیلیے مورخین کو کتابوں کے سیکڑوں اوراق اُلٹنے پڑینگے - اب انگوره ' قسطنطنیه ' اور قاهره هي میں نهیں ' بلکه بغداد اور شام میں بهي "مشرقي عورت" بغیر ڈهونڈهے نهیں مل سکتي - گذشته سال میں نے بیروت میں بهت کوشش کي که کسي ایسے امیر گهرانے کا سراغ لگاؤں جهاں مجهے کامل مشرقي زندگي نظر آے - کچهه عرصه کے بعد ایک دوست نے رهنمائي کي ' اور میں ایک گهرانے میں مدعو کیا گیا - یه گهرانا بیروت کے ایک قدیم امیر خاندان کا گهرانا تها - اسکے ارکان مغربیت کے دلدادوں میں " قدامت پرستي " کیلیے بدنام هیں - یه مخالفانه شهرت سنکر مجهے بڑي خوشي هوئي تهي - میں نے خیال کیا تها که بیسویں صدي میں کم از کم ایک مرتبه " الف لیله " کے عالم میں واپس جا سکونگا - لیکن آپ میري مایوسي کا اندازه کر سکتے هیں ' جو اُس وقت مجهپر طاري هوئي ' جب میں نے اس " قدامت پرست " گهرانے میں اپنے آپکو ایک کامل قسم کے فرانسیسي ایوان ملاقات کے صوفے پر پایا ' اور صاحب مکان نے یه کهکر اپني دوازده ساله لڑکي کي تقریب کي که " یه میڈ موزیل ...... هیں ! "

یه بیروت کا قدامت پرست گهرانا هے ! بعد کو مجهے معلوم هوا که اس گهرانے کي ساري قدامت پرستي اس سے زیاده نهیں هے که اس کي مسن عورتیں مغربي لباس نهیں پهنتیں ' اگرچه اپني لڑکیوں کے لیے اسي کو پسند کرتي هیں !

مقاله نگار نے آخر میں افسوس کیا هے که مشرق نے مغرب کي تقلید کے شوق میں اسکي بالکل پروا نه کي که مغربي معاشرت کي بے اعتدالیوں سے اپني نگهداشت کرے - وه کهتا هے " بلا شبه مشرقي عورت کو مغرب سے بهت کچهه حاصل کرنا تها ' لیکن ساتهه هي اپني قدیم زندگي کي بهت سي قیمتي چیزیں محفوظ بهي رکهني تهیں جن کے فقدان پر آج مغرب افسوس کر رها هے "

سب سے زیاده اهم تبدیلي یه هوئي که مسلمان خواتین نے سرکاري دفاتر میں کام کرنا شروع کردیا جس کي کوئي سابق مثال موجود نه تهي - ٹیلي فون اور ٹیلي گراف کے اکثر مراکز میں عورتیں هي عورتیں نظر آنے لگیں - دفاتر میں ٹائپسٹ عورتیں بهي پیدا هوگئیں - اس صورت حال نے مشرقي ممالک میں بهي اُس اُسلوب حیات سے عورت کو آشنا کردیا ' جو اس وقت تک صرف یورپ اور امریکه هي کي مضطرب آبادیوں میں محدود تها -

(۴) ترکي کي اس تبدیلي نے قاهره پر بهي اثر ڈالا جهاں مغربیت کهیں زیاده قوت و وسعت کے ساتهه نشو و نما پا رهي تهي - سنه ۱۹۰۱ - میں جب قاسم امین بک نے مسلمان عورتوں کي معاشرتي زندگي میں اصلاح کي ضرورت محسوس کي تهي ' اور پرده کے خلاف اپني مشهور کتابیں شائع کي تهیں ' تو اُس وقت مصر کے اندر بمشکل پچیس مسلمان عورتیں ایسي نکل سکتي تهیں جو بغیر نقاب کے گهر سے باهر نکلنا گواره کرتیں ' لیکن اب ایک بڑي تعداد ایسي عورتوں کي پیدا هوگئي ' جو بغیر کسي جهجهک کے کهلے منه باهر نکلنے لگي تهیں ' اور اُنهوں نے پوري طرح مغربي لباس اختیار کرلیا تها - سنه ۱۹۱۲ - میں جب میں قاهره گیا تها ' تو مجهے یه دیکهکر تعجب هوا تها که نئے تعلیم یافته طبقه کي عورتیں تمام قدیم رسوم و عوائد ترک کر چکي هیں ' اور بجز خال خال گهرانوں کے قدیم مصري زندگي کا نظاره کهیں دکهائي نهیں دیتا - بعض گهرانوں کي خواتین سڑکوں پر بالکل کهلے ڈلے نکلنے سے پرهیز کرتي تهیں ' لیکن اپنے گهر میں اُنهیں اس سے انکار نه تها که ایک یورپین خاتون کي طرح مهمانوں کي پذیرائي کریں ' اور اُن کي صحبتوں میں اپنے شوهروں اور عزیزوں کے ساتهه شریک هوں -

(۵) جنگ کے بعد دنیا میں جو تعجب انگیز تغیرات هوے هیں ' شاید اُن میں کوئي چیز بهي اس درجه موثر اور قابل غور نهیں هے ' جسقدر مشرقي عورت کي کامل مغربیت هے - اب همیں وه تمام پر اسرار اور قصه نما تذکرے بهلا دینے چاهئیں ' جو کسي زمانے میں مشرقي عورتوں اور مشرقي حرمسراؤں کي داستانوں میں هماري تعجب آمیز دلچسپي کا ذریعه هوا کرتے تهے ' اور هر مغربي سیاح جو مشرق کا قصد کرتا تها ' سمجهتا تها که وه اپنے آپ کو الف لیله کي شاهراهوں میں سرگرداں



قسطنطنیه میں خواتین کے ایک خیراتي بازار کا افتتاح

تاریخ و عبر

ہندوستان

انگریزی حکومت سے پہلے اور انگریزی حکومت کے بعد

خود انگریز مدبّروں اور مصنّفوں کی نظر میں

اٹھارویں اور اُنیسویں صدی کے مدبّروں کی شہادت

(۲)

ہندوستان کی صنعت پارچہ بافی

ہندوستان نے پارچہ بافی کو ہر زمانہ میں بے نظیر کمال اور ناقابل تصور ہنرمندی کے ساتھ برقرار رکھا ہے۔ اُن کے بعض کپڑے تو ایسی حیرت انگیز نفاست سے طیار ہوتے ہیں کہ پرستان کے بنے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ کمال در اصل، ہندوستانیوں کے بہترین ذوق، نفاست پسندی، اور سلیقہ کا نتیجہ ہے۔ (برلس سنہ ۱۸۲۴ء میں)

ہندوستان کے جنگلی درختوں میں پھلوں کی جگہ اون (سن) پیدا ہوتی ہے جو اپنی نفاست اور خوبصورتی میں بھیڑ کے اون کو بھی مات کرتی ہے۔ ہندوستانی اسی سے اون کے کپڑے بناتے ہیں۔

(ہیروڈوٹس سنہ ۴۵۰ قبل مسیح)

اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ ہندوستان اور بابل کے مابین سنہ ۳۰۰۰ قبل مسیح میں تجارتی تعلقات قائم تھے۔ سنہ ۲۰۰۰ قبل مسیح کی مصری ممیا کی ہوئی لاشیں نفیس ہندوستانی تنزیب میں لپٹی ہوئی دستیاب ہوئی ہیں۔ روم میں ہندوستانی پارچہ جات کی بہت بڑی کھپت تھی۔ یہ واقعہ اس طرح محقق ہوتا ہے کہ "ایلڈر پلینی" نے شکایت کی ہے کہ روم کی بہت بڑی رقم ہر سال ہندوستانی کپڑے پر خرچ ہوتی ہے۔ ڈھاکہ کی ململ یونان میں "گینجی ٹیکا" کے نام سے مشہور تھی۔ (پروفیسر ٹرسی)

ہم جانتے ہیں کہ یہودیوں نے اپنی قومیت کے ابتدائی برسوں (یعنی قبل مسیح ۳۰۰ سال) میں ہندوستان کا کپڑا استعمال کیا ہے۔

(کیپر صفحہ ۳۰۶)

فینی مسیح سے ۲۰۰ سال پہلے مصر اور عرب کی درآمد کے تذکرہ میں بنگال کی ململ کا ذکر کرتا ہے۔ (جمیس ٹیلر)

افریقہ سے لیکر شنگھائی تک، ہر بندرگاہ میں ہندوستان کا بنا ہوا ہر طرح کا کپڑا بکثرت دستیاب ہوتا تھا۔ (مارکو پولو سنہ ۱۲۹۰ء)

سنہ ۱۷۰۰ء کے بدنام قانون کی رُو سے انگلستان میں ۲۹ ستمبر سنہ ۱۷۰۱ء سے چین، ایران، ہندوستان کے ہر قسم کے کپڑوں کا استعمال ممنوع قرار دیا گیا۔ اور اعلان کردیا گیا کہ اس تاریخ سے جتنا بھی کپڑا آئیگا وہ یا تو ضبط کر لیا جائے گا، یا واپس کردیا جائے گا"

(سر جارج برڈوڈ)

"مسیحی" انگلینڈ میں یہ سخت جرم تھا کہ کوئی عورت ہندوستانی چھینٹ استعمال کرے۔ سنہ ۱۷۶۶ء میں گلڈہال میں ایک انگریز خاتون کو دو ہزار پونڈ جرمانہ اس لئے ادا کرنا پڑا کہ اُس کا رومال ہندوستانی کپڑے کا تھا۔ (پروفیسر لیکی)

سترہویں صدی کے آخر میں نفیس اور عمدہ ہندوستانی چھینٹ اور ململ بہت بڑی مقدار میں انگلینڈ بھیجی گئی اور وہاں اس قدر مقبول ہوئی کہ مقامی اونی ریشمی کپڑے کی تجارت سخت خطرہ میں پڑ گئی۔ چنانچہ اس کی روک تھام کے لئے سنہ ۱۷۰۰ء اور سنہ ۱۷۲۱ء میں پارلیمنٹ نے ایسے قانون پاس کئے جن کی رُو سے انگلینڈ میں ہندوستانی کپڑے کا استعمال قطعاً ممنوع قرار پا گیا۔ (پروفیسر لیکی)

نفیس کپڑا بننے، رنگوں کے ملانے، دھات پر نقش و نگار بنانے، جواہرات گڑھنے، عطر کے طیار کرنے، اور ہر قسم کی دقیق و لطیف صنعتوں میں ہندوستانیوں کا کمال تسلیم زمانہ ہے اور شہرۂ آفاق ہے۔

(پروفیسر ویبر)

سنہ ۱۸۰۲ء سے سنہ ۱۸۵۰ء تک کا زمانہ انگلستان کی پارچہ بافی کا سنہرا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ عین اُس وقت جبکہ انگریزی کپڑے کی برآمد خانی جہازوں کی طلسمی تیز رفتاری اور میکانیکی ایجادات کی محیر العقول تاثیر کے ماتحت روز افزوں ترقی کر رہی تھی، ہندوستانی کپڑے پر ۷۵ فیصدی چنگی لگادی گئی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ڈھاکہ کا نفیس کپڑا اس زبردست چنگی کی وجہ سے انگلستان جانا موقوف ہوگیا اور بالآخر یہ کپڑا بازار سے مفقود ہوگیا۔ (پروفیسر ویبر)

سنہ ۱۸۱۳ء تک ہندوستان کا سوتی اور ریشمی کپڑا انگلستان کے بازاروں میں معقول نفع کے ساتھ خود انگریزی کپڑے سے ۵۰ اور ۶۰ فیصدی کم قیمت پر بکتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی کپڑے کو بچانے کے لئے ہندوستانی کپڑے پر ۷۰ اور ۸۰ فیصدی چنگی لگا دی گئی۔ اگر یہ ظالمانہ چنگی نہ لگائی جاتی اور ممانعت کے قانون نافذ نہ کئے جاتے، تو "پیسلی" اور "منچسٹر" کے تمام کارخانے شروع ہی میں بند ہوجاتے اور باوجود مشینوں کی قوت سے مسلح ہونے کے، ہرگز نہ چل سکتے۔ درحقیقت یہ کارخانے، ہندوستانی کپڑے کی لاش پر کھڑے کئے گئے ہیں۔ اگر ہندوستان خود مختار ہوتا تو وہ اس زیادتی کا نہ کی بہ ترکی جواب دیتا۔ وہ بھی انگریزی مصنوعات پر بھاری چنگی لگا دیتا اور اس طرح اپنی تجارت کو فنا ہونے سے بچا لیتا۔ مدافعت کا حق ہندوستان کو نہیں دیا گیا۔ وہ بے رحم بدیشیوں کے رحم پر تھا۔ انگریزی مصنوعات بغیر چنگی ادا کئے جبراً اس ملک میں رائج کی گئیں۔ بدیشی تاجروں نے غیر منصفانہ سیاسی حربے استعمال کرکے اپنے اُس حریف کا گلا گھونٹ ڈالا جس سے وہ کسی طرح بھی مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ ("ہسٹری آف انڈیا از مل")

سنہ ۱۸۲۷ء میں مسٹر تھامسن نامی ایک شخص نے صرف ۲ گھنٹے کے اندر ڈھاکہ میں ۲۱، تھان ململ کے خریدے۔ (ڈاکٹر ٹیلر)

اسوقت انگلستان میں ایک شخص موجود ہے جسنے نواب کے زمانہ میں ایک صبح اپنے ہی مکان پر ۸۰۰ تھان ململ کے خریدے تھے جنھیں خود کاریگر لائے تھے۔ پہلے ایسٹ انڈین کمپنی کے گماشتوں کا ظلم و جور بے روک ٹوک تھا۔ لیکن سراج الدولہ کے عہد سے شروع ہوا۔ خود مذکورۂ بالا شخص کا عینی مشاہدہ ہے کہ جنگل باڑی کے سات سو نوربافوں نے اپنا پیشہ اور گھر بار محض انہی ظلموں کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا حالانکہ اُسوقت یہ ظلم صرف شروع ہوا تھا۔

(بولٹس کے خیالات صفحہ ۹۵-۱۹۱)

نوربافان جب کمپنی کے سخت اور جابرانہ معاہدے منظور کرنے سے انکار کر دیتے تھے تو کمپنی کے ایجنٹ اُن کا سامان نیلام کرکے قیمت ضبط کر لیتے۔ مہین ریشم کاتنے والوں پر بھی یہی ظلم کیا جاتا تھا۔ ایسی بکثرت مثالیں موجود ہیں کہ لوگوں کے انگوٹھے محض اس لئے کاٹ ڈالے گئے کہ وہ مہین تاگا نہ بنا سکیں! (ولیم بولٹس)

جب کمپنی کا گماشتہ کسی صنعتی شہر میں پہنچتا تو اپنے لئے آباد جگہ میں کوئی گھر منتخب کر لیتا۔ گماشتہ کا گھر "کچہری" کہلاتا تھا۔ یہاں وہ اپنے ہرکاروں کے ذریعہ سے پیکاروں اور دلالوں کو نوربافوں کے جمع کرنے کا حکم دیتا۔ پھر اُنھیں کچھ پیشگی دیکر عہدنامہ پر دستخط کراتا جسکی رُو سے اُنھیں معین وقت میں خاص قیمت پر مال مہیا کرنا پڑتا۔ عہدنامہ پر دستخط کے لئے غریب کاریگر کی رضامندی ضروری نہیں سمجھی جاتی تھی

گماشتے جو شرطیں بھی چاہتے، زبردستی منوا لیتے تھے۔ اگر کاریگر کمپنی کا روپیہ قبول کرنے سے انکار کرتا تھا تو اُسے کوڑے لگا کر اُس کے لینے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ (ولیم بولٹس)

کاریگروں کو کمپنی کے لئے کام کرنے پر زبردستی مجبور کیا جاتا تھا۔ اُن سے ایسے معاہدے لئے جاتے تھے جو اُن کے حق میں سراسر نقصان دہ ہوتے تھے۔ اُن کی فریادوں کی کوئی شنوائی نہیں تھی، اور اُنھیں اپنے ذاتی مفاد اور ضمیر کے خلاف کام کرنے پر بڑی سختی سے مجبور کر دیا جاتا تھا۔ بارہا ایسا ہوتا تھا کہ کاریگروں کو بھاری بھاری جرمانے کام سے انکار کرنے کی وجہ سے ادا کرنے پڑتے .... نوربافوں کو ہولناک اور عبرت انگیز سزائیں دی جاتی تھیں .... جبر و تشدد کی حد یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ کاریگروں کو مجبوراً اپنا پیشہ ترک کر دینا پڑا تھا۔ (۱۷۹۳ء اور ۱۸۱۳ء کی کمرشل بورڈ کی ڈائری)

غریب ہندوستانی دستکاروں اور کاریگروں پر ایسے ایسے ظلم توڑے گئے ہیں جن کا تصوّر بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ غریب کمپنی کے گویا غلام بنا دیئے گئے تھے۔ جرمانے، قید، جبری معاہدے، اور بید کی مار نے نوربافوں کی نسل معدوم کر دی! (بولٹس صفحہ ۷۳)

صنعت و حرفت اور تجارت کے تنزل کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ شہر (ڈھاکہ) کی آبادی تقریباً برباد ہو گئی۔ ۱۸۰۰ء میں اس کی آبادی ۲۰ لاکھ تھی، مگر اب صرف ۶۸۰۳۸ رہ گئی ہے جیسا کہ ۱۸۳۸ء کی مردم شماری سے ثابت ہوتا ہے۔ .. جتنی تیزی سے آبادی گھٹی ہے، اُس سے کہیں زیادہ سرعت سے افلاس بڑھ گیا ہے! (جیمس ٹیلر)

مسٹر بردکل ہرسٹ کا سوال:

"انگلستان یا ہندوستان، دونوں میں سے کسی ایک کی صنعت و حرفت کا قربان کرنا دوسرے کی ترقی کے لئے لازمی ہے۔ بنابریں ہندوستانی صنعت و حرفت کی قربانی کر دی گئی۔ کیا تم ہندوستان کو دوبارہ خوشحال کرنے کے لئے انگلستان کو تباہ کرنا چاہتے ہو؟"

مسٹر مارٹن کا جواب:

"میں ہرگز ہندوستان کو از سر نو زندہ کرنے کے لئے نہیں کہتا۔ لیکن میں ہندوستان کو مسلسل نقصان پہنچانے کے خلاف ہوں پھر یہ بھی لازمی نہیں کہ ہندوستانی نوربافوں کی ترقی سے انگلستان برباد ہو جائے گا۔ کیونکہ ہندوستان کے پاس نہ گلاسگو اور مانچسٹر کی طرح مشینیں ہیں نہ تجارتی بازار ہیں نہ سرمایہ ہے"

مسٹر بردکل ہرسٹ:

آپ سے جو سوال کیا گیا ہے اُس کا تعلق اُس نفیس سُوت سے ہے جو مشین میں طیار نہیں ہو سکتا۔ پس سوال یہ ہے کہ کیا اس نفیس سُوت کی صنعت اس ملک (انگلستان) میں باقی رکھی جائے یا ہمیشہ کے لئے اُٹھا دی جائے؟"

مسٹر مارٹن:

"اگر انگلستان میں اس صنعت کا بقا ہندوستان سے ناانصافی ہی پر موقوف ہے تو میرا جواب یہ ہے کہ انگلستان کو انصاف سے کام لینا چاہیئے۔ خواہ اُس کا نتیجہ کچھ ہو۔ کیونکہ انگریزوں کو ہرگز یہ حق نہیں ہے کہ محض اپنے ذاتی مفاد کے لئے اُس ملک کے باشندوں کو تباہ کر ڈالیں جسے اُنھوں نے فتح کیا ہے"

مسٹر بردکل ہرسٹ:

۱۸۳۳ء میں جب کمپنی نے ہندوستان کو تاج کے حوالہ کیا تو اُس سے پہلے ہی ہندوستان کی صنعت تباہ ہو چکی تھی۔ لہذا اس وقت تعلیمی کا سوال درپیش نہیں ہے جو واقع ہو چکی ہے۔ نیز ہمارے پاس شہادت موجود ہے کہ ہندوستان صنعتی ملک ہونے کے بجائے زرعی ملک ہے۔ اور وہ جماعتیں جو پہلے دستکاری میں مصروف تھیں، اب زراعت میں مشغول ہو گئی ہیں"

مسٹر مارٹن:

"میں اسے ہرگز تسلیم نہیں کرتا کہ ہندوستان صرف زراعتی ملک ہے۔ ہندوستان جس طرح زراعتی ملک ہے اُسی طرح صنعتی ملک بھی ہے۔ اُس کی مصنوعات ہر زمانہ میں نہایت کامیاب رہی ہیں اور کوئی قوم بھی اُس کا مقابلہ نہیں کر سکی ہے۔ اب ہندوستان کو محض زراعتی ملک بنا دینا، اُس کے لئے سخت ناانصافی اور ظلم ہے"

(۱۸۴۰ء کی پارلیمنٹری سلیکٹ کمیٹی کی رپورٹ)

ہندوستان سے انگلستان کو اور انگلستان سے ہندوستان کو جو کپڑا بھیجا گیا اُس کی تفصیل یہ ہے:

سنہ	ہندوستان سے	انگلستان سے
۱۸۱۴ء	۱۲۶۶۶۰۸ تھان	۸۱۸۲۰۸ گز
۱۸۲۱ء	۵۳۴۴۹۵ "	۱۰۱۳۸۷۲۶ "
۱۸۲۸ء	۴۲۲۵۰۴ "	۴۲۸۸۲۲۰۷۷ "
۱۸۳۵ء	۳۰۶۰۸۶ "	۵۱۷۷۷۲۷۷ "

(مسٹر لارپنٹ)

ہندوستان کا سُوت

ہندوستان میں انگریزی سُوت سب سے پہلے ۱۸۲۱ء میں آیا اس کے بعد اُس کی مقدار بڑھتی گئی۔ چنانچہ

۱۸۲۴ء	میں	۱۲۰۰۰۰ گز
۱۸۲۵ء	"	۸۰۰۰۰۰ "
۱۸۳۰ء	"	۴۰۵۰۰۰۰ "

(ایسٹ انڈین کمپنی کے حالات ضمیمہ ۵)

ڈاکٹر تور نے ۱۸۳۶ء میں لکھا ہے کہ "ڈھاکہ میں جیسا سُوت کتتا ہے اور ململ طیار ہوتی ہے اُس کا مقابلہ انگریزی ذہانت اور صنعت کسی طرح بھی نہیں کر سکتی،" (براؤن)

ضلع (ڈھاکہ) میں قدیم زمانہ سے ہر گھر کا مشغلہ سوت طیار کرنا تھا۔ لیکن اب ارزاں انگریزی سُوت کی وجہ سے یہ کام بالکل موقوف ہو گیا ہے۔ اس طرح کاتنے اور بُننے کی صنعت، جس سے مدتوں لاکھوں محنتی مخلوق پیٹ پالتی تھی، ۶۰ برس کے قلیل زمانہ میں اجنبی ہاتھوں میں چلی گئی۔ ("")

سب سے پہلے ۱۸۲۱ء میں انگریزی سُوت ہندوستان آیا۔ ۱۸۲۸ء میں اُس کی مقدار ۳۸۲۹۴ من تک پہنچ گئی ۱۸۳۱ء میں ۸۲۸۱۰ من ہو گئی۔ اور ۱۸۳۳ء کے بعد سے تو اُس نے ہندوستانی سُوت کو بالکل بے دخل کر کے ملک بھر میں اُس کی جگہ لے لی۔ (جیمس ٹیلر)

تعلیم

جب کبھی میں ہندوستان کی بے شمار مخلوق کی جہالت کا خیال کرتا ہوں، تو مجھے کارلائل کا پُر از حسرت مقولہ یاد آجاتا ہے "علم کی صلاحیت رکھنے والے انسان کا جاہل رہنا میرے نزدیک ایک اندوہناک مصیبت ہے۔ (ڈاکٹر سی ہال)

یہ بالکل یقینی ہے کہ ہندوستان ایک بہت بڑا علمی مرکز تھا جہاں سے یورپ کی قدیم مہذب ترین قوموں نے اپنا علم، صنعت اور ادب حاصل کیا تھا۔ (اے الیف ٹمل)

جب کبھی کوئی ملک یا قوم کسی زبردست طاقت سے مفتوح ہو جاتی ہے تو یقین کر لینا چاہیئے کہ حکمران طاقت سب سے پہلا کام یہی کریگی کہ مفتوح قوم کی تعلیم تباہ کر ڈالے گی یا سختی کے ساتھ اُسے اپنے ہاتھ میں لے لیگی تاکہ اُس سے فائدہ اُٹھا سکے۔ کیونکہ یہ مسلم ہے کہ علم اور غلامی پہلو بہ پہلو نہیں رہ سکتے۔ (اے سمیڈی)

۱۷۹۳ء میں تعلیمی کمیٹی کے ایک ڈائرکٹر نے کہا تھا "ہم نے امریکہ محض اپنی حماقت سے اس لئے کھو دیا کہ وہاں اسکول اور کالج قائم کرنے کی اجازت دیدی تھی۔ اب ہمیں ہندوستان میں اس حماقت کا اعادہ نہیں کرنا چاہیے۔ (ایجوکیشن کمیٹی ۱۷۹۳ء)

ہمارے مشرقی مقبوضات میں مشنری بھیجنے کی تجویز ایک نہایت ہی ناعاقبت اندیشانہ، اور مسرفانہ تجویز ہے۔ یہ تجویز نہایت ہی مہلک، مہمل، جاہلانہ، بے فائدہ، مضرت رساں، خطرناک، اور متعصبانہ ہے۔ یہ ہر طرح کے تدبر اور صحیح سیاست کے خلاف ہے۔ یہ ہمارے مقبوضات کی سلامتی اور دوام کو خطرہ میں ڈالنے والی ہے۔

(ہندوستان میں کیری، کی آمد پر ایسٹ انڈین کمپنی کے ڈائرکٹروں کا رزدلیوشن ۱۷۹۳ء)

۱۷۹۳ء میں کمپنی کے ڈائرکٹر کہتے ہیں "تم (انگریز) ہندوستانیوں کو تعلیم دینا کیوں چاہتے ہو؟ تعلیم دیکر تم اُنھیں اپنی بے انصافیوں سے آگاہ کر دوگے۔ تم نے اُن کا ملک لُوٹ لیا ہے۔ تم نے اُنکے ہموطنوں کو برباد اور ذلیل کر دیا ہے۔ تم نے اُنکے بادشاہوں کو قتل کر ڈالا ہے۔ لہذا تمھاری سلامتی اسی میں ہے کہ تم اُنھیں اسی طرح فریب خوردہ خود فراموش، اور جاہل رہنے دو!

(سر تھامس ٹریٹن ۱۲ر اپریل ۱۸۱۳ء)

ہمیں صرف اُسی حد تک ہندوستانیوں کو تعلیم و تربیت دینی چاہیئے جس حد تک ہم اُن سے اپنی تجارت اور حکومت چلانے میں فائدہ اُٹھا سکیں۔ (کلکتہ جرنل ۱۸۱۹ء)

ہمیں ہندوستانیوں کی ایک ایسی جماعت طیار کرنی چاہیئے جو رنگ اور خون میں ہندوستانی ہوں، مگر ذوق، خیال، اور ذہنیت انگریزوں کی رکھیں۔ (میکالے)

ہمیں ہندوستان میں ہندوستانی مدبروں، سپہ سالاروں اور مقننوں کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ہمیں محنتی کسان مطلوب ہیں! (تھیکرے)

ہندوستان میں انگریزوں کے اندرونی تعلیمی مقاصد حسب ذیل ہیں:

(الف) انگریزی تعلیم کی روح ہمارے قبضہ کے لئے مفید ہوگی۔

(ب) ہندوستانی ہمارے بڑے آدمیوں پر ہماری ہی طرح فخر کرنے لگیں گے۔

(ج) ہماری ہی طرح تعلیم حاصل کرنے، ہماری ہی طرح ایک خاص مقصد سے دلچسپی لینے، ہماری ہی طرح ایک خاص نتیجہ کے لئے کوشاں ہونے سے، وہ ہندوستانی ہونے کے بجائے انگریز ہوجائیں گے۔ ٹھیک اُسی طرح، جس طرح رومیوں کی ماتحت قومیں رومن ہوگئی تھیں!

(د) اس طرح وہ قدیم ہندوستانی بنیادوں پر آزادی حاصل کرنے کی خواہش سے دست بردار ہوجائیں گے۔ اس کے بعد کوئی فوری تبدیلی ناممکن ہوگی۔ ہمارا قبضہ مدّت دراز تک بے خطر برقرار رہ سکے گا

(ھ) تعلیم یافتہ طبقہ یہ سمجھ کر کہ اُس کے ملک کی بھلائی ہماری ہی سرپرستی میں ہوسکتی ہے، قدرتی طور پر ہم سے وابستہ رہے گا۔

(سرکاری مراسلہ ۱۸۵۳ء)

زمین کی فتح کے بعد ہندوستان کا دماغ بھی فتح کرلیا گیا۔

(ہنٹر)

دماغ ہی سلطنتیں برباد کرتے اور قائم کرتے ہیں، دماغ پر قبضہ کرلو۔ قوم پر بھی حکومت کرسکوگے۔ (لواسٹ ڈومینین)

بغیر دماغی انقلاب کے سیاسی انقلاب ناممکن ہے۔ پُوری ایک فوج کی یلغار بآسانی روکی جاسکتی ہے، لیکن دماغی حملہ کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا!

(میرس)

کوئی بھی ہندوستانی ذہانت اور زیرکی پر شبہ نہیں کرسکتا۔ مگر یہ حیرت ہے کہ مغربی طریق تعلیم نے اُسے کس طرح اپنا شکار کرلیا ہے اور ہندوستان کی روایتی ذہانت کی مشتعل قوت بالکل افسردہ ہوکر رہ گئی ہے!

(رر)

ہم نے بنگالیوں کو جو تعلیم دی ہے وہ صنعت و حرفت کی طرف راغب کرنے کے بجائے صرف ادبیت سکھاتی ہے۔

(سر ای، سی، بوک)

جہاں باشندے خوشحال ہوتے ہیں، وہاں تعلیمی ترقی خطرناک نہیں ہوتی۔ مگر جہاں افلاس اور تعلیم کا ساتھ ہوتا ہے، وہاں آگ لگا دیتی ہے۔ یہ ایک سچی حقیقت ہے، لیکن کتنے آدمی ہیں جو جانتے ہیں کہ یہ حقیقت ہندوستان میں کتنی سچی ہے! (ڈبلو۔ ایس۔ بلنٹ)

شروع میں گورنمنٹ کا تعلیمی دستور العمل یہ تھا کہ ملک کے انتظام کے لئے آدمی فراہم کئے جائیں۔ نیز علمی تعلیم کے بجائے صرف ادبی تعلیم کی ہمت افزائی کی جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں ادبی تعلیم یافتوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی، اور علمی تعلیم تقریباً مفقود رہی۔ (سیڈلر کمیشن)

الہلال کے ابتدائی نمبر

الہلال سلسلۂ جدیدہ کے ابتدائی نمبر، یعنی نمبر ا سے ۵ تک بعض حضرات کو مطلوب ہیں، وہ دوگنی قیمت پر خریدنے کے لئے طیار ہیں۔ دفتر کو اطلاع دیجائے۔ منیجر

برید شرق

غازی مصطفیٰ کمال پاشا کا تاریخی خطبہ

بعد از جنگ حوادث و اعمال کی مُستند رُوداد

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

کامل ایک ہفتہ غازی مصطفےٰ کمال پاشا جمہوری مؤتمر میں اپنا تاریخی خطبہ سُناتے رہے۔ خطبہ بہت ہی طویل ہے۔ تلخیص کے سوا چارہ نہیں۔

۱۹۱۹ء میں التوارِ جنگ

موصوف نے بیان کیا:

۱۹ر مئی ۱۹۱۹ء میں وہ بحر اسود کے سَاحل سمسون پر پہنچے۔ یہ وہ وقت تھا جب ٹرکی کی داخلی حالت از حد ابتر ہوچکی تھی۔ سلطان وحید الدین اور اُن کے وزیر اعظم داماد فرید پاشا، ملک کو اُس قعر ذلت سے نکالنے کے لئے کچھ بھی نہیں کر رہے تھے جس میں وہ التوار جنگ کے بعد گر پڑا تھا۔ اتحادی سلطنتیں، معاہدۂ التوار کی کسی شرط کی بھی پابند نہ تھیں۔ برطانی، فرانسیسی، اور اطالی فوجیں، ٹرکی کی بہت سی سرزمینوں پر قابض ہوگئی تھیں۔ پھر انہی اتحادیوں کے اشارے سے ۱۵ر مئی ۱۹۱۹ء میں یونانی فوجیں سمرنا پر قابض ہوگئی تھیں۔ اسی قدر نہیں، بلکہ ٹرکی سے مطالبہ کیا جارہا تھا کہ تھریس سے دست بردار ہوجائے تاکہ وہاں جمہوری حکومت قائم کردی جائے۔ کردستان کو خود مختاری دیدے۔ علاقۂ بونتوس کو آزاد کردے اور اُس میں بھی ایک خود مختار حکومت بنجائے، جس کا پایۂ تخت، طرابزون ہو۔

"انجمن محبان انگریز"

استانبول، تمام سازشوں کا مرکز تھا۔ "انجمن محبان انگریز" سب سے زیادہ خطرناک سازشی مرکز تھا۔ یہ انجمن خود سلطان کی سرپرستی میں تھی۔ وزیر اعظم اور دوسرے ارکان سلطنت، اُس کے ممبر تھے۔ اس انجمن کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ ترکی قومی تحریک کو کچل ڈالے۔ فوج کی اَبتری، آخری حد سے بھی تجاوز کرچکی تھی، لیکن وہ بدستور سلطان سے وفادار تھی۔ ملک میں یہ تحریک بھی پھیل رہی تھی کہ ٹرکی اب خود کچھ نہیں کرسکتا، لہذا کسی بڑی سلطنت سے امداد حاصل کرنا چاہئے۔ اس غرض کے لئے تین ذریعے لوگوں کے پیش نظر تھے:
"انگلستان کی سرپرستی قبول کرلی جائے۔ یا امریکہ کی حمایت منظور کرلی جائے۔ یا خود اندرون ملک میں متعدد حکومتیں قائم کردی جائیں"

غازی کی ابتدائی مساعی

اس کے بعد غازی نے اپنی ذاتی کوششوں کی طرف اشارہ کیا:
"میرے دشمنوں نے مجھے آستانہ سے نکلوانے کی کوشش کی تھی میرے ماتحت پہلے تین فوجیں تھیں۔ نیز انگورہ اور دیار بکر کی فوجوں پر بھی مجھے نگرانی کا حق حاصل تھا۔ میں یہ کسی طرح بھی گوارا نہیں کرسکتا تھا کہ وطن مقدس، کسی اجنبی حکومت کی غلامی میں پڑے۔

اس حالت پر میں موت کو ترجیح دیتا تھا۔ میں نے فوراً یونان سے مقابلہ کی طیاری شروع کردی۔ جون اور جولائی (۱۹۱۹ء) کے مہینوں میں اماسیا اور ارض روم کے شہروں میں میں نے کانفرنسیں منعقد کیں۔ لیکن میری سرگرمیاں دیکھ کر استنبول کے حکام سخت برہم ہوگئے علی کمال بک وزیر داخلیہ نے مجھے طلب کرکے کہا کہ باب عالی میری تجویز کا مخالف ہے۔

۳ر جولائی کو میں نے اپنے دوستوں کو اس واقعہ کی اطلاع دی اور صاف لفظوں میں اُن تمام خطروں سے آگاہ کردیا جو میرے ساتھ قومی تحریک میں شرکت سے اُنھیں پیش آنے والے تھے لیکن اُنھوں نے نہایت بہادری سے سرگرم عمل رہنے پر اصرار کیا اور اخلاص و رفاقت کی قسمیں کھائیں۔

تب میں اپنے فوجی منصب سے مستعفی ہوگیا تاکہ آزادی سے جد و جہد جاری رکھ سکوں۔ لیکن ارض روم میں میرے دوستوں میں باہم ناچاقی پیدا ہوگئی۔ میں نے اُن سے صاف کہہ دیا کہ "تاریخ ثابت کرچکی ہے کہ کوئی تحریک کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی جب تک ایک قابل مستقل مزاج، اور چست سردار کی اطاعت نہ کی جائے۔ ایسے نازک وقت میں اختلاف سے ہرگز کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا"،

قومی حرکت کا دوسرا قدم

قومی تحریک نے دوسرا قدم، سیواس کانفرنس سے اُٹھایا۔ اس کانفرنس میں تمام ترکی علاقوں کے نمائندے شریک ہوئے تھے یہیں صاف طور پر یہ بات طے پاگئی کہ اتحادیوں، خصوصاً یونان کی مقاومت کی جائے اور ہر ممکن تدبیر سے ترکی سرزمین، اجنبی فوجوں سے پاک کی جائے۔

اُس موقعہ پر ایک فرانسیسی افسر نے سیواس میں آکر کہا کہ فرانس عنقریب اس وطنی تحریک کا سر کچل ڈالے گا! میں نے اُسے جواب دیا "سیواس پر تم ہرگز قبضہ نہیں کرسکتے۔ فرانس یا کوئی اور طاقت اگر ہماری تحریک کچلنا چاہتی ہے تو اُسے ایک طویل ہولناک جنگ کے لئے طیار ہوجانا چاہیے"

اسی کانفرنس میں یہ مسئلہ پیش ہوا تھا کہ امریکہ کی حمایت میں ٹرکی کو چلا جانا چاہیے۔ کپتان رؤوف بک، جنرل رأفت پاشا، خالدہ ادیب خانم (زوجۂ عدنان بک) اس تجویز کے سرگرم حامی تھے مگر میں نے ارکان مجلس سے درخواست کی کہ سردست یہ مسئلہ ملتوی کردیا جائے۔ میری درخواست منظور کرلی گئی۔

حکومت آستانہ اور سیواس کانفرنس

حکومت آستانہ، سیواس کانفرنس دیکھ کر گھبرا گئی اور قومی تحریک کا گلا گھونٹ دینے پر کمربستہ ہوگئی۔ اِس مقصد کے لئے اُسنے صوبۂ معمورۃ العزیز کے حاکم علی غالب کو منتخب کیا۔ اُسے حکم دیا کہ مشرقی صوبوں کے تمام کردوں کو قومی تحریک کے خلاف کھڑا کر دے۔ نیز ایک اجنبی افسر اُس کی مدد کے لئے مقرر کیا۔

علی غالب بک کو یقین تھا کہ وہ سیواس تک پہنچ سکتا ہے اور حکومت پر قابض ہو کے قومی تحریک کا خاتمہ کر دے سکتا ہے۔ لیکن ہم قومی کارکن پُورے طور پر بیدار تھے۔ ہم نے بروقت ضروری تدابیر اختیار کیں۔ مجرموں کا تعاقب شروع کر دیا۔ جلد ہی ان کی ہمتیں پست ہوگئیں اور اجنبی حمایت میں بھاگ کر پناہ لینے پر مجبور ہوگئے۔ نیز میں نے عام حکم صادر کر دیا کہ کردستان میں اجنبی افسروں کی موجودگی قطعاً ممنوع ہے۔ الا یہ کہ اُن کے پاس ہماری خاص اجازت موجود ہو۔

پھر میں نے سلطان کو ایک طویل برقی پیغام بھیجا۔ اسمیں انتہائی تعظیم و تکریم کے الفاظ استعمال کئے اور درخواست کی کہ موجودہ خائن وزارت کو توڑ دیں اور ایک ایسی وزارت مرتب فرمائیں جو قومی آرزوں کی موید ہو۔

فرید پاشا یہ پیغام دیکھ کر بہت چراغ پا ہوئے۔ اُنھوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ قومی کارکنوں کو بہت ڈرایا دھمکایا اور بالآخر آستانہ اور اناطولیہ کے مابین گفتگو کا سلسلہ ہی منقطع ہوگیا۔

سیواس کانفرنس کے بعد ہم نے پارلیمنٹ منعقد کرنے کی کوشش شروع کی۔ لیکن آستانہ کی حکومت اسے جمع ہونے دینا نہیں چاہتی تھی تاکہ قوم کی مرضی کے خلاف صلح حاصل کر سکے۔ یہ دیکھ کر ہم نے اپنے تمام عہدہ داروں کو حکم دے دیا کہ پُوری مستعدی سے انتخابات کی طیاریاں شروع کر دیں۔ نیز سیواس کانفرنس کی اِس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کمربستہ ہوگئے کہ اندرون ملک میں ایک نمائندہ جماعت، مجلس قومی کے نام سے قائم ہو اور جملہ معاملات وہی انجام دے، یہاں تک کہ ملک میں ایسی حکومت قائم ہو جائے جسپر قوم کو اعتماد ہو۔

اِس جدوجہد میں ہمیں بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اعتراضات اختلافات، سوءظن، رشک وحسد کی کوئی حد نہ تھی۔ ساتھ ہی دشمنوں کی علانیہ عداوت اور خفیہ سازشوں نے اب اور بھی زیادہ زور کیا۔ ضروری تھا کہ اِن تمام مشکلات کا مقابلہ کیا جائے اور سب کا سر کچل ڈالا جائے۔ ہم نے یہی کیا۔

اسی دَوران میں ہر طرف سے سلطان پر تار برقیوں کی بارش ہوئی کہ فوراً اِس خائن وزارت کو توڑ دیں۔ اسی دَوران میں علی فواد پاشا مغربی میدان جنگ کے سپہ سالار اور انگریزوں میں جھگڑا پیدا ہوگیا۔ میں نے مداخلت کی اور پُرامن طریقہ پر تصفیہ ہوگیا۔ اِس فیصلہ کی بنا پر انگریزی فوجیں، مرزیفون اور سامسون سے ہٹ گئیں۔

اب حکومت آستانہ کو یقین ہوگیا کہ اناطولیہ کی قومی تحریک کا مٹانا ناممکن ہے۔ اُس کے خلاف جتنی کوشش کی جاتی ہے، وہ اُتنی ہی زیادہ مضبوط ہوتی جاتی ہے، لہذا اُسنے یہی مناسب سمجھا کہ سختی کے بجائے، نرم تدبیروں سے اُس کا خاتمہ کرئے۔ چنانچہ مرحوم عبد الکریم پاشا کو مجھ سے گفتگو کرنے کے لئے منتخب کیا۔ ۲۷ اور ۲۸ ستمبر کی درمیانی رات کو ہم دونوں تاربرقی کے آلہ پر ۸ گھنٹے بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ مگر کوئی سمجھوتہ نہ ہوسکا۔ اب داماد فرید پاشا کے لئے اسکے سوا کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا تھا کہ وزارت کی کرسی خالی کر دیں چنانچہ تین دن بعد وہ مستعفی ہوگئے۔

اُسی زمانے میں طرابزون کے بعض لوگ ایک وفد مرتب کر کے بطور خود سمجھوتہ کے لئے آستانہ جانے لگے۔ مگر اُنھیں روک دیا گیا اور طرابزون کے صوبہ دار کو قید کر دیا گیا۔

اِس کا جواب حکومت آستانہ نے یہ دیا کہ پھوٹ ڈالنے کے لئے بعض منافق اناطولیہ میں بھیجدیے۔ مگر اسمیں اُسے کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ بلکہ اناطولیہ کی قومی مجلس نے آستانہ کے باشندوں کی اور زیادہ حمایت حاصل کرلی اور سلطانی حکومت کے شر سے انھیں باخبر کر دیا۔ ہم نے یہی نہیں کیا بلکہ اُن پُرجوش ناعاقبت اندیش وطن پرستوں کی ناک میں بھی نکیل ڈال دی جو قسطنطنیہ پر حملہ کر دینے اور تلوار کے زور سے فیصلہ حاصل کرنے پر تُلے ہوئے تھے۔ ہم نے ہر جگہ اپنی دعوت پھیلادی حتیٰ کہ دول اتحاد کے اہل الحل والعقد کو بھی، جو آستانہ میں موجود تھے، متأثر کر دیا۔

علی رضا کی وزارت

اِن کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ سلطان نے ۲ راکتوبر ۱۹۱۹ء کو علی رضا پاشا کی وزارت قائم کر دی۔ علی رضا پاشا کا مسلک، فرید پاشا سے بالکل مختلف تھا۔ نئی وزارت، مفاہمت چاہتی تھی۔ مگر وہ بھی اِس مفاہمت میں مخلص نہ تھی۔ وہ چاہتی تھی نرمی سے گلا گھونٹ دے۔

علی رضا پاشا نے مجھے مفاہمت کی دعوت دی۔ میں نے گفتگو کے لئے ۵ شرطیں پیش کیں:

(۱) اگر جدید وزارت، قومی آرزوں کی موید ہوگی تو قومی مجلس بھی اُس کی تائید کرے گی۔

(۲) جدید وزارت، ملک کی قسمت کا کوئی فیصلہ اُسوقت تک نہ کرے، جب تک پارلیمنٹ منعقد نہ ہو اور حکومت پر اُس کی کامل اور آزاد نگرانی قائم نہ ہو جائے۔

(۳) صلح کانفرنس میں جو نمائندے جائیں، وہ اُن لوگوں میں سے ہوں جن پر قوم اعتماد کرتی ہے۔

(۴) جدید وزارت، پُوری صفائی سے اپنا مسلک ظاہر کرے۔

(۵) وہ تمام عہدہ دار، سپہ سالار برطرف کر دئے جائیں جو قومی تحریک کے مخالف ہیں۔ اُن کی جگہ وطن پرور آدمی مقرر کئے جائیں۔

کئی دن تک گفت وشنید جاری رہی۔ علی رضا پاشا صرف زبان سے وعدہ کرتے تھے کہ ہماری شرطیں منظور کرتے ہیں۔ وہ ہمیں یقین دلانا چاہتے تھے کہ ہمارے طرفدار ہیں۔ جمال پاشا مرسینی کو وزارت میں اِسی لئے داخل کیا تھا کہ قوم کو غلط فہمی میں ڈال سکیں۔ کیونکہ جمال پاشا مرسینی، قومی آدمی خیال کئے جاتے تھے۔

لیکن ہم دہوکا نہیں کھا سکتے تھے۔ جب ہم نے دیکھ لیا کہ گفتگو سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا تو ہماری قومی مجلس بدستور قائم رہی۔ اِس کی بیداری اور مستعدی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد پُورے اناطولیہ پر اُس کی حکومت قائم ہوگئی۔ ساتھ ہی ہماری خفیہ انجمنیں ہر طرف پھیل گئیں۔ خود آستانہ اور سمرنا میں بھی ہم متعدد طاقتور انجمنیں قائم کر سکے۔ اِن کوششوں کا اصلی مقصد یہ تھا کہ ہم انتخابات میں کامیابی حاصل کرلیں۔ ہم چاہتے تھے پارلیمنٹ، آستانہ کے بجائے اناطولیہ کی سرزمین میں منعقد ہو۔

اُسی زمانے میں امریکن جنرل ہاربرڈ اناطولیہ میں سیاحت کر رہا تھا۔ اُسنے مجھ سے سیواس میں ملاقات کی اور سوال کیا:

"اگر تمام قربانیوں کے بعد بھی قوم کوئی نتیجہ حاصل نہ کرسکی تو کیا کروگے؟"

میں نے جواب دیا:

"اگر قوم تمام قربانیاں کرے گی تو ضرور کامیاب ہوجائے گی۔ لیکن اگر اسپر بھی کامیاب نہ ہو تو معنی یہ ہونگے کہ قوم مرگئی!"

اِس کے بعد غازی نے رافت پاشا کی مذمت کی۔ کہا:

"میں نے اُنھیں حکم دیا کہ صوبۂ قونیہ کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ مگر اُنھوں نے مجھ سے منصب کی ترقی کا مطالبہ کیا۔ پھر میں نے اُنھیں بولو کے باغیوں کی سرکوبی کے لئے بھیجنا چاہا، مگر اُنھوں نے دوبارہ منصب کا مطالبہ کیا۔ حالانکہ یہ وہ وقت تھا جب میں خود تمام مناصب سے برخواست کر دیا گیا تھا اور مجھے پھانسی کی سزا کا حکم مل چکا تھا!"

علی رضا پاشا نے ایک چال اور چلنا چاہی صالح پاشا کو مجھ سے گفتگو کرنے کے لئے آماسیا بھیجا۔ مگر میں اُسی وقت سیواس میں شورش بھی پیدا کر دی۔ یہ شورش انجمن محبان انگریز کی کوششوں سے برپا ہوئی تھی۔ اِس علاقے میں انجمن کا روح رواں ایک انگریز راہب" فرو" نام تھا۔ سیواس کی طرح ادابازار، بروسہ میں بھی شورش نے ظہور کیا۔ مگر ہم نے بروقت سب کا خاتمہ کر دیا۔

میں اِس بات پر مصر تھا کہ پارلیمنٹ، اناطولیہ میں منعقد ہو لیکن احمد عزت پاشا، جمال پاشا مرسینی، احمد عبوق پاشا اسکے خلاف تھے۔ صالح پاشا کی مجھ سے گفتگو اِس سمجھوتہ پر ختم ہوئی کہ طرفین نے اناطولیہ، اطنہ، سمرنا اور آدرنہ کو ترکی قومی وطن تسلیم کرلیا۔ اُس کی تقسیم و تجزی کو ناجائز قرار دیا۔ سلطنت و خلافت کے برقرار رہنے پر اتفاق کرلیا۔ نیز یہ طے پاگیا کہ پارلمینٹ کے انتخابات پُوری آزادی کے ساتھ جاری ہوں۔

ہم نے علی رضا پاشا کی حکومت سے یہ بھی منوالیا کہ فرانسیسیوں سے جنگ کی جائے جنھوں نے انگریزوں کے بعد اطنہ پر قبضہ کرلیا تھا اور اجنبی جاسوسوں کو قطعی طور پر شرارت پھیلانے سے روک دیا جائے۔ اِس سے بھی زیادہ یہ کہ کوئی ایسی صلح قبول نہیں کی جائے جسے مجلس قومی نامنظور کرے۔ اِس کے مقابلے میں ہم نے مان لیا کہ پارلیمنٹ آستانہ ہی میں منعقد ہو۔

قومی مجلس انگورہ

۲۷ر دسمبر ۱۹۱۹ء میں ہماری قومی مجلس سیواس سے انگورہ میں منتقل ہوگئی کیونکہ اب ضرورت تھی کہ ہم یونانی میدان جنگ سے قریب ہیں۔

پارلیمنٹ، آستانہ میں منعقد ہوئی، مگر اتحادیوں نے اُسے جبراً بند کر دیا۔ میں نے پارلیمنٹ کو انگورہ میں جمع ہونے کی دعوت دیدی۔ مجھے پہلے سے معلوم ہوگیا تھا کہ اتحادی، پارلیمنٹ کے ممبروں کو گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے ممبروں کو متنبہ کر دیا اور فوراً انگورہ چلے آنے پر زور دیا۔ مگر اُنھوں نے میری نصیحت قبول نہیں کی اور قید ہوگئے۔

اُسی زمانے میں جمال پاشا مرسینی نے کوشش کی کہ اناطولیہ کی قومی تحریک پر قابض ہو جائیں۔ قومی فوج پر اپنے طرفدار افسر مقرر کر دیں۔ مگر اُنھیں کامیابی نہ ہوسکی۔ پھر اُنھوں نے اتحادیوں کے دباؤ سے مجبور ہو کر چاہا کہ ترکی فوج، یونانیوں کے مقابلے سے ہٹ جائے۔ مگر اُن کی یہ کوشش بھی رائگاں گئی۔

جب پارلیمنٹ کے ممبر انگورہ پہنچے تو میں نے اُنھیں باہمی اتحاد کی نصیحت کی۔ میں چاہتا تھا پارلیمنٹ کا صدر مجھے منتخب کیا جائے، تاکہ میں جب چاہوں، اُسے اناطولیہ میں طلب کر سکوں مگر اُسوقت ارکان مجلس، اتحادیوں کے خوف سے اِس کی جرأت نہ کر سکے۔

اب بہت سی نئی مشکلات پیدا ہوگئی تھیں۔ ہمیں سب پر غالب آنا تھا۔ میں نے ترکی میں اور تمام اسلامی ممالک میں اعلان شائع

کئے۔ ٹرکی میں جو اعلان شایع کیا تھا، وہ اس عبارت سے شروع ہوا تھا "آزادی کی اس مقدس جنگ میں خدا ہمارے ساتھ ہو!"

اسی زمانے میں عسکی شہر اور افیون قرہ حصار سے ہم اتحادی فوجیں نکالنے میں کامیاب ہوگئے۔ ریلوے بھی کئی جگہ سے توڑ ڈالی گئی۔ نئی مجلس وطنی بھی منعقد ہوئی۔ یہ واقعہ ۲۳ اپریل ۱۹۲۰ء کا ہے۔

اس کے بعد غازی نے رأفت پاشا کا پھر ذکر کیا۔ انھوں نے کہا "میں نے انھیں سمرنا کے میدان جنگ میں جانے کا حکم دیا۔ مگر انھوں نے تعمیل نہیں کی۔ اسی قدر نہیں بلکہ ایک فرانسیسی آب دوز پر خفیہ آستانہ چلے گئے۔ آج تک معلوم نہ ہو سکا اس سفر کی غرض کیا تھی؟"

اس کے بعد کاظم قارا بکر پاشا کی مذمت کرتے ہوئے غازی نے کہا:

"یہ مجلس وطنی کے سوا اس سے انگورہ آنے پر معترض تھے۔ پھر جب آستانہ میں پارلیمنٹ منعقد ہوئی تو انھوں نے زور دیا کہ مجلس وطنی توڑ دی جائے۔ لیکن میں نے اُن کے مشورہ کی کوئی پروا نہیں کی"

اس کے بعد غازی نے وہ رُوداد پڑھی جو مشہور خائن سعید ملا، انگریز راہب فرو کو بھیجا کرتا تھا۔ پھر بتایا کہ نور الدین بک قسطنطنیہ کا پولیس کمشنر انگریز جاسوسوں کو پناہ دیتا تھا۔

اس کے بعد غازی نے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی کہ مجلس وطنی کی تاسیس کے بعد موجودہ سیاسی مسلک کیونکر اختیار کیا گیا؟ انھوں نے کہا:

"اُس وقت تین سیاسی رجحان ملک میں موجود تھے: پان اسلامزم، پان تورانیزم، ترکی قومیت۔ میری رائے اسی آخری رجحان کی طرف تھی۔ یہ اس لئے کہ جملہ ترکی قوموں کا ایک علم کے نیچے جمع ہو جانا ناممکن ہو۔ اسی طرح تورانی تحریک یا اسلامی تحریک پر بھروسہ کرنا ایک وہم اور جنون تھا۔ لہذا ہمارے لئے اس کے سوا کوئی راہ باز نہ تھی کہ اپنی خالص قومی تحریک پر تکیہ کریں۔ ہمارے لئے ایک قومی سیاست ضروری تھی۔ قومی سیاست سے مقصود، وہ زندگی ہے جو سب سے پہلے قوم کی قوت پر قائم ہو۔ پھر تمام متمدن دنیا کی ہمدردی حاصل کر سکے"

جب میں نے مجلس وطنی کے سامنے اپنا یہ نقطۂ نظر پیش کیا، تو یہ بحث شروع ہوئی کہ آخر حکومت کی شکل کیا ہونی چاہیے۔ اُس وقت سلطان اور خلیفہ آستانہ میں موجود تھا۔ بہت سے لوگ اُسے معذور اور بے گناہ سمجھتے تھے۔ لہذا ضروری ہوا کہ کوئی ایسی تجویز بنائی جائے جو حالات کے مناسب ہو۔ چنانچہ یہ تجویز منظور کی گئی:

"مجلس وطنی سے بالا کوئی قوت تسلیم نہ کی جائے۔ مجلس وطنی میں تشریعی اور تنفیذی دونوں قوتیں جمع ہیں۔ جب سلطان اور خلیفہ قید سے آزاد ہوگا اُس وقت اُس کی وہ حیثیت ہو جائے گی جو مجلس وطنی طے کرے گی"

فرید پاشا کی وزارت

پھر مجلس وطنی کے انتخابات پیش کئے اور میں اُس کا صدر منتخب کیا گیا۔ عین اُسی زمانے میں سلطان وحید الدین نے ہماری ضد پر فرید پاشا کو دوبارہ وزیر اعظم بنا دیا۔ ہماری قومی حکومت کے خلاف فتوے شایع کئے گئے اور دشمن کے ہوائی جہازوں سے تمام ملک میں تقسیم کئے گئے۔ اب ہر طرف شورش پیدا ہوئی۔ خفیہ اور علانیہ قومی حکومت پر یورش شروع ہوئی۔ بولو، اداباذار، مشرقی انگورہ، توقاد، یوزغاد اور معزہ، سیوہ رک، الطغین، قونیہ، غرضکہ تمام علاقوں میں سخت بغاوت برپا ہوگئی۔ پھر فوراً ہی ازمیت میں جیش خلافت نے ظہور کیا اور قومی حکومت مجبور ہوئی کہ ان تمام فتنوں سے بیک وقت جنگ کرے۔ چنانچہ خیانت وطنی کا قانون بنایا گیا اور "محاکم استقلال" مرتب کر دئے گئے۔

ساتھ ہی یونانی سیلاب کے روکنے کے لئے سمرنا میں اور فرانسیسیوں کی سرکوبی کے لئے اطنہ میں میدان جنگ قائم کئے گئے۔ ہماری کوششیں جلد بارآور ہوئیں۔ اطنہ، طرطوس، اور مرسین میں ہم نے فرانسیسیوں کا محاصرہ کر لیا اور فرانس کو ہماری تمام سرزمین خالی کر دینی پڑیں۔

ساتھ ہی مجلس وطنی نے اپنا ایک وفد روس بھی بھیجا۔ پورے ایک برس تک گفت و شنید جاری رہی۔ یہاں تک کہ مارچ ۱۹۲۱ء میں ماسکو سے ہمارے دوستانہ تعلقات قائم ہوگئے۔

جون ۱۹۲۰ء میں یونانیوں نے حملہ شروع کیا۔ قومی فوج مجبور ہوئی کہ پیچھے ہٹ جائے۔ اُس وقت میں خود میدان جنگ گیا۔ علی فواد پاشا کی زیر قیادت عسکی شہر اور افیون قرہ حصار کے خط پر از سر نو مورچے قائم ہوگئے۔

دو نئی مشکلیں

اسی اثنا میں دو نئی مشکلات پیدا ہوئیں: ایک مشکل "سبز فوج" کی تھی۔ یہ ایک خفیہ انجمن تھی اور ادہم چرکسی کے ماتحت تھی۔ دوسرا معاملہ جلال الدین عارف بک کا تھا۔ انھوں نے چاہا کہ مشرقی صوبوں میں اپنے لئے ایک خاص حیثیت پیدا کریں۔ مگر ہم ان دونوں مشکلوں پر بھی غالب آگئے۔

ارمنی فتنہ

اُسی دوران میں اتحادیوں کے اشارے سے ارمن قوم نے سر اُٹھایا اور مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ اب ہمیں اس نئی مصیبت کا بھی مقابلہ کرنا تھا۔ چنانچہ ہماری فوجیں متحرک ہوئیں۔ ارمنوں کی اچھی طرح گوشمالی کی اور قارص پر قبضہ کر لیا۔ پھر ارمنوں کو مجبور کیا کہ صلح کی درخواست کریں۔ اس کا نتیجہ معاہدہ کومری کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس معاہدہ کی رُو سے ترکی سرحدیں وہی ہوگئیں جو ۱۸۷۷ء میں تھیں۔ اس طرح ارمنی خطرہ بالکل زائل ہو گیا۔ روس نے بھی یہ معاہدہ قبول کر لیا بشرطیکہ باطوم اُس کے حوالہ کر دیا جائے۔ اس تدبیر سے ہم مشرق کی طرف سے کلیتہً مطمئن ہوگئے۔

قونیہ کی بغاوت

اس کے بعد قونیہ میں پھر بغاوت ظاہر ہوئی۔ ہم مجبور ہوئے کہ از سر نو ایک فوج مرتب کریں۔ ادہم چرکسی نے اس امر کی مخالفت کی اور جب ہم نے اُس کی پروا نہیں کی تو وہ یونان سے مل گیا۔ اب ایک مرتبہ پھر قومی فوج پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوگئی۔ ہم نے فوراً علی فواد پاشا کو میدان جنگ سے واپس کر کے ماسکو کی سفارت پر بھیجا اور عصمت پاشا اور رأفت پاشا کو سپہ سالار مقرر کیا۔

عین اسی زمانہ میں داماد فرید پاشا پھر معزول ہوگئے اور توفیق پاشا صالح پاشا کے ساتھ برسر حکومت آئے۔ انھوں نے اناطولیہ مفاہمت کے لئے ایک وفد بھیجا۔ یہ وفد اُس وقت پہونچا جب عصمت پاشا این آونی میں یونان کو شکست دے چکے تھے۔ یہ قومی حکومت کی پہلی فتح تھی۔ لیکن اس فتح کے بعد ہی یونانیوں نے علی آدہم چرکسی کی اعانت سے کوتاہیہ پر حملہ کر دیا اور ہماری فوجوں کو پھر پیچھے ہٹنا پڑا۔ یہ صورت صرف اس لئے پیدا ہوئی تھی کہ رأفت پاشا بر وقت دشمن کے محاصرہ کے لئے میدان جنگ میں نہیں پہنچے تھے۔

لندن کانفرنس

اس کے بعد لندن کانفرنس منعقد ہوئی اور اُس میں حکومت انگورہ بھی مدعو کی گئی۔ مگر ہم نے وزیر اعظم توفیق پاشا سے مطالبہ کیا کہ وہ دول اتحاد سے کہہ دیں کہ براہ راست حکومت انگورہ کانفرنس میں بلائی جائے، کیونکہ ٹرکی میں تنہا وہی حکومت موجود ہو۔ ساتھ ہی وزیر اعظم کو مجلس وطنی کی حسب ذیل دو تجویزوں سے مطلع کر دیا:

(۱) مجلس وطنی، سلطان کی ذات شاہانہ کو تسلیم کرتی ہے۔

(۲) سلطان کا قیام، آستانہ ہی ہے، لیکن حکومت اور پارلیمنٹ کا مرکز، انگورہ میں رہے گا۔

لیکن توفیق پاشا اور سلطان نے یہ تجویزیں منظور نہیں کیں نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے لندن میں اپنا علحدہ وفد بھیجا اور کانفرنس کی شرطیں نامنظور کر دیں۔

اسی اثنا میں یونانیوں نے دوبارہ حملہ شروع کیا لیکن پھر عصمت پاشا کے ہاتھوں شکست کھائی۔ مگر دملو بینار میں رأفت پاشا سے سخت مقابلہ جاری رہا۔ آخر ہم نے رأفت پاشا کو واپس بلا لیا اور عصمت پاشا پورے میدان کے سپہ سالار مقرر ہوگئے۔

جعفر طیار اور رأفت پاشا

غازی نے جعفر طیار پاشا کا ذکر کیا جو مشرقی تھریس میں قومی تحریک کے علمبردار تھے:

"انھوں نے کوئی قابلیت بھی ظاہر نہیں کی۔ اس علاقہ میں تحریک کی ناکامی کے سراسر ذمہ دار وہی ہیں۔ تاریخ انھیں ہرگز معاف نہیں کرے گی۔ کیونکہ وہ بغیر کسی مقابلہ کے دشمن کے ہاتھ میں قید ہو گئے!"

اس کے بعد مقرر نے رافت پاشا کا پھر ذکر کیا:

"رافت پاشا نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ فوزی پاشا، وزیر جنگ بنائے جائیں۔ عصمت پاشا، میدان جنگ کے سپہ سالار ہوں اور خود (یعنی رافت پاشا) جنگی اسٹاف کے صدر مقرر کئے جائیں۔"

میں نے اُنھیں حسب ذیل جواب دیا:

"آپ جنگی اسٹاف کے صدر بننا چاہتے ہیں؟ جنگی اسٹاف کی صدارت کے معنی یہ ہیں کہ عملی طور پر پورے میدان جنگ کی سپہ سالاری۔ لیکن آپ میں اس کی ہرگز قابلیت نہیں ہے!"

اس کے بعد رافت پاشا گوشہ نشین ہو گئے اور پھر کچھ بھی نہیں کیا۔

کامل فتح

تین مہینے سکون کے بعد، ار جولائی ۱۹۲۱ء کو یونانیوں نے بہت بڑے پیمانہ پر عشاق اور بروسہ کی طرف حملہ شروع کیا۔ ۱۴ دن سخت معرکہ جاری رہا۔ آخر ترکی فوجیں پیچھے ہٹنے لگیں اور دریائے سقاریا کے اس پار آکر رکیں۔

مجلس وطنی، ترکی فوجوں کی واپسی سے سخت پریشان ہوئی اور مجھے حکم دیا کہ خود اپنے ہاتھ میں سپہ سالاری لے لوں۔ میں نے اس شرط پر یہ منصب قبول کر لیا کہ مجلس مجھے وہ تمام اختیارات بھی بخش دے جو اُسے فوج پر حاصل ہیں۔ مجلس نے یہ شرط منظور کر لی اور تین مہینے کے لئے اپنے اختیارات مجھے عطا کر دئے۔

میں نے کمان اپنے ہاتھ میں لی، اور سقاریا کا وہ معرکہ پیش آیا، جس نے حملہ آور یونانیوں کی کمر توڑ ڈالی۔ تب مجلس وطنی نے مجھے "مارشل" کا خطاب دیا۔ ساتھ ہی "غازی" کا لقب بخشا۔ اس فتح مندی کا پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ فرانس نے ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو ہم سے معاہدہ کر لیا۔ ٹرکی کی کامل خود مختاری تسلیم کرلی اور اُن تمام علاقوں سے دست بردار ہو گیا جو جنوبی اناطولیہ میں اُس کے قبضہ میں تھے۔

اُنھی دنوں میں یونانیوں نے بحر اسود پر ترکی علاقے میں اپنی جمہوریت قائم کرنا چاہی۔ بعض یورپین سلطنتیں اُن کی ہمت افزائی کر رہی تھیں۔ ۲۵ ہزار فوج یونانیوں کی تائید پر تھی۔ مگر ہم نے اس فتنہ کا بھی سر کچل ڈالا۔

۱۹۲۱ء اور ۱۹۲۲ء میں خود مجلس وطنی کے اندر مخالفت نے زور پکڑا۔ مخالفت کے سرگروہ رؤف بک اور قرہ واصف بک تھے رافت پاشا کا میلان بھی اسی جماعت کی طرف تھا جو از حد مبارک

اور فتح سے نا امید تھی۔ حالانکہ اب ہم کافی طاقتور تھے۔ سنہ ۱۹۲۲ء کا جولائی ابھی آیا بھی نہ تھا کہ ترکی فوج، فیصلہ کن معرکہ کے لئے کربستہ ہوگئی اور دشمن کے مقابلہ پر ۲۰ فوجوں نے حرکت کی۔ اب ہماری جنگی طاقت، دشمن کے برابر تھی۔ لیکن ہوائی جہاز اور توپیں اُسکے پاس ہم سے زیادہ تھیں۔ مغربی میدان جنگ، کے ۲ حصے کر دیئے گئے ایک حصہ نور الدین پاشا کی قیادت میں تھا اور دوسرا یعقوب پاشا کے سپرد کیا گیا۔ عصمت پاشا، سپہ سالار عام تھے۔

چند ہی آدمیوں کو اصلی حالات کا علم تھا۔ عام طور پر مایوسی پھیلی ہوئی تھی۔ مگر ہم بالکل مطمئن تھے، کیونکہ اپنی قوت سے واقف تھے۔ اچانک ۲۶ر اگست کو ہم نے حملہ شروع کیا اور صرف ۵ دن کے اندر دشمن کا قلع قمع کر ڈالا! تمام دنیا حیرت زدہ رہ گئی۔ اب ہماری مظفر و منصور فوجوں نے تھریس اور استنبول کی طرف پیشقدمی شروع کی دول اتحاد ہماری مقاومت پر اُٹھیں۔ ہم نے کہا اگر یونان، تھریس اور آدرنہ سے دست بردار ہو جائے تو ہماری فوجوں کو آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں۔ اس طرح تھریس اور آستانہ بھی آزاد ہو گیا!

دو عملی کا خاتمہ

پھر لوزان کانفرنس منعقد ہوئی لیکن اتحادیوں نے قومی حکومت پر پھر ایک ضرب لگانا چاہی۔ اُنھوں نے صلح کانفرنس میں حکومت آستانہ کو بھی دعوت دی۔ اب میں مجبور ہوا کہ اس دو عملی کا خاتمہ کر دوں۔ چنانچہ میں نے مجلس وطنی میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

"سیادت، دی نہیں جاتی، لی جاتی ہے۔ آل عثمان نے یہ سیادت، غصب کر لی تھی لیکن اب قوم نے واپس لے لی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ اب ہمیں اس کا اعتراف کر لینا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے یہاں جتنے آدمی جمع ہیں، سب یہ اعتراف کر رہے ہیں۔ لیکن اگر وہ اعتراف نہ بھی کریں تو حقیقت بہرحال عنقریب روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائے گی"

اس تقریر کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجلس وطنی نے سلطنت کو خلافت سے الگ کر دیا۔ شخصی فرمانروائی کا خاتمہ کر دیا۔ آخری سلطان نے یہ دیکھا تو بدحواس ہو کر اجنبی حمایت میں پناہ لی اور ٹرکی سے بھاگ گیا۔

اس طرح وحید الدین، منصب خلافت سے ہٹا دیا گیا اور اُس کی جگہ عبد المجید آفندی کا انتخاب ۲۸ر نومبر سنہ ۱۹۲۲ء کو عمل میں آیا پھر لوزان میں صلح کانفرنس شروع ہوئی۔

اس اثنا میں میں نے تمام اناطولیہ کا دَورہ شروع کیا۔ عام باشندوں سے طویل گفتگو کی اور تمام داخلی اور خارجی معاملات، کاشت کاروں پر واضح کرنا شروع کئے۔

"شاہ پسندوں کی تحریک"

عین اُسی وقت شاہ پسندوں نے بھی اپنی تحریک پھیلانا شروع کی۔ وہ کہتے تھے خلیفہ، دُنیا بھر کے سلمانوں کا سلطان ہے۔ ترکی قوم خدا کی تلوار ہے جسے خلیفہ، خلافت کے مقاصد میں استعمال کرتا ہے لیکن میں اس خیال کا مخالف تھا۔ میں کہتا تھا یہ محض اوہام ہیں۔ اگر خلیفہ، دنیا بھر کے مسلمانوں کا سلطان ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ صرف ایک ترکی ہی قوم، اُس کی تلوار بنے۔ پھر ترکی قوم اپنا خون، پوری فیاضی سے صدیوں بہا چکی ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ وہ اپنے بقاء و حیات کی فکر کرے اور اوہام سے باز آجائے۔ یہی مختلف دعاوی منصب خلافت کی منسوخی کا سبب بنیں"

موجودہ دَورِ حکمرانی

اس کے بعد مقرر نے موجودہ ترکی حکمرانی کی اس طرح تشریح کی:

"۱۲ر اپریل سنہ ۱۹۲۴ء کے قانون اساسی میں لکھا گیا ہے کہ ترکی سلطنت کا سرکاری دین، اسلام ہے لیکن اب یہ جملہ حذف کر دینا ہوگا۔ کیونکہ ہماری جدید جماعت کے قانون میں خلافت کی منسوخی، جمہوریت کا اعلان، شرعی اُمور کی وزارت، دینی مدارس کی بندش خانقاہوں کی منسوخی، اور ترکی ٹوپی کی موقوفی، یہ تمام باتیں داخل ہیں۔ شروع شروع اس کا اعلان اس لئے نہیں کیا گیا کہ ہم قول سے پہلے عمل کو پسند کرتے ہیں!

جب عصمت پاشا لوزان سے پہلی مرتبہ واپس آئے تو مخالفین نے اُن پر بڑی سختی سے حملہ شروع کیا۔ لہذا میں نے از سر نو انتخابات کا فیصلہ کر دیا۔

ایک دن رات کو رؤف بک میرے پاس آئے اور مجھے اپنے ساتھ رأفت پاشا کے مکان پر لے گئے۔ وہاں علی فواد پاشا بھی موجود تھے۔ رؤف بک نے مجھ سے کہا:

"میں آل عثمان اور سلاطین آل عثمان سے وابستہ ہوں۔ میں اُنہی کا پروردہ ہوں۔ سلطنت اور خلافت، وہ درجے ہیں جن تک ہر آدمی پہنچ نہیں سکتا۔ اگر یہ منصب منسوخ کر دیئے جائیں گے تو ملک ہولناک مصائب میں مبتلا ہو جائے گا!"

رأفت پاشا نے اُن کی تائید کرتے ہوئے کہا "ہم شاہی فرمانروا کے بغیر اس سرزمین پر زندہ ہی نہیں رہ سکتے!" علی فواد پاشا نے کہا "میں نے اب تک اس معاملے میں کوئی غور نہیں کیا ہے"

میں نے ان لوگوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی اور کہا ابتک یہ مسئلہ معرض بحث میں نہیں آیا ہے۔ لہذا یہ گفتگو قبل از وقت ہے لیکن جب وہ وقت آیا تو بلا کسی اشکل کے سلطنت اور خلافت میں تفریق کر دی گئی۔ خلیفہ عبد المجید سے ہم نے مطالبہ کیا کہ اپنے نام سے ایک اعلان شایع کریں اور اپنے خائن پیشرو کے اعمال کی مذمت کریں مگر اُنھوں نے اس سے قطعی انکار کیا۔ اسی قدر نہیں بلکہ اپنے دستخط ان لفظوں میں کرنے پر اصرار کیا "خلیفۂ رسول اللہ عبد المجید بن عبد العزیز خاں" اُسی زمانہ میں رأفت پاشا نے خلیفہ عبد المجید کو ایک گھوڑا ہدیۃً پیش کیا۔ اُنھوں نے اُسے قبول کر لیا تو رأفت پاشا نے اسے "لطف الٰہی" قرار دیا!"

سابق خلیفہ عبد المجید کی فرانسیسی شادی

جنیوا کی خبروں سے معلوم ہوا کہ سابق خلیفہ عبد المجید آفندی عنقریب پیرس کی ایک حسین دوشیزہ سے شادی کرنے والے ہیں۔ اس عورت کا نام "جولیٹ لیبان" ہے۔ ایک فرانسیسی سرمایہ دار کی لڑکی ہے جو سوئٹزرلینڈ میں مقیم ہے۔ عبد المجید کی عمر آدھی سے زیادہ ختم ہو چکی ہے۔ بڑھاپا آگیا ہے۔ مگر دوشیزہ کی عمر صرف ۲۲ برس ہے۔

خلیفہ کے محل میں ۵۰۰ عورتیں تھیں۔ مگر شریعت اسلامیہ کے بموجب ان میں سے صرف چار اُن کی شرعی بیویاں تھیں۔ ان چار میں سے دو مر چکی ہیں۔ ایک نے پیرس میں خودکشی کر لی۔ دوسری اٹلی میں ایک ریل کے حادثہ میں مر گئی۔

سلطان عبد المجید اس وقت جنیوا کے مضافات میں ایک چھوٹے سے گاؤں میں بالکل گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اُن کے مصاحبوں میں سے صرف گیارہ آدمی ساتھ ہیں۔ اُن کا سالانہ وظیفہ جو ترکی حکومت نے دینا منظور کیا ہے، صرف اٹھارہ ہزار پونڈ ہے۔ لیکن اُن کی جائداد کی آمدنی اس سے کئی گنی زیادہ ہے۔ اس لئے وہ اپنی جلا وطنی میں بھی آرام کی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔

پیرس کی دوشیزہ نے ایک اخبار کے نمائندے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا:

"میں نے اور سلطان نے پوری کوشش کی کہ ہماری منگنی مخفی رہے لیکن یہ راز کسی طرح فاش ہو گیا۔ مجھے یقین ہے ہم دونوں نہایت پُر مسرت زندگی بسر کر سکیں گے۔ بلاشبہ سلطان کی عمر زیادہ ہے، حتیٰ کہ وہ میرے دادا معلوم ہوتے ہیں، لیکن اس سے میرے دل کے تعلق پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ سلطان نے وعدہ کیا ہے کہ ہنی مون "رویرا کے ساحلوں پر گذار کے پیرس میں ساتھ رہیں گے"

"تمھیں معلوم ہے کہ اب سے پہلے سلطان کے پاس ۵۰۰ عورتیں تھیں؟" نامہ نگار نے سوال کیا۔

"ہاں میں جانتی ہوں" نازنین نے جواب دیا "لیکن مجھے اس سے کیا سروکار؟ عقلمند عورت کبھی اپنے شوہر کے پُرانے حالات نہیں کریدتی۔ یہ عقل اور ادب، دونوں کے خلاف ہے!"

تھوڑے وقفہ کے بعد اُسنے اتنا اور اضافہ کیا:

"جس مرد کے پاس اب سے پہلے ۵۰۰ عورتیں رہ چکی ہیں وہ ضرور جانتا ہوگا کہ ایک عورت کو کس طرح خوش رکھ سکے؟"

عبد المجید آفندی اس شادی کے لئے وسیع پیمانے پر طیاری کر رہے ہیں۔ لیکن اب تک اُس کی تاریخ اور شادی کا مقام کسی کو معلوم نہیں ہے۔

عظیم الشان توام ستارہ

پچھلے دنوں امریکن ڈاکٹر جی۔ ایس۔ پلاسکٹ نے ایک عجیب کوکب دریافت کیا ہے۔ یہ ستارہ توام ہے۔ یعنی جڑواں ہے۔ ۲ ستارے ایک ساتھ ہیں۔ ملتہب گیس سے مرکب ہیں۔ اس گیس کی حرارت پگھلے ہوئے لوہے کی حرارت سے بارہ گنی زیادہ ہے۔ ایک ستارہ بڑا ہے۔ دوسرا چھوٹا ہے۔ چھوٹے کی روشنی آفتاب کی روشنی سے ۱۲،۵۰۰ گنی زیادہ ہے۔ اور قطر، زمین کے قطر سے ۲،۰۰۰ گنا زیادہ ہے۔ دونوں کا حجم، زمین کے حجم سے ۸،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰ گنا زیادہ ہے۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے گرد حرکت کرتے ہیں۔ حرکت کا دائرہ، بیضاوی شکل کا ہے اور دائرہ، ۱۷،۳۰۰،۰۰۰،۰۰۰ میل طویل ہے۔ ایک ہفتہ میں وہ یہ مسافت طے کر لیتے ہیں۔ رفتار کی سرعت ہر منٹ میں ۱۲۸،۵۰۳ میل ہے۔

عالم مطبوعات و صحائف

تاریخ کا سب سے بڑا سوانگ

نام نہاد "مجلس اقوام" اور چھوٹی قومیں

حال میں امریکن اخبارات کا ایک سربرآوردہ نمائندہ مجلس اقوام کی کارروائیوں کا مطالعہ کرنے جینوا گیا تھا۔ واپسی کے بعد اسنے امریکن اخبارات میں حسب ذیل تاثرات شایع کئے ہیں:

"یہ انجمن، صرف دول عظمی نے اپنی دلچسپی اور خودغرضی کے لئے بنائی ہے۔ تمام چھوٹی سلطنتیں اِن کے جور و استبداد سے فریاد کر رہی ہیں مظلوم قوموں کو یہاں ذبح کیا جاتا ہے اور اُن کی کھال کھینچکر تمغے لگائے جاتے ہیں۔ کمزور قوموں کی فریادیں، ردی کی ٹوکری میں ڈال دیجاتی ہیں اور وہ مجلس اقوام کو لعنت کرتی، روتی پیٹتی نامراد لوٹ جاتی ہیں۔

یہ انجمن کچھ مفید ہو سکتی تھی اگر دول عظمی اپنی سازشی طبیعت بدل ڈالتیں۔ مگر یہ ناممکن ہے۔ سازش اُنکے خمیر میں داخل ہو چکی ہے انجمن کی تمام رکن سلطنتیں اس امر سے بخوبی واقف ہیں اور اب چھوٹی سلطنتیں بغاوت پر طیار ہو گئی ہیں۔ چنانچہ انجمن کے آٹھویں سالانہ جلسہ میں انھوں نے اپنے غصے اور نفرت کا علانیہ مظاہرہ کر دیا۔ سویڈن، ہالینڈ، پولینڈ، فنلینڈ، لیتھونیا، اسقونیا وغیرہ نے ملکر یہی لے دے کی۔ اُنھوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا۔ "دول عظمی نے امن و امان کی کشتی، جان بوجھکر غرق کر دی ہے۔ وہ تمام اضطراب اور بےچینی واپس لے آئی ہیں جو گزشتہ جنگ کا سبب تھی۔ وہ باہم سازشیں کرتی ہیں۔ خفیہ معاہدے طیار کرتی ہیں اور وہ تمام خطرناک کام کر رہی ہیں جو مجلس اقوام کے مقاصد سے قطعی مخالفت رکھتے ہیں"

"چھوٹی قوموں کی بغاوت کا علم ہالینڈ بلند کیا۔ اسنے مطالبہ کیا کہ سنہ ۱۹۲۶ء والا جینیوا کا پروٹوکول زندہ کیا جائے جس کی رو سے جبری تحکیم ہتیاروں کی تقلیل اور چھوٹی سلطنتوں کی زبردست سلطنتوں سے حمایت ضروری ہے۔ ہالینڈ کی اس تجویز کی سویڈن نے تائید کی اور اُس کے نمائندے نے تصریح کی کہ اسوقت بعینہ وہی مسلک، دول عظمی نے اختیار کر لیا ہے جو گزشتہ جنگ کا سبب ہوا تھا اور آئندہ بھی ایک بہت زیادہ ہولناک جنگ کا موجب بنے گا۔

"پولینڈ نے اس کی تائید کرتے ہوئے تجویز کی کہ مجلس اقوام جنگ کی حرمت کا قطعی فیصلہ صادر کرے۔ لیتھونیا اور فنلینڈ نے تجویز کی کہ تمام سلطنتیں اس بات کا عہد کریں کہ ہر مظلوم سلطنت کو مالی مدد دیں گی تاکہ وہ اپنی مدافعت پوری طرح کر سکے۔ فنلینڈ کے وزیر خارجیہ نے بیان کیا کہ گزشتہ سال یورپ نے اپنے جنگی سامان پر

۲،۹۰۰،۰۰۰،۰۰۰ پونڈ خرچ کئے ہیں۔ یہ بعینہ اتنی ہی رقم ہے جتنی سنہ ۱۹۱۳ء میں اسنے خرچ کی تھی، جس سے جنگ عمومی کا ظہور ہوا۔ یورپ کی اسوقت مجموعی جنگی قوت، ۳،۱۴۰،۵۰۰ سپاہی ہیں۔ یعنی سنہ ۱۹۱۳ء میں یورپ کے پاس جتنی فوج تھی، اُس سے اسوقت تھوڑی ہی کم ہے۔

حالانکہ معلوم ہے جنگ عمومی میں جن سلطنتوں نے شکست کھائی تھی ان کے ہتیار چھین لیے گئے ہیں اور اُن کے پاس کوئی فوج بھی نہیں ہے۔

"خود مجلس اقوام کے صدر سینور ازیک ولگز کو اعتراف کرنا پڑا کہ تین دول عظمی: برطانیہ، امریکہ، اور جاپان اپنے جنگی جہازوں کے محدود کرنے پر متفق نہیں ہوئیں، لہذا کوئی امید نہیں کہ باقی سلطنتیں باہم کوئی سمجھوتہ کر سکیں گی!"

غرضکہ اب "مجلس اقوام" کی حقیقت کھل گئی ہے اور یورپ میں بھی کوئی اُسپر اعتماد نہیں رکھتا۔

جنون کے بارے میں ایک نیا نظریہ

ڈاکٹر کارل ویکلنڈ، امریکہ کا ایک مشہور ڈاکٹر ہے اور عقلی امراض میں خاص شہرت رکھتا ہے۔ حال میں اسنے جنون کے متعلق ایک نیا نظریہ پیش کیا ہے۔ اس نظریہ کو بہت سے علماء، خود ڈاکٹر کا جنون بتاتے ہیں، مگر وہ اسپر از حد مصر ہے، اس قدر مصر کہ اسے "نظریہ" نہیں کہتا۔ ایک مسلم حقیقت بتاتا ہے!

نظریہ یہ ہے کہ "موت جس سے تمام لوگ اس قدر ڈرتے ہیں، محض ایک معمولی حادثہ ہے۔ موت کے معنی یہ ہیں کہ روح ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اس سے زیادہ، موت کی کوئی حقیقت نہیں۔ خود روح کو بھی اس انتقال کی خبر نہیں ہوتی بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بھٹکتے بھٹکتے روح پھر عالم مادہ کی طرف لوٹ آتی ہے اور کسی زندہ آدمی کے جسم میں حلول کر جاتی ہے۔ جب ایسی صورت پیش آتی ہے تو آدمی مجنون ہو جاتا ہے۔ پس جنون کی علت یہ ہے کہ کوئی گم گشتہ راہ روح جسم میں حلول کر گئی ہو۔

ڈاکٹر اپنے مضمون میں لکھتا ہے:

"۳۰ برس کی تحقیقات کے بعد مجھے ثابت ہو گیا ہے کہ موت کے بعد بھی روح باقی اور زندہ رہتی ہے۔ ہمارے گرد بے شمار روحیں پھرتی ہیں اور ہم سے مخاطب ہونا چاہتی ہیں۔ لیکن ہم نہ اُنھیں سمجھتے ہیں نہ کسی اور طرح محسوس کرتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ خود یہ روحیں بھی جاہل ہوتی ہیں۔ نہ اپنی حالت پوری طرح جانتی ہیں نہ ہمارے سکوت ہی کے سبب سے واقف ہوتی ہیں۔ یہی جہالت اُنھیں ایک تاریک عالم میں لیجاتی ہے اور وہ اسمیں سرگرداں رہتی ہیں۔ لیکن بہت سی روحیں بھٹک کر اس دُنیا میں واپس آجاتی ہیں اور بعض جسموں میں داخل ہو کر اُنھیں مجنون بنا دیتی ہیں۔

"ہر انسان کے جسم سے ایک مقناطیسی سیال مادہ بہتا رہتا ہے یہی مادہ روحوں کو جسم کی طرف کھینچتا ہے۔ بعض جسموں سے اس مادہ کا خروج زیادہ ہوتا ہے، بعض سے کم۔ اول الذکر اجسام میں کبھی کبھی بیک وقت کئی کئی روحیں حلول کر جاتی ہیں اور وہ صد درجہ جنون میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

آگے چلکر ڈاکٹر نے روحوں سے اپنی کئی گفتگوئیں بھی نقل کی ہیں۔ چنانچہ شاہ ایڈورڈ ہفتم کی وفات کے دن اُسنے ایک انگریز ایکٹرس "لیلیان" کی روح سے گفتگو کی۔ وہ لکھتا ہے میں نے سوال کیا:

"کاش تم مجھے بتا دیتیں کہ موت کے بعد کیا ہوتا ہے!"

روح نے یوں جواب دیا۔

"بہت سے لوگ تمھاری دُنیا سے یہاں آتے رہتے ہیں لیکن میں اُن سے نہیں ملتی۔ حالانکہ وہ، ملاقات کے لئے بہت اصرار کرتے ہیں۔ یہ دیکھو ایک شخص مجھے پکار رہا ہے۔ کہتا ہے کہ وہ عالم فنا میں شاہ ایڈورڈ کے نام سے مشہور تھا اور اُس کی ماں بہت بڑی ملکہ تھی۔ لیکن اب یہاں وہ خود اور اُس کی ماں، محض دو روحیں ہیں اور باقی روحوں سے کوئی امتیاز نہیں رکھتیں۔ ہم یہاں اُسوقت تک ٹھہرے ہیں جبتک ہم پر اس عالم اور وجود و فنا کے تمام راز نہ کھل جائیں!"

حیوانات کی عمر

تحقیقات سے ثابت ہو گیا ہے کہ بری حیوانات اپنی طبعی موت سے کم مرتے ہیں۔ زیادہ تر قبل از وقت موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ سردی، گرمی، بھوک پیاس، قتل اور دوسرے بہت سے حادثے اُن کی زندگی ختم کر دیتے ہیں۔

حال میں ایک جرمن ڈاکٹر ٹیمن نے اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے ظاہر کیا ہے کہ علماء نے ابتک حیوانات کی عمر کے متعلق جتنے نظریئے قائم کئے ہیں، اکثر غلط ہیں۔ اور یہ کہ عمر کی درازی، جسم کے قد و قامت پر موقوف نہیں ہے، بلکہ دوسرے اسباب سے تعلق رکھتی ہے۔ ہوئیل مچھلی کو مستثنیٰ کر کے، جس کی عمر بہت زیادہ ہوتی ہے بعض دوسرے حیوانوں کی عمریں اس ڈاکٹر کی رائے میں حسب ذیل ہیں:

حیوان	عمر	
کچھوا	۳۰۰	برس
طوطا	۳۰۰	"
کوا	۳۰۰	"
بط	۳۰۰	"
ہاتھی	۲۰۰	"
شکرا	۱۶۲	"
گدھ	۱۰۴	"
شتر مرغ	۶۰	"
بوم	۶۰	"
بگلا	۶۰	"
اونٹ، گھوڑا، گدھا،	۵۰	"
ریچھ، گرگدن، دریائی گھوڑا	۵۰	"
مگرمچھ اور مینڈک،	۴۰	"
جنگلی سور،	۳۰	"
شیر، چیتا، دریائی گائے۔	۲۵	"
گوریا	۲۰	"
ہرن	۱۶	"
کتا اور بھیڑیا،	۱۵	"
لومڑی	۱۰	"
چوہا	۳	"

ہندوستان اور مجموعۂ عالم

تمام دنیا میں جغرافیائی، عمرانی، اور اقتصادی لحاظ سے ہندوستان کی موجودہ حیثیت کیا ہے؟

(۳)

ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کی آبادی مع شرح پیدائش و اموات

نام شہر	آبادی سنہ ۱۹۲۱ء	سنہ ۱۹۱۱ء	سنہ ۱۹۰۱ء	شرح پیدائش و اموات فی ہزار: پیدائش	موت
کلکتہ	۹۰۷۸۵۱	۸۹۶۰۶۷	۸۴۷۷۹۶	۱۸٫۹	۳۲٫۷
بمبئی	۱۱۷۵۹۱۴	۹۷۹۴۴۵	۷۷۶۰۰۶	۱۷٫۰	۲۷٫۰
مدراس	۵۲۶۹۱۱	۵۱۸۶۶۰	۵۰۹۳۴۶	۴۳٫۶	۴۷٫۳
ہوڑہ	۱۹۵۳۰۱	۱۷۹۳۸۹	۱۵۷۵۹۴	۲۴٫۶	۳۳٫۸
ڈھاکہ	۱۱۹۴۵۰	۱۰۸۵۵۱	۷۹۷۳۳	۲۳٫۶	۲۷٫۲
پٹنہ	۱۱۹۹۷۶	۱۳۶۱۵۳	۱۳۴۷۸۳	۲۱٫۵	۱۴٫۷
بنارس	۱۹۸۳۷۳	۲۰۸۱۲۱	۲۰۹۳۳۱	۵۰٫۱۵	۴۶٫۱۵
الہ آباد	۱۴۵۶۰۵	۱۵۹۷۰۱	۱۷۲۶۳۲	۴۲٫۰۱	۲۷٫۴۷
آگرہ	۱۸۳۷۵۰	۱۸۲۶۱۹	۱۸۸۰۲۲	۶۰٫۴۷	۳۹٫۰۴
کانپور	۱۹۵۰۸۵	۱۵۷۰۴۰	۱۹۷۱۴۰	۳۶٫۲۱	۴۳٫۷
لکھنؤ	۲۱۷۱۶۷	۲۶۰۶۲۱	۲۶۴۰۴۹	۴۶٫۱۲	۳۶٫۷۵
دہلی	۲۴۶۹۸۷	۲۲۵۴۷۱	۲۰۸۵۷۵	۴۶٫۲۳	۲۹٫۳۷
لاہور	۲۵۷۲۹۵	۲۱۰۲۷۱	۲۰۲۹۰۴	۴۳٫۲۷	۳۷٫۸۴
کراچی	۲۰۶۱۹۱	۱۵۹۲۷۰	۱۱۶۶۶۸	۴۶٫۶۰	۲۶٫۹۴
بڑودہ	۹۱۸۸۰	۹۹۳۴۷	۱۰۳۷۹۰	۳۸٫۱	۳۴٫۰۱
جے پور	۱۲۰۱۹۶	۱۳۶۱۹۹	۱۶۰۵۰۷	۲۲٫۹۷	۳۴٫۹۰
ناگپور	۱۱۲۴۵۳	۱۰۶۴۴۲	۱۲۷۷۳۴	۶۰٫۰۳	۴۷٫۳۶
رنگون	۳۴۵۵۰۵	۲۹۳۳۱۶	۲۳۴۸۸۱	۱۸٫۷۶	۳۵٫۸۱

برطانی ہندوستان میں محنتی آبادی کی بربادی (سنہ ۱۹۲۴ء)

عمر ۲۰ — ۴۰

صوبہ	مرد	عورتیں	مجموعی تعداد
مدراس	۶۹۷۹۰	۷۹۸۶۴	۱۴۹۶۵۴
بمبئی	۱۴۱۳۷۳	۴۲۴۴۳	۸۳۸۱۶
بنگال	۱۳۹۳۴۷	۱۳۳۳۳۰	۲۷۳۲۸۶
یوپی	۱۰۷۲۲۲	۱۰۷۰۲۳	۲۱۴۷۴۵
پنجاب	۷۲۳۳۲	۷۲۱۲۵	۱۴۵۰۸۷
برما	۲۲۴۹۷	۲۲۴۵۶	۴۲۷۵۳
بہار	۸۳۳۴۹	۸۵۵۲۷	۱۷۴۸۷۶
سی۔ پی	۲۸۳۶۴	۲۹۷۷۳	۵۸۳۳۷
آسام	۲۹۳۴۷	۲۳۱۵۲	۴۳۴۹۹
کل برطانی ہند	۶۰۰۸۹۳	۶۰۶۶۲۸	۱۲۰۷۵۲۱

دنیا کے بڑے بڑے ملکوں میں ہر آدمی کی سالانہ آمدنی

(سنہ ۱۹۲۶ء میں)

امریکہ	۳۳۲۸	روپیہ
برطانیہ	۱۴۵۶	〃
فرانس	۱۲۹۲	〃
اٹلی	۵۴۰	〃
جاپان	۱۱۸۰	〃
ہندوستان	۳۰	〃

فی کس روزانہ آمدنی

آمریکہ	۱۳ لعہ
برطانیہ	۱ للعہ
فرانس	۹ سے
اٹلی	۹ عہ
جاپان	۴ سے
ہندوستان	۱ر

ٹیکس کی فی آدمی شرح بحساب روپیہ آنہ

سال	برطانیہ	فرانس	جرمنی	اٹلی	امریکہ	ہندوستان
سنہ ۱۴-۱۹۱۳ء	۵۲-۸-۰	۲۸-۲-۰	۲۳-۰-۰	۱۸-۰-۰	۲۱-۰-۰	۲-۱۲-۰
سنہ ۲۱-۱۹۲۰	۲۳۰-۸-۰	۱۳۱-۰-۰	؟	۸۳-۰-۰	۱۳۵-۰-۰	۴-۸-۰
سنہ ۲۳-۱۹۲۲	۲۶۱-۱-۰	۱۵۶-۰-۰	؟	۱۰۹-۰-۰	۸۴-۰-۰	۵-۶-۰
سنہ ۲۵-۱۹۲۴	۲۳۰-۶-۰	۲۲۵-۰-۰	۶۳-۰-۰	۱۲۰-۰-۰	۸۱-۰-۰	۵-۱۰-۰

ہندوستان اور جزائر برطانیہ میں پیشوں کے اعتبار سے آبادی کا تناسب

ہندوستان		جزائر برطانیہ
مجموعی آبادی	۳۱۹۳۶۱۰۰۰	مجموعی آبادی ۴۷۳۰۷۰۰۰
زراعت پیشہ	۷۱٫۸	۱۱٫۶
صنعت پیشہ	۱۱٫۳	۵۱٫۲
تجارت پیشہ	۷٫۳	۱۳٫۳
آزاد پیشہ	۲٫۶	۵٫۶
نج کی نوکریاں	۱٫۵	۱۲٫۸
دوسرے پیشے	۵٫۵	۰۰۰
کان کن	۱٫۱۷	۶٫۵

دنیا کی مزدوری پیشہ آبادی

ملک	مجموعی آبادی	مزدوری
امریکہ	۱۰۵۷۱۶۰۰۰	۴۷۶۷۷۰۰۰
برطانیہ	۴۷۳۰۷۰۰۰	۲۵۷۳۳۰۰۰
فرانس	۳۹۲۰۹۰۰۰	۲۰۹۳۱۰۰۰
جرمنی	۵۹۸۵۸۰۰۰	۳۰۲۳۲۰۰۰
اٹلی	۳۸۸۳۶۰۰۰	۱۸۷۱۸۰۰۰
ہندوستان	۳۱۹۳۶۱۰۰۰	۶۸۸۶۴۰۰۰
کینیڈا	۸۷۸۸۰۰۰	۳۲۲۱۰۰۰
آسٹریلیا	۵۵۱۰۰۰۰	۲۳۹۷۰۰۰
جنوبی افریقہ	۱۴۲۲۰۰۰	۴۷۴۰۰
نیوزی لینڈ	۱۲۸۴۰۰۰	۵۱۵۰۰۰

مطبوعات الہلال بک ایجنسی

معارف ابن تیمیه و ابن قیم

دیني علوم کے بیش بہا جواهر ریزي

اس سلسله میں هم نے اماميں کي ان نادر و اعلی درجه کي بلند پایه عربي تصانیف کے اردو تراجم کا سلسله شروع کیا هے ' جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نهایت ضروري و ناگزیر هے - امید که یه "سلسلهٔ تراجم" بد نصیب هندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

اسوهٔ حسنه — امام ابن قیم کي فن سیرت میں شهرهٔ آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصه کا اردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد اڑهائي روپیه -

کتاب الوسیله — لفظ "وسیله" کي بحث کے علاوه امام ابن تیمیه نے اسلام کے اصل الاصول "توحید" کي مبسوط بحث کي هے - بلا جلد اڑهائي روپیه ' مجلد سوا تین روپیه -

اصحاب صفه — انکي تعداد ' ذریعه معاش ' طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے هیں دس آنے -

تفسیر سورة الکوثر — امام ابن تیمیه کے مخصوص انداز تفسیر کا اردو ترجمه - چار آنے -

العروة الوثقی — خالق و مخلوق کے درمیان واسطه کا فرق بدلائل بیان کیا هے - چهه آنے -

سیرت امام ابن تیمیه — حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نهایت خوش اسلوبي سے بیان کیے هیں - نو آنے

نجد و حجاز — علامه سید محمد رشید رضاء مصري کي تازه کتاب کا اردو ترجمه - سوا روپیه -

آئمه اسلام — ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - باره آنے

خلاف الامه — فی العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — یه ایک علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله هے جس کے خریدار کو هم نے کمال کوشش و کاوش سے اردو ' عربي ' فارسي ' انگریزي ' اور دوسري زبانوں کي تمام اهم اور اعلی مطبوعات کے متعلق بهترین تازه معلومات بهم پهنچانے کا اهتمام کیا هے - اسکے علاوه آئمه و اسلام و بزرگان دین کے حالات ' لطائف افسانه ' نظمیں اور ممالک اسلامیه کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے هوے حالات درج کیے جاتے هیں - في پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپیه پیشگي -

منیجر الہلال بک ایجنسی

(حلقه نمبر ۲۴ شیرانواله دروازه لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پته صاف لکھیں

اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں

السحر الحلال فی مجلدات الهلال

گاه گاهے باز خوان این دفتر پارینه را
تازه خواهی داشتن گر داغهائے سینه ما

اردو صحافت کي تاریخ میں الهلال هي وه رساله هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تهي -

الہلال اگرچه ایک هفته وار مصور رساله تها ' لیکن چونکه وه اردو صحافت کي مختلف شاخوں میں اجتهاد نظر و فکر کي نئي روح پیدا کرني چاهتا تها ' اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعه تها - اُس کے هر نمبر میں مختلف ابواب ' مذهب ' سیاست ' ادبیات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه کے هوتے تهے - اور اسکا هر باب اپني مجتهدانه خصوصیات کے لحاظ سے اپني نظیر آپ هوتا تها - پهر اس کي ظاهري خوبیاں اردو صحافت میں اعلی طباعت و ترتیب کا پهلا نمونه تهیں - اردو کا وه پهلا هفته وار رساله تها ' جس میں هاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا ' اور ٹائپ میں چهپنے کي وجه سے بهت سي ایسي خوبیاں پیدا هوئیں جو پتهر کي چهپائي میں ممکن نهیں - اِس کي جلدیں جدید اردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سیاسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بهترین مجموعه هیں - اِن کي مقبولیت و قدر کا اندازه اِس سے هوسکتا هے که سنه ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل سٹ سات سو روپیه میں خرید کیا - اور حال میں ایک صاحب نے اِس کي پهلي جلد مکمل (جو دفتر میں بهي موجود نهیں) ساڑهے چارسو روپیه میں حیدرآباد سے خریدي هے - جن لوگوں نے اِس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هیں وه بڑي سے بڑي قیمت پر بهي علحده کرنے کیلیے تیار نهیں - پچهلے دنوں "البلاغ پریس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیره الهلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا ' هم نے کوشش کي که شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کي جا سکتي هیں مرتب کرلي جائیں اور جن جلدوں کي تکمیل میں ایک دو پرچوں کي کمي هو انهیں دوباره چهپوا لیا جاے -

چنانچه الحمدلله یه کوشش ایک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوه متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلدیں پوري مکمل هوگئي هیں - هم اِس اعلان کے ذریعه شایقین علم و ادب کو آخري موقعه دیدے هیں که اِس قیمتي ذخیره کے حاصل کرنے میں جلدي کریں ' چونکه جلدوں کي ایک بهت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف اُنهیں درخواستوں کي تعمیل هوسکے گي جو سب سے پہلے پهونچیں گي - هر جلد مجلد هے اور ابتدا میں تمام مضامین کي انڈکس به ترتیب حروف تهجي لگادي گئي هے -

الہلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیه — الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیه

" " چهارم ۱۰ روپیه — " " پنجم ۱۰ روپیه

جلد "البلاغ" (جب دوسري مرتبه الہلال اِس نام سے شائع هوا) قیمت ۸ روپیه

علاوه جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هیں جن میں سے هر پرچه اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعه علم و ادب هے - قیمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پیکنگ اِس کے علاوه هے -

منیجر "البلاغ پریس"

مطبوعات الهلال بك ايجنسى

معارف ابن تيميه و ابن قيم

دیني علوم کے بیش بہا جواهر ریزي

اس سلسله میں هم نے امامین کي ان نادر و اعلی درجه کي بلند پایه عربي تصانیف کے اُردو تراجم کا سلسله شروع کیا هے ' جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروري و ناگزیر هے - امید که یه "سلسلۂ تراجم" بد نصیب هندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

اُسوۂ حسنه — امام ابن قیم کي فن سیرت میں شہرہ آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصه کا اُردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد ازهائي روپیه -

کتاب الوسیله — لفظ "وسیله" کي بحث کے علاوہ امام ابن تیمیه نے اسلام کے اصل الاصول "توحید" کي مبسوط بحث کي هے - بلا جلد ازهائي روپیه ' مجلد سوا تین روپیه -

اصحاب صفه — انکي تعداد ' ذریعه معاش ' طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے هیں دس آنے -

تفسیر سورۃ الکوثر — امام ابن تیمیه کے مخصوص انداز تفسیر کا اُردو ترجمه - چار آنے -

العروۃ الوثقی — خالق و مخلوق کے درمیان واسطه کا فرق بدلائل بیان کیا هے - چهه آنے -

سیرت امام ابن تیمیه — حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نہایت خوش اسلوبي سے بیان کیے هیں - نو آنے

نجد و حجاز — علامه سید محمد رشید رضاء مصري کي تازہ کتاب کا اُردو ترجمه - سوا روپیه -

آئمه اسلام — ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آنے

خلاف الامه — فی العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — یه ایک علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله هے جس کے خریدار کو هم نے کمال کوشش و کاوش سے اُردو ' عربي ' فارسي ' انگریزي ' اور دوسري زبانوں کي تمام اهم اور اعلی مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بہم پہنچانے کا اهتمام کیا هے - اسکے علاوہ آئمه و اسلام و بزرگان دین کے حالات ' لطائف افسانه ' نظمیں اور ممالک اسلامیه کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے هوے حالات درج کیے جاتے هیں - في پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپیه پیشگي -

منيجر الهلال بك ايجنسى

(حلقه نمبر ۲۴ شيرانواله دروازه لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پته صاف لکهین اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائین

السحر الحلال في مجلدات الهلال

گاه گاهے باز خوان این دفتر پارینه را
تازه خواهی داشتن گر داغهائے سینه ما

اردو صحافت کي تاریخ میں الهلال هي وہ رساله هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصیات میں ایک انقلاب آفرین دعوت تهي -

الهلال اگرچه ایک هفته وار مصور رساله تها ' لیکن چونکه وہ اردو صحافت کي مختلف شاخوں میں اجتهاد نظر و فکر کي نئي روح پیدا کرني چاهتا تها ' اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف ادراق کا مجموعه تها - اُس کے هر نمبر میں مختلف ابواب ' مذهب ' سیاست ' ادبیات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه کے هوتے تهے - اور اسکا هر باب اپني مجتهدانه خصوصیات کے لحاظ سے اپني نظیر آپ هوتا تها - پهر اس کي ظاهري خوبیاں اُردو صحافت میں اعلی طباعت و ترتیب کا پہلا نمونه تهیں - اردو کا وہ پہلا هفته وار رساله تها ' جس میں هاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا ' اور ٹائپ میں چهپنے کي وجه سے بہت سي ایسي خوبیاں پیدا هوئیں جو پتهر کي چهپائي میں ممکن نہیں - اِس کي جلدیں جدید اُردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سیاسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بہترین مجموعه هیں - اِن کي مقبولیت و قدر کا اندازہ اِس سے هوسکتا هے که سنه ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپیه میں خرید کیا - اور حال میں ایک صاحب نے اِس کي پہلي جلد مکمل (جو دفتر میں بهي موجود نہیں) ساڑهے چارسو روپیه میں حیدرآباد سے خریدي هے - جن لوگوں نے اِس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هیں وہ بڑي سے بڑي قیمت پر بهي علحدہ کرنے کیلیے تیار نہیں - پچهلے دنوں "البلاغ پریس" کا جب تمام اسباب نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الهلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا ' هم نے کوشش کي که شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کي جاسکتي هیں مرتب کرلي جائیں اور جن جلدوں کي تکمیل میں ایک دو پرچوں کي کمي هو انهیں دوبارہ چهپوا لیا جاے -

چنانچه الحمدللہ یه کوشش ایک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلدیں پوري مکمل هوگئي هیں - هم اِس اعلان کے ذریعه شایقین علم و ادب کو آخري موقعه دیتے هیں که اِس قیمتي ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدي کریں ' چونکه جلدوں کي ایک بہت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف اُنهیں درخواستوں کي تعمیل هوسکے گي جو سب سے پہلے پہونچیں گي - هر جلد مجلد هے اور ابتدا میں تمام مضامین کي انڈکس به ترتیب حروف تہجي لگادي گئي هے -

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیه — الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیه

" " چهارم ۱۰ روپیه — " " پنجم ۱۰ روپیه

جلد "البلاغ" (جب دوسري مرتبه الهلال اِس نام سے شائع هوا) قیمت ۸ روپیه

علاوہ جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هیں جن میں سے هر پرچه اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعه علم و ادب هے - قیمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پیکنگ اِس کے علاوہ هے -

منیجر "البلاغ پریس"

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

۱۹۲۷

الہلال

جلد ۱

نمبر ۲۳

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت ۵ ـ انہ

الهلال

هر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شايع هوتا هے

قيمت سالانه مع محصول	باره روپيه
هندوستان سے باهر کيليے	سوله روپيه
قيمت شش ماهي	سات روپيه
قيمت في پرچه	پانچ آنه

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " منيجر الهلال " کے نام سے کي جاے ليکن جو خطوط مضامين سے تعلق رکھتے هوں آنکے لفافه پر " ايڈيٹر " کا نام هونا چاهيے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براه عنايت خط و کتابت ميں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکھيے

(۴) خط و کتابت ميں نمبر خريداري لکھيے جسکي اطلاع آپکو وصول قيمت کي رسيد ميں ديدي گئي هے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پهنچے تو تاريخ اشاعت سے ايک هفته کے اندر اطلاع ديں - ور نه بصورت تاخير بغير قيمت کے روانه نهيں کيا جائيگا -

(۶) اگر آپ دو تين ماه کيلئے ايک جگه سے دوسري جگه جا رہے هيں تو اپنا پته تبديل نه کرايے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع ديکر انتظام کر ليجيے - اگر اس سے زياده عرصه تک کے لئے تبديل مقام پيش آجاے تو ايک هفته پيشتر اطلاع ديکر پته تبديل کراليں -

(۷) مني آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکھديں -

(۸) ايسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسيد زر و اطلاع اجراء اخبار وغيره) سے نهيں هے ٹکٹ ضرور بهيجيے ورنه دفتر پر غير معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑيگا -

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین (القرآن الحکیم)

الہلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۲۳ — کلکتہ : جمعہ ۲۹ . جمادی الاولی ۱۳۴٦ ہجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 25, November 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعة نہین رکھتی .

طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای .

پتھر کی چھپائی مین محدود رہکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نہین کر سکتی .

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی ہین ، وہ ہین جن مین الہلال چھپتا ہی . اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ہین . آپ ان دونون مین سی جسی چاہین پسند کر لین . لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین .

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ہمین اطلاع دیجیی . یاد رکھیی . طباعة کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اہم مسئلہ ہی . ضروری ہی کہ اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین . الہلال

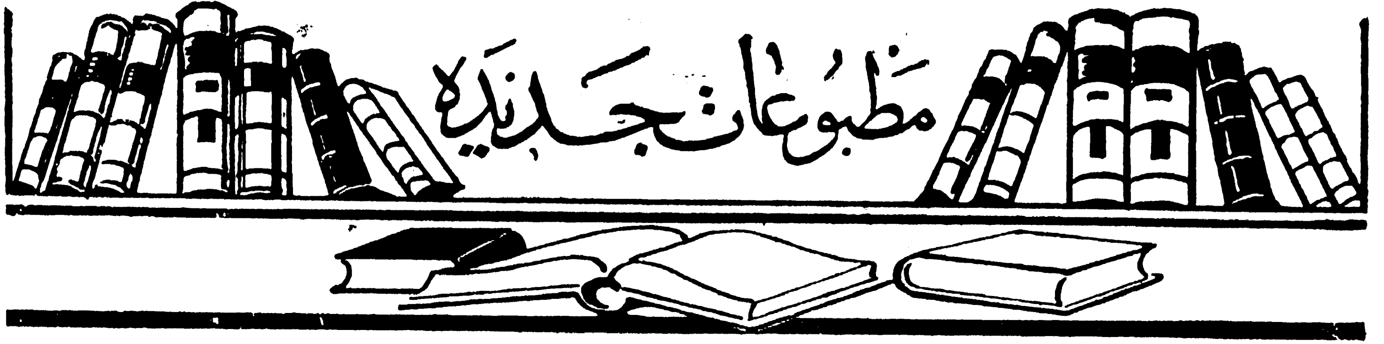
قارئین الہلال کی آراء

اس بارى مین اس وقت تك ۱۷٤۲ مراسلات وصول ہوی ہین . تقسیم آراء حسب ذیل ہی :

عربی حروف کی حق مین	۲۵۰	اردو حروف کی حق مین	٤۵۲
موجودہ مشترك طباعة کی حق مین	٦۸۰	حروف کی حق مین بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۲۹۰	نستعلیق ہون	۱٦۰

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہی .

آراء کی دیکھنی سی معلوم ہوا کہ اس بارى مین بعض اہم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین ہی . اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت ہی . آیندہ اس بارى مین مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر کرینگی مگر ضرورت ہی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین . الہلال



رستم بن رضا

(نپولین کا چرکسي غلام اور معتمد)

الهلال کے گذشته نمبر میں هم نے ایک جرمن اهل قلم کي جدید کتاب کا ذکر کیا تها جس میں اُس نے نپولین کے بعض غیر مشهور گوشه هاے حیات پر روشني ڈالنے کي کوشش کي هے - ابهي اس کتاب کي بهت سي دلچسپ اور عبرت انگیز داستانیں باقي هیں ' لیکن هم چاهتے هیں ' مجلس کے تبدیل ذائقه کیلیے اُسکے ایک دوسرے حصه پر قارئین الهلال کو توجه دلائیں - یه حصه بهي تاریخي دلچسپي کے لحاظ سے پچهلي داستانوں سے کمتر نهیں هے - اِس میں نپولین کي درباري زندگي کي ایک عجیب و غریب تاریخي شخصیت سے آنکي تقریب هوگي - یه شخصیت دس برس تک نپولین کے تمام عجائبات زندگي کي طرح یورپ کي ایک عجیب و غریب هستي کا درجه رکهتي تهي - حالانکه اُسکي ابتدائي زندگي اس طرح شروع هوي تهي که وه مصر کا ایک چرکسي غلام تها !

یورپ کے تمام مورخین نے اس کا نام رستم بن رضا لکها هے - فرانس کے قیام کے بعد اُس نے فرانسیسي زبان میں اسقدر قابلیت حاصل کرلي تهي که آخري عمر میں اپني یاد داشت حیات قلمبند کي - اس یاد داشت میں اُس نے خود اپنے قلم سے اپنے ابتدائي حالات لکهے هیں - جرمن مصنف همیں بتلاتا هے که یه کتاب اسکے پیش نظر هے -

(مهیب آقا اور عجیب غلام !)

گزشته صدي کے اوائل میں روئے زمین پر ایک طوفاني آندهي آئي - اُس نے بادشاهوں کے تخت اُلٹ دیے - تاجداروں کے تاج گرا دیے - یه ایک مهیب جبار تها جس کے سامنے تمام یورپ سر بسجود هوگیا تها - اِس مهیب آقا کے ساتهه همیشه ایک عجیب و غریب غلام بهي دیکها جاتا تها - مهیب آقا نپولین تها ' اور عجیب الهیئت غلام رستم تها !

رستم بن رضا کوفان سنه ۱۷۸۲ع میں تفلیس (قوقاز) میں پیدا هوا - اُس کا بچپن کوه قاف کے مرغزاروں میں بسر هوا تها لیکن زمانے کے انقلابات نے اُس کے دل و دماغ پر اُس سرزمین کے حسن و جمال طبیعت کا کوئي اثر باقي نهیں چهوڑا - وه نه تو شاعر هوا ' نه مصور - اُس کي قسمت میں ایک عجیب انسان کا عجیب غلام بننا تها !

نپولین کے سکریٹری مینول نے اپنے روز نامچے میں لکها هے :

" رستم کا باپ طبیب تها - بعض مورخین نے اُسے تاجر بهي بتایا هے - اُس کے چار اولاد تهي - انمیں ایک رستم تها - سنه ۱۷۹۵ - تک وه اپنے والدین کے ساتهه رها "


رستم بن رضا

خود رستم نے اپني یاد داشتوں میں لکها هے که وه اپني ماں سے از حد محبت رکهتا تها - یهي محبت اُس کي تمام مصائب کا سبب هوئي - باپ نے اُسے گهر سے نکال دیا اور وه آوره گردوں کي طرح گاؤں گاؤں پهرنے لگا - اتفاق سے اُسي زمانے میں وهاں کے اُمراء میں خانه جنگي شروع هوگئي - رستم اس جنگ میں قید هوگیا ' اور بهت دنوں تک ایک قلعه میں بند رها - پهر وهاں سے بهاگا تا که اپني ماں کي کفالت کرے - اب وه اپنے شوهر سے علحده هوگئي تهي اور چهوٹے چهوٹے بچے ساتهه لے کر کسي طرف چلي گئي تهي - بهت تلاش کے بعد رستم نے ماں کا پته لگالیا اور اُس کے ساتهه رهنے لگا - کچهه عرصه کے بعد اُس نے اراده کیا که کسي شهر میں جاکر آباد هو جاے اور اپنے خاندان کي پرورش کا انتظام کرے - وه سب کو ساتهه لے کر چل دیا ' مگر راستے میں برده فروش قزاقوں نے گهیر لیا ' اور پورا قافله گرفتار هو گیا - برده فروشوں سے ایک مالدار عورت نے رستم کو خرید لیا اور اپنا لڑکا بنا کر گهر میں رکها - لیکن اُس کے شوهر کو گهر میں اِس خوبصورت نوجوان کي موجودگي ناگوار هوئي - اُس نے مصر کے ایک امیر کے هاتهه بیچ ڈالا -

مصري امیر رستم کو مصر لایا - پهر اپنے ساتهه مکۂ معظمه لے گیا - حج کے بعد دونوں شام کے راستے واپس هوئے - مگر ابهي راه هي میں تهے که معلوم هوا ' نپولین نے مصر پر قبضه کر لیا هے - امیر نے فیصله کیا که مصر نه جائے اور اپنے دوست احمد باشا جزار والي

عکا کے یہاں قیام کرے - رستم نے لکھا ہے کہ احمد پاشا نے اپنی دوستی کا حق اِس طرح ادا کیا کہ مصری امیر کو زہر دے کر مار ڈالا !

(نپولین تک رسائی)

رستم نے اب اپنے سامنے ایک نئی مصیبت دیکھی - مجبوراً مصر بھاگ گیا - مصر میں ایک دوست نے اُسے مشہور خاندان بکری کے سجادہ نشین شیخ السادات کی خدمت میں پیش کر دیا - شیخ اُسے دیکھہ کر بہت خوش ہوا اور اپنے غلاموں کا افسر بنا دیا -

شام کے حملے سے واپسی پر نپولین کے استقبال کیلیے مصر کے تمام اُمراء شہر کے باہر کھڑے تھے - سید بکری بھی موجود تھے - وہ نپولین کی سواری کے لیے ایک گھوڑا بھی لے گئے تھے - گھوڑے کی لگام ' رستم کے ہاتھہ میں تھی - نپولین نے گھوڑا شکریہ کے ساتھہ قبول کر لیا - چند دن بعد دو غلاموں کی فرمائش کی - سید بکری نے دو غلام حاضر کر دیے - انہی غلاموں میں ایک رستم تھا - نپولین نے اپنی خدمت میں لیتے وقت رستم کو ایک مرصع تلوار اور طلائی دستے کے دو طپنچے عطا کیے -



شیخ خلیل بکری نقیب السادات مصر
جس کے ذریعہ نپولین کو رستم ملا

(فرانس میں داخلہ)

فرانس کی واپسی میں رستم بھی نپولین کے ساتھہ تھا - راستے میں کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا - البتہ ایک دن نپولین کے ساتھیوں نے سنانے کیلیے کہدیا کہ " جنرل تمہیں اِس لیے ساتھہ لیے جاتا ہے ' تاکہ پیرس کے جلسے میں تمہاری بھینٹ چڑھائے " سادہ لوح غلام ڈر گیا ' اور واویلا مچانا شروع کر دیا - نپولین نے سنا تو بہت ہنسا - اور وہ تمام رقم اُسے بخش دی ' جو دوران سفر میں اپنے ساتھیوں سے جوئے میں جیتی تھی !

نپولین نے رستم کو مارسیلز میں چھوڑ دیا - ہر طرف لوگوں کی نظریں اُس پر پڑتی تھیں - عورتیں تو اسپر ٹوٹ پڑیں - اسکے عجیب مشرقی اطوار اور چرکسی چشم و ابرو انکے لیے نئی قسم کی چیز تھی - چند دن بعد نپولین کا اسباب لیکر وہ پیرس روانہ ہوا - راستے میں ڈاکو مل گئے ' اور تمام اسباب لوٹ لیا - رستم کی مرصع تلوار اور چھہ ہزار فرنک کی تھیلی بھی چھین لی -

جوزیفائن ' نپولین کی بیوی ' رستم کو دیکھہ کر بہت خوش ہوئی اور اپنی خدمت میں قبول کر لیا - بعد میں لوگوں نے اِس پر طرح طرح کی چہ میگوئیاں کیں - کہا گیا کہ جوزیفائن غلام پر عاشق ہے - اِسی قدر نہیں بلکہ یہاں تک کہا گیا کہ نپولین رستم کو محض اِسی نیت سے لایا تھا ' تاکہ جوزیفائن کیلیے دلچسپی کا سامان مہیا کر دے ' اور خود اُس کی نگرانی اور رشک سے آزاد ہو جائے -

(رستم اور پیرس)

کچھہ ہی سبب ہو ' لیکن پیرس میں رستم کے ظہور نے نپولین کی عظمت میں غیر معمولی اضافہ کردیا تھا - رستم اپنے بیش قیمتی لباس میں " قنصل " (نپولین) کے ساتھہ ساتھہ پھرا کرتا تھا اور پیرس کی مخلوق اُسے دیکھہ کر متحیر رہجاتی تھی !

قنصل مقرر ہونے کے بعد نپولین اُس محل میں اٹھہ گیا ' جو حکومت نے اُسے دیا تھا - رات کو اُس کے خاص کمرے کی نگہبانی رستم ہی کے ذمے تھی - وہ رات بھر دروازے پر پڑا رہتا تھا ' اور کسی کو اندر جانے نہیں دیتا تھا -

ایک دن جوزیفائن کو معلوم ہوا کہ نپولین کے ساتھہ ایک عورت موجود ہے - وہ غصے میں بھری ہوئی اٹھی اور کمرے میں گھس پڑنا چاہا - مگر رستم دروازے پر سو رہا تھا - اُس کے خراٹے اتنے بلند اور خوفناک تھے کہ جوزیفائن ڈر گئی - شمع ہاتھہ سے گر پڑی ' اور بدحواس الٹے پاؤں بھاگی !

دن کے وقت رستم کے فرائض یہ تھے کہ صبح اپنے آقا کو حجامت میں مدد دیتا تھا - نپولین نہایت تنگ مزاج تھا - بار بار چلا اٹھتا تھا " گدھے ! آئینہ سیدھا کر - خوش قسمتی سے تیرا آقا مصری نہیں ہے ورنہ گردن اڑا دیتا ! " حجامت کے بعد اپنے آقا کو نہلاتا تھا - پھر اُس کے ساتھہ دفتر جاتا تھا اور ایک لمحہ کیلیے بھی جدا نہیں ہوتا تھا -

کلیبر کہتا ہے :

" نپولین نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی - لیکن وہ اپنی فیاضی سے دوسروں کی محبت خرید لیا کرتا تھا - ہمیشہ جوئے میں اپنی تمام جیت ' رستم کو دیدیا کرتا - ایک مرتبہ پانچ دن کے اندر تین ہزار فرنک رستم کو مل گئے - اِس تقرب کی وجہ سے تمام خادم رستم پر حسد کرنے لگے تھے - صرف خادم ہی نہیں ' بہت سے بڑے بڑے آدمی بھی جلتے تھے - اُن کا خیال تھا - رستم کی یہ تمام قدردانی صرف اِس لیے ہے کہ وہ اُس کے دشمنوں کو خفیہ قتل کر ڈالتا ہے -

رستم نپولین کے ساتھہ سایہ کی طرح لگا رہتا تھا - حتی کہ فوج کی قواعد کے وقت بھی آقا کے گھوڑے کے پہلو میں اُس کا عربی گھوڑا نمایاں نظر آتا تھا - گھوڑے پر چیتے کی کھال کا زین ہوتا تھا - زین پر سونے کا کام تھا - خود رستم کا لباس ' ریشم کا کارچوبی ہوتا - دور دور تک اُس کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کر دیتی تھی - وہ اِس قدر شاندار ہوتا تھا کہ رستم ' عرب پادشاہ معلوم ہوتا تھا ' اور نپولین اُس کا فرنگی سپہ سالار - تھیٹر میں بھی وہ نپولین کے پہلو میں بیٹھتا تھا - تمام نظریں غلام کی شان و شوکت کے تماشہ میں محو ہوجاتی تھیں ! "

جب کبھی وہ راستے میں تنہا ہوتا ' مخلوق ہجوم کرکے ساتھہ ہوجاتی - مسرت کے نعرے بلند ہونے لگتے - اپنے فاتح آقا کی طرح یہ غلام بھی اپنی عظمت و غرور میں مدہوش رہتا تھا - وہ بالکل پروا نہ کرتا کہ لوگ اُس کی تعریف میں نعرے لگا رہے ہیں ' یا تضحیک کر رہے ہیں !

(رستمي فيشن)

پيرس کي نازنينوں کے ليے رستم ايک متحرک فتنہ بن گيا تھا ـ وہ اُن کی نظر ميں مشرقي حسن و جمال کا ايک پر اسرار پيکر تھا - يہاں تک کہ اُس کے لباس کي بھي نقل اتاري جانے لگي - پيرس کا سب سے زيادہ مقبول فيشن " رستمي فيشن " ھوگيا - خود جوزيفائن اِس لباس پر فخر کرتي تھي - فرانس سے نکل کر يہ فيشن جرمني پہنچا ' اور لويزا ملکۂ پروشيا تک نے اختيار کرليا - عورتوں کي طرح مرد بھي اس کي تقليد کرنے لگے تھے - يہ بيماري ايسي عام ھوئي کہ خود نپولين بھي مبتلا ھوگيا - اُس نے بھي رستم کا سا لباس اپنے ليے بنوايا تھا اور بڑے بڑے جلسوں ميں پہن کر جاتا تھا !

اُس عہد کے ماھر مصوروں نے رستم کي تصويريں اُتاريں - اخبارات و رسائل نے خاص اھتمام سے شائع کيں - پورے يورپ ميں اُس کي شہرت عام ھوگئي -

جب نپولين کي تاج پوشي قريب آئي ' تو اُس نے درباري درزي کو حکم ديا کہ رستم کے ليے بيش قيمت خلعت طيار کرے - يہ خلعت اس قدر گرانقدر تھا کہ صرف کوٹ پر سات ھزار تين سو فرنک خرچ ھوے تھے - جوتے کي قيمت ايک سو بيس فرنک تھي - يہ رقم اُس زمانے ميں ايک شاھي لباس ھي پر خرچ ھو سکتي تھي !

تاج پوشي کے جلوس ميں رستم اپنے خاص لباس ميں ملبوس شہنشاہ کے پہلو بہ پہلو چل رھا تھا - وہ خود بھي اپنے گھوڑے پر ايک شہنشاہ معلوم ھوتا تھا - ھر طرف اُس کے اعزاز ميں تاليوں کا شور بلند تھا !

(منتہاء عروج)

رستم نے اپني زندگي کے بہترين ايام شہنشاہ نپولين کے زير سايہ بسر کيے - دربار ميں اُسے اتنا عروج حاصل تھا کہ خاص و عام سب حسد کرتے تھے - نپولين جب کوئي شہر فتح کرتا تھا تو شاھي گاڑي ميں فاتح کے پيچھے رستم ھي بيٹھتا تھا - نا واقف اُسے سلطنت کا رکن اعظم خيال کرتے تھے - بہت سے لوگ اُس کي خوشامديں کرتے ' تا کہ اس کے ذريعہ نپولين کي خوشنودي حاصل کرليں !

جب نپولين پيرس ميں ھوتا تو رستم کو دو گھنٹے تفريح کي اجازت ملتي - وہ اپنے اُن دوستوں سے ملنے جايا کرتا جن کے يہاں خوبصورت عورتيں ھوتيں - ليکن ميدان جنگ ميں اُسے ايک لمحہ کي بھي فرصت نہيں ملتي تھي - کيونکہ اُس کے فرائض ھر لمحہ اُسے شہنشاہ کے ساتھہ رھنے پر مجبور کرتے تھے - رھي اس کے ليے کھانے کا بھي انتظام کرتا تھا -

نپولين کے کھانے کا کوئي وقت مقرر نہ تھا - بسا اوقات وہ کھانے بغير ھي سو جاتا - ايک مرتبہ ايسا ھوا کہ نپولين آدھي رات کو اپنے بستر پر گيا اور کھانا طلب نہ کيا - رستم نے خيال کيا ' اب وہ کھانا نہيں کھائيگا - اس نے بھني ھوئي مرغي خوشي خوشي کھانا شروع کردي - ليکن ابھي آدھي مرغي بھي کھانے نہيں پايا تھا کہ نپولين نے کھانا مانگا - رستم بہت گھبرايا ' مگر اب کر ھي کيا سکتا تھا ؟ رھي بچي ھوئي مرغي ليکر حاضر ھوگيا - نپولين دير تک مرغي ديکھتا رھا - پھر غلام پر غضبناک نظريں ڈاليں اور کہا " ميں نہيں جانتا تھا کہ بعض مرغيوں کا صرف ايک ھي بازو اور ايک ھي ٹانگ ھوتي ھے - مجھے کبھي اِس بات کا وھم بھي نہيں گزرا تھا کہ دوسروں کا جھوٹا کھانا پڑيگا ! "

رستم ڈر گيا - رنگ فق ھوگيا - کانپتي ھوئي آواز ميں کہنے لگا " مہربان آقا ! ميں بہت بھوکا تھا - پہلے ارادہ صرف ران کھانے کا تھا - مگر افسوس - بازو بھي ميں نے کھا ليا ! " نپولين چپ ھوگيا ' اور مرغي کھالي ' صبح اُس نے ايک سپہ سالار کو بعض احکام دينے کيليے طلب کيا - رستم بھي سامنے کھڑا تھا - نپولين نے سپہ سالار سے کہا " تم نے کچھہ سنا ؟ کل رات ميں نے آقائے رستم کا پس ماندہ کھايا تھا ! ملعون ! ادھر آ - ميں تيرے کان ملونگا - خبردار ' پھر کبھي ايسي حرکت نہ کرنا ! " يہ کہکر نپولين زور سے ھنس پڑا -

(شادي)

رستم ' اپنے آقا کو روز پيرس کي عورتوں سے اپنے عشقيہ معرکوں کي داستانيں سنايا کرتا تھا - نپولين کو ان واقعات سے بڑي دلچسپي ھوتي تھي اور وہ غلام کي ھمت افزائي کيا کرتا تھا - آخر رستم کا يہ شرق رنگ لايا - اور وہ ايک عورت پر عاشق ھوگيا - اُس نے شہنشاہ سے شادي کي درخواست کي - نپولين نے پوچھا " وہ کچھہ مالدار بھي ھے ؟ " رستم نے جواب ديا " جب تک حضور کے قدموں سے لگا ھوں ' مجھے مال کي کيوں فکر ھو ؟ " نپولين کو يہ جواب پسند آيا اور شادي کي اجازت ديدي -

يکم فروري سنہ ۱۸۰۶ع ميں الکزندرائن دوربل سے رستم کي شادي ھوگئي - خود شہنشاہ جلسہ ميں شريک ھوا ' اور تمام خرچ اپني جيب خاص سے ادا کيا - شادي کے ايک برس بعد لڑکا پيدا ھوا - رستم نے اُس کا نام ايشيل رکھا - نپولين کو يہ بچہ بہت پيارا تھا - اکثر بلا کر اُس سے کھيلا کرتا تھا - جب وہ لوٹتا تھا ' تو اُس کي دونوں مٹھيوں ميں اشرفياں ھوتي تھيں !

نپولين کو رستم اِس قدر عزيز تھا کہ سفر اٹلي کے موقعہ پر جب وہ بيمار ھوگيا تو نپولين نے چلتے وقت اُس سے کہا " رنج نہ کرنا - ميں جلد واپس آونگا - ميري بيوي تمھاري خبر ليگي - "

خود رستم نے اپني ياد داشت ميں لکھا ھے کہ شہنشاہ اُس پر بے حد مہربان تھا - شروع ميں نپولين نے اُس کي کوئي تنخواہ مقرر نہيں کي تھي - ايک دن اتفاق سے ياد آگيا تو فوراً ۱۲۰۰ فرنک مقرر کر ديے - تھوڑي ھي مدت بعد يہ رقم دوگني کردي گئي - يعني ۲۴۰۰ فرنک ملنے لگے - نيز ۲۴۰۰ فرنک شکار ميں بادشاہ کي بندوق اٹھانے کيليے ' اور ۹۰۰ فرنک دائمي انعام کے طور پر بھي ملتے تھے - اسکے علاوہ کھيل ميں جسقدر روپيہ نپولين جيتتا تھا ' سب اسے ديديتا تھا - عيدوں اور جشنوں کے موقعہ پر بھي بہت کچھہ ديتا تھا - چنانچہ ۲۰۰۰ فرنک سنہ ۱۸۰۸ع ميں ديے - ۳۰۰۰ سنہ ۱۸۱۰ ميں ديے - ۴۰۰۰ سنہ ۱۸۱۱ع ميں ديے - ۶۰۰۰ سنہ ۱۸۱۳ع ميں ديے - ۶۰۰۰ سنہ ۱۸۱۴ع ميں ديے - پھر معزولي سے پہلے ايک مرتبہ يکمشت ۵۰۰۰۰ فرنک عطا کيے !

(رستم کا خاتمہ)

ليکن افسوس ھے کہ مصيبت کے وقت رستم بے وفا ثابت ھوا - آقا کے تمام احسانات بھول کر اُس سے رخ پھير ليا !

۶ اپريل سنہ ۱۸۱۴ ميں نپولين کو تخت سے دست بردار ھونا پڑا تھا - وہ جب جزيرۂ البا کي طرف روانہ ھونے لگا ' تو رستم ' بلا اجازت اپني بيوي سے مشورہ کرنے چلا گيا - بيوي شريف تھي -

اُس نے کہا " تمھارا فرض ہے کہ اِس نازک وقت میں اپنے مہربان آقا کا ساتھہ نہ چھوڑو " نپولین کو امید نہیں تھي کہ رستم لوٹیگا - مگر دوسرے دن دیکھا تو وہ موجود تھا - اُس نے اپنے بلا اجازت چلے جانے پر افسوس و ندامت کا اظہار کیا اور نپولین کا دل اُسکي طرف سے صاف ہوگیا -

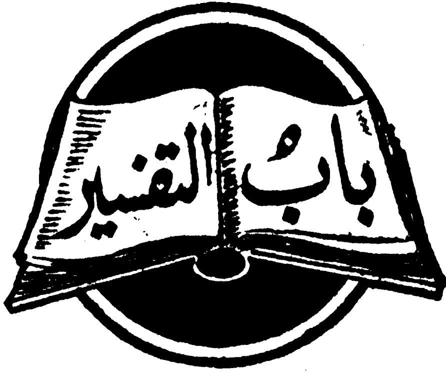
اِسي اثنا میں نپولین نے اپني ناکامیوں سے مضطرب ہوکر زہر کہا لیا ' مگر ڈاکٹروں نے اُسکي جان بچالي - ایک دن اُس نے رستم سے پستول طلب کیا - رستم نے مارشل برتیہ سے مشورہ کیا - مارشل نے کہا جو جي میں آئے کرو - میں کوئي مشورہ نہیں دونگا - لیکن بعض دوستوں نے کہا - اگر شہنشاہ خود کشي کرلیگا تو دنیا تمھیں کو الزام دے گي - کہا جائیگا ' تم نے دشمنوں سے رشوت لیکر پستول نپولین کے حوالہ کردیا - تاکہ وہ خود کشي کرلے -

اِس واقعہ کو رستم نے حیلہ بنایا ' اور نپولین سے ہمیشہ کے لیے علحدہ ہوگیا - جلا وطن ہوتے وقت شہنشاہ نے اپنے غلام کي بابت سوال کیا - اور جب اُس کي بے وفائي کا حال سنا تو قدرتي طور پر بہت رنجیدہ ہوا -

رستم کي بے وفائي اِسي پر ختم نہیں ہوگئي ' بلکہ وہ دو مرتبہ انگلستان بھي گیا - وہاں نپولین کے دشمنوں کے سامنے اپنا شاہي خلعت پہنکر جایا کرتا تھا - انگریزوں کے ہاتھہ اُس نے اپنے آقا کي بہت سي یادگاریں بھي بیچ ڈالیں - اِنھي میں سونے کا ایک ٹکڑہ بھي تھا - اِس پر لکھا تھا " نپولین کي یادگار اپنے وفادار غلام رستم کے لیے "

۷ - دسمبر سنہ ۱۸۴۵ع کو اُس کا انتقال ہوا - اُس کي قبر ابتک پیرس میں موجود ہے ' اور اُس پر یہ عبارت کندہ ہے : "یہاں شہنشاہ نپولین کا غلام رستم رضا سو رہا ہے "

اُس کي زندگي ہي میں اُس کے دونوں لڑکے مرچکے تھے - صرف بیوہ اور ایک لڑکي باقي رہي - لڑکي کي شادي ایک فرانسیسي تاجر سے ہوگئي تھي -



حجۃ ابراهیمی

آیۂ کریمہ " الم تر الي الذي حاج ابراهیم " کي تفسیر

قرآن حکیم کا اُسلوب بیان اور طریق استدلال

تفسیر کا قرآني اور غیر قرآني طریقہ

(از مولانا ابو الکلام)

(۳)

افسوس ہے کہ محل اِس کا متحمل نہیں کہ مثالوں کے بیان میں اطناب سے کام لیا جائے - ورنہ آپ دیکھتے کہ تفسیر قرآن کا کوئي گوشہ بھي ایسا نہیں ہے جو اس غیر قرآني طریق تفسیر سے متاثر نہ ہو چکا ہو ' اور اصلیت پر بے شمار پردے نہ پڑگئے ہوں - اگر آپ صرف امام راغب اصفہاني کي مفردات ہي اُٹھا کر دیکھہ لیں جو آج کل کے نئے محققین قرآن میں سے اکثر کا توشۂ عام ہے ' تو آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ نہ صرف قرآن کے مطالب و دلائل کي صورت بدل دي گئي ہے ' بلکہ اُسکے تمام الفاظ کے لیے بھي ایک نیا فلسفیانہ قاموس ترتیب دیدیا گیا ہے ' اور وہ چیز جسے اپنے " عربي مبین " ہونے پر ناز تھا ' اب ایک مشکل ترین عجمي چیستاں بلکے رہگئي ہے !

(آیۃ زیر تدبر)

اب جب کہ یہ تمہیدي مطالب ایک حد تک واضح ہوگئے ہیں ' آیۂ زیر تدبر کي تفسیر نہایت سہل ہے - چند سطروں کے اندر تمام مشکلات دور ہو جائینگي - البتہ تفسیر سے پہلے چند مبادیات کي مختصراً تشریح اب بھي ضروري ہے :

(۱) اس آیت میں قرآن حکیم نے حضرت ابراهیم علیہ السلام اور اُن کے عہد کے ایک انسان کا مکالمہ نقل کیا ہے - سب سے پہلي اور بنیادي غلطي جس کي وجہ سے تمام مشکلیں پیدا ہوگئي ہیں ' یہ ہے کہ مکالمہ کي نوعیت ہی غلط سمجھہ لي گئي ہے - آیت میں " حاج " کا لفظ آیا ہے : الم تر الي الذي حاج ابراهیم في ربہ - یعنے کیا تمھیں اُس آدمي کا حال معلوم نہیں جس نے ابراهیم سے پروردگار عالم کے بارے میں حجت کي تھي ؟ چونکہ مفسرین متکلمین کے دماغ میں منطقي طریق مناظرہ و حجت بسا ہوا تھا ' اور انبیاء کرام کے حجج و براهین فطریہ کو بھي وهي جامہ پہنانا چاهتے تھے ' اس لیے انھوں نے اس مکالمہ کو " مناظرہ " مصطلحۂ منطق قرار دیدیا ' اور پھر لگے فن مناظرہ کے تمام اصول و اداب اُس پر

منطبق کرنے ' اور جب منطبق نہ ہوسکے تو لا یعنی اور دور ازکار توجیہیں کرنے لگے - حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں سب سے پہلی بات جو کہتے ہیں ' یہی ہے کہ " و القصة الاولی مناظرة ابراهیم صلی اللہ علیہ وسلم مع ملک زمانہ " (جلد ۲ : ۳۱۷) جونہی اُنھوں نے اس معاملہ کو " مناظرہ " کے لفظ سے تعبیر کیا ' حقیقت سے الگ ہوگئے ' اور پہلا قدم ہی اُلٹا پڑ گیا - اب جس قدر آگے بڑھتے جاتے ہیں ' حقیقت سے زیادہ دور ہوتے جاتے ہیں ' اور یکے بعد دیگرے اُلجھاؤ پر اُلجھاؤ پڑتے جاتے ہیں - اُنھوں نے اپنی عادت کے مطابق " المسئلة الاولی " اور " المسئلة الثانیہ " اور " الاشکال الاول " اور " الاشکال الثانی " کا سلسلہ یہاں بھی پوری قوت اور وضاحت کے ساتھ جاری رکھا ہے ' لیکن جب جواب کا موقعہ آیا ہے ' تو پانچ پانچ اور چھ چھ وجوہ اشکال بیان کرنے کے بعد ایک شافی جواب بھی نہیں دے سکتے ' اور ایک ایسے طریقہ سے جو پڑھنے والے کو حیرت و ارتیاب میں غرق کردیتا ہے ' رخصت ہو جاتے ہیں !

امام رازی کے بعد جس قدر مفسرین پیدا ہوئے ' سب نے اس مکالمہ پر اسی حیثیت سے نظر ڈالی - البتہ حافظ عماد الدین ابن کثیر جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے تلامذہ میں سے ہیں ' اس سے مستثنی ہیں - وہ سلف کے طریق تفسیر سے آشنا ہوچکے تھے ' اس لیے ان مو شگافیوں میں نہیں پڑے - بلکہ صاف صاف کہدیا " وهذا التنزيل علي هذا المعني احسن مما ذكره كثير من المنطقيين " (حاشیہ فتح البیان جلد ۲ : ۱۵۹) یعنی یہ مطلب اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے جو بہت سے منطقیوں نے قرار دیا ہے - لیکن افسوس ہے کہ منطقیوں کے طریقہ سے الگ رہکر بھی وہ پوری طرح اُن کی لغزشوں سے محفوظ نہ رہسکے - یعنی اس اُلجھاؤ سے وہ بھی نہ نکل سکے جو حضرت ابراہیم کے ایک دلیل چھوڑ کر دوسری دلیل اختیار کرنے کے معاملہ میں پڑ گیا تھا -

یہ بات معلوم کرنے کیلیے کہ متاخرین کی پیدا کی ہوئی مشکلات سے متقدمین کس طرح محفوظ تھے ' امام ابن جریر طبری کی تفسیر پر نظر ڈالیے جو محدثین کے صاف اور سادہ طریق پر روایات جمع کر دیتے ہیں - انھوں نے سرے سے یہ فتنہ انگیز لفظ " مناظرہ " استعمال ہی نہیں کیا ہے - وہ " حاج ابراهيم في ربه " کا ترجمہ " الذي خاصم ابراهيم في ربه " کرتے ہیں ' جو في الحقیقت اس محل کیلیے خود قرآن کا بتلایا ہوا لفظ ہے ' اور پھر سیدھا سادھا مطلب بیان کرکے خاموش ہو جاتے ہیں -

یہ واضح رہے کہ ہمیں یہاں مناظرہ کے لغوی اطلاق سے اختلاف نہیں ہے ' بلکہ اصطلاحی اور وضعی اطلاق سے اختلاف ہے - وضعی علوم کی اصطلاح میں " مناظرہ " ایک خاص فن ہے جسمیں مباحثہ کے اصول و آداب وضع کیے گیے ہیں ' اور اس کا مقصود اِسکات خصم ہے - یعنی جھگڑنے والے کو چپ کرا دینا - نہ یہ کہ اسکے شکوک دور کردینا - نہ صرف یہ کہ انبیاء کرام کا طریق بیان یہ نہیں ہوتا ' بلکہ قرآن بتلاتا ہے کہ کسی طالب حق کا بھی طریقہ یہ نہیں ہونا چاہیے - کیونکہ یہ طلب حق اور علم حقیقت کی راہ نہیں ہے - " جدل " اور " خصومت " کی راہ ہے - اب غور کیجیے - یہ کیسی مصیبت ہے کہ جس طریق بحث و کلام کو قرآن مذموم ٹھہراتا ہے - اسی کو ہمارے مفسرین متفلسفین محمود و مطلوب قرار دیتے ہیں ' اور قرآن کے تمام دلائل اور انبیاء کرام کے تمام مکالمات و مخاطبات کو اُسی شکل و صورت میں آراستہ کرنا چاہتے ہیں ' اور پھر ذہن کی اس کجی اور فکر کے اس مرض کو علم و معرفت کی ایک ایسی عظمت سمجھتے ہیں ' جیسے ابراہیم خلیل علیہ الصلوۃ و السلام کے منہ سے نکلوا دینا ' انکی بزرگی کی بڑی ہی دلیل اور اُنکے مرتبۂ نبوت و خلت کی بڑی ہی خوبروئی ہے !

اس سے بھی بڑھکر اعجب العجائب معاملہ یہ ہے کہ قرآن حکیم اس مقام پر جس حقیقت کا اعلان کر رہا ہے ' وہ یہی ہے کہ انبیاء کرام کا طریق دعوت ' " ہدایت " کا طریقہ ہوتا ہے - " جدل " و " خصومت " کا نہیں ہوتا - چنانچہ حضرت خلیل نے با وجود اسکے کہ ایک الد الخصام کج بحثی کرنے لگا تھا ' سر رشتۂ ہدایت ہاتھہ سے نہ چھوڑا ' اور مجادلانہ نزاع کی جگہ طریق ہدایت سے اُسے اعتراف حق پر مجبور کر دیا - لیکن متکلمین ہیں کہ عین اسی مقام کو مجادلانہ انداز استدلال کی شکل دے رہے ہیں ' اور بڑی کوہ کندنیوں اور کاہ براوردنیوں کے بعد ثابت کر دینا چاہتے ہیں کہ اصل حقیقت یہ نہیں ہے - بالکل اس سے اُلٹی ہے - یعنی طریق ' طریق جدل اور مناظرہ ہے - نہ کہ ارشاد الی الحق اور ہدایت الی المقصود !

تفسیر کبیر کا یہ پورا مقام پڑھ جاییے - معلوم ہوتا ہے ' حضرت خلیل اور نمرود کا مکالمہ منطقیوں کی ایک اچھی خاصی مجلس مناظرہ ہے - ایک طرف نمرود بیٹھا ہے ' اور ایک پختہ کار فلسفی کی طرح شفا اور اشارات کے تمام مباحث رٹ چکا ہے - دوسری طرف حضرت ابراہیم ہیں ' اور امام رازی اور قاضی عضد کے علم کلام کا ایک ایک لفظ نوک زبان رکھتے ہیں - نمرود ایک سوال کرتا ہے - یہ اُس کا جواب دیتے ہیں - وہ ان کے جواب کا توڑ کرتا ہے ' اور نئے مقدموں میں اُلجھانا چاہتا ہے - یہ ایک شاطر مناظر کی طرح فوراً پیترا بدلتے ہیں ' اور اُنہی مقدمات کے داؤ سے اُسے گرا دینا چاہتے ہیں - وہ سبب اور واسطہ کے طرف رخ کرتا ہے - یہ حرکت افلاک کا پیچ کس دیتے ہیں - سبحان اللہ ! حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت نبوت نہ ہوئی - میر زاہد اور سیالکوٹی کا مباحثہ ہوگیا ! حاشا و کلا کہ انبیاء کرام جو تلاوت آیات اور تعلیم کتاب و حکمت کے لیے آتے ہیں ' یہ مجادلانہ انداز سخن اور مخاصمانہ طریق مخاطبت رکھتے ہوں - اگر ایک لمحہ کے لیے بھی یہ طریق تفسیر تسلیم کر لیا جاے تو ساتھہ ہی یہ بھی تسلیم کر لینا پڑیگا کہ دنیا کے سارے نبیوں اور رسولوں کی سب سے بڑی بڑائی یہ تھی کہ وہ منطقی اور متکلم ہوں - لیکن اگر یہی معیار نبوت ہے ' تو دنیا کا سب سے بڑا نبی ارسطو تھا جس نے سب سے پہلے منطق کے اصول و قواعد سے دنیا کو آشنا کیا ' نہ کہ ابراہیم خلیل اور محمد بن عبد اللہ علیہما الصلوۃ و السلام ' جن کا لکھنے پڑھنے کے طریقے سے آشنا ہونا بھی ثابت نہیں !

(۲) اب غور کیجیے - اس مکالمہ کو " مناظرہ " قرار دیکر کس طرح انھوں نے اپنے آپکو مشکلات کے حوالہ کر دیا ہے ؟ اگر یہ " مناظرہ " ہے ' اور حضرت ابراہیم کی بڑی فضیلت یہی ہے کہ مناظرین کی طرح مخاطب کو سخن پروری میں ہرا دیں ' تو ضروری ہے کہ مناظرہ کے جو اصول و آداب وضع کیے گئے ہیں ' اُنھیں کسی نہ کسی طرح اس مکالمہ پر منطبق کیا جاے - مصیبت یہ ہے وہ منطبق نہیں ہوتے - کیونکہ سرے سے یہ مناظرہ مصطلحۂ قوم تھا ہی نہیں - نتیجہ یہ ہے کہ مشکلات کا کوئی تشفی بخش حل نظر نہیں آتا - فن مناظرۂ وضعیہ کے لحاظ سے پہلی چیز فریقین کی حیثیت کا تعین ہے - یعنی اُن میں سے کون مدعی ہے کون منکر - کون مثبت ہے ' کون منفی - پھر مستدل کے واجبات ہیں ' اور

معجیب کے فرائض هیں - جو مدعي هو' اسے دلیل پیش کرني چاهیے - جو منکر هو' اسے تَوڑ کرنا چاهیے - چونکه مقصود اس تمام کارخانه سے اسکات خصم هے - یعني مخاطب کو چپ کرا دینا ' اس لیے تمام اصول و آداب اسي محور کے گرد حرکت کرتے هیں - امام رازي نے جب اسے مناظرہ قرار دیا ' تو ضروري هوا که پوري بات اُسي سانچے میں ڈھال کر دکھا دي جائے - بات اُس سانچے میں ڈھلتي نهیں - بس ساري مشکلیں اسي سے پیدا هو گئي هیں -

آپ خود اپنے استفسار میں لکھتے هیں :

" یه در اصل حضرت ابراهیم علیه السلام اور نمرود کا مناظرہ هے ' جس میں نمرود کي حیثیت خدائي کے مدعي کي هے اور حضرت ابراهیم اُس کے زعم باطل کا بطلان ثابت کرنا چاهتے هیں "

یه جو آپ نے " در اصل مناظرہ هے " کهدیا' بس یهي تمام فساد کي جڑ هے - " مناظرہ هے ' تو حضرت ابراهیم کي حیثیت ایک مناظر کي هے - اگر وہ مناظر هیں ' تو چاهئے که اُن قواعد کلام سے سرمو تجاوز نه کریں جو فن مناظرہ کے ساخته پرداخته هیں - یا مثلاً رشیدیه میں درج هیں - اور چاهیے که بد بخت نمرود بھي اُنهي مقدمات اور مبادیات کے مطابق سرگرم ضلالت و شقاوت هو' جو هم شرح مواقف وغیرہ میں پڑھ چکے هیں ! "

امام رازي اور متکلمین کے اصول تفسیر یهي هیں ' اور آپ بھي اُنهي کے قدم بقدم چلنا چاهتے هیں - سوال یه هے که حضرت ابراهیم " مناظر " مصطلحۂ قوم کیوں هوں ؟ اور اگر وہ مناظر هوں ' تو کیوں اُن تمام گڑھے هوئے قاعدوں کے پابند هوں جو علوم وضیعه کي تدوین کے بعد هم نے اپنے اوپر لازم کر رکھے هیں ؟ کونسي عقل کي قطعیت اور وحي کي تنزیل موجود هے که حضرت ابراهیم کو بھي اُن قواعد کلام کي پابندگي کرني چاهیے جو مناظرہ رشیدیه میں هم رٹ چکے هیں ' یا جنهیں بحر العلوم نے اپنے حواشي میں لکھا هے ؟ " مناظر کے لیے یه جائز نهیں " اور " مستدل کے لیے یه ضروري هے " سوال یه هے که کیوں جائز نهیں ؟ کیوں ضروري هے ؟ اور کیوں ان اصول موضوعه اور قواعد مصنوعه " ما انزل الله بها من سلطان " کے انبیاؤ رسل پابند هوں ؟ کیوں ان کے لیے جائز نه هو که سرمو ان سے تجاوز کریں ؟ کیا مصیبت هے که قرآن عربي زبان میں اُترتا هے - تمام فصحاء قریش اُس کي فصاحت کے آگے سربسجود هو جاتے هیں ' لیکن چار سو برس کے بعد همارے مفسرین بحث کرتے هیں که سیبویه اور کسائي کے بنائے هوئے قواعد کے مطابق وہ ٹھیک هے یا نهیں ؟ چار هزار برس پہلے ایک داعي الی الحق فطرت الهي اور وجدان انساني کے مطابق رشد و هدایت کا دروازہ کھولتا هے ' اور ایک منکر حق کو شک و انکار کي جگه یقین و ایمان کي راہ دکھلا دیتا هے' لیکن پانچویں صدي هجري میں امام رازي آ کر بحث کرتے هیں که منطقي طریق مناظرہ کے مطابق یه مکالمه صحیح هے یا نهیں ؟ اور پھر چودھویں صدي میں آپ آتے هیں اور کهتے هیں که مشکلات حل نهیں هوتیں - مشکلات حل هوں تو کیسے هوں جب صدیوں سے مشکلات هي کو بلاوا دے دے کر سمیٹا گیا هے ' اور اصلیت کي سادگي وضعیت اور صناعت کي کج اندیشیوں اور پیچیدگیوں کے اندر گم هو گئي هے ؟

(۳) ایک دوسري بنیادي غلطي جو یهاں اُلجھاؤ پیدا کر رهي هے ' حضرت ابراهیم کے مخاطب کي اعتقادي حیثیت هے - مفسرین سے ایک سخت تسامح قرآن حکیم کے اُن مقامات کي تفسیر میں هوا هے ' جهاں بابل کے اس پادشاہ کا (جسے نمرود کهتے هیں) اور مصر کے فرعون کا (جو کچھه بھي اُس کا نام هو) ذکر کیا گیا هے - قرآن حکیم نے اُن کا ذکر ایسے لفظوں میں کیا هے ' جن سے معلوم هوتا هے که وہ اُس خدا کے اقرار سے منکر تھے جسکي دعوت حضرت ابراهیم اور حضرت موسی علیهما السلام نے اُنکے سامنے پیش کي تھي ' اور خود اپني خداوندي اور خداوندي کي طاقتوں کا دعوی رکھتے تھے - چونکه مفسرین کے پیش نظر صحیح تاریخي معلومات نه تھیں ' اسلیے وہ صحت کے ساتھه اس انکار اور ادعا کي نوعیت متعین نه کر سکے - یه خیال پیدا هوگیا که یه دونوں پادشاہ اپني خدائي کے اس معني میں مدعي تھے که وهي صانع کائنات هیں - چنانچه دونوں مقامات کے تمام مکالمات و مخاطبات میں فریق ثاني کي یهي اعتقادي حیثیت قرار دي گئي هے اور اسلیے حضرت ابراهیم اور حضرت موسی (علیهما السلام) کے تمام دلائل و ارشادات اسي پهلو سے دیکھے جاتے هیں - چونکه یه بات حقیقت حال کے خلاف هے ' اسلیے اس کي وجه سے طرح طرح کے نئے اُلجھاؤ پیدا هوگئے هیں - واقعه یه هے که نه صرف دنیا کي تاریخي معلومات کي بنا پر' بلکه خود قرآن حکیم کي تصریحات کي بنا پر کها جاسکتا هے که دنیا میں آج تک کسي انسان نے بھي اس معني میں خدا هونے کا دعوی نهیں کیا هے که وهي صانع کائنات هے - ایسا دعوی کرنا ' بلکه ایسے ادعا کا تخیل کرنا فطرت انساني کے اسدرجه خلاف هے که کوئي انساني هستي اِسکي جرأت هي نهیں کرسکتي -

تحریر اندازہ سے زیادہ بڑھتي چلي جاتي هے ' اسلیے اس مقام کے دلائل و مباحث درج نهیں کیے جا سکتے - حقیقت حال سمجھنے کیلیے حسب ذیل اشارات کافي هونگے :

اولاً ' نوع انساني نے خدا کي صفات کے تصور میں جو ٹھوکریں کھائي هیں ' من جمله اُن کے ایک عالمگیر گمراهي شاهیت و الوهیت کا تشابه هے - یعني شاهیت کے اختیارات نے بھي ما فوق الفطرت اختیارات کي حیثیت اختیار کر لي تھي - جب کبھي کوئي انسان اپني غیر معمولي جسماني قوتوں سے مخالفوں کو زیر کرکے پادشاہ بن جاتا ' لوگ خیال کرتے ' وہ دیوتاؤں کا انساني مظهر هے ' بلکه خود بھي دیوتا هے - پھر جب شاهیت نے نسل و خاندان کے سلسله کي صورت اختیار کرلي' تو کسي انسان کا شاهي نسل سے هونا ' اس کے دیوتائي رشتوں کي دلیل سمجھا جانے لگا - رفته رفته اس خیال نے پوري طرح ایک عام عقیدہ کي نوعیت پیدا کر لي که پادشاہ انسان نهیں هے - انسانیت سے بلند تر هستي هے - اُسکي طاقت بھي الهي طاقت ' اور اُسکا حکم بھي حکم خداوندي هے -

قرآن حکیم نے بابل اور مصر کے جن دو پادشاهوں کا حال بیان کیا هے ' اُنکي اور اُن کے قوم کي گمراهي یهي تھي - وہ اپني قوم میں ایک دیوتا کي طرح مانے جاتے تھے - اس لیے نهیں که اِن دو انسانوں نے خصوصیت سے اسکا دعوی کیا تھا ' بلکه اس لیے که وہ پادشاہ تھے ' اور پادشاہ کیلیے ایسا هي اعتقاد پیدا هو گیا تھا -

ثانیاً ' اس سے یه بات بھي واضح هو گئي که مفسرین کا یه سمجھنا که فرعون اور نمرود نامي دو انسان خدائي کے مدعي تھے ' صحیح نهیں هے - جس طرح کي خدائي کے یه مدعي تھے ' اُس طرح کي خدائي کا اعتقاد اُس عهد کے بے شمار پادشاهوں اور پادشاهي کے سلسلوں کیلیے رہ چکا هے - هندوستان میں بھي پادشاہ کے لیے ایسا هي اعتقاد موجود تھا - حتی که اُن کا سلسله نسب چاند سورج سے ملا دیا گیا تھا - تاتاریوں کي ابتدائي تاریخ بھي

اسکي شہادت ديتي هے - بنو اسرائيل نے جب فلسطين اور شام پر قبضه کيا تو جو قوميں وهاں آباد تهيں ' أن کا بهي اپنے پادشاهوں کي نسبت ايسا هي خيال تها - خود قرآن اور تورات نے حضرت موسى عليه السلام کي مصري زندگي کے جو واقعات بيان کيے هيں ' أن کا تعلق بهي ايک پادشاه سے نہيں هے - دو پادشاهوں سے هے جو يکے بعد ديگرے تخت نشين هوئے تهے - ايک فرعون وه هے جس کے محل ميں حضرت موسى پيدا هوئے - دوسرا وه هے جو أن کا تعاقب کرتا هوا خليج سوئز ميں غرق هوا - اگر فرعون کے ادعاء الوهيت سے مقصود يه هوتا که وه کسي ايک انسان کا شخصي ادعا تها ' تو ظاهر هے ' بغير کسي امتياز کے دونوں کي نسبت ايک هي طرح کي ادعائي ذهنيت قرآن کيوں ظاهر کرتا ؟ دراصل قرآن نے اسي ليے أن کے ناموں کي جگه أن کا عام لقب " فرعون " استعمال کيا - کيوں که کسي ايک پادشاه کا تمرد و طغيان دکهلانا مقصود نہيں تها - تمام فراعنه کا طغيان دکهلانا مقصود تها -

بہر حال قرآن حکيم نے إن دونوں پادشاهوں کا ذکر اس ليے کيا هے که انساني گمراهي کي ايک خاص حالت کا نمونه دکهلا دے - اس نوع کي گمراهي کے ليے يه کامل قسم کے نمونے تهے - اس ليے انهي کو بطور مثال کے چن ليا گيا -

باقي رهے فرعونوں کے وه متکبرانه اور مدعيانه اقوال جو قرآن حکيم نے نقل کيے هيں ' تو أن ميں ايک جمله بهي ايسا نہيں هے جس کا مطلب يه هو که وه اپنے آپ کو خدا بمعني صانع کائنات سمجهتے تهے - چونکه مفسرين نے يهي مطلب ٹهرا ليا تها ' اس ليے ان کي نظر آيات کے صاف صاف مطلب کے طرف نہيں گئي - دوسري واديوں ميں پهنچ گئے - ليکن يه محل تفصيل کا نہيں هے -

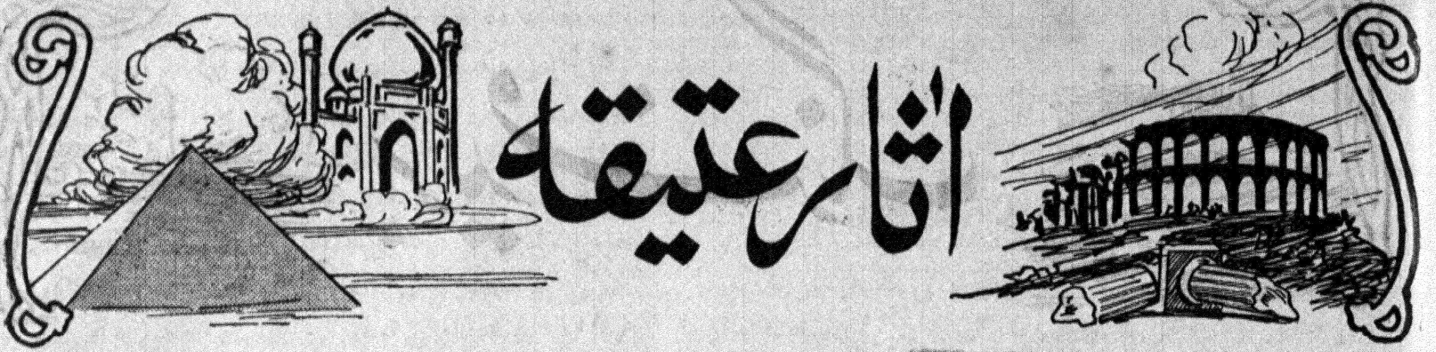
ثالثاً ' آيت زير تدبر ميں جس پادشاه کا ذکر کيا گيا هے ' أس کي شخصيت بهي صحيح طور پر متعين نہيں کي گئي - عام طور پر مشہور هے که وه نمرود تها - ليکن بابل اور نينوا کے آثار قديمه سے جس قدر معلومات فراهم هوچکي هيں ' أن سے اس خيال کي تصديق نہيں هوتي - " نمرود " سے مقصود وه پادشاه هے ' جس کے خاندان نے سب سے پہلے بابل پر حکمراني کي تهي - اس خاندان کا سب سے زياده مشہور شخص " آور " پنجم تها جس کے سوانح حيات کي منقش اينٹيں جرمن وفد کي کوششوں سے سنه ۱۹۰۴ع ميں برامد هوئي هيں - إن اينٹوں کي عبارت سے جو خط مسماري ميں کنده هيں ' معلوم هوتا هے که نمرود اور أسکے خاندان کا زمانه دو هزار سات سو برس قبل مسيح تها - اگر تورات کے سنين تسليم کرليے جائيں ' تو حضرت ابراهيم عليه السلام کا زمانه دو هزار تين سو برس قبل مسيح کا زمانه هے - ظاهر هے که إس حساب سے حضرت ابراهيم کا ظهور نمرود سے کئي سو برس بعد هوا هے - أن کے زمانه ميں نه صرف نمرود کي ' بلکه أس کے خاندان کي بهي حکومت باقي نہيں رهي تهي -

خاندان نمرود کے دو سو برس بعد بابل ميں ايک نيا سلسلۂ شاهي قائم هوا جسے " ايلامي " خاندان سے تعبير کيا جاتا هے - اس خاندان کا ايک پادشاه دو هزار تين سو برس قبل مسيح بابل ميں حکمراں تها جس کا نام " کادرلا ومر " تها - غالباً يهي پادشاه حضرت ابراهيم کا معاصر تها ' اور اسي سے أن کا يه مکالمه هوا هے - بابل کے آثار ميں اس پادشاه کي تصويريں اور بعض فرامين کي اينٹيں بهي ملي هيں - إن کتبوں سے معلوم هوتا هے که وه نہايت خود سر اور جبار تها - أس کي نسبت يقين کيا جاتا تها که آسماني ديوتاؤں کا قهر و جبروت أس کے اندر مجسم هوگيا هے - يه اوصاف ٹهيک أس متکبرانه انداز سخن کے مطابق هيں ' جو اس مکالمه سے ظاهر هوتا هے -

ايسا معلوم هوتا هے که جس طرح عربوں ميں شاهان روم ' قيصر ' شاهان ايران کسرى ' اور شاهان مصر فرعون کہے جاتے تهے ' اسي طرح بابل کے پادشاهوں کے ليے " نمرود " کا لفظ بطور لقب کے مشہور هوگيا تها - يه تلقب بے اصل بهي نه تها ' کيونکه جس طرح روم ميں سيزر اور ايران ميں خسرو پادشاهوں کا نام رهچکا تها ' أسي طرح بابل کے پہلے فرمانروا کا نام نمرود تها - پس ابتدا ميں جب لوگوں نے يه کہا هوگا که مکالمه نمرود سے هوا ' تو أن کا مقصد يه هوگا که بابل کے ايک پادشاه سے هوا - يه مطلب نه هوگا که نمرود نامي انسان سے هوا تها -

رابعاً ' يوناني مورخوں کے بيانات اور علم الآثار کي تحقيقات سے معلوم هوتا هے که اهل بابل کواکب پرست تهے - اسي کواکب پرستي نے أنهيں علم هئيت کے علمي مباديات سے آشنا کيا تها - أن کا اعتقاد تها که اجرام سماويه کائنات کي ايسي ملکوتي هستياں هيں ' جنهيں تدبير و تصرف عالم کي تمام قوتيں حاصل هيں - دنيا ميں جو کچهه هوتا هے ' أنهي کے عمل و تصرف سے هوتا هے - إن ميں سات ستارے بڑے ديوتا هيں ' اور سورج ان سب ميں بڑا هے - آج کل علم نجوم کے نام سے جو خرافات دنيا ميں پهيلے هوئے هيں ' يه هندوستان اور بابل هي کي کواکب پرستي کا بقايا هيں - اپنے پادشاهوں کي نسبت أن کا بهي وهي اعتقاد تها ' جو أس عهد کي تمام قوموں کا رهچکا هے - يعنے وه سورج ديوتا کے زنده مظهر سمجهے جاتے تهے - ان کي تقديس بهي أسي طرح کي جاتي تهي ' جيسي تمام ديوتاؤں کي کي جاتي تهي -

(۳) مکالمه کے آخر ميں هے : " فبهت الذي کفر " يعني جب حضرت ابراهيم نے دوسري دليل پيش کي تو مجادل کچهه نه کہه سکا - هکا بکا هوکر رهگيا - مفسرين نے اس مکالمه کو منطقي مناظره بنا ديا تها - مناظره اور جدل کا ما حصل يه هے که مخاطب کو لا جواب کر ديا جاے - اس ليے انهوں نے " فبهت الذي کفر " کا مطلب يه قرار ديا که حضرت ابراهيم کي دوسري دليل کے جواب ميں وه کوئي بات نه بنا سکا - اس ليے مبهوت هو کر رهگيا - اس ميں کوئي شبه نہيں که حضرت ابراهيم کي بات کا وه کوئي جواب نہيں دے سکا تها - اور شوخ چشمي اور کج بحثي کي جگه أس پر حيرانگي کي حالت طاري هوگئي تهي ' ليکن يه حيراني محض اس بات کا نتيجه نه تهي که وه سخن پروري ميں لا جواب هو گيا تها - کيونکه ابهي تفصيل کے ساتهه آپ سن چکے هيں که انبياء کرام کي مخاطبت بات ميں لا جواب کر دينے کے ليے نہيں هوتي - يقين و ايمان کے ليے هوتي هے - پس أس کے مبهوت هو جانے کا سبب يه تها که حضرت ابراهيم کي دوسري بات أس کے دل ميں أتر گئي - پہلي بات پر تو أس نے مجادلانه کج بحثي کرکے جواب ديديا تها - کيونکه اپنے جهل و ضلالت کي وجه سے أسکي حقيقت سمجهه نه سکا تها - ليکن دوسري بات أسکی فکري اور اعتقادي استعداد کے مطابق کچهه ايسي دل کو لگتي هوئي تهي ' که سنتے هي متاثر هوگيا ' اور تير نشانه پر لگ گيا - نتيجه يه نکلا که مبهوت هو کر رهگيا - يعنے وه سچائي جسے اپني کور چشمي کي وجه سے ابتک نہيں ديکهه سکا تها ' اب يکايک أس کے سامنے چمک أٹهي ' اور با وجود کمال تمرد اور ضلالت کے أس ميں جهٹلانے اور شوخ چشمي سے کج بحثي کرنے کي جرأت باقي نه رهي !







علم الآثار مصر کا جدید ذخیرہ

فراعنۂ مصر کے عظیم هیکل

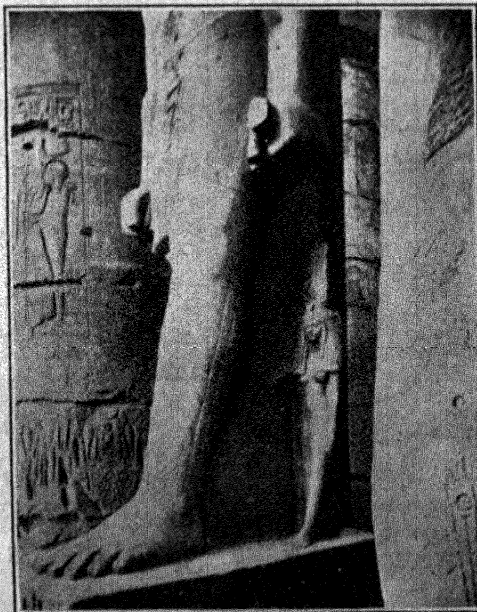
ریمسیس ثاني اور اُسکي لڑکي کا مجسمه، جسکے محل میں حضرت موسیٰ علیه السلام پیدا هوے تھے !

گذشته دس سال کے اندر علم الآثار مصر میں جدید انکشافات کا جو اضافه هوا هے، وه نهایت قیمتي هے، اور علماء آثار کا خیال هے، اس سے مصري اثریات میں تحقیق و نظر کا ایک نیا دور شروع هو جایگا هے - وادي الملوک اور الاقصر کے دو مقبروں کا حال نهایت تفصیل کے ساتهه دنیا کے علم میں آچکا هے، لیکن ان مقبروں کے علاوه اور بهي بے شمار نئي نئي چیزیں هیں جو تاریخ مصر کے بعض اهم زمانوں سے تعلق رکهتي هیں، اور اسلیے علماء آثار اُن کے درس و مطالعه میں مشغول هیں -

آج هم قارئین الهلال کي دلچسپي کے لیے ان میں سے بعض اهم آثار کا مرقع شائع کرتے هیں -

سب سے پہلے آپ کي نظر دو چهوٹي چهوٹي تصویروں پر پڑیگي، جن میں سے ایک پر منقش تصویریں هیں - دوسري میں ایک شکسته مجسمه نظر آ رها هے - پہلي تصویر ایبڈس مندر کي ایک دیوار کا مرقع هے جس میں فرعون "ستي" اول اپنے معبود کے سامنے کهڑا هے، اور اُسے نذر پیش کر رها هے - مرقع میں فرعون کي صورت اور وضع اتني نزاکت اور خوبي کے ساتهه کنده کي گئي هے که مصر کے تمام حجري مرقعوں میں صرف چند تصویریں هي اس کا مقابله کرسکتي هیں - اس مرقع میں همارے سامنے چار هزار برس پہلے کا ایک انسان اپني اصلي صورت و وضع میں کهڑا هے !

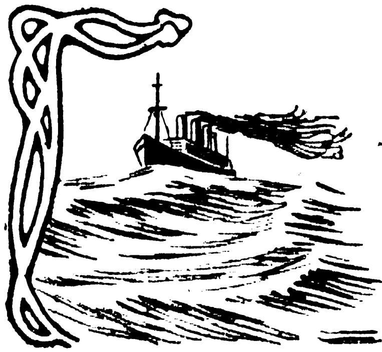




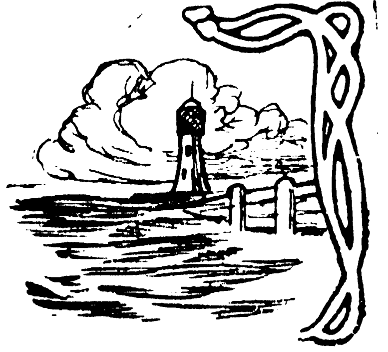
دوسرا مرقع مصري دیوتا "ممنن" کا بت هے - اس کي نسبت یقین کیا جاتا تها که هر روز طلوع آفتاب کے وقت اس میں سے الهي نغموں کے ترانے بلند هوتے تهے - اب یه بالکل ٹوٹي پهوٹي حالت میں برامد هوا هے - لیکن علم کي خوش قسمتي سے اس کے کتبے محفوظ هیں، اور پوري طرح پڑهے جا سکتے هیں -

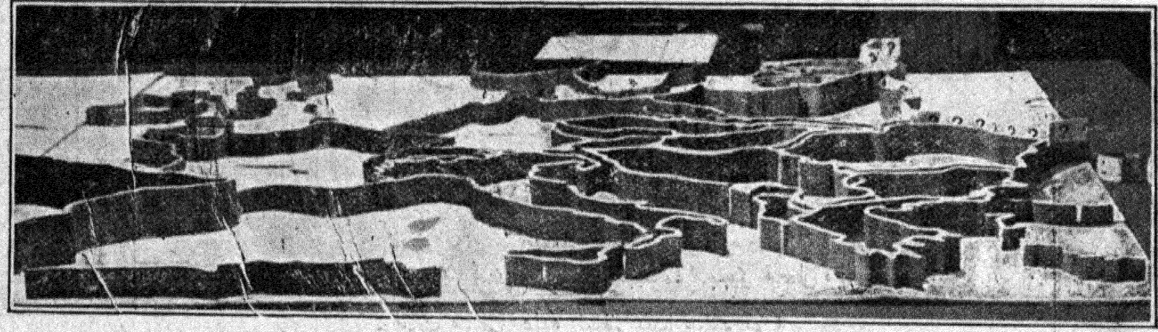
ان کے بعد آپ دو بڑي تصویریں اوپر تلے دیکهه رهے هیں - پہلي تصویر ایبڈیس مندر کي ایک دیوار پر کنده هے - اس میں مصریوں کے دو دیوتا دکهائے گئے هیں - هورس اور اوسائرس - هورس هر طرح کي اچهائیوں کا معبود تها - اوسائرس سورج دیوتا تها - مصري یقین کرتے تهے که سورج دیوتا کي بہن اور لڑکي "آئي سس" نے اپنے مقدس آنسوؤں کے چند قطرے ملا کر همیشه کیلیے دریاے نیل کو شیریں اور مقدس بنا دیا هے !

دوسرا مرقع ایک عظیم مجسمه کا نهایت قیمتي ٹکڑا هے جو الاقصر سے بر آمد هوا هے - نقوش کے پڑهنے سے معلوم هوتا هے که یه دراصل فرعون ریمسس دوم کا مجسمه تها - تصویر میں صرف کمر سے لیکر پانوں تک کا حصه نمایاں هے - پانوں کے پیچهے ایک عورت کا چهوٹا سا مجسمه هے جو کهڑي هے - یه ریمسس کي لڑکي هے - ریمسس دوم وهي فرعون هے، جس کے محل میں حضرت موسیٰ علیه السلام کي پیدایش هوئي تهي - خیال کیا جاتا هے که یهي لڑکي محل شاهي کي وه عورت هے، جس نے دریا سے حضرت موسیٰ کو نکالا تها !



بریدِ فرنگ





یورپ کا ایک نیا نقشہ

تجارت کی حفاظت اور آزادی کا حصار

مطالب کے بیان و تفہیم کا ایک موثر ذریعہ

بحث طلب مطالب پر تقریر کرتے ہوئے مقرر اور مدرس عموماً شمار و اعداد کی جدولوں یا تناسب کے رنگوں اور نقشوں سے کام لیا کرتے تھے - پھر میجک لینٹرن استعمال کیا جانے لگا - ایسے مطالب جن کے فہم میں تصاویر کا معائنہ مدد دیتا تھا ' فانوس کی تصویروں کے ذریعہ ذہن نشین کیے جاتے تھے - حال میں سینما کی ایجاد نے بھی ایک زیادہ موثر اور اصلیت نما ذریعہ بہم پہنچا دیا ہے - امریکہ میں بحث و تقریر کے بے شمار کلب ' سینما کا اسی طرح استعمال کرتے ہیں ' جس طرح عام طور پر میجک لنٹرن استعمال کیا جاتا ہے -

لیکن جو طریقہ حال میں سر آرتھر کلایر ماریسن نے مجلس اقوام کے سامنے تقریر کرتے ہوئے تمثیل مطالب کے لیے اختیار کیا تھا ' وہ ان تمام طریقوں سے جدا گانہ قسم کا ہے ' اور چونکہ نہایت آسان اور سادہ قسم کا ہے ' اس لیے نہایت درجہ پسند کیا گیا ہے - اُن کی تقریر کا موضوع یہ تھا کہ تجارت کی آزادی اور بندش کے لحاظ سے اِس وقت یورپ کی مختلف قوموں کا حال کیا ہے ؟ اور کس طرح یہی چیز آیندہ ایک بین الاقوامی جنگ کا دروازہ کھول دینے والی ہے ؟ اس حقیقت کی وضاحت کے لیے انھوں نے یورپ کا ایک نقشہ اس طرح کا طیار کرایا ' کہ سرحد کے خطوط کی جگہ حصار کی دیواریں کھڑی کر دی گئیں ' اور تمام یورپ ٹیڑھی سیدھی چار دیواریوں کا مجموعہ بن گیا - نقشہ کے بننے کے بعد جب اُس پر نظر ڈالی گئی ' تو معلوم ہوا ' جو حقیقت ایک بہت بڑی کتاب لکھکر بھی واضح نہیں کی جاسکتی تھی ' اب وہ صرف اس نقشہ پر ایک نگاہ ڈال لینے سے سامنے آجاتی ہے - جنیوا کے پچھلے اجلاس کے موقعہ پر یہ نقشہ حاضرین کے معائنہ کے لیے ایک نمایاں موقعہ پر رکھدیا گیا تھا -

اِس نقشہ کا عکس آپکے سامنے ہے - اگر یورپ کا نقشہ آپکے کمرے میں آویزاں ہے ' تو پہلے اُس پر ایک نظر ڈال لیجیے - پھر اسے دیکھیے - یہ ٹھیک وہی نقشہ ہے - فرق صرف اسقدر ہے کہ اُس میں حدود کی وضاحت کیلیے لکیریں کھینچ دی گئی ہیں - اِس میں لکیروں کی جگہ دیواریں کھڑی ہیں - یہ دیواریں کیا ہیں ؟ تجارت کی حفاظت کی دیواریں ہیں جنھوں نے ہر قوم کو دوسری قوم کا دائمی رقیب بنا دیا ہے - فوجی اور ملکی حفاظت کے اعتبار سے بھی دیکھا جاے ' تو یہی دیواریں متقابل دشمنوں اور حریفوں کو ایک دوسرے کے کچل ڈالنے سے روک رہی ہیں - یہ دیواریں کب تک قائم رہینگی ؟ سر آرتھر کہتے ہیں " انہیں توڑ دو " لیکن اگر انسان اِسکے لیے آمادہ نہ ہوا ' تو عجب نہیں ' قدرت کی خانہ بر اندازیاں خود ہی انہیں توڑ کر تمام یورپ کو ایک کھلی زمین کی شکل میں منقلب کر دیں !

علم اور مسیحی کلیسا

کتاب پیدائش اور تخلیق کائنات

برمنگہم کے بشپ کا کفر اور زندقہ !

تھوڑا عرصہ گزرا ھے ' لندن سے ریوٹر ایجنسي نے یہ خبر تمام دنیا میں مشہور کردي تھي کہ برمنگہم کے لارڈ بشپ نے ویسٹ منسٹر میں تقریر کرتے ہوئے ایسے خیالات کا اظہار کیا ھے ' جس نے یورپ کے تمام کلیسائي حلقوں میں ھلچل ڈالدي ھے - اُس نے صاف صاف لفظوں میں اعتراف کرلیا ھے کہ پیدایش کائنات کا قدیم مسیحي اعتقاد (یعني تورات کي کتاب پیدایش کا بیان) قابل ترمیم ھے ' اور اب وقت آگیا ھے کہ ھم علمي تحقیقات کي مخالفت کرنے یا غلط مذھبي تاویلوں کے ذریعہ تطبیق دینے کي ناکام کوششوں سے باز آجائیں - یعني تسلیم کرلیں کہ تورات کي کتاب پیدایش کا بیان ایک کہاني سے زیادہ نہیں ھے !

اس کے بعد ایک دوسرے واقعہ کي خبر مشتہر ہوئي - یہي بشپ جب سینٹ پال چرچ میں وعظ کررھا تھا تو اچانک ایک واقعہ نے تمام مجلس میں اضطراب پھیلا دیا - ایک طرف سے تیز صدا اٹھي " یہ بدعت و زندقہ کا معلم ھے " لوگوں نے جب اُس طرف نظر اٹھائي ' تو معلوم ہوا ' پادري کینن ویبسٹر غیظ و غضب کي شدت سے بے قابو ہوکر کھڑا ہوگیا ھے ' اور واعظ کے کفر و زندقہ کا اعلان کر رھا ھے - اس پر غضب طریقہ سے مجلس کو اپني طرف متوجہ کرکے اُس نے بشپ پر لعن و طعن کي بوچھاڑ شروع کردي ' اور پھر یہ کہکر کہ " ایسے زنادیق کا وعظ سننا جائز نہیں " اپني جماعت کے ساتھہ گرجے سے رخصت ہوگیا !



پادري کینن ویبسٹر بشپ کے زندقہ کا اعلان کرکے سینٹ پال سے واپس جا رھا ھے !

اب انگلستان کے اخبارات و رسائل میں اس معاملہ کي تمام تفصیلات آگئي ھیں - در اصل یہ معاملہ بھي اُسي سلسلۂ بحث کي ایک کڑي ھے جو سر آرتھر کیتھہ کي تقریر (مندرجۂ الهلال) سے تمام یورپ اور امریکہ میں چھڑگیا ھے - بشپ اف برمنگہم کا نام ڈاکٹر بارنس ھے - اُس نے اسي تقریر کا حوالہ دیکر اپنے خیالات ظاھر کیے تھے - معاملہ کا اھم اور دلچسپ پہلو یہ ھے کہ یہ اعتراف برطاني کلیسا کے ایک بہت بڑے ذمہ دار شخص کي زبان سے ہوا ھے - اُس نے بڑي دلیري کے ساتھہ وہ خیال علانیہ ظاھر کردیا ' جو آج ہزاروں لاکھوں عیسائیوں کے دلوں پر ثبت ھے !

یقیناً قارئین الهلال خواھشمند ہونگے کہ بشپ کي تقریر سے واقفیت حاصل کریں - ھم اختصار کے ساتھہ اُس کا خلاصہ درج کردیتے ھیں-

بشپ نے تقریر کرتے ہوئے کہا :

" اِس عہد کے انسانوں سے میں کیا کہوں ؟ کیا یہ کہوں کہ قدیم عقیدہ ھي پر اُستوار رھو ؟ ہرگز نہیں - میں اُن سے جو کچھہ کہہ سکتا ھوں ' وہ اِس کے سوا کچھہ نہیں ھے کہ حق کي تلاش کرو - خوش ھو ' کیونکہ تم ایک ایسي صدي کي مخلوق ھو ' جو اپني علمي ترقیوں کي وجہ سے تاریخ کي سب سے زیادہ عظیم الشان صدي ھے - میں اُن سے کہتا ھوں ' جدید انکشافات کا خیر مقدم بجا لاؤ - علماء عصر کي تعظیم کرو - لیکن ساتھہ ھي یہ بھي یاد رکھو کہ اِس تمام علمي ترقي کے پیچھے ھم برابر ایک کثیف پردہ پڑا دیکھتے ھیں - یہ پردہ ' زندگي کے تمام بنیادي مسائل کو اپنے اندر چھپائے ہوئے ھے ' اور ھماري نظروں کو اُن کي حقیقت معلوم کرنے سے روک رھا ھے - تم پر فرض ھے کہ اِن مسائل سے قریب تر ھو - تمھارا قلب ایمان سے لبریز ھو جائے - تمھارے رھبر ' عقل ھو ' نہ کہ خوش اعتقادي - اگر تم ایسا کروگے ' تو تمھارا ایمان اُن دونوں جماعتوں سے مختلف ھوگا جن میں سے ایک نے مغرورانہ انکار کي اور دوسري نے جاھلانہ خوش اعتقادي کي غلطي کي ھے ! "

" سر آرتھر کیتھہ کے خطبہ کے بارے میں ھمیں کیا کرنا چاھیے ؟ مذھب نشوء و ارتقاء کے مقابلہ میں ھمارا مسلک کیا ھونا چاھیے ؟ کیا ھم حقیقت کو جدل کے موٹے پردوں میں چھپا دیں ؟ میں تم سے آج یہ کہنا چاھتا ھوں کہ تم اِس روشن زمانے کي مخلوق ھو کر حقائق سے تجاھل نہیں برت سکتے ! "

" کیا ھمارے لیے یہ جائز ھے کہ لوگوں کي عقلوں میں شک پیدا کردیں ' حالانکہ یہاں شک کا کوئي موقعہ ھي نہیں ؟ کیا یہ مناسب ھے کہ مسیحي عقائد کي تاریخ محض اس لیے بدل دي جائے کہ ڈارون کا مذھب نیا نہیں ھے ' پرانا مذھب ھے ؟ یا یہ مناسب ھے کہ جدید حقائق تسلیم کرتے ھوے حقیقت کا صاف صاف اعتراف کرلیں ' اور تسلیم کرلیں کہ مسیحي عقائد کي بعض تقلیدي آراء قابل تبدیل ھیں ؟ "

" میرے خیال میں آخري تجویز بہتر اور مناسب ھے - آؤ ' ھم بے خوف و خطر حقائق کا ویسا ھي خیر مقدم کریں ' جیسا کہ وہ علمي حلقوں میں اپنا خیر مقدم دیکھہ رھے ھیں - تمام اھل علم متفق ھیں کہ انسان نے بندر کي ایک قسم سے ترقي کي ھے ممکن ھے ' انسان کي یہ ترقي دس لاکھہ برس پہلے شروع ھوئي ھو - تمام حیواني اصلوں نے مختلف سمتوں میں ترقي کي ھے ' لیکن انسان کي حقیقي ترقي اُس کے دماغ اور فکري مرکزوں میں واقع ھوئي ھے - اسي لیے وہ اپنے ھم جنس حیوانوں پر بازي لیگیا - بندر کي دوسري قسموں نے اَور قسم کي ترقي کي - چنانچہ

بتدریج شمپانزي ' گوریلا ' اورانگ ' اور اوران کي قسموں نے ظہور کیا - یہ تمام بندر انسان کے قریبي عم زاد هیں - علماء اِس ترقي کي جزئیات میں کتنا هي مختلف هوں ' لیکن کوئي دو مستند عالم بهي اِس معاملہ میں اختلاف نہیں رکھتے کہ انسان نے بندر هي سے ترقي کي هے - اور یہ ' کہ یہ ترقي ایک مسلم و ثابت حقیقت هے - ڈاروین کا مذهب پچاس برس سے موجود هے اور پوري طرح صحیح ثابت هو چکا هے ... "

" علم الحیات کے مباحث سے ثابت هو چکا هے کہ شر اور برائي کا میلان انسان کي طبیعت میں فطري هے ' اور یہ اُس نے اپنے اسلاف سے ورثہ میں پایا هے - یہ بالکل یقیني هے کہ انسان ' ایک حیوان هي هو ' اور اپنے اعضاء اور روح میں بتدریج ترقي کرکے خالص حیوانیت سے اِس درجہ تک پہنچ گیا هو - وہ کوئي دیوتا نہ تها ' جو طہارت و تقوي کے لباس میں ملبوس ' آسمان سے زمین پر اتر پڑا هو - انسان کي روحي ترقي هي نے اُسے باقي تمام حیوانات سے ممتاز کر دیا هے "

" همیں همیشہ حق کي جستجو میں لگے رهنا چاهیے - جب کبهي کسي حقیقت پر سے پردہ اٹهے ' تو قدیم سے قدیم تقلیدي خیال کے بهي ترک کر دینے میں همارے اندر کوئي پس و پیش نہیں هونا چاهیے ' اور نہ اس تبدیلي پر کسي طرح کا رنج محسوس کرنا چاهیے "

جب کبهي کوئي حقیقت ظاهر هوتي هے ' تو ایک خاص قسم کے لوگ چلا اٹهتے هیں : " ایمان خطرے میں پڑگیا هے ! "

" لیکن میرا تاریخي مطالعہ مجهے بتاتا هے کہ ایمان صرف اُس وقت خطرے میں هوتا هے ' جب عقل قید کردي جاتي هے ' اور دماغ پر مہر لگا دي جاتي هے - بعض لوگ کہتے هیں " همیں مسیحي حقائق کو اُسي طرح محفوظ رکهنا چاهیے ' جس طرح همارے عقائد چلے آتے هیں " لیکن میں من گڑهت حقائق کے وجود سے اپني لا علمي کا صریح اعلان کرتا هوں - بعض لوگ کہتے هیں " جدید خیالات کفر و الحاد هیں " ، لیکن میں کہتا هوں " آج کا کفر ممکن هے ' کل کا ایک راسخ دیني عقیدہ بن جائے ! "

" تمام وہ مسیحي جو تقلیدي بندشوں سے آزاد هیں ' جانتے هیں کہ مذهب نشوء و ارتقاء اور حقیقي مسیحي تعلیم میں کوئي نزاع نہیں هے - کیونکہ خدا اپني قدرت تدریجي ترقي میں بهي اُسي طرح ظاهر کر سکتا هے ' جس طرح فوري تخلیق میں "

یہ پہلا موقعہ نہیں هے کہ اِس موضوع پر اِس بشپ نے اظہار خیال کیا هے - اب سے دو سال پہلے بهي اِسي قسم کے خیالات ظاهر کیے تهے اُس زمانے میں امریکا کے پروفیسر سکوپس پر اس لیے مقدمہ چلایا گیا تها ' کہ اُس نے ایک سرکاري مدرسہ میں اپنے شاگردوں کے سامنے ڈاروین کا مذهب پیش کر دیا تها - اِس مناسبت سے رسالۂ " نیچر " نے بشپ مذکور سے اِس مسئلہ کي نسبت استفتا کیا تها - بشپ کا جواب حسب ذیل تها :

" یہ جاهلانہ تعصب جس نے مذهب نشوء و ارتقاء کي تعلیم کو امریکا کے سرکاري مدارس میں ممنوع قرار دیدیا هے ' ایک سخت مذموم تعصب هے - میں آزادي خیال کا حامي هونے کي حیثیت سے نہایت نا پسند کرتا هوں کہ ایک انگلو سکسن جماعت قانون کے زور سے علم کي اشاعت روکے - میں ایک مسیحي هونے کي حیثیت سے هر ایسي تحریک کو انتہائي رنج و غم سے دیکھتا هوں ' جو مسیحي دین کو معقول بنیادوں پر استوار کرنے سے روکتي هے "

" بے شمار دلائل سے ثابت هو چکا هے ' اور متمدن دنیا میں هر مستند عالم اس کا اعتراف کر رها هے ' کہ انسان نے ایک ایسي مخلوق سے ترقي کي جو بندر سے مشابہ تهي ' انگلستان میں هر روشن خیال مسیحي کا اعتقاد یہي هے - یہاں کے تمام مشاهیر لاهوتي علماء بهي اس راے کو خیال صحیح سمجھتے هیں - یہ اعتراف مسیحیت کو اور بهي زیادہ مستحکم کر دے گا - کیونکہ یہ اُس روحاني اساس کو جو هم مسیح سے اخذ کرتے هیں ' اس درجہ معقول بنا دیتا هے کہ کوئي بهي اُس سے انکار نہیں کر سکتا "

" هم کتنا هي انکار و مغالطہ کام میں لائیں ' مگر مسیح کي تعلیمات سے جو عہد جدید میں موجود هیں ' هرگز ثابت نہیں کر سکتے کہ عہد قدیم کي کتاب پیدائش حرف بحرف صحیح هے - لوگ یہ بهول گئے کہ کتاب مقدس روحي حقائق کا خزانہ هے ' نہ کہ تعلیم و تدریس کي کوئي علمي کتاب هے - لوگ یہ مسیحي عقیدہ بهي بالکل بهول گئے کہ " روح القدس برابر لوگوں کي عقلیں وسیع کرتي رهیگي تا کہ وہ حق تک پہنچ سکیں " یہ لوگ حق کے جاننے سے ڈرتے هیں ' کیونکہ سمجهتے هیں ' حق کے اعتراف سے مسیحي عقیدہ کمزور هو جائے گا - مگر یہ اُن کي غلطي هے - علم کي اِس مقاومت کا نتیجہ اِس کے سوا اور کچهہ نہیں هو سکتا کہ هزار ها طالب علم ' مسیحیت کے دائرے سے یہ یقین کرتے هوے نکل جائیں کہ مسیحیت کي بنیاد سراسر جہل و خرافات پر هے ! "

کمیونزم یا اشتراکیت

کمیونیزم کے مداحوں کے بعض اقوال

اشتراکیت کا مطمح نظر ' خیر مشترک هے (نارمن انجل)

اشتراکیت کي سب سے بہتر مجمل تعریف یہ هے کہ وہ سوسائٹي کے مادي اقتصادي قوی کو منظم کر کے انساني قوی کے ماتحت کر دینا چاهتي هے (رامسے میکڈانلڈ)

اشتراکیت کي غرض بجز اسکے کچهہ نہیں هے کہ انسان کیلیے ایک نیا عالمگیر ضمیر پیدا کر دے (ولز)

اشتراکیت ' تعلیمات مسیح کي عملي صورت هے - (چارلس امرن)

عملي اشتراکیت ' حد سے زیادہ سادہ چیز هے - یعني عالمگیر انساني تعاون کا نظام ایک حکومت کے ماتحت (رابرٹ)

اشتراکیت ' ایک ایسي مثل اعلی هے جسے ابتک دنیا کي آنکهوں نے نہیں دیکها (هاتجس)

اشتراکیت ' عنقریب محنت کو اِس طور پر منظم کر دیگي ' کہ هر آدمي محسوس کرنے لگے گا ' وہ اپنے عمل سے پوري نوع انساني کي خدمت کر رها هے (رژدن) !

اشتراکیت کا مقصود یہ هے کہ اعلي نظام جمہوري کے ساتهہ زمین اور سرمایہ کو قوم کي ملکیت بنا دے (برٹرنڈ رسل)

تاریخ و عبر

تاریخ جنگ صلیبی کا ایک صفحہ

عربوں کے آتش بار اسلحہ

لوئی نہم کے مورخ کا چشم دید بیان

صلیبی جنگوں میں سب سے بڑی جنگ ساتویں جنگ تھی۔ یہ معلوم ہے کہ ان جنگوں میں مصر پیش پیش تھا، بلکہ اُسی پر پورا بار تھا۔ لہذا صلیبی مجاہدوں نے خیال کیا کہ مسلمانوں کو شکست دینے کے لئے خود مصر پر حملہ کر دینا چاہئے۔ چنانچہ لوئی نہم شاہ فرانس کی زیر قیادت ایک عظیم فوج یورپ سے روانہ ہوئی اور ساحل "دمیاط" پر اُتار دی گئی، جہاں دریائے نیل سمندر میں گرتا ہے۔

اس جنگ کی ایک مستند تاریخ الوکل کی یادداشتوں میں ملتی ہے۔ یہ شخص لوئی نہم کا مصاحب اور اُس کی فوج کا سپہ سالار تھا۔ دمیاط کی جنگ میں یہ ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ رہا۔ اُس کے بیانات چشم دید ہیں۔ بادشاہ کی وفات کے بعد اُس کے بیٹے لوئی دہم کا بھی مصاحب تھا۔ اُسنے بیوہ ملکہ کے حکم سے یہ کتاب لکھی تھی جیسا کہ دیباچہ میں ظاہر کیا ہے۔

یہ کتاب اُس عہد کی تاریخ کے لئے ایک نہایت قیمتی دستاویز ہے۔ تاریخ کی خوش قسمتی سے یہ ضائع نہیں ہوئی، اور شاہی کتبخانہ میں محفوظ رہی۔

الوکل کے بیان میں سب سے اہم واقعہ، مصری فوجوں کی جنگی استعداد اور آتشی مادّوں کی صلیبیوں پر بارش ہے۔ ان آتشی مادّوں کو مورخ "یونانی آگ" سے تعبیر کرتا ہے۔ اس تعبیر کی بنیاد یہ ہے کہ یہ آگ فی الحقیقت یونانیوں ہی کی ایجاد ہے۔ قسطنطنیہ کی بیزنطینی سلطنت سب سے پہلے اس سے واقف ہوئی، اور صدیوں تک بطور ایک راز کے محفوظ رکھا۔ یہی وہ بے پناہ اسلحہ تھا، جس کے ذریعہ اُسنے ۶۷۶ء اور ۷۱۸ء میں عربوں کو شکست دی تھی جنھوں نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا تھا۔

بیزنطینیوں کو اس آتشی مادے کا پتہ قسطنطین چہارم کے عہد میں لگا۔ یعنی ساتویں صدی عیسوی میں۔ اور تقریباً ۴۰۰ برس تک تنہا وہی استعمال کرتے رہے۔ یہاں تک کہ گیارہویں صدی کے اواخر میں عربوں نے کسی ذریعہ سے اس کی حقیقت معلوم کر لی اور اپنی جنگوں میں استعمال کرنے لگے۔ جس طرح اس آگ نے بیزنطینیوں کے مقابلہ میں عربوں کو نقصان پہنچایا تھا، اُسی طرح عربوں کے مقابلے میں صلیبیوں کے لئے مہلک ثابت ہوئی۔ عربوں نے اس اسلحہ کو قدیم یونانی طریقہ سے زیادہ مکمل اور مؤثر بنا دیا تھا۔

۱۲۴۹ء (۶۴۷ھ) میں صلیبی، دمیاط کی سرزمین پر اُترے یہ زمانہ، ملک صالح بن کامل کی حکومت کا تھا۔ بادشاہ اُس وقت بیمار تھا۔ لوئی نہم نے اُسے سخت تہدید آمیز خط لکھا، اور مسیحی قوموں کے نام پر مطالبہ کیا کہ مصر اُس کے حوالہ کر دے۔ مصری بادشاہ نے قاضی بہاء الدین زہیر سے جواب لکھوایا۔ یہ تاریخی جواب تاریخ کے صفحات میں اب تک محفوظ ہے!

ملک صالح کی بیماری کی وجہ سے دمیاط کی مدافعت نہیں کیجا سکی اور صلیبیوں نے اُس پر قبضہ کر لیا۔ اسلامی لشکر، مقام منصورہ میں جمع ہوا، اور بادشاہ کی وفات کے بعد ہی حملہ شروع کر دیا۔ اس حملہ میں سب سے زیادہ خوفناک حربہ وہی "یونانی آگ" تھی، جس کی ہولناکی کا حال ہم اس مورخ کی زبانی نقل کرتے ہیں۔

وہ لکھتا ہے:

"ایک رات جبکہ ہم اپنے برجوں کی حفاظت میں سرگرم تھے مسلمان میدان جنگ میں ایک ایسا آلہ لائے، جسے اب تک اُنھوں نے استعمال نہیں کیا تھا۔ پھر اس آلہ کے ذریعہ یونانی آگ برسانا شروع کر دیا۔ آقائے نامدار والٹر دو کیری نے، جو میرے قریب ہی کھڑے تھے، یہ دیکھ کر کہا:

"بھائیو! اس وقت ہم ایک ایسے خطرے کے سامنے ہیں، جیسا ہمیں کبھی پیش نہیں آیا۔ اگر مسلمان ہمارے برجوں میں آگ لگا دینگے تو بڑی ہی مشکل پیش آئے گی۔ اگر ہم یہاں کھڑے رہیں گے تو جلکر خاک سیاہ ہو جائیں گے۔ اگر ہٹ جائیں گے تو قلعے دشمن کے ہاتھوں میں چلے جائیں گے اور ابد الآباد تک ہماری ذلت و رسوائی ہو جائے گی۔ لہذا اب اس کے سوا چارہ کار نہیں کہ اپنے مہربان خدا کو پکاریں، اور اُس سے عزت و سلامتی کی دعائیں کریں۔ صرف وہی ہمیں بچا سکتا ہے۔"

چنانچہ ہم نے اس دانشمندانہ رائے پر عمل کیا۔ جب ہم پر آگ کی پہلی بارش ہوئی اور برج میں ہمارے سامنے آ کر گری، تو ہم نے خدا کے حضور سجدہ کیا اور نالہ و زاری کرنے لگے۔ آگ بجھانے والے پاس کھڑے تھے، اور بڑی مستعدی سے اپنا کام کر رہے تھے۔

یونانی آگ کی کیفیت یہ ہے کہ وہ ایک عظیم مرتبان کی صورت میں سیدھی نکلتی ہے۔ لمبے نیزے کی طرح ایک بڑی سی دُم اُس کے پیچھے ہوتی ہے۔ اُس کی آواز، بجلی کی کڑک کی طرح ہولناک ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کوئی جناتی درندہ ہوا میں اُڑتا چلا آتا ہے۔ روشنی اتنی تیز ہوتی ہے کہ رات کی تاریکی میں دن نکل آتا ہے۔ مسلمانوں نے پھر یہ آگ اُس رات تین مرتبہ بڑے بڑے اسلحوں سے پھینکی اور چار مرتبہ چھوٹے اسلحوں سے۔

ہمارا مقدس بادشاہ جب سنتا کہ یونانی آگ آ رہی ہے تو اپنے فرش سے اُتر کر زمین پر کھڑا ہو جاتا اور ہمارے نجات دہندہ خداوند یسوع کی طرف ہاتھ اُٹھا کر چلاتا "اے آقا! معبود عظیم! اپنے غلام لوگوں کو بچا لے!" مجھے یقین ہے کہ بادشاہ کی دعاؤں سے ہمیں بہت فائدہ پہونچا۔ جب جب آگ آ کر گرتی تھی، یہ مقدس بادشاہ فوراً آدمی بھیجکر معلوم کرتا تھا کہ آگ نے کیا کیا اور ہماری حالت کیا ہے؟

ایک رات ایسا ہوا کہ آگ اُس برج کے قریب آ گری جس کی حفاظت ایک افسر دی کورتنی نامی کے ذمہ تھی۔ فوراً ایک سوار دوڑ کر میرے پاس آیا اور کہنے لگا "اگر آپ فوراً مدد پر نہیں آئیں گے تو ہم سب جل کر راکھ ہو جائینگے۔ کیونکہ مسلمانوں نے بہت بڑی تعداد میں آگ پھینکنا شروع کر دی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا آگ کا دریا ہم پر اُمڈا چلا آتا ہے!"

میں دوڑ کر گیا۔ واقعی سوار کا بیان بالکل درست تھا۔ ہم نے فوراً آگ بجھا دی۔ لیکن ابھی ہم فارغ ہی ہوئے تھے کہ مسلمانوں نے پھر بڑی شدت سے آتش باری شروع کر دی۔

بادشاہ کے بھائی، دن کے وقت برجوں کی حفاظت کیا کرتے تھے۔ وہ برجوں پر چڑھ گئے تاکہ مسلمانوں پر تیر برسائیں۔ بادشاہ نے یہی طے کیا تھا کہ رات کو برجوں کی حفاظت ہم لوگ کریں اور دن کو شاہ سسلی۔ ایک دن ایسا ہوا کہ شاہ سسلی پہرے پر تھا۔ اچانک مسلمانوں نے اپنی منجنیقوں سے بہت سخت حملہ کر دیا اور تمام برج تقریباً توڑ ڈالے۔ اُنھوں نے یہی نہیں کیا، بلکہ دن دوپہر کو یونانی آگ کے آلے بھی نصب کر دیئے۔ حالانکہ اب سے پہلے ہمیشہ رات ہی کو اُن سے کام لیتے تھے۔ اب آگ برسنے لگی۔ اس سے بھی بڑھکر یہ کہ پل کے قریب بھی منجنیقیں لگا دیں۔ پل، مزدور بنا رہے تھے۔ اب یہ حالت ہو گئی کہ کوئی آدمی نہ پل کے قریب جا سکتا تھا، نہ برجوں کے قریب پہنچ سکتا تھا۔ کیونکہ ایک طرف بہت بڑے بڑے پتھر برس رہے تھے۔ دوسری طرف آگ کا طوفان برپا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ برج جل گئے۔ شاہ سسلی غصہ سے کانپنے لگا۔ آگ بجھانے کے لئے وہ خود آگ کے اندر کودنا چاہتا تھا مگر اُسے پکڑ لیا گیا!

بادشاہ نے جب یہ حالت دیکھی، تو تمام سرداروں سے درخواست کی کہ تھوڑی تھوڑی لکڑی اپنے جہازوں سے منگا دیں تاکہ ایک نیا برج طیار کیا جائے اور نہر کو عبور کیا جا سکے۔

پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ یہ برج اُس وقت چلایا جائے جب شاہ سسلی کی باری ہو، تاکہ پچھلی شکست کا غم اُس سے دور ہو جائے۔ چنانچہ یہی کیا گیا، اور برج اُس مقام پر پہنچایا گیا جہاں دوسرے برج جل گئے تھے۔

مسلمانوں نے یہ دیکھ کر اپنی ۱۶ منجنیقیں نصب کر دیں اور بیک وقت سب کے دہانے کھول دیئے۔ جب اُنھوں نے دیکھا کہ ہمارے آدمی خوف زدہ ہو گئے ہیں تو فوراً یونانی آگ برسانا شروع کر دی اور نیا برج بھی جل کر راکھ ہو گیا!"

اسی طرح یہ مورخ بڑی تفصیل سے دوسرے تمام معرکوں میں بھی اس "یونانی آگ" کا ذکر کرتا ہے حتی کہ اس کے بیان کے مطابق ایک مرتبہ یہ آگ پورے مسیحی لشکر پر پھیل گئی تھی اور خود بادشاہ کا خیمہ بھی جلا ڈالا تھا!

مشرق میں بیزنطینیوں کے بعد سب سے پہلے مصر اور شام کے مسلمانوں نے یہ آگ استعمال کی۔ پھر دوسری اسلامی سلطنتوں نے بھی اسے معلوم کر لیا۔ چنانچہ ٹیونس اور مراکش میں بھی یہ بہت

ہندوستان اور مجموعۂ عالم

تمام دنیا میں جغرافیائی، عمرانی

اور

اقتصادی لحاظ سے ہندوستان کی موجودہ حیثیت کیا ہے؟

---

(۴)

برطانی ہندوستان کی سرکاری آمدنی اور خرچ سنہ ۲۴ و ۲۵ء میں

مد	مجموعی آمدنی	مجموعی خرچ
جنگی	۴۵۷۵۳۱۵۱۶	۷۷۱۲۲۹۰
انکم ٹیکس	۱۶۰۱۴۸۲۵۳	۶۰۳۷۵۳۱
نمک	۷۳۹۰۴۸۶۰	۱۲۰۲۰۷۲۰
افیون	۳۷۹۷۶۱۷۷	۲۳۵۵۷۱۲۷
لگان	۳۷۸۰۷۴۸	۱۱۲۶۶۹۵
شراب	۴۱۹۹۲۳۹	۲۲۸۲۰۶
سٹیمپ	۲۶۸۹۶۸۹	۱۱۹۷۸۷
جنگل	۱۶۱۴۶۹۸	۳۱۱۶۱۶۶
رجسٹریشن	۱۶۴۳۹۲	۲۹۰۵۳
ہندستانی ریاستوں کا خراج	۸۲۴۴۳۸۴	.....
ریلوے	۳۶۹۲۶۸۷۱۰	۳۰۴۴۵۳۰۱۵
آب پاشی	۱۰۹۱۹۲۵	۲۱۴۳۷۵۱
ڈاک اور تار	۱۱۳۵۰۸۷	۳۷۷۲۱۸۰
سود	۳۴۱۰۰۲۶۵	۱۸۶۸۲۲۸۵۷
شہری انتظام	۷۳۹۷۵۳۳	۱۰۱۲۵۹۱۰۳
ٹکسال اور شرح مبادلہ	۳۹۹۳۲۸۹۴	۷۱۴۱۰۷۹
رفاہ عام	۱۳۲۱۲۶۳	۱۷۷۷۲۸۷۵
متفرقات	۴۵۸۹۶۷۱	۴۳۵۳۱۸۶۱
فوج	۴۰۳۱۱۶۵۹	۵۹۶۶۵۱۸۷۷
صوبوں کا خراج	۸۷۴۴۶۸۱۳	......
میزان کل	۱۳۷۵۳۱۸۱۱۹	۱۳۱۸۴۹۲۴۲۱

صوبوں کی سرکاری آمدنی اور خرچ سنہ ۲۴ و ۲۵ء میں

صوبہ	آمدنی	خرچ
مدراس	۱۲۷۹۰۳۱۵۸	۱۳۰۸۵۰۴۷۲
بمبئی	۱۴۹۹۱۷۶۷۱	۱۴۷۲۵۶۷۹۱
بنگال	۱۰۳۴۲۳۷۱۰	۹۷۶۰۱۷۳۸
یو، پی	۹۹۹۵۳۱۱۵	۱۰۴۲۴۹۰۷۸
پنجاب	۹۷۷۷۱۸۴۰	۷۹۷۳۴۷۹
برما	۹۸۵۷۶۲۲۹	۹۸۶۷۳۵۵۵
بہار و اڑیسہ	۵۳۶۵۳۳۶۷	۵۱۳۱۲۳۹۲
سی، پی	۵۲۵۳۴۲۱۰	۴۸۲۵۵۵۴
آسام	۲۳۰۴۸۶۶۱	۲۰۰۲۸۷۵۴

ہندوستانی صوبوں کی شراب اور منشی اشیاء میں سرکاری آمدنی سنہ ۱۹۲۵ء میں

صوبہ	شراب کی دکانیں	دیگر منشی اشیاء کی دکانیں	آمدنی شراب	آمدنی منشیات
صوبہ سرحدی	۷۴	۱۸۲	۲۳۷۵۳۵	۳۰۰۶۶۴
مدراس	۱۶۸۷۸	۱۰۲۸	۴۴۵۸۳۰۹۱	۴۱۰۶۸۷۶
بمبئی	۶۲۱۰	۱۶۰۹	۳۵۰۶۵۷۵۴	۵۹۸۰۴۶۰
بنگال	۳۵۵۸	۲۳۸۹	۱۳۴۴۵۶۲۲	۸۰۵۷۲۳۷
یو، پی	۴۳۴۹	۲۹۴۶	۷۵۲۷۵۲۹	۵۶۴۶۲۳۴
پنجاب	۱۵۲۵	۱۱۷۸	۷۴۷۸۸۳۹	۴۴۵۴۳۱۲
برما	۱۲۵۶	۱۲۳	۷۶۹۹۸۶۸	۳۶۸۱۷۳۹
بہار و اڑیسہ	۷۹۳۹	۲۳۰۷	۱۱۷۳۶۴۳۵	۵۸۵۹۲۶۰
سی، پی اور برار	۲۳۵۴	۲۰۱۹	۱۰۵۵۸۶۰۷	۴۳۸۱۳۷۱
آسام	۳۰۸	۵۵۵	۱۸۹۸۱۵۴	۴۷۳۴۹۰۱
دہلی	۲۲	۱۹	۱۳۵۰۳۰	۲۵۲۵۰۸
کوراگ	۸۱	۱۰	۲۷۲۸۶۱	۱۶۴۲۴

برطانی ہندوستان میں نمک کی سرکاری آمدنی

صوبہ	سنہ ۲۱ و ۲۲	سنہ ۲۲ و ۲۳	سنہ ۲۳ و ۲۴	سنہ ۲۴ و ۲۵
شمالی ہندوستان	۱۸۴۷۶۵۷۲	۱۳۹۴۸۸۲	۳۱۸۰۶۸۶۹	۱۰۷۰۵۳۶۸
بلوچستان	۱۸۵	۱۲۰	۳۱۰	۳۶۲
مدراس	۱۳۹۰۱۷۶۴	۱۸۱۷۵۹۷۵	۲۱۳۶۲۹۹۶	۱۸۹۹۱۷۲۷
بمبئی	۱۲۱۳۵۵۹۶	۱۲۲۲۰۷۴۲	۲۲۶۷۹۷۰۷	۱۷۳۳۳[illegible]
بنگال	۱۵۵۷۷۵۶۹	۱۸۴۱۰۸۹۲	۱۸۱۶۱۵۲۳	۲۳۵۹۰۸۹۷
برما	۲۳۴۵۷۳۳	۳۰۴۳۰۱۳	۶۱۳۹۱۸۷	۳۲۸۱۰۰۰
بہار و اڑیسہ	۲۲۹	۴۸۸	۲۷۸	۴۵۰
آسام	...	...	...	۱۱۵۴
میزان	۶۳۴۳۷۸۴۸	۶۸۲۴۶۱۱۲	۱۰۰۱۵۰۸۷۰	۷۳۹۰۴۸۶۰

ہندوستان کا قرضہ سنہ ۱۹۲۴ و ۲۵ء میں

مرکزی حکومت

اندرونی قرضہ: ۳۱۳۶۰۰۵۱۷۵ - روپیہ

انگلستان سے لیا گیا: ۳۴۱۰۴۰۴۳۰ - پاؤنڈ

میزان کل: ۸۲۵۱۶۱۴۶۲۴ - روپیہ

صوبوں پر

۱۲۱۹۳۵۵۲۱۰ - روپیہ

ہندوستان کی تجارت سنہ ۱۹۲۲ء میں

درآمد

مجموعی درآمد: ۲۶۶۳۴۶۳۰۰۰ روپیہ

تفصیل

لوہا اور آہنی مصنوعات ×	۲۱۱۳۳۸۰۰۰
دوسری دھاتیں اور انکی "	۵۳۷۵۰۰۰۰
کوئلہ	۳۲۲۴۷۰۰۰
مشین اور بجلی کے آلات	۳۴۴۶۱۱۰۰

		درآمد
مجموعی درآمد:		رر

تفصیل

ریلوے کا سامان	×	۱۸۹۱۰۶۰۰۰
ظروف		۶۵۲۹۳۰۰۰
سوت		۷۱۳۴۲۷۰۰۰
ریشم		۲۳۶۵۴۰۰۰
خام ریشم		۱۵۷۸۸۰۰۰
شکر		۲۷۵۰۲۸۰۰۰
غلہ اور آٹا		۵۴۳۲۰۰۰
کیمیاوی اجزاء، رنگ اور سمیات وغیرہ		۶۲۰۸۸۰۰۰
روغن، سبزی اور مویشی		۹۳۵۱۱۰۰۰
کاغذ		۳۰۳۴۷۰۰۰
شیشہ اور مٹی کا سامان		۵۱۲۷۰۰۰
صابن		۱۳۲۴۸۰۰۰
تمباکو		۲۲۶۱۸۰۰۰
دیاسلائی		۲۲۶۱۸۰۰۰
شراب		۳۵۴۸۷۰۰۰

مجموعی برآمد: برآمد ۲۹۹۱۶۱۹۰۰۰ روپیہ

تفصیل

روئی	×	۷۱۰۹۹۱۰۰۰
جوٹ		۶۳۱۲۴۰۰۰
سوت		۱۳۱۵۹۳۰۰۰
اون خام		۴۴۱۴۳۰۰۰
غلہ اور آٹا	—	۵۳۰۰۰۰۰۰
چائے		۲۲۰۴۰۰۰۰۰
خام چمڑا		۵۷۰۶۰۰۰۰
مدبوغ چمڑا		۵۰۵۷۱۰۰۰
بیج		۲۷۳۵۳۸۰۰۰
لیس		۱۰۲۶۵۲۰۰۰
روغن، سبزی وغیرہ		۳۱۹۸۱۰۰۰
کیمیاوی اجزاء، سمیات اور دوائیں		۳۵۱۳۰۰۰
ابرک وغیرہ		۵۸۶۴۰۰۰۰

دُنیا کے بڑے بڑے تجارتی ملکوں کی تجارت کا تناسب

سنہ ۱۹۲۲ء میں

(بحساب ملین پونڈ۔ ایک ملین، دس لاکھ کا ہوتا ہے)

ملک	برآمد	درآمد	میزان
جنوبی افریقہ	۶۰/۳	۵۱/۶	۱۱۱/۹
کوبا	۷۳/۱	۴۰/۷	۱۱۳/۸
برازیل	۶۸/۶	۴۸/۶	۱۱۷/۲
ڈنمارک	۵۸/۷	۷۱/۱	۱۲۹/۸
سویڈن	۶۸/۰	۶۸/۷	۱۳۶/۷
آسٹریا	۴۳/۶	۶۶/۳	۱۰۹/۹
زیکوسلاویا	۹۱/۶	۶۴/۷	۱۵۶/۳
اسپین	۵۰/۸	۱۰۶/۲	۱۵۷
سوئٹزرلینڈ	۷۶/۲	۸۲/۸	۱۵۹
میکسیکو	۹۷/۰	۶۷/۶	۱۶۴/۶
ملک	برآمد	درآمد	میزان
ڈچ ایسٹ انڈیز	۹۹/۳	۶۵/۸	۱۶۶/۱
آسٹریلیا	۱۲۷/۸	۱۰۳/۱	۲۳۰/۹
روس	۸/۶	۲۹/۳	۳۷/۹
بلجیم	۱۰۵/۰	۱۵۷/۲	۲۶۲/۲
ارجنٹائن	۱۲۴/۷	۱۳۹/۴	۲۶۴/۱
اٹلی	۱۰۳/۸	۱۷۰/۶	۲۷۱/۴
ہالینڈ	۱۰۵/۴	۱۷۶/۲	۲۰۱/۶
چین	۱۲۲/۸	۱۵۷/۲	۳۰۰/۰
کنیڈا	۱۹۸/۲	۱۷۰/۸	۳۶۹/۰
جاپان	۱۷۹/۵	۲۰۷/۳	۳۸۶/۸
جرمنی	۱۹۴/۳	۳۰۳/۵	۴۹۷/۸
فرانس	۳۷۷/۹	۴۷۳/۵	۸۱۵/۴
ولایات متحدہ امریکہ	۸۶۶/۰	۸۲۸/۰	۱۶۹۴/۰
برطانیہ	۸۲۳/۲	۱۰۰۳/۱	۱۸۲۶/۳
ہندوستان	۱۸۰/۹	۱۵۷/۴	۳۳۸/۳

چاول

دنیا میں چاول کی پیداوار (سنہ ۱۹۲۲ء)

ملک	رقبہ بحساب ایکڑ
ہندوستان	۸۰۷۸۷۰۰۰
بلغاریہ	۱۰۰۰۰
مصر	۲۳۱۰۰۰
فارموسا	۱۳۱۰۰۰۰
اٹلی	۳۴۰۰۰۰
انڈو چائنا	۱۱۷۸۲۰۰۰
جاپان	۷۶۹۹۰۰۰
اسپین	۱۱۶۰۰۰
ولایات متحدہ امریکہ	۸۹۲۰۰۰

برطانی ہندوستان میں چاول کی پیداوار (سنہ ۱۹۲۴ء)

صوبہ	رقبہ بحساب ایکڑ	پیداوار بحساب ٹن
بنگال	۲۰۸۶۸۷۰۰	۴۹۰۸۰۰۰
مدراس	۱۰۸۷۰۲۴۰	۴۹۰۸۰۰۰
بمبئی	۳۰۶۲۵۷۷	۱۳۹۶۰۰۰
یو، پی	۷۱۰۵۴۱۷	۲۲۷۵۰۰۰
پنجاب	۷۷۹۶۲۷	۳۲۷۰۰۰
بہار اڑیسہ	۱۴۵۴۲۰۰۰	۶۰۲۳۰۰۰
برما	۱۲۱۱۲۲۹۶	۵۰۶۷۰۰۰
سی، پی اور برار	۵۱۷۱۳۰۸	۱۱۷۴۰۰۰
آسام	۴۶۸۲۳۱۷	۱۵۰۷۰۰۰

ہندوستان میں چاول کے کارخانے

برما	۳۱۹	کارخانے
مدراس	۱۳۰	رر
بنگال	۶۴	رر

چاول کی برآمد

ہندوستان سے سالانہ تقریباً ۷ کروڑ من چاول باہر چلا جاتا ہے۔

برید شرق

مکتوب قسطنطنیہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

غازی کے تاریخی خطبہ کا بقیہ حصہ۔ مسئلۂ خلافت۔ خطبہ کا عام اثر۔ جمہوری ترکی کا آئندہ مسلک۔ ترکی کی نئی مردم شماری۔

غازی مصطفےٰ کمال پاشا کے تاریخی اور ہفت روزہ خطبہ کا بڑا حصہ گذشتہ چٹھی میں بھیج چکا ہوں۔ اب خطبہ کے صرف دو ضروری حصے باقی ہیں۔ "مسئلہ خلافت" اور "خاتمۂ کلام"۔

مسئلہ خلافت کے سلسلہ میں غازی نے جو کچھ بیان کیا، وہ اُن کی تقریر کا نہایت اہم حصہ ہے۔ کیونکہ یہ پہلا موقعہ ہے کہ موجودہ ترکی حکومت کے سب سے بڑے آدمی نے صاف صاف لفظوں میں بیان کردیا کہ کون کون لوگ موقوفی خلافت کے مخالف تھے اور کون موافق تھے۔ پہلے خیال کیا گیا تھا کہ مخالفین موقوفی میں سب سے زیادہ نامور شخصیت رؤف بے کی تھی۔ اب خود غازی کی زبان سے بھی اسکی تصدیق ہوگئی۔

مسئلہ خلافت کے بعد اُنھوں نے اُن رقوم کے داخل و مصارف کی تفصیلا بیان کیں جو وطنی تحریک کے شروع ہونے کے بعد سے لیکر اُن کے رئیس جمہوریت منتخب ہونے تک اُن کے اور اُنکے ساتھیوں کے تصرف میں آئی تھیں۔ ممکن ہے، آپکے قارئین خیال کریں کہ ایک عظیم الشان رئیس جمہوریت کے لئے یہ بہت ہی ناموزوں بات تھی کہ کسی سکرٹیری اور خزانچی کی طرح ایک ایک پیسہ کا حساب پیش کرے، لیکن یہاں ترکی رائے عامہ نے اسے دوسرے ہی نقطۂ خیال سے دیکھا ہے۔ تمام اخبارات نے بالاتفاق اسے خطبہ کا ایک وقیع اور موثر حصہ قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں، اس طرز عمل کے ذریعہ غازی مصطفےٰ کمال نے ہمیں یہ سبق سکھلا دیا ہے کہ قوم کا رہنما قوم کا امین ہے، اور ہر حال میں اُس کا فرض ہے کہ قومی امانت کا حساب، پیسہ پیسہ اور پائی پائی قوم کے سامنے پیش کردے۔ اس بات سے کہ قوم نے اپنے رہنما کو اپنی حکومت کا بڑا سے بڑا منصب پیش کردیا ہے، امین قوم ہونے کی ذمہ داریاں معدوم نہیں ہوجاتیں، بلکہ اور زیادہ بڑھ جاتی ہیں!

خاتمۂ کلام میں انھوں نے ایک اور حقیقت بھی آشکارا کردی۔ انھوں نے کہا کہ ان کی رہنمائی اور ریاست کے زمانے میں قوم نے اُنھیں جسقدر بھی مکانات اور آراضی دی ہیں، یا جس قدر جائداد اُنھوں نے اپنے جیب خاص سے خریدی ہے، وہ سب کی سب اُنھوں نے "قومی جماعت" کے نام منتقل کردی ہے، اور اب اُنکے پاس قوم کی خدمت اور محبت کے سوا، کوئی جائداد اور ملکیت باقی نہیں!

خلافت کی موقوفی

مسئلہ خلافت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اُنھوں نے کہا:

"لوزان میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد ابھی عصمت پاشا انگورہ پہنچے بھی نہ تھے کہ رؤف بک وزارت سے مستعفی ہوگئے تاکہ عصمت پاشا کو مبارکباد دینے سے بچ جائیں۔ استعفا دینے کے بعد وہ خاموش نہیں رہے بلکہ خلیفہ کا اقتدار بڑھانے کی کوششیں کرنے لگے، حالانکہ ملک میں عام رجحان، جمہوریت کی طرف پیدا ہوچکا تھا۔ رؤف بک کی جگہ فتحی بک وزیر اعظم ہوئے اور طویل مباحثہ کے بعد طے پایا کہ پایۂ تخت، انگورہ ہی رہے۔ مگر مخالف جماعت مصر تھی کہ آستانہ واپس جانا چاہیے۔

لہذا اب ضروری ہوگیا کہ اس تمام جھگڑے کا ایک مرتبہ فیصلہ کردیا جائے۔ چنانچہ میں نے ۲۸ راکتوبر کو اپنے ساتھیوں کو اطلاع دی کہ اعلان جمہوریت کے لئے تمام تدابیر مکمل ہوگئی ہیں۔ دوسرے دن جمہوریت کا اعلان ہوگیا، اور آدھی رات کو تمام ملک میں خبر مشتہر کردی گئی۔ عصمت پاشا پہلی جمہوری وزارت کے صدر مقرر ہوئے، اور فتحی بک مجلس وطنی کے رئیس قرار پائے۔

پوری ترکی قوم نے اعلان جمہوریت، انتہائی مسرت کے ساتھ سنا مگر مخالف جماعت سخت برہم ہوئی، اور اخبارات میں اپنی دعوت وسیع پیمانہ پر شروع کردی۔ اس جماعت کے سرگروہ، رؤف بک، رفعت پاشا، ڈاکٹر عدنان بک، کاظم قرہ بکر پاشا، اور علی فواد پاشا تھے۔ یہ لوگ شب و روز مخالف کوششوں میں سرگرم تھے۔ یہ مشہور کرتے تھے کہ خلافت وہ رفیع مقام ہے، جس کا تمام جہان کے مسلمان احترام کرتے ہیں۔ وہ ترکی قوم کا سب سے زیادہ قیمتی خزانہ ہے، لہذا اُسکے اقتدار میں کسی قسم کی کمی نہیں کرنی چاہیے، نیز انھوں نے یہ بھی کہنا شروع کیا کہ ترکستان میں انور پاشا، خلیفہ ہی کے نام پر جنگ کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کی کوشش یہ تھی کہ ملک میں پھر شاہی دستوری حکومت کی طرف لوٹا دیا جائے۔

ذاتی طور پر رؤف بک کی رائے یہ تھی کہ اقتدار قوم ہی کے ہاتھ میں رہے مگر حکومت کے سر پر آل عثمان کا کوئی فرد ضرور رہنا چاہیے۔ لطف یہ ہے کہ باوجود اس خیال کے وہ ہماری جماعت کے ایک رکن ہونے کے بھی مدعی تھے۔ یقیناً اُن کی نیت اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ ہم میں رہکر ہم میں پھوٹ ڈال سکیں۔

اب یہ واضح ہوگیا تھا کہ آستانہ میں خلافت کا باقی رہنا مشکلات کا موجب ہوگا، لہذا میں سمجھ گیا اور یقین کرلیا کہ منصب خلافت کی منسوخی کا وقت آگیا ہے۔ پھر میں نے عصمت پاشا، فوزی پاشا، اور کاظم پاشا سے مشورہ کیا۔ یہی رائے قرار پائی کہ منصب خلافت منسوخ کردیا جائے۔ چنانچہ یکم مارچ ۱۹۲۴ء کو مجلس وطنی میں حسب ذیل تجویز پیش ہوئی:

(۱) منصب خلافت منسوخ کیا جائے اور خاندان عثمانی کو ترکی سے باہر قیام کرنے کا حکم دیا جائے۔

(۲) امور شرعیہ اور اوقاف کی وزارتیں توڑ دی جائیں۔

(۳) ملک بھر میں تعلیم کا ایک ہی نظام جاری کیا جائے۔

یہ تجویز، مباحثہ کے بعد منظور ہوگئی۔ لیکن اُسی وقت مجھ سے درخواست کی گئی کہ منصب خلافت میں اپنے لئے قبول کرلوں مگر میں نے ان لفظوں میں انکار کردیا:

"دوستو! جو لوگ مسلمانوں کو خلیفہ اور خلافت کے نام سے دھوکا دینا چاہتے ہیں، وہ اسلام اور مسلمانوں کے عام طور پر، اور ترکی قوم کے خاص طور پر سخت دشمن ہیں۔ اب خلافت کا کوئی عملی اور حقیقی وجود باقی نہیں رہا ہے۔ ان اوہام پر یقین، سراسر غفلت و ضلالت ہے!"

اس طرح مخالف جماعت کو پوری شکست نصیب ہوئی۔ اُنھوں نے بڑی بڑی کوششیں کیں۔ کئی علاقوں میں شورشیں بھی برپا کرادیں۔ مگر ہم نے سب کا سدباب کردیا۔ جب ان لوگوں نے دیکھا کہ اُن پر تمام دروازے بند ہوچکے ہیں، تو پھر میرے قتل کی سازش شروع کردی۔ یہ کہنا ضروری نہیں کہ ان سازشوں میں بھی یکے بعد دیگرے ناکام ہوئے۔

خاتمۂ سخن

غازی نے اپنی تقریر ان الفاظ پر ختم کی:

"نوجوان ترکی! تیرا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ ترکی استقلال کی حفاظت کر اور ابد الآباد تک جمہوریت برقرار رکھ!"

یہ کہتے ہوئے غازی کی آواز غمناک ہوگئی۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ پھر اُنھوں نے کہا:

"یہی میری زندگی کا اصل الاصول ہے۔ یہی میرے مستقبل کا نصب العین ہے۔ اے نوجوان قوم! یہی تیرا سب سے زیادہ قیمتی خزانہ ہے۔ ایسے لوگ پیدا ہوسکتے ہیں جو مستقبل میں اس خزانہ کی طرف ہاتھ بڑھائیں گے، تاکہ تجھے اُس سے محروم کردیں۔ اگر ایسی صورت کبھی پیش آئے اور تو اپنی آزادی اور جمہوریت کی حفاظت پر مجبور ہوجائے تو ایک لمحہ کے لئے بھی پس و پیش نہ کرنا۔ ممکن ہے، حالات از حد نازک ہوں، ممکن ہے دشمن دنیا کی بے نظیر فتحمندی حاصل کرچکا ہو، ممکن ہے تیرے تمام قلعے دشمن کے ہاتھوں میں جاچکے ہوں، ممکن ہے تیری تمام فوجیں پراگندہ ہوچکی ہوں، ممکن ہے تیری تمام زمینیں چھن گئی ہوں، بلکہ میں کہتا ہوں، ممکن ہے اس سے بھی زیادہ کوئی بڑی مصیبت تیرے سامنے آکھڑی ہو۔ لیکن ان تمام مصائب پر بھی تیرا فرض یہی ہوگا کہ ترکی استقلال اور ترکی جمہوریت کی حفاظت میں لگاتار جان دیتی رہے۔ تجھے جس قوت کی ضرورت ہے، وہ کہیں باہر نہیں ہے، خود تیرے خون میں موجود ہے۔ وہ خون جو لے حضرات! آپ سب کی رگوں میں دوڑ رہا ہے!"

اس کے بعد غازی نے اُس تمام روپیہ کا حساب پیش کیا جو اُنکے ہاتھ میں شروع سے ابتک آیا ہے۔ پھر اس عبارت پر تقریر ختم کردی:

"اس رقم کے علاوہ میرے پاس وہ مکان ہے جو انگورہ کے باشندوں نے مجھے ہدیۃً دیا تھا۔ نیز بروسہ، طرابزون، ارض روم، انطاکیہ، قونیہ، اور سمرنا میں بھی ایک ایک مکان وہاں کے باشندوں نے مجھے دیا ہے۔ نیز وہ زمین بھی ہے جو میں نے انگورہ کے مضافات میں خریدی ہے مگر یہ تمام جائداد، میری نہیں ہے۔ میں اسے مخلق فرقہ سی" (جمہوری پارٹی) کو دے چکا ہوں!"

غازی مصطفےٰ کمال پاشا کے خطبہ کا اثر

بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ اس خطبہ سے اُن تمام لوگوں کو

سخت تکلیف پہنچے گی، جن کا ذکر مخالفانہ طریقہ پر کیا گیا ہو۔ لیکن اب تک صرف تین ہی آوازیں مخالفت میں بلند ہوئی ہیں: ایک اندرون ملک سے۔ دو باہر سے۔ اندرون ملک میں محمود پاشا جو رد ل صوی کی آواز ہو۔ بیرون ملک سے خالدہ ادیب ہانم نے اعتراض کیا ہو اور اخبار لنڈن ٹائمس نے شکایت کی ہو جو گویا برطانیہ کی آواز ہو۔

محمود پاشا کی نسبت غازی نے اپنے خطبہ میں کہا تھا کہ اُنھوں نے سنہ ۱۹۱۹ میں اخبار "باسفورس" کے نمائندے سے کہا "ٹرکی اپنی سرحدوں میں ایسی تبدیلی کر دینے پر راضی ہو، جس سے آرمنی خوش ہو جائیں"

محمود پاشا نے اس سے انکار کیا ہو۔ وہ لکھتے ہیں: میں نے ۲ مارچ سنہ ۱۹۱۹ کو اخبار "استقلال" کے نمائندہ سے بیان کیا تھا کہ ترکی قوم اپنی سرزمین کا ایک بالشت بھی چھوڑنے کے لئے طیار نہیں ہو"

محمود پاشا کے جواب میں "خلق فرقہ سی" کے سکرٹری نے اعلان کیا ہو کہ عنقریب وہ تمام دستاویزیں شایع کر دی جائیں گی، جو غازی کے خطبہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ اُسوقت محمود پاشا کو معلوم ہوگا کہ غازی نے اپنے خطبہ میں اُن کی کس قدر رعایت کی ہو۔ ساتھ ہی ترکی اخبارات نے محمود پاشا کا اصلی بیان بھی شایع کر دیا ہو، جو بعینہ وہی ہو جس کا حوالہ غازی نے اپنے خطبہ میں دیا ہو۔ اسی قدر نہیں بلکہ غازی کا وہ برقی پیغام بھی نقل کیا گیا ہو جو اُنھوں نے ۷ر نومبر سنہ ۱۹۱۹ء کو محمود پاشا کو بھیجا تھا۔ اسمیں لکھا ہو "آپ کی تصریح سے مشرقی صوبوں کے باشندے سخت ناراض ہیں۔ ترکی قوم ہرگز ارمنوں کو اپنی ایک انچ زمین بھی نہیں دے گی، بلکہ اس کے برعکس اپنے خون سے اسکی حفاظت کرے گی!"

خالدہ ادیب ہانم نے اخبار ٹائمس میں اپنی برأت ظاہر کرتے ہوئے غازی کے رد میں لکھا ہو "میں ہرگز امریکن حمایہ کی موید نہیں تھی، جیسا کہ غازی نے بیان کیا ہو۔ البتہ میں انجمن ولسن کی ایک رکن ضرور تھی۔ اس انجمن کا مقصد یہ تھا کہ ٹرکی کے لئے امریکہ سے مالی اور اقتصادی امداد حاصل کی جائے۔ خود غازی اس انجمن سے اور اس کے مقاصد سے واقف تھے۔ اُنھوں نے کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا"

لیکن خالدہ ادیب کا یہ جواب صحیح نہیں ہو۔ دراصل اُنھوں نے غازی کا پورا خطبہ پڑھنے سے پہلے ہی جواب لکھ مارا۔ خطبہ میں وہ تمام خطوط بھی غازی نے نقل کئے تھے جو موصوفہ نے بکر سامی بک اور خود غازی کو لکھے تھے۔ ان خطوط سے صاف معلوم ہوتا ہو کہ وہ امریکن حکمرداری کو ٹرکی کے لئے ضروری خیال کرتی تھیں۔

برطانیہ بھی غازی کی صاف گوئی سے شاکی ہو۔ لنڈن ٹائمز شکایت سے پہلے اعتراف پر مجبور ہوا کہ "یہ خطبہ، غازی کی عظمت میں چار چاند لگا دیگا، کیونکہ اُنھوں نے اپنی ذرا بھی تعریف نہیں کی۔ حالانکہ دنیا جانتی ہو، ٹرکی میں جو کچھ ہوا ہو، محض اُنہی کی ہمت و تدبیر سے ہوا ہو!" لیکن ساتھ ہی ان لفظوں میں شکایت بھی کرتا ہو:

"غازی نے اپنے خطبہ میں بار بار برطانیہ کا ذکر کیا ہو۔ ٹرکی کے ساتھ جو طرز عمل یورپ نے اختیار کیا تھا، وہ اُس کی ذمہ داری تمام اتحادیوں پر نہیں ڈالتے، بلکہ سراسر الزام برطانیہ ہی کو دیتے ہیں۔ گویا دوسرے اتحادیوں نے کچھ کیا ہی نہیں۔ یہ افسوس کا مقام ہو کہ ترکی دماغ میں اب تک برطانیہ کے خلاف زہریلے افکار موجود ہیں!"

ان تین اعتراضوں کے علاوہ کسی کو زبان کھولنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ کیونکہ غازی نے جو کچھ کہا، مدلل کہا ہو۔ تمام ملک میں اُن کے خطبے کے بعد ایک نیا جوش پیدا ہو گیا ہو۔ اور ہر طرف سے اُن کے پاس پیغام آ رہے ہیں کہ ترکی قوم، قیامت تک اپنی جمہوریت برقرار رکھے گی۔

جمہوری ترکی کا مسلک

غازی کے خطبہ کے بعد، خلق فرقہ سی کے لئے ضروری تھا کہ اپنے مسلک کا اعلان عام کر دے۔ چنانچہ وزیر اعظم عصمت پاشا اور انجمن کے صدر دوم نے ٹرکی کا آئندہ مسلک، مفصل طور پر شایع کر دیا ہو۔

ذیل میں اُس کا خلاصہ دیا جاتا ہو:

"خلق فرقہ سی" کیا ہو؟

عصمت پاشا نے اپنا بیان، خلق فرقہ سی کی حقیقت کی تشریح سے شروع کیا ہو۔ وہ لکھتے ہیں:

"یہ انجمن جمہوری ہو۔ کسی خاص مذہب سے تعلق نہیں رکھتی۔ وہ یقین کرتی ہو کہ قوم کی کامیابی کا راز، اُس کی اقتصادی حالت کی درستگی میں ہو۔ یہی باعث ہو کہ اُس کا پورا مسلک، اسی اصل پر مبنی ہو اور اُس کے جملہ قوانین میں اسی کی رعایت کی جاتی ہو"

داخلی امن

"ملک میں امن و امان برقرار رکھنا ہمارا اولین فرض ہو تاکہ قوم کا ہر فرد اپنی سعی و ہمت کا ثمرہ بلا کسی اندیشہ کے حاصل کر سکے"

عدالتی مسلک

"مدنی قوانین کا اجرا، اور ان قوانین کی جمہوری روح کی تعمیم، اُس کا عدالتی مسلک ہو۔ وہ چاہتی ہو جلد سے جلد اور زیادہ سے زیادہ آسان طریقہ پر عدل و انصاف ہر انسان کے دسترس میں آ جائے"

خارجی مسلک

"ترکی جمہوریت کی عزت کی حفاظت، ترکی قوم کے حقوق کی حمایت وہ حقوق جو قوم نے طویل جہاد کے بعد حاصل کئے ہیں۔ تمام قوموں کے ساتھ مساوات کے دائرے میں دوستانہ تعلقات؛ اُس کا خارجی مسلک ہو"

تعلیمی مسلک

"ہمارا تعلیمی مسلک یہ ہو کہ تعلیم قومی ہو اور مذہب اس سے الگ رکھا جائے۔ نظام تعلیم ایک ہو۔ نئی نسلوں کی ایسی تربیت کی جائے جس سے ہماری مدنی و اجتماعی برتری قائم ہو اور اقتصادی زندگی مستحکم ہو جائے۔ ہماری کوشش یہ ہو کہ قوم ابتدائی مفت تعلیم سے پوری طرح مستفید ہو۔ غیر تعلیم یافتہ افراد کو شبینہ مدارس کے ذریعہ تعلیم دی جائے ترکی جامعہ کو مزید تقویت دی جائے اور زیادہ سے زیادہ جدید تعلیم گاہیں جاری کی جائیں۔ ہم فنون جمیلہ کے بھی پر جوش حامی ہیں۔ ترکی زبان کی ترقی و تہذیب کا ہمیں از حد اہتمام ہو۔ ترکی حروف کا مسئلہ بہت مشکل ہو۔ اور ہم اس پر بھی غور کر رہے ہیں"

مردم شماری

ٹرکی کی تاریخ میں اب پہلی مرتبہ مردم شماری ہوئی ہو۔ اس سے پہلے ایک مرتبہ مرحوم حکومت عثمانیہ نے اس کی کوشش کی تھی، مگر تنگ نظر علما نے اس کی سخت مخالفت کی، اور اسے دین کے خلاف قرار دیا۔ چنانچہ البانیہ اور بعض دوسرے علاقوں میں بغاوت شروع ہو گئی مجبوراً حکومت کو اس "خلاف شرع" فعل سے باز رہنا پڑا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسی کو بھی ملک کی صحیح آبادی معلوم نہ تھی۔ خود ترکی حکومت بھی اپنی آبادی کی قوت سے ناواقف تھی۔ اور اس وجہ سے بے شمار سیاسی، اقتصادی، اور جنگی مضرتیں ملک کو پہنچا کرتی تھیں۔

اب ترکی جمہوریت نے یہ اہم مسئلہ قطعی طور پر حل کر دیا۔ چنانچہ ۲۸ر اکتوبر کی تاریخ مردم شماری کے لئے مقرر کی گئی۔ حکم تھا، کوئی شخص بھی اپنے گھر سے نہ نکلے، یہاں تک کہ توپ داغی جائے۔ اس حکم پر اجنبی باشندوں نے یہ اعتراض کیا کہ دن بھر وہ اپنے کام معطل نہیں رکھ سکتے۔ مگر حکومت نے کوئی اعتراض نہیں سنا اور مردم شماری پوری ہو گئی۔

ان سطور کی تحریر کے بعد معلوم ہوا کہ مردم شماری سے ثابت ہوا ہو کہ ٹرکی کی موجودہ آبادی ایک کرور ۴۰ لاکھ ہو۔ قسطنطنیہ کی آبادی ۸ لاکھ ۵۰ ہزار ہو۔

میں ایک صحافی کی طرح نقل و روایت کا فرض انجام دیتا ہوں نقد و بحث میرا کام نہیں ہو۔ میں نے غازی کے خطبہ کا خلاصہ اور "خلق فرقہ سی" کا مسلک پیش کر دیا۔ البتہ مجھے یہ کہنے میں تأمل نہیں کہ جماعت خلق کی موجودہ اجتماعی ذہنیت سے اکثر مسلمانان عالم کو اتفاق نہیں ہوگا۔ وہ اپنی جدید اجتماعی زندگی کے عناصر میں مذہب کو کوئی نمایاں جگہ نہیں دینی چاہتے۔ خود ترکوں کی اکثریت اسوقت تک اس سے متفق نہیں ہو۔ بیرونی دنیا کی عام اسلامی رائے تو یقیناً مخالف ہوگی۔ میں اپنے حدود صحافت سے ایک دو قدم آگے بڑھ کر، آئندہ تفصیل کیساتھ اس موضوع پر لکھنے کی کوشش کروں گا۔

عالم مطبوعات و صحائف

روسی راہب راسپوٹین کا قتل

پرنس یوسوپوف کا اعتراف

قارئین الہلال روس کے پُر اسرار راہب راسپوٹین کے نام اور حالات سے اچھی طرح واقف ہیں: الہلال نمبر (۹) میں اس کی پوری سرگزشت ان کی نظروں سے گزر چکی ہو۔ جو حیرت انگیز اقتدار اور تسلط اسے زار اور ملکۂ روس پر حاصل ہو گیا تھا، اُسکی کوئی دوسری نظیر بیسویں صدی کی تاریخ میں موجود نہیں۔ یہ اُن کا مذہبی رہنما تھا۔ پھر روحانی معلم اور مرشد کی طرح مانا جانے لگا، پھر مشیر اور وزیر سب کچھ بن گیا۔ زار اور زارینہ بیجان آلہ کی طرح اس کی انگلیوں میں تھے۔ جس طرح چاہتا تھا، اُنھیں استعمال کرتا تھا۔ ملک میں تھوڑی بہت سیاسی اصلاحات جو ڈیوما (روسی پارلیمنٹ) کی شکل میں جاری ہو گئی تھیں، اسی کے اشارے سے غارت ہوئیں، روشن خیال اور اصلاح پسند امرا کو اسی نے قتل اور جلاوطن کرایا، زار کے بہترین دوست اور مدۃ العمر کے وفادار خادم اسی کے حکم سے سائبیریا بھیجے گئے۔ پھر جب عالمگیر جنگ عالم شروع ہوئی، تو جرمن نے بے شمار روپیہ خرچ کر کے اس کی خدمات حاصل کر لیں۔ یہ جرمن جاسوس تھا، لیکن روس کے تمام اسرار جنگ اسی کے قبضہ میں تھے۔ ایک طرف یہ زار کو یقین دلاتا کہ میری روحانی برکتوں اور دعاؤں سے جرمن فوجیں اور روس کے تمام حریت پسند ہلاک ہو جائینگے دوسری طرف جرمن دفتر جنگ کو فوجی نقل و حرکت کی بروقت خبریں بھیجدیتا تاکہ تمام روسی فوج کا خاتمہ کر دیں!

زار پر یہ حیرت انگیز اقتدار اُسے کیسے حاصل ہوا تھا؟ ملکہ کے ذریعہ۔ ملکہ کیوں اُس کے احکام سے سر مو تجاوز نہیں کر سکتی تھی؟ خود راسپوٹین کی لڑکی صوفیا نے اپنی دہشت انگیز یادداشتیں شایع کر کے دنیا کو بتلایا ہو کہ "اُس میں اور ملکہ میں [illegible] تعلق تھا۔ راسپوٹین سے اُسے عقیدت ہی نہیں تھی، بلکہ ہوس پرستی [illegible] تھا"

صوفیا کے علاوہ ایک اور شخص بھی یورپ میں موجود ہو، جو روس کے شاہی خاندان سے قریبی تعلق رکھتا ہو، اور اس روسی راہب کی تمام سرگزشت حیات سے واقف ہو۔ یہ پرنس یوسوپوف ہو۔ اسی

نے سب سے پہلے اس راہب کی کارستانیوں سے دنیا کو واقف کیا تھا۔ اسی نے ملکۂ روس کے وہ تمام خطوط شائع کئے، جن سے راسپوٹین سے اُس کی حیرت انگیز عقیدت و عبودیت پر روشنی پڑتی تھی۔

لیکن پرنس یوسوپوف نے اس وقت تک دُنیا کو اس راز سے واقف نہیں کیا تھا کہ راسپوٹین کا خاتمہ کیونکر ہوا؟ اُسنے اپنی کتاب میں لکھا تھا کہ "وہ قتل کر دیا گیا" کچھ دنوں کے بعد جب صوفیا کی یادداشت شائع ہوئی، تو اس سے بھی صرف اتنی بات معلوم ہوئی کہ "راسپوٹین قتل کر دیا گیا، اور اُس کی لڑکی (صوفیا) کسی کسی طرح جان بچا کر نکل بھاگی" عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ راسپوٹین بھی انقلاب روس کے قتل عام میں قتل ہوا ہے۔

لیکن اب اس سلسلہ میں ایک نیا انکشاف ہوا ہے۔ یعنی پرنس یوسوپوف نے اپنی کتاب کا ایک تتمہ اخبارات میں شائع کرایا ہے۔ اسمیں وہ اعتراف کرتا ہے کہ "راسپوٹین کو خود میں نے اپنے ہاتھ سے قتل کیا تھا!"

پرنس لکھتا ہے:

"میں نے اور میرے دوستوں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح اس شیطان کے اقتدار سے روس کو نجات دلائیں، مگر ہر کوشش ناکام رہی ملکۂ روس کچھ اس طرح اُس کے جال میں پھنس گئی تھی کہ کوئی بات اُس کے خلاف سُننا گوارا نہیں کرتی تھی، اور زار اپنی ملکہ کا غلام تھا مجبور ہو کر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس شیطان کو قتل کر ڈالا جائے۔ اس کے سوا خلاصی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ چونکہ اس مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی تھی، جب تک اُس سے بظاہر دوستی پیدا کر کے دام میں نہ لایا جائے۔ اس لئے میں نے کئی ماہ باہم گر تعلقات بڑھانے میں صرف کر ڈالے۔ یہاں تک کہ اُسے پُوری طرح مجھ پر بھروسہ ہو گیا، اور ایک دن میں نے اُس سے وعدہ لے لیا کہ وہ یکم دسمبر ۱۹۱۶ء کو میرے محل میں آکر ضیافت میں شریک ہوگا"

اس کے بعد پرنس، قتل کا واقعہ اس طرح بیان کرتا ہے:

"گیارہ بجے رات کو سپر کی (یعنی نصف شب کے کھانے کی) تمام طیاریاں مکمل ہو گئیں۔ دعوت کی میز پر بہت بڑی بڑی قابیں رکھی گئیں۔ ان میں مختلف قسم کے گوشت، جو راسپوٹین کو خاص طور پر مرغوب تھے طیار کرا کے رکھے گئے تھے۔ اور روغنی ٹکیاں اور نفیس کیک بھی موجود تھے۔ نیز قسم قسم کی شرابیں اور نظر فریب جام مہیا کئے گئے تھے..."

"میں نے الماری سے ایک صندوق نکالا۔ اس میں کئی قسم کے قاتل زہر مخفی تھے۔ پھر میں نے میز پر سے ایک قاب اُٹھائی۔ اسمیں ۶ کیک تھے۔ ڈاکٹر لازدورٹ نے ربڑ کے دستانے پہن لئے پھر ایک خاص زہر "سیانڈ پوٹاس" لے کر کیکوں پر چھڑک دیا۔ پھر بعض دوسرے قسم کے زہر بھی شراب میں ملا دئے۔ ڈاکٹر نے مجھے یقین دلایا تھا کہ زہر اتنی زیادہ مقدار میں ڈال دیا گیا ہے کہ شراب کا ایک گھونٹ کئی آدمیوں کے قتل کے لئے کافی ہے۔ اس ڈاکٹر کی خدمات میں نے خاص اسی غرض سے حاصل کر لی تھیں"

"جب راسپوٹین آیا تو میں اسے کھانے کے کمرے میں لے گیا۔ اُسنے اپنی پسند کا گوشت سیر ہو کر کھایا۔ پھر میں نے روغنی روٹی کی پلیٹ آگے بڑھائی جس میں زہر نہ تھا۔ نہیں معلوم میں نے ایسا کیوں کیا؟ لیکن یہ واقعہ ہے کہ بلا قصد مجھ سے ایسا ہی ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے زہریلے کیک سامنے کئے اُسنے پہلی قاب سے روغنی ٹکیا لے لی، لیکن زہر آلود کیک سے انکار کر دیا۔ اس انکار نے مجھ پر سخت رُعب طاری کر دیا۔ میں ڈرا، شاید یہ شخص ولی اللہ ہے، اور زہر سے واقف ہو گیا ہے۔ میں نگاہیں خوف سے نیچی کئے تھا، اور دل دھڑک رہا تھا۔ اچانک اُس کے ہاتھوں کو جنبش ہوئی اور یہ کہہ کر اُسنے ایک کیک اُٹھا لیا "تمھاری خاطر سے!" اور بلا تأمل منہ میں رکھ لیا۔ پھر دوسرا لیا اور کھا لیا۔ میں بالکل خاموش تھا۔ ایک سکتہ کا سا عالم مجھ پر طاری تھا۔ مجھے یقین تھا، اب فوراً زہر کا اثر اُس پر ظاہر ہو جائے گا۔ مگر میری حیرت کی کوئی حد نہ رہی، جب میں نے دیکھا، کہ وہ پوری طرح تندرست ہے۔ کوئی اثر بھی اُس پر ظاہر نہیں ہوا۔ مجھ سے ہنس ہنسکر باتیں کر رہا ہے!"

"پھر اُسنے مسموم شراب جام میں انڈیلی۔ میں فرط اضطراب سے کھڑا ہو گیا۔ اب مجھے یقین تھا کہ وہ فوراً مرجائے گا۔ مگر وہ بڑے اطمینان سے مزہ لے لے کر پیتا رہا۔ کئی جام خالی کر دئے۔ پھر وہ کمرے میں ٹہلنے لگا۔ برابر باتیں کئے جاتا تھا۔ اب رات کے تین بج چکے تھے۔ مگر اُس پر زہر کا کوئی اثر نہ تھا!"

"ٹہلتے ٹہلتے اُسنے یہ کہہ کر مجھے مبہوت کر دیا "باقی رات، جلسۂ رقص میں گزارنی چاہئے!" اب میں جیب سے پستول نکال چکا تھا کیونکہ جب زہر کی اتنی بڑی مقدار کارگر نہ ہوئی، تو بجز پستول کی گولی کے اور کونسا ذریعۂ قتل کام دے سکتا تھا۔ اُس کے جلسۂ رقص کے جواب میں میں بے اختیار چیخ اُٹھا "خبیث بھوت! کیا یہ بہتر ہوگا کہ جلسۂ رقص کی جگہ تو صلیب دیکھے اور نماز پڑھ لے، کیونکہ ایک لحظہ بعد تو مرا پڑا ہوگا!"

اُس کی آنکھوں میں ایک ہولناک چمک پیدا ہوئی۔ پھر فوراً ہی ایک قسم کا خشوع و خضوع طاری ہو گیا۔ وہ جلدی سے میرے قریب آیا۔ اپنی چمکیلی آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ دیں۔ میں نے آہستہ سے اپنا پستول والا ہاتھ پیچھے سے سامنے کر دیا"

"پستول دیکھ کر راسپوٹین بھاگا نہیں۔ نہ مقابلہ کی کوشش کی۔ اُسنے اپنی نظریں میرے چہرے سے ہٹالیں اور صلیب پر جما دیں جو اُس کے گلے میں پڑی تھی۔ وہ اب بھی بالکل خاموش تھا۔ میں نے پستول کی لبلبی دبائی اور گولی اُس کے سینے پر لگی۔ اُسنے بڑے زور سے چیخ ماری اور چت گر پڑا۔ میں نے دوڑ کر زخم کا معائنہ کیا۔ گولی دل چیر کر نکل گئی تھی۔ یہ بالکل یقینی تھا۔ راسپوٹین مر گیا!"

"میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اُس کے قریب کھڑا صلیب کو دیکھ رہا تھا۔ اچانک ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ قریب تھا، میں بیہوش ہو کر گر پڑتا۔ راسپوٹین، بجلی کی سی تیزی سے اپنے پیروں پر سیدھا کھڑا ہو گیا! بڑے زور سے چلایا۔ تمام مکان اُس کی چیخ سے گونج اُٹھا۔ پھر اُسنے اپنی فولاد سے بھی زیادہ مضبوط انگلیوں سے میرا بازو پکڑ لیا۔ مجھے یقین تھا، میری ہڈی ٹوٹ جائے گی۔ اب اُسنے میری گردن پکڑنے کی کوشش کی۔ میں اپنی دہشت و خوف کے بیان سے قطعاً قاصر ہوں۔ میں نے خیال کیا، یہ بھوت مجھے اب مار ڈالے گا۔ مگر فوراً میرے جسم میں بھی ایک عظیم قوت پیدا ہو گئی۔ میں نے زور لگا کے اپنے آپ کو چھڑایا اور بھاگنے لگا"

"راسپوٹین بھی میرے تعاقب میں دوڑا۔ وہ برابر چلائے جاتا تھا اور قتل کی دھمکی دیتا تھا۔ میں زینے پر جا کر رُکا۔ اُسوقت اُس کی صورت بالکل بھوت کی سی ہو گئی تھی۔ تمام لباس خون سے رنگین تھا، اور سینہ سے خون کا فوارہ بہ رہا تھا!"

"وہ زینہ کے سامنے پہنچکر رُکا۔ پھر تیزی سے دروازے کی طرف دوڑ کر صحن میں پہنچ گیا۔ صحن میں تاریکی تھی۔ میرے نوکروں نے مسلسل تین گولیاں اُس پر چلائیں۔ اب وہ لڑکھڑایا، اور برف کے ایک ڈھیر کے سامنے پہنچکر گر پڑا"

"اب واقعی راسپوٹین، روس کا مہیب بھوت، مر چکا تھا!"

زہر آلود غذا کے عدم تأثر کی نسبت پرنس نے جو کچھ لکھا ہے، یہ راسپوٹین کا کوئی اعجاز نہ تھا، بلکہ خود پرنس کی ایک ایسی غلطی تھی جس کا ذہنی اضطراب کی وجہ سے اُسے احساس نہیں ہوا۔ اس طرح کی صورتِ حال میں ایسی غلطی اکثر ہو جایا کرتی ہے۔ دراصل خوف و دہشت اور اعتقادی کمزوری کی وجہ سے اُسوقت پرنس کی ذہنی حالت مختل ہو چکی تھی۔ اُسنے یکے بعد دیگرے جسقدر قاب اُٹھا کر پیش کئے، اُن میں سے کوئی قاب بھی زہر آلود نہ تھا۔ ذہنی پریشانی کی وجہ سے اُسنے جسے زہر آلود سمجھ کر اُٹھایا، وہ زہر آلود نہ تھا، اور جنھیں غیر زہر آلود سمجھ کر چھوڑ دیا، وہی زہر آلود تھے۔ اس طرح کی غلطی ذہنی اضطراب کی حالت میں ہر انسان سے ہو جایا کرتی ہے

فلسطین میں آثار قدیمہ

(ہتیاروں کا قدیم سانچہ)

اخبار السیاسہ راوی ہے کہ جرمن محقق ڈاکٹر رسلمین کو بلاطہ (فلسطین) کے کھنڈروں میں مٹی کا ایک سانچہ ملا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے، یہ سانچہ ہتیار ڈھالنے کے لئے بنایا گیا تھا۔

پتھر کی تپائیاں

اب سے پہلے یہ خبر شائع ہو چکی ہے کہ شہر نابلس میں پتھر کی قدیم تپائیاں پائی گئی ہیں۔ پہلے خیال کیا جاتا تھا یہ کسی قدیم تماشہ گاہ کا بقایا ہیں۔ لیکن اب علمائے آثار قدیمہ نے معلوم کر لیا ہے کہ یہ دیوی ارتمیس کے مندر کے آثار ہیں۔ یہ مندر، رومن شہنشاہ سپٹیم سویر نے تعمیر کیا تھا۔ (السیاسہ)



دہلی کے نامی اور نامور مشہور و معتبر مقبول خاص و عام اسم با مسمّیٰ

ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی کا

عدیم المثال نادر الوجود سرائی تحفہ

تار کا کافی پتہ "ہمدرد، دہلی"

ماء اللحم دو آتشہ

برنسخہ خاص

زندگی جیسی عزیز اور پیاری چیز ہو وہ ظاہر ہو۔ لیکن تندرستی بھی ایک ایسی نعمت ہو کہ بغیر اس کے زندگی بے لطف بلکہ بیکار ہو۔ تندرستی ہزار نعمت ہو۔ تندرستی ہو تو سب کچھ ہو۔ اگر آپ کو تندرستی کی قدر ہو اور تندرست رہنا پسند کرتے ہیں تو ماء تازہ کشید کیا ہوا ماء اللحم استعمال کیجئے اور پیری میں شباب کا لطف اُٹھائیے یہ امر تو مسلم ہو کہ ماء اللحم مقوی ارواح ہو، بدن میں چستی اور توانائی پیدا کرنا۔ رنگ کا نکھارنا۔ روح کو تازگی اور قوت دینا۔ گئی ہوئی طاقت میں از سر نو جان کا ڈالنا اس کی خاصیت ہو۔ مگر ہمارا ماء اللحم خصوصیت کے ساتھ پیروں کو جوان اور جوانوں کو نوجوان بناتا ہو اس لئے کہ نادر اور بیش قیمت اور مقوی اور فرحت بخش اجزاء سے بطرز خاص تیار کیا گیا ہو۔ نسخہ بھی اس کا معمولی اور کتابی نہیں ہو بلکہ عالیجناب شفاء الملک بہادر غفراں مآب مسیح اعظم دہلی کا خاص خاندانی نسخہ ہو جو جناب ممدوح نے بغرض رفاہ عام "ہمدرد دواخانہ" کو مرحمت فرمایا ہو۔ ایک مرتبہ ماء اللحم کا استعمال فرما کر خدا کی قدرت کا تماشا دیکھیے۔ فائدہ تو تین دن کے بعد ہی معلوم ہوتا ہو مگر معتدبہ اور پورا فائدہ ایک چلہ میں ہوتا ہو۔ پبلک کو صرف اپنی لفاظی اور خوش بیانی سے خوش کر دینا ہمارا شیوہ نہیں ہو۔ مگر بعض اُمور میں ہم کو اپنی سچی ہمدردی کے اظہار کا کوئی موقع نہیں ملتا ہو تو مجبور ہو کر اشتہار دینا پڑتا ہو۔

ماء اللحم کے استعمال کا یہی موسم ہو اور یہی زمانہ ہو منگائیے! اور آزمائیے!! تجربہ بتا دے گا کہ ہمدرد کہاں تک اپنے دعویٰ میں سچا ہو۔ مشک آنست کہ خود ببوید۔ قیمت بھی بہ نظر ہمدردی پانچ روپیہ فی بوتل مقرر کی گئی ہو علاوہ اس کے چند اقسام کے حلوے مقوی اور خوش ذائقہ نہایت نفیس تیار ہیں جن کے پورے افعال و خواص آپ فہرست میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ نیز ہر قسم کی مفرد و مرکب دوائیں اس دواخانہ سے مناسب قیمت پر ملتی ہیں۔ فہرست ۱۹۲۷ء مع جنتری تیار ہو۔ مفت طلب فرمائیے۔ خط و کتابت کے لئے کافی پتہ "منیجر ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی"

منیجر ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی

دو روپے تولہ سونا

رنگ دیکھ لو — گھس کر آزما لو

جرمنی کی حیرت انگیز ایجاد

اس سونے کی نہایت خوبصورت نازک منقش چوڑیاں جرمنی سے بنکر آئی ہیں۔ چونکہ انہیں ایک خول کی صورت میں بنایا گیا ہو۔ انکے اندر رنگیں چوڑیاں آجاتی ہیں۔ اور یہ معلوم ہوتا ہو کہ بہترین زبرجد اور یاقوت کے نگینے جڑے گئے ہیں۔ برسوں استعمال کیجئے لیکن رنگ و رونق میں فرق نہیں آتا اور نہ سیاہی دیتی ہو۔ صنف نازک کے لئے بہترین تحفہ ہو۔ ڈھائی روپیہ میں پانچسو روپے کا کام نکالا جا سکتا ہو۔ ہر سائز کی موجود ہیں۔ سیکڑوں کی تعداد میں فروخت ہوتی ہیں۔ جلد منگوائیے تاکہ اسٹاک ختم نہ ہو جائے۔ ۸ چوڑیوں کی قیمت ڈھائی روپیہ جن کا وزن تقریباً ڈیڑھ تولہ ہوگا۔ چوبیس ۲۴ چوڑیوں کے مبلغ سات روپئے (معہ)

منیجر گولڈن سٹور۔ پوسٹ بکس نمبر ۱ لاہور

برص سفید داغ ۱۲ یوم میں جڑ سے غائب

ورنہ پوری قیمت واپس۔ اقرار نامہ لکھا لیں اکیس ۲۱ خوراک معجون مسیحا اور ایک شیشی روغن مسیحا جو پورے ۲۱ روز کافی ہوگی قیمت معہ خرچ ستار روپیہ تیرہ آنہ

دفتر معالج برص نمبر ۱۵ دربھنگہ (بہار)

پروانہ

اپنی نوعیت کا پہلا رسالہ ملک اور قوم و ملت کا سچا پروانہ دلچسپ اور اچھوتے مضامین نظم و نثر سے لبریز نومبر ۱۹۲۷ء دربھنگہ سے نہایت پابندی کے ساتھ شایع ہوگا لکھائی چھپائی اور کاغذ بہت نفیس چندہ سالانہ تین روپیہ (۳) طلبہ سے دو روپیہ (۲) ممالک غیر سے پانچ روپیہ (۵)

منیجر رسالہ پروانہ دربھنگہ (بہار)

افیم چھڑانے کی بے نظیر گولیاں

جن کے استعمال سے صدہا علی آسانی سے افیم چھوڑ چکے ہیں ایک روپیہ آٹھ آنے کی کئی عمر کی گولیاں کافی ہو سکتی ہیں۔ ملنے کا پتہ۔ حکیم محمد عمر اینڈ سنز موگا ضلع فیروزپور پنجاب

اشتہار

کے لئے

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو
نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

جو

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور جسے ملک معظم برطانیہ اور انکے کتبخانۂ قصر کے لئے کتابیں بہم پہونچانے کا شرف حاصل ہے!

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں
شایع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے اڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں سے ہر چھ ماہ
کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شایع ہوا کرتی ہے

مطبوعات الهلال بك ايجنسي

معارف ابن تيميه و ابن قيم

دينى علوم کے بيش بها جواهر ريزى

اس سلسله ميں هم نے اماميں کي ان نادر و اعلى درجه کي بلند پايه عربي تصانيف کے اُردو تراجم کا سلسله شروع کيا هے ' جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے ليے نهايت ضروري و ناگزير هے - اميد که يه "سلسلۂ تراجم" بد نصيب هندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

أسوۂ حسنه — امام ابن قيم کي فن سيرت ميں شهرهٔ آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصه کا اُردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد ارهائي روپيه -

كتاب الوسيله — لفظ "وسيله" کي بحث کے علاوه امام ابن تيميه نے اسلام کے اصل الاصول "توحيد" کي مبسوط بحث کي هے - بلا جلد ارهائي روپيه ' مجلد سوا تين روپيه -

اصحاب صفه — انکي تعداد ' ذريعه معاش ' طريق عبادت اور انکے مفصل حالات بيان کيے هيں دس آنے -

تفسير سورة الكوثر — امام ابن تيميه کے مخصوص انداز تفسير کا اُردو ترجمه - چار آنے -

العروة الوثقى — خالق و مخلوق کے درميان واسطه کا فرق بدلائل بيان کيا هے - چهه آنے -

سيرت امام ابن تيميه — حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نهايت خوش اسلوبي سے بيان کيے هيں - نو آنے

نجد و حجاز — علامه سيد محمد رشيد رضاء مصري کي تازه کتاب کا اُردو ترجمه - سوا روپيه -

أئمه اسلام — ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - باره آنے

خلاف الامه — في العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — يه ايک علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله هے جس کے خريدار کو هم نے کمال کوشش و کاوش سے اُردو ' عربي ' فارسي ' انگريزي ' اور دوسري زبانوں کي تمام اهم اور اعلى مطبوعات کے متعلق بهترين تازه معلومات بهم پهنچانے کا اهتمام کيا هے - اسکے علاوه أئمه و اسلام و بزرگان دين کے حالات ' لطائف افسانه ' نظميں اور ممالک اسلاميه کے معتبر ذرائع سے حاصل کيے هوے حالات درج کيے جاتے هيں - في پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپيه پيشگي -

منيجر الهلال بك ايجنسي

(حلقه نمبر ۲۴ شيرانواله دروازه لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

خط و كتابت كى وقت اپنا نام اور پته صاف لكهين

اور نمبر خريدارى ضرور تحرير فرمائين

السحر الحلال في مجلدات الهلال

گاه گاه باز خوان این دفتر پارینه را
تازه خواهی داشتن گر داغهای سینه را

اردو صحافت کي تاريخ ميں الهلال هي وه رساله هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصيات ميں ايک انقلاب آفريں دعوت تهي -

الهلال اگرچه ايک هفته وار مصور رساله تها ' ليکن چونکه وه اردو صحافت کي مختلف شاخوں ميں اجتهاد نظر و فکر کي نئي روح پيدا کرني چاهتا تها ' اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعه تها - اُس کے هر نمبر ميں مختلف ابواب ' مذهب ' سياست ' ادبيات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه کے هوتے تهے - اور اسکا هر باب اپني مجتهدانه خصوصيات کے لحاظ سے اپني نظير آپ هوتا تها - پهر اس کي ظاهري خوبياں اُردو صحافت ميں اعلى طباعت و ترتيب کا پهلا نمونه تهيں - اردو کا وه پهلا هفته وار رساله تها ' جس ميں هاف ٹون تصاوير کے اندراج کا انتظام کيا گيا ' اور ٹائپ ميں چهپنے کي وجه سے بهت سي ايسي خوبياں پيدا هوئيں جو پتهر کي چهپائي ميں ممکن نهيں - اِس کي جلديں جديد اُردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سياسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بهترين مجموعه هيں - اِن کي مقبوليت و قدر کا اندازه اِس سے هوسکتا هے که سنه ۱۹۱۸ ميں بعض شايقين علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپيه ميں خريد ليا - اور حال ميں ايک صاحب نے اِس کي پهلي جلد مکمل (جو دفتر ميں بهي موجود نهيں) سازهے چارسو روپيه ميں حيدرآباد سے خريدي هے - جن لوگوں نے اِس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هيں وه بڑي سے بڑي قيمت پر بهي علحده کرنے کيليے تيار نهيں - پچهلے دنوں "البلاغ پريس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان ميں منتقل کيا گيا تو ايک ذخيره الهلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا ' هم نے کوشش کي که شايقين علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلديں مرتب کي جا سکتي هيں مرتب کرلي جائيں اور جن جلدوں کي تکميل ميں ايک دو پرچوں کي کمي هو انهيں دوباره چهپوا ليا جاے -

چنانچه الحمدلله يه کوشش ايک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوه متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلديں پوري مکمل هوگئي هيں - هم اِس اعلان کے ذريعه شايقين علم و ادب کو آخري موقعه ديتے هيں که اِس قيمتي ذخيره کے حاصل کرنے ميں جلدي کريں ' چونکه جلدوں کي ايک بهت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف اُنهيں درخواستوں کي تعميل هوسکے گي جو سب سے پهلے پهونچيں گي - هر جلد مجلد هے اور ابتدا ميں تمام مضامين کي انڈکس به ترتيب حروف تهجي لگادي گئي هے -

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپيه — الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپيه

" " چهارم ۱۰ روپيه — " " پنجم ۱۰ روپيه

جلد "البلاغ" (جب دوسري مرتبه الهلال اِس نام سے شائع هوا) قيمت ۸ روپيه

علاوه جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هيں جن ميں سے هر پرچه اپنے مضامين کے لحاظ سے ايک مستقل مجموعه علم و ادب هے - قيمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پيکنگ اِس کے علاوه هے -

منيجر "البلاغ پريس"

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

١٩٢٧

جلد ١

نمبر ٢٤

الهلال

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت ٥ ـ آنہ

الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - بالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول	- -	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلیے	- -	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی	- - -	سات روپیہ
قیمت فی پرچہ	- - -	پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر "منیجر الہلال" کے نام سے کی جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لفافہ پر "ایڈیٹر" کا نام ہونا چاہیے -

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے -

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں - ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے ' مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرالیں -

(۷) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين
القرآن الكريم

الهلال

ایک هفته وار مصور رساله

نمبر ۲٤ — کلکته : جمعه ٦ . جمادی الثانی ١٣٤٦ هجری — جلد ١

Calcutta : Friday, 2, December 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نهین ؟

آج کوئی زبان ترقی نهین کر سکتی اگر وه اپنا ترقی یافته طریق طباعة نهین رکھتی . طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نهین که حروف کی چهپائی اختیار کی جای . پتهر کی چهپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبهی ترقی نهین کر سکتی .

اردو کی سب سی بهتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وه هین جن مین الهلال چهپتا هی . اور عربی کا بهترین خط نسخ وه هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گئی هین . آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین . لیکن پتهر کی چهپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین .

براه عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی . یاد رکهیی . طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیاده اهم مسئله هی . ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین .

الهلال

قارئین الهلال کی آراء

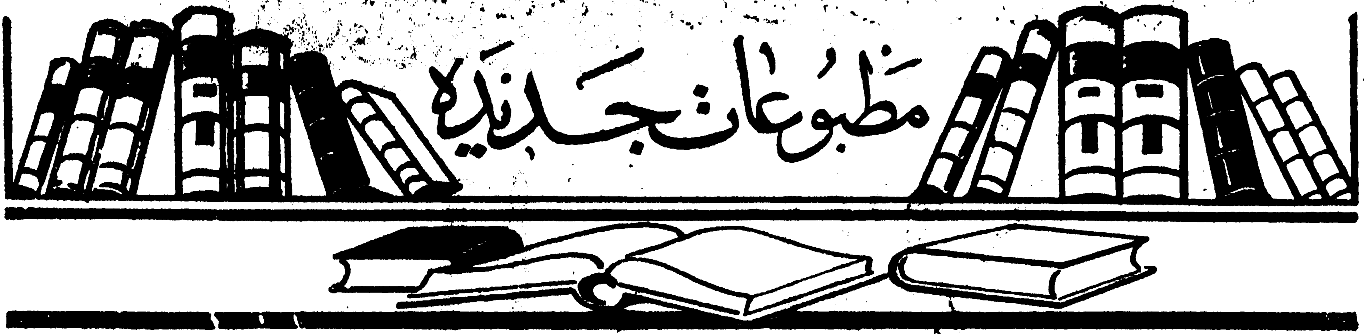
اس باری مین اس وقت تك ١٨٤٠ مراسلات وصول هوی هین . تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین	٢٥٠	اردو حروف کی حق مین	٥٠٢
موجوده مشترك طباعة کی حق مین	٧٢٠	حروف کی حق مین بشرطیکه	
پتهر کی چهپائی کی حق مین	٢٩٠	نستعلیق هون	١٦٨

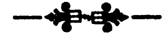
ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بهی متفق ظاهر کیا هی .

آراه کی دیکهنی سی معلوم هوا که اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نهین هی . اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت هی . آینده اس باری مین مولانا به تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی مگر ضرورت هی که بقیه حضرات بهی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بهیج دین .

الهلال



نپولین اور اسکی اخلاقی زندگی



(انسانی عظمت اور اخلاقی نامرادی)



میدان جنگ اور حجلۂ ہوس !



(میڈم پولین سے محبت)

اِس عورت سے نپولین کو مصر میں عشق ہوا تھا -

گیرٹرڈ اریٹز Gertrude Aretez جسکی جدید الشیوع کتاب کا ذکر ان صفحات پر ہو چکا ہے ' میڈم پولین کی نسبت لکھتا ہے :

اس معاملہ کی تفصیل یہ ہے کہ ۹ - مئی ۱۷۹۸ ع کو نپولین مصر کی فتح کیلیے روانہ ہوا - وہ اپنے دو دشمنوں سے بہت زیادہ خائف تھا ' اور اُنکی آنکھ بچا کر نکل جانا چاہتا تھا - یعنی انگریزی امیر البحر نلسن ' اور انگریزی جاسوس جان بارنٹ -

اِس سفر میں نپولین نے چند خاص عورتوں کے سوا عورتوں کی رفاقت ممنوع قرار دیدی تھی - جن عورتوں کو چلنے اجازت دی گئی تھی ' اُن میں خود اُسکی داشتہ میڈم ورڈیا بھی تھی جسے وہ اٹلی سے اپنے ساتھ سے لایا تھا -

(۲)

اِس فوج میں لیو فوریس نامی ایک فوجی افسر تھا - اُسنے حال ہی میں شادی کی تھی - اُسکا دل اپنی بیوی کی جدائی پر کسی طرح راضی نہیں ہوتا تھا - مگر مشکل یہ تھی کہ عورتوں کو ساتھ لیجانے کی ممانعت تھی - آخر اُسنے یہ ترکیب نکالی کہ بیوی کو سپاہی کی وردی پہنا کر اپنے ساتھ لے لیا - تا کہ دونوں بے روک ٹوک ساتھ رہ سکیں !

اُس وقت کے اکثر مورخین کا بیان ہے کہ ماہ اگست میں نپولین نے قاہرہ کے باہر ایک جلسہ کیا تھا ' جس میں اُسکا پورا جنگی اسٹاف اور تمام عورتیں شامل تھیں - اِسی جلسہ کے موقعہ پر نپولین نے میدان میں اپنی فوج کا ایک دستہ گدھوں پر سوار دیکھا - سپاہیوں میں ایک شخص غایت درجہ خوش آواز ' خوبصورت ' اور دلربا تھا - نپولین نے جنرل برتیہ کو حکم دیا کہ اِس شخص کا پتہ لگائے - اُسی دن شام کو جنرل نے یہ عجیب خبر سنائی کہ " وہ سپاہی مرد نہیں ہے - عورت ہے - اور بائیسویں رسالہ کے ایک افسر کی بیوی ہے "

دوسرے دن نپولین نے جنرل کو ایک دعوت منعقد کرنے کا حکم دیا - اِس میں بڑے بڑے جنرل ' افسر ' اور اُنکی عورتیں مدعو کی گئی تھیں - خصوصاً میڈم فوریس بھی خصوصیت کے ساتھ بلائی گئی تھی !

(۳)

چنانچہ دعوت کا جلسہ منعقد ہوا - میڈم بغیر اپنے شوہر کے بلائی گئی تھی - اُس کے شوہر نے شروع میں تو جانے سے منع کیا - لیکن پھر ڈرا ' اور اجازت دیدی - چنانچہ تمام مہمان جمع ہوئے - حسب معمول نپولین بر امد ہوا - سب تعظیماً کھڑے ہوگئے - وہ لوگوں سے ہنستا بولتا جنرل تک پہنچا ' جسکے پاس میڈم فوریس اور متعدد ممتاز سپہ سالار کھڑے تھے - جنرل قائد اعظم کا خیر مقدم بجا لایا ' تشریف آوری پر شکریہ ادا کیا ' اور ایک پیالی چائے نوش کرلینے کی درخواست کی - درخواست منظور ہوئی ' اور نپولین بیٹھ گیا - میڈم بالکل اُسکے مقابل کھڑی تھی -

میڈم فوریس نے دیکھا ' سپہ سالار اُسے پر معنی نظروں سے دیکھ رہا ہے وہ بہت کم عمر تھی - شرما گئی - نپولین اُسکی حالت کا بغور مطالعہ کرتا رہا - مگر بالکل خاموش رہا - چائے جلدی سے پیلی ' اور بغیر ایک لفظ کہے جلسہ سے اٹھ گیا -

مہمانوں نے رات کا کھانا کھایا ' اور کافی پینے لگے - میڈم فوریس جس میز پر تھی ' اُس کے ایک طرف جنرل ڈی بوی بیٹھا تھا - دوسری طرف جنرل جونو - آخر الذکر نے کافی کی بھری ہوئی پیالی جان بوجھ کر اس طرح میڈم فوریس پر گرا دی ' کہ سب نے اسے اتفاقی حادثہ سمجھا - لوگ لپکے اور خاتون کا لباس صاف کرنے لگے - جنرل جونو نے اپنی غفلت پر بڑی فصاحت سے ندامت کا اظہار کیا - فوراً کافی کا دھبہ پانی سے دھلوایا گیا جس سے میڈم کا لباس اور زیادہ بھیگ گیا - اِس پر جنرل نے کہا " آپ کپڑا خشک کرنے کے لیے مکان کی بالائی منزل پر چلی جائیے " میڈم چلی گئی - وہاں نپولین منتظر بیٹھا تھا !

(٤)

دعوت کے تیسرے دن میڈم کے شوہر فوریس کو حکم ملا کہ جنرل برتیہ سے ملاقات کرے - جنرل نے بڑی بشاشت سے افسر کا خیر مقدم کیا ' اور کہا " دوست ! تم بڑے ہی خوش نصیب ہو - کیونکہ فرانس جا رہے ہو - سپہ سالار تمہیں ایک خفیہ مہم پر پیرس بھیج رہا ہے - ایک گھنٹہ کے اندر روانہ ہو جاؤ - یہ لو ' اسکندریہ کے سپہ سالار کے نام حکم ہے کہ تمہارے سفر کیلیے ہر طرح کی سہولتیں بہم پہنچا دے "

فوریس بد حواس ہوگیا - حیران تھا ' کیا جواب دے ؟ آخر کار افسردگی سے جنرل کا شکریہ ادا کیا اور کہا " اگر مجھے فوراً ہی روانہ ہو جانا ہے تو میں اپنی بیوی کو بھی ساتھ لے جاؤنگا "

جنرل نے غصہ سے کہا " بیوی ! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ایک ایسے نازک کام میں اپنے ساتھ اپنی بیوی کو لیجا سکتے ہو ؟ خصوصاً جب کہ راستہ میں انگریزی بیڑہ موجود ہے اور تمہیں قید کر لے سکتا ہے ؟ "

اب غریب فوربس کے لیے بجز اطاعت کے کوئي چارہ کار نہ تھا - وہ ۱۸ - دسمبر سنہ ۱۷۹۸ - کو اسکندریہ پہنچا اور فرانسیسي جہاز " شاسور " نامي پر سوار ہو گیا - اِس جہاز کا کپتان لارنس تھا -

لیکن فوربس یہ دیکھکر نہایت متعجب تھا کہ اُس کا جہاز سیدھا راستہ اختیار کرنے کي جگہ کچھہ عجیب پیچ و خم کے ساتھہ جا رہا ہے - اُس نے کپتان سے پوچھا ' تو اُس نے کہا " انگریزي بیڑہ ہر طرف منڈلا رہا ہے - اُس سے بچ کر چلنا ضروري ہے "

کپتان دراصل سکھایا پڑھایا ہوا تھا - اُس سے کہدیا گیا تھا کہ جہاز انگریزوں کے ہاتھہ قصداً گرفتار کرا دیا جائے - چنانچہ ایسا ہي ہوا - چند دنوں کے بعد فوربس انگریزي بیڑہ میں قید تھا - انگریزي جنگي جہاز " لیون " نے فرانسیسي جہاز دیکھہ لیا تھا اور گرفتار کر لیا تھا !

(۵)

یہ کہنا غیر ضروري ہے کہ اِس حادثہ سے غریب فوربس کو کس درجہ صدمہ ہوا ؟ ایک طرف اپني رفیق حیات کي جدائي کا صدمہ مارے ڈالتا تھا - دوسري طرف اپني سرکاري مہم کي ناکامي کا داغ تھا - وہ انگریزي جہاز " لیون " کے ایک کمرے میں مقید تھا ' اور رہ رہکر کپتان لارنس کو کوس رہا تھا - اگر اس نے سمندر میں غلط راستہ اختیار نہ کیا ہوتا تو یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا - بڑي مصیبت یہ تھي کہ اب ایک بڑي مدت تک کے لیے وہ آزادي سے محروم ہوگیا تھا - کیونکہ وہ جنگي قیدي تھا - اسلیے اس کي رہائي صرف دو ہي صورتوں میں ہوسکتي تھي - یا تو دونوں حکومتوں میں صلح ہوجائے ' یا باہمدگر جنگي قیدیوں کا مبادلہ کیا جائے - لیکن یہ دونوں صورتیں قریب الوقوع نہ تھیں !

فوربس اپنے غم انگیز خیالات میں محو تھا - یکایک اُس کي کوٹھري کا دروازہ کھلا ' اور ایک انگریز داخل ہوا - یہ اُس عہد کا مشہور انگریز جاسوس جان بارنت تھا ' جسے نپولین نلسن سے کم خطرناک نہیں سمجھتا تھا -

فوربس نے اُس کي صورت دیکھتے ہي خیال کیا کہ غالباً یہ اِس مہم اور اس کے مقاصد کے نسبت سوالات کریگا - جو سرکاري مراسلت لیکر فوربس فرانس جا رہا تھا ' وہ گرفتاري کے وقت ہي اُس سے لیلي گئي تھي - سب سے زیادہ صدمہ اُسے اسي مراسلت کے دشمنوں کے ہاتھہ پڑجانے کا تھا - وہ اپنے دل میں کہنے لگا " نہیں معلوم اس مراسلت میں کیسے کیسے اہم راز ہونگے جو افسوس کہ دشمنوں کے علم میں آ گئے - بہرحال خواہ کچھہ ہي کیوں نہ ہو ' میں اِن کم بختوں کے سوالات کا کوئي جواب نہیں دونگا "

لیکن شدت حیرت سے وہ مبہوت ہوگیا ' جب اُس نے دیکھا کہ جان بارنت نے وہي مراسلت جیب سے نکالي ' اور فوربس کو دیتے ہوئے کہا :

" میرے دوست ! یہ تمہارا سربمہر لفافہ موجود ہے - دیکھہ لو ! ہم نے کھولنے کي بالکل کوشش نہیں کي - اِس کي تمام مہریں اپني اصلي حالت میں قائم ہیں - ہمیں کوئي ضرورت نہ تھي کہ اِس کے مضامین سے واقف ہوں - یہ مراسلت تمہیں واپس دیدي جاتي ہے - اسے لیلو - شاہي حکم کي رو سے اب تم آزاد ہو - تمہیں عنقریب مصر کے ساحل پر پہنچا کر رخصت کر دیا جائیگا "

یہ بات صورت حال کے اِس درجہ خلاف تھي ' کہ کئي لمحہ تک فوربس باور نہ کرسکا - آخر اُس نے کہا :

" کیا آپ کا واقعي یہي مطلب ہے کہ یہ مراسلت میں لیلوں ' اور مجھے مصر کے ساحل پر اُتار دیا جائیگا ؟ "

" یقیناً " انگریز جاسوس نے مسکراتے ہوئے کہا " اس لیے کہ میرے دوست ! جب تم قاہرہ واپس جاؤگے ' تو دیکھہ لوگے کہ تمہاري بیوي بونا پارٹ کي آغوش میں ہے ! "

(٦)

اصل واقعہ یہ ہے کہ نپولین اور میڈم فوربس کے تعلقات کي پوري سرگزشت انگریزي جاسوس نے معلوم کرلي تھي - اسکندریہ اور دمیاط میں اُن کے آدمي موجود تھے ' اور الفي بک مملوک کي اعانت سے تمام مصر کي خبریں معلوم کرتے رہتے تھے - جب جان بارنت کو معلوم ہوا کہ نپولین نے فوربس کو اس لیے روانہ کردیا ہے تاکہ مصر سے دور ہوجائے اور وہ خود اُس کي بیوي کے ساتھہ بے غل وغش عیش کرے ' تو اُس نے انگریزي بیڑہ کے افسروں کو اِس کي اطلاع دیدي - جب فرانسیسي جہاز کي گرفتاري کے بعد فوربس کا نام معلوم ہوا تو فوراً پہچان لیا گیا کہ میڈم فوربس کا شوہر یہي ہے - وہ اُسے گرفتار رکھنا نہیں چاہتے تھے - کیونکہ اِس طرح وہ نپولین کے دلي مقصد کي تکمیل کر دیتے - اُنھوں نے فیصلہ کرلیا کہ جہانتک جلد ممکن ہو ' اِسے مصر واپس کر دیا جاے ' تاکہ نپولین کے سر پر مسلط ہو جاے - انگریزوں کو یقین تھا کہ فوربس جوش انتقام میں اپنے رقیب کو قتل کر ڈالیگا ' اور اِس طرح اِس بلا سے انھیں نجات مل جائیگي -

(۷)

اُدھر مصر میں یہ ہوا کہ فوربس کے روانہ ہوتے ہي اُس کي بیوي نپولین کے قبضہ میں آگئي اور شب و روز ساتھہ رہنے لگي - نپولین کا اب اُس سے تعلق بالکل علانیہ تھا - چند دن بعد تمام فوج میں یہ خبر پھیل گئي ' اور سپاہي میڈم کو " ہماري مشرق کي ملکہ " کہکر پکارنے لگے !

لیکن ابھي چند ہفتے بھي اِس حالت پر نہیں گزرے تھے کہ اچانک فوربس قاہرہ پہنچ گیا - انگریزي جہاز نے نہ صرف اُسے مصر پہنچا دیا ' بلکہ اسکندریہ میں ایک انگریزي جاسوس نے تمام ضروري معلومات بھي بہم پہنچا دیں - اُسے معلوم ہوگیا کہ نپولین نے قاہرہ میں ایک خاص مکان اُسکي بیوي کیلیے مخصوص کر دیا ہے ' اور وہ بڑے امیرانہ ٹھاٹھہ سے رہیں رہتي ہے -

وہ سیدھا اُس مکان کي طرف چلا - واقعي اُسکي بیوي قیمتي لباس میں ملبوس موجود تھي - شوہر کو اِس طرح اچانک دیکھہ کر ڈرگئي ' اور صاف صاف نپولین کے تعلقات کا اقرار کرلیا - اب فوربس کیلیے غیظ و غضب ضبط کرنا ناممکن تھا - اُس نے بے تحاشا مارنا شروع کر دیا - یہانتک کہ مارتے مارتے تھک گیا - اور عورت بے دم ہو کر گر پڑي -

اِسکے بعد کیا واقعات پیش آئے ؟ اُنکي تفصیلات تاریخ تک نہیں پہنچ سکیں - لیکن دو باتوں کا نپولین کے وقائع نگاروں نے ذکر کیا ہے - ایک یہ کہ فوربس نے طلاق کي درخواست پیش کرکے اپني بیوي سے علحدگي کرلي تھي - دوسري یہ کہ فوربس مصر سے فرانس واپس آ کر عرصہ تک زندہ رہا تھا -

جان بارنت کا خیال تھا کہ فوربس نپولین کو قتل کر ڈالیگا ' لیکن نپولین ایسی ہستي نہ تھي جو اُس آساني سے قتل کر ڈالي جاتي - ابھي اُسے زندہ رہنا تھا اور تمام یورپ کو منقلب کر دینا تھا !



حجة ابراهیمی

آیۂ کریمہ " الم تر الي الذي حاج ابراهیم " کي تفسیر

قرآن حکیم کا أسلوب بیان اور طریق استدلال

تفسیر کا قرآني اور غیر قرآني طریقه

(از مولانا ابو الکلام)

(٤)

(آیۂ زیر تدبر کي تفسیر)

اب آیت زیر تدبر پر غور کیجیے :

الم تر الی الذی حاج ابراهیم فی ربه أن اتاه الله الملك ، اذ قال ابراهیم : ربی الذی یحیي و یمیت ـ قال : انا احی و امیت ـ قال ابراهیم : فان الله یاتی بالشمس من المشرق فأت بها من المغرب ! فبهت الذی کفر ، و الله لا یهدی القوم الظالمین ! (۲ : ۲٦۰)

اے پیغمبر ! کیا تمھیں اُس شخص کا حال نہیں معلوم جس نے محض اِس وجه سے که خدا نے اُسے پادشاهت دے رکھي تھي ' جهل و غرور میں سرشار هوکر ابراهیمؑ سے اُس کے پروردگار کے بارے میں حجت کي ؟ جب ابراهیم نے کہا : میرا پروردگار وہ هے جو زنده کرتا هے اور مارتا هے - تو اُس نے کہا ' یه تو میں بھي کر سکتا هوں - میں جسے چاهوں ' ماردوں - جسے چاهوں زندگي بخش دوں - اِس پر ابراهیم نے کہا : اچھا ' اگر ایسا هي هے تو خدا همیشه سورج کو مشرق سے نکالتا هے - تم مغرب سے نکال دکھاؤ ! یه سنکر وہ هکا بکا رهگیا - اور الله کا قانون یه هے که ظلم کرنے والوں پر هدایت کي راہ کبھي نہیں کھلتي !

(۱) سب سے بڑا الجھاؤ جو اس آیت کي تفسیر میں پڑ گیا هے ' وہ حضرت ابراهیمؑ کا انداز سخن هے - جب مخاطب نے ایک ایسي بات کے جواب میں جو اثبات مدعا کیلیے قطعي اور نہایت درجه واضح تھي ' جهل و غرور سے ایک نہایت لغو بات کہدي ' تو حضرت ابراهیمؑ نے نه تو اپني بات کي مزید تشریح کي ' نه مخاطب کو اُس کے جهل و نا فہمي پر متنبه کیا ' بلکه فوراً پہلي بات چھوڑ کر ایک دوسري بات کہدي - " فان الله یاتي با لشمس - الخ " مفسرین نے طرح طرح کي توجیہیں کي هیں ؛ مگر سر رشتۂ تفسیر میں کچھه ایسي گرہ پڑ گئي هے که کوئي ناخن تاویل بھي اُسے نہیں کھول سکتا - بڑي تحقیق کي بات جو حضرت امام رازيؒ نے ڈھونڈھه نکالي هے ' یه هے که یه دو مختلف دلیلیں نہیں تھیں - ایک هي دلیل کي مختلف مثالیں تھیں - لیکن اول تو دونوں دلیلوں میں ربط و مناسبت پیدا کرنے کے لیے سبب و واسطه اور حرکت افلاک کي بحثیں پیدا کي گئي هیں ' اور وہ اس قدر دور از کار اور بے معني هیں که اُنھیں تسلیم کرلینا قرآن کو قرآن کي جگه کوئي دوسري چیز بنا دینا هے - ثانیاً ' خود امام صاحب چار سطر پہلے معترض کي زباني همیں سنا چکے هیں که رجوع خواہ دلیل سے کیا جاے خواہ مثال سے ' لیکن مستدل کے لیے ضروري هے که معارض کے جواب کي غلطي ظاهر کر دے ' ورنه اُس کا عجز ثابت هو جایگا - پس اگر دلیل کو مثال بنانے کي یه ساري مصیبت گوارا بھي کرلي جائے ' جب بھي بات بنتي نہیں - اعتراض جوں کا توں باقي رهجاتا هے -

اصل یه هے که یه ساري مصیبت اسي لیے پیش آئي هے که اس مکالمه کو منطقي " مناظرہ " قرار دیدیا گیا هے - مناظرہ کا مقصود انکشاف حق نہیں هوتا - اِسکات خصم هوتا هے - اس لیے مناظر کا فرض هوتا هے که ایک بات پیش کرکے اُس پر اس طرح جم جائے که خواہ زمین و آسمان اپني جگه سے ٹل جائیں ' لیکن وہ اپني جگه سے نه هلے - اگر مخاطب کي سمجھه ساتھه نہیں دیتي ' تو هزار مرتبه نه دے - اُس کي بلا سے - وہ اُس کا جهل ثابت کردیگا ' اور مخاطب کا جهل ثابت کرکے اُسے ذلیل اور لا جواب بنا دینا هي اُس کي بڑي سے بڑي جیت هے - باقي رهي یه بات که جو بات مخاطب کے ذهن نشین کرني تھي ' وہ اُس کے دل میں اُتر سکي یا نہیں ؟ تو مناظر کو نه تو اِس کي پروا هوتي هے ' نه فن مناظرہ کا یه مقصود هے - مناظر صرف یه چاهتا هے که مخاطب کو میدان سخن میں هرا دے - یه مقصود جس طرح بھي حاصل هوجائے ' اُس کي جیت هے - همارے متکلمین کي نظر میں چونکه انبیاء کرام کي بھي سب سے بڑي فضیلت یهي تھي که وہ مناظر اور منطقي هوں ' اس لیے اِسي اعتبار سے اس مکالمه پر بھي نظر ڈالتے هیں ' اور قدرتي طور پر چاهتے هیں که ایک شاطر مناظر کي طرح حضرت ابراهیم بھي اپني بات پر اڑ جائے ' اور خواہ اُن کا مخاطب سمجھه سکتا یا نه سمجھه سکتا ' یه اُسي پر لڑتے جھگڑتے رهتے - اگر اُس نے جهل و غرور سے ایک لغو بات کہدي تھي ' تو چاهیے تھا که یه اُس کي لغویت اور جهالت پر ایک لنبي چوڑي تقریر فرماتے - پھر اگر وہ اُس کے جواب میں بھي کوئي بکواس کر دیتا - تو یه اُس کے جواب الجواب میں آستنیں چڑھا لیتے - یہاں تک که صرف اپني دلیل کي شرح و توضیح اور رد و جواب هي میں شام کر دیتے !

لیکن همارے مفسرین بھول گئے - اُنھیں یاد نہیں رها که ابراهیم خلیلؑ ' داعي حق تھے - مناظر و مجادل نه تھے - اور اِسي ایک بنیادي فرق نے اُنکي راہ مناظرہ و مجادله کي ساري راهوں سے الگ کردي تھي - اُنکا کام یه نه تھا که کسي خاص دلیل پر اڑ جائیں ' یا مخاطب کے اِظهار جهل و عجز کا کوئي موقعه هاتھه سے نه دیں - اُن کا کام یه تھا که برگشته دلوں کو سچائي کي راہ دکھلا دیں - وہ دلیلوں کے تحفظ کیلیے بلکه حق اور ایمان کي حفاظت کیلیے لڑتے تھے - اِس مکالمه میں تو حضرت ابراهیم نے صرف اِتنا هي کیا که ایک بات چھوڑ کر دوسري بات کہدي ' اور اِسي پر همارے مفسرین

[illegible] لیکن اُنھیں معلوم نہیں ' انبیاء کرام کا طریق دعوت تو یہ ہے کہ اگر نو سو ننانوے باتیں کہکر چھوڑ دینی پڑیں ' اور صرف ایک بات سے مخاطب کے اندر فہم و بصیرت پیدا ہو سکے ' تو اُنھیں ایسا کرنے میں بھی کبھی تامل نہ ہوگا - وہ ایک کے بعد ایک ' سیکڑوں باتیں چھوڑتے چلے جائینگے - یہانتک کہ مخاطب کے دل کا دروازہ کھل جائے اور حقیقت اور سچائی کی جھلک دیکھہ لے!

(طبیب اور داعی)

افسوس' قرآن کہاں لیجانا چاہتا تھا ' اور دنیا نے اُسے سر پر رکھکر کدھر کا رخ کیا ! ہمارے مفسرین متکلمین ارسطو کی منطق اور یونانیوں کی دانش فروشیوں میں ایسے گم ہو گئے کہ اُنھیں دوسری راہوں کی خبر ہی نہ رہی - حالانکہ دنیا میں صرف مناظر اور منطقی ہی نہیں ہوتے - طبیب اور معالج بھی ہوتے ہیں - طبیب کا فرض کیا ہوتا ہے ؟ کیا یہ ہوتا ہے کہ مریض سے اُس کی جہالت اور نا دانی کی ایک ایک بات پر لڑے اور مناظرہ کرے ؟ نہیں ' ہزار بار نہیں - اگر طبیب ' طبیب صادق ہے ' تو اس کی ساری قابلیت صرف اسی ایک نقطہ میں مرکوز رہیگی کہ کسی طرح مریض کو شفا حاصل ہو جائے ' اور کسی طرح موت کی جگہ زندگی کا دروازہ اُس پر کھل جائے - بسا اوقات ایسا ہوگا کہ وہ مریض کے لیے ایک غذا تجویز کریگا - اصول طب کے لحاظ سے غذا بہترین غذا ہوگی - لیکن طبیب بہتر نسخہ اور بہتر غذا تجویز کر سکتا ہے - بہتر معدہ خلق نہیں کر دے سکتا - بہت ممکن ہے ' مریض کا معدہ اِتنا قوی نہ ہو' کہ اِس درجہ کی مقوی غذا کا متحمل ہوسکے - جونہی طبیب کو معلوم ہوگا کہ میری تجویز کی ہوئی غذا اُسے پچ نہیں سکتی ' وہ فوراً اُسے ترک کر دیگا ' اور دوسری غذا تجویز کر دیگا - اگر دوسری غذا بھی مریض ہضم نہ کرسکا ' تو عجب نہیں تیسری غذا تجویز کر دے - بلکہ ہوسکتا ہے ' چوتھی اور پانچویں تک نوبت پہنچے - جب تک مریض غذا ہضم نہ ہو سکنے کی شکایت کرتا رہیگا ' طبیب غذا بدلتا رہیگا - وہ کبھی یہ نہیں کریگا کہ ایک ہی غذا تجویز کرکے اُس پر اَڑ جائے ' اور خواہ بدبخت مریض ہضم کرسکے یا نہ کرسکے ؛ یہ وہی لقمے اُسکے حلق میں ٹھونستا رہے - اگر ایسا کریگا ' تو یقیناً وہ طبیب نہ ہوگا ' نوع انسانی کا سب سے زیادہ جاہل فرد اور سب سے بڑا قاتل ہوگا !

انبیاء کرام کے اعمال دعوت کے لیے اگر انسانوں کے کسی عمل سے مشابہت پیدا کی جا سکتی ہے ' تو وہ حکماء کی حکمت اور مناظرین کا مناظرہ نہیں ہے - اطباء کا معالجہ ہے - طبیب جسم کا علاج کرنا چاہتا ہے - انبیاء روح و دل کے روگ دور کرنا چاہتے ہیں - اُن کا سلوک بھی اپنے مریضوں کے ساتھہ ہمیشہ ویسا ہی ہوتا ہے - جیسا ایک طبیب کا ہونا چاہیے - وہ مریض سے مناظرہ کرنا نہیں چاہتے - اسے تندرست کرنا چاہتے ہیں - وہ بسا اوقات علم و یقین کی ایک دماغی غذا مریض کے سامنے رکھتے ہیں - غذا ہر طرح مفید اور بہتر سے بہتر ہوتی ہے - لیکن اُنھیں معلوم ہوجاتا ہے کہ جہل و ضلالت نے مریض کی فکری حالت اس درجہ خراب کردی ہے ' کہ یہ غذا اُس کا دماغ ہضم نہیں کرسکتا - یعنے اُس کی سمجھہ کی کجی اور دل کی گمراہی ساتھہ نہیں دیتی - جونہی اُنھیں اس حالت کا احساس ہوتا ہے' ایک طبیب حاذق کی طرح فوراً غذا بدل دیتے ہیں ' اور کوئی دوسری غذا جو اُس کا معدۂ فکر ہضم کرسکے ' سامنے رکھدیتے ہیں - اُنھیں اِس بات کی بالکل پروا نہیں ہوتی کہ پہلی غذا کیوں بدلنی پڑی ؟ اس لیے کہ مقصود کسی خاص غذا کا کھلا دینا نہیں ہے ' بلکہ ایسی غذا کا کھلانا ہے جو مریض ٹھیک طور پر ہضم کر سکے - ہضم کی استعداد کے لحاظ سے ہر مریض کی حالت یکساں نہیں ہوتی - ایک مریض کے لیے دودھہ سے زیادہ زود ہضم غذا کوئی نہ ہوگی - لیکن یہی دودھہ دوسرے مریض کے لیے ناقابل ہضم ہوگا - جو حال جسم کے لیے معدہ کا ہے - وہی حال دماغ کے لیے فکر کا ہے - ذہن و فکر کا ایک بیمار ایسا ہوگا جو ایک خاص طرح کی دانائی قبول کرلے سکتا ہے ' لیکن ایک دوسرے بیمار دل کے لیے وہی بات ناقابل فہم و تاثر ہوگی - انبیاء کرام علم و یقین کی بہتر سے بہتر دانائی رکھتے ہیں ' لیکن دماغ و فکر پیدا نہیں کردے سکتے - دودھہ کے بہتر غذا ہونے پر کون حرف لا سکتا ہے ؟ لیکن اِس کا کیا علاج کہ بد نصیب مریض نے اپنا معدہ کھو دیا ہے [illegible] ھہ جیسی [illegible]مدہ اور زود ہضم غذا بھی ہضم نہیں کرسکتا ؟

یہی معنی ہیں اس آیت کریمہ کہ : انك لا تهدی من احببت ، و لكن الله يهدی من يشاء الى صراط مستقيم ! (۲۸ : ۵۶)

حالانکہ انبیاء کرام کے ہادی ہونے پر خود قرآن بار بار شہادت [illegible] دے چکا ہے کہ : و انك لتهدی الى صراط مستقيم ! (۴۲ : ۵۲)

تو مطلب یہی ہے کہ پہلی قسم کی آیات میں استعداد اور قابلیت خلق کرنے کی نفی ہے ' اور دوسری میں استعداد رکھنے والوں پر سچائی کی راہ کھولدینے کا اثبات ہے -

(بابل کا طبیب حق)

کئی ہزار برس گزرے ' اس بیمارستان ہستی میں ایک طبیب حق ابراهیم خلیل بھی تھے - اُن کا سابقہ بابل کے ایک مریض سے پڑا - یہ پادشاہی کے گھمنڈ کا روگی ' اور جہل و طغیان کی بیماریوں سے بد حال تھا - انھوں نے اُس کے سامنے علم و بصیرت کی ایک غذا رکھی : " ربی الذی یحیی و یمیت " میرا تو اُس پروردگار پر ایمان ہے جس کے قبضۂ و تصرف میں ہماری موت و حیات ہے - یہ بہتر سے بہتر غذا تھی جو شک اور انکار کے کسی مریض کے لیے ہوسکتی ہے - لیکن مریض اپنے معدہ کی صلاحیت بالکل کھو چکا تھا - وہ اتنی ہلکی اور سادہ غذا بھی ہضم نہ کرسکا - جہل و طغیان کے ہیجان میں بول اٹھا " انا احی و امیت " اگر تمھارے پروردگار کی یہی صفت ہے تو یہ بات تو مجھے بھی حاصل ہے - لاکھوں انسانوں کی جان میرے قبضۂ اختیار میں ہے - جسے چاہوں ہلاک کر ڈالوں - جسے چاہوں ' زندگی بخش دوں - یہ جواب سن کر حضرت ابراهیم کو معلوم ہوگیا کہ غذا گو بہتر تھی ' لیکن مریض کے معدے میں اتنی بھی صلاحیت نہیں کہ اسے ہضم کر سکے - اُنھوں نے فوراً پہلی قاب ہٹالی ' اور ایک دوسری غذا پیش کردی : " فان الله یاتی بالشمس من المشرق ' فأت بها من المغرب ! " اچھا ' اگر ایسا ہی ہے ' تو دیکھو ' یہ سورج ہمارے سروں پر چمک رہا ہے - یہ ہر روز پورب سے نکلتا ہے اور پچھم کی طرف ڈوب جاتا ہے - تم اسے ایک مرتبہ پچھم سے نکال دکھاؤ ! یہ غذا ٹھیک اُسکے معدہ کی استعداد کے مطابق تھی - حلق سے اُتری ' اور ہضم ہوگئی : " فبهت الذی کفر " اب اُس میں کج بحثی کا دم خم نہ رہا - دم بخود ہوکر رہگیا !

خدا را غور کیجیے - بات کتنی صاف اور دلاویز تھی ' اور مفسرین نے اُسے کس طرح مشکلوں اور پیچیدگیوں کا گورکھہ دھندا بنا دیا ہے ؟ اگر حضرت ابراهیم کا طریق بیان مجادلانہ ہوتا - ہدایت کا نہ ہوتا - تو وہ اپنی پہلی بات ہی پر مخاصم سے اُلجھہ پڑتے '

وہ کہتے "میرا مطلب جلانے مارنے سے یہ نہیں ہے جو تم سمجھے ہو - نتیجہ یہ نکلتا کہ اصل مدعا کی جگہ ایک خاص دلیل اور اس کے مفہوم کی بحث چھڑ جاتی ' اور مخاصم کے لیے حقیقت کے فہم و بصیرت کا موقعہ ہی نہیں آتا - لیکن اُن کی راہ ہدایت و دعوت کی راہ تھی - اُنھوں نے ایک دقیقہ کے لیے بھی اپنی نظر اصل مدعا سے نہیں ہٹائی - جونہی معلوم ہوا کہ پہلی بات اپنے جہل و غرور کی وجہ سے وہ نہیں سمجھہ سکا ہے ' تو بغیر کسی تامل کے اُسے چھوڑدیا - ایک دوسری بات پیش کر دی - یہ بات اس کی فکری استعداد کے ٹھیک مطابق تھی - نتیجہ یہ نکلا کہ تیر نشانہ پر لگ گیا - اگر حضرت ابراہیمؑ کو ایک بات چھوڑنے کی جگہ ایک ہزار باتیں چھوڑنی پڑتیں ' جب بھی انھیں اس میں تامل نہ ہوتا !

(مکالمہ کی تفسیر)

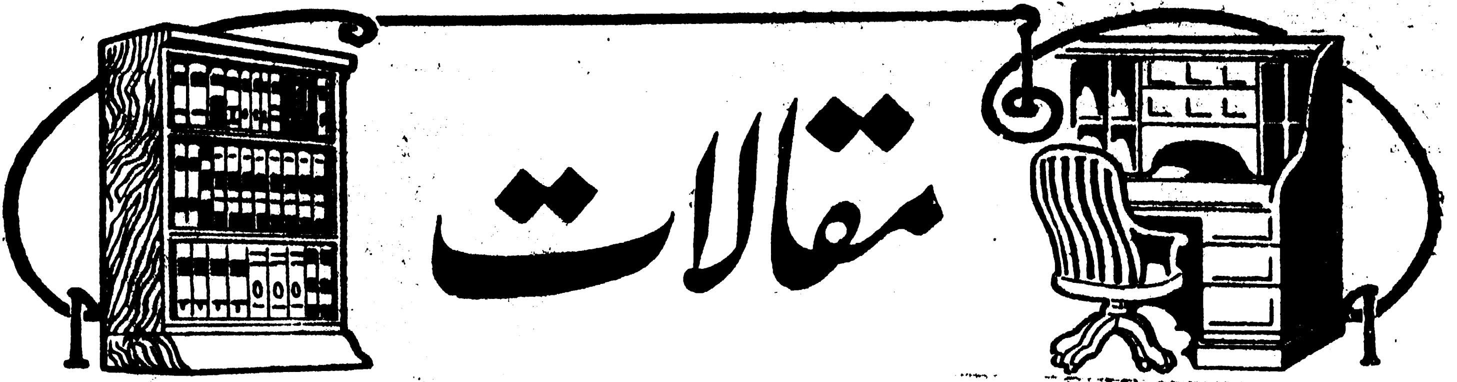
(۳) میں نے سب سے پہلے مکالمہ کے اسی پہلو پر نظر ڈالی ' کیونکہ بغیر اسکے اُس کی حقیقی نوعیت واضح نہیں ہو سکتی تھی - اب آیات کی ترتیب بیان کے مطابق پورے مکالمہ کی تفسیر سمجھہ لیجیے :

" اُن اتاہ اللہ الملک " کی تفسیر اور اس کی ضمیر کے مرجع کے تعین میں مفسرین نے بیکار دماغ سوزی کی ہے - حالانکہ مطلب بالکل صاف تھا - یہ قرآن حکیم کا معجزانہ ایجاز بلاغت ہے کہ صرف ایک جملہ کہکر معاملہ کی پوری نوعیت آشکارا کر دی - جس انسان نے حضرت ابراہیم سے اُن کے رب کے بارے میں کج بحثی کی تھی ' قرآن واضح کر دینا چاہتا ہے کہ اُس نے ایسا کیوں کیا تھا ؟ کونسی چیز تھی جس نے اُسکے اندر گمراہی کا ایسا طغیان اور سرکشی کا ایسا ہیجان پیدا کر دیا کہ پروردگار عالم کا نام سنکر بھی اپنے تکبر اور خود پرستی کے دعووں سے باز نہیں آیا ؟ " اُن اتاہ اللہ الملک "! - یہ سب کچھہ اسلیے تھا کہ وہ پادشاہ تھا - یعنی یہ تاج و تخت کی بڑائی اورحکومت کے فانی اختیارات کا گھمنڈ تھا ' جس نے اُسے اس درجہ مغرور اور برخود غلط بنا دیا تھا - اس تصریح سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ قرآن حکیم کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ شخص شخصاً خدائی کا مدعی تھا - کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو کیوں کہا جاتا کہ " ان اتاہ اللہ الملک " پس معلوم ہوا ' یہ پادشاہت کا گھمنڈ تھا ' اور پادشاہت کے گھمنڈ سے گمراہی کی ایسی ہی فکری حالت پیدا ہو جایا کرتی ہے -

" حاج ابراہیم فی ربہ " سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم نے جب اُس پادشاہ کو ظلم و استبداد اور فساد و طغیان پر سرزنش کی ' اور پروردگار عالم کے احکام سے سرکشی کرنے کے نتائج سے ڈرایا ' تو وہ حضرت ابراہیم سے کج بحثی کرنے لگا - یعنی اُس خدا کے بارے میں کج بحثی کرنے لگا جس کی مدد و نصرت کے بھروسہ پر وہ تن تنہا ایک جابر و قاہر پادشاہ کا مقابلہ کر رہے تھے ' اور ڈرنے کی جگہ ڈرا رہے تھے ! چونکہ وہ اپنے دیوتاؤں کی پرستش کرنے کے سوا اور کسی طریق عبادت سے آشنا نہ تھا ' اس لیے اُس نے کہا : وہ تمھارا خدا کون ہے اور کہاں ہے جس کی مدد کے بھروسے پر میرے سامنے آ کھڑے ہوئے ہو ' اور مجھہ جیسے طاقتور پادشاہ کو بے باکانہ سرزنش کرنے کی جرأت کرتے ہو ؟ حضرت ابراہیم نے اس کے جواب میں کہا : " ربی ' الذی یحیی و یمیت " تمھارے دیوتاؤں کی طرح میرا کوئی خاص دیوتا نہیں ہے - میرا ایمان تو اُس پروردگار عالم پر ہے جس کے قبضہ و تصرف میں تمام مخلوقات کی موت و حیات ہے -

حضرت ابراہیم کا یہ ارشاد کوئی فلسفیانہ استدلال نہ تھا - اُنھوں نے ایک ایسی سیدھی سادی بات کہدی تھی ' جس کا فطری طور پر ہر انسان کے دماغ میں اذعان موجود ہے - بشرطیکہ اُس نے اپنی خلقی بصیرت بالکل ضائع نہ کردی ہو - ہر انسان وجدانی طور پر محسوس کرتا ہے کہ موت و حیات ایک ایسی چیز ہے ' جس کا اختیار صرف اُسی ذات کے ہاتھہ میں ہے جو اِس تمام کارخانۂ ہستی کی خالق ہے - اُس کے سوا کوئی نہیں جو زندگی کا بخشنے والا اور پھر زندگی پر موت طاری کر دینے والا ہو - بات بالکل صاف اور واضح تھی - لیکن بابل کا متکبر پادشاہ جو اپنی پادشاہی کی طاقتوں کے نشہ میں چور تھا ' حضرت ابراہیم کو زک دینے کے لیے اور ان کی دعوت ایمانی کی تحقیر کے لیے بول اُٹھا " انا احیی و امیت " واہ ' یہ تمھارے خدا کی کونسی بڑی طاقت ہوئی کہ مارتا ہے اور جلاتا ہے - یہ بات تو مجھے بھی حاصل ہے - ہزاروں لاکھوں انسانوں کی جان میرے قبضۂ و تصرف میں ہے - میں پادشاہ ہوں - جسے چاہوں قتل کر ڈالوں ' جسے چاہوں بخشدوں -

بلا شبہ یہ جواب انتہا درجہ جہل و ضلالت کا جواب تھا - حضرت ابراہیمؑ نے کیا بات کہی تھی ' اور اس مغرور نے اُس کا مطلب کیا سمجھا - لیکن چونکہ حضرت ابراہیمؑ کا طریق مخاطبت " ہدایت " کا طریقہ تھا - " جدل " کا نہ تھا ' اسلیے اُسکی جاہلانہ بات پر بالکل متوجہ نہ ہوے - وہ سمجھہ گئے - غذا اگرچہ نہایت عمدہ غذا تھی ' لیکن اس بیمار کا معدہ ہضم نہ کرسکا - اسے دوسری غذا دینی چاہیے - چنانچہ انھوں نے فوراً دوسری بات فرما دی " فان اللہ یاتی بالشمس الخ " یہ بات سنکر اس متمرد کی ساری کج بحثی ختم ہوگئی ' اور اچانک حقیقت کی جھلک سامنے آ گئی - موت اور حیات والی بات اگرچہ ایک حق پسند انسان کیلیے نہایت واضح بات تھی ' لیکن اس مغرور و جاہل کی فکری حالت شدت طغیان و غفلت سے اس قدر مسخ ہو چکی تھی ' کہ کج بحثی کی ایک راہ نکال ہی لی - لیکن یہ دوسری بات اُس کی فکری حالت کے مطابق اس درجہ اوقع فی النفس تھی ' کہ حقیقت کی طرف سے آنکھہ بند کر لینے کا کوئی موقعہ باقی نہ رہا - سورج سر پر چمک رہا تھا ' اور وہ ہر روز کی طرح آج بھی مشرق ہی سے نکلتا ہوا دکھائی دیا تھا ' اور مغرب ہی کی طرف غروب ہونے کیلیے ڈھل رہا تھا - صدیوں سے ' ہزاروں برس سے ' ہمیشہ سے ' ایساہی ہوتا چلا آیا ہے - کبھی ایسا نہیں ہوا ہے کہ اُسکی مقررہ رفتار میں یا طلوع و غروب کی جہتوں میں فرق پڑا ہو - پھر کیا دنیا کا کوئی حکمران ' دنیا کا کوئی شہنشاہ ' دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی ایسی ہے جو ایک دن کیلیے اُس کا رخ بدل دے ؟ ایک دن کے لیے نہیں ' ایک گھنٹہ کیلیے ' ایک دقیقہ کیلیے ' اُسکی رفتار میں اپنی مرضی سے فرق ڈال دے ؟ یہ حقیقت تھی جو اُس جاہل و مغرور کے سامنے نمایاں ہوگئی - اگرچہ اُس کی غفلت و شقاوت اس درجہ تک پہنچ چکی تھی کہ وہ اب بھی سر جھکانے کیلیے طیار نہیں تھا ' لیکن حقیقت کے سامنے آ جانے کے بعد شوخ چشمی سے کج بحثی کرنے کا دم خم بھی نہیں رہا تھا : " فبہت الذی کفر " - اور چونکہ باوجود حقیقت کے نمایاں ہو جانے کے وہ اعتراف حق پر آمادہ نہیں ہوا ' اسلیے فرمایا " و اللہ لا یہدی القوم الظالمین " خدا کا قانون



هدايت يهي هے كه جن لوگوں نے ظلم و طغيان كي راه اختيار كرلي هے ' أن پر هدايت و سعادت كي راه نهيں كهلتي !

(منطقي شبهات)

(۴) همارے مفسرين كو صرف اسي كي فكر نهيں هے كه حضرت ابراهيمؑ كو منطقي اور مناظر ثابت كر دكهائيں ' بلكه وه نمرود كے ليے بهي بهت متفكر هيں - أن كي كوشش يه هے كه أس كي كوئي بات بهي فلسفيانه دقيقه سنجي سے خالي نه جائے - چنانچه أس كے اس قول كي توجيه ميں كه " انا احي و اميت " حضرت امام رازي نے بڑي بڑي كاوشيں كي هيں ' اور بالآخر اسے واسطه اور سبب كے جهگڑوں ميں لے گئے هيں - ليكن اب آپ سمجهه گئے هونگے كه يه تمام كاوشيں قطعاً دور از كار اور بے معني هيں - قرآن حكيم اس جاهل متمرد كا جهل و غرور دكهلا رها هے - همارے متكلمين كي طرح أسے فيلسوف ثابت كرنا نهيں چاهتا - يه تمام توجيهيں بهي كه أس نے ايك واجب القتل قيدي كو چهوڑ ديا تها اور ايك كو قتل كرديا تها ' قطعاً غير ضروري اور مكالمه كي حقيقت سے دور ليجانے والي هيں - " انا احي و اميت " كا صاف مطلب وهي هے جو ايك مغرور اور بر خود غلط پادشاه كا هميشه ايسے متكبرانه دعوؤں سے هوا كرتا هے - '

(۵) اب آپ نے سمجهه ليا هوگا كه جس قدر شبهات پيدا هوئے تهے ' في الحقيقت أن ميں سے كسي شبه كي بهي يهاں گنجايش نهيں - بڑے شبهات امام صاحب كے اور آپ كے پيدا كيے هوئے يه تهے كه نمرود اگر مدعي تها تو دليل أسے پيش كرني تهي ' نه كه حضرت خليلؑ كو' اور جب حضرت خليل نے ايك دليل پيش كردي تو أس سے رجوع كيوں كيا ؟ ليكن يه تمام شبهات غير متعلق هوجاتے هيں جب واضح هوجاتا هے كه نه تو يه مناظره مصطلحۂ فن تها ' نه مخاصم كي حيثيت مدعي كي تهي ' اور نه انبياء كرام مناظرانه طريقه سے رد و كد كرتے هيں - باقي رها يه شبه كه جب مخاصم نے پهلي بات كے جواب ميں ايك جاهلانه دعوى كرديا تها ' تو دوسري بات كے جواب ميں بهي كوئي نه كوئي بات كهدے سكتا تها ' تو اس شبه كي بهي اب كوئي گنجايش نهيں رهي - يه شبه اس ليے پيدا هوا تها كه " فبهت الذي كفر " كے معني مناظره ميں لا جواب هوجانے كے سمجهے گئے تهے - ليكن جب واضح هوگيا كه " بهت " سے يهاں مقصود بات بنانے ميں لا جواب هوجانا نهيں هے ' بلكه ايك سچي بات سے متاثر هو كر هكا بكا رهجانا هے ' تو ظاهر هے ' يه شبه كيوں وارد هو ؟ جب ايك حقيقت جس كے جهٹلانے اور نه ديكهنے كي وه كوشش كر رها تها ' اس كے سامنے بے نقاب هوگئي ' تو أس ميں كچهه بحث كا دم خم باقي نه رها - لاچار اور دم بخود هوكر رهگيا -

جديد مذهب روحي

تاريخ ظهور ' موافقين و مخالفين ' اور نقد و تبصره

تقريباً تين ماه گزرے ' مطبوعات جديده كے سلسله ميں ايك كتاب كا ذكر ان صفحات پر كيا گيا تها ' جس ميں سر كونن ڈائيل كے بعض مضامين يورپ كے جديد مذهب روحي كي تائيد ميں شائع هوئے تهے - اس تحرير كے آخر ميں هم نے وعده كيا تها كه آينده اس موضوع پر تفصيل كے ساتهه نظر ڈالينگے -

اس تحرير كي اشاعت كے بعد ' قارئين الهلال ميں سے متعدد حضرات نے اس موضوع سے اپني غير معمولي دلچسپي ظاهر كي ' اور بار بار اصرار كيا كه اس بارے ميں تفصيل كے ساتهه بحث كي جاے - آج هم چاهتے هيں ' ايك سلسلۂ مقالات اس موضوع پر شروع كريں - اس سلسله ميں حسب ذيل امور يكے بعد ديگرے بحث و بيان ميں آئينگے :

(۱) جديد مذهب روحي كے ظهور و اشاعت كي مختصر تاريخ

(۲) موافق اور مخالف علماء كے آراء

(۳) بعض مشهور اور علمي نوعيت كے تجارب اور عمليات

(۴) موافقين و مخالفين كي رائيوں كا موازنه اور تبصره

(ظهور و اشاعت كي تاريخ)

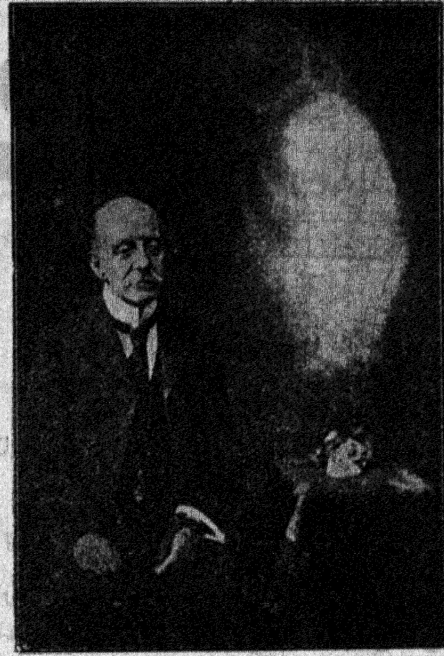
سنه ۱۸۵۶ - ميں نيو يارك امريكه كے ايك گاؤں هيڈس ويل نامي ميں ايك عجيب واقعه پيش آيا - جان فاكس نامي ايك شخص كا خاندان هر روز اپنے گهر ميں ايك خاص قسم كي كهٹ كهٹ سنا كرتا تها - ايك دن مسز فاكس نے جرأت كركے اس آواز كو مخاطب كيا :

" كيا تم كوئي روح هو ؟ "

پهر أس سے طے كيا كه جواب ميں اثبات كي علامت ايك خاص طرح كا كهٹكا هے ' اور نفي كي علامت ايك خاص طرح كا - چنانچه سوال و جواب هوتے رهے ' اور عورت كو معلوم هوگيا كه آواز واقعي ايك روح كي هے جو اِسي گهر ميں رهتي هے - پڑوسيوں نے ايك آدمي اِس مكان ميں قتل كركے دفن كرديا تها اور أس كا مال لوٹ ليا تها - يه أسي كي روح هے -

عورت نے فوراً پوليس كو خبر پهنچائي - حكام نے آكر أسي طريقے پر روح كا بيان اپنے كانوں سے سنا - پهر وه مقام كهودا گيا جهاں روح نے لاش مدفون بتائي تهي - لاش مل گئي ' اور بالآخر قاتلوں كا پته بهي چل گيا !

روح کا ابتدائی ظہور
جیسا کہ استحضار ارواح کے معتقدین کا خیال ہے



اِس واقعہ کے بعد روح کی بے قراری دور ہوگئی' لیکن مسٹر جان فاکس کی دونوں لڑکیوں کے پاس وہ برابر آتی جاتی رہی - یہاں تک کہ یہ لڑکیاں اُس سے از حد مانوس ہوگئیں - پھر اُس کے ساتھہ کئی دوسری روحیں بھی آنے لگیں' اور بات چیت کا طریقہ بھی زیادہ صاف اور معین ہوگیا - صورت یہ ہوئی کہ ایک بہن حروف ابجد ایک ایک کرکے پڑھتی جاتی تھی' اور ہر حرف پر روح ایک یا دو مرتبہ کھٹکھٹا دیتی تھی - اِس طرح تمام حروف کی علامتیں طے پاگئیں' اور گفتگو آسانی سے سمجھی جانے لگی -

ایک دن روح نے آکر دونوں بہنوں سے درخواست کی کہ وہ ایک اعلان عام کے ذریعہ نیویارک کے کسی بڑے ایوان میں لوگوں کو جمع کریں اور روح کے وجود و بقا کا ثبوت پیش کردیں - مگر بہنوں نے اِس سے انکار کیا - وہ ڈرتی تھیں' لوگ اُنھیں جادوگر خیال کرینگے - لیکن روح نے اصرار کیا " میں انسانوں کو یقین دلانا چاہتی ہوں کہ روح کبھی فنا نہیں ہوتی - محض اِسی غرض سے میں نے تم سے تعلقات قائم کرنے کی یہ سخت تکلیف برداشت کی ہے - اب اگر تم میری درخواست منظور نہیں کروگی' تو تم سے قطع تعلق کرلونگی " بہنوں نے اب بھی انکار کیا - اِس پر روح نے اپنی آمد و رفت موقوف کردی !

دونوں بہنیں روح کی ناراضگی سے نہایت غم گیں ہوئیں - کیونکہ وہ اُس سے حد درجہ مانوس ہوچکی تھیں - مجبوراً اُنھیں روح کا کہنا ماننا پڑا' مگر اِس شرط پر کہ پہلے وہ تھوڑے آدمیوں کے روبرو یہ بات پیش کرینگی - پھر بتدریج عام مجمعوں کے سامنے ظاہر ہونگی - روح نے یہ شرط منظور کرلی' اور دونوں بہنوں نے نیج کے مکانوں میں خاص خاص علماء کے سامنے یہ حیرت انگیز امور ظاہر کرنا شروع کردیے - پھر بتدریج جرأت پاکر عام اجتماعوں میں بھی تقریریں کیں - لوگوں نے یہ تمام امور دیکھے' اور ہر طرح کی احتیاطیں کی گئیں' مگر کسی فریب کا پتہ نہ لگا سکے - تھوڑی ہی مدت میں یہ خبریں تمام ملک میں مشہور ہوگئیں' اور ہر جگہ اُن کا چرچا ہونے لگا -

سب سے پہلے مسٹر اڈمونڈس امریکن مجلس خواص کے صدر کو اِس معاملہ کی تحقیقات کا خیال پیدا ہوا - اُس نے علمی طور پر ہر پہلو سے جانچ کی - لیکن بالاخر اُس کی صحت پر ایمان لے آیا' اور اپنی تحقیقات کے نتائج اخبارات میں شائع کردیے - اس تحریر کے شایع ہوتے ہی تمام امریکہ میں ہلچل پڑ گئی - اخبارات نے بری طرح اُس پر لے دے شروع کردی - بالاخر وہ مجبور ہوا کہ اپنے عہدے سے دست بردار ہوجائے اور آزادی کے ساتھہ اِس حقیقت کی مزید تحقیق و تجربہ میں مشغول ہوجائے - چنانچہ اُس کی سعی و ہمت سے اِس نئے مذہب کو بہت شہرت حاصل ہوگئی -

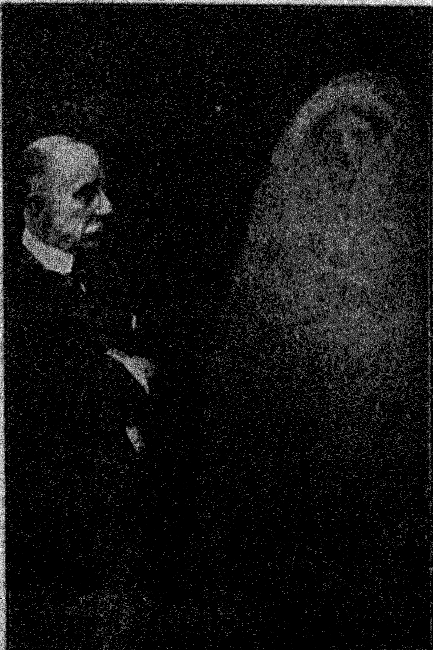
اُس کے بعد پروفیسر مابس' جو امریکن اکاڈیمی میں علم کیمیا کے ماہر تھے' اِس جانب متوجہ ہوئے - اُنھوں نے بھی اس کی تصدیق کی' اور اپنے نتائج بحث پوری جرأت سے شایع کردیے -

اِن کے بعد پروفیسر روبرٹ ہیر اِس میدان میں آئے - طویل بحث و نظر کے بعد یہ بھی اس کے قائل ہوگئے - اور ایک نفیس کتاب " نفسی ظواہر پر مباحث " کے نام سے شایع کی -

اِن تحریروں کا نتیجہ یہ ہوا کہ عام بحث شروع ہوگئی - امریکا میں کوئی عالم بھی ایسا نہ تھا جس نے موافقت یا مخالفت میں کچھہ نہ کچھہ نہ لکھا ہو -

امریکا سے یہ مذہب انگلستان پہنچا - یہاں سب سے پہلے مشہور کیمیاوی ولیم کروکس نے اُس پر نظر ڈالی - بعض انگریز وسیطوں کے ذریعہ خود بھی تجربے کیے بالاخر اس کی صداقت کا معترف ہوگیا' اور ایک کتاب بھی اسکی تائید میں لکھکر شایع کی - اِس کتاب کا نام بھی " نفسی ظواہر پر مباحث " تھا - اِس میں وہ ایک مقام پر لکھتا ہے :

" چونکہ میں اِن واقعات کی پوری طرح تحقیق کرچکا ہوں' اِس لیے یہ میری سخت اخلاقی بزدلی ہوگی اگر اپنی شہادت محض اِس خوف سے مخفی رکھوں' کہ لوگ اُس کا مضحکہ اڑائیں گے - یہ وہ لوگ ہیں جو اِس بارے میں کوئی علم نہیں رکھتے - اُن کے پاس کوئی یقین اور برہان نہیں ہے - لیکن میں نے اِس معاملے کی پوری طرح تحقیق کرلی ہے' اور اُس کی حقانیت پر پختہ یقین رکھتا ہوں "



روح کا تمثل اور تشکل
جیسا کہ اِس مذہب کے معتقدین کا خیال ہے

پھر جب یہی عالم رائل سوسائٹی کا صدر منتخب ہوا ، تو اُس نے اپنی صدارتی تقریر میں اِس مذہب کی طرف اشارہ کرتے ہوے کہا :

" میں نے مسلسل ۳۵ - سال اِس مذہب کی تحقیق کی ہے - بہت سی نئی معلومات بھی حاصل کی ہیں - میں عنقریب ایک نئی کتاب شایع کرنے والا ہوں "

اِس مذہب کے ابتدائی ماننے والوں میں ایک جلیل القدر نام الفرڈ رسل ویلس کا بھی ہے - یہی وہ مشہور عالم ہے جس نے ٹھیک اُسی زمانہ میں مذہب نشؤ و ارتقاء کا اکتشاف کیا تھا ، جبکہ ڈارون کو اُس کا سراغ ملا تھا - اِس نے اِس مذہب کے بارے میں دو مستند کتابیں " دور جدید کے معجزات " اور " مذہب روحی کی مدافعت " کے نام سے شایع کیں - اول الذکر کتاب میں لکھتا ہے :

" میں سراسر ملحد تھا - اپنے مادی مذہب کے سوا کسی بات پر بھی یقین نہیں رکھتا تھا - میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اِس عالم میں مادہ اور اس کی قوت کے سوا کوئی روحانی زندگی بھی موجود ہے - لیکن میں نے بے شمار تجربوں اور مشاہدوں کے بعد اپنے آپ کو مجبور پایا کہ اِس جدید مذہب کی تصدیق کروں - ...... یہ اُس وقت کی بات ہے جب میں روح کے وجود کا قائل نہ تھا - بہت مدت کے بعد مجھے ماں لینا پڑا کہ یہ امور واقعی روح ہی کے ذریعہ واقع ہوتے ہیں ، کیونکہ اُن کی کوئی دوسری تعلیل ممکن ہی نہیں ہے "

مشاہیر علماء میں ایک اٹالین عالم لومبروزو Lombroso ہے - یہ علم الجراثیم کا بانی ہے - پہلے یہ اِس مذہب کا سخت مخالف تھا اور اس کے ماننے والوں کو مجنون قرار دیتا تھا - لیکن تحقیقات اور ذاتی تجربہ کے بعد اُس کا پر جوش حامی بن گیا - اُس نے مشہور فرنچ عالم فلکیات فلا مریون Camille Flammarean اور فرنچ اکاڈیمی کے پروفیسر چارلس ریشیے کے ساتھہ ملکر اِس مذہب کا طویل مطالعہ کیا اور اپنی تحقیقات کے نتائج ایک کتاب کی صورت میں شائع کیے - اس کتاب کے مقدمہ میں وہ لکھتا ہے :

" اپنی خاص علمی تربیت اور نفسی میلان کی بنا پر میں مذہب روحی کا سب سے بڑا دشمن تھا - مجھے یہ بات بالکل بدیہی معلوم ہوتی تھی کہ ہر قوت مادہ ہی کا ایک خاصہ ہے ، اور ہر فکر ، دماغ ہی کا ایک فعل ہے - اس کے سوا میں کچھہ تصور ہی نہیں کر سکتا تھا - میں اِس مذہب کے ماننے والوں کا مضحکہ اڑایا کرتا تھا - لیکن حق و حقیقت پر میری فریفتگی بالاخر میرے میلان نفس پر غالب آگئی - مسلسل تجربوں اور مشاہدوں کے بعد اب مجھے اس پر پورا یقین ہے "

اِن کے بعد پروفیسر هاڈسن ، پروفیسر میرس (کیمبرج) سٹنٹون موزس (آکسفورد) سر جان کاکس ، پروفیسر پارکس ، مسٹر گلاڈسٹون ، مسٹر بالفور وغیرہ انگریز علماء اور مدبروں نے بھی اِس کی تحقیقات کی ، اور اعتراف پر مجبور ہو گئے -

اِسی طرح فرانسیسی علماء میں قابل ذکر چارلس ریشیے ، کیمیلی فلا مریون ، ڈاکٹر مکسویل ، پییر کانیہ ، پیر دورو ، پاراتوک وغیرہ ہیں - جرمنی اور امریکا کے بہت سے اقطاب علم بھی اِس کے معتقد ہو چکے ہیں - اُن کے نام اور مباحث آیندہ اپنے محل میں آئینگے -

مشہور فرانسیسی عالم فلسفہ ، جان رینو نے سنہ ۱۸۹۵ع میں کہا تھا :

" یہ فرض نہیں کیا جاسکتا کہ یہ تمام علماء فریب اور تدلیس کے ذریعہ ، اوهام و خرافات کی برباد شدہ حکمرانی پھر قائم کر دینی چاهتے ہیں - اِس خیال کی بھی گنجائش نہیں کہ یہ لوگ بالکل سادہ لوح ہیں ، اور اپنی حماقت کی وجہ سے اِن امور پر یقین لے آئے ہیں ، کیونکہ علمی تجارب میں ان اکابر علم کی دقت نظر معلوم و مسلم ہے "

عالم نفسییات کا مشہور ماہر پیر جانی اپنی کتاب میں جو اِسی موضوع پر ہے ، لکھتا ہے :

" مذہب روحی ، ہر اعتبار سے دقیق مطالعہ اور اصولی بحث کا مستحق ہے - اِس میں شک اور تضحیک کی بالکل گنجائش نہیں ہے - ہمیشہ فریب ، فریب ، پکارتے رہنا بھی صحیح نہیں ہے - کیونکہ یہ تحریک جس نے یورپ میں اپنے بے شمار مراکز قائم کرلیے ہیں اور عقلاء و علماء کا ایک جم غفیر اُس کا علم بردار بن گیا ہے ، سراسر دھوکا اور فریب نہیں ہوسکتی - ضرورت ہے کہ منکرین ایمانداری کے ساتھہ اُس کا مطالعہ کریں "

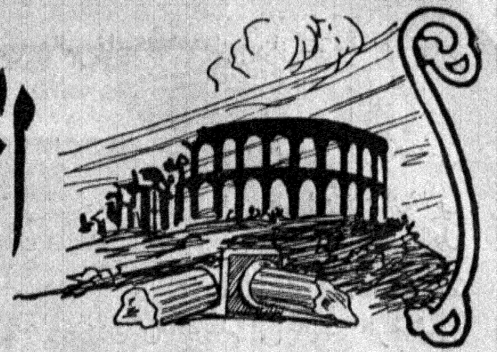
پروفیسر چارلس ریشیے (رکن فرانسیسی اکاڈیمی اور مدرس طبی یونیورسٹی) اپنے ایک مقالہ میں جو اُسکے مقالات کے مجموعہ مطبوعۂ سنہ ۱۸۹۳ میں شایع ہوا ہے ، لکھتا ہے :

" یہ ناممکن ہے کہ انگلستان ، امریکا ، فرانس ، جرمنی ، اِٹلی کے یہ تمام علماء و فلاسفہ فریب خوردہ ہوں - منکرین ، روحی مذہب پر جتنے بھی اعتراض کرتے ہیں ، سب کے سب اِن علماء کے پیش نظر تھے - فریب سے بچنے کے لیے بھی یہ پوری احتیاط برتتے تھے - میں ہرگز تسلیم نہیں کرسکتا کہ یہ تمام عقلاء سراسر وہم و مکر کا شکار ہوگئے ہوں "

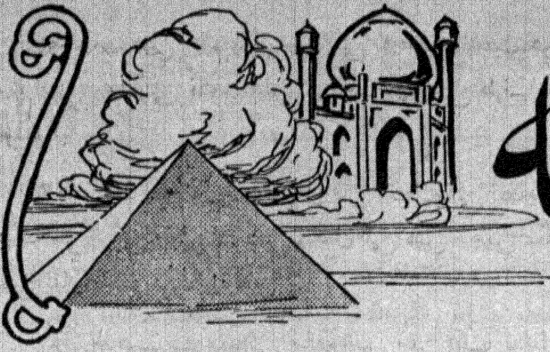
مشہور فرانسیسی عالم گبریل درلاں اپنی کتاب میں جو معاضرات ارواح پر لکھی ہے ، لکھتا ہے :

" جب رابرٹ ہیر ، موابس ، اور اڈمون کے درجہ کے لوگ امریکا میں ، اور کروکس ، ویلاس ، لواج ، انگلستان میں ، اکزاکوف ، بٹرولوف ، روس میں ، فیشنر ، زولنر ، جرمنی میں ، کسی بات کی صحت پر زور دیں ، تو ہم یہ تسلیم کرلینے پر مجبور ہو جائینگے کہ یہ بات ضرور کوئی علمی حقیقت ہے ، اور ہر لحاظ سے بحث و نظر کی مستحق ہے - مذہب روحی کا بھی یہی حال ہے - یہ علماء اُس کے معتقد ہیں - لہذا اُسے سراسر خرافات قرار دینا ، عقلمندی سے بعید ہے "

یہ عجیب بات ہے کہ اِس مذہب کے تقریباً تمام ماننے والے مشاہیر علماء ، شروع شروع میں اِس کے سخت مخالف تھے ، اور اِس کی تحقیق پر محض اِس لیے مستعد ہوئے تھے کہ روحانیات کا فریب طلسم توڑ کر ضعیف الاعتقاد انسانوں کو نجات دلائیں ، مگر تحقیقات کے بعد اُن کی رائے بدل گئی ، اور خود معترف و مصدق ہوگئے ۔



آثار عتیقہ



فرانس کی نئی اثری دریافت

عہد حجری کی عجیب و غریب آشیاء

حال میں فرانس کی ایک جدید اثری دریافت نے علماء آثار کی غیر معمولی توجہ حاصل کرلی ہے -

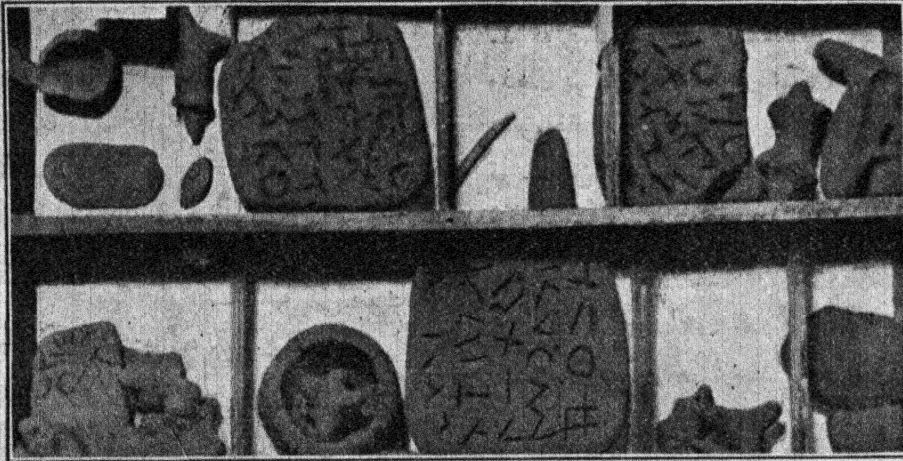
فرانس کے وسطی حصہ میں ایک غیر معروف قریہ گلوزل Glozel نامی واقع ہے - یہاں ایک کاشتکار اپنی زمین کا ایک حصہ کسی ضرورت سے کھدوا رہا تھا - یکایک اس طرح کی علامتیں نمایاں ہوئیں ' جیسے یہاں کبھی پتھر کی دیواریں رہ چکی ہوں - زیادہ کھودنے سے ایک ایسی راہ پیدا ہوگئی ' جو کسی مصنوعی غار کے دہانے سے مشابہہ تھی !

جب یہ خبر مشہور ہوئی تو حکام نے موقعہ پر پہنچکر تحقیقات کی - کھدائی کا کام جاری رکھا گیا ' اور غار میں اتر کر اس کی اندرونی ساخت اور حالت کا پتہ لگایا گیا - مختصر یہ کہ معلوم ہوگیا ' یہ حصہ کسی قدیم زمانہ کی انسانی یادگاروں کا ذخیرہ ہے جسے انقلابات زمانہ نے زیر زمین دفن کردیا - یہاں نہ صرف پتھر کی دیواروں کے آثار ملے ' بلکہ تاریخی اشیاء کا ایک عجیب و غریب مجموعہ بھی برآمد ہوا - یہ پتھر کی بنی ہوئی بے شمار چیزیں ہیں جن میں سے کچھہ تو اوزار ہیں جن کی نوعیت اچھی طرح سمجھہ میں آجاتی ہے ' لیکن بڑی تعداد اس قسم کی چیزوں کی ہے ' جن کی وضع و شکل سے ان کی اصلیت کا پتہ لگانا دشوار ہے - بعض مدور ہیں - بعض مربع ہیں - بعض پر اس طرح کے نقوش ہیں کہ معلوم ہوتا ہے ' شاید ان کے ذریعہ کسی عجیب الہئیت انسان یا حیوان کے سر کا نقشہ دکھلانا مقصود تھا - بعض پتھر کے ٹکڑے ایسے ہیں جنھیں کسی خاص وضع و ہئیت کی شکل نہیں دی گئی ہے ' مگر ان پر مختلف قسم کے خطوط کندہ ہیں -

یہ تمام چیزیں بعض محققین علم الاثار کے سامنے پیش ہوئیں اور انھوں نے علمی نظر سے ان کا مطالعہ شروع کردیا -

علماء آثار میں سے ایک گروہ کی رائے میں یہ چیزیں قبل از تاریخ عہد کی ہیں - یعنی دس سے تیرہ ہزار برس پیشتر تک کی پرانی ہیں - وہ اسے نیولیتھک (Neolithic) عہد کا بقایا قرار دیتے ہیں - یعنی ابتدائی انسان کے حجری عہد کا ' جب کہ وہ اپنی ضروریات زندگی کے لیے صرف پتھر ہی استعمال کرنا جانتا تھا -

لیکن ایک دوسرا گروہ انھیں اس قدر اہمیت نہیں دیتا - وہ کہتا ہے ' یہ زیادہ سے زیادہ سولہ سترہ سو برس کی پرانی چیزیں ہیں جب سر زمین گال پر رومیوں کا قبضہ ہوا تھا - وہ اپنی اس رائے کے ثبوت میں دو چیزوں سے استدلال کرتا ہے - پتھر کی بنی ہوئی عجیب الہئیت صورتوں سے - اور پتھروں کے حروف و نقوش سے - اٹلی اور ایشائے کوچک سے بکثرت رومی عہد کی ایسی ہی عجیب الہئیت صورتیں نکل چکی ہیں ' اور ان کی نسبت طے پاچکا ہے کہ یہ رومی ساحروں کے آلات سحر تھے - وہ ان صورتوں کے ذریعہ اپنے سحری علمیات انجام دیا کرتے تھے - حروف جو ان پتھروں پر کندہ ہیں ' فینیقی خط کے ہیں ' اور ظاہر ہے کہ یہ خطوط صرف رومیوں ہی کے ذریعہ فرانس پہنچ سکتے تھے - ان اشیاء میں مچھلی کے شکار کی ایک بنسی بھی نکلی ہے جو ہرن کی ہڈی کی بنی ہوئی ہے - اس سے بھی دوسرے گروہ کے خیال کی تصدیق ہوتی ہے -



گلوزل کے آثار کا ایک حصہ ' جسمیں منقش پتھر دکھالے گئے ہیں -

لیکن پہلے گروہ کا استدلال پتھر کے اُن بے شمار آلات سے ہے ' جن کی نوعیت اُن کے حجری عہد سے تعلق رکھنے کا پوری طرح یقین دلاتی ہے -

حال میں ایک مشہور اور مستند اثری محقق ڈاکٹر کیمیلے جولیاں نے ان آثار کی نسبت اپنی تحقیقات کا خلاصہ شائع کیا ہے - یہ تحقیقات ایک حد تک دونوں جماعتوں کے لیے تشفی بخش ہوسکتی ہے - ڈاکٹر موصوف کا خیال ہے کہ دونوں رائیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں - اس لیے کہ دونوں کا استدلال برآمد شدہ اشیاء ہی پر مبنی ہے - پہلا گروہ حجری آلات و اسلحہ کی نوعیت اور قدامت سے استدلال کرتا ہے - دوسرا اُن مورتیوں اور نقوش سے جو بلا شبہ رومی ساحروں کے آلات سحر ہیں - لیکن کیا یہ ممکن نہیں کہ قدیم زمانے کے کسی حادثہ نے یہ دونوں قسم کی چیزیں اس محل میں یک جا کردی ہوں ؟ حجری آلات و اسلحہ عہد حجری ہی کا بقایا ہوں ' اور مورتیاں اور نقوش رومی عہد کی ہوں ؟



حجاز اور سمرق



به بین تفاوت ره از کجاست



پچھلي ڈاک کے انگریزي
بعض مصور مضامین نہایت دلچسـ
ممکن ہے ، بعض نگاهوں کیلیے
بھي هوں !

ایک مصور رساله نے دو تصویریں
شائع کي هیں ، اور اُن کے لیے
تجویز کي ہے : " حجاز سے سمرقند

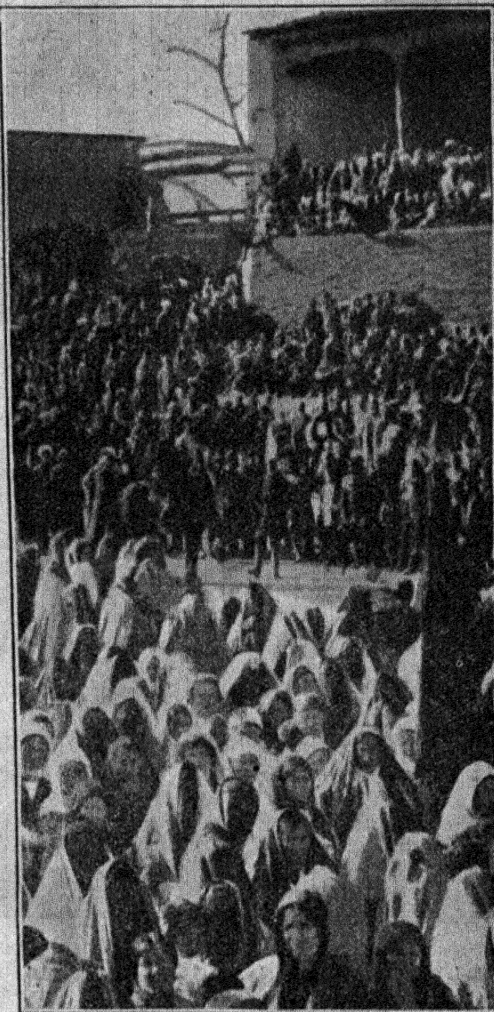
ایک طرف سلطان عبدالعزیز
کي تصویر ہے - اُس کے نیچے حکو
کے نئے احکام درج کیے هیں جن میں
شرع کے اتباع و عمل پر زور دیا گیا ہے اور
وہ تمام باتیں قانوناً لائق تعزیر قرار دي هیں
جو اخلاق و آداب شرع کے خلاف هوں -
حتی که باشندگان حجاز کے لیے ڈاڑھي
منڈانا بھي حکماً روک دیا ہے -

دوسري طرف ترکستان کے مشہور تاریخي
شہر سمرقند کے ایک اجتماع کا مرقع ہے -
یه اجتماع مردوں کا نه تھا - خانه نشین
عورتوں کا تھا ، اور ایک جلوس کي صورت
میں اس لیے " بازار سراے " میں جمع
هوا تھا ، تاکه " آینده کے لیے نقاب اور برقع
کے استعمال سے عورتیں انکار کردیں !

به بیں تفاوت ره از کجاست تا بکجا ؟

اِس واقعه کي اِطلاع خبر رساں ایجنسیوں
کے ذریعه دنیا میں مشتهر هوچکي ہے ،
لیکن اب تفصیلات بھي یورپ کے اخبارات
میں آگئي هیں -

قارئین الہلال کي دلچسپي کیلیے
دونوں تصویریں نقل کردي جاتي هیں -
پہلي تصویر میں دراز قد صورت سلطان ابن
سعود کي ہے - دوسرے مرقع میں سمرقند
کي خواتین کا هجوم نمایاں ہے ، جو ایک
جلوس کي صورت میں بازاروں سے گزر
رها ہے -





...ڈونا کیلیے
...ندوستاني نمونه



" سنیتا اور " انور "



...ستان کا امریکن نژاد سنگ تراش
...ٹین Jacob Epstein کچھه
... " میڈونا " کا ایک نیا
... طیار کرنے میں مشغول تھا
...ہرت نے نه صرف بر اعظم یورپ
...مریکه کے ماهرین فن کي بھي
...لچسپي حاصل کرلي تھي -
...رفته یه شہرت یہاں تک بڑھي
...صناع اپنے کام سے فارغ بھي نہیں
هوا تھا که امریکه کے قدر شناسان فن نے
مجسمه اپني سر زمین کے لیے حاصل
کرلیا - اب مسٹر جیکب مجسمه لیکر
نیو یارک جا رہے هیں ، تا که وهاں پہلي
مرتبه اس کي نمایش کریں - تازہ ڈاک
کے اخبارات و رسائل میں کوئي پرچه ایسا
نہیں ہے جس نے اس معامله سے اپني
دلچسپي ظاهر نه کي هو -

معامله کا نہایت دلچسپ پہلو یه ہے
که صناع نے " میڈونا " اور اسکے بچے
کیلیے ایک هندوستاني خاتون اور اس
کے دہ ساله بچے کا چہرہ بطور نمونه کے
استعمال کیا ہے - خیال کیا جاتا ہے که
اس یوناني دیوي اور مسیحیت کي
" مقدس کنواري " کا یه پہلا مجسمه
ہے ، جسکے خال و خط میں هندوستاني
چشم و ابرو کا عنصر آمیز کیا گیا ہے - یه
آمیزش فن کے لحاظ سے کہاں تک قابل
تحسین ہے ؟ اِس پر انگلستان اور امریکه
کے ماهرین فن نے ایک طول طویل
سلسلۂ نزاع جاري کردیا ہے - امید
کي جاتي ہے که نیو یارک کي نمایش
کے بعد یه نزاع اور زیاده وسعت اور اهمیت
پیدا کریگي !

بہرحال ہمارے لیے
لطیفہ کي اس سنجیدہ
میں تو کوئي دلچسپي
ہے' البتہ یہ سوال یقیناً دلچس
سے خالي نہیں کہ "مقد
کنواري" کے اس نئے مج
کے لیے جس ہندوستاني خ
کا چہرہ بطور نمونہ کے استع
کیا گیا ہے' وہ کون ہے؟
اسفیر ایک مرقع شائع ک
ہوئے ہمیں بتلاتا ہے کہ
ایک ہندو خاتون مقیم انگلس
ہے جس کا نام سنیتا nita
ہے' اور اُس کے دہ سالہ لڑ
نام "انور" ہے - اگر اسفیر
ناموں کے نقل کرنے میں ک
غلطي نہیں کي ہے تو "سنی
کے ساتھہ "انور" کا نام
خود ایک دلچسپ واقعہ
اور یقیناً قارئین الہلال کے ل
یہ کوئي ناپسندیگي کي بات
ہوگي' اگر وہ اِن دونوں صور
کا نظارہ کر سکیں - ہم اسفی
مرقع بجنسہ نقل کر دیتے ہیں
[illegible]
صناع امریکہ کے لیے روانہ ہو
ہے' اور اسفیر کے لفظوں میں
"ہندوستاني لیڈي اور اُس
کا لڑکا انور" اس کے ساتھہ
کھڑے ہیں -

دوسرا طوفان نوح

اور

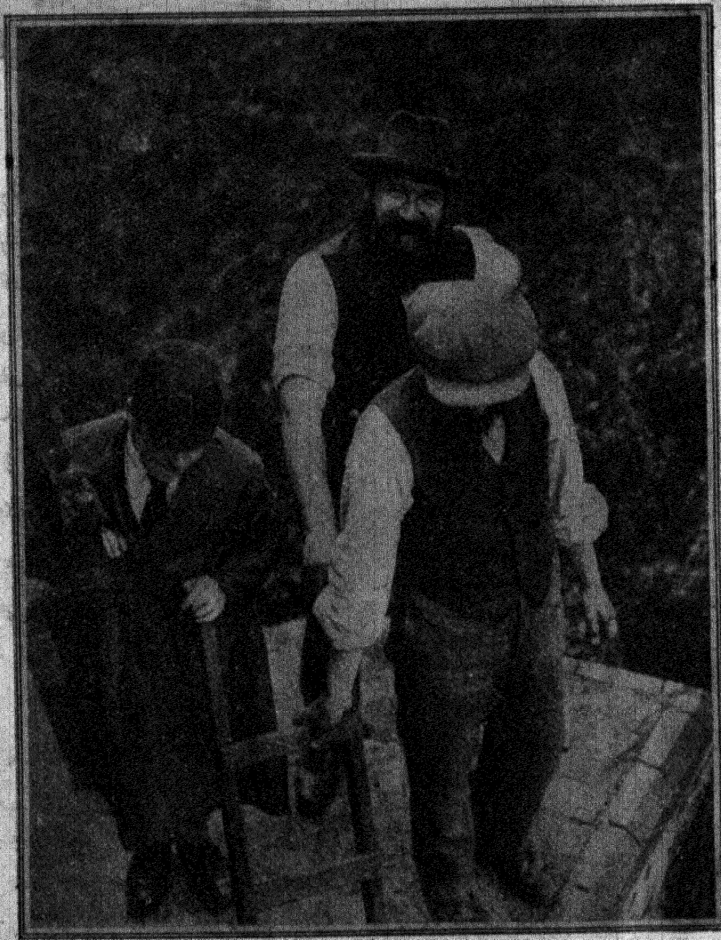
کشتي جس کا نام "بیت داؤد" ہے!

موجودہ زمانہ میں یہ بات کس درجہ عجیب سمجھي جائیگي کہ انسانوں کي ایک جماعت کرۂ ارضي کي تمام خشکیوں سے الگ ہوکر دریا میں آباد ہوجانا چاہتي ہے - کیونکہ "قدیم طوفان نوح کي طرح ایک دوسرا طوفان تمام دنیا کي بادشي کے لیے عنقریب ظہور میں آنے والا ہے!"

بات کتني ہي عجیب سمجھي جائے' لیکن واقعہ یہ ہے کہ یورپ میں ایک جماعت ایسي موجود ہے' اور وہ نہایت خوف و اضطراب کے ساتھہ اس دوسرے عالمگیر طوفان کا انتظار کر رہي ہے!

یہ یہودیوں کا ایک فرقہ ہے - اِس نے اپنا یہ ہولناک اعتقاد عہد عتیق کي بعض پیشین گوئیوں سے اخذ کیا ہے - انگلستان میں اس فرقہ کي کافي تعداد موجود ہے - اس فرقہ کے سردار نے حال میں ایک نئي کشتي بھي طیار کرائي ہے جس کا نام "ہاؤس اف ڈیوڈ" یعنے "بیت داؤد" ہے - یہ کشتي جکل دریاے ٹیمس میں موجود ہے - یہ فرقہ یقین کرتا ہے کہ آنے والے طوفان میں محفوظ رہنے کے لیے نئي دنیا کے ترقي یافتہ جہاز اس قدر مفید ثابت نہیں ہونگے' جسقدر قدیم وضع کي یہ کشتي مفید ہوگي - کیونکہ یہ "اُن تفصیلات کے ٹھیک ٹھیک مطابق طیار کي گئي ہے' جو حضرت نوح علیہ السلام کي کشتي کي نسبت عہد عتیق میں موجود ہیں!"

جو مرقع آپ کے سامنے ہے' اس میں آپ اس محتاط اور دور اندیش فرقہ کے سردار اور اسکے رفقاء کو مشغول اہتمام دیکھہ رہے ہیں!



ایک اِسرائیلي فرقہ کا رہنما جو ایک عالمگیر طوفان کے ظہور کا اِنتظار کر رہا ہے!

تاریخ و عبر

عرب خلفاء و سلاطین کے مختصر جواب

عرب خلفاء و سلاطین کی فصاحت و بلاغت مشہور ہو۔ یہ بلاغت سب سے زیادہ اُن کے مختصر جوابات میں ظاہر ہوا کرتی تھی جو وہ درخواستوں پر لکھدیا کرتے تھے۔ ذیل میں چند نمونے ملاحظہ ہوں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ

عمرو بن العاص کے جواب میں لکھا:

"اپنی رعیت کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرو، جیسا سلوک امیر المومنین کا اپنے ساتھ چاہتے ہو"

مصر کے بعض لوگوں نے مروان بن الحکم کی شکایت لکھ بھیجی۔ آپنے جواب میں یہ آیت لکھ دی:

"فان عصوک فقل انی بریٔ مما تعملون" (اگر وہ تیری نا فرمانی کریں تو کہدے، میں تمھارے عمل سے بری ہوں)

حضرت سعد بن ابی وقاص نے اپنے لئے گھر بنانے کی اجازت طلب کی۔ آپنے جواب دیا:

"ایسا گھر بنالے جو تجھے باد سموم اور مینہ سے چھپا سکے"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

ایک شخص نے اپنی مالی مشکلات کی شکایت بھیجی۔ آپنے جواب دیا:

"ضرورت بھر کا حکم بھیجدے دیا ہو۔ اللہ کے مال میں اسراف کی گنجایش نہیں"

حضرت علی علیہ السلام

حصین بن المنذر نے لکھا کہ قبائل ربیعہ کے بہت سے آدمی قتل ہو چکے ہیں۔ آپنے جواب دیا:

"بقیۃ السیف میں زیادہ فراوانی ہوتی ہو"

اشتر نخعی نے ایک شخص کی شکایت کی۔ آپنے جواب لکھا۔

"کامل مکمل آدمی اس دنیا میں کہاں ہو؟"

امیر معاویہ بن ابی سفیان

ربیعہ یربوعی نے لکھا کہ "میں بصرہ میں گھر بنانا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے کھجور کے بارہ ہزار تنے دیکر میری مدد کیجئے"

امیر معاویہ نے جواب لکھا:

"تمھارا گھر بصرہ میں ہوگا، یا البصرہ، تمھارے گھر میں ہوگا؟"

عبد الملک بن مروان

حجاج بن یوسف والی عراق نے عراقیوں کی شکایت لکھی۔ عبد الملک نے رقعہ کی پشت پر لکھدیا:

"نرمی کر، کیونکہ نرمی میں بھلائی ہو۔ سختی میں برائی ہو"

ایک مرتبہ حجاج نے اجازت طلب کی کہ عراقی سرداروں کو قتل کردالے۔ عبد الملک نے لکھا:

"مبارک حاکم وہ ہو جس سے مخالفوں کو بھی اُنس ہو جائے۔ منحوس حاکم وہ ہو جس سے موافق بھی بزدل ہو جائیں"

ابن الاشعث کے خط کی پشت پر یہ شعر جواب میں لکھا:

فما بال من اسعی لاجبر عظمہ حفاظاً و ینوی من سفاہتہ کسری

(اُس شخص کو کیا ہو گیا ہو جو حماقت سے مجھ توڑنے کی کوشش کرتا ہو، حالانکہ میں اُس کی ٹوٹی ہوئی ہڈی جوڑنے کی فکر میں ہوں؟)

عمر بن عبد العزیز

حاکم عراق نے عراقیوں کی شکایت لکھی۔ آپنے جواب دیا:

"جو اپنے لئے پسند کرتے ہو، وہی اُن کے لئے پسند کرو۔ پھر بعض جرم پر سزا دو"

ایک مظلوم نے فریاد لکھی۔ آپ نے جواب دیا:

"انصاف تیرے سامنے ہو"

ایک قیدی نے درخواست بھیجی۔ جواب لکھا:

"توبہ کر، رہا ہو جا"

ایک شخص نے اپنی بیوی کی شکایت لکھی۔ جواب دیا:

"تم دونوں حق میں یکساں ہو"

ایک عورت نے اپنے شوہر کے قید کی شکایت کی۔ جواب دیا:

"قید، حق پر ہونی چاہئے"

ایک شخص نے اپنے بیٹے کی فریاد کی۔ جواب دیا:

"اگر میں نے تیری فریاد نہ سُنی تو ظالم ہوں"

حاکم حمص نے لکھا کہ شہر کو ایک قلعہ کی ضرورت ہو۔ جواب دیا:

"عدل اور سلامتی کا قلعہ اسمیں تعمیر کردے"

سفاح (اول خلیفۂ عباسی)

اپنے ایک گورنر کو لکھا:

"میں گرا ہوں کو اپنا مددگار بنا نہیں سکتا"

اہل انبار نے شکایت کی کہ حکومت کی عمارت میں اُن کی زمین لے لی گئی ہو اور قیمت ادا نہیں کی گئی۔ جواب دیا:

"یہ عمارت تقویٰ پر قائم نہیں ہوئی"

پھر زمین کی قیمت ادا کردینے کا حکم دیدیا۔

ابو جعفر منصور

ایک شخص نے اپنا وظیفہ بند ہو جانے کی شکایت لکھی۔ جواب دیا:

"خدا کی رحمت کو کوئی روک نہیں سکتا"

حاکم مصر نے لکھا کہ اس سال دریائے نیل میں طغیانی نہیں آئی۔ جواب لکھا:

"اپنی فوج کو پاک کر، نیل میں برکت آجائے گی"

حاکم حمص نے خط لکھا۔ اسمیں عبارت غلط تھی۔ اس کو جواب لکھا:

"اپنی تحریر بدل، ورنہ میں تجھے بدل دوں گا"

سندھ کے حاکم نے لکھا کہ فوج نے شورش کردی ہو اور بیت المال کے قفل توڑ ڈالے ہیں۔ خلیفہ نے جواب لکھا:

"اگر تو نے انصاف کیا ہوتا تو شورش نہ ہوتی۔ اگر حقوق ادا کئے ہوتے تو قفل نہ ٹوٹتے"

ہارون الرشید

حاکم خراسان کو لکھا:

"اپنے گھاؤ کا علاج کر، ورنہ بڑھ جائے گا"

خزیمہ بن حازم نے لکھا کہ میں نے ارمینیا میں داخل ہو کر قتل عام کردیا۔ خلیفہ نے لکھا:

"تیرا بُرا ہو، بے گناہوں کو کیوں مارا؟"

شاہ روم نے لکھا:

"میں اپنی سلطنت کی ہر صلیب اور ہر بہادر کو لے کر تیرے مقابلے پر آتا ہوں"

خلیفہ نے جواب دیا:

"عنقریب جان لے گا کہ نتیجہ کیا ہوتا ہو؟"

ایک دوسرے خط میں لکھا:

"خط کے پیچھے میں آتا ہوں۔ فتح، خدا پر ہو"

ایک اور خط کے جواب میں لکھا:

"جواب: پڑھے گا نہیں، آنکھ سے دیکھے گا"

مامون الرشید

ایک شخص نے علی بن ہشام کی شکایت کی۔ مامون نے علی کو لکھا:

"شریف کی علامت یہ ہو کہ بالا دستوں پر ظلم کرتا ہو اور زیردستوں کا ظلم سہتا ہو"

ایک دوسرے خط کے جواب میں لکھا۔

"میں تجھے اُسوقت تک اپنے قریب آنے نہیں دوں گا، جب تک تیرا فریادی میرے دروازہ پر ہو"

رستمی کی شکایت آئی۔ اسپر لکھا:

"یہ مردانگی کے خلاف ہو کہ تیرے برتن سونے چاندی کے ہوں، اور تیرا قرضخواہ تہی دست اور پڑوسی، فاقہ مست ہو"

عمرو بن مسعدہ کی شکایت کے جواب میں لکھا۔

"اے عمرو! اپنی خوشحالی کی عمارت، عدل سے قائم رکھ، کیونکہ ظلم اسے گرا دے گا"

اپنے بھائی ابو عیسیٰ کی شکایت سُنکر یہ آیت لکھ بھیجی۔

"فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینہم یومئذ" (جب صور پھونک دیا جائے گا تو رشتے ناتے باقی نہیں رہیں گے)

ابراہیم بن مہدی نے لکھا۔

"اگر آپ معاف کردیں تو یہ آپ کا احسان ہوگا، اگر سزا دیں تو آپ کو اس کا حق ہو"

خلیفہ نے جواب لکھا۔

"انتقام کی قدرت، کینہ کو دُور کردیتی ہو۔ خدا کا عفو سب سے بڑھ کر ہو"

ایک مرتبہ کسانوں نے شکایت کی کہ ٹڈی نے کھیت کھالئے۔ مامون نے لکھا:

"کسانوں سے زیادہ ٹڈیوں کی مہمان نوازی ہمپر واجب ہو۔ آدھا محصول معاف کردیا جائے"



ہندوستان اور مجموعۂ عالم

تمام دنیا میں جغرافیائی، عمرانی اور اقتصادی لحاظ سے ہندوستان کی موجودہ حیثیت کیا ہے؟

(۵)

گیہوں

دنیا کے مختلف ملکوں میں گیہوں کی پیداوار ایکڑ کے حساب سے سنہ ۱۹۲۴ء میں

ملک	ایکڑ
ہندوستان	۳۰۳۰۴۰۰۰
ارجنٹائن	۱۷۷۸۵۰۰۰
کینیڈا	۲۲۰۴۶۰۰۰
مصر	۱۴۱۵۰۰۰
فرانس	۱۳۶۱۴۰۰۰
اٹلی	۱۱۲۷۹۰۰۰
جرمنی	۳۶۲۲۰۰۰
جاپان	۱۱۴۹۰۰۰
رومانیہ	۷۸۳۵۰۰۰
برطانیہ	۱۵۹۹۰۰۰
ولایات متحدہ امریکہ	۵۴۴۸۶۰۰۰
الجزائر	۳۴۹۱۰۰۰

ہندوستان میں گیہوں کی پیداوار سنہ ۱۹۲۴ء میں

صوبہ	رقبہ بحساب ایکڑ	پیداوار بحساب ٹن
مدراس	۳۷۹۲	.....
بمبئی	۴۸۷۱۶۲	۳۷۸۰۰۰
بنگال	۱۲۹۰۸	۲۵۰۰۰
یو، پی	۲۹۱۹۱۲۲	۲۴۱۹۰۰۰
پنجاب	۴۷۲۸۱۵۴	۵۸۱۰۰۰
بہار و اڑیسہ	۲۶۰۶۳۴	۴۷۳۰۰۰
سی، پی	۳۶۴۶۰	۱۰۶۸۰۰۰
صوبۂ سرحد	۳۱۹۱۲۵	۱۹۵۰۰۰

دُنیا میں جوار کی پیداوار

ملک	ایکڑ	پیداوار بحساب ٹن
ہندوستان	۷۸۵۰۰۰۰	۲۲۰۷۱۰۰
الجزائر	۱۰۷۰۰۰	....
ارجنٹائن	۹۱۵۲۰۰۰	۲۶۱۰۰۰۰
آسٹریا	۱۴۷۰۰۰	....
بلغاریہ	۱۴۶۴۰۰۰	۹۹۱۰۰۰
کنیڈا	۲۹۵۰۰۰	....
فرانس	۸۴۵۰۰۰	۳۴۱۰۰۰
اٹلی	۳۸۰۵۰۰۰	۲۰۶۹۰۰۰
ہنگری	۲۴۷۸۰۰۰	.....
پولینڈ	۱۹۰۰۰۰	.....
رومانیہ	۸۹۴۵۰۰۰	۲۳۱۸۰۰۰
اسپین	۱۱۶۲۰۰۰	۶۷۶۰۰۰
سوئٹزرلینڈ	۴۰۰۰	....
ٹیونس	۴۱۰۰۰	....
ولایات متحدہ امریکہ	۱۰۴۹۶۸۰۰۰	۷۱۸۵۹۰۰۰
جاوا	۴۷۸۴۰۰۰	۲۹۳۰۰۰۰
مصر	۱۹۳۰۰۰۰	۱۹۵۸۰۰۰
جنوبی افریقہ	۳۲۵۰۰۰۰	۹۴۱۰۰۰

ہندوستان میں جوار کی پیداوار سنہ ۱۹۲۴ء میں

صوبہ	ایکڑ	پیداوار	ہر ایکڑ میں بحساب پونڈ
مدراس	۱۰۳۸۵۱۶	۴۵۰۰۰	۶۳۶
بمبئی	۲۰۷۹۳۷	۷۶۰۰۰	....
بنگال	۸۱۹۰۰	۲۷۰۰۰	۸۲۰
یو، پی	۱۸۳۸۲۲۴	۸۸۶۰۰۰	۱۱۰۰
پنجاب	۱۰۵۰۲۸۴	۴۰۲۰۰۰	۹۶۲
بہار و اڑیسہ	۱۶۷۹۸۰۰	۵۳۹۰۰۰	۸۲۰
سی، پی اور برار	۱۵۴۶۹۷	.....	...
برما	۱۸۸۴۱۲	۴۸۰۰۰	۷۰۰
صوبۂ سرحد	۴۳۸۴۲۴	۱۶۰۰۰	۱۱۱۰

ہندوستان میں شکر کی پیداوار سنہ ۱۹۲۴ء

صوبہ	ایکڑ	پیداوار بحساب ٹن	ہر ایکڑ کی پیداوار بحساب پونڈ
مدراس	۱۲۱۲۹۸	۲۳۲۳۰۰	۶۴۲۰
بمبئی	۷۳۰۴۹	۲۴۸۱۰۰	۶۹۵۰
بنگال	۲۰۷۹۰۰	۲۴۵۷۰۰	۳۰۰۴
یو، پی	۱۵۴۳۹۰۲	۱۲۲۰۳۰۰	۲۶۰۰
پنجاب	۴۸۳۱۶۱	۳۱۳۰۰۰	۲۱۹۱
بہار و اڑیسہ	۳۰۷۳۰۰	۲۹۰۷۰۰	۲۴۶۰

ہندوستان میں شکر کی درآمد و برآمد

	برآمد		درآمد	
	مقدار	قیمت	مقدار	قیمت
سنہ ۲۳	۵۱۱۰ ٹن	۱۶۱۳۰۰۰ روپیہ	۵۱۰۰۸۶ ٹن	۱۵۳۱۹۸۰۰۰ روپیہ
سنہ ۲۴	۲۱۱۳۴ ″	۵۲۴۷۰۰۰ ″	۷۲۹۰۰۸ ″	۲۰۹۰۲۴۰۰۰ ″

ہندوستان میں چائے کی درآمد و برآمد

	برآمد		درآمد	
	مقدار بحساب پونڈ	قیمت بحساب روپیہ	مقدار	قیمت
سنہ ۲۳	۳۵۹۱۸۹۲۳۲	۱۷۶۷۳۱۰۰۰	۹۶۶۶۰۱۵	۶۰۸۳۰۰۰
سنہ ۲۴	۳۴۰۱۰۶۹۳۵	۳۳۳۹۲۴۰۰۰	۷۸۸۵۰۹	۶۲۸۳۰۰۰

دنیا میں روئی کی پیداوار سنہ ۱۹۲۴ء میں بحساب ایکڑ

ملک	ایکڑ
ہندوستان	۲۲۰۹۴۰۰۰
برازیل	۱۵۷۳۰۰۰
مصر	۱۸۵۵۰۰۰
ولایات متحدہ امریکہ	۴۱۳۴۳۰۰۰

دُنیا میں روئی کی پیداوار بحساب ہنڈرویٹ

مجموعی پیداوار: ۶۶۶۰۰۰۰ ہنڈرویٹ

تفصیل

ملک	۱۹۱۳ء میں		۱۹۲۲ء میں	
ہندوستان	۲۱۴۰۰۰۰	ہنڈرویٹ	۱۵۶۰۰۰۰	ہنڈرویٹ
برازیل	۱۲۰۰۰۰	؍؍	۲۶۰۰۰۰	؍؍
مصر	۶۸۰۰۰۰	؍؍	۳۲۰۰۰۰	؍؍
ولایات متحدۂ امریکہ	۶۱۴۰۰۰۰	؍؍	۴۱۶۰۰۰۰	؍؍
دوسرے ممالک	۴۶۰۰۰۰	؍؍	۱۰۰۰۰۰	؍؍
میکسیکو	۹۰۰۰۰	؍؍	۱۵۰۰۰۰	؍؍

برطانی ہندوستان میں روئی کی پیداوار ۱۹۲۴ء میں

صوبہ	ایکڑ	ہر ایکڑ میں پیداوار بحساب پونڈ
مدراس	۲۶۲۷۸۹۰	۷۸
بمبئی	۴۰۰۸۹۹۱	۱۰۲
بنگال	۵۵۰۰۰	۱۵۵
سی، پی اور برار	۴۹۳۲۸۷۷	۸۶
یُو، پی	۶۳۸۶۹۸	۱۷۰
پنجاب	۱۷۴۹۳۲۸	۱۳۸
آسام	۳۹۲۹۹	۱۵۳
برما	۳۰۰۷۹۰	۹۰

ہندوستان میں روئی کے کارخانے

	روئی دھننے اور دبانے والے کارخانے	کاتنے اور بننے والے کارخانے
بمبئی	۵۲۱	۱۸۴
سی، پی اور برار	۴۲۶	۱۴
یو، پی	۱۵۶	۱۸
مدراس	۱۴۹	۲۶
بنگال	۰۰۰	۱۲
پنجاب	۱۲۰	۰۰۰
سنٹرل انڈیا	۱۰۷	۰۰۰
حیدر آباد	۱۴۷	۰۰۰
بڑودہ	۸۳	۰۰۰

ہندوستان میں روئی کی درآمد و برآمد

درآمد

سوت	۹۶۶۳۱۰۰۰	روپیہ
سوتی کپڑے	۷۲۶۶۲۰۰۰۰	؍؍

برآمد

خام روئی	۹۱۴۷۰۳۰۰۰	روپیہ
سوت	۳۷۰۱۱۰۰۰	؍؍
سوتی کپڑے	۷۵۷۳۶۰۰۰	؍؍

دنیا کی $\frac{1}{5}$ روئی صرف ہندوستان میں پیدا ہوتی ہے۔

افسانہ

خط استوا کے افریقی قبائل

ملک نم نم

ایک افسانہ نما تاریخی سرگذشت

اسمٰعیل پاشا خدیو مصر کے زمانے میں مصری فوجیں، فتح کرتی ہوئی خط استوا تک پہنچگئی تھیں یہ سرزمین ایسی تھی کہ مصریوں سے پہلے وہاں کوئی متمدن انسان بھی نہیں پہونچا تھا۔ صرف بعض بَردہ فروش کبھی کبھی اُس کی سرحدوں تک پہنچ جاتے اور غلامی کے لئے آدمی پکڑ لاتے۔

اِس سرزمین کی تمام قومیں اُسوقت (اور اب بھی) از حد وحشی تھیں۔ فاتح فوجوں کو نا قابل بیان مصائب کا سامنا کرنا پڑا ایک طرف موسم اور آب ہوا برداشت سے باہر تھی۔ شب و روز پانی برستا رہتا تھا۔ ہر طرف کیچڑ اور دلدلیں تھیں۔ دوسری طرف بَرّی و بحری درندے حملے کرتے تھے۔ مچھروں کی مصیبت بھی کچھ کم نہ تھی۔ ایسے قاتل مچھر شاید ہی دنیا کے کسی حصہ میں ہوتے ہوں جیسے کہ اِس دلدلی زمین میں تھے۔ اِس سے بھی بڑھ کر خود وہاں کے باشندوں کا خطرناک وجود تھا۔ وہ کسی نظام جنگ سے واقف نہ تھے منظم فوجیں، با قاعدہ لڑائیوں کی عادی تھیں۔ مگر وہاں کے باشندے بے قاعدہ لڑائی میں ماہر تھے۔ تیر انداز ایسے تھے کہ بندوقوں اور توپوں سے مسلح فوجوں کو بھگا دیتے تھے۔ اگر قیدی اُن کے ہاتھ پڑ جاتے تھے، تو اُن سے نہایت وحشیانہ سلوک کرتے تھے۔ ایسا وحشیانہ سلوک جس کا متمدن دُنیا تصور بھی نہیں کر سکتی!

(۲)

کامل ۱۰ ماہ کی ہولناک جد وجہد اور خونریز جنگوں کے بعد مصری فوجیں خط استوا کے ایک بڑے علاقے میں پہنچیں۔ اُنھوں نے باشندوں کو اپنے مقابلے کے لئے مستعد پایا۔ فوجوں نے فوراً کانٹے جمع کرکے مورچے بنائے اور رات بسر کرنا چاہی۔ مگر آدھی رات کو وحشی باشندوں نے حملہ کر دیا، تمام مورچے جلا دئے، اور پوری تین پلٹنیں کاٹ کر ڈال دیں۔ بقیۃ السیف قید کر لئے گئے۔

تمام قیدی راستے ہی میں مر گئے تھے۔ صرف تیس آدمی نیم جان حالت میں انکے لشکر گاہ تک پہنچ سکے۔ ان میں سے دو شخصوں کا حال ہم لکھنا چاہتے ہیں۔

(۳)

ایک قیدی، مصری تھا۔ اُس کا نام "شعبان عددی" تھا۔ دوسرا سوڈانی تھا۔ اُس کا نام "بخیت کوکو" تھا۔ اِن دونوں میں ایسی محبت اور دوستی تھی کہ اس کی نظیریں دنیا میں کم ملیں گی۔ دوستی اِس طرح شروع ہوئی کہ ایک مرتبہ بخیت کوکو خرطوم میں تھا اور دریائے نیل میں نہا رہا تھا۔ اچانک دریا کی موجوں نے اُسے کھینچ لیا اور غرق ہونے لگا۔ فوج کے بہت سے آدمی موقع پر موجود تھے مگر کسی کو مدد کی جرأت نہ ہوئی۔ لیکن شعبان عددی فوراً کود پڑا، اور اپنی جان خطرے میں ڈالکر ڈوبتے ہوئے سوڈانی کو بچا لیا۔ اِس خدمت کے صلے میں بخیت کوکو نے قسم کھائی کہ عمر بھر اُس کا دوست رہے گا۔ اور ہمیشہ اُسی کے ساتھ زندگی بسر کرے گا۔ بخیت کوکو کا کوئی عزیز یا قریب مصر میں موجود نہ تھا۔ وہ دراصل ایک غلام تھا اور حکومت نے اُسے آزاد کر دیا تھا۔ اُس کا خاندان خط استوا ہی کے ایک علاقے میں موجود تھا۔ مگر وہ وہاں واپس جانا نہیں چاہتا تھا۔

اِس واقعہ کے بعد پھر کبھی کسی نے اِن دونوں دوستوں کو جُدا ہوتے نہیں دیکھا۔ ہمیشہ ساتھ ہی رہتے تھے۔ حتیٰ کہ رات کو بھی ساتھ ہی سوتے تھے۔ اتفاق سے وہ دونوں ساتھ ہی قید بھی

ہوئے، اور ایک ہی رسی میں باندھ دیئے گئے۔ وحشی فاتح جب اُنھیں اپنے لشکر میں لئے جا رہے تھے، تو بخیت کوکو نے اپنے دوست شعبان عدوی سے کہا "میں ان قبیلوں کی زبان اور عادات سے بخوبی واقف ہوں۔ یہ لوگ قیدیوں کو سخت تکلیف دینے کے بعد زندہ جلا دیتے ہیں۔ اگر تم منظور کرو تو ان سے میں درخواست کروں کہ ہم دونوں کو ساتھ ہی جلائیں۔ لیکن میں کوشش کروں گا، کسی تدبیر سے انھیں دہوکہ دیدوں" مصری از حد خائف تھا۔ تقریبًا مجنون ہو چکا تھا اُسنے اپنے دوست کی تائید کی۔

(۴)

وحشی فاتحوں نے اپنے لشکر میں پہنچکر جشن شروع کیا۔ تقریب کا آغاز اس سے ہوا کہ دو قیدی افسروں کو برہنہ کرکے ایک درخت کے تنہ سے باندھ دیا گیا اور نوجوانوں نے اُن پر تیر اندازی شروع کی۔ ہر تیر پر مظلوم قیدیوں کی فریاد بلند ہوتی تھی، اور وحشی فاتحوں کے پُر مسرت نعرے ہوا میں گونج اُٹھتے تھے۔ ایک قیدی تو فورًا مر گیا مگر دوسرا ۵ دن تک زندہ رہا۔ روز صبح سے شام تک اُس کے زندہ جسم پر تیر افگنی کی مشق کی جاتی تھی!

اس تماشہ کے بعد جتنے قیدی خوف و دہشت سے مر نہیں چکے تھے، زندہ جلا دیئے گئے۔ پھر ان دونوں دوستوں، یعنی شعبان عدوی اور بخیت کوکو کی باری آئی۔ بخیت نے قبیلے کے سردار سے اُس کی زبان میں کہا "ہم دونوں ترک نہیں ہیں جیسا کہ تم خیال کرتے ہو ہم ملک کرکورڈو[1] کے رہنے والے ہیں۔ ہمیں ترک پکڑ لے گئے تھے اور زبردستی تم سے لڑنے پر مجبور کیا۔ مگر ہم نے کوئی ہتیار نہیں چلایا اور قید ہو گئے تاکہ تمھارے ساتھ ملکر ترکوں سے لڑیں۔ اگر تم ہمیں مار و گے نہیں تو ہمارے قبیلے بھی تمھاری مدد پر آ جائیں گے"

بڑی حجت و تکرار کے بعد سردار نے دونوں قیدیوں کو زندہ رکھنا منظور کر لیا۔ زیادہ تر اس خیال سے کہ ان سے بطور ترجمان کے کام لیا جائے گا۔

(۵)

اس کے بعد دونوں قیدی وحشیوں کے ساتھ رہنے اور اُن کی وحشیانہ رسموں میں شریک ہونے لگے۔ اسپر ایک مدت گزر گئی۔ اب شعبان عدوی اُداس رہنے لگا، کیونکہ نجات سے نا امید ہو گیا تھا۔ بخیت کوکو ایک دن کسی ضرورت سے جدا ہوا۔ شعبان نے یہ موقعہ غنیمت سمجھا۔ درخت میں رسی باندہی اور اپنے گلے میں پھندا لگا کر لٹک گیا۔ درخت پر بلبلیں اور غوغائیاں بیٹھی تھیں۔ اچانک چلا اُٹھیں اتفاق سے بخیت کوکو بھی اب پہنچ چکا تھا۔ چڑیوں کا شور سُنکر نظر اُٹھائی تو اپنے دوست کو لٹکتے دیکھا۔ حیرت انگیز پھرتی سے وہ درخت پر چڑھ گیا، اور اپنے تیز خنجر سے پھانسی کی رسی کاٹ دی شعبان، نیچے گرا۔ بخیت بھی ساتھ ہی پھاندا اور دوست کی لاش پر نوحہ کرنے لگا!

بخیت کوکو ابھی نوحہ و فغاں کر ہی رہا تھا کہ شعبان نے آنکھ کھول دی۔ وہ مرا نہیں تھا۔ صرف بے ہوش ہو گیا تھا۔ بخیت بہت خوش ہوا اور بتایا کہ "میں نے قبیلے کے سردار کو راضی کر لیا ہے کہ ہم دونوں، وحشیوں کو بندوق چلانا سکھا دیں۔ جب ہتیار ہمارے ہاتھ آ جائیں گے تو میں تمھیں لے کر ملک نَم نَم کی طرف بھاگ جاؤں گا۔ وہ یہاں سے صرف ۲۰ دن کے فاصلے پر ہے۔ مجھے راستہ اچھی طرح معلوم ہے"

"میں نَم نَم میں نہیں جاؤں گا کیونکہ وہاں آدمیوں کا گوشت کھایا جاتا ہے!" شعبان نے خوف زدہ ہو کر کہا۔

"دوست! یہ تم سے کس نے کہہ دیا؟" بخیت کوکو نے کہا "یہ بالکل جھوٹ ہے۔ نَم نَم میں صرف دو قبیلے، آدمی کھاتے ہیں۔ اور وہ بھی ہر طرح کا آدمی نہیں۔ صرف بیمار آدمیوں کا گوشت کھا لیتے ہیں۔ اُن میں کسی ایک قبیلے میں جب کوئی بیمار ہو جاتا ہے اور اچھا نہیں ہوتا، تو اُسے دوسرے قبیلے میں بھیجدیتے ہیں تاکہ اُسے بھُون کر کھالیں۔ کیونکہ وہ آدمی کو دفن کرنا یا جلانا، انسانیت کے خلاف سمجھتے ہیں!"

(۶)

یہ سنکر شعبان بھاگنے پر راضی ہو گیا۔ کچھ مدت بعد لُوٹ کی بندوقیں اور کارتوس آ گئے۔ ایک رات جبکہ وحشی ناچ گانے میں مصروف تھے، دونوں دوستوں نے بندوقیں اُٹھائیں، کارتوس کی پٹیاں کمر میں باندھیں، اور اندھیرے میں بھاگ کھڑے ہوئے۔

رات بھر چلنے کے بعد وہ ایک ایسے علاقے میں پہونچے جہاں ہر طرف دلدلیں تھیں۔ پورا ایک دن انہی دلدلوں کے عبور کرنے میں لگ گیا۔ اب وہ بہت تھک گئے تھے اور بھُوک سے بے حال ہو رہے تھے۔ جوں ہی ایک خشک زمین پر پہنچکر اُنھوں نے چاہا کہ سستالیں، بخیت کوکو چلایا "فورًا درخت پر چڑھ جاؤ!" شعبان، بدحواس ہو گیا۔ مگر بخیت دوڑ کر اُس کے پاس آیا اور اُسے گود میں اُٹھا کر درخت پر چڑہا دیا، اور خود بھی اوپر پہنچ گیا۔ فورًا ہی اُنھوں نے دیکھا کہ ایک عظیم الشان کرگدن، تیر کی طرح دوڑتا ہوا چلا آ رہا ہے۔ آتے ہی اُسنے قریب کے ایک درخت پر حملہ کیا اور پُورا درخت اکھاڑ کر پھینک دیا۔ دونوں دوستوں کے پاس بندوقیں موجود تھیں۔ اُنھوں نے فیر کیا اور ۳ گولیوں میں حیوان کو گرا دیا۔ اب وہ خوش خوش اُترے اور اُس کا گوشت بھُون بھُون کر کھانے لگے۔

مسلسل کئی دن تک اُنھوں نے جنگلی کیلے اور آم کے جنگلوں میں سفر کیا۔ راستے میں بہت سے دریا ملے۔ دونوں دوست درخت کاٹ کر کشتی بناتے تھے۔ اور دریا عبُور کر جاتے تھے۔

کئی ہفتے کے سخت ہولناک سفر کے بعد وہ ملک نَم نَم کی سرحد پر پہنچ گئے۔ رات اُنھوں نے ایک اونچے پیڑ کی شاخوں پر گذاری۔ وہ مشورہ کرتے رہے کہ یہاں کے بادشاہ کو کیا ہدیہ پیش کرنا چاہئے؟ کیونکہ بادشاہ اگرچہ انصاف پسند تھا مگر کسی اجنبی کو بلا سبب ملک میں داخل ہونے نہیں دیتا تھا۔ آخر اُنھوں نے طے کیا کہ اپنے ہتیار اُس کے سامنے پیش کرینگے۔

صبح وہ چلے جا رہے تھے کہ ناگاہ اُنھیں زمین پر ایک آدمی کی لاش نظر آئی۔ پاس ہی ایک گٹھری بھی رکھی تھی۔ قریب کے درخت سے گدہا بندہا تھا۔ انھوں نے خیال کیا، کوئی مسافر تھا۔ گدہا باندہ کر اور گٹھری سر کے نیچے رکھ کر آرام کے لئے لیٹا ہوگا، مگر کسی درندہ نے اُسے مار ڈالا۔ پھر اُنھوں نے گٹھری کھولی تو اُسمیں ریشمی اور کلابتونی کپڑے رکھے تھے۔ وہ بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے "بادشاہ کے لئے یہ اچھا تحفہ ہے۔ گدہا دیکھ کر وہ بہت خوش ہوگا۔ کیونکہ اس ملک میں گدہا نا پید ہے"

اب اُنھوں نے چاہا یہ مال غنیمت لے کر آگے بڑہیں، مگر فورًا ہی پاس کی جھاڑی سے ایک شیر بر مہیب آواز سے چلاتا باہر نکلا، مگر وہ ڈرے نہیں۔ فورًا بندوق چلائی اور شیر کو مار ڈالا۔

(۷)

شاہ نَم نَم کا پائے تخت سامنے تھا۔ بندوق کی آواز وحشی باشندوں کے لئے بالکل نئی تھی۔ بہت سے آدمی گانوں سے نکل آئے اور آواز کی طرف دَوڑے۔ خود بادشاہ، سب سے آگے تھا۔ بخیت کوکو نے بادشاہ کو دیکھا تو شاہانہ آداب و کورنش بجالایا، اور اپنا اپنے دوست کا پورا قصہ کہہ سُنایا۔ پھر اُسنے کہا:

"میرا یہ دوست، اپنے وقت کا رستم ہے۔ خود اعلیٰ حضرت ملاحظہ فرمارہے ہیں کہ اسنے کس آسانی سے شیر مار ڈالا، اور اس عجیب مخلوق (یعنی گدھے) کو اپنی سواری بننے پر مجبور کر دیا!"

بادشاہ بہت متحیر ہوا۔ گدھے کی صورت دیکھ کر اُس کی تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی۔

پھر بخیت کوکو نے بادشاہ سے کہا "گدہا اصل میں میرے اس دوست کے بھائی کی سواری ہے۔ وہ اسپر سوار ہو کر تمام دنیا میں سفر کرتا رہا۔ وہ اپنے اس گم شدہ بھائی کو تلاش کر رہا تھا جسے وحشی لوگوں نے قید کر لیا تھا۔ وہ اپنے ساتھ اعلیٰ حضرت کے لئے یہ کپڑے بھی لایا تھا۔ مگر افسوس کہ درندے نے اُسے سوتے میں مار ڈالا۔ اب میرا دوست اعلیٰ حضرت کی خدمت میں یہ کپڑے نیز یہ جہنمی ہتیار جس سے اُسنے چشم زدن میں شیر کو مار ڈالا، ہدیتہً پیش کرتا ہے!"

بادشاہ از حد مسرور ہوا اور ہدیئے قبول کر لئے۔ پھر بخیت کوکو نے بادشاہ کی اجازت سے شعبان کو حکم دیا کہ گدھے پر سوار ہو کر بادشاہ کے رُوبرو اُسے دَوڑائے۔ شعبان گدھے پر سوار ہو گیا۔ مگر سوء اتفاق سے گدھا چِلّانے لگا۔ اُس کی عجیب آواز سُنکر وحشی باشندے اور خود بادشاہ پر سخت دہشت طاری ہوئی۔ وہ بے تحاشا بھاگ کھڑے ہوئے۔ بخیت کوکو نے دَوڑ کر بادشاہ کو روکا، اور عرض کیا "یہ حیوان، سفر میں رہنے کی وجہ سے بدتمیز ہو گیا ہے! چند دن آرام کرنے کے بعد ٹھیک ہو جائے گا!"

بادشاہ نے اپنے کاہن سے مشورہ کیا۔ کاہن نے کہا "یہ مخلوق، اصل میں انسان ہی ہے اور جادو کے زور سے جانور بنا دیا گیا ہے"

تب بادشاہ کی آنکھوں میں غیظ ظاہر ہوا۔ بخیت کوکو سمجھ گیا۔ اُسنے بندوق اُٹھائی، اور گولی مار کر گدھے کا خاتمہ کر دیا۔

اب بادشاہ کے ہوش حواس دُرست ہوئے۔ اُس کا غصہ دُور ہو گیا۔ دونوں مہمانوں کو اپنے قصر شاہی میں اُتارا، جو پھوس کا ایک جھونپڑا تھا۔ پھر اُن کے اعزاز میں پرتکلف دعوت کی۔ اپنے دس سب سے زیادہ موٹے کُتے ذبح کرائے اور اُن کے کباب مہمانوں کو کھلائے!

شاہی مہمان عزت و احترام سے رہنے لگے۔ اُنھیں ہر طرف پھرنے کی اجازت تھی۔ اُنھوں نے دیکھا، یہاں مرد بالکل برہنہ رہتے ہیں۔ عورتیں، صرف سبز پتے باندہ کر ستر پوشی کرتی ہیں۔ جب پتے خشک ہو جاتے ہیں تو اُنھیں پھینک کر نئے پتے باندھ لیتی ہیں۔ تعدد ازدواج کی عادت عام ہے۔ خود بادشاہ کے محل میں ۳۰۰ بیویاں تھیں۔ باشندے بہت مطمئن زندگی بسر کرتے ہیں۔ غذا وافر ہے۔ ہر گھر میں شہد بافراط موجود ہے۔

(۸)

چند ماہ قیام کے بعد دونوں دوست بادشاہ کی اجازت سے خرطوم روانہ ہوئے۔ وہاں سے مصر پہنچے۔ شعبان عدوی نے اپنے چچا کی لڑکی سے شادی کر لی اور اپنے دوست بخیت کوکو سے اپنی بہن بیاہ دی۔

---

[1] کرکوریا قورقرہ، خط استوا پر بحر غزال کے ممالک کا ایک جزو ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہاں کے باشندے بہت سُرخ سفید ہوتے ہیں۔ اُن کے بال بھورے اور آنکھیں نیلی ہوتی ہیں۔ بالکل یورپین معلوم ہوتے ہیں۔

غدر ۱۸۵۷ء

تصویر کا دوسرا رُخ

کئی ہفتے گزرے، الہلال میں ایک امریکن مصنف کی جدید الشیوع کتاب کے بعض حصوں کا ترجمہ شایع کیا گیا تھا جو غدر ۵۷ء کے حوادث پر تاریخی حیثیت سے لکھی گئی ہے۔ یہ ترجمہ چودہری محمد علی صاحب وکیل ایبٹ آباد کے قلم سے نکلا تھا۔ اب اُنھوں نے کتاب کے بعض دیگر حصص کا ترجمہ بھی بغرض اشاعت بھیجا ہے۔ آج ہم پھر یہ سلسلہ شروع کرتے ہیں۔ پہلی قسط درج ذیل ہے۔

جن دنوں یہ وحشیانہ مظالم ظہور پذیر ہو رہے تھے، بعض نامور انگریزوں نے انکے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ ہم آجتک اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ اس قلیل جماعت نے اکثریت کی وحشیانہ حرکات کے خلاف نفرت کا اظہار کیا تھا۔ لارڈ کیننگ وایسرائے ہند نے ۲۱ جولائی ۵۷ء کو دیہاتوں کا جلانا ممنوع قرار دیدیا اور نہتے آدمیوں کو سزا دینے سے بھی حکماً روک دیا گیا۔ جن افسروں نے عوام الناس سے وحشیانہ سلوک کیا تھا، اُن سے اختیارات چھین لئے گئے۔ ۲۰ اگست ۵۷ء کو گرانٹ صوبجات متحدہ میں بطور لفٹننٹ گورنر مقرر کیا گیا، تاکہ وہ الہ آباد اور دیگر مقامات میں ان لوگوں کو بچائے، جو بلا تمیز پھانسی دیئے جا رہے تھے۔ مگر کیننگ اور گرانٹ ایسے نرم دل واقع ہوئے تھے کہ ماتحت افسران کے احکام کی مطلق پروا نہیں کرتے تھے۔ بایں ہمہ انگریزوں نے انکے خلاف بڑا شور مچایا۔ اور وائسرائے کو تو وہ نرم دل کیننگ کہا کرتے تھے!

ماہ اگست میں جب انگریزی فوج کا ایک دستہ کسی گاؤں کو جلا کر واپس آرہا تھا، راہ میں وفادار سپاہیوں کی ایک تعداد مل گئی۔ وہ بھی انکی سنگینوں کا شکار ہوئے۔ جرنیل اوٹرم اس واقعہ جانکاہ کو "سفاکانہ قتل" سے تعبیر کیا کرتا تھا۔ لندن ٹائمز نے بھی ایسے بزدلانہ جرائم کے خلاف بہت کچھ لکھا تھا۔

یہ امر مسلم ہو کہ بہت سے ہندوستانی سپاہی ہمارے مظالم سے گبھرا گئے اور اپنی پلٹنیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ بعد ازاں وہ بغاوت کرنے پر مجبور ہوگئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے جان توڑ کر ہمارا مقابلہ کیا جس سے ہمیں سخت نقصان برداشت کرنا پڑا۔ انہیں یقین تھا کہ جو کوئی بھی انگریزوں کے ہاتھ آگیا اس کی جان سلامت نہیں ہوگی۔

لفٹننٹ رابرٹس جو بعد میں فیلڈ مارشل کے عہدے پر ممتاز ہوا اپنی ہمشیر کو ایک خط میں لکھتا ہو۔

"میری پیاری ہرٹ تم کو ہرگز یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ جو سپاہی ہمارے خلاف بغاوت کر رہے ہیں، میں ان پر ترس کھاتا ہوں۔ میں ایسا سنگدل ہوگیا ہوں کہ مجھے ان کی بے کسی پر مطلق رحم نہیں آتا جب کوئی قیدی گرفتار کر کے پیش کیا جاتا ہو، تو سب سے پہلے میں ہی چلا اُٹھتا ہوں" فی الفور پھانسی پر لٹکایا جائے"

دہلی کے محاصرے کے دوران میں ایک افسر لکھتا ہو:

"دشمن نے صلح کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ انگریز بغیر قتل کئے اور کسی شرط پر راضی نہیں ہونگے اور ان کا خیال بالکل درست ہو"

گریٹ ہیڈ ایک خط میں اس افسر کے رائے کی تاکید کرتا ہو۔

سر جارج کیمبل اپنی سوانح عمری میں اس بات پر بڑا زور دیتا ہو کہ سپاہیوں نے درحقیقت بغاوت کر کے سخت نمک حرامی کا ثبوت دیا لیکن جب انہیں سرکشی کی تحریک ہو گئی تھی۔ تو ہمیں ان کی وفاداری پر قطعاً امید نہیں کرنی چاہئے تھی۔ کیونکہ وہ ہمارے ہم وطن نہ تھے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ ہماری طاقت معدوم ہوچکی ہو تو پھر انکا باغیوں سے جا ملنا اتنا سنگین جرم نہ تھا، جتنا ہم سمجھتے ہیں۔ بایں ہمہ ہمیں حیرت ہو کہ بہت تھوڑی فوجوں نے بغاوت میں حصہ لیا۔ جہاں کہیں کوئی فوج بغاوت کرتی تھی، وہ عموماً اپنے انگریز افسروں کو قتل کر دیتی تھی۔ لیکن برعکس اسکے عوام الناس نے اکثر ہماری امداد کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ کئی دفعہ ہندوستانیوں نے انگریزوں کی جان بچا کر اپنے آپ کو مصیبت میں ڈال دیا۔ لیکن ہم نے ان لوگوں کی قربانی اور انسانیت کا بدلہ یوں دیا کہ باغی سپاہیوں کے ہمراہ انھیں بھی بلا تمیز قتل کرتے رہے!

ملکہ وکٹوریا اپنے خطوط میں (جو حال ہی میں کتاب کی شکل میں شائع ہوئے ہیں) غدر کے واقعات کے متعلق یوں لکھتی ہیں:

"ہماری فوجوں نے باغیوں سے سخت انتقام لیا جس کی وجہ سے وہ سخت بدنام ہوئیں۔ کیونکہ اُنھوں نے سخت بے رحمی سے بدلہ لیا تھا مگر لارڈ کیننگ کو بھی اس کی نرم مزاجی کی وجہ سے یہاں لعن طعن کیا جاتا ہو۔ عوام الناس کی رائے ہو کہ فوج اور سول کے افسروں نے غدر کو کچل دینے کے لئے جو کچھ انتظامات کئے تھے، وہ بالکل ضروری تھے اور اگر یہ افسر سختی سے کام نہ لیتے۔ تو بغاوت اتنی جلد فرو نہ ہوتی"

رسل نے اپنی ڈائری میں یہ سوال یوں حل کیا ہو۔

"یا تو یہ محض ایک فوجی بغاوت تھی۔ یا عام بغاوت تھی۔ چونکہ یہ بغاوت محض فوجوں تک محدود تھی، اس لئے دیہات اور شہر کے باشندوں کو محض اس بنا پر موت کی سزائیں دینا کہ انھوں نے سپاہیوں کی بغاوت فرو کرنے میں انگریزوں کا ساتھ نہ دیا، کسی قدر تہذیب سے گرا ہوا فعل تھا۔ ہم لوگوں کے ہمدردانہ جذبات کو جرم نہیں قرار دے سکتے۔ ہمیں چاہئے تو یہ تھا کہ اپنے دشمنوں کو جنگ کے میدان میں تباہ کریں۔ لیکن تمام علاقے کو محض اس بنا پر سزا دینا کہ اسمیں کچھ جرائم واقع ہوئے تھے، یا باغی سپاہیوں نے اسمیں ڈیرا ڈالا تھا۔ ایک ایسا شنیع فعل ہو کہ کوئی سمجھدار آدمی اس سے نفرت کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس بغاوت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر دو قوموں کے درمیان ایسی سخت نفرت قائم ہوگئی ہو کہ اس کے دُور کرنے کے واسطے بہت عرصہ چاہیئے باہمی اعتبار بالکل زائل ہوگیا ہو۔ اور اُمید نہیں کہ وہ پھر عود کرسکے"

ہومز ایک جگہ لکھتا ہو:

دہلی کے باشندوں نے باغیوں کے جرائم کا کفارہ کئی گنا دیدیا۔ ہزارہا مرد اور عورتیں شہر کے مضافات میں آوارہ پھر رہے تھے۔ نہ انکے پاس سامان خورد و نوش تھا۔ نہ ہی انکے قیام کے لئے کوئی مکان تھا جو کچھ ان کا اثاث البیت تھا، وہ انگریزی سپاہیوں نے لوٹ لیا تھا۔ انھوں نے دہلی کی فتح کے بعد ہر ایک مکان کی تلاشی لی تھی اور جو کچھ وہاں ملا تھا، لوٹ لے گئے تھے۔ عورتوں کی بڑی تعداد نے اپنے آپکو ہمارے رحم پر چھوڑ دیا تھا۔ ہم نے انہیں ایک محفوظ جگہ پر پہونچا دیا تھا۔ ہمیں ان دنوں ایسی شریف زادیوں کے دیکھنے کا اتفاق ہوتا تھا، جو بڑی مشکل سے اپنے بچوں کو کندھوں پر اٹھائے ہوئے رستوں پر ڈگمگاتی پھرتی تھیں کیونکہ وہ اپنے گھر کی چار دیواری سے باہر چلنے کی عادی نہ تھیں!"

رومیش دت ہندوستان کی تاریخ کے صفحہ ۲۲۴ پر لکھتا ہو:

"ہر ایک سمجھدار انگریز اور ہندوستانی اس بات کا خواہاں ہو کہ بغاوت کے افسوسناک حوادث کو مدارس کی تعلیمی کتابوں سے حذف کر دیا جائے تاکہ بچوں کے دماغ میں یہ زہر سرایت نہ کرسکے۔ جب سے انگریزوں نے ہندوستان پر تسلط جمانا شروع کیا، ان کی راجوں اور نوابوں سے ہمیشہ لڑائیاں ہوتی رہی ہیں۔ لیکن ہمیں افسوس کے ساتھ ماننا پڑتا ہو کہ ان لڑائیوں میں فریقین نے اس قدر ظلم برپا نہیں کئے تھے، جیسے کہ غدر کے دنوں میں ہوئے۔ باغیوں نے اس خیال سے بغاوت کا علم بلند کیا تھا کہ وہ اپنے مذہب اور قومیت کی خاطر لڑ رہے تھے۔ لیکن انھوں نے بے گناہ عورتوں اور بچوں کو قتل کر کے اپنی قوم اور مذہب کی سخت توہین کی۔ دوسری طرف سے انگریزی فوجوں نے بھی سیکڑوں میلوں کے محاذ میں بے شمار گاؤں جلا ڈالے اور بے شمار بے گناہوں کا خون بہایا۔ انھوں نے دہلی کے باشندوں کا قتل عام کیا۔ حالانکہ باغی سپاہ (جو واجب القتل تھی) شہر چھوڑ کر بھاگ گئی تھی۔ اسی طرح انگریزی کمشنروں نے شمالی ہند میں ہزاروں بے گناہ آدمیوں کو پھانسی پر لٹکا دیا۔ جنھوں نے غدر میں مطلقاً حصہ نہیں لیا تھا"

جن واقعات کا میں نے ذکر کیا ہو اُنھیں کسی خاص خصوصیت کی بنا پر منتخب نہیں کیا گیا۔ بہت سے حوادث غدر ان سے بھی زیادہ ہولناک قسم کے میرے علم میں آئے ہیں جن کا ذکر میں پسند نہیں کرتا بعض لوگ خیال کرینگے، مجھے اس افسوسناک معاملہ کی یاد تازہ نہ کرنی تھی لیکن میں نے اس لئے یہ داستان غم از سر نو چھیڑی ہو تاکہ ایک معاملہ کا فیصلہ ہو جائے۔ ایک طرف انگریز ہیں جو آجتک ۵۷ء کے ہندوستانی مظالم فراموش کرنا نہیں چاہتے اور یکے بعد دیگرے ایسی تاریخیں لکھی جا رہی ہیں جن میں صرف تصویر کا ایک ہی رُخ نمایاں کیا جاتا ہو۔ دوسری طرف ہندوستانی ہیں، اور وہ بجا طور پر محسوس کرتے ہیں کہ آجتک اُنکے خیالات و احساسات کی بالکل شنوائی نہیں ہوئی۔ ایک مورخ نے بھی اس کی ضرورت نہ سمجھی کہ تصویر کا دوسرا رُخ دیکھنے کی بھی کوشش کرے۔ میری رائے میں انصاف اور دیانت داری کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ یا تو دونوں فریق یہ معاملہ یکقلم بھلا دیں۔ یا پھر دونوں کو اپنا اپنا نقطۂ خیال ظاہر کرنے کا موقعہ دیا جائے۔

لارڈ رابرٹس کے وہ خطوط جو غدر ۵۷ء میں انھوں نے لکھے تھے، اب ۱۹۲۴ء میں چھاپ کر شائع کئے گئے ہیں۔ اگر برطانیہ کو ہندوستان سے ذرا بھی ہمدردی ہوتی تو یہ کتاب اب ہرگز شائع نہیں کی جاتی ہندوستانیوں کے خلاف سخت زہر اگلا ہو۔ میں نے جان بوجھکر نیل (Neill) کی سفاکانہ حرکات کا (جو کانپور کے حادثہ سے بھی دہشتناک تھیں) ذکر نہیں کیا ہو۔ نہ ہی میں نے ہاڈسن کے شنیع افعال کو (جسنے ہمایوں کے مقبرے کے قریب دو مغل شاہزادوں کو بلا وجہ قتل کیا تھا) اس کتاب میں درج کرنا مناسب سمجھا ہو۔ میں نے

کئی چشمدید گواہوں کے بیانات بھی حذف کر دیئے ہیں، جن کا بیان ہے کہ سیکڑوں دیہات جلا دیئے گئے اور ان میں بوڑھے مرد اور پردہ نشین عورتیں بھی جلکر راکھ ہو گئیں۔

غدر کے تاثرات جنوبی ہند اور بنگال تک نہیں پھیلے لیکن پٹنہ سے لے کر شمال مغربی سرحد تک غدر کی یاد ابتک تازہ ہے۔ اس علاقہ کے ہندوستانیوں اور انگریزوں دونوں نے ابھی تک فراموش نہیں کیا ہے۔ اس لئے اس کی یاد ان دونو قوموں کے باہمی تعلقات میں رخنہ اندازی کرتی رہتی ہے۔ جب کبھی کہیں ذرا سا فساد ہوتا ہے تو ہندوستان کے انگریز باشندے چلا اٹھتے ہیں "مارشل لا فی الفور نافذ کیا جائے" کیونکہ انہیں ہر وقت اپنی جانوں کا خطرہ رہتا ہے اگر غدر کے افسانے انگریزی تواریخ میں ایسے خوفناک طریقہ سے درج نہ کئے جاتے تو انگریزوں کے دلوں میں اس قسم کا ہیجان ہرگز پیدا نہ ہوتا۔ جب کبھی انگریز یہ جھوٹے قصے پڑھتے ہیں۔ تو ان کے دلوں میں ہندوستانیوں کے خلاف ایک عالمگیر نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور خواہ مخواہ کوئی بہانہ پیدا کر کے انتقام لینے پر تل جاتے ہیں میں ذیل میں تین ایسے واقعات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جس سے عہد غدر کے بعد خیالات کا اندازہ لگ سکتا ہے:

تین واقعات

کوکوں کی بغاوت

(۱) "۱۴ر جنوری ۱۸۷۲ء کو تقریباً ایک سو انتہا پسند سکھوں نے (جنھیں پنجابی زبان میں کوکہ بھی کہتے ہیں) مالیر کوٹلہ کے شہر پر دھاوا مار دیا۔ فریقین کے درمیان سخت لڑائی ہوئی۔ اور دونو طرف سے بہت سے آدمی مقتول و مجروح ہوئے۔ سکھوں کی طرف سے ۶۸ آدمی (جن میں ۲۲ مجروح بھی تھے) بھاگ کر ریاست پٹیالہ میں پناہ گزیں ہو گئے۔ لیکن دوسرے ہی دن انھوں نے انگریزوں کے سامنے ہتیار ڈال دیئے اور انھیں شیرپور کے قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ کوون نے جو لدھیانہ کا ڈپٹی کمشنر تھا، ان قیدیوں کو کوٹلہ میں بلوایا (جہاں وہ خود ۱۶ر تاریخ کو پہنچگیا تھا) اسنے اپنے کمشنر کو اسی وقت اطلاع بھیجی کہ اب امن وامان ہو گیا ہے اور کل صبح قیدیوں کو توپ کے ذریعے اڑا دیا جائے گا۔ ۱۷ر جنوری کو کمشنر نے کوون کو حکم دیا کہ قیدی فی الحال شیرپور کے قلعہ ہی میں رکھے جائیں، لیکن کوون نے تعمیل حکم سے گریز کیا اور اسی روز بغیر کسی تحقیقات کے ۴۹ قیدی توپ سے اڑا دیئے گئے۔ شام کے ۷ بجے کمشنر کا ایک اور حکم ملا۔ اسوقت ۶ قیدی توپ کے سامنے بندھے ہوئے تھے۔ کمشنر نے لکھا تھا کہ تمام قیدی بلا تاخیر اس کے پاس بھیجدیئے جائیں تاکہ وہ انکے مقدمہ کی سماعت کرے۔ لیکن کوون نے اس حکم کی بھی مطلق پروا نہ کی۔ اور اس گروہ کو بھی توپ سے اڑا دیا۔ جب گورنمنٹ نے اس کی نافرمانی کے متعلق بازپرس کی۔ تو اسنے جواب دیا "جب مجھے کمشنر کا حکم ملا تھا تو میں نے سوچا، اگر اسوقت ان ۶ آدمیوں کو (جو توپوں سے بندھے ہوئے ہیں) قتل نہ کیا گیا تو حاضرین پر برا اثر پڑیگا۔ اور اس تاخیر سے ہماری کمزوری ثابت ہو گی۔ اس لئے میں نے انہیں قتل کرا دیا"، ایک قیدی اپنے محافظوں سے بھاگ نکلا تھا اسنے آتے ہی کوون پر حملہ کر کے اس کی داڑھی پکڑ لی۔ لیکن ہندوستانی افسروں نے اسے تلواروں سے ڈھیر کر دیا۔ فارستھ (کمشنر) نے کوون کو کئی دفعہ حکم دیا تھا کہ قانون کے مطابق کارروائی کرنی چاہیئے مگر اسنے نافرمانی کی۔ علاوہ ازیں کمشنر نے گورنمنٹ کو تار بھی دیدیا تھا کہ میں موقع پر موجود ہوں۔ اور میں ان قیدیوں کے مقدمات کا بغیر کسی تاخیر کے فیصلہ کر سکتا ہوں۔ مجھے اسوقت کسی فوری کارروائی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ کیونکہ ممکن ہے اس سے جوش زیادہ پھیل جائے۔ لیکن جب ڈپٹی کمشنر نے اسے اطلاع دی کہ اسنے بہت سے قیدی قتل کرا دیئے ہیں۔ تو کمشنر نے اس کا جواب یوں دیا۔ "میرے پیارے کوون۔ جو کچھ آپنے کیا ہے۔ بہت اچھا کیا ہے۔ میں نے آپ کا طرزِ عمل نہایت پسند کیا۔ میں بھی آپکی تقلید کروں گا" چنانچہ جب بقیہ قیدی اس کے پاس بھیجے گئے تو اسنے بھی انہیں سزائے موت دے دی۔ جب گورنمنٹ آف انڈیا کو ان واقعات کا علم ہوا تو اسنے ایک بڑا لمبا چوڑا حکم لکھا۔ اور کوون کے فعل کی سخت مذمت کی۔ اور اسے وحشیانہ حرکت سے منسوب کیا۔ بالآخر کوون برخاست کیا گیا۔ کمشنر کو بھی سخت ملامت کی گئی اور اسے ایک دوسرے صوبے میں اسی عہدے پر تبدیل کر دیا گیا۔ جب لارڈ نارتھ برک وائسرائے ہوئے تو فارستھ نے اس حکم کے خلاف اپیل کی۔ وائسرائے نے اسے کاشغر ایک سیاسی وفد کا سرکردہ بنا کر بھیجدیا جہاں اسے سیاسی خدمات کے عوض سر کا خطاب ملا گیا۔

اسوقت تمام انگریز افسروں اور اخباروں نے کوون اور فارستھ سے ہمدردی ظاہر کی تھی۔ میں نے اپنی تمام زندگی میں ایسا دہشتناک واقعہ نہیں دیکھا ہے۔ میری رائے میں گورنمنٹ نے ان دو افسروں کو برائے نام سزا دی۔ حالانکہ وہ سنگین سزا کے مستحق تھے"

میں نے یہ تمام واقعہ حرف بحرف کاٹن کی کتاب "یاد ایام" (Indian & Home memories) سے اخذ کیا ہے۔ کیونکہ میں اس سے بہتر اس واقعہ کی تفصیل نہیں لکھ سکتا تھا!

فارستھ اپنی سوانح عمری میں اسی واقعہ کی متعلق یوں لکھتا ہے،

"چونکہ میں کمشنر تھا اس لئے مجھے قتل کرنے کے کلی اختیار تھے لیکن کوون کو اس قسم کا کوئی اختیار نہ تھا۔ میں نے اسے لدھیانہ سے لکھ دیا تھا کہ وہ ان باغیوں کے مقدمہ کی سماعت کرے لیکن جب تک میں اس کے پاس نہ پہنچ جاؤں، وہ کسی صورت میں ان قیدیوں کو سزا نہ دے۔ لیکن اسنے میرے اختیارات چھین کر قانون اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور بغیر میرے حکم کے قتل کرا دیا۔ ناچار اسکے فعل کی ذمہ داری مجھے اپنے سر لینی پڑی۔ اور اس سے متفق الرائے ہونا پڑا۔ کیونکہ میں اسے غلطی کے نتائج سے بچانا چاہتا تھا۔ جب اسے ملازمت سے برطرف کیا گیا۔ تو میں نے اس کی ہر طرح سے امداد کی اور اسکے واسطے ہندوستان میں ہی ایک نہایت عمدہ ملازمت مہیا کر دی"

جنگ افغانستان

(۲) دوسرا واقعہ افغانستان کی دوسری جنگ سے تعلق رکھتا ہے میں اسوقت اس جنگ کے واقعات دہرانا نہیں چاہتا۔ کیونکہ یہ بڑی لمبی چوڑی داستان ہے۔ جب افغانستان اور برطانیہ کی آپس میں صلح ہو گئی۔ تو کویگنری کو برطانیہ کی طرف سے بطور سفیر کابل میں متعین کیا گیا۔ چند دنوں کے بعد کویگنری مع اسٹاف کے خود پٹھانوں کے ہاتھوں مقتول ہوا۔ جرنیل رابرٹ نے کابل پر چڑھائی کی۔ اور بڑی بہادری دکھا کر اکتوبر ۱۸۷۹ء میں فتح کر لیا۔ بعد ازاں انتقامانہ کارروائیاں شروع ہو گئیں۔ کیونکہ پٹھانوں نے ہمارے سفیر کو قتل کر کے ہمارے جھنڈے کی بڑی توہین کی تھی۔ کاٹن اپنی کتاب کے صفحہ ۱۷۲ میں لکھتا ہے کہ مارشل لا (جنگی قانون) فوراً نافذ کیا گیا۔ لوگوں کو گروہ در گروہ پھانسی دی جاتی تھی۔ امیر یعقوب خاں کو جلاوطن کر کے ہندوستان بھیجا گیا۔ گرد و نواح کے علاقے سامان خورد و نوش کی خاطر تباہ کئے جاتے تھے۔ دیہاتوں کا جلانا تو ایک روزمرہ کی کارروائی تھی!

سر چارلس میگلیر یگر جو لارڈ رابرٹ کا چیف آف اسٹاف تھا اپنی سوانح عمری کے صفحہ ۱۳۶ میں مندرجہ ذیل فقرات لکھتا ہے۔

"جب تک مجھے افغان قیدیوں کے جرم کا یقین نہ ہو جائے تب تک میں انہیں بے فائدہ سزا نہیں دوں گا۔ دفتر امور خارجہ کی رائے ہے کہ ایسی سزائیں دی جائیں جو عبرتناک اور جارحانہ ہوں لیکن میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ہمیں ہر ایک مقدمہ میں پوری تفتیش کرنی چاہیئے۔ میں بے گناہ لوگوں کو قتل کرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ اس سے برے نتائج نکلتے ہیں"۔

یہی جرنیل اپنے روزنامچہ میں ۲۲ر اکتوبر کا یہ واقعہ لکھتا ہے۔

"میں نے آج ۵ آدمیوں کی زندگی بچائی ہے۔ یعنی اگر میں ان کے مقدمات میں پوری طرح غور و خوض نہ کرتا۔ تو انہیں یقیناً پھانسی دی جاتی۔ ان ملزموں میں سے ایک کا نام ابوبکر تھا۔ جو سوداگر تھا۔ اسکے خلاف مقدمہ صریحاً بنا دی تھا۔ کیونکہ اس کے جانی دشمن نے اسکے خلاف جھوٹی شہادت دی تھی"،

ہاورڈ ہنسین جو اخبار پائنیر الہ آباد کا اس جنگ میں نامہ نگار تھا ایک جگہ کابل کا نقشہ یوں کھینچتا ہے۔

"کابل شہر خموشاں بنا ہوا ہے۔ وہ بازار اور کوچے جہاں ہر وقت خونریزی اور فساد کا بازار گرم رہتا تھا اب قبرستان کی مانند چپ چاپ ہیں۔ شہر کے باشندوں نے پہلے پہل ہماری نرمی سے فائدہ اٹھایا تھا۔ لیکن جب سے ہم نے انتقام لینا شروع کیا ہے، انھیں ہماری وحشیانہ طاقت کا پورا طرح احساس ہو گیا ہے"۔

جب ہماری فوجوں کی ظالمانہ حرکات کی اطلاع انگلستان پہنچی۔ تو عوام الناس نے بڑا شور مچایا۔ افغانستان میں ابتک ہمارے وحشیانہ افعال کی یاد تازہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہمارا قدیمی دشمن چلا آتا ہے۔

برید شرق

مکتوب حجاز

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم حجاز کے قلم سے)

لجنۃ التفتیش مدینہ منورہ میں

قارئین الہلال لجنۃ التفتیش کے نام اور مقاصد سے واقف ہوچکے ہیں۔ مکہ معظمہ اور جدہ کے انتظامات و اصلاحات سے فارغ ہوکر اب یہ مجلس گزشتہ ہفتہ مدینہ منورہ گئی ہو۔ شیخ حافظ وہبہ اس کے صدر ہیں مجلس نے مدینہ طیبہ میں پہنچتے ہی علماء و فضلاء اور شہر کے سربرآوردہ آدمیوں کو جمع کیا اور صدر مجلس نے اُن کے روبرو حسب ذیل تقریر کی:

"میں تمھیں جلالۃ الملک کا سلام پہونچاتا ہوں۔ سلطان تمھارے لئے اور تمھارے پاک شہر کے لئے اپنے دل میں بہترین آرزوئیں رکھتے ہیں۔ سلطان نے ہمیں یہاں اس لئے بھیجا ہو کہ رعایا کے حالات اور حکومت کے معاملات کی تفتیش کریں جتنی اچھائیاں ہمیں نظر آئیں گی، برقرار رکھیں گے جتنی برائیاں دکھائی دیں گی، دُور کردیں گے۔ تم جانتے ہو آدمی اپنی انفرادی حالت میں کمزور ہی، لیکن جماعت کے ساتھ طاقتور ہی۔ پس ہم چاہتے ہیں تم اس مجلس میں شریک ہو۔ اس کی مدد کرو۔ اس کے سامنے اپنی شکایتیں پیش کرو۔ اپنے مشوروں سے اس کی رہنمائی کرو ہم ہر معقول بات سننے اور کرنے کے لئے طیار ہیں۔ ہم ہر ظالم کو گرادینے پر تلے ہوئے ہیں۔ تم ہرگز کسی کا خوف اپنے دل میں نہ رکھو۔ بڑے سے بڑے حاکم نے بھی اگر زیادتی کی ہو، تو صاف صاف کہدو۔ ہم فوراً اس کا تدارک کریں گے۔ ہماری غرض اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس مقدس شہر کو ترقی اور اس کے باشندوں کو خوش حالی حاصل ہو۔ اس پیغام کے بعد سلطان کی ذمہ داری دُور ہوگئی ہو۔ اگر تم اب بھی خاموش رہو گے اور اپنی شکایتیں پیش نہیں کرو گے تو اس کی ذمہ داری سراسر تمھارے ہی سر ہوگی۔ پھر حکومت کو ملامت نہ کرنا، خود اپنی بزدلی اور غفلت پر تاسف کرنا"

اس کے بعد مجلس نے حکومت کے تمام شعبوں اور دفتروں کی جانچ کی۔ پھر اپنی تحقیقات قلم بند کرکے خفیہ طور پر سلطان کو بھیجدی۔ سلطان نے فوراً مدینہ منورہ کے حاکم اور سپہ سالار کو طلب فرمایا اور انھیں معزول کرکے اپنے تیسرے بیٹے شاہزادہ محمد کو حاکم اعلیٰ، شیخ عبدالعزیز ابراہیم کو اُن کا نائب، اور شیخ یاسین رواف کو مساعد مقرر کردیا۔

نئے حاکم نے آتے ہی باشندوں کو جمع کیا اور سلطان کا حسب ذیل فرمان سُنایا:

"اے اہل مدینہ! تم اور تمھارے حاکم باہم نیکی اور تقویٰ میں مددگار بنجائیں۔ ہواؤ ہوس اور گمراہیوں سے پرہیز کریں۔ باہم اتحاد رکھیں شقاق سے بچیں۔ قیل قال چھوڑدیں۔ خدا ہماری اور تمھاری دستگیری کرے، اور سب کو نیکی کی توفیق بخشے"۔

پھر سلطان کا وصیت نامہ پڑھا گیا جو انھوں نے حاکم مدینہ کے نائب کے لئے لکھا ہو۔ وہ حسب ذیل ہو:

"امن و امان قائم کرنے میں پوری کوشش کرنا۔ تمام لوگوں سے یکساں برتاؤ کرنا، کیونکہ سب آدمی برابر ہیں۔ نہ عربی کو عجمی پر کوئی نفضیلت ہو، نہ عجمی کو عربی پر کوئی امتیاز۔ سب آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی کا پتلا تھا۔ ہاں، اگر کوئی امتیاز ہو تو وہ صرف تقویٰ کا امتیاز ہو۔ میرا مطالبہ یہ ہو کہ تمام رعایا تجھ سے خوش رہے۔ شہری باشندے بھی خوش رہیں، بدوی باشندے بھی خوش رہیں۔ کوئی معاملہ بھی اپنی رائے سے انجام نہ دینا ہمیشہ شرعی حاکم سے مشورہ کرو۔ کیونکہ اس میں اللہ کی اطاعت زیادہ ہو اور مخلوق کی رضامندی بھی اسی ذریعہ حاصل ہوسکتی ہو۔ اپنے بارے میں لوگوں کا خیال بدل دو۔ تمھیں سب سخت گیر کہتے ہیں۔ نرم دل بنجاؤ۔ میری سب سے بڑی وصیت یہ ہو کہ شعائر دین قائم کرو، اوامر الٰہی جاری کرو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر قائم ہوجاؤ۔ شریعت کے نفاذ میں لومۃ لائم کی پروا نہ کرو۔ اپنے ماتحت عُہدہ داروں کی نیکی میں مدد کرو۔ اگر اُن کی کوئی قابل اعتراض بات نظر آئے تو عوام و خواص میں اُن کی مذمت شروع نہ کردو، بلکہ انھیں اپنے پاس بُلاکر نصیحت کرو۔ اگر اس پر بھی اُن کی اصلاح نہ ہو تو مجھے یا میرے نائب عام کو اطلاع دو۔ عُہدہ داروں کو اپنا جاسوس نہ بنانا۔ سب کو دُور سے اپنا دوست بنائے رکھو!"

سُلطان کا سفر نجد

سلطان اپنے نجدی پائے تخت ریاض کو روانہ ہوگئے ہیں۔ سفر سے پہلے حرم میں نماز پڑھی اور طواف الوداع کیا۔ یہ سفر نجد میں بعض انتظامات کی تکمیل کے لئے ہو۔

عسیر کے لئے طبّی وفد

عسیر کا علاقہ جس وقت سے سلطان ابن سعود کے زیر حکومت آیا ہو، سلطان اصلاح و ترقی کی کوششوں میں سرگرم ہیں۔ اس علاقہ میں اسوقت تک نہ تو کوئی باقاعدہ معالج تھا۔ نہ شفاخانہ۔ اب سلطان کے حکم سے ایک طبّی وفد بھیجا جارہا ہو تاکہ وہاں ایک شفاخانہ قائم کرے ڈاکٹر خیری بے اس وفد کے رئیس ہیں جو مکہ معظمہ کے محکمۂ حفظان صحت کے مہتمم تھے۔

عدل و امان

اس ہفتہ ایک واقعہ ایسا پیش آیا جو اگرچہ حجاز میں اب کوئی غرابت نہیں رکھتا لیکن بیرونی دنیا کے لئے وہ ضرور قابل ذکر ہو۔ واقعہ یہ ہو کہ مکہ معظمہ کا ایک صراف جدّہ سے آرہا تھا۔ گھر پہنچکر اُسنے دیکھا کہ پندرہ ہزار روپیہ کی تھیلیاں اسباب سے غائب ہیں! وہ سخت پریشان ہوا دوستوں نے مشورہ دیا کہ پولیس کو خبر کرے۔ مگر اُسنے انکار کردیا۔ کیونکہ اُسے معلوم نہیں تھا، یہ رقم کہاں ضائع ہوگئی؟ اچانک اُس کے *

* دروازہ پر دستک دی گئی۔ پھر پولیس کے سپاہی ۱۵ ہزار کی تھیلیاں لئے داخل ہوئے۔ انھوں نے کہا۔ یہ تمھارا روپیہ ہے جو مقام ... پر گرا ملا تھا!

عالم مطبوعات و صحائف

کیا چاند تک پہنچنا ممکن ہو؟

امریکہ سی یورپ تک دو گھنٹے میں!

امریکہ اور یورپ میں اب تک مشہور فضائی سیاح لنڈبرگ کا چرچا ہورہا ہو۔ یہی وہ شخص ہو جو نیویارک سے پیرس تک بغیر کہیں رُکنے کے اُڑنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

لیکن اب یورپ اور امریکہ کے ہوائی سفر کے ماہرین، اس کامیابی پر متعجب نہیں ہیں۔ اُن کا خیال ہو، بہت جلد یہ بات ممکن ہوجائیگی کہ امریکہ سے یورپ تک کی مسافت صرف دو گھنٹے میں طے کرلی جائے!

اسوقت جرمنی میں تین شخص ایسے موجود ہیں جو چاند تک پہنچنے کے لئے علمی جدوجہد شروع کرچکے ہیں۔ یہ سب کے سب علوم کے ماہر ہیں اور اُن تدابیر پر علمی طریقہ سے غور کرچکے ہیں جن کے ذریعہ ہوائی جہاز کا چاند تک پہنچ جانا ممکن ہو۔

حال میں پروفیسر ماکس ولیر نے (جو ان تین میں سے ایک ہو) ایک بیان بعض علمی رسائل میں شائع کیا ہو۔ وہ لکھتا ہو:

"انسان اب اپنی ایجادات کے زور سے مسافت کی دُوری پر غالب آگیا ہو۔ مثلاً سو میل کی مسافت پہلے ۴ دن میں طے کیجاتی تھی۔ بائسکل نے اسے ایک دن کی مسافت کردیا۔ ریل نے اسے ایک گھنٹہ کا سفر بنادیا۔ اور اب ہوائی جہاز کے لئے یہ صرف چند منٹوں کی بات ہو۔ پھر اگر توپ کے گولہ کی رفتار پر نظر ڈالی جائے، تو وہ سو میل کی مسافت ۳ منٹ میں طے کرلیتا ہو"

"بلاشبہ موجودہ ہوائی جہاز توپ کے گولہ کی سی رفتار نہیں پیدا کرسکے ہیں۔ کیونکہ جہاز جوں جوں فضا میں بلند ہوتا جاتا ہو، ہوا لطیف ہوتی جاتی ہو، اور جہاز کی قوت میں کمی آتی جاتی ہو۔ لیکن اس سے ہماری کوششوں میں فرق نہیں آسکتا۔ ہمیں اپنی سعی برابر جاری رکھنی چاہیئے۔ ہم ضرور کوئی ایسا طریقہ پیدا کرلیں گے کہ توپ کے گولہ کی طرح ہوائی جہاز بھی فضا میں بغیر کسی رُکاوٹ کے بلند ہوسکے"

"بعض لوگوں کا خیال ہو کہ اگر ہوائی جہازوں میں ایسے محرک (موٹر) لگادیے جائیں جو بلندی پر جاکے ہوا میں کثافت پیدا کرسکیں تو یہ مشکل حل ہوجائے گی لیکن میرے خیال میں یہ صحیح نہیں ہو۔ اس صورت میں زیادہ سے زیادہ ۱۵ میل تک جہاز پہنچ سکے گا۔ اس کے بعد محرک بے کار ہوجائے گا"

"یہ مشکل صرف اس طرح حل کی جاسکتی ہو کہ محرک، خود جہاز میں نہیں بلکہ اُس کے باہر ہو۔ یعنی ایسے آلات ایجاد کئے جائیں جو جہاز کو بلندی پر اُسی طرح پہنچادیں، جس طرح توپ اپنا گولہ اُڑادیتی ہو۔ اس صورت میں ہوا کی لطافت کا اُس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا"

ایک اور پروفیسر برسویل کا خیال ہو۔

"اگر ہوائی جہاز، ۱۵ میل کی بلندی پر پہنچ سکے۔ اور اُس کا محرک ۵۰ ٹن وزن کا ہو، اور خود جہاز کا وزن ½ ۹ ٹن سے زیادہ نہ ہو، تو وہ برلن سے نیویارک کا فاصلہ ۲ گھنٹے میں طے کرسکتا ہو۔

لیکن اگر جرمن پروفیسر کے منصوبہ کے مطابق یہ جہاز توپ کے گولے کی طرح، درجہ ۸۰ کے زاویہ پر ہوا میں پھینکا جائے، تو ۱۷ منٹ کے

بعد وہ تین ہزار میٹر کی بلندی پر پہنچ جائیگا۔ اُس کی تیزی ہر سکنڈ میں ۴۰۰ میٹر ہو جائے گی۔ ۳۵ سکنڈ کے بعد وہ ۲۰ ہزار میٹر بلندی پر ہوگا اور اس کی تیزی ہر سکنڈ میں ۸۰۰ میٹر زیادہ ہوتی جائے گی۔ پھر ۴۵ سکنڈ کے بعد ۵۰ ہزار میٹر کی افقی بلندی پر پہنچ جائے گا۔ اور اُسکی افقی سرعت، ہر سکنڈ میں دو ہزار میٹر ہو جائے گی۔ اس صورت میں یہ جہاز برلن سے نیویارک صرف ½۱ گھنٹے میں پہنچ جائے گا!"

ایک دوسرے جرمن پروفیسر ادبرٹ کا خیال ہے۔

"دس پندرہ برس کی مدت میں ایسے ہوائی جہاز بنجائیں گے، جو ہر سکنڈ میں ۱۲۸۰۰ میٹر مسافت طے کر لیں گے۔ اُس وقت یہ ممکن ہوگا کہ انسان چاند اور دوسرے کواکب تک پہنچ سکے"

لیکن بہت سے علماء یہ نظریہ تسلیم نہیں کرتے۔ اُن کے دو بڑے اعتراض ہیں جن کا اب تک کوئی شافی جواب نہیں ملا ہے۔ ایک یہ کہ جو جہاز اس قوت سے توپ کے گولے کی طرح فضا میں پھینکا جائے گا، وہ ایک معین حد پر پہنچکر ضرور مشتعل ہو جائے گا۔ یعنی جل جائے گا۔ دوسرے یہ کہ اگر کوئی تدبیر ایسی کر بھی لی جائے کہ جہاز مشتعل نہ ہو، جب بھی اُس کے اُترنے کی صورت کیا ہوگی؟ یقیناً وہ اُسی تیزی سے نیچے گرے گا، جس تیزی سے اوپر پھینکا گیا ہے!

جرمن ہوا باز یہ اعتراض تسلیم کرتے ہیں، مگر ساتھ ہی اُمید کرتے ہیں کہ ہم جلد ان مشکلات پر غالب آجائیں گے۔

صناعی آنکھ جو رات کی تاریکی میں دیکھتی ہے!

Noctovision

جب آفتاب کا نور کسی منشور شیشے میں سے ہو کر گزرتا ہے، تو، رنگ کا ظاہر ہوتا ہے۔ سب رنگ علحدہ علحدہ اوپر نیچے صفوں کی صورت میں ہوتے ہیں۔ سُرخ رنگ سب سے نیچے ہوتا ہے۔ اُس کے اوپر نارنجی، پھر زرد، پھر سبز، پھر اودا، پھر نیلا، پھر بنفشی۔ یعنی بنفشی سب سے اوپر ہوتا ہے۔ سُرخ سب سے نیچے۔ توس قزح میں بھی یہی ساتوں رنگ دکھائی دیتے ہیں۔

لیکن تحقیقات سے ثابت ہوا کہ آفتاب کا نور، صرف ان ساتوں رنگوں ہی میں تحلیل نہیں ہوتا، بلکہ اور بھی بہت سے رنگ اختیار کرتا ہے مگر وہ رنگ غیر مسلح آنکھ سے دکھائی نہیں دیتے۔ ان غیر مرئی رنگوں میں بعض رنگ سرخ رنگ کے نیچے ہوتے ہیں اور بعض بنفشی کے اوپر۔ سرخ شعاعوں کے نیچے جو شعاعیں ہیں، وہ گرم ہوتی ہیں۔ اگرچہ آنکھ سے دکھائی نہیں دیتیں لیکن جلد پر محسوس ہوتی ہیں۔ یہ شعاعیں تاریک شعاعیں کہلاتی ہیں۔ آفتاب کی جو قوت ہم تک پہنچتی ہے، اسکے اجزاء میں غالب حصہ انہی تاریک شعاعوں کا ہوتا ہے۔

بنفشی شعاعوں کے اوپر جو شعاعیں ہیں، اُنکی موجیں بہت ہی چھوٹی ہوتی ہیں۔ یہ بھی دکھائی نہیں دیتیں۔ البتہ فوٹوگراف کی تختی پر ان کا اثر ظاہر ہو جاتا ہے۔ ان کا نام ہے "شعاع ماورا بنفشی" یا "شعاع کیمیاوی"

انسان کی آنکھ آفتاب کی اُنھی شعاعوں سے متاثر ہوتی ہے جو سُرخ اور بنفشی رنگوں کے درمیان ہیں۔ جب یہ تمام شعاعیں یا ان میں سے کوئی ایک شعاع کسی جسم سے منعکس ہوتی ہے، تو آنکھ متاثر ہوتی ہے، اور دیکھنے لگتی ہے۔ لیکن اگر ان ساتوں رنگوں کے علاوہ کسی دوسرے رنگ کی شعاع جسم سے منعکس ہوتی ہے، تو آنکھ اُس سے متاثر نہیں ہوتی، اس لئے وہ دیکھ بھی نہیں سکتی۔

لیکن اب انسان کی یہ مجبوری دُور ہو جائے گی۔ کیونکہ انگلستان میں جان پایرڈ نامی ایک عالم نے ایک ایسی کہربائی آنکھ ایجاد کر لی ہے، جو تاریکی میں بھی بخوبی ہر چیز دیکھ سکتی ہے۔ یہ صناعی آنکھ اس درجہ حدید البصر ہے کہ تاریک شعاعیں، یعنی وہ شعاعیں جو سُرخ رنگ کے نیچے ہیں۔ اُسے متاثر کر دیتی ہیں۔ اس آنکھ کے فعل کا نام Noctovision (یعنی رات میں دیکھنا) تجویز کیا گیا ہے

قارئین الہلال شاید واقف ہونگے کہ یہ موجد وہی نوجوان ہے جو پچھلے دنوں ایک نہایت مفید ایجاد کے سلسلہ میں مشہور ہو چکا ہے۔ اُسنے ایک ایسا طریقہ ایجاد کیا تھا جس سے دُور کی چیزیں بھی ویسی ہی دکھائی دیتی ہیں، جس طرح قریب کی چیزیں انسان دیکھ لیتا ہے

لیکن یہ جدید ایجاد پہلی ایجاد سے زیادہ حیرت انگیز اور مفید ہے۔ یہ آلہ اس طرح بنایا گیا ہے کہ اس میں سرخ رنگ کے نیچے کی شعاعیں جمع ہو جاتی ہیں، اور اُسی طرح خارج ہوتی ہیں، جس طرح چور لیمپ سے روشنی نکلتی ہے۔ پھر سُرخ شعاعیں اتنی زیادہ مقدار میں تاریک جسم پر سمٹ آتی ہیں کہ کہربائی آنکھ فوراً متاثر ہو جاتی ہے، اور ایک خاص لوح پر صورتیں اسی طرح منعکس کرنے لگتی ہے جس طرح سینما کے پردے پر صورتیں ظاہر ہوتی ہیں!

برطانی حکومت نے سرکاری طور پر اس ایجاد کا امتحان کیا تھا۔ ایجاد کامل ثابت ہوئی۔ اور حکومت نے موجد سے اسکے حقوق استعمال حاصل کر لئے۔

زلزلے سے پہلے اُس کا اعلان

تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ سمندر کے مدّ و جزر کی طرح زلزلے میں بھی مدّ و جزر ہوتا ہے۔ حالت مدّ میں زلزلے بکثرت واقع ہوتے ہیں۔ حالت جزر میں تقریباً مفقود ہوتے ہیں۔ ان دونوں حالتوں کی علحدہ علحدہ مدت علماء نے ۷ سال، یا ۱۱ سال قرار دی ہے۔

بعض ملکوں میں زلزلے زیادہ آیا کرتے ہیں۔ پہلے خیال کیا جاتا تھا کہ زلزلے اور آتش فشاں پہاڑوں میں باہم گہرا قوی علاقہ ہے جن ملکوں میں یہ پہاڑ زیادہ تعداد میں موجود ہیں وہاں زلزلے بھی زیادہ آتے ہیں مگر اب تک آتش فشانوں اور زلزلے کا باہمی علاقہ علمی طور پر ثابت نہیں ہوا ہے۔ اس لئے علماء یہ علاقہ تسلیم نہیں کرتے۔

حال میں علماء طبقات الارض کی ایک جماعت نے اعلان کیا ہے کہ وہ عنقریب ایک ایسا طریقہ ایجاد کر سکینگے جس سے زلزلے کا علم اُسکے وقوع سے بہت پہلے ہو جایا کرے گا۔ اگر اس کوشش میں کامیابی ہوگئی، تو ایسے ملکوں کے لئے جیسا کہ جاپان ہے، یہ ایک عظیم احسان ہوگا۔

چنانچہ انگریزی کے مشہور علمی رسالہ "نیچر" میں ایک مقالہ نگار لکھتا ہے:

"بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ زلزلے سے پہلے زمین کی سطح میں کجی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ کجی بتدریج زیادہ ہوتی رہتی ہے، یہاں تک کہ زلزلے پر پہنچکر ختم ہو جاتی ہے۔ کجی، آنکھ سے بھی مشاہدہ کی جاسکتی ہے کیونکہ زمین کی ہموار سطح، نمایاں طور پر خم ہو جایا کرتی ہے۔ اگر یہ نظریہ صحیح ثابت ہو جائے، تو بآسانی ایک ایسا آلہ ایجاد کیا جاسکتا ہے جو زمین کی خفیف سے خفیف کجی بھی محسوس کرے اور ایک گھنٹی کے ذریعہ خطرہ کا اعلان ہو جائے"!

گزشتہ ماہ شہر برگ میں علم مساحت ارض کے ماہرین کی کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ اسمیں جاپان کا ایک مشہور ماہر طبقات الارض ڈاکٹر اامورا بھی شریک تھا۔ "نیچر" کے مقالہ نگار نے اُس سے ملاقات کی اور اپنا نظریہ پیش کیا۔ جاپانی ڈاکٹر نے اس کی تائید کی اور بتلایا کہ ۷ر مارچ ۱۹۲۷ء میں ٹانگو کے مہیب زلزلے سے ڈھائی گھنٹے پہلے زمین کی سطح ہیٹو اور سوناکاٹا نامی دو مقاموں میں بلند اور خمیدہ ہوگئی تھی۔ بلندی ایک میٹر سے بھی زیادہ دیکھی گئی تھی۔

نیز ڈاکٹر نے بیان کیا کہ اُسنے ۱۷۹۳ء سے ۱۹۲۷ء تک کے ۵ ہولناک جاپانی زلزلوں کی تفصیلات جمع کرلی ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر زلزلے سے پہلے زمین کی سطح بلند اور خمیدہ ہوگئی تھی۔ بلندی ایک میٹر سے دو میٹر تک نمایاں تھی۔ بعض حالتوں میں یہ حالت زلزلے سے ۵ گھنٹے پیشتر پیدا ہوگئی تھی۔ بعض حالتوں میں ایک دو گھنٹے پیشتر۔

ایک دوسرے جاپانی پروفیسر ایچیمونو نے ایک آلہ ایجاد کر لیا ہے اس کا نام "کلینوگراف" ہے۔ یہ ویسا آلہ ہے، جس کا ذکر "نیچر" کے مقالہ نگار نے کیا ہے۔ اس آلہ سے سطح زمین کی ہر بلندی اور کجی معلوم ہو جاتی ہے۔

صناعی آفتاب

یہی رسالہ ناقل ہے کہ امریکہ میں ایک ایسا کہربائی فانوس ایجاد کیا گیا ہے، جس میں ۱۳۸۵۰۰۰۰۰۰ بتیوں کی قوت موجود ہے۔ اس کی حرارت دس ہزار درجہ تک کی ہے اور اُس کی روشنی، فضاء آسمانی میں ایک ہزار میل تک پہنچتی ہے۔ یہ اندھیری رات کو ٹھیک اُسی طرح روشن کر دیتا ہے، جیسے دن کے وقت سورج کی دھوپ روشنی پھیلا دیتی ہے!

یہ عظیم الشان فانوس، شہر چارلس ویل میں نصب کیا گیا ہے۔ اس کے ایجاد سے مقصود یہ ہے کہ نور کے خواص پورے طور پر تحقیق کئے جائیں اور یہ معلوم ہو جائے کہ زندگی اور آفتاب کے درمیان کیا علاقہ ہے؟ نیز ماوراء بنفشی شعاعوں اور کہربائی اجزاء کی ترکیب کی بھی جانچ کیجائے۔

ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ اس لیمپ کی حرارت، دس ہزار درجہ ہے۔ یہ حرارت کا وہ درجہ ہے، جسے علمی اصطلاح میں "سفید حرارت" کہتے ہیں۔ یہ اتنی سخت حرارت ہوتی ہے کہ دھات کو پگھلا کر سفید رنگ کی آگ بنا دیتی ہے۔ چونکہ اس فانوس کی حرارت اس درجہ سے بھی زیادہ کام دے سکتی ہے اس لئے اس کا نام "نیلگوں حرارت" رکھا گیا ہے۔ اس سے زیادہ تیز حرارت کا آج تک تصور نہیں کیا جاسکا۔

حجاز کی علمی سرگرمی

مدت سے سلطان کا ارادہ تھا کہ نجد و حجاز کے نوجوانوں کو علوم و فنون کی تحصیل کے لئے یورپ بھیجیں۔ لیکن حالات نے ایسی نوعیت نہیں اختیار کی تھی کہ اس قسم کے کام شروع کئے جاسکیں۔ اب سلطان نے نجد کے سفر سے پہلے ارکان حکومت سے اس بارے میں مشورہ کیا، اور بالاتفاق طے پایا کہ ایک کافی تعداد طلبہ کی اس غرض سے منتخب کرنی چاہیئے۔

چنانچہ مکۂ معظمہ، مدینۂ منورہ، اور جدہ سے ایک جماعت بالفعل شام بھیجی جارہی ہے، تاکہ کچھ عرصہ وہاں تعلیم حاصل کرکے اس قابل ہو جائے کہ یورپ کی مشہور درسگاہوں میں داخل ہو سکے۔ اُمید ہے، اب یہ سلسلہ برابر جاری رہے گا۔

مطبوعات الهـــلال بك ایجنسی

معارف ابن تیمیه و ابن قیم

دیني علوم کے بیش بہا جواھر ریزي

اس سلسله میں ھم نے اماميين کي ان نادر و اعلی درجه کي بلند پایه عربي تصانیف کے اُردو تراجم کا سلسله شروع کیا ھے ' جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروري و ناگزیر ھے - امید که یه "سلسلۂ تراجم" بد نصیب ھندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

آسوۂ حسنه ـــ امام ابن قیم کي فن سیرت میں شھرہ آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصه کا اُردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد اڑھائي روپیه -

کتاب الوسیله ـــ لفظ "وسیله" کي بحث کے علاوہ امام ابن تیمیه نے اسلام کے اصل الاصول "توحید" کي مبسوط بحث کي ھے - بلا جلد اڑھائي روپیه ' مجلد سوا تین روپیه -

اصحاب صفه ـــ انکي تعداد ' دریعه معاش ' طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے ھیں دس آنے -

تفسیر سورۃ الکوثر ـــ امام ابن تیمیه کے مخصوص انداز تفسیر کا اُردو ترجمه - چار آنے -

العروۃ الوثقی ـــ خالق و مخلوق کے درمیان واسطه کا فرق بدلائل بیان کیا ھے - چھه آنے -

سیرت امام ابن تیمیه ـــ حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نہایت خوش اسلوبي سے بیان کیے ھیں - نو آنے

نجد و حجاز ـــ علامه سید محمد رشید رضاء مصري کي تازہ کتاب کا اُردو ترجمه - سوا روپیه -

آئمه اسلام ـــ ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آنے

خلاف الامه ـــ فی العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت ـــ یه ایک علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله ھے جس کے خریدار کو ھم نے کمال کوشش و کاوش سے اُردو ' عربي ' فارسي ' انگریزي ' اور دوسري زبانوں کي تمام اھم اور اعلی مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بہم پہنچانے کا اھتمام کیا ھے - اسکے علاوہ آئمه و اسلام و بزرگان دین کے حالات ' لطائف افسانه ' نظمیں اور ممالک اسلامیه کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے ھوے حالات درج کیے جاتے ھیں - في پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپیه پیشگي -

منیجر الهـــلال بك ایـجنسی

(حلقه نمبر ۲۴ شیرانواله دروازہ لاھور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پته صاف لکھین

اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائین

السحر الحلال فی مجلدات الہلال

گاہ گاہے باز خوان این دفتر پارینه را

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینه ما

اردو صحافت کي تاریخ میں الهلال ھي وہ رساله ھے جو اپني تمام ظاھري اور باطني خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تھي -

الهـلال اگرچه ایک هفته وار مصور رساله تھا ' لیکن چونکه وہ اردو صحافت کي مختلف شاخوں میں اجتہاد نظر و فکر کي نئي روح پیدا کرني چاھتا تھا ' اِس لئے اُس کا ھر نمبر مختلف اقسام اور مختلف ادراق کا مجموعه تھا - اُس کے ھر نمبر میں مختلف ابواب ' مذھب ' سیاست ' ادبیات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه کے ھوتے تھے - اور اسکا ھر باب اپني مجتہدانه خصوصیات کے لحاظ سے اپني نظیر آپ ھوتا تھا - پھر اس کي ظاھري خوبیاں اُردو صحافت میں اعلی طباعت و ترتیب کا پہلا نمونه تھیں - اردو کا وہ پہلا هفته وار رساله تھا ' جس میں هاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا ' اور ٹائپ میں چھپنے کي وجه سے بہت سي ایسي خوبیاں پیدا ھوئیں جو پتھر کي چھپائي میں ممکن نہیں - اِس کي جلدیں جدید اُردو علم ادب کے علمي ' مذھبي ' سیاسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بہترین مجموعه ھیں - اِن کي مقبولیت و قدر کا اندازہ اِس سے ھوسکتا ھے که سنه ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپیه میں خرید کیا - اور حال میں ایک صاحب نے اِس کي پہلي جلد مکمل (جو دفتر میں بھي موجود نہیں) ساڑھے چارسو روپیه میں حیدرآباد سے خریدي ھے - جن لوگوں نے اِس کے پرچے بحفاظت جمع کئے ھیں وہ بڑي سے بڑي قیمت پر بھي علحدہ کرنے کیلیے تیار نہیں - پچھلے دنوں "البـلاغ پریس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الهلال کے پرچوں کا بھي محفوظ ملا ' ھم نے کوشش کي که شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کي جاسکتي ھیں مرتب کرلي جائیں اور جن جلدوں کي تکمیل میں ایک دو پرچوں کي کمي ھو انھیں دوبارہ چھپوا لیا جاے -

چنانچه الحمدلله یه کوشش ایک حد تک مشکور ھوئي اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلدیں پوري مکمل ھوگئي ھیں - ھم اِس اعلان کے ذریعه شایقین علم و ادب کو آخري موقعه دیتے ھیں که اِس قیمتي ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدي کریں ' چونکه جلدوں کي ایک بہت ھي محدود تعداد مرتب ھوسکي ھے اس لئے صرف اُنھیں درخواستوں کي تعمیل ھوسکے گي جو سب سے پہلے پہونچیں گي - ھر جلد مجلد ھے اور ابتدا میں تمام مضامین کي انڈکس به ترتیب حروف تہجي لگادي گئي ھے -

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیه　　الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیه

" " " چھارم ۱۰ روپیه　　" " " پنجم ۱۰ روپیه

جلد "البـلاغ" (جب دوسري مرتبه الهـلال اِس نام سے شائع ھوا) قیمت ۸ روپیه

علاوہ جلد اول کے ھر جلد کے متفرق پرچے بھي موجود ھیں جن میں سے ھر پرچه اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعه علم و ادب ھے - قیمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پیکنگ اِس کے علاوہ ھے -

منیجر "البـلاغ پریس"

Printed and Published by
Masud Hasan Zuberi at The Al-Balagh Press, 11, Ballygunge Circular Road, Calcutta
Editor : Maulana Abu-al-Kalam Azad.

۱۹۲۷

الهلال

جلد ۱

نمبر ۲۵

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت ۵ ـ انه

الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - بالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول	- - بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلیے	- - سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی	- - - سات روپیہ
قیمت فی پرچہ	- - - پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " منیجر الہلال " کے نام سے کی جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں آنکے لفافہ پر " ایڈیٹر " کا نام ہونا چاہیے -

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے -

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں - ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے ' مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرالیں -

(۷) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنين

الہلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۲۵ — کلکتہ : جمعہ ۱۳ . جمادی الثانیہ ۱۳۴۶ ہجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 9, December 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعۃ نہین رکھتی . طباعۃ کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای . پتھر کی چھپائی مین محدود رہکر اردو کی طباعۃ کبھی ترقی نہین کر سکتی .

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی ہین ، وہ ہین جن مین الہلال چھپتا ہی . اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ہین . آپ ان دونون مین سی جسی چاہین پسند کر لین . لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین .

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ہمین اطلاع دیجیی . یاد رکھیی . طباعۃ کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اہم مسئلہ ہی . ضروری ہی کہ اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین . الہلال

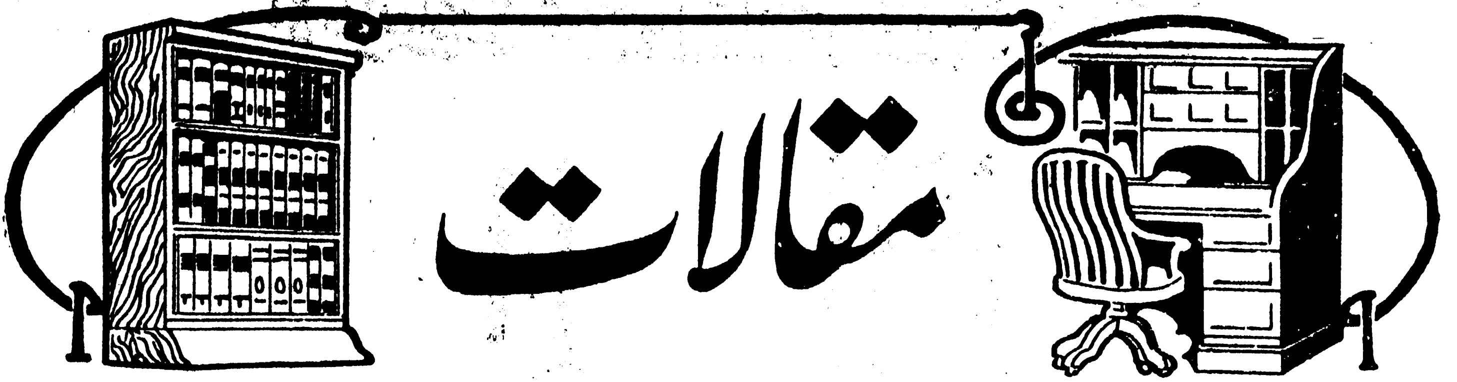
قارئین الہلال کی آراء

اس بارى مین اس وقت تك ۲۰۷۱ مراسلات وصول ہوی ہین . تقسیم آراء حسب ذیل ہی :

عربی حروف کی حق مین	۲۵۵	اردو حروف کی حق مین	۵۳۵
موجودہ مشترك طباعۃ کی حق مین	۸۰۲	حروف کی حق مین بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۳۲۰	نستعلیق ہون	۱۹۰

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہی .

آراء کی دیکھنی سی معلوم ہوا کہ اس بارى مین بعض اہم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین تھی . اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت ہی . آیندہ اس بارى مین مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر کرینگی مگر ضرورت ہی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین . الہلال



جدید مذہب روحی

تاریخ ظہور - موافقین و مخالفین - اور نقد و تبصرہ

(۲)

جب انگلستان میں پہلے پہل یہ دعوت پہنچي ' تو علماء میں سخت بیچیني پیدا ہوگئي - وہ ڈرے کہ صدیوں کے جہاد علم کے بعد خرافات و اوہام کي جس سلطنت کا انھوں نے خاتمہ کردیا تھا ' وہ اب پھر نئے ہتیاروں سے مسلح ہوکر علم کے مقابلے میں آرہي ہے - لہذا انھوں نے چاہا ' قدم جمنے سے پہلے ھي اِس کا خاتمہ کر دیں - چنانچہ بے شمار علماء نے رائل سوسائٹي سے درخواست کي کہ اِس مذہب کے متعلق اپني رائے ظاہر کرے - انجمن نے درخواست منظور کرلي ' اور تحقیقات کے لیے تیس علماء کي ایک منتخب مجلس قائم کردي - اِس مجلس میں رسل ویلس ' ولیم کروکس ' ٹنڈل ' لارڈ اربري ' اور ہکسلے جیسے ائمۂ علم و حکمت بھي شامل تے - مسلسل اٹھارہ مہینے تک یہ مجلس تحقیقات کرتي رہي - چالیس جلسے منعقد کیے ' اور ایک ضخیم کتاب میں انکي روداد شایع کي - یہ روداد دنیا کي اکثر زبانوں میں ترجمہ ہوچکي ہے - اِس کي ذیل کي عبارت قابل غور ہے :

" مجلس نے اپنے جلسے ارکان کے خاص مکانوں میں منعقد کیے تاکہ مخفي آلات کے ذریعہ فریب کہانے کا احتمال باقي نہ رہے - نیز اُن وسیطوں سے بھي کام نہیں لیا جو پیشہ ور وسیط سمجھے جاتے ہیں - خود ارکان ھي میں سے ایک شخص وسیط بنایا تھا گیا - یہ شخص سوسائٹي میں بہت عزت و احترام رکھتا ہے - اپني ایمانداري اور اخلاق میں غیر مشتبہ ہے - مال و دولت کي بھي اسے کوئي طمع نہیں - کیونکہ خود مالدار ہے - ہم نے وہ تمام احتیاطیں بھي برتلیں ' جو ہمارے خیال میں فریب سے بچنے کے لیے ضروري تھیں - بار بار تجربے اور مشاہدے کیے - اِس روداد میں ہم نے صرف انھیں مشاہدات کا ذکر کیا ہے جو حواس کے ذریعہ واقع ہوئے ' اور جن کي صحت پر ہمیں کامل یقین ہے "

" مجلس کے بہت سے ارکان نے خود تجربے کیے - یہ سب کے سب اس مذہب کے سخت مخالف تے ' اور کامل یقین رکھتے تے کہ یہ عجیب امور یا تو تدلیس کا نتیجہ ہیں یا وہم کا ' اور یا پھر عضلات و اعصاب جسم میں کسي غیر معمولي حرکت پیدا ہو جانے کي وجہ سے اس طرح کي حرکات ظہور میں آجاتي ہیں - یہ حد سے زیادہ منکر اُس وقت تک قائل نہ ہوئے ' جبتک کہ بکثرت مشاہدات انھوں نے اِس طرح نہ دیکھ لیے ' کہ کسي قسم کا شک و شبہ وارد نہیں ہو سکتا تھا - بالاخر انھیں تسلیم کرلینا پڑا کہ جو کچھ انھوں نے بار بار دیکھا ہے ' وہ حقیقت ہے ' اور اُس کي صحت میں کلام کي گنجائش نہیں ... "

اسي قدر نہیں بلکہ سنہ ۱۸۸۲ - میں ایک انجمن لندن میں قائم ہوئي - اِس کا نام " انجمن مباحث نفسیہ " رکھا گیا - اِس کا مقصد یہ تھا کہ مذہب روحي کو رسمي علم سے قریب تر کیا جائے اور علمي اصول پر آے. اس طرح مرتب کردیا جائے کہ لوگوں کے لیے زیادہ قابل قبول بن جائے - اِس انجمن میں انگلستان ' امریکا ' اور فرانس کے مشاہیر علماء و فلاسفہ داخل ہیں - اِس وقت تک وہ بے شمار ضخیم جلدیں شایع کر چکي ہے -

نمونہ کے طور پر اِس انجمن کے بعض ارکان کي چند تحریروں کا ترجمہ دیا جاتا ہے - اِس سے معلوم ہوگا کہ اُن کا طریق بحث کیا ہے :

پروفیسر میرس (پروفیسر کیمبرج یونیورسٹي) جو اس انجمن کا ممتاز رکن ہے ' لکھتا ہے :

" سنہ ۱۸۷۳ ع میں جبکہ مذہب مادي ہمارے ملک کي عقلوں پر پوري طرح حاوي ہوچکا تھا ' کیمبرج میں احباب کي ایک مجلس منعقد ہوئي ' اور طے کیا گیا کہ مذہب روحي ' جس پر اِس قدر بحث و نزاع جاري ہے ' ہماري توجہ و تدقیق کا مستحق ہے - میري رائے تھي کہ اِس مذہب کي بحث میں نہ تو اساطیر اولین کي ورق گرداني مفید ہوسکتي ہے ' نہ معتقدین کي روایات کي تحقیق ' اور نہ منکرین کي تضعیف و انکار ھي کار آمد ہے - اس کي بحث و تحقیق کي صرف یہي صورت ہے کہ ہم خود تجربے کریں ' اور اپني آنکھوں کے مشاہدات پر بھروسہ رکھیں - اگر عالم روحاني واقعي کوئي اصلیت رکھتا ہے ' تو تمام دوسري حقیقتوں کي طرح اُس کا ثبوت بھي تجربۂ و مشاہدۂ پر مبني ہونا چاہیے - چنانچہ اِسي اصول پر ہماري اِس انجمن نے اپني بحث و تحقیق کا سلسلہ جاري کر دیا "

اِس کے بعد مصنف منکرین کو مخاطب کرکے کہتا ہے :

" میں اِس عقیدے کو کیوں صحیح نہیں سمجھتا ؟ یہ سوال ہے جو ہر علمي بحث کے وقت ہر ایمان دار آدمي کے سامنے ہونا چاہئے - مذہب روحي کي بحث میں اس کي اور بھي زیادہ ضرورت ہے - مجھے اعتراف کرنا چاہئے کہ میرا علم اور میري معلومات جو یقیني نہیں ہیں' بلکہ مرجح یا غیر مرجح ہیں' کائنات کے رموز و اسرار کے فہم سے قاصر ہیں - اُن میں کوئي بھي علمي یا منطقي دلائل موجود نہیں ہے جس کي بنا پر میں اپنے مشاہدات کي تردید کردوں - خصوصاً ایسي حالت میں جب کہ دیکھتا ہوں' یہ تمام مشاہدات' دوسرے یقیني مشاہدات و اصول سے کوئي تناقض نہیں رکھتے - علمي دلائل و براہین کا دائرہ کتنا ھي وسیع اور یقیني ہو ' مگر پھر بھي تمام مستند علماء کے اعتراف کے مطابق ' وہ ناموس قدرت کے

لا متناهي اور سراسر مجهول عالم پر سرسري نظر سے زيادہ وقعت نہيں رکھتے "

سر اوليور لاج اپني کتاب " روح انساني کي ابديت " ميں لکھتا هے :

" بہت سے عجيب و غريب حوادث کي صحت ثابت هو چکي هے - يہ حوادث هر قوم اور هر زمانے ميں پيش آتے رهے هيں - ممکن هے ان کا بڑا حصہ اوهام و خواطر پر محمول کرکے رد کر ديا جائے - مگر اُن سب کا رد کر دينا ناممکن هے - موجودہ علمي ترقي کي روشني ميں کوئي دعوى نہيں کر سکتا کہ انساني روح کے تمام اعمال و خواص سے هم واقف هو چکے هيں ' يا انساني روح کا علم هم نے اِس درجہ منضبط اور آسان کر ديا هے کہ هر کس و ناکس اُسے سمجھہ لے - ليکن عجيب بات يہ هے کہ بعض لوگ ايسا هي يقين رکھتے هيں - وہ هر روز بغير کسي اظهار حيرت کے علم الحيات ' کيميا ' اور علم الالات کے زيادہ سے زيادہ محير العقول اکتشافات پر ايمان لاتے رهتے هيں' اور کبھي يہ نہيں کہتے کہ هم قدرت کے تمام رازوں سے واقف هو گئے اور اب کوئي نيا اکتشاف قبول نہيں کرينگے - ليکن مذهب روحي کا نام آتے هي ان ميں انکار اور تعدي کا جوش پيدا هو جاتا هے - وہ بغير کسي تامل کے مدعيانہ انکار کر بيٹھتے هيں - يہ يقيناً ايک سادہ لوح ايمان هے - يہ اِس بات کي دليل هے کہ لوگ بلا دليل عقيدہ قائم کرنے کي کتني زيادہ استعداد رکھتے هيں ؟ ليکن ياد رهے ' اُن کا يہ دعوى ' سراسر اساس علم کے خلاف هے - وہ صرف اُسي حال ميں کيا جا سکتا هے جبکہ اپنے مخالف دلائل و براهين سے بلا کسي بحث کے اعراض کر ليا جائے "

پروفيسر سڈگوک صدر " انجمن مباحث نفسيہ " اپنے سنہ ۱۸۸۲ کے خطبۂ صدارت ميں کہتا هے :

" اب يہ سخت فضيحت کي بات هوگي کہ اِن روحي حوادث کي صحت ميں جھگڑا کيا جائے جن کي تصديق بڑے بڑے مسلم علماء کر چکے هيں - يہ شرم کي بات هے کہ مذهب روحي کے خلاف علمي دنيا اپنے احمقانہ انکار پر مصر رهے .... اب سے تيس برس پہلے لوگ خيال کرتے تھے کہ مسمريزم اور متحرک ميزوں کا اعتقاد ' عملي تہذيب کے نقص و فقدان کا کافي ثبوت هے - ليکن جب مشہور حکماء نے يکے بعد ديگرے اپنے تجارب و مشاهدات کي بنا پر اِن امور کي تصديق کر دي ' تو منکروں نے اپنا انکار جاري رکھنے کيليے نئے وجوہ کي تلاش ميں مضحکہ انگيز مہارت کا ثبوت پيش کيا - انہوں نے کہنا شروع کر ديا کہ يہ علماء ' علماء نہيں هيں' بلکہ دجال هيں - يا صرف علم کي بعض شاخوں ميں دخل رکھتے هيں - لہذا اُن کي شہادت معتبر نہيں - پھر جب اسکے بعد ايسا هوا کہ ايسے ايسے لوگوں نے شہادت دي ' جن کي فضيلت عالمگير طور پر مسلم هے ' تو ان لوگوں نے رنج و الم کا اظهار شروع کر ديا ' اور اسے ايک افسوسناک واقعہ قرار ديا ! "

اِس مجمل بيان سے اندازہ هوگيا هوگا کہ مذهب روحي نے اِس قليل مدت ميں کتني ترقي حاصل کرلي هے - پروفيسر رسل ويلس اپني کتاب " عصر جديد کے معجزات " ميں کہتے هيں کہ اِس مذهب کے معتقد صرف يورپ ميں اِس وقت دو کروڑ سے بھي زيادہ آدمي هيں !



آخري مملوک سلطان مصر

ساڑھے چار سو برس پہلے ايک مغربي سياح مشرق ميں

ايک سياح کي چشم ديد شہادت اور اهم تاريخي فوائد

يورپ ميں چھاپہ خانے کي صنعت کا رواج چودھويں صدي مسيحي سے شروع هوا هے - چودھويں صدي سے ليکر سترھويں صدي کے وسط تک مطبوعات کي رفتار بہت سست رهي - تاهم اِس ابتدائي زمانے ميں بھي ايک کافي تعداد ايسي کتابوں کي شائع هوتي رهي هے' جو علمي اور تاريخي حيثيت سے موجودہ زمانے ميں بھي اپني قدر و قيمت رکھتي هيں -

جنيوا کي ايک علمي انجمن کچھہ عرصہ سے اس قسم کي قديم اور ناپيد مطبوعات کا سراغ لگا رهي هے - اس سلسلہ ميں کئي نادر اور قيمتي چيزيں گوشۂ گمنامي سے نکل چکي هيں - ازانجملہ مشرقي ممالک کے سفر نامے هيں جو چودھويں اور پندرھويں صدي مسيحي ميں لکھے گئے تھے ' اور جن ميں مشرقي ممالک کے امراؤ سلاطين اور وهاں کے آداب و رسوم کے متعلق بعض ايسي چشم ديد تفصيلات موجود هيں ' جو کسي دوسرے ذريعہ سے حاصل نہيں هو سکتيں - آج هم ان ميں سے ايک خاص سفر نامہ کا مختصراً ذکر کرنا چاهتے هيں -

يہ سفرنامہ کئي اعتبار سے مخصوص تاريخي اهميت رکھتا هے - سنہ ۱۵۱۱ ع ميں وينس کي جمہوري حکومت نے (جو اُس وقت يورپ کي ايک طاقتور حکومت تھي) ايک سفارتي وفد مصر بھيجا تھا - جس کا رئيس اُس عہد کا مشہور مدبر دومينکو ٹريويزان تھا - يہ سفارت مصر پہنچي ' سلطان مصر کے دربار ميں بارياب هوئي ' اور ايک کافي عرصہ کے قيام کے بعد وينس واپس گئي - سفارت کا سکريٹري وينس کا ايک امير جاکو باگاني نامي تھا - اِس شخص نے واپسي کے بعد اپنے سفر کي ياد داشتيں سفرنامہ کي صورت ميں مرتب کر ليں' اور وہ تمام قلمي تصاوير بھي شامل کر ديں جو سلاطين و امراء مصر کي اُس نے طيار کي تھيں - سفرنامہ کچھہ عرصہ تک وينس کے سرکاري کتب خانہ ميں محفوظ رها - پھر سنہ ۱۵۳۵ ع ميں سفارت کے سفر سے تقريباً بائيس برس بعد ' حکومت نے اُسے سرکاري مطبع ميں چھپوا کر شائع کرديا - اس مطبوعہ نسخہ کے ساتھہ وہ تمام تصاوير بھي چھاپي گئي تھيں جو اصل نسخہ ميں محفوظ تھيں -

(سفرنامہ کي اهميت)

يہ سفرنامہ في الحقيقت ايک نہايت قيمتي تاريخي شہادت هے - يہ اب سے ساڑھے چار سو برس پيشتر کي ايک اسلامي حکومت کے اُن چشم ديد حالات کا ذخيرہ هے جن کا علم کسي دوسرے ذريعہ سے حاصل نہيں کيا جا سکتا - مورخ اور سياح ميں بھي فرق هے ' اور اسي ليے مورخ کي کتاب سے کہيں زيادہ ايک مستند سفرنامہ کا بيان قيمتي هوتا هے - مورخ کي نظر جزئيات پر نہيں جاتي - وہ صرف علمي ترتيب بيان کے ساتھہ بڑے بڑے واقعات جمع کرديتا هے - ليکن سياح زير سياحت شهر کے ايک ايک کوچہ کي سير کرتا هے ' اور ايک ايک جزئي معاملہ ميں دلچسپي ليتا هے - وہ بسا اوقات بہت سي ايسي جزئيات بيان کرديتا هے ' جن سے

تاریخي مسائل کي عظیم کلیات طیار کرلي جاسکتي هیں - هندوستان کے عهد تغلق کي متعدد تاریخیں خود اُسي عهد میں یا اس کے بعد لکھي گئي هیں ' لیکن ابن بطوطه کي زباني همیں جیسي چلتي پھرتي تصویر اُس عهد کی نظر آجاتي هے ' وہ برني اور فرشته کے صفحات پر نظر نہیں آسکتي !

(سفرنامه کا عهد)

اِس کے علاوہ اُس عهد کي مخصوص اهمیت نے بھي اس سفر نامه کي قدر و قیمت بڑھا دي هے - یه وہ وقت تھا ' جب في الحقیقت دنیا آنے والے انقلاب کے لیے پہلي کروٹ بدل رهي تھي - مشرق کا دور اقبال رو به تنزل تھا ' اور یورپ کا عهد عروج طلوع هو رها تھا - اسپین میں اسلامي عهد تمدن کا آخري نقش قدم بھي مٹ چکا تھا ' اور غرناطه میں مسلمانوں کا قتل عام هو رها تھا - یورپ اور مشرق بعید کي راہ تجارت بھي ایک نئے انقلاب کي طیاریاں کر رهي تھي ' اور پرتگالیوں کے بیڑے هندوستان کي بحري راہ دریافت کرنے کے لیے ایک کے بعد ایک روانه هو رهے تھے - ٹھیک ٹھیک یهي زمانه تاریخ تجارت عالم کا وہ عظیم الاثر زمانه هے ' جب واسکو ڈي گاما نے ایک عرب معلم کے ذریعه راس امید عبور کرکے سواحل مالابار کا رخ کیا تھا ' اور اس ایک واقعه نے تمام دنیا کي سیاسي اور اقتصادي عظمت کي تاریخ پلٹ دي تھي !

(سفارت کا مقصد)

مصنف نے اِس سفارت کے مقاصد شرح و بسط سے بیان کیے هیں - مختصر لفظوں میں اُن کي توضیح همارے لیے بھي ضروري هے - کیونکه اس سے وقت کے بعض اهم تاریخي حالات پر روشني پڑیگي -

لیکن قبل اسکے که مصنف کے بیان کردہ اسباب پر متوجه هوں ' اُس عهد کے اُن سیاسي و تجارتي تعلقات کي مختصر تاریخ بیان کردینا ضروري هے جو یورپ اور مصر میں قائم تھے -

صلیبي لڑائیوں کا سلسله تیرهویں صدي مسیحي تک جاري رها - یورپ کا آخري صلیبي حمله وہ تھا ' جو فرانس کے لوئس نهم نے مصر پر کیا تھا - اس کا خاتمه منصورہ کي لڑائي پر هوا جس میں توران شاہ نے لوئس کو گرفتار کر لیا - اسکے بعد سلطان بیبرس ' سلطان منصور قلاؤن ' اور ملک اشرف خلیل ' یکے بعد دیگرے تخت مصر کے فرمانروا هوے ' اور پے در پے جنگوں کے بعد سنه ۱۲۹۰ میں تمام بلاد شام سے صلیبي خارج کردیے گئے - آخري جائے پناہ جو انکے هاتھه باقي رهگئي تھي ' عکا کا ساحلي شهر تھا - اسي کو انھوں نے اپني مشرقي تجارت کا برزخي محل قرار دیا تھا - لیکن یه بھي سنه مذکور میں انکے هاتھه سے نکل گیا - اسکے بعد کچھه عرصه تک تخت مصر اپنے اندروني مناقشات میں مشغول رها - لیکن سنه ۱۳۴۰ - میں جب ملک الناصر کي حکومت استوار هوئي ' تو اُس نے محسوس کیا که یورپ کے صلیبي ولولے اس وقت تک فرو نهیں هو گئے هیں - وہ رهکر اس طرح کے واقعات ظهور میں آتے رهتے هیں جن سے اُنکي معاندانه سرگرمیوں کا پته چلتا هے - چنانچه اس نے حکم دیا که شام اور مصر سے تمام یوروپین تاجر اور یوروپین حکومتوں کے وکلاء چلے جائیں - اس سال کے بعد سے یورپ اور مصر کے تمام علائق منقطع هوگئے -

یهي وہ صورت حال هے جس نے یورپ کے دو مختلف تجارتي حلقوں میں یه خیال پیدا کر دیا تھا که قدیم عرب جغرافیه نویسوں اور ملاحوں کے اشارات کے مطابق مشرق بعید کا براہ راست بحري راسته ڈھونڈھ نکالیں اور مصر کے محتاج نه رهیں - چنانچه کولمبس نے بحر اطلانطک میں غرب رویه جا کر ' مشرق کي جهت سے هندوستان پهنچنا چاها ' اور پرتگالي بیڑوں نے افریقه کے گرد طواف کرتے هوے بحر هند کا نقطۂ اتصال دریافت کرنا چاها - کولمبس هندوستان کي جگه امریکه پهنچ گیا - لیکن بر تلم دیاز نے سنه ۱۴۸۶ - میں راس امید کا سراغ پا لیا - پھر سنه ۱۴۹۷ - میں واسکو ڈي گاما اسے عبور کرکے مالا بار پهنچ گیا !

بهر حال تقریباً نصف صدي تک مصر اور یورپ کے علائق (بلکه کهنا چاهیے مشرق اور یورپ کے علائق کیونکه تمام مشرق اور یورپ کے تجارتي علائق مصر هي کے ذریعه تھے) منقطع رهے - یه صورت حال یورپ کیلیے ناقابل برداشت تھي - اُسکے تمام بازار بے رونق هوگئے - بڑي بڑي منڈیاں بند هوگئیں - یورپ اُس وقت تجارت اور مصنوعات میں مشرق کا اسي طرح محتاج تھا - جس طرح آج مشرق یورپ کا محتاج هے - بے شمار روز مرہ کي ضرورتوں کي مصنوعات تھیں ' جو مشرق هي سے جاتي تھیں اور یورپ کے هر امیر و غریب گھر میں برتي جاتي تھیں - اب انقطاع تجارت سے ایک عالمگیر تجارتي قحط کي مصیبت پیدا هوگئي - یه صورت حال دیکھکر یورپ کي تمام بڑي بڑي حکومتیں مجبور هوئیں که کبھي نه کسي طرح مصر کا بند دروازہ پھر کھلوایا جائے - اِن حکومتوں میں سب سے پیش پیش وینس کي جمهوریت تھي - یه اُسوقت یورپ کي بحري تجارت کا سب سے بڑا طاقتور مرکز تھي - حکومت وینس نے پے در پے سفارتیں بھجوائیں - عثماني اور صفوي حکومتوں کو درمیان ڈالا ' قیمتي تحائف سے لبریز جهاز پر جهاز بھیجے ' پوپ کي طرف سے بھي پیام امن و صلح بھجوایا گیا - یورپ کي تجارت کے کھل جانے میں مصر و شام کے وطني تاجروں کا بھي عظیم الشان نفع تھا ' اسلیے اُنھوں نے بھي کوششیں کیں - غرضکه ایک مدت کي سعي اور تدبیر کے بعد مصر اور یورپ کے تجارتي اور دوستانه تعلقات پھر از سر نو قائم هوگئے -



سلطان ملک الاشرف قانصوہ غوري
(آخري مملوک سلطان مصر)

یهي زمانه هے جب مصر دنیا کا سب سے بڑا تجارتي مرکز بن گیا تھا - هندوستان اور یورپ کي تجارتي کڑي یهیں آکر ملتي تھي - اُس کے باشندوں کي خوشحالي اور تاجروں کي شاهانه دولت کے افسانے جنیوا اور وینس کے بازاروں میں قصوں کي طرح سنائے جاتے تھے - یورپ میں عام طور پر قاهرہ کا نام " قاهرہ عظیم " تھا - یعني

Le Grand Caire ' جیسا که خود اس سفر نامه میں جا بجا یہي نام استعمال کیا گیا ھے -

مصر اور یورپ کے تعلقات کي یه ابتدائي تاریخ بیان کر دینے کے بعد ھم اُن واقعات کي طرف متوجه ھوتے ھیں جو اس سفر نامه کے مصنف نے بیان کیے ھیں -

سنه ۱۵۰۵ - ع میں کئي سال کي پادشاه گردي کے بعد سلطان ابو النصر ملک الاشرف قانصوه غوري تخت نشین ھوا - اِس پادشاه کے زمانے میں یکے بعد دیگرے ایسے حوادث پیش آئے ' که یورپ اور مصر کے تعلقات پھر منقطع ھوگئے -

جیسا که پہلے اشاره کیا جاچکا ھے ' اُس زمانے میں مصر' ھندوستان اور یورپ کي تجارت کي درمیاني کڑي تھا - سواحل عرب اور مصر کے عرب جہازران ھندوستاني مصنوعات مصر لے جاتے تھے - وھاں سے وینس ' جنیوا ' اور فرانس کے تاجر بیش قرار قیمتیں دیکر اپنے اپنے ملکوں کیلیے حاصل کرلیتے تھے - خود مصري حکومت کے بھي بے شمار جہاز تھے - یه سوئز سے لیکر کالي کٹ اور چٹاگاوں تک سفر کرتے رھتے - سنه ۱۵۰۳ ع میں ایسا ھوا که واسکو ڈي گاما کا بیڑه بحر ھند میں پہنچ چکا تھا - مصري جہازوں سے اس کي مڈ بھیڑ ھوگئي - یه جہاز ھندوستان سے مال تجارت سوئز لیجا رھے تھے - پرتگالي بیڑه نے ان کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا ' ادمي گرفتار کرلیے ' اور جہاز ڈبو دیے -

یه خبر جب سلطان غوري کو پہنچي ' تو قدرتي طور پر نہایت برھم ھوا - اُس نے اراده کیا که تمام یورپین تاجروں کو مصر و شام سے نکال دے - لیکن اس سفر نامه کا مصنف لکھتا ھے که " اُس غیر معمولي عقل و بصیرت سے کام لیکر جو مشرق کے اس عظیم الشان پادشاه کے حصے میں آئي ھے ' اُس نے اس کار روائي میں جلدي نہیں کي ' اور خیال کیا که پہلے اصلاح حال کي کوشش کرلي جاے " چنانچه اس نے ایک سفیر یورپ روانه کیا تا که اٹلي ' فرانس ' اور جنیوا جائے ' اور ان ملکوں کي حکومتوں کو حکومت پرتگال کي ان زیادتیوں پر توجه دلائے - یه مصري سفیر بیت المقدس کي مسیحي خانقاھوں کا رئیس اعظم تھا - سفیر پہلے وینیس گیا - حکومت وینیس نے اس کے استقبال کے لیے ایسے انتظامات کیے ' جیسے پادشاھوں کے استقبال کے کیے جاتے ھیں - پھر جمھوریت کے دس ممبر جمع ھوئے ' اور سفیر کے پیام پر غور کیا - سفیر کا پیام یه تھا که " اگر حکومت پرتگال نے اس طرز عمل کي تلافي نه کي اور آئنده مصري جہازوں کو کسي طرح کا نقصان پہنچا ' تو سلطان مصر نے اراده کرلیا ھے که بیت المقدس کا کنیسه بند کردیگا ' اور تمام یورپین تاجروں کو اپني مملکت سے نکال دیگا " حکومت جمھوریه نے مصر کي شکایات کے حق بجانب ھونے کا اعتراف کیا ' لیکن چونکه اُسے پرتگال پر کوئي اقتدار حاصل نه تھا ' اس لیے سفیر کو پوپ جولیس دوم کے پاس جانے کا مشوره دیا ' اور اپنے سفرا بھي ساتھه کردیے - پوپ نے سفیر



سلطان مصر کے وزراء

سے مل کر جب تمام حالات معلوم کیے ' تو بہت خائف ھوا - وه سلطان مصر کي ناراضي کے نتائج سے بے خبر نه تھا - اس نے حکومت پرتگال کے نام ایک تہدیدي مراسلت روانه کي - اسکے بعد مصر کا سفیر اسپین اور فرانس ھوتا ھوا مصر واپس آ گیا -

لیکن ابھي مصري سفارت یورپ سے واپس پہنچي ھي تھي ' که اچانک بعض حوادث ایسے پیش آگئے ' جنکي وجه سے سلطان کا غیظ و غضب پھر یورپ کے برخلاف بھڑک اُٹھا ' اور اصلاح حال کي وه تمام کوششیں ضائع گئیں ' جو مصري سفارت کے ذریعه انجام پائي تھیں - اِن حوادث میں سب سے زیاده اھم حوادث چار ھیں ' جنھیں اس سفر نامه کے مصنف نے بڑي تفصیل کے ساتھه لکھا ھے :

سب سے پہلا حادثه پرتگالیوں کي دوباره تعدي تھي جو مصري جہازوں پر کي گئي - یه جہاز کالي کٹ سے سوئز واپس جارھے تھے -

دوسرا حادثه یه پیش آیا که جزیرهٔ روڈس کے نائٹوں کا ایک بیڑه اسکندریه کے قریب پہنچ گیا - اُنھوں نے سلطان مصر کے اُن جہازوں پر حمله کر دیا جو مراکش کے حاجي واپس لیجا رھے تھے -

اِسي اثنا میں ایک تیسرا واقعه بھي پیش آ گیا - مصر اور ترکوں میں مخالفت جاري تھي - سلطان مصر کو معلوم ھوا که کمال پاشا فوجي سامان و اسلحه کا ایک بہت بڑا ذخیره اناضول سے قسطنطنیه لے جانے والا ھے - اس نے اپنے تیس جہاز کیلیکي یولي کي طرف روانه کردیے ' تاکه اِس ذخیره پر قبضه کرلیں - اتفاق سے روڈس کے بحري نائٹوں کے ایک بیڑه سے اُنکا مقابله ھوگیا - مقابله میں مصري جہازوں کو شکست ھوئي ' اور کئي جہاز بالکل تباه ھوگئے -

چوتھے حادثه کي نوعیت ان تمام حوادث سے مختلف قسم کي تھي ' لیکن سلطان کي طبیعت پر اُس کا سب سے زیاده اثر ھوا - عراق کے بعض سرحدي اضلاع میں مصري حاکم نے ایک یوناني کو مشتبه حالات میں دیکھا اور گرفتار کرلیا - گرفتاري کے بعد تلاشي لي گئي ' تو اس کے کپڑوں میں سے ایک مخفي کاغذ نکلا - یه شاه اسماعیل صفوي کا خط تھا ' جو ٹامس کونٹرین قنصل وینیس متعینهٔ اسکندریه کے نام لکھا گیا تھا - حاکم نے یوناني قاصد مع خط کے قاھره بھیجوا دیا - جب سلطان نے یه خط پڑھا ' تو اسے معلوم ھوگیا که حکومت ایران ' یورپ کي حکومتوں سے مل کر اُس کے خلاف سازش کر رھي ھے ' اور وینیس میں اور ایران میں عرصه سے سلسلهٔ مراسلت جاري ھے -

ان تمام واقعات نے سلطان کو یورپین حکومتوں کے برخلاف اس درجه غضب ناک کردیا ' که اُس نے حکم دیا - بیت المقدس کا کنیسه بند کردیا جائے ' تمام یورپین قنصل اور تاجر گرفتار کرلیے جائیں ' اور آئنده کوئي فرنگي حدود مملکت میں قدم نه رکھے - اُس نے بیت المقدس اور شام کي مسیحي خانقاھوں کے تمام راھبوں کي گرفتاري کا بھي

حکم دیدیا تھا ' لیکن سفر نامہ کا مصنف لکھتا ہے کہ " انھوں نے خزائن بیت المقدس کی بڑی مقدار دیکر اپنی جانیں بچا لیں "

اس واقعہ نے تمام یورپ میں اضطراب پیدا کردیا - واسکو ڈی گاما نے اگرچہ ہندوستان کا براہ راست بحری راستہ معلوم کرلیا تھا ' لیکن ابھی اس راہ سے ہندوستانی مال کی آمد و رفت شروع نہیں ہوئی تھی ' اور یورپ کی مشرقی تجارت کا دار و مدار بدستور مصر پر تھا - جونہی مصر کا دروازہ بند ہوا ' یورپ نے محسوس کیا کہ تمام مشرق کا دروازہ اُس پر بند ہوگیا ہے - ایک سال کے اندر وینیس اور جنیوا کی تمام تجارتی منڈیاں بند ہوگئیں ' اور یورپ میں مشرقی مصنوعات کا پھر قحط شروع ہوگیا -

یہ حالت دیکھکر وینیس اور فرانس کی حکومتیں مجبور ہوئیں کہ کسی نہ کسی طرح حکومت مصر سے از سر نو دوستانہ تعلقات پیدا کریں - وینیس کی یہ سفارت (جس کی سیاحت مصر کی روداد اس سفر نامہ میں قلمبند کی گئی ہے) اسی مقصد سے روانہ کی گئی تھی - قریب قریب اسی زمانے میں فرانس کی سفارت بھی روانہ ہوئی - سفر نامہ میں جا بجا فرانسیسی سفارت کے معاملات کا بھی ذکر کیا گیا ہے ' اگرچہ انداز بیان مخالفانہ جذبات سے خالی نہیں ہے - فرانسیسی سفارت شویلیر کونٹ انڈری کی زیر ریاست بھیجی گئی تھی -

وینیس کی یہ سفارت ۲۳ - جنوری سنہ ۱۵۱۲ع - کو وینیس سے روانہ ہوئی ' اور بے شمار مقامات میں ٹھہرتی ہوئی ' ۲۰ - مئی سنہ مذکور کو اسکندریہ پہنچی -

(سفرنامہ کے تاریخی فوائد)

سفر نامہ اُس عہد کی ملکی اور معاشرتی حالات کے بے شمار فوائد و معلومات سے مملو ہے - ان کا استقصاء ایک تحریر میں ممکن نہیں - ہم مختصراً بعض اہم فوائد کا ذکر کرینگے -

(سلطان غوری اور وزراء کی تصاویر)

مصنف نے جا بجا لکھا ہے کہ اُسے مصوری میں کافی دخل تھا - اس کا ثبوت اُن تصاویر سے ملتا ہے جو اُس نے سفر نامہ کے ساتھہ شامل کی ہیں - ہم ان میں سے دو تصویروں کی نقل اس تحریر کے ساتھہ شائع کرتے ہیں - پہلی تصویر سلطان قانصوہ غوری کی ہے - دوسری اس کے وزراء کی ہے - مصنف لکھتا ہے " میں نے سلطان سے اُس کی اور اُس کے درباریوں کی تصویر کھینچنے کی اجازت حاصل کرلی تھی "

ان تصاویر میں سلطان اور وزراء مصر کی جو وضع و ہئیت نظر آرہی ہے ' یہ اُس عہد کے تمام ترک اور چرکس امراء کی عام وضع تھی - سلاطین و امراء عثمانیہ کا لباس اور عمامہ بھی تقریباً ایسا ہی تھا - یہ عمامہ جو اسقدر بلند اور عریض ہوتا تھا ' ایسے باریک کپڑے اور ہلکے مواد سے طیار کیا جاتا تھا ' کہ کوئی غیر معمولی وزن سر پر محسوس نہیں ہوتا تھا - ہندوستان میں یہ بات دلچسپی کے ساتھہ معلوم کی جائیگی کہ اکثر حالتوں میں یہ کپڑا ہندوستانی ساخت کا ہوتا تھا !

سلطان ملک الاشرف قانصوہ غوری جسکی تصویر آپکے سامنے ہے ' در اصل مصر کے چرکسی مملوکوں کا آخری فرمانروا ہے - سنہ ۹۲۲ - ہجری مطابق ۱۵۱۶ - ع میں جب سلطان سلیم اول نے مصر و شام پر حملہ کیا ' تو تخت مصر پر یہی سلطان متمکن تھا - یہ " مرج دابق " کے معرکہ میں بڑی شجاعت اور بہادری کے ساتھہ لڑا ' لیکن بالاخر شکست کھائی ' اور میدان جنگ میں گھوڑے سے گرکر مارا گیا - اسکے بعد ملک اشرف طومان بائی نے کچھہ عرصہ تک لڑائی جاری رکھی ' لیکن مصر کی آخری لڑائی میں اس نے بھی شکست کھائی ' اور ہمیشہ کیلیے چرکسی مملوکوں کا سلسلۂ حکومت ختم ہوگیا -

سلطان غوری سنہ ۹۰۶ - ہجری مطابق ۱۵۰۱ - ع میں تخت نشین ہوا تھا - اس حساب سے تقریباً پندرہ برس تک حکمراں رہا

سفرنامہ کے مصنف نے اس سلطان کے غیر معمولی اوصاف شاہانہ کی بہت تعریف کی ہے ' اور اسے " حزم رائے اور دقت نظر " میں اپنے عہد کا بہترین فرمانروا قرار دیا ہے - مصر کے عام مورخین بھی اُس کے بعض اوصاف کا اعتراف کرتے ہیں -

(سقوط غرناطہ اور مصر)

من جملہ تاریخی فوائد کے ایک نہایت اہم اور عبرت انگیز واقعہ اُس سفارت کا ہے ' جو غرناطہ اور مراکش کے امراء نے مصر بھیجی تھی ' اور جسکی تفصیلات سے مصر کی تمام تاریخیں خاموش ہیں -

اسپین سے مسلمانوں کا آخری اخراج سنہ ۱۴۹۱ - ع میں ہوا ہے - یہی سنہ ہے جب تمام اسلامی حکومتوں کی اعانت سے مایوس ہوکر ابو عبد اللہ نے غرناطہ فرڈنینڈ کے حوالہ کردیا - اسکے بعد پچاس برس تک مسلمانوں پر ایسے ایسے وحشیانہ مظالم ہوتے رہے ' جنکی کوئی دوسری نظیر تاریخ عالم میں موجود نہیں - غرناطہ کے بقیۃ السیف مسلمانوں کے خلاف محکمۂ انکویزیشن Inquisition نے قتل و احراق کا آخری حکم سنہ ۱۵۰۹ - میں صادر کیا تھا ' اور کارڈنیل فرانسسکو زی میلنس اور فرڈینینڈ ڈی ٹالاویرا نے سرزمین اسپین میں اسلامی تمدن و آبادی کا آخری نقش بھی مٹا دیا تھا - یہ زمانہ ٹھیک ٹھیک وہی زمانہ ہے ' جب مصر میں سلطان محمد بن قائتبائی کے بعد پادشاہ گردی شروع ہوگئی ہے ' اور کئی سال کی طوائف الملوکی کے بعد اعیان سلطنت نے سلطان قانصوہ غوری کو تخت نشین کیا ہے -

تاریخ میں دو واقعات کا اجمالی ذکر ہم پڑھچکے تھے - ایک یہ کہ جب سلطان ابو عبد اللہ ' فرڈینند کے مقابلہ سے عاجز ہوگیا ' تو اُس نے دو سال کیلیے عارضی صلح کرلی ' اور تمام مسلمان سلاطین عالم کی طرف سفارتیں روانہ کیں تاکہ اُنھیں مسلمانان اندلس کی نصرت و حمایت پر آمادہ کیا جائے - مسلمانان اندلس کو خصوصیت کے ساتھہ سلطان عثمانی اور سلطان مصر سے اعانت کی توقع تھی - لیکن دو سال کی مدت گزر گئی ' اور کسی نے بھی انکی خبر نہیں لی - دوسرا واقعہ سقوط غرناطہ کے بعد کا ہے - جب ابو عبد اللہ کی جلا وطنی کے بعد اسپین کی حکومت نے وہ تمام عہد و پیمان بھلا دیے ' جو مسلمانوں کی آزادی و حفاظت کیلیے کیے گئے تھے ' اور انکا قتل عام شروع ہوگیا ' تو یہ حالت دیکھکر مراکش اور تیونس کے سلاطین مضطرب ہوگئے - انھوں نے تمام مسلمان سلاطین عالم کے پاس وفود بھیجے ' اور اُنھیں مسلمانان اندلس کی بے بسی اور مظلومیت پر توجہ دلائی - ایک خاص سفارت جو مراکش کے بعض اکابر علماء و امراء سے مرکب تھی ' قاہرہ بھیجی گئی تھی - یہ سلطان قانصوہ غوری ہی کا زمانہ تھا - تاریخ کے صفحات ہمیں بتلاتے ہیں کہ سفارت قاہرہ پہنچی ' اور

سلطان نے تمام حالات معلوم کیے - لیکن اسکے بعد کیا ہوا ؟ اِس کي کوئي تفصیل تاریخ میں نہیں ملتي - قدرتي طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ مصر کا جو سلطان اپنے جہازوں کي حفاظت اور اپنے تجارتي مال و متاع کے خزانہ کا اس درجہ خیال رکھتا تھا ' کہ جب کبھي یورپ کي کوئي قوم شرارت کرتي تھي ' تو بیت المقدس کا کنیسہ بند کر دینے اور یورپین تاجروں کو نکال باہر کر دینے کي دھمکي دیکر فوراً راہ راست پر لے آتا تھا ' اُس نے ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کیلیے جو آٹھہ سو برس کی حکومت کے بعد مسیحیت کے مجنونانہ تعصبات کا شکار ہوگئے تھے اور زندہ جلائے جارہے تھے ' کیا کارروائي کي ؟

اِس موقعہ پر یہ بات بھی یاد رہے کہ ابو البقاء صالح بن شریف الرندي کا وہ زہرہ گداز تاریخي مرثیہ جو در اصل مسلمانان عالم کے نام مسلمانان اندلس کا ایک مایوس استغاثہ تھا ' اِسي زمانہ میں لکھا گیا تھا جیسا کہ مقري نے تصریح کي ہے ' اور خود یورپ کے مورخین ہمیں بتلاتے ہیں کہ سلطان مراکش نے اسکي نقلیں تمام مسلمان سلاطین عالم کے نام بھیج دي تھیں :

لکل شئی اذا ما تم نقصان
فلا یغر بطیب العیش انسان
اصابها العین فی الاسلام فارتزأت
حتی خلت منه أقطار و بلدان
علی دیار من الاسلام خالیة
قد اقفرت و لها بالکفر عمران
حیث المساجد قد صارت کنائس ما
فیهن الا نواقیس و صلبان
بالامس کانوا ملوکا فی منازلهم
والیوم فی بلاد الکفر عبدان
فلو ترا هم حیاری لا دلیل لهم
علیهم فی ثیاب الذل ألوان
لمثل هذا یذوب القلب من کمد
ان کان فی القلب اسلام و ایمان !

قصیدہ کے آخر میں یہ اشعار في الحقیقت مسلمانان عالم کے نام مظلوموں کا پیام الغیاث تھا :

یا راکبین عتاق الخیل ضامرة
کانها فی مجال السبق عقبان
و حاملین سیوف الهند مرهفة
کأنها فی ظلام النقع نیران
و راتعین وراء البحر فی دعة
لهم باوطانهم عز و سلطان
أعندکم نباء من اهل اندلس ؟
فقد سری بحدیث القوم رکبان
کم یستغیث بنا المستضعفون و هم
قتلی و أسری فما یهتز انسان
ما ذا التقاطع فی الاسلام بینکم
و انتم یا عباد الله اخوان
الا نفوس أبیات لها همم ؟
أما علی الخیر أنصار و أعوان ؟

لیکن اس پیام کا جواب اُن مسلمان قوموں اور فرماں رواؤں نے کیا دیا جو بقول ابو البقاء کے " خوبصورت گھوڑوں پر سوار تھے ' ہندي تلواروں کي چمک دمک سے اُنکے ہاتھہ شعلہ بار رہتے تھے ' اور اپنے آزاد وطنوں میں عزت و فرمانروائي کي پر عیش زندگي بسر کر رہے تھے " ؟ تاریخ کے اوراق ہمیشہ اس واقعہ پر ماتم کرینگے کہ تمام عالم اسلامي میں ایک صدا بھي انکي حمایت میں بلند نہ ہوي !

بہر حال جہانتک مصري حکومت کا تعلق ہے ' اس سفر نامہ سے بعض ایسي تفصیلات روشني میں آجاتي ہیں ' جو اس وقت تک تاریکي میں تھیں - بلاشبہ یہ ایک قیمتي فائدہ ہے جو اس کتاب سے حاصل کیا جاسکتا ہے - سفر نامہ کا مصنف اُن حالات کي تفصیل کرتا ہوا جو سلطان غوري کے تخت نشین ہونے کے بعد پیش آئے تھے ' لکھتا ہے :

" یہ وہ وقت تھا کہ اسپین نے تمام موروں (مسلمانوں) اور یہودیوں کو ملک سے نکال دیا تھا ' اور سیکڑوں برس کے بعد پھر یہ سر زمین صرف مسیحیوں ہي کیلیے مخصوص ہوگئي تھي - یہ حالت دیکھکر مراکش ' ٹیونس ' اور الجزائر کے مسلمان امیروں نے سلطان مصر کي خدمت میں وفود بھیجے ' تاکہ اسپین کے مقابلہ میں اُنکي مدد کي جاے ' اور اُنھیں اس قابل کر دیا جاے کہ یہ ملک دوبارہ مسلمانوں کیلیے حاصل کر لیں - جب یہ وفود قاہرہ پہنچے تو سلطان غوري نے اُن کا بہت اچھي طرح استقبال کیا اور اس معاملہ میں پوري دلچسپي ظاہر کي - پہلے اُس نے ارادہ کیا کہ اسپین سے انتقام لینے کیلیے اور تمام شاہان یورپ پر اثر ڈالنے کیلیے بیت المقدس کا کنیسہ بند کر دے ' اور یورپ کے تاجروں کو اپني مملکت سے نکال دے - لیکن پھر جب اس کارروائي کے نتائج پر نظر ڈالي ' تو اُس پر ظاہر ہوگیا کہ ایسا کرنا دانشمندي کے خلاف ہوگا - اسي اثنا میں ایسا ہوا کہ حکومت اسپین بھي امراء مراکش کي کوششوں پر مطلع ہوگئي - شاہ فرڈي نند اور ملکہ ازابیلا کو خبر ملگئي کہ اُمراء مراکش مصر کو اپني اعانت پر اُبھارنا چاہتے ہیں - انھوں نے بھي فوراً ایک سفیر مصر بھیج دیا تاکہ سلطان سے ملکر اسے مسلمانان اندلس کي اعانت سے باز رکھے - اس سفیر کا نام کونٹ پیٹر ڈینکر تھا - یہ اسکندریہ پہنچا ' اور فلپ دي پیریٹز کے یہاں اُترا جو اُس وقت مصر میں فرانس اور اسپین کا مشترک قنصل تھا - قنصل نے سفیر کي آمد کي باقاعدہ اطلاع سلطان کو بھیج دي ' اور درخواست کي کہ اسکے لیے قاہرہ جانے کا پروانۂ راہداري مرحمت ہو "

" سلطان کو جب اس معاملہ کي اطلاع ملي ' تو اُس نے امراؤ علماء سے مشورہ کیا - علماء چونکہ مراکشي وفد کے ذریعہ مسلمانان اسپین کے مصائب کے واقعات معلوم کر چکے تھے ' اسلیے قدرتي طور پر اسپین کے خلاف اُنکے جذبات مشتعل ہو رہے تھے - انھوں نے بالاتفاق یہ راے دي کہ سلطان کا اس سفارت سے ملاقات کرنا بہتر نہیں - اسے واپس کر دیا جاے - سلطان نے بھي اس مشورہ سے اتفاق کیا ' اور سفیر کیلیے پروانۂ راہداري نہیں بھیجا -

لیکن ساتھہ ھی صاف لفظوں میں انکار بھی نہیں کیا - جب کبھی قنصل کی جانب سے عرضداشت پہنچی ' کسی نہ کسی طرح ٹالدیا گیا "

" لیکن کچھہ عرصہ کے بعد سلطان نے محسوس کیا کہ علماء و امراء کا مشورہ مصالح حکومت کے مطابق نہیں ہے - یہ مصلحت کے خلاف ہوگا کہ حالات نے جو موقعہ یورپین حکومتوں سے مطلب براری کا پیدا کردیا ہے ' اُسے ضائع کردیا جائے - چنانچہ اُس نے اسپینی سفیر کے لیے پروانۂ راہداری بھیجوا دیا - وہ اسکندریہ سے چل کر ١٦ - جنوری سنہ ١٥٠٢ع - کو قاہرہ پہنچا - قاہرہ میں سرکاری ترجمان اُس کے استقبال کے لیے موجود تھا - حسب معمول شاہی مہمانسرائے میں اُتارا گیا - اور ایک ہفتہ کے بعد دربار شاہی میں پیش ہوا "

" اس موقعہ پر اس عظیم الشان مشرقی فرمانروا نے جو طرز عمل اختیار کیا ' وہ اُس کی سیاسی مہارت اور شاہانہ حکمت عملی کا بہترین نمونہ ہے - وہ علماء و اعیان سلطنت کو اپنا مخالف بنا لینا پسند نہیں کرتا تھا ' جو قدرتی طور پر مسلمانان اسپین سے ہمدردی رکھتے تھے اور اُن کی حمایت و اعانت کے دل سے خواہشمند تھے - دوسری طرف اس کے لیے بھی طیار نہ تھا کہ ایک دور دراز ملک کے مسلمانوں کے لیے خواہ مخواہ جنگ و خونریزی کے خطرات میں مبتلا ہو ' اور اپنے مصالح و فوائد کو نقصان پہنچائے - پس اُس نے ایسا طریقہ اختیار کیا ' جس سے ایک طرف علماء و امراء سلطنت کو بھی شکایت کا موقعہ نہیں ملا - دوسری طرف یورپ سے بھی اچھے تعلقات قائم ہوگئے - اُس نے اسپینی سفیر کو پہلی مرتبہ بر سر دربار بلوایا - اس موقعہ پر تمام امراء و علماء سلطنت موجود تھے - جب اُس نے اپنے پادشاہ کا سلام عرض کیا ' تو سلطان نے نہایت غضب ناک لہجہ میں اُس کا سلام قبول کرنے سے انکار کردیا ' اور کہا ' میں ایسے پادشاہ کا سلام نہیں سن سکتا جس نے مسلمانوں کے ساتھہ ظالمانہ سلوک کیا ہے اور جس کی حکومت میں اس وقت تک مسلمانوں کا خون بہایا جا رہا ہے - لیکن پھر دو دن بعد پوشیدہ محل میں بلا کر دوبارہ ملاقات کی ' اور اس ملاقات میں نہ صرف پادشاہ اسپین کا سلام پوری بشاشت و مرحمت کے ساتھہ قبول کرلیا ' بلکہ اُس کے جواب میں اپنی جانب سے بھی دوستانہ تعلقات کا پوری طرح یقین دلایا - اس کے بعد سفیر اور سلطان میں اور بھی کئی پوشیدہ ملاقاتیں ہوئیں - بالاخر اس سفارت کا جو مقصد تھا وہ حاصل ہوگیا - یعنے سلطان نے اسپین سے دوستانہ معاہدہ کرلیا ' اور کچھہ عرصہ کے بعد تمام یورپ سے بھی از سر نو معاہدات کی تجدید ہوگئی - مراکش کا وفد کئی سال تک قاہرہ میں پڑا رہا - آخر مایوس ہوکر واپس چلا گیا "

اس بیان پر کسی اظہار رائے اور بحث کی ضرورت نہیں ہے - جو معاہدہ اسپین اور سلطان غوری میں اس سفارت کے ذریعہ ہوا تھا ' اور سفارت نے جو تحریر سرکاری طور پر سلطان کے سامنے پیش کی تھی ' اس کا اصلی نسخہ اس وقت تک اسپین کے شاہی کتب خانہ واقع اسکوریال میں موجود ہے -

مذاکرۂ علمیہ

قدماء کی مفقود صنعتیں

یہ مسلم ہے کہ قدیم قومیں بہت سی ایسی صنعتوں سے واقف تھیں جو اب مفقود ہو چکی ھیں - حال میں امریکہ کے ایک محقق علوم قدیمہ نے ایک مقالہ میں اُن پر نہایت دلچسپ بحث کی ہے - وہ لکھتا ہے :

بعض قدیم مصری قبروں میں قرمزی رنگ کا نہایت شفاف شیشہ پایا گیا ہے - علماء عصر حیران تھے کہ یہ کیونکر بنایا جاتا تھا ؟ بیان کیا جاتا ہے کہ پندرھویں صدی میں چینیوں کو اِس صنعت کا طریقہ معلوم تھا - خوش قسمتی سے اب سر ہربرٹ جیکسن نے اِسے معلوم کرلیا ہے ' اور لندن کی رائل سوسائٹی کے سامنے پیش کرکے اُس کی تصدیق بھی حاصل کرلی ہے -

یونانی اب سے دو ہزار برس پہلے بھیڑکی اون سے ایک خاص قسم کا تیل بنائے تھے - یونان کی بربادی کے بعد یہ صنعت مفقود ہوگئی - یہاں تک کہ انیسویں صدی کے علماء اس کا کچھہ پتہ نہ لگا سکے - یہ روغن " لانولین " کے نام سے مشہور ہے -

روم کے معمار ایک ایسا روغن جانتے تھے' جو دیوار پر لگاتے ھی فوراً خشک ہوجاتا تھا - صدیوں تک مفقود رہنے کے بعد یہ راز سنہ ١٩٠٨ع میں ایک انگریز رنگساز نے از سر نو معلوم کرلیا -

روم کے صناع ایک ایسا شیشہ بھی بناتے تھے جو لچکدار ہوتا تھا - سنہ ١٩١٢ ع میں فلورنس کے ایک باشندے نے اِس شیشے کا ذکر کیا ہے - وہ لکھتا ہے " شہنشاہ ٹیبرس کے عہد میں روم والوں نے ایک لچکدار شیشہ ایجاد کیا تھا - مگر اب یہ راز گم ہوچکا ہے - اگر یہ ھمیں معلوم ہوجائے ' تو شیشہ کی قیمت ' چاندی سونے سے بھی زیادہ ہو جائیگی "

لیکن عین اُسی زمانے میں جبکہ فلورنس کا باشندہ یہ سطور لکھہ رہا تھا ' ایران میں یہ صنعت موجود تھی - چنانچہ سنہ ١٦١٠ ع میں شاہ ایران نے فلیپ سوم شاہ اسپین کو لچکدار شیشے کے چھہ جام بھیجے تھے - یہ جام کسی طرح بھی ٹوٹ نہیں سکتے تھے !

یہ راز صنعت بالاخر گم ہوگیا - یہانتک کہ کئی صدی کے بعد اب پچھلے سال ایک اسٹرین عالم نے اسے دوبارہ معلوم کر لیا ہے - اِس شیشے کا خاصہ یہ ہے کہ شیشے کی طرح شفاف ہوتا ہے ' مگر لچک اِتنی زیادہ ہوتی ہے کہ ایک پورا قاب انگلی پر رکھہ کر تہہ کرلے سکتے ھیں ! قاب تہہ کر لینے کے بعد گیند کی طرح گول ہو جاتا ہے - یہ گیند اگر زمین پر زور سے مارا جاے تو ٹوٹتا نہیں ' بلکہ اس طرح اچھلتا ہے ' جیسے ربر کا گیند اچھلتا ہے -

خیال کیا جاتا ہے کہ موجودہ دنیا اس صنعت سے بہت فائدہ اٹھائیگی - اس سے موٹریں بنائی جائینگی ' اور اُنکے ٹوٹ جانے کا خطرہ دور ہو جائے گا -

اسی طرح قدیم زمانے میں تانبے کے اُسترے بنائے جاتے تھے جو لوہے کے اُستروں سے زیادہ اچھا کام دیتے تھے - مدتوں کے بعد اب معلوم ہوا ہے کہ امریکا کے ایک قیدی نے یہ صنعت زندہ کر لی ہے - اُسے قید سے رہا کر دیا گیا ہے تاکہ اسے مکمل کر لے -



بريد فرنگ



روسی انقلاب کی جوبلی

(دسویں سالگرہ کا جشن)

قارئین الهلال کو اخبارات کے ذریعہ معلوم ہو چکا ہے کہ گذشتہ اکتوبر میں روس کی سوویٹ حکومت نے آخری انقلاب روس کی دسویں سالگرہ منائی تھی، اور اس تقریب کو "کمیونیزم کی دہ سالہ جوبلی" سے تعبیر کیا تھا - اس تقریب میں شرکت کیلیے بعض هندوستانی رهنماؤں کو بھی دعوت دی گئی تھی ، لیکن اُن میں سے کوئی شخص بھی نہ جا سکا - وقت کی کمی، حالات کی ناموافقت، اور زیادہ تر هندوستانی حکومت کے پروانۂ راهداری دینے کے اشتباہ سے کسی شخص نے قصد هی نہیں کیا -

اب یورپ کی پچھلی ڈاک کے اخبارات میں اس تقریب کی نہایت دلچسپ اور موثر تفصیلات آ گئی هیں - معلوم ہوتا ہے کہ موسکو کا یہ اجتماع دنیا کے عظیم الشان اجتماعات میں سے تھا - نہ صرف تمام روسی صوبوں سے ، بلکہ دنیا کے دور دراز حصوں سے بھی نمایندوں کی بے شمار تعداد شریک ہوئی تھی - وسط ایشیا کی تمام حکومتوں اور قوموں کے وکلاء موجود تھے - قفقاز اور ارمینیا نے علانیہ اسمیں حصہ لیا تھا - ایران سے بھی ایک وفد گیا تھا - چین اور جاپان کے بھی نمایندے موجود تھے -

تقریب کے رسوم و اعمال نہایت طول طویل تھے جو کئی دن تک متصل جاری رہے - سب سے زیادہ اهم اور عظیم اجتماع بین الاقوامی جلوس کا تھا جس سے جوبلی کی تقریب کا افتتاح ہوا - اس جلوس کی عظمت کا اندازہ صرف اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اسکے شرکاء کی تعداد دس لاکھ آدمیوں سے بھی زیادہ تھی ، اور بیس گھنٹہ سے زیادہ وقت اسکے گذرنے میں لگ گیا تھا - جو لوگ جلوس نکلتے وقت شریک ہوے تھے ، انہوں نے پورا ایک دن اور ایک رات سڑکوں پر بسر کر دی - جلوس کا ایک سرا شہر کے ایک کنارہ سے شروع ہوا تھا ، اور دوسرا سرا کئی چکر کھا کر دوسرے سرے پر ختم ہوا تھا !



اس موقعہ پر یہ بات یاد رہے کہ موسکو کی آبادی عرض کی جگہ زیادہ تر طول هی میں واقع ہوئی ہے - وہ دنیا کے اُن شہروں میں سے ایک ہے جو سب سے زیادہ لنبے واقع ہوئے هیں -

جلوس کے بعد سوویٹ کی بین الاقوامی مرکزی

مجلس کا اجلاس شروع هوا - ممکن نه تها که کوئي عمارت اتنے بڑے اجتماع کي گنجایش رکهتي - اس لیے ایک کهلے میدان میں منعقد هوا - اجتماع کئي ٹکڑوں میں تقسیم کردیا گیا تها ' اور هر ٹکڑے کے وسط میں لینین کا ایک مجسمه رکها گیا تها - لینین کا ایک بهت بڑا مجسمه میدان کے دروازہ پر بهي نصب کیا گیا تها ' جو روس کے ایک بهت بڑے صناع نے سنه ۱۹۲۴ میں بنایا تها - یه ایک بهت بڑے قطر کا کرۂ ارضي هے ' اور اس کے قطبي حصه پر لینین کهڑا هے - مجسمه کي یه صورت اس رمز کي طرف اشارہ کرتي هے که کمیونزم کي دعوت تمام کرۂ ارضي کي سرمایه پرستي پر غالب آگئي هے !

هم نے صفحات الهلال کے لیے دو مرقعوں کا انتخاب کیا هے - پہلا مرقع اُس موقعه کا هے جب سوویت کے اعلی حکام جلوس میں شریک هونے کي طیاري کر رهے هیں - بائیں جانب سیاہ استر خاني ٹوپي اوڑهے هوئے صدر سوویت کهڑا هے جسے آج کل تمام یورپ "کمیونزم کے زار" سے تعبیر کرتا هے - اس کے ساتهه جدید کمیونسٹ فوج کي وردي پہنے هوئے ' سوویت ارکان حکومت هیں -

دوسرا مرقع جلوس کا ایک خاص حصه هے - اِس میں زیادہ تر یورپ اور انگلستان کے نمایندے هیں - اگر آپ بائیں جانب غور سے دیکهیں تو مسٹر سکلت والا کا چهرہ صاف دکهائي دے رها هے -

---

ترکی کی نسوانی تحریکات

الهلال نمر (۲۳) میں عنوان مندرجۂ صدر سے هم ایک فرانسیسي اهل قلم کے مقالات کا خلاصه درج کر چکے هیں - اب اس سلسلۂ مقالات کي تیسري قسط بهي شائع هوگئي هے - اِس میں زیادہ تر ٹرکي کي موجودہ نسواني تحریکات اور اُنکے مقاصد پر نظر ڈالي هے -

بلاد اسلامیه کے جدید معاشرتي تغیرات کے متعلق وقتاً فوقتاً جو مضامین مشرق و مغرب کے اخبارات میں شائع "هوتے" رهتے هیں ' اکثر حالتوں میں صورت حال کي معتدل اور حقیقي نوعیت پیش کرنے سے قاصر رهتے هیں - عموماً ایسا هوتا هے که مضمون نگار کوئي خاص





جدید ترکي خواتین
سنه ۱۹۱۲ - سے ۱۹۲۵ - تک !

نقطۂ خیال رکهتا هے ' اور اسي کے مطابق صورت حال کا نقشه کهینچنا چاهتا هے - مثلاً جب کبهي موجودہ عهد کا کوئي یوروپین سیاح ٹرکي اور مصر کي سیر کریگا ' اور وهاں کي جدید معاشرتي تحریکات پر نظر ڈالیگا ' تو چونکه پیشتر سے اس بارے میں ایک خاص نقطۂ خیال قائم کر چکا هے ' اسلیے تغیر و اصلاح کي هر حرکت کو اُسي روشني میں دیکهیگا ' اور مجموعي حیثیت سے ایک ایسي تصویر طیار کر دیگا ' گویا ٹرکي اور مصر کي جدید جماعتوں نے به یک دفعه ارادہ کرلیا هے که مشرقیت اور اسلامیت کے تمام عقائد و افکار سے دست بردار هو جائیں !

دوسري طرف بعض مسلمان اهل قلم هیں ' جو هندوستان کے قدامت پسند مسلمانوں کے افکار و جذبات کي رعایت کرني چاهتے هیں - اسلیے پسند نہیں کرتے که نئي تحریکات کي حد سے بڑهي هوئي آزادانه صورت اُنکے سامنے عریاں هو - وہ همیشه ان تحریکات کے متعلق ایسي مبهم اور گول مول باتیں کهه جاتے هیں ' جن سے صورت حال مشتبه هو جاتي هے ' اور لوگ خیال کرنے لگتے هیں که ٹرکي اور مصر کي جدید تحریکات کي نسبت جو کچهه کها جاتا هے ' صداقت سے یک قلم خالي هے -

جدید ٹرکي نسبت کئي سال سے ایسا هي هو رها هے - ایک طرف وہ بیانات هیں جو دنیا کو یقین دلانا چاهتے هیں که جدید ٹرکي اپنے آپکو مسلمان کهنے کے لیے بهي طیار نہیں - دوسري طرف وہ خوش عقیدہ مسلمان هیں جو اردو اخباروں کے مضامین پڑهکر خیال کرنے لگتے هیں نه ٹرکي کے نئي معاشرتي انقلاب کي نسبت جو کچهه کها جاتا هے ' محض یوروپین نامه نگاروں کا سیاسي پروپگنڈا هے - حقیقت سے اسے کوئي لگاؤ نہیں -

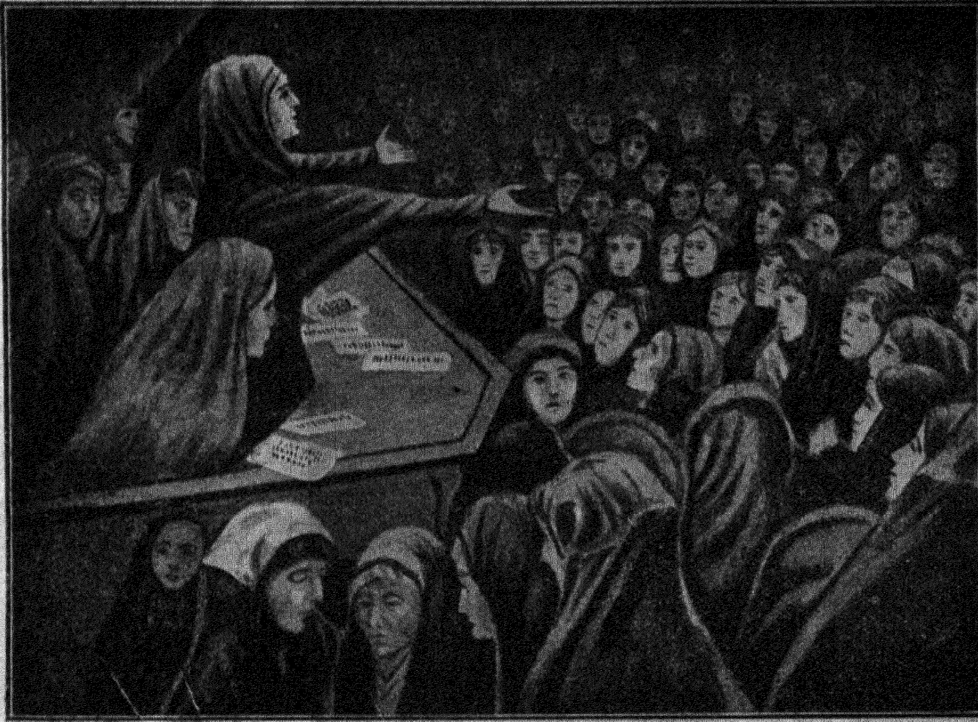
اس فرانسیسي مقاله نگار کي یه خصوصیت قابل ذکر هے که اِس نے اپنے تاثرات کو کافي حد تک اس طرح کي بے اعتدالیوں سے محفوظ رکها هے ' اور کوشش کي هے که بلاد اسلامیه کي موجودہ انقلابي ذهنیت کا صحت نظر و تشخیص کے ساتهه مطالعه کیا جاے -

هم اس مقاله کا مختصر خلاصه یہاں درج کرتے هیں ' تا که مسلمانان هند جدید ترکی کے فکري تغیرات صحت کے ساتهه معلوم کرسکیں -

مقاله نگار لکهتا هے :

"گذشته دس سال کے اندر ٹرکي کي معاشرتي زندگي میں جو انقلاب رو نما هوا هے ' اُس کا اندازہ کرنے کے لیے همیں نوجوان ترک عورت کي نئي تاریخ حیات پر نظر ڈالني چاهئے -

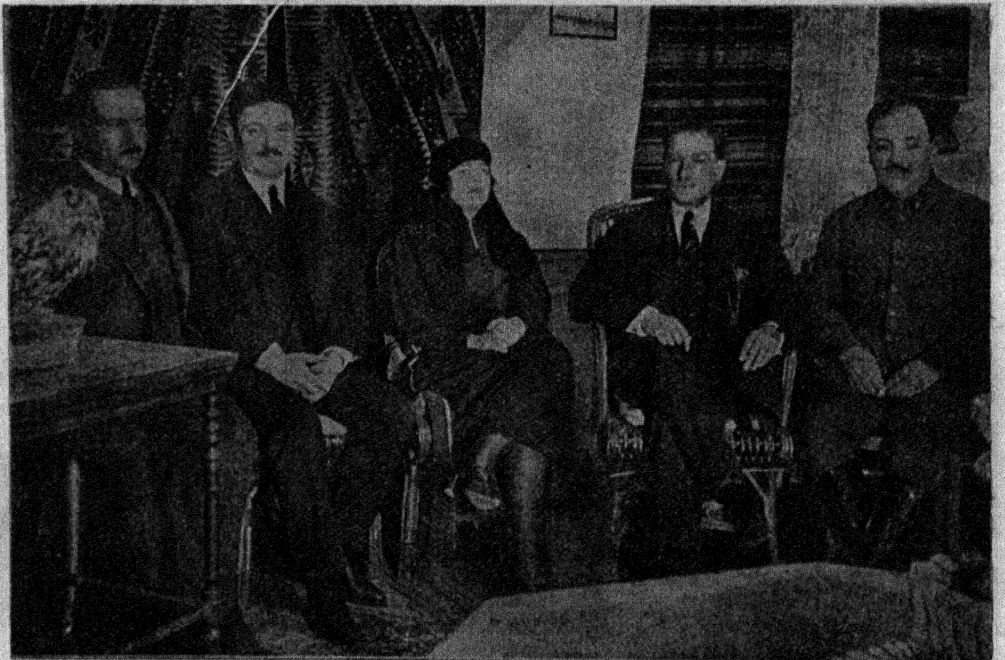
سنه ۱۹۰۸ع میں ترک خواتین کي ایک انجمن کا اجلاس



سنه ۱۹۰۸ع میں جب دستوري انقلاب هوا ' تو تمام قسطنطنیه میں ایک مسلمان عورت بهي ایسي نهیں تهي جسے قسطنطنیه کي سڑکوں پر بغیر یشمک (هلکے نقاب) کے نکلنے کي جرأت هو - لیکن پانچ سال کے اندر هي اندر یه حالت هوگئي که في صدي پچهتر نوجوان لڑکیاں ایسي تهیں جنهوں نے یشمک کي جگه ایک ایسا بالائي لباس اختیار کرلیا تها جو اُن کے چهره کے کناروں کو ڈهانپ لیتا تها ' اور درمیاني حصه بالکل کهلا رهتا تها - چند سالوں تک یه وضع نهایت مقبول رهي - بڑے بڑے پاشاؤں کے گهرانے میں بهي اسي وضع کا لباس ڈرائینگ روم کي ملاقاتوں کے لیے پهنا جاتا تها - لیکن سنه ۱۹۱۴ع میں جب عالمگیر جنگ شروع هوئي ' تو بهت سي نوجوان ترک عورتیں اس پوشش سے اُکتا چکي تهیں - ایک بڑي تعداد ایسي لڑکیوں کي موجود تهي جس نے اسے ترک کردیا تها - وه اپنے سروں کو ایک خاص طریقه سے اچهي طرح ڈهانپ لیتیں ' لیکن چهره ٹهڈي کے پاس پوشیده نهیں کیا جاتا - وه پوري طرح کهلا رهتا تها "

" جهاں تک عام لباس کا تعلق هے ' ترکي کي شهري عورتیں ' خصوصاً دارالحکومت کي عورتیں ایک عرصه سے یورپین لباس کے غالب اجزاء اختیار کرچکي تهیں - لیکن سنه ۱۹۰۸ع تک ایسي عورتیں زیاده نه تهیں ' جنهوں نے کامل طور پر یورپین لباس اختیار کر لیا هو - عموماً اس طرح کا لباس پهنا جاتا تها ' جو یورپین لباس هونے پر بهي بعض مشرقي قسم کي خصوصیات رکهتا تها - سنه ۱۹۰۸ع کے انقلاب کے بعد یه خصوصیات رخصت هونے لگیں - یهاں تک که سنه ۱۹۱۴ع میں دار الحکومت کے تمام گهرانوں میں نئي نسل کي لڑکیوں نے کامل فرانسیسي لباس اختیار کرلیا - ترکي زبان میں بهي لباس اور فیشن کے ترکي رسائل اُسي طرح نکلنے لگے ' جس طرح فرانس اور انگلستان میں نکلتے هیں - دارالحکومت سے باهر بهي تمام بڑے بڑے شهروں میں کامل قسم کا یورپین لباس رائج هوگیا - گذشته سال مجهے ایک دوست نے جو عرصه سے سمرنا میں مقیم هے ' بتلایا تها که سمرنا کے ترک گهرانوں میں پیرس کے تازه ترین زنانه فیشن سے ویسي هي دلچسپي لي جاتي تهي ' جیسي دلچسپي یورپ کے کسي شهر میں لي جاسکتي هے - فرق صرف اتنا تها که پیرس کا جو فیشن ایک هفته کے اندر لنڈن اور برلن کے درزیوں کے یهاں پهنچ جاتا تها ' اُسے سمرنا تک پهنچتے پهنچتے کئي هفتے لگ جاتے تهے ! "

" تاهم یه ساري تبدیلیاں گهر کي چار دیواري کے اندر هي هوتي رهیں - یه ممکن نه تها که کوئي ترک عورت گهر سے باهر بهي اُسي لباس میں نکل سکے ' جس لباس کے اندر وه گهر میں اپنے دوستوں کا استقبال کرتي تهي - باهر نکلنے کیلیے ایک خاص وضع کا بهت عریض فرغل استعمال کیا جاتا تها ' جسے کمر کے پاس پیٹي سے کس لیا جاتا تها ' اور وه همارے ملک کے پادریوں کے گاؤن کي سي هیئت پیدا کرلیتا تها - فرغل پهن لینے کے بعد نه صرف جسم هي کامل طور پر چهپ جاتا تها ' بلکه لباس کي تمام آرائش بهي پوشیده هو جاتي تهي - امیر هو یا غریب ' جوان هو یا بڑهي ' تعلیم یافته هو یا غیر تعلیم یافته ' لیکن گهر سے باهر هر ترک عورت ایک هي طرح کے لباس میں نظر آئیگي - سنه ۱۹۱۲ - میں جب نوجوان



غازي مصطفے کمال پاشا اور اُنکي سابق بیوي لطیفه هانم

لڑکیوں نے یشمک کا استعمال ترک کر دیا ' اور غریب خاندانوں کي تعلیم یافتہ لڑکیاں تار اور ٹیلي فون کے مرکزوں میں کام کرنے لگیں' تو اُس وقت بھي اُنھیں اس بات کي جرأت نہیں هوئي تھي ' کہ یورپین عورتوں کي طرح اپنے آرائشي لباس میں باهر نکلیں - دولت مند گھرانوں کي بے شمار عورتیں هیں' جو پیرس کے مشہور درزیوں کے یہاں اپنے کپڑے سلواتي هیں ' اور اپني بالوں کي آرایش اور لباس کي دیکھه بھال کیلیے بیش قرار تنخواهوں پر فرانسیسي خادمائیں رکھتي هیں ' تاهم وہ بھي جب گھر سے باهر نکلتي هیں ' تو اپنا حسین اور فیشنیبل فرانسیسي لباس سیاہ و عریض فرغل کے اندر چھپا لیتي هیں - یہ فرغل اُس وقت تک اُنکے جسم سے الگ نہیں هوتا ' جب تک کہ وہ گھر کي چاردیواري کے اندر واپس نہ آ جائیں "

اسکے بعد مقالہ نگار نے اُن تغیرات کا ذکر کیا ھے جو جنگ کے بعد جدید قومي تحریک کے ساتھہ ساتھہ ظہور پذیر هوئے ' اور جو اب نہایت تیزي کے ساتھہ عام هو رہے هیں :

" اِن تغیرات میں سب سے زیادہ اهم چیز ترک عورتوں کي معاشرتي ذهنیت ھے - یہ واقعہ ھے کہ گذشتہ چند سالوں کے اندر اُنھوں نے تغیر و انقلاب کي بہت بڑي مسافت طے کرلي ھے - سنہ ۱۹۱۴ع کي نوجوان ترک خاتون اگرچہ اپني آزاد خیالي اور ذهني استعداد کے لحاظ سے قدیم مشرقي عورتوں سے بالکل مختلف قسم کي ذهنیت رکھتي تھي ' تاهم اُس میں موجودہ عہد کي وہ بے خوف روح نہیں پائي جاتي تھي جو قدامت کے دائرۂ اثر سے پوري



جنگ سے پہلے ایک زمانہ اسکول کي ترک لڑکیاں



خالدہ ادیب خانم

عہد حاضر کي مشہور اهل قلم جو آجکل امریکہ میں مقیم ھے

طرح آزاد هو چکي ھے
اُس میں ایک ایس
محسوس تذبذب اور اضطراب
باقي تھا ' جس کے اند
روح قدامت کي ایک
دھندلي سي تصویر نظ
آجاتي تھي - لیکن سن
۱۹۲۷ع کي ترقي یافت
ترک عورت کامل معنو
میں آزاد خیال ھے
اُس کا تذبذب مٹ چک
ھے - اُس میں اضطراب کي
کي جگہ عزم اور فیصلہ پید
هوگیا ھے - وہ وقت کي رو
سے لبریز ھے ' اور صرف
مستقبل هي کي طرف نگا
رکھتي ھے - بلا شبہ ی
صورت حال اس وقت تک
صرف اونچے طبقہ هي
میں محدود ھے - متوس
طبقہ کي عورتیں عمو
پچھلي حالت هي میں
باقي هیں - لیکن اگر ترکي
کي موجودہ حکمران جماعت
کو فوري زوال پیش نہ آگیا
تو یہ بات یقیني ھے کہ بہت
جلد یہ روح تمام ترکي میں پھیل
جائیگي "

" اب نو جوان عورتیں
پرانا فرغل بھي ترک کرتي جاتي
هیں ' جو باهر نکلنے کیلیے اُنکي
لازمي پوشش تھي - اسکي جگ
ایک ایسا لباس وضع کرلیا گی
ھے جو گھر اور گھر سے باهر' دونو
حالتوں میں کام دیسکتا ھے
گزشتہ سال انگورہ میں یہ دیکھ
مجھے نہایت حیرت هوئي تھي ک
ارکان حکومت کي بیویاں بغیر فرغل
پہنے هوئے باهر نکلتي تھیں ا
مجلس (پارلیمنٹ) کي گیلریو
میں بیٹھي نظر آتي تھیں - بعد
کو مجھے بتلایا گیا کہ یہ طریقہ اب
روز بروز مقبول هوتا جاتا ھے ' او
اعلیٰ طبقہ کي کوئي ترک عورت
ایسي نہیں ھے جو قدیم فرغل
استعمال کرتي هو "

تاریخ وعبر

غدر ۱۸۵۷ء

تصویر کا دوسرا رُخ

(۲)

تین واقعات میں سے تیسرا واقعہ

جلیانوالہ باغ کا قتل عام

(۳) تیسرا واقعہ جلیانوالہ باغ کا قتل عام ہو۔ جو غدر سے ڈرے ہوئے دماغوں کے طفیل عالم وجود میں آیا تھا۔ یہ حادثہ جانکاہ اپریل ۱۹۱۹ء میں واقع ہوا۔ ہندوستانی اسے اسوقت تک فراموش نہیں کرسکے ہیں۔ اسمیں کچھ شک نہیں کہ جرنیل ڈائر کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا تھا۔ کیونکہ امرتسر میں (جو اکالی سکھوں کا صدر مقام ہو) فساد قابو سے باہر ہوچکا تھا۔ لوگوں نے کئی انگریز قتل کردئیے تھے۔ اور عیسائی لڑکیوں کی قیامگاہ جلانے کی بھی کوشش کی تھی جلیانوالہ باغ میں جو ہجوم اکٹھا ہو رہا تھا، وہ امن پسند نہیں کہا جاسکتا۔ اگرچہ ان کے پاس کوئی اسلحہ نہیں تھا۔ جب ڈائر موقع پر پہنچا، تو ایک شخص تقریر کررہا تھا۔ ڈائر نے آتے ہی سپاہیوں کو فائر کرنے کا حکم دے دیا، اور دس منٹ کے اندر سیکڑوں آدمی موت کے گھاٹ اُتار دئیے گئے۔ قریبًا ایک ہزار آدمی زخمی بھی ہوئے تھے (لیکن ہندوستانی مقتولین اور مجروحین کی تعداد اس سے زیادہ بتاتے ہیں) جب سپاہیوں کے کارتوس ختم ہوگئے تو یہ قتل عام خود بخود بند ہوگیا۔ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہو کہ ڈائر نے مارشل لا کی تحقیقاتی کمیشن کے روبرو جو شہادت دی تھی، اس سے اُسنے اپنے آپ کو سخت نقصان پہونچایا۔ کیونکہ وہ خود مانتا ہو کہ عبرتناک سزا دیکر لوگوں کے دلوں میں خوف اور دہشت پیدا کرنی چاہتا چاہتا تھا!

چونکہ مارشل لا کی وجہ سے لوگوں کو شام کے بعد گھر سے نکلنے کی اجازت نہ تھی۔ اس لئے اس شام کو کوئی شخص جلیانوالہ باغ کے مردوں اور زخمیوں کے پاس جانے کی جرأت نہ کرسکا، اور نہ ہی فوجی حکام نے ان کی طرف توجہ کی۔ میں اسوقت تمام خوفناک واقعات از سر نو بیان کرنا نہیں چاہتا۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بجائے اسکے کہ انگریز ڈائر کے فعل کے خلاف اظہار نفرین کرتے، انھوں نے ہر ممکن طریقے سے اس کی تائید کی۔ اسطرح تقریبًا انگریزوں نے ہندوستانیوں سے وہی سلوک کیا جو غدر کے ایام میں کیا تھا۔ انھوں نے علانیہ طور پر یہ بات ثابت کردی کہ وہ محض تلوار کے زور سے ہندوستان کو غلام رکھنا چاہتے ہیں۔ جب گورنمنٹ کو اس واقعہ کی خبر ملی تو وہ سخت گھبراگئی لیکن اسے بھی مصلحۃً ڈائر کی حرکات کی تائید ہی کرنی پڑی۔ اس وحشتناک واقعہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ہندوستان میں اتحاد کی ایک برقی لہر دوڑ گئی۔ لوگوں نے باہمی نفاق بالائے طاق رکھکر ایک متحدہ تحریک گورنمنٹ کے خلاف جاری کردی۔ اور تھوڑے ہی عرصے میں اسنے ایسی عظیم طاقت حاصل کرلی کہ تمام انگریز گھبرا گئے۔ انھوں نے گورنمنٹ آف انڈیا کو بڑے زور سے مشورہ دیا کہ یہ تحریک بالکل کچل ڈالی جائے۔ انہی دنوں میں انگریزوں نے (جو ہندوستان میں مقیم تھے) جرنیل ڈائر کے واسطے ۲۰ ہزار پونڈ جمع کرکے بھیجدیا۔ کیونکہ اسے گورنمنٹ نے ملازمت سے برطرف کردیا تھا۔

مجھے یقین ہو ان میں سے بعض آدمی ایسے بھی ہونگے۔ جو ضرور خیال کرتے ہونگے کہ ان کی قوم نے ڈائر کی تائید کرکے اپنی حماقت کا ثبوت دیا ہو جب تک ہم ہندوستانی معاملات کو ٹھنڈے دل سے نہ سوچیں گے۔ ہم ذرا ایک معمولی بات پر بھی مشتعل ہوجایا کرینگے۔ جس طرح کہ ہماری قوم کے ایک نمائندے (ڈائر) نے امرتسر میں مشتعل ہوکر قتل عام کردیا!

غدر کی انگریزی تاریخیں

میں حیران ہوں، میری قوم نے اسوقت تک تاریخی کتابوں میں غدر کے یکطرفہ افسانوں کا اندراج کیوں جاری رکھا ہو؟ ان میں ہندوستانیوں کے خلاف اس قدر زہر اُگلا ہو کہ کوئی انگریز پڑھکر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ کتابیں محض اس غرض سے لکھی گئی تھیں کہ انگریزوں کے دلوں میں ہندوستانیوں کے خلاف نفرت پیدا کی جائے انگریز مورخوں نے بعض جرنیلوں کی شجاعت و ہمت کی اس قدر تعریف کی ہو کہ دنیا کے بڑے بڑے فاتحوں کی بھی اس قدر تعریفیں نہیں کی گئی ہونگی۔ میں بچپن میں نکلسن کا نہایت مداح تھا۔ میں نے اس کی سوانح حیات جو ٹراٹر نے لکھی ہو کئی دفعہ پڑھی ہو۔ مگر واقعہ یہ ہو کہ اسمیں اصلی نکلسن کا خاکہ نظر نہیں آسکتا۔ اس کی موہوم بہادری کے قصوں نے اس کی حقیقی زندگی چھپادی ہو۔ بہتر تو یہ تھا کہ اس کی حقیقی سیرت دکھائی جاتی۔ اسمیں شک نہیں، نکلسن ایک بہادر سپاہی تھا۔ وہ اپنی قوم کی خاطر بڑی بہادری سے لڑا۔ لیکن اسے دُنیا کے عظیم سپہ سالاروں کے زمرہ میں شامل کرنا انصاف سے بعید ہو، سر جارج فارسٹ نکلسن کے متعلق اپنی کتاب میں لکھتا ہو کہ وہ ایک تند خو آدمی تھا۔ اور عام طور پر بدزبانی کیا کرتا تھا۔ اس کی بہادری مسلمہ تھی۔ لیکن وہ نافرمان بھی تھا۔ اُسنے لارنس کے ساتھ نہایت بُرا سلوک کیا تھا۔ کیمبل بھی ان افسانوں کو جو نکلسن کے متعلق مشہور تھے، بے بُنیاد قرار دیتا ہو۔ اسی طرح تواریخ میں نیل، ہیولاک، اور ہڈسن کے کارہائے نمایاں کے متعلق بے شمار لغو کہانیاں مورخانہ جرأت و سنجیدگی کے ساتھ درج کردی گئی ہیں!

نیل کی کارگذاری کے متعلق ہومز لکھتا ہو:

"بنارس کے باشندوں میں یہ ڈر پیدا ہوگیا تھا کہ نیل شہر پر گولہ باری کرنے والا ہو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے باشندے اپنے اہل و عیال کو ساتھ لے کر شہر سے بھاگ گئے"

فارسٹ بھی ہومز کی تائید کرتے ہوئے لکھتا ہو:

"نیل نے لوگوں پر ایسے مظالم برپا کئے تھے کہ اگر وہ زندہ رہتا، تو اس کی قوم بھی ضرور اسے لعن طعن کرتی۔ لیکن موت نے جلد ہی اس کے عیب ڈھانپ لئے۔ میں نیل کو اس کے مظالم کی وجہ سے ہرگز معاف نہیں کرسکتا۔ اگر وہ ظلم نہ کرتا تو لدھیانہ کی پلٹن کبھی تباہ نہ ہوتی۔ الہ آباد میں بھی اسنے فیروزپور کی پلٹن کو اپنے ظالمانہ سلوک کی وجہ سے مخالف بنالیا تھا۔ حالانکہ مجھے اس پلٹن کی وفاداری پر پُورا اعتماد تھا۔ نیل کی عادت یہ تھی کہ وہ کسی پر بھی اعتبار نہیں کرتا تھا، اور لوگوں سے بڑی بے رحمی سے پیش آتا تھا"

مجھے یقین ہو کہ مورخین کی آیندہ نسل اس شخص کو بے شمار حیا سوز مظالم سے بری الذمہ ثابت کرنے کی جرأت نہ کریگی!

برطانی راست بیانی!

جنگ یورپ میں بھی ہمارے اخباروں نے یہ افواہیں مشہور کررکھی تھیں کہ جرمنی کے سپاہیوں کو انکے افسر مار مار کے میدان میں بھیجتے تھے۔ کیونکہ وہ ایسے ڈرپوک تھے کہ دشمن سے مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں رکھتے تھے۔ لیکن یہ غلط بیانی جنگ کے واقعات نے جھوٹی ثابت کردی۔ جرمنی کی فوجیں ایسی جانفشانی سے لڑیں کہ انکے دشمن بھی عش عش کرگئے۔ اس قسم کی جھوٹی خبروں کے پھیلانے سے مدعا یہ ہوتا ہو کہ دشمنوں کی تضحیک کی جائے، اور انکے خلاف نفرت کا جوش پیدا کردیا جائے، اسی طرح غدر کے دنوں میں بھی انگریزوں نے اس قدر جھوٹے افسانے تاریخوں میں درج کرڈالے۔ کہ ان کے اصلی واقعات پوشیدہ کردئیے!

بعض حقائق کا اعتراف

ہمارے غدر کے مورخ بھی کہیں کہیں کسی ہندوستانی کی تھوڑی سی تعریف کردیتے ہیں۔ مثلاً جھانسی کی رانی کے متعلق تقریبًا سب متفق ہیں کہ وہ ایک عظیم شخصیت تھی۔ سر ہیو روز نے (جسنے رانی موصوف کو شکست دی تھی) ایکدفعہ کہا تھا:

"وہ سب سے زیادہ بہادر اور لائق جرنیل تھی اسنے لڑائی میں ایسے کارنامے دکھلائے کہ انگریز بھی تحسین کئے بغیر نہ رہ سکے"

انگریزوں نے اسے زندہ پکڑنے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہے۔ کیونکہ اسنے لڑائی کے میدان میں اپنی جان دے دی۔ ہندوستانی اسے بجا طور پر ہندوستان کی جون آف آرک کہتے ہیں۔ ایک دن

ہمیں یہ تحقیق کرنی پڑے گی کہ کیا وجہ تھی کہ ہندوستانی عورتیں بھی ہمارے خلاف لڑنے پر آمادہ ہو گئی تھیں؟ جھانسی میں کئی انگریز اور عورتیں قتل کر دی گئی تھیں۔ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ رانی نے یہ خونریزی پسند نہ کی ہوگی۔ جب جھانسی فتح ہو گیا، تو اس کے باپ کو سیکڑوں آدمیوں کے ساتھ پھانسی دی گئی۔

شہزادہ فیروز کے متعلق بھی عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ بڑا بہادر اور جرار آدمی تھا۔ اسنے دہلی میں ہمارے آدمیوں کو بچانے کے لئے بڑی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ جنگ کے میدان میں بڑی ثابت قدمی اور استقلال سے لڑتا رہا۔ حالانکہ اسے معلوم تھا کہ اگر ہمارے ہاتھوں میں پھنس گیا تو اسے فوراً پھانسی دے دی جائے گی۔ خود ہمارے آدمی بھی خفیہ طور پر خوش تھے کہ وہ پکڑا نہیں گیا۔ اس کی شہزادگی اور اس کا سیکڑوں دفعہ موت کے منہ سے بال بال بچ جانا ایک افسانہ بن گیا ہے بعض شعرا نے بھی اپنے اشعار میں اس کی بہادری کے تذکرے کئے ہیں کہا جاتا ہے کہ وہ ۱۸۶۴ء تک ہندوستان کے جنگلوں میں مارا مارا پھرتا رہا۔ بعد ازاں ۱۸۶۶ء میں وہ عرب میں آخری دفعہ دیکھا گیا[له] کوئی وقت ایسا بھی آئے گا کہ ہندوستانی روایات بھی تاریخ کی کتابوں میں درج کی جائیں گی۔ اور صحیح واقعات کی طرح مستند سمجھی جائیں گی۔ یہ داستان بھی کسی قدر دل ہلا دینے والی ہوگی!

ہمارے مورخین لکھتے ہیں کہ یہ غدر ہندوستان کو آزاد کرانے کی خاطر برپا نہیں کیا گیا تھا۔ کیونکہ یہ محض چند فوجوں کی بغاوت تھی اچھا، اگر ایسا ہی تھا تو پھر بے گناہ آبادیوں کو موت کے گھاٹ اتارا اور غیر محارب جماعتوں کو بھی بلا تمیز قتل کر ڈالنا، کسقدر انسانیت سوز حرکات تھیں! اگر اس قسم کے دردناک مظالم کسی دوسرے ملک میں ہوتے تو یقیناً پورا ملک متحد ہو کر برسر پیکار ہو جاتا۔ گو یہ وبا زیادہ تر آگرہ کے صوبہ ہی میں رہی۔ لیکن پھر بھی اس صوبہ کے عام لوگوں نے اسمیں کسی طرح کا حصہ نہیں لیا۔ ہمیں ناچار تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ انہی لوگوں نے بہت سے انگریزوں کی جانیں بچا کر اپنی شرافت کا ثبوت دیا ہے حالانکہ ہندی سپاہی انکے مخالف ہو گئے تھے۔

فارسٹ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۶ پر لکھتا ہے:

"۱۰۔ دن کے اندر اودھ کے صوبہ میں انگریزی راج خواب کی مانند غائب ہو گیا تھا۔ سپاہیوں نے بغاوت کا علم بلند کر دیا تھا۔ اور عوام الناس نے اطاعت کا جوا اتار کر پھینک دیا تھا لیکن کمال کی بات یہ ہے کہ پھر بھی کوئی ظلم برپا نہ ہوا۔ نہ ہی کسی نے انتقام لینے کی کوشش کی۔ انھوں نے انگریزوں کے ساتھ نہایت اعلیٰ درجہ کا سلوک کیا۔ بلکہ لکھنؤ کے نواب بھی ان کے ساتھ کمال شرافت سے پیش آتے رہے۔ حالانکہ ان میں سے بعض نوابوں کو انگریزوں سے بہت زیادہ نقصان پہنچا تھا"

میں یہ بات تسلیم کرتا ہوں۔ کہ ہماری بے رحمی بلا وجہ نہ تھی کیونکہ غدر کے ابتدائی مرحلوں میں ہمیں اشتعال دلایا گیا تھا۔ باغی سپاہ نے قتل کی ابتدا کی تھی۔ سب سے پہلے میرٹھ کی ہندوستانی فوج کے ایک دستہ نے اپنے افسروں کو قتل کر ڈالا کیونکہ وہ اپنے ساتھیوں کی بے عزتی گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ بعد ازاں دہلی میں انہی باغیوں کے ایما سے فرنگیوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ اس کے بعد بغاوت کا اثر دور دور پھیل گیا اور ۲۲ انگریزی چھاؤنیاں اس سے متاثر ہو گئیں۔ اسوقت دونوں طرف سے باقاعدہ خونریزی شروع ہو گئی تھی اور جنگ کا میدان گرم ہو گیا تھا۔ جھانسی اور کانپور میں انگریزوں کو سخت بے رحمی سے قتل کیا گیا لیکن جب انگریزوں کی باری آئی تو انھوں نے تمام علاقے زیر و زبر کر دیئے۔ جھانسی اور کانپور کے حوادث تو بعد میں ظہور پذیر ہوئے تھے۔

اسمیں کچھ شک نہیں، کہ فریقین کے پاس ایسی غلط افواہیں پہنچائی جاتی تھیں جن سے خواہ مخواہ اشتعال پیدا ہو جاتا تھا۔ مثلاً باغیوں کو یقین دلایا گیا تھا، کہ انگریزی گورنمنٹ تمام ہندو مسلمانوں کی تباہی پر آمادہ ہے، اور اُن کا مذہب بگاڑنے کی تدابیر کر رہی ہے۔ اسی طرح ہمیں بھی ہندوستانیوں کی بے رحمی کے فرضی قصے سنائے جاتے تھے جس سے ہمارا جام صبر لبریز ہو جاتا تھا۔ جنگ کے ایام میں عموماً جھوٹی خبریں محض اس غرض سے پھیلائی جاتی ہیں تاکہ دشمنوں کے خلاف سخت نفرت پھیل جائے۔ اُسوقت کسی کو ٹھنڈے دل سے خبروں کی چھان بین کرنے کی فرصت نہیں ہوتی۔ یہی حال امرتسر کے فسادات میں بھی ہوا۔ وہاں ایک میم پر حملہ کئے جانے سے تمام انگریز بھڑک اُٹھے اور انکے غصے کی کچھ انتہا نہ رہی۔

لارڈ کیننگ نے ملکہ معظمہ کو ایک خط میں مفصل ذیل فقرات لکھے تھے جو قابل غور ہیں:

"اگر وہ انگریز جن کے اہل و عیال کو باغیوں کے ہاتھوں کچھ نقصان پہونچا ہو، انکے خلاف نفرت کا اظہار کریں، تو وہ حق بجانب ہیں۔ لیکن حیرانگی کی بات یہ ہے کہ سب سے زیادہ شور واویلا وہ لوگ مچا رہے ہیں جو بڑے آرام سے غدر کے حلقۂ اثر سے دُور اپنے اپنے گھروں میں محفوظ بیٹھے ہیں۔ مثلاً کلکتہ کی انگریزی آبادی فسادات کے علاقے سے بہت دُور تھی۔ بایں ہمہ وہ ہندوستانیوں کے خلاف بڑا زہر اگل رہی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ انکے معاندانہ خیالات امن قائم کرنے میں سد راہ ہونگے۔ انگریزوں کی ایک بڑی تعداد ہندوستانیوں کو حقارت سے دیکھتی ہے اور ان سے قطع تعلق کرنے پر آمادہ ہے۔ لیکن ان لوگوں کو یہ خیال نہیں آتا کہ اگر برطانیہ کو ہندوستان پر حکومت کرنی ہے تو ہندوستانیوں کو دیوانی اور فوجی ملازمتیں دیکر ان پر اعتبار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ ان کے بغیر حکومت کا انتظام ایک دن بھی نہیں چل سکتا۔ میں مبالغہ نہیں کرتا۔ یہ صحیح بات ہے کہ اگر ہم تمام ہندوستانیوں کو سرکاری ملازمت سے برطرف کر دیں تو بہت سے انگریز اسے بنظر تحسین دیکھیں گے۔ کیونکہ وہ صاف طور پر اعلان کرنا چاہتے ہیں کہ انگریزوں اور ہندوستانیوں کے درمیان مستقل نفرت کی دیوار قائم کی جائے۔ بعض انگریز ہندوستانیوں کی وفاداری پر مطلق اعتبار نہیں کرتے حالانکہ انہی فسادات میں بہت سے ہندو اور مسلمانوں نے انگریزوں کو باغیوں کے مظالم سے بچایا ہے"

پنجاب کے فسادات کے دوران میں انگریزوں میں بہت جوش پھیلا ہوا تھا۔ کیونکہ انہیں ہر وقت اپنی جانوں کی فکر لگی رہتی تھی لیکن تعجب کی بات ہے کہ شور مچانے والے زیادہ تر وہی لوگ تھے۔ جو صحت افزا پہاڑی مقامات پر یا بڑے بڑے شہروں میں امن و امان سے مقیم تھے۔ اور ان کی حفاظت کے واسطے مکمل فوجی انتظام موجود تھا۔ علاوہ بریں وہ خود بھی خاصی تعداد میں ایک ہی جگہ رہتے تھے۔ برخلاف اس کے اضلاع کے حکام یا چائے کے کھیتوں کے مالکوں یا پادریوں کی جماعت نے کبھی چیخ پکار نہ کی۔ حالانکہ انھیں ہر وقت اپنی جان کا خطرہ ہوا چاہیے تھا۔ وہ ایسے مقامات پر متعین تھے جہاں کسی قسم کی بروقت امداد کا بہم پہونچنا تقریباً ناممکن تھا حقیقت یہ ہے کہ مقدم الذکر لوگوں کو اپنے اوپر بھروسہ نہ تھا۔ وہ پہاڑوں اور شہروں میں ہندوستانیوں سے بالکل الگ زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کی طرز معاشرت بالکل علحدہ ہے۔ ہندوستانیوں سے انہیں کسی قسم کی یگانگت یا ہمدردی نہیں ہے۔ وہ اپنے حلقۂ احباب میں ایسی زندگی بسر کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جس طرح انکے بھائی بند انگلستان میں کرتے ہیں۔ وہ اس ملک کے واقعات بھی ولایت ہی کے اخبارات میں پڑھنے کے عادی ہیں لیکن اضلاع کے افسروں یا پادریوں کو اپنے آپ پر کلی اعتماد ہوتا ہے وہ اپنی برادری سے علحدہ رہتے ہیں۔ بدیں وجہ انہیں ہندوستانیوں سے معاشرتی تعلقات پیدا کرنے پڑتے ہیں، اور اپنے ساتھ ایسے احباب اکٹھے کر لیتے ہیں۔ جو فسادات کے موقع پر بھی مدد کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔

جب ہم ہندوستان آتے ہیں تو ہم اس کے باشندوں کے متعلق براہ راست تجربہ حاصل کرنے کی مطلق کوشش نہیں کرتے۔ بلکہ جو کچھ ہمارے مصنفوں نے لکھ دیا ہے، وہی ہمارے دماغوں میں گونجتا رہتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم ہر ہندوستانی کو یا تو بھیک مانگنے والا یا جھوٹا آدمی یا دغاباز سمجھنے لگتے ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اس ملک کے باشندوں سے راہ و رسم پیدا کریں تاکہ ان کے اصلی اخلاق و عادات سے واقف ہو سکیں۔

ایک ناقابل فراموش شہادت

پنجاب کے فسادات میں ہندوستانیوں نے سب سے زیادہ یہ بات محسوس کی کہ انگریز عورتوں نے بھی مارشل لا کے مظالم کی بڑی زور سے تائید کی تھی۔ حالانکہ یہ قدرتی امر ہے کہ عورتیں دہشتناک واقعات سے نفرت کرتی ہیں۔ اور ان کے رقیق جذبات قتل و خونریزی کی سختیوں کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ میں ذیل میں ایک ہندوستانی عورت کا بیان جو اوڈوائر بنام سنکرن نائر کے مقدمہ میں دیا گیا تھا، درج کرتا ہوں۔ اس سے جلیانوالہ باغ کے حادثہ کی نوعیت ظاہر ہوگی:

"سوال:۔ تمھیں اپنے خاوند کے قتل کی کب اطلاع ملی؟

جواب: جب جلیانوالہ باغ میں گولی چلی۔ میں نے اپنے کوچہ کے باشندوں سے سنا کہ ہزاروں آدمی مارے گئے ہیں۔ مجھے سخت تشویش ہوئی۔ کیونکہ میرا خاوند بھی اسی جگہ گیا ہوا تھا، میں فی الفور باغ میں چلی گئی۔ اسوقت شام ہو گئی تھی۔ تمام جگہ لاشوں سے اٹی ہوئی تھی۔ میں نے ہر جگہ اپنے خاوند کی لاش تلاش کی۔ بالآخر اُس کی لاش کئی لاشوں کے نیچے سے برآمد ہوئی۔ زخمیوں کے دردناک نالوں اور قریب الموت انسانوں کی چیخوں سے آسمان گونج رہا تھا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ کوئی شخص میرے خاوند کی لاش اُٹھا کر گھر تک پہونچا دے لیکن کسی نے شام کے بعد باہر نکلنے کی جرأت نہ کی۔ کیونکہ حکام نے شام کے بعد باہر نکلنا ممنوع قرار دیدیا تھا۔ ناچار میں نے تمام رات اسی باغ میں اپنے خاوند کی لاش کے پاس جاگتے گذار دی۔ کیونکہ کتے بڑی تعداد میں ادہر اُدہر منڈلا رہے تھے۔ اور مجھے ہر وقت اُنھیں چھڑی سے بھگاتے رہنا پڑتا تھا۔ رات کے ۲ بجے مجھے ایک سکھ زخمی کے کراہنے کی آواز آئی۔ میں نے اُس کی زخمی ٹانگ سیدھی کر دی۔ وہاں ایک بارہ ۱۲ برس کا بچہ بھی زخمی تھا جو تمام رات درد کی وجہ سے چیختا رہا تھا۔ ایک اور زخمی بھی پیاس کے مارے بلبلا رہا تھا۔ چونکہ وہاں پانی کا نام و نشان نہ تھا اسواسطے میں لاچار تھی۔ میں تمام رات زخمیوں کے کراہنے کی آواز سنتی رہی۔ جب صبح ہوئی تو سندر داس چارپائی لے کر آیا پھر میں اپنے خاوند کی لاش گھر لے گئی۔"

امرتسر کے تواترات سے پتہ لگتا ہے۔ کہ غدر کے تاثرات ہندوستانیوں تک بھی نہیں مٹ سکے۔ جب ہمیں کوئی شخص کہتا ہے کہ ہم ہندوستانیوں کے ساتھ غلاموں کی طرح سلوک کر رہے ہیں۔ تو ہم بڑے زور سے اس کی تردید کرتے ہیں۔ لیکن اگر ہمارے باہمی تعلقات کو غور سے دیکھا جائے۔ تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ہم ہندوستانیوں کو غلاموں سے بہتر نہیں سمجھتے۔ جب ہماری آپس میں کسی ہندوستانی کے متعلق بات چیت ہوتی ہے، تو سب سے پہلے دریافت کرتے ہیں "آیا وہ وفادار اور نمک حلال بھی ہے"؟ ہمیں اس بات کی مطلق پرواہ نہیں۔ اگر وہ ایک نہایت لائق مدبر یا مشہور سیاست داں ہو۔

له [illegible] شہزادہ فیروز کا [illegible] کے راز [illegible] قسطنطنیہ [illegible] تھا ۔ سنہ ۱۸۷۰ء میں جب [illegible] اور [illegible] کے [illegible] قسطنطنیہ گئے تو وہاں ان سے ملاقات ہوئی تھی ۔ سلطان نے [illegible] (الہلال)

"کیا ٹیگور وفادار ہے؟"

میرا ایک دوست کسی پادری سے ٹیگور کے متعلق بات چیت کر رہا تھا وہ اسکی ادبی شہرت کا بہت معترف تھا۔ پادری نے بات کاٹ کر پوچھا "آیا وہ وفادار بھی ہے؟" اگر اسوقت سینٹ پال بھی برٹش گورنمنٹ کی رعیت ہوتا تو غالباً یہ پادری اس کے متعلق بھی یہی سوال کرتا۔ البتہ مجھے یقین ہے، وہ اسٹریلیا یا کینیڈا کے کسی باشندے کے متعلق یہ سوال پوچھنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ جب تک انگریزوں کی ہندوستانی سیرت کے متعلق یہ رائے رہے گی، تب تک فریقین میں ہمیشہ غلط فہمی قائم رہے گی اور ان کی باہمی مخالفت روز بروز بڑھتی جائے گی۔

پنجاب کے فسادات میں سب سے زیادہ قبیح فعل امرتسر میں ہوا تھا۔ وہاں ایک کوچہ کے باشندوں کو حکم دیا گیا کہ گھر سے باہر نکلتے وقت یا گھر کی طرف جاتے وقت پیٹ کے بل رینگ کر چلیں۔ کیونکہ حکام کو یقین دلایا گیا تھا کہ اس کوچہ کے بعض باشندوں نے ایک میم پر حملہ کیا تھا۔ شہروں پر ہوائی جہازوں کے ذریعے گولہ باری کرنا بھی اس سے کم خوفناک واقعہ نہیں ہے۔ ہندوستانی کہتے ہیں کہ اگر لورپول یا مانچسٹر میں فساد ہو جائے۔ تو بلاشبہ حکام حفظ عامہ کی خاطر مفسدوں پر گولی چلانے سے دریغ نہیں کرینگے لیکن وہ کسی حالت میں بھی یہ نہیں کر سکتے کہ اس شہر پر آسمان سے بم کے گولے پھینکیں۔ اس قسم کے مظالم صرف اس صورت میں روا رکھے جا سکتے ہیں۔ جب قوموں کے درمیان جنگ چھڑ جائے۔

فچٹ نے ایک کتاب "غدر کی کہانی" میں مندرجہ ذیل سطور لکھی ہیں:

"ایشیائی دماغ کو سمجھنا ایک نہایت مشکل کام ہے۔ کیونکہ کوئی آدمی اس کے اسرار نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن یہ مسلم امر ہے۔ کہ غدر کی یاد لوگوں کے دلوں میں ہر وقت تازہ رہتی ہے۔ مجھے ایک پادری نے بتایا کہ اسنے ایک دفعہ اسکول کے طالب علموں کو غدر پر جواب مضمون لکھنے کا حکم دیا تھا۔ مگر تمام لڑکوں نے خالی کاغذ پیش کر دیئے جس سے صاف ظاہر ہوتا تھا۔ کہ وہ یہ واقعہ اس قدر محسوس کرتے تھے۔ کہ ہمیں اپنے اندرونی خیالات سے آگاہ کرنا نہیں چاہتے تھے"

بعض واقف کار انگریزوں کی رائے ہے۔ کہ غدر کی یادداشتیں کچھ عرصے کے بعد معدوم ہو جائیں گی۔ لیکن میرے خیال میں جب تک ہماری کتابوں میں غدر کے افسانے درج رہیں گے، تب تک کوئی شخص بھی اُنھیں نہیں بھول سکتا۔ اس اسپرٹ کو زائل کرنے کے صرف دو طریقے ہو سکتے ہیں۔ یا تو تمام اسکول اور کالج بند کر دیئے جائیں تاکہ آئندہ نسلوں کو پچھلی صدی کے واقعات کے متعلق کچھ علم نہ ہو۔ یا ہمیں چاہیئے کہ ان واقعات کو ان کی اصلی صورت میں دکھائیں اور اپنی طرز تحریر یکسر تبدیل کر دیں۔

ساورکار نے غدر کو آزادی کی جنگ سے تعبیر کیا ہے۔ اسنے ایک مکمل تاریخ ہند لکھی تھی۔ لیکن گورنمنٹ نے اس کی اشاعت بند کر دی کیونکہ گورنمنٹ کو یقین دلایا گیا تھا کہ اسمیں غلط واقعات درج کیے گئے ہیں جن سے انگریزوں کے خلاف نفرت پھیلنے کا اندیشہ ہے!

چونکہ ہم تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کو قابل اعتبار نہیں سمجھتے اور اُن سے نفرت کرتے ہیں۔ اس لئے وہ بھی ہم سے انتقام لینے کی خاطر ہمارے خلاف ہر قسم کی غلط فہمی پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہندوستانی اخبارات اور رسائل اُٹھا کر دیکھیے ان میں ہمارے خلاف کس قدر زہر اُگلا جاتا ہے۔

خاتمۂ سخن

ہمیں بلیک ہول والا حادثہ بالکل بھول جانا چاہیئے جس طرح کہ ہم ستر موپلہ قیدیوں کا ریل گاڑی میں دم گھٹ کر مر جانے کے واقعہ فوراً بھول چکے ہیں۔ ہمیں کانپور کے مظالم پر بھی شور مچانا نہیں چاہیئے۔ جس طرح ہم دہلی۔ بنارس۔ الہ آباد وغیرہ میں اپنی کارگذاریاں فراموش کر چکے ہیں۔ جب ہم اپنے مظالم بھول چکے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہندوستانیوں کی زیادتیاں ہر دم یاد رکھیں!

سر چارلس ایچیسن نے لارنس کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے۔ اسنے اس کے بت کا بھی جو لاہور کی ٹھنڈی سڑک پر استادہ ہے، ذکر کیا ہے اس بت پر یہ حروف کندہ ہیں "کیا تم ہماری حکومت تلوار کے زور سے تسلیم کرو گے۔ یا قلم کے زور سے"؟ ان الفاظ سے ہندوستانی قوم کو دو رستے دکھائے جاتے ہیں۔ یا تو وہ خوشی سے ہماری اطاعت قبول کرلے یا تلوار کے زور سے محکوم رہے۔ اسمیں شک نہیں کہ آجکل قلم کے زور سے حکومت کی جا رہی ہے۔ لیکن تلوار بھی ہر وقت برہنہ رہتی ہے۔ اس قسم کے کتبوں سے ہندوستانیوں کے دلوں میں غصہ کی آگ دہکتی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس بت کی شب و روز حفاظت کی جاتی ہے تاکہ اسے نقصان نہ پہنچایا جائے۔

رومیش دت نے تاریخ ہند میں کیا خوب لکھا ہے کہ غدر کے خوفناک مظالم کو اسکول کی کتابوں سے مٹا دینا چاہیئے۔ کیونکہ جب ہندوستانی طلبا کو نیل جیسے ظالم انگریزوں کے کارنامے نہیں پڑھائے جاتے۔ تو پھر انہیں کانپور کے کنوئیں کا افسانہ کیوں سنایا جائے؟ میں یقین کرتا ہوں کہ اسوقت ہماری قوم ماضی کو فراموش کر دینے کے لئے طیار ہے۔ اگر انگریزوں کی موجودہ نسل کو یقین دلایا جائے کہ ان کے بزرگوں نے ہندوستانیوں پر کس قدر ظلم و ستم ڈھائے تھے، تو وہ ان کی تلافی کے لئے یقیناً طیار ہو جائے۔

(مترجمہ چودھری محمد علی صاحب وکیل ایبٹ آباد)

برید شرق

مکتوب آستانہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

غازی مصطفےٰ کمال پاشا کا از سر نو انتخاب۔ باغیوں کو سزا۔ ٹرکی کی آبادی۔ ٹرکی اور امریکہ۔ ترکی میزانیہ۔

غازی کا از سر نو انتخاب

گذشتہ ہفتہ مجلس وطنی (پارلیمنٹ) کا از سر نو افتتاح ہو گیا۔ غازی کمال پاشا، دوبارہ، صدر جمہوریت منتخب کئے گئے۔ عصمت پاشا بدستور وزیر اعظم رہے۔ مجلس وطنی کے سابق صدر، کاظم پاشا بھی نئے انتخاب میں کامیاب ہو۔

مجلس وطنی کے تمام ارکان نے ایک ایک کر کے، صدر مجلس کے سامنے حسب ذیل قسم کھائی:

"میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ کسی ایسے مقصد کے لئے کوشش نہیں کروں گا جو وطن کی سعادت، قوم کی سلامتی، اور اُس کی بے قید و شرط سیادت کے منافی ہو۔ نیز میں جمہوریت کے اصول سے برابر وفادار رہوں گا"

خلق فرقہ سی نے، جمہوریت کی صدارت کے لئے کوئی نامزد نہیں کیا تھا، بلکہ اپنے ارکان کو آزادی دیدی تھی کہ جس شخص کو پسند کریں، اس منصب کے لئے منتخب کرلیں۔ لیکن اس کے باوجود بھی غازی مصطفےٰ کمال پاشا ہی بالاتفاق صدر قرار دے دئیے گئے۔ تب صدر مجلس وطنی نے اُنھیں قسم کھانے کے لئے طلب کیا۔ اُنھوں نے ان لفظوں میں قسم کھائی۔

"میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ صدر جمہوریت ہونے کی حیثیت سے جمہوریت کے قوانین اور قومی سیادت کے اصول کی حفاظت و مدافعت کروں گا۔ میں اپنی پوری قوت سے اور پورے اخلاص سے ترکی قوم کی بھلائی کے لئے کوشش کروں گا۔ میں پوری شدت سے ہر اُس خطرے کی مقاومت کروں گا جو ترکی حکومت کو لاحق ہوگا۔ ترکی شرافت کی حفاظت، اُس کی برتری اور اپنے فرائض ادا کرنے پر میں اپنی پوری زندگی وقف کر دوں گا!"

جب غازی قسم کھا رہے تھے تو ایک بڑلیہ پرتابیوں کا ایک شور بلند ہو جاتا تھا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ بعض سلطنتوں کے سفیر بھی تالیاں بجانے میں شریک تھے۔

قسم کے بعد غازی نے خطبہ دیتے ہوئے کہا:

"یہ منصب، صدر جمہوریت کا منصب، درحقیقت قوم کی پوری شخصیت استقامت، اور معصومیت کا مظہر اور نمائندہ ہے۔ اس حقیقت سے میرا قلب و ضمیر پوری طرح باخبر ہے۔ میں اُن تمام اہم فرائض اور نازک ذمہ داریوں سے کماحقہ آگاہ ہوں جو صدارت کی اس کرسی نے مجھ پر عائد کر دی ہیں۔ تاہم میں کوشش کروں گا کہ اس جدید اعتماد کو بھی سچا ثابت کر دوں جس سے قوم نے مجھے سرفراز کیا ہے۔ یہ اعتماد اس امر کا ثبوت ہے کہ قوم ہماری خاکسارانہ کوششیں پورے اطمینان سے پسند کرتی ہے۔ میری مسلسل کوشش رہے گی کہ قوم کی زیادہ سے زیادہ بڑی خدمتیں انجام دیتا رہوں"

اس کے بعد غازی نے کہا:

"یہ جمہوریت، جو خود مختاری، قومیت، اور نعمتمندی پر قائم ہوئی ہے، اور جسنے گزشتہ برسوں میں اپنی اصلاحات و انقلابات سے اپنی قوت قاہرہ ثابت کر دی ہے، قوم کی اُمیدوں اور آرزوں کے بالکل

مطابق ہی۔ ہماری حکومت کا آئندہ سالوں میں بھی یہی مسلک رہے گا کہ ہماری جمہوریت کی عزت، قوت، استقامت میں اضافہ ہو، ترکی قوم کی تمام قوتیں، خود اُس کی ترقی اور خوشحالی میں خرچ ہوں۔ ہمارے پیش نظر ہمیشہ یہی رہے گا کہ جمہوریت کی زندگی اور قوت بڑھتی جائے، ہر داخلی و خارجی خطرے سے قوم کے مفاد کی حفاظت کی جائے، سب سے ہماری دوستی رہے۔ امن و امان کی کوششیں ہم سے ہر طرح کی امداد حاصل کرتی رہیں گی۔ ہم چاہتے ہیں ہماری قوم، امن و سلامتی کے ساتھ ترقی کرے"

غازی کے انتخاب کے بعد ملک بھر میں مسرت کے مظاہرے برپا ہوئے اور ہر جگہ ۲۱-۲۱ توپوں کی سلامی دی گئی۔ پھر غازی نے قوم کے نام حسب ذیل اعلان شایع کیا:

"عزیزان وطن! جمہوریت نے ترکی قوم کو خوشحالی اور برتر بنانے کی کوششوں میں جو عظیم کامیابی حاصل کی ہی، اُس کی نظیر، صدیوں کی تاریخ میں بھی موجود نہیں۔ قوم کی آرزوئیں، ضرورتیں، اُس کی ترقی و سعادت کے اسباب کی تحقیق و بحث کے بعد جن نتایج پر جمہوریت پہنچی ہی، وہ قوم کے لئے ایک نہایت درخشاں مستقبل کی خوشخبری دے رہے ہیں جو اس جمہوریت کے زیر سایہ بہت جلد آنے والا ہی۔ یہ بالکل یقینی ہی کہ عہد جمہوری کی آئندہ نسلیں، ہم سے کہیں زیادہ خوشحال اور خوش نصیب ہونگی۔

"عزیزان وطن! میرا اس دَور جدید میں سب سے بڑا فرض یہ ہوگا کہ ملک میں ہر طرف امن و سکون اور زیادہ عام کردوں۔ قومی وحدت کو قوی کردوں۔ جمہوریت کی عزت بڑھاؤں۔ ہمارے لائحۂ عمل کی بنیادی اصل یہ ہی کہ ہم مجلس وطنی کے قوانین کی تنفیذ ہی میں ہر طرح کی بہتری تصور کرتے ہیں۔ یہی باعث ہی کہ صدر جمہوریت، جو اس ملک کا ایک باشندہ ہونے سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتا، اپنے منصب کے جملہ عظیم اختیارات پورے عزم و حزم کے ساتھ قوم کی بہتری اور مجلس وطنی کے قوانین کی تنفیذ میں صرف کرے گا"

غازی کے اس آخری جملہ کو بہت اہمیت دی جارہی ہی۔ کیونکہ اس اعلان سے اُنھوں نے ظاہر کردیا ہی کہ وہ ترکی قوم کے ڈکٹیٹر نہیں ہیں، جیسا کہ یورپ میں خیال کیا جاتا ہی، بلکہ وہ سراسر مجلس وطنی کے قوانین کے پابند اور اُن کی تنفیذ کرنے والے ہیں، حالانکہ ڈکٹیٹر شپ کا مفہوم اس سے بالکل مختلف ہی۔ وہ کسی بھی قانون کی پابند نہیں ہوتی۔ اُس کی زبان، ہی اُس کی نظر میں قانون ہوتی ہی۔

نیز اپنی اس تقریر سے غازی نے اُن تمام لوگوں کو بھی جواب دے دیا ہی جو موجودہ جمہوریت کو ملوکیت کا ایک زینہ سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کا خیال تھا یہ تمام سوانگ صرف اس لئے بنایا گیا ہی کہ مصطفےٰ کمال پاشا، ترکی قوم کے بادشاہ بننے والے ہیں۔ اب اس تقریر کے بعد کسی کو یہ خیال کرنے کی جرأت باقی نہیں رہے گی

سازشیوں کو سزا

اپنے ایک پچھلے مکتوب میں اُس سازش کا ذکر کرچکا ہوں جو یونان میں پناہ گزیں چند ترکی مجرموں نے غازی مصطفےٰ کمال پاشا کے قتل کے لئے کی تھی۔ یہ لوگ، حاجی سامی بک کی زیر قیادت، یونان سے ٹرکی اس لئے آئے تھے کہ غازی جب آستانہ سے انگورہ واپس جائیں تو اُن کی گاڑی، ڈائنامیٹ سے اُڑا دیں۔ پھر سابق خلیفہ عبد المجید کے نام پر انگورہ کی حکومت پر قبضہ کرلیں۔

لیکن اُن کی سازش، بر وقت کھل گئی۔ پولیس سے ایک معرکہ میں حاجی سامی مارا گیا۔ مگر اُس کے رفقا، قید ہوگئے۔ عدالت نے تحقیقات کے بعد انھیں پھانسی کی سزا کا حکم سُنا دیا۔ عنقریب اس کا اجرا ہونے والا ہی۔

ہندوستان اور مجموعۂ عالم

تمام دُنیا میں جغرافیائی، عمرانی، اور اقتصادی لحاظ سے ہندوستان کی موجودہ حیثیت کیا ہی؟

(۶)

کانیں

ہندوستان کی معدنی دولت (سنہ ۱۹۰۹ سے سنہ ۱۹۱۱ تک کے اعداد و شمار)

معدنیات	مقدار		قیمت	
نمک	۱۴۹۲۸۰۶	ٹن	۱۰۵۷۴۳۴۴	روپیہ
کوئلہ	۱۵۷۲۰۵۲۷	"	۵۵۵۷۴۳۴۴	"
سونا	۵۸۵۰۵۲	اونس	۲۲۷۵۲۰۰۰	"
پیٹرول	۲۶۱۳۹۶۰۰۰	گیلن	۱۵۰۱۲۰۰۰	"
قلعی	۱۳۸۰۰	ٹن	۱۸۳۰۰۰	"
تانبا	۵۷۴۴	"	۱۲۳۰۰۰	"
کالسا	۲۰۹۱	"	۱۱۵۰۰۰	"
لوہا	۴۲۳۴۷۰	"	۵۹۸۰۰۰	"
سیسا	۱۱۹۴۸	"	۳۶۳۶۰۰۰	"
مقناطیس	۶۴۴۶۰۰	"	۱۵۷۵۵۰۰۰	"
ابرک	۳۸۵۰۰	ہنڈریڈ ویٹ	۱۴۲۰۷۰۰	"
یاقوت، زمرد	۲۵۴۰۰۰	"	۷۸۸۰۰۰	"
شوری	۳۷۳۰۰۰	"	۵۴۰۷۰۰۰	"
چاندی	۶۰۳۰۰۰	اونس	۱۰۸۹۰۰۰	"
ٹین	۶۴۰۰	ہنڈرڈ ویٹ	۴۸۵۰۰۰	"

دنیا بھر میں سونے کی پیداوار

مجموعی مقدار سنہ ۱۹۲۳ میں: ۵۳۰۶۲۶ کیلو

ملک	وزن بحساب کیلو
ٹرنسوال	۲۸۴۰۶۸
رہوڈیسیا	۲۰۱۲۴
برطانی مشرقی افریقہ	۶۵۳۲
آسٹریلیا	۲۴۱۰۵
ہندوستان	۱۱۸۲۲
کینیڈا	۳۶۵۷۸
ولایات متحدۂ امریکہ	۷۷۲۹۲
میکسیکو	۲۴۲۶۱

دُنیا بھر میں کوئلے کی پیداوار سنہ ۱۹۲۴ء میں

مجموعی پیداوار: ۱۱۶۸۵۳۵۰۰۰ ٹن۔

ملک	بحساب ٹن
برطانیہ	۲۷۴۹۳۳۰۰۰
ہندوستان	۱۹۰۱۰۹۸۶
جرمنی	۱۱۸۸۲۹۰۰۰
فرانس	۴۴۰۱۰۰۰۰
ولایات متحدۂ امریکہ	۵۰۵۸۴۶۰۰۰

دُنیا بھر میں پیٹرول کی پیداوار سنہ ۱۹۲۴ء میں

مجموعی مقدار: ۱۴۳۶۴۳۵۰۰ میٹرک ٹن

ملک	وزن بحساب میٹرک ٹن
ولایات متحدۂ امریکہ	۹۹۶۲۲۰۰۰
میکسیکو	۲۱۶۲۲۰۰۰
روس	۶۶۵۳۴۳۰
ایرآن	۴۶۰۳۲۰۰
رومانیہ	۱۸۱۱۶۰۰
ہندوستان	۱۱۵۷۰۰۰
فرانس	۵۶۰۰۰
جرمنی	۴۵۷۰۰
کینیڈا	۲۲۳۰۰
جاپان	۲۲۰۱۰۰

دنیا کے مختلف ملکوں میں تعلیم یافتہ آبادی (سنہ ۱۹۲۴ء)

ملک	مرد فی صدی	عورت فی صدی
انگلینڈ	۹۳٫۴	۹۱٫۵
ولایات متحدۂ امریکہ	۹۵٫۵	۹۳
ڈنمارک	۱۰۰	۱۰۰
جرمنی	۱۰۰	۱۰۰
جاپان	۹۸	۹۶
فلپائن	۷۰٫۵	۶۱
فرانس	۹۶٫۵	۹۴

ٹرکی کی آبادی

ٹرکی کی پہلی مردم شماری کے سرکاری اعداد و شمار اب شایع ہوگئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوا کہ آبادی، ۰۰۰،۰۰۰، ۱۳،۶ سے بھی زیادہ ہی یقیناً یہ اعداد، ٹرکی کے تمام دوستوں کے لئے موجب مسرت و اطمینان ہیں کیونکہ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ پچھلی مسلسل اور طویل جنگوں کے بعد ترکی آبادی صرف ۸۰ لاکھ رہ گئی ہی۔

ٹرکی اور امریکہ

قارئین الہلال واقف ہوچکے ہیں کہ امریکہ نے معاہدۂ لوزان قبول کرنے سے انکار کردیا تھا۔ اس کے معنی یہ تھے کہ ٹرکی اور امریکہ کے مابین سابق حالت جنگ بدستور قائم تھی۔ لیکن اب یہ یقین کرلینے کے بعد کہ ترک ان سیاسی چالاکیوں سے فریب کھانے والے نہیں ہیں، امریکہ نے از سر نو دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی خواہش کی ہی۔ چنانچہ اُسنے مسٹر گرو کو اپنا سفیر بناکر انگورہ بھیجدیا ہی۔ ٹرکی نے بھی امریکہ کی دوستی طلبی کا خیر مقدم کیا ہی اور مختار بک کو سفیر مقرر کرکے واشنگٹن روانہ کر رہی ہی۔

ترکی میزانیہ

ٹرکی کا جدید میزانیہ، ۲۰۶۲۹۱۶۱۹ پونڈ (ترکی) ہی۔ پچھلا میزانیہ ۱۹۴۴۹۶۶۱۹ پونڈ (ترکی) تھا۔ اس میزانیہ میں دینی شعبہ کے لئے

برطانی ہندوستان میں مدرسہ جانے والے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد (سنہ ۱۹۲۵)

	مدراس	بمبئی	بنگال	یو، پی	پنجاب	سی، پی	بہار اور اڑیسہ	آسام	برما
۶ سے ۱۰ برس کی عمر لڑکے	۱۲۰۰۱۵۵	۷۴۲۰۰۹	۱۳۱۰۰۶۴	۹۲۱۰۶۲	۳۵۰۴۵۹	۲۴۶۲۵۶	۹۵۷۴۹۰	۱۹۱۲۴۱	۱۲۷۵۱۶
لڑکیاں	۲۰۱۲۸۱	۱۱۵۵۱۸	۳۰۵۳۶۰	۴۷۴۷۰	۵۱۱۵۲	۱۳۱۱۹	۶۱۰۸۱	۱۱۵۲۰	۲۹۵۷۴
۱۱ سے ۱۵ برس کی عمر لڑکے	۱۴۰۸۲۹	۱۶۶۲۰۰	۳۵۲۹۰۴	۱۱۰۰۱۳	۳۴۷۷۹۰	۷۰۲۵۷	۷۳۸۱۰	۲۰۳۷۱	۱۰۳۹۹
لڑکیاں	۱۷۱۹۶	۱۱۴۶۷	۱۵۶۱۶	۲۰۶۷۷	۱۵۴۱۶	۴۷۹۵	۳۸۴۷	۲۷۱۰	۲۲۵۲۵

برطانی ہندوستان میں تعلیم گاہیں سنہ ۲۵-۱۹۲۴ میں

	کالج	خاص فنون کے مدرسے	قانون	ڈاکٹری	انجینیری	ٹریننگ	زراعتی	بیطری	تجارتی	جنگلات کی تعلیم	ہائی اسکول	انگریزی مڈل اسکول	دیسی مڈل اسکول	ابتدائی مدارس	فی ہزار آبادی کے
آرٹس اور سائنس	۲۱۱	۷۷۰۴	۱۳	۸	۷	۲۱	۵	۳	۱۴	۲	۲۶۰۴	۳۲۲۰	۴۲۹۰	۱۷۵۵۹۶	۰۰۰۰
مردانہ	...	...	...	...	...	...	...	...	...	...	۲۲۷۰	۲۹۶۸	۳۰۵۳	۱۵۰۹۱۹	.....
زنانہ	...	...	...	...	...	...	...	...	...	...	۲۳۴	۲۵۲	۴۴۶	۲۴۶۷۷	....
مدراس	۳۰	۳۸۱	۱	۲	۱	۵	۱	۱	۱	۱	۳۸۰	۲۵۰	...	۴۳۳۱۱	۶/۲
بمبئی	۱۴	۴۲۲	۲	۱	۲	۱	۱	...	۱	...	۲۱۳	۲۶۵	...	۱۲۸۹۲	۷/۶
بنگال	۳۰	۲۶۸۲	۳	۳	۱	۶	...	۱	۵	...	۹۰۶	۱۵۷۵	۱۱۶	۵۰۴۵۰	۹/۵
یو، پی	۸	۴۵۱	...	...	۱	۳	۱	...	۸	۱	۱۹۰	۱۱۲	۶۸۵	۱۸۷۹۴	۶/۴
بہار، اڑیسہ	۶	۴۵۲	۱	...	۱	۲	...	...	...	...	۱۲۷	۲۰۷	۲۱۹	۲۹۴۵۷	۵/۲
پنجاب	۱۱	۲۴۴۵	۱	۱	۱	۳	۱	۱	...	...	۲۷۳	۲۱۱	۱۲۷۴	۶۵۹۱	۴/۸
سی، پی	۵	۵۰	۱	...	...	۱	۱	...	...	...	۵۰	۱۶۴	۲۵۰	۴۲۹۵	۴/۲
آسام	۳	۱۲۰	۱	...	...	...	...	...	...	...	۴۷	۱۵۲	۱۵۳	۴۵۹۷	۵/۵
برما	...	۵۴۵	...	...	...	...	...	...	...	...	۱۴۳	...	۱۴۳۲	۴۱۹۸	۲۳/۲

برطانی ہندوستان میں تعلیم گاہوں کی آمدنی سنہ ۲۵-۱۹۲۴ میں

صوبے	سرکاری امداد	بورڈ فنڈ سے	میونسپل فنڈ سے	فیس سے	دیگر ذرائع سے	مجموعی رقم
مدراس	۴۱۳۸۵۴۸	۳۴۰۹۵۳۳	۱۲۲۴۲۹۱	۸۴۳۲۹۹۱	۸۸۲۳۱۱۸	۲۹۰۳۸۶۵۲
بمبئی	۱۸۴۴۷۱۶۵	۱۲۴۸۰۰۳	۳۹۱۸۷۱۲	۶۰۱۳۹۶۹	۴۲۵۷۸۵۴	۳۳۹۸۵۷۶۳
بنگال	۱۳۳۸۲۹۶۲	۱۵۴۵۸۰۵	۳۰۵۹۸۸	۱۳۶۳۶۱۲۶	۵۷۷۵۰۵۸	۳۵۶۳۵۹۳۹
یو، پی	۱۴۲۲۸۴۹۰	۲۷۱۶۳۲۰	۹۸۶۲۱۲	۴۲۱۴۳۵۴	۵۲۴۰۲۲۰	۳۰۳۸۵۵۹۶
پنجاب	۱۱۵۳۴۳۶۴	۲۲۲۵۷۰۰	۹۲۶۱۰۵	۵۲۸۷۴۴۴	۳۱۲۱۵۹۲	۲۳۴۰۵۲۶۶
برما	۶۸۳۸۰۸	۱۵۱۲۵۳۲	۶۰۶۸۰۲	۲۹۲۰۱۲۵	۲۶۷۳۵۸۵	۱۴۵۵۱۰۵۳
سی، پی	۵۰۰۶۱۶۳	۱۴۹۸۰۵۹	۶۷۳۰۳۶	۱۱۰۸۸۳۶	۷۵۴۳۵۰	۹۰۴۰۴۴۴
بہار و اڑیسہ	۴۹۹۱۵۸۰	۳۲۵۲۸۷۵	۲۳۴۸۷۰	۲۶۸۸۲۷۸	۲۲۳۱۴۳۷	۱۳۳۹۹۰۰۰
آسام	۲۳۶۳۳۴۶	۴۴۴۹۶۲	۴۱۲۸۷	۶۳۹۰۲۴	۴۲۸۸۲۵	۳۸۱۶۴۴۴
میزان کل	۹۹۸۰۱۵۹۴	۱۸۰۵۷۶۴۰	۹۲۶۸۴۵۶	۴۶۸۶۳۱۸۲	۳۴۷۵۷۴۴۷	۲۰۸۷۴۸۳۱۹

تحریری مقابلہ — انجمن اتحاد (جامعہ ملیہ اسلامیہ) نے طے کیا ہو کہ اس سال ایک تحریری مقابلہ کیا جائے جسمیں بہترین مضمون نویس کو جناب عبدالعزیز صاحب انصاری۔ ایم۔ اے، ایل، ایل۔ بی، وکیل بارہ بنکی کی جانب سے اُنکے مرحوم دوست اور ملک کے مشہور انشا پرداز جناب ولایت علی صاحب بمبوق کی یادگار میں ایک ۵۰ روپیہ کا طلائی تمغہ دیا جائے۔ عنوان حسب ذیل ہو: "۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانان ہند کی تعلیمی جدوجہد اور اس کے نتائج" شرائط۔ (۱) مضمون تقریبًا ۵۰ صفحات پر مشتمل ہو۔ (۲) مضمون ۱۵ اپریل ۱۹۲۸ء تک ناظم انجمن اتحاد جامعہ ملیہ اسلامیہ قرول باغ دہلی کے پتہ سے آجانا چاہئے۔ (۳) طلبا، اور دیگر تمام حضرات اسمیں حصہ لے سکتے ہیں۔ مندرجہ ذیل حضرات سے درخواست کی گئی ہو کہ وہ بہترین مضمون نویس کا فیصلہ کریں، و مولوی عبدالحق صاحب، بی۔ اے، ناظم انجمن ترقی اُردو، اورنگ آباد، دکن۔ مولانا عبدالماجد صاحب، بی، اے، مدیر "سچ" لکھنؤ۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی (برلن) شیخ الجامعہ۔ مضمون کی اہمیت کا لحاظ رکھتے ہوئے اُمید ہو کہ ملک کے اکثر ادیب اور طلبا اس طرف توجہ فرمائیں گے۔

"ناظم انجمن اتحاد"

مطابق ہی۔ ہماری حکومت کا آئندہ سالوں میں بھی یہی مسلک ہوگا کہ ہماری جمہوریت کی عزت، قوت، استقامت میں اضافہ ہو، ترکی قوم کی تمام قوتیں، خود اُس کی ترقی اور خوشحالی میں خرچ ہوں۔ ہمارے پیش نظر ہمیشہ یہی رہے گا کہ جمہوریت کی زندگی اور قوت بڑھتی جائے، ہر داخلی و خارجی خطرے سے قوم کے مفاد کی حفاظت کی جائے، سب کے ہماری دوستی رہے۔ امن و امان کی کوششیں ہم سے ہر طرح کی امداد حاصل کرتی رہیں گی۔ ہم چاہتے ہیں ہماری قوم، امن و سلامتی کے ساتھ ترقی کرے"

غازی کے انتخاب کے بعد ملک بھر میں مسرت کے مظاہرے برپا ہوئے اور ہر جگہ ۲۱-۲۱ توپوں کی سلامی دی گئی۔ پھر غازی نے قوم کے نام حسب ذیل اعلان شایع کیا:

"غزیزان وطن! جمہوریت نے ترکی قوم کو خوشحالی اور برتر بنانے کی کوششوں میں جو عظیم کامیابی حاصل کی ہی، اُس کی نظیر صدیوں کی تاریخ میں بھی موجود نہیں۔ قوم کی آرزوئیں، ضرورتیں، اُس کی ترقی و سعادت کے اسباب کی تحقیق و بحث کے بعد جن نتایج پر جمہوریت پہنچی ہی، وہ قوم کے لئے ایک نہایت درخشاں مستقبل کی خوشخبری دے رہے ہیں جو اس جمہوریت کے زیر سایہ بہت جلد آنے والا ہی۔ یہ بالکل یقینی ہو کہ عہد جمہوری کی آئندہ نسلیں، ہم سے کہیں زیادہ خوشحال اور خوش نصیب ہونگی۔

"غزیزان وطن! میرا اس دور جدید میں سب سے بڑا فرض یہ ہوگا کہ ملک میں ہر طرف امن و سکون اور زیادہ عام کردوں۔ قومی وحدت کو قوی کروں۔ جمہوریت کی عزت بڑھاؤں۔ ہمارے لائحہ عمل کی بنیادی اصل یہ ہو کہ ہم مجلس وطنی کے قوانین کی تنفیذ ہی میں ہر طرح کی بہتری تصور کرتے ہیں۔ یہی باعث ہو کہ صدر جمہوریت، جو اس ملک کا ایک باشندہ ہونے سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتا، اپنے منصب کے جملہ عظیم اختیارات پورے عزم و حزم کے ساتھ قوم کی بہتری اور مجلس وطنی کے قوانین کی تنفیذ میں صرف کرے گا"

غازی کے اس آخری جملہ کو بہت اہمیت دی جا رہی ہو۔ کیونکہ اس اعلان سے اُنھوں نے ظاہر کردیا ہو کہ وہ ترکی قوم کے ڈکٹیٹر نہیں ہیں، جیسا کہ یورپ میں خیال کیا جاتا ہو، بلکہ وہ سراسر مجلس وطنی کے قوانین کے پابند اور اُن کی تنفیذ کرنے والے ہیں، حالانکہ ڈکٹیٹر کا مفہوم اس سے بالکل مختلف ہو۔ وہ کسی بھی قانون کی پابند نہیں ہوتی۔ اُس کی زبان، ہی اُس کی نظر میں قانون ہوتی ہو۔

نیز اپنی اس تقریر سے غازی نے اُن تمام لوگوں کو بھی جواب دے دیا ہو جو موجودہ جمہوریت کو ملوکیت کا ایک زینہ سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کا خیال تھا یہ تمام سوانگ صرف اس لئے بنایا گیا ہو کہ مصطفےٰ کمال پاشا، ترکی قوم کے بادشاہ بننے والے ہیں۔ اب اس تقریر کے بعد کسی کو یہ خیال کرنے کی جرائت باقی نہیں ہوگی

سازشیوں کو سزا

اپنے ایک پچھلے مکتوب میں اُس سازش کا ذکر کرچکا ہوں جو یونان میں پناہ گزیں چند ترکی مجرموں نے غازی مصطفےٰ کمال پاشا کے قتل کے لئے کی تھی۔ یہ لوگ، حاجی سامی بک کی زیر قیادت، یونان سے ٹرکی اس لئے آئے تھے کہ غازی جب آستانہ سے انگورہ واپس جائیں تو اُن کی گاڑی، ڈائنامیٹ سے اُڑا دیں۔ پھر سابق خلیفہ عبدالمجید کے نام پر انگورہ کی حکومت پر قبضہ کرلیں۔

لیکن اُن کی سازش، بروقت کھل گئی۔ پولیس سے ایک معرکہ میں حاجی سامی مارا گیا۔ مگر اُس کے رفقاء قید ہوگئے۔ عدالت نے تحقیقات کے بعد انھیں پھانسی کی سزا کا حکم سنا دیا۔ عنقریب اس کا اجراء ہونے والا ہی۔

ہندوستان اور مجموعۂ عالم

تمام دُنیا میں جغرافیائی، عمرانی، اور اقتصادی لحاظ سے ہندوستان کی موجودہ حیثیت کیا ہی؟

(۶)

کانیں

ہندوستان کی معدنی دولت (سنہ ۱۹۰۹ سے سنہ ۱۹۱۱ تک کے اعداد و شمار)

معدنیات	مقدار		قیمت	
نمک	۱۴۹۲۸۰۶	ٹن	۱۰۵۷۴۳۴۴	روپیہ
کوئلہ	۱۵۷۳۰۵۲۷	//	۵۵۵۷۴۳۴۴	//
سونا	۵۸۵۰۵۲	اونس	۳۲۷۵۲۰۰۰	//
پٹرول	۲۶۱۳۹۶۰۰۰	گیلن	۱۵۰۱۲۰۰۰	//
قلعی	۱۳۸۰۰	ٹن	۱۸۳۰۰۰	//
تانبا	۵۷۴۴	//	۱۳۳۰۰۰	//
کالسنا	۲۰۹۱	//	۱۱۵۰۰۰	//
لوہا	۴۳۳۴۷۰	//	۵۹۸۰۰۰	//
سیسا	۱۱۹۴۸	//	۳۶۳۶۰۰۰	//
مقناطیس	۶۴۴۶۰۰	//	۱۵۷۵۵۰۰۰	//
ابرک	۳۸۵۰۰	ہنڈریڈ ویٹ	۱۴۲۰۷۰۰	//
یاقوت، زمرد	۲۵۴۰۰۰	//	۷۸۸۰۰۰	//
شورہ	۳۷۳۰۰۰	//	۵۴۰۷۰۰۰	//
چاندی	۶۰۳۰۰۰	اونس	۱۰۸۹۰۰۰	//
ٹین	۶۴۰۰	ہنڈرڈ ویٹ	۴۸۵۰۰۰	//

دنیا بھر میں سونے کی پیداوار

مجموعی مقدار سنہ ۱۹۲۳ء میں: ۶۲۶۳۰۵ کیلو

ملک	وزن بحساب کیلو
ٹرنسوال	۲۸۴۰۶۸
رہوڈیسیا	۲۰۱۲۴
برطانی مشرقی افریقہ	۶۵۳۲
اسٹریلیا	۲۴۱۰۵
ہندوستان	۱۱۸۳۲
کینیڈا	۳۶۵۷۸
ولایات متحدۂ امریکہ	۷۷۲۹۲
میکسیکو	۲۴۲۶۱

دُنیا بھر میں کوئلے کی پیداوار سنہ ۱۹۲۴ء میں

مجموعی پیداوار: ۱۱۶۸۵۳۵۰۰۰ ٹن۔

ملک	بحساب ٹن
برطانیہ	۲۷۴۹۳۳۰۰۰
ہندوستان	۱۹۰۱۰۹۸۶
جرمنی	۱۱۸۸۲۹۰۰۰
فرانس	۴۴۰۱۰۰۰۰
ولایات متحدۂ امریکہ	۵۰۵۸۴۶۰۰۰

دُنیا بھر میں پٹرول کی پیداوار سنہ ۱۹۲۴ء میں

مجموعی مقدار: ۱۴۳۶۴۳۵۰۰ میٹرک ٹن

ملک	وزن بحساب میٹرک ٹن
ولایات متحدۂ امریکہ	۹۹۶۲۲۰۰۰
میکسیکو	۲۱۶۲۲۰۰۰
روس	۶۶۵۳۴۳۰
ایران	۴۶۰۳۲۰۰
رومانیہ	۱۸۱۱۶۰۰
ہندوستان	۱۱۵۷۰۰۰
فرانس	۵۶۰۰۰
جرمنی	۴۵۷۰۰
کینیڈا	۲۲۳۰۰
جاپان	۲۲۰۱۰۰

دنیا کے مختلف ملکوں میں تعلیم یافتہ آبادی (سنہ ۱۹۲۴ء)

ملک	مرد فی صدی	عورت فی صدی
انگلینڈ	۹۳٫۴	۹۱٫۵
ولایات متحدۂ امریکہ	۹۵٫۵	۹۳
ڈنمارک	۱۰۰	۱۰۰
جرمنی	۱۰۰	۱۰۰
جاپان	۹۸	۹۶
فلپائن	۷۰٫۵	۶۱
فرانس	۹۶٫۵	۹۴

ٹرکی کی آبادی

ٹرکی کی پہلی مردم شماری کے سرکاری اعداد و شمار اب شایع ہوگئے ہیں۔ اِن سے معلوم ہوا کہ آبادی، ۱۳،۶۰۰،۰۰۰ سے بھی زیادہ ہو۔ یقیناً یہ اعداد، ٹرکی کے تمام دوستوں کے لئے موجب مسرت و اطمینان ہیں کیونکہ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ پچھلی مسلسل اور طویل جنگوں کے بعد ترکی آبادی صرف ۸۰ لاکھ رہ گئی ہو۔

ٹرکی اور امریکہ

قارئین الہلال واقف ہوچکے ہیں کہ امریکہ نے معاہدہ لوزان قبول کرنے سے انکار کردیا تھا۔ اس کے معنی یہ تھے کہ ٹرکی اور امریکہ کے مابین سابق حالت جنگ بدستور قائم تھی۔ لیکن اب یہ یقین کرلینے کے بعد کہ ترک ان سیاسی چالاکیوں سے فریب کھانے والے نہیں ہیں، امریکہ نے ازسرنو دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی خواہش کی ہو۔ چنانچہ اُسنے مسٹر گرو کو اپنا سفیر بنا کر انگورہ بھیجدیا ہو۔ ٹرکی نے بھی امریکہ کی دوستی طلبی کا خیر مقدم کیا ہو اور مختار بک کو سفیر مقرر کرکے واشنگٹن روانہ کر رہی ہو۔

ترکی میزانیہ

ٹرکی کا جدید میزانیہ، ۲۰۶۲۹۱۶۱۹ پونڈ (ترکی) ہو۔ پچھلا میزانیہ ۱۹۴۴۹۶۶۱۹ پونڈ (ترکی) تھا۔ اس میزانیہ میں دینی شعبہ کے لئے

برطانی ہندوستان میں مدرسہ جانے والے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد (۱۹۲۵ء)

	مدراس	بمبئی	بنگال	یوپی	پنجاب	سی پی	بہار اور اڑیسہ	آسام	برما
۶ سے ۱۰ برس کی عمر لڑکے	۱۹۰۷۱۵۵	۷۴۲۰۰۹	۱۳۱۰۰۶۴	۹۲۱۰۶۲	۳۵۰۲۵۹	۲۴۶۲۵۶	[illegible]	[illegible]	[illegible]
لڑکیاں	۲۰۱۲۸۱	۱۱۵۰۱۸	۳۰۵۳۶۰	۴۷۴۷۰	۵۱۱۵۲	۱۳۱۱۹	۶۶۳۰۱	۱۱۵۲۰	۲۹۵۶۴
۱۱ سے ۱۵ برس کی عمر لڑکے	۱۴۰۸۲۹	۱۶۶۲۰۰	۲۵۲۹۱۴	۱۱۰۰۱۳	۳۳۷۷۹۰	۷۰۲۵۷	۷۳۸۱۰	۲۰۳۷۱	۱۵۲۳۹۹
لڑکیاں	۱۷۱۹۶	۱۱۴۶۷	۱۵۶۱۶	۲۰۶۶۷	۱۵۴۱۶	۴۷۹۵	۳۸۴۷	۳۷۱۶	۲۲۵۲۵

برطانی ہندوستان میں تعلیم گاہیں ۲۵-۱۹۲۴ء میں

	کالج	خاص فنون کے مدرسے	قانون	ڈاکٹری	انجنیری	ٹریننگ	زراعتی	بیطری	تجارتی	جنگلوں کی تعلیم	ہائی اسکول	انگریزی مڈل اسکول	دیسی مڈل اسکول	ابتدائی مدارس	[illegible]
آرٹس اور سائنس	۲۱۱	۷۷۰۴	۱۳	۸	۷	۲۱	۵	۳	۱۴	۲	۲۶۰۴	۳۲۲۰	۴۲۹۰	۱۷۵۵۹۶	....
مردانہ	...	...	...	...	...	...	...	...	...	...	۲۲۷۰	۲۹۶۸	۳۰۵۳	۱۵۰۹۱۹	.....
زنانہ	...	...	...	...	...	...	...	...	...	...	۲۳۴	۲۵۲	۴۴۶	۲۴۶۷۷	....
مدراس	۳۰	۳۸۱	۱	۲	۱	۵	۱	۱	۱	۱	۳۸۰	۲۵۰	...	۴۳۳۱۱	۶٫۲
بمبئی	۱۴	۴۲۲	۲	۱	۲	۱	۱	...	۱	...	۲۱۳	۲۶۵	...	۱۲۵۹۲	۷٫۶
بنگال	۳۰	۲۶۸۲	۳	۳	۱	۶	...	۱	۵	...	۹۰۶	۱۵۷۵	۱۱۶	۵۰۴۵۰	۹٫۵
یوپی	۸	۴۵۱	...	...	۱	۳	۱	...	۸	۱	۱۹۰	۱۱۲	۶۸۵	۱۸۷۹۴	۶٫۴
بہار، اڑیسہ	۶	۴۵۲	۱	...	۱	۲	...	...	...	...	۱۲۷	۲۸۷	۲۱۹	۲۹۴۵۰	۵٫۲
پنجاب	۱۱	۲۴۴۵	۱	۱	۱	۳	۱	۱	...	...	۲۷۳	۲۱۱	۱۲۷۴	۶۵۹۱	۴٫۸
سی پی	۵	۵۰	۱	...	...	۱	۱	...	...	...	۵۰	۱۶۴	۳۵۰	۴۲۹۵	۴٫۲
آسام	۳	۱۲۰	۱	...	...	...	...	...	...	...	۴۷	۱۵۲	۱۵۳	۴۵۹۷	۵٫۵
برما	...	۵۴۵	...	...	...	...	...	...	...	...	۱۴۳	...	۱۴۳۲	۴۱۹۸	۲۳٫۲

برطانی ہندوستان میں تعلیم گاہوں کی آمدنی ۲۵-۱۹۲۴ء میں

صوبے	سرکاری امداد	بورڈ فنڈ سے	میونسپل فنڈ سے	فیس سے	دوسرے ذرائع سے	مجموعی رقم
مدراس	۷۱۲۸۵۴۸	۳۴۰۹۴۳۳	۱۲۲۴۲۷۹	۸۴۳۲۹۹۱	۸۸۲۳۱۱۸	۲۹۰۳۸۶۵۲
بمبئی	۱۰۴۴۷۱۶۵	۱۲۳۸۰۳۳	۲۹۱۸۷۱۲	۶۰۱۳۹۶۹	۴۲۵۷۸۵۳	۳۳۹۸۵۷۶۳
بنگال	۱۳۳۸۲۹۶۲	۱۵۴۵۸۰۵	۳۰۵۹۸۸	۱۴۶۳۶۱۲۶	۵۷۷۵۰۵۸	۳۵۶۳۵۹۳۹
یوپی	۱۴۲۲۸۴۹۰	۲۷۱۶۳۲۰	۹۸۶۲۱۲	۴۲۱۴۲۵۴	۵۲۴۰۲۲۰	۳۰۳۸۵۵۹۶
پنجاب	۱۱۸۲۴۳۶۴	۲۲۲۵۷۰۰	۹۳۶۱۰۵	۵۲۸۷۴۴۴	۳۱۲۱۵۹۳	۲۳۳۰۵۲۶۶
برما	۶۸۳۸۰۸	۱۵۱۳۵۳۱	۶۰۶۸۰۲	۲۹۲۰۱۲۵	۲۶۷۳۵۸۵	۱۳۵۵۱۰۵۳
سی پی	۵۰۰۶۱۶۳	۱۳۹۸۰۵۹	۶۴۳۰۳۶	۱۱۰۸۸۳۶	۷۵۴۳۵۰	۹۰۴۰۴۴۴
بہار اور اڑیسہ	۴۹۹۱۵۴۰	۳۲۵۲۸۷۵	۲۳۴۸۷۰	۲۶۸۸۲۷۸	۲۲۳۱۴۳۷	۱۳۳۹۹۰۰۰
آسام	۲۳۶۳۳۴۶	۴۴۴۹۶۲	۴۱۲۸۷	۶۳۹۰۲۴	۴۲۸۸۲۵	۳۸۱۶۴۴۴
میزان کل	۹۹۸۰۱۵۹۴	۱۸۰۵۷۶۴۰	۹۲۶۸۴۵۶	۴۶۸۶۳۱۸۲	۳۴۷۵۷۴۴۷	۲۰۸۷۴۸۳۱۹

تحریری مقابلہ انجمن اتحاد (جامعہ ملیہ اسلامیہ) نے طے کیا ہے کہ اس سال ایک تحریری مقابلہ کیا جائے جس میں بہترین مضمون نویس کو جناب عبدالعزیز صاحب انصاری۔ ایم۔ اے، ایل ایل۔ بی، وکیل بارہ بنکی کی جانب سے اُنکے مرحوم دوست اور ملک کے مشہور انشا پرداز جناب ولایت علی صاحب بمبوق کی یادگار میں ایک ۵۰ روپیہ کا طلائی تمغہ دیا جائے۔ عنوان حسب ذیل ہے: "۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانان ہند کی تعلیمی جدوجہد اور اس کے نتائج" شرائط۔ (۱) مضمون تقریباً ۵۰ صفحات پر مشتمل ہو۔ (۲) مضمون ۱۵ اپریل ۱۹۲۸ء تک ناظم انجمن اتحاد جامعہ ملیہ اسلامیہ قرول باغ دہلی کے پتہ سے آجانا چاہیے۔ (۳) طلباء اور دیگر تمام حضرات اس میں حصہ لے سکتے ہیں۔ مندرجہ ذیل حضرات سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ بہترین مضمون نویس کا فیصلہ کریں، مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے، ناظم انجمن ترقی اُردو، اورنگ آباد، دکن۔ مولانا عبدالماجد صاحب، بی۔ اے، مدیر "سچ" لکھنؤ۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی (برلن)، شیخ الجامعہ۔ مضمون کی اہمیت کا لحاظ رکھتے ہوئے اُمید ہے کہ ملک کے اکثر ادیب اور طلباء اس طرف توجہ فرمائیں گے۔

"ناظم انجمن اتحاد"

مکتوب مصر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)

مصر کی موجودہ سیاست پر ایک نظر

مصر کے تازہ اہم واقعات، شاہ مصر اور وزیر اعظم کی یورپ سے واپسی ہی، اور مصری پارلیمنٹ کے تیسرے دَور کا افتتاح ہی۔

قارئین الہلال واقف ہیں کہ شاہ مصر، یورپ کے مختلف ممالک کی سیاحت پر وہاں کے بادشاہوں اور حکومتوں کی دعوت پر گئے تھے۔ سب سے پہلے شاہ انگلستان کی دعوت آئی، پھر صدر جمہوریت فرانس، شاہ اٹلی، اور شاہ بلجیم کی دعوتیں پہنچیں۔ اسی اثنا میں پوپ کی طرف سے بھی پیام دعوت روانہ کیا گیا۔

شاہ مصر کی یہ سیاحت، بے ضرورت نہ تھی۔ مصر کی موجودہ بیداری مطالبہ کر رہی ہو کہ ملک صحیح معنی میں آزاد ہو جائے۔ لیکن اُس کی آزادی کی راہ میں سب سے بڑی روک، برطانیہ ہی۔ پھر وہ مختلف دُول یورپ بھی ہیں جو قدیم معاہدوں کی بنا پر مصر میں حاکمانہ امتیازات رکھتی ہیں شاہ مصر کی سیاحت کا اصلی مقصد یہی تھا کہ ان ممالک میں جا کر مصر کے موافق عام رائے پر اثر ڈالیں۔

بادشاہ کے ساتھ وزیر اعظم، عبدالخالق ثروت پاشا بھی تھے۔ ثروت پاشا نے جس تدبّر و لیاقت سے یورپ کے مدبروں سے گفت و شنید کی، اس کا اعتراف خود یورپین اخبارات بھی کر رہے ہیں۔ ثروت پاشا کے لئے سب سے پہلی اور سب سے بڑی مشکل، انگلستان ہی تھی۔ انگلستان کی فطرت یہ ہی کہ طاقت کے سوا کسی چیز سے متأثر نہیں ہوتا، اور ایک مرتبہ جب کوئی شکار پکڑ لیتا ہی، تو کسی طرح بھی چھوڑنا پسند نہیں کرتا۔ مصر تقریبًا ۴۵ برس سے اُس کے چنگل میں ہی، اور وہ اس سے ہرگز دست بردار ہونا نہیں چاہتا۔

لیکن اب معلوم ہوتا ہی، انگلستان کو مصر سے سمجھوتہ کرنا ہی پڑے گا۔ ہتیاروں کی قوت سے زیادہ مؤثر، قوم کی معنوی قوت ہوتی ہی۔ مصری قوم پوری طرح بیدار ہو گئی ہی اور انگلستان کی غلامی سے قطعی طور پر انکار کر رہی ہی۔

مسٹر میکڈانلڈ کی مزدور حکومت کے زمانے میں خود سعد زغلول پاشا انگلستان گئے تھے کہ معاملات مصر کے متعلق کوئی منصفانہ تصفیہ ہو جائے مگر اُنھیں کامیابی نہیں ہوئی، کیونکہ اُس وقت مصر کی بیداری مکمل نہ تھی۔ اب حالات میں عظیم تبدیلی ہو چکی ہی۔ معلوم ہوتا ہی، ان جدید حالات میں ثروت پاشا ناکام نہ رہیں گے اور کوئی گوارا صورت مفاہمت کی نکل آئے گی۔

اس گفت و شنید کے نتائج پر پیشین گوئی کرنا قبل از وقت ہی۔ لیکن حالات اُمید افزا ضرور ہیں۔ اس وقت ہمارے سامنے برطانیہ اور مصر، دونوں کے سرکاری بیان موجود ہیں۔ مسٹر بالڈون نے اپنی ایک تقریر میں مصر کے متعلق حسب ذیل تصریح کی ہی:

”ہز اکسلینسی ثروت پاشا کی انگلستان میں موجودگی سے فائدہ اُٹھا کر ہم نے دونوں ملکوں کے آیندہ تعلقات پر بحث کی ہی۔ اُمید ہی اس گفت و شنید نے ہمیں اس صحیح بنیاد تک پہونچا دیا ہوگا جس پر مصر اور انگلستان کی دوستی کی ایسی مستحکم عمارت کھڑی ہو سکتی ہی جس سے ایک طرف، برطانی سلطنت کے اساسی مصالح بھی محفوظ رہیں، اور دوسری طرف مصر کو اپنی آزادی اور خود مختاری سے متمتع ہونے اور قوموں کے مجمع میں پسندیدہ مقام حاصل کرنے کا موقع بھی مل جائے“

دوسرا بیان خود مصر کا ہی۔ پارلیمنٹ کا افتتاح کرتے ہوئے شاہ مصر کی تقریر میں حسب ذیل اعلان کیا گیا ہی:

”ہمارے وزیر اعظم نے اپنی لنڈن میں موجودگی سے فائدہ اٹھا کر نہایت دوستانہ فضا میں انگریزی حکومت کے وزیر خارجہ سے طول طویل گفت و شنید کی۔ اس گفت و شنید نے دونوں ملکوں پر عمدہ اثر ڈالا۔ اس سے غرض یہ تھی کہ برطانی اور مصری، دونوں حکومتیں مصر اور سوڈان کے بارے میں ایک دوسرے کے نقطۂ نظر سے واقف ہو جائیں، تاکہ اگر دونوں نقطہ ہائے نظر میں توافق ممکن ہو، تو ایک ایسے محالفہ (حلفیہ عہدنامہ) کے لئے گفت و شنید جاری کی جائے جس سے ہمارے ملک کی خود مختاری مکمل ہو جائے اور انگلستان کے علائق بھی متعین ہو جائیں۔ لیکن یہ محالفہ اس شرط سے ہوگا کہ ہماری پارلیمنٹ بھی اسے منظور کر لے“

”میں نہایت مسرت سے اُس محبت آمیز روح کا ذکر کرتا ہوں جو اس نازک گفتگو میں جاری و ساری تھی۔ فریقین نے اخلاص سے کوشش کی کہ دونوں کے نقطہ ہائے نظر زیادہ سے زیادہ قریب کر دیں تاکہ دونوں قوموں کی یہ آرزو پوری ہو سکے کہ اُن کے درمیان دوستی کا ایک نیا عہد قائم ہو، دونوں اُس سے مرتبط ہو جائیں، اور باہمی اعتماد سے فائدہ اُٹھائیں“

ان دونوں بیانوں کی روشنی میں امید بندھتی ہی کہ جلد برطانیہ اور مصر کے مابین کوئی ایسا معاہدہ ہو جائے گا، جس سے مصر کی آزادی زیادہ محفوظ اور نمایاں ہو جائے گی، سوڈان کا معاملہ اگر طے ہو جائے اور نہر سویز کی طرف سے برطانیہ کو اطمینان حاصل ہو جائے، تو پھر مصر کی راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی۔ اگر اس قسم کا کوئی معاہدہ انجام پا سکا، تو یقینًا یہ مصر کی بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ لیکن یہ کامیابی، ہندوستان کے لئے ایک سخت تازیانۂ عبرت ہوگی۔ کیونکہ ایک مٹھی بھر مشرقی قوم، جس کی آبادی سوا کروڑ سے بھی کم ہی، اپنی سچی وطنیت اور صادق استقامت کے زور سے برطانیہ جیسے جبّار سے اپنی آزادی تسلیم کرا لے سکتی ہی۔ مگر ہندوستان، جو ایک پورے براعظم کا درجہ رکھتا ہی، اور ۳۲ کروڑ انسانوں کا وطن ہی، بدستور برطانیہ کی شرمناک غلامی پر قانع رہتا ہی!

ہندوستان کو دھوکا دینے کے لئے ایک شاہی کمیشن انگلستان سے آ رہا ہی۔ ایک ایسا ہی کمیشن مصر میں بھی آیا تھا۔ یہ ”ملنر کمیشن“ کے نام سے مشہور ہی۔ مصریوں نے اس مضحکہ انگیز کمیشن کا مقاطعہ کیا۔ یہی دانشمندانہ مقاطعہ، اُن کی سیاسی زندگی کا اصلی سرچشمہ ہی۔ اب ایک ایسا ہی موقعہ ہندوستان کو بھی حاصل ہو رہا ہی۔ دیکھنا چاہیے وہ اس آزمائش سے کیونکر عہدہ برا ہوتا ہی؟

شاہ مصر کی سیاحت یورپ کی ایک غرض، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، یہ بھی تھی کہ دُول یورپ کو اُن حاکمانہ امتیازات سے دست بردار ہونے پر آمادہ کیا جائے، جو اُنھیں مصر میں حاصل ہیں۔ اس مقصد میں بھی کامیابی ہوئی ہی۔ شاہ مصر نے پارلیمنٹ کی تقریر میں اعلان کیا ہی کہ ”ہماری کوششیں کامیاب ہوئی ہیں۔ میری حکومت عنقریب ایک کانفرنس میں دُول یورپ کو مدعو کرنے والی ہی تاکہ اس مسئلہ کا آخری تصفیہ ہو جائے“

مصری پارلیمنٹ کے سلسلہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہی کہ مصطفےٰ نحاس پاشا اُس کے بالاتفاق صدر قرار پا گئے۔ مصطفےٰ پاشا جماعت وفد کے بھی صدر ہیں یعنی مرحوم سعد پاشا زغلول کی جگہ پر قوم کے رہنما منتخب کئے گئے ہیں۔ اب پارلیمنٹ کی صدارت کے بعد وہ مرحوم رہنما کے دونوں منصبوں میں جانشین ہو گئے۔ یعنے جماعت وفد میں بھی اور قومی پارلیمنٹ میں بھی۔

مصر کی سیاسی بیداری کی تاریخ

مصطفےٰ نحاس پاشا مصری رہنما کی زبانی

۱۳ر نومبر ۱۹۱۸ء کا دن مصر کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیگا۔ یہی تاریخ ہی جب پہلے پہل مصر کی موجودہ سیاسی بیداری کی بنیاد پڑی تھی۔ یہ دن ہر سال، ایک قومی عید کی طرح منایا جاتا ہی۔ اس سال بھی یہ عید منائی گئی۔ مرحوم سعد پاشا زغلول کے جانشین مصطفےٰ نحاس پاشا نے اس موقع پر ایک نہایت اہم خطبہ دیا۔ مصری ڈاک میں یہ ہم تک پہونچا ہی۔ اسمیں موصوف نے مصر کی موجودہ سیاسی بیداری کی تاریخ بیان کی ہی۔ ذیل میں اس کا خلاصہ درج ہی:

سیاسی بیداری کا آغاز

”مصر پر ایسے سخت دَور گزر چکے ہیں، جب پرستاران طاقت کو یقین ہو گیا تھا کہ اُن کا جبر و تشدد، قومیت کا شرارہ بجھا دے سکتا ہی اور دلوں پر نا اُمیدی کی موت طاری کر دے سکتا ہی۔ حالانکہ اس کائنات میں کوئی قوت کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو، کسی زندہ قوم کی آرزوئیں مٹا نہیں سکتی، اور نہ قوم کا اتحاد شکست کر سکتی ہی۔ ایسا قوت کی یہ کوششیں کبھی زمانے میں بھی بارآور نہیں ہوئیں۔ کیونکہ یہ کوششیں قانون الٰہی کے خلاف ہیں، مشیت الٰہی کے برعکس ہیں، خدا کی ٹھہرائی ہوئی فطرت میں تبدیل کرنے والی ہیں: ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا!

مصر میں یہ اجتماعی حقیقت ہم نے پوری طرح واضح صورت میں دیکھ لی۔ ظلم و جور، اگرچہ بے حساب تھا، مگر قوم میں آزادی کا جذبہ برابر زندہ رہا۔ ظلم جتنا زیادہ ہوتا جاتا تھا، یہ جذبہ بھی اُتنا ہی زیادہ راسخ ہوتا جاتا تھا۔

جنگ عمومی کا جب صور پھونکا گیا، تو مصر، دول اتحادی کی صف میں کھڑا ہوا، حالانکہ اُس پر سخت قزاقی کی گئی تھی۔ برطانیہ نے اُس پر پورا قبضہ کر لیا تھا اور اس قبضہ کو جنگی ضرورت سے تعبیر کیا گیا تھا جنگ میں مصر نے جان و مال کی بڑی بڑی قربانیاں کیں اور اتحادیوں کا پلہ بھاری کر دیا۔ پھر جب جنگ کی آگ ٹھنڈی ہوئی، تو مصر نے اپنا حق مانگا۔ مگر اتحادی، حق لینے کے عادی تھے، حق دینے کا اُنھیں کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اُنھوں نے مصر کی آواز سننے سے انکار کر دیا!

اُنھوں نے صرف انکار ہی نہیں کیا، بلکہ مصر کی زبان بھی بند کر دی گئی۔ پھر اُس کی ہر ممکن تذلیل کی گئی۔ اُس کی قومیت کا گلا گھونٹ ڈالنے کے لئے وہ ہاتھ آگے بڑھے جو فاتحانہ جنگ میں خون آلود ہو چکے تھے۔

اُسوقت ہم چند دوستوں نے باہم مشورہ کے بعد طے کیا کہ ملک کی نجات کے لئے ایک عام حرکت کی ضرورت ہی۔ مگر یہ حرکت شروع کیونکر ہو؟ یہی سوال بنیادی سوال تھا۔ ہمیں ایسے رہنماؤں کی ضرورت تھی، جن کی شخصیت مسلم ہو۔ ایسی شخصیت صرف مرحوم احمد سعد زغلول پاشا ہی کی تھی۔ ان میں وہ تمام صفتیں جمع تھیں جو ہماری سرداری کے لئے ضروری تھیں۔ وہ اُسوقت مجلس تشریع (لیجس لیٹو اسمبلی) کے سکریٹری بھی تھے۔

ہمنے اس مجلس کے ایک رکن سے درخواست کی کہ وہ سعد پاشا سے اُن کے کسی معتبر دوست کے ذریعہ گفت و شنید کرے۔ دوسرے دن اس رکن نے ہمیں اطلاع دی کہ سعد پاشا کا دوست اس تجویز کے خلاف ہی

اسپر ہمنے اس دوست سے ملاقات کی اور دیر تک بحث کرتے رہے۔ اُسنے آخری سوال یہ کیا ،، اگر ظالم قوت اس حرکت کا فوراً سر کچل ڈالے گی تو پھر کیا ہوگا؟ " ہم نے فوراً جواب دیا " تم چلے جاؤ گے تو ہم تمھاری جگہ کھڑے ہو جائینگے!"

ہمارے جواب پر شخص مذکور مطمئن ہوگیا۔ اُسے یقین آگیا کہ ہم اپنے ارادے میں سچے ہیں۔ تب اُسنے ہمیں بتایا کہ تمھاری یہ تجویز نئی نہیں ہے۔ اور بھی بہت سے لوگوں نے یہی تجویز پیش کی ہے، اور سعد پاشا سے گفتگو جاری ہے۔

۱۰ نومبر ۱۹۱۸ء کو ہمیں ایک ذریعہ سے معلوم ہوا کہ انگریزی ہائی کمشنر کو خبر پہنچ گئی ہے کہ سعد پاشا کے گھر پر خفیہ جلسے ہو رہے ہیں اور وہ فوراً کوئی کارروائی کرنے والا ہے۔ ہم نے فوراً اپنی جماعت کو آگاہ کردیا۔ سب نے طے کیا کہ کل ہی ہائی کمشنر کے سامنے علانیہ اپنے مطالبات پیش کردیں یہ ۱۱ نومبر کا دن تھا، اور التوائے جنگ کا معاہدہ اسی دن منعقد ہوا تھا، لہذا یہی دن مصر کے مطالبات پیش کرنے کے لئے نہایت موزوں بھی تھا۔

ہائی کمشنر نے اس دن ملاقات سے انکار کردیا اور ۱۳ نومبر ۱۹۱۸ء کی تاریخ مقرر کی۔ چنانچہ سعد پاشا، علی شعراوی پاشا، اور عبدالعزیز فہمی بک، انگریزی مستقر میں پہنچے۔ ہائی کمشنر کو مطلق خبر نہ تھی، یہ لوگ کیا کہنے والے ہیں۔ اُسنے خیال کیا تھا یہ چاپلوس اس لئے آئے ہیں کہ فاتح برطانیہ کے حضور مبارکباد کا خاکسارانہ تحفہ پیش کرینگے۔ مگر وہ یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ یہ لوگ مصر کی کامل خود مختاری کا دعویٰ لیکر آئے ہیں۔ ساتھ ہی یہ مطالبہ بھی کرتے ہیں کہ اُنھیں یورپ جانے کی اجازت دی جائے تاکہ اپنے حق کے لئے کوشش کریں۔ ہائی کمشنر بہت چیں بجبیں ہوا، اور یہ کہہ کر انھیں رخصت کردیا کہ اپنی حکومت سے گفت و شنید کر کے جواب دوں گا۔

مصری وفد کی تشکیل

چند روز بعد ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ ہائی کمشنر وہ حیثیت معلوم کرنا چاہتا ہے جسنے اُنھیں اس مطالبہ کا حق بخشا ہے۔ جواب دیا گیا کہ سعد پاشا مجلس تشریع کے سکریٹری ہیں، اور اُن کے باقی دونوں رفیق اس مجلس کے رکن ہیں۔ تینوں قوم کے منتخب نمائندہ ہیں، اور اُنھیں ملک کی طرف سے بولنے کا پورا استحقاق ہے۔

لیکن سعد پاشا نے مناسب سمجھا کہ اس حیثیت کے ساتھ خاص اس مطالبہ میں بھی قوم کی طرف سے نمائندگی کا صریح حق حاصل کرلیں چنانچہ سات آدمیوں کا ایک وفد مرتب کیا گیا، اور قوم کے نام اعلان شایع کیا کہ اس وفد کو آزادی کی جد و جہد میں اپنا نمائندہ قرار دے۔ قوم نے اس دعوت پر اتنی گرم جوشی سے لبیک کہا، کہ انگریز حکام خوف زدہ ہوگئے، اور باشندوں کو نمائندگی کے کاغذ پر دستخط کرنے سے جبراً روکنے لگے۔

انگریز حکام کی اس خلاف قانون حرکت پر سعد پاشا نے وزیر اعظم حسین رشدی پاشا کے سامنے صدائے احتجاج بلند کی۔ وزیر اعظم نے ۲۵ نومبر ۱۹۱۸ء کو جواب دیا کہ وزارت داخلیہ کے انگریز مشیر نے یہ کارروائی کی ہے اور وجہ یہ بتائی ہے کہ بے امنی پھیل جانے کا اندیشہ ہے۔

لیکن یہ ظالمانہ حرکت کچھ مفید نہ ہوئی۔ وفد بالآخر بن ہی گیا۔

قوم کی نمائندگی

وفد کی تشکیل کے بعد سعد پاشا نے وفد کے نام سے از سر نو مطالبہ کیا کہ اُسے سفر یورپ کی اجازت دیجائے۔ اسپر ہائی کمشنر نے یکم دسمبر کو لکھا کہ وہ مصر کے نظام حکومت کے متعلق تمام تحریری تجاویز پر غور کرنے کے لئے طیار ہے، بشرطیکہ یہ تجویزیں اُس مسلک کے خلاف نہ ہوں' جو برطانی حکومت، مصر کے لئے پہلے سے متعین کرچکی ہے!

۳ دسمبر کو سعد پاشا نے جواب دیا۔

،، اس کا نہ مجھے اختیار ہے، نہ وفد کے کسی رکن کو، کہ ایسے معاملات پر گفت و شنید کریں جو قومی مطالبہ کے خلاف ہیں۔ قوم نے ہمیں اپنا نمائندہ بنایا ہے۔ ہم اُس کی مرضی کے خلاف کچھ کر نہیں سکتے،،

سعد پاشا کا ایک خطبہ

اس جواب پر ہائی کمشنر نے خاموشی اختیار کرلی اور وفد نے اپنی جد و جہد شروع کردی۔ ۱۳ جنوری ۱۹۱۹ء کو سعد پاشا نے حمد باسل پاشا کے مکان میں تقریر کرتے ہوئے اعلان کیا:

،، خود مختاری کا خیال، مصر میں کوئی نیا خیال نہیں ہے۔ یہ جذبہ مصر کے دل میں قدیم زمانے سے موجود ہے۔ جب جب حالات مساعد ہوئے، اس جذبے نے ظہور کیا، اور جب جب ظلم و قہر نے تسلط پالیا، یہ جذبہ دب گیا۔ مگر وہ کبھی مرا نہیں۔ موجودہ وقت اس جذبہ کے پورا ہونے کے لئے بہترین وقت ہے، کیونکہ ترکی سیادت، ختم ہوچکی ہے۔ پس انگریزی سیادت کا بھی اب خاتمہ ہوجانا چاہئے۔ یہی وقت ہے جس میں لارڈ سالسبری کی یہ آرزو پوری ہوسکتی ہے کہ " ہم اس کے سوا اور کوئی آرزو نہیں رکھتے کہ مصر سے عزت کے ساتھ واپس چلے آئیں"!

،، یہ انگریزی جنگی قبضہ جو سراسر نا منصفانہ تھا، حمایت (پروٹیکٹریٹ) کی صورت میں بدل دیا گیا۔ یہ تبدیلی، برطانیہ نے صرف اپنی رائے سے کرلی مصر سے استمزاج نہیں کیا گیا۔ لہذا سابق قبضہ کی طرح یہ حمایت بھی لغو اور باطل ہے۔ بین الاقوامی قوانین کے روبرو اُس کی کوئی وقعت نہیں۔ وہ جدید اصول و مبادی جو اس جنگ کے بعد پیدا ہوگئے ہیں اُن کی نظر میں یہ حمایت بالکل بے معنی ہے۔ ہم انسانی قانون کی نظر میں ہر اجنبی تسلط و اقتدار سے آزاد ہیں۔ ہم کسی اجنبی کی قانونی ماتحتی میں نہیں ہیں۔ ہمیں اب جس چیز کی ضرورت ہے، وہ صرف یہ ہے کہ صلح کانفرنس بھی ہماری قانونی آزادی اور خود مختاری تسلیم کرلے۔ اسکے بعد ہم عملاً اپنے حق آزادی سے متمتع ہونے لگیں گے۔ اسی بلند مقصد کے لئے، جو تمام مصریوں کی دلی آرزوئیں اپنے اندر رکھتا ہے، میں نے اور میرے رفقاء نے "مصری وفد،، مرتب کیا ہے تاکہ مصر کی خود مختاری کا دُنیا سے اعتراف کرائیں۔ اسی مقصد کے لئے قوم نے ہمیں اپنا نمائندہ بنایا ہے!"

یہ خطبہ، مصر کی جدید تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیگا، کیونکہ جنگ کے بعد سے کسی کو صاف صاف بولنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی۔ سعد پاشا نے انگریزی رعب کا باطل طلسم توڑ ڈالا، اور تمام مصری پوری جرأت کے ساتھ بولنے لگے۔

سعد پاشا کی ایک اور تقریر

۷ فروری ۱۹ء کو سعد پاشا نے ایک اور یادگار تقریر کی مسٹر برونیٹ نے جدید فوجداری قوانین پر ایک خطبہ سُنایا تھا۔ اس جلسہ میں وزیر عدالت اور بہت سے ارکان حکومت موجود تھے۔ خطبہ کے بعد سعد زغلول پاشا کھڑے ہوگئے اور اپنی تقریر کے دوران میں کہا:

،، برطانیہ نے مصر پر حمایت اپنی رائے اور ارادے سے قائم کردی ہے مصر سے کبھی رائے نہیں لی گئی۔ لہذا یہ حمایت سراسر باطل ہے اور قانوناً اس کا کوئی وجود نہیں۔ یہ ایک جنگی ضرورت بتائی گئی تھی۔ اب چونکہ جنگ ختم ہوگئی ہے، اس لئے اُس کی تمام ضرورتوں کے ساتھ یہ ضرورت بھی ختم ہوگئی۔ ناممکن ہے کہ جنگ کے بعد ایک لمحہ کے لئے بھی یہ صورت حال گوارا کی جاسکے"

سعد پاشا کو تنبیہ

اس تقریر نے ملک میں سخت جوش پیدا کردیا، اور ہر طرف سے آزادی کا اعلان ہونے لگا۔ یہ دیکھ کر ۶ مارچ ۱۹ء کو انگریزی سپہ سالار نے (کیونکہ اب تک مارشل لا ملک میں جاری تھا) سعد پاشا اور اُنکے رفقاء کو طلب کرکے تنبیہ کی کہ "تم انگریزی حمایت کو اپنی گفتگو کا موضوع نہ بناؤ۔ ورنہ سخت جنگی سزا دی جائے گی!" سعد پاشا نے جواب دینا چاہا، مگر متکبر سپہ سالار نے فوراً یہ کہہ کر اُن کا مُنہ بند کردیا ،، بس خاموش"! سعد پاشا چلے آئے اور اس نامہذب برتاؤ پر بڑی سختی سے احتجاج کیا۔

سعد پاشا کی جلاوطنی

اس واقعہ کے دوہی دن بعد انگریز سپہ سالار نے سعد پاشا، حمد باسل پاشا، اور اسمٰعیل صدقی پاشا کو گرفتار کرکے مالٹا بھیجدیا۔

اس واقعہ نے تمام ملک میں سخت غیظ و غضب پیدا کردیا۔ ہر طرف شورشیں برپا ہوگئیں۔ بہت سے فدائیوں نے اپنی جانیں تک قربان کرڈالیں۔ انگریزی فوج نے دیکھ لیا کہ وہ اب قوم کو مرعوب نہیں کرسکتی۔ اب انگریزی سپہ سالار نے وفد کے باقی ارکان کو دھمکانا شروع کیا۔ ۱۶۔ مارچ کو یہ لوگ طلب کئے گئے اور اُنھیں کہا گیا کہ اس تمام شورش کے ذمہ دار تم ہی ہو۔

ہمنے جواب دیا کہ اس بے چینی کی ذمہ داری انگریز سپہ سالار پر ہے کیونکہ مصری وفد کو سفر سے روک دیا گیا ہے، اور سعد پاشا اور اُنکے رفقاء کو جلاوطن کردیا گیا ہے۔

قوم کی پہلی فتح

ملک بھر میں سخت ہیجان تھا۔ عین اسوقت لارڈ النبی مصر پہنچے، اور اُنھوں نے یقین کرلیا کہ قوم کا یہ جوش مصنوعی نہیں ہے۔ اُسے کسی طرح دبایا نہیں جاسکتا۔ چنانچہ ۷ اپریل کو ظلم و قہر کی قوت نے اپنی پہلی شکست تسلیم کی۔ جلاوطن قومی نمائندوں کو آزاد کردیا گیا اور مصریوں کو سفر کی اجازت دیدی گئی۔ اس اولین فتح مبین پر قوم کی مسرت بے حساب تھی۔ لیکن وہ اسپر قانع نہیں ہوسکتی تھی چنانچہ ۱۱۔ اپریل کو مصری وفد، صلح کانفرنس کے سامنے مصر کا دعویٰ پیش کرنے کے لئے روانہ ہوگیا۔

جب ہم مالٹا پہنچے، تو سعد پاشا اور اُن کے رفقاء ہمارے ساتھ ہوگئے۔ سعد پاشا نے سب سے پہلی بات جو مجھ سے کہی، یہ تھی:

،، ہماری جلاوطنی تو ختم ہوگئی۔ مگر اس کی خوشی نے ہمیں اُس ذمہ داری سے غافل نہیں کیا ہے جو اب ہمپر قوم کی جانب سے عائد ہوگئی ہے!"

اتحادیوں کے اخلاقی دعووں کی حقیقت

ہم پیرس پہنچے تو معلوم ہوا، دول اتحادی کے مدبر صلح کانفرنس کے دروازے پہلے ہی سے بند کئے بیٹھے ہیں۔ ہم نے لاکھ لاکھ کوشش کی، مگر کانفرنس کے ایوان تک ہماری پکار نہیں پہنچ سکی۔ اسی قدر نہیں بلکہ اخبارات کے صفحات بھی ہمپر بند کردیئے گئے تھے۔ کوئی اخبار بھی ہماری فریاد شایع کرنے پر طیار نہ تھا۔ اُسوقت ہمنے محسوس کیا کہ حق، عدل، آزادی، اخوت، یہ تمام الفاظ محض بے معنی ہیں ان الفاظ سے دول متحدہ کی غرض صرف یہ ہے کہ دُنیا کو دھوکا دیا جائے چنانچہ جنگ جیت لینے کے بعد حق و انصاف کے تمام دعوے پس پشت ڈال دیئے گئے اور ظلم و جور کا دور دورہ شروع ہوگیا!

ہماری مصیبت یہیں پر ختم نہیں ہوگئی، بلکہ ،، پیغمبر صلح و انسانیت" مسٹر ولسن صدر جمہوریت امریکہ نے مصر پر انگریزی حمایت تسلیم کرکے ہماری مصیبت میں ایک نیا اضافہ کردیا۔ اسپر بھی ہم نا امید نہیں ہوئے، برابر کوشش کرتے رہے۔ بالآخر ہماری کوششوں سے ایسی صورت حال پیدا ہوگئی کہ برطانیہ کو ہماری آواز سننے پر مجبور ہوجانا پڑا۔ اُسنے پھر فریب دینا چاہا تھا، اور ملنر کمیشن کا کھلونا ہمارے کھیلنے کے لئے بھیجدیا تھا۔ لیکن اب ہم سیاست میں طفل مکتب نہ تھے کہ اس دلچسپ کھلونے سے کھیلنے لگتے۔ ملنر کمیشن نے مصر میں آکر وہ منظر دیکھا، جس کی آسے

ہرگز توقع نہ تھی۔ اُسنے دیکھا کہ پوری قوم متحد و متفق ہو، اور بیک آواز "مقاطعہ" کا اعلان کر رہی ہو!

ملنر کمیشن نے بہت کوشش کی۔ بہت پکارا۔ مگر قوم کا صرف یہی ایک جواب تھا کہ "وفد سے باتیں کرو۔ ہم کچھ نہیں سُنیں گے" کمیشن مایوس ہو کر لوٹا اور وفد کو گفتگو کے لئے لندن میں دعوت دینی پڑی۔ ابتدائی گفتگو کے بعد ہی معلوم ہو گیا کہ برطانیہ اب تک اپنی طفل تسلیاں ہی کافی سمجھتا ہو۔ اُس کے نقطۂ نظر میں کوئی بُنیادی تبدیلی نہیں ہوئی ہو۔ حالانکہ خود لارڈ ملنر نے اپنی روداد میں تسلیم کر لیا تھا کہ مصر کی موجودہ حرکت ایک حقیقی وطنی حرکت ہو، اور یہ کہ وفد مصری پورے ملک کا صحیح نمائندہ ہو۔ مگر برطانی حکومت نے اسپر کوئی توجہ نہ کی۔

قوم کی دوسری فتح

جد و جہد جاری رہی۔ حالات سخت سے سخت ہوتے گئے۔ اب برطانیہ نے دیکھا کہ نیا قدم اُٹھائے بغیر کوئی چارہ کار نہیں، چنانچہ نہایت مجبوری سے اعلان کر دیا کہ "مصر اور برطانیہ کے مابین حمایت ایک ناپسندیدہ علاقہ تھا!" یہ قوم کی دوسری فتح مبین تھی!

نا اتفاقی نے حالت بدلدی

اس اعلان کے بعد برطانیہ اُس منزل میں اُتر آیا تھا جہاں مفاہمت کی اُمید ہو سکتی تھی۔ چنانچہ سرکاری گفت و شنید کے لئے عدلی پاشا کی وزارت مرتب ہوئی۔ اُس وقت سعد پاشا یورپ سے لوٹ آئے تاکہ اپنے مفید مشوروں سے حکومت اور قوم کی رہنمائی کریں۔ مگر افسوس اس نازک گھڑی میں نا اتفاقی کے شیطان نے ہمارے اندر سر اُٹھایا قوم میں پھوٹ پڑ گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ برطانیہ جتنے قدم آگے بڑھا تھا، اتنے ہی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ مصر کی آواز سننے سے دوبارہ کان بند کر لئے گئے۔ ظلم و قہر کا از سر نو دور دورہ شروع ہو گیا۔

ایک اور برطانی وفد

جس زمانے میں مصری حکومت کا سرکاری وفد گفت و شنید کے لئے لندن گیا تھا، اُسی زمانے میں برطانی پارلیمنٹ کا ایک دوسرا وفد مصر آیا تاکہ اصلی حالات کی تحقیقات کرے۔ اس وفد نے آتے ہی حقیقت معلوم کر لی، کیونکہ وہ اس قدر روشن تھی کہ کوئی آدمی بھی اُس سے لاعلم نہیں رہ سکتا تھا۔ اس وفد نے واپس جا کر اپنی روداد شایع کر دی۔ اسمیں لکھا تھا کہ مسئلۂ مصر کا ایک ہی حل ہو۔ اور وہ یہ ہو کہ مصر کی کامل خود مختاری تسلیم کر لی جائے۔ اس وفد نے مصر کو بہت فائدہ پہونچایا، کیونکہ انگلستان کی عام رائے حقیقت حال سے واقف ہو گئی تھی۔

علی گڑھ میگزین کا نو وکیشن نمبر

ہندوستان کے مشہور اور ممتاز علمی رسالہ علی گڑھ میگزین کا نو وکیشن نمبر خاص اہتمام اور نہایت آب و تاب کے ساتھ جنوری ۱۹۲۸ء میں شایع ہو گا۔ اس پرچہ میں تصاویر کے علاوہ ملک کے ممتاز انشا پردازوں کے مضامین اور بلند پایہ شعرا کے افکار عالیہ شایع ہونگے۔ اس پرچہ کی ضخامت بھی غیر معمولی ہوگی اور اردو کتابت و طباعت کا بہترین نظر فریب نمونہ ہوگا۔ تمام اہل علم و ادب اور خصوصاً ان ارباب علم سے جن کا تعلق مسلم یونیورسٹی سے بحیثیت اولڈ بوائز رہا ہو استدعا کی جاتی ہو کہ اپنے مادر علمی کے اس رسالہ کے خاص نمبر کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔ مضامین اور حصۂ نظم اڈیٹر صاحب علی گڑھ میگزین مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے پتہ پر چار دسمبر ۱۹۲۷ء سے قبل پہنچ جانا چاہئیں۔ خریداری رسالہ و اجرت اشتہارات کے واسطے منیجر صاحب مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ سے خط و کتابت کیجئے۔ منیجر علی گڑھ میگزین

عالم مطبوعات و صحائف

مشتری کے متعلق تازہ معلومات

مُشتری، نظام شمسی میں سب سے بڑا اور زہرہ کے بعد سب سے زیادہ چمکنے والا ستارہ ہو۔ وہ آفتاب سے ......۴۸۳ میل دُور ہو۔

ایک امریکن ہیئت داں نے حال میں ایک رسالہ لکھ کر مشتری کے متعلق تازہ ترین معلومات جمع کر دی ہیں۔ وہ کہتا ہو، مُشتری کی اہمیت صرف اسی لحاظ سے نہیں ہو کہ وہ سب سے بڑا اور زہرہ کے بعد سب سے زیادہ روشن ستارہ ہو، بلکہ اُس کی اہمیت اس لحاظ سے بھی ہو کہ وہ اجرام سماوی کے متعلق سدیمی نظریہ کا سب سے زیادہ واضح ثبوت پیش کرتا ہو۔

مشتری کا فلک ...۲۷،۱۷ میل کے دائرے میں ہو۔ وہ اپنے محور کے گرد ہر ۹ گھنٹے ۵۰ منٹ میں گردش کرتا ہو۔ اس کا مطلب یہ ہو کہ اُس کی رفتار غائت درجہ تیز ہو۔ اپنے خط استوا پر اُس کی حرکت ۲۶ ہزار میل فی گھنٹہ ہو جاتی ہو۔ مشتری کے مادہ کی کثافت زمین کے مادے کی کثافت کے مقابلے میں ¼ کا درجہ رکھتی ہو۔ لیکن اُس کی قوت جاذبہ زمین کی قوت جاذبہ سے کہیں زیادہ ہو۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ مُشتری میں چیزوں کا وزن، زمین میں چیزوں کے وزن سے بہت زیادہ ہوگا۔

مُشتری کے اقمار

مشتری کے چاند، نو ہیں۔ ان اقمار کو علم ہیئت کی تاریخ میں بہت اہمیت حاصل ہو۔ کیونکہ:

(۱) اُس کے ۴ چھوٹے چاند، اجرام فلکی میں سب سے پہلے انسان نے معلوم کئے۔ گلیلو نے اپنی کمزور دوربین سے یہ چاند دیکھے تھے۔

(۲) ان چاندوں کے گرہن کے اختلاف نے پروفیسر رومر کو موقعہ دیا کہ ۱۶۷۵ء میں نور کی سرعت دریافت کرے۔

(۳) ان چاندوں کی حرکت کے ذریعہ، مشتری کے مادہ اور اُس کی کثافت کی تحقیق میں بہت سہولت ہوئی

۱۸۹۲ء میں پروفیسر برنارڈ نے مقام لیک کے رصد خانہ سے مشتری کا پانچواں چاند دیکھا۔ یہ پہلے چار چاندوں سے بہت چھوٹا تھا۔ باقی ۴ چاند، ابھی حال میں فلکی عکاسی کی ترقی کے بعد دریافت ہوئے ہیں

دُمدار ستارے

مشتری کے قریب ۳۰ سے زیادہ دُمدار ستارے بھی موجود ہیں۔ ان ستاروں کے فلک، مشتری کے فلک سے تقریباً متصل ہیں۔ خیال کیا جاتا ہو کہ کسی قدیم ترین زمانے میں یہ ستارے مشتری کے قریب حرکت کرتے تھے، بتدریج اُسنے اُنھیں جذب کر لیا، یہاں تک کہ اب قریب ہو کہ آخر بالکل جذب کر جائے، اگرچہ یہ ستارے ابتک آفتاب ہی کے گرد حرکت کر رہے ہیں۔

مشتری کے خطوط

دُوربین سے مشتری کو دیکھنے سے اُس کے قرص پر کچھ خطوط یا مختلف رنگوں کے مساوی مسافت کے رُقبے نظر آتے ہیں۔ یہ خطوط، زمین کے فرضی خطوط العرض کے بالکل مشابہ ہیں۔ یہ خطوط ہمیشہ نظر نہیں آتے۔ وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے ہیں اور چند ہفتے، چند مہینے، اور کبھی کبھی چند سال باقی رہ کر غائب ہو جاتے ہیں۔ ان کے ظہور و غیبت کی اب تک کوئی تعلیل نہیں کی جا سکی۔ علماء کا خیال ہو کہ آفتاب کو اس بارے میں کوئی دخل نہیں۔ یہ تبدیلی کسی خاص وقت کی پابند نہیں ہو۔ یہ بھی عجیب بات ہو کہ مشتری کا قرص، مرکز کے بُعد سے سیاہ ہونا شروع ہوتا ہو۔ یعنی اپنے قطبین پر مشتری کا رنگ مرکز کے مقابلہ میں کہیں زیادہ دھندلا بلکہ تاریک ہو۔

مشتری کی حرکت

مشتری کی اس درجہ چمک، اس امر کی دلیل ہو کہ اُس کی سطح، در اصل ایک کثیف ابر ہو۔ تحقیقات سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ ابر، آفتاب کی قوت سے نہیں بلکہ خود مشتری کی قوت سے بنتا ہو۔ مشتری کی یہ خصوصیت بھی عجیب ہو کہ اُس کا پورا جسم ایک ساتھ اپنے محور پر گردش نہیں کرتا، بلکہ اُس کے بعض اجزا بہت تیزی سے حرکت کرتے ہیں، بعض سُست رفتار ہیں!

مشتری کی حرارت، باوجود اسکے کہ وہ آفتاب سے اس قدر دُوری پر ہو، بہت ہی عظیم ہو۔ علماء کا خیال ہو کہ یہ حرارت آفتاب سے پیدا نہیں ہوتی، بلکہ خود مشتری ہی سے پیدا ہوتی ہو۔

انسان کا مستقبل

سر فلیپ گبز، انگلستان کا مشہور عالم اہل قلم ہو۔ پچھلے دنوں اُسنے مذکورہ بالا عنوان پر ایک مضمون شایع کیا ہو۔ وہ لکھتا ہو:

"انسان، قدرت کی خفتہ قوتیں بیدار کر کے سخت خطروں میں پڑ گیا ہو۔ اب اُس کے لئے اسکے سوا کوئی چارہ نہیں کہ یا ان قوتوں کو آخری طور پر مغلوب کر کے مسخر کر لے، یا خود مغلوب ہو کر برباد ہو جائے۔ حالات بتا رہے ہیں کہ انسان، علم کی ترقی کے ساتھ ساتھ قدرت کی قوتوں پر برابر غالب ہوتا رہے گا۔ یہاں تک کہ وہ زمین کا مطلق العنان حاکم بنجائے گا۔ اسی غرض سے بعض علماء نے تجویز پیش کی ہو کہ قدرت سے جنگ کا یہ طویل سلسلہ دس برس کے لئے منقطع کر دیا جائے یعنی التوا جنگ ہو جائے، تاکہ اس دوران میں انسان اسوقت کی تمام علمی فتوحات اچھی طرح استعمال میں لا سکے۔ اگر انسانی فتوحات کی یہ تیز رفتاری کچھ مدت کے لئے روکی نہ جائے گی، تو بہت جلد انسان کے دماغ کو مختل کر ڈالے گی۔ وہ مبہوت ہو کر رہ جائے گا اور فتح تباہ کن شکست بنجائے گی"۔

"لیکن یقین نہیں کہ دُنیا اس تجویز پر عمل کر سکے۔ کیونکہ انسانی دماغ اب رکنے سے بھی رُکتا نظر نہیں آتا۔ ہزارہا برس کی قید کے بعد اب وہ آزاد ہو گیا ہو۔ اور برابر بے قید ہی رہنا چاہتا ہو"

"اب انسان کی کوشش یہ ہو کہ قدرت کا وہ سب سے بڑا اختیار بھی چھین لے جسپر ابتک نظر اُٹھانے کی اُسنے اجازت نہیں دی تھی۔ اب انسان چاہتا ہو کہ خود اپنی قسمت کا بھی حاکم بنجائے۔ اُسے شرم آتی ہو کہ خود اُس کی تکوین و تخلیق اور اُسکے نفس کی تکییف کا معاملہ، قدرت کے ہاتھ میں ہو، چنانچہ اب وہ چاہتا ہو کہ اپنی پسند کے مطابق اپنی نسل پیدا کرے، اور اپنی خواہش و ارادے سے اپنے اخلاق و اطوار بنائے"

"انسان نے اب معلوم کر لیا ہو کہ جسم اور اخلاق کی تکوین کا معاملہ سراسر اُن غدد یا گلٹیوں سے وابستہ ہو، جو ہر جسم میں موجود ہوتی ہیں اگر مادہ کے جسم سے وہ خاص گلٹیاں نکال دی جائیں جنھوں نے اُسے مادہ بنا دیا ہو، اور اُن کی جگہ وہ گلٹیاں لگا دی جائیں جن کی وجہ سے ذی روح نر ہوا کرتا ہو، تو فوراً جنسیت بدلجائے گی یعنی مادہ، نر بنجائے گی اسی طرح نر کو مادہ بنا دیا جا سکتا ہو۔ اب معلوم ہو چکا ہو کہ سر کی ایک گلٹی سے جو مادہ خارج ہوتا ہو، اُس کی کمی بیشی سے انسان لانبا اور پست قد ہو جاتا ہو۔ اگر عمل جراحی کے ذریعہ اس گلٹی کے عمل میں ترمیم کر دی جائے، تو حسب مرضی قد دراز اور پست ہو جا سکتا ہو۔ اب قطعی طور پر ثابت ہو چکا ہو کہ تمام چوروں کے جسم میں بعض خاص قسم کی گلٹیاں ہوتی ہیں۔ اُنھیں کے اثر سے وہ چوری کرتے ہیں۔ یہی حال خصلتوں کا ہو کہ مخصوص گلٹیوں سے تعلق رکھتا ہو۔ اگر ان گلٹیوں [illegible] تبدیلی کر دی جائے تو آدمی کے اخلاق بدل جا سکتے ہیں۔ وہ وقت [illegible] لد آنے والا ہو جب مجرموں کو قید اور پھانسی کی سزائیں نہیں دی جائیں گی، بلکہ اُنھیں شفاخانوں میں بھیجدیا جائے گا جہاں اُن پر عمل جراحی کیا جائے گا اور جُرم کی گلٹی جسم سے نکال کر *اُنھیں نیک بنا دیا جائے گا"

"بلاشبہ یہ تحقیقات ابھی ابتدائی مرحلوں میں ہیں مگر علماء کی کوشش جاری ہیں۔ قوی اُمید ہو کہ وہ جلد مکمل ہو جائیں گی۔ اُسوقت انسان اپنی نسل پر پُوری طرح حکمران ہو جائیگا" اسمیں شک نہیں انسان کی بلند پروازیوں کے لئے کوئی حد نظر نہیں آتی، لیکن ہمیں یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ قدرت کی فضا بھی لا متناہی ہو...... اور کوئی حد نہیں رکھتی۔ انسان کتنا ہی بلند ہو جائے، پھر بھی قضا و قدرت اتنی ہی بلندی پر رہے گی، جتنی بلندی پر ہمیشہ سے چلی آتی ہے!

دہلی کے نامی اور نامور مشہور معتبر مقبول خاص و عام اسم بامسمیٰ

ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی کا

عدیم المثال نادر الوجود گرانمایہ تحفہ

تار کا کافی پتہ "ہمدرد، دہلی"

ماء اللحم دو آتشہ

بہ نسخۂ خاص

زندگی جیسی عزیز اور پیاری چیز ہے، ظاہر ہے لیکن تندرستی بھی ایک ایسی نعمت ہے کہ بغیر اس کے زندگی بے لطف بلکہ بیکار ہے۔ تندرستی ہزار نعمت ہے۔ تندرستی ہے تو سب کچھ ہے۔ اگر آپ کو تندرستی کی قدر ہے اور تندرست رہنا پسند کرتے ہیں تو ہمارا تازہ کشید کیا ہوا ماء اللحم استعمال کیجئے اور پیری میں شباب کا لطف اٹھائیے یہ امر تو مسلم ہے کہ ماء اللحم مقوی ارواح ہے، بدن میں چستی اور توانائی پیدا کرنا۔ رنگ کا نکھارنا۔ روح کو تازگی اور قوت دینا۔ گئی ہوئی طاقت میں از سر نو جان کا ڈالنا اس کی خاصیت ہے۔ مگر ہمارا ماء اللحم خصوصیت کے ساتھ پیروں کو جوان اور جوانوں کو نوجوان بناتا ہے اس لئے کہ نادر اور بیش قیمت اور مقوی اور فرحت بخش اجزاء سے بطرز خاص تیار کیا گیا ہے۔ نسخہ بھی اس کا معمولی اور کتابی نہیں ہے بلکہ عالیجناب شفاء الملک بہادر غفران مآب رئیس اعظم دہلی کا خاص خاندانی نسخہ ہے جو جناب ممدوح نے بغرض رفاہ عام "ہمدرد دواخانہ" کو مرحمت فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ ماء اللحم کا استعمال فرما کر خدا کی قدرت کا مشاہدہ کیجئے۔ فائدہ تو تین دن کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے مگر معتدبہ اور پورا فائدہ ایک چلہ میں ہوتا ہے۔ پبلک کو صرف اپنی لفاظی اور خوش بیانی سے خوش کر دینا ہمارا شیوہ نہیں ہے۔ مگر بعض امور میں ہم کو اپنی سچی ہمدردی کے اظہار کا کوئی موقع نہیں ملتا ہے تو مجبور ہو کر اشتہار دینا پڑتا ہے۔

ماء اللحم کے استعمال کا یہی موسم ہے اور یہی زمانہ ہے منگائیے! اور آزمائیے! تجربہ بتا دے گا کہ ہمدرد کہاں تک اپنے دعوی میں سچا ہے۔ مشک آنست کہ خود ببوید۔ قیمت بھی بہ نظر ہمدردی پانچ روپیہ فی بوتل مقرر کی گئی ہے علاوہ اسکے چند اقسام کے حلوے مقوی اور خوش ذائقہ نہایت نفیس تیار ہیں جن کے پورے افعال و خواص آپ فہرست میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ نیز ہر قسم کی مفرد و مرکب دوائیں اس دواخانہ سے مناسب قیمت پر ملتی ہیں۔ فہرست ۱۹۱۲ء مع جنتری تیار ہے۔ مفت طلب فرمائیے۔ خط و کتابت کے لئے کافی پتہ "منیجر ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی"

منیجر ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی

مستورات کے لئے بہترین تحفے

نئی ایجاد — بڑے نمونے

چوڑیاں: یہ نہایت خوبصورت نازک اور منقش چوڑیاں حال ہی میں تیار ہو کر آئی ہیں۔ چونکہ انہیں ایک خول کی صورت میں بنایا گیا ہے۔ ان کے اندر رنگین ریشمی چوڑیاں ہیں۔ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہترین زبرجد یاقوت نیلم اور پکھراج کے نگینے جڑ دیئے گئے ہیں۔ برسوں استعمال کیجئے۔ لیکن رنگ و رونق میں مطلق فرق نہیں آتا۔ نہ سیاہی دیتی ہیں۔ مستورات کے لئے بہترین تحفہ ہے۔ صرف ایک روپیہ میں ۵۰ روپیہ کا کام نکالا جا سکتا ہے دوسرے لوگ یہی چوڑیاں ڈھائی روپے کی ۸۔۸ فروخت کرتے ہیں لیکن ہم نے زیادہ بکری اور تھوڑے منافع کے اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے قیمت بہت کم کر دی ہے۔ یعنی بارہ چوڑیوں کا سٹ قیمت صرف ایک روپیہ اس شرط پر کم از کم ایک سٹ ضرور منگوائیے۔ کہ اگر ناپسند ہوں تو واپس کر کے دام لے لیجئے۔ ہر سائز کی موجود ہیں۔ سیکڑوں کی تعداد میں روزانہ فروخت ہوتی ہیں۔ جلد منگوائیے تاکہ اسٹاک ختم نہ ہو جائے۔

گولڈن انگوٹھیاں: ہر ناپ کی نگدار نہایت نفیس اور خوبصورت انگوٹھیاں حال ہی میں تیار ہو کر آئی ہیں۔ خالص سونے کی انگوٹھی ان کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ ایک انگلی میں یہ انگوٹھی پہنئے اور ایک میں خالص سونے کی۔ اگر پہچان لے۔ تو ہمارا ذمہ۔ کسی جوہری صراف کے پاس لے جائیے۔ وہ بھی فوراً شناخت نہیں کر سکے گا۔ اگر آپ کو انگوٹھی کی ضرورت ہے۔ تو آپ کیوں ناحق ۲۵۔۳۰ روپئے ضائع کرتے ہیں، کیوں نہیں صرف ایک روپیہ میں کام لیتے ہیں۔ قیمت فی عدد ایک روپیہ۔ تین کے لئے ڈہائی روپیہ (۲؍۸)

خط و کتابت کا پتہ۔ منیجر زمانہ کاروبار لاہور



جلد آرڈر دیجئے

سونے کی چوڑیاں

زبردست رعایت

یعنی

تین روپے کے بجائے سوا روپیہ میں

ہم نے مال کی نکاسی کی غرض سے ان چوڑیوں کی قیمت میں خاص رعایت کر دی ہے۔ کیونکہ ہم براہ راست مال منگاتے ہیں اس لئے یہ رعایت کی گئی ہے یعنی بجائے تین روپیہ فی سٹ کے سوا روپیہ فی سٹ۔ یہ چوڑیاں خول کی صورت میں بنائی گئی ہیں انکے اندر ریشمی رنگین چوڑیاں آ جاتی ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہترین ہیرے جواہرات کے نگینے انکے اندر جڑ دیئے گئے ہیں صنف نازک کے لئے عجیب تحفہ ہے اور سوا روپیہ میں ڈھائی سو روپیہ کا کام نکالا جا سکتا ہے۔ برسوں استعمال کیجئے خراب نہیں ہوتیں۔ ہر سائز کی موجود ہیں۔ ناپ ضرور روانہ کریں۔ قیمت فی سٹ ۱۲ عدد سوا روپیہ (۱؍۴) محصول ۹؍ ایجنٹ جلد خط و کتابت کریں۔ نمونے کے لئے دو آنے (۲؍) کا ٹکٹ آنا چاہئے۔ ملنے کا پتہ۔ بی۔ کے برادرس اینڈ کو نمبر ۹۵ دہلی

برص سفید داغ ۲۱ یوم میں جڑ سے غائب، ورنہ پوری قیمت واپس۔ اقرار نامہ لکھا لیں کیس ۲۱ خوراک معجون مسیحا اور ایک شیشی روغن مسیحا جو پورے ۲۱ روز کافی ہوگی قیمت مع خرچ سات روپیہ تیرہ آنہ (۷؍۱۳)

-: دفتر معالج برص نمبر ۱۵ دربھنگہ (بہار) :-

افیم چھڑانے کی بے نظیر گولیاں: جن کے استعمال سے صدہا عملی آسانی سے افیم چھوڑ چکے ہیں ایک روپیہ ہوار کے عملی کے لئے چار کی گولیاں کافی ہو سکتی ہیں: ملنے کا پتہ حکیم محمد عمر اینڈ سنز۔ موگا ضلع فیروزپور پنجاب

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اسوقت

دُنیا کا بہترین فاونٹین قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

قلم ہے؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ ہونیکی وجہ سے خراب نہیں ہو سکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپکو آپکی زندگی بھر کام دے سکتا ہے

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دُنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجربہ کیجیے

یاد رکھیے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپکو "شیفر" کا "لائف ٹائم" لینا چاہیے!

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں

تو

یاد رکھیے

کہ

آپکو ایک مستند اور آخرین رہنما

گائڈ بک

کی ضرورت ہے

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سوسائٹیوں

ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں،

قابل دید مقامات،

اور

آثار قدیمہ وغیرہ سے

آپکو مطلع کردے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیجا سکیں جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے۔ ایسی مکمل گائڈ بک صرف

ڈنلاپ گائڈ ٹو گریٹ برٹین

The Dunlop Guide To Great Britain

کا

دوسرا ایڈیشن ہے

ہندوستان کے

تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سے مل سکتی ہے

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی تھی جب رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رُو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جا سکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟ قیمت مجلدہ آنے (۱۲)

(منیجر الہلال کلکتہ)

اگر آپ کو

دمہ

ضیق النفس

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہے

تو تأمل نہ کیجیے۔ اپنے سے قریب تر دوا فروش کی دکان سے فوراً

ایک ٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا

منگوا کر

استعمال کیجیے